آئینوں کا شہر

فائزہ افتخار

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پیش لفظ

"آئینہ" دوست بھی ہے اور دشمن بھی.....

کوئی آئینہ دیکھ کے اترا تا ہے، کوئی گھبراتا ہے۔

آئینہ کسی کو اپنائیت کا احساس دلاتا ہے تو کسی کو اجنبیت کا۔

اور جب شہر کی آنکھوں کا ہو..... تو کوئی کہاں تک اپنے عکس سے بچے۔

اس ناول کو میں نے لکھا نہیں..... بلکہ اس کے ہر کردار کے سامنے آئینہ رکھ دیا، وہ کردار خود اپنا آپ لکھتے گئے۔

ان میں صاحبزادہ فیض علی خان جیسے بھی تھے جن کو آئینہ اور سربلند کر دیتا تھا۔ اپنا عکس جن کے اندر فخر و غرور کی لہریں اور بھی تلاطم خیز کر دیتا تھا۔ ان میں شہزاد ملک بھی تھا جس کو آئینہ دیکھنے سے نفرت تھی جس کو اپنے عکس سے گھن آتی تھی مگر زندگی نے قدم قدم پر اس کے لیے آئینے نصب کر رکھے تھے۔

کوئی صاحبزادہ فیض تھا اور کوئی موتیا..... جن کے لیے پتھر بھی آئینہ بن جاتے تھے کیونکہ ان کا عکس ہی اتنا شفاف تھا۔

کوئی گل سحر..... جس کا عکس پانے کے بعد آئینہ پتھر ہو جاتا..... شاید وہ عکس سہن نہ سکتے میں آ کر۔

کوئی وہ عاصی۔ آئینہ جسے اپنے عیبوں اور دو عکس دکھاتا تھا.....

اور کوئی باہر والی عکس..... جس سے آئینہ بھی گھبراتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی ان گنت کرداروں کے بولتے عکس آپ کو اس آئینے میں نظر آئیں گے۔ کون سا عکس آپ کو اپنے "آئینے" میں دکھانا ہے طے کرنا آپ کا کام ہے۔

فائزہ افتخار

آئینوں کا شہر

صاحبزادہ فیض علی خان کے آنگن میں اترنے والی ایک صبح کا منظر ہے۔ بانس کی کھپی اور چوڑی باندھ کے اس طرف سفید سے اسمائی جاسن اور امرود کے پیڑوں نے سورج کی چرخی کھینچ کر استہ قدرے روک رکھا ہے پھر بھی دھوپ کے کیش دامن کے پردے بندھے ہونے کے باوجود تیز کرنیں کے سے پھاند کے اندر جانے والی غلام گردش تک اپنے پاؤں پھیلا رکھے ہیں۔

غلام گردش میں بنی ہوئی چوکی پر سوتیلے بچوں کی زیر نگاہ بڑی بیگم بیگم عظمت النساء جائے نماز کا کونا موڑے سامنے دو الو بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ کمرے سرمئی دانوں والی تسبیح ان کے گورے گورے ہاتھوں میں بڑی بھلی لگتی ہے۔ تسبیح کے دانوں کے گرنے اور ان کے باریک لبوں کے مخصوص انداز میں ہلنے میں عجب ہم آہنگی ہے۔ عبادت کرنے کے بعد انہوں نے اسی طرح انگلیوں میں تسبیح لٹکائے اپنے باریک سے ہم آہنگ ہونے والے سفید سادہ سے خوش رو اور چوڑے پائنچے پھیرنے کے بعد انہوں نے پکی پڑھی ہوئی آنکھیں پھر ذرا سی کھولیں اور ایک دم ہی ان کا سارا چہرہ جگمگا اٹھا۔ سرمئی رعشہ زدہ انگلیوں نے اب تک بے رعب و دبدبے سے ایسے مقدر سے چھپا رکھے تھے کہ انہیں اٹھاتے ہی تاتا فاتا ان کی نورانی شخصیت جلالی لگنے لگی۔ ساتھ بیٹھا بچہ انہوں نے نہ سنے بڑی خفا ہے۔ چند ادھ کھلی کلیاں اٹھائیں اور نماز کے لیے اچھی طرح بچھی چادر ذرا سی سرکا کے کانوں کے پیچھے اڑس دیا۔ دوسرا ہاتھ پیچھے کی طرف کیا اور چند بیکٹ کچھ لینے کے بعد واپس آ گیا۔

"بلکو!"

کوئی جواب نہ ملنے پر بھی ناملا پر کر کر کوئی آواز نہ قدرے زور سے دہرایا گیا۔

"حاضر نواب بیگم حاضر" ہلکی ہلکی اگر شر سے ہلکے پھلکے گھیرا دار کرتے ہرے رنگ کے کھڑے پائنچے سے دوانی ہو رنگ میں پہنے ہوئے دوپٹے کے ساتھ ایک مفلر سے سر والا لڑکا حاضر ہوا۔

"پاکستان زندہ باد نواب بیگم" ہوائی آواز میں کھلکھلی جاوں کے ساتھ پاندان پیش کیا گیا۔ نواب بیگم نے کاری نظروں سے گھور کر سرمئی کھلکھلی بند کر دی۔

"کتنی بار کہا ہے جلکو بیگم، ہمیں زندہ آواز میں پکارنا ہرگز پسند نہیں ہے۔ ہمارے کھوپا میں بیا کرو۔"

"میں صدقے بڑی بیگم کے۔" میرا بس چلے تو آپ کی چوکی سے بندھ کے رہ جاؤں۔" عیدن میں آپکی جان اُکھڑے ہزار لیو رخصت خانے میں۔"

بڑی بیگم نے اٹھ اٹھا کے اسے مزید تحریر سے باز رہنے کا اشارہ کیا اور ایک قدم فرش پر دھر کے چوکی سے اترنے کا ارادہ کیا۔ کلف سے کڑکڑاتا سفید جھاگ لٹھے کا غرارہ کسمساتا زنان خانے سے نکلا تو چھوٹی بیگم بیگم رحمت انساء کو آتے دیکھ کر انہوں نے اپنا پاؤں روکا اور پھر کھینچ لیا اور دندان کھینچ کے ان کے لیے کلوری تیار کرنے لگیں۔ جو نہ صرف ان کی چھوٹی جیٹھانی تھیں بلکہ کئی اعتبار سے ماں بھی تھیں۔

"خواب جھاڑ آپا۔" جھک کر بڑی بیگم کو سلام کرنے کے بعد انہوں نے ترون کے خلیفہ سے اشارے کے ساتھ دیکھو کہا۔ بلایا۔

"خواب صاحب ہوا خوری کے بعد سیدھے یہیں آئیں گے۔ آج مردان خانے کی بیٹھک بند رہے گی۔ انہیں اپنے کسی دیرینہ دوست کی جانب مدعو کر لیا ہے۔ تم چلم تیار رکھو۔" نہایت ترسیلے میں اسے تفصیلی حکم سنانے کے بعد انہوں نے ہلکا گلابی سوتی غرارہ نزاکت سے ذرا اونچا کیا اور چوکی کے دوسرے سرے پر بیٹھ گئیں۔

"خیر و شر ان طبیعت ناساز تو نہیں آپ کی؟" بڑی بیگم کے چہرے کی سفیدی میں گلابی پیاہٹ محسوس کر کے وہ فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"خدا کا کرم ہے۔ گھڑ ساس چلنے تک سلامت رکھے اور دشمنوں کی بھی خیر رکھے۔" گلوری ان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے انہوں نے نہایت سے خواب دیا۔

"عنایت بھابھی آپا۔" چھوٹی بیگم نے عقیدت سے پان تھام کر منہ میں داب لیا اور گلیاں کان میں ہولتی بالیوں کے ساتھ اٹکا لیں۔

"اللہ ہوں رحمت انساء تھی بار کہا ہے تری سفید گلیاں ست ٹالا کرو۔ ہم سب روز تمہارے لیے الجو خاص گلاب کی کلی پان میں رکھتے ہیں۔ اسمائن ہو پہلے یہ سرخ گلاب زینت کیا کرو۔" چھوٹی بیگم پوٹ کی طرح اپنی بیٹھو کی شفقت پر نہال ہو گئیں۔

"شکر بھابھی آپا۔ آپ آرام فرمائیے میں ذرا صاحبزادیوں کو دیکھوں۔ ان کی صبح ہوئی یا نہیں۔" اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اور یہ صاحبزادہ عبیس علی خان صاحب کھیل تماشے تمام کر آئے یا نہیں؟" گاؤ تکیے پر سر ٹیکتے ہوئے باریک ململ کا عطر ور فرش کے عرق میں بھیگا اپنا چہرہ پہ پھیلاتے ہوئے انہوں نے سب معمول اپنے اکلوتے فرزند کے بارے میں دریافت کیا۔

"صاحبزادی گل مہر تو گل مہر ہیں۔ اب جاگ جائیے۔ دن چڑھے کتنا ہے ہو گیا ہے آپ ابھی تک سو رہی ہیں۔"

"اوں ہوں۔" صاحبزادی گل مہر نے کسمسا کے کروٹ بدلی لیکن بیگم رحمت انساء بدستور اس کا شانہ سہلاتی رہیں۔

"ہوں دن چڑھے تک بستر میں اچھا نہیں لگتا۔ اچھے گھرانے کی بچیوں کا شیوہ نہیں۔ آپ کے والد صاحب کچھ دیر میں تشریف لانے والے ہوں گے اور آپ ابھی طرح جاگتی ہیں۔ یہ رنگ ڈھنگ قطعی برداشت نہیں کرتے۔" اسے پیار چمکارتے ہوئے اس نے سنی نہ ہوتے دیکھ کر انہوں نے آخری حربہ آزماتے ہوئے نواب صاحب کا نام استعمال کیا اور مطمئن ہو کر رخصت خانے کی طرف چل دیں جانتی تھیں اب صاحبزادی گل مہر کی نیند کھلنے سے اگلی ہوگی۔

"صاحبزادی الناس خانم!"

چھوٹی بیگم کے انداز تخاطب پر رخصت خانے میں بھرے بڑے سے چولہے کے پاس رکھی چوکی پر بیٹھی اس ڈھیٹو کی صبح پیشانی پہ ایک تہہ تاگواری شکن بن گئی جس کا تراش نے ہونٹوں پہ ملیحی سی مسکان بھر کے

پل میں زائل کر دیا۔

"جواب۔"

"بیٹی رہو! اٹھتے ہو اہتمام خاطر خواہ رکھنا۔" آپ کے والد صاحب ناشتے کے فوراً بعد میاں صاحب کے ہمراہ جائیے جائیں گے اللہ جانے کے سلسلے تفاوت الگ جائے مقرر۔ پوریاں ضرور تل لیجئے گا۔"

"جی بہتر۔" بیعزاری سے جواب دیا گیا۔

"لیکن یہاں ناشتے کے لیے رخصت خانے سے متصل چھوٹی کاہل کھوہ میں دسترخوان بچھا رہے تھے جب صاحبزادہ عبیس علی خان صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔ چھوٹی بیگم نے بلکھ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اس نے کھوہے سے بھرے یمن مٹکا کے انکار میں جواب دیا۔ وہ فکر مند ہو گئیں اگر ناشتے کے دوران صاحبزادہ عبیس علی خان کی آمد نہ ہوئی تو خان صاحب کے ترسیم عتاب کا نشانہ وہ بنے بلکھ تھیں۔ ناشتے تمام اہل خانہ کا دسترخوان پہ موجود ہونا پہلا اصول تھا اور صرف بڑی بیگم اس اصول سے مستثنیٰ تھیں کیونکہ فجر کے بعد فجر تک مسلسل عبادت میں مصروف رہتیں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ ناشتا کاہل کرتیں اور کچھ دیر تسبیح پڑھنے کے بعد عادت کی نماز تک آرام فرمایا کرتیں۔

دسترخوان سجانے والی کو اب کے انہوں نے ذرا سخت نظروں سے اشارہ کیا ہاتھ پونچھتا بڑے بڑے منہ بنا کا اگلی دروازے کی جانب مڑا۔ اب اس کا کام صاحبزادہ عبیس علی خان کے آتے ہی اسے غسل کے لیے لے جانے کا تھا۔ اس کی اچھی قسمت یا پھر صاحبزادہ میاں کی ہی کوئی نئی کل کی ورانڈے سے آتے ہی اسے عبیس علی خان باتھ بھلا نکلتے نظر آئے تھوڑی بلیو بالکل سوت پہنے ہوئے تھے۔

"چلیے حضور دسترخوان بچھ چکا ہے۔" بڑے نواب صاحب انتظار فرما رہے ہیں اور باندی آپ کو حفاظت دان تک لے جانے کے لیے فوراً غسل سے فارغ ہو رہی ہے۔"

"ارے موتو۔" ہنسنے سے شرابور صاحبزادہ میاں کو بلکھ کی باز پرس پر ایک آنکھ نہ بھائی ہاتھ کے ہلکے سے دھکے کے ساتھ خود پہ کرتے باندی یا باندی کو پیچھے دھکیلا۔ دھان پان سا خواجہ سرا بجری کی دلبرداری پہ گرتے گرتے بچا۔

"بھائی ہے چھوٹے نواب۔" یہ صلے سے ہماری بھیجیں کلا" شہادت کی انگلی پان کے رنگے نیل میں چاک کے مسکی بھرتے ہوئے فراوانی کی تنبیہ بکھر نظر انداز کرتے ہوئے صاحبزادہ عبیس نے تھپکی دروازے سے اندر کی راہ لی۔

"بھابھی صاحبہ کیسی ہیں؟" حسب معمول ان کا پہلا سوال یہی تھا۔ بھابھی صاحبہ یعنی بڑی بیگم سے ان کا سامنا کم ہی ہوتا تھا کیونکہ عموماً ناشتا وہ زنان خانے میں آ کر کیا کرتے تھے وہ بھی بیٹھے کے کنے بچے آرام میں اور یہ وقت ان کے آرام کا ہوتا تھا جب کہ باقی سارا دن وہ مردان خانے کی بیٹھک میں گزارا کرتے جہاں ان کے دوست احباب جمع ہوتے شطرنج کی بازی جما کرتی اور گفتگو میں نوابی چھینٹے جا کرتے۔

سفید بے داغ دسترخوان بچھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی پوریاں تھیں سوجی اور میدے بھرے چوکور خستہ تلے پراٹھے تھے "آلو کی ترکاری" آلوؤں کا خاگینہ "آم خانے" کی چار منقولیاں "کالی" دار دی۔ سے تحدیدی نظروں سے جائزہ لیتے بیٹھ گئے۔ اتنے میں چائے کی طشتری اٹھائے لو شیوہ دار حساب کے مرغولے اڑاتی چھوٹی صاحبزادی کاہل کدہ میں داخل ہوئی۔

"نواب ابا حضور۔"

"سلام۔" بیٹی رہیے۔" آنکھوں کا نور اور دل کی ٹھنڈک بنی رہیے۔" بیٹیوں کو دعائیں دیتے کے سوائے میں وہ سدا کے فراخ تھے۔

"صاحبزادی گل مہر کہاں ہیں؟"

"ابھی وہ نواب صاحبہ۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔" چھوٹی بیگم نے بہانا گھڑا۔

"نہیں ہے۔" ادھر سے تفصیل طلب کی گئی ادھر ماموں کے طوطے اڑ گئے۔ "اللہ۔ اب ایک اور جھوٹ ان کی زبان پر لانے سے پہلے ہی لڑکھڑاتی پھوپی صاحبہ جنہوں نے والد کی کیفیت بھانپ کر بات سنبھالی۔

"امتحانات کی تیاری میں بری طرح تھکان کا شکار رہا ہیں۔ کل آخری پرچہ تھا آنکھ لگ جانے کی وجہ سے کچھ طبیعت سست سی ہے۔ شب بھر جاگنے کے بعد کچھ دیر پہلے ہی آنکھ لگی ہے۔" تھوڑے سے سچ میں بہت سے مصلحت آمیز جھوٹ شامل کر کے تسلی دی گئی۔

"اور یہ صاحبزادہ عصمت علی خان۔" فوراً سب کی غیر حاضری نوٹ کی جا رہی تھی۔ اس بار بھی جواب بلکہ سوال طلب کیا گیا۔

"جی ہے۔" صاحبزادی کو معاملہ سنبھالتے دیکھ کے وہ اچھی بچی بنے بیٹھنے جاری تھیں کہ نواب صاحب کے اگلے سوال نے گڑبڑا کے رکھ دیا۔

"مسل فرار ہے ہیں۔ لیجیے آ گئے۔"

نواب صاحب کی نظر پھر کے پیچھے میاں اترتے جوان خوبرو بھتیجے کو ملتفت ہو کے دیکھا۔ سفید غلمل کے سفید دھانے کے کرتے ہوئے کرتے اور شلوار شلوار میں ملبوس کیلے پل سنوارے تھے۔ صاحبزادہ میاں سلام سے ہو کر بیچ حضور کے ساتھ بیٹھ گئے۔ نفاست سے آدھی پوری ترکاری کے چند لوالوں کے ساتھ کھالی تھی سے تر انگلیاں رومال سے صاف کی گئیں۔

"کیا ہوا میاں؟ لیجیے جوان سو ہیں اور خوراک بچوں کی سی۔۔۔ اور آپ تو کتنی کل کسرت کا بھی شوق فرما رہے ہیں پھر ایسے میں خوراک اور بھی تو ہونی چاہیے۔"

صاحبزادہ نہیں علی خان نے بھی پھیلے انداز میں تاکید فرمائی تو بیچ حضور کی طرف سے بھد اصرار پیش کیے جانے والے میٹھے پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ عصمت میاں کے حلق میں پھنس گیا۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔" "عصمت۔ عصمت دعوت کیا۔ بس یونہی ذرا دن کو بہت رکھنے کے لیے۔۔۔" "وہ آئیں بیا میں بیٹھیں۔ کھانے۔"

"یہ خود وارد پھوپی والے کا پہلے لوگوں کے سلوک رہتے دیجیے۔ آپ نے بدن چست رکھنے کا نیا اکھاڑا کھولا ہے۔ دنگل بنا ہے یا ورزش خانے میں مرغیوں کا پرورش کرنے کی کوشش کی ہے۔" ان کے قہقہے نے لیجی کی مرغے چھوٹے تو نے کب سے ہے اور بدن تک نہ لگے کیا کیا۔ نگلنے کی کوشش کرتے ہے۔

باہر میں صاحب کی گاڑی کا ہارن بجا۔ صاحبزادہ نہیں علی خان نے الحمد قدمہ کہہ کر پانی کا گھونٹ بھرا اور ہاتھ دھونے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"انکل صاحب کی ضرور کلوریاں قابلیت سے نہ خالیہ۔" پھوپی بیگم نے فوراً ہی کہا تو سب وہ فوراً ہی اٹھ کر میاں صاحب کی گاڑی کی جانب چل پڑے۔

"میاں عصمت ہو سکتا ہے تھکے اور تنگ ہو۔ آپ پر ایک آدھ روز آف جائیے۔ آپ اس خانہ کو خالی خالی رکھیے گا۔ ہفتے بعد دعوت کیجیے گا۔ ابھی ہمیں ملنے کے لیے آنے والے لوگ تاثر کے لیے نہیں جانے چاہئیں اور آپ اعانات کی طرف سے تشکی حساب کتاب کے لیے آئے تو اسے بھی آنے تک روک کے رکھیے گا۔"

"بہت بہتر حضور۔"

"آپ بیگم صاحبہ سمجھا حضور کو میرا سلام کہیے گا اور صاحبزادی گل سرما میری طرف سے تہنیت وصول کیجیے گا۔" شیروانی پہنے آتی ہوئے اسوں سے بڑھ کر ہاری کہا صاحبزادہ عصمت علی حضور کے پیچھے پیچھے باہر تک آ گئے۔

پھوپی صاحبزادی دسترخوان پہ آتی باہر کی ہی جانب دیکھ رہی تھیں۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور

ساتھ ہی ہنسی پھوٹ گئیں کاٹے صاحبزادہ عصمت بھی نمودار ہوئے

بے بھی بے

ہٹ چڑیا چڑی

بے بھی بے

اوبدی دانگی مسہری

بے بھی بے

چچا حضور کے سامنے بلی بل آواز میں سنانے والے عصمت میاں کے گلے میں اس وقت بالکل فٹ تھے۔ دونوں ہاتھ کمر پہ کیے ایک ٹانگ پہ ٹھمکا لگاتے ہوئے وہ مسلسل بے بے الاپ رہے تھے۔ انکل ایک ہاتھ اپنی ناک کر دیا پہ اور ایک ہاتھ لمبے ہر لگے ہاتھوں پہ جمائے کھی کھی کر رہا تھا۔

جب کہ اگلی والا آیا

بیچ ست یا دی ال لیا لیا

اچانک چھوٹی صاحبزادی نے ٹھمکے میں شاندار اختری دی اور اپنی آواز نیلا زار کی آواز میں ملائی۔

بے بھی بے

تو نے نوار نیا

او ہو تھا نے نوار نیا

ہاں بھی تو نے نوار نیا

غنیمت کہ چھوٹی بیگم اپنے سالوں لاہور رہنے کے باوجود ثقافتی سے ذرا بھی شدھ بدھ نہیں رکھتی تھیں ورنہ گیت کے ان بولوں کی زد میں آنے کے اپنی صاحبزادی کو اس آستانہ گلوکاری کا سزاوار ٹھہراتیں۔ پھوپی انگلی تو وہ بے ہی ہنگامے کا۔ میں ہاتھ فرماتی تھیں۔ انہیں اس ہنگامے سے باز رکھنا ان کے لیے ناممکن تھا اس لیے افسوس سے سر ہلا کر باہر چل دیں۔

"یا حشت۔ یہ کیا طوفان بدتمیزی ہوا ہے۔" بھی سراس درجہ شور شرابے سے گھبرا کے اپنے کمرے سے نکلی۔

"آئے نصیب۔ رہے نصیب۔" عمدہ کی یہ بکھور آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ ماتھے پہ بل ڈالے کو رشن ہوا۔

"آئے نصیب۔ صاحبزادی گل سرما نے اپنی خاندانی گاہے قدم رنجہ فرمانے کی زحمت کیجیے گی۔ آپ تو کچھ اجازت تھیں عالی حضرت۔ کتنا ہی معذب۔ کیسی بلند اخلاق و تہذیب غلمل پیدا کرنے کی صحیح حرکت کا مطلب نہیں جانتے آ رہا ہے۔ خود حضور تشریف فرما ہیں اور اگر طبع نازک پہ یہ فیاضی کرنی کوئی ہے تو ذرا اپنے اس ناچیز اپنا قصب عالی فرمائیے۔ میں بہت تو کوشش بھی ذوق ادا کیا ہو گا ہے۔ کمر درد کی ہوں آپ نے قصبہ کی کچھ ملنا ہے۔ میرا مطلب ہے کتاب کھولے دلوں میں کا ہوں گے۔"

وہ ایک گھٹنا زمین پہ رکھ کے دایاں ہاتھ ظاہر رکھتے ہوئے تھے سر کے ساتھ دین اشرف تو ہی کچھ بندے پانی گل سرما ہاتھ رکھے مسلسل آلی جنہیاں روک رہی تھی۔ سوچتا نے انگشت شہادت اور انگوٹھے کی مدد سے نفرتی اشارہ کرتے ہوئے عصمت کے انداز کو میں دخل اندازی کی۔

"اوئی ہاں۔ تحت ہے تو ست ہے۔ انداز ہے اس وقت انکل کی جوانی سن لگ رہے ہو۔"

"عمدہ ہے لڑکی۔ حواس باختہ ہو۔ کہتا ہے تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں۔ دھیان رہے کہ اس وقت تم گفتگو نواب کی ہو رہے ہو۔ اگلے تم کچھ چراغ پا ہو رہی ہو۔ غالب ہونے کی سعادت حاصل کر رہی ہو۔"

"نام لا رہے ہیں آپ نواب فرمائے کا صاحبزادہ عصمت علی خان۔" مطب سے آتی ہوئی بیگم کی تشکیل آواز

نے عصمت کی ساری ذرا سی بازی ہوا کر دی۔

"جی حضور! ای حضور"

"کیسی صحیح ہو خود دار بن بیٹھے کتنی سر ہو گئے۔ غضب خدا کا نہ ایسا دیکھا نہ سنا کہ لکھنؤ کے والیوں کے گھر تماشے ہوا کریں۔ اور صاحبزادیاں الماس خاتون سے یوں تو آپ خاصی سنجیدگی کی نظر آتی ہیں آخر ان حضرت کی صحبت میں آکر آپ کی جیلیں کیوں بدل جاتی ہے۔ کیا صاحبزادیوں کو یوں کودنا پھاندنا بلند آواز میں گنگنانا زیب دیتا ہے۔"

اب انہوں نے موتیا کی خبر لی۔

"جی ہاں صاحبزادیوں" بلکہ صاحبزادی" کو اس قدر گری میں پورے ملنا اور پرانے سینکا تو زیب دیتا ہے۔"

"اس نے دل ہی دل میں جل کر سوچا کہ بڑی بیگم یعنی ای حضور کے سامنے جواب دینا آپ اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا اور تو شاید حضور نے یہ ہی آنکھ کر ہیں لیکن اس کی اپنی "ای حضور" نے زبان کی ساری شوخی اور طراری ہوا کر دی تھی۔

"آپ کو ہزار بار سمجھایا ہے بیٹا کہ آپ اطوار میں شائستگی اور وقار پیدا کیجئے۔ نواب کھرانے کی بچیوں کی شان کی مثال ہیں یہ حرکتیں۔" ان کا لیکچر جاری تھا اور موتیا کے جلال کے پیمپر لے لال کے اندر ہی پھوٹنے کا عمل بھی۔

"بالکل بیٹی۔ نواب کھرانے کی بچیوں کا عمل کے ہونا بہت شان کے منافی ہیں اور جب بھی نواب زادی صبح سے شام تک اتنی بڑی حویلی میں بیک وقت دھوم دھام خرچ تھی کہ جمعہ ابھی تک نے فرائض ادا کرتی ہے تب کہیں جاتی ہے ساری نوابی۔" اس کے لب بند تھے لیکن عصمت تجلی من رہا تھا اس کے فی البدیہہ کرارے جوابات۔ اس کے نیوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

خلعت الشباب لیکر وضو کر کے واپس نکلی والاں اپنی چوکی پر براجمان ہونے چلی گئی تھیں۔ عمن کے منظر سے غائب ہوتے ہی ہنسی لیکر جا کی طرح پھرے کمرے میں موجود نفوس میں پھوٹ پڑی تھی اور اس بار اس قل قل میں قل ہو بھی شامل تھی۔

"آہا۔۔۔ اتنا بھرپور اور تیز بہت ناشتا لگتا ہے آج ای حضور بیٹھک کے بجائے یہیں رونق افروز تھیں اسی لیے یہ شاہانہ بندوبست سب کے لیے ہے ورنہ تو یہ الماس خاتون نرے سجا کے دین بھیج دیتی ہے اور ہمارے لیے رہ جاتے ہیں ٹھاٹے پیچھے پاپڑ چار پراٹھے۔"

اس نے پوریوں کا تھال اپنی جانب کھسکاتے ہوئے کہا۔ جواباً موتیا نے ہاتھ جوڑے۔

"اس صاحبزادی گل مرزا تم ملف اٹھاؤ کہ آئندہ یوں منہ پھاڑ کے مجھے الماس خاتون کہہ کر نہیں پکارو گی تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ ایسی ہی ٹرے ہر روز پھر کے تمہارے کمرے تک بھی پہنچا دیا کرے گی۔"

"واہ وا کیا انصاف ہے اور میں ہوا تیسے سالوں سے تمہیں موتیا کہہ کہہ کر تھک گئی تھک جاؤ زبان جل جائے جو کبھی تمہیں فلاں خاتون کہہ کر پکارا ہو اور ہمیں ٹرے تو ایک پرچ پھر تکو تک نہیں بھیجی کبھی چائے کے ساتھ۔" اس نے ہاتھ نچا نچا کے کلیجے پر اور جم کے ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔ ایک کے بعد دوسری سالم پوری اور کے حلق میں اترتی دیکھ کے موتیا رہ نہ سکی۔

"ابھی ابا حضور کے سامنے تو تمہیں اگلا جانا خراب لگ رہا ہے برتن بھی سالم ڈکار جاؤ گے۔"

"فکر مت کرو برتن تمہارے جہیز کے لیے سنبھال کے رکھ لیں گا صرف پوری اور پراٹھے ڈکاروں گا۔" سوال کہ بچا حضور کے سامنے۔ قوالی ان کے سامنے بلا تو بندوبست حضوری کر لے پابند بھرے کلاکند کیسر بیسا کے بعد اس قدر بھوک لگتی ہے۔ لیکن ڈر رہا تھا کہیں زیادہ کھا کے دیکھ کر سوال نہ کر دیں کہ میاں چھوٹے کے گھر ہو۔ پھر بھی اتنی احتیاط کے باوجود انہیں پتا چل ہی گیا۔

"کیا۔۔۔؟ کل صرف کھانے سے کچھ فرصت ملی تو گفتگو میں حصہ لیا۔

"جی کہیں کسرت کر کا ہوں۔ جانے کس نے عجمی کی ہے میرے ہم خانہ جانے کی۔"

اس نے مشکوک نظروں سے لکھنو کو گھورا اس کی بدلگوئی اتنا کہا جا سکتی۔

"تم نے بھیجے میاں! اتنا ٹوٹ جائیں ہی مرجائیں "نوان" آپ پھوٹ آئیں "ٹوٹ" نکل آئے جو ان سے ایک لفظ بھی کہا ہوتا۔" "واہ وا" کالوں کو ہاتھ لگانے لگا عصمت نے اور اس کی طرف آنکھیں سکوڑ کے دیکھا۔

"ارے لکھنو۔ یہ کیا۔" "تمہارے یہ تو چھوٹی بی کی طرح مرزا ہے جیسے۔ اور۔ اور یہ نشان کیسے۔ دیکھو ذرا کیسے رہے ہیں تم کو تمہارے ہوتے ہوئے ہمیں کو ڈھونڈ پر کی ضرورت نہیں۔"

"ہائے میں مرگئی ہائے اللہ چھوٹی بیگم۔" "وہ تصدیق کے لیے اور بھاگا۔

"ایک تو یہ نمونہ ابا حضور نے جانے کس لیے رکھ چھوڑا ہے گھر میں۔ اس قدر شرم آتی ہے جب کوئی دوست ملنے آئے اور کہے یہ تو کتنی تماشا ہوا ہوگا۔" "کل صرف کے تھے میں انتہائی نفرت اور کراہیت تھی اسے محسوس تو موتیا اور عصمت دونوں نے ہی کیا کہ بہرحال لکھنو کو وہ شرم سنبھالنے تو اس گھر میں دیکھتے آئے تھے اور اتنے سالوں کے ساتھ کے بعد لازم تو تھا کسی بے جان چیز سے بھی وابستگی پیدا ہو جاتا ایک قدرتی امر ہے۔

"چھاپے میں "رونق گلی رہتی ہے اور یوں بھی اس کے دم سے گھر کا ماحول بھی درباری سا لگنے لگتا ہے اور تمہارے اور چچا حضور کے شاہانہ رونق کی تسکین بھی ہو جاتی ہے۔"

"اس صرف کے ماحول کو شاہانہ رکھنے کے لیے ہمارا ہونا ہی کافی ہے۔" ایک ادا کے ساتھ ہاتھ پونچھتے ہوئے گل نے حسب معمول اپنی مصرع سرائی کی اور برتن سمیٹتی موتیا نے ہاتھ روک کر غور اس کا چہرہ دیکھا جہاں سنجیدگی کی پرچھائی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح جیرانی سے عصمت اپنا کہہ رہی تھی۔ سمجھ نہیں آتی کہ گل مراثن سنجیدگی کے ساتھ کس طرح اپنی تعریف خود ہی کر جاتی ہے خود اپنا تو اس کا یہ حال تھا کہ کوئی چند ہنسنے بھی اس کی تعریف میں کہہ دیں تو کان کی لویں تک شرمندگی سے سرخ ہو جاتیں۔

"آپ کی کیفیت سے شادی صاحب! آپ جہاں براجمان ہو جائیں وہیں آپ کی سلطنت قائم ہو جاتی ہے لیکن ماحول میں رونق بھرنے کے لیے کچھ اور بھی چاہیے بھیجیے۔"

"چلیں۔" گل نے اٹھتے کہا۔ "ای حضور کے لیے۔" "ایسا کرتی ہیں شاہی مشورے کا خطاب ہم حسین دے دیتے ہیں اور شاہی دربار جن کا موتیا کہیں۔" "موتیا کے تو آگ لگ گئی فوراً" بھڑک کے بولی۔

"میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے جو بیٹھا ہے ہاں تمہارے اوٹ پٹانگ فرمودات سننے کے لیے اسی تک اپنی گفتگو محدود رکھو۔" گل تلملا کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ لکھنو بھاری بازیب جھنجھناتا پھر سے آگیا۔

"ہائے اللہ بیٹی صاحبزادی خطاب بخش رہی ہیں "ایک" ہمیں بھی عنایت کیجئے ناں۔" "انگلک کر فرمائش کی گئی تھی صاحبزادی عصمت نے فوراً مسترد کر دیا۔

"جاؤ لکھنو آج سے تم صاحبزادی گل مرزا کے دربار کی شاہی رقاصہ ہو بلکہ ہیڈ رقاصہ۔"

"مرا سے نے نے مرے مت موتیے پہلے یہ کام تو کر لیتے دو جس کے لیے میں نے اسے بلایا تھا۔" موتیا نے عصمت کو مزید لاینحل گفتگو سے روکتے ہوئے لکھنو کو برتن اٹھانے کا اشارہ کیا۔

"ترکاری کی دکان میں نکل جانا اور یوں ہی نوان میں لپیٹ دینا۔ ہم تینوں میں سے تو شاید ہی اب کوئی اپنا کھانا کھائے۔ کیونکہ ای حضور کے کھانے کے بعد ہی کام آجائیں گے اور تم ماشتے سے فارغ ہو تو باہر مت نکل جانا میرے ساتھ بگڑی کی مصالحی کو اور ابا حضور دو چاول اور بالوں کے تھیلے رکھوا کے گئے ہیں وہ بھی بن لو۔ آج اور صرف کھانے کی تیاری سے فرصت ہے تو کل کام نمٹا لیتے ہیں۔" اس کا ہدایت نامہ برتن اٹھا کے باہر داری تک جاتی لکھنو کے پیچھے پیچھے تک گیا۔

"اف خدایا عصمت تم کس قدر دور تو کل ہی کر رہی ہو۔ ہمیں تو دیکھ کے کچھ نہیں ہوتی ہے۔ کہیں یہ لکھنا ہی نہیں تم ہماری بچی صاحبزادی گل مرزا کی بہن ہو اور وہ بھی پھوپھی۔" صبح آنکھ کھلتے ہی تمہیں ناشتا تیار کرنے کی فکر لگ

جال ہے اور باتیں کرنے سے بھی پیٹ دوپہر کے کھانے کی۔ آج کیا پکے گا؟ کوئی میں حشتی آدمی ہے۔ اس سال
تل میں تو ہری پتی ہوئی آگ رہی ہے کھاؤ اچھی نہیں لگی۔ لیکن تم نے دال اچھی طرح صاف نہیں کر کے دی۔
چاولوں میں کنکر رہ گئے۔" آہا بالی آگئے میں چین کھول لوں گزر ہی آپ جائے گی اور پوری بیٹھا لوں گی
"نہیں بے ضرور تو ہے۔ تمہارے پاس کرنے کو اور کوئی بات نہیں ہے۔"
"ہاں میرے پاس کرنے کو اور کوئی بات نہیں ہے کہ تم میرے پاس کرنے کو اور کچھ بھی تو نہیں۔" موہنا جو
برتن دھونے کے ارادے سے چلنے کی طرف جانے ہی والی تھی کھل مری بات کا تفصیلی جواب دینے لوٹ گئی۔
اسے یوں تسلی سے جرح کے جیتنے پر کر عصمت سمجھ گیا کہ اب بحث ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔
"ہوگئے بالکل۔ نہیں نہیں آج میں [illegible] ہوں اور [illegible] ہو سکتی۔ یا اپنے چیلے کو
نقال ہیں پیار کی اوپننگ کرنے جاتا ہے سوری میں آپ کی پارٹی کی چیف گیسٹ نہیں بن سکتی۔ یا اپنے چیلے کو
لون پر ڈاٹا شروع کر دوں کہ اس نے میرا سیٹ ہوسٹ نہیں بنایا۔ بھئی ڈیرا ٹائل میں نے اسے دیا تھا۔ سوری
ہشیوا مادر میں آپ کی تسلیں نہیں کر سکتی۔ لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں ہے ہاں
میرے پاس کہنے کے لیے کچھ تو ہے اور تمہارے پاس تو یہ بھی نہیں۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا۔ ہمارا دو دیکار ہے" [illegible] ہے۔ "سب توقع تھی بھڑک اٹھی۔ "یہ
تمہیں مانتا ہوں کبھی بھی اس کا رویہ نامناسب ہوتا ہے لیکن تم آخر بھی تو لڑکی ہو۔ جاؤ بیٹھ نہیں مگر کبھی
بھار کچھ زیادہ کر دو اگر وہ کچھ کہتی ہے تو تم بتاتا تمہیں بھی کہہ سکتی ہو کوئی۔"
"اور جانتی ہے اب تم شروع ہو جاؤ۔ ٹھیک ہے میں ہی مکمل فارم میں ہوں۔ شروع ہو جاؤ۔"
"تو یہ کہہ میں اور تمہیں لوگوں نہ بھی مجھے اپنی عزت سے پیاری ہے۔ کیس اور تکلیں [illegible]۔ میں تو صرف
یہ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں بیٹھی رہتی تو تمہارا کیا جاتا؟"
"[illegible] ہوں۔ وہ زور زور سے [illegible] ہے۔"
"لیکن ایک بات تمہاری آرو ہیں دیتی تو تمہیں کیا بتا جاتا۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ ہنسے محسوس
کر کے عصمت نے بے اختیار مسکرا کے لب بھینچ لیے لیکن اس کی سیاہ آنکھیں چمک کے جھانکیں کہ
اس کا یہ شریر سوال اسے کس قدر ملول کر گیا ہے۔
"ہونہاں کیا مل جاتا؟" اس نے سوال دہرایا۔
"نہیں بتاؤں۔ کچھ نہیں۔" اس نے ایک بار پھر زور سے ہنسی میں سہلایا اور اس بار سر کافی دیر تک ہلاتا رہا
یہاں تک کہ عصمت نے چڑ کر اس پر کشن دے مارا۔

☆ ☆ ☆

"سب بیلے"
کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ صرف اسٹیل کی لائٹ جلتی اور کمرے کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کرم الٰہی نے سر اوٹھایا۔
سونے کی نیند ہے۔ وہ بیمار تھی جس میں موجود لڑکی اور ایک سے متصل کچن میں کھلتی تھی اور دونوں جانب موجود
الماری کے لیے راستے اور تھکن کا زیادہ بھی تھی۔
کچن میں موجود مرد چھیلے میں مصروف کرم الٰہی کی بیوی بلقیس عرف بالو نے ذرا سا جھانک کر رات دیکھا اور ہاتھ
[illegible] صاف کرتی اپنی فرج کی طرف بڑھ گئی۔ خوب صحت مند دو دو سند عمری نسل کے آم نکال کر جب
[illegible] کے آگے سے گزرتی ہوئی جو مراد گر آنڈ والے کلر کی طرف جا رہی تھی تب ہی کے کانوں میں پھر
[illegible] کی حسرت زدہ سا "ٹھک ٹھک" گونجا

"ساری بچت کس کھاتے میں جاتی ہے کیا تم نہیں جانتیں۔ تمہارے منگے انسٹیٹیوٹ کی فیس ڈرائیور کے
کے خرچے اور پرسنل تمہاری شاپنگ پر شامیں سب اگلے سلے کمال سے پورے ہوں گے کہیں بھی آج ہاتھ ہاتھ دھرے
بیٹھ ہوں گے کیا حضور تمہارے ہزاروں کے اخراجات پورے کریں گے فلاں فلاں کی فوج کی تنخواہیں کہاں سے
دیں گے میں تو نہیں سوت تمہارے بیٹی ہوں نا تو یہ تمہارا احسان ہی ہے مجھے شوق نہیں۔ "نہیں کی کھر دھر سنتے ہو
لیکن جو تنخواہیں اور خرچے تو ذرا نہیں تمہاری تو ضروری کو دے تو کمی اور پیسے بھرتی سے ہا حضور۔"
"اگر تم اس کی تنخواہیں نہ دیں تو میں خوش رہتی ہی نہیں بلکہ خوش ہوتی تم ہمیں اتنی نہیں دیکھ سکتیں
اور جو تمہارے لیے تالیاں بجاتا ہے وہ تالیاں بجاتا ہے جو تو کیا ہے۔" وہ آنسو بہاتی گلو گیر لہجے میں تلخی صادر کرتی چلی اور
حرام سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔
عصمت نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔ وہی بات تھا کہ یہ دو روز اب کتنے ہفتوں کے بعد کھلے کا اور ظاہر ہے کہ
[illegible]
دھاس کی کے چہرے خاتمہ سکراہٹ بھی۔
"آج کتنے دنوں کے بعد دونوں سب شر بیٹھ کے ناشتا کر رہی تھی اتنی ناف اخلاق ہے ہمیں کی اور تم تمہے
ضرور تی دکھائی ہوتی ہے۔"
"تم ہمیشہ اسی کی سائیڈ لیتے ہو حالانکہ جانتے بھی ہو کہ پہل اسی کی جانب سے ہوتی ہے۔" اس نے جواب دیا
"میں مانتا ہوں کبھی کبھی اس کا رویہ نامناسب ہوتا ہے لیکن تم آخر بھی تو لڑکی ہو۔ جاؤ بیٹھ نہیں مگر کبھی
بھار کچھ زیادہ کر دو اگر وہ کچھ کہتی ہے تو تم بتاتا تمہے بھی کہہ سکتی ہو کوئی۔"
"اور جانتی ہے اب تم شروع ہو جاؤ۔ ٹھیک ہے میں ہی مکمل فارم میں ہوں۔ شروع ہو جاؤ۔"
"تو یہ کہہ میں اور تمہیں لوگوں نہ بھی مجھے اپنی عزت سے پیاری ہے۔ کیس اور تکلیں [illegible]۔ میں تو صرف
یہ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں بیٹھی رہتی تو تمہارا کیا جاتا؟"
"[illegible] ہوں۔ وہ زور زور سے [illegible] ہے۔"
"لیکن ایک بات تمہاری آرو ہیں دیتی تو تمہیں کیا بتا جاتا۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ ہنسے محسوس
کر کے عصمت نے بے اختیار مسکرا کے لب بھینچ لیے لیکن اس کی سیاہ آنکھیں چمک کے جھانکیں کہ
اس کا یہ شریر سوال اسے کس قدر ملول کر گیا ہے۔
"ہونہاں کیا مل جاتا؟" اس نے سوال دہرایا۔
"نہیں بتاؤں۔ کچھ نہیں۔" اس نے ایک بار پھر زور سے ہنسی میں سہلایا اور اس بار سر کافی دیر تک ہلاتا رہا
یہاں تک کہ عصمت نے چڑ کر اس پر کشن دے مارا۔

☆ ☆ ☆

"سب بیلے"
کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ صرف اسٹیل کی لائٹ جلتی اور کمرے کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کرم الٰہی نے سر اوٹھایا۔
سونے کی نیند ہے۔ وہ بیمار تھی جس میں موجود لڑکی اور ایک سے متصل کچن میں کھلتی تھی اور دونوں جانب موجود
الماری کے لیے راستے اور تھکن کا زیادہ بھی تھی۔
کچن میں موجود مرد چھیلے میں مصروف کرم الٰہی کی بیوی بلقیس عرف بالو نے ذرا سا جھانک کر رات دیکھا اور ہاتھ
[illegible] صاف کرتی اپنی فرج کی طرف بڑھ گئی۔ خوب صحت مند دو دو سند عمری نسل کے آم نکال کر جب
[illegible] کے آگے سے گزرتی ہوئی جو مراد گر آنڈ والے کلر کی طرف جا رہی تھی تب ہی کے کانوں میں پھر
[illegible] کی حسرت زدہ سا "ٹھک ٹھک" گونجا

سر جھٹک کر اس نے فلک شگاف بننے والے جگ میں آم گلوا، ملک پیک کا الیکٹریک اور آدھا اب چینی ڈالی اور پھر آن کر دیا۔ کھوں کھوں کی آواز زور دار طریقے سے شروع ہوئی مدھم سنج کم ہوتی چلی گئی۔ آم کا گلوا دودھ میں اچھی طرح شامل ہو گیا اور اب ہلکی سی سوں سوں کے ساتھ شیشے کے جگ میں اوپر نیچے گردش کر رہا تھا۔ سارا شور مٹا اس نے جگ ہی تک ہی ہو۔ جب چینی بننا شروع کر دے۔ جب چیز "ٹن" جائے پھر گلوا بھی ختم۔ بٹن آف کرنے ہی اس نے پھوپھی نواز تھی۔

"صاحب" "اس بار دودھ زیادہ اور دال کم تھا۔"

"ہنہ" "ہوا ہے ایسے ہی ہے۔ دسمبر ہی ساری رات ہی جلتی رہتی ہے۔ ہر آج رکھ نہ رہی ہی نہیں ہو رہی ہے۔" بلو نے ٹھنڈے گلاب پیالا سا گلاس نیا اب بھر کے اسے تھمایا۔

"پھیلے لوگ" "تو نہ مجھے ڈھا کر" "بروٹ کی تو کاٹ کی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اب بھلا اور میں کیا کہتا ہوں اسے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ کچھ کہنے ہو گا ہی نہیں۔ پیدا کرنے کو سوچنے کو نہ بوجھ کے ہی ہیں۔ جب بار آئ

میں رہی ہیں۔" انہوں نے دوہرایا ہوا نہیں لگتا تھا۔

"جی ہاں ہم جانتے ہیں اور ان کے والد سے تو خیر واقف ہیں خاصی دعا سلام رہی ہے ایک زمانے میں حاکم فصیح الدین اور ہمارے والد بزرگوار میں۔ اگرچہ نواب نہیں تھے مگر بھی خاصی دھاک تھی ان کے شہر کی۔ محنت میں۔ پانی رہا نہیں وغیرہ تو یہ بھی شوشا چھوڑ رہے ہیں یہ بی بی پوتے نواسے ہیں چند جاگیریں ضرور تھیں۔ لیکن میاں اورنگ زیب آپ سب چھپائی چھپائیں گے اسے تو دور دور تک بھی خبر نہیں۔"

"جی ہم سمجھے نہیں۔" وہ تفصیل طلب نگاہوں سے انہیں تکنے لگے۔

"میاں آسان سی بات ہے" آپ نے ان کی موجودہ حیثیت کا نہیں فرمایا؟" آج ان کے گھر دنیا کا کیا مقام ہے کیا مرتبہ ہے؟ اور حضرت عالم کا نام آپ سے کیا کرتے ہیں؟" انہوں نے اپنا جواب تو سوالات سے کیے۔

"عالم محی الدین کا نام تو شاید شاہ زادہ ظفر اب شہر کے سب سے مہنگے علاقے میں۔ ان کے بڑے فرزند اپنا کاروبار کرتے ہیں اور وہ برخوردار جن کے لیے ہم گئے ہیں ملازمت کرتے ہیں۔ امریکہ کی کسی مؤسسہ میں۔" میاں اورنگ زیب مراد آبادی نے کاؤ تکیے سے ٹیک اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور ذرا سے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"اور جہاں تک مقام و مرتبے کا تعلق ہے تو حضور معاف کیجئے گا۔ آپ سے بر سوں پرانی رشتہ داری ہے اس لیے اس بے تکلفی کی جسارت کر رہا ہوں کہ آپ نے اپنی بڑی صاحبزادی کا بیاہ بھی کوئی مقام اور رتبہ دیکھ کے نہیں کیا۔ آپ کے داماد کی مالی حیثیت تو۔"

"قطع کلامی معاف میاں حضور" ہمارے خاندانی مقام اور رتبے کا ذکر کیا تھا۔ مالی حیثیت کا نہیں۔ ہمارے دار ذمہ تو آج بھی اسی طرح کا ہے کہ ان کے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں ہے فی الحال لیکن قابل قدر بات تو یہ ہے کہ ان نامساعد حالات میں بھی انہوں نے خاندانی نجابت کو کھونے نہیں دیا۔ وقار کے ساتھ صبر سے برداشت کر رہے ہیں لیکن یہی تو حیات سے ہمارے اپنے شجرہ نسل کو بنانے کا سوچا تک نہیں اور یہ حاکم محی الدین آج بس مقام ذرا پاکستان آنے کے فوراً بعد انہیں کہیں مل گیا۔ آپ نے تقسیم پاک و ہند کے بعد پیدا ہونے والے اس اقلیم منطقے کا مشہور مصرعہ تو سن رکھا ہوگا کہ

ایسے ایسے کیسے ہو گئے اور ویسے کیسے ایسے ہو گئے

صرف ہم کہ ہمیں نہیں ہوا اس عنوان سے گزرے تقریباً ہم جیسے تمام ہی شرفاء اور دین یا اعلیٰ نسب گھرانوں کا یہ المیہ رہا ہے کہ نسل اور کمزور لوگ ابھر گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے مقام کے خاطر عزت اور چھپی ہوئی دولت کے غلط ہو گئے۔ البتہ ہم جیسے کہ ہی رہے جنہوں نے عیش و عشرت کے بعد عسرت اور تنگ دستی برداشت کر لی اپنا خاندانی وقار اور نجابت ہم نے کبھی نہیں بگاڑا۔ سفید پوشی کا بھرم بھی قائم رکھا اور نوابی جاہ و جلال بھی پوری شوکت کے ساتھ زندہ ہے لیکن ایسے کم ظرف بھی ہوتے ہیں میاں جو ایک وقت کی بھوک برداشت نہیں کر پاتے اور نہ دیدوں کی طرح گھٹنے مارنے سے بھی نہیں چوکتے۔ حاکم محی الدین نے اپنے والد کی زندگی میں ہی منڈی میں مزدوری شروع کر دی تھی۔"

"واللہ۔ نہیں حضرت سچ کہتے" اس انکشاف پر میاں اورنگ زیب اچھلا تھا۔

"سچ ہے اور ہم اس سچ کو حاکم کے منہ سے کہتے بھی نہیں سن چکے ہیں کہ وہ ہماری مسل تک بوجھ ڈھونے والے مزدور کا کام کرنے کے بعد ان حضرت نے بھائی میں پرچون کی دکان کھولی۔ چند سال بعد وہ دکان نیاز گنجہ محل مصور کر کے کام اس میں پرچون کے ساتھ ساتھ دیگر کریانے کا سامان بھی رکھ دیا گیا جیسے چاول کے کھلونے بیچ کا ذکر کیا ہے اب وہ ایک دیوار پر مرغیاں عورتیں کے ترانے اور دھمکار کے خوانات وقت گزر آتا ہے۔ دکان کا رقبہ پھیلا گیا اب وہ ایک شاپنگ پلازہ کے مالک ہیں خود کی دکانیں نہیں بیٹھتے سب کرایہ پر چار بھی ہیں۔ حالی شان نائی طرز کا بنگلہ تعمیر کر کے پھر سے خود کو لکھنؤ کے نواب کی حیثیت سے متعارف کرانے لگے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ انہیں بھیا کہنے کوئی حق نہیں آج پھر سے چاہیے ہاتھ آجانے کے بعد وہ خاندانی کہلانے پہ۔ مصروف ہیں وقت اپنے خاندان کا

ناموس کا خیال کیوں نہ آیا۔ جب لچھوں کی مانند کپڑے پہ رواں لاتے تھے اور آنے آنے کا سودا پڑیوں میں لپیٹ کے بیچتے تھے۔"

"اور ان کے بیٹے۔" میاں اورنگ زیب کا لہجہ سخت تھا۔

"بڑے نواب تو پولیٹری فارم کا ٹھیکہ لے کے بیٹھے اور چھوٹے نجانے کیا کل کھلا رہے ہوں گے پریس میں۔ سنا ہے یہاں تو اونچے تعلیم یافتہ بھی سیٹھوں کے کتے نہلانے پہ مامور ہوتے ہیں۔ وہ تو یہاں بھی بس ڈگری سادی پڑھ پائے ہیں۔"

"آپ کہہ لیں۔"

"اب کیا؟ ابھی سارا پر آنا تلاوت۔ آگے آپ کی مرضی جو دل میں لیں اور یہاں پھر بھی کچھ نظر انداز اور گزر کیا جا سکتا ہے کہ بیٹی جس گھرانے میں آئے گی وہیں کے طور طریقے اپنا لے گی لیکن آپ کی بیٹی دیہی ہو تو سوال ہی دیکھنی پڑتی ہیں۔ جس گھرانے سے رشتہ ہو تاکہ ہو رہا ہو اس کی سات پشتیں نگاہوں کی زد میں ہیں ہڈی ہڈی ٹھیں پرابر ہونا چاہیے جانا ہے کہ اپنی نسل کی اچھے شجرہ کی ایک شاخ اس گھرانے تک پھیلانی ہوتی ہے۔"

"آپ صحیح فرماتے ہیں" نفیس صاحب" آپ کی نیت کہ بندہ کو ایک غلط فیصلہ کرنے سے روکنے میں مدد فرمائی۔ سچ ہے دوست کی پہچان اس کے مشورے سے ہوتی ہے۔ اصل میں ہم تو ان زمینوں کے مسئلے میں ہی اس بری طرح الجھے رہتے ہیں کہ خبر ہی نہیں کیا ہو رہا ہے۔ کیا نہیں کچھ خبر نہیں ہو پاتی۔ مہینے کے تیس دن ملتان یا اس قصبے کی جاگیر میں گزرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو شہر جا رہا ہوتا ہے تو ملنا جلنا بھی نہیں بس آپ سے محبت ہے جو نجانے کیسے جا رہے ہیں۔"

"زندگی خود بھی بڑی ہے حضور دیکھیے۔" نہ جزا نہ نفیس نے گہرا سانس لے کر بڑے دانشورانہ انداز میں کہا۔ "ہمیں خاندانی وقار کا تذکرہ زیب نہیں دیتا۔ خدا دیتا ہے اس میں بندے کا کمال وہ ذات پاک کسی کو کہیں بھی دے سکتی ہے اسی لیے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خاندانی ہونا اصلی حسب نسب رکھنا کوئی کمال نہیں ثابت تو یہ ہے کہ بندہ اپنے حسب نسب کو قرار بھی رکھ سکے۔ کسی بھی طرح کیسے بھی حالات میں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ڈھلنے والے لوگ خاندان کو مسل کو بھی بہت سے سانچوں میں ڈھال لیتے ہیں۔"

"درست فرمایا۔ جواد شاہ۔" وہ سر ہلنے لگے "ویسے بھی دوا ہے اس دوست کو مثل نکل مانتے تھے اور دنیا کے بارے میں ان کے تجربات و تجربات کے بارے میں تو کوئی شبہ بھی نہیں رکھتے تھے۔

☆ ☆ ☆

صاحبزادہ نفیس علی خان کے آباؤ اجداد لکھنؤ کے نوابوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریزوں کے دور حکومت میں اگرچہ ان کے ہاتھ سے ہمت چھن گئی لیکن صاحبزادہ نفیس نے اپنے ہوش سنبھالتے ہی شاہانہ شان و شوکت اور نوابی جاہ و جلال کے دکھاوے ان میں شاہانہ حکومت پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ جشن نوروز میں میل خانے سے نکلتی "ٹیلی" پر جب دونوں بھائی سوار نکلتے تو رعایا کے تحت لگ جاتے سونے چاندی کے سکوں کی مٹھیاں بھر بھر کے پھینکتے دونوں بھائی اس ہجوم سے رستہ بناتے نہ گلا پھینکتے سونے کی ٹھنڈ سے مرصع چادر چھائی جاتی۔ سونے چاندی کے سکوں کی بارش ڈالی جاتی۔ آس پاس کے تمام چھوٹے بڑے قصبوں اور دیہاتوں سے آئے لوگوں کی جانب سے پھینکے گئے پھولوں کی پتیوں سے بڑے صاحبزادے نفیس علی خان اور چھوٹے صاحبزادے نفیس علی خان کے تحت جو عمل طور پر ڈھک جاتے۔

والد محترم صاحبزادہ اقدس علی خان کی بابت دونوں بھائی پتا حضور صاحبزادہ احمد رضی خان سے زیادہ قریب تھے وجہ شاید یہ بھی رہی ہو کہ ان دنوں بدلتے حالات "انگریزوں کی من مانیاں اور ظلم انداز یوں کے سبب صاحبزادہ اقدس اپنے تمام تر اختیارات رفتہ رفتہ کھوتے چلے جا رہے تھے جو اپنی ریاست کے والی ہونے کی حیثیت سے انہیں بھی حاصل رہے تھے۔ اس کا بلاٹ نہ ان کے حواس مختل کر دیتے تھے۔ اچھے سے جاگیریں نکلنے کے غم

نے انہیں بھاگ کر کھڑا تھا۔ انگریز سرکار کے سامنے اپنے ہندو چھوٹا سا تنکے کتنا، اپنی عوام سے خود سے تھی کہ اپنے الٰہی خانہ تک سے کترائے کترائے رہتے تھے۔

اگرچہ آج بھی اپنے محل میں وہ راجہ کی حیثیت رکھتے تھے لیکن درپردہ سارا انتظام صاحبزادہ احمد منیر نے ہوئے تھے۔ ولایت سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے اور اس ولایتی تعلیم نے ان کا فکری زاویہ ذرا سی متاثر نہ کیا تھا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید نکھر جاتا جا رہا تھا۔ ہاں البتہ اس تعلیم نے انہیں انگریزوں سے آنکھ آنکھ ملا کے بات کرنے کا حوصلہ ضرور عطا کر دیا تھا۔ جب انگریز سرکار نے ملک کو لوٹنے کی خوں میں لوٹنا شروع کیا تو صاحبزادہ احمد منیر کا "قدیم خون" بھی نہ دبا۔ انہیں صاحبزادہ احمد نے اپنی وکالت کی تعلیم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندو راج کی کمزوریوں کے ذریعے مہلت حاصل کر رکھی تھی۔

انہیں بہت سے سیاسی حلقات سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں انہیں پوری امید تھی کہ ہندوستان کے رہنما انگریز قوم کو پسپائی پہ مجبور کر کے اس سرزمین سے نکلنے پہ مجبور کر دیں گے ان کا اندازہ درست نکلا لیکن ہندوستان کی تقسیم نے انہیں اور صاحبزادہ قدس کو بے حد پریشان کیا۔ ان کے پرکھوں کی ریاست ہندوستان میں مل رہی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ پاکستان نہ لے جا سکتے تھے۔

"بھائی حضور آپ نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔" صاحبزادہ احمد نے تنکے میں ڈوبے بھائی سے سوال کیا۔

"ہم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں صاحبزادہ احمد" آہستہ سے کہا "ہمیں سمجھ آیا ہے کہ سرحد پہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹنے کے پیچھے آخر کیا مقصد رہا ہوگا۔ کیا فائدہ غاصب انگریز کو نکال باہر پھینکنا آئی نہیں تھا۔"

"انگریز جاتے جاتے ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات کے جوش کو بھڑکا گیا ہے اس کے پیش نظر یہ تقسیم ناگزیر تھی۔" وہ وقت بہت نازک ہے بھائی حضور جب مسلمان بادشاہ کی ہندو رعایا نے بغاوت کی تھی اور ہندو راجہ کی مسلم رعایا نے ساتھ دیا تھا۔ آپ جو کارنامہ کر گئے تھے اب جو مسلم کو اور مسلم ہندو کو ایک پل برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں آپ ہمارے کرم علاوہ از علاوہ فیصلہ فرمائیں وقت مہلت نہیں گزر رہا ہے۔"

"وقت کتنا ہی کم کیوں نہ ہو احمد میاں ہم وقت کے ہاتھوں شکست تسلیم کر کے ہتھیار پھینکنے والے نہیں اور آپ بھی واقف ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کے ہاتھوں میں کون سے ہتھیار تھے۔ یہ ہتھیار ہمیں خاندانی وقار کا عملی سبب اور اقدار کے۔ اور ہمارا وقار اس محل سے وابستہ ہے۔ ہمارا وقار اس محل تلے دفن ہے ہماری اقدار ان فضاؤں میں زندہ ہیں۔ ہم اس مٹی سے اس فضا سے اور نہیں جا سکتے۔ ہرگز نہیں۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے۔ آئل فیصلہ اور اپنے فیصلوں میں معمولی سا رد و بدل کرنا بھی ہمیں گوارا نہیں۔ یہی بات ہم نواب سلیم الدولہ کو بھی سمجھانا چاہتے ہیں۔ انہیں پیغام بھجوا دیا جائے کہ بارات اسی روز روانہ ہوگی جس روز کا وعدہ کیا گیا ہے۔ شرائع اور قوانین میں زبان دے کر پھر لیت و لعل کرنا۔"

"ان کا خوشدل بھی دوست ہے۔ تقسیم کے موقع پر ہنگامہ آرائی اور لوٹ مار تو متوقع ہے بلکہ ایسے میں۔"

صاحبزادہ احمد نے بے انتہا طنز سے اپنے خدشے کا اظہار کیا جسے صاحبزادہ قدس نے بل میں مسترد کر دیا۔

"کون کرے گا ہنگامہ آرائی۔ یہ ہماری رعایا! ہمارے لوگ! یہ ہندو ہوں یا مسلمان ہیں تو ہمارے ہی لوگ۔ آپ جانتے ہیں احمد میاں کہ ہماری ریاست میں بیشتر ہی زیادہ تعداد ہندوؤں کی رہی ہے اور ہمیں ان کی وفا داری پر اور ہر ہر شخص پر ہے۔ آج ہم ایک بے معنی سے خدشے کی وجہ سے آپ کے بیٹے کی تاریخ بدل دیں تو ہماری ساری عمر کی ساکھ جاتی رہے گی۔ صاحبزادہ احمد ہم پہلی مصلحت کو ترک نہیں کرنا چاہتے۔ آپ کی بارات انشاء اللہ اسی تاریخ کو روانہ ہوگی اور پوری شان و شوکت سے راستہ طے ہوگی۔" انہوں نے آخری فیصلہ صادر کر دیا۔

اور سب نے دیکھا کہ پورے ہندوستان میں جس روز محل بغاوت کا بازار گرم تھا محل کی اوٹ سے نکلی بارات تھی اور وہاں ایک سیکھا ایسا بھی تھا جس کے محل میں لندن پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔

محل کے باہر پھولوں رستوں سے لے کر صدر دروازے تک لکڑی کے ستون کھڑے کیے گئے تھے اور ان

ستونوں کے اوپر کیندے گلاب اور موتیا کی چھتیں ڈالی گئی تھیں۔ ایک ایک ستون سبک، سجل اور منقش تھا۔ بھاری سائز دروازے پہ مین پوری کے کاریگروں نے بڑی لگن و محنت سے کام کیا تھا۔ لیل خانے سے "الٰہی" پر بھی پالکی میں سوار صاحبزادہ احمد علی خان باہر نکلے تو ہجوم دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ سرخ زری پہ کلیا سجا سرخ اشٹیڈ اطلس کا انگرکھا، کمر میں کام چولی دوشالہ، مرصع قبضے کی تلوار لٹکائے سونے کی کاروں کا بنا سہرا سجائے سر پہ جگمگ کے شہزادے سے لگ رہے تھے۔

ہندو بھاٹنے کان پہ ہاتھ رکھ کے تان لگائی۔

مالک نکلے ہیں بن ٹھن کے
کرنے نکلے نظر انسان سے ہاتی

بادلوں کا سایہ سر پہ
ہاتھ میں ہیرے جڑے بھر کے
انگریز سے کیسے کیسے گھوڑا تھی
کات کے چھتیں جیسے کھڑا کھڑی

"الٰہی۔" اپنی سوندھی سوندھی پالکی پھر کے بانٹ پہ پھینک رہی تھی۔ تو سارا صاحبزادہ قدس علی خان کے حافظے میں وہ دن سرا گھی فرح محفوظ تھی۔ وہ ساری شان و شوکت کو دیکھ کر دل تھی ایسا لگتا تھا جیسے ہی یہ جا کر اس وقت پورے ہندوستان سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہاں خون مل رہے تھے۔ اس طرح اچھالے جا رہے تھے۔ وہاں سر قلم ہو رہے تھے۔ یہاں ہنسیاں پھول ہو رہی تھیں۔

ایک بستیوں کی بستیاں جس دن بسی تھیں۔ یہاں محل کے چراغ روشن تھے۔

اور اتنی خلقت و بارات کے ساتھ نہ تھی جتنی دلہے کے روز جمع تھی جس امن و سکون کے ساتھ بارات روانہ ہوئی اور جس خوبی کے ساتھ واپسی ہوئی اس نے سمت سے ایسے لوگوں کو سلطنت کیا جو اس شرانگیز ماحول میں ایسی تقریب میں شرکت کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ دلہے کے روز بات ہی اور تھی۔ اسٹیج پہ بھاری (سواری) پالکی دلہن کے جلوس کے ساتھ کہ اصطبل میں جگہ نہ ملی۔ کنواں میں اس قدر شکر ہوئی کہ پانی شیر بن گیا۔

"زنان محل" میں دلہن کے لیے کم کمرے کی مسند سجائی گئی۔ تین طرف خاندانی کے تحفے تھے۔ دلہن کو لوٹ کے بنایا گیا۔ ہندوستانی رنگ کے غرارے میں ملبوس گلوں تک آتے گھر کے سمت میں چھپی چاند دلہن زیورات سے لدی پھندی تھیں۔ میرا فقیر شرمیں شرمگیں گلتے ہوئے تبسمات سے بخشیش لے رہی تھیں۔ صاحبزادہ قدس اور صاحبزادہ انہیں اپنی کم عمری کی وجہ سے ان زنانہ محفل میں موجود میراثنوں کے جھمگٹوں پہ قہقہے بکھیرتے تھے جس میں ہوا کے علاوہ کسی مرد کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

دلہن کی خلقت میں مسلمان سہیلیوں کے لیے بھی انتہائی اہتمام تھا۔ ہندوؤں کے لیے "مہاراج پلاؤ" اور ترکی کو خوشی صحت خالی ہندو سے بخشیش کیا۔ کم بخت میوہ سے "مرغ مسلم"

ہندوؤں کے لیے جو چاندی کے تھال سجے تھے ان پر بھی کم رونق نہ تھی۔ پیتر کے کوئے کھن میں بھی کلائی بنک آئی تھی میں تلی پوریاں تیسن کی پھلکیاں خوش رنگ ترکاری دس ملائی گلاب جامن۔

"ہمیں ابھی تقاضوں پر پوری ہی جاری تھیں کہ ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ہندو بلوائیوں نے حملہ کر دیا۔ بھگدڑ مچ گئی اب اختیار ہی کہ ہم بھلا ہندو ہر سو اور ہندوؤں کے ہجوم ہزاروں کے مجمع پہ دہشت طاری کر دی۔

"اسے جو ہندو برادری سے ہے ایک طرف ہو جائے" ہمارا مطلب صرف ان سے تو ایوں سے ہے سالے سمجھتے ہیں یہ چاندی سونے ہیں اور ہیرے جھلکتے ہیں۔ آج ان کا پیٹ پھاڑ کے بھی سارا دھن لوٹا جائے گا۔ ان کا بیٹا کی سالے کی سوسائٹی سے ہمارے اور راج کرتے ہے اب سارا دھن سمیٹ کر کیا تنگ لے جانا چاہتے ہیں۔ ارے بے خبر قوم کی سے لوٹا ہوا انہیں دان کر کے بادی بنا لیتے ہیں یہ سلسلے رہے بیوپاری

ساتھ ہو جاؤ اور ان سے نمٹنے میں مدد کرو ہماری۔" ایک گھڑسوار کی بات دار خوار کو لگی۔

اور صاحبزادہ اقدس نے حد درجہ حیرت سے بندوقوں کے اس انبوہ کو ان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ہوا بھی کچھ دیر قبل ان کے ہمراہ آیا۔ ہم نوالہ تھے۔ ان میں وہ دو دوست بھی تھے جن سے ساحل کے دلدل تھے اور وہ تنک خوار ملاتین بھی جن کی سات بہنیں ان کی وفاداری کی منتظر تھیں۔ وہ رعایا بھی جن کی بہتری کے لیے اقدامات کرتے ہوئے انہوں نے کبھی نہ سب کا امتیاز نہ برتا تھا۔ اور آج وہی لوگ جو دوستی کا دم بھرتے تھے ایک طرف کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔

وہ تنک خوار جنہیں وفاداری کے دعوی تھا۔ ان لٹیروں کے ضمیر لوٹ مار میں برابر کے شریک تھے۔

ان کی بہو بیٹیوں کے زیور رات نوچے تھے تو وہ گھات اور صاحبزادی جن کے آنچل کی جھلک تک کسی نے دیکھی ہوگی، بے پردہ ہو گئیں۔

جاتے جاتے غضب ان ظالموں نے یہ کیا کہ شرفاء کی بیٹیاں تک اٹھا کے لے گئے۔ اس صدمے نے صاحبزادہ اقدس کے رہے سہے ہوسان بھی خطا کر دیئے۔ اذیت رسوائی اور سب سے بڑھ کر زخم ٹوٹنے تو غم انہیں لے ڈوبے۔ مرنے سے قبل اپنے دونوں بیٹے چھوٹے بھائی کے سپرد کرتے ہوئے ڈگمگا گئے۔

"اعدر میاں" آپ غلط تھے، ہم غلط تھے۔ ہمارے قویٰ مضمحل تھے۔ ہمارا بھروسا جھوٹا تھا۔ ہمارا اللہ کمزور نکلا اور سب سے بڑھ کر خود ارادہ ہمارے اس زخم نے ہمیں قریب دراز صدیوں کے ساتھ نے اس بے وقوف قوم کے دل میں ہماری محبت ڈال دی ہے۔

نہیں اعدر میاں سچ قوم کسی کی نہیں تھی۔ ہمارے قیام کا طرز عمل درست تھا انہوں نے رعایا کو بیوی تلے کچل کے رکھا۔ ہم ہی تھے جو وقت کے بدلتے تقاضوں کے پیش نظر ان سے رعایت کر بیٹھے اور دیکھیں زمانہ کیا کیا ہماری وفاداری کا دم بھرنے والے جانثار ملاتین نے کیا کیا ہماری خواتین کو بے پردہ کیا۔ ہمارے بزرگوں کی قبروں کی بے حرمتی کی ہمارے محل کی شان کو مٹا ڈالا۔ آج ہم تو کسی جیسے نہ رہے۔

"اعدر میاں" آپ سے درخواست ہے ہمارے صاحبزادوں کو لے کر روپوش ہو جائیے۔ جہاں آپ کو امان ملے، جہاں آپ کو عزت ملے۔ جہاں کوئی آپ کو اور ان معصوموں کو مسلمان ہونے کی سزا نہ دے۔ ہمیں اعتبار ہے یہ ست بھولیں اور نہ انہیں بھولنے دیں کہ یہ صاحبزادہ اقدس علی خان کی اولاد ہیں۔ دینی دنیا تک میرے خاندان کا وقار قائم رہنا چاہیے۔ ہم بن گئے ہیں کہ شان و شوکت کھلونوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ خان میں شامل ہوتی ہے۔ ہمارے خون کی تاثیر یہ دیکھ پائے۔ اتنا رہیان رہے۔"

چچا حضور نے تو صد کیا ہی لیکن دونوں صاحبزادوں نے بھی والد محترم کی یہ آخری نصیحت گرہ سے باندھ لی اور گھر سے وقت کے ہر تقاضے پر ثابت قدم رہنے کو مضبوط کرتے چلے گئے۔

○ ○ ○

چچا حضور اپنی دلہن اور بھتیجوں کو لے کر پہنچتے جاتے۔ بکتان آ پہنچے ان کا دم نہ ہوتا تو خدا نے ان ننھی جانوں کے جینے کا آسرا کیا ہوتا۔ وہی تھے جنہوں نے دعوی کر کے یہ نوبل اور بیدنات حاصل کیے۔ اگرچہ یہ خوبی اس "اقدس علی محل" کے آگے ذرہ بھی نہ تھی مگر دونوں صاحبزادوں کے لیے یہی "اقدس محل" بن گیا کہ چچا حضور نے کبھی یہ محسوس ہی نہ ہونے دیا کہ وہ محل سے نکل کے آئے ہیں۔ وہی اقتدار وہی آداب و تکلفات وہی رکھ رکھاؤ۔

آنے والے چند سالوں میں چچا حضور کے گھر میں صاحبزادیوں کا اضافہ ہوا۔ صاحبزادی فرحت النساء صاحبزادی خلعت النساء اور صاحبزادی فرحت اقدس انہوں نے آ کر اپنے والدین کا ایک محل دیکھ رکھا تھا۔ ہی اولاد اور پھر بھی چچی دلہن نے ان کی پرورش میں تمام تر شرعی اقدار کا لحاظ رکھا یہی وجہ تھی کہ ان کی فطرت میں بھی وہی رکھ رکھاؤ سمٹ آیا تھا۔ ان کے گھرانے کا خاصہ رہا تھا۔ رہن سہن اور وضع قطع چال چلن ہر لحاظ سے گھر وہ ابھی تک لکھنؤ کے اسی محل میں سانس لیتا تھا۔

چند بیانات ان چاچیوں کا ازالہ تو نہیں کر سکتے تھے لیکن گزر بسر عزت سے ہو جاتی تھی۔ ان دونوں باتوں کی پیداوار بھی خاصی تھی۔ خوب آمدنی ہوئی۔ کئی صلاح کاروں نے رائے دی کہ اس آمدنی سے کوئی اور کاروبار شروع کر کے مزید سرمایہ بنایا جا سکتا ہے لیکن چچا حضور کہیں گوارا نہ تھا۔

"اتنی بھروسے پر ایک ہم اور اس ننھے بچے کے کام میں گھسیں؟ بدلو اور دوبارہ لڑنے میں مشغول ہو جائیں۔ یہ وضع وقار کے منافی ہے۔ ہمیں اس آفت سے بھی دلچسپی نہیں۔ شرم آتی ہے مٹی سے اموں انگشتوں کا حساب کرتے ہوئے۔ آج تک یہی کھایا نہیں کھولا۔ لاحول ولا اب صاحبزادہ اعدر علی کا یہی کام رہ گیا ہے کہ منڈی کے بھاؤ تاؤ کا دھیان رکھیں۔ بس ٹھیک ہے زمینوں اور باغوں کے کاغذات۔ ہمارا نام لکھا ہے اس لیے اس کی تفصیل وصول کر لیتے ہیں باقی کوئی سوال جواب ہم نے منشی سے بھی نہیں کیا اگر ہم یہی فکر رکھتے تھیں تو بھلا ہم میں اور اس خواندار منشی میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اور آپ سے آپ حضرت ہمیں کاروبار کا مشورہ دے رہے ہیں۔ نوازش حضور۔"

اور پورے خلوص سے معذرت چاہ کے اپنا سامنہ لے کر رہ جاتے۔ وہ اپنی عزت و توقیر میں مگن رہتے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ عزت چاہے وراثت میں ملی ہو چاہے خود کمائی ہو۔ پھیلنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور ان کی عزت میں تو بیٹی نازک جذبات کا اضافہ ہو گیا تھا۔ تین انگشتوں کا۔

سب سے پہلے چچی دلہن نے بڑی دختر فرحت اقدس کی صاحبزادہ نصیر علی خان میں بڑھتی دلچسپی کو بھانپا شاید وہ خود بھی اپنی اس نازک سی عمر زاد سے وارفتگی رکھنے لگے تھے۔ چچی دلہن نے شوہر سے دبے الفاظ میں ذکر کیا۔ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ فرحت اقساء ہنوز صاحبزادیوں میں بڑی تھیں۔ سولہ کا سن تھا صوتاً شادی کی عمر تو ہو چلی تھی لیکن ان کا رشتہ نصیر علی کے بجائے انہیں علی کی طرف تھا کہ دبے دبے صاحبزادے تھے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے حضور پھر بھی تو ہیں ہی صاحبزادی فرحت النساء اور صاحبزادہ نصیر کی عمر میں کتنی مطابقت ہے اور وہ دونوں بھی تو نہیں جاہب زادیوں کی طرح آپ ہی کے لخت جگر ہیں۔ دونوں سے آپ ایک جیسی محبت رکھتے ہیں ہمیں پتہ ہے۔"

بیگم کے سمجھانے پر وہ سمجھ گئے ہوں گے۔ واقعی یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ہوں بھی انجانے لوگوں میں بیٹیاں دینے سے ان کو اپنے ہی گھر والا تھا۔ طے ہی دن میں فیصلہ کر لیا جس کی بھنک انجانے کسی طرح صاحبزادہ نصیر علی خان کو ہو گئی۔ اب فرحت اقساء کے لیے بھی کچھ اور ہی استحقاق بھرے جذبات ابھرنے لگے۔

اتنی دنوں میں چچی دلہن کی طبیعت کچھ ناساز رہنے لگی۔ معالج نے آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا اور چچا حضور جنہیں صاحبزادیوں کے امراوبانات کے ساتھ بے بچوں سے سخت کام کھلا آئے تھے کہ ایک کھلی تو آزاد فضا کا کرنا ہی سانس کی تکلیف میں افاقہ ہو۔

یہ قصبہ لاہور شہر سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا اس لیے سرشام ہی کوئی نہ کوئی ان تینوں میں سے شب بسری کے لیے خواجہ کے پاس چلا جاتا۔ کبھی کبھی چچا حضور جاتے۔ پھر صاحبزادہ نصیر کے نکلے پڑے صاحبزادے اپنی تعلیم میں مصروف تھے۔ یہ ہر طرف سے بے فکری بھی اسی طرح ملا تھی۔ آمدنی کے بیسات آپ تھا اور خود اس مختصر سے قصبے کے لوگ بھی بے حد سادہ اور پر خلوص تھے۔ تمام خواتین کو اپنی ذمہ داری جانتے ہوئے سکون بھر کی کرتے رہتے۔ چلنے پھرنے کی ہمدردی کا پیمان اپنی جگہ تھا۔ ہوا یہ قصبے کا مشہور بیت اللہ "امام مسجد نور الدین ہوں" پوچھو تو فضل بخش۔ رانی کرماں ہوا سرائی اللہ دتا۔ سب ہی خیر کی بے کسی کے لیے ملتے میں کئی پھیرے لگاتے۔ امامنی نور رشید ہدایت اللہ کا پوتا چچی دلہن سے بہلایا ہی ہو گیا ہو لیکن اور کئی پیران کے ساتھ ہی تھیں۔ اس لیے صاحبزادہ اعدر علی اہل خانہ کی جانب سے زیادہ مشکور تھے۔

اس ان انسوں نے شہر میں گردش کرتی خبر سنی کہ دریا کے راوی کا پانی جوش میں ہے اور سیلاب کا امکان ہے۔ ان کے بافت جس قصبے میں تھے وہ شاید دو سے کافی آگے تھا اور قدرے بلندی پر تھا پھر بھی انہوں نے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

احتیاطاً بیگم اور بیٹیوں کو واپس بلوانے کا ارادہ کرلیا کہ بہرحال سیلاب سے واپس جانے کا رستہ تو بند ہو سکتا تھا اور اس بندش کی وجہ سے دونوں طرف موجود لوگوں کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا تھا۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے صاحبزادہ قیس علی خان کو یہ پیغام دے کر ماغات کی جانب روانہ کیا کہ بیگم جلد ہو سکے انہیں واپس لاہور لے کر آئیں۔

لاؤل کے وقت جب وہاں پہنچے تو بھی اور ابھی تک کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔ ان کے استفسار پر انہوں نے بتایا۔

"چودھری کی بیٹی کا آج نکاح ہے۔ پچھلی بار جب آپ کے چچا حضور یہاں تشریف لائے تو چودھری صاحب اور چودھرائن بڑی خود دعوت دینے آئے تھے اور انہیں شرکت کے لیے بڑے پرزور طریقے سے اصرار بھی کر کے گئے تھے۔ ہمارا کا انتظام ہی کرتے رہے لیکن کل رہ گئیں تھے۔ شاید کوئی ضروری کام ہو لیکن آج صبح چودھرائن بی بی گھر کر انہیں کہ کوئی ان کی بیٹی کی باتوں کے شغل میں شریک ہوا۔ اس لیے ہم نے بچیوں کو باعزت طور پر شیخ کے ہمراہ آج کی دعوت بھیج دیا۔"

ہماری طبیعت تو اجازت نہیں دے رہی تھی ورنہ ہم خود بھی جاتے۔ آخر برسوں کے لوگ ہمارے لیے اتنا خلوص اور محبت رکھتے ہیں۔ وضعداری کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہم بھی اتنے خلوص سے ان کی خوشی میں شریک ہوں۔ آپ اگر زیادہ تکان کا شکار نہ ہوں تو ہمارا مشورہ ہے کہ تمہارا ہو کر دیکھ چلے جائیں۔ آپ کے چچا کی تمنا بھی پوری ہو جائے۔"

اور وہ تو اس چہرے کو دیکھ کر جزبز سے ہو رہے تھے۔ جس کی ایک جھلک ان کی طبیعت کی ساری کلفت دور کر دیتی تھی وہاں جانے کا ان کو اتنا اشتیاق ہو گیا تھا کہ کسی نے انتہا درجے کی بے چینی اور افراتفری کے عالم میں اونٹوں پہ دستکوں سے دروازہ کھولتے ہوئے سامنے میرالی اللہ دتہ کو سراسیمہ سے انداز میں دیکھا تو وہ بھی ہلکان ہو گئیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے دستک کا۔"

"بیگم جی۔ حویلی میں ڈاکہ پڑ گیا ہے۔ نورے نے اندر گھس کر سب کو بندی بنایا ہے۔ ابھی تو جنج بھی نہیں آئی تھی۔"

"کیا۔ کیا کہہ رہے ہو اللہ دتہ۔ نورا کیسے ہو سکتا ہے کہ پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔" صاحبزادہ قیس تحت متوحش ہو گئے۔

"کل ہی تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (چشم دید) وہ نورا ہی تھا۔ بارہ کے ٹولے کے ساتھ گھوڑے پر آیا۔ فیرنگ (فائرنگ) کی اور حویلی قصر کے اندر سے چلا تک مار کر آیا۔ ہمیں جتنے باہر کھڑے لوگوں کی رکھوالی کرنے لگے ہیں۔ نے کی اپنی (دکان) سے زاد ہے تھے۔ دوڑ کے ادھر آگیا کہ پلس کو خون کر دوں۔"

"یہ تم نے اچھا کیا۔ سیدھے تھانے جاؤ اور پولیس کو خون پہ اطلاع دے کر آؤ۔ میں حویلی کی طرف جاتا ہوں۔" اتنی تشویشناک اطلاع ملنے پر بھی انہوں نے بمشکل اپنے اعصاب قابو میں رکھے ورنہ دل اچھلنے اندیشوں سے کہ ہر خاندان کے گھرانے کی عزت اس وقت اسی حویلی کی چوکھٹ پر اور اس میں مقید بدنام زمانہ ڈاکو کی گرفت میں تھی۔

نورے کے متعلق تو انہوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا کہ وہ محض سونے چاندی کو سمیٹنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ بڑے بڑے گھرانوں کے زیور اور بھی قیمتی اثاثے کو بھی لوٹ کر لے جاتا۔

"کیا ہوا انہیں میاں؟ آپ اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہیں؟ کون آیا تھا۔ کیا کہہ رہا ہے۔" اوپر سے چچا حضور نے جھانک کر دریافت کیا۔ شاید ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کر کے بستر سے دروازے تک کھینچ لائی تھی۔ ابھی وہ کوئی بہانہ گھڑ کے انہیں مطمئن کر ہی رہے تھے کہ سائی تھنے ہوا ان سے چند قدم پیچھے بدحواس سی حزنی سے تفصیل سن رہی تھی کہ اچانک سکتے کی کیفیت سے نکل آئی اور وہ چیخ چیخ کر ماتم پیٹنے لگی۔

"ہائے ہائے غضب ہو گیا۔ نورا کم بخت حویلی لوٹ گیا۔ اب خیر نہیں ہائے میری یتیم پوتی۔ میرے اللہ جی۔ غریب کی عزت سلامت رکھنا۔" اس کی آہ و بکا سن کر چچی اور بہن بھی از کر ہلکان ہو گئیں۔

ان کی وہ ایک منٹ کی پوری تین ٹیلیاں اس وقت خطرے کی زد میں تھیں۔ سفید پڑتے چہرے کی ساتھ وہ ایک طرف کو جھکیں۔ تذبذب کا شکار صاحبزادہ قیس نے ایک نظر ان کے ہوش و خرد سے بیگانہ وجود کو دیکھا اور پھر دوسری طرف کی خبر لانے کو زیادہ ضروری جانتے ہوئے سائی کی راہ لی۔ سرت جلد گئے جب حویلی کے نزدیک پہنچے تو ہر طرف افراتفری اور گرد کے سوا کچھ نہ تھا۔ دور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آ رہی تھی۔ ہر شخص سہما کھڑا تھا۔ انہیں دیکھ کر چہروں کے سائے ساتھ تم کے تاثرات بھی ہر چہرے پہ نمایاں ہو گئے۔ حویلی کے اندر سے رونے پیٹنے اور ماتم کی آوازیں باہر تک آ کر سب کی بیزاری تھیں۔

"امام صاحب۔ سب خیریت تو ہے نا؟" اندر سے گلے شانوں کے ساتھ نکلتے بدحال سے امام مسجد سے دونوں نے دریافت کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی باہر کھڑے اجنبی میں سے بہت سے لوگ حویلی سے نکلتے افراد کی طرف صورتحال کی نوعیت جاننے کے لیے لپکے۔ کچھ اصل واقعہ جاننے کی غرض سے اندر ہی چلے گئے۔

امام صاحب نے افسردہ نگاہوں سے صحن کی طرف نظر دوڑائی۔

"چودھری صاحب کے سسر حاجی سردار کو گولی ماری ظالموں نے۔"

"یہ مسند پہ چودھری ہو ران کو؟" سب چیخ اٹھے۔ جب ہی اندر سے سائی بین بلند ہو رہے تھے۔

"اور۔" وہ ہچکیاں لے کر بولے۔

"ہائے ہائے۔"

"ظلم ہو گیا۔"

"چودھری صاحب کو قتل کر گئے۔"

"ہائے تھوڑی دیر میں جنج آنے والی ہے اور دلہن۔"

سب اپنے اپنے طور پر اظہار کر رہے تھے کہ امام صاحب کی اگلی آواز نے سکوت پھیلا دیا۔

"دلہن کے خاندان والے بیچاری اور بھی تھیں جوان بیٹیوں کے بیٹے تھے۔"

وہاں موجود ہر شخص جیسے سانپ سونگھ گیا جس نے بھی سن لیا وہی بیٹھی اندر موجود تھی وہ سہم کر رہ گیا۔ ابھی سب کو اندر جانے کی جلدی تھی اب اتنا ہی آگے بڑھتے قدم لڑکھڑانے لگے۔ ہر کوئی پیچھے اپنی عزت کی سلامتی کی دعا کر رہا تھا کہ انہیں میں صاحبزادہ قیس بھی شامل تھے لیکن شاید یہ داغ ان کے آنے والے چچا حضور کی قسمت میں لکھا جا چکا تھا کہ نکاح والی دلہن کے علاوہ جن دو لڑکیوں کو نورا اور اس کے ساتھی اٹھا لے گئے تھے ان میں سے ایک تو مہندی پہ رونیاں لگانے والی ضعیف سائی تھنے کی یتیم کلمرا اور شریح تھیں سانسیں لینی والی تھی اور دوسری صاحبزادہ احمد علی خان کی صاحبزادی فرحت تھیں جو کہ معصوم اور بے داغ حسن پر یوں لہراتا تھا۔ جس کی شرکتیں چلیں اتنی دیر تک تھیں کہ شاید ہی کسی نے اٹھتے دیکھی ہوں۔

یہ خبر سنتے ہی صاحبزادہ قیس دیوانوں کی طرح اس رستے پہ بھاگے کہ جہاں سے واپس کر کے تھے لیکن سوائے گرد اور رعب کے بس کچھ نہ تھا۔ بڑے بڑے دلاور بھی بے بس الٹی پڑی تھیں۔ پہنچ کر ٹولے کے ٹولے بنانے والے کے خواب تو اور ہی گرے تھے۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے غم و غصے سے پاگل ہوتے قیس میاں کو ہوش میں کیا۔ انہیں آنے والے وقت سے خوف محسوس ہونے لگا۔ ہر منظر اندھیرے میں بنا ہوا لگتا۔ چچا حضور کو یہ اطلاع دینا بے حد مشکل امر تھا۔ اور پھر حضور کی بگڑی صحت کو انہیں سنبھالنا بھی ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا۔

نورے نے ان کی ایک مشکل تو آسان کر دی۔ غم سے چور چور وجود کسی ہوش خلعت النساء اور حرمت النساء کو لے کر گھر پہنچے تو بیٹی دلہن کا بے چین ہو کر انتظار کے مرحلے سے اور اجڑے کاشانے کی اپنی پوتی کی بربادی کا سن کر وہ سب سے پہلے اصل حال کی خبر پہ ہی گر گئی اس لیے بیٹی چھوڑ کر خود ہی دنیا سے رخصت ہو گئی اور صورت خان پہ غلبہ پا گیا۔

پولیس آئی، صاحبزادہ اندر آئے اور سیلاب بھی آیا۔ ڈاکوؤں کا دولہا، راوی کے پاس بے سنبھلے ہی بنا ہوا تھا۔ تین تھا کہ ہلاکت سار کے اور علی کے نزدیک ہی پہنچے تھے کہ سیلاب کے تند تھپیڑے نے انہیں آلیا۔ سب بہہ گئے۔ سب ڈاکو اپنی اپنی تھیلیاں گھوڑے اور لوٹ کا مال جس میں سونے چاندی کے زیورات اور کرنسی نوٹوں کی گڈیوں کے علاوہ تین جیتی جاگتی زندگیاں بھی تھیں۔ شاید خدا کو ان کی عزت محفوظ رکھنا منظور تھا اس لیے انہیں موت کی گود میں نہ لیا۔

صاحبزادہ اندر علی خان پر بس چند گھڑیاں مشکل گزریں۔ جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ ان کی دختر اغوا ہو چکی ہے انہیں لگا کہ جیسے اب دنیا میں کہیں جائے امان نہیں ملے گی۔ سانس نلے لینا دشوار ہو جائے گا۔ وقت کے اس احساس نے سب کر۔ لیکن چند ہی منٹ بعد جب پولیس نے یہ اطلاع دی کہ نور اوا ڈاکو اپنے پورے لوٹے سمیت سیلاب کی لہروں کا شکار ہو کر غرق ہو چکا ہے۔ ان کے سینے سے بھاری سل ذرا سی سرک گئی۔ دنیا کے سامنے تماشا بن جانے کا خوف اپنی جگہ۔ سلامت تھا اور بیٹی سے دائمی جدائی کا دکھ تو خیر زندگی بھر تک رلائے گا لیکن دل کو تسلی تھی کہ وہ آبرو کے ساتھ مری۔ بڑے بھائی صاحبزادہ قدس علی خان سے کیا گیا وعدہ، خاندانی عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کا وعدہ، کسی نہ کسی طرح پورا کر لیا۔ انہوں نے چین کے سکھ ضرور کیا۔

"بھائی صاحب! آپ نے کہا تھا کسی ایسی جگہ چلے جانا جہاں امن ہو، سکون ہو، جہاں عزت ملے جہاں امان ملے۔ ہم اپنی حیات سمیٹ کر یہاں اس خطے پر چلے آئے جس نے مسلمانوں کو امان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ہوا کیا؟ ہماری بیٹیوں نے لوٹا تھا ان سالوں اپنے ہی لٹیرے بن گئے۔ لیکن آپ نے کہا اب ہم کہاں امان پائیں؟"

بیگم کی وفات کے بعد خدا نگاہی بیچاری کا اس حویلی میں بھتیجوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ انہیں کھلا تو جلد ہی بہوؤں بیٹیوں کا کھلا دان کر کے مطمئن ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد باغات و زمینوں کا انتظام اور خود قدیس علی خان کے سپرد ہو گیا کہ وہ ان معاملات میں خاصے ہوشیار تھے۔

بڑے بھائی صاحب شروع ہی سے سادہ مزاج کے تھے۔ ان کا رہن سہن بھی دیگر اہل خانہ کی بہ نسبت سادہ تھا اگرچہ لباس وہ بھی کھنوری استعمال کرتے لیکن کبھی بھی اپنے خاندانی لباس کے استعمال میں کوئی عار نہ کرتے۔ میں کوئی تکلف بھی نہ کرتے۔ صاحبزادہ قدیس کو بڑے بھائی کی تو سنہ بھی ملبوس رہنے کی عادت محسوس ہوتی، جیسے ہوتے مگر اندر ہی اندر ناگواری کا اظہار نہ کرتا۔ البتہ بڑی بیگم یعنی بھابھی خلعت النساء ان کی خوب خبر لیتیں۔ رعب جیسے بھابی خاتون تھیں اپنے ہی حضور سے سارے نوابی سختی برت رکھے تھے۔

صاحبزادہ انیس علی خان ان سے ادب کرتے۔ کچھ وہ مزاج بھی سیدھے اور کم آمیز تھے البتہ چھوٹی بیگم صاحبزادی حرمت النساء مکمل طور پر شوہر کے زیر اثر تھیں۔ ان کی پسند، ناپسند، مرضی، چیز اسی کے سانچے میں ڈھل چکی تھی۔

گزرتے سالوں نے اس حویلی کے مکینوں میں کئی اضافے کیے۔ اس حویلی کے در و بام بھی کئی قضاؤں سے گونجنے لگے۔ کوئی نہ کوئی پھولوں نے جنم ان باغوں کے پھل سے صاحبزادہ اندر علی خان اور ان کی بیگم کی اکلوتی جدائی کا کرب کم کیا۔ وہاں صاحبزادی حرمت النساء کے ساتھ گزرنے والے سانحے کی نوعیت بھی بدلنے لگی۔ انہیں علی خان تھے جن کے دل سے ملال نہ جاتا تھا کہ وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی ان کی حفاظت نہ کر سکے۔

بڑے صاحبزادے اور بیگم خلعت النساء کے ہاں ایک بیٹی یاسمین ناز اور دوسرا عصمت علی خان ہوئے جب کہ چھوٹے صاحبزادے کے ہاں دو بیٹیاں ہوئیں۔ صاحبزادی گل مہر بیگم اور صاحبزادی الماس خاتون۔

پاکستان آنے کے بعد چچا حضور نے دونوں بھتیجوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ انگلش اہل صاحبزادیوں کو حویلی سے نکال گزارا نہ کیا۔ البتہ اتنا کہا کہ ان کی تعلیم کے لیے چار دیواری کے اندر مستقل انتظام کیا گیا۔ قرآن پاک مع تفسیر پڑھایا گیا۔ گلستان بوستان وغیرہ پڑھائی گئیں۔ یعنی قدیمی طرز تعلیم سے مکمل آراستہ کیا گیا۔ اب وقت بدل رہا

تھا اور بدلتے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر صاحبزادہ قدیس علی خان کو بھی ذرا روشن خیال ہونا پڑا۔ اس سلسلے میں زوجہ اعلیٰ کو اور بڑے بھائی صاحب نے ہی ادا کیا۔ صاحبزادہ قدیس تو شاید نکلنا نہ چاہتے۔ لیکن یہ وہی تھے جنہوں نے عملی قدم اٹھایا اور صاحبزادی یاسمین ناز کو بھی صاحبزادہ عصمت کے ساتھ اسکول داخل کرا دیا۔ یعنی بالوں چھوٹی صاحبزادیوں کے لیے رستہ کھل گیا۔ ابھی ان کے دلوں بچے اسکول میں ہی تھے کہ ان کی والدہ کی وفات ہو گئی۔

سارے کنبے کی معاشی کفالت تو پہلے ہی صاحبزادہ قدیس کے ذمے تھی اب اخلاقی ذمہ داری کا بار بھی انہوں نے لے لیا۔ اپنے چچا حضور کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے یتیم بھتیجے اور بھتیجی کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ جتنی محبت اور شفقت اپنی اولاد کو دی جاتی تھی اتنی ہی ان کے حصے میں بھی آئی۔ یہ اصول اپنی اولاد کے لیے مدوار کر گئے۔ وہی بھائی کی اولاد کے ساتھ بھی تھے۔ لیکن ایک چیز ہوتی ہے فطرت۔

فطرت۔ جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

اور فطرت۔ جو ہر انسان اپنی اپنی الگ اور منفرد لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہی ہو گا کہ ایک ہی ماں کی تربیت میں پل کر جوان ہونے والے بچوں میں سے ہر ایک الگ نقطہ نظر لے کر اپنی دنیا بناتا ہے۔ یہی تو فطرت ہے۔ نہ تو تربیت بدل سکتی ہے نہ بدلا جا سکتی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ تربیت کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اچھی یا بری تربیت اچھی یا بری فطرت پہ اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔ فطرت کی بری خصلتیں اچھی تربیت اور کوئی گھر اشت کے نیچے میں دب سکتی ہیں اور اچھی بھی صاف ستھری فطرت ناپروا سرت کی کاوش کو دبا سکتی ہے۔ بہر حال دبا نہیں سکتی۔

یہی حال اس حویلی کے مکینوں کا تھا۔ صاحبزادہ قدیس علی خان اور انیس علی خان نے اپنی ہی عقل میں آنکھ کھولی۔ ایک جیسی تربیت ملی۔ بھری زندگی سے ابتدا کی۔ ایک ہی جیسے ماحول سے گزرے لیکن اس بچپن نے ایک بھائی کو مزید پختہ مزاج کر دیا اور دوسرے کو زندگی کی بے ثباتی سے بے زار۔ صاحبزادہ قدیس اپنے اصولوں کے پکے اور خاندانی حرمت و وقار کے بارے میں حساس تھے۔ بڑے صاحبزادے اتنے ہی بے نیاز۔ لیکن یہ چچا حضور کی تربیت کا اثر تھا یا چچا حضور کی مرحوم نصیحت کا لحاظ کہ انہوں نے طبیعت کے بگاڑ کے باوجود تمام عمر ان اصولوں پہ کاربند رہنے کی کوشش کی۔

اور آج ان جیسی "گل" کے کنبوں کے مزاج میں بھی کی رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ برسوں سے اس گھرانے کے سربراہ ہیں صاحبزادہ قدیس علی خان۔

سفید بے داغ کرتا پائجامہ میں ملبوس مجدد پوری ہوتا اپنے ہاتھ میں منقش عصا جو ان کے والد محترم کی یادگار ہے اور باہر نکلتے وقت زیب تن کیے جانے والی سیاہ بڑی اور بھوری شیروانیاں "سرخ و سفید رنگ" "اونچی" مضبوط سراپا، بارعب گولائی لیے بڑی شرقی رنگ والی جلالی آنکھیں۔ ان کی گزر بسر بھی باعمل انہی باتوں کی تعلیم ہے جو چچا حضور نے تعلیم میں حاصل کی تھے اگرچہ بھائی صاحب کی علالت کے دوران علاج معالجہ کے سلسلے میں ان باتوں میں سے کچھ فروعت بھی کرنے پڑے اور اس وجہ سے جائیداد تعلقی پہ اچھا خاصا فرق پڑا ہے۔ اس کے باوجود بھی چچا حضور کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے مزید کمی کی وجہ سے معاش تلاش کرنے سے گریز ہیں۔

ان کی اس بڑے عمری کی وجہ سے گھر پلو ملازمت بہت سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ حویلی کے اکثر بڑے بڑے کمرے خالی اور ناریک پڑے ہیں۔ چچا حضور کی تجربہ کاری کی پرانی طالبی کی مرصع لیمپ کی روشنی میں ہنڈیاں ہے۔ نہ مرمت کرانے کے لیے رقم ہے نہ ہی وہ پیشوں کے اخراجات برداشت کیے جا سکتے ہیں۔ ایک ہی چھت کو دار پر قائم ہے۔ ایک کے بعد ایک کر کے تمام ساز و سامان فروخت کیے جا چکے ہیں۔ بس ایک سے ایک "تحفہ" رہ گیا ہے جسے ہیں سہل پسند نے باتوں میں رہنا ہوا یا کے صاحبزادہ قدیس کے حوالے کیا تھا۔ وہ بھی ہیروں کے ایک گروہ سے قرار حاصل کر کے بھٹک رہا تھا۔ انہوں نے اسے حویلی میں پناہ دی۔ یہ عوام کا انعام ہی کہ وہ کیا۔ اس کے لیے اب سب کچھ

یہ حویلی اور اس کے مکین تھے۔

بڑی بیگم صاحبزادی عظمت النساء جنہوں نے بڑے ہی طمطراق سے زندگی گزارنے کے بعد اب دنیا کے ہنگاموں سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور عبادت پر ہی صاحبزادے کے گزرنے کے بعد کسی نے انہیں رنگین ملبوسات میں نہیں دیکھا۔ بڑے لمبے قد کی خاتون تھیں۔ عادات و اطوار میں بالکل اپنے والد مرحوم پر گئی تھیں۔ سب سے بڑی تھیں۔ مکمل طور پر حاصل تھا۔

ان کے برعکس چھوٹی بیگم صاحبزادی حرمت النساء بڑی ہی ملنسار شخصیت رکھتی تھیں۔ انداز و اطوار میں ان کے بھی شاہانہ ٹھاٹ تھے۔ اور خاصے برتی تھی لیکن نہ تو لہجے میں کبھی کرخ تھی نہ نگاہوں میں شرر بار لپکے۔ بڑی ہی نیک طبیعت پائی ہے اور یہ ان ہی کا خاصہ ہے کہ آتے ہیں صاحبزادہ نفیس کے مزاج کی وجہ سے بھائی کی برداشت کرتے گزار رہے تھے۔ ان کی زندگی کا محور یہ گھر اور اس کے مکین تھے۔ ہر وقت کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو کسی دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچے نہ شکایت پیدا ہو۔ بڑی بیگم کو نفیس اور حسن جیسے صاحبزادے ملے تھے۔

بڑے بھائی صاحب کی بڑی صاحبزادی یاسمین تازہ کلیوں کے چچا حضور نے چند سال قبل کر دیا تھا۔ ان کی طرح ہندوستان سے لٹ پٹ کر آنے والے ایک خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد صاحبزادہ نفیس کے پیش نظر صرف خاندانی نجابت تھی اور تجربہ کار اور اہل ہونا۔ جب بیاہ دیا یہ مثل اس کہاوت پورا اترا تھا کہ نفیس نے بلایا تامل ہاں کردی۔ صرف داماد کے نام سے ہی مرعوب ہو گئے جو خطیبانہ زبان سے شاہانہ دعا تھا۔ اس کی نسل تو پچھلی صدی تک کنگال والی تکرار کے حوالے سے کوئی پہچان نہیں رکھتی۔ باہر ہمایوں مثل خود کو مثل حکمرانوں کا جانشین سمجھتے ہوئے جو چاہو نام کر لیا تیار تھے۔ سب جانتا کچھ بھی نہ کرتے تھے۔

لیکن صاحبزادے کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کوئی نمرا ہوا چلے اور بے کار کام نہیں کرتے تھے۔ بھلے سے کچھ نہ کرتے ہوں۔ لیکن اتنا درجے کی مابرہ شاکر سکون کے ساتھ آرام طلب شوہر کے ساتھ گزارہ کر رہی ہے اسے چچا حضور کے خلوص پر شبہ ہے کوئی شکایت نہ تھی۔ رضا بقا اس کی فطرت ہے۔

اور ان سے چھوٹے صاحبزادہ عمیص علی خان۔ اپنے والد مرحوم کی شخصیت کے کئی رنگ لیے پیدا ہوئے اگرچہ لڑکپن سے چچا حضور کے زیر سایہ تربیت پائی لیکن نجانے کیوں ان کے اقوال و قوانین پر دل سے ایمان نہ لا سکے۔ مزاجاً ضدی بھی ہیں۔ انہیں بھی اور سن بلوغ کرنے کا بھی خاصا شوق ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج تک چچا حضور سے کھل کر اختلاف رائے کی جرات نہیں کر سکے۔ وجہ تو نہیں معلوم ہے۔ یہ الگ بات کہ طبی ہی دل شیر کئی معاملات میں ان کو شاکی ہیں۔ جن میں سرفہرست آپا تیمم کی بیاہ ہمایوں مثل سے شادی ہے۔ اس شادی کے زمانے میں وہ اتنے بڑے تھے کہ چچا حضور ان سے مشورہ لینے کی زحمت کرتے۔ اس بات کا انہیں سخت افسوس ہے حالانکہ وہ تو یہ تہیہ کیا تھا کہ اگر وہ تہیہ کا اختیار ہوتے ہی قانون کی ایک نہ چلنے دیتے۔

بولا کہ دراصل میں اپنے چچا حضور کو ان کے وضع کردہ اصولوں سے ایک برابر نہ بنا سکتے تھے۔ صاحبزادہ عمیص اپنے ہمشیرگی کی بے حسی پر تو ٹھنڈ پڑ جاتے۔ جس کی کسمپرسی پر ان کا دل رو دیتا۔ لیکن وہ کچھ نہ کر پاتے۔ ہمایوں مثل کسمپرسی کے شدید مزید بنا کھڑا ہو گیا تھا۔ چچا حضور کی کفالت سے ہوتی ہے۔ کیوں کر رہے ہیں یہ بات سے سراسر بے نیاز ہے اپنے اپنے ذوقی شوق پورا کرنے میں لگے رہتے۔ کیونکہ بادی اشتہار کچھ خود ہی کوئی اس بات زیادہ زور دے بھی دیتا تو ٹھنڈا لگتا۔ بہانا ہر وقت موجود ہو کہ شاہان شان ملازمت نہیں کرتے۔ اب باہر ہمایوں مثل اعلیٰ نسب اور خاندانی وصف کا حامل پیشہ تو نہیں بن سکتا نہ ہی کسی کی نوکری کر سکتا ہے۔ اس کسمپرسی کی ملازمت نہیں بن کر صاحبزادہ نفیس علی خان ٹھہرا جاتے اور تنگی سے انہیں ایسے شرمناک کاموں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے جمعہ بھر کا راشن تھیلے کے گھر ہوا آتے۔

عمیص یہ سب دیکھتے اور کڑھتے رہتے ظاہر ہے ہر وقت کی روٹی اہم تو سب سے اہم ضرورت نہیں ہوتی۔ بڑھتے ہوئے بچوں کی سو ضروریات تھیں اور سب سے ضروری عزت نفس تھی۔ جس کی محرومی کی پرچھائیں آپا

بیگم کے چہرے پر ہمہ وقت لرزتی رہتیں۔ وہ بھائی کی حیثیت سے خود کو تحت بے بس پاتے تھے۔ بھائیوں میں کی طرح تو فی الحال ان کا اپنے روزگار بھی کھلی تھا اور اس کی وجہ ان کی ذاتی نہ تھی۔ بلکہ چچا حضور کی تحت طبیعت آڑے آتی تھی۔ اتنا سوچا تو تھا کہ کوئی ذاتی کاروبار شروع کیا جاتا۔ لیکن عمیص اپنی علمی تعلیم حاصل کر پائے تھے کہ پاکستان بھیجنا پڑ سرکاری افسر بنے جاتے اور عقلمندی نجابت پر چھا گئی۔ حفظ قرآن پاک۔ سلام علیا کے ساتھ ہی زمانہ جو ملازمت مل سکتی تھی وہ ضرور کیا لیکن چچا حضور کی بلی آزاری کا شدید ہوتا۔

بلی سے وہ اس تعریف کے کٹر مخالف تھے۔ رونق طلعت میں کبھی شرم اور حیا سے بے مروتی ہے مرتی اور بے نیازی تو یہ ہے کہ ہاتھ پوں سلامت ہوتے ہوئے بھی "بیوی امداد" حاصل کی جاتی۔ وہ جگر سے اپنے ہمسائی کو دیکھتے اور سوچتے اور پھر سوچ کر کر دیا جاتے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سہی لیکن ہر حال وہ بھی ایسی ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ان چاہتی نہ بنا بنی زندگی کا محور یہ گھر اور اس کے مکین تھے۔ انہیں کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو کسی دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچے نہ شکایت پیدا ہو۔ ہاں تعلیم کو تعلیم اور حسن جیسے صاحبزادے ملے تھے۔

بڑے بھائی صاحب کی بڑی صاحبزادی یاسمین تازہ کلیوں کے چچا حضور نے چند سال قبل کر دیا تھا۔ ان کی طرح ہندوستان سے لٹ پٹ کر آنے والے ایک خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد صاحبزادہ نفیس کے پیش نظر صرف خاندانی نجابت تھی اور تجربہ کار اور اہل ہونا۔ جب بیاہ دیا یہ مثل اس کہاوت پورا اترا تھا کہ نفیس نے بلایا تامل ہاں کردی۔ صرف داماد کے نام سے ہی مرعوب ہو گئے جو خطیبانہ زبان سے شاہانہ دعا تھا۔ اس کی نسل تو پچھلی صدی تک کنگال والی تکرار کے حوالے سے کوئی پہچان نہیں رکھتی۔ باہر ہمایوں مثل خود کو مثل حکمرانوں کا جانشین سمجھتے ہوئے جو چاہو نام کر لیا تیار تھے۔ سب جانتا کچھ بھی نہ کرتے تھے۔

لیکن صاحبزادے کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کوئی نمرا ہوا چلے اور بے کار کام نہیں کرتے تھے۔ بھلے سے کچھ نہ کرتے ہوں۔ لیکن اتنا درجے کی مابرہ شاکر سکون کے ساتھ آرام طلب شوہر کے ساتھ گزارہ کر رہی ہے اسے چچا حضور کے خلوص پر شبہ ہے کوئی شکایت نہ تھی۔ رضا بقا اس کی فطرت ہے۔

اور ان سے چھوٹے صاحبزادہ عمیص علی خان۔ اپنے والد مرحوم کی شخصیت کے کئی رنگ لیے پیدا ہوئے اگرچہ لڑکپن سے چچا حضور کے زیر سایہ تربیت پائی لیکن نجانے کیوں ان کے اقوال و قوانین پر دل سے ایمان نہ لا سکے۔ مزاجاً ضدی بھی ہیں۔ انہیں بھی اور سن بلوغ کرنے کا بھی خاصا شوق ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج تک چچا حضور سے کھل کر اختلاف رائے کی جرات نہیں کر سکے۔ وجہ تو نہیں معلوم ہے۔ یہ الگ بات کہ طبی ہی دل شیر کئی معاملات میں ان کو شاکی ہیں۔ جن میں سرفہرست آپا تیمم کی بیاہ ہمایوں مثل سے شادی ہے۔ اس شادی کے زمانے میں وہ اتنے بڑے تھے کہ چچا حضور ان سے مشورہ لینے کی زحمت کرتے۔ اس بات کا انہیں سخت افسوس ہے حالانکہ وہ تو یہ تہیہ کیا تھا کہ اگر وہ تہیہ کا اختیار ہوتے ہی قانون کی ایک نہ چلنے دیتے۔

بولا کہ دراصل میں اپنے چچا حضور کو ان کے وضع کردہ اصولوں سے ایک برابر نہ بنا سکتے تھے۔ صاحبزادہ عمیص اپنے ہمشیرگی کی بے حسی پر تو ٹھنڈ پڑ جاتے۔ جس کی کسمپرسی پر ان کا دل رو دیتا۔ لیکن وہ کچھ نہ کر پاتے۔ ہمایوں مثل کسمپرسی کے شدید مزید بنا کھڑا ہو گیا تھا۔ چچا حضور کی کفالت سے ہوتی ہے۔ کیوں کر رہے ہیں یہ بات سے سراسر بے نیاز ہے اپنے اپنے ذوقی شوق پورا کرنے میں لگے رہتے۔ کیونکہ بادی اشتہار کچھ خود ہی کوئی اس بات زیادہ زور دے بھی دیتا تو ٹھنڈا لگتا۔ بہانا ہر وقت موجود ہو کہ شاہان شان ملازمت نہیں کرتے۔ اب باہر ہمایوں مثل اعلیٰ نسب اور خاندانی وصف کا حامل پیشہ تو نہیں بن سکتا نہ ہی کسی کی نوکری کر سکتا ہے۔ اس کسمپرسی کی ملازمت نہیں بن کر صاحبزادہ نفیس علی خان ٹھہرا جاتے اور تنگی سے انہیں ایسے شرمناک کاموں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے جمعہ بھر کا راشن تھیلے کے گھر ہوا آتے۔

عمیص یہ سب دیکھتے اور کڑھتے رہتے ظاہر ہے ہر وقت کی روٹی اہم تو سب سے اہم ضرورت نہیں ہوتی۔ بڑھتے ہوئے بچوں کی سو ضروریات تھیں اور سب سے ضروری عزت نفس تھی۔ جس کی محرومی کی پرچھائیں آپا

بیگم کے چہرے پر ہمہ وقت لرزتی رہتیں۔ وہ بھائی کی حیثیت سے خود کو تحت بے بس پاتے تھے۔ بھائیوں میں کی طرح تو فی الحال ان کا اپنے روزگار بھی کھلی تھا اور اس کی وجہ ان کی ذاتی نہ تھی۔ بلکہ چچا حضور کی تحت طبیعت آڑے آتی تھی۔ اتنا سوچا تو تھا کہ کوئی ذاتی کاروبار شروع کیا جاتا۔ لیکن عمیص اپنی علمی تعلیم حاصل کر پائے تھے کہ پاکستان بھیجنا پڑ سرکاری افسر بنے جاتے اور عقلمندی نجابت پر چھا گئی۔ حفظ قرآن پاک۔ سلام علیا کے ساتھ ہی زمانہ جو ملازمت مل سکتی تھی وہ ضرور کیا لیکن چچا حضور کی بلی آزاری کا شدید ہوتا۔

بلی سے وہ اس تعریف کے کٹر مخالف تھے۔ رونق طلعت میں کبھی شرم اور حیا سے بے مروتی ہے مرتی اور بے نیازی تو یہ ہے کہ ہاتھ پوں سلامت ہوتے ہوئے بھی "بیوی امداد" حاصل کی جاتی۔ وہ جگر سے اپنے ہمسائی کو دیکھتے اور سوچتے اور پھر سوچ کر کر دیا جاتے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سہی لیکن ہر حال وہ بھی ایسی ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ان چاہتی نہ بنا بنی زندگی کا محور یہ گھر اور اس کے مکین تھے۔ انہیں کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو کسی دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچے نہ شکایت پیدا ہو۔ ہاں تعلیم کو تعلیم اور حسن جیسے صاحبزادے ملے تھے۔

انکار کرنا ہے "نہیں" کا اظہار کرنا ہے
نہیں "پیار" بھی گناہ ہے "نہیں" سے پیار کرنا ہے

ہاں ایک بات اور تھی جو موتا اور عمیص میں مشترک تھی اور وہ تھی شاعری کا ذوق "ایک دوسرے کو اچھے شعر سنانے اور اپنے اپنے مطالعے کا حوالہ دے کر دونوں نے ایک جیسی خوبصورت سی محبت پالی تھی کہ اکثر بیٹھ کر شاعری کی زبان میں ہی گفتگو کرتے۔ گل مہر کے ذہن سے نہ محو ہونے والے مصرعے زبان زد ہو کر چہکتے ہوئے دل کے درمیان سے اٹھ جاتے۔

صاحبزادی گل مہر ایسی کہ بے شک تم علم و حکمت رکھنے والی دنگھوڑی کی طرح ہو اور فقیر سے بھکاری کو بھی بھیک دیتی ہو لیکن تم کو یہ خبر تھا کہ ہاں اپنے ہم کی طرح بھی شفاف اور بے داغ تھیں غیبت ہو ہر گو چاہے سمن کی طرح کھلی ہوں لیکن بے کدورت تھیں مگر شعور اس سے بڑھ نہ رکھتی تھی۔ عمیص کے خیالات و نظریات سے بھی متفق تھی لیا حضور کے حد سے بڑھے ہوئے کفایہ اصولوں اور لاولی طریقوں سے خائف تھی لیکن باغبانہ ہو ہوں سے دور دور ہی رہا کرتی۔ سب کے دلوں کے اندر تک اتر کر اچھے اپنے کلو عوی کرنے والی صاحبزادی الماس خاتون کے اپنے دل کے اندر جا نہ پائی تھی نہیں جانتا تھا۔ اس سے دوستی کا دم بھرنے والے عمیص بھی نہیں۔

● ● ●

"گل مہر"

"گل مہر ہم"

"کون ہو تم؟" "گل مہر"

صاحبزادی عمیص کی بے آب صدائیں اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ مگر اس نے جواب دینے کی زحمت کیے بغیر جانے دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جانتی تھی کہ پکار کر بلوا کر خود وہاں تک چلا جائے گا۔ موتا نے کلو کو اپنی طرف سے اس کی بے نیازی کا اظہار کر دیا اور بالکنی کے بند اٹھ کے ہوئے کچن کے دروازے سے باہر جھانکا۔ وہ گل مہر کے کمرے کے اوپر کھلے دروازے سے بالکنی کی دستک کے ساتھ اس کا نام پکار رہا تھا۔

"عمیص یہاں چلے آؤ" "گل مہر کے چار پانچ برس کے وقفے کے باوجود وہ انہیں سے اس کا نام لینے کی عادی تھی۔ کبھی گل مہر کے نام کے آگے "یا" یا "جی" کا نام جملا لگایا نہ اس کی صحبا یا اصلی نام کہہ کے پکارا۔ اسی عنصر اس کی زبان کی اس بے رعونت سے نکلتی سے بلا آخر خواہش کر دی جنہیں ورنہ پہلے دل خاصی کوشش کرتی۔ جب اسے یاد تھا کہ "صاحبزادی" بلانے کی بے نسبت تھا کہ وہ صاحبزادی یاسمین کو نہ حضور کہہ کے پکارتی تھی۔

"گل مہر کا بیٹا ہے" "اماں ہوگی ابا آج جلدی چلی گئی ہے۔"

"گل مہر کا بیٹا ہے" "اماں ہوگی ابا آج جلدی چلی گئی ہے۔" اپنے ذہن میں دہرا دروازے کے اس ایک قدم کو ہر ایک قدم کو کچن کے اندر رکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ اپنے ذہن میں دہرا دروازے کے اس طرف کی خطرناک بیل کے نیچے بیٹھا کر فی گل مہر کو دیکھ کر بھی نہیں بلایا۔

"یہ دیکھیں اب کی مطلوبہ چیز" "موتا نے چھری کی نوک سے اشارہ کیا۔ اور پھر سے بالک کا منہ بس تھوڑا ہوگئی گل مہر کے ذکر جس کے ساتھ شعر شعر کہتے ہوئے اس کی بیزاری کرتی نظروں سے تصور اٹھا۔

عمیص سر تھوں کے ترکے کے ساتھ منکر اٹھاتے ہوئے نظر اٹھائی اور گل مہر نے چہرے کے تاثرات جانچنا چاہا ہے۔ دل پیوند دل عمیص بیزاری تھی۔ "کلو اری" اور اکتاہٹ۔

"دنیا نے عمیص کو زخم بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا اور پھر سے بالک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"گل! عمیص نے بات شروع کرنی چاہی کہ اس نے ٹوک دیا۔

"گل مہر" تصحیح کرتے ہوئے ذہین سے منہ تھپتھپاتے کہی۔

"صاحبزادی گل مہر خانم" "وہ بات نہ غیر لفظ" کورنش بجا لایا۔

"کیا میں یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ آپ آج گل کن مصروفیات میں گم ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے گل رات ہی بتا دیا کہ یہ آپ کا ہر پھیلے بنتے ختم ہوتے ہیں گا گل اکیلا ہی تھے تو پھر اب بھی اتنی باقاعدگی کے ساتھ تم کہاں ہوتی ہو؟"

"ہم سے مطلب؟" اس نے ابرو چڑھا کے پوچھا "عمیص کو اپنا سوال ٹرائے جانا پسند نہ آیا لیکن حسب عادت اس نے ہماری غلطی اپنے سر لینے کو سوچا۔ کہ "شاید میرے پوچھنے کا انداز ہی غلط تھا۔"

"یار خدا خدا کر کے نوجوان فصولی ہے ہماری اس لف ٹیشل سے سر لیکن کرو عمیص کہ فرصت بھرے یہ دن بجائے کر..... کہاں مری میں خوار ہوتی پھر رہی ہو۔" اس نے اپنے استفسار کو ایک ڈھنگ سے بیان کیا۔

"یہ فرصتی اور بھی تمہیں ہی مبارک ہوں۔ تم ہی انجوائے کرو یہ سدا بہار قسم کی فرصت۔" اس نے عمیص کی فراغت پر چوٹ کی جسے محسوس تو عمیص کو کرنا چاہیے تھا لیکن بنی بنی موتا نے بالک کے بنوں سے بھرا تھا انتظار بیٹھنے کے بعد دو گھنٹے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ہوش کی لھو کرے پیڑی دیوار کے ساتھ لگا۔ عمیص اس کی جھنجلاہٹ کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ہم آج گل کو انجوائے کر رہے ہیں۔" گل مہر نے اطلاع دی۔

"کہیں سے تعلق؟" عمیص نے دریافت کیا۔

"ہاں۔۔۔ دراصل یہ ٹیلے ہی لیکن ہے ساس میں انٹرنیٹ رہتا ہی چلا جاتا ہے۔ کمپیوٹرز اتار کر رہنا چاہیے لیکن منظر یہ ہے کہ گھر کمپیوٹرز ہونے کی وجہ سے ہم اس ٹیلے میں کچھ زیادہ کر نہیں پاتے۔ ارادہ تو تھا کہ ایوٹ کام کرنے کا ہے اب ہونے کو سزا شارٹ کیے ہیں جن سے کری فائنل میں خاصی پیاسے ملے گی۔ ہم نے تو دیکھ ہی بن میں سیلا کو ٹک کر لیا تھا لیکن ہر الہام ہے۔۔۔ کمپیوٹر کی عدم دستیابی اس لیے ہو رہا "ہمیں انسٹیلیشن ٹ لر رہا ہے کہ کھر کام کر نا پڑ رہا ہے۔"

مرزا نے اس کی دوستی تین چار سال پرانی تھی "وہ اچھی خاصی فیملی سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے باوجود گل مہر کی شہادت شخصیت پر وہ خوا صورتی کر اس خبثہ حال کے شکلی خوبی سے مرعوب تھی۔ اہم بھی تاثیر سے فارغ ہونے کے بعد گل مہر اسی کے انتظار میں تھی کہ وہی حاموں سے اسے کہہ ابھی اراب کرنے کی دعوی سنبھال رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔" عمیص نے یونہی سر ہلا دیا موتا نے دیکھا کہ اس کی ساری توجہ چائے کے کپ پر مرکوز ہو گئی ہے۔ گل مہر کی انگلیاں ہیں تھی۔ وہ خوب جانتا کے بیتھوالی کے نیچے ایک دھونے گی۔

"بہت سے ہم جا رہے ہیں کہ کمپیوٹر کی ٹیلے میں ہم آ کے جائیں۔۔۔"

"کوئی نہیں مانگے آنے کے کمپیوٹر کام کر کر کے" "موتا ہو بڑی دیر سے اس کی ان زانیاں اور عمیص کی بھی مضمون ہنسا کر رہی تھی ہنگامے بھی۔"

"ارے ڈوبیں ہیں بالے" "آنے کے آنے" "گل مہر تب کے بلی۔

"تم جانتی ہو کہ ہم نے آج تک کسی سے مانگ کے کچھ استعمال نہیں کیا۔ انسٹیلیشن کی فیس بھرتے ہیں اور دنیا کا کمپیوٹر ایک دو ملنے استعمال کرنے میں ذہانت میں اس کی بھاب بھی کرتے ہیں تم بھی جانتے تو اور یہ ہے ہے ہی اتار سے بنانے تو اس پر پاس ہوتی رہی ہے ٹیچرز کی ٹیکنالوجی اس کے سر سے گزر جاتی ہے اسی لیے خود

کمپائن اسٹڈی کے بہانے ہمیں ساتھ لے جاتی رہی ہے۔ اب بھی اس کا خیال ہے انشی نوٹ سے آنے کے بعد بھی جب تک اہم سب کچھ سے سرے سے ایکسپلین نہ کریں اسے کچھ پتا نہیں آتا۔"

"یعنی کہ تو تمہاری اس سے بنتی ہے۔ ٹھیک ہی کچھ" "کچھ" "تو نہیں جانتی۔"

"اس مطلب! کل مرحومہ کی بات تو نہ جانتی تھی لیکن اتنا ہے پتہ لگا کہ وہ اس پہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔"

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

ان دونوں کو بے معنی سی بحث میں الجھتا پا کر عصمیں جھنجھلا کر وہ کہہ گئی۔ بتانا گل مرحومہ دیر تک ہکلاتی ہونے کے بہانے اور ہوا کر کہ اتنا ہی سوتیا کی ہوا ہی سوہو کی رنگ میں ہنگامہ اٹھنے کے لیے پیش پیش ہوتی۔ اس وقت بھی اس نے ہوائی دینے کے انداز میں گل مرحومہ کی جانب متوجہ کیا۔

"ایک تو تمہارے شعر۔" "اس نے زاکت سے اپنی ناک چڑھائی۔

"سوقیانہ پن سوقیانہ فضول سے شعر ہوتے رہتے ہو جانے ان کو کوئی مطلب ہوتا ہے۔۔۔۔"

"ہائے۔۔۔۔" وہ اپنے شعروں کا مطلب اس پہ واضح نہ کرسکنے کی ناکامی پہ جھنجلا کر تقریباً "دوہری ہو گئی۔

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

"ہمیں آج تک سمجھ نہیں آیا کہ تمہاری رنگ شاعری آخر ہمیں ہی دیکھ کے کیوں یاد آتی ہے جبکہ تم جانتے ہو ہمیں اس مقصد سے کتنی دلچسپی ہے۔"

ہو میرے شعر میں مجھ سے زیادہ ہوتا ہے
میں اس کی بزم میں اک حرف زیر لب نہیں

"آپ کو سوتیا نے عصمیں کی طرف ایک شعر اچھالا اور اظہار افسوس کو طنزیہ سی مسکراہٹ میں لپیٹ کر بدروانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"اس سے ہے عل تمہارے شاعرانہ ذوق کی تسکین کے لیے اسی کو سنایا کرو اچھا حاصل مطالعہ ہمارا دماغ خدمت لشکر کو دیے بھی یہ شاعری وغیرہ وغیرہ جیسے بے کار اور فاضل لوگوں کا کام ہے۔" اس نے دوسری بار بے کاری کا کلمہ دہرایا اس بار وہ سوتیا کو عصمیں کی بے حسی پہ تاؤ سا آگیا۔

"ہم ایک شکل انسان ہیں۔۔۔۔"

"چلو عصمیں اور میں تو بے کار ٹھہرے لیکن آپ۔ صاحبزادی گل مرحومہ آپ کے نازک شانے کون سا عظیم بار اٹھائے ہوئے ہیں۔ کیا آپ پسند کریں گی" "جواب میں وہ کہنے لگی سوچو۔"

"ٹیکنیکل۔۔۔۔" "سوتیا نہیں بولی۔" "یعنی عمل۔۔۔۔ اور وہ کوئی انسان بھی ہو سکتا ہے جب وہ عمل کرنے تلا ہو جبکہ تم تو کسی پریکٹیکل ہو اس کا انداز تو اسی سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے زمانے گئے سے تم تیار بیٹھی مرغی کا انتظار کر رہی ہو۔ وہ تب آئے اور تمہیں اپنی کار میں بٹھا کر لے جائے اگر وہ تمہی ظاہر ہے۔"

"تم بھی نہ جاتی۔ پچھلے چار سال ہوئے ہیں ہوا ہے اور اس پہ بھی تمہیں پریکٹیکل ہونے کا غرور ہے۔" "کام نہ تک آپ اس کے قریب ہی بیٹھی۔ گل نے تھل پر رکھے اپنے ہاتھ سمیٹ جانے قائل سمجھتے ہوئے اٹھنے کی تیاری کرنے لگی عصمیں نے اس کی ساڑھی لیتے ہوئے کہا۔

"اب اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہر بھی اس بحث برائے بحث کی مادی ہوتی جاری ہو سوتیا۔"

"تعلق کیوں نہیں؟ جو طور میں کرنے جانے کے لیے کسی کی مدد کا محتاج ہو اسے دو سوالوں سے بے کار اور

ڈرامی کے طعنے نہیں کہتے چاہئیں۔ دوسرے کہ جار کشر کو اتنے لباس اتنا بے ہو سرے عام افراد کی طرح تو لیکن نے انتظار میں کھڑے ہونے کو اپنی ہتک گردانے "اس کے منہ سے" "پریکٹیکل" ہونے کا جو مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"اگر ہم کشادہ دلی میں آنا چاہتے نہیں کرتے تو یہ ہمارا مطلب ہے صاحبزادی الماس خاتون۔۔۔ آپ کو اس مسئلے پہ تجربے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔" "ہمارا چرا کر اس نے "الماس خاتون" کہا تو سوتیا کھڑی ہو گئی اور عصمیں زار سے ہنس پڑی۔

"گل کے پاس اچھا جلیہ ہے تمہیں چپ کرانے کا۔ تمہیں اور کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں فقط الماس خاتون کہہ دینا کافی ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ ان کے آگے سے چائے کے کپ اٹھانے لگی۔ اس کی خاموشی نے گل کو شہ دی۔

"حالانکہ اچھا خاصا نام ہے۔" "الماس" "معنوی حیثیت کے لحاظ سے بھی خاصا پر اثر ہے بلکہ ہمارے خیال میں سوتیا پہ بھی جچتا ہے۔ بھلے وہ اسے اتنی چڑ کیوں ہے اس نام سے۔"

"میں چڑتی نہیں ہوں بس مجھے یہ تفریق پسند نہیں۔ آپا حضور کا نام ہیا سمجھن "تمہارا گل مرحومہ میرا گلاب "تھل" ہندی میں رکھ دیتے تو کیا تھا۔ تم دونوں کے نام اتنے میٹھے میٹھے پھولوں جیسے اور میرے حصے میں کنکر پتھر۔"

"کنکر؟ پتھر؟" "عصمیں حیرت سے گویا ہوا۔

"ہاں۔۔۔۔ الماس تو ایک بیش قیمت پتھر ہے۔ جس کے نصیب میں یہ گو ہو وہ اسے اور کیا چاہیے۔"

"تھک۔۔۔۔ تھک۔۔۔۔" "وہ جھرجھرے سے بولی۔" "رنگ اور مہک تو گل میں ہی ہوتی ہے۔"

"تم میں اپنے نام کی ساری کو الٹ موجود ہیں۔"

"اور پھر نام تو خاصا بارعب بھی ہے مرتبہ وقار سا۔" "گل مرحومہ بھی خلاف عادت اس کی ذات کے حوالے سے کسی چیز میں دلچسپی نہ جا ہی رہی۔ تکلم کا پہ سرخ تو جو دیر تھل ہونے والی تھی جو ہوت کے اثرات زائل کر رہا تھا۔

"اور پھر تمہارے مشہور زمانہ لقب یا خطاب نے ہی کیا تمہیں مطمئن نہیں کیا۔" "تم پھولوں کی شیدائی ہو ناں تو سوتیا بھی تو پھول ہی ہے اس کی مہک تو گلوں کو مات کرتی ہے۔" "عصمیں نے تسلی دی۔

"تھک۔۔۔۔ صرف مہک ہی نال۔۔۔ رنگ تو نہیں۔۔۔ رنگ تو نہیں۔۔۔" وہ خالی خالی نظروں سے گل مرحومہ کے تھل جو مرحوم کا کلام اس کی لائبریری ہوتی تھی اور اب اپنا یک شوخ مرحومہ لگا کے نکلنے کی تیاری میں تھی۔

کف رائٹ جارجٹ کے سلیو سے شلوار قمیص۔ قمیص کہیں براؤن پھول کڑھے ہوئے تھے۔ بڑوں بڑا سا دوپٹہ لپیٹے اوڑھے اور کسی قسم کی میک اپ سے نیاز چہرے کے ساتھ وہ اس سادگی میں غضب کی حسین لگ رہی تھی۔ سات رنگوں نے جیسے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔۔۔۔ براؤن گھنے بالوں کی چوٹی گلابی آبشرش کے ساتھ سپید رنگ طلائی اور سبز سائے تکلے بلکی بھوری مخمل سی آنکھیں۔ اس کی آنکھوں میں سبز اور بھورے رنگ کا ملاپ بڑا ہی انوکھا تھا اور اسے جاندار سرخ حدیث لیے ہوئے نیلا کنٹلا دار لب۔ تین کی اوٹ سے کبھی ابھارا ہوا جیسے ذات حلقہ مار دیتے تو ان کی ملائی پنکھڑی سے کہیں بڑھ کے نمایاں ہو جاتی۔

"رنگ ہی رنگ۔۔۔۔" "وہ فراخ دلی سے اپنی بہن کی خوبصورتی تسلیم کر گئی تو ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔ سوتیا نے عصمیں سے کچھ بھنے کی غرض سے اس کی طرف سے قبول لاتو ہیں کی دیر رک گئی۔

"بہت خفا۔۔۔۔ کھڑکی سے اسے اندر تک میں سے گزرتا دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں سے جیسے سرد غضبناک لاوا ہو کر اس کے پیچھے جاری تھیں۔ وہ ویل گیٹ تک پہنچی جس کے نزدیک سوتیا کی گاڑی کھڑی تھی۔ عصمیں کا غیر ارادی طور پہ ذرا سا ہاتھ اٹھ گیا شاید اسے زیادہ غور سے دیکھنے کی غرض سے۔ وہ بیٹھی۔ اور چل بھی گئی۔ لیکن صاحبزادہ عصمیں علی خان کھنچی کھنچی ہاتھ ایک سحر کے سے عالم میں وہیں تھما رہا گردوپیش کو یکسر فراموش کیے۔ سوتیا نے پلٹ کے اسے ارادہ ترک کیا اور خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

○ ○ ○

"یہ فلمی ایس" پروڈکشن ہاؤس کمپنی کے چیئرمین کا آفس تھا جہاں جاسوسی ہفت روزہ رسالوں میں سنسنی خیز کہانیاں لکھنے والا ایک عمر معذور نے ڈرامے کے اسکرپٹ کی خوبیاں بیان کر رہا تھا۔

"شعیب صاحب آپ یقین کیجیے یہ سیریل لوگوں میں تہلکہ مچا دے گا۔ کھلبلی سی پیدا ہو جائے گی اپنی نوعیت کا پہلا سیریل ہوگا پاکستان میں۔"

"بھئی میرے اس لئے تو میں پکچر بنا رہا ہوں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے کے ساتھ پیسا پاکستانی عوام بڑا باشعور سلوک کرتی ہے یہ بات تو تجربے رہتے ہیں آپ حق نواز صاحب اور کسی بڑا چھکا رومانٹک سا اسکرپٹ لائیں۔ چھپا دوں آپ سے جس کہانی پہ بات چیت ہوئی تھی میرا خیال ہے اسی کو شہزاد صاحب سے ڈسکس کریں۔ کیوں شہزاد صاحب آپ کیا کہتے ہیں" شعیب کی آنکھیں پروڈکشن کمپنی کے چیف کراہ کی طرف پھر کر اس کے ڈائرکٹر تھے اور کمپنی کے چیئرمین شہزاد کے خاصے سوچ رہے تھے۔ شہزاد نے کسی سوچ میں گم یونہی سر ہلا دیا۔ شعیب نہ رائے کو رضامندی جان کر مزید تعریف بھاری رہے تھے۔

"کہانی تو ٹھیک خاک تھی حق نواز صاحب آپ کی۔ بس مسئلہ یہ تھا کہ کرداروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بھئی بھی کہہ رہا تھا۔ اگر آپ چند کرداروں کا اضافہ کر دیں تو ہم اسی کہانی پہ سیریل کا سوچ سکتے ہیں ورنہ یہ تو آپ سیریل کا ٹائٹل تجویز کر لائے ہیں یہ تو ایک مکمل پروجیکٹ ہے۔"

"کردار بھرتی کرنے کے لیے تو ساری کہانی تبدیل کرنا پڑے گی۔" وہ خفا خفا سے ہوئے۔

"مگر کیوں کردار بھلے وہی رہنے دیں۔ بس دو چار لڑکیوں کی گنجائش پیدا کر دیں۔ ہیروئن کی کزنز یا سہیلیاں وغیرہ یا پھر ایسا کریں آپ کی کہانی میں ہیرو آسٹریلیا سے آتا ہے۔ آپ اسے ڈائریکٹ آنا نہ دیں بلکہ چند دن فیملی والوں کی بلا لیتے ہیں۔ کچھ ایسی سچویشنز بنائیں کہ وہاں آسٹریلیا میں اس کی ایک گرل فرینڈ ہوتی ہے۔ اس کے فیملی والوں کی ایک دو بیٹیاں ہیروئن کے ساتھ ساتھ ہیرو کے طور پر ایک انٹرنیشنل لڑکی کو کھانے کی گنجائش نکل آئے گی اور وہ سارا آسٹریلیا میں شوٹ کرنے سے سیریل کی ویلیو اور بھی بڑھ جائے گی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ شہزاد نے بے زاری سے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"یس یس شعیب صاحب" شہزاد نے بے زاری سے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ ہیرو ہیروئن کے آپ خود کو پرانے والی بات کر رہے ہیں ساتھ کا۔ آپ کے پچھلے پروگرام سیریلز ہٹ تھے اور فلمی ہیرو ہیروئن اور ایک ہیرو کو چھوٹی اسکرین پہ پیش کرنے کا تجربہ بھی کامیاب رہا ہے لیکن یہ بات نظر انداز نہ کریں کہ ہر دور ایک نئی چیز کو آخر کب تک ریجیکٹ یا برداشت کر سکیں گے اور ایسی صورت میں کہ جب آپ کے دیکھا دیکھی تقریباً ہر چینل پہ اسی قسم کے سیریل چل رہے ہیں۔ اب تو آپ کو کچھ نیا سوچنا چاہیے۔ بالکل الگ نوعیت کا۔ جس کی وجہ سے ہمارا یہ سیریل تمام پرانے سیریلز پہ چلنے والے پروگراموں سے منفرد نظر آئے۔"

"چیزیں کو تجربہ کرنے پہ تو کیا دیکھ کر حق نواز صاحب"

"انشاء اللہ انشاء اللہ ایسے ہی تو اس کم عمری کے باوجود آپ کی کہانی نے پروڈکشن کی دنیا میں اپنی دھاک نہیں بٹھا رکھی۔ آپ کلیر کے فقیر نہیں۔ مشکل سے مشکل کام میں ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ ہے آپ میں۔ جب ہر طرف کراچی کے لڑکاروں اور لڑکیوں کی ٹالک شو، ٹیلی وژن اسٹیشن سے چلنے والے پروگراموں میں انہیں بلایا جاتا تھا آپ نے لاہور کے ان فلمی چہروں کو لینے کا رسک لیا جو فلمی اسکرین پہ اب مقبول نہ رہے تھے۔ آپ نے ان کو نئی زندگی دی۔ اب ہر طرف لاہور کے ان ہی اداکاروں کا رواج ہے جن کی یکے بعد دیگرے کئی فلمیں فلاپ ہونے کے بعد لوگ انہیں بھول سے کنارہ کشی کا مشورہ دے رہے تھے۔ آپ جیسے نئی سوچ کے حامل افراد ہی تجربہ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

تقریباً ہر ڈرامے میں خاندانی چپقلش، دوسری شادی اور طلاق جیسے موضوعات دہرائے جا رہے ہیں ایسے ہی یہ سائنس فکشن ٹھوس لوگوں کی بھرپور توجہ حاصل کرے گا۔" وہ اپنے مخلص الفاظ اسٹرٹ کو مدنظر رکھ کر ادا ثابت کر کے پہلے بیٹھے تھے۔ شہزاد نے آئیڈ طلب نگاہوں سے اپنی کمپنی کے تجربہ کار اور قابل اعتماد ہدایت کار کو دیکھا۔ ہنوز انکاری کیفیت میں سر ہلا رہے تھے۔

"لیکن یہ خاک توجہ حاصل کرے گی بلکہ میں تو چاہتا ہوں آپ کی ساری ساکھ برباد ہو جائے گی۔ مٹی پلید ہو کے رہ جائے گی۔ آج کے دور میں جب دنیا اتنی آگے نکل گئی ہے اپنی الف لیلیٰ کہانیاں بھلا متاثر کریں گی لوگوں کو اسی سے بھرم ہے کہ آپ کے پیروں میں اڑنا لکھا انکاری کی مشاطعت سے کرشمے دکھلا نا وغیرہ وغیرہ۔"

"کیوں نہ بھرم ہو گا۔" حق نواز جوش میں آ گئے۔ "مانتا ہوں کہ دنیا بہت آگے جا چکی ہے لیکن فینٹسی میں دنیا کی دلچسپی جوں کی توں برقرار ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ تک میں بھی زندگی اس قدر پیچیدہ ہے آج بھی ٹاپ رینکنگ میں اسپائڈر مین اور اپنی کئی فلمیں بنائے ہوئے ہیں۔ ہیرو اور ولن کی ظہور سازی کا اسٹوڈ تسلیم کرتے ہیں پرانی چیزوں سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے۔ وہاں ہر طرح کی فلمیں بنتی ہیں اور چلتی ہیں۔ اصل زندگی کی حقیقت سے قریب تر فلمیں بھی اور ٹائم مشین فینٹسی ڈائٹ کلاسز اور سائنس جیسی ماورائی الفطرت بھی۔"

"وہاں بھی ہوتے ہیں اور یہ ہمارے ہاں عوام عوام نہ ہوں کی مکمل نہیں ہو سکتی یہاں بچوں کے لیے جنگ والا اخبار تو بن سکتا ہے لیکن اتنے بڑے اسکیل پہ کروڑوں کا سرمایہ لگا کر اہم آپ کا "شیرل" چیلنج نہیں کر سکتے۔ یہاں اتنا پیسہ نہیں چل سکتا۔"

"کیسے نہیں چل سکتی یہاں بھی فلمیں بھی چلتی ہیں اور خوب چلتی ہیں۔"

"ان کے بے زور دلائل پہ شعیب نہ رہ بدا کے رہنے اور شہزاد نے اپنی انہیں بھری خاموشی توڑتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تو یہ طے ہے کہ "فلمی ایس" کی ایک بہت پروڈکشن "شیرل" ہوگی۔ حق نواز صاحب کے ہوا نہیں میں خاصا دم ہے اور آپ سب جانتے ہیں کہ میری پختہ یہ کوشش رہی ہے کہ یہ فلمی صرف کامیاب ہی نہیں بلکہ ٹرینڈ سیٹر بھی کہلائے جہاں تک شعیب صاحب کا یہ کہنا ہے کہ سائنس فکشن پہ پاکستان میں اب تک جتنے ڈرامے سیریلز اور فلمیں ناکام رہی ہیں تو اس کی وجہ ان کا بھونڈے طریقے سے کم سرمائے میں اور ناتجربہ کار افراد کے ہاتھوں بنانا ہے۔ میری بھی اسی کی ساکھ ایسی ہے کہ میں اس سیریل کے لیے تجربے سے محروم افراد نکالوں گا اور حق نواز صاحب کے قلم کی طاقت پہ بھی مجھے کم بھروسہ نہیں۔ ان کے ایسے ہی کتنے تجربہ عمل مقبول ہو چکے ہیں اور شعیب صاحب آپ بھی کہ آپ خود کو اس کی ہدایت کاری کے لیے اہل پاتے ہیں تو اپنی بھرپور میں اس ملک کے سب سے بہترین سینما گرافر، ڈائرکٹر، کیمرہ مین اور کیمرہ ٹرافکس ایڈیٹرز کو ٹیم میں شامل کر دیں تاکہ ہم "شیرل" کو یکجا انداز میں نہیں بلکہ جدید ترین سہولتوں کو استعمال کرتے ہوئے نئی ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کر کے پیش کریں گے۔"

شہزاد کو "شیرل" بنانے پہ تلے دیکھ کر شعیب نہ رہ کا سارا اعتماد جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ اس بڑے پروڈکشن ہاؤس کو اپنا تجربہ کے لیے جانے دیتے۔

"مگر آپ کہہ رہے ہیں تو ایسا مجھے ہی بھرنے میں تامل کیوں ہو۔"

میرا تجربہ بھی تھا اور آپ کی دراندازی نہ مداخلت تھی اپنی جگہ میں تو مانتا ہوں شہزاد صاحب عوام کی نفسیات یا تجربہ آپ کا۔ اگر آپ کے خیال میں "شیرل" ایک سونا تجربہ ہے تو پھر ایسا ہی ہوگا۔ جس پروڈیوسر نے آپ جیسے ذہانت خوانی کو ضرور توجہ دیں اس کے شاہکار بننے میں پھر کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی ہے۔" خوشامد کا وہ چالیس نہ تھم نہ تقاضے پورے کیے تھے شہزاد کے سنجیدہ چہرے پہ ہلکی ہلکی تمازت پیدا ہوئی اس نے جلد ہی خوب قابو

پاکر پھر بے مدیرانہ انداز میں مصنف کو مخاطب کیا۔

"کاسٹ کے بارے میں تو آپ نے کچھ سوچا، کیا کہا ہوگا۔"

شعیب کو اپنے سارے توصیفی کلمات ضائع ہوتے دکھائی دیئے۔ انہیں بیٹھے بیٹھے ایک ٹھوس سے واسطہ پڑ گیا۔ انہوں نے سوچا کہ ایسے ہی ایک ٹھوس سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ ان کی ساری توجہ تو آپ اسکرپٹ پر ہی تھی۔ اس سرکھپائی کیلئے خاکسار جو سوچ رہے تھے۔ یہی اصلی طور پر شعیب کھل طور پر ڈائرکٹر کے تھے وہ اسے ہدایت کار سے زیادہ کون اچھا فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کردار کیلئے کون سا اداکار موزوں ہے۔ میری رائے میں ٹی وی کی کھلی مخصوص اداکار لینے کے بجائے ہم فلم سے کوئی بندہ لے لیتے ہیں۔ دیکھیں ناں ٹی وی کے سٹیج پر ہوئے اداکار اس کردار میں سوٹ نہیں کریں گے ان کی اداکارانہ صلاحیتوں سے انکار نہیں مگر یہ حقیقت بھی دیکھنی پڑتی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ عموماً ہونے والے اور دھلکے جسموں والے ہیں۔ چونکہ نئے لڑکے ہیں تو دیکھنے میں تو ٹھیک ٹھاک ہیں مگر کلاسیف ... ہے ... اتنے بڑے سین کی کامیابی تو اس ڈرامے کے کامیاب ہونے پر ڈالنا ہے۔ تو کوئی ہے۔"

شہزاد نے اختراض کیا۔ شعیب کا موقف ٹھیک ہو، سوچ پھر سے بگڑ گیا۔ شہزاد نے ماحول کو تلخ ہونے سے بچانے کے لیے مخاطبانہ رویہ اختیار کیا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ لیکن شعیب صاحب کا نقطہ نظر اپنی جگہ درست ہے۔ ان کی نظر کیمرے کی آنکھ سے واقعی یہ دھلان پن ہے۔ ٹرک کی اس کردار کے تقاضے نبھا نہ سکیں گے۔ شعیب صاحب اور حل تلاش میں ایسا کوئی چہرہ نہیں لانا چاہتا جسے پہلے عوام ہیں مار خان کے روپ میں بھگت چکے ہوں۔ یہ کردار فلمی ہیرو کے لیے نئی بات نہیں لہٰذا کچھ نہیں ایسے ہی کردار فلموں میں دہرائے رہتے ہیں البتہ چھوٹی اسکرین کے لیے یہ نیا تجربہ ہے اور اس نے تجربہ کو میں آزمودہ چہروں کے روپ میں پیش نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر تو ایک ہی حل ہے ... کوئی دریافت ... اور یہ اتنا مشکل ہے آپ بھی جانتے ہیں لڑکیوں کو پھر بھی مل جاتی ہیں۔ لڑکے بہت مشکل سے ملتے ہیں اور وہ بھی اچھے ... صلاحیتوں والے لڑکے کی زبردستی ہے اشتہار چھپوا کر اشتہار دینا۔ اسکرین ٹیسٹ اور پھر سلیکشن پر الگ وقت بہانا ہو کا مطلب ہے عوام کو اس نئے چہرے سے آشنا کرنے میں بھی وقت لگے گا۔"

"یہاں ہم کوئی سیل مارکیٹ نہیں۔ عرصے سے کسی سیل مارکیٹ کو بھروسا نہیں ملا۔ یہ کام قدرے آسان ہے۔ اخباری اشتہار دیا۔ اسکرین ٹیسٹ ہوئے تو فوراً ملے گی۔ بس چند اچھی شہرت والی ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ کسی ایسے ماڈل کا انتخاب مشکل مرحلہ نہیں جو در از قد و جسیم بھی ہو ٹیلیویژن پر بھی کر چکا ہو ممکن ہے کسی ویڈیو میں کام بھی کر چکا ہو ... عوام کے لیے چہرہ کچھ جانا پہچانا بھی ہوگا اور کچھ نیا نیا سا بھی۔"

شہزاد کی تجویز مصنف اور ہدایت کار دونوں متفق ہو گئے۔ اس نے سکون بھرا سانس لیا۔

"ابتدائی کاسٹ تو فاہر ہو چکی ہے کیونکہ یہ میری میرا تھا۔ چند اقساط کے بعد کہانی کا ٹریک بدل جائے گا۔ کرے گا۔ نئے کردار آئیں گے۔ نئے کورس نئے ایکٹرز۔"

"بالکل درست۔ ماہ تو نواز صاحب آپ نے۔" شعیب صاحب ہنوز کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ "ایک ایسا چہرہ ہو جو ہم چاہ کر بھی چھپا نہ سکیں۔ اس کے لیے ایڈیٹنگ کیمرہ ٹیشن کرانی ہے۔ یہاں کوئی بہانہ اسکرین ٹیسٹ ہے۔ ہم چاہ کر بھی چھپا نہ سکیں۔ اس کے لیے ایڈیٹنگ کیمرہ ٹیشن کرانی ہے۔ یہاں کوئی بہانہ اسکرین ٹیسٹ ہے۔ ہم چاہ کر بھی چھپا نہ سکیں۔ اس کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ پچھلے سال ٹاپ ٹرینڈ ڈرامہ پروگرام کے۔ ساتھ ہی ہی ٹیلنٹ ہنٹ کرایا تھا اس میں حصہ لینے والے چند لڑکوں اور دو لڑکیوں کو کئی پروگرامز میں بریک ملا۔ اس سلسلہ ہونے والے پروگرام کی ایڈیٹو ریکارڈنگ آپ دیکھیں۔ تمام لڑکے لڑکیوں کی فائلیں یہاں موجود ہے۔ جب جب کسی نئے اداکار کی ضرورت ہو

تو یہاں سے ان نئے لڑکے لڑکیوں کو چھوٹے موٹے رول دینے کے بعد کافی دیر تک چلنے والی سیریز میں کوئی اداکار ہرا نہیں ہوتا اور وہ مزید کے شوق کے بارے بغیر معاوضے کے بھی کام کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔ رہے لیڈ تک۔ تو ان کے لیے آپ جتنا تک اسٹیک سمجھتے ہوئے کو بڑے نامور اداکاروں کو سائن کریں۔ آگے ڈرامے کی ویلیو بڑھ جائے۔"

"اس میں تو میں کالا ہے۔ شہزاد صاحب کو ایک گلوکارہ ہے کیوں نہ ہم ایسی لڑکی لیں جو واقعی گلوکارہ ہو۔ تم عورت حسین اور معصوم ہو اور اداکارانہ صلاحیتیں بھی رکھتی ہو۔" شعیب صاحب نے ذرا اچھلتے ہوئے نکتہ اٹھایا۔ صاف لگ رہا تھا کسی کی سفارش کے لیے تمہید باندھی جا رہی ہے۔ لیکن حق نواز صاحب نے ناجان بنتے ہوئے کہا۔

"ایسی گلوکارہ جو کم عمر بھی ہو، حسین بھی اور معصوم بھی! مجھے تو اس انڈسٹری میں ایسی کوئی گلوکارہ نظر نہیں آتی اگر آپ کو ہے تو حسین کہیں ہے۔"

شہزاد نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے تائید بھری مسکراہٹ سے ڈائریکٹر کی طرف دیکھا۔

"ہیرو کے لیے سرے سے جو حلیہ پیش کیا تھا وہ میرے دل کو لگ گیا یعنی ایسا چہرہ جو ایک کے لیے کچھ کچھ ہونا چاہا بھی ہو اور کچھ ناخواندہ سا بھی۔ ایسی ہی ایک نئی گلوکارہ ہے ابھی تک اس کی نہ تو کوئی کمرشل ریلیز ہوئی ہے نہ ہی کوئی کمرشل ہوا ہے بلکہ ریڈیو تک نہیں ہوا۔"

"کیا کوئی ہاتھ دم نکرے؟" حق نواز نے مضحکہ اڑایا۔

"ابھی دو ایک پروگرام نشر ہوا تھا میں ایک دو ہی تو اوزوں کو بھی موقع دیا گیا انہی لڑکیوں میں سے ایک نے مجھے چونکا دیا۔ ابھی نواز نے اس نے سلسلہ باندھ دیا تھا۔ شکل و صورت بھی اتنی کہ میں نظر نہ آئی اس کے اندر چھپی ایک بچی فنکار کو جانب لیا تھا۔ آپ نے پہلے بھی مجھ پہ اعتماد کیا تھا ایک بار اور کر کے دیکھیں۔ اس لڑکی نے تہلکہ نہ مچایا تو میرا نام بدل دینا۔" ان کے جوش سے متاثر ہو کر شہزاد نے کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کا نام دریافت کیا۔

"ادا ..."

"ادا ... ادا ..." شہزاد کے لبوں سے سرسراتا ہوا یہ نام ادا ہوا۔ کافی کا مگ لبوں تک لے جاتے لے جاتے ہوئے رک گیا۔

"ہیں نام کیا کہا ... شعیب ... آپ دیکھیں تو فدا ہی ہو جائیں جو حالت میری ہوئی ہے وہی اسکرین پر دیکھ کے ہو جائے گی۔ اب تو ٹی وی کی سنسر پالیسی بھی خاصی کھلی ہوئی ہے۔ یہ سیریز تو ایرٹیٹ چینل پر چلنے والا ہے۔ اس نے کور بھی موقع ہے کہ حسن کے اس شہکار کو مزید قابل بنا کے پیش کرنے کا۔ ایسی ہے کہ پہلا سوز آواز ہے۔ آپ کی شکل نکالیں ہیں کیا جھلک دیدیں ہے۔ آپ کا ذوق کہ ہے کیا شعیب فراز میں اس کلیوں کے سراپے میں عمر ... تک ... کی جوانی ہے سرخی ... سے بھری ہوئی صراحی لڑکھڑاتی ہی دل چاہتا ہے بندے کا کہ ایک ہی گھونٹ میں خالی کر دے۔"

شہزاد کی انگلیوں کی گرفت مگ پر اور مضبوط ہو گئی۔ کافی سے بھیگے لب کچھ اور بھی زیادہ ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ نگاہیں کی پوریاں اور لبوں کا رنگ ایک دم سفید پڑ گیا۔ اس کی حالت سے یہ تبصر شعیب تو نہ بدستور ادا کے حسن کا قصیدہ پڑھنے میں مگن تھے اب حق نواز بھی دلچسپی سے ادھر متوجہ تھے۔

"اور آج کل تو حسن بے جان ہے جیسے ہو تک پہ لڑکے خوش رنگ خوش شکل پتلے لیکن اس لڑکی میں ... ہے ... کسی کو بھی دیوانہ بنانے کے لیے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں پہلی قسط میں دیکھنے والے لٹ جائیں گے۔ اتنی ہی نیندیں اڑ جائیں گی۔ ایڈیٹو کہہ کر خاص ایسے لباس تیار کروائیں گے کہ صاف چھپتے بھی نہیں۔"

سامنے آتے تھے بھی نہیں والی بے قراری طاری ہو جانے لگی نوجوان لڑکوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ گانے بجانے والے خاندان سے ہونے کا بوجھ دبانے والی لگتی نہیں لگتی ہے۔"

"لیجئے ایلیٹ شو آپ ــــ" اچانک شہزادی رحمانے سکتہ طاری کر دیا۔ شعیب دیکھے انداز میں شہزادی مسرح پر تالی بجا رہی تھی۔

"دیکھئے یہ نصرت ہی تھی جس نے آپ کو حیثیت دیکھ ایت کا رکھ زیادہ مرتبہ عطا کیا ہے۔ آئندہ اپنی اوقات میں رہیے۔ آپ ــــ گلی ایس پروڈکشن کی ــــ" کے بیٹھیں کے آخر میں بیٹھے ہیں۔"

"جی ــــ آپ ــــ آپ زیادتی کر رہے ہیں ــــ میں نے کیا کیا ہے جو آپ میری بیٹی کا بھی لحاظ نہیں کر رہے ہیں ــــ"

"آپ فی الحال میرے کمرے سے تشریف لے جیئے اپنی اس بیٹی سمیت اس وقت میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

شہزادہ ایک بار پھر بات کاٹتے ہوئے دائیں ہاتھ سے آفس کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ جسے بھاگتے ہوئے شعیب نے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے خشمگیں نگاہوں سے لوگوں کو باری باری گھورتے ہوئے لمبے لمبے قدم اٹھاتے آفس سے نکل گئے۔

شہزادہ بیٹھتے ہی ایک سے سر کا کمر کمرے سے ساتھ بھر کے اپنے مزاج کو معمول پر لانے کی کوشش کرنے لگا۔ حق نواز صاحب جن کی بن نواز کمپنی سے جیسے بھی خاص تعلق تھا بھی جلد چل کے بیٹھ گئے۔

"ظالمو! ہونے کچھ بھی کریں کیا اپنی خود نہیں بن سکتے۔ فلموں میں لگا کر ناکام ہونے کے بعد ٹی وی لائن میں آ جاتے ہیں لیکن ایڈجسٹ نہیں ہو پاتے ظاہر ہے اطلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ٹی وی سفر ہاتھ میں پڑھنے لکھے لوگوں کا تناسب زیادہ ہے۔ اچھے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں کام کرتے ہیں لیکن ساری عمر گھروں میں 'بیٹھا ہوا' بدمعاشوں کی بچہ کیمی کرتے اور ٹیلیفون پیغام والوں، 'گھر پر بھاگنے والوں سے چاپلوسی کرنے کے بعد جب یہ ہمارے آپ جیسے شریف دھندے سے لگوں میں گھستے ہیں تو احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں پھر پائی کلاس والا گرا انہیں کہاں منہ لگاتی ہیں؟ لڑکی پیتا کی لت پوری نہیں ہوتی تو پھر یہ اٹھا لاتے ہیں گلے لگ جانے والیاں۔ ان کا زاد نہیں طوائفوں کے بغیر۔"

"ہم بھی ایکٹر لڑکیوں جنہیں فلموں میں کوئی بڑے کی سکیل یا ہیروئن کی بہن کا کردار ملتا ہے سو شرطوں کے بعد ہی ان کی لوٹ ہیں ٹی وی کی ہیروئن بنانے پہنچتے ہیں۔ اب یہ بھی پتہ نہیں جانے کون ہے۔ اوا جس نے اپنی نظروں کا ہیرو بنا کے آپ کے ہدایت کار صاحب کو اپنا شکار کیا ہے۔"

"بکواس بند کرو حرام ــــ" شہزادی گالیوں کا طوفان یہ اٹکا۔ حق نواز صاحب بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے کاغذات سمیٹنے لگے قدموں بار بار جاتے شہزادہ دونوں ہاتھوں سے سر قوم کے خود کو تھپ پر گرا لیا۔

☆ ☆ ☆

"کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ حرمت النساء؟"

صاحبزادہ شمس علی خان نے قہوے کا آخری گھونٹ لینے کے بعد سامنے کھڑی بیگم کو تذبذب سے عالم میں دیکھ کر بات کیا کہ ہو رہا ہو کچھ کہنے کے لیے ہمت جمع کر رہی ہیں۔

"جی وہ دراصل آپ سے صاحبزادی یاسمین کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتے تھے۔" وہ حوصلہ پا کر قریب ہی رکھی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

"صاحبزادی یاسمین ــــ کیوں کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" وہ چونکے۔

"جی وہ دراصل آپ کو علم ہے کہ عرصہ ہوا صاحبزادی کی تشریف آوری میکے نہیں ہوئی۔ آپ کو گئے بھی وہ

سے اوپر ہو گیا سال کی اور بچوں کی خیر خبریں تو آپ کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہے یا پھر اگر وہ اور کبھی بھولے بھٹکے چکر لگا لیتی تھیں۔ بس میں محبت سے ہاتھ رہے ہیں پہلے تو ماہ دو ماہ بعد آ جایا کرتی تھیں اس بار کچھ زیادہ ہی دن ہو گئے۔"

"اس قدر وسوسہ پیدا کرنے والی کیا بات ہے حرمت النساء؟ شہزادی کی بیٹیوں کے یہی اطوار ہوا کرتے ہیں۔ بھاگ بھاگ کے میکے میں آیا کرتی ہیں ہماری بچیاں خالائیں ماموں بعد بیاہی ہیں بیٹھتی تھیں۔ میکے والے خود ہی سال بھول جایا کرتے تھے اب تو وقت خاصا تبدیل ہو گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کی گھر انوں میں بیٹیاں شادی کے بعد بھی سسرال سے زیادہ میکے میں وقت گزارا کرتی ہیں۔ خدا بدامت دے ان کے عاقبت نااندیش والدین ہمارے صاحبزادی نے پاؤں رکھ کر ہو قرار رکھا ہوا ہے تو نصیحت چاہیے۔"

"آپ کا کہنا درست آ رہا ہے ہیں صاحبزادی کا سسرال بھی دین دار اور شریف سلیقے والا ہے۔ یہ میاں بڑے اصول پرست انسان ہیں۔ بیوی کا بلاوجہ گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتے لیکن حال کیا کیجئے بیٹیوں کی جانب سے دھڑکے لگے رہتے ہیں اور پھر ایسی صورت میں جب بیٹی کے حالات بھی کچھ ہمارا مطلب ہے آپ سے کچھ ڈھکا چھپا تو نہیں ہے۔ سسرال سے الگ رہتی ہیں۔ مالی حالت بھی اگر گوں ہے ایسے میں اگر ہم بھی تشویش اختیار کر کے رکھیں تو کون پوچھے گا۔"

"تشویش ہونا بجا ہے ہم کو تشویش اختیار کر رہی ہے؟" وہ گرم ہو گئے۔

"واقعہ آپ نے بھولی میاں کی اور اپنی اولاد میں بالکل فرق نہیں سمجھا اور صاحبزادی یاسمین کو ہم نے ہمیشہ اپنی بڑی صاحبزادی سمجھا ہے۔ ہمارے بس میں ہو سکے ہم کرتے ہیں۔ کسی سے حساب کرنے کے بعد جب ہم پر ہاتھ تھیلیوں کے ساتھ ساتھ موسمی پھلوں کی پیٹی بھی خود جا کر دیا ہوتے آتے ہیں۔"

"جی جی ہم جانتے ہیں ہر سال سے آپ کا یہی معمول ہے۔ لیکن نواب حضور زندگی کی اور بھی کئی ضروریات ہوتی ہیں آتے کھلی کے علاوہ اور وہ بھی چار چار بچوں کے ساتھ۔ بڑی صاحبزادی کا کنبہ بڑھ رہا ہے بھی ہیں لیکن یاسمین تو بچوں کے تعلیمی اخراجات ہی اس قدر مشکل سے پورے کر پاتی ہیں اپنے بچوں کے لیے کچھ بنا کر رکھنا بہت دشوار ہے۔"

"ہوں ــــ یہ مسائل تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں آپ مل جل کر سوچتے ہیں صاحبزادی یاسمین کے مسائل و مشکلات آپ کو افسردہ کر دیتے ہیں لیکن حقیقت پسندی سے کام لیجیے۔ آپ کا بیٹا ان کی نسبت نہیں زیادہ کم عمری میں ہو گئے تھے اور آپ کو میکے کی پشت پناہی بھی حاصل نہ تھی اور ہم بھولے نہیں کہ کیا کیا مشکل دور گزار چکی ہیں آپ عملی زندگی کا تلخ زہر ہے مرد یا عورت سب کو وقت کے ساتھ تیز تھپیڑے کھانے ہی پڑتے ہیں۔ بنا کہ ہم نے اس مفروضہ کی بھرپور تائید کی اور کسی بھی طرح ساتھ دیتے ہوئے زندگی کی گاڑی کھینچتے رہے۔ بیٹی کے متعلق اتنا خود تھیں گزار لیں گی ہی ہم کو یقین ہے۔" انہوں نے تسلی دینا چاہی لیکن بیگم حرمت النساء انہیں شکوہ ناں نظروں سے دیکھ کے رہ گئیں۔

"نواب حضور! ہمیں بھی یاد ہے بھوٹی حضور کی بیماری کے دنوں میں بڑے مشکل دن رات گزرے تھے اور اس سے بھی پہلے ابا حضور کی وفات کے بعد جو مالات کا مسئلہ کھڑا ہوا تھا اور کئی ملاقتی کشی کے ساتھ سر قرضے کر دوں کی ادائیگی آپ وکیل کو سمجھاتے تھے لیکن آپ کیوں بھول رہے ہیں اس کٹھن دور میں آپ ہمارے ساتھ تھے۔ محض تاکید اور صبر کے سہارے ہی یہ وقت نہیں کاٹا بلکہ ہمارے دل میں تسلی بھرا ہاتھ رکھنے والے آپ تھے۔ ہم سکون کی نیند سوتے تھے جانتے ہوئے کہ آپ کے ہوتے کم از کم اس حویلی میں فاقہ نہیں ہو سکتا لیکن صاحبزادی یاسمین ــــ انہیں یہ سہارا بھی نہیں۔ بڑے میاں کا مزاج اب ہم نجی بھانپ گئے ہیں۔ انہیں گھر اور

بچوں کی چندان پروا نہیں اس لیے ہی تمہیں تماشوں میں ـــــ "

"نہیں ـــ نہیں بیگم" صاحبزادے نے جھنجلا کر انہیں مزید بولنے سے باز رکھا۔

"اب نواب گھرانے کے داماد کے متعلق بات کر رہی ہیں احتیاط کو طاق رکھیے اور تنہیے پیچ حضور کے سامنے ہمارا تمہارا کون گاؤں کھڑا تھا نہیں لیکن آپ کو اور بھابھی آپا کو بیانے کے بعد خوش ہیں اور ہم میں تو ہر کلو ایک حد قائم کرلی ہے والد کی جگہ تھے چچا حضور لیکن بصیر داماد والی تخلیص دیتے رہے ہم بھی اسی اعلیٰ نسب خاندان کے زیر سایہ پلے ہیں کیسے اپنی اقدار کو ملیا میٹ کرتے ہوئے گھر داماد کی طرح داماد سے جواب طلبی کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"وہ بھی کیا کریں، کاغذ تھیں پلے پڑتے ہیں ذرا احساس ذمہ داری کا افتدار ہوں ہے لیکن شکر ہے ابا کیجیے کہ آج کے دور میں ایسا کیا ایک الطف نیس سمدھیانہ نصیب ہوا ہے نکلے سے روکھی سوکھی کھا رہے ہیں عزت اور وقار کے ساتھ سر اٹھا تو ہے کوئی ہمیں آنکھ اٹھا کر تو سیدھے دیکھ کر صاحبزادہ احمد علی خان کی اولاد کا شوہر اور صاحبزادہ نصیر علی خان کا داماد اور کشاب میں کسی گاڑی کے نیچے حقہ کالا کر رہا ہے یا پھر کسی کیفیٹس کی سائیکلوں کے پنکچر لگا رہا ہے۔"

"برابر والے خواجہ صاحب بڑے اترائے پھرتے ہیں دلدار کو نوٹ دیتے ہوئے اگر لیکن اتنی اونچی پہنچ کے معاملات طے کرنے کا کام کرتے ہیں اس سب کی پروا نہیں خواجہ صاحب و بس ٹی کو نوٹ زادے دیتے اور لوگوں کو اونچے اونچے سکولوں میں پڑھا تے ہیں۔ ہم کیسے اس کے اتر آئیں ہمارے لیے تو مرنے کا مقام ہوتا اگر خواجہ صاحب ایسا داماد ہمارا مقدر ہوتا۔ شکر ہے باہر میاں کا مزاج ہم سے میل کھاتا ہے وہ بھی مناسب سے وقت بدلنے کے انتظار میں ہیں۔ اور اور صاحبزادہ باہر کے بارے میں تو تصور ہی سے آتے ہیں اور کہتے بھی۔ اس کے بلند لہجے میں اتنا کہہ کر فرحانہ کی تلخ حرمت انتہا سطح کی ہو گئی۔"

"فقیر ـــ فقیر بھی کم از کم اپنی شفقت تو کر لیتے ہیں کہ دور پھر کے صدا نہیں دیتے ہیں بلکہ دوارے پہ دلدار ـــ یہ اصل پرست اور نجیب الطرفین ہیں دلدار بابو میاں مغل صاحب اس لفیرے بھی بدتر ہیں۔ انہیں اگر بیٹھے امداد چاہیے ـــ اگر جو سسر صاحب سینے ہزار زیادہ کا سوانہ ڈالوں تو کہاں سے کھائیں گے چپڑی اور نہ ہیں۔"

باہر سے آتے عمیس کے کانوں میں پڑا حضور کی گفتگو کا آخری حصہ پہنچا تو محض سوچ کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"یا ہو ـــ کدھر کونے میں گھسی رہتی ہے تو آ کب سے تجھے ڈھونڈ رہا ہوں۔"

کرم الٰہی نے بلغمی آواز میں بلاتے ہوئے کہا تو بھاری پیل پیل جیسی بائیس پیڑھیاں تلی نظر آئی۔

"جی ابا میں کہہ رہی ہوں ذرا چین نہیں تجھے پورا آٹھ سے اور جھل ہوئی ہوں اچھا چلو کے گھر سے اٹھا لیا ـــ" وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"کیا کام ہے؟" ساتھ ہی جھاڑو پھیر کر کی ملازمہ کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

"پہلے تو یہ آپ کی کیا کر رہی تھی؟"

"اور کے کمروں کی صفائی کر رہا ہی تھی اور کیا گفت چھتیں جو جالے لگی تھی وہ بھی ہٹا لیں ـــ" انہیں سے اکا ٹوٹ بھرے انداز میں سرہانے اور ملازمہ سے کہیں کا کام لے کر غلاظت چڑھا رہی تھی۔

"ہاں میری سمجھ سے باہر ہے یہ اوپر کس کے لیے اتنے کمرے سجا کے رکھے ہوئے ہیں جب چہرے اک میں خود رہتا ہے اک میں کتابیں اور وہ نیا ہو نے کیونکہ صوفے کی (سپیشل ٹرک) دو رکھا ہے باقی تین کمرے تو تنہیں کباڑ سے بھرے پڑے ہیں سامان سے ٹوٹل بیڈ صوفے قالین آئے ہی پیڑھیاں بیڈ سے یہ سب کس کے لیے تیار کیا ہوا ہے۔"

"اس شوق سے اس کے بڑے گھروں میں ایسے ہی دو چار کمرے مہمانوں کے لیے سجا کے رکھے جاتے ہیں۔ اب اس نے گاؤں خالی کر کے رکھنے کے بعد سامنے پڑے آؤ فقاء کے کھانے شروع کر دیے۔"

"لوگوں سے مہمانوں کے لیے نوشتے داروں کو تو یہ منہ لگانا پسند ہی نہیں کرتا۔ میرے تو یہ منہ کو کبھی کبھی بھولے بھٹکے پتہ کرنے آ بھی جائے تو اوپر والے کے ساتھ کے کمال ہی نہیں گئے جاتے کہ آنی جانی کا ہو گا اس کی شکل دیکھنے کے بعد اس کا مسلمان ہونا پسند کرے گا۔ نہ کوئی آتا ہے نہ کوئی جاتا ہے ایسے ہی مسلمان خانے سجا کے رکھے ہوئے ہیں۔"

"تو تجھے کیا کرنے کیونکہ یہ فضول میں کبھی نہ کوئی شین شن لے کر نہ کوئی رہتا ہے۔ پھر کے گالیں پہ بسر نہ ہو گیا۔ مرضی اس کی تجھے کیا ہو گا ہے۔"

"اور وہ تجھے ہو سرے تیسرے دن سر کھپانا پڑتا ہے ان کمروں کی صفائی کے لیے۔ وہ قدم تو تجھے اٹھائے نہیں جاتے اتنی میڑھیاں چڑھ کے اوپر جانا پھر صفائی کے سر پہ کھڑے رکھ کے صفائی کرانا کوئی آسان کام ہے۔"

"جھلیا! نیچے گھر کے کام میں تو اتنی خوشی تو تجھے کیا کہا ہوں ماں ایسے سکھ دیکھے تھے میں نے کہ چار چار نوکر اپنی ہیں حکم چلاؤں کسی کو پر جاتے کھانے کا حکم اور کسی کو بھاد دے صبح لگانے کے۔ تھیلی کی بھاری اسی سے تالیں دیواروں کو کسی کو نہلا حقہ تازہ کرنے کے لئے کہوں۔ اتنی بھاگم بھاگ والی زندگی گزارنے کے بعد اب تو سکھ سے آرام کرنے کو دن آئے ہیں۔"

"ماں اور دن کہ تو کبھی آدھی رات تک جاگتا سوچے سارے گھر کے کام جھٹ جھٹ (جلدی جلدی) نمٹانے کی جلدی اور تین گھنٹے ہوتے تھے میرے پاس آدھی رات کو اٹھا دیا کرتا تھا لیکن اتنا لیرے کتنے کپڑے کو دھو کا پھر تیار شیار ہو کے کام نکلتا ـــ تیرا کام ہو چل پڑا تو چلو میری تو پھٹی ہوئی نہیں کرے تجھے اتنا پڑے گا کہ تو اتنا تو نے تھی نہیں رکھ کے دی تھی اتنا خوب کام کروائے آنے والے عرصے میں کبھی جاتے ہیں پڑ رہے ہیں یادوں کے لیے کبھی اور تھوڑی کھوٹا رہے ہو تو کبھی بہت پہ لکھا کر کے گھریلو اور مچھلی کی دکھوت ہو رہی ہے پکا کے ہی وہ نکل جاتا ہے اب بڑی اور روٹی ہو رہی ہے مجھے۔"

"اتنے سالوں بعد بھی نمٹانے پاؤ نہ آتو۔ تیرے بیٹے کی یہ عادت تجھے ہی پڑی ہے اتنا ہی جتنا کام کرنے کی وہ بھی اٹھتے بیٹھتے جتاتا رہتا ہے کہ میں نہ ہوتا تو اب تک بیٹھے ہوتے کبھی ٹھوکروں کے ٹوٹے کوارٹر میں۔ میں کتنا بھوں جتاتا ہے وہ ہمارا اگر اس کے اچھے نصیب کا مقبل ہم بھی شاہدان کی اس کوٹھی میں رہ رہے ہیں تو اتنا جتانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن آخر تیری تربیت ہے کیونکہ بتا نہ تو بھی تو میں سان پہلے گھریلو اور کل مچھلی کا اسٹور اب تک تیاری ہے۔"

"ہر وقت جلا بھنا ہی رہتا ہے کرم الٰہی تو تو ـــ خوش رہا کر ـــ ہائے ہائے بار بار کہہ رہے کہ کہہ کر تو نے تو بڑی بھوک ہی تیز کر دی ایک دم نمٹ دے مجھے گھریلو کو جی چاہ رہا ہے جلدی رانے ذرا فریج میں دیکھ تھی کوئی چیز ہیں تو نکال کر ـــ کتنی کر میں رحمت کو بھیجی ہوں دودھ پینے کے لیے۔ "چل باؤں میں اٹھتے کبھی اکرم الٰہی نے سر اوپر کی۔

"کیسے خوش رہوں ـــ کاش تیری طرح میں بھی گھریلو کھاتے کھاتے ہو جیسی (مچھلی) کے پکوڑے کھاتے اور بادام کے شربت پی کے لیے سارا کام رہتے کے بعد لمبی تان کے سو جاتا کوں۔ اسی میں خوش ہو جاتا کوں۔ لیکن میری خوشی تو تیرے بیٹے نے پہلی سے لگتے جس کی الجھ اس کوٹھی کی بوتل میں دفن کر دیا ہے اتنا پیسے سے بھاگ کر میں ہی ہی کس کے پھر پھرا سکتا ہوں اور وہ بھی خوشی خوشی میں قوت اور کی بات ہے۔ قید میں بھی ہوں خوش رہ سکتا ہے۔" وہ بڑبڑانے لگا جسے سن کر کمرے کی طرف جاتی ہوئی بڑبڑا سا رہا تھا۔

"تجھے اتنا کھاتی ہوں پر بے فضول ہی ہو گا ہے۔ تیرا ایک ہی رونا ہی ـــ قید ـــ قید ـــ کتنی محنت کرتا

ہے تیر اپنا کتنے ہیں ہیں اپنی کلی دم ہے۔ مگر یہ، مقے اور شراب نے تیرے اور کلیجہ (شنا) بھی نہیں چھوڑا اپنے جسم پہ اور پھیپھڑا کی مختلف سختی دانائیاں لیا ہیں جن کی وجہ سے چل پھر رہا ہے۔ اچھی خوراکوں نے چہرے پہ روشنی لا رکھی ہے۔ پھر کہا ہے مگر دوبارہ میں بھوکا مانگ لیتا ہے۔ اس کی خوشی کا میدان اہم نہیں رکھتے تو اور کفتار کے کا آخر اکو آیا ہے۔ وہ مدار۔"

"اس لیے تو اس کی اکھلی زندگیوں کو قبول کر لیتا ہوں کہ وہ ایک سی تو سرمایہ ہے زندگی کا ورنہ تو کیا سمجھتی ہے میں ڈرا ہوں اس سے۔"

"اچھا چھوڑ ساری باتیں سا ابھی خانے جاری ہوں، پہنچنے کا الوں تیرے لیے۔ بھنڈی والی ہے بکرے کے بشہ کے گوشت میں اور ساتھ پالک گوشت بھی ہے۔"

"سبحان اللہ۔۔۔ سبحان اللہ۔۔۔ بھنڈی اور بھی ہنڈی کی بولی کے ساتھ دا ہوا۔۔۔ سونے کیا بادشاہ۔۔۔" وہ سوچتے ہوئے بھیس المیتان سے مسکراتی ہوئی اندر بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"گریٹ ٹیلنٹ۔۔۔"

سفیان محبوب نے تھوڑی تعداد میں سراہا۔

"ایسا ہوا واقعی زندگت ہے۔ لیکن ڈرشتر اور کچھ لیا کسی ظمی براہ ہدایت کار کے ہاتھ میں دے کر بیٹھ غرض نہ کرا لیا تو اسکرپٹ کا۔" وہ ٹیل کا تھی نے تعریف کے ساتھ ساتھ آئینہ بھی کی۔

"اب تم تو بھی کچھ لیکن شعیب نذر اپنے کام میں بادشاہ بندہ ہے۔ اس کے بوسکی کے کرتوں کی کریمن میں لگے سونے کے بٹنوں پان سے رنگے ہونٹوں انگلیوں میں پھنسی موٹی موٹی انگوٹھیوں اور خیال لیجے میں مقبول گلابی اردو سے ہو کامت لہرا۔ ہدایت کاری میں اس وقت کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ اسکرپٹ تو دینے بھی ذرا کلیرنٹ مدت کا متقاضی ہے۔" ڈرشتر نے ساتھ سفیان محبوب نے تائید کی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ جو ہمارے پاکستانی ڈائرکٹر ہیں اور ایکٹرز ایکٹرسز ہیں نکلے ہے اس لائن میں موجود ہیں ان کی اسٹی ٹیوٹ کے باقاعدہ اس فن کے ہونے کے متعلق ہونا چاہیے بالی ووڈ میں مصنوعی ذہانت میں اور اسٹ بوائے ہی باقاعدہ ٹریننگ لے کے آتے ہیں اگر آپ ڈائریکشن کی فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں تو ڈائریکشن کی ڈگری بنا ہے کہ لی پولی ورسٹی سے اگر ایکٹنگ لائن میں آنا ہے تو ڈائنامک اسٹوری ہیں ایکسپریشن گرومنگ، ڈرامٹک سوئمنگ وغیرہ کی کلاس لینا ہوں گی جبکہ یہاں سارا مال ڈائریکٹ ہے۔"

"بازار حسن" سے آگاہ اور حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ بالکل بھی ہوا ہے۔"

"تمہاری اس بات پہ مجھے ایک مشہور شخصیت کی ایک بڑی پرانی بات یاد آ رہی ہے۔" "محب اللہ نے مسکراتے ہوئے میں حصہ لیا۔

"کسی ڈرامے کی شوٹنگ سے کچھ دیر پہلے انہوں نے ہیروئن کو ریہرسل کرتے دیکھ کر ہی بھاپ لیا کہ اس کا تعلق اس بازار سے ہے۔ ان صاحب نے ہدایت کار سے کہا۔"

"اس کے لب تو اچھے ہیں۔" طرب لہجہ میں۔"

اور پھر ریکارڈنگ کے وقت اس نے اپنی بے مثال اداکاری کی کہ بغیر گلیسرین کے رمائی۔ سیٹ پر موجود لوگ تالیاں اور پھر ریکارڈنگ کے وقت اس نے اپنی بے مثال اداکاری کی کہ بغیر گلیسرین کے رمائی۔ سیٹ پر موجود لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ڈائنامک ڈیوری تک کو بھول گئے کہ جو دیکھتے ہیں وہ اندر کر سکی۔ اس نے چہرے کے کرب اور نقلی آنکھوں سے ادا کیا تب ہدایت کار سفیان صاحب کو کہا۔"

"جو اس تجربے سے آتے ہیں۔۔۔ زیادہ اچھے لکھے نہیں ہوتے لیکن تجربے میں اہم سے بڑھ کے ہوتے ہیں۔ اہم کیا جانیں اپنے کیا کر رہی ہے۔ اہم زندگی کا تو قریب سے محسوس نہیں کر سکتے بتایا کرتے ہیں اسی لیے یہ آنسو نکل گئے ہیں کسی نے بھی لکھی اداکار ہوا ہے آنسو خاندان والی لڑکی کی آنکھوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ محب

اللہ کے سائے تھے پہ سفیان نے بے اختیار داد دی۔ شہزاد خاموشی سے چلو دیتا رہا اس کے ماتھے کی شکنیں صاف بے زاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھیں جسے بھانپ کر وہ فوراً ہی ان دونوں کی موضوع سے اٹھتی گفتگو میں دخل دیا۔

"اچھے، تو شہزاد جانیں اور ان کے ڈائریکٹر صاحب ہمارا تو جو کام ہے ہمیں اپنی اطلاع سے فیکس کرنا چاہیے۔" وہ شہزاد کے بگڑے مزاج سے بھی نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ وہ جس سلسلے میں ڈسکشن کرنے آیا تھا۔ سفیان اسے اکثر کرکے محب اللہ جیسے باتونی شخص سے قصے کہانیاں سننے بیٹھ جاتا تھا۔

"تھنک کورس" "تھنک کورس" نے بھرے فائل کھول۔

"تو ہیں وہ سارے کمالات وہ تجربات وہ اگلی ایسا ہی تھی

"وہ تھنک "شیرل" سے رونما ہوا کریں گے۔ ہوں۔ انٹرسٹ۔ تو تم چاہتے ہو کہ کمپیوٹرکس کے ذریعے ہم ان مناظر کو بالکل ایسے ظاہر کریں کہ دیکھنے میں بالکل حقیقی لگیں۔"

"ہاں بالکل ایسے ہی جیسے پچھلے سیریل میں وہ خواب کا سیکوئنس پکچرائز کرانے میں ہمارے بالوں اور قوس قزح کے درمیان ہیروئن کو چھتا دکھایا تھا اور وہ کرائم سیریل میں ڈین کا ایک فلاٹ کس قدر دلکش پکچرائز ہوا تھا بس وہی بات تھی اس سیریل میں بھی کیا ہے۔"

"لیکن یہ تو صرف اسٹاف ٹیک چلنے والی سیریز ہے تم کب تک بھاگ بھاگ کر یہاں آتے رہو گے میں نے اپنے کمپیوٹر فرم میں سب سے پہلے ہی کے ناتے صرف اور صرف تمہارے کہنے پر ہی تمہاری سیریل کے لیے وہ ایم سین پکچرائز کرنے کی ای بھری تھی کا پہلی کے بعد بھی اتنی آفر آئیں کہ اب میری فرم میں الگ پارٹمنٹ ہے اس کے لیے الگ ایڈیٹنگ انجینئر ہے مگر شوٹ کرانے کے بعد ایڈیٹنگ اور ایفیکٹس کے لیے بھی سمجھتی ہیں لیکن ڈرشتر اور اسپیشل ایفیکٹس کے سارے پیسے۔ پر قسط میں ہی شیرل صاحب کو ڈالنے سے ایفیکٹس اچھی اچھلتی ہیں لاکھوں کے ذریعے ایک بھر کا لیتی ہے۔ تمہیں وہ کمپیوٹرائزیشن بالکل ٹھیک ہے ایفیکٹس کا جو کمپیوٹر ہے تو ڈرشتر ڈائریکٹر کے ساتھ ساتھ تمہاری ٹیم میں شامل ہو۔ ہر سین پکچرائز کرنے سے پہلے کیمرے میں اور اس کی ٹیکنل سے اسٹیشن ڈیکوریٹ ہونے والا ہر سین اس کی شکل تک پہنچے اور وہ ساتھ ساتھ اس کی فوٹو کلک سنوار دیا جائے۔"

"تو ایسا کوئی تعلق بندہ تم مجھے مہیا کرو پڑھی فرم سے چھانٹ کر۔"

"میری فرم سے لوگے تو تمہیں بڑا مہنگا پڑے گا۔ ظاہر ہے ایک اچھی بھلی لگی لگائی نوکری چھوڑ کے ایک نئی نوائی فائیڈ شخص اگر تمہارے اس سیریز کے لیے کام کرے گا تو نجانے کتنے عرصے تک پہنچنے والا ہے تو پھر اس کی ذمہ داری بھی تمہاری ہوگی۔"

"تب پھر؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"تو بہتر میں اختیار ہے۔ اس کے لیے کوئی خاص ہائی کوالی فکیشن ضروری نہیں بس بندے کا کمپیوٹر میں انٹرسٹ ہونا چاہیے اور نت نئے تجربے کرنے کا شوق بھی میرے خیال میں تو کوئی بھی ایسا بندہ کر سکتا ہے تمہارے لیے اچھی ثابت ہو سکتا ہے جو بیا کمپیوٹر کی فیلڈ میں داخل ہوا ہو اور اس کے اندر آئیڈیاز ایکسپیریمنٹس اور اس کے ہاتھ ہو رہے ہوں۔"

"تو تمہارے خیال میں میں صرف تم پہ ہی مدد کا خیال کرتے ہوئے کسی کا تجربہ کار بھروسہ کر لوں؟"

"ارے بات تھوڑی ہی کرنی ہے تو تمہیں ہی کے دیکھو لاکھ میں ہی رہو گے۔" سفیان محبوب نے حتمی انداز میں کہہ کر ریموٹ اٹھایا اور چینل بدلنے لگا۔ اتنی ہوا کے گرم گرم کافی کا جھاپ اڑاتا مگ سب کے سامنے رکھا۔

"ارے بت بلو پیچھے۔ بت بلو۔"

سفیان جس محفل پر رکا ہوا پنجابی اسٹیج ڈرامے کی ویڈیو چلا رہا تھی۔ ایک اصل ملبوس سے حلیے والے اداکار نے جو تکیے مارتے ہوئے اسٹیج پر انتہائی ہی نفیس سے مگر سرے سے ذرا غیر مرسیدہ وا اداکار نے تحت کہا۔

"اکبری بیگم نیساں تیری بہن کا بجرا ہو ہوئے نا ہے۔"

"حل وفا۔" سب اندے ہر ساعد بنا کر سفیان کو عمل پیشنج کرنے کا اشارہ دیا۔ پلک اس عامیانہ فقرے پر شرمندہ ایک تھپکے کا رہی تھی۔

"تھیٹر کے لیے یہ کیا ہے ڈھول کے جیسی آلے ہو مگر گھٹیا ذہن بازی اور دو معنی مکالمات کو مزاح کا نام دیا جا رہا ہے۔"

"اسٹیج ڈرامے اور ان میں کام کرنے والے جانتے ہیں اس سے تو مزاح کا جنازہ ہی نکال رہا ہے۔ نرا پھکڑ پن ہے۔ فحش گالی کی اشارے دیتے ہیں۔ کبھی کھلا رہتے۔"

"ایسی بھار کیوں دو گھنٹے کے ڈرامے میں ہو ہی کیا ہے۔ شروع سے آخر تک گندگی ہی گندگی۔"

"میں تو کہتا ہوں یہ حکومت نے غیر ملکی فحش چینلز پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ اس کے بجائے ڈرامے بند ہونا چاہیے تھے۔ ہماری قوم تو ویسے ہی مالی لگ (گیلی فلمیں) ہے۔ اس طرح کے گھٹیا ڈرامے چلے تھیٹر تو جاری اخلاق کا جنازہ نکل جائے گا۔"

"کسی زمانے میں یہ بھانڈ میلوں ٹھیلوں پر شادی بیاہ کی محفلوں میں ایک دوسرے کو دھتکارتے ہوئے لطیفے بولی کا کام کرتے تھے اور لوگوں کو تماشے بھی تماشے میں بنتے تھے۔ لیکن بنا کے کہ تب بھی خواتین کے سامنے یہ تماشا نہیں ہوتا تھا۔ مردوں کی الگ محفل سجا کرتی تھی لیکن اب وہ گالی ہی نہیں رہا۔ تھیٹر میں سر عام ایک دوسرے کی ماں بہن کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔"

"کسی وجہ سے کہ فیملیز نے تھیٹر تو چھوڑ دیا ہے اور یہ کیبل والے زبردستی اس گھٹیا پن کو گھر گھر پہنچا رہے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔" وہ ذیل قاضی نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے شہزاد کو مخاطب کیا۔

"یار تم کہاں تھیں کسی بزرگ امام میں یہ مسئلہ اٹھاتے۔ میرا تو خیال ہے ان بھانڈوں کو بین کر دینا چاہیے۔ لچر پن ہے۔" وہ شاید اور بھی کچھ کہتا لیکن ہی اچانک ہی شہزاد کے چہرے کے بدلتے زاویوں پر غور کرتے ہوئے رک گیا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں جبکہ چہرہ آنکھوں سے یکسر مختلف زرد پڑ رہا تھا۔ ایک جھٹکے سے وہ کھڑا ہوا۔ کسی کی طرف دیکھے بغیر اپنا موبائل اور اپنے لیے ڈنک بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا شہزاد۔" سفیان محسن کا کارنامہ دیکھ کر "کیا ہے کیا ہوا؟"

"یہی حد سے زیادہ سوڈی ہے یہ گھٹیا۔" وہ ذیل نے ناپسندیدگی سے منہ بنایا۔ "اب بھلا کوئی طریقہ ہے اس طرح چینلز سے اٹھ کے جانا۔"

"کیا بھی کیا تو نہیں شہزاد نے۔ سوڈی تو وہ واقعی ہے ذیل مگر تو۔ لوگوں میں باشعور۔" وہ حیران تھا اور ان اس طرح اس کے اٹھ کے جانے کی کوئی بھی توجیہ اصولاً نہ ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سب کا سوال سے فارغ ہونے کے بعد موتیا نے چائے سے بھرے دو مگ باورچی خانے میں رکھے جس میں پہلے سے ایک پیالی موجود تھی اور بیلوں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر ان کی لائٹ آف کر کے اور دروازہ باہر سے اچھی طرح بند کرنے کے بعد وہ ٹرے اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ راستے میں رک کے اس نے برآمدے میں جلتی واحد ٹیوب لائٹ بھی آف کر دی۔

کمرا کافی حد تک تقریباً تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ ابھی رات کے صرف ساڑھے نو بجے تھے۔ لیکن چونکہ کمرا حضور کی طرف سے رات کے ڈھلنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جانے کا تھا اس لیے سبھی اس معمول پر کاربند تھے۔

آٹھ بجے رات کا کھانا کھایا جاتا اور ساڑھے آٹھ تک بڑے کمرے کی لائٹس تک کر کے سب اپنے کمروں میں پہنچ جاتے۔ عشا کی نماز بھی اسی حضور اور بلائی حضوریوں ادا کرتے اور جلد ہی سو جاتے۔ حتیٰ کہ فجر حضور بھی سحر سے آنے کے بعد مہمان خانے کا دروازہ بند کر دیتے اور بڑے کمرے میں پلنگ تخت۔ غرض اس حویلی کے جوان کا رات بھر کے لیے ٹھکانہ تھا اور نہ ان کا دل کا مشترکہ مہمان خانہ میں گزرتا اور اس کمرے میں کمرے کے بقایا نفوس وقت گزارا کرتے۔ یہیں گھر کا واحد ریڈیو تھا جس پر ایف ایم کا بند ہوتا تھا آواز میں کا ہو تا کہ اس پر سنے ہوئے گانے کیسن میں کم کر لیں۔ ہوتا تک تو بولتی پہچانا کرتے مگر یہ بولی طرف کھلنے والی بیٹھک حتیٰ مہمان خانے میں نہ پہنچ پاتے۔ یہیں پر ہی حضور کی سلائی مشین دھری تھی جس پر وہ اکثر ہی بیٹھی ہیئت ہیئت کے رکھے کپڑوں کو سی لیتیں۔ یہی اسے دقتوں کی بھی کسی تھیں بیٹھ شیٹ کو زیادہ استعمال کے بعد گھس جانے کی صورت میں گل موہر موتیا کے جیزی رضا کی کاٹلاگ بیٹھ رہی تھیں۔ یہی اپنی کسی بوتل کسی کرم خورد کے کنارے خراب ہو جانے کی صورت میں کلف چھانٹ کر سونے کی گدیوں کے خلاف بیٹھ رہی ہوتیں یہی بھی سوچتے یہی اپنے اور گل موہر کے کپڑوں کے علاوہ تایا حضور کے بچوں کے وہ کپڑے ہی رہی ہوتی جن کے لیے چھپا چھپا کے رکھے ہوئے سٹ پیس تائی حضور اسے نکال کے دیتیں۔

اسی کمرے میں ہر کا واحد صوفہ رکھا تھا اور یہیں کمرے کا کلر ٹائپ لیڈ انٹیسٹ ٹی وی بھی تھا جو کسی زمانے میں تایا حضور بیٹی صاحبزادہ جس کا خان نے چھوٹے بھائی کی تمام تر مخالفت کے باوجود لیا تھا۔ مگر اس ٹی وی کو دیکھنا نصیب ہی نہ ہوتا تھا اور کیبل سے محروم اس پلیک لیڈ وائٹ ٹی وی کے پیار صرف ٹی وی اور ٹی وی کے دائد کے چینلز تھے جن پر آٹھ بجے کا لاؤڈ نہ واحد تفریح تھی جو کہ تایا حضور کے سب کے ساتھ بیٹھ کے رات کا کھانا اسی کمرے میں کھانے کی وجہ سے قربان ہو جاتا۔ دن کو کیبل میں کیا ہوتا تھا سے آن کر کے دیکھتی مگر کوئی چینل اثر پر کرام نہ ہوتا۔ البتہ کرمت بیچ کے دنوں میں عیسیٰ اور بدھو نوں کی تی تی سنتے اس بے رنگ ڈبے کے آگے سے نہ ہٹتے۔ ویسے بھی دن کے وقت تایا حضور کا گھر کے اندر ہی رہنے میں آنا اتفاق سے ہی ہوتا تھا اس لیے بے تاری سے کرکٹ کا شوق پورا کیا جاتا اور اتنی دیر تک مسلسل ٹی وی دیکھتے رہتے۔ کل کے دنوں کا مقصل حد تک بیکو ہمیشہ کر رہا تھا اب بھی موتیا اسی لیکن کے خوف سے چائے اپنے کمرے تک لے جاتی اندھیرے پر تندے میں مزی کرتی گل موہر تھا اسے کے جاگ رہی تھی کہ کہیں کوئی چل چل تو نہیں رہی تھی۔

پرندے سے جا پرانی میں قصب اور جیسا جب جل رہا تھا جس کی بدن پر تندے تک روشن دان کے ذریعے آ رہی تھی۔ سب واحد لیب تھا وہ تایا حضور کی نئی پابندی سے مستثنیٰ تھا کیونکہ گھر کی نماز کے لیے اٹھنے کی سب سے پہلے وہ ہی اس کا ٹین بند کرتی۔ صبح کے اس لائن کام کی طرح رات کا یہ آخری کام بھی موتیا ہی کی ذمہ داری تھا اور وہ اپنی ذمہ دار فطرت کی بنا پر دیگر امور کی طرح یہ ذمہ داری بھی بخوبی نبھاتی تھی۔ جب سے تائی حضور کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی تایا حضور کے حکم سے اسی حضور نے اپنا بستر ان کے کمرے میں منتقل کر لیا تھا۔ ان کا کمرہ خالی رہ تا تھا اور خاموش ہو چکا تھا عصر میں بھی جلنے جاتے رہا تو مگر لائٹ آف ہی رکھتی۔ مگر ہر کے اپنے اور گل موہر کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ آہستگی سے اس نے دروازہ کھولا اور اندر کے لیے کھٹک گئی۔

پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن دائیں طرف کھلنے والی کھڑکی کی جالی میں سے چاند کی روشنی اور بھورے چاند کی مدھم نرم چاندنی کی سوبر حواس بستر تک آ رہی تھی جس پر سفید دھوتی سے تن چادر بچھی ہوئی تھی اور اس سفید چادر پر سفید ہی تب خرابی کے لباس میں ملبوس گل موہر اندھیرے کے عکس سے ہلکی کھوکھر کن لگ رہی تھی سفید تکیے پر اس کے بھورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے کی تاریکی نے ان کا حسن اپنی چھپا لیا تھا اور اس وقت ان کے چہرے کا رنگ محسوس ہو رہے تھے۔ تکیے کی سفیدی میں بالوں کی بھوری سیاہی اور ان سے ابھرتی ان کے حسین چہرے کی کھنڈی سفیدی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن پلکیں لرز رہی تھیں۔ ہونٹ بھی ہلکے ہلکے پھڑک رہے تھے۔ یقیناً وہ اس وقت میں اپنے پسندیدہ گیت سن رہی ہوں گی۔ وہ اس میں اسے بچپن سا لگ رہی تھی۔

موتیا نے دروازہ ناک کیا اور اسے ہلکا سا دیکھتی اس کے قریب آگئی۔ ٹرے ایک طرف رکھ کے اس نے خود کو ذرا سا جھکایا اور کان لگا کے اس کے سر پر چڑھے ہیڈ فون سے ابھرتی آوازوں کو سننے لگی۔

"یہ تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

ایک ارتعاش کی آواز اس کے کان میں پڑی۔ "میں نے تو صرف تمہیں اپنا بنایا ہے۔" اس کی چلتی زبان کے ایک طرف سے نیچے لٹک کے گلی سر کے ماتھے پر جا لگی۔ اس نے بدک کے آنکھیں کھولیں اور خود پہ اسے جھکتے دیکھ کے ایک بھرپور چیخ کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ موتیا نے مضبوطی سے اپنی ہتھیلی اس کے اوپر کھلے منہ پہ جما دی۔

"بدھو میں ہوں موتیا۔" اس نے ہیڈ سیٹ کو مطمئن ہو کے ہاتھ بڑھایا لیکن گل سر کو منہ پہ مستور کھلا ہوا تھا۔ آواز اگرچہ نہیں نکلی تھی پھٹی پھٹی آنکھوں میں پھیلا خوف اور سراسیمگی رفتہ رفتہ حیرت میں بدلے اور پھر انہوں نے خشمگیں غضب کا لبادہ اوڑھ لیا۔ جیسے ہی پوری جان میں آئی "مقصد اور ارادہ" کا یہ سکہ بھی ٹوٹ گیا۔

"بدھو ہم ہیں یا تم۔" آواز دبا کے اس نے لفظ چباتے ہوئے کہا۔ یقیناً اس کے دل کی دھڑکن اب تک معمول پہ نہیں آئی تھی۔ اس کا ماتھا ظاہر کر رہا تھا اب تک پسینے کی تہہ نے اندازِ دھڑکا تھا۔

"چلو یہ جو بھی ہے لیکن یہ تو ثابت ہو گیا کہ تم سے جادو ٹونے اور کوئی نہیں۔ اگر میں فوری طور پہ تمہارے اس ہیکر کے آگے نہ بڑھ پاتا تو رقیہ تم نے تو ابھی سارا گھر اکھاڑ کر لینا تھا۔"

"زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری جگہ تم ہو نہیں تو دیکھتے تو سہی ذرا کے رکھ دیا۔ ایسی معلی پی پلاتی چوٹی ہے تمہاری جیسے کوئی بھینس کی دم۔"

"چلو تو تمہیں لگا کوئی بھینس اپنے باڑے سے بھاگ کر سب کی نظر سے بچ جاتا کہ ڈھارے ان کا گیٹ پھلانگتی ہوئی گھر کے دروازہ توڑ کے یہاں اس اندھیرے کمرے میں تمہارا جھاڑ سا چوٹی پہ سہلانے لگی ہے۔ بالکل ہو تم بھی۔ سدھرنا ہی ہے۔ ہوں کی ادھر اس کمرے میں اس وقت سوائے میرے اور جان آپا سے جو تم چاہو کے تماشا کھڑا کرنے کی تھی۔" اس نے بھی دبی آواز میں کہتے ہوئے اسے چائے کا کپ تھمایا۔

"کچھ بھی کہہ سکتا ہے کوئی جو کوئی جن بھوت۔" گل سر نے جھرجھری لی۔

"ویسے گل۔ ایک بات ہے۔" موتیا کے لہجے میں شرارت تھی۔ اس نے ایک چسکی بھرنے کے بعد مگ پھر سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا جو اس بات کا نشان تھا کہ وہ اجی طویل بولنے کی بے ہنگم ہنسی۔ استاد کر لے والی ہے۔

"ہاں۔ کتنا مزا آتا اگر میں تمہارے لاؤ اینگیج ہاتھ پہ رکھتی۔ تم لاؤ ڈ چیخوں کے ساتھ سارا گھر اکھاڑ لیتیں۔ ہاہا۔ ہاہا۔ چور بھوت ای حضور۔ ابا حضور سب اکٹھے ہو جاتے۔" لاتعد آن ہو گئی اور پھر "اوہ منہ" ہاتھ رکھ کے آگے کو جھکتی ہنسی جانے کی کوشش کرنے لگی۔ گل سر کے ہونٹوں پہ بھی متوقع صورت حال کا تصور کر کے مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اللہ اللہ کتنا مزا آتا۔ سب دیکھتے کہ چور اور جن بھوت کے جائے۔"

"چلو بس ہمارے سر پہ کھڑی ہے۔" گل سر نے اس کی بات درمیان سے اچکی۔

"کیا کہا؟ میں اور چوٹیاں۔ ذرا خود کو آئینے میں دیکھو جلد میں۔" تھوڑا میں تمہیں موم بتی جلا کے دیتی ہوں۔" موتیا نے دوش سے اٹھی اور دراز سے موم بتی نکال کے روشن کی۔ "لو اپنے ہاتھ میں پکڑو اور اپنے اس سفید دھلے دھلائے چہرے اور لمبے بھورے بالوں سمیت آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ قسم اللہ کی کہ اوپر سے دیکھتی روح لگو گی۔ چار سو ساٹھ سے خوار ہوتی ہو گی۔"

اس نے چائے کا کپ زبردستی اس کے ہاتھ سے چھین کے رکھا۔ سردی کے خوف سے بیچارہ پہلے ہی بھلا ہوا تھا۔ بند کمرے کا تھا اور جلتی ہوئی موم بتی اسے ستا رہی تھی۔ اوپر کی طرف جاتے زرد لشکارے لیتے نے بیچ بیچ گل سر کے خوفناک چہرے کو لیل بھر میں اتنا خوفناک بنا دیا کہ موتیا پھر سے آگے کی طرف جھک کے اپنے قہقہے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ گل سر سے اتری اور جھٹکے سے کمرے کے بیچ کی طرف چل پڑی۔ اپنی شکل دیکھتے ہی اس نے "ہائے اللہ" کہا اور پلٹ کر بستر پہ اوندھی گری پل پل کے بے تواز ہنسی موتیا کو غصے سے گھورنے لگی لیکن اس کی ہنسی سے بے حال ہوتی حالت دیکھ کے وہ اپنے غصے پہ بلا دیر قابو نہ رکھ سکی اور خود بھی ہنسنے لگی۔ اسے موم بتی اٹھائے دیکھ اس طرف آتے دیکھ کے موتیا نے بمشکل اپنی ہنسی کو بریک لگائے اور گلنگنانے کی کوشش کی۔

"انجان ہے کوئی۔" گہرے حلق کے اندر موم بتی توڑتے تخیل کی گھنی گھنی آوازیں۔

"تم کیا ہے کوئی۔" بڑی مشکل سے اس نے یہ دو فقرے گلنگنائے اور دوبارہ تکیہ اپنا چہرا ہی منہ میں ٹھونس لیا تاکہ قہقہے نہیں قابو سے باہر ہو جائیں۔ ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ "تو خدا کے واسطے بین کا تصور کر کے جرے نوٹ رہی تھی لیکن گل کو اس کے ہنسنے پہ ہنسی آ گئی۔ کچھ دیر میں دونوں ہی ہاتھ منہ پہ جمائے بستر پہ لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے ایک دوسرے پہ گرتی پڑتی ہنس ہنس کے بے حال ہو رہی تھیں۔ ہنسی جاتے اور آواز باہر نکالنے کی کوشش انہیں اور بے قابو کر رہی تھی۔

کون یقین کر سکتا تھا کہ دن میں دس بار ایک دوسرے سے چوٹی لڑانے کا شغل کرنے والی یہ دونوں بہنیں نہ ہوں۔ "فلمز" ایک دوسرے کی ضد ہیں" اس وقت رات کے اس پہر اس سجی ہوئی افسر عربی کے ایک دم دھڑکنے والے کمرے میں دونوں ایک دوسرے سے پیٹ کے قہقہے بکھیر رہی تھیں۔ یہ تو ان کا بہت سال پرانا معمول تھا۔ دن میں کئی کئی بار ایک دوسرے سے الجھنے کے باوجود رات کو یہ دونوں اکٹھی ہی ہو جاتیں۔ ملتا میں ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے کا سرعام اعلان کرنے کے باوجود دونوں اپنے اسی مشترکہ کمرے میں ہو لیتیں۔

موتیا اپنے میں گل کے ساتھ نارمل ہی رہتی بلکہ خاصے دوستانہ ماحول میں دونوں رات دیر تک ایک دوسرے سے اپنے مخصوصات "خیالات شیئر" کرتیں لیکن دن کو سب کے سامنے خصوصاً عمیص کے سامنے اس کا رویہ اپنی بڑی بہن سے جارحانہ ہو جاتا شاید اس کی وجہ اس کی عمیص سے پرخلوص دوستی اور خیر خواہ جذبات تھے جبکہ گل صرف عمیص کے جذبات کا سرعام مذاق اڑاتی بلکہ بات بے بات اس کی تھوک بھی کر جاتی۔ عمیص تو بیل جاتا لیکن موتیا سے برداشت نہ ہوتا۔ آدھ دمن تو کمری کھری سنا دیتی۔ اسے گل کی بدسلوکی کے جذبات اور محبت سے جھیلنے کی عادت سے بھی نفرت تھی۔ اور اس کی بے حسی بھی اسے ناقابل برداشت۔ خود اس نے اپنے ابے میں اچھا بھلا رنڈسالے کے باوجود آگے واقعہ نہ کیا کہ ابا حضور اب ملازمین کے عمل میں رہے تھے اور کمری نہ دادی نہ اکیلی ہی حضور کے نہیں سے باہر تھیں۔ بے خوفی سارا دن گھر کے بھونچال بڑے لاتعداد کاموں میں الجھی رہتیں لیکن گل مرتب کہاں اسٹڈی کے بہانے کالج کے بعد بھی کئی گھنٹے مٹی کے گھر گزار آتی تو اسے خبر ہوتا۔

گل سر کو عربی کے نئے بڑھے آتے ہوئے معمول پہ چڑ تھی "اسے اپنے گھر کی کہاں گی شرم آتی تھی لیکن ابا حضور اس کے خیالات سے بے خبر صرف اس کی تعلیمی دلچسپی کا دھیان رکھتے ہوئے اسے ملی کے گھر سیر کی اجازت دیتے حالانکہ ان کے اصل بڑا خدشہ اس معاملے میں بہت سخت رہے تھے اور ظاہر ہے کہ جب وہ موتیا سے اس قدر کا شاکی ترقی کا دعا تھے دیکھتی اسے غصہ آتا بلکہ ناصبہ دبا اس کے لیے بے حد محسن تھا بالکل بے پر ہی جیسے اس وقت ہنسی پا مشکل لگ رہا تھا۔

"اوہ۔ نہ۔ موتیا۔" گل سر نے سب سے پہلے اپنی ہنسی پہ قابو پایا اور پیٹ پہ ہاتھ رکھ کے کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی ہوئی۔

"بہت ہو گئی ہنسی۔ اب تو ہنسیاں تک دکھنے لگیں۔ خیر تو جائے بھی برف ہو گئی۔" اس نے کپ اٹھایا اور پھر سے شغل

"موم بتی جل رہی ہے۔ اس پر رقیہ کے گرم کر لو۔" موتیا نے احتیاط سے تیوری اور پھر سے ہنسنے لگی۔ گل سر نے گھور کے اسے دیکھا۔

"ویری گڈ!" اسے مزید چشمے پر آمادہ نہ پا کے موتیا نے بھی اپنا پورا کرام سمیٹ لیا اور تھماتے گال ہلاتے ہوئے کہا۔

"چلو! ایک ایک ٹکڑا ہوا کھائیے۔ بے شک ٹھنڈی ہو گئی لیکن ہے اگر گرم ہو گئی۔ ایمان سے ٹھنڈے برف بکن میں رکھی پڑی ہے۔ اتنے برتن دھونے کے بعد میری تو تلی جم گئی تھی اور اب تو بیٹھ بیٹھ کے ہے۔ ہم گرم ہو جاتا ہے۔"

"ہاں حضور کو بھی تو مت سردی لگتی ہے۔ ان کے ہاتھ پاؤں میں درد شروع ہو جاتا ہے سردی سے۔ جاؤ یہ نادر نسخہ انہیں بھی بتا آؤ۔" گل نے ہرے موسک بھی لگتے ہوئے اضافہ کیا۔

"ویری گڈ!" موتیا نے داد دیا۔

"پتہ ہے گل۔ اگر تم چیخ چیخ کر نہ بتاتیں۔ تو سب سے پہلے عصمت بھاگا آتا۔ حالانکہ اس کا گھر سب سے دور ہے۔" اس نے شوخی نظروں سے بہن کو دیکھا جس نے بکھرے بال ایک وصلے سے جوڑے میں لپیٹ لیے تھے مگر کچھ نہیں طرف سے اب تھکان کے باعث چہرے پر لرزاری تھیں۔

"تجھے کسی جن کی جان طوطے میں بند ہوتی ہے ویسے ہی اس کی جان تم میں اٹکی رہتی ہے۔"

"مگر گلا کیا سوچتا ہے۔ یہ طوطا کی کہانیاں سنا کے بور مت کو ہمیں۔" اس نے فوراً کمت سے ناک چڑھائی لیکن موتیا نے اپنا بقیہ بالی آج پر گل کر کے اچھے موڈ اور اس صوفانہ و ستانہ لفظ کا فائدہ اٹھاتے ہوئی اس کے اندر دبی جذبات جاگ اٹھا چاہ رہی تھی۔

"یہ طوطا جان کی کہانی ہی تو اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے بالی سسٹر۔ تم یہ ان کیوں نہیں لیتیں کہ محبت کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔"

"اپنا اپنا نظریہ ہے۔" اس نے کاندھے اچکائے۔ "ہمارے خیال میں تو زندگی کو مکمل اور بھرپور بنانے کے لیے کچھ اور لوازمات ضروری ہیں۔ ایک آسودہ حال زندگی کے لیے اچھا پیسہ، مت سامنے ہیں۔ تمام آسائشات، سہولیات، تو پھر ساری شہرت اور نام۔ کامیابیاں۔ یہ سب چاہیے ہوتا ہے۔ باقی رہی محبت۔ تو یہ کسی بھی چیز کے مکمل ہو جانے کے بعد اس کی اضافی سہولت اور آرائش کے لیے کچھ پھندنے ٹانک دیے جاتے ہیں تو بس ایسے ہی محبت بھی ہے۔ ہو تو ٹھیک ہے۔ زندگی بھرپور "خوب صورت" ہو جاتی ہے لیکن اگر نہیں تو نہ سہی۔ اتنا سب کچھ حاصل کر لینے کے بعد کسی کو اور چاہیے بھی کیا ہے۔ کم از کم ہمیں تو ہرگز نہیں۔"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں گل۔" موتیا جھنجھلا گئی۔ "تم یہ اس لیے کہہ رہی ہو کہ آج تمہیں سب کی محبتیں حاصل ہیں اور بھرپور توجہ بھی اس لیے تمہیں اس چیز کی قدر نہیں۔ لیکن کبھی لمحہ بھر کے لیے تصور کر کے دیکھو۔ کہ خدانخواستہ سب کچھ لٹنے کے بعد اگر تمہیں تمہارے پاس نہ رہیں تو کیا تم اپنی زندگی کو مکمل کہہ سکتی ہو۔"

"اف کوری بات۔" اس نے فوراً جواب دیا۔ "یہ غلط ہے کہ ہمیں ان سب محبتوں کی قدر نہیں۔ ضرورت نہیں۔ تم ہی حضور ابا حضور۔ سب ہم سے محبت کرتے ہو تو یہ مت سمجھو کہ ہم تم سب سے محبت نہیں کرتے۔ دراصل ہم سمجھ رہے ہیں فضول اسٹوری سی محبت کے بارے میں بات کر رہی ہو۔ وہی طوطا والی۔ یا ہیر ہیر۔ تو یہ بکواس ہوتی ہے۔ جھوٹے لفظ جھوٹے جذبے۔ سراسر حرفیات ہیں۔"

"مثلاً سب تو تمہیں قوی سادہ نہیں کر سکتیں۔ کم از کم عصمت تو ہرگز اس کیٹگری میں نہیں آتا۔ محبت کو سمجھنا سیکھو گل۔ زندگی میں ایک ہی چیز کام آتا ہے اور کچھ نہ کچھ۔ آپ کو فن ضرور آنا چاہیے کہ انسان بچا محبت اور سچی جذباتیت میں طریق کر سکے۔"

"چلو تم تو اس کون میں طاق ہو نا۔ تم جب ضرورت محسوس کریں گے تم سے گائیڈ لائن لے لیا کریں گے۔ لو اپنی خوشی میں منہ میٹھا کر دو۔ ریوڑی کھاؤ۔" اس نے جلو زاپ پوزیشن اور بے نیازی اختیار کر لی تھی۔ جس پر موتیا چڑ گئی۔

"اگر عصمت تم سے محبت کرتا ہے۔" اس نے زور دے کر کہا جیسے وہ اسے یہ قیمت پر یقین دلانا چاہتی ہو۔ "تو کیسی چاہتا ہے تمہاری خوشی کو تمہاری ہر ادا کو۔ تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"کوئی کیا سوچتا ہے۔" وہ برا مان گئی۔ "تو تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا تمہارے لیے کیا کرے گا۔"

"میں تمہاری ہی باتیں تمہیں بری لگتی ہیں۔ تم ہر وقت کسی اچھی بات کو کرو گے اس کا ل دخل دخل دیتی رہتی ہو۔ یہ اس کی محبت کا ثبوت۔"

"ملنے۔ بغیر ذرا حقیقت پسندی سے سوچو۔ محبت صلہ میں عبادت نہیں کی جا سکتی۔ کل کو کوئی بھی انجمن کے نہیں کہہ دے گا کہ تمہیں چاہتا ہے تم اپنا صرف اس کی محبت کا صلہ دینے کے لیے تم اس کی محبت کا اقرار کرو گی جاؤ تم اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی ہو۔ بولو کیا ایسا نہ کرتی۔ تمہیں بھی پھر یہ ان کیوں نہیں لیتیں کہ ہمیں اس سے محبت نہیں ہے بالکل بھی نہیں ہے پھر کیوں صرف اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرا مسکرا کے اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ یہ بات تو نہ خطرناک ہوگی۔ ہمارا صاف صاف انداز بہتر ہے۔"

"ہاں اور کوئی ارادتے پہلے والا لفظ نہیں جس کے اظہار محبت پہ تم خاتم سے ملنا چہ در کے خود کو جواب لمبرا۔ وہ ہم میں سے ایک ہے۔ ہمارا اپنا ہے۔ اس کی محبت کا جواب محبت سے دینا تم پہ لازم نہیں۔ مگر اس کی تحقیر کرنے اور اس کی خودداری کو سلگنے کا حق نہیں کس نے دیا ہے۔ پلیز مت کیا کرو ایسا۔" تلخی سے بات کرتے کرتے اچانک موتیا کے لہجے میں منت اتر آئی۔

"تم کب ایسا کرتے ہو۔" وہ صاف مکر گئی۔ "بس ہمیں پسند نہیں اس کا فدویانہ انداز اور بے سروپا شاعری۔ ہم اپنا انداز چھوڑ جاتے ہیں تمہارے ہی کہنے کا تو ہم بھی اس سے کہتے کاش کہ ہم کریں گے اور ہم ایسا ہی کرتے ہیں جب بھی جاتے ہیں ہوتا ہے لیکن سر پھرے عاشق کے انداز میں ٹلمرانے کا تو پھر ہی سوچ رہا کیا کہ تکہ راستے میں ہے۔ بے دلیل کو آپ ہی تو تھوڑی کے ساتھ ہے کیا کرتے ہیں۔" اس نے ناز سے گردن اٹھائی۔

"کب تک؟ صاحبزادی کبھی مرتا نہیں۔ آخر کب تک آپ دلوں کو محو کرتی رہیں گی؟"

"جب تک ہمارا راستہ ہمیں ہماری منزل تک نہیں پہنچا دیتا۔" اس نے تکیے سے ٹیک لگائی۔ "راستے میں ہم اپنے کیے ہوئے دلوں کو جانچنے پرکھنے میں ہم اپنا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتے۔"

"منزل؟ کیسی منزل؟"

"کوئی بن جانے کی کچھ کر دکھانے کی منزل۔ اپنے نام کے آگے ایک مشہور حوالہ لگانا ہمارا منزل ہے اور وہ ہمارا مقصد بھی۔"

"کیا کیا اپنے نام کے آگے لگا حوالہ مشہور یا قاتل ظریف۔" موتیا ہرانی کے بولی۔ "تم تو ہمیشہ ہی ایسا ہی عجیب طرح اپنے خاندانی جاہ و جلال اور صاحبزادی ہونے پہ فخر کرتی رہتی ہو۔"

"اس فخر کو آج بھی برقرار ہے۔ تو خدا کی دین ہے اس پہ فخر کرنا ہی چاہیے لیکن یہی تو سب کی غلطی ہے۔ تم نے ہمیشہ ہمیں ابا حضور کی بیٹیاں ہونے کا طعنہ دیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ہمیں ہی سوچ رہیں۔ ہم ہماری طرح بھی نہیں تھے اس بات کی پروا ہی نہیں کہ اس کے نام کے آگے کیا لگا ہوا ہے کس طرح سے تمہیں عصمت میں دلچسپی رہتا ہے۔ ہمیں اس کا احساس ہے اور ہم نے اسکو بھی کاٹ پیٹ اور جگہ اس انداز کو محسوس کیا ہے۔ لیکن ابا حضور کی طرح ہم کبھی اپنے ابا و اجداد کے کیٹیگری اعزاز پہ فخر محسوس نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے نام کے ساتھ ساتھ حیثیت اور مرتبہ چاہیے۔ ہم اتنا بندی سے گزرتے ہیں جبکہ ابا حضور اور عصمت دونوں کا دور اتنا بندا نہ ہے۔ ابا حضور اپنی اتنا بندا سوچ کی وجہ سے آگے بڑھتے بڑھتے آتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اپنے نام کی بدولت بہت سے فائدے حاصل کر سکتے تھے۔ وہ چاہتے تو آج ہم پاکستان میں بھی ایک مشہور ہستی ہوتے۔

ابھی حال ہی میں انہوں نے کتنا اچھا موقع دیا تھا۔ اس ملک کی سب سے بڑی کمپنی اس حویلی کو منہدم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ انہوں نے کتنی کوشش کی کہ وہ ایک کیس دائر کر دیں تاکہ کمپنی کو ہرجانہ ادا کرنا پڑے۔ لیکن انہوں نے کوشش کی کہ اس

گونجنے لگی۔

کمرے میں ایک دم ہی سناٹا چھا گیا۔ سرگوشیوں میں شروع ہونے والی گفتگو رفتہ رفتہ ناقابل تسلیم طریقے سے جوش جذبات میں بلند ہوتی گئی۔ اور اب ایک دم ہی ہے اس کے کہاں سرتک ان لیتے خاموشی کا راج ہو گیا۔ موتیا کے دہن میں گل کے دعوے اور عزائم تازہ ہونے لگے۔ دونوں کے خیالات میں اتنا آسمان کا فرق ہونے کے باوجود دونوں ہی کی باتیں بلا تکلف ایک دوسرے پر عیاں کر دی گئیں تو جانتے ہوئے بھی کہ ان کے خیالات کی مخالفت صورت ہو گی۔ اب بھی گل شاید پہلے سے آگاہ ہی کہ موتیا اس نئی اپنائیت پر اسے ڈرائے گی اور دھمکائے گی اسی لیے وہ اتنے پرزور دلائل رٹ کے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سارا لا کر عمل اس لمحے آگے کھول کے رکھ دیا تھا۔

"اور عدا خزاد عصمت ملی خان۔ تم تو اس معاملے قصے میں کہیں نہیں ہو۔" اس نے افسوس سے سوچا اور سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔ ہلکی سی آنکھ لگائے بیٹھے عصمت نے گمان بھی اور ہوشیاری سے بند پلکوں کے پیچھے آباد اس خطہ دنیا میں چہل قدمی کرنے لگا اور یہاں سے وہاں تک بس ہی ہی اور ہی ہی آنے لگے۔ موتیا نے بڑبڑ کھل جانے کے خوف سے فوراً" آنکھیں کھول لیں اور چور نظروں سے دائیں جانب نظر گھمائی۔ گل سر آنکھیں موندے گہری حسب معمول گہری نیند میں جا چکی تھی۔

"خوش قسمت ہو گل۔ تمہاری آنکھوں میں کوئی گھات لگائے نہیں بیٹھا جو پلکیں گرتے ہی تمہیں اپنے بس میں کرنے اور خیالوں خوابوں کے دیا جائیں۔"

گل مہکی بے خبری سے مطمئن ہو کے موتیا نے سکون سے دوبارہ پلکیں موند لیں اور خود کو بے مہار چھوڑ دیا۔

عصمت۔

عصمت۔

اور صرف عصمت۔

● ● ●

"سر کوئی ہے۔ ولید چودھری صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

شہزاد کو آفس آئے ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ اس کے پی اے نے اسے انٹرکام پر اطلاع دی۔

"اے ولید چودھری؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا ہیں ہم کوئی اپائنٹمنٹ ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"نہیں سر۔"

"تو پھر منع کر دو۔" اے ولید سے اسے کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والی شخصیت کون ہو سکتی ہے لیکن چودھری۔ یہاں آ کے نہیں ٹھیک ہے تھا۔ "ولید چودھری کب سے ملانے لگا۔"

"سر ایک جو لڑکی ہے صاحب کل بھی کافی دیر تک آپ کے انتظار میں بیٹھے رہے لیکن آپ میٹنگ کے بعد آفس واپس ہی نہیں آئے۔ آج پھر وہ آئی ہے اگلے گھنٹے تک کوئی خاص اپائنٹمنٹ نہیں ہے اس لیے میں نے سوچا آپ سے پوچھوں شاید آپ ملنا چاہیں۔"

"اچھا کل بھی۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ اگر دوسری حضرت ہی ہیں تو پھر ملنے کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ کیونکہ ان کی ہمت دھیرے دھیرے ہلکان سے خوفیا واقف تھا۔

"اور اگر پی اے کو بتا دیں کہ وہ مشہور کسی نہ کسی مقصد سے یہاں تک آیا ہو گا اور اب تک مطلب پورا نہ ہو جائے تو کہیں آنا ہے کا چانس ہے اسے روز کے دس چکر ہی کیوں نہ لگوا دیں۔ مشہور کے آج ہی تصویر کھر دال۔"

یہ سوچ کر اس نے پی اے کو اسے اندر بھیجنے کا آرڈر دے دیا۔

"اور خیر میرے شہزاد سے بیٹھ کے ہی خیر ہے۔ سوچنے رب نے کیا رنگ لگائے ہیں۔"

نیلی کرولا پک اپ تو اس نے نہ لگا تھا چلے کھڑے لے جا رہے ہوں۔ پیچھے کر تا ہوا وہ شخص اندر آیا تھا۔ دیکھ کر شہزاد کی پیشانی پر گنت بلوں سے بھر گئی۔ اس نے ایک گہرا سانس بھر کے چھوڑا اور ناگوار نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چاروں طرف گردن گھما گھما کے جائزہ لیتا ہوا وہ اعتماد سے بڑھ رہا تھا۔

اس کے چہرے کی سیاہی خون کی تاثر تھی بلکہ اوہ کھنچے سرے بنتے تھے نے مار کیں سے چمک بھی پیدا کر دی تھی اس پر چھوٹی چمک دمک کے ساتھ اس کی ناک اور پچکے ہوئے رخسار بھی۔ موجود چمک کے کئی ٹھیکے ٹھیکے نشانات اور نمایاں ہو رہے تھے۔ سر کے گنج کے پل تھے سے خضاب سے چہرے کے ہم رنگ کر کے اب کھینچ کھینچ کے اس طرح جوڑے گئے تھے کہ بدوضع ٹھنی ہوئی کاست سا صدمہ دھک گیا تھا۔ جتنی مٹی عزیز آنکھوں کے گرنے پن میں جس بھی بھی سیاہ رہتی تھی ہوئے ہوں کی ابت سے پہلے سر سے بے رنگ باہر نکلے جا رہے تھے۔ ہنستے مسکراتے کی کوشش میں باقی کی بیک بائیں بھی بے سر بے جانی تھی۔ کئی سالوں پرانا وہ جس کی کاست شہزاد کا جانا پہچانا تھا۔ کھلا "وہ" کئی تیاں ہی میں لیس رہا کر کھل نکلتے ہوئے شلوار قمیص پہنی ہوئی جو اب کثرت استعمال کے بعد رنگ کی کمزور نشو بھی کی تھی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ شہزاد نے ہزاری سے قمیص پہ موجود بال نشانیں کو کھولا۔ وہی بال کے پھیلے دامن پہ۔ وہی آستین پہ دائیں جگہ سے گہرے رنگ کے دھبے کی رونگری۔ وہی تین سفید اور ایک ہرا رنگ تھی۔

"بڑا بھتیجی (ملتجی) ہمارا تھا تیرا باپ۔ میرا شہزاد ایسا۔ میرا شہزاد ایسا۔ اللہ پاک نے بڑا مہنگا بچہ دیا ہے میرے پتر کے۔ اصرار والا دفتر ہے۔ میں نے کہا بھی تھی اللہ دیا اپنی آنکھوں سے دیکھ کے آ رہی ہیں۔ بچی چلی ہے چلی۔ مجھے کہتا تھا کہ بس کا پتر شہزاد ہے۔ واہ جی واہ۔ کیا تو رب۔ کیا بات ہے جی کیا بات ہے۔ میں تو ہاں۔ میں صدقے ہیں۔"

وہ شہزاد کے اور بھی نیلے کیا کہتا رہا تھا کہ شہزاد نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔

"اصل بات بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"

"اے لو جی لگل ہی اک گئی۔ کیا میں اصل بات نہیں بتا رہا۔ بچی لائے ہیں تو صرف تیرے لمحات اور پیش نہ دیکھنے کا آنجاں۔" کرسی پہ پھیل کے بیٹھ کے اور سر دے کے پیر سے اس کے سامنے بیٹھے کالی کے سب اور سینڈوچ اور چھنے لگا۔ شہزاد کا کی نگہ دو ہیا ماں نے ذہب تک کالی کی چھوا ہی نہیں تھا۔ خاموشی سے آگے سرکاتے ہوئے دل خواستہ اسے پیش کیا اور دل اسے ایک بھی مزید بھگتنے پر تیار نہیں تھا۔

"ہاں جی ذہن نہیں کھاؤ۔" اس نے تنگ کا انکار کیا۔

"نہیں اور کھلو لیتا ہوں۔ کھاؤ۔" اس نے زبردستی لقمہ بنا کیا اور چلتے پھرتے تصرف۔

"تا کھانے تیرے کالا کرا دے رب جی۔" اللہ وسلا لے بیک کی چھوڑ دیا اٹھاتے ہوئے ترے ہاتھ کے رکھے سے پرے ہٹ گئی۔ شہزاد کی بدہاشت جواب دے رہی تھی۔

"تیرا شہر جوان ہوا تھا تو کیسے کالے لگتے کا رہے جیسی بی کے میرے شہزاد نے سارا رنگ روپ ہی سانولا ملا ہے۔ بے اے کھائے۔ کیا بیاہ کی اکھی ہو گئی تھی لائی ہوں والی جیسے بھنگ کا گوند (بالم) چھوا کر ہو۔ کیا بال کالی تھے۔ سر تیرا چھوٹی رنگ کا بنی تھیں ہوتے بے اے۔"

"تو را کالی کھاؤ کر میرے جوان۔ خوراکاں۔ یہ اوش رنگوں میں سرخ ہے کیا اب ہی ہے کے (دادا کے) کا ہوتا ہے۔ کبھی سارا پتا ہمارے چھپے ہی بدل گئی ہے۔ اے صدقے خوراکیں ہماری اصل تھیں۔ میری ہے تیرے باپ (ابا) کی سوہرے سوہرے یہ بڑے پتیل کے گلاس پیتے والی گی کے جو حالت کھاتے سوئے ہے۔ ہزار دن کی کھر ہفتہ وہ کھٹے بعد حلوے پوریاں اور دنوں کی کھا جاتی آگے پوری میں ایک کی تھیں ہوتی تھی ہے۔ تو اللہ جھوٹ نہ بولے تو پہنی ترے چار (تین چار) کلو کے اپنے نے بھر کا دیتے۔ وہ تھی بال ملا والے موتی ملائیں والی اور رات کو تو میں نے تالیف (بازار) بازار (رحمن) بھاتا تھا لائے کھاتے۔ ہمیں کی

ایسے ہی تو میرے آنے کے لیے ہوتی تھی۔ بڑا سوا تھا۔ بڑے عیش تھے ان دنوں۔ اور شہزادے تیرے ہوئے اور میں نے پیسہ ان لڑکی کے سروں پہ نہیں بڑا (بہانی) آنے اور لگایا۔ اور آگے تو ہے اپنی لڑکنہ اپنے سکوں کی۔ بس ملال پہ ملال بنائے جا رہا ہے میں صدقے سوتے تیرے کی آنکھ نہیں بھی تو ملتا چاہیے۔" خوشامدی انداز میں اس نے دونوں ہاتھ کنپٹیوں تک ملا کے ماتھے سے لگائے۔ شہزادہ جواب تک کمال صبر سے خاموش بیٹھا اس ایک فقرے کا انتظار کر رہا تھا "سرداری کے رن گیا۔ اس کا ہاتھ والت تک گیا اور ہزار ہزار کے نوٹ نکال کے اس کے سامنے پھینک دیے۔

"یہ تین چار گھر کا کرایہ ہے۔ دو ہفتے کے سرد پائے کھانے اپنے خصوصی بھی ہو آنا۔" مطمئن لہجے کے ساتھ دوبارہ کنڈی بات کہہ گیا۔ نوٹ کی طرف دیکھتے اللہ و منیا کے ہاتھ لیے بھر کو تھم گئے۔ بے چہرہ خوشامد اور چاپلوسی کا پردہ چاک کر کے پل بھر کو عیاں ہوا۔ پھر اس کے لب دوبارہ بھینچ گئے اور ہاتھ نوٹ تھام کر واپس کو میں آنا کرنے۔

"اپنا چرغ ایسے نہیں کہتے شہزادہ۔ ہم تو پیشہ ہی لوگوں کا حساب کتاب رکھتا ہے۔ ان کے خاندانوں کا حساب ان کے بچے اگلے پچھلوں کی کتاب کیونکہ ہمارے ہاں کے ہے۔ ہم نے زبان کے سچا ہو گا کہ کس کا ماتھا (ننھیالی) کون سا ہے تو وار کا (ددھیالی) کون سا ہے۔" اس نے سرسراتے لہجے میں آگے کی طرف جھک کے ماتھا شہزادے پہ ٹیک دیا۔

"جواب چلتے ہو اور آئندہ میرے آس پاس نہ آنا۔" اس نے چٹکی بجا کے اسے نکلنے کا اشارہ کیا۔

"ہو تو تیرے بن میں شہزادے کہتے ہیں کہ پہلی دوست اور تجھ سے خیر تو وہ تیرے ساتھ بیٹھا کر کھانا بول اس طرح رکھا کہ بن۔ حق بنتا ہے ہمارا تجھ پہ۔ آوں گا اور سودا طے کروں گا۔" اس نے دھنیلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نوٹ نکالے۔

"یہ پیسا واقعہ تمہارا ہے اس وقت تاش میں کیا ابھی تمہارا اس لیے بار مت تک برداشت کر لیں گے اگر آئندہ یوں منہ اٹھا کے میرے آس پاس آئے تو ــــ میں تمہاری شکل کو بھی نہ دیکھوں گا۔"

"مگر کیا۔ سہی ارشیے کا ہی لحاظ کر لے شہزادے۔ میں نے کہا ہے ناں کہ ہمارا حق بنتا ہے۔ تجھ پہ تجھے اللہ نے اتنا دوا ہے "اتنے کرم کیے ہیں تو بھی کسی کو لوٹ کسی پہ کرم کر۔ یوں ہزار دو ہزار دے کر حق تو نہیں ادا ہو جاتا۔ ایک بار مل ہی کر ہمارے لگی روٹی کا کوئی سبیل پیدا کر دے۔ میری اپنی کمائی میں برکت ہوتی تو تجھے کیا لوٹ کے بھاگ کر تجھ پہ آتے کی۔"

"میں نے ایک بار نہیں تین بار تمہیں نکالنے کی کوشش کی تھی مگر تم ہو کہ روٹی کھاتے تمہارے بس کی بات نہیں۔ زبان چلاتے ہو بیٹھ جھڑنے والے زبان کے گھر گئے۔ اب تو جس نے مت کی محنت کی "کامیابی" کی ہے نا ہی ڈی ایس پی۔ ملازمت دلوائی "اور تم نے چھوڑ دی۔ ہو تو کیا یہاں تم صرف ایک دن کے بیکار بیٹھے ہی نہیں اور میری وقت کو ضائع کرنے کے لیے تم ہی ہو۔ تم نے میں کہاں لڑائی۔ تمہیں پیٹ خرابی کی بات پہ چلی ہے۔ تمہیں کا کوئی علاج نہیں۔"

"جب پیٹ سے کہ میں الاخلاق دوں تو پھر سر کھجانے کی کیا ضرورت (صورت) تیرا ہو اور میں ایک ہی عمر کے ہیں۔ ہو بھی تو ستر بیماریاں کر رہا ہے۔ پتر کا بابا ہے۔ پھر میں کیوں دنیا بھول اٹھے تھے کی نوکری کے لیے تجھے کھانا بھول۔ سمجھ کر شہزادے اب میرا نہ کہیں رہا ہے حرامی کی تو نے اچھی کی اوے تو میرے ہی بیاہ تھے تو ساری ساری رات طبلے پہ رہتے تھکتے رہتے "اپنے وقت میں میں نے بھی کوئی تھوڑا ہنر کھلایا ہیں اب بہت بڑے بڑے لوگ ہے کچھ وقت بھی بدل گیا ہے اب۔" "اتنا تانیہ والا دو نہیں رہا۔ اب کمائی کی باری ہم بڑھوں کی نہیں ہمارا بیٹوں کی ہے۔ کرے کو تو نے کرم لگا ہے اب بیٹی کی باری ہے۔ رب سوہنا چاہے تو اس کے نکلتے میرا بھی بیڑا پار ہو جائیں گے۔"

شہزادہ اس ساری بات کو سمجھ گیا۔ اس کے خاموش لب بھینچ گئے۔

"شعیب صاحب نے بڑی آپ والی تھی کہ "دادا کو جالیں ہیں گے لیکن اب وہ کہہ رہے ہیں کہ بات نہیں بنی اور وہ بہت تم ہو چکے ہیں تو یقین ہی نہیں کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھ اپنے ہی کرات ہیں۔ یقین پہ بجلیاں۔ تمہارے ہوتے ہمیں تو نظر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ گھر کی بات ہے تم چاہو تو ادا ایک دن میں چار چار ڈرامے سامنے کر لے۔ لیکن تم نے خود اس کی راہ کھوٹی ہوئی۔ اب نہیں کہہ بھی نہ کروں۔"

"اوہ اس لائن میں نہیں آئے گی۔" شہزادے نے مختصر فقرے میں بھرپور انکار کی جتنے وہ کسی خاطر میں نہ لایا۔

"کیوں نہ آئے گی۔ اس لائن میں نہیں آئے گی تو ٹوٹا سرکاری اسکول میں چیزیں لکھنے کی۔ اس کے پاس اتنے ہنر ہیں کہ سر سے کاٹ ہے کیوں نہ آئے۔ وہ شہزادے موقع لے لیے سلسلہ چلا دے گی۔ لیکن میں صلح ہی تو تل نہیں رہا۔ آج کل ہر طرف سفارش کا رواج ہے۔ اچھے بھلے کروڑ پتیوں کی بیٹیاں ہمارے جیسی چھوٹی رنگ رنات مارنے لگی ہیں۔ کوئی کسی اور کی بیٹی کوئی کسی اور کی۔ جو شیل کر نکل گئی۔ کوئی میں کتنا ہوں بیٹھ عیش کرو "بیٹھوں کی پیاس ہو" بیٹھوں سے شادی کرو "بیٹے چالو" ہماری لڑکیوں کا بھند آئیں کھو کھا کرتی ہو اور اگر اتنا کی شوق ہے ان کی جگہ سنبھالنے کا تو پھر اپنی جگہ ہماری لڑکیوں کو دے دو۔ لیکن ناں جی۔ ناں۔ ہمارا حق لے لیتے ہیں کہ اپنا نہیں چھوڑتے۔ ہمارے لیے تو دنیا ہی تنگ ہو گئی ہے۔ اب کیا کمی ہے اپنی ادا میں بیان کر سوا الگ "میں موہنی صورت۔ لیکن ہو کی تو کرا خزانہ خوشیں پلے سے ہے۔ لگا کے لی وی اور اسٹیج پہ کر رہی ہیں اور میری بیٹی ــــ جاس بیٹے کے انتظار میں ہے۔ خیر تمہیں سے کیا گلہ۔ تم اپنے ہو کے ہو تمہیں تھا جو تمہارے تو اپنے ڈرامے ہیں۔ اپنی کہنی ہے چاہو تو۔"

"میں نہیں چاہتا اتنا کہنے میں نہیں چاہتا۔" وہ چلایا۔

"ٹھیک ہے جی اللہ مالک ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تو بہلی امید لے کے آیا تھا "سوچا تھا اپنا پتر ہے وسیلہ بن جائے گا لیکن۔ چلو جی خریدیں کو کون پوچھتا ہے۔ لیکن اتنا بات ہے میری ملکو کے دولہا شہزادے۔ فن بھی چھپا نہیں رہ سکتا۔ آج نہ سہی کل کسی نہ کسی دیر سے علی کسی ادا ایک دن سرکیت کی دنیا راج کرے گی۔"

"یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اسے اس گند میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرنا ابھی اس کی عمر ہی ہے۔ آرام سے اسے تعلیم حاصل کرنے دو۔ چار پانچ سال بعد اچھے گھر دیکھنا۔ میں ضرور شادی کر دوں گا۔ تب تک تم ہر مہینے ایک محفل رقص خرچے کے نام۔ بھول سے یہ ایسا کرو گھر کا اپنے سے لے آیا کرو۔ تمہارا خرچہ چلا رہے گا جب تک تمہارے گھر کی کمائی کھانے کی تمہیں نکال دو۔"

"اپنے خرچے اپنے پاس رکھو شہزادے۔ ہم کمی لوگ ہیں۔ جو کمی ہمیں آتا ہے وہی کی روٹی کھاتے ہیں۔ فن کار کی بیٹی فن کار بنے اس میں شرم کی کیا بات۔ تم حد نہیں کر سکتے نہ کرو۔ اتنے سیدھے مشورے دینے کی ضرورت نہیں۔" وہ دھپ دھپ چلتا دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک کچھ خیال آیا۔ پھر شہزادے کے پیچھے سے پکارا۔

"سنو۔ یہ تم اللہ دتا یا اے ڈپٹی چوہدری کیسے ہو گئے؟" اس کے سوال پہ دلیت کے عجیب خباثت سے مسکرایا۔

"ویسے ہی۔" اس نے باریک کٹاری سی مونچھوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"جیسے ہی جیسے تم شہزادہ بلک ہو گئے۔ تم ملک ہو گئے ہو تو ہمیں چوہدری بننے کی اجازت آتی ہے شہزادے۔"

وہ مڑ کے جا چکا تھا لیکن شہزادہ چاروں طرف آنے لگے۔ کچھ رہا تھا تو تم سے بہت آگے۔

اس نے آنکھیں بھیچیں اور چیزیں یک سے سرکا کر چیشانی سنبھلنے لگا۔ کانوں سے پس ملی ہلکی سی بھنبھناہٹ ہونے لگی۔

"سر کی تھپکی۔"

"سر جی بیگم۔"

جھنجھناہٹ رفتہ رفتہ بازگشت میں بدل گئی۔ اس نے جھنجھنے کے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"سر جی بیگم۔" اب صداؤں میں قہقہے بھی شامل ہو گئے۔

"نہیں۔" وہ چلا اٹھا اور سامنے پڑا ہوا بیٹ اٹھا کے دیوار سے دے مارا۔

☆ ☆ ☆

"امی جی! کیا ہے آپ میری۔"

"لنگور نے آپ کو تھوڑا سا لمبا کھینچتے ہوئے کان پہ ایک ہاتھ رکھ کے اور دوسرا ہاتھ نزاکت سے فضا میں لہرا کے بان لگایا۔

"امی جی! کیا ہے آپ میری۔ جان لیجیے۔"

دونوں ہتھیلیاں جوڑ کے سینے سے مل لگا کے گویا عصمت کے قدموں میں رکھتے ہوئے اس نے گیت کا پہلا بول بھرا کیا اور عصمت نے جھانکا کے اسے زور کا دھکا دیا۔ صاحبزادی خلعت انشاء نے بھی اپنی جلالی نظروں سے اسے گھورا۔

"لنگور۔" ان کی نظر اتنی تیکھی تھی ورنہ عصمت کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ لنگور کے بال نوچ ڈالے۔ وہ اتنی سنجیدگی سے وعدہ کر کے گئی تھی کہ ہاتھ اصل تو نہیں اپنی جلاوت اور کردار وظائف سے ہی فرصت نہ ملتی تھی اور آج نجانے کیسے وہ بیٹھے بیٹھے اس کے مستقبل کے حوالے سے تفکرات سمیٹنے پہ تیار ہو گئی تھیں اور صاحبزادے عصمت کے لیے تو صرف اتنی کافی تھا کہ وہ کم از کم اسے سننے پہ تو رضامند ہو گئیں۔

"امی حضور! آپ خود خیال کیجیے کیا آپ تک چلے گا۔ کب تک میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا رہوں گا۔ کیا میری ساری زندگی یوں ہی گزر جائے گی۔"

"یہ ہم بھی نہیں چاہتے معمولی پہ تعلیم نہیں لیکن صاحبزادے عصمت آپ بھی یہ احتیاط لازم رکھیں کہ ہمارے خاندان میں ماشکیوں والی بھرے والے کی گنجائش نہیں۔"

"لنگور۔" امی حضور۔" وہ سہم کاٹ کے رہ گیا۔ کچھ روز قبل اسے ایک دوست کی وساطت سے بڑا اچھا کام مل رہا تھا۔ اس کی مثل ولٹری کمپنی تھی۔ ویٹس کے پیش امر یا میں جہاں لوگ سرکاری کل کا پہلا بیٹا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں "اس پہلی کی تبدیل بنے جانے والی تھی۔ گھٹیا لیٹرکی بوکیں سے کام نہیں چلتا تھا۔ سیاحتی سروس کے ذریعے مستقل کسٹمرز کے گھروں تک حل دائر کے فنک پہنچانے جیسے تھا اسے بھی یہی آفر ہوئی تھی کہ صرف تین گھنٹوں کے لیے ویٹس کی ایک مخصوص ایک میں پہلی پہنچانے کے عوض اسے ماہانہ چار ہزار ملیں گے کام بے حد آسان تھا۔ وہ لاہور کے ساتھ ایک ٹانگ چلانے کے بڑی بچی کو خوشیوں کے آگے اور اور کو رکتا ہی تو تھا۔ بیٹھ کے آنے اور پڑھ جانے کے لیے ملازم تو تھے ہی۔ لیکن صاحبزادہ علیش علی خان یہ نوکر سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئے اور اچھی بھلی مستقل ملازمت کو "ماشی" "لانگ بیشر" قرار دے دیا اور اب اپنی امی حضور کی تبلی دہی اغلاط سن کر وہ بے کی کی آخری انتہا پہ پہنچ گیا۔

"دونوں کے خیالات کس قدر ملتے جلتے ہیں۔" اس نے سوچا لیکن پھر انہیں سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

"خدارا امی حضور ذرا پھوٹو نے خیالات کو بدلتے حالات کے ہم آہنگ کر کے دیکھیے۔ تھکی ہماری تعلیم ہے اس کے فائدے مجھے ایسی ہی ملازمتیں ملیں گی۔ کاروبار شروع کرنے کے لیے کثیر سرمایہ چاہیے وہ میں کہاں سے لاؤں۔ پہلا حضور تو بینک سے قرضہ لینے میں ہی اپنی ہتک سمجھتے ہیں ورنہ میں چھوٹے سے نہ سہی کسی کاروبار تو شروع کر لیتا۔ حالانکہ اس میں بھی سو قباحتیں ہیں۔ کیونکہ کاشروع کر جو ان کی نظر میں نرالا ٹھہرا مگر دوسری اسٹور کھولتا تو پرچون فروش کا خطاب ملتا۔ پیٹا کاروبار کرنے کے لیے پیسا کہاں سے لاؤں؟"

"لگ سے کاروبار کرنے کی آپ کی صورت ہی کیا ہے۔ اپنے چچا کے ساتھ زمینداری کیجیے۔ یہ زمینداری

سنبھالیے۔" وہ امی ملاحت چہ سکون سے کھنگلا کر عصمت جھنجھلا اٹھا۔

"چلیے امی حضور۔ اس خود فریبی سے خود کو نکال لیجیے۔ تھی زمینداری اور کہاں کی چوہدراہٹ کو آپ جاگیروں کے نام رہے رہیں۔ چچا حضور ان کا انتظام بخوبی سنبھالے ہوئے ہیں۔ تھی کی کھوٹ کے آدمی ہے اس کے بارے میں ہمیں نہ سمجھیں لیکن اس سے حاصل کیا ہو گا۔ میری بے کاری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چچا حضور کا بوجھ کم ہو جائے گا لیکن آمدنی تو اتنی ہی رہے گی۔ میری وجہ سے نہیں بڑھ تو نہ جائیں گی۔ میں کہی بات تو آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ان باتوں سے آنے والی نسل آپ اور ہم سے بالکل بے اخراجات نہ چاہتے ہوئے بھی ان طور طریقوں پہ چلتے جا رہے ہیں جبکہ تعیشات اور سہولیات کا ماہ و نشان تک نہیں اس خوبی میں ہر سوں ہے ایک بلب اور تین ٹیوب لائٹس رات کے چند لمحوں کے لیے روشن ہوتے ہیں اور یہی ہمیں ساری گرمی پیتے ہیں لیکن آپ کے بھی علم میں ہو گا کہ بجلی کا بل ہر سال پہلے کی نسبت کتنا بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی حضور داری قناعت پسندی اب ہمیں تنگ کی ہے اب ہمیں بتانا ہو سکتا ہے حالات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر پھر بھی۔ بچت اور مسلسل بچت یہ کفایت شعاری مہنگائی کے قدم آدم ہو۔ آخر کب تک نیچے آزمائے کی سوچیں جائیے کہ میری ملازمت اب ناگزیر ہو چکی ہے۔"

"ہمیں آپ کی دلیل سے چنداں اختلاف نہیں مگر موجودہ آپ ہم سے متوازن چلا رہے ہیں ورنہ ہمیں بھی بھائی میاں آپ کے فارغ رہنے کے حق میں نہیں نہ ہی ہمیں آپ کے مزاج کی تلخی اور معمولی تحمل سے لیکن وہ بھی کیا کریں۔ کیسے چند لمحوں کے لیے خاندانی نجابت گزر ہی رہی ہیں۔" انہوں نے سر آہ بھری۔ "آج آپ کہہ رہے ہیں کہ اتنی تعلیم کے ساتھ ایسی ہی ملازمت ملے گی کاش آپ پہلے ہی اپنی تعلیم کو سمیٹ کے لیتے۔"

"کیسے سمیٹ کے لیتے۔" وہ تلخ ہو گئے۔

"امی حضور! میرے آس پاس کا ماحول بھی مجھے پر امید یا خوش آئند ہوتے نہیں دیتا تھا۔ کس امید پہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے کوشاں ہوتا اپنا بیٹا۔ کس کے لیے؟ کیا امی حضور کا دل میرے ساتھ نہ تھا۔ کیا انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود کامل کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن یہ تعلیم ان کے کس کام آئی؟ ہاں حضور کے حکم کے مطابق انہوں نے اپنی کامل کی ڈگری فریم کروا کے دیوار پہ نصب کروا دی تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کیونکہ حضور کو یہ گوارا نہ تھا کہ لواب گھر آنے کا چشم و چراغ عادی ہو جائیں قاتلوں اور اچکوں کے مقدمے لڑنے سے۔ بے بسی انہیں وقت سے پہلے کھا گئی۔"

صاحبزادی خلعت انشاء کی بھوریں آپس میں الجھ گئیں۔

"ایسے نہیں کہتے صاحبزادے۔ ہر فرد کے لیے اجل نے ایک وقت طے کر رکھا ہے یہ سچ ہے کہ آپ کے ابا حضور عین عالم شباب میں ہی۔" ان کی آواز رندھ سی گئی۔ پھر انہوں نے مکمل ضبط سے قابو پایا۔ "یہ درست ہے کہ ان کی جانے کی عمر نہیں تھی مگر صحت کی پیچیدگیاں اتنی بڑھ گئیں کہ مسلسل علاج بھی ناکام رہا۔ آپ اس سانحے کے ذمہ دار ہمارے مرحوم والد کو نہیں ٹھہرا سکتے۔"

"معذرت چاہتا ہوں امی حضور!" وہ پشیمان سا ہوا۔ "میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ وقت بدل گیا ہے لیکن ہماری حویلی وقت کو جھٹلاتے ہوئے کئی سالوں سے کچھ بھی نہیں بدلی میں کس امید پہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا۔ یا فرض کر لیں کہ ڈاکٹر بھی بن جاتا تو چچا حضور یہی فتویٰ صادر فرماتے کہ کسی کمین گندے مدوت مریضوں کو سونچ کھو چاہو ہمارے خاندان کی شان کے منافی ہے۔ ہمارا ان کے کم نسب خون کا چھینٹا نہیں مجھے صرف جانے۔ کاش کہ یہ بات سمجھ میں آ جاتی تو صاحبزادی خلعت انشاء تک رہ گئیں۔

"اتنا تنفر صاحبزادہ عصمت علی خان۔ اس درجہ بے بسی کا اور کیا کہتا ہے۔ ہمیں آپ کو یہ یاد دلانا ہو گا کہ آپ کس سے مخاطب ہیں اور کس کے بارے میں یہ ناشائستہ کلمات کہہ رہے ہیں۔" امی حیرت پہ چلا اٹھا کر بولیں۔ انہوں نے اپنے مخصوص جلالی انداز میں اونچے سے کہہ تو دیا چونکہ کہہ کے لیے عصمت کو بھی سانپ سونگھ گیا والدہ

بیٹے اس روپ سے اس کی جان جاتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتی صاحبزادی حرمت النساء بھی ٹھٹک کے رکھ گئیں۔

"انہیں آپ کے لہجے سے بغاوت کی بو آرہی ہے صاحبزادے اور یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ آزادی کی تلخی منی بغاوت ہے اور بغاوت سے آگے نفرت اور عقارت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ آپ گھر کے سامنے اور خاندانی فوائد و ضوابط سے بے شک بے ادب ہیں ہم یہ بخوبی جانتے تھے لیکن یہ خطرہ تھا کہ آپ اپنی جلد بے زاری کو بھاٹک کے بغاوت اور تکبر از آئیں گے۔ آپ کے حق میں بہتری ہوگا کہ آپ اپنے ہونہار شہزادے کو سمجھا لیں۔ اس سے آگے بالائے طاق آپ کے لیے اچھا ہے اور نہ ہم اس کے لیے۔ ہمارا مزاج ستانی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ شاہزادی اور سرکیل ہمیں پسند نہیں۔" وہ گرجتی ہیں اور عمیص بے جاب سر جھکائے مقابلہ صاحبزادی حرمت النساء کو ٹکر ٹکر دیکھتے اور بھوکر دیکھنے کے ابھاؤ میں دونوں کو تکتی رہیں۔

"بلکو۔" انہوں نے نہایت وار نوازش پکارا۔ جسے تھرتھرتی ہوئی بلکو "آ" "آ" کا سامنے نکلا۔

"نوکرانی بیگم۔"

"ہمیں دالان تک لے چلو۔ ہم جماعت کی نماز میں ادا کریں گے۔ وضو دلنگی ہوگی۔" انہوں نے تسبیح اور تمام وظائف اٹھاتے ہوئے دریافت کیا۔

"کوئی ایسی ہنسی آپ کی بیگم نشکارے ہی نشکارے ہیں سنہری گرم وضو چھ کے۔ لیکن مزاج شریف عمیص میاں۔ آپ کے چہرے کی رنگت وضو کیوں بدل رہی ہے۔" اس نے اپنی اونچا نچا کے پوچھا۔

"وضو ہی تو رہ گئی ہے تمہیں میں۔" وہ بڑبڑایا۔ پھول بیگم نے بلکو کے آنچل درست کر کے بڑی بہن کی جانب دیکھا کہ کہیں یہ بدبخت ان تک نہیں پہنچ گئی۔ دالان کا سوچ بھی کھارہی آپ سے ہو چکا تھا مگر جلال غضب زور آور ہو اٹھا جس سے زیادہ تعمیر خوردن کی اپنی ذات کوئی پہنچ کر کا کہ دولت فتار خون کے عارضے میں مبتلا تھیں اور صاحبزادی حرمت انصار کی کوشش ہوتی کہ وہ کسی حد تک پر سکون رکھیں انہیں۔ ہوان کی بڑی بہن بھی تھیں اور چھوٹی بھی۔

"بھوت سمجھ گیا۔ حضور وہ پرسوں والے معاملے کے سلسلے میں سفارش کی جاری ہوگی۔ ارے عمیص میاں ایسے بات نہیں بنے گی۔ ہم بتاتے ہیں آپ کو ایک نایاب نسخہ یوں کھڑے ہو جائیے۔" اس نے دونوں ہاتھ ملا کے جسم کمان سا ہو کر کہا۔

"اب بول بھی چکیے۔" اس نے نایاب ابرو اور چڑھا کے دو سرا نچا بنے ہوئے اشارہ کیا۔

"اب مدد لگائیے۔"

"کیا چیز کیا ہے۔ آپ میری جان لیجیے۔"

جیسے ہی اس نے جان لے کر عمیص کے قدموں میں نچھاور کر لیا ہی اس نے جھاگ کے سے دو کلو ہوا۔ بڑی بیگم نے بھی کئے خیزوں سے کھورا۔ کبھی سلام نا انہیں غلام کے دالان تک لے گیا۔

"ہمیں بھی بتائیں گے صاحبزادے۔" پھول بیگم نے عمیص کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا سر سہلا کے پوچھا۔

"کیا بتائیں ہم حضور وہی پرانا مسئلہ ہے بیگم حضور اور امی حضور۔ دونوں ایک جیسے ہی پاگل ہیں اپنے اصولوں میں۔ انہیں اپنے اصول و ضوابط سے رو گردانی منظور نہیں" چاہے اس کے پیچھے میں بچوں کی اولادوں کو کتنی ہی مشکلات اور مصائب کیوں نہ سہنا پڑیں۔ وہ صدیوں پرانے نسب کو زیادہ عزیز رہتے ہیں مگر ان کا وہ سرمایہ جو دلدار کی صورت میں تھا نے انہیں دیا ہے" اس کے احساسات و جذبات کی انہیں بالکل پروا نہیں۔ نہ ہی ان کی ضروریات و خواہشات کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔"

"ایسا نہیں عمیص کہ وہ دونوں آپ سے محبت نہیں کرتے یا انہیں آپ کے جذبات کی مطلق پروا نہیں۔ اتنا

احساس رہا انہیں بھی ہے کہ آپ محض اپنی نسبی زاتی خواہش کی تکمیل کے پیش نظر نہیں باندھے ہوتے ہیں بلکہ خاندان بھر کی بھلائی اور سہولت کے لیے کوئی عملی قدم اٹھانا چاہتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جو طریقہ آپ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے بے قاعدہ اصول نہیں۔ یہ بھی مجبور ہیں۔ یہ ان کی ضد یا انا نہیں خون میں گردش کرتا وہ غرور ہے جو آپ کے ماں حضور اور ابا حضور کی جانب سے انہیں کسی طرح ورثہ "بالغہ" "وراثت" کے سوا بے کسی چلی گئیں۔ آخر ہمیں کن دلیلوں کی بھی ذکر ہا تھی۔

"آپ کے ابا آپ سے بالکل ہی ذرا بیٹھے ہیں بیوقوف ہر بیاتی۔" بلکو موتیا کو کھینچتا ہوا اور رلاتا ہوا سر جھکا کے افسردہ بیٹھے عمیص کی جانب شکایتی نظروں سے دیکھ کے منہ بسورا۔

"ابا پر بھیں (رسمی) آپ کی خطا کر ہی ہوتی ہے کہ سارا بھیں دیوار سے ہو مارا۔" بلکو کے کہا۔ "اف ہماری مارک گلیا۔" یہ ہوا ہی کہ وہ دوری چیخ کا لی سلانے لگا۔ عمیص کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی موتیا سے کھوجتے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"سوری بات۔ تم بھی تو خصہ دلا دیتے ہو۔ اب کوئی موقع خانہ سارے کھوکاری کے مظاہرے کا میں پہنچنے ہی بلا ہوتا۔ بھاگا خادم سے تمہارے بجرے۔"

"ہوا کیا؟" "خود ہی ذرا سی بھیجنے کی۔"

"کیا کروگی جان کے کرنی میرے منتلے کی۔ انہ کر کرنے کے بعد بھی اپنے حضور کے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کو ان کی مجبوری تلاش کی۔ پھر کچھ سے دوری کرنے کے بعد میری کی بھی کسی قسم کی مدد کرنے سے سفدری ظاہر کر دی۔" اس نے خطا سے اسے ملا دیہ بھی خاموش ہو گئی شاید جانتی تھی کہ وہ جانتا ہے اس حویلی میں کوئی بھی اس سے زیادہ اس کی مدد کرنے کا اہل نہیں۔

"لیکن ہم تو آپ کی مدد کر رہے تھے۔ ان کا کیا۔ وہ ہماری خدمات کی قدر ہی نہیں" ہمارے خلوص کی کوئی قیمت ہی نہیں۔" بلکو بلبلا اٹھا۔

"چلیں ابھی اگر شاید" عمیص نے طبیعت پہ چھائے اضطراب کے باوجود صرف اس بے ضرر معصوم ذہن کو کامل رکھنے کے لیے کہا۔

"ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ بڑے نواب کے پاس اچھا سا علم لگا کے مجبور ہو گئی ہو تو ہمیں کے کالی میں گھرا اور وہ بھی جنتیلی کالا کے۔ یوں کہہ کے ہوئے جانتے۔" اس نے کالی ناک سے لگا کر ٹھک ٹھک چلتے ہوئے کہا۔ موتیا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"لاحول ولا۔" عمیص نے خود کو تصور میں اس طرح چلتے دیکھ کر خود کو بھی بچا حضور کے سامنے اور موقع اور موضع سے لرزے کا حوالہ دیا۔

"ہاں تو پھر اچھا ہے جادو ہر لیے اگر ان کی طرح نازک پر گراں گزرے نہ ہوں اٹھا کریں۔ آپ" اس نے کھنکار کے گلا صاف کیا اور پھر سے امراء چلن ارادے کی کوشش کی۔

"کل چیز کیا ہے آپ میری جان لیجیے۔"

"بس ایک بات۔"

"بالکل سب۔" بلکو کھا کے گھبرا۔

"بس ایک بار میرا کہا مان لیجیے۔" اس نے ہاتھوں میں انگلی دبا کے پلکیں نازک بنا لیں۔ موتیا پیٹ بھاری تھی۔ عمیص نے اسی حضور کی چنچل اقبال اور کن کے سمات بار بلکو کے سر سے وارنے کے بعد اس کی کمر پہ ہاتھ مارا۔

☆ ☆ ☆

"پاگل۔ خدا کے ان ہم ہی تو ہم مرتے ہیں۔" سوفی نے دل پہ ہاتھ رکھ کے بڑے اضطراب سے کہا۔ مرکز

چھیڑا ہو منہ پھلائے مسلسل کی لوریاں چلا رہی تھی۔

"ہمیں تنگ مت کرو منی۔" اس کی ضد پر شانی نے ایک دفعہ شان نمودار ہوئی۔ مرکو جھٹکا دیتے ہوئے ذرا سا لہجہ کا لہجہ جھوٹے کال جھوٹے لگی تھے چند منٹ پہلے ہی بال تین کی نوک کی بدولت کان کے پیچھے ذرا سا تنگ

"تنگ تو تم کر رہی ہو۔" منی نے کی بدولت تحریک اس کی انگلیوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

"یہ کیا فراڈ ہے؟ پلیز کام کرنے دو ہمیں۔" بدولت ہو گئی۔

"اب بس بھی کرو مال۔ کب سے کمپیوٹر سے چپکی بیٹھی ہو۔ تمہاری دوست میں اول دائیل کمپیوٹر۔"

"لیکن تو تم پلیز۔" اس کی تیس طبیعت پر منی کی بے تکلفی گراں گزری۔

"اف۔" منی نے شانی کی تقلید کی۔ "کاش

"اے عظیم جدی کی آخری تقلید آئے! لیکن ملبوس خیمہ۔ اے نازپرور و شیوہ آئے حسین و طرحدار شہزادی ہم اگر جان کی امان پائیں تو کچھ عرض کریں۔"

"پتہ ہے جب تم ایسے ڈرامے کرتی ہو تو ہمیں کون یاد آتا ہے۔" کل مرے نے دیوانہ وار چیزیں ٹیپ لگا کے ادھر ادھر ہوتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا۔" تمہیں بھی کوئی یاد آتا ہے؟ کون؟" اشتیاق دونوں تھا۔

"ولکم۔" تمہیں بھی کہنے کے بعد اس نے پھر کمپیوٹر آن کر لیا۔

"تم بھی مال۔ بس۔ وہ بھی وہ دوست جس کو تمہیں کہہ نہیں سکتی ورنہ تم آؤ کھو گی نہ۔ تاؤ اپنا بیگ اٹھا کے چلتی بنو گی۔ اب کوئی اتنا تاؤ تک مزاج بھی نہ ہو کہ اس کا دوست غصہ آنے کے باوجود نہ تو اس پر ختم کر سکے اور نہ ہی گفتگو کی کلیاں دے کر اس کی اس کی اس نکال سکے۔"

"چلو ہمارے ذرا سی تم تمہارے دوست کے وائرے میں تو رہتی ہو۔"

"سچ کر لو میری جان تمہارے ذرا سے نہیں تمہاری ناراضگی کے ڈر سے وہ انتہائی صبر آزما اور طویل اور تنہا کی اصولی ہے۔"

"لگتا ہے سب ملا ہو گیا۔ تو یہ منی کتنا بولتی ہو تم اور وہ بھی مرا سر فضول۔ تمہاری بے سر و پا باتوں میں اور اسے اضافہ ضبط کا ہو گیا۔ ہمارا خیال ہے تمہیں صرف خود بولنے کے موقعے نہیں بلکہ کسی اور کو بھی نہیں کرنے دو گی اس لیے۔" اس نے آف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کام کل پر چھوڑ دیتے ہیں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" وہ خوش ہو گئی۔

"چلو اب جلدی سے چھوڑ نکل کتنے بجے سنڈی سے لوٹ آیا تھا اور کیا بتایا تھا تمہیں؟"

"ہیں؟ تمہیں کیسے پتہ کل سنڈی سے جنید کا فون آیا تھا اور یہ بھی کہ میں تمہیں اسی کے بارے میں بتانا چاہ رہی ہوں۔"

"الہام ہوا تھا۔" وہ چڑ کے بولی۔ "حالانکہ یہ تو سالات ظاہر تھا جس طرح وہ بار بار کل مرے کو کام کرنے سے روک رہی تھی اور بار بار اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی وہ تو سمجھ جانا تھا کہ ہو نہ ہو کل سنڈی کی جنید سے طویل ٹیلی فونک ریلیشن کی گفتگو ہوئی ہو گی۔ بس کی الف سے یہ تک اور ذرا جب تک وہ اپنی کلیاں بدست کو چھکے لے کر کرنا نہ لے اسے چین نہیں آتے کا لاری وجہ سے کل مرے تو اس کی تکرار ہی تھی اس کا ہو رہنے کا ارادہ نہ تھا ہی بعد ہزار بار کی سنی ہوئی ہم کہانی پھر سے سننے کے لیے یہاں آئی تھی لیکن اسے سننے نہ دیکھ کے بالآخر اس نے اصرار الل بچے اور جنید کا سننے کے لیے تیار ہو گئی۔

جنید منی کا لان خالا اور رہنے والوں تب سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے جب منی میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور اسی دنوں اس کی نئی نئی دوستی کل مرے سے ہوئی تھی۔ بس اسی دنوں اور آج کا دن اسے پہلی داستان محبت سنانے کے لیے اچھا شکار ہاتھ آگیا۔ جنید دوسرے سنڈی میں مقیم تھا مگر جانے سے پہلے دونوں کی بے لوث فرمائش پر ان کی منگنی کر

ای گئی تھی۔

"بس اسی سال کے اینڈ تک وہ آجائے گا۔ ہم نے سب کچھ فائنل کر لیا ہے۔" ساری تفصیل بتانے کے اس نے اگلا پروگرام سنایا۔

"ہم شان سے پہلے ایک آخری عید انجوائے کریں گے۔"

"انجوائے؟ عید؟ نہ بابا۔ منگنی خوشی ہے اور رہائی دلوے شادی کے بعد کیا عیدیں منانا لیا انجوائے کرنے کا رواج ختم ہو جاتا ہے؟"

"نہیں یار تم سمجھی نہیں۔ بڑی ہی ان رومانٹک ہو۔ بعد کی عیدوں میں مزا کہاں۔ جس میں پل پل بیاں ملا عیدیں اور بھاری ساحل سے ایک دوسرے سے اور ہیں۔ ذرا ان لمحات کی مزا کا اندازہ ہے۔ شاید کے بعد کی عید تو خیر ہر روز دو عید ہو گا اور ہر شب شب برات۔" اس نے لطف بھرے آنکھ ماری تو کل مرے جھینپ گئی۔

"شرم کرو۔"

"اور پتہ ہے کیا؟ عید کے فوراً بعد شادی شادی کے فوراً بعد ہنی مون۔ ہم انشاء اللہ اکٹھا اور لطف اٹھائیں گے اپنے ہنی مون پیریڈ میں ہی منائیں گے۔ واؤ سچ آرو انٹک۔ تھینک گاڈ ایک دن ہنی مون دو سرا اور لطف اٹھائیں گے اور تیسرا دو سفر رائیڈ کے حسین کشش نظارے۔"

"تم شادی کے بعد سنڈی چلی جاؤ گی منی۔" کل مرے کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی افسردگی آ گئی تھی۔

"ہاں۔" وہ بھی چونک گئی۔

"تم بھی چلو نا میرے ساتھ۔"

"پاگل ہوئی ہو کیا تمہیں کیا کوئی چیز ملے گا جو ہمیں ساتھ لے کر جانا ہے۔"

"ارے تم چیز تھوڑا ہو۔ تم تو سوغات ہو ایک انمول نایاب تحفہ۔" کل مرے ذرا سا کتراتی اس نے انمول اور نایاب ہونے کی تردید تو نہیں کی مگر سر جھٹک کے اس کے گال کھینچ لیے تھے۔

"ہاں ایک لیڈی مالی فرینڈ ہیں جو ایک لیڈی۔ ٹیل لیڈی۔ زندگی میں سب کچھ تو چلتا رہتا ہے۔ پرانا ان کی عمر کے چند دور ہوتے ہیں۔ ایک دور سے نکل کر دوسرے دور میں جانے کے لیے پچھلے دور کی عادتیں بھلا دینے کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ ہمیں تمہاری دوستی پر ناز ہے اور تمہارے خلوص اور محبت پر کوئی شبہ بھی نہیں۔ لیکن ایک بات تو ہم ہمیں چھوڑ کر جانے پر لیے ذرا تلاش جھاڑ دیں ہو گئی کو جنید کے سامنے یہ بھی قسمیں کھا رہی ہو گی کہ سچ تم سے ملنے سے پہلے دنیا اتنی ویران تھی تم اتنی دیر سے کیوں ملے۔" اس نے پرانی ہیروئنوں کی طرح لمبی لمبی سانسیں بھرتے کہا۔

"چل بے ایمان۔" منی نے اسے چھیڑ دیا۔ "سب کو تو جیسا بے وفا اور کٹھور سمجھ رکھا ہے۔ جنید کا میری زندگی میں اپنا ایک مقام ہے۔ تمہاری اپنی ایک الگ جگہ ہے۔ یہاں تمہاری البتہ یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ میرے جانے کے بعد تم مجھے یاد رکھو گی یا نہیں۔"

"یہ تو ہم بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے۔" کل مرے شانے اچکائے۔

"دیکھنا۔ دیکھنا۔ یہ ہے تمہاری محبت جلو تم پہ تو ثابت ہو گیا کہ جنید کی محبت میں تمہیں بھلا دوں گی لیکن تم کل مرم تو میرے اور ہوتے ہی مجھے اپنی بے دور کر دو گی اور اگر تم تمہاری شادی ہو گئی اور سونے پر سہاگہ تمہیں اور جیجا جی سے محبت نصیب بھی ہو گئی تو پھر تو اللہ ہی حافظ۔" اس نے ہاتھ جھاڑے پھر کچھ خیال آنے پر اس کے قریب سرک آئی۔

"سنو۔" کہنے کو کیا پروگرام۔ میرا مطلب ہے کہ شادی وادی کا۔"

"ابھی سے؟ ابھی تو ہم اس بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے۔" اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟ تمہاری شادی والی سوچ پہ تین گا ہوا ہے؟"

"تمہیں۔ لیکن ابھی شادی کا وقت ہی کب آیا ہے۔"

"کیوں کیا تمہیں پندرہ برس سال لگتے ہیں؟ سال کو حیا اور بی بی کو ہم کہتی ہوں۔"

"ناراگا دیک فضول باتیں مت کیا کرو۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہندی پلاٹنگ میں شادی کا ابھی دور دور تک نہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"اچھا آپ اپنی پلاٹنگ کے پورے پروپوزل پر فائنلس سے آگاہ کرنا پسند فرمائیں گی۔" سمیتی نے میرے برش کو نیچے رکھتے ہوئے شاہ کے سامنے کہا۔

"تل کو بریں۔" وہ منتظمہ کے بیٹھ گئی۔

"ہماری پلاٹنگ میں سرفہرست ہماری لوکیشن ہے جس کے لیے تم ہماری مجبوری سے واقف ہی ہو۔ اب ہمیں پندرہ دنوں میں ہماری رنٹ آنے والا ہے ہماری پلاٹنگ پر پلیٹنگ ہونے کی تیاری کر رہی ہے۔ سوچ رہے ہیں ہمارا خواب کیا ہے ایک اچھا شاندار کیریئر ہو ہم نے صرف اپنی صلاحیتوں اور نجابت کے بل بوتے پر بنایا ہو۔ جس پر نا صرف خود ہمیں فخر ہو بلکہ ہماری ساری فیملی ہم پر فخر کرے۔"

"کیریئر۔ یہ میں تم جواب کو کیا؟" اس کے سوال پر شکل مرہٹے اثبات میں سر ہلا یا تو عقل کی تیزی کی گئی ہو گئی۔

"ایسا تجھ سے جہاں تک میں تمہیں جانتی ہوں تم نے کبھی ایسے دعوے نہیں کیے جنہیں تم کبھی پورا نہ کر سکو نہ ہی تم نے کبھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن کی تعبیر میں تمہارے اندر سے ٹکرائی ہوں اور اتنے حالات کے ساتھ کے اندر میں تمہاری فیملی سے بھی اتنی ہی واقف ہوں جتنی کہ تم سے اور میرا خیال ہے کہ وہ کبھی بھی تمہیں اس کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"کبھی بھی کا لفظ قوت استعمال کرو۔ اس دنیا میں ایسا کیا ہے جو کبھی بھی نہیں ہو سکتا اور پھر ہم کسی تھوڑا کلاس آفس میں انٹیوا ٹیلی فون آپریٹری جاب تو نہیں کرنے جا رہے۔ ہماری منزل بھی نہیں۔ ہمیں صرف گھر سے باہر نکلنے، اپنا وقت ملازمت کرنے یا خاندان سے بغاوت کرنے کا شوق نہیں۔ ایسا ہو تا تو اتنے خراب حالات میں اتنی مہنگی تعلیم حاصل کرتے۔ بی ایڈ کر کے گھر لگ جاتے لیکن ہمارے سامنے ایک مقصد ہے۔ ہمیں اپنا خاندان خود سے اسے بنانا لگانے کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے اس کے برعکس ہماری خواہش ہے کہ ہماری وجہ سے اس خاندان کی عزت اور شان کو چار چاند لگ جائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضور کو اس سے اعتراض نہ ہو کہ ہم کوئی غلط کام کر رہے ہیں۔ ہاں شاید انہیں ہمارے گھر سے نکلنے پر تھوڑا اعتراض ہو لیکن ہمارے پاس خود کو منوانے کے لیے دلائل ہیں اور مثلاً ہمارا دعویٰ ہے کہ ہماری کوئی خواہش ایسی نہیں جو ہم پوری نہ کروا سکیں۔"

"تمہارے ایسا ہی ہو۔" مثلاً نے اس کی خواہش سے چور چور آنکھوں کی چاشنی چند سے متاثر ہو کر صدق دل سے کہا۔

"شکل۔ میرے انکل سفیان تمہاری اپنی کمپنی ٹرفر ہے سوفٹ ویئر کا بزنس ہے۔ وہ ہمیشہ نئے ٹیلنٹ کو ایجاد شیئر کرتے ہیں کیا میں ان سے تمہارے متعلق بات کروں۔"

"صوف۔ ہم سفارش سے کچھ حاصل نہیں کرنا چاہتے۔"

"سفارش کون اتنی کر رہا ہے بتا تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہی ٹیلنٹ کو تجربے دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی جگہ ہو اور اگر انہیں تمہارے اندر کوئی صلاحیت نظر آئی تو شاید وہ تمہیں ایڈجسٹ کر لیں۔ اب اس تھیلے میں سفارش کہاں سے آ گئی۔ بے ظلم ہو میں تمہارے کوئی تعلیمی نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔" وہ مصلحت آمیز انداز میں سر ہلا کر بولی۔

"لیکن یہ اول نہیں ہے۔ یہ تمہارے پریکٹیکل لائف میں آنے کا پہلا ثبوت ہو گا کہیں نہ کہیں کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ سفارش، اپروچ اور حوالے میں بہت فرق ہے۔

☆ ☆ ☆

یہ اندرون لاہور شہر میں واقع مشہور موتی گیٹ سے منسلک ایک خستہ حال محمود سیج بہت قدیم عمارت کے ایک حصے کا ذکر ہے۔ اس عمارتوں کو عرف عام میں کٹڑی بھی کہتے ہیں۔ ایک ہی احاطے کے اردگرد بنے رہائشی کمروں کو لوگ فرضی حد بندی کے ذریعے الگ الگ حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں یوں اس کٹڑی میں بھی اس وقت تقریباً سات کنبے آباد تھے اس کے علاوہ ایک طرف بنے دو کمرے جو اس عمارت کی قدیم خیر کا حصہ نہیں بلکہ آج سے آٹھ نو برس قبل ہی بنائے گئے تھے ان ٹیکنیک نما آبادی پھول والے کمروں میں وہ "چھڑے" آباد تھے جو دور دراز کے قصبوں دیہاتوں سے ضروری کرنے کے لیے لاہور آ کے آباد ہوئے تھے ان کے کنبے وہیں دیہاتوں میں مقیم تھے۔ کسی کسی کمرے میں چار چار افراد بیک وقت رہائش پذیر تھے لیکن یہ بات ان کے لیے مسئلے کا باعث نہیں بنی تھی۔

ان کا مقصد تو محض شب بسری تھا۔ مزدور جیسے رزق کی تلاش میں سڑکوں پر نکلنے والے یہ مسکین شام ڈھلے ان کوٹھڑیوں میں لوٹتے اور کھڑکی کی طرح کسی نہ کسی چھت کا سہارا چاہتی یا وہ ری۔ پر کرتے بے سدھ ہو جاتے۔ ان میں سے کوئی بھٹے کی بڑھی لگاتا ہے کوئی کالی کی۔ کوئی بالٹر پر چڑھائے غبارے بیچتا ہے کوئی برتن قلعی کرا لو کی صدائیں دیتا پھرتا ہے اکثریت میں بھٹے کے ذریعے روزی کمانے والے مزدور تھے۔ حالانکہ یہی ان کا سہارا تھا۔ محدود وسائل ہوتا ان کی سانسیں اور دیہاتیوں کو تو پھر یہیں کٹڑی کے بوڑھے ساتھ رہ گیت سے اندر آنے والی آرٹیکل ٹیوٹر کی میں لگے ہوتے۔ پہلے چل چل اب اکثر گھر نہ یہ کمرے اس بے کو احاطے میں گھر بنے کرنے چاہے تو کٹڑی کے اندر بسنے والے کنبوں نے خاصا واویلا مچایا۔ سب کو خدشہ تھا کہ یہ چھڑے چھاتے مزدور جن میں سے اکثریت صوبہ سرحد سے آنے والے مہاجر افغان یا پٹھانوں کی ہے ان کی رہائشیوں کے لیے پریشانی کا باعث بنیں گے۔ تب اکثر گھر نے انہیں یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کرائے داروں کا تعلق عمارت کے پرانے مکینوں سے تک کو دور رہے گا۔ اندر کے ماحول اور رویے پر اثر انداز ہوں گے اور یہی ہوا۔ یہی مسکین سے نظر آنے والے مزدور اندر سے چاہے کتنے برے ہوں لیکن سلوک سے بغیر کسی کی شکایت کا موقع دیے یہاں رہتے چلے آ رہے تھے۔ لاہور شہر میں بازت گھریلو سے اتنی سستی جگہ سر چھپانے کے لیے میسر نہ آنے کی وجہ کی اتنی ہی اور کاروبار سے گھریلو پن کے لیے فٹ پاتھ پر آ جانے جہاں فاقوں سے گھبرا کے چلے ورنہ کا کانسٹیبل اور حوالدار ایسے بے کار لاوارثوں کی ناک کٹائے بیٹھے ہوتے ہیں "آخر شرفت کے کرنے قانون تھے اور محرم نامحرم کو چھوڑتے ہیں ان کی جگہ پر کرنے نے لیے اور کاغذی کارروائیوں کا بھرم رکھنے کے لیے کسی نہ کسی کو تو حوالات میں کھولنا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے بحالت مجبوری ہی سہی مگر یہ لوگ شرافت سے رہتے مجبور تھے۔ آخیں ٹھکانے کے لیے تو بازار کرنے پڑتے تھے۔

عمارت کے اندر کی حالت اور بھی خراب تھی۔ کئی سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ کمرانے ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگرچہ کئی عارضی حد بندیاں قائم تھیں مگر پھر بھی کئی ایک کمرے غسلخانے، صحن اور باورچی خانے کو مشترکہ استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ عرصہ ایک ساتھ گزارنے کی بدولت ان میں تھیں میں نسبت اور لگاؤ تو تھا ہی مگر رقابت اور تلخی کھڑکے کا تناسب زیادہ تھا کسی ایک سے دوسرے کا وکھ درد پوشیدہ نہ تھا۔ ہی مٹی کی کہانی مل چھپی ہوئی تھی۔ کسی کا لڑکا کیا کرنے لگا "کس کی لڑکی کا افیئر چلا" کس باوے کے گل چڑا کس کی ساس کتنی تلخ ہے۔ سب معلومات ہر ایک کی تھی۔ کس کے گھر آج کیا پکا ہے اور کس نے بچوں کو بھوکا ہی سلا دیا ہے سب بھی چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ جذبات و محسوسات کی جیسے راکھ کی تھی ہاں۔ اگر کسی بھاگے کے قصے کا علم ہو تو وہ سرا ہی والی روٹی نے کہ وہاں خود "چھپ" تا لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر ساتھ کے کمرے سے گوشت بھنے کی مہک آئے تو طعنے مارنے میں بھی دیر نہ لگائی جاتی کہ "ہاں ہاں سوکھی روٹیاں کھانے والوں کو حرام کے لقمے میسر آتے ہیں۔ نہ پوچھیں ہمیں۔ ہم کیا ہوئے بیٹھے ہیں۔"

اور انہی سات کنبوں میں سے ایک بابر ہاؤس مغل کا بھی تخلص بابر ہاؤس مغل۔
جو شیر بابر مغل کا بیٹا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ اس کی دادی آخری مغل شہزادہ کی ناجائز نواسی تھی۔
اب پتہ نہیں اس دعوے میں حقیقت کتنی تھی اور مبالغہ آمیزی کتنی لیکن صاحبزادہ نفیس علی خان کو اس پر یقین ہے۔

صاحبزادہ نفیس علی خان جن کے بڑے بھائی مرحوم صاحبزادہ نفیس علی خان کا کلو تا بابر ہاؤس مغل۔
اور جن کی بیگم جنہیں انہوں نے اپنی اولاد کے برابری سمجھا بلکہ اپنی اولاد میں سب سے بڑا ہونے کا اعزاز بھی بخشا۔ صاحبزادی یاسمین خانم۔ بابر ہاؤس مغل کی شریک حیات ہیں۔ ان کے چار بچوں کی بات نہیں ہے۔ تین باہر سب سے بڑی ہے پھر تین بیٹے۔ جن میں سے دو کے نام انہوں نے اپنے والد کے نام پر رکھے ہیں۔ شیر بابر مغل اور نواب بابر مغل جبکہ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام صاحبزادہ نفیس فی فرائش پیا۔ یاسمین خانم کے دادا نواب لقدس علی خان کی ذہن میں لقدس کا بابر رکھا گیا۔ بابر ہاؤس مغل اور صاحبزادی یاسمین اپنے بچوں کو ان شاہانہ تخلصات والے ناموں کے علاوہ اپنے قابل بنا رکھتے ہیں۔ پھر دو نوں کے اور بچوں کے پاس ہے بھی نہیں صرف نام۔ صرف اور صرف نام۔

"امی جان! یہ بابر ہمارے قابو نہیں آتا۔" کلثوم نے چھوٹے بھائی کی شکایت جڑی۔

"ہاں اور کیا ہے۔ کلثوم۔ آپ اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔ دیکھ تو رہی ہیں کہ ہم کام کر رہے ہیں۔" یاسمین نے مشین کی سوئی میں دھاگا ڈالتے ہوئے کہا اور پچھلے دس منٹ میں تیسری بار ٹرے گئی تھی۔

"ٹوٹے سلائی مشین کو کیا ہو گیا ہے۔ بار بار دھاگا توڑ رہی ہے۔ ایسے ہی رہا تو یہ سوٹ شام تک مکمل نہ ہو پائے گا۔" وہ بڑبڑائی۔

"اللہ۔ امی آپ! ہماری بھی تو سنیے۔ یہ بابر ہاؤس بالکل بھی نہیں پڑھ رہا۔ ہم زبردستی لکھوانا چاہتے ہیں تو ضد کی رٹ ہے کہ گا اسکول نہیں جائے گا۔ جب تک اس کا یونیفارم نہیں سل جاتا وہ اسکول نہیں جائے گا۔ بچے اس کی چھٹی ہوتی ہیں اور چھوٹی پتلون کا فرمائش کرتا ہے۔"

"بس کرو۔" یاسمین بیگم کی زبان بابر کا مطالبہ سن کر بھی سلائی میں مگن رہی۔

"امی جان آپ سن رہی ہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں۔"

"سن لیا۔ بیٹے سن لیا۔ اسے کہہ دو کہ گھر کا کام مکمل کر لے۔ کل چھٹی ہو گی تو امی جان کا حکم ہے۔ وہ یونیفارم تو اس ایک دن اور صبر کر لے۔ یہ سوٹ سل جائے تو اس کی اجرت سے ہم کل صبح ہی بابو تو یا سے قمیص اور پتلون کا کپڑا منگوا لیں گے اور سلائی کرنے میں بھلا کتنی دیر لگے گی لیکن چھٹی پر گھر نہیں ہونا چاہیے۔ کتنا سمجھایا ہے اسے۔ اپنے میں پڑھائی کا شوق ہو گا اور ہم خرچے میں سے بچتے ہیں کہ آپ کو کل کی فیس اس کے لیے دے سکیں۔ بار بار کہتے ہیں کہ تیسرے سال ٹیکنیکل تعلیم میں داخلہ ہو گا۔" یاسمین نے بلند آواز میں کلثوم کو ڈانٹتے ہوئے اپنے دوسرے نمبر کے بیٹے تک اپنی آواز پہنچائی جو اس کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا بھی یہ تمام منظر دیکھ رہا تھا۔

"اے یاسمین بہن۔ سوٹ سل گیا ہو تو دے دو۔ میں ملکوں کے گھر جا رہی ہوں برتن دھونے جا رہی ہوں۔ وہاں کل بھی اپنے جوڑے کا وعدہ کیا تھا۔ کل کام پہ آتے ہوئے تیرے لیے لائی تھی۔" برابر کے کمرے میں رہنے والی نورجہاں نے بغیر دستک اور سلام کے دروازہ کھول کے اندر آتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ وہ دوپٹے گیٹ سے ملحقہ علاقے میں گلی کے بہت سے خوشحال گھرانوں میں صفائی اور برتن دھونے کا کام کرتی تھی۔ علاقہ خاصہ اس کا شہر میں گلی کرنے کا کام کرتا تھا اور اچھا خاصہ کوٹیا تھا اس کے علاوہ اس کا کلو بابر بھی کبھی کبھار کسی کام کاج میں "ہیلپر" تھا اور روزانہ کے تیس چالیس کمرے تو تھا لیکن شوگر کی وجہ کہ اس کی تین بیٹیاں تھیں جن میں سے صرف ایک کی شادی اس نے اس سال کی تھی اور جہیز پر جتنے کے لوگوں کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رونا ہی پڑتا ہے۔ اسی لیے وہ پچھلے چار سالوں سے گھروں میں ملازمت کر رہی تھی۔ یوں بدنصیب اس کے بیٹے بھی

کوتوالی طور پر خاصے باعزت طریقے سے ایک تھی۔ سے پڑھایا تھا اور اب دوسرے نمبر والی کی بھی بات طے کر کے اس کی فکر میں تھی۔

اسی کی اجرت دیکھ کے یاسمین کو بھی خیال آیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے طور پر اندر کے کسی کام تو آسکتی ہے۔ گھر سے باہر نکلنے کا تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی۔ پھر کا دیہ اس معاملے میں اس کے میکے والوں سے بڑھ کے سخت اور انتہا پسند تھا۔ اسے اس بے حد سخت گیر علی کا کام آتا تھا۔ اس نے اسے ہی کام میں لانے کا ارادہ کیا کہ ہر اس کے ہیں پاس رہنے والی عورتوں کی اجرت بچیات کی آمدن پہ گزارا کرتی کو دنوں سے سلوانے کے چوبیس روپے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ایسے میں بانو آگے بڑھی اس نے نہ صرف یاسمین کی بات بند حلق بلکہ ان گھروں میں اس کی سلائی کی تعریف کر کر کے اس کے لیے کام بھی بلائی جہاں وہ کام کر کرتی تھی۔ یاسمین کے ہاتھ میں صفائی کی اگرچہ کچھ تک محدود رہنے کی وجہ سے دو بدو فیشن سے نظم تھی لیکن تجربات اسے بھی زیادہ اتنی بھیجتی تھیں۔ وہ دو ہو گئی۔

"اس بانو تو بھیجے اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بنوائے مشین کے ساتھ کیا مسئلہ ہے بار بار دھاگا ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں دیر ہو گئی ورنہ سب کا مکمل ہو جاتا آپ جانتے ہیں کہ کوئی پانچ سٹ کا ہمارا ہی ہے۔ کلثوم خالہ جان کے لیے جانے بنا ہے۔" اس نے ہاتھ کی حرکت تیز کرتے ہوئے بابو کو کہی اور ساتھ ہی بیٹی کو سلائی کی اصلاح کی ہدایت کی۔

"اے امی جان۔" وہ شروع ہوئی۔ "دیکھو تو ہم ہی ختم ہو گئے۔" اس نے بڑی تاؤ میں بات بدلی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ صبح اس کا باپ بابر ہاؤس مغل بے خبری حرکت اگل گیا تھا اور ناشتے کے بعد کسی نے بھی چائے نہیں پی تھی۔ یا یاسمین کے سر میں بھی درد بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن کام میں مگن وہ وقتی طور پہ فراموش کر گئی تھی۔ بیٹی کے یاد دلانے پہ اسے یہ دھیان آیا۔

"اچھا پھر تو بنوا دو۔ مسوری تو خاصی ہے۔"

"ہاں اچھا۔" وہ مستعدی سے کھڑی ہوئی اور کمرے کے دروازے کے باہر رکھے چولہے پہ پانی چڑھا کے اس میں ادرک کے ٹکڑے ڈالنے لگی۔

"امی جان! ہمارے تشریف۔"

"سناٹے کے چند دانے ڈال دیں۔" اس کے سوٹ مکمل کرتے کرتے قہوہ بھی بن گیا۔ بانو نے گرم گرم قہوے کی پیالیاں پیتے ہوئے تعریفی انداز میں سوٹ کو اور اجرت طے کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"یاسمین بہو! گھر سے اندر کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ باہر تو اچھی خاصی لفٹ ہے۔ ہم سب تو سردیوں میں جوڑا اندر لے جاتے ہیں۔ کمرے گرم رہتے ہیں اور نیند کے بغیر بھی گزارا ہو جاتا ہے باہر کمرے میں دھوپ میں رکھ لیتیں۔ تم نے ایک تو کمرے کے باہر بیٹھیں کے پیچھے اسے رکھا ہوا ہے اور پھر اوپر سے سامنے بھی تالا ہے۔ ہوا اور دھوپ اور روشنی بھی نہ آئے۔"

"آپ تو جانتی ہیں کہ ان کے بابر کے کتنے دشمن ہیں۔ اب نہ تو ہم لوگ میں کبھی بار سارے میں سے گزر سکتے ہیں۔ ہمیں تو ہی رہنا ہے کہ لیے جاتے ہیں نہ وہ کلثوم کو بھیج سکتے ہیں۔ یہاں ہی اوٹ میں بنانا ٹھیک ہے۔"

"بلی الحال کمرے میں رکھو۔ سردی تو ختم ہو جائے گی۔ گرمیوں کے آتے ہی نکال دینا۔"

"نہیں آپا! یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کلثوم کے والد کو مسلسل کی دوسے افتخار ہو تا ہے۔"

"ہاں بھئی ہو جائے۔ ہمیں کیا ہے اچھوں کو۔"

"ہمیں پسند نہیں ہے کہ کمرے کی فضا میں لمبی بدبو اور سیلن کی بو بھی ہو۔"

"کہتے ہے ہمیں نہیں کچھ پسند بھی ہے یا نہیں۔ جب دیکھو ہمارا پسند ناپسند شاری ہوتی ہے تو یہ تو ہمیں ہوا بھی زندگی بھی مشکل بنا چکے ہیں اور ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی۔" اس نے ناک چڑھائی تو یاسمین کی

دشمنی داری اور رواداری کو نہیں جانتی۔

"ایسی بات نہیں تیلو۔ مزاج ٹھیک نہیں ہے۔ ہر بات کے برے ہیں۔ اگر کوئی بات نہیں ناگوار گزرتی ہے تو اس کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اس میں مشکل نہیں۔" اس نے رسالت سے موقف حمایت پیش کی مضبوط دیوار سے ملی دیوار کے اس طرف رہنے والی عورتوں کی خاطر میں لے لی۔

"اے رہنے دو بہن" کوئی مشکل ہی مشکل ہے۔ اندھیرے تہ گھر کے کام نمٹانا شروع کرتی ہوں کہ میں کے جاتے ہی سلائی مشین سنبھال لیتی ہوں اور مرتھ کے گھنٹوں میں ہر طرح سلائی کے جاتی ہو کیونکہ شام ڈھلنے سے پہلے تمہیں یہ مشین اور یہ کپڑے لے لینے ہیں۔ کپڑے چھپانے ہوتے ہیں۔ کہیں تمہارے میاں نہ پہنچ جائے تم اجرت پر سلائی کرتی ہو۔ اسے میں کتنی ہوں یہ چھپانے والی نہیں۔ بتانے والی بات ہے۔ تمہیں جانیے ٹھیکے کی چوٹ پر سلائی کو اور سیدھ ٹھوٹھ کے میاں کو بتلا کر یہ بتے صرف اور صرف میرے بیٹے کی عنایت اور میری اپنی محنت کی وجہ سے چل رہے ہیں۔ پھر کیسے سلامی کا ٹوٹھ جھوٹ ہو جائے گی۔" اس نے مفت کے مشورے سے نوازا۔ تب میں کوئی تمہیں کی بیٹی تلاش شکن کھو گئی۔

"آپا برا مت منانے گا" تمہیں ایسی گفتگو بچوں کے سامنے پسند نہیں۔ ان کے معصوم ذہن پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ تمہیں یہ بھی پسند نہیں کہ کوئی ہمارے جلالت میں دخل دے۔" تب چاہتے ہوئے بھی ام کا لہجہ سخت ہو گیا جس کا احساس ہوتے ہی وہ خود شرمندہ ہوئی لیکن باتوں کی صاف اور طبیعت کی لاپروا عورت تھی اس لیے ہاتھ ملا کے کہنے لگی۔

"ہمیں میں ہو گئی ہوں کھری بات کہا ہے۔ تمہیں دخل اندازی لگے تو زبردستی روکی بات بچوں کے سامنے کیوں کی۔ تو اب جو بات ہو گی ان کے سامنے ہی تو ہو گی ان کے ابا کو تم گھر میں روک نہیں پاتیں اور ان معصوموں کو جھانکنے کی اجازت نہیں۔ کیسے کملا کے رہ گئے ہیں تمہارے۔ اور وں کے بچے کیسے جھانکتے گھومتے پھرتے ہیں۔ تم انہیں قدری کیسے رکھتی ہو اور برا مانتی ہو کہ میں نے اچھی کہی۔ بھلا تمہاری کسی بات کا برا مانتا ہوں۔ لاؤ سر پہ لاؤ۔ لب لمان دھو دیتی ہوں صاف لفافہ۔ ایسے ہی نے ہوتی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کے سلا ہوا لفافہ بغل میں دبایا۔

"آپا سلائی کے پیسے ضرور لے لینا اپنی مکان سے۔ کہیں کچھ پتہ نہ ہل دیں۔ ہمیں سخت ضرورت ہے۔ ابا جان کتنے دنوں سے اسکول جاتے ہوئے رو رہا ہے۔ اس کا یونیفارم بہت خراب ہو چکا ہے۔ بلکہ ایک سوال اور بیچ کام سے واپسی پر بازار سے اس کے یونیفارم کا کپڑا لیتی آئیے گا۔ ابھی سے دو کا تو رات بھر میں ہی کی لیں گے قمیص کا سفید سوتی کپڑا اور پتلون کا خاکی رنگ کا۔"

"پیسے تو میں لے ہی آؤں گی بازار جانے میں ابھی مجھے کیا تکلیف۔ میری تو راستے میں پڑتا ہے لیکن تم سفید قمیص اور خاکی پتلون کا ذکر کیا تو مجھے وہ یاد آیا کہ ابھی چند روز پہلے مکان کی استانی جی کے بیٹے کی وردی ہے۔ تمہارے ناپ سے سال دو پرانی ہو گا۔ کل استانی جی مجھے کہہ رہی تھیں کہ اپنے بچوں کے وردی لی جائی ہے تو لے جاؤ۔ میرا بڑا کون سا اسکول جاتا ہے۔ جو آتا بھی ہو تو کون سا اسے وردی پورا آتا تمہارے ناپ کے بنا ہی ہوئی ہو گی۔ لیکن ایک بات ہے۔ کہو تو لے آؤں۔"

"نہیں آپا" سوال ہم نے بھی بچوں کو اتنا نہیں سمجھایا۔ آپ بس اپنی عنایت کرو جتنے کہ بازار سے لیتے اور اگر قمیص پتلون میں ایک ایک جوڑا وہ بھی اور آپ کو لا دیجیے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" وہ جیسے وعدہ کر کے آئی تھی ویسے ہی لوٹ جانی نکل گئی۔ سلمہ نے چھوٹے اقدس کو اشارہ کیا کہ وہ دروازہ ٹھیک سے بند کر لے۔ پوری کنڈی میں بند واحد کمرہ تھا۔ اس کلاروال بند کر لیا۔

"کیسن نے مشین پر سے کپڑے کب سے سمیٹی ہوئیں نالیں چارپائی کے نیچے کھسکائیں۔ مگر سیدھی

جسم کو جوڑ جوڑ کھولنے لگا۔

دروازے کھڑکیاں سختی سے بند رکھنے کی وجہ سے ساتھ والے کمرے کی روشنی دن میں بھی اس کمرے کے لیے کافی محسوس ہوتی جو اور کمرے کے سامان کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ پچھلی کوٹھری میں ایک مست کی چارپائی اس کے بستر کے کونوں اسٹریٹ سے بھری تھی۔ ایک چھوٹی سی فن ڈرات کو تنہا پہ بھائے والی دوری اور بیٹائی کے پرانے صندوق جن میں اس کے اور بچوں کے کپڑے رکھے تھے اور چند پیتل کے بڑے بڑے دیگچے اور سامان خواص کے جیزیں سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کے کمرے میں تشریف لے سلائی مشین اٹھا کے اسی کوٹھری کے ایک کونے میں رکھ دی۔ اور خود دوبارہ سے آ کر کمرے کے دوسرے کونے میں اکھڑی چارپائی پر بیٹھ کے جو مورک کرنے لگا۔ اس چارپائی کے اوپر دیوار سے ایک سستا سا آئینہ ذرا لٹکا رہا تھا۔ کیسن نے ہاتھ سے بے کوتھے ہوئے الٹ اور ہاتھ کی تھپکی بجی۔ اور اس ہاتھ سے دوسری طرف کی دیوار میں ایک کھڑکی باہر تنگی میں کھلتی تھی ہمیں کھلی تھی نہ کھلی تھی۔ اسی کھڑکی کے نیچے چارپائی بچھی تھی جس پر وہ اس وقت بیٹھی اپنے ٹانکے خوبی دیا رہی تھی۔

رات کو اسی چارپائی پر وہ اور نلش سوتی اور دوسری چارپائی پر ایک تھوس تھی۔ تینوں لڑکے نیچے دری اور چٹائی بچھائے سوتے۔ تیسری طرف کی دیوار کے ایک جانب پچھلی کوٹھری کا دروازہ تھا اور دوسری جانب کونے میں جس پر چارپائی کے کپڑے اور بچوں کے اسکول کے بستے لگے رہتے۔ سامنے کی دیوار جس میں داخلی دروازہ تھا۔ دروازے کے ایک طرف دیوار میں تھیں جن کی بچی ہوئی کے جان کر دیوار پہ دو رنگ سا چک کا کپڑا پڑا ہوا تھا۔

پھر دروازے کے اس طرف ایک لغیر پلش کی لکڑی کی برابر کی چھوٹی کو جوڑ کے ایک اسٹیڈ نما الماری سی تھی جس کے دروازے نہ تھے البتہ چار خانے چوڑے چوڑے خانے تھے۔ سب سے اوپر والے خانے میں قرآن مجید جانے نماز اور ایک بڑا آئینہ رکھا تھا۔ اس سے نیچے خانے میں تیل لگا ہوا ڈبہ اور ایک چھوٹا تھا جس میں ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ "ازار بند ڈالنے کی سلائی قینچی" دھاگے "بٹن اور چند معمولی نوعیت کی دوائیں مثلاً "پیراسیٹامول" دیگر بھی تھیں۔ تیسرے اور چوتھے خانے میں عام استعمال کے برتن "دیگچیاں" چار اسٹیل کے اور دو بھرے سے کانچ کے گلاس۔ ہم چینی کی چار پلیٹیں اور تین پیالے "پلاسٹک کی چھوٹی چار چمچیں" تھوڑے رنگ تک اور ایک اسٹیل کی جگ رکھا تھا۔ اس سے قریب ہی دھو چولی پر دکش نیچی آنکھ کو دیکھ رہی تھی ساتھ ہی پاس بیٹھے اسکول کا کام کرتے بچوں کو جو ڈھونڈ کھولنے لگا۔

کلاس کا یہ اسٹیڈ بھی اس نے تب خریدا تھا جب ان کے تصرف میں موجود آخری فالتو کمرہ بھی ہاتھ سے نکل گیا اور وہ اس کمرے میں کے آگے بنے تین فٹ چوڑے اور گیارہ فٹ لمبے کچے احاطے کو اور پچھلی جانب کی نہ ہری کوٹھری تک اپنے چار بچوں سمیت محدود ہو کے رہ گئی۔ احاطے میں پورے کی خاطر اس نے اپنے پاس موجود آخری سونے کی بالیاں بیچ کے چند لکڑی کے میزوں کے نیچے چولہا رکھا۔ مستری کو کہہ دیے کہ وہیں ایک نلکا بھی لگوا دے۔ لگوا دیا ہے۔ یہیں پر بیٹھ کے اس چارپائی پر بھی کھانا کھاتے تھے۔ ان کو دے کر کچھ اسٹیڈ بنوایا تاکہ کچھ جگہ پر زیادہ سامان رکھنے کو لگایا جا سکے اور اب سامان روپی کمتا تھا۔ اس کو چیزیں ملنے لگے فوائد پلنگ۔ سنگھار میز اور نیچے کی الماری کب کی بک چکی تھیں۔ عشرت کی پیدائش پر چچا حضور نے تو کمرے کی خوب صورت پلنگ چھوڑا تھا۔ فالتو تو باپ کے بیدا ہونے سے پہلے ہی بابا جی پکا کھا اور باقی دونوں بیٹے اس ... چھوٹا کمرا چارپائی پر ہی بیٹھے ... رہے۔ بڑی کے جہیز ملنے والی وجہ سے "چاندی کی سی سلائی پر لی جا کر میں" تھوڑا جہیز میں ملنے والا ہی حضور کا خانہ ابا لکھن۔ چچا حضور کی طرف سے بڑے کے واسطے "واحد میت" سے سب کا کام تھا ساتھ ... چھوٹے کے بڑے ہوئے دیگ تھا چاندی کے نیچے تھوڑے کی رضائیاں اور خوب صورت ڈریسٹ ... سب کے پیچھے باہر کمرے کو تو بالکل ایسا نہ تھا کہ اس نے صرف کیسن کے جہیز کا سامان پیچھے ہی رکھا تھا کہ وہ ... بھی بہت سوں کو جوڑ کا تھا۔ کہ اس کا کار تھا۔

... سے انجانی یا کیسن خاندان کے ہاں آئی تو اور ہی بھی کھیرے اور زنانوں سلائی نہ تھی۔ حربی نما عادت

کے پچھلے چار کمرے اور پچھلا صحن کرائے پر چڑھایا گیا تھا۔ پہلے سامنے کا سارا حصہ یا بڑے والد شمشیر یا اب مغل کے تصرف میں تھا۔ یہ حویلی انہیں پاکستان ہجرت کے بعد الاٹ میں حاصل ہوئی تھی اور اسی کی حویلی میں وہ پیچھے ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے۔ خود وہ عظیم شان خاندان کا بانی تھے اور خاندان بھی شاندار ہی تھے۔ سامنے کا حصہ یہاں اب لوہے فروخت کرنے کے کمرے ہوئے ہوئے تھے پہلے ایک طویل آویزاں دالان تھا۔ مغل صاحب کی چھوٹی سی بیٹھک بھی تھی جہاں وہ اپنی دو سفید گھوڑے بندھے رہتے ہوئے۔ ایک جانب پرانی سی فوجی ترپال کے سائے میں کھڑی ہوئی بوسیدہ قطار در قطار بند کمرے اس کے۔ جن میں سے بچھ تو خالی تھے، مغل صاحب کا ایک ہی لڑکا تھا جاوید۔ مغل بالم سنجیدہ، خاموش حد درجہ عبادت گزار اور شرمیلی خاتون تھیں، یاسمین کے کئی سال ان کے سارے فاصلے مفقود تھے کر دیے۔ مغل صاحب اور صاحبزادہ تھیں بھی خاموش کی خاندانی نجابت اور شجرہ کھلا تھا۔ صاحبزادی ساتھ ان کی شرافت اور معاملہ فہمی ... صاحبزادیوں کی کوئی بہن نہ تھی۔ ان کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ ان کا درجہ معاش حویلی کے پیچھے کمروں کا کرایہ کر سسرال آمد کے چند دن بعد ہی مغل صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کا درجہ معاش حویلی کے پیچھے کمروں کا کرایہ اور چند زمینیں تھیں جن پر انہوں نے کیا ہی اگر بھی کیا۔ کاشت کاری اور زمینداری بھی اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے کرائے پر دے دیا۔ والد کے چالیسویں سے بھی پہلے ہی مغل صاحب کا انتقال ہو گیا۔ وہ بیمار کل تھا۔ مغل بالم کی صورت و وظائف سے فرصت نہ ملی یوں بھی اکلوتے بیٹے کی سرکشی اور بدزبانی سے خائف تھیں اس لیے کہ اس کے ہر معاملے میں خاموشی میں ہار کر ہی جو بیوہ کی وفات کے بعد ظلم کے سامنے آئے تھے۔ شوہر کی آخری رسوم کے ادا کرنے میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ اس کا کلو تا بھائی صاحبزادہ عصمت ہی کی تکلیف جدید اور صبر سے بھی واقف تھا۔ اگرچہ شمشیر سن کے پاس آتا رہتا اور اس کی زبان حال سے بڑھ کر اپنی بے لیے کر سکتا کہ وہ جانتے ہوئے بھی سن کی بدو کے قائل نہیں۔

"کیا ہوا امی جان! سر میں درد ہے کیا؟" کشش کی آواز نے اس کے تکلیف دہ خیالات کا تسلسل توڑا۔

"جی بیٹا! صبح سے چائے نہیں پی اور دوسری وجہ یہ کہ کئی گھنٹوں سے ظہر سالا کی پرانی ہوئی ہے۔ لگتا ہے ہماری تسبیح بھی اترنے لگی ہے۔" اس نے کنپٹیاں سہلاتے ہوئے کہا۔

"تو میں کیا کیا کروں؟ کیا میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تو بیٹا! میں بھی بھکاری تو بیوہ ہوں۔ بیوہ کی کمائی کی ہی ہے۔ اگر بیٹا ہی بار تھا تو صبر کی کیا بات ہے۔ کسی چیز کی شامت آتی یا کسی کے جہیز کا سارا زیور اور سامان یوں ہی ٹھکانے لگا تھا اور اگر جیت جاتا تو اپنے پرانے شراب اور نشے کے مرغوں پر اڑا دیتا۔ شہرت بھی مفت کا لڑکا بنتا۔ اسے ہوش نہ تھا کہ بچے کون سی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ نور کیسے پڑھتے ہیں۔ ماسٹر جان نہیں ہمارا قصد آتے نور گھر کے ضروری سامان خصوصاً "شیشے کے نور نوش کے لیے آتے تو کل بھی ہوتے تھے کہ اللہ کا واحد ذریعہ معاش کرایہ تھا۔ اس کی اب ہمیں امید نہیں لیکن وہ اپنے اعلیٰ نسب والد کے ایک ہی مغل شامل ہے نا واقف تھے اس لیے یہی سمجھتے تھے کہ سرخرو اور ضرور ہی نہ کسی روزگار کی تلاش میں مگر گزرتے ہیں۔ وہ اسی میں مطمئن تھے کہ کھلنڈرا پن بے روزگاری اور تنگ دستی کے باعث مجبور ہو گیا۔ میاں نے کسی سنگدلانہ شر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کی وجہ ان کا کوفر ہمیں بھی بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ ذلالت ہی ہے اخری حد۔ وہ جا چکا تھا اس سے کمتر درجہ اور ملی روانی نہیں یا یاسمین بھی چچا حضور سے یہ تذکرہ کر کے انہیں آزردہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ان کی دلی تسلی اور شرمساری مطلوب تھی اس لیے خاموشی سے ان کی اتنی ہی تمہارے کو بھی غنیمت جانتی کہ ان کی وجہ سے چوتھا تو رہ گئی تھا۔ بڑھتے ہوئے بچوں سے تقاضا، اخراجات وہ سلائی کر کے پورے کرتی۔ یہی اس صورت کو کہ اس نے شوہر سے خفیہ رکھا تھا۔ البتہ اس کا ماں جایا،

ہو چاکلیٹ بیک بلاتی ہے کیا وہ بھی ساتھ رکھ دوں؟"

"ہاں۔" اس نے کچھ سوچا پھر انکار کر دیا۔

"نہیں، اچھا نہیں لگتا اوپر لائی ہے اور اسی کے آگے رکھ دیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اتنے آنکھ کالی ہیں۔ ایڈ ٹھیک ہو گئی مسٹر۔" وہ جاتے جاتے مڑ کے ٹھیک سے کر گئی تو کھوتے ہوئے بال بیٹی ہوئی سوچ نے حیرت کے اس سے اس درجہ شائستگی اور تہذیب کا ظہور کرنے کی وجہ دریافت تک کرنا بھول گئی۔

"حیرت انگیز تو خلاف معمول۔ بلکہ خلاف فطرت۔" حالانکہ یہ خلاف معمول خلاف فطرت منظر وہ اس لیے ہوا تھا کہ حیرت انگیز طور پر آج صاحبزادی الماس خاتون عرف سوتیا اپنی ہی اشیاء کی سہیلیوں کے لیے پر تکلف چائے تک بھول چکی تھیں۔ وہ تو اس کی دوستوں کے آگے ایک سوکھا سڑا بسکٹ بھی چائے کے ساتھ رکھنا اپنے وقار کے خلاف سمجھتی تھیں۔ مگر آج بات بنتی اور بھی بہت خاص تھی اور اس وقت کا تعلق چونکہ صاحبزادی گل حضرت تھیں۔ آج کے دن کی خاص الخاص شخصیت بھی وہی تھیں تو ابھی ابھی الیس کی دولت آمد ہوا تھا اور اس نے شاندار ڈنر کے ساتھ مہمانوں کو پذیرائی حاصل کی تھی۔ یہ چاند چڑھے ابھی خوشی میں ڈوبے جا رہے تھے۔ صبح سے گھر میں جشن کا سا سماں تھا۔

صاحبزادہ تھیں علی خان نے دولت سے پہلے ہی اپنے خصوصی حلوائی کو بلا کر میٹھی کی فرمائش رکھوائی تھی۔ یہ ان کا ہر سال پر بنا معمول تھا صاحبزادی کی ذہانت و قابلیت پہ بھروسہ اس قدر تھا کہ رزلٹ والے دن پہلے ہی سے حلوائی کو بلوا لیا جاتا۔ تجزیہ دینے کے لیے پھولوں کے گلدستے منگوائے جاتے۔ سائی حضور ان معاملات سے لاتعلق تھیں مگر ان کے چہرے پہ بھی خوشی تھی۔ بیٹی کی سرشاری ظاہر کر رہی تھی کہ ان کی لاڈلی نے کسی بھی سے کم کسی انہونا امتحان نہیں پاس کیا بلکہ کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کی ہے۔ صاحبزادی درست الساء کے شکرانے کے نوافل ہی مختصر نہیں ہو رہے تھے۔ مغیص جانتا تھا کہ آج مبارکباد دینے کے لیے گل سری دوستوں کا تانتا بندھا رہے گا۔ اس نے چائے کے ساتھ پیش کیے جانے والے لوازمات اور ان کی تیاری کے لیے دیگر اشیاء سوتیا کے سامنے لا کے ڈھیر کر دی تھیں۔

"کیا کر رہی ہو؟" سوتیا نے حیران ہو کر قیمہ کی ڈش پکڑ لی۔ "یہ تو مہمانوں کو دینا ہے۔ تم کو دیکھ کر تو بھوک ختم ہو گئی۔"

"اچھی لڑکی، تم کو میرا ہونا اس قدر ناگوار گزرے گا کے قیمہ۔ ارے صاحبزادہ مغیص علی خان! اس کھوپڑی کے اکلوتے چشم و چراغ کا کیا کہنا۔ اور اس قدر اس کی تو ہے۔ اے کوئی مثال نہ سوچی۔ سوتیا نے منہ دوں۔ اس قدر غیر ضروری۔ مسکین اور ناپاؤ ہو۔ عزیز ہو۔ یہ سوال تم اپنے ذہنی خرچے سے نہ کرو۔ اگر کر لیا بھی اپنے ذہنی خرچے سے کرنا چاہو تو شاید ایسا غلط نہ کرے۔"

"تم بھی میرے حوالے سے پر امید مت ہونا۔" اس نے منہ پھلا لیا۔

"ہر امید۔" آنکھ مارتے ہوئے اس کے ہاتھ ختم کیے۔ "اور وہ بھی تمہارے حوالے سے۔ میں؟ کاش میں پر امید ہونے کی ہمت کر پاتی۔"

"اے۔ کیا سوچنے لگیں یار! جیسے بھی سارا دن لگی تو رہتی ہو۔ بھلا چھوڑ چھاڑ بنانے میں کیوں نخرے کر رہی ہو۔ جو بھی ہے آخر گل مہر کی زندگی کا اتنا اہم دن ہے تو اس کی ساری محنت کا پھل مل رہا ہے۔ کیا تمہاری خوشی میں خوش نہیں؟"

"کسی باتیں مت کرو بے مغیص۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اگلی مہر بھی دس ہے تو ذرا دیر ان کیسی بھی ٹوک جھوٹ بولو تو میں میں جاتی ہو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اچھا نہ تو کیا جائے۔"

"کچھ بھی جیسا بنا لیتا۔ اس کی ساری دوستیں بیٹھی ہیں۔"

"ہاں وہ کوا تو جیسے نہیں ہے۔" سوتیا نے چڑایا۔

ہم ہے شہ کھو کھا ہے ہ
ہم ہے پچھو زرا کیا ہے ہ

مغیص نے لفظوں کا سانس بھر کے تھم بنایا۔

"تم شعری پڑھتے رہو اس کی فرصت نہیں۔ ہوتے بھی ہو اس کے خیالات کو ان تک پرواز کر رہے ہیں۔"

سوتیا کو اس کی شاعری سے دور رات پہلے کی اپنی اور گل کی گفتگو یاد آئی کہ کس طرح اس نے مغیص سے بے زاری ظاہر کی تھی۔

"مغیص میری بات کو فرصت سمجھو۔ واقعی بہت۔"

"لو سنو! آج کے دن کی بد ملی نہیں۔" مغیص نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

آشنائی ہے اس کی اسے بے وفا نہ جان
عادت کی بات اور ہے دل کا برا نہیں

وہ ایک اور شعر گنگنا رہا تھا۔

اجھ ہ آنکھیں بھی ہیں کھلی سی تیری تو تیرا نام گر
ان میں کوئی بھی نہیں تیرے نام کا تیرا نہیں

سوتیا کی آواز دھیمی ہو کے نکلتے نکلتے تھم گئی۔

"کھلی آنکھوں میں کہیں دل میں تلاشنے چاہئیں۔ آنکھوں میں وہی کھلی ہوتا ہے جو سامنے ہو۔ تبھی میں کہتا ہوں۔"

اس نے مسکرا کے سوتیا کو بار کر دیا۔

"اور دل میں۔ دل میں ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو سامنے نہ ہو۔" اس کے جانے کے بعد سوتیا نے ہواؤں سے سرگوشی کی تھی۔

☆ ☆ ☆

رنگین بازار کی رنگ کے کرتے اور سفید لٹھے کی شلوار میں ملبوس وہ اپنے کھرے پاؤں سنوار تا ساجد علی کی کار سے نکلا جو اسے پر بھی تھی۔ نواب کے نیا تھا۔ اس سے آگے اس کی پرانے ماڈل کی مرسڈیز جا چکی تھی۔ مگر تھی یہ بھی مرسڈیز تھی۔ گاڑی کے نواب شمشیر یاب خان کے تصرف میں تھی مگر چند دن بابت کی ادائیگی کے سلسلے میں باہر ہوا میں تھی۔ وہ اپنے والد کی اپنے دوست ساجد علی کے حوالے کر گئی۔

"کل کا کیا پروگرام ہے؟" اس نے چلتے چلتے جھانک کر پوچھا۔

"آج بھی پتا نہیں۔"

"ولی منتظر تو نہیں ہو گا؟" دراصل اس کے بغیر۔

"ارے جگر کس کی ہمت ہے کہ ساجد علی کے بار سے پاس آئے۔ تم وہیں اتر جاؤ۔ رکشے کے میرا انتظار کرنا۔ میرے ایک مہمان ملک مقبول صاحب بھی آنے والے ہیں۔ انہیں لے کر ہی پہنچوں گا۔"

"یہ ملک مقبول ہوں گے نہیں پھولے دار ہی رہتے ہیں۔"

"ہاں ہاں بیٹا بیٹا بڑی لڑکی ہے۔ اب دور سے شک نہیں رہا تم لوگ پکے ہو رہی ہیں۔ کھڑے کھڑے کہتی ہی فکر کا ذرا الو ملا سکتا ہے امریکہ کلاس کیا ہے۔ سوچ رہا ہوں۔ مرزا فرحت بھی جا رہے ہیں ایک خالی طائفہ لے کر میں بھی کہیں پھر لگا کی آؤں۔ سنا ہے لوگوں کے ایک ہی پھیرے میں دن پھر جاتے ہیں۔"

"نہ تو میں نے بھی کی ہے۔ اچھا چلو کل ملاقات ہو گی۔" وہ اسے ہاتھ ہلا کر اندر مڑ گیا۔ اتنی قسم کی چوس والے کر سے کا سرور ساری رات کے بعد بھی اب تک ہلکا ہلکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسی ترنگ میں وہ گنگناتا

ڈولتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ "ملیں کی شان" عنایت کے پان والے کھوکھے سے عنایت بھٹی کی آواز آئی۔

"مغل صاحب کدھر؟"

"ہیں بھئی عنایت۔ بیٹھے ہو میاں؟" آتشیں پان کی طلب کو ہوا دیتی یکایک بھڑکی کہ بار بار ہاتھوں مغل کے قدم خود بخود اس جانب بڑھ گئے اور اس وقت اسے قطعی یہ یاد نہ رہا کہ وہ عنایت بھٹی پنڈی کی گنتی سو روپے کا مشروط ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے پچھلے دو چار مغل سے وہ محرک جانے کے لیے چھپی گلی کا راستہ استعمال کر رہا ہے۔

"مغل کا گدھا ایک خاص نکاح پان۔"

"مغل صاحب، آج بیٹے ڈیڑھ بیٹے بعد آپ کا دیدار ہو رہا ہے خیر تو ہے۔" عنایت نے پان لگانے کی خاطر گدی کے نیچے سے حساب والی بوسیدہ سی کاپی نکالی جس کے کھرچ ہوئے کے اچانک ہی بار بار آیا کہ ایک مہینے تک اس سے کترائے پھرنے کی وجہ کیا تھی۔ اچانک اس کے ہونٹ بھی بارخ سے سکتے کا سرور کم ہونے لگا۔

"مغل صاحب، کچھ تو خدا کا خوف کھاؤ۔ پچھلے سات مہینوں کا حساب ہے۔ پورے آٹھ سو روپے ہم پانچ سو کی دیہاڑی والے بندے۔ تمہیں ہم اتنے لمبے لمبے حساب نہ رکھا کریں۔ یہ کالی دیکھ میں کسی کارڈ کسی کاغذ میں لکھا کریں۔ حد ہے تو کسی کا پانچ ہزار۔ آپ تو اللہ کے ساری عمر حساب اٹھائی پکارتے۔" اس کے تیر خاصے کارگر ثابت ہوئے تھے۔

"چلو عنایت میاں، تمہیں ہم تو اعتبار ہے ناں کہ ہم حساب پکا ضرور دیں گے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اعتبار کیا ہی۔ گنجائش ہی ہے اور سب سے بڑھ کے بڑے مغل صاحب کا نام۔ ساری عمر اتنوں نے کسی کا ایک پیسہ کا حق مارک کر نہیں دکھا اور آپ۔۔۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" اسے برا لگ گیا۔

"ایک تم تو ٹوک نے دیدار بے صورت بہت جلد ہو جاتے ہو۔ ایک آٹھ سو کے لیے برسوں کی واقفیت منٹوں میں بھلا دیتے ہو۔"

"ہیں جی سوا آنے درست۔" اس نے جھینپ بنتے ہوئے کہا۔

"سنو بھئی کسی ایسے صورت ہی کسی۔ آپ ہمارا حساب دیکھتا کریں جی۔"

اسے کسی طرح یہ لمبی بحث کے بارہ ہاتھوں مغل نے کرنے کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایک ہزار کا نوٹ نکال لیا کل رات ایک عرصے کے بعد اس کی قسمت جاگی تھی اور اب تو وہ بازی جیتتے ہوئے دوڑنے لگا تھا۔ مسلسل ہارنے کے بعد اس پر سے اس کا اعتماد ختم کر دیا تھا اب تو پچھلے دن کچھ دو بھی نہیں تھا۔ مگر پرانی عیاشی کی محبت۔ دنوں سے یہ محبت بھی کبھی اچانک جوش مار دیتی تھی اور وہ سب بھلا کے پھر سے بازی لگا بیٹھتا۔ رات بھی ایسا ہی ہوا۔ ایک تو دوروں کی محفل، دوسرا نشے کی خمار اور تیسرا سب کے درمیان سبکی کا احساس کہ دوسرے کیا سوچیں گے۔ بار بار یوں مغل اندھا دھند ہو رہا ہے کہ ایک بازی تک نہیں لگا سکتا۔ پہلی بازی اور دوسری دونوں بار کھیلنے نہ کرتے ہوئے بھی وہ دوسری بازی لگا بیٹھا کہ نقصان کی تلافی ہو جیت گیا۔ مگر جیت بھی سوائے حیرانی اور پشیمانی کے کچھ نہ دے سکی۔ کیونکہ جیتے ہوئے سات ہزار میں سے پانچ ہزار کو تیسری بازی کے دینے پڑے۔ جس کے لیے وہ سوچ سوچ کر اپنا نشہ خراب کر رہا تھا کہ کہاں سے بچائے گا۔ دو ہزار جیب میں پڑے تھے اس لیے دل سے ایمان ہو رہا تھا کہ جیت نے بھی حوصلہ اور دل بڑھایا تھا اور پھر یاروں کا اصرار۔

"چلو دل کرتے ہیں۔" کسی نے ذرا سے کہا۔

"ابل۔ مغل جو ہے ہزار سے کہیں میاں۔"

"کل سے باہر مغل۔ مغل ہو کے بھی ہاتھوں والی بات نہیں کرتے۔" یہ طعنہ کاری ہی اور اس نے بھڑک اپنے فقط دو ہزار نکال دیے۔ ایک بار پھر ہاری مقدر نے۔ مگر جو جیتا تھا اس کا جوش و خروش اسے مزید دسک لینے پہ اکسا رہا تھا۔ وہ کوئی مزید چلنے پر مصر تھا۔

"ایک اور دل۔ آخری بار۔"

"پچھلے زیادہ ہی ہے اور اب لوٹ جانا ہے تھوڑا تھوڑا۔ ساری تھوڑی رہنے ہو کچھ کم کرو۔"

"بھلو میں کی ہے ہاں۔"

یہ بھی وہ آخر بار تھا۔ بھاگنے کو تھا۔ مگر دوستوں نے زبردستی بٹھا لیا۔ اس نے بھی سوچا زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا بار جاؤں گا۔ جہاں چودہ کھائے چھ میں اور سہی۔ اور اس وقت اسے ذرا احساس نہ ہوا کہ فی الحال وہ خود اور میں دو تہائی پانچ ہزار والی امانت کی کوئی چیز بھی نہیں رکھتا۔ لیکن یہ بے فکری اسے اپنے ان دوستوں کی جانب سے عطا کردہ تھی جو ہر وقت اسے قرض دینے پہ تیار رہتے تھے خصوصاً نذیر علی۔

اور تب وہ خود کا بنایا ہوا جیسے میں ہزار جیت گیا۔ حالاں بعد اتنی رقم پہ شست جیتنا لوٹ چکیں نہ آدھا تھا۔ چلو اتنی واقعہ ساجد علی کے پکانے جو کچھ دیر پہلے ہاری بازی کے لیے اس سے لیے تھے۔ پچھلے ہفتے لوٹ جو دو ہزار لیے تھے وہ بھی اس کے دینے دے دیے۔ چند روپے سوداروں کو مجموعہ لوٹا دیے۔ باقی اصلی ہزار جیب میں ڈالے یہ سوچ کر گھر جا رہا تھا کہ چوبیس ہزار تو ناگی کی شراب اور ادھار کے سگریٹ کے بغیر گزرے گا کہ یہ بیوی کا بچہ سامنے آیا۔ دیکھتے ہوئے بھی ایک نوٹ سے نکالنا ہی پڑا۔

"یہ لو میاں، تم خوش رہو، ہمارا کیا ہے کر لیں گے گزارا۔ کسی نہ کسی طرح۔" اس نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے ان پانچ سو کے علاوہ اس کے پاس دھیلا نہیں ہے۔

"اس پانچ سو؟"

"پانچ نہیں میاں چار۔ چار سو کوٹ تو فی الحال باقی کے چار سو ایک دو روز تک لا دوں گا۔ اب یوں خالی ہاتھ تھے چھوڑ دیا تمہیں اچھا کے کیلو کا ایک سو ہے۔"

"ظلیں، مغل صاحب چار سو ہی سہی کمبخت ہی رہا ہی ہفتے تک دے دیجیے گا۔ آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ ہم تو ریہاڑی والے لوگ ہیں۔ روز کے پچاس سو کر لے کر جاتے ہیں۔ دو دے ساتھ ایسے لیے حساب نہ رکھا کریں۔ میرے بڑے لڑکے کا موسم کا واقعہ جانا ہے اگلے ہفتے۔ اس کے بھائی کے۔" اس نے سو کا نوٹ لوٹاتے ہوئے بادیدہ آ گئی۔

"ضرور ضرور۔" وہ سہلا تا آگے بڑھ گیا۔ کنڑی سے چند قدم کے فاصلے پر اسے پھر سے رکنا پڑا۔ گیٹ کے اس طرف چھپی ہلکا کھری جھاڑی سے آواز آئی تھی۔

"او تیرا ہو۔۔۔ مغل جی آ گئے۔"

نشہ ٹوٹنے کے بعد دوسرے اس کا سر بیٹھا جا رہا تھا اور یہ عنایت کی بک بکنے اور ایک پانچ سو کے نوٹ کے ساتھ بھوڑ دینے نے مزید دل جلا دیا تھا۔ اپنے میں ہلکا کھری پر تاک صدا بھی اسے خفت کا کڑوا مزا دے رہی تھی۔ مگر اسے سوچ کے اس طرف مزا دیا۔ یہ بھاری بھرکم لگنے والی بڑی سی جہازی آسامی کے علاوہ میں "ہلکا کھری" کے نام سے مشہور تھی۔ اس پر یہ وقت دن۔ لوگ آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ سردیوں میں ہاں کرسیاں لیے "ٹھلا" ہر شام ہی آباد ہو جاتا۔ خوب گپیں گھٹتیں۔ چائے پانی کے دور چلتے۔ ہلکا کھری راہ گزرنے کے بعد بھی وہ تھا۔ اس وقت وہ تنہا تھا۔ آیا تھا۔ اس نے کوئی اور ہمراہ نہ تھا۔ کنڑی کا ہمراہ کنڑی کا ہمراہی موجود تھا اور تنہا اس لیے کہ اس کی کھڑکی شیشوں جیسی کنڈی چندلیاں دو دھاری دار کی تہمند سے باہر لگی ہوئی تھیں، ان کو ہلانے کے لیے ذہن پہ زور ڈالنا پڑتا تھا۔ ایک ٹانگ موڑ کے اور دوسری نیچے ٹیرا مصلی کی گود میں لٹکا بیٹھا کھری خوبرو جوان سے باتیں کر رہا تھا۔ تو جہاں ایک رجائزہ بیٹھا تھا وہ عمر زدہ

ہونے اور شوکر جیسی بیماری کا شکار ہونے کے بعد گریب سے نکال دیا گیا تھا مگر اب اس کی گزر بسر کفتری کے توکری سے ملنے والی امداد اور اکھا گجری سیوا سے ملنے والی رقم پر ہوتی تھی۔

"تو شرابی ہو بے رنڈی بھی منتھے لگے ہو۔" اگرچہ آج کل رمضا کا مقوص ہرگز نہیں تھا مگر پھر بھی اس نوان میں بات کرنا اس کی عادت بن چکی تھی۔

"بس یار۔ مصوبیت ہی نہ آ گئی۔" اس نے کہنا چاہا کہ اس کا حلق خشک تھا مگر کہہ نہ سکا۔

"ہاں بھئی مصوبیت۔" اس نے شیدا مصلی اور نور جہاں کو بھی لطیفہ لگاتے ہوئے ہنستے سنا تھا۔ نور جہاں شانے پر رکھا میلا چیک "پرا" منہ پر رکھ کے ہنسنے لگا اور شیدا کے بھی پیلے پیلے دانت نکل آئے۔ بابر کو سخت ناگواری محسوس ہوئی۔

"ہاں بھئی بڑے لوگوں کے بڑے کام۔ تسی اوڑی طرح ویلے بیٹھے تو ہو نہیں جو بیٹھے منجا توڑتے رہو۔" اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

"ارے کدھر سرکار۔ بٹھوا رہے ہیں آج کوئی نہ کوئی بیوہاں۔" اس نے اسے پیٹھ دیکھ کے پکارا اس کے سامنے ہی وقت بھی بیوہاں والی بیٹھی سی کاسنے کا کل ساز تھا اس بھرا رکھا تھا۔ دری کا خالی دوہا پوریوں اور پھلکوں کی بنی تھی باقیات بھی نظر آ رہی تھیں۔

"نہیں شکریہ۔ پیٹ بھر کے پیٹ موٹھا کا نپ رکھ دیا تھا اور اکھا گجری کی طرف مسکرا کر اس اور کیسوں کے سامنے اسی تفصیل اس کا بیان چھڑا رہا تھا۔

"مجھے اس وقت سخت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ رات کو مسجد پہ ملاقات ہو گی۔"

"اگر مصوبیت نہ ہوئی تو۔" اس نے جاتے جاتے پھر پیچھے سے نظر کیا۔

"میرا مطلب ہے تمہاری مصوبیت۔ میرا کیا ہے اسی گلی پہ صبح سے رات اور رات سے سویر کرتا ہوں۔ بھئی تم لوگ تو ہو مصوبیت۔"

"ایسی انسان کیونکہ صبح کے وقت گھر گھر جا کے اپنی دوسری بھی بیمنوں کا ذکر اور وہ پیٹھے والا وقت بھلا کیا آج تو بھی قصرے کس رہا ہے۔ احسان مانے میرا اس کی چھٹی چوری میں پھنس کے اوئے ہوئے ساری جائیداد گروی رکھ دینا۔ بلوانا احسان فراموش بھی ہنکا کھلا دیا تھا میں ملنے والے ہر انسان کے سامنے کہ اب ایک زرد ست کھور لے رہے ہیں اپنے کرت تک بیچنا ایک کھو کر دوا ہے۔ پر بھی کہ۔

قیس کی تباہی کرنی ہے۔ میں نے تو بڑے سے بڑے مصیبت قیس۔ سوتی اور چھوٹے کیلے کے نیچے چھپا کا ہم اپنے خیال تھا کہ یہ اجرت پہننے والے کپڑے تو ہیں نہیں۔ وہ دو پھیلی پہنے کی تو اقدس کی قیمتیں تھی۔ لیکن کی یونیفارم کے کپڑے ملی ہیں پہنچ گیا تو قیس نے موج پھوٹے کی قیمت علی سی کا جانا نہ دیا ہی سکول نہیں جا تا تھا۔ لیکن گھر علی اسے بھائیوں کی پرانی قمیصوں سے بنوا دی دعاؤں کے ساتھ ہی بھاری بھی لیکن اسے یونیفارم پہننے کا مت شوق تھا۔ بے چارے کو ملازمی کی طرح کپڑے بھی بڑے بھائیوں کے پرانے پہننے پڑے۔ شمشیر نے ہاتھ ساتھ نکال لیا تھا کہ وہ بہر اپنے ابا کی تصویر تھا اور اخبار مضبوط کا بھی اس کے منہ سفید رنگت بابر بھی پہلے تو ٹھیک خاک ہی صحت مند تھا مگر اب نشے نے اسے بالکل دھانچہ بنا کے رکھ دیا تھا۔ تو بھی مناسب ہی تھا۔ کی وجہ تھی کہ اس کے ابا سے اترے کپڑے اب معمولی سی کلف جھاڑ کے بعد شمشیر کے استعمال میں آ سکتے تھے اور وہ اس سے نہ بچ سکتا تھا۔ سنتے تھے کیونکہ۔ بابر کی شاہ خرچیوں کا ہی نام تھا۔ کھیر میں کھانے کو کچھ ہو نہ ہو اسے دوستوں کی محفل میں اپنی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور شان میں قائم رکھنی تھی۔ یا سمین اس کے ہوتے ہوئے کلف لگے کپڑے بنا کے استری کرتی بچوں کے پہنے ہوئے نہ ہوں اس لیے کپڑے اسے نکل آتے تھے مگر اسے کر سکتی تھی اور تقدس۔ وہ بڑے سے پیدا ہوا تھا شاید اس نے کبھی بھائیوں کی اترن کے حصے کا

پہنا ہو۔ اسی حضور ہر سال عید شب برات پہ بچوں کے کپڑے بھیجتیں۔ شمشیر اور غلاب جو عمر کے بچے تھے ہر سال نئی عید کی شلوار قمیص پھوٹ گئیں اور وہ انہیں اقدس کے لیے نئے کپڑے بنانے سے منع کر دیتی کہ بھائی کے پرانے پہن لے گا۔ اس کے بدلے ان سے بے الفاظ میں ابا کے کیے زیادتی کرنے کی فرمائش کر ڈالتی۔

"یہ صبح صبح پوشاکیں پہنے بیٹھی ہو؟" اس نے بھیدی نظروں سے گھورا۔

"تل اور۔ بس فارغ بیٹھے تھے تو سوچا اقدس کی قمیص ہی سی ڈالیں۔"

"اسکول جانے لگا ہے۔؟"

"ہی نہیں ابھی تو گھر پہ قاعدہ پڑھا رہے ہیں ہم۔ اگلے سال انشاء اللہ پہلی جماعت میں داخل کرائیں گے۔"

"کیا ضرورت ہے؟ اتنی ہی فالتو ہو تو یہ "ظلمات" کی سلائی کی بجائے اسے ہی پڑھائی دیا کرو۔ دس جماعتیں تو پڑھ رکھی ہیں ماں تم نے۔ پھر دیا اسے چار پانچ جماعتیں بھی گھر میں پڑھا سکتیں۔ اسکول جائے گا تو خرچہ ہی بڑھے گا۔"

"سرکاری اسکولوں کا خرچہ کیا ہوتا ہے۔"

"خرچہ نہیں ہوتا؟" وہ بھڑکیں۔

"خرچہ نہیں ہے تو پھر ہر مہینے کس بات کے روتی ہو۔ کبھی کتابوں کے پیسے کبھی دوات قلم کے کبھی کاپی خریدنی ہے۔"

"یہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ قیس برائے نام ہے مگر کتابیں تو مفت نہیں دیتے تقدس کا کیا ہے بھائیوں کی پرانی کتابیں۔"

"زبان چلاتی رہو تم۔" وہ اچھل کے پلنگ سے کھڑا ہو گیا "شہر ساری رات کے بعد اب گھر لوٹا ہے بھائے اسے چائے ناشتا پیچھے کے سبھی تیاری ہو کیا چاہتی ہو تم؟ بالکل ہی گھر نہ آیا کروں۔" اس کے ذہن زور سے دھاڑنے پہ اقدس قسم کے بہن کی کوٹھی میں دبک گیا جس کا اپنا رنگ اندھی ہو جاتا تھا باپ اور شمشیر اسکول میں تھے۔

"کاش کہ اپنے دل کے لیے ناشتا بنا لیجیے۔" اس نے بھی کہہ دیا۔ اسے ہمت ہو گئی تھی۔

"تمہارے کیا ہاتھ پیر ٹوٹ گئے ہیں یا شوہر کی خدمت کرنا تمہاری شان کے خلاف ہے۔ ہاں بھئی نواب زادی ناشتے میں کیا لیں گے؟" اس نے تحمل سے پوچھا اور سلیپر پہنے لگی۔

"کیا ہے؟"

"رات کی دال بچی ہے روٹی پکا دیں؟ ایک انڈا بھی تو رکھ خانے میں پڑا ہے اگر ٹوسٹ کھانا چاہیں تو ہم اقدس سے منگوا دیتے ہیں۔"

"تم لوگوں نے کیا کھایا ہے؟" اسے پتہ تھا کل ناشتے میں دو دو انڈے لایا تھا آپ کل کھا کر نکلا تھا اور ایک بڑا دیا ہے۔

"دونوں بچے چائے میں باقرخانی بھگو کر کھاتے ہیں۔ وہ تو کل سے ختم ہیں اس لیے آج چائے کے ساتھ پراٹھا کھاتے ہیں۔ ہم تو صرف چائے لیتے ہیں۔" رفیق نے رات کے دال چاول کھائے تھے اور اقدس نے بچے ہوئے چاولوں میں شکر ڈال کر سو جانی تھی۔"

"ہوں۔" ساری تفصیل جاننے کا مقصد یہ تھا کہ آج اس کے سسر صاحبزادہ قیس علی خان کا چکر لگا تھا۔ وہ چند دن پہلے آتے تو آج تو دالیں بھی تھی کے ساتھ ساتھ پھل مرغی بھی دے جاتے اور بچے چند روز تک اچھا کھا لیتے۔

"تم بیٹھو ناشتا کرو۔ ایک کپ چائے بنا دو۔" رات کے دھلائے کپڑے پہن کر وہ ہیرا منڈی سے پائے لے کر لوٹی تو دست اور روغنی نان خود بھی کھایا تھا اور دوستوں کو بھی کھلایا تھا۔ ناشتے کی گفتگو میں بھی کہیں وہ ویسے ہی نظر آ رہا تھا۔

"یہ چائے ہے؟ تمہیں پتہ نہیں کہ میں بالائی کے بغیر چائے نہیں پیتا۔" وہ نے سرے سے گرم ہو گیا۔ حکایت بھلی اور انڈا گھر کی باسب سے دیا گیا۔ مار دو پریشان اور تم فرسٹریشن باہر نکال پھینکنے کے لیے ہمیں سے بہتر سہارا اور کوئی نہ تھا۔

"تو تم کلو دودھ آخر کتنی بالائی آتی ہے۔ دو چمچ بمشکل آتی ہے۔"

"تو دودھ کے کیا تمہاری دوش میں ڈال لیتی ہو۔"

"یہ کل کے دودھ کی چائے ہے اور اس کی بالائی آپ کی کل کی چائے پہ ٹنگ چکی ہے۔" اس نے بھرے تیور بگاڑ لیے۔

"صبح کیا مصیبت گزری ہے اللہ دا ویر۔"

"پتہ نہیں۔" اس نے سر تو ابھر کے جواب دیا۔ اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ باہر سے کم سے کم مخاطب ہو تاکہ وہ اس کی کمی کے سہ تھیکیف کر کے گھر و اپنا جان نکالنے کے لیے بہانے تلاش دھونڈنے کی زحمت نہیں کرنا تھا اور کسی بات کے بارے فضول سوالات کی بوچھاڑ کر کے اسے تنگ کرتا تھا۔

"تمہیں نہیں پتہ تو کیا پیر کے گھر والی صفو کو پتہ ہو گا۔"

"پھر پھر دن بن سے رقم کا تقاضا کر رہا تھا۔ وہ اکاؤنٹ کھلا ہو گیا ہے شاید اسی لیے آج دودھ دینے نہ آیا ہو۔ چائے بھی ہم نے تھوڑی بنالی تھی اور اللہ کے چاولوں میں بھی صرف شکر ہی ملائی تھی۔ آپ کی چائے کے لیے دودھ بچ جائے۔"

"اردو تمہارے چچا حضور وہ صاحبزادہ نفیس علی خان۔" ہاں خرد و ہمراہ لگتے لہجے میں ان کے بارے میں پوچھ ہی بیٹھا۔

"کسی کی حوالی بار ساری نہیں آئی؟"

وہ جب بری تو تج کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا پیالہ سامنے دیوار پہ دے مارا۔

"ایسے پھینکی جاتی ہیں لڑکیاں۔ تمہارے خاندان میں یہ جو بری میرے گلے ڈال کر دوبارہ پوچھتے تک نہیں کوئی آتا۔"

"کوئی۔ کوئی مجبوری ہو گی ہو سکتا ہے ان کی طبیعت ناساز ہو۔" وہ افسوس سے زمین پہ گری کرچی کرچی ہوا پیالہ اور دور تک پھیلی چائے دیکھنے لگی۔ بیچ کو خود سے بڑا چھوڑ کر اس نے یہ زمانہ اور وہ بچا نہ تھا اس بے فیض شخص کی چائے کے لیے جو سر دشتوں کے ساتھ ساتھ رزق کا احترام بھی بھولتا جا رہا تھا۔

"ہونہہ طبیعت ناساز؟" اس نے بگڑ کر ابھرا۔

"مرے بیٹے کے بیٹے ہیں۔ ہماری طرح رات کی دالی اور سوکھی روٹی پہ نہیں پل رہے۔ پیٹ بھرے ہوں گے اسی لیے دن کے ساتھ ساتھ چولی آنکھوں پہ بھی چڑھ گئی ہے۔"

وہ چچا حضور کے بارے میں اپنے گستاخانہ کلمات برداشت نہ کر سکی اور کرچیاں سمیٹ کر پھینکنے کے بہانے باہر نکل آئی دروازے کے ساتھ دکھے ایک برابر کے کمرے میں کرچیاں پھینکیں جو کوڑے دان کا کام دے رہا تھا۔ دوپٹے کے پلو سے بے ساختہ بہتے آنسو صاف کر کے اندر جانے کو مڑی تو اللہ دتا کو منہ کھولے باہر نکلتے دیکھا۔

"کمال جا رہے ہیں آپ!"

"ہاں جان نے دیوا ہے۔" اس نے خوشی سے کھلتے چہرے کے ساتھ سو کا نوٹ دکھایا جسے ناہاں نے بے دردی سے اسے گولیاں ٹافیاں کھانے کے لیے دیا ہو۔

"اور کہا ہے کہ اللہ دلو کی دکان پہ نہ جانا اس سے ذرا آگے نئی دکان کھلی ہے اس سے ایک کلو دودھ اور ایک پاؤ

ملیں لے کر آنا۔"

"ایک منٹ رکیں۔" وہ اندر مڑی۔

"صبح ایک کلو دودھ اکٹھا منگوایئے۔ موسم گرم ہے پرسوں کل تک خراب ہو جائے گا تو مہ کلاب شوالیں جو دودھ کلو کل منگوا لیتے گا۔"

خلاف توقع وہ کوئی بحث کی کے بغیر صرف سر ہلا کے رہ گیا۔ یاسمین نے اللہ دتا کو دیا وہ کیا کہ کل اور مل ہی مل میں پھوٹتی اندر بھی آئی۔ اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ ہونے ہوا بر کیا ہے۔ تبھی خاصی رقم لے کر سو سو جانا وہ جی گھر کے استعمال کی کوئی چیز منگوانے کی حماقت نہ کرتا لیکن اس شک کا اظہار کر کے وہ نئے طوفان نہیں جگانا چاہتی تھی۔ بابر ریڈیو کا اسٹیشن ڈھونڈ رہا تھا۔ بابا خرابیک جگہ اس کی پسند کا گانا آ ہی گیا۔ چند ثانیے سوہا کرنے کے بعد اس نے بابا خمار کے ریڈیو بند کر دیا۔

"اس گھر کا کوئی بھی کہیں نہ کہیں میں زیادہ خلف آتا ہے۔" وہ بیٹھ کے پھر اور نواز ہو کے جھٹکے لے کر سوچ کر کے لگا۔ یاسمین نے آنکھ کے کونے سے کاشف کو مطمئن ہو کے ہونے کے لیے کمرا دیا جب پہلے دروازے میں کے دہلیز کے پاس رکھی بچی کی پیٹھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی سامنے جائی کی دیوار پہ دیدہ چادر کا پردہ ہاتھ میں کے اس پار سے ہے۔ مشکل کہ کبھی سے آتی مختلف آوازیں اس کا دھیان بٹانے لگیں۔ کبھی کبھی سے موٹر کے کار پہ نکل نیچے تھیں اسکول کالج جانے کا رواج یہاں کم ہی تھا۔ چند عورتیں بھی تھیں جو سیدھی سیدھی کام کرتی تھیں جا تا تھیں اب یہیں کی عمر کی لڑکیاں گھروں میں جا۔ صفائی اور کھانا پکانے کی ذمہ داری انجام دے رہی تھیں یا پھر چھوٹے چھوٹے بچے اپنی دادی آزادی کر زندگی کو انجوائے کرتے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگتے پھرتے تھے اکثر لوگوں نے اپنے گھروں سے باہر صحن میں رکھے ہوئے تھے اس لیے چولہے کے نزدیک بیٹھی وہ ساری کی ٹھرکیاں بلند آواز میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان کی آوازوں کے شور میں اندر سے آتی بابر ریڈیو کی آواز اب سنی گئی جس میں وہ اب کسی پسندیدہ گلوکار کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

"صورت ہو ایسی کہ کڑوے سالن اس کے چہرے اور سراپے کو دیکھے بغیر گزر جائیں۔ نہ سالن اپنی بھوک جیسی نہ سیدھا اتر جائے۔" اس نے حقارت سے یاسمین کے سادہ سے سراپے کو دیکھا ہو ڈھیلے ڈھالے سوتی جوڑے میں ملبوس تھی۔ کمرے کے اندر اپنے شوہر کے سامنے بھی ملگجا کر اتنا لاپروا تھی کہ کھلی ڈھلتے ہوئے تھے۔ لمبے بال جن میں کہیں کہیں چاندی کے تار جھلملانے لگے تھے سیدھی مانگ میں بندھے تھے۔ گہری بھوری اداس آنکھیں بیٹھ رات بھی صاف ہوا کرتی تھی کرب میں ڈوبی کھنچی کھنچی سی۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے چھابیوں کے ساتھ ہو جو زندگی کے بعد کمزوری کی وجہ سے کروٹ ہوتے تھے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے جو سلائی مسلسل کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے خلل اب سخت مجبوری سے ہاتھ پیر اور بے لوچ جسم آواز۔

"کوئی بات ہی تو ہے۔ کسی کی بات کا جواب نہیں بنتا۔" یاسمین کی خاموشی اسے اور تھنڈا کرتی تھی۔

"کیا کیا میں اکبر۔" وہ بیزاری سے اسے دیکھنے لگی۔

"لوگ کچھ کہتے ہیں تو آپ زیادتی کا الزام باندھتے ہیں۔"

"اس کی بیٹی ہو۔ جو ہر کو کرتی بھلے دو سیں تک اتنی کیوں نہ پڑھا ہو۔ چلو شکل و صورت تو اللہ کی طرف سے ملی۔ طریقہ سلیقہ تو خود آ جاتا ہے۔ شوہر سے کیسی باتیں کرتے ہیں کیسے اس کا دل ہلاتے ہیں۔ تمہیں بھی نہیں آتا۔"

"خیر شوہر سے باتیں کیسے کرتے ہیں یہ ہنر تو ہمیں بھلی آتا ہے۔" وہ صرف سوچ کے رہ گئی۔ اللہ دتا کو آتے دیکھ کر بولی۔

"ہم آپ کے بارے کو کرتے ہیں آپ کے لیے۔" وہ اس کے سامنے چائے اور جلیبیاں رکھتے ہوئے اس نے بنا خبر اس سے کرسی ڈالی۔

"ہم سوچ رہے تھے کہ آپ سے چچا حضور کی طرف جانے کی اجازت طلب کریں۔ تقریباً تین ساڑھے مہینے ہو گئے وہاں جائے نہیں دیکھا بچے بھی کہہ رہے تھے۔"

"ہونہہ ایسا حضور۔" اقرا مقدامش ڈالنے لگی وہ بے حد خوشبو دار چائے اور گرم گرم جلیبی نے شاید اس موقعہ سے گوارا کر دیا تھا اس لیے کھل کر بنکار ابھرنے اکتنا کیا کیا ورنہ اس کے تیکھے جانے کے مطالبے پر وہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ تھا یا تین ابی وجہ سے کئی بار کی ناکام کوشش ہی آئے اور غصب میں آئے بغیر نہ رہ سکے ملو لوگ بیوی کو وہاں جانے سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہ سے کم مسرتیں کا سامنا کرنا چاہتا تھا اسے خدشہ تھا کہ اس کے مسرور اس کی چوری کی لت شراب نوشی اور جوا کھیلنے کی عادت آشکار نہ ہو جائے اور صاحبزادہ نصیر خان بیویوں تو خاصے بند ذہن تھے خود کو مرا تنے سالوں میں ذہانت کے طور طریقوں سے واقف نہ ہو سکے اگر کبھی کسی تو وہ بیوی ہی دیا صرف اتنا جانتے تھے کہ داماد صاحب بے روزگار ہیں اور مسلسل مستقل روزگار ہیں سلیم کیلئے نے بھی مدد سے ایک لفظ نہ پھوٹ کے دیا۔ اس کی اجڑی اجڑی آنکھیں اور اتنا دیکھنے اور ہر بیٹھ کر بیس ہزار دو ہزار کا مالی زوال آتے ہیں کے خیال میں شاید یہی تمام کھوں کا مداوا ہو۔ کسی نے سچ ہی کہی تھی انسان سے پیدا کھوں کو تو یہ ٹھیک ہی چاہیا کرتے۔

"انہیں تو قطعی نہیں ہوتی کہ تمہاری خیر خبری دریافت کر جایا کریں۔ میرے کسی دیوری کی طرح تو نہ پھیکا تیم تھی کہ جب بھی کی کڑوا تے ہیں کہ یہیں کچھ دنا بالا نا نہ جاتے تو تمہیں کیوں ہر ساتھ رہی ہے۔"

"یوں تو مت کہیے ہر ماہ باقاعدگی سے آتے ہیں۔ اس بار چند روز زیادہ ہو گئے ہیں ضرور کوئی وجہ ہو گی۔ ہم اس بھی جانا چاہتے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ وہ علیل نہ ہوں اور دوسری وجہ یہ کہ صاحبزادی کل مہر کا رزلٹ نکل آج کل میں۔ سنے والدہ کا اس نے مبارکباد بھی دے دیں گے۔"

"اچھا اچھا کل صبح میرے ساتھ ہی۔ تمہیں تو جاری کر لو شام کو مجھے کہیں جانا ہے تمہیں چھوڑتا ہوا کا۔" "اچھا کہ اسے بڑا آپ کہ آج کی اور کل کی رات تو اسے باہر گزارنا ہے اچھا نے گر خال ہو گا کوئی کل کی۔ آج رات اسے ساجد ہی کے کسی ہاں سے مثلاً جانا تھا اور کل رات بھی ساجد ہی کے ایک ہیوز نگل فنکشن میں شرکت کرنا تھی۔ ساجد علی ایک بیوٹی موسم تھا اسٹوڈیو جاتے ہوئے فنکشن کرتا تا ہے میوزیکل شو کروانے لگا تھا۔ اس کے گروپ میں پندرہ سولہ لڑکیاں زیادہ تو نہیں تھا ہر لیے فنکشنز آتے ان سے متعلق کرتے رہتے تھے اس بازار حسن کی چند طوائفیں تھیں۔ امراء اسے کہہ ایسے فنکشنز آتے ان سے متعلق کرتے رہتے تھے اس کی بیوی تو ساجد علی نے خاصا مارا تھا اتنے مشہور اداکار کو بھی اس کی بیوی کی پٹائی کرتے رہتے تھے اس کی جس میں ماہر کھلاڑیوں کی پیدا مشق کے بعد چند ہفتے پہلے ہی اس آشنا ہی رکھے گئے تھے اس نے ملتان کے بازار کی بیوہ رقاصہ ہیرا منڈی کی تھیں جنہیں لانے کی ذمہ داری اس نے اپنے پرانے دوست دونوں مثل کے سپرد کی تھی بازار والے کمس میں کیا عرض تھا ذرا تو اسے ہی وہاں چلنے کی بازاری محو ساتھ لو دیدے میں چند ہزار کی رقم لگ جاتا کل ہی روز کے فنکشن میں ڈانسر کے لیے محاورہ کرنے میں ہو جاتی تھی۔

"ہم ایک دو روز رکیں؟" اتنی جلد اجازت نہ جانے دریا تھیں کا حوصلہ بڑھا۔

"ہاں ایک روز۔" اس نے تسلیم کی۔ "زیادہ ٹھیلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ویسے بھی وہ ہوتا تھا کہ خبر ہو جاتا کہ اتنی تو بیچ جانے کے ساتھ روز تمہارے پیچھے ہوں دوسرے ان کے تانا حضور و افراد میں دیکھ تھی باقر خانیاں بھیجیاں ان خطائیاں لا دیتے سب ہو جائیں گے تو ظاہر ہے کہ خالی ہاتھ تو نہ لوٹیں گے۔

"فیصلہ" اس نے پگھلتے ہوئے مطالبہ کرنا چاہا۔

"کچھ روپے ہوں گے؟"

جواباً باہر نے تو ہی چڑھا کے اسے گھورا وہ گڑبڑا گئی۔

"اگر نہیں تو ہو کوئی بات نہیں اتم تو ہیں۔"

اتنے میں آتا لیتے روپے پہنچے "اس نے بیٹے کو آواز دی۔ وہ فوراً اٹھا پاپ رکھے نوٹ آگے بڑھانے لگا۔

"یہ نہیں ناہیاں تو ہو رہے۔"

اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ بے چارہ سہم کے سر جھکا کے رہ گیا۔ وہ یہ حساب کتاب ہو رہے۔

"آہ کھو دو بار روپے کا اور شاید دس روپے کی جلیبی آئی ہو گی۔" "سلیمن نے وضاحت کی۔ ہر بڑے ایک کا نوٹ زرد رنگ تھے اس کی طرف پھینکا اور بقایا نہیں رہے جیب میں ٹھونستے ہوئے بڑا احسان جتایا۔

"لے جا کر کھا لیں میری دولت یہ احسان نہیں کر رہی۔ ہونہہ تمہیں خود کو اٹھ رہے ہیں گھر سے بھاگنے کے جرائم ہیں۔ مصیبتوں سے ساری رات جاگ کے یہ ایک نوٹ کمایا تھا اس پر تم نے نظر گاڑ رکھی ہے اور کھو گیا ہے۔"

"لیکن جب چاپ نوٹ تھی یہ دو پہلے بھی ہی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ ساری رات جاگ کے اس نے کس قدر محنت کی تھی شرمندہ ہوئی میں ہوتے اور پیس میں بھی کھا رہتے یہ نوٹ اسے کہیں سے ملا تھا کہ یہ فلاحت کی طرح کے تھے مگر اب بھی "وہ انہیں کچھ کر لیا ترقی تھی سوچنے کی اس سو پچاس روپے کی نوٹ بھی میں نوٹ کر لیا کرتا۔ وہ بھی جانتی تھی کہ یہ تین روپے باہر نے صرف پہننے کے لیے لائی تھی جب میں بھی کہ اس نے اس سوچے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لیکن وہ باہر کی فطرت سے بھی بخوبی واقف تھی۔ نہیں تھے اس کے لیے تھے وہ ہیں زیادہ میں تو یوں نہیں ہو سکتے تھے اسے یقین تھا کہ ضرور اس کے پاس اچھی خاصی رقم ہے

"اس نے تم کیا بات کر رہے تھے۔"

سلیمان تھوڑے دلیور رکھتے ہوئے بھی میرے سلسلہ تعلیم رہا ہو رہا اور وہ نہیں "نشتر میں مصروف یا کر ہی کی تراش کو جا رہے لے رہی تھی پوچھ کے روکی۔

"آپ تو یہ بھی جانتی تھی کہ تقریر کر رہے تھے۔" "مرتی ہے تو اس تھی تھا یا۔ گل میرے سپنا کے لیے کبھی بھی ماری ہی ہو گی۔ مشکل ہی ہو گی۔"

"ہاں بھی بچ جائیں تو ہو چکا ہے۔" سلیمان تھوڑے سے واج چہ نظر ڈالی۔

"آپ کی بات کی پیرا بہت بار کہتی ہیں۔" "مرتی کی بھوک شاید کچھ زیادہ ہی لگ رہی تھی آہستہ گل میرے طرح ان کے ساتھ جانے کی تھوڑے کے گھر کے۔ بے شک دو مل کے انکل تھے اور مرتی اس کی بہت فرینڈ تھی اس سے دوا سے ہی ہر کی جاتی رہی تھی مگر سر مل اس کے لیے تو یہ خیر ہی تھے۔ ان کے ساتھ ہو فلنگ کے بعد

"گل بھی سلیمان تھوڑے آسان کر دی۔"

"سلیمان تو جاتی ہو کہ میں پہنچ جاتی نہیں اور پھر میں مشکل بعد سیری بات اپورٹ میٹنگ بھی ہے ایسا ہی میں تمہارے لیے تھوڑی دیر کا پتہ لگوانا ہوں ساتھ ساتھ کام کی بات بھی ہو جائے گی۔ کیوں گل میر ہو جائے اور تب پتہ نہیں کیا ہیں ہاں!"

"ان کے ساتھ ریسٹورنٹ میں پتہ چلا بڑا مشکل تھا اس نوٹس میں ان کے ساتھ بیٹھ کر کچھ بھی ہو جاتا تھا جلد ہے تکلف ہونے کی اس کی عادت نہیں تھی۔ جبکہ کمار سے وہ کہہ دیتی تھی اس کی

"ہاں انکل۔" "میں شوق نہیں اس قدر پوچھ کے آپ گل میرے اطمینان سے بات کر لیں۔ اس کے بعد ہم ہیں اور کچھ بھی کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم آپ کے مہمان ہیں بھلے آپ ساتھ جائیں یا نہیں تو آپ کی ذمہ داری ہے۔"

"تو اب آپ کیا کریں گے؟" وہ ہنسے تھے۔

"تو کیا یار کرنا ہے، تمہیں اور تمہاری فرینڈ کو فائیو اسٹار کافی پلانے کرتا ہیں۔" انہوں نے ایک کارڈ والٹ سے نکالا۔

"ابھی کچھ کمی پڑی ہے میٹنگ کے دوران پی آر آ جائے تو میں چاہے اس کا عادی ہوں یا نہیں مگر انہیں لے جانا پانچ سٹار ہوٹل میں میرا پرمنٹ کارڈ بنا ہوا ہے، یہ لے جاؤ۔"

"زاویا انکل، زوست۔ دیتے بھی کل صرف اتنے دیجیے رولٹ پہ میں نے اسے ٹیسٹ کرنی تھی، چلو پھر سہی۔"

"بہت خوب، اپنی حلوائی کی دکان پہ پتا چلا ہے کہ رولٹ آپ کا واقعی بہت شاندار ہے۔" انکل کی برجستہ مثال پہ گل مہر بھی مسکرا دی۔

"ہاں، چلنا ایسا ہے کہ رولٹ آپ کا واقعی بہت شاندار ہے۔" انکل بھی بول پڑے۔ "رہا ایکسپیرینس تو وہ بھی آپ کا ہے گا۔ لیکن میرے پاس پارٹ ٹائم کی کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ میں آپ کو لوز انکل ڈیزائنر اور سیکرٹری کی جانب سے آفر سکتا ہوں گرل کو نوکس والی درست اسٹرکچر ہے ساتھ۔"

"تھینکس سر، لیکن ہم آگے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان فیکٹ پارٹ ٹائم جاب ہمارا پی انٹرنیٹ کے لیے ہی کرنا چاہتے ہیں۔ کل ڈنر جاب کے بعد ہمارے پاس اتنا ٹائم ہی کہاں بچے گا کہ ہم پڑھ سکیں۔ ہمیں فی الحال انٹرنیٹ ایکسپیرینس سے زیادہ اس سیکرٹری کی ضرورت ہے جس سے ہماری ایجوکیشن کے اخراجات نکالے جا سکیں۔ ہم اپنے کلاسز میں اپنے پوزیشن لے لیں تب اگر کوئی نوکری ایک یا دو بجے تک کی جاب ہو یا پھر۔"

"ضرور بیٹا، میں چاہتا ہوں لیکن پھر بھی میں دیکھ لیتا ہوں۔ شاید کوئی گنجائش نکل آئے۔ ویسے مجھے یہ بات پسند آئی کہ آپ ایجوکیشن کو اتنی اہمیت دے رہی ہیں۔ تب یہ ٹیسٹ جاننے کی کوشش میں ہی کہ میں آپ کو کسی سیکرٹری کا آفر کر رہا ہوں۔ یہ نہیں سوچا کہ اگر انکل کو ایک کمپنی کے ساتھ بھی آسانی سے جاب مل رہی ہے تو مزید پڑھنے کا بہانہ کریں۔"

"سر ہمارا مقصد صرف جاب کرنا نہیں ہے بلکہ اپنا ایک نمایاں نام اور الگ حیثیت بنانا ہے۔ ہم آگے جانا چاہتے ہیں بہت آگے۔ سیکرٹری کی سیٹ عارضی منزل نہیں۔ ہاں البتہ ہم جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمیں کوئی طور پر ایسی ملازمت ضرور کرنی ہے جس کر کے ہم بہتر ہو سکیں۔"

"ہوں۔ ایسا ہے کہ ایک کام ہے میری نظر میں میری فرم میں تو نہیں مگر میرا ایک بہت اچھا دوست ہے اسے کسی ایسے فریش بندے کی ضرورت ہے جو کمپیوٹر کی مدد سے نئے تجربے کر کے کام آپ کی چیز کا ہے اور خاصی بڑی ایڈورٹائزنگ اور مارکیٹنگ ایجنسی ہے پارٹ ٹائم والی شرط پہ بھی پورا کرے گا ایکچوئلی اس کا ایک پروڈکشن ہاؤس ہے۔ انکل لیمن شاید آپ نے نام سنا ہو۔"

"ہاں انکل یہ تو بہت معروف نام ہے۔ آج کل تھیٹر پر ایک جینئیس پہ چھایا ہوا ہے۔ بہت سے بہت ڈرامے اور پروگرامز کے کریڈٹ پہ ہیں۔" امتی نے تائید کی۔

"آج کل ایک بہت بڑے پروجیکٹ پہ کام کر رہے ہیں یہ لوگ۔ خدا خدا کر کے پورا پاکستان میں اب تک کا سب سے مہنگا سیریز ہو گا۔ اس قسم کا ایپیسوڈک ہے اس میں ایکسٹرا ایکسٹرز کی بہت ضرورت پڑے گی۔ کچھ دن میں ہی شیوٹ کا ہے۔ پوسٹ نہیں آپ کا انٹرسٹ ہے یا نہیں لیکن میرا مشورہ ہے کہ تب ایک بار ضرور ملیں۔"

"لیکن سر ابھی سیریل آئی ہی نہیں ہے ہماری طرف ہم بننا نہیں چاہتے۔"

"او کم آن بیٹا، آپ یہ تو انٹرویو جا رہی ہیں نہ۔ کسی شوٹنگ پہ آپ کا تھیٹر ورک سے ہو، تھیٹر ٹیسٹ کے ساتھ میں ہی پورا ہو جائے گا۔ آپ یا تو بنانا چاہتی ہیں نا۔ تو یہ تو ایک گولڈن چانس ہے آپ کے لیے۔ اگر یہ ادارہ ہٹ ہو جاتا ہے جس کے بنڈر ڈائریکٹ چانسز ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا سارا کریڈٹ اس کی کمپوزر ایڈیٹر کو

ایکسٹرا ایکٹرس کو ملے گا۔" انہوں نے قائل کرنے کی پوری کوشش کی گل مہر کی پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگی۔

"میں کے سر ہم سوچ کر جواب دیں گے۔"

"ہاں بالکل ضرور سوچیں مگر ایک دو دن اپنی ہیں آپ کے پاس۔ میں ابھی یہاں فون کر دوں گا۔ ستر ہو گا کہ آپ وہاں ایک بار آ جائیں وہاں کا ماحول اور کام دیکھ لیں پھر سوچیں۔ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"گل کے سر پہ۔" وہ رضامند ہو گئی۔

سنیئن کہہ کر اسے "انکل الیزر پروڈکشن" کا ایڈریس تفصیلاً بھی سمجھایا اور کارڈ بھی دے دیا۔ اسے ایک بار پھر یہاں جانے کی یہ زور آپ کرتے ہوئے انہوں نے تھیں ہوائی کرائی کہ وہ خود فون پہ بات کر کے گل مہر کے بارے میں بتا دیں گے۔ مزید کہیں سے نکلنے کی گل مہر نے چاہا جلدی کی۔

"ٹھیک ہے بیٹا میرے ساتھ شاپنگ پہ چلنا۔" ڈرائنگ میں کار لگاتے ہوئے اس نے پھر اصرار کیا۔

"یہ اچانک شاپنگ کا پروگرام کیسے بنا لیا۔ تھیں بھئی؟ میں تو گھر پہ ذرا آرام کرنے کا سوچ رہی تھی۔ آج تک کافی کہ کے تھکے ہیں اور زیادہ تھک رہا ہے۔"

"بیٹا تمہارا تو پتہ ہی ہے میں بھوک بھی میرے تھوڑے ہے۔ یار قسم سے زبردست بھوک لگی ہے پھر ٹوٹ رہا ہے۔" اس نے دانت بال میں داخل ہوتے ہی اور ہر طرف نظریں دوڑائیں۔ اکار کا ایلیمنٹ تھیں "خواہ تو کاروباری افراد ان اوقات میں یہاں پہنچ کے نے کیا کرتے۔"

"ہاں اب بتاؤ گفٹ کیا لو گی بھئی؟" امتی اپنی ایلیمنٹس تقریباً "بروش" سے بھرنے کے بعد اب تسلی سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

"گفٹ تو تمہیں دینے ہی چاہیے۔ آئی مین یہ جاب۔"

"اوہ تو تم نے فیصلہ کر لیا۔ پھر سوچنے کا وقت کس لیے مانگا؟"

"فیصلہ تو ہم یہاں آنے سے پہلے ہی کر چکے تھے۔ بس وقت لینے کا سوال تو وہ ہم نے اپنے سوچنے کے لیے نہیں، اپنے حضور کے سوچنے کے لیے کہا ہے۔" اس نے سلاد کھاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"تو یہ یار تمہیں اپنے گھر میں بات پہلے کرنی چاہیے تھی بعد میں یہاں آتیں۔ بہرحال تمہاری فیملی نہیں مانتی کیوں نہیں مانیں گے وہ۔" اس نے خوب کے بات کہی۔

"ہم کیا غلط کام کرنے جا رہے ہیں۔ فلموں میں ناچنے لگے ہیں یا محفلوں میں نمایاں گانے لگیں گے یا کسی بدقماش سے کورٹ میرج کرنے جا رہے ہیں۔"

"ہا۔ ہاہا۔" امتی نے طنزیہ قہقہہ لگانے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

"ساری باتیں ایک طرف اور تمہارے تین مفروضات ایک طرف۔ ویسے سوچنے اور سوچ سوچ کر مزا لینے والی بات ہے کہ آسمان تاریکی گل کسی پاتال ظلمت میں ستاروں والی سلیو لیس ٹی شرٹ پہن کے گلی چھلانگیں مارتے اپ اور بھونڈی سی ہو گل کے ساتھ بارش میں بھیگتے ہوئے ایک دوسرے کے سنیئے ہوئے مقدمے جیت کر ہوتے ہوئے "پیدی اے رسات دے" نہ جانیں آج رات دے۔" پھر شرارتی نقص پیش کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اسٹاپ اٹ امتی۔" اس نے بے ساختہ اقصور کرتے ہوئے ناگواری سے جھرجھری لی۔

"اور ڈی ڈی کے ساتھ وہ بیچ تھرو تھرو والے پروگرام کسی محفل بدحلال میں نشر پہ جیسی بھاری ساڑھی کا پلو موڑتے ہوئے "یہ بڑا سا گلبند پہنے ہلکی لیے مصنوعی بلیکیں لگائے بار موسم کی بے سری پریں ہیں میں ہیں اور طبلے کی پیٹ ناگ کے ساتھ۔" آ۔ آ۔ آ ہو ہا۔ ہا۔" امتی ناک لگاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اس نے ڈھکا منہ۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی جسے اس نے فوراً ہوشیاری سے چھپا لیا۔

"اگر ہے زبردست نہیں تو وہ گاڑی میں تم بقول اپنے اس بدقماش شخص کے ساتھ کورٹ کی پیڑھیاں چڑھ رہی ہوتی کیونکہ ایک الانگا برابر پیٹرول میک اپ اور۔"

"اب اگر کچھ مار تمہیں کے تمہیں۔" بات اس کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ مزید نے بھی بمشکل اپنی زبان کاٹی شاید اسے خود بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ اور ہو رہی ہے۔ پھر اتنی وہ کل مہرلی دشمنی سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اسرار کے لیے بہار سفیان سر کا فون آیا ہے۔"

آفس آتے ہی اسے اطلاع ملی۔ وہ سیدھا کے ریسیور اٹھا گیا۔ اور کیا چار بار مہاجال پہ بھی سفیان محمود رنگ کر رہا تھا تاہم شہزاد نے اس کا نمبر دیکھتے ہی بہار صاحبہ کی آف کر دیا۔ شاید اسی لیے اس نے آفس فون نہ اٹھایا تھا۔ وہ ابھی ابھی ریکارڈنگ روم سے آرہا تھا۔ پیشن کیمل ویلو اور گارڈن ٹاؤن میں اس نے تین مختلف طرز کے بنگلے اسٹوڈیو کی شکل میں ریکارڈنگ کے لیے مخصوص کر رکھے تھے۔ روایتی اسٹوڈیو ٹرسٹ ماڈرن سیٹ لگا کے شوٹنگ کرنے کی بجائے وہ ان بنگلوز میں ڈرامے فلمبند کیا کرتا۔ اس سے قدرتی ماحول زیادہ بہتر طریقے سے ابھرتا۔ سین کی ڈیمانڈ کے مطابق ان بنگلوز کا اثر بہتر نتیجہ ہوا کرتا تھا۔ جب سے اس کا کام بڑھا تھا وہ ان تین بنگلوز کو بھی ناکافی سمجھنے لگا تھا۔ ویسے ذاتی طور پہ وہ آج کل صرف ایک ہی پراجیکٹ میں انٹرسٹ لے رہا تھا اور وہ تھا "شہزاد"۔ لیکن اس کے علاوہ ان گنت تفریحی و معلوماتی پروگرامز تھے جنہیں اس کی ٹیم پروڈیوس کر رہی تھی اس لیے وہ کوریڈ کرامز کے انٹرٹینمنٹ انہی تین منٹلات پہ شوٹنگ کرتے تھے۔

پراسیڈ مدنی کی کنال کا پلاٹ اس نے کئی سال پہلے خرید رکھا تھا۔ تب جب اس کے ابتدائی پروگرامز کو کامیابی ملی تھی اور تب یہ زمین اسے اقربا کی زیادتیوں کے بعد دل گئی تھی۔ شہر کی آبادی سے دور تھا سامنے اور ڈیکر سہولیات سے محروم ہاں علاقے میں یہ پراپرٹی دیے آباد تھا۔ اسے جدید طرز کے اسٹوڈیو کے لیے بہترین مناسب لگی تھی۔ پچھلے سال ہی اس نے اپنے اس دیرینہ خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا کام شروع کیا تھا۔ پہلے پہل چند مکانوں ایک دو کمروں پہ مشتمل ایک مختصر سا بات تقدیم طرز کی ایک حویلی کہاں مستعمل شہزاد اور بیشمار دیگر اس منصوبے کا ایک حصہ تھے جن پہ تیزی سے کام جاری تھا۔ یوں وہ دو جانب سے بڑی طرح مصروف تھا ایک تو اس ذاتی اسٹوڈیو کی تعمیر کے سلسلے میں اور دوسرا اپنے دو مختلف پروگرامز کے لیے جو مختلف ریٹائرڈ ایکٹرز سے پیشہ ور تھے یا چلنے والے تھے۔ کیمی تینوں خاصا جدید اور اپنے ہی جیسا معیار کو برقرار رکھنا چاہتا تھا جس کے لیے اس نے بڑی محنت کی تھی۔

"اسرار کے لیے سفیان صاحب کا فون ہے۔"

انٹرکام پہ ملنے والی اطلاع پہ وہ چونکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگرچہ سفیان محمود سے اس کی خاصی دوستی تھی لیکن اس طرح اس سے کترا کے چھپنے کی بھی ایک وجہ تھی۔ پہلے سال اس کے آفس میں وہ جس موڈ سے میٹنگ ادھوری چھوڑ کے نکلا تھا۔ یہ طرز عمل بعد میں دیر تک اسے شرمندہ ہونے پہ مجبور کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس وقت بھی سفیان اس سے اس لمحے اور ناراضگی کی وجہ جاننے کے لیے بار بار رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شہزاد کے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا اور اگر تھا تو وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے اس کا فون ریسیو کرنے سے اجتناب کر رہا تھا لیکن کب تک۔ سفیان محمود سے اس کے رابطے ہی نہیں بلکہ کاروباری مراسم بھی تھے۔ چار سال سے اس وقت کرنے کا فیصلہ کیا دل ہی دل میں وہ اس کے متوقع سوالوں کے جواب میں کچھ مناسب سی توجیہات بھی گھڑ رہا تھا مگر خود اسے توقع سفیان نے میٹنگ میں ہونے والے اس آئیب خوب کا قائل فہم کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اس کرنک دیکھ بنگلہ شہزاد میں پرنٹ انٹرٹینمنٹ کے لیے ایک والی فائیو اور سوشل میڈیا امیدوار کو بھیجنے کا تذکرہ کیا۔

"ٹھیک ہے یار اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میری خواہش تو تھی کہ کوئی تجربہ کار اور کرافٹ جانتا لیکن اگر تمہاری نظر میں وہ صحیح تو آزمانے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" شہزاد نے آخری فیصلہ کر دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ کل تو ایک بجے وہ نام کیا ہے۔ کیا۔ لڑکی۔ ہاں یار ایک لڑکی۔ وہ بھی ناتجربہ کار تم تو جانتے ہو ہمارا کام ذرا سی بھول چوک کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ کیا تم کیمس پورا بھروسہ ہے چلو۔ پھر میں تمہارے بھروسے پہ بھروسہ کر کے کچھ لیتا ہوں۔ ہاں یاد رہے۔ ظاہر ہے چند منٹوں کا کام ہی ہو گا۔ کیونکہ تو شاید اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکے جیسے سینز شوٹ ہوتے جائیں گے ویسے ویسے ہی ایڈیٹ ہوں گے اور کے۔ ہاں ضرور۔ پرسوں تو تیل کی پارٹی میں ملاقات ہو گی۔"

اس نے ریسیور رکھا اور نیم سانس کھینچ کر سر پیچھے کی جانب سے ٹیک کر خود کو ریلیکس کرنے لگا۔ تو تیل پارٹی کی نیت تو کیلئے دعوت نامہ ایک ہفتے سے اس کے پاس رکھا تھا تاہم پرسوں کی میٹنگ میں ہونے والے ناخوشگوار واقعے کے بعد سے وہ اتنی ہمت نہ پا رہا تھا کہ ان کا سامنا کر سکے۔

"کیا سوچیں گے وہ۔ ہمیں اس طرح بیچ میں چھوڑ کے وہاں سے کیوں گیا؟ اس کی کوئی بات مجھے مشتعل کرنے کا باعث بنی؟ جو سب سوال وہ میں کے ذہنوں میں پیدا ہوئے ہوں گے اور وہ ظاہر ہے کہ مجھے کریدیں گے تو مجھے اصل بات اگلوانے کی کوشش کریں گے خاص طور پہ وہ تو تیل قاضی۔ میں کیا کہوں گا ان سب سے۔ یہ سب سوچ کر اس نے سفیان سے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا اور اسی خدشے سے سفیان سے بات کرنے سے بھی کترا رہا تھا لیکن اب سفیان نے جس طرح اس واقعے کا ذکر کیا۔ کہ یا اس خوبصورت پڑے اس پر جو ہمت رفتہ رفتہ پیدا ہونے لگا۔

"یہ پوچھ بھی لیا تو۔۔۔ تو کیا میں کچھ بھی کہہ کے انہیں مطمئن نہیں کر سکتا؟ میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں اتنے برسوں سے کی نوکری۔ ہر اداروں سے اب تک کامیاب گیا ہوں اور پھر کس کی ہمت ہے جو مجھے کریدے کے تھی بلیں" کے چیئرمین شہزاد ملک کو اب میں نہیں رہا۔ شہزاد۔ مجھے ہر کوئی جانتا ہے۔ مجھے اس کی اوقات یاد دلا چکا کہ اتنا خوبصورت میں نے بڑی محنت سے اور بڑی قیمت ادا کر کے خریدے ہیں۔ انہیں ہر کوئی ایسی نہیں توڑ سکتا۔"

اور سچ تھا یہ ایک دو دن کی بات نہیں تھی پچھلے دس سال اپنی زندگی کے دس سنہرے سال اس نے مشقت میں جھونک دیے تھے۔ جینے کے لیے زندگی کے لیے نہ کمانے کے لیے نہ اس پر دو کمرے ہاؤس کے لیے بلکہ صرف نام کے لیے اور اپنی حیثیت کے لیے۔ یہ دس سال تو کیا اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس وقت یہ نام خرید لاتا جب پہلی بار اسے شہزاد سے آگے اس کے پکارا گیا تھا۔

شہزاد۔ سننے میں کتنا اچھا لگتا ہے مگر تب جب کوئی سچ مچ شہزاد ہو۔ شہزاد۔ جبکہ اس کے لیے یہ نام ایک مذاق تھا ایک بھونڈا مذاق اور جس مناسبت سے اسے یہ نام دیا گیا تھا وہ مناسبت اور وہ حوالہ ایسا نہیں تھا جس پہ وہ فخر محسوس کرتا۔ فخر محسوس کرنے کے لیے تو خیر اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا البتہ منہ چھپانے کے بڑے مواقع تھے۔ نہ سہ تھا جب وہ اسکول سے روتے ہوئے نہیں آتا تھا۔ آپا جب سوچتا تھا ٹائٹ مٹھی کے تھکا جو ہوتا تھا۔ اماں کو کبھی اس کے دکھ سمجھ نہیں آئے تو ان کا دوا کیا کرتی۔ پھر ایک وقت آیا جب اس نے رونا چھوڑ دیا۔ سکول سے لے کر آنسو پونچھ کے تھک گیا تھا۔ ان سب کا حل آیا تھا کہ اس بات سے اسے تھوڑی راحت رہتی تھی اور اس کو جھوڑے بغیر گزر جاتی۔ یہ دکھ اس اکیلے کا دکھ تھا اور اس کا حل بھی اسے اکیلے ہی نے نکالنا تھا۔ اس نے آخری بار آنسو پونچھے تھے۔ ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر لیے۔ آنکھیں سامنے کی جانب مرکوز کر دیں اور قدم تیز تر کر دیے۔ اسے اس کے دھیرے دھیرے شعور سے پہلے دے دیا تھا اور اب یہ وقت ہی اس نوازش کا بھرپور خراج وصول رہا تھا۔

اور وقت جو بے فکری سے بے نیازی دوستوں کی محبت میں گزارنے والا ہوتا ہے۔ اس نے پریس کی مشینوں کے ماتحت راتیں جاگتے گزارا۔ پریس کی یہ جاب بھی صرف اس کی انتھک محنت کی بدولت ملی تھی ورنہ نہ تو اس کے

پاس تجربہ تھا۔ تھانہ اور اعلیٰ افسران ابھی تو اس کی تعلیم جاری تھی کہ فارغ وقت میں کسے چھوٹے موٹے کور سرکام میں آئے اور اس نے بنٹ شفٹ کی یہ ملازمت کرلی۔ اپنے اس کے اس فیصلے کی خاصی مخالفت کی تھی مگر اس نے تو کان بند کر رکھے تھے ہاں۔ نہ صرف باہر والوں کے لیے "ملکہ" کہلوانے کے لیے بھی۔ اور عراس کے ساتھ سیکنڈ ٹیم میں ماسٹر کرنے کی خبر ملی اور عراس کی پروموشن ہوگئی۔ اب وہ پرنٹنگ پریس کی جگہ پر پریس رپورٹنگ کے شعبے میں چلا گیا۔ پتہ نہیں یہ اتفاق تھا۔ یا ہر حال اسے ٹیلیپورٹری پوسٹ ملی۔ تعلقات بڑھے واقفیت پیدا ہوئی ایک۔ نئے پرانے پرائیویٹ چینلز کے بنے اس نے تجارتی طور پر ایک سیریل لکھنے پر دو دو تھا جب پرائیویٹ ریاستی کلفٹنز نیل فالز کرتیں اور یہ چینل تو حال ہی میں ملا تھا اور اس نے کئی نئے ناموں کو آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا۔ انہی نئے ناموں میں مرتضیٰ حسین بھی تھا جو قدرت سے قلم میکنگ کو ورثے کر کے آیا تھا اور یہاں کے لگے بندھے اصولوں پر کام کرنے کی بجائے کچھ نیا کرنا چاہتا تھا۔ شہزاد نے اس کی دوستی ہوئی تو اس نے جلدی ہی اس کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور جب اس نے مرتضیٰ کو اس تھرلر کے بنانے کا مین آئیڈیا دیا تو اس نے شہزاد کو بھی یہ ذمہ داری سونپ دی۔

مرتضیٰ کے آئیڈیا پر شہزاد سیریز لکھنے پر آمادہ ہوا۔ خلاف توقع اس سیریز کو خاصا اچھا رسپانس ملا۔ ڈائرکٹر کے علاوہ ڈائرکٹر بھی بنا تھا اس لیے نئی نئی ملنے والی ہر تفریح کو دونوں قبول کرتے گئے۔ خصوصاً شہزاد کے لیے تو ان دنوں سیارے اہم مقام تھی اب اپنے اس کی خوش قسمتی کہ اس کے ساتھ آئے اور جن بھرے وجہ کلاس ہی سے چار پانچ سیریز ہٹ ہوگئے۔ یہ وجہ تھی کہ پھر پریس کلب والے ساتھی نے دوران چلے اور ان کے لیے شہزاد نے خاصا کام کمایا اب وقت تھا پیسہ کمانے کا وہ ڈائرکشن کے میدان میں اور پڑا اس سے سیریل لکھوانے کی آفر لے کر آنے والے ہر پروڈیوسر کے سامنے یہ آفر رکھ دیتا کہ اگر ڈائرکشن دے دی جائے تو ان کی حیثیت ایک ڈائرکٹر کا اپنا معاوضہ نصف کر لے تو پھر سے تب تک وہ اپنی اتنی مضبوط ساکھ تو بنا ہی چکا تھا کہ ہر پروڈیوسر اسے بطور ڈائرکٹر مانگنے سامنے پر لینے کو تیار تھا۔ ایک آدھ نے رسک لیتے ہوئے اسے ڈائرکشن کے فرائض بھی سونپ دیے کا ارادہ کر لیا۔ شہزاد نے پچھلے تین سالوں میں اندازہ دھو لکھنے کے ساتھ ساتھ سیٹ ہوتے والی ساری گلوکاریوں پر بھی گہری نظر رکھی تھی۔ فیلڈ کی طور پر دو چیزیں ایسی تھیں جو ٹھیک ہی رہنا تھا۔ اس کے تربیت یافتہ والا لائف پے ہر اعتبار سے معیاری تھا۔ اتنی مضبوط ہدایت کاری کہ کوئی ماننے پر تیار ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ کسی نئے ہدایت کار کا کارنامہ ہے۔ اس لائف پلے کے بعد اس دوسرے پروڈیوسر کا بھی جو صلہ ہوا جو شہزاد کو اپنے شعبے اتصال والے سیریل کے لیے بطور مصنف اور ہدایت کار لے تو کا تھا۔ ہر چند خیر خواہوں کی وجہ سے جاں پر اور اول ہو جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی آفرز آئیں۔ اب شہزاد کے پاس اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہ لکھنے اور ہدایت کاری کے دونوں شعبوں کو بھرپور اور مساوی وقت دے سکے۔

دوسری طرف پانچ سال پہلے پرائیویٹ پروڈکشنز کی ابتدا ہوئی تھی اب اس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اپنی ہی کے علاوہ دوسرے پرائیویٹ چینلز کھل گئے تھے۔ اس لیے پروگرامز کی بھی بھرمار تھی۔ سالوں کے ساتھ یہ اتنا رکھے بیٹھے ظرف نگاروں کے پاس بھی کامیابی نہیں رہی تھی اور شہزاد اس وقت اپنے عروج تھا۔ اپنی کمرشل کے پلیٹ فارم کے بڑے ہوں کی شہرت کو ہضم لا کے زمانہ تھا وقت کی کمی کا مسئلہ ایک طرف مگر آمدنی ان کے دلی پر کشش آفرز ایک طرف۔ تو اس نے اسسٹنٹ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ کمال کا سین تھا اس کا بوتا کا سکرین پلے اور ڈائیلاگ لکھنے کے لیے اس نے ایک علیحدہ چینل چاہا۔ ان ابھرتے ہوئے رائٹر کا بوتا پلس کی تلاش میں تھے "اسکرپٹ کی تو ایک شہزاد خود سنوار تا" ہر بار کی نظر کتابوں ذرائع کریڈٹ پر ہدایت کاری کے ساتھ ساتھ کمال کا سکرین پلے اور ڈائیلاگ کے آگے بھی اپنی نظر جمک رہی اور دو ڈائرکٹر ہوا اس کے لیے کام کرتے تھے پندرہ ہزار کے کو منہ بند کر لیتے ان کی ضرورت بھی تھی تمام نہیں شہزاد کو پیسے زیادہ ہی بوجھ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ دس سالوں میں اس نے بہتا کمایا آتی ہی لگایا۔ ڈائرکشن سے جو کمایا وہ پروڈکشن میں لگا دیا۔ یہ پروڈکشن والا اس نے دو سال پہلے ہی قائم کیا تھا مگر اسے ہوئی ٹیسٹ کے ساتھ کو دوسرے سالوں میں یہ کتنی حد تک سب سے پہلی کتنی بن چکی تھی۔ اور اب اس کا اگلا قدم ڈائرکٹ چینل شروع کرنے کا تھا کہ سیٹنگ کو تو تو تو اس صاحب "شیرول" کا آغاز کرنے کر آگئے۔ ذاتی طور پر اسے یہ آئیڈیا اتنا پسند آیا کہ وہ اس میں بھرپور دلچسپی لے رہا تھا۔ اس میرج فرقانہ کو کر کے ساتھ ہی اس نے ایک اور بات شامل کر لی اور وہ یہ کہ یہ پوری بحث پر جو جیو ٹیکنالوجی کے استعمال کے ساتھ پاکستان میں اپنی نوعیت کا نہ پروگرام ہوگا کسی دوسرے چینل سے بجائے "ٹی ایس" کے اپنے چینل سے نشر ہوگا۔ یہ فیصلہ کرتے ہی اس نے اپنے دونوں کاموں کی رفتار اور تیز کر دی۔ اپنی اس تیز رفتاری میں وہ کسی قسم کا رخنہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی۔ اس کے سرپٹ بھاگتے قدموں کو جیسے کوئی اڑنگا دے کر گرا دیتا تھا وہ جسے کے ملی جلی کر کر کا اور کروہ محل سے اٹے چہرے کے ساتھ اعراض کیجیے کی کوشش کرتے کوئی باتیں پیٹ کے کھولنے کر رہا۔

"اور شہزاد بھائی۔ کہو جو تیری مرضی۔"

"جو تیری مرضی شہزاد ذرا رات کو آنا۔"

"یہ کیا بات کی تم نے کوئی میٹھا اصل رونق تو کر دیجیے۔"

تیرے تمہارے ادب کے ادوز ہر بلے ہوتے ہوتے۔ تانیاں بیچ کر گو لگی جاتیں دکانوں پہ ہاتھ رکھ کے پھر بے بھاگنا شروع کر دیتا۔ ہر بار کرنے کے بعد اس کی رفتار اور تیز ہو جاتی۔ اس بار بھی یہی ہوا پھر ایک جو تیسرا "ایک سال کا ور اب لینے والا تھا" میں بھی نشتے گا۔

"مجھے امید ہے تو نہیں آتا ہے۔ بھاگتے ہوئے پھر بھی ٹکٹے کا ور رہتا ہے مگر ایک بات۔ صرف ایک بار مجھے پرنٹ جائیں تو۔ کبھی پیچھے مڑ کے نہیں دیکھوں گا کچھ نہیں سنوں گا۔"

☆ ☆ ☆

"خیر تو ہے یہ قرض۔ جن کہاں سے چڑھ گیا ہے؟" انہیں دیکھ کے ساتھ ہی وہ ہنسا تھا۔ وہ ہنسا تھا اور قہقہے لگا کر حیرت اور ناگواری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ایک بھرپور طنزیہ قہقہہ اچھالا۔ وہ کرم الٰہی کے لیے پہلی چیل رہی تھی لیکن اپنے بندوں کو اندر آتے دیکھ کر اس نے فوراً باسٹک کا خصوصی طریقے سے اوت میں کر دی۔ کرم الٰہی بھی جو کے اسے دیکھنے کا چہرے پر اپنی خصوصی عیارانہ چالاکی سا مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔

"یہ میری بھرجائی بتی تیرے سوا اب بھی دنیا میں کوئی بچا ہے؟ مجھے "جن" کہتے رہنا۔"

"نہ بھرا تو وہ الجھن نہیں جو تھا تو وہ الجھن ہے جو چلا تو پتا ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ ادا کیا۔ اور دے کر کہنا۔ اس کا لب و لہجہ ملاحظے کے استعمال پہ نفسہ وہ سایا کہ یا وہ چوبل بھر کے لیے بغیر بھرا بھرا اس نے جس کرنا لے کی کوشش کی تھی۔

"بڑی اچھی بات ہے بھرجائی کی۔ اسی تحمل کرتی رہتی ہے۔"

"جس تحمل تو تو نے بڑا ہوا ہے بھرا اللہ دے مالا۔" جس پر بڑی پرانی خار تھی اور متاب وہ آج ہوا تھا جس لیے اس نے بھی تکلفات میں پڑے بغیر حساب صاف کرنا چاہا۔ کرم الٰہی کے اشاروں کو کسی خاطر میں نہ لایا۔

"مطلب نہ ہو تو سال سال شکل نہیں دکھاتے جب ضرورت پڑے تو کہا "اور بھرجائی بھرجائی کرتے"

"اب تو وقت ہے اپنے ہاتھ آتے ہیں اور یہ سال سال شکل نہ دکھانے کی اچھی بات ہے۔ اچھی عید سے چار دن پہلے تو میں آیا تھا تجھے اچھی طرح یاد ہے روزہ میں نے کرنے کے ساتھ ہی کہہ دیا تھا۔"

"تو میرے بھرا عید کو گزرے بھی چھ سات مہینے ہو گئے ہیں۔" شہزاد نے جیسے لے کر کہا تھا جس کہ دکان لوں ہے "کل ڈالا ہے اور جب کرنے نے دکان کا پتہ پوچھا تھا تو نے کہا کی تھی کہ عید کے اگلے دن دکان کی

یوتی "انکشاف" تو اسی کے ہاتھ کرائے گا ورنہ اگر ساتھ لے جائے گا۔ کیا سوچ رہے ہو تیار ہو جاؤ کیا کہ اللہ وسایا نے والد کو کچھ نہیں بتایا۔ بار بار تیرے بھانجے میں کہے آتا ہے مجھے تو سب بھی کہا تھیں تھا کہ رکن رکن کا تو نے خاک ڈالنی ہے چلو رون میں اکٹھا ہو کا سب پھر شہزادے کو بھی منع کیا تھا کہ کیوں محنت کی کمائی ہے پیسہ لٹانے ہو تمہارے باپ کے کیتے کی لاج رکھتے ہوئے اس نے تجھے رقم دی۔ ملنگی بھی اور آج کا دن تمہی شکل نہیں دیکھیں ہم نے بھی کوئی خیر خیراتی۔"

"بھرجائی" کا غصہ تو نکال لیا۔ میری ناراضگی کا بھی حق بنتا ہے۔ میرا کہا بھی سنو لیا۔" اس نے چہرے پہ مسکینی اور لاچاری بھری بنتے دیکھ کے بیٹھیں نے حقارت سے بنگلا رہتے ہوئے زور کا سر جھٹکا کے کہہ رہی ہو کہ "جو مرضی ڈرامے کر لو سب جانتی ہوں۔" "اللہ وسایا نے پھر بھی بہت بیداری اور رحم الٰہی کی طرف موڑ کے اسے اپنی کھانا نے لگا۔

"میں اگر چہ بات سنتے نظر نہیں آ رہی کیل خیر خیر ہی بھائی میرے" میں کوئی پراہ چیتا اٹھائی گیرا تو نہیں تھا کہ نا معلوم ہو کر میرا کردار میرا اٹھانہ کیا کچھ کہی کم کو کوں! وسیلہ تو تم لوگ پہ نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ وسایا غریب کیا کلمت کمی ہی تو اپنے بھرا اور بھرجائی سے ملے بھی نہیں آتے۔"

"خیر تو سوہا اللہ تو تو ٹھیک تھی ہاں؟ تو تو ہاں کہاں نظر آ رہا ہے کیا ہو گیا تو؟" کرم الٰہی نے بغور اس کا معائنہ کیا۔

"ہونا کیا تھا بھرا" اس غریب پہ مصیبت آئی ہے تو اکیلی نہیں آئی ساتھ اور چار عذاب اور لے آئی ہے۔ شہزادے کے منتیں ترلے کر کر کے رقم لے تو لیا کہ رکن رکن میں مال ڈالوں گا۔ پکا ارادہ تھا کہ عید کے دن "بوہنی" بھی کرا دوں گا اپنے بھرا کے برکت والے ہاتھوں سے آخر دنیا میں اب میرا ہے ہی کون تمہارے سوا۔ لیکن نہیں سے چلو ان کو کیسے خبر ہو گئی کہ میرے کو پیسے (جیب) میں مل ہے۔ وہ تو رات کو ہی چھین لیا بدمعاش نے کہتے تو ہے میری طرف اس کا پورا حساب نکلتا ہے۔ اچھا بھلا اس سے معاملہ طے ہوا تھا کہ نیا کام شروع کرنے والا ہوں۔ روزی کمائی ہے آرام سے بڑے بے شمار دیا کر دیں گا۔ آسانی اور سکون میں سارا حساب صاف ہو جائے گا۔ میری روزی روٹی بھی چلتی رہے گی مگر یہ بدمعاش طبقہ کسی سے رعایت کر جائے تو ان کی بدمعاشی کیسے زور پکڑے۔ زمرد تی چھین کے لے گئے میری رقم۔ میں نے ہاتھ پیر مارے تو وہ تجھے خوب پیٹتے لگے تھے۔ وہ تو شہزادے نے میری کالی اس رات مدد کی تھی۔"

"مدد مرضی تھی یا؟" بھرجائی نے ساری رام کہانی نظر انداز کرتے ہوئے بچے کے بارے میں استفسار کیا۔

"بورا بخشو میں نکال کر مارا" اتنی مار کھائی کے کہتے ہیں سارے ہڈی پسلیوں میں اب کہاں وہ جان رہی ہے۔" اس نے بھرجائی کا سوال ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالا اور وہ دستور کرم الٰہی کو اپنی مظلومیت سے متاثر کرنے کی سعی تو کوشش جاری رکھی جو زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔

"تھوڑی ہاں بوڑھی ہیں وسایا تو میں کو نہ تو خیر بیٹا ہی ہے نہ کھارے اتر ہوں۔ اچھا بھلا بیٹا ہے تجھے کہ سالوں سے کہیں نے جانے کے قابل نہیں ہوئی ہیں ہوئی ہیں ہوا کو کے پاس چلا گیا اتنا سا بھی چلتے کیسے آ جاتے ہے تو یہ کلہ فضول ہے میں تو تو دیکھ آدمی ہوں رہی تھیں بھرجائی تو اپنی بڑی سی وجہ سے گھر سے نہ نکلی ہے۔ میں آئی ہے بہت جائی ہے ورنہ تو جانتا ہے باہر گھر مشکل سے نکلی تھی۔ "سارا تمہیں بیماری اس اکیلی نے اپنی انصاری نے سنبھالا ہوا تھا۔ میں تو کام رہنے میں مصروف رہتا تھا اب وہی حال میرے شہزادے کا ہے بیٹا ہے تو بہو ان کی تیمار بیٹھ رات کی۔"

"ہاں بھرا" ایک تو بیٹا ہے ایک تیری گھر والی بیماری" ایک تیرا پوتا بچہ۔" اللہ وسایا کو تیاری اداکاری کا رات جاتے دیکھ کے جب پڑھ گئی۔

"بوڑھ گڑیاں (کاکا) ہاں بھرجائی ہیں کو نہ سا میری طرح آ گئیں۔ اگر پتہ چلا کے تا بڑ نا ہے تو ان کا وہ اپنے چھ نسر کھتے اور جس کی مرضی قیمت پوچھ دیں۔ سنے (سایوں) کے نسر تجھے لے ہوئے ہیں

"سیدھی بات کرو کہ غریب شہزادوں کو منہ آتی نہیں لگانا ہے۔"

"تو جھ بھرا! اپنا اولاد لے کے ہی صورت نہیں۔ تو نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا اور اب ہمیں بھی نہ لیا۔ اب مطلب کی بات کر۔ بھلیں کرے کو اللہ وسایا کے آتے ہی بس دنا دیکھ کے پھر میں ان میں اتری۔"

"اور بھرجائی" واہ اب تو بڑی محبت کا مطلب کام دیا جا رہا ہے۔ میں تو اس اپنے بھرا اور بھرجائی کی خیر خیریت لینے آیا تھا۔ اتنے دن ہو گئے تھے دیکھے ہوئے۔"

"ہاں بھرا آیا جا۔ جا۔ بالوجا کر لیل کھانے کا انتظام کر۔"

"ہاں ہاں چلی جاتی ہوں۔ اور کیا انتظام کروں۔ آٹا ہی پیسا ایک جہاں ہے دیکھ کے دنیا کیا کے کھول گی۔" اور اضافہ کیا۔ "میں تھی کہ کیس لفظ وسایا پھر سے کرنے کو تھی ان میں پھنسا کچھ اتھیا نہ لے۔"

"تمہرے کہ پکایا ہے میری بھرجائی نے۔" لفظ وسایا ایک تو دیر سے اٹھ تھا اور میرے یہاں آنے کے خیال سے اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا کہ روٹی کے وقت یہاں جائے گا تو وہ خلاف خیر تو نہیں سمجھیں گے۔

"کرے کے لیے پھیکے۔ بغیر تیل کے کھانے نہ پکا لی ہوں۔ آج تیندے پکائے ہیں بغیر مرچ اور تیل کے نمک بھی زیادہ ڈالا ہے۔ میرے لیے رات کے مشہزادے کے چاول پڑے ہیں ذرا ڈالے کھا لیں تو آج سویرے سے پیٹ کچھ بھاری بھاری ہے۔ شہزادہ تو بہو میری روٹی کھر پہ کھا لاتی نہیں۔" اس نے جان بوجھ کے بتایا۔ حسب توقع اللہ وسایا کا چہرہ اتر گیا اور وہ جلد مطلب کی بات پہ آ گئی۔

"ہائے ہائے" کیا نہ بڑا ظلم ہے۔ کیا خوانی تھی میرے بھرا کی پورا کھرا اکیلا ذکر جاتا تھا۔ چھ چھ راتے لوہ کلو رہی اور اب یہ وقت آیا ہے کہ ابھی سیزاں کھانی پڑ رہی ہیں بالے کے۔" اس نے فوری وقت پیدا کی۔

"ایک تو بے بھرا کرے "رزق اللہ" نے دل کھول کے دیا ہے مگر کھانیں ملتا ایک میں اور ہوں چیزیں کھانے کو ترس گیا ہوں۔ مگر خیر یہ تو اللہ کی مرضی ہے اس کے رنگ نرالے۔" تھوڑی اسٹیلیں بھرے اس زاف لگ کا کرم الٰہی پہ ظاہر کیا۔ "ڈر اس ہی ہے تو اس سے تو رات کو بھیس سے کہا۔

"رات کو سوہنی والے چاول کے ساتھ تو رسا اور کھو تیہ بھی تو ہاتھا ختم ہو گیا؟"

"ہاں تو کیا رہا ہوا ہے؟" وہ چونک کے بولی۔ "یہ جو تجھے کا انتظار کروں کا ہے ان کے پیٹ بھی تو ساتھ لگے ہوئے ہیں گھر تو نہیں رکھ کے آتے۔"

"تو جا کسی نوکر کو کہہ کے بھیجتی (جلدی) سے مرغی پکوا دے۔"

"نہ بھرا رہنے دے کیں بھرجائی کے کانوں کو تکلیف ہوتا ہے۔" اس نے تنکا سا "منع کیا۔

"تو نہ ہی ہے تو پھر ادھر ادھر سے کانوں کو تکلیف ہوتا ہے۔ ہم کیا کیا کھا کے مرنا لے۔" اس نے بھنگن پہ بلیغ ترین طنز کیا۔ گھر والوں کو تو نہیں کرم الٰہی نے فوراً "ظاہر" کو تین سو روپے دے کر دو تین دن تو خوب اور تمہاری منگوا لی اللہ وسایا کے چہرے کی رنگت خالی ہو گئی اور کچھ دیر مزید رنگ آ گئی۔

"بڑا سوا رکے گا ان دنوں کے بعد اپنے بھرا اپنے بھرا کے ساتھ روٹی کھانے میں۔"

"جیں کہہ کر مفت کا چرغہ کھانے میں۔" بھنگن بل بل بڑبڑائی۔

"پر سوں اپنے شہزادے کو میں یہی تا رہا تھا کہ کیسے اب تو لوں جوانی میں دیکھ کے وہ صاف کر جایا کرتے تھے۔ کیا خوبرا کیں تھی تمہاری۔"

"شہزادہ تجھے کہاں ملا؟" بھنگن چونکی۔

"ملنا کہاں ہے۔ میں ہی گیا تھا ان کے دفتر۔ دراصل کچھ دنوں سے تم سب کی یاد ستاتی آ رہی تھی کہ جائے بغیر رہا نہیں گیا۔ پر سوں اپنے چلن شہزادے سے مل کے آیا تھا۔ آج ادھر آ گیا۔"

"یہاں جانے سے پہلے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا تو ساتھ۔" پہلی بار کرم الٰہی کے لہجے میں بھی تلخی آئی۔

"وہاں سے ہی گرمی کھائے بیٹھا تھا تو نے اپنی کالی کو جس کا ہم کا دیا ہے سمت پوچھ شہزادے کو کتنا برا لگ

"ورنہ تو اور اب تو دعا کرو انہیں بھی باہر بھیجنے کا ہے۔ کیا بتاؤں خانداں ابھی ہے" بلقیس نے بھی لعنت طعن کی۔

"راتیں تو بہ توبہ۔ اتنی سیلی کی مندی پہ پڑی تھی اس رات تجھے تو اتنے خرچ کرتے ہیں کہ ہمارے گھر کے لنکشن پہ بھیجو" نئے سال کی زیارتی پروگرام میں "بچے کے علاوہ دلہے کی دعوت ہے" ہزاروں ملتے ہیں" انہوں نے حرایہ لنکشن پہ دو چار گانے گا کر لیکن میں اوا کو ایسے کاموں میں منع نہیں کرتا چاہتا۔ خدا نے اسے بڑا سریلا گلا دیا ہے۔ "سوال کی پہچان بھی اری ہے وہ تو دوسری تا ہے بھرجائی میں اسے بہت آگے پہنچا دیا ہوں۔ بہت ترقی کرے گی وہ۔ اسی ایک بار چانس مل جائے" کوئی ہاتھ پکڑ لے تو اس رستے آگے بڑھنا آسان ہو جائے گا میری بچی کے لیے۔ اسی لیے میں شہزادے پہ زیادہ بات کرنے کیا تھا۔ اس کی بڑی ہنچی ہے۔ بڑے سے بڑا پروڈیوسر "آرٹسٹ" کی بات سنتا ہے اور بڑی بڑی تو تجھے اس کا اپنا ہے۔ "گھر کی بات ہے۔ کیا حرج ہے اگر وہ اپنے کسی پروگرام میں اوا کو چانس دے کے کمرشل بنا دے۔ اس نے تو پہلا انکار کر دیا "لڑکا بھی آپ جیسا ہو تو اپنے چاہے کو سوچا تک نہیں۔ یہ تو پھر کرے تیرا لحاظ تھا جو میں چپ کر گیا ورنہ تو خود سوچ میرا اس کا دو ہزار شبنہ ہے اس کی پھوپھی کا گھر والا وہیں کہیں کے پیر کا پیچھا بھی ہوں" کیا اسے میری بے عزتی کرنی چاہیے تھی؟"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ تجھے مجھ سے پوچھ کے جانا چاہیے تھا۔ بڑی بھلی بڑی ہے کہ لوگوں کی بے عزتی کرنا پھر یہاں اسے غصہ ذرا بلند ہی آتا ہے اور یہ تو بات بھی معمولی تھی" وہ دعا چاہتے گانا گانے کی اوری دی۔ آنے کو بالکل پسند نہیں کرتا اور یہ بات تو کئی بار تجھے صاف لفظوں میں بتا چکا ہے پھر بھی تو اسے اس طرف دھکا دینے سے باز نہیں آئی۔ عید کے تیسرے دن کے پروگرام میں اس نے خود اسے بلی دی پہ گانا گانے کو بلایا تھا۔ شکر ہے اس کے چھ مہینے تک نہ اور کہیں پہ بلکہ اور نہ اس کا نمبر اس سے بھی زیادہ ہو گا۔"

"اور تو چلا تھا اس کی وہ مانگنے کہ وہ خود ہاتھ تو آگے کرے کہ یہ میری پھوپھی کی لڑکی ہے" میری بہن لگتی ہے" میرے خاندان کی عزت ہے اس کو گانا گانے کا موقع دو۔ اپنی فلم میں اس کا ایک ڈانس رکھوا دو۔ وہ بھی ایک تو اس کا اچھا خاصا بدہول کے اوار کو دیا اب اس کی اچھی بھلی سیدھی سادی زندگی بدلنے چلا ہے۔"

"اپنی اولاد کی زندگی پہ سب کا حق ہوتا ہے اور پھر میں اس کی زندگی بدل رہا ہوں" گا" تو تمہیں دیا ہے اس میں بہتر ہے وہ کیسی بات اس کا فیصلہ کیا۔"

"او بھلی تو سمجھتا کیوں نہیں۔ اوا بھول بھالی بھی ہے کیوں اسے اس گند میں گھسیٹنا چاہتا ہے۔ کچھ تو اپنی اور خاندان کی عزت کا خیال کر۔"

"خاندان؟ "عزت؟" کیسی باتیں کرتا ہے۔ اللہ دے سایا نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا۔

"یہ گانے جانے والی فلم پہ کلام کرنے سے ہمارے خاندان کی عزت کیا ہے کب سے فرق پڑنے لگا ہے تو جو جس جگہ کو بلند کہہ رہا ہے۔ اسی جگہ سے تو نے پیسہ کمایا۔ کام بنایا اس کا مطلب ہے تو نے گند سے روٹی اٹھا اٹھا کے اولاد کو پالا ہے۔"

"خواہ مخواہ کرتے ہو سائیں۔" کرے سے زور سے چلایا اگر یہ چلایا تو بڑی بھاری پڑی" اسے حالانکہ کاشدید اور دیا گیا۔ بلقیس اس کی کمر سہلاتے ہوئے سایا کو اپنا حتی نظروں سے گھورنے لگی۔

"معاف کرنا بھرا۔ بھولے ہوں پھولے منہ سے بڑی بات کہہ دی مگر تو خود سوچ" اس کام سے اتنی روزی روٹی وابستہ ہو اس کو برا کہنا درست نہیں۔ آخر تیرا شہزادہ بیٹا بھی تو اسی جگہ سے مل کر رہا ہے۔ گانے نہیں گاتا کیسے نہیں لگا تا طبلہ نہیں بجاتا۔ کھرلوگوں سے تو کلا تا ہے اور وہاں کو تو نچاتا ہے بات تو ایک ہی ہے۔"

"بات ایک نہیں ہے سائیں۔ وہ ہوتے تھی دھی ہے تجھے اس کا خیال کرنا چاہیے۔ مردوں کا نیا ہے" دھی خاندانوں کی عزت بڑی نازک ہوتی ہے" گھر کے اندر ہی محفوظ ہیں۔"

"بھرا" بات تو آج کہہ رہا ہے کیونکہ آج تیرے پاس کوئی گاڑی ہے۔ کیا بیوت ہو کر چار سب کچھ ہے۔ تیری سات لڑکیاں بھی ہوتیں تو تو انہیں گھر بٹھا سکتا تھا لیکن وقت بدل گیا جب بھرجائی تیرے ساتھ کام کرنی تھی۔ آج بھرجائی تجھے لعنتیں دے رہی ہے کہ تیرے نے خاندان کا نام بدل دیا" اسے خود آگے کر رہا ہوں گانا گوانے کے لیے۔ وہ بھی تو وقت تھا جب بھرجائی تو دوسری بیگم کے نام سے گالی تھی۔"

"بھرا اتنہ وسالا کرے نے اپنے خاندان کی بات کی ہے اور میں ذب فلموں میں کورس میں کھڑے ہو کے گاتی تھی تب اس کے خاندان میں نہیں تھی۔ شادی کے بعد تھوڑے دن تک میں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اب میرا بھی وہی خاندان ہے جو کرے گا اور تیرا ہے اور اس خاندان میں ذاتیاں (عورتیں) بھی اس دھندے سے نہیں تھیں اور میں بھی صرف کورس میں گانا گاتی تھی فلموں میں شکل تو نظر نہیں آتی تھی اور بات کر رہا ہے دعا کو کوئی دیکھنے کی اور میں نے یہ نہیں کہا ہے تو اسے شہزادوں بنا ہوں۔ یہ بھی گروپ کے ساتھ گانے لگا ہے جیسے تو انکار کرے مجھے سب خبر ہے۔" بلقیس نے اس کا طرز لہجہ کے مزاج کے ساتھ جا بولا بڑے غصوں لیے میں وضاحت کی۔ وہ من من کر آنچ کشتی ہی تھا کہ اوا پھر سے بول پڑی۔

"ماں کے بعد تو اب بیٹی کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ گیا ہے۔ اسی لیے تو وہ لعب "کرسوں بھی انکار پیدا کرتے تھی رکھ سے مرتی۔ مجھے گانے کا لالہ دیر پہنچے پہلے اتنا تو سوچا ہوتا کہ میں میلوں "محفلوں میں پھرے نہیں کرتی تھی" اور تو بیٹی کو اسی طرف لگانا چاہتا ہے۔"

"بالکل صحیح کہہ رہی ہے" اکرم الٰہی نے تائید کی۔ "آج کل کا وہ ماحول نہیں رہا الصلوٰۃ کا۔ خیر عورتوں کے لیے تو کبھی بھی ٹھیک نہیں رہا۔ یہ بات تیرے اور میرے سوا کون سمجھ سکتا ہے" اس نے میری سے نظریں چرا لیں۔

"ٹھیک ہے یہ اندازہ ہی پختگی کام ہے۔ مگر اسے اپنے تک رکھو کوئی کو اس طرف مت لاؤ۔ تم لوگوں کی بھی کوئی عزت ہے۔ دنکار ہیں گانی لوگ ہیں بازاری عورتیں بھی ناچتے گاتے لگ گئیں اگر ہماری عورتیں بھی ناچنے گانے لگ گئیں تو پھر ہم میں اور کوٹھے والوں میں کیا فرق رہ جائے گا۔"

"بھرا تو بیٹے کا باپ ہے اس لیے بھائی تھوڑی کی عزت اور خاندان کا نام لے سکتا ہے۔ میرا سوچ میرے بڑھاپے کا ایک سہارا ہے" یہ آخری دنوں کی اولاد نہیں بیٹے ہوتے ہوئے کھلی دو دن بیٹا چار دن بیٹا" آج زندہ ہوتے تو تیرے شہزادے بیٹے ہوتے پھر مجھے کیا ضرورت تھی لڑکی کو گانے بھیجنے کی" لیکن یہ آخری اولاد ہی زندہ بچی عورت بھی لڑکی ذات۔ اب کیا عزت کی خاطر طرح طرح کے موں" اور پلو فاتے کی چھوڑ سب سے بڑی بات جو تو نے ابھی کہی کہ یہ ہمارا جدی پشتی پیشہ ہے۔ یہ فن ہی نہیں ہمارا ورثہ ہے ایسے ہی تو ہم۔ "میراثی" نہیں کہلاتے۔ ہم میراث سنبھال کے بیٹھے والی قوم ہیں۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے" سونے کا تاج کیوں نہ سر پہ آ جائے" ہمیں کام کیں نہ نکلے اپنی جائے" لگا لیں بازار کیوں نہ بن جائیں" پیشہ ور ہو تو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ شہزادے نے کسی طرح بھی کسی "تجربہ ہم تو آگے کیا۔ چاہے کرسی پہ بیٹھ کے ہی کسی "ترقی" تو اسی ورثے کو دے رہا ہے تو اسے باپ دادا سے ملا۔ میرا کیا ہے گھاس اپنے ورثے کو کیسے مٹی میں رلا دیں۔"

"لیکن بھرا سائیں۔"

"انہیں بھرا بیٹے میری بات پوری سن۔ دیکھ تجھے کسی نے غلط اطلاع دی ہے کہ میں اوا کو شادی بیاہ پہ گروپ کے ساتھ گانے بھیجتا ہوں۔ میرا یقین نہیں تو جا کے اس سے خود پوچھ لے۔ کیوں بھرجائی" تجھے ہاں میں ہاں ملانی تھی تو نہیں بولے گی۔ ہاں میں اسے ایک دو بار بھی ریکارڈنگ لے کے ضرور گیا ہوں حالانکہ شہزادے کے ہوتے مجھے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں" وہ چاہے تو گھر بیٹھے اوا کو کام لے لیکن۔ خیر کام تو ریکارڈنگ کے بعد ایک اوا" ہی پروگرام جو تھے کہ اسے شادی اور دوسرے فنکشنوں پہ بلا لیتے ہوں۔ خواہ مخواہ کی شاموں میں کام بلوا رہا ہوں" تو وہ تو پہلی ہی تک بھی بچ جائے گی لیکن ہی نے ابھی تک بالی نہیں بھری۔ میری بچی فنکار ضرور ہے پیدائشی فنکار۔ مگر بڑی بھولی بھالی۔ دنیا کی چالاکیاں نہیں سمجھتی اس لیے میں چاہتا تھا یہ جب طریقے سے بڑی تک پہنچے میں اسے ڈائرکٹ طوائف کی بجائے صرف گلوکارہ

دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم شہزادے سے کہہ کے اسے اس ڈرامے میں چانس دلا دو تو۔ میں نے خاصا ہے کہ اس میں ایک گلکار کا جیسا اچھا کردار ہے اور مکالمے تک یہ کردار ہے گا۔ اگر یہ چانس اسے مل گیا تو پھر کسی ضرورت ہے مجھے کسی ایرے غیرے کی منت کرنے کی۔"

"اچھا اچھا میں موقع دیکھ کے بات کروں گا اس سے۔" وہ جانتا تھا اللہ وسایا ایسے ٹلنے والا نہیں اس لیے جان چھڑانے کو وعدہ کر لیا۔

"لیکن کرے تجھے پتہ تو ہے کہ اسے رعا کا۔" بلقیس نے مناسب نہ جانا کہ اللہ وسایا جیسے ڈیسٹ اور لیچر بندے کو ناراض میں رکھا جائے۔

"بھرا کیا کیا ہے تو کہہ بیٹے سے ایک بات نہیں سنوا سکتا۔ بس کے لیے کیا مشکل۔ کونسا کسی اور سے بات کرا رہے گی اس کا اپنا ڈرامہ ہے ہمارے فیصلے ہی کرتا ہے۔ اگر کہہ دی اپنوں کا خیال نہیں رکھیں گے تو پھر تو مجبوراً انہیں کے آگے ہی ہاتھ پھیلانا پڑے گا اور خیر تو پھر ایسے ہی مجبوری کا نام شکریہ اٹھاتے ہیں اور اسے سیدھے مشورے دیتے ہیں اچھا یہ ہی ہے کہ تو شہزادے کو منا لے ورنہ کسی غیر کے لئے سیدھے مشورے پر عمل کر بیٹھ تو شکایت نہ کرنا۔"

"ہاں کہہ کر تو نے پکا ارادہ کر لیا ہے بیٹی کو محفل میں بھیجنے کا الزام ہمارے سر رکھنا چاہتا ہے۔" بلقیس اس کی دھونس پہ کھل اٹھی۔

"پھر چاہے کسی طرح تو بھیجنے دو یا میری مدد کرو یا مجھے خود کچھ کرنے دو۔ اگر ابا کو اپنے بیٹے کے ذریعے آگے بڑھانے سے انکار کر رہی ہو تو پھر بعد میں میری کسی حرکت پہ اعتراض نہ کرنا۔ دادی دادا پابندیاں لگانے اعتراض کرنے اور برا ماننے میں سارے اپنے جتن جانتے ہیں جب بھی وقت آئے تو لوگوں میں کون۔"

"میں نے کہہ دیا کہ میں بات کروں گا۔ پھر کیوں بحث کئے جا رہا ہے ہاں۔" "آپ کے کرم الٰہی ذرا سنیچر کی سے بھی کرنے پہ مجبور تھا۔

"شکر ہے تم نے کہا کہ میں بات کروں گا۔ کہیں میں کہنا آتے دیکھ کے فوراً منہ اور من گیا۔"

"آپ اس کے بڑے ہو، آپ فیصلہ کریں گے۔" "ہاں کے لیے چوٹے بھائی کے لیے چلا بنا تو بلقیس نے کرم الٰہی سے شکوہ کیا۔

"یہ اچھا نہیں کیا خواہ مخواہ اس منحوس کو لا دیا۔ اب اس بہانے پھر وہ آن مرے گا اور اپنے پیر کا تو تجھے پتہ ہے نہ ہی کہیں جانے گا۔"

"پھر بھی میں کوشش تو کروں گا۔ آخر اپنوں کے لیے کچھ تو کرنا چاہیے۔"

"تو ایسا تو کیوں چاہتا ہے کہ وہ ڈراموں میں کام کرے۔"

"نہیں۔۔۔ مگر میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اداس کا باپ ہے اس کا والی وارث۔ مگر نہ ذلیل انسان ہے بھی کرنے پہ آیا تو مرے عزت بھی پہنچ دے گا۔ اس نے طے کر رہا ہے کہ اسے فلموں ڈراموں میں لے کے رہے گا۔ اب میرے سمجھانے کا تیر نشانے پہ بیٹھا نہیں آنے والا۔ ناراض اس سے زیادہ کچھ کرنے کا حق ہی نہیں ہوں مگر کیا کر سکتا ہوں اس کا کی کے لیے اچھا ہی ہو گا۔ وہ شہزادے کے ساتھ کام کرے۔ آواز کو یہ محفوظ تو ہو گی۔ بیاس کا نیل رکھے گا اگر وہ سایا سے واقعی گر پڑوں کے ساتھ ناچنے گانے کے لیے اوباشوں کے گھر بھیجنے لگا تو ہم بھلا اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"اس کا کیا کیا بگاڑے گا زہر قتل۔ منحوس کیسے مدد بھر بھر کے میرے بیٹے کو کن راہ تھا جیسا بنانے کرے۔ کمزور بہت کمایا ہے۔ تو بڑا مان کمایا ہے۔ تو بہ توبہ اس کی نظر تو پتھر پھاڑ دے۔ میں نے اس لیے اس کے آتے ہی محل کی ڈکری صوفے کے نیچے کر دی کہ تیرے والے لین کر جائے گا لوٹ دے تو میرے اکلوتے بیٹے کو ہی سوچا

نظر لگا گیا۔ آجائے شہزادہ عمدہ کا کلر وار کے در سے بھیجوں گی۔"

"جھی ہے تو بھی دیکھا کر لیے بڑے بوا۔ اللہ کو پسند نہیں اور پھر جو بھی ہے وہ ہے تو میرا بیٹا ہی۔ پتھر ہے وہ اگے بات تیاری بھی بڑی رہی ہے۔ والی میں مگر آخر اسے کہن ہی کی جس طرح تو بھی اور کوئی بات نہ کیا کر اس کے ساتھ۔"

"واہ اسی قابل ہے اور جو بہن دنیا تھی۔ وہ تو اب رہی نہیں پھر کہاں کی عزت۔ کمال کے ٹھاٹھ۔ ہونہہ۔ تجھے تو اسے حسد ہی نہیں لگانا چاہیے۔ میں تو کہتی ہوں اسی بہن کو وقت سے پہلے مار نے والا بھی تھا۔"

"چپ۔ بس۔ اگر اپنی بیٹے کا خصوص ناسف۔ سو دیا ہو لیا۔"

"جو کہا ہوں اب بیٹے ہے لیکن کیا کروں بہن اکیلی مری ہے اس کا کی کون بھولے جاتی تو کا کے کو منہ لگا ہیں اس بے غیرت کو مگر خاص وہ میری بہن کی آخری نشانی۔ بس اس کی وجہ سے۔ صرف اس کا خیال ہے۔"

● ● ●

دھائی بے بوا نے کہہ۔ بے خود کیا۔

"آہا۔۔۔" اللہ وسایا نے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈرامے کی کے ساتھ ابھرتی نوعمری کا چاپن اور رسول کی راحت کے بیتے میں بھیگی مشکل بیک وقت کھنکتی آواز سنتی اور سوچ لینے کے انداز میں سر دھن کر کہا۔

"نہیں سجدہ کرتے ہی کرتے تھی۔

حق بندگی ہم ادا کر چلے۔

دکھائی دیے۔۔۔ یوں۔۔۔

"آہا اور کر چلے۔ واہ اپنا نام بھی بیچ میں سجایا۔" وہ دستور سر دھنتا اندر آ گیا۔ جہاں اس کی اکلوتی بیٹی دعا عرف ادا اپنے استاد جی ماسٹر عنایت اللہ دتی سے سنتی لے رہی تھی۔ ماسٹر جی نے اس ماہ ہزار تھے پہ مند بگاڑ کے اللہ وسایا کو نیلا منہ جب تخت پہ لمبا ہو تا کا رہا تھا ادا نے کئی بار سوچا ہے جاتو اٹھانا۔

"یہ وہ لا ادا نہیں "اس لفظ کا مفہوم ہے۔" ماسٹر جی نے اس جلی کٹی پھر کہنے والے کلام کی ایسی ناقصی اور بے قدری برداشت نہ ہوئی ابھی وہ اس غزل کی مکمل تشریح کرنے ہی والے تھے کہ اللہ وسایا نے ٹوک دیا۔

"اور سیدھی سی مطلب رطب کو۔ بات تو ساری سروں کی ہے اور میں صدقے جاؤں سوچے رب کے ساری جاؤں آپ کی استادی کے۔ کہ جس نے اس گل کی بچی کے گلے میں سروں کا سیلہ لگا دیا ہے۔ اب سوچنے کے سوچنے کام کیسے پتا تھا کہ مجھ سے سرے کے گھر بھی ایسی سروں کی ملکہ پیدا ہو سکتی ہے۔ ماسٹر جی آپ نے استادی کا حق ادا کر دیا۔"

"میاں اتاری محنت ایک طرف اور اس بچی کی ریاضت ایک طرف۔ ساری استادی دھری کی دھری رہ جاتی ہے اگر کسی میں سیکھنے کی جن نہ ہو۔ میں سروں کی پہچان کرا سکتا ہوں بڑے سے بڑا راگ سکھا سکتا ہوں مگر گلے میں سوز اور آواز میں لوچ تو عطیہ خداوندی ہے۔ ادا کی یہی بات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے کہ اسے سروں کے ساتھ ساتھ شاعری کی بھی پہچان ہے۔ استاد کے کلام کو ایسے سمجھ کے گاتی ہے کہ ایک ایک لفظ دل میں اترتا ہے۔ میں تو یہ اسے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے سروں کو پاک رکھتے رہنا تمہاری آواز گلے سے شور کے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری محنت پہ کیونکہ سطح۔ اسے آج کل کی موسیقی سے آدھ مت سے نہ ہو۔ فقط نے عطیہ ہی ہے جو حسنی کے مترادف ہے۔"

"اوہ ماسٹر جی کچھ مت (آنی باتیں) اللہ وسایا۔ محل کو پہلے ہی میں باتیں نہیں سمجھتی اب اسے صوم اور بال بنا کی طرف لگا۔ بے اصل (بے قیمت) تمہاری گلاں تھے۔ جو کن سکھنے کی فیس لیتے ہو وہ نکلوا باقی سب یہ بچپن میں سولہ تی سے پڑھ چکی ہے۔"

"تم میری بات نہیں سمجھے اللہ وسایا! میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کل موسیقی کے نام پر جو لغو قسم کے گیت گائے جاتے ہیں کوئی معنی اور کچھ بول ہوں والے یہ موسیقی کی روح کو خراب کر رہے ہیں۔ آپ نے نہ سنا تھا کہ طوائفیں بھی منتخب کلام گایا کرتی تھیں۔ آپ اچھے گھرانوں کی لڑکیاں بیاہ دیتے ہیں۔ فحش بول والے گیتوں پہ محنتی ہیں۔"

"ہم ہم کی بات ہے ماشٹری! وہ اور تم تھا آپ قابل شان بھی کچھ کچھ اشارہ سمجھ کر بھی طوائف کی ادائیں ہمیں سکھوں سے سن لیتے تھے۔ اب تو آپ تک نہ پہنچا۔ انگلی نہ چھوٹا۔ سمجھو تمہارے شہر کے پیسے اتنی وصول نہیں ہوتے۔ یہ بیوقوف والی خوبیاں تھیں آپ سواری سمجھا۔ گلوکاری سکھو۔ کا نہیں کوئی دیوے والا۔ کلمہ سننے والا ہی نہیں۔ اور وہ! "میوں تو نہ کھا سیر اموہے" پر کوئی لکھ کر سالے لوگوں کی کڑیاں ٹیکل کروا دیتے ہیں تمہارے شہر میں۔"

"اللہ وسایا! تم سمجھ گئے نہ میں سمجھا سکوں گا پھر بھی۔ آخری کوشش کرتے ہوئے اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ تمہارے ہیں۔ ضائع کر نے والی چیز نہیں۔ اس کی قدر کرو۔ اس کی ساری خوبصورتی اس کا "سچا" پن ہے اسے نہ توڑیں۔ میں نہیں قدر دانوں کی بات میں قتل کر دیجیو۔"

"ماشٹری! آپ کی ہوئی عجب۔" اس نے ماتھا پیٹا۔

"قدر دان جائے چولہے میں۔ وہ جو کر کس کام کا جو جاریہ نہ لا سکے۔ میں نے سوچا تھا آپ نے بڑی بڑی گلوکاروں کو آگے کیا ہے۔ میری لڑکی کے سر پہ ہاتھ رکھو گے تو اس کے ستارے بھی چمک جائیں گے۔ آپ کی شاگردی کا رعب جمائے گا۔ کام لوگوں کا پڑتا ہی ہے۔ اور جو تم اسے استاد کا درجہ دے سکتا ہے۔ ماشٹری! آپ تو ماشٹر ساتوں سے اوپر ہو۔ اس تجربے میں بڑی واقفیت ہوگی۔ آخر بڑے بڑے موسیقار اور گانے والے آپ کو رکھتے ہی آپ کے پیر پڑتے ہیں۔ کسی کو بھی کہہ کر کام لوا سکتے ہو میری بات۔"

"او بھولے میاں! اگر پیر میں گرنے والے استاد کی استادی کیسے کام آتا جو جھکنے والے کام دیتے ہوتے تو میں ضرور جا کر سر کیوں نہ پھوڑتا۔ حالانکہ اپنے وقت کے استاد عنایت اللہ کی آنکھوں نے بھی بھر لیے تھے۔ بالکل کچھ میں آوازیں لگا لگا کر ہار گئے۔ راگ بھیرویں پیاس روپے فی گھنٹہ۔ راگ درباری سو روپے فی گھنٹہ۔" وہ سر آہیں بھرتے ہوئے اپنے سوکھے جسم پہ پیوں میں کمر آلود کو لپاٹی چیز پھنسانے لگے۔ اس پہ سوچی بھی ہاتھ لگا کر تھک چکا تھا۔

"ہم پورا ہو گیا نکلا ہے۔ ماشٹری کا تو سنا کریجے۔ کتنی پانی رہتی ہے تیری پڑھائی؟" اس نے استاد عنایت اللہ کی کے نکلنے کی راہ کو مخاطب کیا جو عجب سے بار موسم کی سی کیفیت اختیار کیے ہوئی کم صم بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے گہری سوچ میں ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔ شاید اسی لیے اللہ وسایا کے ہاتھ آواز میں دوبارہ پوچھنے پہ وہ یوں چونکی جیسے سمت دور سے وہ لیس آئی ہو۔ اور اب وہ کسی اس کی خالی خالی نظریں یہ بھی ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ اچھی پوری طرح جاگی نہیں آئی۔

"کوئی کیل کہیں؟ یا جواب دینے کے لیے سوچ رہی ہو؟"

وہ اپنی دانست میں بڑا تیس مار خان کر لینے کے بعد خود ہی ہنس پڑا۔ حالانکہ اپنی سوچنے لگی کہ "آخر اپنے کیا پوچھا ہوگا۔" مگر اس نے خود ہی اس کی یہ مشکل آسان کر دی۔

"اس مت ہو گئی! کیا دس بیس پورے نو سال ہو گئے ہیں اس ماشٹر سے پڑھتے۔ یہ کون سی پڑھائی ہے؟ اتنے میں قصہ ڈاکٹر بن جاتے میرے سے تھیں پوری پڑھائی اس کی ہر مہینے کی فیس نکل سے چھٹی ماشٹری کی۔ تیرا کیا خیال ہے؟" سوال کر کے اس نے طنزیہ جواب کا انتظار کیے خود ہی منہ شروع کر دیا۔

"ہو گی نا! اور کیا؟ نو سال کم نہیں ہوتے اور اگر اب بھی تجھے استاد کی ضرورت ہے تو پھر سارے تیرے گھر

میں اپنی ماں والے کر۔ ہاتھ پھیر پھلائے بغیر بولی جا رہے تھے بھی۔ بس کر بیٹے کہہ دیا میں نے "بڑی روٹیاں پڑ گئیں تو نے۔ اب میری ہڈیوں میں اتنا دم خم نہیں رہا۔ اب تیری باری ہے۔ کمانے کی اور میرے آرام کے دن ہیں۔"

وہ پھر بھی خاموش رہی۔ خود ہی پکے نتیجے کے بعد اللہ وسایا نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور چونک گیا۔

"چل بھئی! ہوتو تیری باتوں کو ایسے دل سے نہ لگایا کر۔ ایک تو ویسے ہی چپ چپ رہتی ہے اوپر سے میرا بھی دماغ خراب ہے جو جا رہی ہے۔ اگر تجھ پہ آ رہی ہوں۔ بل تو تو میری بڑی اچھی۔ بڑی نیک بی بی تھی۔ کہا تو اپنی والی تیرے شریر بیٹے کو بھیجا۔ اور تو کوئی پیچھے نہیں لوں۔ سنتوں، دیس اس نیک جگہ لگا ہوا ہے تو سال سے۔ ہاں بھئی کون سی لاکھ روپے کی کوالت مارتا ہے۔ اس کا خیال ہوگا اسی طرح لاڑے میں رکھ کے تجھے سارے کام کھاتا رہے گا۔ غور و فکر کی تو سالوں تک میری بیٹیاں کھاتا رہے گا۔ دیا تالا۔ لیکن کاہتر ——— تجھے کیا نہیں کہ میری دعا کو کیا آتا ہے۔ کیا نہیں آتا وہ تجھے بتانے والا کہ اللہ کے سامنے سر جھکے ہیں۔" اس کی صلواتوں کا رخ اب استاد عنایت اللہ کی طرف ہو گیا۔

"ابھی ماشٹری ہے نہیں۔ وہ تو بڑی نیک بیٹی سے تجھے۔" اس نے اپنے محترم استاد کی طرف داری کی۔

"پتہ ہے مجھے۔ پتہ ہے مجھے۔ تو زیادہ کاشتہ نہ کر۔" وہ چیز لہجے میں اس کی بات کاٹتا ہوا بولا پھر سمجھا۔

"سولا خوش رکھے پرندہ کوئی بھی مارا (اجرا) نہیں ہوتا۔

مارا ہوتا ہے اس کا پیٹ اور کھنسی ہوئی ہے پیٹ کی بھوک اور یہ ماشٹر بھی پرندہ ماشٹری ہے۔ پیٹ والا بھوکے پیٹ والا تو بھی بڑی نمانی ہے۔ مجھے کیا پتا کہ یہ پیٹ بندے کو کیسے نچاتا ہے۔ یہ جو فرشتے ہوتے ہیں کر لیجیے۔ یہ ہی لیے تو فرشتے ہوتے ہیں کہ ان کے پیٹ نہیں لگے ہوتے۔ جو سولا بڑی شان والوں کو بھی ذلت دے دیتا تو پھر۔"

"تو پھر۔" اچھا بار جانے اللہ وسایا کی بات کاٹی۔

"تو پھر وہ فرشتہ نہ رہتے اور اگر اللہ سوہنا تو پیٹ نہ رہتا تو تجھ اسے بھوک لگتی نہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایسا ہوتا۔"

"ہاں ابا جی! آپ سچے ہو۔ پیٹ تو تب سے ہی بندہ بشر کو انگلیاں پہ نچاتا آ رہا ہے۔ اس پیٹ کی خاطر ہی انہوں نے سب سے پہلے اللہ کو ناراض کیا تھا۔ اور اب بھی بندہ صرف اس پیٹ و خوش رکھنے کی خاطر رب کو ناخوش کرتا آ رہا ہے۔"

"سولا خوش رکھے۔ ہاں بیٹی میری بھی کبھی حقیقی کے لیے۔ اسی لیے ہو جائے اک اک دو دو بیٹی کا ہو۔ تو والی کا ولا ہے اور تو نے خ کھانا بھی نہیں دیکھا۔ تیری ماں نے تیرے لیے مٹھوں والے چاول اور چرغے کی بوٹی تیری ہے۔ میں تو کھا آیا ہوں ناشتا کر کے نہیں نکلا تھا اس لیے بھوک جلدی لگ گئی۔ چل شاباش میرا پتر تو اٹھ جا۔ تو کے بڑا سولا ہی چند تھا اور چالاک تو تیری ماں نے آپ دائے تھے۔ تیری ماں سے ہی سیکھا تھا۔ اس نے پڑھا اس لیے وہی سوال سے ہی چھ کا۔"

"ابا جی! آپ ماں کے گھر کے تھے۔" اٹھتے اٹھتے وہ پھر سے بیٹھ گئی اس کے لہجے میں استحقاق تو نہ تھا حیرت تھی۔

"ہاں کام تھا بڑا ضروری۔" اس نے کہا۔

"وہی کام جس کے لیے آپ پہلے شہزادی کے دفتر گئے تھے۔" اس نے جھجکتے لہجے میں پوچھا۔ اللہ وسایا بار بار بے چین ہو گیا۔

"آہ! ہو گیا کام اور نہ کیا۔ میں نے ان کی بیچیوں (چاچا نیلی) کی ادائیں کہنے جاتا تھا۔ ان کے چھوٹے پہ ماں پھر نے چاہا تھا۔" وہ پھر سے گرم ہو گیا۔

"ابا جی! کیوں جاتے ہیں ماں یہ سوال لے کر جب کہ آپ کو پتہ ہے کہ ماں جی پسند نہیں کرتے۔" اس نے

کہنے کی کوشش کی حالانکہ جانتی تھی اللہ وسایا کبھی کسی کی پوری بات سننے کا عادی نہیں۔

"اوبے تو مجھے اپنی طرح تیرے سامنے کلہ ہونہ پیشہ کہیں کرتا اس کی پسند کی تو۔" اس نے زہریلے لہجے میں گالی دی۔

"مکھوست ہو گیا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں ٹائن مرید ہو کے مذہب بدل گیا ہے۔ تو پوچھتے پوچھتا کیوں نہیں آتا؟ ولا کسی کی نہیں جوان ہوتی لڑکی کو ساتھ لے کر پوتو کے بالکل ہی بے جان ہو گیا ہے۔ جو چرچ کے گاؤں اس کے لئے ہے جو زمین ملنے گی وہ اس نے بولنا ہے اور کیا کہتے اس نے چرچ اور اس کی زمین کے۔ ان دونوں کو تو میرے ہر کام میں کیڑے نکالتے ہوتے ہیں۔

تیرے بھی کرنی کیری سنتا ہوں۔ کہ لاڈلا بگڑ گیا ہے۔ تیری ماں بتا رہی تھی کہ ابھی تک چھپ چھپ کر رکھتے رہی تھی۔ اسے مردوں کے اس رم کی "چیز" (دوا) کا تو پتا تھی جو میں عیدت پہلے شرابیت سے کے کر آیا تھا۔"

"ماں جی آپ نے بھی تو حد کر دی تھی۔" شمس کا لہجہ کسی لیے لہرایا تھی۔ "اس کی بیماری میں تمہارے شرمناک اسی لیے تنے عرصہ ماں جی کے گھر نہیں گئی حالانکہ آپ کو پتا تھا کہ میرا دوست ہی ہے کن لوگوں کے تو رشتے دار ہوتے ہیں۔ میرا ایک لڑکے کریم ماں جی ہو سامی ان سے بھی آپ کی وجہ سے کترا کی پھر رہی ہوں۔"

"وہ تو نے چلے گئے ہو جب تیرے رشتے داروں کے ساتھ ویلا (وقت) گزر جاتا تھا اب تو وہ بھی جس کے گھر رشتے دار تو ہی رہے تا ہوں تیرے لئے کہ اب کہتا ہوں اسے تیرا اتنا خیال ہے اتنا اپنا ہے تیرا۔"

"لیکن شہزادی۔"

"ہم مت سنا اس کا میرے سامنے" آپ سے باہر ہو رہا ہے۔ تو خاوند ہو آؤں نے مجھے پابندیاں لگانے والا مجھے بے تابی والا کہ میں اپنی اولاد کے ساتھ کیا کروں اور کیا نہیں۔ ہر کوئی اپنے لگائے درخت کے نیچے سستاتا ہے۔ اگر میں چاہتا ہوں تو اس میں برائی کیا ہے۔ ٹھیک ہے نہ دو کر۔ کون بتا رہا ہے آپ بتا تا ہے۔ دیکھ لینا ایک دن تو شہرت کی ایک ہندی پہ پیچی اولی کہ اس جیسے سر اٹھ اٹھا کے بھی مجھے نہ دیکھ سکیں گے۔"

"اماں جی آپ بھائے کن خوابوں میں رہتے ہیں۔" وہ کانپ کے اٹھنے لگی۔

"خواب تمہارے دیکھتے ہیں۔ بوسے کسی کے ہوتے ہیں۔ اور میں بھی خواب ایسے بے فضول میں نہیں دیکھ رہا۔ کہتے انجیر، طرح چاہتا ہے کہ میری دعا دی دانی میں کتنے کمین ہیں۔ اسی لیے تو نو سال سے پیٹ کاٹ کاٹ کر تیرے اس شہزادی کی فیس بھر رہا ہوں۔ اور یہ بھی میرا ہی جگرا (حوصلہ) ہے ورنہ روپے کہاں ان "دھیڑوں (چھوکروں) میں بٹتے ہیں۔ سرخی پوڈر لگایا۔ بیک (مائیک) ہاتھ میں پکڑا۔ کوئی کچھ پھر کتا اکانا شروع کیا۔ ساتھ میں آنکھیں مٹکاتے گئے تک (کمر) ہلاتے رہے اور بن گانا ہو گیا۔ مگر یہ بازاری لوگوں کے لچھن ہیں۔ ہم تمہارے "خاندانی" اور "نائی" ہیں۔ طریقے چلتے ہیں کا استعمال کرتے ہیں۔ ہماری دانی دوہی ہی ہیں۔ ہماری پہچان بھی ہے ہمارا نام ہے۔ اسے چھوڑ گی سے نہیں بچ سکتے۔ اسی لیے میں نے "خاندانی" طریقے سے تیری تعلیم پر خود سے کیا۔ مگر ایک اور بات بھی ہے کہ تیرے شوہر کو کس طرح پہلی بیت نہیں چھوڑنی چاہیے اس طرح سے تیرے نے کئے رواجوں سے بھی ایک دہلیز نہیں چھوڑا جا سکتا۔ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں یہ ساری بے سود ہی ہے۔ سوچتا ہوں تیرے سر پہ ہاتھ رکھ کر رہی ہوں۔ پھر دماغ میں خیال آتا ہے کہ انہوں نے دوا کرنے میں کوئی کسر بھی تو نہیں چھوڑی تھی۔ تجھے میں جب بھی سے کر کر اپنا ہوں۔ کبھی طعل کے روپے کی بکل بھی مارے میرے کے تعل میں لگا لگا کر کبھی لت (چھپا) ہلا دی پہ کوئی تجھے کھانے بھی دیا سوچ کر دوا ان اطلاع رکھا کر چند دیے۔ کوئی بچہ اونٹ ذرا چھوٹا (ہنگ) کے بل بنا طریقے سے بات بیت کر۔ تجھے کال کی بھی سمجھا تھا کہ بول چال اچھی بکھ جائے۔ الا تیری نوالکل ہی بولتی نہ ہوئی کے لیے جا کر۔ چھ سفت مینے بعد اس میں مرغی گئی۔"

"کیا فائدہ تھا ماں جی وہاں جانے کا" آپ نے دوطلے کی اجازت ہی تو نہیں کبھی آپ مجھے میری مرضی کی نوکری

کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لیکن اب سمجھ میں آیا کہ آپ مجھے غلامی سے آزاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ غلامی لیجانا چاہتی کی غرض سے بھیج رہے ہیں۔ تو میں نے اس بار موقع کے آگے بیٹھ زیادہ سمجھ۔ ٹھیک بھی ہے اگر ان کام کو بھی کرے مجھے مزدوری واقعہ کرنی اور پیسوں کے ساتھ۔" اس سوچ ہی کر کھڑ سکی۔

"خیر ہو رہے تھے تا اوپر ہم ہو گیا۔ بس شاباش روٹی کھانے۔ خیر میرے بے کا ہمنا۔" اس کی خاموشی سے اللہ وسایا نے بھی اندازہ لگا لیا کہ وہ اس کے مشورے پہ غور کر رہی ہے۔

"روٹی میں کھاتی ہوں۔"

"کھا چکی؟ میں تو سوچے بچے کر نہیں کیا تھا پکانے واسطے۔"

"تھوڑی رات کی دال تھی آلیے دیا کٹ لو نہو (ہوں) بھر لیا تھا۔"

"اے ہائے ذرا صبر نہیں ہاتھ کیا تھا تو کچ کے کری مرگاں آیا تھا شوق ہے تھیلے کی طرح ہی روٹیاں چلی ہوں میں بھر کر کھانے کی۔ پکی سے روٹی تو کر نہیں بھرنے کا۔ اتنا سوادی جو تھا کل کر ہاتھ سارا کھا جاؤں۔ تیرے لیے اپنی بھوک روک لی۔ ٹانک کی کوئی طاقت رکھ کے لیے آیا۔"

"وہ بھی تھی اس کے ماں کی بھوک سدا بہار جوان رہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

کیا اہل ہنر، کیا اہل شرف سب کھوئے رہی کاغذ کے
اس دور میں ہے وہ انسان جو ہو روز خبر میں رہتا ہے

عمیص کو اپنی صدر کر دیا۔

"فضول کا ظرف جو لوگ دہشت کام لے سکیں نہ شرف کسی کام آسکے ان کے دکھایا ہے چھپانے کو ایسے ہی فتوے صادر کرتے پھرتے ہیں۔" کل مرغے تک چڑھائی۔

"اور بالفرض تمہاری یہ بات مان بھی لی جائے تو صاحبزادہ عمیص تجربہ رہنے کے لیے بھی یا تو اہل ہنر ہونا ضروری ہے یا پھر اہل شرف۔"

"چھا اور دو اشتہاری مجرموں پہ پورے کے پورے نہ چھپتے ہیں ان کا تعلق کہیں نہ کہیں گدھی سے ہوتا ہے۔"

"بحث کرنے کے لیے بھی بالکل ہی ضرورت ہوتی ہے اور انسوں کے ساتھ کوئی پڑ رہا ہے کہ تمہارے پاس صرف اشعار کا ذخیرہ ہوا ہے باقی سب خالی ہیں۔"

"بحث کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ عمیص آپ ہی بتا دیجیے کہ گل مہر کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ ہے؟ کیوں ستارے ہیں انہیں؟" صاحبزادی یاسمین نے ان دونوں کی وجہ سے ماحول میں تناؤ پیدا ہوتے دیکھا تو صلح کا پرچم بلند کیا۔ "ہاں تو ہم کیا بتا رہے تھے۔"

"ہماری زندگی کا ہر دن اہم ہے۔ ہم از کم ہمارے لیے۔" کل مرغے چڑانے کے سے انداز میں عمیص کو دیکھا۔

"کسی اور کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارا ایک دن دینے پہ تیار ہو۔" اس کی بیوی بات صرف نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ "بات تو ایک جھگڑے اور کہا کے برتن سمیٹنے لگی۔"

"اب خالہ جان کی شادی ہوئی ہاں۔" شمشیر نے اپنے تئیں بات بدلتے ہوئے بات کی۔ "ولیمہ کیا تھا اچھا تھا۔ مگر اس کی بیوی بات والی موجود سب نہیں کے لیے جھگڑے کے مترادف تھی۔ گل مہر نے پہلے تو بات ہی نہ کی۔ آپ رکھ کے اسے عورت اور اس کی والدہ محترمہ کو کہ شاید یہ بیٹی صاحبزادے کو پرانی ہو۔ سوچتے ہوئے نظریں تیز اردی طور پر عمیص کی جانب اٹھ گئیں۔ جب کہ وہ شمشیر کی اس بات کو کل کے انجوئے کرتا ہوا۔ سیالا کر مسکرا رہا تھا۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟ کیا حضور نے۔" کل مرغے شمشیر کو آنکھیں دکھائیں پھر صاحبزادی یاسمین کی

طرف متوجہ ہوئی۔

"اور آپ کے۔۔۔ یقیناً امی حضور نے کوئی چیز بنائی ہوگی۔ تب ہی تم سوچ رہے تھے کہ قورمہ آپ کی سواری کرنی ہمارے غریب خانے میں آ گئی۔ رزاق کی سیاہ آہ دینے کا ترا ہاتھ۔ اصل میں تو یہ مٹانے رکھی تھی؟ ہے؟؟"

"ارے رے۔۔۔ گل مرے۔" وہ گھبرا گئیں۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟ تم اور آپ کی شادی۔۔۔ ناممکن ہے کہ یہ ہمارے طے کرنے کا کام ہو۔ نہیں۔ اور چچی حضور یا پھاپھا حضور نے اس بارے میں اگر کچھ طے کر رکھا ہے تو بخدا ہم اس سے واقف نہیں۔ رہا مشیرہ تو وہ بچہ ہے اپنے ہی ایک جملے سے نکل گئی۔ آپ نہیں ہو سکتیں۔"

"کمال ہے آپا حضور۔ آپ تو یوں بے ملالی میں تیسرے ہی مکھڑے کے قتل کی کارروائی سناتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہیں۔" عصیں کو ان کو اس طرح کھوکھلا کر رہنا تھیں بیتابی نہ آیا۔

"اور تم اتنا بھڑک کیوں رہی ہو۔ کیوں کہنا چاہیے کہ بدک کیوں رہی ہو۔ ہم نے چاہا تھا کہ ایک ایسا ہی تو بیان کیا ہے۔ تم نے کوئی واقعہ نہ نافذ نہیں کر دی جو تم ہر ایک کو کھرے میں تھینچنے کے درپے ہو گئی ہو۔ آپا حضور۔ تو بھی پھپھی حضور بالفرض ہو لوگ اپنا جو سوچ رہی ہیں تو اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اچھا بس مت بولو۔" اس نے چاہا چپ کے ساتھ۔

"کاہے۔ ارمان پورے کرنے کے لیے ایک ہمدرد ہو گئے ہیں کیا؟"

"نہیں تم ایک کیوں نہیں بھی ہوں نا۔" اس نے بھولپن سے منہ بنا کر کے کہا۔ یاسمین کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کچھ بھی بعد خوق سارے ارمان نکالے جا رہے ہیں۔" اس نے کھلی رعایت دی۔

"پہلے تم خود کے ارمان پورے کرنے کے قابل تو ہو جاؤ۔" اس نے بڑا کاری طعنہ مارا۔ چند لمحوں کے لیے عصیں خاموش ہو گئیں۔ فاتحہ میں سوچ بچار میں رہتی رہ کے واپس آ چکی تھی پیچھے پیچھے ٹک ٹک چلتا رہا لکھو بھی تھا۔

"ایسے ایسے چھوٹی باتیں ہم کس کام کے اگر سب کچھ آپ سے ہی کرنا ہے۔ میں کہتی ہوں یہ مارک کلائیاں ختم کر دی جائیں گی۔ اس آپ تبالی جائیں۔ میں بنا لی ہوں گی۔" وہ شکیں کر رہا تھا مگر موتیا سخت اتنی ہوئی لگ رہی تھی۔

"ارے دولہا میں نے کہا نا۔ لکھیں۔ خود ہی کاپی گی۔ ہوئی امی حضور نے خاص آ کید کی ہے۔"

"ہونہہ۔ ہمیں تو کوئی کسی قابل سمجھتا ہی نہیں۔" وہ دھپ سے وہیں برآمدے کے ٹھنڈے فرش پہ بیٹھ گیا۔ پیروں میں جھنکس ڈالیں۔ جھنجھنا گئیں۔

"بڑی بی بی فرمے اتنے ہوئے استحان تو یہاں ہوئی ہیں۔ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں۔ خود ہی لکھی دل کرتا ہے اس خوشی میں شریک ہوں۔ لاہیں گا کیں۔"

"اور پھر آپا حضور سے چھپنی کھائیں۔" عصیں نے اپنے تصور دلانے کی دھمکی جاسوسی کو توڑتے ہوئے اس کا فتور کھل گیا۔

"اوں ہوں ماہرا۔" عصیں "آپ کیسی زبان بولنے لگے ہیں۔" یاسمین نے سرزنش کی۔

"ارے کیا حضور نصیحت ہو گئے۔ ورنہ ہو بھی ایک گھر ہے کہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے۔ انہی گلی کوچوں میں کھیلے اور "لاہوری" نہ بن سکے۔ کمال ہے کہ بابی دار شاہ لوگ ہوتے ہیں یہی اور کیا زبردست زبان ہے۔ یہ بنگلی امی۔ ایران سے کہہ رہا ہوں۔ بڑا رعب ہے اس زبان میں۔ ویسے دیکھا جائے تو ہمیں بھی نہ ہوتی۔ ہمارا جا سکتا ہوں۔ "لاہوری" شہری پیدائشی ہے تو پھر اگر بول چال میں زبان لاہوری بن گئی ہے

"بھئی بی بی زبان کوئی بھی بری نہیں ہوتی البتہ ہر زبان میں کچھ اچھے یا برے لفظ ضرور ہوتے ہیں۔ شائستگی کا تقاضا ہے کہ ہر ممکن حد تک حرام الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔"

"اور دولہا کا تقاضا ہے کہ اسے اپنے دل کے ارمان نکالنے کا پورا موقع دیا جائے۔" لکھو نے خلاف سے توجہ ہٹتے کچھ کر پھر سے بولی۔

"اب اور کیا کرنا چاہتے ہو تم۔ محن میں جھنڈیاں لگا دیں؟ شہر بھر میں ڈھنڈورا پیٹنے پہ اعلان کروا دیا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے؟"

"کوئی دھوم دھڑکا ہونا چاہیے۔" وہ مصر تھا۔

"مثلاً کوئی محفل موسیقی؟ تم کس بر شرما۔"

"ہے۔ کوئی خالہ کی شادی تھوڑا ہی ہے۔ تو یہ سب ہوگا۔" آپ کے سب سے چھوٹے اقدس کی سالی شادی ہے آج تھی۔ یا یاسمین بتا رہا کہ رہ گئیں۔ جب کے موتیا اور عصیں اپنی ہنسی نہ روک سکے۔

"ہنسیں۔ ہنسیں۔ ہم نہ کہتے تھے کہ کوئی بیچ ضرور ہے۔ آخر ان پہ اس کے کان میں کچھ پڑا ہے۔ وہ بار بار اس طرف دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں ان کے کان میں تو اب تیم نے سرسوں کے تیل سے بھرے جانے کا کہا ہے۔" لکھو نے اپنی بوکی۔

"میری توبہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس طرح بار بار بھڑک کیوں رہی ہو۔ اصل تو اتنی کوئی بات ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر ہوتی بھی تو ہم یہ وعدہ کر کے کیا حاصل اور بالفرض اگر ہو بھی گئی ایسی قابل اعتراض بات تو کیوں ناک بھوں چڑھاتی پھرو۔ آخر یہی تو نہیں کہ ہمیں تو تمہاری شادی ہونا ہے۔" موتیا نے اس کے بنتا نے پہ اچھے کے کہا۔ یاسمین نے بھی تائید کی۔

"ہاں اور اب وہ بڑا مناسب موقع ہے۔ آپ کی تعلیم بھی مکمل ہو چکی ہے۔ ابھی تک کی کوئی خبر نہیں کہیں تو تیار ہم ہے دیر پہ اچھے ہیں۔ ان کی خواہش ہے ہم سوچ رہے ہیں کہ امی حضور اور چچی حضور سے ذکر کر کے دیکھیں کہ ان کا کیا ارادہ ہے۔"

"پلیز آپا حضور تم لیے شکایت مت کرنا۔ اور یہ بھی بتا دیں کہ کچھ تعلیم بھی مکمل نہیں ہوتی۔" وہ اس قدر گھبرائی اور بے تابی سے اکھڑے ہوئے کہ سب پہ پہلی کہ یاسمین چپ کر گئیں طرح موتیا جو اس کے احوال کی بھی تدریس ہوتے رہ گئیں کہ پرانی بھی آپ بھی پیچھے نہ رہیں۔

"ہمیں کیا ضرورت ہے تمہارے لیے مشکلات کھڑی کرنے کی۔ یا تمہاری اسی سوالات "تعلیم" کی راہ میں رکاوٹ بننے کی۔ کہ بھلے سے بوریاں بھر کے ڈگریاں لیتی رہو۔ تمہیں اتنا احساس نہیں کہ ہم امی حضور کی کمر تمہاری جیسی اولاد کے ترلے تک گئی ہے۔ تمہیں کیسے میٹا انسٹیٹیوٹ میں جانے کا خبط ہے اور کچھ نہیں۔"

"آپا حضور کی کمر جھکانے کے لیے اور بھی بہت سے خرچے ہیں۔" اس نے اپنی خوبصورت انگلیوں کو پھیلا کر ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے انتہائی طور پہ سرسری سا جواب دیا۔ وہ بے نیازی اپنائی ہوئی تھی۔ جس پہ وہ لڑکا جاوری تھی اور اس کے لیے بیٹھا تھا۔ صاحبزادی یا یاسمین کا چہرہ پل بھر کے لیے تاریک ہوا۔ پھر وہ نظریں جھکائے رہ گئیں۔

"اور ویسے بھی ہمارے طے کیا ہے کہ اب ہم اپنے اس واحد شوق بلکہ جنون کی تکمیل کے لیے آپا حضور پہ مزید بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ تمہاری پوری بات سنے بغیر آپ نے حتمی فتویٰ صادر نہیں کر سکتیں۔" اس نے موتیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹھو۔ کہتے ہیں کہ مزید ایجوکیشن ضرور حاصل کریں گے۔ ہر حال میں کریں گے مگر اس کے اخراجات کی ذمہ داری نہ آپ پہ ہے نہ کریں گے۔" اس نے کہا اور جھاڑ کر رکھ دیا۔ یاسمین آپا حضور موتیا تک گنگ رہ گئی۔ اس کے چند روز پیشتر کا اس پہ اپنا جو ارادہ واضح کر چکی تھی۔ مگر اس نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ لیکن اب

اس طرح سب کے درمیان بیٹھ کر بیانگ دہل یہ اعلان کرنا۔ یہ بتانا تھا کہ بنت واقعی میں ہے اور عصمت جو اس ساری گفتگو کے دوران مسلسل خاموش تھی گل سرو تک رہا تھا ایک جھٹکے سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"جناب۔ شارٹ ٹائم جناب۔" اور تم؟" وہ بے یقینی سے اس کے قریب سرک گیا۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہم جو کہتے ہیں پہلے سے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں" تمہاری طرح نہیں کہ کسی اور کو تمہاری بات کی کیا سمجھ آئے گی اور تو نہیں چاہو گے کہ ایاز تک پہنچے۔"

"ٹی انفال تو کسی رائے میں تمہارے بارے میں قائم کر رہا ہوں انجال" تم خود میں بتاتی کہ مکمل سوچ کر اشتعال انگیز جملے کے جواب میں تم جو عوامی کر رہی ہو، میں کا تاثر خوفی اظہار بھی اس صورت میں بھو چنال رہا ہے اس پر مکمل درآمد کرنا قوت ورکی بات ہے۔"

"ہم تمہاری طرح دوسرے دھوکے نہیں کرتے اور دیکھو چنال آنے کا مسئلہ تو ظاہر ہے خود کو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے کے بعد ہی ہم یہ قدم اٹھا رہے ہیں۔"

"جیسے شوق اٹھائیے، صرف قدم ہی نہیں ہے شک آپ خود اٹھ جائیں۔ میرا مطلب ہے جہاں سے تعریف بھی ہو کہ اپنے سابقہ شوق اور ضدیں جس طرح تم تکلف جلیلوں کو متوالی تھی ہو، یہ بھی چچا حضور سے منوالو گی۔ میری مثال سامنے ہے میں سال ہوئے ہر تال پھلانگتے ہوئے اندر کی دھنک کا بقول چچا حضور باعزت کام مانا ہے نہ ہی اس بات پر تیار ہوتے ہیں کہ اور کچھ نہیں تو میں کسی اچھے اسٹور سیلز مین ہی لگ جاؤں۔ ڈیسک والے ڈیپارٹمنٹل اسٹور اچھے بھلے سارے پانچ ہزار فی دیتے ہیں سیلز مین کرنے کے اور دو ہزار کمرے والے ڈیوری بوائے کے طور پر چھ ہزار دینے کو تیار تھے شروعات تو ایسے ہی ہوتی ہے لیکن چچا حضور مانیں تو جب کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جس کے نشانیاں نہیں ہوں۔"

"تم نے جن کے نشانیاں شان کام ڈھونڈنے کی کوشش بھی کر تو نہیں کی۔ اور تم کوشش کرتے بھی کیوں۔ اس خلا ہی اے کی ڈگری کو آج کل کون پوچھتا ہے اور اجاڑ تو نہیں خراب ہو پچھلے کئی سالوں سے سارا آرام سکون چھوڑ کر ان سیاسی سالی کتابوں میں غرق ہوئے ہیں۔ محنت بھی ہے کہ نہیں جاتی۔"

ایسی تو ہمارا رزلٹ بھی آئے نہیں ہوا تھا کہ دھڑا دھڑ جواب کی آفر آنے لگیں۔ لیکن ایک تو ہم فل ٹائم جاب کرنا نہیں چاہتے تھے کہ ہماری پڑھائی کا حرج نہ ہو اور دوسرا یہ کہ ہماری کوشش بھی کہ کام نفع بخش ہو مگر ہو ہمارے انٹرسٹ کا بھی کوئی اپنا ہو۔ صرف پیسے ورک یا وقت ورک ہمیں بور کرتا ہے اسی لیے ہم نے صرف منی کی فل کی آفر ہی پہلی سوچا۔"

"کیا ہی اچھا ہو اگر تم چچا حضور کے بارے میں بھی پہلے سوچ لیتیں۔" ہوتیا نے طنز کیا۔

"دیکھو گل مولا یہ صرف اتنا ہی نہیں کہ چچا حضور کو اپنے خاندان کی ناموس کم حیثیت والی ملازمت کی وجہ سے خطرے میں پڑتی نظر آتی ہو۔" عصمت نے اب اسے سنجیدگی سے سمجھانا چاہا۔

"ٹھیک ہے کہ میرے ساتھ انہیں صرف لاء ساتھی اختلاف ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اتنی بہترین قابلیت کے لحاظ سے مجھے ایسی ہی ملازمت مل سکتی ہے جسے جائے انہیں پر کشش اور پر رعب عہدے کا خواب رکھنا بھی میرے لیے ممکن نہیں لیکن اگر تمہیں ایسی کوئی جاب مل رہی ہے تب بھی چچا حضور کا مانا ناممکنات میں سے ہے۔ جس طرح مجھے کانسٹیبل لگنے ہو کے شرمناک بیٹھ کو گنوایا اور تمہیں انہوں نے گوارا نہیں کیا ہے ہی اپنی "ساتھ لوگی" کا کہہ سے باہر نکلنا اور وہ بھی محض رزق کے لیے انہیں قطعی منظور نہیں ہوگا۔ حصول علم کے لیے ان کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی اس کا مطلب تم جو سمت لے لیتا کہ ابھی ہی روشن خیالی کا مظاہرہ دوہرانے میں کرتے رہیں گے۔ تمہیں کورٹ کا عہدہ بھی مل جائے تو ان کے لیے قابل قبول نہ ہوگا۔"

"کیا تم سب یہ طے کر کے بیٹھے ہو کہ بہرحال میں ہماری مخالفت کرنی ہے۔"

حقیقت کا سامنا کرنے کو ہم گرفتار نہیں تھے۔ اگرچہ یہ سب باتیں ابھی ہو جاتی تھیں مگر دانستہ ان سے نظریں چرا کے خود کو بہلا دینا بات کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اب عصمت کا حقیقت پسندانہ تجزیہ اسے تمام باتوں پر مجبور کر رہا تھا۔

"اچھا حضور تک تو سب بات جائے گی ہی نہ جائے گی۔ کم از کم پہلے تم لوگوں میں سے کوئی ہو ساتھ دینے پر تیار ہو۔ اچھا حضور سے بھی ہم خود بات کریں گے کسی سے مدد لی جائے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری نیت میں ان کے سامنے بنائے گئے تمام ارادے تم لوگوں میں موجود سپورٹ نہ دے سکتے ہو اتنا ہی نیت دیتے جا سکتے ہو۔"

"ہاں تم تو بہت سے سپورٹس کے لیے تب بھی کسی تیار ہو۔" ہوتیا بڑبڑائی۔

"گل مولا پلیز دیکھو بات سنو۔" عصمت اس کی آنکھوں کے فرش پہلے ہوتے دیکھ کے میں ہاتھ پیر جوڑ رہی تھی۔ ہوتیا نے ناگواری سے اس کی بے چینی ملاحظہ کی۔

"ہاں تم تو ہاتھ لمبے چوڑے دعوت کر دی تھیں ہمارا ابھی سے کنوینر تھیں۔ میں تمہاری بات کو نہیں کر رہا تھا صرف تمہیں تمہارے فیصلے کے نتیجے میں ہونے والے رد عمل سے آگاہ کر رہا تھا کہ تم ذہنی طور پر تیار رہو۔ جہاں تک سوشل سپورٹ کی بات ہے تو میں صرف سوسائٹی میں ذہنی کلاس ہی نہیں بلکہ ہر طرح کی سپورٹ کے لیے تیار ہوں۔ میں آپ کے ہی ان فرسودہ روایتوں کے خلاف ہوں۔ ارے یہ کیسی عزت ہے جو گلی محلوں سے تانکا جھانکی کے وجود آتی جا رہی ہے کہ سانس لینے سے ٹوٹ جائے گی۔ آخر کبھی تو ان کا خاتمہ ہوگا۔"

"ذرا کمال سے ہماری بات کی گئی۔ اب آپ تک کتنی کامیڈی کے بیٹھے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گل مولا۔ ہمیں تو اس میں کوچا حضور کو یہ سمجھانا ہے کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق اب ان کا اپنے قوانین میں ترمیم کرنا کس قدر ضروری ہو گیا ہے۔"

اس کی آواز آہستگی سے گل سرو کے جلی میں ٹھنڈا کیے کے سوتیا پچھ سنا چاہا مگر کچھ سوچ کر خاموش کر گئی۔ بابا تین نے سر جھٹک کے بچوں کی طرف توجہ کی۔ اقدس تو لکھو کے کاندھے پر سوار ہو کے والان میں گھس چکا تھا۔ کاش کو سوتیا نے سنبھالا دیا تھا جبکہ شہزاد اور نائب حنا الحمد کے پہ ہماری بھتیجے سن رہے تھے۔ لیکن کاہل بھر آیا۔ وہ اپنے بچوں کو اپنے گھر کے گلیے ہوئے ماحول سے بمشکل آزاد کرا کے بھی بھار چند دن یہاں گزارنے آئی تھی۔ سمجھے ہوئے اور محبت و تعلق کے احساس سے قطعی نا آشنا یہ بچے یہاں آ کر چند گھڑیاں ماموں اور خالہ سے چہلیں کرتے تھے۔ خالی سے مذاق اٹھوا لیتے تھے اور نانا سے فرمائشیں کرتے تھے مگر اس وقت اقدس اور شہزاد کی نظروں سے اپنی ہراس ایک سے رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو سامنے دیکھ کر بیٹھا ہوا تھا۔

"اور ڈاکٹر صاحبزادی۔ کل صرف عصمت بیٹی کی شادی کر رہی ہیں چچا حضور پر زیادہ توجہ ظاہر کرنی تو پھر "اوہ گھبرا" کیں۔ دل ہی دل میں اس مسئلے کو تب تک ٹلے رہنے کی دعا مانگتے ہوئے بچوں کو کھانے کے لیے اٹھوا دیا۔ جب تک کہ وہ وہاں تھے۔

☆ ☆ ☆

"ابا جی! نہیں ہو گا کچھ بھی۔"

"کیوں نہیں ہو گا۔ میں کوئی ابھی اس سرکس میں رسی پر سائیکل چلانے کا کہہ رہا ہوں تھے۔ وہی کام کرنے کا کہہ رہا ہوں جس کی تجھے "جاج" (مشق) ہے اور جس کو سیکھنے میں تو نے اپنی زندگی کے نو سال اور میرے ہزاروں روپے برباد کیے ہیں۔ میں بھی تو دیکھوں تیری فنکاری۔" آندھی سایہ نے دھاگا کھینچتے ہوئے کہا جو ہوتے ہوئے ہراساں ہو گئی تھی کہ اللہ دمایہ نے بروسٹ مقبول کے کیسے پر اس "فعل موسیقی" میں دھاگا کھینچنے کی بابی بھری ہے۔ اس کے دو سالا اور امراء کے لیے بڑے بیانے پر منعقد کی جاری ہیں جبکہ اس نے تو اپنے دائیں میں ملنے والے تمغوں کو ہی پکڑ رکھے تھے۔

"ابا جی! اسٹیج کے سامنے گانا اور بات ہے۔ سینکڑوں لوگوں کے سامنے گانا دوسری بات۔"

"تو کیا ساری عمر شاعر کو سائے بٹھا کے گاتی رہے گی۔ جو دیا خاک نہیں کماتا وہ یہ ہزار ہر مہینہ ڈال کے لے جاتا ہے ایسے چھوٹے موٹے فنکشن کرتے کرتے تو آہستہ آہستہ جھک جاؤ گی۔"

"لیکن ابا جی!" وہ تھوڑی تھوڑی سمجھ رہی تھی۔

"اس بڑی امی کی تیری اس بالی کے فنکشنوں پر بڑے بڑے ہدایت کار اور سفارتی آتے ہیں اسی طرح تو فلموں میں آئے گی۔ اور آگے آگے آنے کے لیے آپ کی ہاتھ بیمار پڑتے ہیں۔ کوئی اسی کا پلہ (پلہ) نہیں پکڑتا۔ ساری دنیا آنا جانا ہوا اور دیکھ لیا ہے تیرے ماں کو بھی۔ بڑا ماما" ناچ رہا ہے۔ کسی کا دل دکھانے کے لیے بہت ناچ کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہنا تو چاہتا ہے کہ تو ناچ بھی رہی ہے اور تیرا دل بھی ہار بیٹھا ہے۔ تیرا ابا بھی زندہ ہے۔ سب ناچ کر سکتا ہے تیری خاطر ملک صاحب بھی ایسے ہی تیس دن تک بڑی خاطر مدت دا ہیلے کرنے پڑے ان کے۔ دراصل موسیقی کے ماہر یہ گانا سنتے تو وچار لوگ ہی آتے ہیں باقیوں کو تو چاہیے "تھرتھلی" (فرفر تقریر) ایجاد دینے والے ڈانس شانس۔ بارہ ڈانس رکھے ہیں انہوں نے تین گھنٹے سے پر کرا ہیں۔ دو تین میں ڈانسوں کو قدر دینے کے لیے چار گانے والیاں بلائی ہیں۔ وہ اسٹیج کے سنگرے بھی بلائے ہیں۔ اب تیری ہمت ہے کہ تو اپنے حصے میں آئے دو بار منٹ کا ایسے قدر نکالے اور خدا کا واسطہ ہے جو بڑے بڑے اپنے ناشتے کے کھانے اشوک نہ گلان بیٹھ جائیں۔ کوئی مشہور پرانا گانا ہے۔ اس پر ایسا ہو کہ خوف اٹھ کے ناچنے لگ جائیں۔"

وہ گھبرا بولی۔ اللہ دیا کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ان کی ایک دیہاتی بوڑھے گاؤ دار ہے ہر حال میں اس شو میں پروگرام کرنا بڑے کام کا ہے۔ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ایڈوانس میں ملے تین ہزار وہ اب تک اٹھا چکا ہو گا۔ اس کی خاموشی کو رضامندی جان کر وہ بڑبڑاتا۔

"یہ نے ہزار روپیہ کیز اتنا تو میں نہیں آسکتا۔ آ بھی جائے تو اتنی جلدی سمل کر تو دیکھے۔ تیرے ماں کے پاس بڑی بڑی (عمدہ) ساڑھیاں ہیں لیکن اس کے پاس تو بنا نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر سماروں کو کہا چل جائے تیرے پروگرام کرنے کا اور وہ کوئی دیکھ (مسئلہ) ڈال دیں۔ اب ہر طرف تیری دو دو ہو گئی تو ہوں آپ ہمیں کے مضامیاں نے کر تیرے میں کوئی انتظام کر لیں۔ کراست سچ سے بات کرتا ہوں اس کے پاس کوئی نہ کوئی انتظام ہو گا۔"

کراست سچ کلاں کے بھٹے کا وزیر تھا مگر ذکاء اس کی بڑے بازار میں تھی جہاں کی ناچ گرا ہی عورتیں اپنے "ٹھیے" میں بیٹھنے والے بھرے کیسے ہوئے اس سے سنواتیں۔ وہ اتنا بڑا کی ہر ہیروئن کے لباس کو جس کا تو نام نہ دیا کرتا تھا اللہ دیا سالا سے اس کی پہلی باری تھی۔

"ابا جی! میں نے فنکشنوں میں گانا گانے جانا ہے۔ تو تنگ کر لیا۔"

"تو بدلو۔ گانے نہیں جاتی ہے۔ گانا تو بعد میں گانے کی پہلے تو تیری شکل ہی نظر آئے گی۔ ناسامنے بیٹھے ہوں کہ۔ اس طرح اٹھ کے اسٹیج پر جاتی ہو گی تو لوگ سے خانہ اور اندھے ہی پڑیں گے۔ آخر تیرا باپ بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔"

"نہیں گھر کو دیوں ابا جی! مجھے میرا کانپتا ہے گانا یوان کپڑوں اور بالوں کے ساتھ بھی آسکتا ہے اور جب۔"

"تو وہ بیالی بنتی کی کوشش نہ کر۔" اللہ دیا نے اس سے بات کاٹ دی۔

"تو کیا بہت بڑی گھر کا رو ہے۔ اتنا نور اچھا نہیں ہوتا۔ دیکھا نہیں "شکل" ہے۔ بھلی گھر کا دار پائے کی فنکار بھی ہوں تو بے نہ ہے بغیر اور منگی ساڑھیاں پہنے بغیر گانا نہیں گاتی۔ تو ہو رے کسی زمانے کی پیداوار ہے۔ چل چل سوچ کر کہ۔ جیسے کہہ دیا ہوں ویسے کر۔ یہ سب تیرے ہی بھلے کو ہے۔" وہ آرزو رہتے ہوئے باہر نکلنے لگا کہ پیچھے سے وہ کی اچانک پالی سی آواز آئی۔

"ابا جی! میں سوچ رہی تھی کہ اگر۔۔۔ اگر ماما جی۔ اور شہزادی کو کہا کہ یہ پروگرام فنکشن میں میرا

پروگرام کرنا مناسب نہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی بات تو ہو گی۔ وہ صحیح کر رہے ہیں۔ کیا یہ مہربانی نہیں کہ آپ ٹھیک ہو کر ان سے بات کریں۔"

"کیا تو بیٹھ فنکشن سے کوئی موت کا کنواں تو نہیں۔ ایسے ہی ان باپ بیٹے کو ہر جگہ اپنی چلانے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے وہاں بیٹھے پھرتے ہیں۔ جنہوں نے گانا نہیں کوئی خالی اتنا تو نہیں ہے۔ جس۔ کیا اس تیرے کیلئے تو بالکل دل دھی ہو اسے چرا کیا لگانا (کی)۔"

☆ ☆ ☆

"بار کراست! تجھ سے نیک کام پڑا ہے۔" اس نے نجی میں رائج کراست سچ کی تنگ سی دکان میں جاتے ہی اپنا مدعا بیان کیا۔

"تجھ کام کے تو نے آج تک کسی کو اپنا شکل دکھائی ہے۔" وہ بھی اس کا پرانا یار تھا رعایت گانے کی لاتی تھی۔ اس کی بیوہ بہت دلفریب تھا۔

"چل کر لے تو تو ہی۔ اپنی تو زندگی ہی تو کھل بن کے رہ گئی ہے۔ ساری عمر ان ناچنے والوں کی تھا تھیا کے پیچھے طبلے پیٹتے ہیں۔ آخر یہ ایک کا کا کر تھکے ہاری ہیں اور جو دے رہے رزق کو سیاہی کر کے خود ان بازاروں سے نکل کر اب تو بھی دکانیں کھولتی ہیں۔ ہاں بھئی ہیں۔ "سارنگی نواز" "بانسری نواز" سازوں کے خرچے تھے۔ ہو گیا۔ اپنے ہوئے ہیں۔ ذرا ایسے ہی تو کوئی تھے سے کوئی تک کا سفر طے ہوتا ہے۔ ہم نے چارے تو رل کے رہ گئے ہیں۔ کیا کریں ابھی پیشی جو کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ آتا ہی تو کچھ نہیں۔ طبلے کے پیچھے پڑے پڑے ہاتھ انگلیاں گھسے دھر گئے۔ تھے سے جو کوئی دعا کے تیری تھیں پھیر کر استرا پکڑ لے تو تیرا کیا بنے گا۔ وہی حال میرا ہوا ہے اور کوئی کام آتا نہیں۔ تو آتا ہے اسے کوئی پوچھتا نہیں۔ تیرے اندر کی ذات بڑی کمال والی ہے۔ ارتقا والی ہے۔ سر تک ہیں سیرت ہونے کی قدرت کے۔ باسنے باسنے باسنے۔ باسنے صدقے جاؤں۔ لکھ والی قربان جاؤں۔ کیا جانیں دیا ہے میری دھی کو اس نے۔ ملک مقبول جو بڑی بڑی گانے والیوں کو نہ طریقہ نہیں۔ اللہ خود میری اولاد کے تیرے سر چل کے آیا۔ اپنے اس پروگرام میں اس کے پورے دو گانے رکھوائے ہیں۔"

"اچھا تو اب وہ سنیچ پر ڈانس کرے گی۔" وہ اچھنبے سے بولا۔

"پر اوقات تیرے کا سفید ہو تو نہیں دیکھا کرتے۔"

"مجھے بولنے کی بڑی کل (جلدی) ہوتی ہے۔ بھلا ان چوری بات تو سن لیا کر۔ تیری صفائی کیوں ماسے۔ ناچتی تو ہے۔ جن جن کے پاس کوئی کل نہ ہو۔ تو تھا نہ مرکز۔ ان نہ سے۔ بس نور نور سے پیو لے۔ لگ بلا لیا۔ میری کرماں والی ماں والی دھی ہے پورے دسواں تک۔ ریاض کیا ہے۔ کیا ایسے ویسے کا شاگرد تھیں۔ اسٹر عنایت اللہ کی شاگرد ہے۔ بڑا لگا ہے۔ وہ اسٹیج پر ناچتے نہیں۔ ناچنے کا سلسلہ ہو گئے جائیں۔"

"لے بھئی! پھر سیاراں کا لکھ لکھ سیاراں۔" کراست سچ اٹھ کے اس سے لپٹ گیا۔ وہ بولا۔

"پر مجھے یہ لگتا ہے جو تو آج بیٹی خوشحال ہاتھ سنانے آیا۔ نہ کوئی کھوٹ دل کے پیچھے نہ طبلے۔"

"شیدا! تنگ دل ہی نہیں کراست۔ تو بھی تو میری تقدیر ہے۔ کھن کی خوش بھی نہیں ہونے دیتی۔ اب بلنا تنگی سے لتا ہاتھ پر کر امداد ہے اور کوئی اس کے اس چیج سے کچرے ڈیرے بھی نہیں۔ جو دو پہن کے جائے۔ اپنی بھرجائی کا بھی تجھے بھلی طرح پتا ہے۔ ایسے ہی تو کوئی فی خوشی نہیں تھی کہ اڑاں کا کی کوئی بیا ہو جاتا۔ تو نے۔ شیدا ان لوگ کل کے روایتی باری ہے کہ فنکشن پر کیا ہوتا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ تو فکر نہ کر میں تیرے ساتھ کے ساتھ جاؤں گا۔ ضرور بھروسہ محسوس کرے گا۔"

"میرا کیا کر سکتا ہوں یار! تیری بھرجائی۔ بات کر کے دیکھ لوں۔ پر یار اس کے پیچھے میں تو تیری چار لڑکیاں پوری تھیں اور کوئی آتی کوئی نہ۔"

"یہ تو مجھے چلاں ہی بتا سکے۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ یہ ہوتے لفنگے نکمے (جگادار) ہوتے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی سالا ایک لفنگوں کے لیے اجارہ دے۔"

"ہاں پیارے! ہاں کیوں نہیں روزی پر لات مارنی ہے۔ یہ ان سیٹھ جہاں کے "ابھی" ہوتے ہیں۔ تو جس آدمی پر مہربانی ہوتی ہے۔ ذرا اس تک جانے یا پیغام بھیجنے کی تو میری آنی ناشامت ہے۔ کسی کا کلاہ کرتی ہیں۔" اس نے اپنی میلوں کی شان میں اپنی کسی کی کلاہ کی۔

"یہ تو ہمارے کی جیسی خلا کرا جاتی ہیں صرف... کوئی ان کا بیٹا۔ خراب کرنے کو تو کیے ایسی آمدن ایک کر دیں۔ میری قسم ہے۔ چلو تم اپنی طرف سے تھوڑا پیسہ کر کے ہی دوں بازار سے دیا جانا والا کر دیں۔ اپنی ہی کسی دوا کم میری کی بھی تو خراب ہو گی۔ پھر بندے کا اعتبار نہیں رہتا۔ ایسے بھی ان کے لیے شرمن بوتکی نہیں تو نہیں۔ آگے پیچھے تو بڑے اونچے درجوں کے فیشنی کپڑے سینتی ہیں۔ ٹھیکی قماش جیسی کے سامنے کیا بنتا ہے یہ فن دو روزی کیا جائیں۔ یہ تو وہ راز ہے جو ان گلیوں میں ہی کہ جوان ہونے والے ہی جان سکتے ہیں۔ ان کی مجبوری ہے کہ ڈیل کے بھرتیلے لینے اور مقامیت ہم سے سلوانے پڑتے ہیں۔ میں نے تمہیں سالوں میں اپنا بڑا نام پایا ہے۔ آج تک کسی کی طرف سے کوئی بد (گلہ) نہیں کیا۔ بھرا کام نہیں ہو سکتا۔ تو پیارے انہیں رات ساری جاگ کے بھی ہی دوں۔ کلاہ اور بھی لکھ مفت اب بتا۔" اس نے صاف جواب دینے کے ساتھ ساتھ بیٹھتی بھی کر دی۔

"اب مجھے کیا کہوں سالا کیا لاؤ نے کتنا ملتا ہے۔ ان جیسے کر دیں۔"

"میرے بلے! اتنے پیسے تو ہیں نہیں کہ یہ جیسے تو دلا سکوں اور گھڑی پہن کر اوپر کی کھلی بڑی ہوئی ہے۔ ہاں کچھ کی ہے ہاں! کیا عزت ہی بڑی ہوتی ہے۔ ساروں کو کوئی بے عزت بنانے کے لیے (کوئی) ہی۔" وہ بڑا آہ و انسانی لگا تو کرامت نے اس کا ہاتھ تھامے کے ہلایا۔

"ایک تو یہ بات نہیں جانتی تھی کہ گھڑی گھڑی ہی (ہار اعزاز) جاتا ہے۔ ساری جوانی تھا ہاتھ کھینچ کے تجھے بتانے کو کرتی۔ پھر جانی نے بڑی عادتیں خراب کی ہوئی تھیں۔ اب بس کر کو تو بیکار طاقت ہے کروں گا۔ بڑا ہو کر کبھی چوبیس گھنٹے والے۔" اس نے بڑی کلاہ اسے دیوہ ملایا۔

"تو خوش ہو جو مزاری خراب دیکھتا ہوں کوئی ہزار گھر ہیں دیکھ رہے کہ صرف چند گھنٹے کے لیے اور بڑی اعتماد سے بڑے دھیان سے کڑی کو کسا کھانے پینے کا کوئی ذریعہ ہے اور بڑی خوشی ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خراب عورتیں ہیں امت میں بیٹھ کا لیں۔"

اسے دنوں میں سے مختلف کپڑے الٹ پلٹ کر کا لیتے ہوئے دیکھ کر اس نے دہائی دی۔

"یہ جو اتنے سارے کلاہ کے ہیں ان میں سے کوئی دے دو۔"

"ہاں جی! کیوں نہیں! تو کہ تو نے ان لفنگوں کی لیسیوں کو نہیں دیکھا۔ کتنی کی بیانت بھری کی ہیں اور ہیں بھی جانی۔ میں کوئی ایسا ہزار دیہ رہا ہوں جسے بھی کر تیری بیٹی فرزند والے بازاری عورت نہیں اور دوسری بات یہ کہ پتہ نہیں اس فیشن میں کون کون آتا ہے۔ یہ بندہ ہو نہیں میڈم کا ہو تا تیری کالی بیٹھ کو بھی اس شو میں دانس کرنے والی ہو۔ میری جان تو آتی ہی سیاپے میں۔ اس پر ٹھیک سے ایسا میڈم آدمی کی کھرچی ہوتی ہے اس لیے اسٹیج ڈانس وہ کرتی نہیں۔ بہت تماشوں عقیدوں پہ بھی جاتے نہیں جاتی۔ بھی کبھی اپنے آنکھیں میں ضرور مار کر لگا لیتی ہے۔ اس کا تعلق بالکل کوئی بازاری سے ہے۔ یہ ہو ڈالے جاتے تو یہ بھی جاتی کا خراس کے لیے بھی بھی ہے۔ اور بی۔ اس کا تو وہ ہی کوئی دو ہزار کا ہو گا۔ کتنا باریک کام ہے۔ اس پر خیال رکھنا کہیں کھرچ نہ لگ جائے۔ ابھی میں نہیں دے رہا۔ کیا یہ تیرے گھر کوئی بڑی بازاری تک جائے جس جان جاتا ہو۔ اس دن کے جانے۔ میڈم آدمی ابھی ملتان گئی ہوئی ہے۔ اپنی ہال کے صرف چار پانچ دن سے پہلے آنے والی نہیں۔"

"یہ دیکھا ہے آپ نے؟" شہزاد نے ایک انوکھی ٹھن کا رخ اختیار کرتے ہوئے بات پوچھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جس سے آیا تھا۔ ایک تو پیٹ کی کرم الٰہی اس کے وقت سے پہلے آنے پر تھک گئی تھا اس پر مستزاد اس کا غصہ دوبالا طور پر اضافہ ہونے لگا کہ اس کا وجود ہو گئی ہے۔ جس پر اس قدر دیر ہو رہا ہے۔

"یہ بیدا مورتک مقبول کی طرف سے مجھ سے بات اس شہر کے بیان "عزت داری" کو بھول دیا ہے۔ اس کے ماہ و سات آٹھ سو کی خواہش ہو تو لوگ نکلیں۔ خرچ کر کے آئیں گے۔ اور کچھ پتہ ہے۔ کس قسم کا دعوت نامہ ہے۔ کتنا دیسی کے نام پر جدید طرز کے پیرا ہے جیلی کی رات کا دعوت نامہ جس میں چار چاند لگانے والی بازاری عورتوں کی ست میں آپ کی ذاتی اور ہمارے بھائی کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھیں قیمت میں ساتویں نمبر پہ۔" اس نے کارڈ باپ کے سامنے پھینکا اور بیوی کھوکر سے بیٹھ کر آنکھ کی طرف حیثیت کر دیکھ گیا۔

"ہائے ہائے تیری صنا میرا بیرات تھے میں نے دو دو سو والی" باجوں کے دھانے پہ ضدی ست اور دو سو ڈیڑھ کا جگ لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ شہزاد نے ہاتھ سے اس کا تھیلا کھولا۔ کرم الٰہی اب تک کارڈ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھ

"تو وہ یہاں بھی آپ کو تنگ کرتی رہی اور آج تک ذکر تک نہیں کیا کمبخت" وہ نئے سرے سے مشتعل ہو گیا۔ کرم الٰہی نے بال کو کھولا تو اسے تھی سے اپنی جان آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسی کی آہٹ پر شہزادہ کو نکلنے پڑ گئے۔

"ہاں۔۔۔ وہ اچھا نہیں بتایا۔۔۔ ہاں وہ تمہیں دھمکا رہی تھی کہ اگر ان کی آمد کی خبر کسی کو بتائی تو وہ کچھ کر دے گی۔" سٹپٹا کر اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"خیر کرے نے بھی اس کی ٹھیک ٹھاک بے عزتی خراب کی۔" ہاتھ نے بیٹے کو لوٹنا اکرنا چاہا۔

"کہہ رہا تھا شہزادے سے کہہ کر اسے اس ڈرامے میں دکھوا لو جس پر آج کل کام ہو رہا ہے۔ میں نے کہا شہزادہ سامنے ہی ہے جا کر اس سے بات کر لو۔ بھلا قصہ کیا ہے ہی بے حیرت انسان۔ ندامت بھی نہیں آتی ہے جو یہ چاہتا ہے۔ چھ ماہ چاری ساری حویلی اس کے ساتھ خوار ہوتی رہی۔ آخر کلیجی مرگئی۔ ہم تم کس گنتی میں آتے ہیں۔ بہتر اسر کمپالی کرے ہمارے ساتھ۔"

"سر کمپالی کرنے کی بجائے اگر اسے دھکے دے کر نکالتی ہوتیں تو اس کا دل غم کو نے آجاتا۔"

شہزادے۔۔۔ "بلا تحریر ہی اپنی کھڑکی کی ظلم زدہ آواز میں چلا اٹھا۔

"کیسے دوگا؟ اوسائے کو تاتیرے پھوپھو کو؟ اونے سے بے حیا تو دیسی بہن کا گھر والا ہے۔ میرے ہو کا تو اپنی کوئی ملک ہو جاتے کی ہو! دوائیوں کی عزت سارے ہی اپنی اپنی اوقات کے مطابق کرتے ہیں۔ وہ چاہے کتنا بھی بدات کیوں نہ ہو۔ ہمیں اس کا لحاظ کرنے پہ مجبور ہوں۔ ٹھیک ہے عزت کے۔ لیکن ہمیں گھر سے عزیل کرانے والا بھی تمہیں ہے اس کا شرمہ۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ کرتے رہیں لحاظ اور چھوٹ دیتے رہیں اسے ایک دن آئے گا جب بات اسٹیج سے نکل کر فلم تک پہنچے گی۔ آخر سوسائٹی میں میری بھی کوئی عزت ہے۔ آج کوئی نہیں جانتا کل کو ساری دنیا جانے گی کہ یہ ایکٹریس نہ سنگر میری کزن ہے اور اس شعبے سے تعلق رکھنے والی عورتیں کلاچ پھاڑ کے ہی کیوں نہ چلا ہیں کہ وہ شریف خاندان سے ہیں۔ لوگ یقین نہیں کرتے الٹا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ لوگ چاہے ہیں میں چپ چاپ اپنا تماشا بنتے دیکھتا رہوں۔"

"ہم کر کیا سکتے ہیں شہزادے۔۔۔ وہ اس کی بیٹی ہے۔ وہ کم بخت اس کا والی وارث تھا رہے۔"

"اگر وہ اس کا سب کچھ ہے تو جب ہی اس سے دور اس لڑکی سے پیچھا چھڑا لیتا۔ تجاہل کیوں۔ سال پہلے بھوپھی مری تھی۔ اگر ہمارے سارے رشتے صرف پھوپھی کے دم سے تھے تو اب اس کے بعد ہمارا اس پہ کوئی حق نہیں رہا تھا کیا ضرورت تھی اتنے تعلق واسطے نبھانے کی۔ کیا ہم اس دلت اور شرمندگی کے قصے دار ہو جاتے۔ آرام سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے۔"

"خون کیسے بھی ہو پکارا اٹھتا ہے جھلیاں۔"

"میں نہیں مانتا ایسی جراثیم آمادوں کو رشتہ وشتہ کا کوئی حق بنتا ہو۔ اگر اس خون کے رشتے کے حوالے سے میں وعدہ اس کام سے نہیں روک سکتا تو پھر یہ رشتہ کمزور ہی ہوئے۔"

"ایسے سمجھاؤں تجھے شہزادے! ایسی سمی بیٹے کا حق ماں سے بڑھ کے ہوتا ہے۔ وہ باپ ہے اس کا۔ ہم صرف منت ترلا ہی کر سکتے ہیں مجبور نہیں کر سکتے۔ ہاں ایک طریقہ ہے۔ "بات کرتے کرتے وہ چونک۔ وہ تو کوئی خیال آیا تھا کیوں نہ موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ شہزادے سے وہ بات کرتے جو بارہا اس کے من میں آئی مگر زبان تک لانے کا حوصلہ نہ ہوا۔

"اگر وہ ماکا رشتہ اس گھر سے اتنا ہی کاٹ جاتے کہ اس کا باپ بھی بے عزتی اندازی کرنے کی جرات نہ کر سکے۔" اوہ کہہ کر وہ کی اور بھاری بھاری نظروں باپ بیٹے کے چہروں کی جانب دیکھا۔

"تو وہ سے زیادہ کیوں نہیں کر لیتا۔" اس نے شہزادے کے نزدیک بیٹھ کر ہی پھونکا۔

"کیا۔۔۔؟" اوہ نے غصے کے کھڑا ہوا۔

"اوئی! کچھ پتہ بھی ہے کہ کیا بات کر رہی ہیں آپ اور کس سے کر رہی ہیں؟"

"اچھے سوچے پترے اس کا گھر بسانے کی بات کر رہی ہوں۔ آخر اور کب تک ایسے بھٹکتے رہے گا۔ میں تو اب سے اس کی میں ہی رہی ہوں کہ میرے پترے کے چن چبھیے ماتھے۔ کب خیر کا سہرا بندھے گا۔ کب کوئی کڑمیں والی بہو میرے میں آئے گی۔ کب میں پوتے پوتریوں کو گود میں بٹھا کے لاڈ اٹھاتے سامنے سے بڑھاپے میں رکھتا رہا ہے۔ ابھی تو میرا جانا تھا پھر ہمارا کہ اپنا گھر بسا لیتا تھا۔ پھر کاروبار بنا لیتا تھا۔ اس کے لیے تجھے زیادہ وقت چاہیے تھا۔ اب اور کتنے بہانے بنائے گا۔"

"درست کہہ رہی ہے تیری ماں۔ شہزادے یہی صحیح وقت ہے۔ خیر سے تیرا کام جم گیا ہے۔ بسم اللہ کر کے بات کر لے۔ اس اسمبر میں پینتیس سال کا ہو جائے گا۔" کرم الٰہی جس نے کبھی خواب میں بھی وہ کے مخدوش مستقبل کے لیے کیا کوئی حل نہیں سوچا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اچھے پوتے ہوتے ہوئے بیٹے کو صلاح دینے لگا۔

"ابے اے تمہیں تے بالکل ہی ماں ہے۔" اس نے ناگواری سے ہاتھ جھلاتے ہوئے شہزادہ کو ٹوکا۔

"ایسے منہ بھر کے سال کھلتے ہیں پھلا تالا لاجیاں مانے سہرا پتر۔"

ان کی لوک جھونک سے ٹکرا کے تلخ شہزادہ اپنا سر دونوں ہاتھوں پہ گرائے خود پہ ضبط کی کڑی صدیں لگا رہا تھا۔ ایک طوفان سے گزر رہا تھا۔

"اچھا ہی شہزادے اچھی ہے ماں!" اس نے بیٹے کو شانے سے تھام کے بلایا۔ جواباً "شہزادے نے سر اٹھا کے سر دیکھا ہوں۔ ماں کو دیکھا جو ہوئے اشتیاق سے اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اس نے لمحوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ بڑا اتنا غصے کی حالت میں وہ کچھ اپنا وہ بات بکھیر کے کرم الٰہی نے اس کی کیفیت کو بھانپ لیا۔

"تھی نہ بتا کیا وہ۔ کوئی کھیل (کھیل) ہے کہ وہ جھلی ہے۔ تجھے اپنا بال میں خواب دے۔ ساری حویلی کا سونا ہو تا ہے۔ جیسی طرح سوچتے رہے اسے۔ ہاں شہزادے کوئی جلدی نہیں تو ہر طرح سے سوچ سمجھ لے۔"

اس کے بیٹے کو پکارا۔

"سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔" شہزادے نے پل بھر میں اس قصے کو تمام کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کی خوشی صرف اس خدشے کے نیچے میں اس کے اندر اٹھنے والے غضب ناک ابال کو بہانے کی وجہ سے تھی۔ لیکن وہ مزید خاموش رہ کے اس معاملے کو ہوا نہیں دینا چاہتا تھا۔ سوچنے کا وقت دے کر وہ اس بات کو بار بار چھیڑتے رہتے اور وہ بار بار ذہنی اذیت سے گزر سکتا تھا۔

"یہ نہیں فارغ بیٹھے کیسے فضول فکر کے خیالات کرتے رہتے ہیں آپ کے ذہنوں میں۔ اٹھا جائے بھاڑ میں میری بلا سے۔ وہ جو مرضی کرتی پھرے۔ بھلائی کا زمانہ ہی نہیں رہا۔ میں نے صرف یہ چاہا تھا کہ ایک معصوم سی لڑکی اس ماحول کے منہ میں ہاتھ دے دیتی ہے تو ہر طرح سے اس شعبے میں لڑکیوں کے لیے اور بھی ایسی لڑکیوں کے لیے جن کا کیریئر بیک گراؤنڈ نہایت مضبوط نہ ہو۔ ہماری ذات سے لوگ انہیں عفت کا مل سمجھتے ہیں۔ لیکن یہی تو وہ جا کر کا فائدہ اٹھا رہے ہیں آپ۔ جہاں تک اس کی شادی کا سوال ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ اسے اس کے باپ کے ارادوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کی شادی کر دینا ہی بہتر ہے لیکن کیا زمانے کے سارے لڑکے مر چکے ہیں۔ وہ آپ کی عزیز از جان بہو بن کر کہاں کی موجود تھا نہیں اس میں سے کوئی انہیں تو یہ فریضہ بھی میں انجام دے دیتا۔ ہاں۔ دوران کے اندر اندر کوئی معقول شریف بندہ ڈھونڈ کر سامنے کھڑا کر دوں گا۔ شادی کا سارا خرچہ بھی کر لیتا ہوں۔ کتنا چاہیے۔ ڈیڑھ کتنا ہی لاکھ۔ ایک لاکھ۔ ایک شان سے تو آپ کا تابع احترام مستقبل آپ ہی کو راست کرنے کا سوچ رہی تھی۔ میں سمجھا اور کر بھی رہا ہے ہوئے اتنی ہی جان نکلتی ہے۔ اس کی تو ہر صبح پانچ ہزار اس کے نام بھیج دیا کرتا ہوں گا۔ مدد صرف اس حد تک کی جا سکتی ہے۔ میرا دماغ نہیں خراب کہ کسی کی زندگی سنوارتے سنوارتے اپنی خراب کر لوں۔"

"نہ۔ نہ سوچا ہے۔ بول نہ نکال۔" ہاورلی۔

"شکلیں کی باتیں ہو رہی ہیں تو کیوں نہ کی بات کر رہا ہے۔ میرے پتر کی زندگی تو اللہ بھروسے سے زیادہ بکی اور سونے سے زیادہ بھاری کرے۔"

"اونہہ۔ صرف دعائیں۔ دعاؤں سے کیا ہوتا ہے! نیت بھی تو اچھی ہونی چاہیے۔ آج کچھ لیا ہمیں نے کہ جن ماں باپ کے سکھ کی خاطر میں اتنی محنت کرتا ہوں وہ میرے لیے "کتنا اچھا" سوچتے ہیں۔ مجھے برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماں باپ کے مقصد پہ بٹے جا رہے ہیں۔"

"آخر ایسا کیا کر دیا ہم نے۔ ایک بات ہی تو کی ہے۔ اتنے سے بات پر اتنا غصہ۔ زبردستی تو تعریف ساتھ ہمارے تب بھی نہیں کی تھی جب تو شکی غلام کے بلاوے کرتا تھا اب تو بیٹا ہو گیا ہے۔ تیری مرضی کے خلاف تو میں دعا کر نول (اسلام) کے نہیں لا سکتی۔ پھر اتنا غصہ کیوں؟"

"لیکن بات کرنے سے پہلے کچھ سوچنا تو تھا۔ ایک تو بھاگ بھاگ کر کوں دکھاں میں۔ کتنے سال ہو گئے سر پٹختے ہوئے۔ ان رات ایک کر دی محنت میں صرف اس لیے کہ ایک پیسوں والا کسی سے ایک پیسہ بھی نہ لے سکے۔ اور میری ماں مجھے ایک کانٹا نہ لگنے دیتی۔ ایک چیونٹی کی بھی ہمت نہ ہوتی کہ مجھے کاٹ سکے۔ اور تو۔ تو کیا ہے؟ کیا ہے تو؟ کچھ بھی نہیں۔ میں کا بیٹا ہوں۔ اور تو۔ تو کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہاں تو ہی تو ہے۔ میں کا بیٹا۔ میں کے لیے ہی ہو۔ ہاں میں کی خاطر ہی تو میں نے یہ سب کیا ہے۔ میں کی خاطر ہی تو میں نے یہ سب کیا ہے۔ میں کی خاطر ہی تو میں نے یہ سب کیا ہے۔"

"اور تو کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں

تمی پیدا ہو جائے گی۔"

"تمہیں کا اندازہ تو مجھے ہے لیکن صرف اس ڈر سے میں کل کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا اور پھر اس نے مجھے بے بالکل نہیں کہا کہ میں اس سلسلے میں کچھ حضور سے بات کروں گا وہ یہ کام ضرور کرے گی۔ میں تو صرف اس کی امید پر جا رہا ہوں۔ باقی وقت پر سب کچھ کسی کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔"

"تمہارا بھی تو تین سال سے یہی معاملہ چلا آ رہا ہے۔ اسے تو کبھی حقیقی نہیں ہوئی مدد کرنا اور کنار بھی تسلی حمایت کے دو بول کہنے کی۔ اتنا اس نے بیوہ تمہاری دل شکنی کی ہے دل آزاری کی ہے۔"

"نہیں شکنی۔ دل آزاری۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔

"اس کا دل ہے جو مرضی کرے۔" فقرہ اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔ مگر غرق غرق آنکھوں میں روشنی کا گیا تھے ہی موتیا بارش کے جب کر گئی۔

"جب کوئی خود ہی اپنا خود کسی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر سوچنے پر تیار ہو تو۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تو ابھی تک تیار نہیں ہوئی کمرے۔" اٹھ رہا تھا نے تیسری بار کمرے میں جھانکا اور اسے اسی حالت میں بیٹھے دیکھ کر ہاتھ موڑ کے اور دوسرے لیے نظر کا بیٹھے دیکھ کر جھنجھلا گیا۔

"بس۔ ابھی ہو جاتی ہوں۔ ابا جی۔" رہا نے بمشکل یہ چند الفاظ ادا کیے۔ اس کی آواز میں صدیوں کی تھکن تھی جیسے ایک قدم بھی اور اٹھانا محال ہو مگر جانا ہے۔ اور تلک۔

"اٹھو۔ جھنجھلا ہو جاؤ ملک صاحب گزری جا رہے ہیں۔ پورے آٹھ بجے گاڑی آ جائے گی۔ سات تو ہو گئے ہیں تو تو تو تو تو تو جلدی سے اٹھ جا بیٹھ۔" وہ تیزی سے تالیاں بجا کر گیا۔

رہا نے گہری سانس بھرتے سامنے پھیلے ہوئے اس ہاتھ کے ہوئے کو دیکھا جو نجانے کس خوف کی کاوش محنت کی کمائی سے تار ہوا تھا اور اس کے بدن کی زینت بننے والا تھا۔ سیاہ جالی کی تنگ اور مختصر قمیص سفید لٹھے اور کہیں کہیں چاندی کی تاروں کی فصل سے جھلملا کر رہی تھیں۔ سلک کی ہاتھوں سی چستی نرم جھلک میں شلوار اور شیفون کے پائنچے چست اور تینوں سے بچے ہوئے تھے۔ بڑا سا جالی کا سیاہ دوپٹہ جو چاند تاروں کو چھپائے اور سفید کلیوں سے بھری طرح تاریا تھا۔ لباس تو اس نے پہن لیا مگر دوپٹہ شانے پر پھیلا ہی اسے سنبھالنے کے خیال سے گھبرا رہی تھی۔ وہ اپنی کالی گھنی دوپٹہ سے بستر پر پھیلا کر اس نے اپنے لمبے بال پلکے کے نیچے کر کے ہو کے سلجھنے سے سیدھے کیے۔ پھر کلپ دار بال اس نے یونہی کھلے چھوڑ دیے یوں بھی اسے سیدھی پٹیا کے اور کسی طرح کے بال بنانے آتے ہی نہ تھے۔ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر ہلکا سا لگا کر اس نے سجے میں سفید موتیوں والا وہ آویزہ جو کل ابا جی کے ساتھ جا کر لنار خریدا تھا اسے ساتھ کے جھمکے پہن کے وہ تیار ہو گئی۔

"ولی کو تو ابھی تک پہچانی نہیں جا رہی ہے۔"

دوپٹہ اٹھا کے شانے پر ڈالتے ہوئے وہ باہر نکلنے کو ہوئی تھی کہ اس فضول خبر آواز پر کرنٹ کھا کے پلٹی۔ یہ آواز بہاں کی صاحبہ کے کمرے کے آج پھر اس تک پہنچی تھی۔ اس نے دہلیز کے چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی نہ تھا۔ سالوں آئینے کے کمرے میں کچھ پس کا عکس روشن تھا۔

"چھاتی۔" اس کے لب ناگوں سی سرگوشی کر کے رہ گئے۔

● ● ●

"چھاتی!"

وہ بیٹھی تھی۔ ولی اور جلنے کب تک بیت گئی اس ایک بازگشت کے حصار میں گرفتار رہتی کہ اللہ دتا کی آواز نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ باہر ملک صاحب کی گاڑی آ چکی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی باہر نکل گئی۔

اتنی آرام دہ سواری میں بیٹھنے کا تجربہ کم ہی تھا۔ وہ گھر سے کہاں باہر نکلا کرتی۔ اگر کبھی نکلتی بھی تو تانگہ جھولتی لوگل بسوں میں بیٹھی تھی۔ لیکن اس تجربے کو بھی اس کے محسوس نہ کر سکتی تھی۔ ماضی میں ابھی تک اس ایک لفظ کی تکرار ہو رہی تھی۔ جیسے یہ لفظ اسے پکار رہے ہوں۔ صحیح رہنے ہوں۔ کہیں اور لے جائے کر لیے۔

بہت عجیب تھی اور "چھاتی!"

جب وہ ہوتی تھی اور "چھاتی!"

نہ جانتے ہوئے بھی اس کا خواب وہ ذہن دھیرے دھیرے گزرے سالوں کی گرد ہٹا کر ان رستوں پر دوبارہ سفر کرنے لگا جن پر وہ کب کی گزر آئی تھی۔ اس نے ایک نظر سامنے دیکھا۔ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا اللہ دتا بڑے ہوش سے جانے کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ اسے لب ہلتے اور ہاتھ اٹھتے نظر آ رہے تھے مگر آنکھوں پر تو اتنی گہری ایک ہی تصویر کا راج تھا۔ اس نے کرشن موٹر کو شیشے کے اس پار دیکھنا چاہا۔ کئی تصویر ہی تصویریں اور تیزی گزرتی نظر آئیں مگر پہچانے نہ آیا۔ وہ کسی منظر کو پہچان نہ سکی۔ پہچان کے سارے سوالات ایک ہی منظر کو بھلا کر سیر ہو چکے تھے۔ اس نے بار بار کر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ ایک زلزلہ سا منظروں کے بدلے ہوئے دھیرے دھیرے ابھرنے لگا۔

ایک چار پانچ سال کی بچی سراپا انداز میں بھاگتی ہوئی اپنے گھر سے نکلی اور اونچی آواز میں رونے کی کوشش کرتی ہوئی گلی میں سے سیدھی بھاگتی گئی۔ وہ بوا مانے کھوں کر روکنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز نہ نکل پا رہی تھی۔ بوا کے ہاتھ کو جھٹکے سے کر کے اندر اس کے ابا کے ہاتھ میں اس کی اماں کی نہیں بلکہ اس کی اپنی گڑیا رہ گئی ہو۔ بھاگتے بھاگتے اسے ٹھوکر لگی ہے اور وہ منہ کے بل گر پڑتی ہے۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی ہے۔ طرح طرح کے چوٹ لگتے ہوئے کی وجہ سے پھر پھسل جاتا ہے اور وہ جو ذرا سی انچ چلی ہوتی ہے ہر منہ کے بل پیٹھ جاتی ہے۔ ٹھوڑے ٹھوڑے سے مٹکے ہوتے ہوئے پورا بچہ بن کر گرتے ہوئے کو کراہتے ہوئے چاہتا ہے کہ صرف اس کی منہ سے ہی رونے اور چلانے کی آواز نہیں نکل پاتی اور نہ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسو اسی کسی کی اذیت سے آزاد ہیں۔ پانی کے نمکین قطروں کے ساتھ ساتھ چند سرخ قطرے گرتے دیکھ کر وہ اور ہراساں ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر منظر پہچانی کو سمجھ نہیں آتا کہ خون کے یہ قطرے کہاں سے نکل رہے ہیں۔ وہ بے چینی سے ہر کرب چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ محسوس کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کسی درد کا احساس نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ہلکے اور کہنیوں میں ضرور درد کی لہر اٹھ رہی تھی۔ وہ اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر سامنے کرتی ہے۔ کچھ کے زخم تھرے سنہری کی طرح سجے ہوتے ہیں۔ دوبارہ جھکنے کے ڈر سے اس نے اب تک پھر اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے گلی میں کھیلتے بچوں کے قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر اپنے سامنے رکے تحفہ سول پر پڑی۔ اس نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کے دیکھا۔ ایک چندہ مولہ سامنے رکا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ اور ہاتھ جیسے پہچان کے بولا۔

"ولی؟"

"چھاتی!" وہ طنز چلانے کی چلائی۔

بہت سے ٹرک لگے تھے بجلی۔ دفعتاً سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہی اور ادھورے ٹکڑے بھاگتے دوڑتے۔ کچھ بھی نہیں۔ خالی مغلیہ آوازوں سے محروم منظر۔ اور ڈرائیور کے ہاتھ جیسے تھرے آوازوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا تھا۔ اس نے دوبارہ اسی منظر میں اٹھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"چھاتی۔" اس بچی نے چلا کر یہ سنا تو اٹھا تھا۔ وہ کب سے چلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر آواز تھی کہ بازگشت کے نکل نہ پاری تھی۔ پتا نہیں اس پندرہ سالہ دبلے پتلے لمبے سے ناراض چہرے والے لڑکے کے

سامنے آنے سے اسے کیا حوصلہ ملا کہ وہ پوری طاقت سے چلانے لگی۔ اس لڑکے کے دونوں ہاتھوں میں اس بچی کا لڑکا موجود کچھ دیر میں گیند کی طرح بھر جاتا۔ اسے گود میں اٹھا کر اپنے کرتے کے دامن سے اس کے چہرے اور ہاتھوں پر لگا کیچڑ صاف کیا۔ اس کی ناک سے بہتے خون کو روکنے کے لیے رومال رکھ کے اس پر ہاتھ رکھتے کانپتے ہوئے اس لڑکے کی آواز دار سی کپکپاتی دھاڑ سسکیاں لیتے ہوئے رومال ناک سے لگا کر اور اپنا سر ہل سا دو ہاتھ تمہارا۔ اب وہ لڑکا پھر چلا تھا کہ رومال بھری دوپہر میں کسی نے کیا کر دی ہے اور کیسے کر دی۔

"چھاپی! اندر ابا جی اماں مرتو نہ رہے ہارے ہیں۔ سوچتی ہوں میرے ہاتھ پر چھتری ماریں تو آنا تو رہتا ہے۔ انکار تو ہوتا ہے۔ کہہ دیں۔ اور ابا جی کے پاس جو ڈنڈا ہے نا وہ تو لوہے کی چھڑی ہے۔ بہت سی ذلت ہوتا ہے۔ ابا جی کی پیٹھ کبھی ٹوٹی ہوئی اور تخت پہ۔ اماں کو کبھی ان کو ان نکل آئیں میں ابا جی کو بتانے جاری تھی کہ وہ اگر ابا جی کو دیر سے بھاگنے بھاگنے میں مرچی چھاپی" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بتانے لگی۔

اس لڑکے کی آنکھیں حیرانی سے بھری جا رہی تھیں اچانک دعا کے خوشی ہوتے ہوئے سر ہو گئیں۔ اس نے دعا کو ایک بوجھ کر گود میں اٹھایا اور تیز تیز چلنا ہوا اس نے کسی کی طرف دیکھا۔ جواب تک یاد تھا۔ اس نے پیار کے ساتھ گلی دونوں ہاتھ اوپر کیے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ابا جی بیلوں اور ہاتھ میں پکڑے چھڑی کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کی زد سے انہیں مار رہے تھے۔ اسے ایک بار پھر دعا آ گئیں۔ دعا کو چارپائی پر بٹھا کے وہ لڑکا آگے بڑھا اور اس نے ابا جی کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ دوسرے ہاتھ سے بیلا چھین کر پرے پھینک دیا۔ ابا جی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس لڑکے کی آنکھوں میں نہ خوف تھا نہ ڈر بلکہ کچھ اور تھا جو ابا جی سمجھ نہیں اس وقت نہ آسکا تھا البتہ اس کے ابا جی اس بیٹی کو اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ خود نہ ہو۔ نظروں سے دیکھنے لگی کہ اب ابا جی کیا کرتے ہیں۔ مگر وہ حیران رہ گئی جب اس نے انہیں اس لڑکے کا ہاتھ تھام کر پیار سے تھپکتے ہوئے دعا کے پاس بیٹھ کر اماں جی کو سہارا دے کر اٹھایا تھا۔

اماں جی کی حالت دعا کو لرزا رہی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ چارپائی سے نیچے اتر کر اماں جی سے لپٹ جاتے۔ ان کے ہونٹوں اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس لڑکے نے ایک بار پھر اپنے کرتے کا دامن استعمال کیا۔ انہیں پانی پلایا۔ سر سے خون صاف کر کے پٹی باندھ دی۔ گھبرا دار آنکھیں دائیں۔ اماں جی تب سے چپ تھیں اور اس کے لمس پر چپ چاپ ہی تخت پر کروٹ لے کر لیٹ گئیں۔ وہ لڑکا اٹھا اس کے پاس آیا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اماں جی کی اور تو ہاتھ مت دو۔ کپڑے بدلو میں بازار جا رہا ہوں۔ دوائیں دوا لے آتا ہوں۔ پھر بھی جی کو دونوں چیزیں پلا دینا۔ تمہیں کچھ چاہیے ——؟"

"چھاپی۔" اور اسے اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس کی کمر سہلاتے تسلی دیتے کر نکل گیا۔

یہ چھاپی تھا۔ ابا جی کا چھاپی۔ اشفاق الدین کا بیٹا۔ اماں جی کا لاڈلا۔ جھنجھلا شہزادہ۔ جو رکھ کے ہوش میں محفوظ پہلی پہلی بار کا ایک ہیرو تھا۔ ایک تجاوز منظر ایک سپاہی۔

اسے یاد نہیں اس نے اسے چھاپی کہہ کب شروع کیا تھا اور کیوں کیا تھا مگر ابا جی کی بتائی ہوئی بات کہ وہ جب پیدا ہوئی تھی تو ابا جی زبان میں اشفاق کو "چھاپی" کہہ کر بلاتی تھی تو پھر کسی لفظ رفتہ رفتہ چھاپی میں بدل گیا اور اسے عرصہ دراز میں اسے دے ہوئے۔ محمد اور شفاق کا نام [illegible] ایک لطف سا آنے لگا۔ اب وہ بڑے احترام سے انہیں "اشفاق" کہہ کر پکارتی مرتب پکارتی۔ عرصہ ہو گیا اس کا سوائے ہوئے ان کا تو پتا نہیں مگر اس کے گریز کی وجہ ایک لمحہ تھا اور اس کی عمر میں وقت سے پہلے جست کر آنے کا تو [illegible] اتنا کم از وقت کہ ابھی تک تو خود کو تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس لمحے سوچنے کیسے کر سکے۔ وہ خود اسے یہ احساس بخش گیا تھا اور اس احساس کی پذیرائی کے قرینے نہیں جانتی تھی۔ وہ سنبھالنے کے فن سے ناواقف تھی۔ یہ کیسی جدت تھی کہ وہ احساس جو کسی کی بھی زندگی کا سب سے حسین احساس

ہوتا ہے دعا کے لیے ایک کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔

وہ کیا جو نصیب سے کسی کے حصے میں آتا ہے دعا کے اندر اس کی ذرا بھی قیمت نہ تھی اس لیے کہ وہ کبھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے رکھ دیا تھا اور وہ اس کانٹے کی چبھن لیے اس پچھتاوے کی کسک لیے جیسے اس کا سامنا کرتی۔ اس کا سامنا ہو ہمیشہ اس کے لیے اچھال دیا۔ لکڑی چھپا دیا۔ ایک وسعت ایک وسعت ہے۔ ایک سمجھ۔

اسے یاد تھا جیسے وہ خبر کہ اس کی ہر خواہش جان لیا کرتا تھا۔ اس کے دل میں بھرے ہوئے ہوائی تمنا دور بھاگ جاتا تھا۔ ہاتھ میں جیسے مگر ابا جی تھا۔ اس نے کھلا کہ اب خواہشیں جن کر بنا کر فرمائشیں کرنا کبھی بھی نہیں اس کی ماں نے اپنی کوئی جب کالی حد تک اس کے اندر بھی اتار دی تھی۔ بس فرق اتنا تھا کہ ابا جی آنکھیں کبھی کھلا رہتی تھیں اور شاید چھوٹی سے زبان بہت اچھی طرح سمجھتا تھا نہیں اس نے۔ نہ صرف ان کا دل بے چین ہوتے ہوئے تھا بلکہ ان کے لبوں پر بھی ابا جی کے لفظ تھے اور وہ اور ان کی آنکھیں تک کسی بے جان پتھر کی مانند تھیں۔ اس بھی کہنے سمت کہ جیسا ہوا کہ رہا کہ دیکھتے ہی اس پتھر کا سا بے جان بنا رہا تھا جیسا کے اس کو دیں بھر چلیں۔ تب بھی بہت کے ان سے کھلی قربانیاں کر دیتی۔ کبھی مرہم ملوے کبھی زہر نہ ہو جیسے کہ ایسے ہی ایک روز اس نے ماں سے کہا کہ ابا جی قربانیاں کر کے انہیں سوچ میں ڈال دیا۔ ابا جی کسی سوچ کہ جیسے وہ کر رہا کوئی قربانیاں ایک جسارت تھے تھی۔ وہ سہم گئی۔ مگر اگلی صبح جب اماں نے اسے رات بھر جاگ کر بنائی کپڑے کی گڑیا سجائی تو اس کی آنکھوں کو دھلے کے تالے سے رائع ہو گئیں۔ ہاں ابا جی کی بنائی ان کے کھلونے چلی کی صورت میں قید تھے۔ وہ ان کو کھینچ سے بھیجے یا ہر چیز میں ڈال کی۔ پہلی سہیلیوں کو کھانے جن کے پاس موجود کہاں اور کھلونے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ ابا جی کوئی چیز اس نے بس کبھی ہلی چاہیے لیکن وہاں جا کر اور ان کی گڑیاں دیکھ کے اسے احساس ہوا کہ اس کی گڑیا اور ان کی گڑیا میں کیا فرق تھا۔

وہ کس تک رہا کرتی تھی وہ ست زیادہ خوشحال لوگوں کے رہنے کا علاقہ نہیں تھا تمام سے نوٹ تھے۔ کسی کا باپ بڑے پر سرکاری ہوتا تھا کسی کا تنگا چلتا تھا کسی کا مزدوری کرتا تھا تو کسی کے بھائی مزدور یا روزانہ بکتے تھے۔ کسی کے بھائی ویلڈنگ یا بکتے کرتے تھے اور ان سب کی ماں بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرتی تھیں۔ زیادہ تر گھروں میں دھلائی کا کام کرتے جاتیں پوند ایک مشین پر کپڑے سیا کرتیں اور کسی کی ماں کارخانے بھی چلا رہی تھی۔ کم تو اس کی ماں بھی کرتی تھی۔ ان کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔ سوئی دھاگے سے بڑی بڑی چادروں پر ایسے ایسے پھول بنتے جاتیں کہ دنیا انہیں چھونے کو چل جاتی لیکن جب وہ سارے کپڑے نکھر جب کر دے کر پہنے لائیں۔ وہ سارے کے سارے ابا جی لے لیتے اور خرابی کیا کرتے تھے یہ بات نہیں جانتا تھا۔ سارا دن وہ ان تخت پر بیٹھا ہوا دیکھتا۔ ان کی وجہ سے اسے اس ایک کمرے کے گھر میں چلنا بھی مشکل لگتا کہ کہیں کسی مشین پر ان کی انگلی کھل گئی تو اسے سارے بچانے کے لیے اماں جی فوراً اسے الزام اپنے سر لے لیں گی اور پھر کتنی دیر مشکل رہیں گی۔

اسے بڑا غصہ آتا جب اماں جی اسے شور مچانے اور کھیلنے سے کہہ کر منع کرتیں کہ "تمہارے ابا جی رات بھر ابا جی اسے کوئے میں تنظیم بنانے کے لیے کتنی راتیں بیٹھ کر اور ساروں کے کاموں کو کام ہو جاتے ہیں اور رات کو آتے ہیں۔ یہ تو ابا جی کو نیند ہی نہیں آتی ہے اسی لیے رات کو تو سوتے ہی ہیں اور دن کو بھی سوتے رہتے ہیں۔ اسے کہنا کام کیا جا سکتا ہے۔ وہ اب یہ سوال اماں جی سے کرتی تو وہ ایسے ہی زور پر جاتیں جیسے سبق بھول جاتی ہو۔ وہ ابا جی کے سامنے پڑھایا کرتی تھی۔

ایک بات اور بھی تھی کہ گھر آ جاتی واقعی رات کو کام پر جاتے ہیں تو پھر ضرور وہ سوال کے ایک طرح جیسے بھی

لاتے ہوں گے پھر اماں جی ہر وقت پیسے نہ ہونے کی وجہ سے روتی کھیلتی رہتی ہیں۔ وہ حسرت سے اپنی سہیلیوں کو دیکھتی جو بڑی ہی سستی سے گھر کے سرے سے پھل خریدتی تھیں۔ گلی میں سے گزرنے والے پھیری والوں سے بیٹھا "موندا" گلی لے لیتیں۔ اس کے پاس تو چونی بھی نہیں ہوتی تھی۔ کبھی کبھار اماں ملتے تو اسے چونی یا اٹھنی تھما جاتے لیکن یہ بھی اماں ہی لے لیتیں۔

گلی کے سارے بچے نئے کپڑے صرف تہوار کے لیے تو نئے ہی ہوتے تھے چاہے ان کی مائیں اپنے لاڈلوں کے بچپن کی اترن ہی کیوں نہ لاتی ہوں۔ کپڑوں کے ساتھ ساتھ وہ لاڈلوں کے بچوں کے دل سے اترے کھلونے بھی لے آتیں۔ بعض تو ٹوٹے ہوئے جہاز، ٹانک، ٹیلی گرلیا۔ مگر پرانے کھلونے بھی دھاگے کی ڈور کے مقابلے میں بہت اچھے تھے۔ اسے اپنا بھدی گڑیا ایک دم ہی بہت زیادہ خوبصورت محسوس ہوتی۔ سب کے ساتھ اڑانے پر دوڑتی ہوئی گلی کھلوائیں تک۔

اندر اماں جی کے پاس چھاجی بیٹھے تھے۔ بیٹھ کی طرح اس کی لیے میٹھی گولیاں بھی لائے تھے جنہیں اس نے بڑی بے چینی سے کھوا تھا۔ چھاجی نے حیرت سے اس کے بھیگے بھیگے چہرے اور تن پر پھٹی رنگ برنگی لتھڑوں والی کرتا کو دیکھا مگر ایک سوال تک نہ کیا اور اگلے روز وہ حیران ہو گئی۔ جب چھاجی نے اسے ایک بالکل نئی پلاسٹک کی گڑیا لا کر دی جو اماں جی کی بنائی گڑیا کی طرح جسم بھری نہیں تھی بلکہ اس کے پلاسٹک کے گلابی ہاتھ اور ٹانگیں ادھر ادھر حرکت بھی کرتی تھیں۔ وہ چاہتا ہے ان کو موڑ سکتی تھی۔

اون کے دھاگوں کی بنی ہوئی سنہری گھنگھریالی بال سر پر سجے تھے۔ لڑکی کی طرح لمبی پلکوں والی آنکھیں تھیں جن کی پلکیں بند بھی ہو سکتی تھیں۔ گود میں لٹانے پر وہ آنکھیں زور سے بند کر سکتی تھی۔ ذرا سا اور کی طرف سیدھا کرتے ہی آنکھیں بلور کی طرح کھل جاتیں۔ اس کے ہاتھوں کی ایک ایک انگلی واضح تھی۔ وہ ہاتھ پھیر کے اس کے سر پر لبوں کی ابھری ہوئی ساخت کو بھی محسوس کر سکتی تھی اور سب سے حیرت انگیز چیز اس کے نزدیک اس گڑیا کی مسکراہٹ تھی۔ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ ایک کھلونا ایک سے بڑھ جاتا ہے اور چیز مسکراہٹ کی کر سکتی ہے۔ تو پھر اس گڑیا کے ہونٹوں اور آنکھوں میں پھیلی مسکراہٹ کا راز کیا تھا۔ اگر چہ وہ ایک گڑیا تھی کوئی سمت بتاتی نہیں تھی مگر وہ کے لیے زندگی کا پہلا تحفہ تھا جو نہ صرف اس پسند تھا بلکہ جس پر اسے فخر تھا۔

اپنے ہی اس کی دوسری خواہش بھی چھاجی کے توسط سے پوری ہوئی۔ وہ سات سال کی ہو چکی تھی مگر اماں جی یا ابا جی کو اسے اسکول داخل کرانے کا خیال تک نہیں آیا اور اسے خیال تب آیا جب اسے احساس ہوا کہ اس کے ساتھ گلی میں کھیلنے والے سب بچے اب دن کو گلی میں نہیں ہوتے۔ دن کو جب بقول اماں جی کے ابا جی کے سوتے ہوتے تھے تو وہ تنگ آ کر گلی میں نکل جاتی۔ سب تنگ کرنے کے ایک کونے میں بیٹھ کر کھیلنے لگتی۔ کھیلنے پر بھی پابندی تھی مگر اب وہ اسی خاموشی سے دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی گلی میں کھیلتے ان بچوں کو دیکھنے لگتی جو ابھی سے عمر میں خاصے چھوٹے تھے کہ وہ ابھی اسکول نہیں جاتے تھے اور جو اس کی عمر کے تھے جن کے ساتھ وہ کھیلتی آئی تھی وہ سفید شلوار میں نیلی قمیص پہنے بستے اٹھائے اسکول جا چکے ہوتے۔ اب ان کے کھیل بدل چکے تھے۔ برف پانی اور پچھن چھاجی کی بجائے ساری لڑکیاں "اسکول اسکول" کا کھیل کھیلتیں۔ ایک کلاس اوپر گلی پر بچھتی۔ وہ دیکھ کر وہیں آتی تھیں۔ وہاں سے کتنی جاتی تھی اکیلی ہوتی جاتی تھی۔ ایک دن وہ چوکھٹ پر بیٹھی مغموم سی سوچ میں گم تھی کہ چھاجی نے اسے دیکھ لیا اور اماں جی سے کہا۔ اندر سے گئے اچھے مند دھلوا لیا اور اماں جی نے کہا۔

"پھوپھی تو پرانی کے کپڑے بدل دیں میں اسے اسکول داخل کرانے جا رہا ہوں۔" وہ حیرت سے صابن جھاگ دھوتا بھول گئی۔ اماں جی دبے لفظوں میں اسکول کے اخراجات کے بارے میں اعتراض کرنے لگیں جنہیں چھاجی نے خاطر میں نہ لائے۔

"میں اسے کسی ٹھیکے اسکول میں نہیں ڈال رہا جو گلی کے نکڑ میں ہے وہ تو سرکاری اسکول ہے۔ فیس

جھاڑ رہے ہے اور کتابیں کون سا روز روز لینی ہیں۔ میں سال بھر کی کتابیں، کاپیاں اور یونیفارم لا دیا کروں گا اور صرف اب نہیں بلکہ ہر سال جب تک وہ پڑھے گی۔"

پھر فرمایا۔ "بیٹے! تمہاری تو اپنی اماں کا خرچہ تمہاری سمجھ نہیں جانتی تم کتنی محنت کر کے اسے پورا کرتے ہو۔"

"کیونکہ میرے نزدیک تعلیم سب سے اہم ہے اور آپ کو بھی یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ آپ اس قدر محنت کرتی ہیں اپنی آنکھوں کو تباہ کر رہا ہے کہ زندگی کو تاریک کر کے آپ اس کے بدلے آپ اپنی اکلوتی اولاد کو علم کی روشنی تک نہ دے سکیں۔ اگر آپ کو مشکل لگتا ہے اپنے مجازی خدا کے خرچے میں سے تھوڑی کر کے اس پر لگانا۔ تو کوئی بات نہیں۔ میں خود اس کی فیس بھر دیا کروں گا اور باقی کا سارا خرچہ بھی۔ بس آپ اسے پڑھنے سے نہ روکیں۔"

پھوپھی بھی اسکول جانے لگی اور جب دوسری جماعت میں تھی تو ایک روز اماں جی چپکے چپکے کچھ کہے بغیر گزر گئیں۔ تو سال کی عمر میں وہ اتنی تو سمجھ گئی تھی کہ خود پر لڑنے والی افتاد کو محسوس نہ کر سکتی۔ اس نے محسوس کیا اور پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ یہ وہ جانتی تھی کہ اس کی اماں اب اس سے دور جا چکی تھیں۔ بہت دور۔ کبھی بھی واپس نہ آنے کے لیے۔ اب وہ انہیں دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ احساس اسے دھاڑیں مار مار کے رونے پر مجبور کر رہا تھا لیکن عمر کی شدت پر بھی اسے یہ اندازہ تھا کہ یہ ایک کمی اس کی زندگی میں کتنی دیرپا ساری کمیاں پیدا کرنے والی ہے۔

اماں جی بیمار تو پہلے ہی رہتی تھیں۔ اب ابا جی نے اور بھی خیال رکھنا شروع کر دیا۔ چھاجی بہت زیادہ مصروف ہو گئے تھے۔ وہ پڑھتے بھی تھے، پڑھاتے بھی تھے اور ایک اور جگہ کام بھی کرتے تھے تاکہ ان جب ملے "حوصلہ" دے چھاجی پر توجہ دینے کی صحت کرنے اس کی پرسائی کا خرچہ اٹھانے کا وعدہ خوب نبھا رہے تھے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی چھاجی سے زیادہ توجہ دینے کا وعدہ نبھا نہیں پاتی تھی۔ اتنی ہی عمر میں ذمہ داری ہی آتی رہی تھی۔ چھوٹے سے گھر کے واحد کمرے کے تصور کی مثال بھی اس کی سمجھ ہی جان جاتی تھی۔ ابا جی کے لیے روٹی ڈالتے ہوئے کتنی بار ہاتھ جلتا۔ کبھی ماں جاتیں تو وہ ہنڈی پکا دیتیں۔ ساتھ ساتھ اسے سمجھاتی رہتیں کہ کیسے ہوگا۔

"میں نے تو خود تیری ماں سے سیکھا تھا سب کچھ۔ اسے رب ہو جاتی ہے جاتی ہے خود سارے جاتے تجھے سکھاتی ہیں۔ اسے کیا پتا تھا کہ وہ اتنی جلدی چلی جائے گی۔ پتا ہو تو تجھے تو رواں سانے کی بجائے کی سب کچھ سکھاتی۔"

اب ابا جی اور چھاجی کا آنا کم ہو گیا تھا۔ خصوصاً چھاجی کا۔ وہ لوگ اس محلے سے چلے گئے تھے۔ ماں اور ماں جی کو تو کبھی ہی ہفتے گزارنے چھاجی اب کام میں بہت مصروف رہنے لگے تھے۔ کبھی کبھی ماں جی بابا کی کو کہہ سن کر اسے دو دن دونوں کے لیے ساتھ لے جاتیں۔ وہ چھوٹی سے بل لگتی۔ وہ اور بھی لمبے ہوتے جا رہے تھے مگر اب فتنے دبلے پتلے نہیں رہے تھے۔ گوارا تک بھی سانولا ہو گیا تھا۔ اس نے چھاجی کو کھل کر ہنستے ہوئے کم ہی دیکھا تھا۔ اب وہ مسکراتے بھی مشکل سے تھے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے اور سوچتے ہوئے ان کی آنکھیں اس طرح پھیلتیں جیسے انہوں نے ہوئے "چاندی اور ہیروں کا ڈھیر دیکھ لیا ہو۔ اسے ان کی آنکھوں میں ایک دم چمک اٹھنے بڑھنا اچھا لگتا تھا۔

پھر ایک دن ابا جی کو بخار نے کیا۔ صبح وہ دو اسٹری کو گھر نے آئے۔ پہلے دوا کھلائی کہ چھاجی نے یہ اسٹری اسے نہ دی پڑھانے کے لیے رکھے ہیں۔ وہ سخت حیران ہوئی کہ ابا جی کو اس کی پرسائی سے ایک کیا چڑ پیدا ہو گئی ہے۔ وہ تو ہمیشہ ہی اس کے اسکول جانے پر چڑ جاتے ہیں لیکن تب حقیقت جان کر مزید حیران ہوئی کہ یہ اسٹری پڑھانے والے اور اغوا کروانے والے اسٹری نہیں بلکہ گانا سکھانے والے ہیں۔

وہ گیارہ بارہ برس کی تھی اور اس کی عمر کی سب سہیلیاں کچھ نہ کچھ سیکھ رہی تھیں۔ کوئی اپنی من سے

کڑھائی کے ٹانکے سیکھ رہی تھی کوئی خالہ سے پتوں کی سلائی کوئی ماں سے سویٹر بنانا سیکھ رہی تھی اور کوئی امی کی طرح بازی روٹی سیکھ رہی تھی مگر ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو رنگ دھو سکھے رہی ہو۔ سرسیاں کھارنے کی مشق کر رہی ہو۔ نے مراد تو نہیں تشریح بجا کر رہی ہو۔

پہلے پہل اس دھوبی سلائی سے اسے قلبی کوفت ہوئی۔ سلائی نے تو تعلیم البتہ ماں ہی نے اپنی سے خوب سوال جواب کیے۔ چھوٹی تھی پوچھ کچھ کرنے آتے تھک وہ تو ماں سے الجھ پڑے لیکن ماں نے صاف کہہ دیا۔

"دھاسیری تھی ہے ہمیں جو جاہلوں گاؤں کا ایسے کسی میں آسمت جو رک سکے۔"

اور سب خاموش ہو گئے

دھاجیت اور افسوس سے سوچتی رہی۔

"اس کا مطلب ہے میں واقعی صرف اور صرف اماں کی بیٹی ہوں اور کسی کی کچھ نہیں لگتی تو پھر کیا اماں جی بھوت کہتی ہیں کہ میں تمہاری ماں کی جگہ ہوں اور اماں جی یہ کیوں کہتے ہیں کہ دھاگو میری بیٹی ہے۔"

سب اماں کے اس دو ٹوک اعلان کے بعد نہ صرف خاموش ہو گئے تھے بلکہ چپکے بھی ہو گئے تھے۔ ہر بیٹھے کا تناؤ بدلا اور پھر جیسے تنگ پہ محیط ہو گیا۔ اسے سب سے تنہا شاید اور آتے اماں صاف کہتے۔

"پہلی بیٹی ہے تیرے ماسے کے دیوں پر۔ بیٹے کی کمائی پہ بیٹھنے والا ہوتا ہے۔ اب لڑکے (عرب) رشتے ڈھونڈنا پڑ رہے ہوں گے۔"

لیکن گزرتے وقت نے اسے جو شعور دیا تھا وہ اسے بار بار کرائی کہ ان آگ کر ایک طرح کا اظہار ناراضی تھا۔ وہ اس کی موسیقی کی تعلیم کے خلاف تھے اور اماں اسے راتوں رات جانے کی گلو کارہ بنانا چاہتے تھے۔

وہ چودہ سال کی تھی جب چھاجی نے ذاتی گھر خریدا۔ یہ دو ایک نہیں تھا جہاں وہ آج کل رہتے ہیں بلکہ پہلے انہوں نے گلشن اقبال میں ایک پانچ سو گز کا مکان خریدا تھا جو اس مکان سے زیادہ اچھا نہیں تھا جتنا وہ کرائے پر رہ رہے تھے مگر سر چھپانے کو تو تھا۔ سلائی ساری عمر اچھا خاصا کمانے کے باوجود اپنا گھر نہ بنا سکے۔ اس خوشی میں میلاد شریف اور دعوت کا اہتمام سلائی جی نے کرایا۔ دو روز پہلے ہی سے گھر میں وہ تین چار ماہ بعد اس طرح لان کے ہاں رہنے جاری تھی امی کی خوشی الگ تھی اور چھاجی سے ملنے کا اشتیاق الگ۔ ان سے ملے ہوئے تو سال ہونے کو آیا تھا۔ سلائی نے صبح نکلا ہی تھا کہ چھاجی آ گئے۔ ان کے ہاں دو بار وہ کئی بار گھر نہیں ملے پچھلی بار تو وہ صرف فون سے ملنے کی خاطر رک بھی گئی تھی لیکن وہ اس رات حویلی نہیں آئے۔ کسی شوٹنگ کے سلسلے میں یونٹ کے ساتھ مری چلے گئے تھے۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ فوٹو ڈی کے لیے کام کرتے ہیں لیکن کیا کام کرتے ہیں اس کے بارے میں کچھ صحیح اندازہ نہیں تھا۔

شروع شروع میں جب سلائی جی نے بتایا کہ شہزادی کا ڈرامہ ٹی وی پر آنے والا ہے تو وہ بے حد پرجوش ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کے چھاجی بھی ڈرامے کے ہیرو ہوں گے۔ اس نے سوچا ہی تو تھا نہیں "اماں" کے سامنے ہی آ کر رکھا اور اسے سخت مایوسی ہوئی جب پورے ڈرامے میں ایک بار بھی چھاجی کا چہرہ نظر نہیں آیا جبکہ وہ اسکول میں اپنی ساری سہیلیوں کو بتا آئی تھی کہ چھاجی ۔۔۔ اس کے ڈرامے کے ہیرو ہوں گے ہیں۔ تب چھاجی نے اسے بتایا تھا کہ وہ صرف ڈرامے کی کہانی لکھتے ہیں اور یہ تو بہت پرانی بات تھی۔ غالباً دو ملی تین سال پرانی۔ اتنا نے سنا تھا کہ اب چھاجی صرف کہانیاں ہی نہیں لکھتے پورے کا ہیرو اور ہیرو بناتے ہیں۔

"شاید اسی لیے زیادہ مصروف ہو گئے ہیں۔" وہ سوچا کرتی۔ لیکن کبھی اس کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ چھاجی اس روتی ہوئی مریل سی بچی کو بھلا کیسے بھول سکتے ہوں گے جس کے آنسو وہ اپنے ہاتھ سے پونچھا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اماں زیادہ مصروفیت کے باوجود ہر دوسرے تیسرے دن اسکول میں آتی ہوں گی اور پچھلے سال تو چھاجی نے اسے سرکاری اسکول سے اٹھا کر انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ اس کی کتابیں کاپیاں بستہ اسکول بیگ سارا سامان یونیفارم بنانا کے جوتے اور رنگ برنگی طرح طرح کی پنسلیں۔ شارپنر اور ربڑ اسی تو چھاجی ہی پہنچا جاتے۔

اصیلاں کو یہی کافی تھا کہ چھاجی اس سے غافل نہیں ہیں۔

میلاد شریف اگلے روز صبح دس بجے شروع ہونا تھا۔ خاندان اور محلے کی عورتیں مدعو تھیں۔ زیادہ تعداد پھر بھی پڑوسی ساتھ لوگوں کے لیے دوپہر کے کھانے کا اہتمام کرنا تھا اور یہ سلائی جی کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تو چھاجی نے ان کے لیے ایک ملازمہ بھی رکھ دی تھی۔ اور پھر دھاگو بھی تو تھی۔ وہ اسی لیے تو پکے آئی تھی کہ سلائی کا ہاتھ بٹا سکے۔

رات کی دعوت کا انتظام چھاجی نے کسی ہوٹل کو دے رکھا تھا۔ وہیں سے پکا پکایا کھانا آنا تھا۔ لوگ بھی زیادہ تھے۔ ان کے سارے دوست ساتھ کام کرنے والے لوگ۔ سلائی جی کو اس دعوت کی خاص فکر تھی۔ البتہ جھاجی کی آرائش وغیرہ کا جائزہ لینے وہ بار بار میاں کے پاس چلی جاتی تھیں۔ اس لیے دھاگو کو بھیج دیتیں۔ دھاگو اپنا بڑے کا گھر جانے کی بھی نہ خواہش ہے اسے کیا پتا تھا کہ پھولوں "آرائشی گلدستوں" اور قالینوں کی ترتیب درست ہو پا نہیں۔ کرسیوں کی دو قطاروں میں بچھانے ترتیب وہ موقع انداز میں ایک نظر دیکھ کر بچھا رہی تھی۔

"اماں جی بہت اچھا کام کر رہا ہے۔" بار بار اس کا یہی تبصرہ ہوتا۔

آخری بار میلاد ختم ہونے کے بعد اور کھانا تقسیم سے پہلے دریں محفل پھر اسی قدر کے چرچے ہوئی کی۔ محفل ختم ہوئی تھی جو بعد طرح کی میزوں پہ دو دو صوفیوں میں بیٹھی جا رہی تھی کہ اندر سے آتے چھاجی سے جو لڑکی ہاتھ میں ایک بڑی سی ٹرے اور تھے اور چھاجی کا تو پہلی ہی چوٹ کے قریب تھا اس لیے دھاگو دیکھنے کے لیے کہ اس کی ناک کس طوفان سے ٹکرائی ہے۔ پورا منہ اور ناک کے دیکھنے پڑا اور جیسے اپنی مختصر سی خوشی ناک سکڑتے ہوئے آنکھوں میں غصہ بھرے کہ اس نے سامنے والے کے چہرے کی جو جب دیکھا تو حیرت آمیز خوشی کے ساتھ چلا اٹھی۔

"چھاجی۔"

رات دیر تک ان کا انتظار کرنے کے بعد سو گئی تھی۔ خدا نہ کرے سلائی جی نے کہا بھی تھا کہ ان کے آنے کا کوئی مقررہ وقت نہیں۔ ابھی بھی وہ صبح چار ساڑھے چار بجے آتے ہیں مگر وہ نہ مانی اور انتظار کرتی رہی۔ مگر دو بجے تک سو جانے کی ہماری دھاگو ساڑھے چار بجے تک سلائی جی کی جاگ سکی اور پھر وہیں ہال میں سو گئی۔

"اٹھی تو پتا چلا کہ چھاجی سو رہے ہیں اور پورے ساڑھے دس بجے تک جتنی میلاد شریف ہونے سے پہلے وہ کتنے ہی بار ان کے کمرے کے لگا چکی تھی۔ مگر بند دروازے کو جو کھولا تو پتا چلا۔ بس کی بے چینی کی وجہ اس کا خوف سسکار دلت تھا۔ جب چھاجی جماعت سے اٹھا کر چھاجی نے اسے اس انگلش اسکول میں داخل کرایا تو پہلی بار وہ چھاجی تھی۔ اپنے سرکاری اسکول میں وہ ہر سال فیل آتی رہی تھی۔ پتا نہیں اس اسکول میں چل سکے گی یا نہیں۔ "اسکول فیل نہ ہو جاؤں۔ چھاجی کیا سوچیں گے۔" یہ سوچ اسے پریشان کرتی اور وہ پچھلے سے کئی دن زیادہ محنت کرتی رہی۔ شاید تب ہی چھاجی سے آخری بار ملاقات ہوئی تھی۔ کمرے کے کام۔ موسیقی کی مشق۔ اماں کی کوئی کسی کسی ایسے میں نئے اسکول کا نیا ماحول پڑھائی پہ توجہ دینا۔ اسی سست شکل تھا اور ہماری نظام حاصل کرنا تو چیز نہ اسکول۔ اس کے بعد دو اس نے چند دن میں ہی اتنی محنت ضرور کر لی کہ چھٹی کا امتحان دیا۔ مضمون میں فیل ہونے سے بچا لیا۔ اسے یاد تھا کہ نئی کلاس کے کورس اور بیگ کے ساتھ اماں جی اس دن ایک سوٹ لائی تھیں اور ایک کھڑی بھی لائی تھیں۔ سوٹ ان کی طرف سے۔ دیپ اماں کی طرف سے۔ اور چھاجی نے بھیجا تھی۔ وہ بیگ اسٹریپ والی نازک سی کھڑی کو ہاتھ میں لیے آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

"یہ چھاجی اب میں پھولوں کی تو چبھن ہوتی ہے کہ چھاجی کو کیسے پاؤں جا کے کہ میرا دل گنوا لیتے ہو۔ ہاں جا کے کھانے کو کوئی پل دیا۔ یا نہ کہیں بھی گل دانے بھول لے پہنیں چھٹی۔ میں تو ان سے کوئی نہیں۔ بہت کی تھی نہیں کہتی پھر اسی نہیں کیسے پاؤں گی۔ پھر ایسا ہوا چھاجی کہ میں بڑی ہو گئی۔

میں ہو لیں گی۔ شاید مجھے لگا کہ میں بڑی ہو گئی ہوں۔ کیونکہ میری سمجھ میں آنے لگا تھا کہ آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ضرور آپ میرے دل کے ہر بات جان لیتے ہوں گے۔ مگر آنکھوں سے پڑھ لیتے ہوں گے۔ مگر آنکھوں سے دل کی ہر بات جان لینا ہے کہیں میں غلط تھی۔ میں بڑی نہیں ہوئی ہوں میں آپ بھی بھول ہوں۔ اتنی ہی بھولی ہوں۔ آپ بھی سمجھ نہیں پاتی ہے کہ آپ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ مجھے کیا خواہش ہو رہی ہے۔ آپ نے ڈانٹ نہیں اور کہا کہ آپ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ مجھے کیا خواہش ہو رہی ہے۔ آپ نے ڈانٹ سے میری آنکھیں نہیں دیکھیں۔ اتنی دور سے بغیر منہ سے آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں۔"

نئے اسکول میں جانے کے بعد ہر لڑکی کی کاپی پر پیدا ہوئی گھڑی دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوتا۔ اول تو اس مجھے فیشن میں گھڑی صرف مردوں کے استعمال کی چیز تھی۔ اور وہ بھی بڑی عمر کے مردوں کی۔ جنہوں نے کاسپر جانا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اسے یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اسکول میں گھڑی کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے باوجود بھی کبھی کسی لڑکی کی گھڑی کی خوبصورتی اسے بری طرح للچاتی۔ اور پیریڈ کے دوران وہ اسے بھی گھڑی کی شدید ضرورت محسوس ہوتی۔ ایک مقررہ وقت میں پورا پریڈ ختم کرنے کا ہوا تھا۔ اکثر وہ ایک ہی سوال کو حل کرتے ہوئے اتنا وقت لگا دیتی کہ بقایا سب سوال نہیں ہو پاتے تھے۔ پھر اس نے ٹائم کا حساب رکھنے کے لیے ساتھ نہیں کلاس فیلوز سے بار بار ٹائم پوچھنا شروع کر دیا۔ جس پر ٹیچر سے اسے ڈانٹ پڑتی۔ اس سمسٹر میں بھی یہی ہوا۔ اس کے نمبر بہت کم کر کے نکلے۔ اگر امی کی بہت خاطر نہ لیتے۔

اور وہ بھی خیر چھاتی کو سنانا چاہتی تھی مگر وہ تھے کہ "مصنفات" میں مصروف تھے۔ اس لیے اچانک ٹکرا گئے۔ وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی کیونکہ اس نے آپ ان سے ملنے کی امید چھوڑ دی تھی کہ چند گھنٹوں بعد وہ رات کی تقریب میں مصروف ہو جائیں گے۔

"چھاتی۔" وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ آنکھوں میں بے تحاشہ سینہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ڈیکلی نیو کلر کا کاٹ سوٹ کندھوں پر بکھرے بے ترتیب بال۔ ہلکے سرخ ڈورے والی حیران پریشان آنکھیں۔ اسے ہمیشہ وہ اتنا ہی متوجہ کرتی تھیں۔ شاید رات بھر نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اشعر بوجھل ہوئی۔ اور ایک مزید اضافہ وہ سوچیں جوان کے گلے سانولے چہرے کو خاصا بارعب بنا رہی تھیں۔ چھاتی کی خاموشی اسے خائف کر گئی۔

"شاید مجھے ایسے چلا نہیں چاہیے تھا۔" وہ سوچنے لگی۔ کچھ چھاتی کا سراپا بھی اسے رعب میں لا رہا تھا۔ وہ اس سے بڑے تھے ہی اور سنجیدہ تو کبھی بھی ہو ہی سکتے تھے۔ لیکن آج وہ زیادہ ہی بڑے لگ رہے تھے۔ شاید ان موچھوں کی وجہ سے۔ یا شاید اس طویل خاموشی کی وجہ سے۔ ان کی سنجیدگی اور اپنے اور ان کے درمیان عمر کے زیادہ تر برس کے فرق کے باوجود اسے یہ شدید ان کی ذات سے ایک دوستانہ نیا پن کا احساس ہوا۔ اس نے بولنا سیکھا تو سیدھا ان کا نام لیا۔ "چھاتی" (شعراء کہہ لیجیے۔ چھاتی جوان تھے) اور عمر کے ساتھ ساتھ خود بخود اس نام کے آگے "جی" کا اضافہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

"ہوں؟" بہت دیر بعد وہ بولے تو آواز میں بوجھل پن کے ساتھ ایک ناقابل یقین سا انتظار تھا اور وہ چونک کر نیچے اترنے کو تھی کہ ایکدم کھل گئی۔

"چھاتی! میں کب سے آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ رات کے کس پہر تھے کے فرسٹ سمسٹر کا رزلٹ آیا ہے اور میں نے پورے ٹوئنٹی پرسنٹ مارکس لیے ہیں۔ ویسے میری پوزیشن تو ناب ٹین میں بھی نہیں تھی۔ لیکن ناب ٹین کے اصل رزلٹ سے تو بہت اچھے مارکس ہیں۔ میں نے چھاتی اور امی اب اور بھی محنت کروں گی۔ بہت زیادہ زیادہ پڑھوں گی۔ سیونتھ کے اصل رزلٹ میں ضرور ناب فورتھ میں سے ایک پوزیشن لے لوں گی۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بتا کر رک گئی۔

"ہوں! تم کل بدل گئی ہو؟" چھاتی کی حیرت میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ وہ آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجے میں بھی اتر آئی تھی۔ وہ اجنبی سی۔

"شاید۔ میں یقیناً۔" وہ میرے اتنا کہنے پر ہولتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ "پہلے میں کب اتنا زیادہ بولتی تھی۔ اور وہ بھی چھاتی کے سامنے؟ اب سب اس نئے اسکول کی وجہ سے ہے۔ نئے اسکول کی استانیاں اور وہ گندی مندی لڑکیاں۔ ان کو تو منہ لگانے کو دل ہی نہ چاہتا تھا اور اس نئے اسکول میں آنے کے بعد پہلے تو مجھے لگا جیسے میری جوانی ہی بدل گئی ہو۔ پھر اچانک ہی پھر اتنی تبدیلی۔ کتنے پیار سے بات کرنے والی۔ وہ دیا آپا اپنی فرینڈ تھیں۔ واقعی اب بہت بولنے لگی ہوں۔" پھر وہ نئی کے ساتھ جب پھیرتا ہے ہوئے انہیں اسکول کی باتیں بتا رہی تھی تو تب بھی وہ ٹوکتے یا ٹوکے کہتے نہیں تھیں۔

"آپ کی کہنے کو تو کتنی پیٹر کرنے لگی ہے۔ میرا تو سر کھا لیا ہے تو نے۔ چل نکل باورچی خانے سے۔ میں آپ بیٹاں کی سیر۔"

"شاید چھاتی کو بھی میری پیٹر کرنا اچھا نہیں لگا۔

"سوری چھاتی! وہ دراصل بہت عرصے بعد آپ کو دیکھا نا۔ تو بس کر رہا تھا ساری باتیں ابھی کر دوں۔ پتہ نہیں آپ پھر کب ملیں۔ ورنہ میں اتنی زیادہ باتیں نہیں کرتی۔ سچ۔" وہ کھلکھلا ہو کر وہ دستے لگی تو ایک مدت کے بعد اس نے چھاتی کو ہنستے دیکھا۔ اور ہنستے دیکھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو کہہ رہا تھا چلو آؤ نیچے چل کے بیٹھتے ہیں۔ تم نے اچھی باتیں کرنی ہیں۔ ایک سوال ہے جو مجھے نہیں تنگ کر رہا ہے۔ اب سنا دو۔" وہ اپنے ہاتھ کا اشارہ کرتے میز پر بیاں اترنے لگے۔ وہ بھی پیچھے چلی تھی۔

"نہیں چھاتی! میں تو سیدھے اٹھ کے آئی ہوں۔ بس اب جا کر سونا ہے اور پھر کھانا کھانے کا۔ ابھی تو بالکل ٹائم نہیں ہے۔ ویسے آپ کل رات کتنے بجے آئے تھے۔ میں کافی دیر آپ کا انتظار کرنے کے بعد وہیں لاؤنج میں سو گئی۔" "اس کی بات پر چھاتی ایک دم کرسٹ ہٹانے کے لیے ہنسے۔ یوں کہ ان سے ایک قدم پیچھے وہ لاؤنج کو کرتے کرتے کی۔ وہ حیران ہوئے ان کو دیکھنے لگی جن کا رنگ بیٹھے سے تاریک زرد ہو گیا تھا۔

"تو۔ رات تو رات کی بات تھی۔" وہ مسکراتے تھے ہیں کے سوال پر وہ صرف اثبات میں گردن ہلا کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا کہ ان کی مخصوص آنکھوں کے سرخ ڈورے پھیل کر ساری آنکھوں کو لہو رنگ کر گئے۔

"کیوں؟" وہ حیرانی سے ٹھہرا کے ایک قدم اور پیچھے ہٹ کر ایک میز کی طرف گئی۔

"یہ کوئی طریقہ ہے۔ جنہاں دل چاہا آ دیں سو گئے۔ آخر تم۔" کچھ کہتے کہتے رک کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئے۔ جب کہ وہ کا پر چند زینے طے کرنا محال ہو گیا۔

"کیا واقعی ہماری تھک سکتے ہیں؟ دولت انسان کو مغرور اور بد مزاج کر دیتی ہے۔ کیا یہی چھاتی ہیں؟ کیا واقعی انہیں اس بات کا غصہ ہے کہ میں ان کی اجازت کے بغیر ان کے نئے سے سجائے گھر کے تھوڑے سے حصے پر سو گئی۔ ٹھیک بھی تو ہے آخر یہ میرے علاوہ کا گھر ہے۔ مگر مجھے تو یہ دل رکھنا چاہیے تھا۔ جنہاں امی تھی تھیں۔ وہیں سوئی۔ کتنا برا لگا ہے چھاتی کو۔" وہ افسردہ سی بن تھک قلق جنہاں چھاتی امی تھی تھیں کے لیے کر رہے تھے۔

"جب کسی کی لڑکی کو گھر لاتے ہیں تو کچھ ذمہ داری بھی اٹھاتے ہیں۔ خود آپ کمرے میں رہ گئیں اور اسے ڈالی کو اوپر میں سلا دیا۔ اگر کچھ ہو جاتا تو کون ذمہ دار ہوتا۔"

"آپ کے باتے پر اپنا بیرا خانہ کو ڈالی بیٹی سے جو ذرہ کے بگاڑ جاتی اور پھر گھر کے اندر ہی سوئی تھی۔"

"اور گھر کے اندر کون تھا؟ آپ کو پتا بھی تھا کہ میں ذرا دیر کے ساتھ نہیں لے کر گیا تھا۔ وہ باہر آنے میں دیر تھا۔ آخر ڈرائیور کا دروازہ بھی ہمیشہ کی طرح کھلا رہ جاتا۔ اور پھر وہ آنے آپ کے دونوں بیٹے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ کیا بات ہے کوئی بتر آتے۔ اور شاید اترے بھی ہوں۔" وہ مٹھیاں بھینچے لگے ان کی اشتعال کی کیفیت دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔ اتنی نا سمجھ تو نہیں تھی کہ جان سکتی کہ اصل میں اس کے اکیلے لاؤنج میں سونے پر چھاتی کا اعتراض کیا تھا بلکہ اسے نہ صرف اپنی سابقہ سوچ پر افسوس ہوا بلکہ اصل وجہ جان کر خوشی

بھی اولی کہ وہ اس کی کتنی فکر کرتے ہیں۔ کتنا خیال رکھتے ہیں۔

شام کی دعوت کے لیے امی جی نے اس کے لیے جامنی کلر کا ہوٹرا نکالا تھا۔ ویسے تو صبح میلاد پر سفید چکن کا کرتا شلوار بھی انہوں نے ہی نکالا تھا لیکن اس سفید اور زرد شلوار قمیص کی چھب ہی نرالی تھی۔ نہ جس پر سلمے ستارے کا ہلکا ہلکا مگر خوبصورت کام تھا۔ امی جی نے اسے اپنی چاندی کی ٹھکیاں بھی دی تھیں۔ نہ جن پر نقاشی ہوئی تھی اور کانٹے کی سیدھی لڑیاں اور دیسی زری لنڈھ۔ پہلی بار پاؤں میں رنگین پراندہ پڑتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس نے بل عام لڑکیوں کی طرح سیاہ ڈورے نہیں بلکہ سلمی میں پیسے کے گھر کے بنے ہوئے کالے پراندوں میں تھی۔ اسے لیے بال گوندھتے ہوئے بھی اس نے اپنے لمبے بالوں پر رعایت نہیں دی تھا۔ اس نے اسکول میں تیل لگا کر کتا جتنا تو کتنے ہی دن اسے سر خالی خالی لگا تھا۔ رنگت آنے کے بعد چھ چھٹیاں ملیں تو اس نے بھر کے سر میں کا تیل تو کی بجائی اپنے دوسکے سر میں انڈیل لیا۔ اس شام امی جی نے اسے دو دن کے لیے لیٹے آگئیں۔ کل کا دن ایسے ہی ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کام کراتے گزر گیا۔ صبح میلاد کے لیے اس نے زمانہ ہوئے سفید چکن کا کرتا پہنا۔ پہلی بار شیمپو کی خوشبودار جھاگ سے دھوئے بال ابھی سوکھے بھی نہیں تھے کہ مہمان عورتیں آنے کی وجہ سے اس نے انہیں کیلا کلپ کی شکل میں لپیٹ لیا۔ اب شام کی تیاری کرتے ہوئے اس نے اس ہوٹرے کو کھولا تو شیمپو کی مہک اس کے حواس میں چھانے لگی۔ نتھنے سے بل سنبھالنے لگی تو ریشم کے گچھے لٹکتے ہی چلے گئے۔ منہ میں رنگی آبشار شانوں پر بہنے لگی۔

"ہائے کتنا اچھا ہے یہ شیمپو۔ زور لگا کر بالوں کی الجھن نہیں دور کرنی پڑتی اور خوشبو بھی کتنی ہے مہک بھی رہے ہیں۔"

اور ہو سکتا ہے یہ تک ہمیشہ سے اس کے بالوں کا حصہ ہو مگر اس نے کبھی غور ہی نہ کیا ہو۔ بالکل ایسے جیسے اس کے بالوں کی سوندھی رنگت چھپن سے تھی لیکن محسوس اسے تو تب ہوئی جب گھر سے زور پراندے میں سے سنہری پن جھلک رہا تھا۔ چلتا رنگ تھا رنگی نور اپنے پیروں میں رکھے والا کھیلنے والوں میں ٹھمکیں اور کافی میں چوڑیاں پہنتے کے بعد خود ہی اس کے ہاتھ سنگھار میز رکھے دوسرے سامان کی طرف بڑھنے لگے۔ سادگی ہی خاص شوخیں مزاج تھیں۔ پہلے ہوتے ہوئے خود اور کی ساتھ رنگت کے ساتھ بھی خوب شوخ رنگوں کا استعمال اور بنے سنورنے کا شوق۔ ہنسیں نمایاں رہتا تھا۔ اس نے کاجل کی لکیر اپنی میز کے نیچے پھیری۔ گلابی لپ اسٹک بھی لگائی۔ باقی اشیاء کا استعمال اسے نہیں آتا تھا اس لیے رہنے دیا۔ کمرے سے تو نکل آئی مگر اور جاتے ہوئے جھجک سی گئی تھی۔ پہلی بار لپ اسٹک لگائی تھا اور بھی لگ رہا تھا کہیں امی جی ڈانٹ نہ دیں۔ ایسا ہی ہوا نہ بولنے لگے۔ وہ اسی سوچ میں تھی کہ چھاجی کی آواز آئی۔

"نور بیٹی! کمرے سے باہر چلی ہاں نہیں جا رہیں۔"

وہ اور جھجکی۔ بے اختیاری میں اپنا ہاتھ لبوں پر جما لیا تاکہ لبوں کا گلابی پن زیادہ ظاہر ہو۔

"نہیں میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ قریب آکے گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان کی آواز اور بھی بوجھل اور بھاری لگ رہی تھی۔ وہ چونک کے دیکھنے لگی۔ کہ یہ اعتراف تھی یا تنقید۔ اس کی نظر پڑتے ہی واضح ہو گئی۔ چھاجی کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹے۔ جیسے۔ آگے کوئی کھائی۔ کوئی گڑھا ہو۔ "میرا مطلب ہے کہ تم تو ابھی بہت چھوٹی ہو۔ بہت چھوٹی۔" وہ یوں ڈر رہے تھے جیسا ان کی بجائے خود کو یقین دلانا چاہتے ہوں۔ وہ پہلے ہی اس میک اپ کی وجہ سے ڈر رہی تھی ان کی بات پر اور گھبرا گئی۔

"میں اچھی نہیں لگ رہی چھاجی! لو میں ناں لگایا ہی نہیں لگ رہا۔" اس کے سوال پر چھاجی کے چہرے پر بے بسی کے آثار نمایاں ہوئے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر رک رہے ہوں ٹوک کر۔

"جیسے وضو کر کر لگانا چاہتے ہوں۔ کچھ کہنے سے۔ مگر کہنا نہ چاہا ہو۔"

"نہیں تم اچھی تو۔ بس بڑی بڑی لگ رہی ہو۔ اور ابھی تمہیں اتنی جلدی بڑی ہونے کی ضرورت کیا ہے۔"

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر چلے گئے مگر وہ بیٹھے کے پلے سے ہونٹوں کو کرتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

"چھاجی! آپ کو میرا پڑھنا پسند نہیں تو مجھے بھی نہیں ہونا بڑا۔ مگر میں جیسے خود کو بڑا ہونے سے روکوں۔" سر جھٹکتے ہوئے اس نے آگے بڑھنا چاہا تو اپنا لمبے بالوں کے اوپر اب تک چھاجی کا ہاتھ دھرا ہوا۔ وہ رکے اور پھر دیکھنے لگی۔ سر پر ہاتھ پھیرے کبھی بھی بھلا کیسی نظر آتے ہیں۔ ہاتھ سانسوں کے اندر تک اتر کر ہوا کو محسوس دیتے ہیں اور بھاگنے اور بھی ایک لطیف سا احساس مست موج کے تاج رہا تھا۔ وہ بہت بھاری سی ہو رہی تھی۔ رونی قدم گھسیٹ رہی تھی۔ سنتوں پر جیسے بڑی بڑی بیڑیاں پڑ گئی ہوں اور زبان بالکل گونگی سے بے شکل کام تک رہا تھا۔

ماں جی نے اس کی تھکن پر محمول کر کے باجی کو اسے ساتھ لے جانے سے روک دیا۔ وہ بھی نجانے کس موڈ میں تھے۔ مانتا رہے۔

"حضور نے شہزادے سے گڑیا کی بے آبی دل کی خوب کھوج کیں پھر ہیں۔"

اگلے دن شام کو چھاجی تو بھی جلدی آگئے اور ماں جی کی حیرت سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انہوں نے عرصے بعد چھاجی کو اس وقت گھر پر دیکھا ہے۔ وہ کاپیہ کلاس کی ہوا میں اڑانے کو کافی تھا کہ چھاجی صرف اس کے لیے جلدی آگئے ہیں۔ ہی جی ساتھ جانے کو تیار تھیں مگر انہیں گھومنے پھرنے کا جیسے بھی بہت شوق تھا مگر اس وقت ماں جی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ گھر پر رک گئیں۔ چھاجی کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی لگا جیسے وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی وہ خاصی بڑی بڑی لگنے لگی ہے۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ چھاجی ہلکے نیلے رنگ کی جینز اور سفید سوتی شرٹ جیسے سادہ لباس میں مست اچھے لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر گہرا سیاہ چشمہ مسکراتا رہا تھا۔ ہوا سے اڑتے بال انہیں تنگ کرتے تو اسٹیئرنگ سے بار بار ہاتھ اٹھا کے ماتھے پر بال پیچھے کرتے ہوئے وہ اور بھی اچھے لگنے لگتے۔

"کیا دیکھ رہی ہو نور؟" حالانکہ وہ سامنے سڑک پر دیکھ رہے تھے مگر وہ نہیں انہیں پتہ کیسے چل گیا کہ وہ ان ہی کا جائزہ لے رہی ہے۔

"بی۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ سب بتا کے سارا دھیان راستے کی گہما گہمی پر دینے لگی مگر دھیان تھا کہ ان کے فیشنے کے اسرار میں اٹکا رہا تھا۔ دل تھا کہ بار بار بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرنے والے منظر میں کھویا ہوا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے مجھے۔ اگر چھاجی کو نظر لگ گئی تو۔ ٹھیک ہے نور اچھے لگ رہے ہیں مگر یوں نظریں چھاڑ کے نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہی جی بتاتی ہیں "چھاجی کا خون بہت ناپاک ہے۔ نظر فوراً لگ جاتی ہے۔ مجھے ماشاء اللہ کہنا چاہیے۔" اسے ماشاء اللہ کہتے سن کر چھاجی نے استفسار کیا۔

"کچھ ایسے ہی۔۔۔ وہ بھیجے بہت پیار لگا تھے اس لیے۔" بولتے کر وہ ہکلانے لگی پھر اتنا صلے پر نظر آتے بچے کی طرف اشارہ کر کے بات بدلی۔ چھاجی پھر ڈرائیونگ میں مگن ہو گئے مگر وہ اپنے ہی اس ردعمل پر بھرے حیران ہو گئی۔

"بھلا میں بات چھاجی سے کیوں چھپا گئی کہ میں نے یہ لفظ ان کے لیے ادا کیا ہے۔ اس میں شرمانے والی کون سی بات تھی۔ میں تو ایسے گھبرا گئی جیسے کوئی جرم کرتے پکڑی گئی ہوں۔" اس کے اس سوال کا جواب بھلا نے کچھ ایسا دو تھا کہ وہ اور حیران ہو گئی۔

"نہیں؟ میں کیوں نہیں بتا سکتی چھاجی کو کہ وہ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ کیا یہ بری بات ہے؟ چھپانے والی بات" آنکھوں کے نیچے وہ اکر بدل دیتے کچھ حقیقتوں سے روشناس کرانے لگا۔

"کیا یہ ہر چھاجی کو بھا لگتا ہے؟" اس نے پھر بھلا سے سوال کیا۔ جواب ملا۔ "شاید۔"

اسے اس کی طرح شرم آئی کہ وہ اپنی ہی انگلی چبانے لگی۔ زور سے آنکھیں بھینچ کر اس نے دل کے اس بے معنی تجزیے کی تردید کرنی چاہی مگر دل ثبوت کے طور پر بھرے اس کے ہاتھوں پر ان کے ہاتھوں کا لطیف لمس

بکانے لگا۔

"نہیں نہیں بھائی نہیں۔۔۔ وہ نہیں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہائے اللہ! بھائی کی جو عادت ہے، میرے سامنے کی ہر بات بتلا دیتے ہیں۔ اگر یہ بات بھی انہیں بتا چل گئی تو! تو! میں تو کہیں کی نہ رہوں گی۔ ایسی ذلیل ہوں گی۔ ایسی ذلیل ہوں گی۔"

بہت بھوک لگی ہے کیا؟ شکل پر بارہ بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے کچھ کھا پی کر تمہیں اندر لے جاتا ہوں۔"

جوائے لینڈ کے آگے کار پارک کرتے کرتے انہوں نے دوبارہ سے ریوس کی اور دعا جیسا ہوا کے روکی۔ کہاں تو وہ سوچ کر سہم گئی تھی کہ اس کی اس سوچ کی بھنک بھائی کو نہ پڑ جائے اور کہاں ان کے عاطفانہ انداز پر بیٹھ گئی کہ وہ اس دن اس کے لئے کی بات بھی نہ بھولے تھے۔ اسے یہ جوائے لینڈ لے کر آنا بھی اسے خصوصاً اہتمام تھا۔

"مجھے بالکل ہی بھی سمجھتے ہیں کہ پہلے سیونتھ میں ہوں اور چوتھی سال پڑھائی کی ہوں۔ اگر جلدی اسکول داخل کرا دیتے تو اب نائنتھ یا میٹرک میں ہوتی۔"

ان کے ساتھ "شیزان" کے سرد ٹھنڈے ہال میں داخل ہوتے ہوئے وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی۔ تو اور بھی انہوں نے اس کی خاموشی سے تھک کے خود ہی دے دیا۔

"ہائے شہزاد۔"

ایک محترم سی آواز پر اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ اس سے چہرے والی خوبصورت تھی۔ بے انتہا حسین اور ڈیسنٹ تھی۔ اور بھائی بہت ایسے مل رہے تھے جیسے گہرے دوست۔ اس کی چست پینٹ اور بغیر آستین کی شرٹ دیکھ کر وہ کانوں کی لو میں سرخ ہو گئیں اور پھر جس طرح وہ ہاتھ ملانے کے بعد بھی اب تک بھائی کا ہاتھ تھامے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مرعوب جانے والے انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ وہ اسے اور بھی عجیب۔ اور کچھ کچھ ڈراؤنا لگ رہا تھا۔

"لاؤ! اوپری۔ کون ہے یہ! اونٹ پٹانگ!" اچانک اس نے دماغ کو کھلا۔ پہلی اور انوسنٹ کے لفظ کا بھیانک اسے مسمور کر جاتے اگر پہلے کا اضافہ نہ ہوتا۔ وہ تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کاپر والی کے جیب میں اوپر کو کر چیس ڈھکنے لگی۔ اس کے نظر انداز کر دینے پر بھائی نے تھوڑا محسوس کی۔

"یہ دولی ہے۔ صریحاً نہیں آج ناراض ناراض سی کیوں ہے۔ اسے جوائے لینڈ لے کر تنہا تھا تاکہ اس کا موڈ کچھ ٹھیک ہو سکے۔"

"یہ دولی ہے۔" یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف کہتے۔ کہ یہ دعا ہے "خانہ بربادی" کرنے والے لفظ کہنے پر یہ چھلکا تھے۔ جل بھن جاتی۔

لان دنوں "کہنا" لفظ اس کے نزدیک خاصا رومینٹک تھا۔ اس کی کتنی ہی کاپیاں پلوٹو اپنے اپنے فیورٹ کوٹز کے قصے سنایا کرتیں۔ کوئی بہت بیوٹی فل تھا کسی کا ایڈیک ریکارڈ شاندار تھا کوئی زبردست انٹیلیکٹ تھا۔ کسی کا بینس ٹیف بہت کمال کا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہتی۔ کبھی خیال نہ آتا کہ وہ بھی بھائی کا ذکر چھیڑے۔ پھر آج سے پہلے اس کے لیے صرف بھائی تھے۔ نہ کزن۔ نہ دوست۔ نہ بھائی۔۔۔ بس بھائی۔۔۔ ایک معصوم سا سایہ لیکن آج طے ایک ہلکی سی رونگ کا تاثر دیا تھا اور اپنے کچے پن میں دل کے اتھوں دھڑکتی جا رہی تھی جس جس سائے کے بعد بھی وہ اس کی سوچ کو اکثر چاہتا رہا اور دل اندر ہی اندر تھے کرتے۔ اسے اچھا لگ رہا تھا۔

دھڑکتا! یہ میں ہی ہیں میں ناراض ہوا اور دل اندر ہی اندر تھے کرتے۔ اسے اچھا لگ رہا تھا۔

اسی رات وہ جاگتی رہی۔ سوچتی رہی۔ کھل کھلیں۔ جھجکتا تک دشوار ہو گیا تھا۔ وہ زبردستی انہیں کھولے ہوئے تھی۔ نیند کے باوجود وہ اتنی خوبصورت سوچیں ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ صبح فجر کی نماز ادا کر کے اس نے لاؤنج کے بڑے بیسینے پر بھائی کی گاڑی نہیں نکلی تھی۔ اسے یاد آیا وہ پیشہ ور انہی کی طرح سے کہہ رہے تھے کہ رات کو شرٹ پر ملاقات ہوئی۔

"اس کا مطلب ہے وہ اب تک واپس نہیں لوٹے۔ اسی چھلکی کے ساتھ ہوں گے۔"

نو عمری کی محبت واقعی رات پر بیٹھ رہے ہے کہ تک سے نوازتی تھی۔

جلاپے کی سرتاپ بھی اس کچی کچی محبت کا انتظار تھی۔ سوچے جیسی ہو گئی۔ اتنی بے چین کہ باہر نکل گئی اور نوعمر کی اس آخری صبح کی اوس سے ساتھ میں نکلے بیٹھ کر اس پر شفق کے لان کا انتظار کرنے لگی۔ ہلکا سا سوئی ہوئی اسے خنکی کا احساس نہ ہو سکا۔ اس کی جان میں جان آئی جب آدھ گھنٹے بعد بھائی کی کار اس کنٹھرے پورچ میں داخل ہوئی۔ وہ بے حال سے آگے بڑھی۔ بھائی کا چہرہ عجب تھکن کا شکار تھا۔ آنکھیں اسی طرح سرخ۔ اور قدرے سوجی ہوئی۔ اسے دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔

"اتنا ٹائی صبح سویرے میں یہاں کیا کر رہی ہو؟ نہ شال نہ سویٹر۔ نگلے پیر چلو اندر تھنڈ لگ جائے گی۔"

وہ تو ہمیشہ سے ہی اس کے ساتھ ایسے پیش آتے تھے مگر آج یہ توجہ اس کا دل بھر آئی۔

"اور آپ ساری ساری رات کہاں غائب رہے۔ آپ کو گھر سے نکلے آج رات میری کوئی شوٹنگ نہیں۔"

"ہاں تم تو نہیں سمجھتی۔ وہ ماڈل جو رات کو رہ شوٹ میں ملی تھی اس کے پہلے پیٹ کی پہلی شوٹنگ تھی۔ اس نے بلایا تھا تاکہ اس کی ہمت بندھی رہے۔ وہ کیا تھا بھیجنا ہی پڑا۔"

"اچھا ٹھیک ہے تب کو آن کا۔" وہ رفتہ رفتہ سے ملے جلے جذبے سے مغلوب ہوئے بولی۔ لہجے میں ہلکی سی کسک اس کی بھی تھی کہ یہ توجہ صرف میرے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے بھی ہے۔ وہ کوئی اور ہے بغیر آگے بڑھتے ہوئے گرد عالم اس خاموشی میں عجیب اسرار محسوس ہو اچھے ماقدار کر رہے ہوں کہ ان کی میرے سے بہت خاص ہے بہت خاص۔

"بھائی! کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟"

بہت سی باتوں کی طرح وہ آج تک سے بھی نہیں جان پائی کہ یہ جملہ اس کے لبوں سے کیسے آزاد ہوا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد کے جلنے والے اور بہت سے تقریر۔ بس ایک قیاس تھا اور وہ یہ کہ یہ لمحہ یہ جذبہ وقت نے اسے عمر سے بہت پہلے سونپ دیا تھا اور آداب محبت اور اقرار کے قرینے جو عمر کی بھی لت سکھاتے تھے وہ ان سے ناواقف تھی۔ اسے تو بس یہ پتا تھا کہ یہ جذبہ جو اب کوئل کی صورت دل کی پچی مٹی میں سے جھانک رہا ہے کسی نہ کسی طرح اسے اپنے بھائی کی نگاہوں میں لانا ہے۔ کیسا ایسا نہ ہو کہ بے وفائی میں وہ اسے بھول کر آگے چلے جائیں۔ اسی خوف سے زور دے کر یہ سوال پوچھ بیٹھی تھی۔

"کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟"

بھائی کے بیٹھتے قدم رک گئے۔ چند لمحے تو وہ سامنے دروازے کو ہی گھورتے رہے پھر اپنے پر خلائیں لیے نرمی سے اس کی طرف پلٹے۔

"تمہیں پتا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے؟"

ہائے کاش کہ یہ سوال نہ کرتے۔ بلکہ کچھ بھی نہ کہتے۔ چپ چاپ اندر چلے جاتے۔ کچھ کہنا اتنا ہی ضروری تھا تو کہہ لیتے۔ اس کے دل میں جواب دے دیتے اور اگر بالکل خاموش رہتے تو بھی اندازہ دے دیتے مگر انہوں نے پوچھا بھی تو کیا۔

"ہاں۔" دھانے اثبات میں گردن ہلا لی۔

"تجھے پتا ہے محبت کیا ہوتی ہے؟ ہاں تجھے آپ سے ہے۔"

ایک سماعت خراش دھماکے کی طرح گونج بھائی کے چہرے کی تھی جو اس انکشاف کے اگلے لمحے اس کے گلے پڑ جاتا۔ ان چوٹیوں لیے ہوئے خوف مضمحل سے چہرے موڑ کے آتی بچے کے وارے۔ وہ چار فرق کی پھولی سی کوئل نکلی خدے نہ کرتی اس کے ساتھ پر کھلا تھا اس کے زخم سے خون رس رہا تھا۔ دونوں زخموں سے۔ ہونٹ کے زخم سے بھی۔

اور ہونٹ کے زخم سے بھی۔۔۔ جہاں بھائی کے دونوں ہاتھ کی پہلی انگلی میں موجود پلاٹینم کی بیرا جڑی انگوٹھی

کی ضرب لگی تھی۔

ایک ضرب اور بھی تھی مگر اس کی حالت اتنی بری تھی کہ وہ خون بہانا تک بھول گیا تھا۔ یہ اس کے جلد بازی کا دھرا ہوا زخم تھا۔

وہ سر جھکائے مٹی سے لتھڑے ہاتھوں پر گرتے خون اور آنسوؤں کے قطرے دیکھتی رہی اور اسے کیچڑ میں گری اس سرپھری سی لڑکی کے آنسو اور خون یاد آتے رہے جسے بھابی نے اپنے کرتے کے دامن سے صاف کیا تھا۔ بھابی کے قدم اس کے مٹی میں دھنسے ہاتھوں کے نزدیک آ کے رکے۔ اس نے سر اٹھایا اور دوسرا پہلے سے اور بھی لہو لہان لگیں۔

"بھابی!" اس کے سوچے ہوئے لفظوں سے کراہ نکلی تھی اس پر بھابی نے اس روتی ہوئی نشانہ باز کی آنکھوں والی بچی کو کیچڑ میں لتھڑے خلیل کی طرح بانہوں میں نہیں بھرا۔ اس نے اسے گالی دی۔ بری طرح گالی دی۔ وہ رو رو کر بھی کوسے پر اتر آئی تھی اس شخص کو دیکھنے لگی جس کی زبان ہمیشہ اس کے لیے پھول برساتی تھی مگر آج وہاں کھد بد سے رہا تھا۔ تلخ کلامیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔

"ذلت اپنا رنگ دکھا کے رہتی ہے۔ خدا خوش خوش دل دیتا ہے۔ میں سمجھتا تھا تو کامل نہیں، میری توجہ اور اچھے اسکولوں کی تعلیم تجھے اس ماحول کا حصہ نہیں بننے دے گی مگر بھول گیا تھا کہ میں تجھے جھٹے کی تھاپ اور سارنگی کی لے سے دور نہیں کر سکتا تو میرے اندر خالص مارتے خون کی کپکپی کیسے دور کر سکتا ہوں۔ شرم تجھے آئی مجھے۔ اس عمر میں تیرا یہ حال ہے بھائی میں تو اب کو خوب عیش کرائے گی نہ ایک دن کار میں کیا گھوم لیا تو خود میں کھنکا کھلا اتنا اچھے کپڑے کیا پہن لیے تو اب اپنے کی بھائی بہنوں پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

میرے تو ہمدگمان میں بھی نہ تھا کہ تیرا باپ تجھے اس مقصد کے لیے یہاں چھوڑنے پر تیار ہوا ہے۔ ایسا نہیں کہ میں اللہ دیا کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہوں بلکہ خلد کسی تجھے میرے متعلق تھی۔ میرا خیال تھا تو پھر بھی بچی کو میرے حوالے کر کے اپنا حق ادا کرتے ہوئے میں نے تجھے اس گندے ماحول سے دور رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور تجھ پر اپنے خاندان کی ان لڑکیوں کا اثر نہیں ہونے دیا جن کا ماسوا عشق و محبت کے ہر پر لوگوں کو تو نہ ہے میرا تو قبول تھا کہ اللہ دیا بھی اس معمولی صورت اور معمولی سوچ کو قبول کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ اسے چاہا کہ یہ خود ساختہ معصومیت بھی ایک ہتھیار تھا۔ رل تاں تو وی ایک ہیرا منڈی میں بیٹھنے والے طبقے کی بچی۔"

☆ ☆ ☆

"چل اترا و اپنے نہیں ہونا ہے تیرا پردہ کرا۔"

اللہ دیا کی آواز پر رعا بھرپور انداز میں چونکی۔ خالی خالی نظروں سے کتنی دیر تک اسے اس گاڑی کو دیکھتی رہی جو سامنے کھڑی بیوقار عالیشان عمارت کو دیکھنے رہنے کے بعد بھی اسے یاد نہ آیا کہ کہاں ہے اور کیسے ہے۔ اس نے بے اختیار اپنا چہرہ رخسار پر پھیرا۔ وہاں اب تک ایک بدحت شناسائی ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اور لعاب ہاتھ سے چھو کر آنکھوں کے سامنے کیا نہ خون تھا نہ مٹی۔ نہ آنسو وہ خشک تھی۔ بالکل خشک۔

"اوکے ہو جاتا ہے تجھے۔ مجھے لگتا ہے تجھے مرسام ہو گیا ہے۔ جھلی سودائی کی طرح چیزیں تکنے لگتی ہے۔" وہ بڑبڑا کر اسے دھکا دیتا سہ حال میں واپس لوٹنے لگی۔

"یہ ہوتے ہیں بلاوے جائے ہوتے ہیں۔ جھنجھٹ سے لیک کر پتا نہیں کون سے نمبر پر تیری باری آئے۔ اس شکل کو کوئی اسپیشل جانے ہی نہیں دے گا۔ اپنا ہی بیوقوف کرائے گی تو اور اپنے ہاتھ سے پیسا کمائیں۔"

اتنی خوراک کلی تھی دعا کے حواس کو ٹھکانے کے لیے۔ وہ چپ چاپ اپنا بھاری گلا دوپٹہ سنبھالے اتری۔ اس کے لبوں پر لب ایک پھیکی سی بے جان مسکراہٹ بھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اور یا عشق نہ ہووے۔

اور یا عشق نہ ہووے۔

یا عشق۔"

عصمت نہ جانے کہاں سے یہ گانا سن آیا تھا جس کی تکرار صحن سے جاری تھی اور خاصے زور و شور سے جاری تھی۔ یہاں تک کہ موتیا تک آ کر کچن سے نکلی۔

"یہ تمہارا منہ چپ چپ گانے کہاں سے سن آتے ہیں۔"

"جہاں سے چپ چپ کپڑے خرید کر لاتا ہوں اور جہاں سے اتوار کو چپ چپ سبزیاں چن کر لاتا ہوں۔ یار میری زندگی میں سب کچھ چپ چپ کیسی سنسانی تو رہ گیا ہے۔ لیکن میں بے چارہ بے روزگار انور دی نہیں کر سکتا۔ اس کی صاف گوئی پر موتیا کی مرگ شرارت چھڑی۔ اس کے قریب آ کر برادرانہ سے سرگوشی کی۔

"تم پھر بلی لتی اور اپنی جگہ کیوں چھوڑ گئیں۔ کیا تمہارا بچت کا ارادہ اتنی پر تعیش قسم کی "گی" خود کر سکتا ہے؟"

تم کو چاہا تو اوقات سے بڑھ کے چاہا
پاؤں پھیلائے تو پھر دیکھی نہیں چادر ہم نے

وہ بے چاری سے شکایت۔

"اوقات؟ چپ چپ" موتیا کو عصمت کی زبانی یہ اعتراف سچ سچ کے ساتھ ہضم نہ ہوا کیا۔

"میں تو بس ذرا ذرا کر رہی تھی مگر تم تو سچ ہو گئے۔ خوامخواہ کا احساس کمتری پال رکھا ہے تم نے۔ ایک طرف اپنے جذبے کو عشق کا نام دیتے ہو اور دوسری طرف عشق کے اصولوں کی نفی کرتے ہو۔ تمہیں نہ بتائیں۔

تجھ کو چاہا تھا دلبر کو جو نہ کیا
یہ میرا عشق تھا یہ میری خودداری ہے

اگر تمہاری ساری خودداری تو نجانے کیوں اسے سامنے کر کے اپنی بھی دوبالا ہے۔"

"یہ دلبر کو سمجھ نہ کرنے والوں کے فلسفے تم نے سن رکھے ہوں گے ہم تو قصہ تمہارا سنا پائے ہیں کہ۔

بات اتنی کی تھوڑے عشق کے اس دبال میں

یار ہو کیا کہتے ہیں مسیاں۔"

"بس۔ بس۔ میرے سامنے ہی سب بولتا ہے تمہیں۔ اس کے سامنے تو لیتی بند ہو جاتی ہے۔" اس نے جھنجلا کر اس کے آگے چائے کا کپ خاصی اس بحث میں تقریباً ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"یار چائے دیتا ہی ہے تو مہمانوں کی طرح دو۔ بیویوں کی طرح کیوں پیش ہو۔" اس کی اس بات پر کچن کی طرف پہنچی موتیا کا قہقہہ جھنجھنا کے رہ گیا۔ اس کے کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔

"یہ فضل کیا اس بیہ۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ایک تو تمہارا چائے بنانے کا یہ قاعدہ رسمی کا سمجھ سے چائے ٹھنڈی بھی ہے اور بغیر چینی کے بھی۔"

"میں چائے کر رہی لائی تھی تم نے بے کاری بحث میں شرمت ساری اور سب کو پی چھ سات موٹے تک چائے کا کپ کتیوں کی طرح اٹھائے کھڑے رہے مگر کوئی ہاتھ کپ تھامنے آگے نہ بڑھے تو اسے یونہی پیا جاتا ہے۔ رہی چینی تو بند شوگر ہوں ابھی لے کر ہو ہی جاتی ہے۔"

اس کی زبان تالیں اور کتنی دیر فوراً بھرتی کہ دلداری سے ساجد اور تھیں علی خان کے کھنکارنے کی آواز سن کر خود "بریک لگا کے" سر جھکا کر ٹھیک طرح سے ہو کر تخت پر پھیلے اخبار سمیٹنے لگی۔ عصمت بھی خود سے پیشتر سید حاد کے دیکھ گیا تھا ورنہ اس سے پہلے تخت پر لوند دھاگا کرنا تکیوں جھلا ہوا لگانے کا رہا تھا۔

صاحبزادی حرمت النساء اور صاحبزادی خلعت النساء دونوں پیش دالان میں نقلی تخت پر بیٹھ کے دھوپ کے مزے لے رہی تھیں۔ ساتھ ہی دو خلیفہ جات پڑھے جا رہے تھے۔ آج جمعہ کا مبارک دن تھا اور دونوں کی سب معمولات میں پشت ڈال کر تجرد سے کے گرنا بعد تلاوت کلام پڑھتے اور بھی نماز پڑھتے۔ پھر بھی آپا تو عرصے سے کمر کے معمولات سے کنارہ کش تھیں مگر اس روز صاحبزادی حرمت بھی عبادت کی ہر چیز ترک کیے بیٹھی تھیں۔ سوتے تھے نہ جب سوتیا کو نہیں چائے کو پوچھ رہے تھے تو اسے بھی جھڑکیں کر رہی تھیں۔

"صاحبزادی الناس کام تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ یہ مبارک دن کی ہر ساعت سے فیض اٹھانا چاہیے۔ آپ نے چاشت کی نماز ادا کی۔ سورۃ واقعہ کی تلاوت کی؟"

"نہیں ابھی حضور نماز تو نہیں۔ تلاوت میں نے فجر کی نماز ادا کرنے کے ساتھ ہی کر لی تھی اور سورۃ مزمل کی بھی تلاوت کر لی تھی۔"

"ماشاء اللہ۔ اب ضروری کاموں سے فراغت کے بعد غسل کر کے آجائیں تاکہ بھابھی آپا نماز تسبیح شروع کروا سکیں۔"

"جی بہتر۔"

مگر کچن میں نہ رکنے والے کاموں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو اسے جانے سے روکتا رہا۔ جو کی صبح آیا حضور نے چند ایک دوستوں کو ناشتے کی دعوت دی تھی۔ خاصا اہتمام تھا اور مزید یہ کہ یہ پر تکلف ناشتہ دالان میں چلا۔ جتنی کہ اس کا سوچا گیا تھا۔ پہلے دو مہمان آئے ان کے لیے الگ سے پراٹھے اترے اور پوریاں تلی گئیں انڈے ابلے۔ دوسری بار آنے والے مہمانوں کے لیے دوبارہ سے سب کچھ تازہ تازہ گرم پیش کیا گیا۔ ناشتے کے بعد چائے، قہوے کے دور چلے۔ چائے بھی دو تین طرح کی بنی۔ کشمیری سبز چائے، لیموں اور ادرک کا قہوہ۔ سادہ چائے، لائچی دار۔ ان سب سے نمٹنے کے بعد اب دوپہر کے ساتھ کل کے برتن دھونے تھے۔ ناشتے کا بچا ہوا تھیلے برتنوں کا سیٹ جو بھی بچا رکھا تھا آج مہمانوں کے سامنے رکھ دیا گیا تھا اس لیے سوتیا خاص اہتمام سے کام کر رہی تھی ورنہ عموماً برتن دھونے کی ذمہ داری حویلی کرتا۔ اب عصمت کے ساتھ چائے بنتی اس کے "تبلیغ" کے وہ غسل کرنے کے لیے ہی جانے والی تھی تاکہ کم از کم جمعہ کی نماز وقت پر ادا کر سکے۔ نماز تسبیح کا اسے پتا تھا کہ امی حضور اور نانی حضور کے انتظار کر کے اور کبھی دادی اور اکبر سے عصمت فضل۔ اسے تھیں فضول بحث میں نہ الجھا لیتا تو وہ اس کام سے بھی فارغ ہو چکی ہوتی۔ کم از کم ابا حضور کے سامنے اس ملبے کو حلیے میں تو نہ آتا۔

اس نے فراغت سے انہیں سلام کیا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان اسے دیکھ کر ہاتھ سے توڑنے کے بعد تخت پر بیٹھے اور فرصت سے دونوں کا جائزہ لیا تو ناگواری کے اثرات چہرے پر نمایاں ہو گئے۔

عصمت اپنے جاگنگ سوٹ کے ٹراؤزر کے ساتھ لمبا سا کرتا پہنا ہوا تھا۔ بال کھلے ہوئے پھیلی آتی بلا بلا سے بھی بے ہی دادی کہ "ادھا چہرہ چھپا ہے۔ تیزی سے منہ چلاتے ہوئے وہ شاید چبا رہا تھا۔ سامنے پیالی پر رکھا چائے کا کپ کل کل کھا رہا تھا جس سے چائے کے قطرے چھلک رہے تھے۔

صاحبزادی الناس خاتون کے بالوں کی مانند بھی خاصی ناگفتہ بہ تھی۔ کل کی گوندھی چوٹی میں سے کئی لٹیں نکل کر بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ سلا ہوا لباس جس پر جا بجا بلدی چکنائی کے داغ لگے تھے۔

"یہ بات ہے صاحبزادی الناس خاتون! آج صبح صبح صبح

"ایک کام کے سلسلے میں مرنی کے ساتھ اس کے انکل کے آشرم گئے تھے ہم۔"

"ہنگل کے آشرم گیا آپ کا کام تھا آپ کو ہوان کے پاس جانا پڑا۔" ان کی آواز میں گرج پیدا ہو گئی۔

"ایک جاب کے سلسلے میں ان سے کچھ معلومات لینا تھیں۔"

اس کے سکون میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ موتیا سن ہوتے ہوئے ہونٹوں کو گھٹ کر دیں نزدیکی موقعے پر دیکھ کر کی بالکل نظر نہ آئی۔ عصمت نے بے چینی چہرے پر ای تھیں۔ عصمت نے بے چینی چھپانے کے لیے منہ آپ لفاظ کے بول سے نکالیا۔

"کیسی جاب؟" وہ بالکل نہ سمجھے۔

"ہمارے لیے ایک جاب ڈھونڈی ہے انہوں نے۔"

● ● ●

دسمبر کا نیا پانچ دن تھا۔

فجر سے دھند تھی۔ صبح کو ذرے ایک سپرے چلا تھا اور اب سورج کی روپہلی کرنیں آنگن میں اتر چکی تھیں سفید سوکھ کانپ اور بدبدل کے درختوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی کرنیں بھی رات بھر کی خالی سوچ اب تک پوری طرح ختم نہ کر پائی تھیں۔ برآمدے کی کچی سیڑھیاں برف کی سل ان چکی تھیں اور ستون لپٹی ہوئی دالان کی بغل میں نظر آ رہا وہی بیٹھی ہوئے ستون کو ایک ٹھنڈی بکھر رہی تھی۔

اس سارا ماحول کا ایک حصہ موتیا کانچ سے ابھرا بھی تھا۔ اس کے نتھنے چہرا کی برف کی سلوں پر جمے رہتے تھے اور اس نے آنکھیں میچ لیے تھے۔ ستون سے ٹیک لگا رکھی تھی جن کی خنکی اس کی ریڑھ کی ہڈی کو ڈبو رہی تھی۔ لیکن اس کا دور ساکت تھا۔ وہ نہ کپکپا رہی تھی نہ لرز رہی تھی۔ بس یہ بتا رہی تھی کہ کبھی سامان خانے کے بند دروازے کے آگے کبھی صحن کے بند دروازے کے آگے تنہا بیٹھی رہی تھی۔ وہ دونوں بار بار اپنا کرا، بھرپور طریقے سے ڈر چکنے کے بعد اب اپنے کمروں میں تھے۔ کل بھر کو کہنے کا سبب کر چکی تھی اور کمرہ کر چکا تھا اور اس دعا کے کیے ڈر کشت کے بعد طور پہ صاحبزادہ نہیں ہوئی تھی صحن سے اخلاقات ذائل کر چکے تھے۔ وہ کل صرف ان کے راز فائف نظر آ رہی تھی۔ وہ ہی صاحبزادہ اس کے بارے میں متاثر نظر آتے تھے۔ دونوں کے رویوں سے ظاہر کہ یہ بھی ابھی تک دو رنگ چلنے والی ہے کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے حیران کن چیز کل سرمی کی بیٹی بلکہ وہ نہ تھی تھی کہ اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ اس بچپن سے خود سری، ضد، ہٹ دھرمی اور خود غرضی کے جراثیم پل رہی تھی لیکن یہ حقیقت تو اس کے گمان میں نہ تھی کہ اس نے اتنی پل پل کر پھن پھیلا لیا تھا۔ جب پہلی بار اس نے بڑی بے خوفی سے کہا تھا کہ وہ کل ہر صورت میں ابا حضور کو اپنے فیصلے پہ تیار کرے گی تب بھی اس کی آنکھوں سے فرض، مفاد، جنگ سے خوفزدہ ہونے کے بجائے موتیا یہ یقین کرنے کو دل سے تیار نہ تھی کہ وہ دو اہل کل کے سامنے اس برات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

ابا حضور کا شدید رد عمل اس کے لیے غیر متوقع نہ تھا۔ بلکہ وہ حیران تھی کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی سے اتنا کچھ سن لیے نیا وہ خود ہی دیکھنے سننے اور سمجھنے کے عادی تھے۔ دونوں کے اصولوں سے مطابقت نہ تھی۔ غیر متوقع چیز تھی کل سرمی کے مدلل انداز اور دوستانہ انداز بحث۔ وہ ابا حضور کے تیش کی خاطر میں نہ لائے۔ ملکہ سکون سے دیر تک ان کی فرنٹ بھرتی رہی اور ناکامیں موتیا کی بے ہم ابھی جاری رہی۔ اس نے اپنا آپ نہ دیکھ کر لرائے ہوئے بے جان لفظوں سے ابا حضور کی جانب دیکھا تھا ان کا بھرپور رنگ کی طرح ڈھلے دیکھا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو بھی بول پوری آنکھیں کھول کر دیکھتے تھے آج دیکھ رہی تھی۔ شاید بغیر پلکیں جھپکے وہ غور سے یہ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ یہ مقدر ہو

بڑی صفائی کے ساتھ جاری ہے۔ حقیقت کا صبر ہے یہ کوئی شرا انگیز منحوس خواب۔

ابا حضور کے چہرے پر یک بیک تبدیلی آئی اور انہوں نے کسی کا نام لیا تھا۔ عصمت خود پہ چھائی بے چینی سے گھبرا کر بیٹھ گئے۔ ڈیوڑھی سے نکل گیا۔ موتیا نے رنگ سے اسے نکلتے دیکھا۔

"ماں میں بھی اس وقت یہاں سے اس منظر سے غائب ہو سکتی ہوں۔ میں یہ سب دیکھنا نہیں چاہتی۔ نہ دیکھ سکتی ہوں مگر سنا رہا ہے۔ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی۔ نہ سن سکتی ہوں مگر سنا رہا ہے۔"

"ابا حضور اب وقت بدل رہا ہے خدارا اپنے دروازے باہر نکل کر دیکھئے دنیا کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہے اور تم ہر تک حویلی، خاندان اور آپ کے زور میں قید ہیں۔ ہم خدا خوفہ کوئی اس خاندان کے ہم سے تو نہیں لگانے ہمارے لیے ہم خاندان سے دشمنی نہیں ہمیشہ فخر رہا ہے۔"

"نفس فخر کر لینے سے اس زندگی کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ صاحبزادی گل مہرا اور زندگی کا خراج ادا کرنے کے لیے بہت جان جوکھوں پڑتی ہے۔ ہر سلطنت بدلتے وقت کے ہر لفظ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اپنے نفس اور زیادتی اور طلب کو نظر انداز کر جاتا ہے۔"

"ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ خود کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اپنی خواہشات سے بے نیازی نہیں برت سکتے۔"

اس کے بہت دھیرے سے سنتے اور سب کے ساتھ ساتھ خود صاحبزادہ نہیں نے بھی حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ بے خبر کے بیسارے حیرت سے خاموش ہو گئے تھے۔ گل مہرت اس خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید دلائل اپنی کی کوشش کی۔

"ہم مانتے ہیں خدا نے ہمیں اس اعلیٰ نسب گھرانے میں پیدا کر کے ہمیں ایک خاص حیثیت اور مرتبے سے نوازا ہے اور یہ واقعی ایک عطیہ خداوندی ہے جو ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتا۔ لیکن زندگی اتنی مہلت سے نہیں ملتا۔ تمہارے اور یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے اس کے خاصوں سے جسے چاہے موڑا جا سکتا ہے۔"

"آپ کی زندگی کا ایک دن سامنے ہے جسے ہم نے نظر انداز کیا ہوا۔ ایسی کون سی ضرورت ہے جو ہمیں پوری ہوئی ہے۔" ابا حضور کی گرجدار آواز ذرا سی۔ پست ہوئی۔

"یہ بحث تو بہت طویل ہو جائے گی ابا حضور۔" وہ قدرے اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"ہم نے آپ کی بحث میں کوئی شبہ نہیں ظاہر کیا۔ حضور نے قبلہ شاہ ہماری پوری ہوئی تھیں۔ مگر ابھی ضرور تیں اور بھی ضرورتیں اور بھی آپ جس طرح پورا کرتے رہے ہیں ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی مشکلات میں مزید اضافہ کرنے کی بجائے آپ کا بوجھ ہلکا کریں۔"

"اچھی صاحبزادہ نہیں علی خان۔ ان برادرانہ نہیں آیا کہ وہ اپنا بوجھ صاحبزادیوں کے شانے پہ منتقل کر دیں۔" ابا حضور بہت ہوتے کہ کوئی سرمی گستاخانہ پیشکش نے ایک بار پھر بلند کر دیا۔ ان کا سرخ و سپید چہرہ توہین کے احساس سے تنگ سنگ گیا۔

"ہم کیا کر رہے ہیں کہ اپنا بوجھ تو اٹھانے دیں۔ اپنی خواہشات اپنے دل ہوتے ہیں تو پوری کرنے دیں۔" وہ تڑخ کے بولا۔ "اپنی مصلحت کے تحت ترک کیا تھا اور ابا حضور کے بارے میں بے عزتی میں کے کلمات ادا کرتے جاتے ہیں۔ علی کے سامنے آئیں۔ صاحبزادی حرمت النساء نے آگے بڑھ کر اپنی گستاخ اور بے ادب صاحبزادی کو سمجھانا چاہا۔ طرز تخاطب کے دو رخ ہیں۔

"یہ خواہشات ایسی کون سی خواہشات ہیں جو ایک باعزت معزز زندگی سے بڑھ کے ہیں۔ صاحبزادی گل مہرا۔ خاندان کی بے عزتی کی تصویر ہوتی ہے۔ آپ سے نہیں نسلوں سے۔ ان کے خوابوں میں کہ ذاتوں کی طرح کی خواہشات نہیں پیارے رہتیں۔ آپ کو شکر ادا کرنا۔"

"ابا حضور ہماری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔" میں نے ان کی بات کاٹ دی۔

"ہم اپنے خاندانی وقار اور اقدار کو فراموش نہیں کر رہے۔ نہ ہی ہمارے دل میں کم درجہ جناب کی بے نام خواہشیں پل رہی ہیں۔ نہ ہم معمولی ہیں نہ ہماری تمنائیں معمولی ہیں۔ ہم صرف خود کو منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی کچھ کر سکتے ہیں اور آپ اطمینان رکھیے اور یہ کہتے ہوئے ہم اپنی خاندانی اقدار کو فراموش نہیں کریں گے۔ ہم کوئی کم درجہ کام نہیں کر رہے۔ ہمیں ہماری قابلیت کی وجہ سے اس سیٹ کے لیے چنا گیا ہے۔ یہ کشش معروضہ الگ آفس قائم کرنا ہمیں اور آزادانہ کام کرنا ہم کسی کے انڈر کام کر رہے ہیں۔ ہمیں ہمارے ارادے پورا ہوگا۔ یہ سراسر تکنیکی کام ہے۔ ٹیکنیکل ورک۔ اس نے معلومات ابھی تک ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ایک فلم اور ٹی وی ڈرامے بنانے والی ایجنسی شاید جا کے کرنے جا رہی ہے۔

"آپ کسی وزیر کسی کمشنر کے عہدے تک بھی پہنچ جائیں تو یہ ہمارے لیے ناقابل قبول ہوگا۔ بحیثیت آپ دونوں بیٹھیں گے تو میں ساجزادی گل مہ۔ ہمیں کسی قیمت پر بھی آپ کا غیر مردوں کے ہمراہ کام کرنا گوارا نہیں۔"

ان کے دونوں الفاظ نے گل مرجی تلملاہٹ میں مزید اضافہ کر دیا۔

"آپ کو ہمارا گھٹ گھٹ کے جینا گوارا ہے۔ اپنی ہر خواہش ہم اپنے اندر ہی قتل کر دیں یہ قبول ہے۔ ایک ہم ہے مقصد زندگی جینے جائیں یہ منظور ہے۔ نکالے اصولوں سے روز دیا قتل کر دیا نہیں۔"

اس کی آواز شدت جذبات سے کپکپا گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی چند آنسو رخساروں پر بہہ گئے۔ ہمیں نے اس کی پیشانی کا اعلان کرتے اور یہی وہ وقت تھا جب عصمت نے اس منظر سے غائب ہونا بہتر جانا۔ پتہ نہیں کیا گل مہر کے آنسوؤں کی تاب نہ لا سکا تھا یا خود کو موتیا کی ہدایت کے مطابق اس معاملے سے ایک دور رکھنے کی کوشش میں ناکام ہوتے ہوئے فرار ہوا تھا اور موتیا بے بسی سے اپنی اسی ہدایت کی سزا بھگت رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب دیکھنے اور برداشت کرنے پر مجبور تھی۔ آنکھوں میں بے شمار التجائیں لیے وہ مسلسل گل مہر کو تکتی رہی۔ گلو مہر تھا کہ دانستہ اسی کی بھی بے ادب سمجھنے سے گریز کر رہی تھی کہ کہیں کسی کی خاموش نظروں کی بے بسی اسے امہ مقصد تک پہنچنے میں نہ رکاوٹ کرے۔

"آپ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کے بھرم کو بنائے رکھنے کے لیے کوئی اپنے آپ کو کتنی تک اذیت پہنچا رہا ہے۔ تو جب آپ کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تو پھر قربانی کس لیے دی جائے۔" وہ غصے اس آواز پہلے کی نسبت اور بلند ہو گئی تھی۔

"ہم اپنے فرائض کو آپ کی حیثیت میں چڑھا سکتے۔ پلیز! ہمارا حضور ہمارے مقصد کے حصول کے لیے ہماری پیچھے راہ میں رکاوٹیں مت کھڑی کیجیے۔ ہمیں آپ کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ حوصلہ شکنی کی نہیں۔ ہم اس وقت ایشیا میں ہیں۔ تھوڑے دل و دماغ سے سوچیے اور خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کے فیصلہ کیجیے۔ ہم جاب کرنا کسی بھی طرح آپ کے خاندانی وقار کے منافی نہیں۔ اس طرح جذباتیت میں آ کر ہم پر لعنت نہ بھیجیے ورنہ ہم۔ ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں اسی طرح خود کو ثابت کیے بغیر ایک بے مقصد زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا تو ہم اپنے ہاتھوں اس زندگی کو ختم بھی کر سکتے ہیں۔"

وہ کھلے عام اپنا فیصلہ اور دھمکی سناتے ہوئے کمرے میں چند ہو گئی۔ ساجزادہ نصیر علی خان کے چہرے پر گرفت ان کے مرضی صلاح اور مشورہ ہو گئی۔ وہ سختی سے بند چلی دروازے کے بند کواڑوں کے درمیان سے ایک کی ارز سے آتی بلبلی روشنی کی لکیر کو گھورتے رہے۔ جب پلٹے تو ان کے قدموں سے شکستگی واضح ہو رہی تھی۔ ساجزادی عظمت النساء ہوا اپنے تخت پر بیٹھی شدید سے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں ایک طویل سانس بھر کے رہ گئیں۔ انہوں نے تسبیح جائے نماز کے سرہانے رکھی اور پھر سے نفل نماز کی نیت باندھ دی۔ ساجزادہ حرمت النساء خاتم ابھی تک بے یقینی کے عالم میں بیٹھی فرش پر کوئی نامعلوم کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈ رہی تھیں۔

موتیا نے سب سے پہلے خود کو سنبھالا اور سن سن بھرے قدم تسبیح کی جانب بڑھی تھی۔ اس کے شانے کے گرد بازو پھیلا کر گویا ایک خاموش دلاسا دیا جا رہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے تکنے لگیں۔

اب کچھ کہنے کی کوشش میں لفظ کپکپا کر رہ گئے۔ الفاظ کے ادا لیے کچھ کہنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد انہوں نے اپنی خاموش نظروں کا سہارا لیا اور پھر سامان خانے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سسکی سی بھری۔ موتیا نے انہیں بازوؤں میں بھینچ لیا۔ ان کی بے بسی اس سے دیکھی نہ جا رہی تھی۔ وہ خود ان حالات سے شدید مایوس ہونے کے باوجود انہیں تسلی دینے لگی۔

"فکر مت کیجیے امی حضور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

گل مرجی اس کی نوبت نہ آ سکی تھی۔ شام سے رات ہوئی رات سے صبح۔ مگر گل مرجی کمرے کا دروازہ کھلا نہ ہی وہ امی حضور کے کمرے کا۔ رات جاتے کسی وقت عصمت گھر واپس لوٹا تھا۔ وہ آئی پر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ سو گئی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد اس نے اگیر سے عصمت کی بابت دریافت کیا۔ وہی کام تھا کہ عصمت کی اپنی سے کوئی بات ہوئی۔ البتہ اس نے یہ ضرور بتایا کہ ابھی دس بارہ منٹ پہلے اس نے صاحبزادہ عصمت کو باہر نکلتے دیکھا۔ تب سے وہ دالان کی جانب سے گئی ہیں۔ تبھی اسی کا انتظار کر رہی تھی اور امی حضور کی بے چینیاں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی امی حضور کو بھی گل مرجی کے دروازے کے آگے جاتے جاتے متذبذب انداز میں کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد سست قدموں سے واپس پلٹ جاتیں۔ موتیا ان کے تذبذب کی وجہ جانتی تھی۔ وہ ان کے ایک ہی کیفیت کو اپنے دل پر گزرتا محسوس کر رہی تھی۔

گل مرجی ضد اور بہت حد تک ضدی سے بھی واقف تھیں۔ ماں ہونے کے ناطے اس کی فطرت کے بہت سے پہلو اور باریک پہلو سے آگاہ تھیں۔ انہیں یہ تو اندازہ تھا کہ ضد کی خاطر وہ اس حد تک جا سکتی ہے کہ اپنی ضد سے کنارہ کش ہو کر نہیں ہوگی۔ اس کی ضد کی کل کا حل نکالنے کے درپے تھی۔ اسی لیے وہ بار بار اس کے بند دروازے کے آگے کھڑی ہوتی تھیں۔ مگر دستک دیے بغیر واپس پلٹ جاتیں۔ شاید یہ سوچ کر کہ اسے سمجھانے کی ہمت وہ ہمت نہیں کہ اس کے ذہن میں ان کی محبت ان کی نصیحتیں گل مرجی ضد کے آگے بہت کمزور ہیں۔ جب وہ اپنے ابا حضور کے سامنے اس بے جا ضد اور بے بسی کا مظاہرہ کر سکتی ہے جنہوں نے اولاد سے محبت کے باوجود ہمیشہ لحاظ اب ایک فاصلہ برقرار رکھا ہے۔ وہاں کوئی بے جا سامنے کمزور پڑ جائے گی۔ وہ ان کے سامنے آنے سے یا شاید یہ ان کا اظہار خفگی تھا جو انہیں گل مرجی کے آگے لے تو آتا تھا اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ گل سے بھی بے بسی اور ضد مسلسل روزی ہوئی ادا سے متوجہ کیے بغیر چلی جاتی تھیں۔

اور ساجزادہ نصیر علی خان کو مخاطب کرتے ہوئے تو ان کی تمام تر حمیتیں صرف اس شرمندگی کی وجہ سے جن کا سامنا وہ کر رہی تھیں جو ساجزادی گل مرجی کی ماں ہونے کے ناتے ان کا مقدر ہو گئی تھی۔

یہ احساس بھی ایک عجیب احساس ہے۔

کوئی کو اولاد سے بھی ہوتی ہے۔ ماں کی اولاد ہے بھی۔

لیکن یہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اولاد کے کسی ناپسندیدہ فعل اور ناوار عمل کے رد عمل کے طور پر شرمندگی صرف اپنے ہونے اور پرورش کرنے والے کے حصے میں آتی ہے۔

اس وقت امی ساجزادی حرمت النساء خاتم اپنے حصے کی شرمندگی کا بوجھ اٹھائے سب سے نظریں چراتی پھر رہی تھیں۔ شرمندگی انہیں اپنی تربیت پر تھی۔ یہ بوجھ اولاد کے اعمال کا تھا جو خود ان کے شمائل کو جھکا گیا تھا۔ اور ساجزادہ نصیر شرمندہ و شاید یہ بھی تھے۔ مگر اس بات پر نہیں۔ ان کی شرمندگی اس محبت کی وجہ تھی جو انہوں نے انہیں اتنا کمزور کر ڈالا کہ ان کی صاحبزادی یوں انہیں دھمکانے کی ہمت کر لیتی۔

شرمندگی اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ ناکام مضبوط اعصاب اور آہنی ارادوں رکھنے کے باوجود اس دھمکی کے سامنے ہار گئے تھے۔

"سائرہ! ذرا اماں! دیکھیے آپ کی بیٹی حضور دیکھنے سے فراغت پا چکی ہوں تو انہیں چائے بار بھیجیے" انہوں نے بات بھی نہیں کی۔

ای حضور کی آواز پر اس کے کب سے ساکت وجامد وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے ان کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اتنا حوصلہ نہ تھا اس میں کہ وہ اس شکستگی کو جو گزری رات کی ہر ساعت ان کے چہرے پر رقم کر گئی تھی۔

اٹھتے اٹھتے اس کی نظر سامنے سے آتے عصیم پر ٹھہری اور وہ اندر کی جانب مڑنے کی بجائے وہیں ستون سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔ سست قدموں سے اندر بڑھتے عصیم کی رفتار اسے سامنے پا کر اور بھی سست پڑ گئی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو اتنی سویرے؟"

اس کے سامنے رک کر کچھ دیر تک سامنے کے دروازے سے نظر آتے حویلی کے اندرونی منظر کی ویرانی کو دیکھنے کے بعد اس نے سر جھکائے کھڑی موتیا سے پوچھا۔

"تم کل کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

"میں" "وہ حضور میں بڑی بیسے خود بھی نہ جانتا ہو کہاں گیا تھا۔

"بڑی حضور کیسے ہیں؟" جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا تو موتیا حیرت سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ ابھی وہ کل عمر کے بارے میں استفسار کرے گا اور وہ اس کی اس بے حس رویے کی پہلی علامت کو محسوس کر رہی تھی۔ عصیم کا یہ سوال۔ ابا حضور کے بارے میں اس کی تشویش کا اظہار اس کے لئے غیر متوقع تھا۔

"کیسے ہو سکتے ہیں؟" اس کے لہجے میں کمی تھی۔

"ٹھیک ہے جنگ میں بندہ ہیں۔ میری تو امت نہیں پڑتی دستک دینے کی۔ ای حضور بھی اس وقت ان کا سامنا کرنے سے گریز کر رہی ہیں کہ کہیں کل کی ساری تلخی ان پر نہ انڈیل دی جائے اور تلخی حضور کی طبیعت میں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی اس لیے ای نے خود ہی انہیں نہ چھیڑنے کو کہا ہے ورنہ وہ تو ابا حضور کی بحالی کے لیے جائے نماز پر رہتی ہیں۔"

"تمہیں تو پتہ ہے ان کے لئے یہ شرط کتنا بھاری پڑ جاتا ہے اور ایک دن بھی نہ۔"

ماہ جبیں کی خدمت اقدس کی طبیعت کی خرابی کا سن کر عصیم مزید بولا نہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے اب تک کل میری بات پر رائے نہ کیا تھا نہ ہی کل کے تلخ واقعے کے حوالے سے کچھ کہا تھا۔ موتیا کو زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ وہ کل کے بارے میں اتنی دیر تک لاتعلق کیسے رکھ سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"یار شہزادے سمجھ تو تم بہت کا ہی ہو۔"

ملک مقبول جیسے بندے کے منہ سے نکلا یہ تعریفی کلمہ یار لوگوں میں حسد کی موجود مقصود کر سکتا تھا مگر ان اس کی بیشمار شکلوں سے ہر ہوئے۔ ملک مقبول نے کچھ الجھ کر اس کی ناکامی کو دیکھا پھر ساجد علی کی بات ذہن میں گونجتے ہی جیسے سارا معاملہ سمجھ گیا۔

"ملک صاحب یہ خالی ہاتھ بڑے آپ کے بہت کام آئے گا۔ اس کی جیب خالی سہی مگر شہ کے رئیسانہ اور نوابوں سے اس کے خاندانی مراسم ہیں اور آپ کو تو پتہ ہے کہ ایسے لوگ کتنے خوشبو مزاج ہوتے ہیں۔ اسے باقاعدہ تیار دے کر اس کا سپہ رکھا جائے تو یہ ٹک جائے گا نواب خون ہے۔ معاملہ فہمی کے ذات ہے۔ معاملہ فہمی کے ہماری گانے والیوں کو کلک دلوانے کا کام کرنا اس کے لیے کافی ہو گا۔ لیکن کیا یہ ملک صاحب کہ ہاتھ اور جیب کے ساتھ ساتھ اس کی کھوپڑی بھی خالی ہے۔ آپ اس کی پچھلی خوب صورت زندگی سے مت جائیں۔ صرف گفتار کا غازی ہے۔ میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ اسے کوئی بیٹا اور الو بنا کر اپنا الو سیدھا کرنا مشکل نہیں ہے جبکہ یہ باقاعدہ معاملے پر رکھے۔ "بیوقوف" کہیں تباہ۔ ستیاناس کر گئے۔ بس اسے دوستی کا انجام سنا دو۔ اسے بتا دو کہ اس کی خاندانی عظمت اور گزرے جاہ و جلال سے مرعوبیت کا اظہار کر کے اس سے جتنے مرضی کام نکلوا لو۔ دوستی اور وفاداری کے ہاتھ پر ہو کر تو گئیں۔ کبھی بیٹے تو تیار ہو گا۔ بس اس کا شہزادی چلتا رہے۔ آنے جانے کا کرایہ دے دیں ناچتے گانے والیوں کے ساتھ چھیڑ خانیاں کرتا ہمیں رہے گا۔"

"تو یہ بات تو ایک ہی ہوئی۔۔۔ تمہارا دل روز کا کرایہ لے لیا رول کھانی شراب چیز جلالی سگریٹ پی لیے۔"

"میں نے آپ کو بتایا ہے ملک صاحب اس کا باپ خود اکیلا ہوا ہے اپنی عزت کے عزتی کے معاملے میں ذرا احساس ہے۔ مفت کا پینے اور مفت کے کھانے کو دوستی کا حق قرار دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہتر حق ادا کرنے کی کوشش کیسے کا۔ آپ کے لیے فائدہ مند ہو گا۔ آپ کس جہاں میں ہیں ملک صاحب۔ بڑے بڑے رؤسا سب بھی اپنے گھر اور کاروبار فنکشنز پر دعوتیں میٹنگ سے خوش ہوتے ہیں۔ سیل میں دو دنیاں ہیں اگر بارہ کی وجہ سے اسی مل جائے کہیں تو آپ کے تو ہو گئے وارے نیارے۔ اس یہ خیال رکھیں کہ اسے اپنی توہین یا اپنے غلام ہونے کا احساس نہ ہو۔"

اور اسی وقت ملک مقبول کو احساس ہوا کہ شاید اس کا یار ہونیوں مقبل کو نہیں بے تکلفی سے "یار شہزادے" اور "دوست" کہہ دینا اسے ناگوار گزرا ہے۔ وہ یہیں یہ نہیں ہو گیا۔ اس نے بھلا کہاں اور کب کسی سے آپ جناب کر کے گفتگو کی تھی۔

"کیسے دوستی صحبت ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"بھئی پیر زادہ سنا۔ تم میرے بیٹے کی عمر کے ہو۔ اگرچہ تمہارا تعارف مجھ سے ساجد علی نے کرایا تھا اور وہ میرا بڑا یار ہے اس لحاظ سے تم بھی دوست ہوئے لیکن عمر کے فرق کی وجہ سے میرا دل خود ہی تمہارے ساتھ بے تکلفی برتنے کو چاہتا ہے۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ حضرت۔" یار کہا۔

"آپ ہمارے لئے محترم ہیں۔ آپ کی محبت پر ہمارے کی جسارت بھلا کیسے کر سکتے ہیں۔"

"ابے ہو فی ناگل یار دل دستخوانی۔" اور لیکن ہو اگر تم از کم اب اسے آپ جناب والے تکلف کی اجازت نہیں دو گے۔

"شہزادے تمہارے جیسے دوستوں کے تو ہم قدر دان ہیں۔ کچن بالی کے ذرے کی لڑکیاں بھی کوئے نہیں ہوتیں تھیں۔ جنہیں کو انہیں شناسا رکھنا ہوتا ہے بلا خانے کی سیڑھیاں چڑھنا ہوتی تھیں۔ خود ہو اگر کبھی کسی کے کل تک نہیں تھیں توقف کرنے کیا تھیں۔ یہ تمہارا ہی کارنامہ ہے جو کچن بالی کی دو لڑکیوں کو ہمارے اس فنکشن تک لے آئے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ یہ ایک حقیر سا تحفہ ہے جو تمہارے شایان شان تو ہرگز نہیں ہے یا نہیں۔ لیکن ہمیں اتنی پہنچ تو یہاں تک ہی تھی۔" اس نے ایک قیمتی اپنی شراب کی خوش وضع اور خوش رنگ بوتل نکالی کر اس کے سامنے رکھی ساتھ میں بھی قیمتی سگریٹ کا ایک پیکٹ تھا جس کے سارے باہر بھرے ہوئے سگریٹ نوش شخص کے بھی دو ہفتے آسانی گزر سکتے تھے۔

"یہ کیا ملک صاحب۔" اس کی آنکھوں کی چمک بوتل کی مرتکبا تھا۔

"ابے کیا خاص کیا ہم نے آپ ہمارے دوست ہیں تو ہم نے بھی دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ کچن بالی کے اصول اس کی بڑیوں کی طرح اب بھر بھرے ہوتے تھے اور پھر ہمارے دلال کی کے آگے بھلا کون ہے جو تیار دیر مرضت کر سکتا ہے۔ آپ تو بالوں تو دو میں پڑ گئے۔ اس کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"ابھی دوست اتنا ہے تو دوست کی جانب سے تحفہ سمجھ کے رکھ لو۔"

اس نے بار بار ہاتھوں مل کے مزید پیش کرنا مناسب جانا۔

"اگر یہاں شہزادے سمجھے ہے تمہاری تاک بہت اونچی ہے۔ گھر میں روز روز گاڑی بھیجنے لگیں تو تمہاری خود داری کو ٹھیس پہنچے گی۔ دوسری طرف سمجھے۔ ابھی گوارا نہیں کہ میرے کاموں سے تم ادھر ادھر مارے پھرو۔ اس لیے یار یہ کچھ پیسے تو لو تاکہ تمہارے لیے گاڑی بھیجتا ہوں تو تمہارے جیسے حکم دے کر بلوا رہا ہوں۔ تمہاری مرضی ہے آ جاؤ نہ آؤ۔ تمہارا ہی فقر ہے۔" اس نے کچھ اپنے اندازے کے مطابق ہزار کے نوٹ تھما دیے۔ اس کا شہزادہ ہی تھا۔

[illegible] میں بادہ و روپے رکھ کے کلیوں سے مونگا سگریٹ لگا کر اور بغل میں کلفہ میں ملفوف اپنے رند شراب کی موجوں کی مخموں کر کے اسے بن لیجے ہی سرور چھلکا۔

"بغل تو ہوتے تو اکو گل بلر کے بھی ہے۔"

عینہ رنگیلا زبان اور بھلاتے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔ یہ فقرہ ملک عینہ کے آخر سے باہر نکلتے یار کے کان میں آتی ہی تو اس نے ذرا نظر اپنے نقد میں کو ست کرتے ہوئے ایک پیشتی سی نظر بھلی۔ وہ اتنا ہی دراس کی نظر پیچھے ہٹا لیتی تھی۔

انیس بائیس سال کے بھرپور شباب کو سمیٹے ہراساں پہلی اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس کی پہلی سی سوگواری اس کے ساتھ بیٹھا وہ نیم کلی یا زری حلیے، لا تعلق اور اداس کا پھر کیا سے اور وہ سا تھا۔ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کا تعلق بھی اس ثقافتی میں ناچنے گانے کے لیے آنے والی دیگر لڑکیوں کی طرح اس بازار سے ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور بہت کچھ تو ہوا سے اس جگہ سے الگ ظاہر کر رہا تھا۔

اس کا معصوم بھولا بھالا چہرہ۔

[illegible]

اتنی کرتی ہوئی خوارت سے جھلک دکھاتی ہوئی نظریں۔

اور سب سے بڑھ کے اس کے کومل وجود سے پھوٹتی پاکیزگی اور سر بند کلی ہونے کا واضح احساس۔

باہر کا ایک شخص کے تھے خود خوار اس کی جانب بڑھ گئے۔ وہ اپنے مٹ کر نہ کھے کے دو خوف سی حیثیت کو اور سمٹ گئی۔ اس کے ہاتھ شانے پر رکھ دیئے کو سرت کرنے لگے۔

"کوئی مسئلہ ہے تو ہمیں بتائیے؟" اس شائستہ انداز اور مذہب لہجے پہ وہ ذرا سی ابرو اچکیں اٹھا کے دیکھا۔ لفظ واقعہ ذرا کے تلخی پر کلس اس کی دلکش نظریں ساقی غیر شائستہ تھیں اور اب صرف نظریں ہی نہیں، سر بھی جھکا کر رہ گئی۔ شاید وہ سارا ہی ماحول سے واقف تو نہیں تھا مگر ملک عقیل کے آنے سے نکلنے والے بندہ کی غیر متعلق شخص تو نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جو بار کی ظاہری وضع قطع بھی اسے مرعوب کر رہی تھی۔ وہ اسے "صاحب لوگوں" میں شمار کر رہا تھا۔ کیا کہا کہ ہمارا کاروبار ہے۔

"کوئی بات نہیں جناب عیسیٰ کرنی ذرا تھوڑی سے سہارا چاہتا ہے ہاں میری بچی کا ذکر ہی ہے۔"

بارے حیرت سے گود میں دھرے ہوئے ہاتھوں کی انگلیاں بے چینی سے مسلتی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ کہیں سے بھی اشیاء کرنے والی لڑکیوں میں سے نہیں لگ رہی تھی۔ ان لڑکیوں کی مخصوصیت اور ماحول میں بھی ایک ادا [illegible] ہوتا ہے وہ باہر جیسے گھاگ سے چھپا نہیں رہ سکتا۔ [illegible] قبرالی سی تھی لڑکی کی مخصوصیت بھی تھی۔

"[illegible] اس نے تصدیق کرنا چاہی۔

"[illegible] کرنے کا کچھ کر رہی ہے [illegible] سہارا [illegible] چاہتا ہے۔"

"کہاں [illegible] جناب [illegible] کی [illegible] ہوئے تو [illegible] ملک [illegible] عنایت اللہ کی شاگردی [illegible] چار [illegible] ہے۔ [illegible] کھلی ہوئی فتنی تمریوں کی طرح ایک پکڑ کر [illegible] کہیں [illegible]

[illegible] ماحول [illegible] کسی جاعت [illegible] گھرانے کی فرد نہیں [illegible] کی [illegible] گالی [illegible] گھر [illegible] ایسے [illegible] شروع کر [illegible] والی [illegible] کی [illegible] اور اس کی [illegible] اسٹاپ [illegible] صرف [illegible] ہے۔ [illegible] ایک قدم [illegible] کا [illegible] ہے

[illegible] بھی [illegible] بلف نہیں ہے۔ آپ کو تو ہاتھ [illegible] ہونا چاہیے کہ آپ باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں۔ [illegible] ہی [illegible] قدر دانوں کی [illegible] سراہ [illegible] فن کو سمجھنے والے [illegible] ہیں۔ [illegible] آپ کے [illegible] لفظ [illegible] کو [illegible] کوئی نہیں روک سکتا۔"

"[illegible] تعریف کا [illegible] کرنے [illegible] دعا کو بھی تعریف [illegible] سامنے [illegible] ہمارا [illegible] سے نہیں بلکہ اس کثیف ماحول میں ایک معصوم ہوئی [illegible] کرنے والے شخص کی [illegible] دل کے بعد اس [illegible] گئے میں اس نے ایک [illegible] کے ہاں شخص کی بے سود [illegible] برداشت کی تھی اور [illegible] ہو چکی تھی کہ یہاں کسی [illegible] کے شخص کی موجودگی [illegible] ہو سکتی ہے۔

"[illegible] کرنے والی [illegible] آپ؟" وہ اس کے نزدیک دھری کرسی پہ چیل کے [illegible] گیا۔ اس لڑکی کا نروس ہونا اور اس ایک شخص کی موجودگی اس کے حوصلے بڑھا گئی۔

"غلط ترنم کا [illegible] نہیں [illegible] فیض کی ایک غزل۔"

اس نے مدھم سروں میں مختصر "[illegible]" تو بار بار ہوئیں اس کی سوانی صورت کے ساتھ ساتھ اس کی سریلی آواز پہ بھی فدا ہو گیا۔

"[illegible] کے بغیر [illegible] بھی [illegible] ادا [illegible] کرتے ہیں کہ یہ آواز سروں میں [illegible] کے اور راگوں کو [illegible] کے کیا کیا [illegible] دھاتی ہوں گے۔ واقعہ اس [illegible] میں ایسی [illegible] نہیں [illegible] اس آواز کے پس منظر میں [illegible] ہو یا [illegible] ہے آپ کو [illegible] واقعہ سازوں کی ضرورت [illegible] پڑتی ہو گی۔ ساز کی لے [illegible] کا ترنم [illegible] تھپک [illegible] سے بھی [illegible] ہو سکتے۔"

"[illegible] خوش رکھے سرکار! [illegible] پہچانا ہے [illegible] نے [illegible] کی پرکھ [illegible] کو [illegible] ہوتی ہے۔" [illegible] دعا [illegible] ہجوم [illegible]

"[illegible] کو [illegible] ہیں [illegible] ہوری قدیم اور مشہور [illegible] حویلی [illegible] ہی ہے۔ یوں تو آپ اپنا تعارف آپ ہیں لیکن اگر [illegible] کر رہے [illegible] آپ کا نام [illegible] کر سکتے ہیں؟"

دعا [illegible] کے [illegible] کو دیکھنے لگی جو حویلی کے نام پہ مرعوب ہو گیا تھا اور فخر سے کے [illegible] میں صرف لفظ "نام" کو [illegible] کی تمہید اس کے سر پہ سے گزر گئی تھی۔

"[illegible]" کچھ [illegible] ہوئے [illegible] بلکہ اس کی پہچان تھا۔ اسی نام سے وہاں پر فارم پر کرنے تک بھی اسی لیے [illegible] اصل نام [illegible] کے بجائے اس سے اپنے [illegible] کا [illegible] نام [illegible] رہا تھا۔

"[illegible] نام بے شک [illegible] ہے۔ مگر معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کے شایان شان [illegible] نہیں [illegible] آپ کے نام [illegible] کی [illegible] معاف [illegible] اس [illegible] کی ذات [illegible] کرنے کا [illegible] نہیں [illegible] قدر [illegible] کے بعد [illegible] شدت سے آپ کے قریب کی [illegible] [illegible]"

"[illegible] کے کھلے [illegible] [illegible] ہو [illegible] تھی [illegible] کے [illegible] آپ [illegible] کے [illegible] ہے۔ [illegible] کے [illegible] ہے۔ [illegible] کے [illegible] ہے۔

چھپ رہ کر جو ہونے لگا۔ کام کے بہانے سے تھوڑی دیر کے لیے صمات نے کہا کہ اپنے ہی بے تکلف دوستوں سے ملنے چلا جاتا کہ اتفاق سے بات اس کے تھکانے دماغ کو تازہ دم کرنے کا کام کر گئی تھی۔ آج ہی وہ آفس سے فارغ ہونے کے بعد گھر جانے کی بجائے سیدھا رد تیل کی طرف آگیا تھا کہ اس کے ساتھ ڈرائیور کے علاوہ شاید نہیں جانے کے لیے تیار تھا اور اسے بھی ساتھ گھسیٹنے لگا۔ شہزادیوں ابن بلا سمان ہی کرنا نہیں چاہتا تھا کہ رد تیل جیسے شہر کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ اس نے خود ہی شہزادے کے ڈرائیور کو گاڑی واپس لے جانے کا حکم دے دیا اور وہ اسی کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گیا۔

"اگر تم کو چپ بھی ہوتی رہے گی اور رہا تمہارے ریٹائرمنٹ ہونے کا سوال تو وہ میری ذمہ داری ہے۔ فکر مت کرو تمہیں کسی خطرے میں نہیں پھینکنے یا فارمل ڈریس نہیں لے جاؤں۔"

"جی بھی۔ چاہوں بن پڑے اٹھ کر جیسے جانا مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔"

"تو میرے ساتھ جا رہے ہو یا رد تیل قاضی کے ساتھ اور رد تیل قاضی اس فنکشن کا چیف گیسٹ ہے۔ مہمان خصوصی کے ساتھ آنے والے مہمان بھی خصوصی ہوتے ہیں۔"

"کس قسم کا فنکشن ہے؟"

"میوزیکل بیٹھک ہے اور تمہیں پتہ ہے کس قسم کی ہوتی ہے۔ ایک آدھ ٹپ کی اسٹیج ایکٹریس کی پرفارمنس کے دوران ٹپ پھینکتے ہیں۔ باقی سارے ایکٹر لڑکیوں کے آگے ہوتے ہیں۔ چلو اور پھر تمہیں تو بدھائی لینے اس تماشے میں گزری جائیں گے ذرا شغل میلہ رہے گا۔ کبھی کبھی ایسے فنکشنز بھی اٹینڈ کر لینے چاہئیں۔ ایلی خالی کیدر غزار فارن ڈیلی گیٹس کے ساتھ کیے جانے والے فنکشنز کے علاوہ بھی ملک مقبول کا نام تو سنا ہوگا تمہیں۔ ملکی میں چند بھرکی پنجابی فلمیں بنائی ہیں اس نے جو کالی اسٹیج پرور امرے کے حوالے سے بڑا نام ہے اس کا خصوصاً "بیوں ملک دو جو شور کرتا ہے اس میں پرفارمنس کرنے کے لیے چلی کی اداکارہ میں اپنے ڈائٹ شیفٹ میں سے وقت نکالنے کو تیار رہتی ہیں۔ رات میں ہونے والے ایوزنٹ میں اس نے خاندان کے کئی بڑے ٹرسٹ بنائے تھے۔"

"ہاں۔ وہ تو اسی ملک مقبول کے فنکشن میں ہے۔" وہ الجھ گیا۔ اسے ملنے والا وہ انوی ٹیشن بھی تو اسی شخص کی طرف سے بھیجا گیا تھا جس میں دعا کا نام پڑھتے ہی وہ بھڑک گیا تھا۔ لیکن اسے یاد تھا کہ مہمان خصوصی کے طور پر کسی وزیر کا نام درج تھا دعوت نامے پر۔ اس نے اس الجھن کو دور کرنے کے لیے مزید سوال کیا۔

"یہ وہی فنکشن تو نہیں ہو شاید جو اسٹوڈیو والے روپ واچ سفید کوٹھی میں ہو رہا ہے "رم جھم نائٹ" کے نام سے؟"

"ہاں ہاں بالکل وہی تھا تمہیں بھی انوی ٹیشن آیا تھا۔"

"ہاں لیکن اس میں تو چیف گیسٹ کے طور پر ایک ایم پی اے کا نام درج تھا۔" اسے اب بھی امید تھی کہ جس جگہ وہ جا رہا ہے یہ وہ فنکشن نہ ہو۔

"ہاں لیکن یار۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ ان وزیروں کو انوی ٹیشن کی کتنی فکر ہوتی ہے اور "رم جھم نائٹ" کے نام سے ہونے والے اس میوزیکل فنکشن میں اس وقت کی باپ کی آمد کا ایک چانس میں بھگتا کہ حکم نہ ہوا ہے جس کی بنا پر ہی سے اتنے لمبے لمبے کشکس کیے ہیں۔ اب اس وزیر کی خاطر ملک مقبول یہ گانا پروگرام سے نکال کر سیلف کے ساتھ ہی کیا نہیں ہو سکتا ہاں۔ اس کے بدلے وقت پر ان وزیر صاحب سے معذرت کر لی گئی۔ مجھے بھی ایک ڈیوٹی کے تحت چیف گیسٹ بنایا ہے اس نے۔ تم نے پتہ ہے کیا؟" وہ ہنسنے لگا۔ مگر شہزادہ دل جانے کیا خیال سے ہی اتنا خاموش ہو گیا تھا کہ کوئی ردعمل ظاہر نہ کر سکا۔ وہ خود ہی بتانے لگا۔

"ملکہ کی آن پوشی کرنا چاہتا تھا ملک مقبول اور اس وقت ملکہ وہ واحد ظلم ایکٹریس ہے جو اسٹیج پر کراہ میں پرفارم کرتے اپنے معیار سے گر جاتی ہے۔ اس کے کیوٹ یہ اب تک ایک بھی اسٹیج پر کرام پایا اس آئٹم نہیں

ملک بڑا گھاگ بندہ ہے اس کی آن پوشی کے بہانے اسے اسٹیج تک گھسیٹنا چاہتا ہے تاکہ اسے خوب پبلسٹی مل سکے اور ٹکٹس منگے داموں بک ہو سکیں۔ ملکہ کو راضی کرنے کا کام اس نے مجھے سونپا اور ساتھ ہی چیف گیسٹ ہونے کا اعزاز بھی۔ ملکہ کو زور اطریقے سے چندال کرنا پڑا اور اس وہ آن پوشی کے لیے تیار ہو گئی۔"

وہ مزے سے اپنا کارنامہ بتا رہا اور شہزادہ اپنی بے نیاز پیچیدہ تاب کھاتا رہا۔ رد تیل کی گاڑی اس وقت شاہ نور اسٹوڈیو سے جو صمات کی ڈرائیو کے فاصلے پر تھی بیٹھ کر اس کے گھر پر میں منتظر کی ڈرائیو گاہ سے رد تیل کا ہی گاڑی آ جو ڈرائیور واپس بھیج دیا اب پڑ رہا تھا تاکہ پہلے اس کا بات بھری اور وہ سنا اعتراض سمجھ کر ہنس پڑا تھا۔

"یار رد تیل پلیز اسٹڈ مت کرنا۔ میں ویسے فنکشنز ذرا واہیات ہی کیا کرتا ہوں۔ اگر مجھے اس پنا پسند نہ آتا تو میرے اس بھی تو میں سے انوی ٹیشن تیار ہوا تھا۔ تم مجھے میں اندر میں نکلی لے لیتا ہوں۔"

"اگر تم نہ یار کہتا ہے مرحوم ہزار تو بھی نہیں رہے اور میں تو اس خیال سے بھی تمہیں ساتھ لے جا رہا تھا کہ تم آج کل "ایلیٹ بیٹ" کسی پر ہو خیال ایک سے آپ تم ایلیٹ ہو گا جو چانس ملے کی تمنا میں مرا جا رہا ہے مگر لیتا چھائی اور اب تو تمہارا یہ اعتراض بھی باقی نہیں رہا کہ تمہیں بتائے کہ مہمان ہو۔ ظاہر ہے ابھی تمہارے پاس تو ملنے سے پہلے دعوت نامہ بھیجا تھا اور یار تم خود سمجھ رہا ہو جانتے ہی ہو کہ جس فلیٹ میں انسان قدم جمانے اس فلیٹ سے اتنی بے زاری اچھی نہیں۔ تمہیں اس سرکل میں سروائیو کرنے کے لیے صرف محنت اور لگن سے ہی نہیں بلکہ دل آزمانے سے بھی بڑھنا ہے۔"

شہزادے نے مزید ضد کرنا مناسب نہ جانا۔ اسے پتہ تھا کہ رد تیل کس قدر جوت کرنے والا شخص ہے۔ وہ اس کے کتراؤ کی اصل وجہ جاننے کے لیے سوال پر سوال اور بحث برائے بحث کرتا جائے گا اور شہزادہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے چلتے ہوئے بھی اس نے اس کے آگے اختیار ڈال دیے "لیکن رد تیل میں بھی صرف یہاں تک۔ اللہ کرے کہ یہ جو ہے وہ یوں پرفارم کرنے آئے اور اگر ایسا نہیں تو کم از کم اس شخص اس کے ہمراہ نہ ہو اور اگر ہو تو اللہ اتنے لوگوں کی سادہ دلی میں میرا اس سے سامنا نہ کرائے۔"

☆ ☆ ☆

عمیص کافی دیر سے صاحبزادہ نہیں علی خان کے کمرے میں تھی۔ سوچتا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس وقت ان کے پاس جائے۔ اسے ڈر تھا کہ ابا حضور کل سے جس ٹینشن کو اپنے اندر دبانے کی کوشش کر رہے ہیں عمیص کی وجہ سے اسے ابلنے کا موقع نہ مل جائے۔ اس کے بر عکس اس نے ویسے لفظوں میں عمیص سے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ کچھ سر کو سمجھانے کی کوشش کرے کہ وہ اپنی ضد کو زندگی کی موت کا مسئلہ بنا کر اپنے ہوں کو کسی امتحان میں ڈالنے کی ادھیڑ بن حرکت مت کرے۔ لیکن اس کے بعد وہ صاحبزادہ سے بات کرنے پہ مصر تھا۔

"کل سے بات کرنا فضول ہے موتیہ وہ اس وقت ضد پہ اڑی ہوئی ہے اور میرا سمجھانا اس کے غصے کو تو کم کر دے گا اور تمہارا کہ غصے کی حالت میں کوئی بے اعتدال کی بات سمجھ سکتا ہے جبکہ ابا حضور ٹینشن کے عالم میں تھے ہیں کے عالم میں ہیں ان کی ذہنی حالت منتشر کرنے کے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ ان کی بیٹی نے ان کے اصولوں کو چیلنج کیا ہے۔ میں اس وقت انہیں سمجھانے نہیں جا رہا۔ ہی تم میرے متعلق ایسے فضول اندازے لگانا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کل کے ساتھ ساتھ اپنی ہی منوانا چاہتا ہوں۔ میں صرف انہیں اس شاک کے عالم سے نکالنا چاہتا ہوں۔ وہ بچی تو نہیں جسے غصہ نہیں کسی طرح جان کا خطرہ لگا ہو اور تیر کمان۔"

"اس کا غصہ اترنے کے لیے میری ایک جھڑکی ہی کافی ہے۔"

"لیکن ایک جھڑکی کی بات کرنے والا ایک زیادہ سمجھتے ہے جانے کن مذاکرات میں مصروف تھا۔ سوچ رہا تھا میں سلجھتے ہوئے اندازے لگا کر بتا رہی تھی۔ ابا حضور کے چہرے پہ بھی تو تھا۔ یہ تحریک آور دان ملا

عصمت کے ہاتھ میں لیے اپنے کمرے اور اندر جاتے ہوئے ساتھ لے گیا تھا۔ نرمے میں موجود ہوں کو خاص بد
خیال دیکھ کر ای حضور کو پچھلا اطمینان ہوا اور عصمت کے عقب سے نظر آتے ابا حضور کو دیکھ کر سوچا کہ اسی
تھی۔

صاحبزادہ عصمت علی خان کے مضمحل وجود سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گزشتہ رات انہوں نے کس طرح نہ سوتے
گزاری ہوگی۔

آپ نے رات بے انہیں برسوں کی مسافت سے چور گزارا تھا۔ چوڑے شانے جھکے جھکے سے اور پر جلال
آنکھیں بھی ہوئی کی نظر آرہی تھیں۔ بڑے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے بے حد عقیدت زدہ سے کھنکارتے ہوئے
حضور جو ابھی اپنی طاقت کے بعد تخت پر تھے۔ ہم دراز سی تھیں۔ انہوں کے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ اپنی
حضور نے لگر کو اشارہ کیا کہ وہ چلم لے کر آئے۔

"ابا حضور! چائے پئیں گے؟" صاحبزادے نے ان کی خاموشی سے گھبرا کر سوال کیا۔

"نہیں [illegible] نہیں۔" انہوں نے بات ادھوری کر دی۔ یعنی صاحبزادی خلعت اضماء سے ان کا حال دریافت
نے لگے۔ آپ نے وہ حضور کو معنوی کے مصداق ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے مگر بے کا ملال اندرونی
بات کی چغلی کھا رہا تھا۔

"صاحبزادی کل مہمان [illegible] نہیں کھلوائے کہ ہم نے یاد کیا تھا؟" اچانک انہوں نے گاؤ تکیے سے ٹیک
ہٹاتے ہوئے سامنے بیٹھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا۔ اب وہ عصمت کے تاثرات سوچ رہے تھے
ملنے تھا۔ وہ حضور جس ناقابل سی بات پر ناراض تھے وہ سوچنا کے لیے تعلق غیر متوقع تھا اس کے لیے حوصلہ
[illegible] رہا تھا۔

"[illegible] عصمت نے ابا حضور سے بات کی ہے اور کس طرح کی ہے کہ وہ کل کو اتنی جلدی اپنے حضور
[illegible] کا علم نہ [illegible] اب وہ نہیں ان والا تھا [illegible] کی اجازت دینا تو [illegible] میں
[illegible] ابا حضور [illegible] جلد [illegible] کر سکے۔ ایسی
[illegible] ابا حضور [illegible] والا قصہ [illegible] مرے سے تو
[illegible] چاہتا [illegible] ایک [illegible] مصیبت خود [illegible] نہیں ہو
[illegible] ہوگئے۔"

"[illegible] ہے۔ [illegible] اندر [illegible] مرکے دروازے کے آگے جا کھڑی ہوئی اور کتنی ہی دیر تک
[illegible] کا [illegible] رہی۔

"اب ان صاحبزادی کی [illegible] کی دروازہ کھولنے کے لیے اگر ابا حضور نے خود نہ کہا ہوتا تو میں بھی
[illegible] کھولتی۔ [illegible] نے [illegible] کے لیے [illegible]"

[illegible] کی آواز آئی۔

"کیا بات [illegible] ہے؟"

"[illegible] ہوں [illegible]" اسے بھی آواز دیا کے [illegible]

"[illegible] چاہتے [illegible]"

"[illegible] نہیں [illegible]" اسے حضور [illegible]

"[illegible] پیغام [illegible] ابا حضور [illegible] ہیں۔"

[illegible] خاموشی [illegible] تھی کہ [illegible] حضور کے سامنے جانے کے لیے کون سا مناسب بہانہ
[illegible]

"[illegible] کام [illegible] میں [illegible] چھپانا [illegible] کے [illegible]

[illegible] اس کا مذاق تھا۔ کل کو اگر کوئی بہانے تو ضرور بنانے کی اور اسے بس اور اس کی نیتیں کرنی پڑیں گی مگر
آگے رنگ کے لیے انہوں کا ہاتھ تھاما تھا کہ اشارہ کیا جب دروازہ کھلا اور چار لیتی کل آمادہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر
گزشتہ روز کی سی تھکی کا ملال نہ تھا۔ صاحبزادہ عصمت کے برعکس وہ خاصی پرسکون نظر آرہی تھی اور کمرے کے
اندر [illegible] ہی نظر آنے کے بعد جیسے موتیا کی جان ہی بل کے رہی۔ واک مین کیسٹ اور ریسٹ کے
خالی [illegible] کمرے کے اندر اس کی کیا صورت رہی ہے۔

"اور ہماری ساری ای حضور کے آنسو بار بار ہی تصور سے چھلک پڑتے تھے کہ ان کی لاڈلی اور نازک اندام
نازک مزاج صاحبزادی بھوکی پیاسی پنگھوں کے ساتھ رو رہی ہوگی۔"

"[illegible] حضور [illegible] ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"[illegible] ہے۔" [illegible] وقت سے چلنے والے اس رعایت جواب میں ایک اجنبیت اور گریز واضح تھا جو صرف
موتیا کی حساسیت کی وجہ سے محسوس کیا۔

"ہم نہیں چاہتے صاحبزادی کل مرکے آپ کی اور صاحبزادی اقماص خاتون یا صاحبزادی یاسمین اور صاحبزادہ
عصمت کی بروشیں میں ایسے کیوں آتی ہوگی ہم نے تو اپنی بساط کے مطابق آپ سب کو ہر آسائش اور سہولت
مہیا کرنے کی کوشش کی تھی اور ساتھ ہی اپنی انتظامی اوصاف پیدا کرنے اور اعلیٰ تربیت کرنے کی بھی مقدور بھر
سعی کی تھی۔ ہاں مگر ہم نے کیا اپنی بساط کے مطابق کیا کہ بساط سے باہر ہو جانا ہم حیثیت لوگوں کا شیوہ ہے۔ ہم
مطمئن تھے کہ ہمارے اپنی اب داری خوب نبھائی مگر آپ نے ہمارے اس سکون کو درہم برہم کر دیا ہے۔ ہم کو ہم
نے آپ کی صرف تیمارداری ضرورت ہے ہی کی تھی۔ خواہشات کی تکمیل کی طرف توجہ نہیں دی۔ ایک والد ایک
بزرگ ایک سرپرست کی حیثیت سے ہم آپ کو آگاہ کرنا بلکہ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ خواہشات کبھی بھی پوری
نہیں ہوتیں اگر پوری ہونے لگیں تو پھر "خواہشات" نہیں کہلائیں گی۔ یہ ہمارے برسہا برس کے تجربے
مشاہدے اور اپنے آباء سے حاصل شدہ نصیحتوں کا نچوڑ ہے لیکن اگر آپ پر یہ چیز خود آنا ہے یہ معنوں تو ہم آپ کو
ایک [illegible] دینے پر تیار ہیں مگر شرط صرف یہ ہے کہ آپ دنیا آنا ہیں۔ مگر ہمیں اور اپنے خاندان کو کسی
آزمائش میں مت ڈالیے گا۔ اگر آپ اپنی ضد پہ قائم ہیں اور ہر حال میں وہ کام کرنا چاہتی ہیں جس میں
ہماری رائے پر مشتمل نہیں اور رضامندی نہیں۔ تو ہم آپ کو مجبور کر کے کرنا نہیں چاہتے۔ مزید کوئی الزام نہیں لے سکتے۔
آپ سے [illegible] بیان کے اختتام پر گہری سانس بھری اور تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"آپ کو کیسی [illegible] ہے تو آپ کرنا چاہتی ہیں؟"

موتیا کچھ [illegible] آنکھوں سے [illegible] دیکھنے لگی۔ اب تک وہ یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ کل جیسا وہ یہ کہی نے
[illegible] اور [illegible] ہے۔ جاہ طلب [illegible] اپنا [illegible] اس سے [illegible] غیر متوقع [illegible] اور [illegible] کی [illegible] نہیں [illegible] مگر
اب وہ سمجھ رہی تھی کہ ابا حضور کا تنی [illegible] سے اپنی کسی بات سے متبرور ہو جانا اور کل کی خاطر اپنے اصولوں
سے [illegible] کرتے ہوئے [illegible] اجازت دینا [illegible] اس کی حضری زندگی کا سب سے حیران کن واقعہ
ہے اور شاید یہ صرف اسی کے لیے نہیں۔ شاک نہ تھا بلکہ صاحبزادی خلعت اضماء اور صاحبزادی خلعت اضماء بھی
اخلاقت [illegible] تھیں۔ صاحبزادی خلعت اضماء خانم کے چہرے پر ناگواری بھی [illegible] تھی۔

"ایسا ہماری [illegible] شرط [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کے لیے آپ اس [illegible] سے [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] آپ [illegible] ہوں گی۔ ہماری تربیت کے رنگ [illegible] ہیں [illegible] ہمارا [illegible] کہ
آپ [illegible] کی [illegible] کرنا [illegible] ابا حضور کے ساتھ ہم آپ کو اجازت
دے رہے ہیں [illegible] ہے کہ [illegible] کے لیے آپ کے پاس صرف ایک ماہ کی
[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہم مزید رعایت نہیں دے سکتے [illegible]
[illegible] کرنے کی کوشش کی جائے۔ اصولی طور پر آپ کی تعلیم کے مکمل ہونے پر ہمیں اس مرحلے پر آپ

کے لیے بھی اور سوچنا چاہیے مگر یہ ایک سال مکمل طور پر ہم آپ کو سونپتے ہیں اس وعدے کے ساتھ کہ اس کے بعد آپ کو اپنی زندگی کے اگلے سال ہمیں سونپنا ہوں گے۔"

ان کی جانب سے ملنے والی اجازت پر مسرور ہوتی تھی مگر اس آخری بات سے الجھ گئی۔ لبوں کے گوشے جن سے چھپا لینے کی مسکان چھلک رہی تھی سکڑ سے گئے اور ابرو کچھ دیر تک دو پلکیں جھکائے اس شرط پر غور کرتی رہی پھر فیصلہ کن انداز میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے! حضور! ہمارے لیے یہ ایک سال بھی بہت ہے ہم اس کے لیے بھی آپ کے شکر گزار ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہماری وجہ سے کبھی آپ کو شرمسار نہ ہونا پڑے گا۔"

اس کے اس دعوے پر صرف نیلوفر نہیں علی خان نے اپنا چہرہ گھما کر اسے دیکھا۔ ان کی نظروں میں بھری تھیں ایک سی سوال کر رہی تھیں۔

"ہمیں نہ تو شرمساری کیا ہوگی کہ آج صرف آپ کی وجہ سے ہمیں اپنے جان سے عزیز اصولوں میں ترمیم کرنا پڑ رہی ہے۔"

لیکن گل سرکو انھوں نے تحریر سوال پڑھنے کا ہنر بھلا کب آتا تھا۔

"پہلے میں حیران تھی کہ آخر! حضور اتنی آسانی سے مان کیسے گئے۔ لیکن ان کی شرائط خصوصاً آخری والی سن کر سمجھ آیا زاد ہوا کہ تم نے اپنے پتے کس چالاکی سے کھیلے ہیں۔"

عصمیں کو تنہا پا کر سوتیلے نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"بنا ہمیں کہیں بھی کچھ بھی ہو! کرے، تم سب سے پہلے مجھ ہی سے بدگمان ہو جاؤ کہ۔"

"یہ بتاؤ! ابھی ابھی کا ڈرامہ انجام دیا ہے کیا اس کی ادا بھی دل؟"

"کاہ بلند و تحریر نے کیا ہی ہے اب تم کھیلو اس کو کھیل ہی سے تسلیم نہ کرو۔ یہ تمہارے طرف پہ منحصر ہے کہ یہ چاہا حضور کو گل سرکی اصلیت بن لیجیے رضامند کرنا۔ اور گل سرکا بغیر کسی پس و پیش کے ان کی شرط پہ مان کر چلا جانا یہ آسان کام تھے؟"

"آسان تو نہیں تھے مگر سیدھے کام بھی نہ تھے اور مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ بقا ہر سیدھا سادا نظر آنے والا راستہ بے دست اندر سے اتنا پیچیدہ اور چار سو میں نکلے گا۔"

"صد لعنت لڑکی! تم بغیر کسی سوچ کے مجھ پہ الزام عائد کر رہی ہو۔" وہ ابھی بھی سنجیدہ نہ لگ رہا تھا جبکہ مونیا کی سنجیدگی بالکل رنجیدگی کی مثل بدل گئی۔

"اس سے زیادہ عدم کیا ہوں کہ صرف زبانی کلامی الزام ہی عائد کر رہی ہوں۔ زندہ دل تو چھوڑ یا کہہ کر انھوں نے مخاطب کیا تھا۔"

"کیا حضور کو یہ شرطوں والی بات تم نے ہی بتائی ہوگی۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"خیر نے کی صورت نہیں تمہارے سوا اور کون یہ کر سکتا ہے جبکہ ان کی شرط سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کس کے مفاد میں جائے گی۔ تم نے ابا حضور کو یہ سمجھایا ہوگا کہ گل کو ایک سال کی مہلت دینے کے ساتھ ساتھ اس کی عمر کے باقی سالوں کا تاوان تراشا رہا تھا۔ لیکن جو خود بخود ابا حضور نے بھی سوچا ہوگا کہ واقعی گل سرکہاں اس کڑی شرط پہ راضی ہوں گی۔ دوسری طرف تمہارا خیال ہوگا کہ اگر ابا حضور کا خزانہ دست نکلا تو وہ تمہارے قدر دان ہو جائیں گے کہ کیا عقل نکالا اس مشکل کا اور آخر بالفرض گل سرنے یہ شرط مان لی تب بھی تمہارے وارے نیارے کیونکہ بقا بھی ہوتی خواہش تو تمہیں قبولنے سے رہی۔ تم بھتنے لگتی ہی غریبوں کی نکلنے رہو۔ دل سے تم بھی متفق ہو کہ اس کی سزا میں اس کے جذبات مٹ جائیں اور تمہارا عمل

دخل نہیں۔ ایسے میں ان شرط کا آسرا ہے جس کے سہارے تم گھر کے بیوں کو بیڑی اٹھا کے سے حاصل کر سکتے ہو اس شرط کو منظور کر کے گل کے ساتھ تو خود خورندہ جائیں گے پھر انکار کرنے کی پوزیشن میں کہاں ہوں گی۔ بہت خوب عصمیں علی خان! بہت خوب۔"

"بہت خوب! اس خان بہت خوب۔" اتنے سارے سنگین الزامات کو سن کر بھی وہ راز عصمیں اتنا ہی بیٹھا اور فقط کہنا لفظوں سے اسے دیکھا ہوا اس بات سے مخاطب کر بیٹھا جس سے بیٹھ وہ چڑتی رہی ہے اور چاہے بھی اسے انتہا تو اشتعال دلانے میں بیٹھ بیٹھ رہتے ہیں مگر عصمیں اس بات سے بڑا نفے سے بڑی بیزی لیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پہلی بار اس کی زبان سے یہ بھاری بھرکم بات سن کر ہوتا کہ غیظ و غضب میں اضافہ ہو گیا۔

"بہت خوب! اتنی دور کی کوڑی لانے پر یقیناً آپ کی تعریف ہیں۔ جانتی ہیں آپ اتنی دیر سے میری غائبانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں اپنی تعریفیں صرف کر رہی ہیں لائق تحسین تو آپ کا ذہن ہے جو ایسی ایسی کلابازیاں کھاتا ہے کہ۔ سبحان اللہ۔ تم مجھ سے بدگمان جلد ہو جاتی ہو۔ میں بتا دیتا ہوں کہ میں جانتا تھا تمہارا ارادہ آج ہوا کہ تمہاری نظر میں میرا یہ مقام ہے۔ تمہارے نزدیک میں ناکام ظرف اور چالباز انسان ہوں۔ ہے ہاں؟"

"اچھی طرح جانتے تھے تو اسے نوازنے کی بعد عصمیں نے وضاحت کی۔

"میں نے چاہا حضور کو صرف یہ احساس دلانا چاہا تھا کہ عقد اور سرکشی میں بہت فرق ہے جس طرح ابا کوئی بھی فیصلہ کرتے ہیں جیسی طور پر سطلہ کرتے ہوئے ہماری محبت سے وشعر دار نہیں ہوتے اسی طرح ہم بھی ان کی کسی بات سے اختلاف ظاہر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمارے دلوں میں ان کے لیے محبت یا احترام نہیں ہے۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ جو کچھ گل نے کیا وہ بھی محبت سے کیا۔ جس طرح ابا حضور کو بھگانے کی کوشش کی وہ بھی احترام سے کی۔"

"نہیں شیر صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں بھی پیار کی محبت کے ساتھ ساتھ کبھی زور سے بھی کچھ حاصل کرنا چاہوں تو میں اسے ناجائز ایک بیٹا کے نام سے پکارتے ہیں۔ کبھی کبھار اپنی ذاتی خواہشات اور پسند ناپسند کی تکمیل اولاد کے ذریعے چاہتے ہیں تو اس سے ان کی فطری محبت جو خالصتہً ان کے دلوں میں اولاد کے لیے ابھر رہی ہے تم کو نہیں ہو پاتی۔ ہم ان کی محبت پہ شک تو نہیں کر سکتے! مجبوراً یہ کیوں ہے کہ اولاد اگر اپنی پسند ناپسند کی بات کرے تو اسے سرکشی پہ محمول کیا جاتا ہے۔ اگر ضد پہ آ جائے تو اسے نافرمانی تصور کیا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ ان کے دل سے والدین کی محبت و عزت رخصت ہو چکی ہے۔ بس اتنا سا نکتہ تھا جو میں نے تمہیں بتایا اور تمہیں ان کی عزت کی تھی۔ جس میں وہ بات کبھی بھی کے ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ مقام۔ اللہ اللہ تم مجھ سے تم اعمالوں سے نہ تو گل کی حمایت میں ایک لفظ بولا نہ ہی اس کی سفارش میں کوئی دلیل دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ بیشک سے اپنی منوانے کے عادی رہے ہیں۔ اولاد کی جانب سے ایسا رویہ انہیں دل شکنی کے ساتھ ساتھ شرمساری میں مبتلا کر رہا تھا۔ میں صرف انہیں اس احساس سے باہر نکالنا چاہتا تھا یہ کہنا چاہتا تھا کہ۔ تم چھوڑو! تم سا کوئی میری بات۔"

"نہیں نہیں۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ آئم سوری عصمیں۔ نہیں کیوں میں نے ایسا سوچا۔"

"اگر تمہارے یہ ہے کہ تم نے ایسا کیوں سوچا؟"

"کیوں سوچا؟"

"اس لیے کہ تم سا جزاوہ نہیں علی خان کی لخت جگر ہو اور تم سا جزاوہ گل سرخانم کی آشیرباد ہو اس لیے مجھ سے تاب کر کے تم ہمیشہ عادل کی طرح فرض ہے۔"

"اب تم مجھ سے بدگمان ہو رہے ہو۔ یہ ایک بات سچ سچ بتانا۔ گل سرکا اتنی آسانی سے ابا حضور کی شرط مان لینا تمہیں خوش تو نہیں کر رہا کیوں؟ ایسا ہی ہے ناں؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ بلکہ اگر وہ کچھ سوچ سمجھ کے بدلے کر یا بلا کسی تحفظ کے اس شرط پر راضی ہوتی تو شرط رکھتا کہ وہ اپنی اپنے تمام اختیارات چچا حضور کو سونپ کر تیار ہو گی ہے۔ مگر ہوتا تم نے کہا نہیں کہ اس نے ناچ ہونے تجھے کی صورت ہی نہیں ہوئی اور ہاں کر دی صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت صرف اپنی خاطر کا چاہتی ہے اور اس ایک سال کے عرصے کی مہلت کو غنیمت جان کر ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اب ایک سال کے بعد کیا ہو گا۔"

"اور ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے تم ابا حضور کو یہ یقین دلا رہے ہو کہ گل کی سرکشی بغاوت ۔ اور اس کی ضد کا مطلب ہے نافرمانی نہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ بار بار اس دھچکے کو برداشت کریں؟"

"نہیں میں یہ نہیں چاہتا۔ اللہ ہی جانتا ہے۔ میں تو خود ان کے بارے میں سوچتا ہوں جیسے یہ بات رکھتا ہوں۔ میں نے ان کے لئے ایک عرصے سے ایسے ایسے ایسے ہیں جن میں ہم دونوں کوئی ایک دوسرے کی طالبات پسند نہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں اپنے دل میں ان کے لیے اپنے والد سے بھی زیادہ محبت اور احترام رکھتا ہوں۔ اس طرح جیسے یہ بھی سچ ہے کہ وہ بھی مجھے کبھی نہیں کرتے ہوں گے۔ یہی سوچ کر میں نے اندازہ لگایا کہ ضرور گل بھی اپنی تمام تر محبتوں کے باوجود اندر سے ایک مشکی لڑکی ہی ہو گی جسے باپ کا مراد پیار کھلنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اپنا بنا پہچانے کے لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ شاید میں غلطی پر تھا۔ لیکن میں اس کیا کرتا چچا حضور کو جھوٹے بہلاوے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ہمارا خاندان کو واحد علاج یہی ہے سوچتا۔"

ایک ایسا شخص جس نے تمام عمر سرحد کا تناؤ ہوا اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کا سر جھکانے پر مجبور اپنے خاندان کی خواہش کی ہی عزیز ترین ہو تو اس کا کیا حال ہو گا۔ وہی ہوا چچا حضور کا ہوا اور انہیں اس حال سے دوچار کرنے کے لیے ایسے ہی ہوتا۔

"اب تو تمہیں یہی چاہیے۔ گل اس مکان کو یقین میں بدل دے اس محل میں تم نے ابا حضور کو پھر سے سب کا سامنا کرنے پر تیار کیا۔"

شہ حسین ہونے کے بعد اس کا خاندان [illegible] ٹھیک کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر میں [illegible] شہ حسین ہونے والے ہیں۔ اس کی ادائی پروگرام میں مشہور اداکار اس اور رقاصاؤں کی [illegible] آمد باقی کے بعد ہو گی۔ اسے انہیں کی ہی تعمیر گلی کاریاں اور ڈانسروں کے ذریعے ہی تماشیں کو گرمانے [illegible] کی جاتی ہے۔ وہ ہر محفل کو کشش کر رہا تھا۔ اس کی تعریف کیفیت ساتھ بیٹھے دو چیں قاضی یا کسی اور پر [illegible] ایک پہلی ایک بار اس کے اس میں وہ غیر ضروری محفل ظاہر کرتے ہوئے اپنے دائیں جانب [illegible] کر رہا تھا اور اب نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کوئی اور کنوری کسی کے ہاتھ لگے۔ دوسری [illegible] بھی خود تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سامنے دیکھ کر سب کے سامنے اس سے خلق کا اظہار نہ کرے۔ خود [illegible] کر کے [illegible] تو [illegible] سکتا تھا کہ اس اور اس میں قاضی عدنان کا سیاب بھی تھا (ابھی تک) کہ اگر [illegible] اب [illegible] نکل آئے اور "میرا شہزادہ میرا جس" کہتا ہوا لپٹ جائے [illegible] ہو گی میں قاضی نے خوف آیا تھا۔

[illegible] اس نے انتظار [illegible] کے لیے اس خوف سے نجات حاصل کر لی تھی اور اب ایک عرصے بعد [illegible]

[illegible] کا خوف [illegible] کو [illegible] اس کا سارا اعتماد [illegible] منہ چھپانے کو [illegible]

[illegible] ہو [illegible]

[illegible] آواز [illegible] ہو [illegible]

آواز [illegible] چنگاریوں کے [illegible] "[illegible]"

وہ [illegible] نے اور [illegible] دیکھنے لگا۔ وہ اگلی نشست پر [illegible] قاضی کے ساتھ بیٹھا تھا اور [illegible] اس کے لیے ایک [illegible] تھا۔

"اور اب آپ کے سامنے اپنے [illegible] کا اظہار کرنے جو [illegible] آرزو میں ہیں۔ وہ [illegible] ہیں۔ [illegible] پہلے [illegible] کہہ سکتے ہیں [illegible] کہہ سکتے ہیں [illegible] ہیں۔"

جب ذہین کیمپیئر ایک [illegible] کے ساتھ ہر [illegible] والی شوکا اور رقاصہ کی شان میں ایسے [illegible] اور [illegible] کلمات ادا کر رہا تھا تو [illegible] تھیں کہ اس کیمپیئر کو [illegible] محفلوں کے لیے [illegible] میں باقاعدہ [illegible] جا سکتی تھی۔ [illegible] بار اس کے [illegible] کلمات [illegible] ہو گئے تھے۔ لوگ خود کو [illegible] اس کی [illegible] کی آمد کے مشتاق ہو گئے۔

"[illegible] پہلی شو ہے۔ اتنے لوگوں کے سامنے [illegible] کرنے کا پہلا تجربہ ہے مگر آپ پر [illegible] دیکھنے کے بعد میری اس بات پر ایمان لے آئیں گے کہ اس کم عمر فنکار کے لگے میں پڑے ہوئے تجربہ کار فنکاروں کا تجربہ بول رہا ہے۔ ان کا انداز ان کا فن دیکھنے کے لائق ہے اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ہے ان کی [illegible] نگاہ فنکاروں میں سے ایک ہیں۔ انہیں صرف سنا ہی نہیں بار بار دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔ خوش اندام کم عمر [illegible] جان محفل [illegible] ہیں۔"

تالیوں کی گونج میں شہزاد کو اپنے کان کے پردے چٹختے ہوئے محسوس ہوئے اور [illegible] سیاہ نیلے لباس میں اس کی آمد کے ساتھ ہی [illegible] اپنی آنکھوں میں [illegible] محسوس ہونے لگے۔

وہ ایک طویل عرصے بعد [illegible] رہا تھا۔

خاصی دیر کی [illegible] کے مقابلے میں قدرے بڑی بڑی اور [illegible] کے مقابلے میں کم [illegible] بھی۔

اس نے اپنے اندازے کی تصدیق کی خاطر [illegible] کھولی کے دیکھا وہ سر جھکا کے [illegible] تالیوں کا [illegible] رہی تھی۔ اس نے [illegible] میں [illegible] تالیوں [illegible] صرف اس کے حسن کو خراج تحسین پیش کر رہی تھیں۔ شہزاد کی [illegible] دھماکے ہوتے لگے۔ اس [illegible] بھاگنا چاہتا تھا۔

[illegible] ابھی تک شہزاد [illegible] نے اس سے اب تک اس [illegible] کو سنبھالے ہوئے تھا اور اسٹیج کے [illegible] کے [illegible] کی [illegible] تھا اور جذب کے عالم میں آنکھیں موند کے [illegible]

[illegible] فنکاروں کے جھرمٹ [illegible] اور [illegible] پر [illegible] [illegible] ہوئے [illegible] [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible]

"چھالی!"

وہ باہر نکلتے نکلتے ایک جم سا گیا تھا۔

اسے خیال تھا۔ آنکھوں کی گونج اس قدر تھی کہ اگر کسی نے اسے پکارا بھی ہو تو آواز کانوں کے کانوں ظ۔ پہنچ کا محل تھا۔

"کچھ پھر صدا۔ ؟ پکارا۔ ؟" وہ الجھا۔

"یہ ہوا اشتراب۔ ؟" یکلوں کا شور ذرا تھما تو اسے بہت ہلکا کر اپنے دوحیل قاضی نے دریافت کیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی جواب دینے کے قابل نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو بھلا کیا جواب دیتا۔ وہ خود نہ سمجھ پایا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ صدا اتنے سالوں کا فاصلہ طے کر کے اچانک اس کی سماعتوں تک کیسے پہنچی جب کہ وہ اس کے تمام راستے بند کر آیا تھا۔

"میں نے پوچھا، کیا یہ طبیعت ٹھیک ہے؟" روحیل آسانی سے جان بخشنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ شہزاد اس کے مسلسل استفسار پر چڑ گیا۔ انگلیوں سے پیشانی مسلتے ہوئے اس نے سرد و کا بہانہ کیا اور مزید وہاں نہیں رکا۔ باہر لنگ تک آتے آتے بھی دماغ کے ذریعے ٹکرانے والی کیسیٹر کی بھاری آواز ذہن سا تھا۔ ایک ہی آواز کا تعارف کرا رہا تھا اور جب وہ یہاں سے کار دوڑ کر کے روانہ ہوا تھا تب تک ایک خوب دھوم دھڑکے والا چٹکلا گانا شروع ہو چکا تھا۔ روایہ آگے بڑھتے بڑھتے جو اندر تھم سے ہو گئی تھی۔ دوسری مست سی آواز میں تھیں۔ جو اس کا دھیان بانٹ رہی تھیں۔ سکھوں کا شور۔ دیہاتیوں کے چٹائی پر ان اور کاروں میں بٹے ایک سے بڑھتے شور کا شور۔ اس نے سرد و کا صرف بہانہ بنایا تھا مگر اب واقعی شدید ترین درد میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کے سر میں درد کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں جس سے اسے آنکھیں کھولنے کو رکھنا بھی محال لگ رہا تھا۔ بری طرح وہ تکلیف کی شدت سے بے ساختہ چیخیں ذرد سے بچ لیتا تھا۔ پیشانی پر مسلسل بڑھتا دباؤ دماغ کو سن کر رہا تھا۔ تھک ہار کے اس نے کیبن کے اندر اس کے نزدیک بنے چار سیٹوں کے ایک کھوکھے کے پاس کار روک لی۔ کیسیٹر پر بجتی قوت سے اس کا بدبخت سا تھا اس وقت تو وہ کا عالم تھا اور درد کی لہریں کی رو تھی کہ باقی سب بھار گزرتی کسی کار کی ہیڈ لائٹس۔ کھوکھے کا مالک بھی شاید اندر سے لوگ رہا تھا۔ اس نے آگے سے جالی نکالا اور اشارہ سا نجی کی طرف گھوں بھی بند ہو گئی۔

"چھالی!"

وہی صدا۔ اس سناٹے میں پھر سے گونجی اور وہ جو سمجھ رہا تھا کہ کسی دیوار کی طرح سنائے والی یہ صدا اب واپس گزرے سالوں کی گم گشتہ راہوں کی دھول میں اٹ کر لاپتہ ہو گئی ہے۔ جان گیا کہ عرصے بعد نظر آنے والا بلا کا چہرہ کسی جوتے کی کیچی کی طرح ان سب دروازوں کو کھول گیا ہے جہاں جہاں وہ فراموشی کے تالے لگا کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اب وہی صدا بار بار ان دروازوں سے رستہ بنا کر اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

تنگ آ کر اس نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔ تیز کرخت آواز والے ہارن نے اس کے کانوں تک کسی اور آواز کو آنے نہیں دیا۔ شدید سر درد میں بھی یہ اسے دنیا سے چھپنے والی آواز سے ایک نعمت کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"صاب جی۔ کیا ہو صاب جی۔ ؟ کیا چاہیے؟"

ہارن والا بھاگتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا اور اب شیشہ کھٹکھٹاتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔ شہزاد نے ہارن پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔

"ایک پیکٹ کوئی ٹھنڈا۔ اس کے پاس سگریٹ تھا مگر اپنے اس ہارن کا کوئی جواز تو دینا تھا اسے'

"صاب جی کی پان بھی لگا دوں؟"

وہ انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس تھا کہ یہ شخص مزید اصرار کے بجائے اور بھی اس کے سر پہ مسلط ہونے کی کوشش کرے گا اس لیے اثبات میں سر ہلا کے اسے ٹالا۔

"کون سا والا پسند کریں گے صاب" لائچی سپاری والا، سلیمی پتی والا یا کلکتے والا۔ بڑی اسپیشل کلکتے کی لگا رہی ہے صاب جی۔"

اس سوال۔ صرف اثبات یا نفی میں سر ہلا کے ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے چند لمحے خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد شہزاد نے اکیسفین میں پھرتے جانی تمہاری ماں کا رابیہ جانب کو پان والا بولا۔

"کیا ہوا صاب جی لگاؤ کے نہیں کون سا پان۔ ؟" پان والا پھر بولا۔

"کوئی بھی تمہارا پسندیدہ لگا دو۔" اس نے اکتا کر کہا تھا۔ "پان والا ہنس دیا۔

"نہیں کوئی روایت ہی نہ کر کے بھاگا ہو۔" اس نے اور ادھر سر اٹھا کے جائزہ لیا مگر کوئی ذی روح نہ نظر آیا۔ وہ سر جھٹک کے اپنے کھوکھے کی جانب بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

بے چین بہت پھرا گھبرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا

ریڈیو سے ابھرتی آواز علی کی پر سوز آواز نے پیان چھا لیا تھا۔ ہاتھوں میں مگلی کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ اس نے آگے بڑھ کے آواز کو کی اور وہیں چارپائی پہ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر ٹکا دیا۔

چھلکائے ہوئے چنا خوشبو لب لعلیں کی
اک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا

بند پلکوں کے پیچھے اس کے تصور نے واقعی اک گلستان مہکا رکھا تھا۔ سانسوں کی مہک کو اپنے اندر سمیٹتا اور اور تک شاد ہو گیا۔

اس حسن کا شیوہ ہے جب عشق نظر آئے
پردے میں چلے چہرہ شرمائے ہوئے رہنا

بے چینی سے وہ کروٹ بدل کے رہ گیا۔ وہ کل اس کے بارے میں بھی اشتیاق دکھا رہا تھا اور انتہائی گریز و احتیاط ظاہر کر رہی تھی اور لگاتار پیار ہوتا جا رہا تھا۔ یہ گریز بازی اور پیشہ ور عورتوں والا ہتھکنڈا بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی محتاط اور کسی سوتیلی لگ رہی تھی۔ اس کا کل کا کرتا اس کی کم سنی کی چغلی کھا رہا تھا اور یہ جرأت سے لوٹ کرنے کی تھی۔

اک شام کسی کو رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اک چاند سی آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا

اس کی تصور سے دو کتنی آنکھیں بس ایک پل کو اس کی جانب اٹھی تھیں۔ باقی کا وقت وہ بس اس کے خدوخال اور اس کی لانبی گھنی پلکوں کے ذریعے سائے ہی دیکھتا رہا تھا۔ ہر ایک پل کے لیے بھی اس کی آنکھوں کی ہوں گی۔ کو تاہی کے لیے کافی تھا۔ وہ اس قدر بے چین ہو گیا کہ اب اس کو نہ میں بھی اسے سکون نہ مل رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ یہ غزل ختم ہو چکی تھی مگر اس کے تصور میں ابھی لگاتار محفل تھی کہ اس کی دو نظریں ہی تمام

نہ ہو رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ریڈیو بند کیا۔

صاحبزادی یاسمین کافی دیر سے مطرکے لیے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے باہر ہوا میں مخل کی چہل قدمی کر رہی تھی۔ کبھی زور سے نرم ہبل لیتا کبھی سرد آہیں بھرنے لگتا۔ کبھی آپ ہی آپ مسکرانے لگتا۔ کبھی جھنجلانے لگتا۔ اب وہ اپنے بیڈ روم میں ٹہل ٹہل کے کچھ سوچ رہی تھی۔

"یا۔۔۔ نہیں سمجھ سکتے آپ" دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی بیرا کے آگے کھڑی گلرخ مسندی سے پوچھ رہی تھی۔

"جان لیا۔ انگریز جھلا جھلا مسکرا مسکرا کے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے رنگ کے سوتی لباس میں لپٹے سراپے اور غیاثی لکھنے والی بے پناہ اشتہا انگیز صورت جس کی ہلکی آواز میں لوچ ہے نہ نقوش میں جاذبیت نہ عادات میں نزاکت ہے نہ انداز میں دلربائی۔ اس کے سپر زندہ سی کے عذاب کی طرح تھوپ دی گئی تھی ایسا احمق تھا اب اسے صبر کیسے ملتا۔ ایسا رشتہ نہیں چاہتے ہوئے بھی نبھانے پر مجبور تھا۔

یہ بھی صرف اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس رشتے کو اچھا نہ سمجھتا ہو۔ ورنہ اس نے اس رشتے میں کے تقاضے کس حد تک نبھائے تھے ان کی حقیقت تو صرف یاسمین ہی جانتی تھی اور یہ بھی یاسمین کی بڑائی تھی کہ اس نے اپنے بازی خدا لی پہ تو ہاتھ کبھی اور کو ہاتھ تو کنار خود بار تک کو اس کا احساس دلانے کی زحمت نہ کی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس کے قیاس کے گھوڑے اس یہیں تک جا سکتے تھے۔ بیرا کی ساری خوش مزاجی ہوا ہو گئی۔ بے حد آتے ہوئے انداز میں بات دیکھ کر وہ ایک طرح بگڑا ابھرے رہ گیا۔

"میں گھر میں۔ اس بات کے لیے۔ تمہارے جیسی عورت کے ساتھ رہتے ہوئے کسی کی طبیعت ٹھیک رہ سکتی ہے۔"

یاسمین بچوں کے سامنے ہونے والی اس بے عزتی پہ زرد پڑ گئی۔ حالانکہ اب تک اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ ٹھل ہی پہ کر چلنے لگی۔ بیرا کا چہرے میں مسکراہٹ اور سکون سے لیٹ کر بے فکری کے انداز میں ٹانگیں جھلاتا اسے اس خوش خیالی میں مبتلا کر گیا تھا کہ اس کے شوہر نامدار کا مزاج آج خلاف معمول خاصا خوشگوار ہے۔ ورنہ گھر میں ہوتے ہوئے وہ بات بے بات جھلاتا نہ رہتا۔ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ۔ یاسمین کو بلاوجہ کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ اس طرح سکون سے خاموش لیٹے لیٹے موسیقی سنتا۔ یہ منظر یاسمین نے بڑا کب دیکھا تھا۔

"اب منہ چھپا کے کہاں جا رہی ہو؟"

"میں بھلا کیا صورت ہے منہ چھپانے کی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"صورت کی اس میں صورت تو اچھی خاصی ہے۔ ایسے منہ کو چھپانے کی ہی تو صورت ہے۔ ہنسے کچھ کر اتنے بھلے انسان کا یہاں آئی ہو جائے۔" اس کی آہ والے والی بات کو بھی یاسمین نے تحمل مزاجی سے درگزر کیا اور خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

"ارے۔۔۔ اتنا لفظ۔۔۔ ابھی تو اگر خدا نے ذرا سی صورت دے دی ہوتی تو نجانے ہماری زوجہ محترمہ کے مزاج کس درجہ بلند ہوتے۔ تم سے ایک دو انجان حسینہ کس سے ادا۔ جسے خود اپنی اداؤں کے کاٹا تھا۔ سد تک جان لیوا ہونے کا احساس تک نہ تھا۔ اے حسن بے پروا۔۔۔"

وہ کا خیال آتے ہی اس کا کڑوا کسیلا موڈ پھر سے رس گھولنے لگا۔ وہ ایک بار پھر باہر نکلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اپنے بیڈ پر لیٹ کے نکالنے کے بعد جا رہا تھا۔ تصور اور ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"آخر موتیا کہاں ہے؟ کہاں کہاں تم کیا بات کر جاتی ہیں؟"

صاحبزادی گلی مرغے اپنی لنگی کے جنداتے ہوئے سوت اٹھ پٹ کرتے ہوئے بھاگ موتیا سے دہاڑی۔

"کوئی تو مشورہ دو۔"

"ابھی جلدی خیال آیا کسی سے مشورہ مانگنے کا۔" موتیا نے تل کر کہا۔ "یا حضور اجازت تو دے بیٹھے تھے لیکن

اس کے بعد ایک گہری چپ تھی جو اس حویلی کے سبھی نفوس نے اوڑھ رکھی تھی اور اس چپ کے اندر کیا کچھ نہ تھا۔ بلال "آصف نامجی" ابھی حضور کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ "آئی حضور سب سے خفا خفا لگ رہی تھیں۔ ابا حضور تو دولت ہوئے مہمان خانے سے نکلتا ہی گوارا نہیں کیا تھا۔ عیص بھی نجانے کہاں بھاگا بھاگا پھر رہا تھا اور تو اور اس اضوری فضا نے دیکھو کی بھی جماعتیں خاموش کر دالی تھیں اور ایک یہ تھیں۔۔۔ صاحبزادی گل مرغانہ۔ جو اپنی خوابیدگی کے زخم میں ازاری بکھیر رہی تھیں۔ موتیا نے آخر سے اس کے گھورے چہرے کو دیکھا جاں بانی وجہ سے گھر بھر کو ایک امتحان میں ڈال دینے کا کوئی ملال تھا نہ افسوس کتنے خوش و خروش سے وہ گل کے انجام کی تیاری کر رہی تھی۔

"عزیز بھتیجو! آج آپ جو ہمیں دیکھنے کو ہم نے آخر آپ کا لگا کیا ہے جو ہر وقت انگارے چباتی رہتی ہیں آپ پلیز کبھی تو ہمارے ساتھ نارمل لہجوں میں بات کر لیا کریں۔ ہر وقت طنز ہر وقت طعنے۔ "گل نے آخر کار اس کے خفا انداز پہ تنگ آ کے پوچھ ہی لیا۔

"تم جانتی ہو کہ تم نے سنوار کیا ہے؟ ہمیں لیا کیسی اور کیا گل کیوں سب کے لیے مشکلات کھڑی کر لی ہیں؟ تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری یہ چاہیے۔ اس نے کیا کہ گل خود اس سے نارضگی کا سبب پوچھ رہی ہے۔ سوچا کچھ اتنا تھوں نبھانے کا فریضہ بھی انجام دے ڈالے تھے مرس نے موتیا کی بات پہ کھنکھنائی۔

"اب کیا مسئلہ ہے موتیا؟ ابا حضور خود ہمیں اجازت دے چکے ہیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے پھر کہیں نے سوچے سے پرانی گری بات کر رہی ہو۔"

"پرانی نہیں۔ تم گری بات کر رہی ہو بلکہ ہمیشہ سے کرتی آئی ہو۔"

"لفٹ میٹر۔ "گل نے ساری مصلحت بھری ایک طرف رکھ دی۔ ابھی دو دن پہلے اتنا بڑا ہنگامہ نمٹا لینے کے بعد وہ کوئی نیا مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر موتیا کی مسلسل تلوار والے گفتگو نے اس کی ساری وقتی نرم مزاجی ہوا کر دی۔

"تمہیں شاید احساس نہ ہو کہ آج کا دن ہماری زندگی کا کتنا اہم دن ہے آج سے ہم ایک نئے سوئٹ میں داخل ہونے والے ہیں اور تم جانے کے ہمارے لیے ہمیشہ شر ظاہر کرنے کے پہ کڑوی کسیلی باتیں کر کے ہمیں فضول میں غصہ دلا رہی ہو۔ ویسے تو بقول تمہارے ہم بھی بڑے ہیں کہ کسی کا احساس ہے نہ ہی دل رکھنا آتا ہے اور تم تو بڑی حساس اور درد دار ہو۔ محبت کرنے والی ہستی سمجھتی ہو۔ یہ کیسے ہے تمہاری اصلیت۔ ہماری خصوصاً تم نے ہمیں کبھی ہماری وجہ جان بوجھ کر ہی باتیں کر رہی ہو تاکہ ہمارا موڈ خراب ہو اور ہم تمہاری وجہ سے چڑ کر وہاں سے نکلیں مگر صاحبزادی الماس خاتون یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ ہم نے فضول لوگوں کی فضول باتوں پہ کان دھرنا چھوڑ دیا ہے۔"

آخری فقرہ بڑے ہی تاثر انداز میں ادا کرنے کے بعد وہ چھلی بھر عید پہ چلا جانے والا تسلی اور گرے اطمینان کا سب خوشی لگا تو کہنے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کے تھرے کا موتیا پہ کیا اثر ہوا۔ یہ دیکھنے کی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا تلملاہٹ کے بارے کیا حال ہو گا۔ اس لیے تو اس نے جان بوجھ کر اسے لفظوں کی مار مارنی تھی۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ چند لمحے اسے خونخوار نظروں سے گھورنے کے بعد وہ پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی تھی۔

گل نے آسمانی اور کے سوٹ کو بیڈ پہ پھینک دیا۔

"یہ تو زیادتی کی انتہا کر دی۔"

اب اس نے میں بیڈ پہ ذرا کڑھائی والا مرینہ کا کرم سوٹ اٹھایا۔

"اماں۔۔۔ یہ تمہیں ابا حضور نے کلر کیلئے کو سوچ کر استعمال کیا ہے۔ ویسے ہماری امی جان کشمیر "مغل۔ اب بال لگا کر کی ہے" ماتا جی کا کلر کیا کا کرو۔ کرما اسکیم ایک ہم جانتا ہے۔" نخوت سے ناک

بنانے کے بعد یہ سوٹ بھی سوتیا ہی نے اپنا خاص انداز کر کے ہلکے گلابی رنگ کا لینن کا سوٹ منتخب کیا تھا جس پر قدرے گہرے گلابی رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی سوتیا کے ہنرمند ہاتھوں کا کمال تھا ساتھ میں اتنی دوشیزہ میں رنگا ہی اینڈ ٹائی لپٹے۔ یہ بھی نفاست شعار اور ہر فن مولا سوتیا نے کمرے ہی رنگا تھا۔ یہ سوٹ اس نے گل کو اس کی بر تھ ڈے پر تحفے کیا تھا اور تب گل کو یہ رنگ پسند آیا تھا تو اسی کو پہنا۔

"ہمیں یہ چینڈ کلرز آج کل کون پہنتا ہے سوتیا۔ آج کل تو اتنے کلرز ان میں اور یہ اتنے ڈھیلے ڈھالے گلاب کے پھول۔ اسے پہن کر تو ہم انگلو ہو جائیں گے۔" گل نے خوامخواہ ہی اپنی آنکھیں چھوٹی کر کے اور ہونٹ بھینچ کر اور ویرائٹی پہن کر دیکھنے کے بعد کہا تھا۔ "اتنی محنت ضائع تو نہ جائے۔" اتنے تکلف نکالتے ہوئے اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر سوتیا کے رجھاں رجھاں چہرے کو نہ دیکھا تھا اپنی نگار انگلیوں سے مسل رہی تھی۔ کئی دفعہ یہ سوٹ ایسے ہی اس کی الماری میں لٹکنے کے سے انداز میں پڑا اپنی ناقدری کا رونا رو رہا تھا۔ اس کے اندر کی ٹیسوں میں لفظ دل کا جانب اس نے چند روز پہلے سلایا جانے والا یہی آسمانی اور کرے سوٹ بنا تھا۔ مگر اسے یک کرنے کے لیے آنے والی خوشی کے خیال میں یہ سوٹ اور اس کا ٹیل گلر آج کے فنکشن کے لیے مناسب نہ تھا اور پھر اس کے لاکھ بہانے بنانے پر بھی جتنی اس کی الماری پوری کھولے اس کے لیے کسی اور لباس کا انتخاب کرنے لگی۔ گل نہیں چاہتی تھی سوتیا پر اس کی شکوک اور "وارڈ روب" کا بھید کھلے مگر سوتیا نے بھی اس کی ایک نہ سنی اور جانے کہاں سے ہاتھ مار کے یہی گلابی سوٹ گول مول کیا ہوا نکالا۔

"واؤ ناٹ آنکھ گل تم اس میں بیچ بیچ گل لگو گی۔"

☆ ☆ ☆

"یہ تیز جام کہاں سے چھوٹی ہے؟"

گل اور اپنے مشترکہ کمرے سے چل بھن کر نکلتی سوتیا سامنے سے آنے والے عمیص سے بری طرح جا ٹکرائی۔ اسے اپنی ناک مسل رہی تھی اور عمیص مسکرا کر اس کی تیز رفتاری کا سبب دریافت کر رہا تھا۔ بس تیوریاں ماتھے پر سجائے اسے گھور کے رہ گئی۔ جب بھی گل سے اس کی محبت ہوتی عمیص بے چارہ اسے خوامخواہ ہی رائٹنگ لگتا۔

تیرے ماتھے کی شکن پہلے بھی دیکھی تھی مگر
کس ادا سے میرے دل میں پڑی ہو جیسے

عمیص گلی کھڑکی سے گل کو کمرے میں ادھر سے ادھر بے مسرور اور معصوم انداز میں ٹہلتے دیکھ چکا تھا۔ یہ بات جاننے میں اسے دیر نہ لگی کہ ضرور سوتیا اسی پتھر سے سر پھوڑ کے آئی ہوگی۔ بھی مزاج برہم ہے۔ اسی لیے صرف اس کے غصہ کا درجہ نیچے لانے کے لیے باتیں بگھارنے کھڑا ہو گیا۔ جانتا تھا سوتیا جب تک گل پر تھا غصہ اس کو کڑوی کسیلی سنا کر اپنی بھڑاس نکال لیتی ایسے ہی جلی کٹی کرتی رہے گی۔ وہ ایسے مواقع پر اپنا منہ بند ہی اس کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔

"اسی ہم نے دیکھا تھا یہ شیشہ طبیعت نازک حسن آپ کی ناپسندیدگی پر بار بار کیوں بگڑ رہے ہیں اور وہ بھی جاذبے کی راہوں کے آگے نہ تو ہے چل حضور کا۔" وہ گنگنانے لگا۔

"جس نے نکالا چھڑا یا۔" سوتیا نے فوراً ہیت کے اگلے بول میں معمولی سی ترمیم کر کے بدلہ چکایا۔ عمیص خوشدلی سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"پھر تو منہ میرا لٹکنا چاہیے آنکھیں میری بھر آنی چاہئیں۔ تم کیوں غم و غصہ کا اشتہار بنی پھرتی ہو۔ جسے کیا دکھ ہے چھپ؟"

دوسروں کے لیے جو زندہ ہیں
ان کے دکھ بے حساب ہوتے ہیں

سوتیا نے آہ بھر کے ستون سے ٹیک لگائی۔ واقعی اسے کوئی ایک بلکہ تو نہ تھا۔ عمیص کے بیٹوں کی گل کے اتھوں بے قدری بھی اسی کا دکھ تھا۔ اس کمرا اور گھر کے اصولوں کی پامالی کا صدمہ بھی اسے دکھی کر رہا تھا اور ابا حضور کی دہشت اور سرایت پھیلانے والے انداز سے ہر دم نالاں رہنے کے باوجود اس سے ان کی گہری چپ اور بار بار الزام ہی سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ اس کی سب کے لیے بے تحاشا محبتیں ہی تھیں جو اسے فکرمند اور ملول رکھتی۔

جن سے ہوتی ہے دل کی دنیا
وہ کوئی اجنبی ہوتے ہیں

عمیص نے اگلی شعر پڑھ کے گویا اس کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ مسکرا دی۔ (ابھی خود کو جاگا کر رکھ دینے کے بعد ہی کسی کے دل کی بنیادوں کی جانکاری ہے)

"ابا جان تو آج صبح کہہ رہے تھے چھوٹا بیٹا ہے؟"

"ابا جان تو صبح جس کی بھی کہہ رہے ہیں میں نے تمہاری نازک مزاج گل سے کوئی نہ کوئی کہا ہوا ہے۔" سوتیا نے وہ بے جا اس سے تنگ کرنے کو کہا ورنہ جانتی تھی کہ عمیص خفا مستقل مزاج محبت کے بارے میں ہے اتنی ہی جتنا اپنی ہستی کے لیے بھی ہے۔ وہ سوتیا کو کبھی بھی اداس نہیں دیکھ سکتا تھا اس کے باوجود سوتیا کو اس کی گل کے لیے فوراً بھی کبھی پسند نہیں آتی۔ یہ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس بات کے حسد میں مبتلا ہو جاتی تھی بلکہ اسے لگتا تھا کہ گل اس کی محبت سے عمیص کے لیے مناسب نہیں۔

"سنا تمہاری گل مہر کا دل کوئی ہم جیسے عام لڑکیوں کے دلوں کی طرح گوشت پوست کا نہیں بنایا ہوا ہے۔ جو دکھ پائے گا۔ وہ تو ہرا پتھر کا دل ہے۔" عمیص نے ہنسی میں اڑایا۔

"ہاں جیسے میں بنایا گیا ہوں۔ ہم لڑکیوں میں محفوظ دل بنے۔ میں نے کہا۔" وہ بھی ہنس پڑی۔

"اس کے بعد اور تم سوتیا کو تسلی کرنے کے بارے میں آگے کہ کسی طرح جو ہم ہو جائے۔"

"آمین مولیٰ نہ خدا۔"

"اور میں چونکہ مولیٰ ہوں اس لیے جلدی گل کے آگے امت بار کے قرار ہو گئی ہوں۔" اس نے اپنی اور اس کی ساری الجھنیں عمیص کے آگے رکھ دیں۔ عمیص کو گل کے سوتیا کے بارے میں ایسے رویے کس بات کی وجہ سے لگتے تھے۔

"نہیں کیا ضرورت تھی بہنوں کے بیٹے میں ہاتھ ڈالنے کی۔ جب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے تو کیوں بے کار میں ... کر رہی ہو۔ اب تو ہو گئی ہے۔ تمہارے کہنے سے۔"

"کہنے سے تو اگر اس کی سائیکو تھیراپی ہو گئی ہے۔" اس نے عمیص کی پوری بات نہ سنی۔

"اس نے کہا ہے کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ یہ تمہیں ٹھیک نظر آ رہا ہے۔ پہلے بھی اس حویلی میں ... بجاتے تھے۔ ... کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔ مراب پہلے والوں سے تو ہم سوگ اور ... ابا ... صرف اس ایک لڑکی کی وجہ سے ہے اس کی ضد کے باعث ابا حضور مجبور ہو گئے ہیں کہ ایک بیٹی ... ہے کہ اپنے باپ کے باپ ایسے جتنی بڑا کرتی پھرے۔ اس کی بے لگامی اور بے حسی کا ماتم تو ہو ... کوئی تمہیں نہ ہے۔ ... ہے۔ ملامتوں کا ... ابا حضور کی مشکور ... نظر نہیں آتی ... اس کی محبت کے باعث صرف اور صرف اس کی ایک ہے بے ... کو ورا کرنے کے لیے انہوں نے ... اپنے برسوں پرانے کڑے اصول کو خود اپنے ہاتھوں توڑا۔ ہم ... کا احسان ہوتا ... اس کی بلی ... کرنا چاہیے۔ معذرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ وہ تو فخر سے ایسے اترائی پھر رہی ہے جیسے ... اپنا ... ہو۔"

"... تو ... کا ... کیا اس سے پہلے کوئی تصور کر سکتا تھا کہ نواب کرانے کی ایک لڑکی غیر کسی ... بنا ... سوائے میں کامیاب ہو گئی ہو۔"

"ہاں بہت پیاکار ماسٹر ہے۔" اس نے فکر سے چبا چبا کر کہا۔

"کار بائے قواب ہوا کریں گے مہ شہزادہ عبیس۔" ابا حضور نے پوچھا۔ "کیس کیس کمزور لمحے کی نوازش اگر اجازت تو دے دی ہے تو گرنے والے لوگوں کی تعزیں ہمیں بھی محسوس ہو رہی ہیں۔ ہر روز اس کے گھر سے نکلنے والے ہر بار ایک عذاب میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ تعزیں دو وقت تم لوگوں کا بالکل میرا حضور نگاہ کریں گے ظاہر ہے وہ حضرت تو کل فلاں کے نکل چکا ہوں گے۔ تھی کہ اب ہے کہ کی روز کے معطل ہو گئی اور ابا حضور نے شہزادی کی بشارت کر آجا ہت دی ہے کہ وہ ابھی ایک سیل پر راہ ہونے کے بعد دوزانو ہو جائیں گے مگر کل مہ ابھی سے قابو نہیں آ رہی ان کے بعد میں کیا انتظار ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ کیا دراس کے وعدے کیا۔ ایک سال بعد جو طوفان آنے والا ہے میں تو اسی سے اس کا تصور کر کر کے خوفزدہ ہو رہی ہوں۔"

"اور مجھے بھی کر رہی ہو۔ عبیس۔" آ گیا۔

"کس قدر دانوں چیز ہو گئی ہو تم۔ ان سرداروں میں تم ایسی کسی مصیبت میں نظر نہیں آ رہیں جیسے کہ مہ سرداروں میں تم نے پال رکھی ہوتی ہیں۔ مثلاً سفلوے یا گجر بیٹے کے لیے کا چیز کو دانش کرنا۔ ہوا ہم کے حلوے کے لیے تو ہم ہیں۔ اور"

"میرے لیے تمہاری بڑی گہری لو خواہشات ہیں کہ میں بروقت سالے بھوتی اور سزائیں کاٹتی رہوں اور وہ کل اس کے لیے تو نرمی کا پہلا کرتے ہے بہت خوب۔" بھابیوں سی ہو کر اٹھنے لگی۔

"ارے یار اندھی کر رہا ہوں میں کہاں چل دیں؟"

"بس۔ میرے شہزادے۔ اتنی دیر کب سے تھے ایک رہی ہوں۔ اتنی کمزور ہو گئی ہو اور تو رات کے دودھ بنے تک ہو رہا ہے اب میرا تو کچھ کھانا چاہتا ہے۔ کہیں میرے جن پر کو کھڑے نہ لگ جائے۔ کسی ہوائی چیز کی گندی نظر نہ لگ جائے۔"

شہزادہ کے اندر آتے ہی صوفے پر پھیل کر بیٹھی اچھلنے فوراً دیوڑیاں کھانی باندان اپنا شروع ہو گئی۔ شہزادہ کی مانند چھیل کر کاہیں بیٹھ گیا۔ اس نے اب کے تشویش بھرے بیان کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ کوئی وضاحت۔ نہ صلی۔ ویسے بھی وہ اس وقت کسی کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ اس لیے تو اس کے اندر اچھوڑ کر نکل آنے کے بعد بھی نہ دیر تک سوکھوں پہ سے مقصد کا ذرا نہ رہا تھا کہ جب گھر لوٹے تو سب سوئے ہوں۔ اور سب تھے کون ایک ابا اور ایک اماں ابا کے بارے میں تو اسے پتا تھا کہ رات کا کھانا کھانے کے بعد ان سے بمشکل آدھ ایک گھنٹہ ہی جاگا جاتا ہے۔ اماں کے بارے میں تھا کہ وہ ضرور اس کی چوکیداری کرنے پہ کمر بستہ رہتی تھیں۔ اب بھی اسے ان کا سامنا کرنا۔ مزید ان کے سوالوں کا جواب دینا ایک عذاب لگ رہا تھا۔

"ارے اماں کیا کہتے کیا ہے؟" باوے کو پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جس سے وہ کچھ نہ سمجھ سکیں کہ اس کا مطلب کیا تھا۔

"اماں میں کھانا نہیں کھایا۔ بھوک کا موسم کیا ہے۔"

"نہیں کھایا۔ بہت مشکل ہے اس نے پھر کی طرح بولنا شروع کیا۔"

"یاروں دوستوں کے ساتھ ہوتی آج تیری منزل۔" اس کے تھیس بیٹھ کر قہقہے لگانے کی۔

"اکثر ہوتی ہی شرمل میں گئے تھے یا کہ یہ بندہ دوست تھا بڑے دن ہو گئے شہزادے آتے نہ کسی دوست کی دعوتی نہیں کی گھر پر جھوٹا ہے کوئی آئے کھانے۔ ہر تو ان سے دن تو برکت رہتی ہے۔ تو سارا دن تو گھر پہ آتا نہیں ہے رات کو بھی آشوبیل کے آتا ہے اور تمہارا کیا جن ہے نہیں جس کے لیے تو بیوہ ہے اک میں بڑھی اک تیرا ہے دونوں بیماریوں کے سارے۔ اس کی شکر زیادہ رہتی ہے میرا بلڈ پریشر میرا شوگر میرا خانہ اداس ہو

کے رہ گیا ہے۔ میرے ہاتھوں سے تو تیرے (زا تقدیر) بھی روٹھ گیا ہے۔ چھکے لے کھانے پکا پکا کر۔ میں کہتی ہوں شہزادے تو نئی دوا تو اپنے یاروں کو بھی پیا۔ چل کھا نہیں تکلی مگر اب میں پسند جیسے والا کھانے پکا کر چلا۔ تو پھر اکھوں کی اور تیرے یاروں کو بھی پتہ ہے کہ شہزادہ ملک کی ماں آخر چیز کیا ہے۔ "ماں دان کسی دسراہت کو تیری باتوں ان۔" باپ بولے جا رہی تھی اس کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ اسے سن رہا ہے یا نہیں۔ جواب دے رہا ہے یا نہیں۔ اور اس کے آخری جملے پہ تو بے زاری سے۔ سر صوفے کی پشت سے ٹیکے آنکھیں موندے شہزادہ کو بھی چونک سے کھلنا پڑا۔ اس کا ذہن اس وقت نہیں اور پرواز کر رہا تھا۔ ماں کی آواز اسے نہیں دور سے ایک ان چاہے شور کی طرح سنائی دے رہی تھی مگر وہ کیا بات کر رہی ہے یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ کسی اجنبی میں گم اس کے جا رہا تھا۔ اس کی ایک آخری خفو طور سے ساتھ تو وہ دونگ کیا تھا۔

"تیرے دوستوں کو بھی تو پہ چلے کہ شہزادہ ملک کی ماں آخر چیز کیا ہے۔"

اس۔ خدا رحیان سے جا بچنے کے لیے تھوڑا ہی بس میں دو ہزار اور بے ساتھ کہہ اٹھا۔

"خدا کرے۔"

اس کی مرکوزی پہ ہونے تعلق دھیان نہ رہا۔ ایک تو ویسے ہی اب وہ قدرے اونچا سننے لگی تھی اور سامنے والے کی سننے سے زیادہ اپنی سنے جا رہی تھی۔

"ہو جو بھی دیکھے لڑکے کی تو ازیں آئیں گرانی میں تلے کی شان شان آسمانے ہے۔ کان ترس گئے ایسی آوازوں کو اب تو شیخی بن جاتی ہے۔ مزیدی اپنی بولی بھی ملی ہے۔ بڑی کرتا ہے۔ یاد چند رہی (دوسرے) کا رہا ہے آئیں میں پڑا (ایک) کا مرد ہوں کماری پیچھے کا رہو نہیں رہا تو سنوان تجھے کی تیاں نہیں مہین والی جیسی (چھلی) کر والے چاول دھیر سارا بنا اسمال کر اور پیچھے کا کہیں بھی واہ حلو جس میں رت کے بیتے والا ہو۔"

باوے کو شوار اور موزوں سے آزاد کرنے کے بعد شہزادہ نے انگیاں زرا ہی باہیں چلائیں تو رگوٹ اتار کر سوفے پہ پھینکا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

"جا رہے کر رہیں۔"

باوے کو پوچھنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتے ہلاتے رہ گیا۔ چائے کافی کے ایک گرما گرم مگ کی اسے شدت سے طلب ہو رہی تھی۔ لیکن آخر اماں چائے کے بہانے اس وقت اس کے کمرے میں آ جاتی تو ضرور سے پہلے اس کا کلنا محال تھا اور اس وقت چائے سے زیادہ جس چیز کا حاجت سر تھا وہ تنہائی اور یکسوئی تھی۔ اس لیے انکار کر کے تو اندر چلا گیا اور اس سے پہلے کہ دوسری جانب سے کوئی اور سوال آتا اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

وہ کپڑے تبدیل کیے اور اٹیچ ٹن کے بغیر بیڈ پہ آ لیٹا۔ صرف سائیڈ ٹیبل پہ پڑا لیمپ جلا رہنے دیا۔ کمرے کے آن کر لیا۔ مدھم روشنی اور سکون آور کی تھی کہ اس کے اعصاب کو سکھانے میں ناکام تھی۔ باہر سے آتی باتوں کی چہل پہل کھلنے کی آواز ہلکی سی۔ قلقل لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازے کی اور اندر سے کھلنے اور بند ہونے کے دھماکے اسے پریشان کر رہے تھے۔ باوے کو سونے سے پہلے دوبارہ دوائیوں کے ایک چیک کرنے کی عادت تھی۔ آخر کار اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہوا اور کافی دیر تک پھیلے رہنے والے سناٹے نے شہزادہ کے قلب کو احساس دلایا کہ اب اماں بھی سونے چلی گئی ہے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور آنکھیں موند لیں۔

"اماں مجھے معاف کرنا۔ ایسا نہیں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ ایسا بھی نہیں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت یا احترام نہیں۔ ہاں میں تم سے دور بھاگتا ہوں۔ ابا کے حوالے کو اپنے لیے کافی شرمندگی سمجھتا ہوں۔ تمہارے اس کی ایک وجہ ہے۔ یہ وجہ صرف میں جانتا ہوں۔ میں نے چلا جانا تھا۔ تب دونوں بھی اس کو جانتی تھیں مگر تب تک جان سکنے نہ احساس کر سکنے کو صرف میرا دکھ ہے۔ اب یہ دل تو اسے مرے ہے۔ دل دکھ تک ہونے سے انکاری رہے۔ میرا درد کیا جانتے۔ یہ درد صرف میرا درد ہے اپنے میں نے تنہا سہا ہے۔ دکھ میرے ساتھ پل رہا ہوا ہے۔ جب ہر تکلیف میں نے اپنے سہی ہے تو مجھے اپنے رہنے کی عادت تو ڈالنی تھی۔

اسے اپنے بچپن کے بچپنائی واقعات تو یاد تھے۔ یعنی کہ شروع کے دو چار سالوں کی باتیں مگر اماں کی زبانی سنا تھا کہ تب ابا کے مالی حالات ٹھیک نہ تھے۔ وہ پنجاب لاہور شہر آیا تھا اور ابھی اس کے قدم ٹھیک طرح سے جمے نہ تھے کہ اس نے بلقیس بیگم سے شادی کر لی۔ بلقیس بیگم جو شادی سے پہلے فلموں میں کورس میں شامل ہونے کا کام کرتی تھی اور دھیمے سر میں سہانی زلفیں اور دو بالیاں پہنے کی کتنا تھی۔ شہزاد کا ابا کرم الٰہی اس سے اسٹوڈیو میں ہی ملا تھا۔ وہ بھی ان دنوں فلموں اور ڈراموں میں کام حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس کا باپ یعنی شہزاد کا دادا اپنے زمانے کا مشہور کامیڈین تھا۔ اس کی پاکستان میں ایسی ڈراموں کے مالی کامیڈین میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ ابتدا میں وہ فلموں میں ٹوٹوں کو ہنسانے کا کام کرتا تھا اور یہ کام اس کا جدی پشتی تھا۔ خاندانی بھانڈ تھا۔ صرف عام میں میراثی تھا۔ پاکستان کے بعد اس علاقے میں ہی ایک مشہور فلمساز نے اس کی ہیت کو فلم اور فلموں کی حسن مزاح سے متاثر ہو کر اسے اپنی فلم میں چانس دیا۔ فلم کی شوٹنگ اسی گاؤں میں ہو رہی تھی اور فلمساز کو اس دور کے ایک کامیڈین رضوی منتخب نہیں تھے اس لیے اس نے اس کو کام سونپ دیا۔ استفادہ کیا۔ اس کی قسمت کہ نہ صرف فلم ہٹ ہو گئی بلکہ اس کا مختصر سا کام بھی پسند کیا گیا۔ تب پنجابی فلمیں بھی چلتی بھی خوب تھیں۔

کرم الٰہی کے باپ کو مزید فلمیں ملیں تو وہ خاندان سمیت لاہور منتقل ہو گیا۔ اس کے خاندان کے بہت سے لوگ ابھی بھی اپنے موروثی پیشے سے وابستہ تھے۔ وہی شادی بیاہ اور میلوں پر بھانڈ بازی کے لیے بچے لوگوں کو ہنسانے کا کام۔ اس کا اصل نام تو ثانی اور تھا مگر فلموں میں وہ دادا شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اسے پنجابی فلموں کی کامیڈی کا بے تاج بادشاہ تصور کیا جاتا تھا۔ پھر ایک ایسا دور آیا کہ پنجابی فلموں کا دور ختم ہونے لگا اور اردو فلموں کی مانگ بڑھ گئی۔ اردو فلموں کے فارمیٹ سے بادشاہ مغلیہ ان فٹ تھا۔ اس نے بدل نے اس کی فلمیں کو ایک بار پھر سے بحران میں مبتلا کر دیا۔ بیوی بچوں کے مرنے میں جتنا بادشاہ نے ناکامی کا عذاب سہا تھا لوگوں تک پہنچتا اور دنیا چھوڑ گیا۔ کرم الٰہی سے بھی وہ بیشتر اس کا واحد ہمدم تھا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ جانتا ہی نہ تھا۔ ویسے بھی کچھ حد تک ہیں خاندان ہوں اور اس میں لوگوں کو ہنسانے کی صلاحیت نہ رہتی تھی۔ اور بے چارہ گھٹ گھٹ کر اپنے باپ کی وجہ سے وہ بہت سے فلمی حلقوں میں جانا جاتا تھا۔ اسے بھی اکثر فلموں میں بھرتی کا رول مل ہی جایا کرتا۔ یہیں اس کی ملاقات بلقیس بیگم سے ہوئی۔ وہ بھی بیگم کے دم سے چلی جاتی تھی۔ اس نے شادی کا فیصلہ کرم الٰہی کے حق میں نیک شگون ثابت ہوا۔ اسے چند اہم فلموں میں کام ملنا شروع ہو گیا۔ اردو مارکیٹ روبینک فلموں کا چلن عام ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مولا جٹ، شیر خان جیسی فلموں نے عوام و خواص کی راہ پھر کھول دی تھی۔ ان مارکٹائی اور تشدد سے بھرپور فلموں میں خواتین کا کام کرنے کے لیے وہی مناظر کام آتے ایک تو کسی مشہور صحت مند ہیروئن کے بجائے تھرکتی اور دو سراپا سی مصنوعی خوبصورت والے کیمیکل کے بھگو اور لپٹے ہوئے ملاقاتی۔ انہی دنوں کیمیکل کے بھی بھاگ جاگ گئے۔ سیچوریشن پیدا کرنے والے بھی ہو گئے تھے۔ محنت بازوں کا رواج قائم ہو چکا تھا۔ کرم الٰہی کی بھی چاندی ہونی شروع ہو گئی۔ وہ تباہ کے نام سے شہرت اور دولت سمیٹنے لگا۔ اس کے اور بلوسے کے گھر میں ایک ہی پھول کھل سکا۔ شہزاد۔ جسے اس نے اپنے باپ کی مناسبت سے شہزاد کا خطاب دیا۔ بالکا کا کام کرنے لگا۔ دنوں ابھی تک قائم رائم تھا مگر فلموں کی دنیا سے کورس سے نکال کر آگے لانے کا رسک نہیں لیتا تھا۔ بلبلہ کے نام کی شہرت بھی اس کے کسی کام نہیں آئی تھی۔ شہزاد کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد تک ابھی وہ یہ کام کرتی رہی پھر بیوس ہو کر بیٹا تنہا خرچ ٹالی کی وجہ سے اس نے یہ کام مکمل ترک کر دیا۔

کرم الٰہی عرف بلبلہ کا خاندان شہر اب اچھے لوگوں میں تھا۔ چار خانے والے تہمند اور کڑھے ہوئے ململ کے کرتوں کی بجائے اب پتلون کی شلوار قمیص اور ڈریس کے کرتے پہنتا تھا۔ بچوں میں ملائی "کیجری" کی بجائے سلیم شاہی اور بابا۔ کھڑے ہوتے ہوتے۔ نہیں ہو آنے کی بیری کی بجائے فوڈ لیف اور کے ٹو کھا سکتے تھے۔ گلے میں چھوٹی کے بجائے اللہ والا طلائی لاکٹ انگلیوں میں سستی پتھروں کے بجائے اصلی نگینے۔ اس کی فوری

الف تھی۔ کرائے کا گھر تھا مگر زمین سمن میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ سونے کا بیل بیڑ بڑے آنکھیں والی۔ نگار میز لی بیوی۔ بالوں کے رنگ و ہیئت بھی بدل گئے۔ بات بات پہ گالی دینے کی عادت بدل مشکل سے ترک کی۔ اب بڑی بڑی فلمی تقریبات میں شوہر کے ساتھ بیگم فلمی کی عزت کرتا ہوا ملتی تھی۔

کرم الٰہی کے دل میں نے ارمان جاگنے لگے۔ پہلا بیٹا ابھی بھی تھی اس نے نکلوت بیٹے کو شہر کے سب سے اعلیٰ انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرایا جس کا نام وہ اشرافیوں سے سن رکھا تھا۔ بس یہیں سے اصل خرابی کا آغاز ہوا۔ اس نے اپنے اصل کو بدل نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنے بیٹے کو ایک الگ ماحول میں پیچھے کا تجربہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر اس نے ایسا ہی کیا اور یہ شہزاد کے حق میں بہت برا ہوا۔ اتنا برا کہ اس کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہا تھا۔

اس نے اسکول میں شہر کے بھی۔ وہ سارا دن شہزاد کے لیے پریشان تھے۔ اسے وقت کے دوسرا ہی فلمی ہیرو کے بچے بھی یہیں زیر تعلیم تھے جن کا تعلق اونچے کاروباری گھرانوں سے تھا اور وہ اتفاقیہ یا خوفیہ طور پر فلموں میں آتے تھے۔ ان کی وجہ سے شہزاد کو جلد ہی پورے اسکول میں "بلبلہ کا بچا" کے طور پہ متعارف کرایا گیا۔ اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا کہ "بلبلہ" کا بچا ہونا کوئی ایسی بات ہے۔ اس کے باپ کا نام اتنا مشکل تھا کہ نہ تو وہ اس کے منہ پر بولتے تھے نہ ہی وہ تو اتنا ہی سمجھتا تھا کہ مشہور اداکار کی طرح اس کا باپ بھی ایک اداکار ہے اتنا ہی مشہور ہے جتنا کہ وہ۔ مگر اب وہ ایسا اور کلاس میں کافی جانے لگا تھا۔ اسے بلبلہ اور میراثی ہونے کا مطلب سمجھ میں آنے لگا تھا اور جیسے ہی اس فرق سے روشناس ہوا شرم سے منہ چھپانے لگا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے۔ تمام تر احساس کمتری کا شکار ہو گیا۔ کسی کا باپ اعلیٰ سرکاری افسر تھا کسی کا کیمیکل کی کاروبار کا ڈیلر۔ جبکہ اس کا باپ "بلبلہ" تھا۔ فلم میں گھومتے اور سوتے بھی کھلکھلانے والا۔

بیوی کے ہاتھوں کھیر کھانے کے تابع والا

دلہن کے ہاتھوں پیٹ پر لاتیں کھانے والا

بیوی کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کروانے کے لیے فیورٹ کی طرح چھیڑنے والا۔

اپنے زرق برق کپڑوں اور پھٹکیوں کو بھولی جلت بازی کی وجہ سے سنجیدہ فلم بینوں کی نظر میں معیوب کہلائے جانے والا ایک تھرڈ کلاس مسخرہ۔

اس کی کوئی بھی چیز سوا ہی آنے کے بعد اسکول میں لڑکے اس کے سامنے مزے لے لے کر تبصرے کرتے۔

"یار تو نے نئی فلم دیکھی اس میں بلبلہ کو منہ کالا کر کے گلے میں جوتیوں کے ہار پہنا کے گدھے کی پیٹھ پر الٹا بٹھایا گیا تھا۔"

"ہاں اور ہیرو کا وہ ان لاگ کتنے مزے دار تھا۔ جس میں کرم سب لوٹ پوٹ ہو گئے جب اس نے کہا سنیئے تو سہی۔ کالا کد جا ساری کر دیا ہے۔"

اور شہزاد زیادہ سے زیادہ تو ایسے جملے سن کر آنے کے بعد باپ سے الجھنے لگا۔

"ابا کیا ضرورت تھی فلم میں اتنی بے عزتی کی۔"

"پتر فلم فلم ہوتی ہے کوئی بھی بار نہیں چڑی ہے کسی کی ہمت ہو کر ہی کہا ہو گا کہ کیا ہو گا۔"

"مگر سب کو تو یہی نظر آتا ہے نا کہ آپ کردار ہی ہے سب اتنا فرق اڑاتے ہیں۔ تمہارے ابا کو تو ہر فلم میں بار کھانے کو گدھا اور مندر کی مکھی اتارنے کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔"

"اور تو جو چاپ میں لیتا ہے۔ پوچھا کر کہ تم لوگوں کے باپ کو یہ سب بھی آتا ہے؟ ان نہ ہے فن ہمارے کے ہی کردار ہیں۔"

"ان لوگوں کو اور بہت کچھ آتا ہے۔ قاسم کا اوپری ڈاکٹر ہے اور شیر کا کلٹ۔ جہاز اڑاتا ہے۔ آپ کو جہاز اڑانا آتا ہے؟ کبھی کار چلائی آتی ہے؟ انگریزی بولنی آتی ہے؟ مجھے حساب کے سوال سمجھانے آتے ہیں؟"

"اوہو! تمہاری سیدھی باتیں سیکھ کے آجاتا ہے تو اسکول سے 'جھلیا' ہر کسی کے کام، گھر کے (الگ) ہوتے ہیں۔ یہ جو تیرے یار کا بیوڑا اکثر نے اسے دھوبے والے کی طرح جو نہ ڈرا نہیں آرا ہوگا۔ ہمارا ڈرا ہونے کو ٹھیکا نہیں آتا ہوگا۔ مجھے ان میں سے ایک بھی کام نہیں آتا کسی طرح ان لوگوں کے بس سے باہر ہے کام۔ ہوں کر لیا ہوں۔"

"ہاں تو یہی کہہ رہا ہوں میں کہ کیوں کرتے ہیں آپ یہ کام اور بھی تو اتنے کام ہیں۔ کسی دفتر میں کام کر لیتے۔ کوئی دکان کھول لیتے۔ کچھ بھی کر لیتے۔"

"او تیرے دفتر کے کاروبار بھی بنک کو بیٹھنے والا کوئی کام نہیں کرکے کیا تو میں کیسے دکان کھول کے بیٹھ جاؤں۔ ہماری ہنڈی بنتی نہیں میری کوئی ٹوکتی ہیں ہم۔" اس نے فخر جھاڑی چھلانگی۔

"تو ہمارا کون ہماری ہوتی ہے اس گھر سے کماتے ہیں 'امی' کا کھاتے ہیں اور اللہ کی دکھی مخلوق کو ہنسا تو دے ثواب کا کام ہے۔ فنکار کی جو عزت ہے وہ ڈاکٹر افسر کی کہاں۔"

لیکن شہزادوں سلاطین میں آنے والا نہیں تھا۔ فنکاری اور خصوصاً طبلہ جیسے فنکار کی معاشرے میں کیا عزت تھی اسے معلوم ہو چکا تھا اور یہ عزم اتنا تکلیف دہ تھا کہ اس کا سارا بچپن اپنے ہونے پر شرمندہ رہا۔

اسکول میں ہونے والے کسی فیشن ڈیزائن ڈرامے میں حصہ لینے کی خواہش کی تو ساتھی طلبا و طالبات طرف بھی بھی بدلا بدلا مذاق کرنے سے نہ چوکے۔

"ہاں بھئی طبلچہ کا بیٹا یہ کام نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا۔ خون فنکاری اٹھتا ہے۔"

اور وہ ایسا بچپنے تھا کہ ساری اسٹوڈنٹ لائف میں ایسی ایکٹیویٹیز میں حصہ لیتا تو ایک طرف اس نے ایسے فنکشنز میں شرکت ہی نہ کی۔

"نہیں بھئی میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا۔ ابا جان نہیں کہ ان لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں جو انہیں اس بات کا احساس تک نہیں کہ فوٹو میں اور ہمارے خاندان کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں شاید ان کے دست سماعتی سب اسی کے جیسے ہیں۔ اگر وہ بھی ہماری طرح جیسے اسکول میں پڑھے ہوتے اتنے لوگوں کو سامنا کیا ہوتا تو حقیقت جان جاتے۔ جیسے میں جان چکا ہوں کہ اس پیشے کی کتنی عزت ہے لوگوں کے لیے ہماری ذات ہی ایک مذاق ہے۔ ہمارا وجود ہی کراہت آمیز ہے۔ میں اپنا بچہ نہیں کروں گا۔ میں اپنی پہچان بدلوں گا۔ دولت ضرور آئے گا جب زمانہ مجھے طبلچہ کا بیٹا نہ پاشا کا بیٹا سمجھنا بھول جائے گا میرا اپنا حوالہ میرے لیے باعث عزت ہوگا۔"

بہت چھوٹی عمر میں اس نے اتنا بڑا عزم کر لیا تھا کہ وہ یہ ارادہ کر بیٹھا۔

پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے گھریلو ماحول سے دور ہوتا گیا۔ گھر میں ہوتے ہوئے بھی وہ گھر میں نہ ہوتا۔ اپنے قریبی عزیزوں اور رشتے داروں سے اس نے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ یہ بات کم ہی اور خود خاندانوں کو سمجھ آتی تھی۔ فخر تا ان دنوں بہت بااخلاق اور ہونے والے تھے۔ چار پیسے ہاتھ آجانے کے بعد انہوں نے غریب رشتے داروں سے بھی کنارا کر لیا۔ عزت نہ ملی تھی ان کے گھر اب کسی ایسے لوگوں کا آنا جانا تھا کہ مٹھے کے کسی اور گھر کا یہ دروازہ کھٹکھٹانے کے قابل نہ رہا۔ کوئی حقیر کے بوجھ کا دھبا۔

خصوصاً "ماموں رشتے کی بہنیں اور سب بھائی اب بھی سڑکوں پر کھڑے بھلا کر ٹرکوں کے گاتے ہوئے بھیک مانگنے کا کام کرتی تھیں۔ خود بھی کئی سوال اس کام سے وابستہ رہی۔ فلمیں دیکھنے کی شوقین تھی اور ہیروئین کی فین۔ ایک جگہ ایک ہیروئن کی فلم کی شوٹنگ دیکھنے کی اور اسے کڑوی ہیا کے گانا بھی سنایا۔ اس نے ڈانس کا شوق انجام دیا اور اس پوشت نے ایک کارنر سے نے اس کی کراری رباب دار آواز سے متاثر ہو کے اسے گانوں کے پیچھے کورس میں گانے والی لڑکیوں میں شامل کر لیا۔ وہ اپنا اصل نہ کھولتی تھی اب بھی جب چار پیسے ہاتھ آئے جا چکا تھی وہ جا کر ٹی وی جا کے تماشے دیکھتے ہوئے پرانی باتوں کی جاتیں۔

شہزادہ کا تعلق اوچا ہوا تو پہلے اس نے ماں کے ہاتھ سے ٹوٹی چھین کے باہر پھینکی۔ پھر اس کا نام "مریم بیگم"

اس گھر میں لیتا ممنوع قرار دیا اور تو اور اس گھر شریر بھائیوں کے خانہ بدوش عورتوں کے آنے پر پابندی لگا دی۔ پابندی تھی۔ یہ بات بھی اکثر اور جوانی میں قدم رکھتا ہوا اس لیے سب کو ان کی ان کی۔ مگر ان کی ان کی ہوا بھی کھا کر یا تو اپنے کے رعب میں نہ آتا۔ مگر اب تک؟ یہ جوانی رزق کب تک ساتھ دیتا ہے کہ اس نے ٹھوس کے دیے شہرت اور نام سیٹا شیخ زادوں سے خوب دولت کمائی مگر اب نئے نئے ابھرتے ناموں نے اس کی مانگ کم کر دی تھی۔ رفتہ رفتہ اسے کام ملنا بند ہو گیا۔ اب اس کے کام میں دم بھی نہ رہا تھا شہرت اور شراب نے باپ کی طرح اس کے پھیپھڑے بھی تباہ کر دیے تھے۔ انتہائی تو وہ بالکل بھی کام نہ کر سکتا تھا۔ مسلسل بولنا اور اونچی آواز نکالنا اب اس کے بس میں نہ تھا۔ کمائی ختم ہوئی تو دم خم بھی نکل گیا۔ دوسری طرف شہزادہ تعلیمی معیار ظے کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی خوب سرگرمی دکھا رہا۔ لوگوں سے ملنا جلنا اور کمانے کی کوشش میں اس نے کم عمری میں ہی کئی معلومات تراش لی تھیں۔ اسکول کے زمانے سے ہی ان کو شن بڑھانے اور دکانوں میں سیلز بوائے کا کام کرنے لگا۔ اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کی دھن سے ہی جب کم عمر ہی کا کام اٹھایا تو اب بھی اس کی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھنے کی دھن اور شوق ہی تھا۔ اپنے تعلیمی اخراجات خود ہی برداشت کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ ساتھ ساتھ اس نے اپنی پھوپھی کی جو ماہانہ تعلیمی خرچ بھی اٹھا رکھا تھا۔ حالانکہ اسے اپنے سگے رشتے داروں سے نفرت تھی۔ وہ اپنے ماں باپ سے تو نفرت نہیں کر سکتا تھا اس لیے مجبوراً ان کے حصے کی نفرت بھی اور گریز بھی دیا کر لیا تھا۔ پھوپھی سے اسے خاص انس تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنی کم گوئی نرم مزاجی اور سادگی کی وجہ سے خاندان کی دیگر عورتوں سے مختلف تھی۔

ہاں پھوپھی اپنا ہی تھا جیسا کہ اس کی برادری کے اکثر ہوتے وہ کرم الٰہی کا چچیرا بھائی بھی تھا۔ طبلہ نواز تھا ایک دوست ستار کا ساز دار تھا اور ساتھ میں رات کو یا ذکر حسن کی ایک نامی گرامی طوائف کے پیچھے بھی تھا یا گانا۔ ماں باپ پڑھنے کا ذوق رکھ کر شہزادہ کو خود خواہ اپنے بچپن کی محرومی یاد آجاتی۔ وہ صرف اپنی ہی بچپن نہیں بدلنا چاہتا تھا بلکہ اپنے خاندان ذات اور برادری کی تنگ دلی میں ایک انگ شناخت چاہتا تھا اس لیے اس نے صدق دل سے یہ تمنا کی کہ جانتی اس ماحول سے دور رہے اور اپنے گھر والوں کی بیٹیوں کی طرح پلے بڑھے۔ پھوپھی کے ہونے کا امید تھی کہ ایسا ہی ہوگا مگر کرم الٰہی کی وفات کے بعد اسے پھوپھا کی جانب سے کوئی خوشی نہ ملی۔ اس نے ہی کو مشورہ بھی دیا کہ وہ اب بھی پھوپھی ہی ہیں کے لیے رو رو کے اور اگر پھوپھا نے دوسری شادی کر لی تو اس معصوم کا کیا مستقبل ہوگا اس لیے اسے پھوپھا سے مانگ لو اور اپنی بیٹی بنا کر سنبھالو۔ "یہاں رکھ لو۔ ماں نے ایک بار کوشش بھی کی مراثہ دماغ سے صاف انکار کر دیا کہ وہ کلوٹی بیٹی کے لیے نہیں ہو سکتا۔

اس کی اس بہت کمزور جذبوں کو کیا جیسا ہی تھی۔ وہ موسیقی سیکھنے پر اکتا دیا۔ شہزادہ نے غصے کے مارے ہی آپ کھانے کو دیا۔ وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس کا رجحان پانے کے لیے اور بھی بہت سی معصومیات تھیں۔ وہ ایک نہیں چار چار جگہ ہاتھ پھنسائے بیٹھا تھا۔ اسے ایک اخبار میں بھی جاب مل گئی اور دوسرے اخبار کے ایک ایڈیٹر کے ساتھ ہی اس کے ایسے شوہر کے ساتھ لگے۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی بکار خانوں کی طرف رخ کرنا پڑا اور جب اسے اندازہ ہوا کہ اس شعبے سے صرف اس کے باپ جیسے لوگ ہی وابستہ نہیں بلکہ اکثر پڑھے لکھے باشعور افراد بھی تھے جو باعزت گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور دولت و شہرت کے ساتھ ساتھ عزت بھی سمیٹ رہے ہیں تو اسے اندازہ ہوا کہ اگر حوالہ قابل محترم ہو تو اس شعبہ میں بھی عزت سے سر اونچا رکھا جا سکتا ہے۔ یعنی کہ یہ کام برا نہیں۔ خود برا نہیں۔ اسی لیے دنیا سے حیثیت ایک رائٹر کے ایک ذرہ تھے کی آزادی ذرا سا اچھلنے لگے اور اور ہو گیا۔

اس فیلڈ میں اپنی جگہ بنانے کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی دھیان رکھا کہ کہ اپنی حقیقت آشکار نہ ہو کہ وہ ماں کے کنسرٹ میں طبلہ کا بیٹا ہے۔ کسی کو یہ تحقیق کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی وہ اپنے اطوار و ہدایت سے اپنے ماں کے انداز کا لگتا بھی نہیں تھا۔ طبلہ بھی اب گھر کا ہو کے رہ گیا تھا۔ اس میں اس کی بیماری کے ساتھ ساتھ شہزادہ

کیا پاندیوں کا بھی اثر تھا۔ اس لیے لوگوں کو یہ فکر اب باقی نہ تھا خصوصاً نئی نسل کے لیے یہ نام اتنا جانا پہچانا نہ تھا۔ یاد رکھنے کے لیے بھروسے کا ہونا ہے ہمیشہ کہ شخصوں کے۔

راجہ ڈائریکٹر بنا اس کی منزل نہ تھی۔ وہ بس یہ جان چکا تھا۔ یہ انسان پوری طرح تھا کہ شوہر کی کوئی اور شہرت دولت وغیرہ کی ہوتے ہیں۔ اگر پانچ دا اسٹیج سے حاصل کرتا ہے تو ایک کامیاب کاروبار میں قدم جمانے ہوں گے تو اسے سابق شوہر برنٹ کے طور پر اور پھر اسٹار ڈائریکٹر بن کر پہچانا جانے کے بعد وہ کاروبار جانے کی پوزیشن میں آ جاتا اسی شعبے میں کاروبار شروع کر سکتا۔ اس کی ساری جان پہچان شناخت نہ چاہتے ہوئے بھی شو کے حوالے سے تھی۔ تب اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ سوچا۔

ہمیشہ ادارہ طور پر انتخابی کامیاب جوڑا اتنا گہرا اندر سے ایک خاموش ٹھہرا ہوا شخص بنتا جا رہا تھا۔ جتنا اب وہ نوجوانوں میں پہچانے جانے کا اتنا ہی خوفزدہ رہنے لگا تھا کہ کسی کو اس کی اصلیت کے بارے میں علم نہ ہو جائے۔ سنیے میں اس کی کی جانے والی شہرت اور غیر شہری حرکتیں ذہانت اور عزائم کو شکستیں۔ کہ حالی سے اس کے اختلافات کو بھلا دیا جاتا تھیں۔ اس کا انسان نشتی بڑھتے بڑھتے اس کے قد سے بھی اونچا ہو گیا تھا۔ اب وہ چاہ بھی تو اس سے نجات نہیں حاصل کر سکتا تھا۔

گھر کے سنسان سال اس قدر سے کوچے بڑھتے سائے سے ڈرتے گزر رہے تھے۔ وہ جس شعبے میں تھا وہاں ایک سے ایک حسین چہرہ اور رنگین بھی گھر سے باہر کی یہ فضا تھی اس کے اندر کوئی لطیف جذبہ زندگی کی یہ تو ان حسین چہروں کے پس منظر سے تو کچھ ضیغمی کی تھوب اور گھنگھروں کی چھن چھن نے اس سے وقتی بادل کی کارشد تک قائم کرنے سے روکتی تھی جو بھی جس چہرے کا رنگ تھا۔ اور بھاگتا تھا اپنی تربت میں لیے آنے دیتا۔ دوسری طرف فلمی تھا اسے بھی ایسا سوچنے اور چاہنے پر مجبور بھی کر دیتے تھے۔ وہ بھی اپنی کامیابی کے ساتھ اپنے اندر کے اس دیو سے لڑتا تھا۔ اسے انتظار تھا ایسے وقت کا جب وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا جہاں اس معاشرے کے سب سے عزت دار طبقے میں بھی احترام کے ساتھ پہچانا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے اسے اپنی شہرت بچا کر رکھنی تھی۔ کسی ایسے ویسے ٹائم اسکینڈل میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔

اس کی یادداشت میں شب تک یہ واقعہ کسی طرح بیٹھا تھا جب اس کے پہلا ذاتی گھر خریدنے پر اس نے ماں کی خواہش پر گھر میں ایک میلاد کا اہتمام کیا۔ ان کی خوشی کی خاطر اس نے اس روز انہیں اپنی عزیز و اقارب کو بلانے کی اجازت بھی دے دی۔ مگر دوپہر کے وقت۔ رات کو وہ اپنے کاروباری ساتھیوں کو نہ دے سکا تھا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ ان کا مہمانوں کی برادری کے لوگوں سے بھرا تو کر دیں۔ اس کے باپ تک سے ہو۔ دل میں پہلا اور آخری واقعہ تھا جس کے بعد اس نے شراب و کباب دونوں سے مکمل پابندی عائد کر دی کہ وہ اپنے کسی بہت پیار کو گھر تک نہیں لا سکتے تھے ان سے ملتے جاتے ہیں۔ جتنی ایک شرح سے پوری ناشتہ اور دی۔ فتح تھی کر لینے کا عزم نامہ تھا۔ جس پر وہ دونوں نہ صرف جز بز ہوئے بلکہ سخت احتجاج بھی کیا۔ مگر وہ اب تک اس فیصلے میں معنوی سی ترمیم تک کرنے پر تیار نہ تھا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ پچھلے کئی سالوں سے قائم تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اب اپنے سی بھی واقف کار کو گھر تک رہنا چھوڑ دیا۔ اب وہ سارے تکلفات اور اہتمام کسی ہوٹل میں ادا کر لیتا۔ اس کی اپنی ایک الگ زندگی تھی مگر اس الگ ڈگر پر چلتے چلتے بھی وہ اس واقعے کو کبھی بھی نہ بھلا پایا تھا۔

وہ حسب معمول ایک قسم کے پرسیپٹر شوٹ پر وہاں آیا تھا۔ حسب دستور وہاں پینے پلانے کی محفل بھی زندہ تھی۔ وہ خاری نہ تھا مگر دوستوں کے اصرار۔ بھی کچھ پلا کر تھا اور خاری نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ذرا سا چکھا بھی اسے خاصی حد تک مدہوش کر دیا کرتا۔ اس لیے وہ اس چیز کو ہاتھ لگانے سے احتراز کیا کرتا تھا۔ لیکن اس رات بھی چند بے تکلف دوستوں کا ساتھ دینے کے لیے ایک ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ کیرا نے اس نے بیٹھ کی طرح پالی کیٹ چلی۔ سے دروازہ کھولا لاؤنج میں شب لب لی ہلکی سی روشنی جلتی ہوئی تھی لیکن نیچے سے وہ

لیا سا لڑکھڑا کے لے کر اٹھا دو کھلی ہوا تو شہزاد ہٹا کا۔

"سلام ابا کیا پالی جان۔" اس نے اپنے ابا سے سلام بھاتا تو شہزاد کو یاد کیا کہ کل میلاد کی تقریب میں شرکت کے لیے ماں کے چند رشتے داروں نے آج ہی نکاح سے آنا تھا۔ اس نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا۔ شہزاد نے صوفے پر جمی اور کوٹ ہینگر کیا تو ٹھیک کیا۔ ایک کھوری سا بھاتا دوا سے اس کے جسم کی روشنی میں تھی۔ اس نے نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا مگر اپنا نہ کر سکا۔ کان میں دو شیشے کے ساتھ دو ٹوٹے خمار سے ذرا سی دیا تھی کہ سے ایسا۔ اپنے کمرے کی جانب بڑھتے اس کے قدم ٹھہر گئے۔ وہ پلٹا۔ مکمل لب کیا۔ ہٹ ملب کی ہلکی زرد روشنی کے ساتھ اب لب پر کی گھنی چمن کے آئی آمد مدھوشی بھی خوابناک سائیں پیدا کرنے رہی تھی۔ بکھرے ہوئے بالوں کی لمبی بھی تھیں جھاچھو دھانے ہوئے تھیں بے اختیار اس کی نرم اگلیاں اس کے چہرے سے نہیں ہٹتے تھیں۔ اس لڑکی نے ذرا سا کسمسا کے اس نے کرنٹ کھایا کے ہاتھ پیچھے کیا۔ وہ بھی بھی بہت لمبی اور بلا کی خوب صورت تھی۔ تاہم وہ روشنی میں اس کے نقوش واضح تھے لیکن کم تو کسی نہیں اور رعب حسن اور سے نمایاں تھا۔ خواب میں جیسے کیا دیکھے ہوئے بالکل بھولے بچوں کی طرح مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بس انداز میں پھیلے نازک لبوں کو دیکھ کر شہزاد یک وقت وہ جذبات سے مغلوب ہوا۔ اس کے اندر کا وحشی شور ہونے کے زیر اثر تھا آپے اندر پھوٹی بلیک جسارتوں میں مزید آگے بڑھنے اسے نے لگا۔ دوسری طرف اس کا ذہن معصومیت کے اس مظاہرے پر شرم کے مارے سست کے ویسے صبح آگاہ کھولتے ہی یہ واقعہ اس کی یادداشت میں تازہ ہو گیا۔ جو اس صبح سے پہلا خیال اس کی طرف گیا۔

جوانے کون تھا نہیں ذات اور رات کو واقعی چائے بنانے آیا تھا تو یا نہ کی کے بیٹا سدھ ہوئے رہنے کا فائدہ اٹھانے پہنچ گئی کب سے بیٹھ تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر قرار ہوا۔ ماں سے پوچھتا ہوں کیا ضرورت تھی اس لڑکی کو یہاں سلانے کی۔

ساری جھلملا ہٹ پیشتر کی بے ایرانی تھی۔ نشہ ٹوٹنے کے بعد ہوا اور اسے ایک خواہش جاگ رہی تھی کہ ایک بار پھر چہرہ سامنے آئے اور وہ مکمل ہو تی۔ جو اس کے ساتھ پورے جالے میں اسے دیکھ سکے کمرے سے کی کرائیں سے بات کرنے آیا تھا جب تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ایک نوعمر لڑکی سے بری طرح ٹکرایا۔ سفید شلوار قمیص اور ملیشیا دوپٹے سے اپنے میں سر اور اپنے دوپٹے کی اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے پورا سر اٹھا کے اسے دیکھتی رہی پھر اچانک حیرت اور خوشی سے چلا اٹھی تھی۔

"بھائی جان۔"

اور وہ اس کچھ کچھ بولنے چلانے پہرے کو یہ سوچ کر پہچانے سے بچتی رہا تھا کہ جلد وہ ایسا ہی بڑی کیسی لگ رہی ہے۔

"ثمینہ۔" پہچان لینے کے بعد بھی اس کے لہجے میں ایک ناقابل یقین سا استفسار تھا اور پھر وہ بن گیا کہ وہ ثمینہ تھی۔ اپنے میں ہی کچھ الگ الگ سی ضرور لگ رہی تھی مگر تھی وہی۔ اسے کچھ کہہ کر پوچھنا تھی کہ وہ ثمینہ سے اسکول کے واقعات خیالی پھر بھی کچھ تھا جو پہلے والی جانے ایک تھا۔ وہ کے بغیر نہ رہ سکا۔

"ثمینہ تم کتنی بدل گئی ہو۔" اسے جیسے کہی۔

"سوری بھائی جان اصل کب سے قب سے ملی نہیں ہاں۔ اس لیے بدل چلا سب باتیں ایک دم ہی کہ ہاں۔ رات کو بھی کافی دیر تک آپ کا انتظار کرتے رہنے کے بعد ہیں صوفے پر سو گئی۔"

اور اس کے ساتھ قدم بہ قدم سیڑھیاں اترتا شہزاد ٹھٹھک کے رک گیا۔

"تو۔۔۔ رات تم کہیں لاوی تھیں؟"

وہ صرف گردن ہلا سکی۔

"کیوں؟" اس کے دھانے پہ دھکیلے کے پیچھے ہٹ گئی اور گرتے گرتے بچی۔

"یہ کوئی طریقہ ہے، جہاں دل چاہا ہو گئے۔" اوستھی دیر فضیلت میں ڈانٹتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خیال آیا کہ وہ بلاوجہ خوف زدہ تھا غصہ اس پہ نکال رہا ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ کے بے ایمان دل اور کمزور ایمان کو پہلی چاہیے جو موسوی میں اس بچی تک کو نہ پہچان سکا۔ غصے کو دبا کے کھلایا تھا اور اپنی تمام کے چلتا سکھایا تھا۔ رات بے رحمانی میں اس کے بارے میں سوچے غلط خیالات اسے اس حد تک ملوث کرنے لگے کہ وہ کمزور کے دہاں سے غائب ہو گیا۔

تنگ کمرے دیر بعد وہ پھر سے سامنے تھی۔ ایک نئے روپ میں اک نئی ترنگ کے ساتھ۔

● ● ●

وہ جانچنے کے بار خود کو پہلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری نگاہ ڈالنے سے روک نہ سکا کھلے ہوئے سبز اور دھنیے جیسے سے زرد رنگ کے امتزاج سے تیار سادہ تراش کا شلوار قمیص اس کی چھریری پہل کیا تھا۔ مگر تو تھیے رنگ کے دوپٹے میں وہ خود بھی سوتیہ کی مند نہ گل لگ رہی تھی اور اب اس بہار رنگ پیراہن میں وہ بہار کا سارا شباب سمیٹے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ چاندی کی جھمکیاں بار بار اس کے رخساروں کو چھولی ہوئی ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ یہی بات پہ زور کی آسی جاتے ہوئے آگے کو جھکی تو نگین برآمدے میں متعینہ اس کی سہیلی زلفوں کے کتنے ہی رخ بھیرے سے پھسل کر چہرے کے اطراف آن گرے۔ شہزاد نے ایک بار پھر نظر پھیری۔ مکمل اپنی ہلکی پھلکی سرزنش کو کسی ظاہر میں نہ لا رہا تھا۔ اگلے ہی پل وہ پھر اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اب وہاں سے اٹھتے ہوئے اسی جانب آ رہی تھی اور بے پروائی سے چوٹی میں سے نکل آنے والی سونے کی لٹوں کو انگلی کی مدد سے کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ کان کا جھمکا اور اس کی کرنوں ایک بار پھر نمایاں ہو گئی ورنہ زلفوں کی سنہری چمک نے ان کی خوبی ڈھک کو چھپا لیا تھا۔ اب رخساروں پہ بکھرے سونے کی بجائے چاندی کے عکس پڑ رہے تھے کلائیوں میں ڈھلتی کانچ کی چوڑیاں اور اس کے بلنکین کی گواہی دے رہی تھیں۔ کمی سمٹا کی چلتی ہوا چاتک اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"بھائی۔۔۔"

نجانے اسے سامنے کیوں ایسے بے تابی اور حیرت آمیز مسرت کے ساتھ بلایا کیوں ملتجی تھی جیسے عرصے تک تا نشنے کے بعد کوئی کھوئی ہوئی چیز اچانک مل جائے۔

شہزاد نے اپنا خلل ہوا تعلق ترک کرنے کی کوشش کی۔

"جی۔۔۔"

پر زور لہجے میں اس کا نام دہراتے ہوئے وہ در حقیقت خود کو یہ یقین دلا رہا تھا کہ وہ کوئی اور نہیں بس ملتی ہے اور ملتی ہے۔ ہوئے سے سفید فراک میں اپنا ہی پاؤں الجھنے کے بعد منہ کے بل گر جانے کی تھی اور بھاری دھول مٹی سے اٹے چہرے اور بالوں کے ساتھ گلا پھاڑ کے رونا تھی۔ تب وہ آگے بڑھ کے اس کا الجھے بالوں والا سر سہلاتا تھا۔ آنسو اور مٹی گرد سے میلا ہوا چہرہ اپنے رومال سے صاف کرتا تھا۔ فراک جھاڑتا تھا۔ اس نے تصور میں دہرا کر اسی چہرے کی کوشش کی مگر سامنے ہر رخ سے چھلکتا کسی تراشیدہ ہیرے کی مانند اس کا خود تصور کے تمام رستے بند کیے ہوا تھا۔ تھک گیا۔ خود سے لڑتے لڑتے ہار گیا۔ نظریں چراتے چراتے

"بھائی۔۔۔ تم تو پہچان نہیں جا رہیں۔"

بالآخر وہ شکست کر بیٹھا اور ایک شکست خوردہ سا اعتراف بھی۔ وہ گھبرا گئی نجانے کیوں بے اختیار ہی اس کی

تاریک سی گلابی ہتھیلی لبوں تک چلی گئی۔ شہزاد نے حیرت سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔ لمبی لمبی وہ حنائی انگلیوں کی لوٹ سے بھی پیکھڑی پہنے لبوں پہ جا گلاں تھک مار رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ انتہا طور پہ اس سے اپنا خفیہ راز چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔

"تمہیں میک اپ کی ضرورت نہ تھی۔"

پتہ نہیں اس کے لہجے میں غیر معمولی پن تھا یا آواز اتنی اجنبی سی لگی تھی کہ سر جھکائے کھڑی رہنا چوری آنکھیں کھول کے اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ ان آنکھوں کے اوپر ہوتے ہی پانی سب دھند ہو گیا۔ سب کچھ۔ اور نرم سفید موتی انگلیاں بھی۔

وہ سونے کی کوئی رنگت والی زلفوں کی دھند ہو گئی تھی۔

وہ گداز لبوں کی مدھر گداز گلابی مسکان بھی۔

گورے رخساروں پہ ڈولتے چاندی کی جھلکیوں کے لرزاں سائے بھی۔

کھلیل سبز شال جیسے اس کا موتیوں نور سرا لگی۔

بس دو آنکھیں تو صرف وہ آنکھیں۔ وہ آنکھیں وہی تھیں۔ وہی آنکھیں جو دو سالہ قبل کی تھیں۔ پانچ سالہ قبل کی تھیں۔ آٹھ سالہ قبل کی تھیں۔ وہ اب پوری طرح پہچان گیا تھا۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ اور کوئی نہیں، وہی تھی جو اس کی ادھوری جو جست تھے۔ سید صاحب کے بیان بھی کی تھی۔ شہزاد کی سوچوں کے بے لگام گھوڑے ایک دم ہی اپنی سمت زوری سے تائب ہو گئے۔ وہ ٹھٹک کے یوں رکا جیسے آگے کوئی کھائی۔ کوئی گڑھا ہو۔

"تم تو کافی بہت چھوٹی ہو بہت چھوٹی۔"

یہ واسطے کہیں بتا رہا تھا شعور کو یاد لا رہا تھا۔

"کیا میں اچھی نہیں لگ رہی چھوٹی۔"

وہ بھی شاید اپنے اس نئے روپ سے گھبرائی گھبرائی سی تھی اس لیے نروس انداز میں پوچھنے لگی اور اس بات کا جواب دینا تو شہزاد کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ کیسے بتاتا کہ اس وقت وہ اسے کیسی لگ رہی ہے۔ یہ بات تو اسے خود کو بتانا بھی بچپنا ہی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی لفظ اتنا کہہ کے رہ گیا۔

"نہیں۔ اچھی تو۔ مگر بڑی بڑی لگ رہی ہو۔" اور دفعتاً۔۔۔ "اچانک شہزاد کی آواز میں کلا اتر آیا۔

"دادی تمہیں اتنی جلدی بڑا ہونے کی ضرورت کیا ہے؟" عجیب بے چارگی سے اس نے کلہ کیا اور اپنا سے بات کیا۔

وہ رات شہزاد پہ بہت بھاری گزری۔ اسے رہ رہ کر گزری رات یاد آ رہی تھی جب تنہا اندھیرے میں اس نے سوتے ہوئے اس کا سہما سہما وجود دیکھا تھا اور رگوں میں دوڑتے مکروہ سیال کی ذلالت نے اس کی سوچوں کو وحشت ناک حد تک پراگندہ کر ڈالا۔ وہ تو عین وقت پہ اس کے اندر کے مذہب انسان نے اسے تھام لیا اور اس نے جتنے ہتھیار تھے واپس کھینچ کر اپنے شیشے پہ ڈھانپ دیے۔

"ساری خرابی اس ذلیل اور کمینے نے کی تھی۔ جیسی تو اسے حرام قرار دے گیا ہے۔ جس کو پینے کے بعد اچھے برے حرام حلال گناہ ثواب کی تمیز جاتی رہتی ہے۔ اگر میں عمل ہوش و حواس میں ہوتا تو کیا اپنے آنکھوں کھلی کر دیتا اور اس کی پہچان نہ لیتا اور کیا پہچان لینے کے بعد بھی اس کی ایسی ہی نظر سے دیکھنے کی ہمت کر پاتا۔ ہرگز نہیں۔ یہ ساری فساد اسی شراب کی وجہ سے ہے۔ آئندہ کوئی لاکھ کہے گا۔ اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

اس نے سارا الزام شراب پہ دھر دیا اور شعور کو بہلا پھسلا کرنے کی کوشش کی مگر پیٹ پہ پڑنے کی وجہ سے مگر نہیں بہلا۔

اس کے اندر سے سوال ابھرا۔ ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اس صبح اس نے اس لڑکے کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔ وہ لڑکا جو آدھی رات کو نے پکن سے جائے لے کر نکلا تھا کھلی دیا تھا اور شہزاد کو غدشہ تھا کہ کہیں اس

نے دھماکے سے سدھ ہوئے رہنے کا ایک نہ اٹھایا۔ تب بے ساختہ اس کے لبوں سے نفرت کی تھوک سے تھتھری ایک گالی اس لڑکے کے لیے نکل گئی۔

"کمین ذات۔"

یہ صرف گالی نہ تھی ایک زخمی کی طرح اسے یاد آیا اور وہ لرز اٹھا۔ اپنے لگا جیسے یہ گالی اس نے خود کو دی ہو۔ یہ تنگ اس لڑکے کے بارے میں تو اسے صرف شک تھا جب کہ خود وہ ایسی ہی ناپاک جسارت کرتے کرتے رہ گیا تھا۔ نہ صرف سنتے کی حالت میں بلکہ آج دن بھر تو مکمل ہوش و حواس میں بھی اپنی نیت اور سوچ کو اس حالت سے روک نہ پایا تھا۔

"تو کیا میں واقعی کمین ذات ہوں؟"

منہ چھپاتے ہوئے اس نے خود سے دریافت کیا اور جواب ایسا ملا کہ وہ دوبارہ سے منہ چھپانے پر مجبور ہو گیا۔

"تو اور کیا ہو تم شہزادہ۔ دلہ بلبلہ۔ باوشاہ غیرت۔ شرافت اور پاکیزگی سے تمہارے کیا واسطہ۔ تمہاری ساری تعلیم خود کو گالی دے کر دینا کھالی آرتی ہیں۔ اسکولوں کے صحن کے سامنے سے ہو نا مارکے رزق کمانے والوں کے اندر غیرت کے جراثیم کیسے برقرار رہ سکتے ہیں۔ روٹی بڑی ہو گئی ہے تو کیا ہوا؟ ذات بڑا ہو نا باقی تھا۔ لوگوں کی بیٹیاں، بیٹیاں بھی بڑی ہوتی ہی ہیں۔ تو کیا ان سب کے سر پہنچ کا اندازہ ہو جاتا ہے؟ تمہیں یہ خاصیت تو تمہارے خون میں تھی۔ خواہ مخواہ کے جذبے تمہاری نیت بدلنے لگی۔"

اس نے منہ پھیر لیا تھا۔

"نہیں میں کمینہ نہیں ہوں۔ مجھے غیرت اور دخل بھی نہیں۔ میں بہک گیا تھا۔ مگر میری نیت نہیں بدلی۔ روفی اب بھی میرے لیے روفی ہی ہے معصوم سی بچی۔ اس کے بچپن میں میں اپنا کھویا ہوا شہر بچپن تلاش کرتا تھا۔ جس کے آلسوم بھیجے ہوئے میرے زخم سنبھلنے لگتے تھے اور جس کے لبوں پر وہ ہنسی ہوئی مسکان واپس لانے کے بعد مجھے اپنا ہنستا تھا جیسے میں نے زمانے بھر کی خوشیاں سستے میں خرید لی ہوں۔ وہ روفی ہی ہے۔ اپنے چچا کی عقیدت کی حد تک چاہنے والی مجھے شرم آنی چاہیے اس کی معصومیت کے بارے میں ایسا ناپاک سوچتے ہوئے۔ میں یہ ثابت کروں گا کہ میں کمین ذات نہیں۔"

شہزادے نے بڑی کامیابی کے ساتھ خود کو اس وقتی بے کلی سے آزاد کر لیا۔ اتنی صحیح و پھر سے چھلاوا تھا اور جاری معصوم سی روفی خود کو مزید آزمائے کی خاطر وہ اس رات روفی کو اپنے ساتھ کھانے پر لے گیا۔ ایسا شاید بے شعوری طور پر اپنا اس بل بھری وحشی سے ایسا کی ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ دانستہ یا نادانستہ وہ روفی سے ہمیشہ سے کہیں بڑھ کے ایک نئی ہی بچی کی طرح پیش آیا تھا۔ اس نے محسوس تک نہ کیا کہ اس کے غیر معمولی "ترے پیار" کے برتاؤ نے وہ بالکل ہی بچی تھی۔ اس کے چپ چپ رہنے کو وہ اس کی جھجک سمجھ رہا تھا۔ پہلے کسی ایسے تفریحی مقامات اور ہوٹلوں تک نہ گئی تھی اس لیے ہچکچاہٹ میں چلی گئی۔ وہیں ایسا طور نہ تھا۔ پہلی بار اس کے ساتھ بھی روفی کا رویہ عجیب رہا تھا۔ اپنے طور پر اسے خوب سمجھا بجھا کر اس کا ذائقہ اور فرنگرا کے شہزادے سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے۔

جس کو ثابت نہ کیا جا سکے وہ دلیل۔ تو یہ بھی کہنے تک وہ دلیل میرے ساتھ رہی کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں ہوا ہے وہ گالی دے روفی سے بچی ہے اور میرے ساتھ کی بچی تھی جب میں اسے کوشش کی کہ اپنے کرانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں بھلا میرے دل میں ناپاکیزہ خیال کیسے آ سکتا ہے۔ مجھے خبر ہوئی تو خود ہی خالی کیا۔ اپنے اندر کے احساس کمتری سے اٹھنے رہنے کی ہے۔ میرا یہ احساس کمتری مجھے غلط کھانے نہ کھانے نہیں دیتا کہ مجھے عدالت میں ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس بار بھی میں نے یہی کوشش کی اور یہی تھا کوشش کی۔ اس میں شراب کا بھی کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ سب میری اپنے اندر کی جنگ تھی جس میں بے چاری روفی اپنے ضرور معصوم ہو خواہ مخواہ آ گئی۔ اگر وہ اسے پتہ چل جاتے تو نہیں کہیں

اسے یہ نہیں بتانا چاہیے۔ اور پھر اسے کاہیں کیسے۔ وہ تو شراب میں اس کی ایسا تمہیں سوچ سکتی۔"

وہ اسے سرشار تھا۔ یہ تو خیر کو شکست دینے کی تھی۔ عجیب ذہن تھا وہ اس اپنے آپ سے نفرت کرتا تھا اور اپنے آپ کو ہی قاتل محبت اور قاتل احترام بنانے کی کوشش میں مرکر دل ہلا کرتا تھا۔ اپنے آپ سے لڑتا رہتا تھا اور اپنے آپ کو ہی توڑنے بکھرنے سے بچانے کی جدوجہد کرتا تھا۔ خود کو ہی شکست دیتا تھا اپنی ہی فتح کا جشن مناتا پھرتا تھا۔

اس رات پھر سے اپنی میں چند دوستوں کے کہنے پر روفی جیلہ رات کو پھر سے آیا کاٹن ٹیک کرنے اندر جانے والا تھا کہ مختصر لان میں اسے وہ ماتھر ٹیلی۔ تنگی پر ایک ماموں چڑا اپنے اولی تھی۔ شہزادے دست واج پر ٹائم دیکھا۔ صبح کے سوا چار بج رہے تھے پر ابھی تک نہیں پھنسی تھی لڑکی کی سوری تھی۔ اس نے نشے سے بوجھل ہوتا سر جھٹکا۔

"تم ابھی تک سوئی میں یہاں کیا کر رہی ہو؟ سو پڑنے شمال اندر چلو سوئی لگ گئی تو پتا کیا ہو جائے گی۔"

"آپ ساری رات کہاں غائب تھے؟" اس کا سوال نظر انداز کر کے روفی نے پوچھا۔ وہ اس کے لہجے کی بے تابی پر بھی بھر کے حیران ہوا۔ وہ آدھی رات گزر آیا تھا کہ ابھی ایسا تھا۔ شہزادے رات بھر شوٹنگ پر تھا اور آج شوٹنگ نہیں کی پہلی شوٹنگ تھی اور اس کے بعد اس شوٹنگ کی خوشی میں وہیں اسٹوڈیو بند ہو گئی تھی۔ شوٹنگ نہیں تو ایک شوٹنگ کی بنا میں متعارف کرانے کا سوال اس کے سر تھا۔ اس نے پورا ایک صبح سے اس کے انتظار میں تھی۔ یہی بات اس نے مختصراً اور سرسری انداز میں دہرائی تو اس کا روفی حیران کن تھا اور اگلا سوال اس سے بھی زیادہ عجیب۔

"چچا جی کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟"

وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب کیا۔ چند لمحے اس کے چہرے پر اس سوال کی ازبد شکر جیتنے کی کوشش کی وہاں ہمیشہ کی طرح ایک نرم سی پیاری اور حیران سا چہرہ تھا۔ اب شہزادے کی باری تھی حیران ہونے کی۔ "بھلا یہ سوال اس نے کیوں؟"

"تمہیں پتہ کیوں ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے؟"

وہ ایسے بولا جیسے کسی بچے کے مدرسے زیادہ سیانی بات سن کر کسی کو خواہ مخواہ ہنسی آ جائے۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلا لی۔

"مجھے پتہ ہے چچا جی کو محبت کیا ہوتی ہے۔ روفی مجھے آپ سے ہے۔"

اس نے ایک جھانکا دیا۔ شہزادے کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ سکی۔ کیا کر رہی تھی۔

"تمہارا اس کا مطلب کیا ہو رہا۔" اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی جانب دیکھ رہی تھی پوری بے خوفی اور جرأت سے۔ یہ آنکھیں بولی تھیں۔ وہ ان آنکھوں کو جھٹلانے سے انکاری ہو گیا جہاں بچپنے کی بہت اور کھیلنے سے جسم کی بنا لئے تو خیر نکلا غیر مختصر کارت جگا سرخیاں چھلکا رہا تھا۔ اس قدر تلملایا اتنا جھرنے بے ساختہ اس کا منہ ہاتھ لگا اور وہ اسے دھکیلتے کر آگے بڑھ گئی طرف مکمل کیا پیچھے رکھا تھا اس رہا تھا۔ شہزادے کے ہاتھ کی پڑ شہنشاہ کی نگاہ تھی اس کا ناک لب پھیل گئی تھی۔ ہونٹوں سے خون رہا تھا گرا تھا تھیں چھتا خون اس وقت شہزادے کی آنکھوں میں اترا ہوا تھا۔ تھپڑ نے ویسے بھی اس کا تھوڑا خود اتھارٹی تھا۔ وہ ہر مصلحت سے بے نیاز ہے بے نقط سنا رہا۔ غلیظ سے غلیظ گالی سے نوازتا رہا۔ ویسے بھی اسے ہر گالی بھاگنے کے لیے کم لگ رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے محبت کے اظہار کا اندر کے نیچے تھی گالیاں بھاگنے اسے دے رہا ہے اس کے سامنے سب کچھ سچ ہے۔

"ذات کا ہونا تک دکھا کے رہتی ہے۔ خواہ مخواہ ہوتی ہاری تھا ہے۔ بس تمہیں یہ عمل ہے جوالی میں تو باپ کو ذلیل کرائے گی۔"

اس کا رنگ پھٹے ہوئی کی طرح پیلا پھٹک ہو گیا مگر شہزاد رکا اس کی زبان ایسی زہر اگلتی رہی۔

"اچھا یہ چلا کہ۔ خود ساختہ معصومیت بھی ایک اختیار تھا۔ رہی بات تو وقتی ایک ہیرا منڈی میں بیٹھنے والے طیفے کی بیٹی۔"

اس آخری گالی پر اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔ اس نے نہ اپنی صفائی میں کچھ کہا نہ اس سے بے رحم الفاظ میں کسی کی کردار کشی کی۔ وہ اب بھی کچھ نہ بول رہی تھی وہ اسے ہاتھ سے دھکیلتے ہوئے اپنے کمرے سے نکال کر لے گئی۔ وہ اس وقت بھی چپ رہی جب اس کے بوسیدہ مکان کے آگے گاڑی روک کر اسے کسی قیدی کی طرح باہر کھینچتے ہوئے اس نے کراہیت آمیز نفرت کے ساتھ حکم دیا تھا۔

"اپنی شکل چھپا لو اور آئندہ یہ منحوس شکل لے کر میرے سامنے مت آنا۔"

اسے یہ حکم بھی اپنی عزت افزائی تھا۔ پچھلے کئی سال سے وہ اس کا جی جان سے پرستار چلی آ رہی تھی۔ اگلے کچھ عرصے تک جب شہزاد کا سامنا ہوتا تھا تو وقت وقت پر اس کے غصے کی شدت میں کمی آتی۔ وہ منتظر اکیلیات کا شکار تھا۔ ایک طرف وہ ابھی تک اس کی یہ جسارت منٹھے طل سے معاف کرنے پر تیار نہ تھا دوسری جانب اسے اپنا ردعمل ضرورت سے زیادہ ہی سخت محسوس ہو رہا تھا۔

"شاید میں زیادہ ہی سخت ہو گیا اس کے ساتھ مجھے اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا یا کم از کم اسے اتنے برے انداز میں جھڑکنا نہیں چاہیے تھا۔"

اسے اب تک یہ الفاظ لفظ بہ لفظ یاد تھا جس پر وہ حیرت زدہ تھا کہ وہ اتنی آسانی سے سب سہہ کیسے گئی۔ کیا وہ کانسی سی نازک سی کم عمر لڑکی اتنے صبر و اعصاب کی مالک تھی؟

"اب بھی لڑکی ہی تو ہے مناسب الفاظ میں معذرت۔" وہ اس بات کو ڈھنگ سے سوچ بھی نہ پایا تھا کہ ایک دوسری سوچ حملہ آور ہوئی۔

"میں نے جو کیا وہ اتنا بھیانک جرم تھا کہ شدید ضرور تھا مگر غلط نہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ اپنی زبردستی پلا پڑتی ہے میں نے بالکل ٹھیک کیا۔ وہ غلط تھی کیا اسے نہ ملتا تھا کیا وہ راہ چلتی کوئی لڑکی تھی جس کی آبرو حرکت میں سر جھکنے کر نظر انداز کر دیتا؟ اسی حق تو میرا بنتا تھا کہ میں اس سے باز پرس کرتا۔ اگر میرے تھپڑ اور گالیوں سے بھی وہ سنبھل سکتی تھی تو میرا یہ علاج بالکل موقعہ اور درست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب تین سال ہونے کو آئے اس کے بارے میں کوئی غلط حرکت کی خبر نہیں ملی ورنہ ہو کھل کی شرعات اس نے کی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر اس پر بندش باندھے گئے تو آگے ہو کر کیا کیا طوفان برپا ہونے تھے۔"

یہ تین سال گزرے پھر اس کے کالج میں داخلہ کے لیے فہرستیں سامنے آئیں مبارک باد دینے لگی تو وہ چاہتے کے باوجود اس کے لیے کوئی خدشہ نہ جاگا۔ اگرچہ قطع تعلقی کی اس رسم کا آغاز اس کی جانب سے ہوا تھا مگر صلح کا جھنڈا لہرانے سے وہ بنا ہوا نکلا رہا تھا۔ البتہ اس نے مرسری انداز میں ماں سے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ اسے ایک آدھ روز کے لیے گھر لے آئے۔ عرصہ ہوا اسے برسوں آئے ہوئے گزرے ہیں کوئی اسے دیکھ کے وہ نہ پوچھ سکا کہ اس نے نہ آنے کا بہانہ کیا بنایا۔

پھر جلد ہی اس کے کالج کی تعلیم پھر اور کچھ ہی دن بعد باقاعدہ ڈگری کا حصول کرنے کی خبریں سنائی دیں۔ صلح اور ملاپ کا دل بھرے دعاے برنشیدہ ہو گیا اور اس دن سے وہ باقاعدہ اس کے نام تک سے خار کھانے لگا جب سے اللہ دتا نے اس سے اپنے سنے ذرا سے میں بلا کو بلوا لوا کا اور گھر کا ذکر کے منتظر کرانے کی سفارش کی تھی۔ وہ اسے وصول دے کر کیا تھا کہ خیریت چاہیے تو آئندہ اسے اپنی شکل نہ دکھانے کی وصیت عجیب رنگ سے اس کے اپنے سامنے ہو گئی۔

آج اتفاقیہ طور پر جاتے ہوئے بھی اسے اس روپ میں اپنے سامنے پا کر وہ قہقہہ لگا اٹھا۔ اسے اس طرح قہقہہ لگاتا دیکھ کر شہزاد کے بھی میں چھا تھا۔ اسے شوخ محفل بنے ہزاروں تماش بینوں کے سامنے تفریح سرا ہو تو یہ کیا کر اس

کی اپنی خیریت دخیرت ہو گئی۔

"تمہاری اس غلطی کو میں نے تمہارے بچپنے پر محمول کرتے ہوئے ایک دفعہ تو اغرض سمجھ کے جلدی معاف کر دیا تھا مگر عادتاً تمہارا یہ جرم قابل معافی نہیں۔ اب میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا کبھی بھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

☆ ☆ ☆

لیمن کے بے شکل اینٹ پتھر کے سوت میں وہ بوری فریش فریش سی نظر آ رہی تھی۔ یوں تو ہر رنگ میں اس پر جچتا تھا مگر پنک کلر کے کسی بھی شیڈ میں تو وہ غضب کی قیامت لگتی۔ اسی حوالے سے اب تھرمیس کا حسن تھرمن پکا تھا۔ اینٹ پتھر کے دامن پر روز پنک کلر کے بڑے خوب صورت گلاب کے پھول خاصے مہارت سے کاڑھے گئے تھے۔ اتنا ہی یہ تھا کہ یہ پھول رنگی دھاگوں سے بنے تھے نہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے اس کی آزادی اور نزاکت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے دامن میں گلاب ہی گلاب بھر دیے ہوں۔

وہ کلائی پر رسٹ واچ باندھ رہی تھی جب عمیص دستک دے کر اندر آئی۔ وہ شاہانہ انداز میں اندر آنے کی اجازت دینے کے بعد اب ہونٹوں پر دوا لگا رہی تھی۔ اسے اپنے کام میں مشغول تھی۔ واچ باندھنے کے بعد وہ جھک کر بیڈ کے نیچے سے اپنی پنک کلر کی نیل پالش نکالنے لگی۔ ٹانگ کلائی پیروں میں پنجہ نیل کی نیل پالش کے بعد وہ اپنا شوڈر بیگ کھول کے اس کا جائزہ لینے لگی تھی۔ اس نے کبھی نیل پالش میں پینٹی تھی اس کی سوچ قاصر تھی ان مصنوعی سہاروں کی جانب نہیں تھی بلکہ وہ سراپا معصومیت میں ڈھلی تھی۔ ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی۔ اس کے دل میں جس کے خلاف عناد پلا تھا محض کا بنا تکلف میں چھپانے کی کوشش نہ کرتی اور جس کے لیے دل میں قابل تحسین جذبہ تھا۔ سوچا بھی اس سے ملاقات پر بننے کی کوشش نہ کرتی۔ اب یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ایسے لوگ شادی جیسے بندھن سے اسے کوئی شکوہ نہ ہوتا جس کے لیے اس کے دل میں تحسین ہوتی۔ لیکن وجہ کچھ کہ ہمہ وقت وہ کسی نہ کسی سے دور ہو گئی اس سے اکتاتی نظر آتی۔

عمیص چپ چاپ کھڑا اس کی سرگرمیاں ملاحظہ کر رہا تھا۔ شولڈر بیگ میں موجود تمام ضروری اشیاء کا اطمینان کر کے اس نے بیڈ پر پھیلی اپنی پنک گرم شال اٹھائی جس کے کناروں پر انگور کی کڑھائی تھی۔ اپنا اسکارف سر پہ اچھی طرح پھیلاتے ہوئے اس نے ریشمی بالوں کو ڈھانپ کر کانوں کے بلکے سے کھوریے بھی اسکارف کی اوٹ میں چھپے گئے اور شالوں کے اندر کر شال لپیٹ کر اب وہ جانے کے لیے تیار تھی۔ آئینے میں خود کو ایک بار پھر دیکھ کر وہ آگے بڑھی۔ پھر وہ اب اسے بے اختیاری کا چوتھا بار کے راہ میں اسے عمیص سے ٹکرانا پڑا۔

"کیا بات ہے؟ کچھ کہنا ہے ہم سے؟"

"ہاں۔" وہ جیسے یہ ہاتھ بلیک کے دروازے سے یوں ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا کہ وہ جا نہ سکی تھی۔ اس کی بات نے بغیر پیاس سے نکل نہیں سکتی تھی۔ اس کو جیسے دیکھ کر کل صبح پیشانی شکن آلود ہو گئی البتہ عمیص پہ اس کی ملاحت کا زور برابر اثر نہ تھا۔ مزے لیتا ہوا اس کے دھلے دھلے میک اپ سے بے نیاز چہرے کو دیکھنے کا ذہن بنا رہا تھا۔ بڑھتی سے بڑھتی اسکارف کے بارے میں کس قدر معصوم اور کینہ سا لگ رہا تھا اور جہاں اب تھلاہٹ کے بعد بلکی سی سنجیدگی ہٹ کے آ گئی تھی۔

"اب کچھ بھی ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔"

تا کہ رنگ رنگ تو بدا ہن بھی ہے

اس میں کچھ کشش تو ہے اس میں بھی بلا کی ہے

اس نے بھرپور نظروں سے سامنے کھڑے گالوں پر دو دو دیکھا اس کو بغور دیکھنے کی بھی ہے اندازہ نہ ہوا تھا کہ اس کی نگاہیں کہاں تک ختم ہوتی ہیں اور اس کے پیکر عناد کی گلابیاں کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔

"اگر... کہہ دیا اب ہم جانیں؟"

خلاف عادت اس نے بڑی کل اور بیزاری سے عمیص کا شعر ختم کیا ورنہ عموماً اس کے اشعار اس انداز پڑھا یا کرتے تھے اور یہ شعر تو بطور خاص عمیص نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے "منتر" کیا تھا کہ یہ ہوا "اس کا رد عمل شدید بھی ہو سکتا تھا اور شدید تر بھی۔ لیکن اس کی "ہدایات و اجازت" ہم جانیں "پہلے ہی ہو گیا۔

"ہاں ضرور۔" اس نے فاتحانہ کو نش جلا کے انداز سے اشارہ کیا جس نکلنے کی راہ اسی جگہ تھی۔

"ہم کیا یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ ہمیں بتانا ہے تو تمہاری لاش سے نظر نہ جانا ہوگا۔" لیکن صبر کی تھی ہوئی در حقیقت ہوا نے اندر اٹھتے طیش کے ابال بیدار کیے تھے تو ہوا کو ہوس عمیص کی صورت دیکھتے ہی اس کے اندر خاصیں مارنے لگتا تھا اور اس کے اشعار... اور اس کا نہ دیا انداز ہر سب پہ چلتا۔ تیل کا کام کرتا تھا۔ لیکن عمیص اپنے جنون میں اس کے گریز بے اعتنائی اور کڑوی کسیلی باتوں کو بھی اس کی ادا اور ناز سمجھ کے دل سے قبول کر لیتی تھا۔

"ہی خیر... کیسی لاش کس کی لاش۔" قریب سے گزرتے ولنگھو نے حارث سے مجبور ہو کے سن لی اور بغیر پوری بات سنے تو وہ ہم بجا دیا۔

"خوف یہ ایک تو تشدد" انگلی نے کوفت سے اسے دیکھا۔

"لاش نہیں لاشیں۔" عمیص نے ذرا مانی انداز میں کہتے ہوئے اس کو مزید سراسیمہ کیا۔

"ایک چھوٹی اور دو کلاں جوں کی لاشیں۔ ایک کا کوچ کی لاش تو تاقابل شناخت ہو چکی ہے۔ اس کے کوا جنہیں کا بھی اندیشہ ہے۔ نہیں۔ جاؤ جلدی سے اپنی سیر لیشن انگلی جھاڑو اور ڈسٹ بن لاؤ اور ان بنے کو ورکنگ ٹائم ورٹ لاشیں تو ان کے آخری سفر لے جاؤ۔"

"ہائے اللہ جی۔ عمیص میاں آپ کتنی گندی باتیں کرتے ہیں اوئی توبہ۔ آج تو... سارا ناشتہ حلق میں آگیا ہے۔" وہ انگلیاں روکتا وہاں سے رفو چکر ہوا۔

"یہ تو سوچیں ہم کی بے سود گفتگو کیا ہمارے کمرے کے دروازے پہ کھڑے ہو کے ارشاد کرنا بہت ضروری ہے؟ آخر تمہیں ہم سرہانے کے وقت کا احساس نہیں ہے عمیص۔" تاباں خرم زخم ہو چکی۔

"اپنے وقت کی تو خیر تم نے کبھی قدر کی تھی نہیں تم از کم دوسروں کا وقت تو برباد کرو۔ جانتے بھی ہو کہ ہمارا آج وقت پہ پہنچنا کتنا ضروری ہے۔"

"میں اسی لیے آیا تھا چلو میں تمہیں آفس چھوڑ آتا ہوں۔" وہ تنہیہ کے دائرے میں نہیں آیا۔

"کون؟ ہمیں شوہر... یا اپنی بی بی؟ ارادہ؟..." وہ مسکرتے ہوئے پکا کے پوچھنے لگی۔ اس کا یہ طرز عمیص نے بیشتر کی طرح خندہ پیشانی سے سا اور شاید انداز میں کہا۔

"میں ان پھولی موٹی گاڑیوں پہ سفر نہیں کرتا۔ میں تمہیں ڈائیو پہ چھوڑنے کا سوچ رہا تھا۔" اس نے شہر میں چلنے والی نئی اور بڑی بلیک بس کا نام لیا۔

"ہم بھی جانتے ہیں ایمان سے چار ٹرپس کرتا ہے ڈائیو سیدھا بس روڈ پہ آتی ہے اور فرمت کوچ ہم آپ نے نہیں ڈائیو میں بیک وقت سا خود پچاس افراد کو سوار ہوتے ہیں ایک تمہارے ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔"

"پھر کبھی... پہلی بار اپنے جانا مناسب نہیں اور تم انفارمیشن جاری ہو شیشہ موسل سورت کے لیے تمہارے ساتھ ہوں گا تو تمہاری بہت مدد ہو جائے گی۔ اچھا ایسا کرتے ہیں میں تمہیں کیلئے پہ چھوڑ آتا ہوں۔" پتہ نہیں کیا اس کا دل کل سے اپنے اپنی جانے پہ ٹھہر نہیں رہا تھا۔

"مگر ہم اصول میں نکمی کا ارادہ نہیں دے سکتے۔" اس نے فوراً سے ٹاک چر چلائی۔

"تم سے کون مانگ رہا ہے میں لے جا رہا ہوں میں ہی دوں گا۔"

"اور تم... تم کہاں سے دو گے؟ ابا حضور نے کہ قوامات تو ہی ہوئی ناں۔" عجیب چبھتے انداز میں کہتی

ہوئی وہ وہیں آگے بڑھی کہ اگر عمیص خود سامنے نہ ہوتا وہ یقیناً "سے ہکلا دے کر گزر جاتی۔ اس نے تو صرف بات اتنی کہنی کی تھی کہ غصے کے مزاج کا عمیص بھی اب اپنے کے پیپ کا جیسے ہوا کے لیے دامن سے گزر کر باہر کی طرف جاتا رہا۔ بیٹھ کے ہی ہوا پر کچھ کر کے نکلی ہوتا لے کھڑے ہوں کہ دونوں ہاتھ سے پیٹتے ہوئے عمیص وہاں سے جس دھڑکت کر کے کھاتے جوانان کو نے میں بیٹھتی ہوئی اس کی جانب بڑھی۔ عمیص کے چہرے پہ تکلیف اور رنج کے آثار واضح تھے کہ وہ چونک اٹھی جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ باتوں کو دل سے لگانے والا تھیں۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو سیڑھی دروازے سے نکلتی کل سر کو دیکھ کر وہ سارا معاملہ بھانپ گئی۔

"حضور آج کل کل سر کے اتنا ضرورت سے زیادہ ہی تیج ہوتے ہوں گے ورنہ تمہاری ڈھنڈلی تو قابل رشک ہے۔" اس نے کوفت میں نیچے نہیں میں ہاتھ دھوتے ہوئے بلکہ پھیلتے انداز میں جھوٹ کیا۔

"تم تو ہمیشہ لاشیں کر رہی تھیں موتیا پل۔" انگلی نے اطلاع دی گویا حافظے کی تیکھی سے باخبر کیا۔ پھر عمیص کو اپنے قدموں کے ساتھ بڑھتے میں جاتے دیکھ کر مزید سہمتا ہوا کہا۔

"انگلی ہے آج کل بی عمیص میاں کو کلوز اشتہار کی بی ہیں۔" اس نے اسے برآمدے میں رکھے تخت پہ بیٹھتے ہوئے کو کہتے اٹھانے لگا کہ وہ جوب اور تنگ آئے۔

"ولنگھو تمہارے عمیص" میاں کا بھی کچھ تو تعین بھر اس قاتلین سے۔" وہ بھی تنے ہاتھ اپنی کمر کے شل سے پوچھتی اسی تخت پہ گرتا ہوئی۔

"اب کر دو ہی ہو گئی ہے پھنکتی تو رہتی ہی۔" اس نے مزید کہتے ہوئے کہنی کی ٹکری اپنی جانب کھسکا کی۔ تصور صرف اسے بولتے پہ اکتا گیا تھا اور وہ رکی ہی رہا۔

"بخت ہی اور ہاں دیسے ابھی کلاب کے ساتھ کا ملنے تو ہوتے ہی ہیں۔"

"کا کا کا... اوئی لک ہاہ دے... ہاں دیسے ہاں کا اوئی ہاں۔"

ولنگھو کی ہر کہ قہقہہ کھوکھلی اور رنگ لک لک کر ہوا ذرا ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ موتیا نے اس کی کمر میں سوا سا کہ دے مارا اور وہ "اوئی ماں" کر کے کمر سہلانے لگا۔

"ہر تمہیں آتی ہے حضور امر دیں۔" موتیا نے دل جلا ہوا اسے خبردار کرتے ہوئے کیونکہ وہ نے کی اصل وجہ جانتی تھی اب مرہو چکی تھی ولنگھو کی سریلی آواز اور رقص کے شوق اظہار کے لیے وہ صرف ہی عنت القدا ہا کہیں نہیں کرے سے باہر تشریف لا چکی تھیں۔ ولنگھو اپنی تھکی زدہ انگلیاں موڑتے ہوئے بھاگتے ہوئے ان کے پیچھے ہو گئے ہی سے معافی طلب کر رہا تھا اور اس کا ذکر کچھ دیر کو وہ وہاں بیٹھے جا رہے تھے۔ پھر ہی بیگم کی جانب کوئی تخت سی سرا سلنے اس نے اچھا جا "بند تو تمہیں دیا ہی ایک ان کے جیسا کمرے میں جانے ہو مرو تو پھر تا ہی ظلموں کی ہیروں کے اشاکی میں ہاز موڑ کے اتنے رخت کی جانب بھاگ

کس چلے ہے ال آیا
پھر ت شیشہ نکرایا

اس کی بال جل صدا ہے عمیص کے منتر کے اب ایک بار پھر سہمتے گئے... پھر سے شیشہ نکرایا۔

"جا ہی رہے ہو حضور موتیا نے کہہ دو پھیل کر اس کی طرف بڑھا۔

"جا ہی رہا ہوں کوئی میں کچھ بھی ہوگی ہی کے متعلق اور ذرا ان تمہیں اب ولنگھو کو دیکھ لو سب ساری دنیا کتنی ہی اس قلق کا پھیلا گیا صرف... ہی کی زندگی ہی کوئی زندگی ہے۔ لیکن میں سوچتا ہوں موتیا کہ ہمارے گھر میں ولنگھو ہی ہوتا تو ضروری ہے۔ اگر یہ "صرف" ہی روح اس حویلی میں موجود ہو تو ہم لوگ تو شاید مسکرانا ہی بھول جائیں... ہے ناں؟"

"ہاں بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کے نہ ہونے کا تصور ہی دل لرزا دیتا ہے۔"

"تم کو عصمت" کس دل سے تم اس کی کڑوی کسیلی برداشت کرتے ہو اور کس لیے کرتے ہو؟ محبت ایک اعلیٰ و ارفع جذبہ ہے۔ اسے یوں ارزاں تو مت کرو۔ خود داری اور آن بان بھی محبت کے کوائف میں شامل ہوتے ہیں۔ تمہارا یہ آٹے خود کو نکال دیں۔" اسے مضمحل دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے دلیلیں کرنے اور بولا تھی۔

"تم تسلیم کریں نہیں کر لیتے کہ ساجد اری کل صرف عام ان لوگوں میں سے ہیں جو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے وہ صرف سمجھانا جانتے ہیں اگر تم ایسی ہی بلاہت مندی اور نادانی سے اس کا دل جیتنے کے خواہش مند ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔ موتیا۔ تمہارے پاس بھی میرے لیے سوائے ذلت پھٹکار کے اور کچھ نہیں ہوتا نہ کوئی مشورہ نہ کوئی رائے۔"

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ دل کے معاملے کو خدا پہ چھوڑ دو اور خود کو پریشان کرنے کی بجائے معاملے کی کوشش کرو۔"

"وہ سال سے معاملے کی کوشش ہی تو کر رہا ہوں۔ نہ نکل مانگی ہے نہ بیچ حضور۔" اس کے منہ لٹکانے پہ موتیا کو ہنسی آگئی۔

"ملازمت ملنا تو اب کسی سہانے خواب کی طرح ہو گیا ہے۔ کبھی سوچتا ہوں چچا حضور بھی ٹھیک کہتے ہیں اس تعلیم کے ساتھ اور بغیر تجربے کے ملازمت لینا کسی کو ہزار روپے معمولی سی... مجھے معمولی کام کرنے میں عار نہیں مگر معاوضہ بھی تو ملے۔ صرف دو ہزار کی خاطر چچا حضور کی مار انگلی بھی سہا لینے کا کیا فائدہ۔ اس سے بہتر ہے کہ میں کم سہارے سے بھوکا پیاسے پہ ہی سہی اپنا کوئی کاروبار شروع کر لوں۔ اگر چہ اس پہ بھی چچا حضور سو اعتراض کریں گے کہ تھا ہوں نے مجھے میں اس پہ رسک لوں کا کہ کم از کم گھر کے حالات تو سدھر ہی جائیں گے میں نے سوچ لیا ہے سوچتا ہوں کوئی غلط کام نہ ہے تو نہیں جا رہا نہ کوئی چوری نہ ڈاکا۔ کاروبار ہی شروع کرنا ہے۔ اگر چچا حضور ناراض بھی ہوئے تو مناسب لگے۔ بس کسی طرح تھوڑی سی رقم کا انتظام ہو جائے۔ کم سے کم پیسے پہ بھی کام شروع کرنے کے لیے بہتر ہیں کیا خیال ہے تمہارا۔"

"ایسا کون سا کاروبار ہو سکتا ہے عصمت جس کے لیے سرمایہ ہمارے گھر سے بہ آسانی نکل آئے"

"بہت سے کام ہیں سوچنا ہمیں کرنے کا حوصلہ اور ارادہ ہونا چاہیے۔ ہونے کو تو محض دھاگے کی ہزار سے بھی زیادہ کام شروع کر سکتا ہے۔ ایک درجن ہی دیسے برتن اور بچے خرید کے تمہارے ہاتھ کے بنے چوتھے اور علم بھی اسٹیشن پہ بیچ سکتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"بیچ تو ہزاروں تو سا گیا۔ ذرا رقم کے پھل سبزی بھی بیچ سکتا ہوں بلکہ محض پانچ سو روپے تو علیحدہ سائیکل کے ان ہفتوں پہ چلتا رہا ہے نے تمہارے لیے کا بھی بیچ سکتا ہوں۔"

"اس کو خراب نہیں ہو گیا تمہارا" وہ اس کے ارادوں کی تفصیل جان کر بکا کا رہ گئی۔

"نہیں بہ کبھی تک خراب نہیں ہوا اس لیے ان امکانات کو بھی سوچا ہی ہے" تھکا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی دکان کرائے پہ لے کر گفٹ شاپ اسٹیشنری بکس ویڈیو شاپ یا پھر جنرل اسٹور کھول لوں۔ لیکن دکان کا پیڈ اس سیکورٹی ڈپازٹ اور کم از کم پہلے ہی ہزار بیس ہزار کے لگتے کیا اس سے زیادہ کا سامان تک بھک ایک لاکھ کا خرچ ہے۔ میری بساط سے باہر اور چچا حضور کی استطاعت سے زیادہ ہے۔ کبھی اسی لیے تذبذب کا شکار رہوں گے چچا حضور سے بات کروں یا نہ کروں۔ کاش ان کی مرضی کے مطابق ہو جاتا وہ کسی نہ کسی طرح پیچھے آتیں کہ میں بھی حضور کے مرضی کے خلاف آؤ دیکھا ایک تو نہ کہیں گے۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم کچھ کچھ حقیقت پسند ہوتے جا رہے ہو۔ میرا اشارہ تھا حضور کے بارے میں تمہارے درست اندازے کی طرف۔" وہ چھتوں کو سمیٹتے ہوئے اٹھنے کی تیاری کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

صبح کافی عرصے کے بعد وہ بہن کی طرف جا رہا تھا اس لیے خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں لگا۔ اس لیے ایک شاپ سے اشیائے کرو بھائی کے زیادہ کھانے والے اخبار بازار کی جانب متوجہ کیا۔ اگرچہ کمرے کی آس پاس بھی پھل اور سبزیاں وغیرہ کی دکانیں اور ریڑھے وغیرہ کھڑے ہوتے تھے مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دکانوں پہ ملنے والی سستی مہنگائیاں نہ صرف باسی ہوتی تھیں بلکہ صحت سے اعزاز تا رہوتی تھیں اسی طرح پھل بھی گلے سڑے ہوتے تھے اور بازار سے نصف قیمت پہ بکا کرتے۔ اس علاقے کے لوگ سستے اور معمولی پھل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے یہاں کے لوگ تو صرف وہ پیسے رکھتے تھے جس سے وہ لگے ہوئے کیلے خریدا کے امرود اور مرغی بیرے کر کھا لیتے اس لیے وہ اتوار بازار آیا تاکہ خود کچھ کر سکتا مگر تا وہ پھل خرید سکے۔ امرود اور کیلے موسمی کا موسم تھا اس لیے ان کا نرخ سب سے کم اور عام آدمی کی بساط میں تھا البتہ سیب مہنگا اور انگور وغیرہ غالباً سستے تھے۔ اس نے ایک کلو امرود اور دو درجن کیلے خریدے موسمی پھل تھی اس کی جیب کے لیے چھ کیلے لے لیے۔ بہت تھا کہ انگور کو لیے بہت مرغوب تھے۔ دہی کھلوا اور سلاجات وغیرہ کے اخلال سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ فوٹ نیم اور اتنی ہی مقدار میں مٹکو خریدی۔ تھی مونگ پھلی بھی پیک کروائی۔ پلاسٹک کے کھلونوں والے اسٹال سے دس روپے میں ملنے والے نئی آئٹم خریدے۔ چھ پستولوں کا پیک، رنگین مارکر کا چھوٹا پیکٹ، رنگ برنگے کپ پانی پھینکنے والا پستول اور سوزک جانے والا تھی مہیا کی۔

سامانِ زندگی کی تھیں اسے اتنے اسباب کے ساتھ دیکھ کر ناراض ہوئیں۔

"کیا کیا عصمت، آپ اتنا کچھ اٹھا لائے ان سب کی کیا ضرورت تھی؟"

"جی آپ کے خیال میں تو بس جینے کے لیے دو اپائی اور ایک وقت کے کھانے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں لیکن یہ جینے ہیں۔ ان کا بھی حق ہے اور ہر مخلوق ہر سمجھتے ہے۔ اگر یا کسی دن ان کا بھی جی چاہتا ہو کا کیلے کو رنگ برنگی پھلوں سے تصویریں بنانے کو مالی روٹی سے ہٹ کر کبھی کچھ اچھی چیز بھی ہنسکے کھانے کو۔"

"ہم نے تمہیں یہ مارنا سکھایا ہے میرے بیٹے۔" وہ محبت سے مسکرائی۔

"اتنے معصوم لوگوں کو مارنے کا حق آپ کو کس نے دیا آپ ہاں ہو کر بھی آپ یہ حق نہیں رکھتی ہیں۔ ان کا دل تمہارے لیے اصولوں کے عین مطابق اس اللہ نے بنایا ہے جو ہمیں مشرکانہ سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے۔ فاحشہ کا درس دینا آپ کا فرض ہے مگر ان کے اندر ابھرنے والی غلط اور جائز خواہشوں کو تو مت کچلیے۔"

"تو ہم کیا کریں عصمت۔ کیا ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بچے بھی دوسرے بچوں کی طرح کھیلیں، ہنسیں اور کھائیں پیئیں مگر آپ تو جانتے ہیں ہمیں ان کی بنیادی ضرورتیں بھی کس مشکل سے پوری کرتے ہیں۔ چچا حضور کا بابا خدا ہم پہ رحمتی فرمائے۔ تمام دکھ ماہ کے ماہ ادا ہو جاتے ہیں۔ آٹا کھانے پینے والے اور ہم بھی کبھی کبھی اور کبھی کبھی نہیں ہوتے ہیں آگے ماہ پھر کھوا جاتے ہیں مگر ہم جینے کے لیے اور بہت کچھ چاہتے ہوتے ہیں ہم بچوں کو ہنسا لیں رونا لیا پھول کھلنے نہیں کھلا سکتے روزی کی صرف سوچیں۔ نے ہی تمہیں انگلیں روپے آسمان سے اتر جاتے ہیں۔ تمہاں نے سرکاری اسکول میں پڑھتے ہیں تو یہ خرچہ نہیں مگر کل خاکے سو سو سو روپے نہیں چھوڑ جاتی ہیں۔ بچوں کا خرچہ۔ دکش کو ان کے اپنے مہرا ہاتھ لیا مگر ہم نے ایسے جیل رکھ کے اس کی زندگی کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ بھلا کرے کہ خرچ ہی کا دو کشش کو روزانہ کھیاں بھوز کر رہے نہ دنیا استطاعت کے بھلا خود لے جاتی ہے۔ واہ واہ ہی بھی بھیجتے نے آئی ہے۔ ان کے لیے اکوا اس کا علم نہیں کہ ایسے بھی دا کھڑ شام کو گھر نہیں ہوتے ہیں۔ ان کو تم دکش کو اس شام نکلتے نہیں رہتے استانی کی کچھ تالیں ہیں صرف زیادہ سوروپے کے کر جاری ہو رہی تھیں کہ اس بیٹی آنکھوں کا امتحان دلوا دیں گی۔ مگر ہم سوچتے ہیں کہ یہ کیسے ہو گا ان کے ابا تو۔"

"اس کی آپ فکر مت کیجیے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ اللہ بھلا کرے گا میں نہیں چھوڑ جاؤں گا۔ ابا رحمانی کی بہ وصیت ہو چچا حضور کے سامنے دم نہیں مار سکتے کہ ایسے جتنے مرضی طرم خان بنے پھرتے ہوں۔"

"اونہوں عصمت۔" صاحبزادی یاسمین کو اپنے مجازی خدا کے بارے میں بھائی کی زبانی یہ کلمات پسند نہ آئے۔

"ان آپ کے ہونی ہیں ہمارے بھائی جیسے۔"

"اچھا" آپ جانتی ہیں کہ میں کسی کو عزت محض اس کے رتبے کے حوالے سے نہیں دے سکتا" اسے عزت کروانے کے لائق ولی عمل بھی کرنا چاہیے۔ چچا حضور کا احترام میں صرف اس لیے نہیں کرتا کہ انہوں نے ہمارے والد کی وفات کے بعد ہماری پرورش کی ہے اور اس وقت دنیا سے واحد بزرگ اور ہمارے مرحوم والد کے عزیز بھائی ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی قابل احترام اور لائق ستائش ہیں۔ اگرچہ بہت سے معاملات میں ان سے اختلاف رکھتا ہوں بلکہ ان کے لئے ان سب باتوں کا تحمل ہوں۔ اپنے چند قواعد کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ اٹل ہونے کے علاوہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ وہ ایک باشعور شریف ایماندار انسان اور وفادار شوہر مشفق باپ اور۔"

"بھئی تو یہ عصمت میاں آج چچا حضور کی بہت تعریف و توصیف ہو رہی ہے؟" صاحبزادی یاسمین نے ماحول کو ہلکا پھلکا بنانے کی غرض سے اسے چھیڑا۔ وہ جھینپ گیا۔

"میرا آنے کا مقصد خاص ان سے بات کرنی تھی کہ وہ کل عرصے کے لیے لکھنؤ کو واپس لے آئیں۔ وہ خود لینے آئیں گے تو بابا جانی نہ انکار کر سکیں گے نہ اعتراض اختلافات سے بچو عرصہ قبل آنے کی قسمیں اور وعدے اسے اور اچھی طرح پہچانتی ہیں گے۔ بس آپ بہت تیار ہیں حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کریں۔ مجھے اپنی بہن کی یہ بات اچھی لگی ہے کہ وہ شوہر کی جانب سے قطعی مایوس ہونے کے باوجود اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہے۔ خود پر بے اختیار کھو رہا ہے۔ آپ دن رات محنت کرتے ان بچوں کو تعلیم دلوا رہی ہیں دیکھئے گا آپ کی آئندہ آپ کی اس محنت کا اجر ضرور ملے گا۔"

"بس بھائی تم ایسی ہی بات بنا جاتے رہا کرو" ہمیں اور کیا چاہیے" آئندہ یہ تردد مت کرنا۔ اتنا سب لانے کا۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ آپ کے اپنے روزگار کی فی الحال کوئی شکل نہیں۔ ایسے میں اپنا پیسہ بھر کا خرچ کس اور اس کے بچوں پر لٹا کر خالی ہاتھ پھریں گے۔ کیا یہ ہمیں اچھا لگے گا؟"

"بھئی خرچ۔" ابا جان کی آواز میں نے کافی عرصے سے نیا بند کر دیا" چچا حضور خاصے جزبز ہوئے تھے مگر میں نہ مانا۔ عجیب شرم سی آئی ہے اب بچوں کی طرح جیب خرچ لیتے ہوئے۔ اب ان کی محبت نے اور میری عمر ساتھ پھیلا کے لیے والی نہیں ہوتا تو یہ بات ہے کہ واجب احترام کریں اور میں سے مگر یہ بھی صرف ان کی ضد کی وجہ سے ناممکن بنا ہوا ہے۔"

"تو یہ بھی سب۔" یاسمین نے حیرت سے اور گرد پھیلے سامان پہ نظر ڈالی۔ پھل، کنٹ، سموسے، برفی اور کھلونوں پہ نہ تھا نہیں تو کراری کچھ ہوتا لگا رہا ہو" عصمت نے۔

"یہ سب تیاری ہے۔" اور مجھ انداز میں مسکرایا۔

"کیسی تیاری؟" وہ بے سمجھ انداز میں بولی تھیں۔

"اپنے دل پہ کھرے ہونے کی تیاری آپا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں اب کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر لوں۔ کام ایسا ہو کہ چچا حضور کے اصولوں پہ نہ پورا اور اڑ بھی نہ پڑے۔ اچھی چلتی دکان کی طرح تو نہیں دے سکتا مگر کوشش ضرور ہے کہ وہ تھوڑی سے اس ارادے کے ظاہر ہونے سے بھی پہلے ہی ہو جائے۔ بہرحال میری کوشش تو یہ ہے کہ ایسا کام کروں جس سے وہ قیمتاً اشکل بے شک دکھائیں ذریعہ میں شامل کر لیں کہ اس کام سے ان کے خاندان کی عزت پہ ہرگز کوئی حرف نہیں آئے گا۔"

"ایسا کیا کام ہو سکتا ہے؟ اور اس کے لیے آپ سرمایہ کہاں سے لیں گے؟"

"کام بہت سے ہیں آپا۔ میری نظر میں تو ہر کام ہی باعزت ہے جس سے حلال طریقے سے روزی ملتی

کمائی جائے چاہے ہوتے کا نشیے والا موچی ہو، چاہے سامان ڈھونے والا قلی، چاہے گھوڑے ہانکنے والا تانگہ بان لیکن بات میری نظر کی نہیں مسئلہ چچا حضور کے نظریے کا ہے۔ ان سے احترام اور محبت کا تقاضہ ہے کہ میں ان کے نظریے کا احترام کروں۔ ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچنے دوں اور اس کے لیے میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ کھلی دکان کرائے پہ لے کر ٹوٹا اسٹیٹ مشین رکھ لوں ساتھ ہی ہی ادھر لوں۔ تم از کم چچا حضور کو یہ چیز نہیں بتانے کی کہ میں آپ کے آنے آنے کا سوچ رہا ہوں۔ رکھ کے بیچ رہا ہوں حالانکہ نہ آپ نہ ہے نہ رہا ہے۔ یعنی کمائی ان چنل اسٹور زدالوں کی ہے اتنی سی ذرد عدد سے میں نہیں۔ خیر ضرورت تو ان ہونی چاہیے جس دو کہ ہم اعتراض کر سکیں۔ نیک واقف کار میں ہوتی ہی اکار مٹ بھی دلا دیں گے اور دکان کی سجاوٹ اور ایڈوانس میں مناسب حد تک کمی بھی کرا دیں گے اس کے بعد تو ہم تیس پینتیس ہزار تک پہنچ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے لاکھ میرے اس محدود تخمینے سے بڑھ کر چالیس ہزار تک پہنچ جائے۔"

"ہوں اس کا بندوبست کہاں سے ہو گا؟ کیا آپ نے چچا حضور سے بات کی؟"

"نہیں۔" عصمت نے ہاتھوں سے سر ہلایا۔

"اور اس کا ذکر بھی کوئی نہیں میں ایک بار کام شروع کر لوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کے بعد وہ خود مطمئن ہو جائیں گے یہ دیکھ کر کہ اس کام میں آمدنی بھی ہے اور عزت بھی۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے اسی طرح اطمینان دلا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کام کے لیے رقم دینے آمادہ نہیں ہوں۔ لیکن اور کام پر مجھے ہی جانے دیں گے کہاں سے اتنی اچھی طرح جانتا ہوں ان کے پاس اس زمین اور چند بانٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو ملتا ہے ہو ہم سب پر اور ان کی وضعداری روایتی سامان اور ایسی پہ لگ جاتا ہے۔ ان کے پاس کوئی جمع جتھا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ کار کا دیا کوئی بیٹی جہیز کا جمع کر لیں گے۔ نہیں آپا میں انہیں مزید تکلیف نہیں کرنا چاہتا۔ کر لیں گا کوئی نہ کوئی انتظام میرا دوست ہولی سی ادکار مٹ دلا دے۔ میں ہزار تک اور دے دے پہ تیار ہے۔ بقی کی رقم جمع کرنے کے لیے میں آج کل۔" کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا؟" کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"کچھ خاص نہیں آپا۔" اس نے صرف ٹالا۔ "آپ فکر نہ کریں چوری نہیں کر رہا" نہ ڈاکا ڈالوں گا۔ حلال طریقے سے کما کر جمع کر رہا ہوں تاکہ جلد از جلد باعزت طریقے سے اپنا کاروبار شروع کر کے خود اپنی نظروں میں سرخرو ہو سکوں۔ اچھا یہ بات اور کہ ابھی تو مجھے یہ برداشت نہیں ہوتی کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں اس کا تصور ہی مجھے شرم سے پانی پانی کر دیتا ہے۔"

"یہ تو بس اس ہی زندہ سے تو بڑی بات ہے عصمت میاں۔" یاسمین کچھ سوچ کر افسردہ ہوئیں۔

"لیکن ذرا کم آپ کو اس پہ شرمندگی ہے۔ یہ شرمندگی ہی خود کو بھارنے کچھ کرنے پہ اکساتی ہے اور اگر کسی کے اندر یہ شرم ہی باقی نہ رہے تو وہ باخود کو بیچ دینے پہ آمادہ کرنے کی آرزو کرے گا۔ دیکھئے آپ کے سوچنے کے اندر بھی غلط یہ شرم زوال دے مگر آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کیا کام کر رہے ہیں ہمیں خدا خوستہ کوئی ایسا کام۔ عصمت تم نہیں جانتے چچا حضور کے دل میں آپ کے لئے۔"

"آپا بات یہ ہے کہ اس کا ذکر مجھے بھی ہے۔ لیکن میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ چچا حضور کو اس کا علم نہ ہو۔ ویسے بھی میرا ارادہ تو یہ ہے کہ یہ سب وقتی ہے اور اپنے ارادے کی تکمیل کی خاطر ہی یہ کام کر رہا ہوں۔ ساتھ ہاتھ باندھے رکھ کے بیٹھنے کے پیسے کے گا۔ جب میں جانتا ہوں کہ اپنے لیے ہو کر رہے مجھے ہی کرنا ہے تو پھر کس بات کا انتظار؟ اللہ ہی ہمیں کام آتا ہے۔ اللہ بھی اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد کرتا ہے۔ میں آج سے نہیں پچھلے چار ماہ سے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے اللہ اور اللہ میری مدد بھی کر رہا ہے۔ ان چار ماہ میں میں نے کم از کم چار ہزار میں انداز کر لیے ہیں۔ میں ہزار تک کی رقم جمع ہو جائے تو اللہ کا نام لے کر اسٹور کھول لوں گا۔"

"خدا آپ کے مقاصد میں کامیاب کرے۔" صاحبزادی یاسمین نے دل سے دعا کی۔

"اب آئے ہو تو کھانا کھا کر جانا۔" ہمیں باتوں میں مصروف دیکھ کر انہوں نے خود اٹھ کے کھانا تیار کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت کشش ہی کچھ نہ کچھ ہو لیتی ہے۔ ہم ان کے لیے کوئی خیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سلائی کا کام کر لیتے ہیں۔"

"کہاں ہیں یار بھئی آپ تک آئے کیوں نہیں؟ برات ہوئے کو ہے۔"

"وہ رات ہوتے ہی تھک کر سو گئے۔ یاسمین نے تلخی سے کہا۔ "عمیص کی ایسی شکایات دل ہی دل میں کر لیا کرتی تھی۔ کسی سے کہتی نہیں تھی مگر عرصے بعد دل بھر جائے سے دکھ کے میں ملنے پہ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو جی چاہتا ہے۔

صحیح بچوں کے اسکول جانے کے بعد وہ دن بھر وہ سمٹے بیٹھ جاتے ہیں۔ ناشتا کر کے کیوں تربازی اور پتنگ بازی کے شوق پورے کیے جاتے ہیں۔ گھر پر رہنے کی جھنجھلاہٹ وقتاً فوقتاً ہم پر اور کلثوم اماں پر اتاری جاتی ہے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر گھر سے سو جاتے ہیں۔ بچوں کو ہم باہر کرکٹ کی دیگر بچوں کے ساتھ خود ہی کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کچھ عجیب سا ماحول بن گیا ہے اس جگہ کا۔ عجیب قسم کے لوگ ہیں ہم نہیں جانتے کہ بچے ان سے کوئی غلط اثرات لیں مگر ہمیں اس کمرے کے اندر محبوس رہ کر بھی بچوں کے بارے سمجھنے رہتے ہیں۔ اب کی بنیاد میں ظل نہ پڑے اس لیے اونچی آواز میں بات تک نہیں کر سکتے۔ کھانا تو دن کا رات۔ شام ہوتے ہی اٹھ کر بناؤ سنگھار کر کے باہر نکل جاتے ہیں۔ بچے اسکول کا کام کرتے ہیں اور وہ نکلتی باہر کی کوشش کرتا ہے کہ ہمارا استقبال ہی نہ ہو۔ جانے سے پہلے کھانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست بھی کر جاتی ہے۔"

یاسمین نے تفصیل سے اپنے دن بھر کی مصروفیت اور معمول سے آگاہ کیا۔ جس میں سب سے دلچسپ بات عمیص کو باہر جانے کا "بناؤ سنگھار" کی لگی۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"لیکن آپا! یہ بناؤ سنگھار کر کے جاتے کہاں ہیں؟ نظر تو کچھ بھی زمانہ خراب ہے۔"

"زمانہ کہاں خراب ہے بھئی زمانے والے ہی خراب ہیں اور انہیں کہاں جانا ہے کسی نہ کسی دوست کے ہاں یا پھر۔" وہ بتاتے بتاتے رک گئی۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنا اور بات تھی اپنے سارے راز ظاہر کر کے خود اپنا بھرم کھو دینا دوسری بات۔ عمیص یار کی جو مدد کی لت اور دوستوں کے ساتھ کھانے پینے رقم لٹانے اور جگہ جگہ سے ادھار لینے کی عادت سے تو تھوڑی واقف تھا مگر اب تک یاسمین نکل مہارت سے اپنے شوہر کی شراب کی لت اور جس کے نشے پہ وہ فدا ہوئے تھی۔ اسی طرح اس کے دیگر لوسا قسم کے "دوستوں" کو بھی جانتا تھا۔ ان پیسے لٹانا بھی ان لوگوں سے چھپے ہوئے تھے اور یہ بھی کہ اس کی لت سے کمائی رقم اور چند حضور کے بھی کبھی دیئے چند سو روپے بھی اکثر چھین کر لے جاتا۔ اپنے کسی شوق پورے کرنے۔

"ویسے کرج سواری کہاں گئی ہے؟"

"کسی محفل غزل میں گئے ہیں۔ ان کے دوست کے گھر ہو رہی ہے۔" یاسمین نے بتایا تاکہ وہ مزید سوال نہ کرے اور بات کا رخ موڑنے کو کلثوم کی آواز دینے لگی۔

"کلثوم اماں ہمیں کھانا کھائیں گے کیا بنایا لالا؟ ہم نے پوچھ تو لیتیں۔"

"اماں کو کھانا کھلانے سے پہلے تو ہم بھی نہ جانے دیتے امی جان۔" چودہ سالہ دبلی پتلی سے ہو سو موٹاپے کے لڑکھن کی تصویر کلثوم بار از اٹھ کر تمام اماں کے شانے پہ ہاتھ پھیلا کر بولی۔

"ہم جانتے ہیں اماں کو چاول پسند ہیں۔ سلونا بنایا ہے کہ کہ تو کھرا ہی منگوا دیں ہم نے پوچھ پیسے نہ رکھنا بتایں گے۔"

"وہ تو منگوا لیں گے مگر آپ کوئی سالن ہی بنا لیتیں ساتھ کبھی کبھی تو ہمیں آتے ہیں۔"

جواب میں وہ کلثوم خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی۔ یاسمین بھانپ گئیں کہ سالن کے لیے کچھ موجود نہ

"مسٹر ڈاؤ تو میرا پسندیدہ ہے اور آپ بھی کلثوم کے ہاتھ کا اس نے میری فیورٹ ڈش بنائی ہے اور بدلے میں میں تم سب کی پسند کی چیزیں لے کر آتا ہوں۔ شمشیر کا باب۔ کیا چلے گا کیک یا نان کباب؟"

بچے چپ چاپ ماں کی شکل دیکھنے لگے۔ ایسی چیزوں کے صرف نام سنے تھے کھائی کبھی نہ تھیں اگرچہ باپ جوئے کی رقم سے روز رات کو ایسے ہی کھانے اڑاتا تھا۔ ان کا جی تو چاہ رہا تھا مگر ماں کی رضامندی کے بغیر وہ ہامی نہ بھر سکتے تھے۔ یاسمین کی کڑی تربیت تھی۔

"رہنے دو عمیص پہلے ہی آپ اتنا سب لے کر آئے۔"

"آپا آپ تو چپ ہی رہیں۔ کلثوم کھانا لگاؤ۔ میں بھی اور ان مچھلی لے کر آتا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"آج لنچ کے بعد کوئی خاص اپائنٹمنٹ تو نہیں؟ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ چار بجے تک لوٹ آؤں گا۔ وہ جو سیکرٹری سے کسی جرنلسٹ نے انٹرویو کے لیے آنا تھا آئے تو تم کیا لنچ کے بعد کا ٹائم دے دینا۔"

شہزاد نے آفس آنے کے بعد یہ ضروری فون کال کیں پھر اٹھ کر اپنے سیکرٹری سے دریافت کیا۔

"میں سر وہ جرنلسٹ اپنے فوٹوگرافر کے ساتھ سات بجے شام کو آئے گا۔ اس کے بعد بار بار بلا کر آتی تھی کہ وہ آپ کا ایک فوٹو شوٹ بھی لے کا۔ میں نے کہہ تو دیا ہے کہ آپ تیار رہیں۔ اس کے علاوہ دو سرکاری کے بعد کوئی اہم پارٹی اپائنٹمنٹ نہیں ہے۔ ہاں رات کو شاہدی کی فلم کے پریمیئر کا لوی کیشن آیا ہوا ہے سر کیا آپ جانا پسند کریں گے۔"

"ہوں۔ دیکھتا ہوں اگر موڈ ہوا تو۔ ایسی فلمی گیدرنگ میں وہی پہ بکل فلمی ماحول اور اوبے تو بے تکی خوردے قسم کے لوگ۔ خیر جانا تو پڑے گا۔ شاہدی سے پرانی ایسوسی ایشن ہے یاری دوستی کے لحاظ میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور وہ فوٹو شوٹ اس کے لیے تو پھر مجھے سات سے چار بجے تک ہر حال میں آنا ہوگا کہ میں فرنیچر ہو سکوں۔ ایسا کرو مقار! تم اس جرنلسٹ کو لون کر کے یہاں آفس آنے کی بجائے ہی میں بلا لینا تو انٹرویو کر لو۔ اس کے دو اندر ہوں گے ایک تو ایسے ملنے والے جرنلسٹس کو ذرا اچھی سی چائے پینے کو مل جائے گی تو فوٹو شوٹ چھاتے ہوئے کم تھکے لگے گا۔ دوسرا میں سات سے سیدھا گھر جا کر فریش ہونے اور چینج کرنے کے بعد وہیں ہی ملا کروں گا۔"

"جو آپ کہیں گے۔ آفس نہیں آئیں گے۔"

"لنچ کے بعد ہی میں ملنے میں لنچ سے پہلے بھی آفس نہیں ہوں گا۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ میں اپنے اسٹوڈیو کو کم سے کم مدت میں مکمل بنانا چاہتا ہوں۔ کام کو پریشر چھٹنے کے دنوں میں اتنا زیادہ تھا کہ میں سات سے جاتی ہوں کہ دیکھو کس کام کی رفتار ہے اور کام میری مرضی کے مطابق کسی کشش طریقے سے ہو رہا ہے یا نہیں۔ تو آج اتنا تاخیر ایک عرصے کے بعد ایسا ہوا ہے کہ وہ کوئی اہم سٹنگ ہے۔ نہ میری اتنی پروڈکشن کی کسی شوٹنگ یا سیٹنگ میں میرا ہونا ضروری ہوتو پھر تم اسٹوڈیو۔ میں موبائل والٹ اور کی رنگ اٹھا نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔

"لیکن سر لنچ آور سے پہلے کا ٹائم آپ نے اس امیدوار کو دے رکھا ہے جس کی سفیان صاحب نے سفارش کی تھی اور میں نے اپائنٹمنٹ کے سلسلے میں۔"

"اوہ۔ آئی ہی گیا نا ٹائم دیا تھا تم نے اسے۔"

"سر بارہ بجے کا ٹائم دیا تھا وہ اسی لیے ہیں۔"

"لیکن سر ایک بات پوچھوں۔" مقار الیس جاتے جاتے پھر سے پلٹا اور کچھ جھجکتے ہوئے سوال کیا۔ شہزاد نے اسے استفہامی نظروں سے دیکھا۔

"سر آپ تو سفارش پہ نہیں کرتے پھر سفارشی افراد کو چانس دیتے ہیں۔"

"تم نے ٹھیک کہا مقار لیکن یہ صرف سفارش نہیں ہے۔ سفیان کوئی بے وقوف شخص نہیں کاروباری آدمی

ہے اور پھر میرا ارادہ ہے کہ ہیروئن ڈیمانڈ کیا ہے۔ میں نے اس سے اپنی پرابلم ڈسکس کی تھی اور اس نے اس کے حل کے لیے جو مشورہ دیا میرے خیال میں یہی بہتر تھا کہ ہم اس پروڈکشن کو ایسے ہی مسائل میں مبتلا کریں جو اس کی ڈیمانڈ ہیں۔ اس کے لیے پروڈکشن کے لیے ہندوستان کی بجائے ہمیں پروفیشنل ہونا پڑے گا۔ اس کے لیے پہلا انتخاب بھی خیال نے خود ہی سجھایا۔ وہ کیپٹن بلیڈ کا ہے۔ اگر اس کے خیال میں یہ خاتون ہوٹ پروڈیوسر کے لیے سب سے موزوں ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔"

☆ ☆ ☆

"تھینکس گاڈ" مونی تم مل گئیں۔" مونی کی نگاہ اس کے سامنے رکی تو وہ شکر کا کلمہ پڑھتی فوراً اس کے برابر گل مرکلا کے پہلو سے اٹھ کر مونی کی طرف بڑھی۔

"مونی تم ٹھیک ہو؟ تمہارا خیال ہے میں نے تمہیں راستے میں اغوا کر کے دیکھ کے لطف دیا ہے۔ تم کیسی ہو؟ کیا مطلب؟ تمہارا خیال ہے میں نے تمہیں اپنی دوست کے بارے میں اتنے سیدھے انداز سے بتا دیا ہے۔ تمہیں لے جانے کے لیے آئی ہوں۔ اگلی سے بتا دیا تھا کہ یہ شخص ... شہزاد ملک ہو گی ایس پروڈکشن ہاؤس کا مالک ہے، خاص طور پر وہ شخص جو بالکل اپنی کھوپڑی کا ہے۔ اپنی کرنے آئے تیاری ہو گئی۔ ... نہیں دیکھتا اس لیے میں خود آئی کہ کہیں تو یہ بیوقوف بنے بغیر پیٹ ہو جاؤ اور اتنا اتنا جاؤ ہی پانچ سے نکل جانے۔ اب بتاؤ کیوں ہوئی۔"

"اتنا کریں ہم تو گھر سے ہی نکلے ہیں۔ مونی کی خوشی تھی نہیں مل رہی تھی کہ ہم بھٹکتے ہوئے ادھر آ گئے۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ ملو اچھا ہوا تمہیں مل گئیں ہمیں رستے کی آواز سے گھبراہٹ ہو رہی ہے اور وہ تکلیف بھی ... ہم رہنے لگے ملو اچھا ہوا تمہیں مل گئیں ہمیں کوئی ڈرائیور کی شکایت ہمیں ٹھیک نہیں۔" وہ بتاتے ہوئے بیٹھ کر دوسری جانب کے اسکارف سے نکلنے والے بال ٹھیک کرنے لگی۔

"اوہ شہزاد کے گرے" مونی نے سر ہلایا۔

"مگر تم ٹھیک ہیں بھی تب بیٹھیں گی جب اس کا ڈرائیور ان کے دل کو بھائے گا۔ بارہ بجے کا ٹائم تھا اور اب صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔"

"تم میرے بھائی ہو، بھتیجی ہو تو تم سے تمہاری زبان لڑانے بھر ہی ہے۔ اتنی ہی رفتار کار کی بھی رکھو تو ہم وقت پہ اس پہنچ جائیں۔"

"اس میں جانا ہے ... نہیں۔" مونی نے اسے چڑایا۔ گل مرکلا یاد دلا کر سات منٹ ہو گئے۔ اس نے کار زیبی روز کے کاروباری ملاقاتی کی مصروف ترین شاہزادہ علی اس پروڈکشن کے آگے روک دی۔ اس کے سیکنڈ فلور پہ گل ہیں پروڈکشن ہاؤس کا آفس تھا۔

"کیا بار بار جا رہی ہوں اس پر تم ایک گھنٹے سے پہلے فارغ ہو جاؤ تو واک کرتے ہوئے ہیں آ جاتا۔ ورنہ ایک سرا ایک تک میں تو آتی جاؤں گی آہستہ ہی جاپ کی خوشی میں ابرو سے نہ ٹرٹ ہوں گی اور کے۔" اس نے تاکید کرتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

"اس آپ پورے بارہ منٹ لیٹ ہیں۔"

ڈرائیور نے اس کا تعارف حاصل ہوتے ہی سب سے پہلے اطلاع دی۔

"اور سر کافی دیر سے آپ کا وقت کر رہے ہیں انہوں نے اپنی ایک ضروری ... کینسل کی ہے صرف آپ کے لیے۔" مزید شہزادہ کی ایک دلدار دیکھ اور خاصی پریشان ہو گئی وہ روسے مٹی کے لفظ بار بار آنے لگے۔

"خاص خراب شخص ہے بلکہ اتنی قدر الٹی کھوپڑی کا مالک۔"

"وہ اندر ہے ہمیں گیا۔" بالکل اس کے اندر کے والی خان نے جوش مارا۔ اس نے شانے جھٹک کے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"خود ہی تو اپنے گھر میں ہو گا۔ بارہ منٹ لیٹ ہی تو ہوئے ہیں۔ کوئی جان بوجھ کر دیر تو نہیں کی کرتے اور دیکھے ہمارے ساتھ زیادہ ہی بھی بدلا تھا۔ ہم بھی کوئی ایسے ویسے نہیں اسا شہزادی گل مرجانہ ہیں۔ ساری دنیا کھوپڑی کی بھرتی سیدھی کریں گے۔"

تو کو حوصلہ دلانے کی خاطر وہ اپنے اندر کی گھبراہٹ کو ایسے ہی کھوکھلے راستوں سے دبا رہی تھی۔ سیکرٹری نے اندر آنے کی اطلاع دے کر اجازت طلب کی۔ اندر جانے کا اشارہ ہی تھا کہ ایک شاہانہ سی تمکنت و تیور بھی گل مرکلا کے چہرے پر انداز سے چھلکتی تھی۔ اس وقت ارادہ ایسا تھا کہ اس کا سر کھوا اور بلند ہو گیا اور وہ تیز قدم کی آواز کا انداز میں کمرے میں ہو گئے اور "شہزادہ قدم الحالی" داخل ہوئی۔

"ہم اندر آ سکتے ہیں سر؟"

اگرچہ اندر آنے کی اجازت مانگنے کے لہجے میں دبدبہ اور تحکم میں رعب اس قدر تھا جیسے وہ آنے کی اجازت نہیں طلب کر رہی ہو بلکہ اپنی آمد سے خبردار کر رہی ہو۔ شہزادے چونک کر سامنے دیکھا تو ذرا سا ناراض ہوا کیونکہ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی اس کے انداز سے ماسکر مختلف ہے۔ بیٹھے اس کے خیال میں وہ ایک تھی پہنچیں ساتھ جیسے لگائے خاتون ہوں گی۔ مہمان کے مطابق ذہن تھلیں تھی "کیپٹن بلیڈ جنٹس" کل جب شہزادے ہوتا میں ذکر یا کہ دراصل کی بیٹی کی بہت سے تب اس کی عمر کا اندازہ لگاتے ہوئے اس کے تصور میں ہو چکا کہ بیٹی اس کے ہاتھ ایک دراصل کے ایک ایسی میں ساتھ ٹیشن ... ایک کی لڑکی ہو گی۔ بیٹے کے ترشید بالوں ... ایس گئی آنکھوں کے ہاتھ لیے ہوئے ایک آب والے چہرے اور طلب ... بالوں والی بگڑی ہوئی امیر زادی منہ ٹیڑھا کرتے انگلش بولنے والی جیسے یا شاید ... ایک ... کا ... کیپٹن بلیڈ ... جانے کا اور اپنا کیریئر پڑھنے کا۔ مگر اس کے بالکل برعکس ... ایک ... ایسی ساتھ ... تھی۔ سراپا مشرقی انداز لیے ہوئے۔ رواجی تراش والے کالی شلوار قمیص میں ... ہوئی کے ترم ترتا ملے اور کر بالکل جدید انداز کے مطابق شلوار کے پائنچے اور آستین میں لمبے سے چاند مدھ ... اس لباس کی مشرقیت کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ نہ صرف سر اسکارف سے اچھی طرح ... بالکل شکل بھی بدلتا انداز میں اس کے سراپے کو لطف کر رہی تھی اس کا چہرہ حسن و جاذبیت کا ایک ... تھا مگر ... مصنوعی سہارے کی عادت نہیں تھی۔ چہرے پہ وہی رعب اور شاہانہ جذبہ جلال تھا جو ... چمک رہا تھا۔ شہزادے ایک ... پہ متاثر ہوتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"ہم ضرور خواہ میں کافی وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔"

... شہزادے شاہانہ اور رواں لہجے کی ادا میں اس نے بھی بے نیازی سے معذرت پیش کی ایسے اجازت طلب کی تھی نہ روا اجازت اجازت لگ رہی تھی۔ یہ معذرت معذرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کے شاہانہ انداز اور لب و لہجے سے مخلوط ہوا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس گل سر۔"

"شہزادی گل مرجانہ۔"

اس نے تصحیح کی۔

"... شہزادہ ... شہزادہ اب مرعوب بھی ہو گیا۔"

• • •

"شہزادی گل مرجانہ۔"

... نے زیر لب دہرایا۔ جیسے اس نام کو ذہن نشین کر رہا ہو۔ اپنے نام کا ورد کرتے ہوئے کرار خود بھی اس شاہانہ ... کا ... محسوس کرتے ہوئے گل مرجانہ کے چہرے پہ قدرے ناگواری کے تاثرات پیدا ہوئے۔ شہزادے ... بدل لیا۔

"اپنے تشریف رکھیے۔"

[illegible] کے سامنے [illegible] کی [illegible]

"[illegible] سفیان ڈنگل نے [illegible] کیا [illegible] کا مطلب قطعی یہ نہیں کہ ہم تمہیں ان کی سفارش پر آپ کے اوارے میں ملازمت پر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ ذرا مسکرائی اور کمال اعتماد سے دعویٰ کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہماری پارٹی فیل ہی ہو۔ آج تک کسی کو ملازمت کا تجربہ نہیں ہوا اس لیے ہم نے اس بار ان کے ذریعے سے مدد طلب کی تھی اور ان کے ریفرنس سے یہاں تک پہنچے ہیں لیکن آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارا انتخاب کرتے ہوئے کسی قسم کی پیشہ ورانہ یا انسانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہم آپ کے اوارے کے مدد اور ڈسپلن کے مطابق اپنی بہترین صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔"

شہزاد کی بات پر مسٹر ابٹ کھل کے ہنس ہوئی۔ "اے انٹرویو دینے کا یہ انداز اور یہ تکبر انداز پسند آیا۔"

"کیا آپ اپنی بیوی کو کہنا پسند کریں گی؟"

"شیور۔"

"ہوں۔" تھوڑی دیر خاموشی کے بعد ابٹ نے کہا۔ "آپ کا ایک ریکارڈ ملازمت اچھا ہے لیکن میرے کام کے لیے میں صرف ڈگریوں پر انحصار نہیں کرتا۔ میں کام کی اپروچ سے متاثر ہونے والا بندہ ہوں۔ تم اگر کھل انٹرویو بھی ادا کیا لیکن ڈیڈ لائن کے مطابق میرے کام کا رزلٹ پیش کریں گی تب بھی مجھے منظور ہے۔ ہر حال میں آپ کی تعلیمی قابلیت کو کھلا نہیں رہا ہے۔ بیٹھو۔ ایک اضافی کوالٹی مثبت ہوگی۔"

اس کی باتوں سے کھل کر اندازہ ہوا کہ وہ اس جاب کے لیے سلیکٹ کر چکا ہے۔ پہلی بار میں ہی کامیابی حاصل کرنے کی خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔

"تو سر ہم کب سے جوائن کریں؟"

"جلد ہی تو آپ سے ہی۔ لیکن ابھی کچھ دن آپ کو صرف یہاں کے سسٹم کو سمجھنا ہوگا۔ جس سیریل کے لیے میں نے آپ کی خدمات حاصل کی ہیں اس کا پیپر ورک اور ریسرچ مکمل ہو چکی ہے۔ اگلے ہی ہفتے ریہرسل چلا جائے گا اور میری کوشش ہے کہ ہم پیکل اس اقساط کی ریکارڈنگ ریکارڈ ٹائم میں شوٹ کریں۔ آپ کو اس کا مکمل اسکرپٹ دیا جائے گا تاکہ آپ بھی اپنا ہوم ورک مکمل کر لیں کہ اس سیریل کی کیا انداز ہیں۔ اپنی ہر اہم سیریل کی فائنل ایڈیٹنگ میں کرتا ہوں۔ سیریل اسٹیمنٹ ایڈیٹر ہر اہم سوٹ مجھی تک پہنچا دیں گے تب آپ کا کام شروع ہوگا۔ جہاں جہاں کرافکس اور اسپیشل ایفیکٹس کی ضرورت ہوگی وہاں وہاں آپ کو ایڈیٹنگ کے دوران اپنا کام دکھانا ہوگا۔ اس لیے آپ کا روز آنا ضروری نہیں لیکن ابتدائی چند روز تک آپ کو ایڈیٹنگ کی تکنیک سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے روز آنا ہوگا۔ یہ چیز آپ کے کام کو مزید آسان کر دے گی۔"

اس کے علاوہ ایک اور بات یاد رکھوں۔ شہر کو نہ جانے کیا کیا سمجھتی ہیں۔ سیریل آپ نے اس کے متعلق پڑھ نہیں کیا لیکن اس کو لکھا ہے لیکن میری اپنی ذہن سے متفق ہونے کے باوجود ایک ڈسپلنڈ اور ہنگیجول کہانی ہے رشتے کے نیوں اور تقدیر کی کوشش میں بندہ کی موت سمجھتا ہوں۔ میرا کام میرے لیے بزنس ہے۔ نائٹ اولی شو بزنس ہے۔ یہاں ہر کام پروفیشنل اپروچ سے ہوتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں آپ بھی وقت کی پابندی اور قدر کریں گی۔ آپ کو ہو ٹارگٹ دیا جائے گا کام کے لیے اس ٹارگٹ کو آپ کا میرے ریکارڈنگ روم میں آنا لازمی ہے اور بغیر وقت ضائع کیے کام مکمل کرنے کے لیے اس مقررہ وقت کے دوران آپ کو کام شفٹ کرنا ضروری ہے۔"

"[illegible] کے سر ہم کل صبح سے کام کرنے کی نیت سے نکلیں اور پوری کوشش کریں گے کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ لیکن سر اس کے علاوہ ہمارا مطلب ہے کہ ایڈیٹنگ کے دوران آپ کی جاب کے لور کیسے ڈور رکھ سکتے علاوہ اور اسٹوڈیو کا بنا کسی بھی قسم کی پریس ریلیز کا سامنا کرنا تو ضروری نہیں۔"

"یا حضور کی بابت ملنے پر خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی لیکن ابھی آپ سے یا ہونہ ہوئی تھی ان کی جاب سے عاجز کر دوں تمام صدود خواہ سے آگاہ تھی جن کی پابندی تک کرتا انہوں نے بوجہ مارا اضافی ضرورت نہ سمجھا

تھا اسی لیے اضافیاً پوچھ رہی تھی۔

"تمام ابٹ کل سے آپ کی مرضی پر منحصر کرتا ہے۔ اگر آپ اس شعبے کے علاوہ کسی اور کام میں بھی دلچسپی رکھتی ہیں اور آگے چل کر اس میں بھی قسمت آزمائی کرنا چاہتی ہیں تو آپ شوق سے شوٹنگ پر آسکتی ہیں اور میرے کسی بھی ایڈیٹ ڈیپارٹمنٹ کو اسسٹ کر سکتی ہیں مثلاً آرٹ ڈائریکشن، سوسیٹ رائٹنگ، آسیو ورک وغیرہ وغیرہ۔ بصورت دیگر آپ کا کام شوٹنگ کے بعد ایڈیٹنگ ٹیبل پر آنے والی ریل سے شروع ہوگا۔ یہاں اسکرپٹ ڈسکشن کرنے کے لیے آپ کو کسی بھی وقت میٹنگ میں بلایا جا سکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆

"دیکھا میں نہ کہتا تھا۔ لمبی اپنا راستہ آپ بناتا ہے۔ وہ اتنے لمبا پیدا کر کے کہتا تھا کہ اس رستے میں خواری ہی خواری ہے۔ ذہنی کوشش ہے۔ دیکھی خواری کیسا پایا۔ بس لوگ کسی کو ترقی کرتے دیکھ ہی نہیں سکتے۔ تو الٹا دوڑانے لگتے ہیں۔ تاکہ اگلا بندہ سہم کے کھڑا رہ جائے۔ ان سے آگے نہ نکل جائے۔ محنت کرنے والے کو خواری کا کیا اور۔ کھوٹے کے واسطے کچھ نہ کچھ کھوٹا ہوتا ہے۔ یہاں تو رب سوہنے کا ایسا کرم ہوا ہے کہ کھوٹے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ میں اس کی پاک ذات سے نواز دیا ہے۔" اللہ دتا کے کی بات سن کر وہ اور چڑ سا گئی۔

"تو اس کا مطلب ہے اپنی پانے کے لیے کچھ کھونے پہ آپ تیار تھے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہے تو بھلی نہ ہوئے تے۔ میں ہوں تیرا۔ تیرے سر کی قسم اسی لیے تو ہر جگہ تجھے ساتھ لیے پھرتا ہوں کہ کوئی تیری نازاں اور مصیبت سے فائدہ نہ اٹھائے۔" وہ کڑوا گیا۔ حالانکہ تاثر سکی کہ اس قسم کے باپ کا ساتھ ہونا نہ ہونا ایک برابر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ سے بے حد نقصان کے بعد ان لوگوں کو یہ لڑکی ناقابل نہیں ہو آئی۔ وہ ایک لڑکی کے باپ کے سامنے اسے اپنی ہوس زدہ نظروں سے بھی اور اوٹ منہ کی باتوں سے رسوا کر رہے ہیں۔ اس کے سامنے ہی جب کس کا دل چاہتا شلوار دینے کے بہانے اس کے کھل سلوار جانا شلوار پہ دیر تک لگی رہتا۔ وہ اور بھی بے حس ہو جاتی۔ بے بس چڑیا کی طرح پھڑپھڑاتی رہ جاتی۔ مگر طلب زخمی نگاہوں سے اسے یہ یقین کر رہے تھے کہ وہ تو نہ سمجھنے میں مگن ہوتا تھا۔

"ابھی تو تو نے بہت آگے جانا ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔"

"ایک کیا مطلب؟" وہ بولی۔

"اور آگے۔؟" اس کے تصور میں وہ گندے سکرہ ہاتھ اس کے گالوں اور شانے سے بہت آگے تک کا سفر طے کرنے لگے۔

"نہیں ابھی نہیں۔ نہیں۔" اس نے جھٹکا لے کر ان بدبو دار ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کی۔

"یا نہیں ابھی تو شروعات ہے کہ پہلے تو پہلا شو تھا۔ میرے لیے اتنا بھی بہت تھا کہ ملک صاحب نے تجھے پہچان لیا۔ اتنے بڑے بڑے ہیں میں تجھے بھی تو دکھانا کام تھا۔ یہاں ہی ہوا کہ پہلی بار میں ہی تجھے ملازمت مل گئی لیکن بہت تو ابھی اس شو کے بعد بہت سے لوگوں نے تجھے تو اپنے بندے کی بہت قدر نہیں جب تجھے نام پر میں منہ مانگا پیسہ ملنے لگے گا۔ کل کے شو کے لیے بھی میں نے پورے تین ہزار مانگے ہیں۔ تھوڑی بہت شو کے بعد چند ہزار بات بن گئی ہے۔ بس تو تین شو اور ہو جائیں پھر تیس چالیس بھی منہ سے مانگوں گا تو کوئی انکار نہیں کرے گا۔"

"تیس ہزار؟" وہ حیران ہو گئی۔ ابھی تک باوجود شراب نے ایک ہی کیا تھا اس میں بھی بڑی بڑی گلوکاراؤں اور فنکاراؤں کے درمیان اس نے بڑی کوشش اور محنت کی تھی۔ اس کے لیے یہ بات باعث حیرت تھی کہ محض ایک ہی بار کے بعد کتنی رقم کے دوران تین چار گانے لگانے پر کوئی اتنے چند ہزار دے سکتا ہے۔

"یہ بات وہ نہیں سمجھتی تھی کہ اپنی اس کی تمام تر ناپسندیدگی اور رشتے داروں کی مخالفت کے باوجود اسے

اس شعبے میں کس لیے لائے۔ کالج میں پڑھنے کے دوران وہ گھریلو حالات اور اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے اس قدر دبی دبی تھی کہ انٹرویو کرنے کا سوچتے ہوئے گھبرا گئی اور جب ابا جی نے موسیقی کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر ہی اسے پروفیشنل لائن میں لانے کا ارادہ کیا تو وہ ہر ممکن حد تک اس سے بچنے کی خاطر کسی اور ملازمت کے حصول کی کوشش کر بیٹھی۔ اس نے مختلف اسکولز میں، پی سی او زمیں، ایم بلڈز، ایسوسی ایٹ چھوٹے موٹے کلینک میں سیکرٹری کی جابز کے لیے اپلائی کیا۔ اس نے مکمل تعلیم اور ناتجربہ کاری کے ساتھ اگر کوئی جاب چنی تو رضامند بھی ہوا تو ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ تنخواہ کے ساتھ نہیں۔

اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ پروگرام بازاروں اور مصروف شاپنگ سنٹرز میں سے پی سی او زمیں مالکان لیڈی آپریٹرز کس مقصد کے لیے رکھتے ہیں۔ صرف اور صرف چند روپے شاپنگ کرنے کی خاطر ہی دور کرنے کے لیے اور زیادہ سے زیادہ سنٹر گھمانے کے لیے۔ پی سی او زمیں بیٹھی مجبور اور کم انتظام یافتہ غریب لڑکیوں کی اس نے پیشہ ورانہ بجائے والیوں کے مقابلے میں نہیں زیادہ تبدیلی ہوتی دیکھی تو گھبرا گئی۔ بجھ کر ایک بوسیدہ بلڈنگ میں بے اسٹیٹ ایجنسیز، پراپرٹی ڈیلرز، ہاؤسنگ کمپنیز اور دیگر گرم اداروں کے دور کمروں پہ مشتمل دفتروں میں جو ٹائپسٹ اور سیکرٹری رکھی جاتی ہے اس کا مقصد بھی جلد اپنے پر رائج ہونے کے مقابلے میں اسکول ٹیچر کے لیے معاشرے میں عزت اور مقام ضرور تھا لیکن مجبوری یہ بھی کہ کتنی اس کی تعلیم تھی اس کے مقابلے میں کئی سطح سے پرائیویٹ سیکرٹری اسکول ہی اسے ملازمت دے سکتے تھے اور ان کی تنخواہ تو ان پی سی او پر بیٹھ کر لڑکیوں کو کھانے والے آپریٹرز اور باس کو خوشگوار کیفیت دینے والی سیکرٹری کے مقابلے میں بھی آدھی تھی۔

وہ آخر فلموں، ڈراموں یا افسانوں میں طوائف کی مجبوری کے بارے میں پڑھ کے طوطے جیسی ہو گئی تھی۔

"ہونہہ مجبوری۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔ جھوٹ بولتی ہیں سب کے سب کہ صرف پیٹ پالنے کی خاطر کیا اس مکروہ دھندے سے وابستہ ہیں۔ ترقی کی اس۔ اپنا پیٹ پالنے کے لیے کوئی اور زریعہ معاش نہیں ڈھونڈا جا سکتا؟ سچ تو یہ ہے کہ بازاری عورتیں ان کی رگوں میں ہیں۔ اترتا ہوا آب۔ سن سنو کر مردوں سے روپوں کو چھینکنے کے سوا کسی اور کام میں کیسے پورا ہو سکتا ہے ورنہ وہ وقت کی روٹی کو کسی فیکٹری میں پیکنگ گرل بن کے یا کسی اسکول میں بچوں کو پڑھا کے بھی نکال سکتی ہے۔"

یہ اس کی اس وقت کی سوچ تھی۔

بعد میں پریکٹیکل لائف میں آنے کی کوشش کرتے ہوئے اس حقیقت سے روشناس ہوئی کہ فیکٹری میں پیکنگ کر کے کسی چھوٹے موٹے اسکول میں ٹیچنگ کرتے کرتے یا پھر سیکرٹری بن کے وہ وقت کی روٹی تو کمائی جا سکتی ہے تو صرف اپنے لیے۔ اور آسمان تو کوئی بھی نہ دیکھا کیا نہیں اترتا ہر کسی کے ساتھ صرف اس کا بیٹا ہی نہیں کئی دوسرے بہت بھی لگے ہوتے ہیں۔ رشتے دار، طوائفوں کے بھی ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی اور کئی کے بچے بھی اور پھر دل ہی تو زندگی کی سب سے اہم یا واحد ضرورت نہیں۔ مرچھانے کی چھت، تن ڈھانپنے کو کپڑا۔ بچوں کی تعلیم کا بندوبست۔ اب اس کی سمجھ میں آنے لگا کہ طوائفوں کو اپنے پیشے سے چمٹے رہنے کی آخر کیا مجبوری ہے۔ اگر کمائی اور روزگار میں انہیں اپنی سب بنیادی اور جائز ضروریات پوری ہوتی نظر آتیں تو وہ اس مجبوری سے پیچھا چھڑا لیتیں۔

اور اب یہ جان کر۔ کہ اسے گلوکاری کے شعبے میں ابتدائی دور کے دوران ہی ہزاروں میں رقم مل رہی ہے۔ وہ یہ راز بھی جان گئی کہ خاندانی اور جدی پشتی طوائف زادیوں کے علاوہ اس جیسی دیگر بچیاں اور متوسط طبقے کی خواہشات کی ماری مجبوریوں کی ڈسی لڑکیاں فیشن و شوق سے اس پیشے کو کیوں اپنا رہی ہیں۔

"پچیس ہزار، اس آخر ہزار ملا ہے۔ اس خط کے ساتھ تو ہمیں کے نہیں جانا۔ دے کے تین ہزار تو رکھ لے اور کوئی سلا سلایا جوڑا نہ خریدنے آ۔ اور ذرا طریقے سے پہنا۔ اس شوخی قسم کی نہیں رہی ہے۔ فی وری

پہلے کی یاد رہے ہی کافی ہیں کرائے۔ چڑھے گی۔ اس کا بھی ہوا فیہ ہوا ہے۔ بیٹے لوگ قلم میں تجھے دیکھیں گے آتی ہی تیری ہے۔ ناف جو ہے اس لیے ذرا اپنے سنورنے پر توجہ دینا۔ سنہ اٹھا کے نہ چلی بڑا۔ بچیں یاد رہا تو اچھا لنکیج مار آ ہوا سنتا تھا اور حالات سے کرا سنتے چڑھ گئی تھی۔ بنگلہ بنگلہ کا بنے کھلی ہیں سیلیب ہے شک آپ کی۔ کسی میں جا کر سوچنے سے پہلے ہوا سرتی پوز لگا! پیسے کھو جائیں تو لوگی گل نہیں ہو رہے لیے میرے۔ بھلے بن جیسے گئے گی۔ کمانا ہو لے لگا۔ تو نے دیکھا نہیں بڑی بڑی گونے والیاں سیوں سنا اور مہنی پوز چڑھا کے گانے آتی ہیں۔ ہزار ہزار روپے اسٹاپ میاں۔ تب ہی تو فیشن میں ہے خود ہو کر ہزار ہزار کے نوٹ وار دے ہیں۔"

ابا جی کی زبانی یہ باتیں سن کر وہ کانپ سی گئی تھی۔ اس نے باپ کی جانب سے منہ تک پھیر لیا۔ اسے بیٹی کی ناقدری کی نہ پرواہ تھی نہ دھیان سوا اپنی بلا کے۔

"میرے ساتھ جانے کا تو نہیں، نہیں بھلا مجھے نے فنکشنوں کا کیا پتہ تو ایسے بھی مجھے ضروری کام سے نہیں جانا ہے۔ تو دیر نہ کر۔ آج تجھے رکشے میں بٹھا رہا ہوں۔ سیدھی اتار گلی جا اور چڑا کا سا جوڑا لے کر آ۔ اتنا سوچ دیکھ کا۔"

"ہرجائی کے پل میں بنی کو سوچ ہوا جوڑا پہنانے کی آرزو ضرور ہوتی ہے مگر اس ڈھنگ سے نہیں۔ ابا جی آخر تب میرے لیے جیسے باپ کیوں نہیں بن سکتے۔؟"

"اکیسا سوچ رہی ہے؟" اسے ہزار ہزار کے تینوں نوٹوں پہ نگاہ جمائے دیکھ کر اندر سے ماں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" جانے کا کہنا بھرے انداز میں نوٹ ایک طرف پھینکے۔

"اب کسی کو کیا بتاؤں کیا سوچ رہی ہوں! دل لگتا لاتا نہیں۔"

"لے۔۔۔ میں سمجھ گیا۔ آخر ہو ہوں تیرا۔" اللہ دتا کے دوٹوک بھرے انداز نے دعا کے اندر امید بھرا تجسس بڑھا دیا۔

"اچھا پھر جا کہیں میں کیا سوچ رہی تھی۔"

"مجھے یہی فکر ہے ماں کہ اکیلی بازار کیسے جائے گی لاتے ہوئے بڑے نوٹ۔ کہیں گر نہ جائیں۔ کھلی جیب نہ ہے ہاں میری بیٹی! اتنے چھوٹے حوصلوں کے ساتھ گزارا نہیں ہونے والا۔ ہمت پیدا کر تو اب دنیا کا سامنا کرنے لگی ہے۔ تجھے اپنا خیال آپ رکھنا ہے۔" اس نے خود کو بیٹی کے سر کا سایہ بننے کی ذمہ داری سے بھی آزاد کر لیا۔ دعا نے ایک طویل لمبی سانس بھری۔

"اگر اس آخری فرض سے بھی سبکدوش ہوئے ابا جی اب میں اس بات کی توقع بھی نہ رکھوں کہ بھری دنیا میں کوئی ایک شخص میرا محافظ ہے۔" آنکھیں ضرور سے آنکھیں موند لیں۔

"ابا جی اسے زمین سے اٹھا کر اس کے گرد تھوڑا لباس کے جھاڑ رہا تھا۔

کوئی اس کے آنسوؤں کو سمان پودوں سے پونچھ رہا تھا۔

کوئی اس کے بکھرے دکھے بالوں کو سلا کر سنوار رہا تھا۔

کوئی اسے سینے سے لگائے اس کی سسکیوں کو تسلی دے رہا تھا۔

"چھاپا ہے۔" اس نے بڑی بیاں سے بکارا تھیں۔ لیکن ایک زوردار دھکے کے ساتھ وہ پھر سے دھول میں گری ہوئی تھی اور حیران جو اب تھی پھر کمر کے اس کے بلوں میں خاک ڈال رہا تھا۔ وہ بلک بلک رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ لیکن وہ ہاتھ کے سے نہ ہی زبان۔

"رہنی ماں تو بس۔ ایک طبلچی کی بیٹی۔"

"لے اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ایک ذات بات پہ تیرے اتھو نکل آتے ہیں۔" اللہ دتا نے اس کو صبح میرے آنسو بہاتے دیکھ لیا تھا۔ دعا نے معاملہ خمانے کی غرض سے نوٹ وہاں سے تھی میں رہا نے اور تو اس کی

کیا بات ہے؟ کا پوچھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے امی! آپ جائیں۔" وہ اس وقت تنہا رہنا چاہتی تھی' بالکل تنہا۔ آج صبح سے بعد ان گاڑیوں کی بازگشت پھر سے چھن سے اسے سنگسار کر رہی تھی اور وہ کسی کو اپنا موجود خود کھانا نہیں چاہتی تھی۔

"سچ کہا تجھے ماں باز آدمی ہے۔ دھیوں کو ایسے موقعوں پہ اپنی ماں یاد آتی ہیں۔ لیکن پتری' وہ کہاں والی چیز ہوتی تب بھی میری طرح تیری آنی نہ دیتا کہ آنی۔ اسے تو خود سوتن نہیں کھاتے سنورنے کو۔ ایک تو تیری کھلی سیکی بھی نہیں' اگر یہاں بیٹھی کی اس بن سنورنا ہوتی ہیں۔ رل مل کے بازاروں میں جاتی ہیں' اگر سدھے کی صلاح ہے تیری تو میری تو بیٹی۔"

"بابی میں نے کہا ناں کوئی مسئلہ نہیں۔ میں چلی جاؤں گی بازار۔"

وہ تنگ کے بولی تو الفت دایہ نے اس کی جان چھوڑی۔

☆ ☆ ☆

"ہم آج کل گھر سے کچھ زیادہ ہی غائب رہنے لگے ہو۔"

وہ جانا ہی کہ اس نکلنے کو ہی تھا کہ موتیا نے اسے بین سوتے آ کے ہاتھوں لیا۔

"بابی پھر سمجھا جائے کہ اب گھر میں رکنے رہنے کا جواز ختم ہو گیا ہے؟" اس کے جھجکتے ہوئے طنزیہ بات میں اثر کے عصیص مسکرا دیا۔

"مثلاً۔ مثلاً" کس قسم کا جواز؟" اس نے حرف چھیڑا۔

"وہ تم زیادہ سمجھ جاتے ہو۔" موتیا نے شانے اچکا دیئے۔

"بابی بلاوے' اتنا ہی سنور کر نکلتے ہو' آخر جاتے کہاں ہو؟"

"تم سے تو اندھا ہی بھلا ہے اس پہ طنز مارنا کے اوپر موا کر دیا تھا۔ کہ یہ نشیں بابی ہوں کی طرح گھر میں کیسی پڑا رہتا ہوں اب باہر نکلنے پہ اعتراض ہو رہا ہے۔ نہ صرف خالی خولی' دکھاوے کا اعتراض' بلکہ ساتھ میں مشکوک قسم کا الزام بھی عائد کیا جا رہا ہے۔ نکمی بابی آخر آپ نے ہمیں کیا بنانے اور کیا سنورنے کو کہا ہے؟"

"آپ کو بابی بنانے اور طبیہ سنوارنے کو دیکھا ہے؟ یقیناً سنورنا کے سلائی نہیں اور غیر معمولی بالوں پہ چوٹیا بھی جاتا ہے۔ گرید بھی جاتا ہے ساتھ ساتھ سب قیمتی شے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔" وہ مزے لے لے کر بولی اس کے بالکل سامنے بیٹھے مسلسل اسے زچ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی لیکن وہ بھی عصیص تھا۔ صاحبزادہ عصیص علی خان "اپنے نام کا ایک۔ بلا کا تحمل مزاج اور دوسروں کی برداشت کے امتحان میں صد فی صد پورا اترنے والا۔

"چلو ٹھیک ہے تمہارے لطیفوں' رشمات ایک ایک کر کے بیان کرو' میں تسلی بخش طریقے سے دور کرنے کی کوشش کروں۔" وہ ٹھنڈے ٹھنڈے انداز میں گویا ہوا۔

"سب سے پہلے تو یہ واضح کر کہ یہ سواری پہ ہماری ہر روز کدھر کا سیر کرتی ہے؟"

"کسی ملاقات کے لئے گھر کا سیر نہیں کرتی ہم نے بے فکر رہو۔"

"آپ جناب جو شہزادیاں کے منہ میں ہمیں ٹھلا کرتے۔" کے مقولے پہ عمل پیرا رہتے تھے آج کل رات کو سیر کرنے کے اور دیا فائد غسل فرمانے کے بعد استری شدہ کپڑے پہن کر کیا واردات کرنا چاہتے ہیں؟ جبکہ اس سے پہلے آپ بالکل الٹ کھڑے سے نکلے کپڑے بھی تب تن کرنا کرتے تھے۔"

آخیر آ کر الوٹ گیا ہے۔" اس کے جواب پہ موتیا تو دنگ ہو گئی۔

"بابی مت آپ صاف صاف بتا چلا کیا ہے؟"

"تم کیا کہنی ہو؟ میرا مطلب ہے تمہارے خیال میں میں کہاں جاتا ہوں؟"

"میرے خیال سے تم جاتے ہی کہاں ہو؟" موتیا نے بڑی مشکل سے اس بے ہودہ فقرے کو نوک زبان تک آنے نہ دیا۔

"بھئی مجھے بھی تو پتہ چلے کہ میرے اس عزیز دوست کو میرے اندر تک اترنے کا موقع ملا ہے؟"

"میرے خیال میں تو تم کل سر کے پیچھے جاتے ہو؟"

"ایسا؟ یہ تم کیسے کہہ رہی ہو بابی دل کی بات کر رہی ہو؟"

"جو بھی ہو باقی کہا ہے۔ وہ سر بھی تو تم نکلنے کا کام نہیں لیتے تھے۔ جس طرح تمہارے ذریعے من بدل اس کے کمرے کے دروازے پہ بابی زبان حالیہ میں کہا جانے کو تو چھلکتے ہوتے تھے تاکہ اسی طرح اب تم اس کے آس کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہو گے۔"

"چہ چہ۔ مجھے واقعی بہت افسوس ہو رہا ہے اس بات پہ نہیں کہ تم میرے بارے میں ایسے خیالات رکھتی ہو اس بات پہ بھی نہیں کہ تم نے مجھ پہ یہ انتہائی سے سراسر الزام عائد کیا ہے بلکہ اس بات پہ کہ میں اب اس پہ کبھی فخر نہیں کر سکتا کہ میرا ایک دوست ایسا ہے جو میرے اندر تک اتر کے سارے راز پا لیتا ہے۔ چہ چہ۔ افسوس صد افسوس۔"

"اندر تک۔ ہوا؟ اندر تک اترنے۔" موتیا دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی۔

"یعنی کہ راز پانے کے لیے اندر تک اترنا ضروری ہوتا ہے۔ پہلے تم سے اپنے اندر تک جانے والے رستوں پہ پہرے نہیں بٹھائے ہوئے تھے۔ اب تم تو بڑی بند بند رہتے ہو تمہیں کیا خبر کہ اندر اتروں یا باہر کھڑے ہو کر کیا اندازہ بند کھڑکیوں کے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔" اس کے انداز میں ہلکا سا گلہ بھی تھا ایک یاسیت بھرا گلہ۔ ایک ملتجی انداز۔

"اماں محترمہ۔

"بڑا دل کے جذبات گلے وقت تمہے یہ سب بتا دوں گا اور یہ وعدہ رہا کہ سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گا۔ فی الوقت اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جلدی تم میری جانب سے ایک خوش خبری سنو گی۔ عرصے سے خود کو مبتلا کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنا اسی کاوش میں ایک سزا اتنا تو لگا ہے اس کے لیے روز دھوپ کر رہا ہوں زیادہ وقت نہیں ان پہ بیٹھ سمیٹے اور شاید روز تمہیں۔ پھر شاید کاروبار شروع کرنے والا ہوں۔"

"ہوا ہی تو تم نے کچھ دن پہلے بھی بتایا تھی اور ساری بحث کی تان یہاں آ کے ٹوٹی تھی کہ کاروبار کے لیے سرمایہ کہاں سے آئے گا۔"

"اس کا رستہ بھی نکل آیا ہے کوئی تک دور کے لیے روزانہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"یا روزانہ؟" موتیا نے بے آبی سے دریافت کیا۔

"میں ڈاکوؤں کا کوئی گروہ نہیں بنوا رہی کیا؟"

"ڈاکے میں ویسا ہے نہیں ڈالے جاتے۔"

"اس سے تم کیا جانو تو ڈاکوؤں کو سمجھ بیٹھ گئے ہیں۔ تم سے اس درجہ ہوشیاری اور بے خوفی کی امید کم ہے۔ وہ تم میں ان ڈاکوؤں کے 'عجیب کے اظہار سے گھبرا رہی ہو۔ ڈاکے کیا ڈاک ڈالے گا۔ چلو تمہاری کم آتی ہے یہ وہ ڈاکا نہیں کہ تم کسی بھیرہ قانونی سرگرمی میں ملوث ہو گے نواب خاندان کی عزت کو بٹہ نہیں لگاؤ گے۔"

"ہمارے میں تم جیسے کیسے سمجھ سکتی ہو۔ موتیا تم ہم سے اتنی کم اپنا اور ہونے کو ہی چاہ رہا ہے۔"

"عصیص نے گھبرا دینے والی نظروں سے اسے دیکھ کر ماتھے پہ بل ڈالے۔

"بابی۔ تم سوچ رہی تھیں کیا کہہ رہی تھی۔ ڈاکے کے تمہاں کہیں نکلنے اپنی کی بات نہیں تو ضرور تمہیں ہاں۔ کا نہیں' لے اے کر ایک کام بتاتا ہے۔ کہیں کسی خوبصورت سنگل پر کسی ہوئی گاڑیوں کے آگے نکلی

انکسرت اور صبر کی پوٹلی رکھا کے امداد تو طلب نہیں کرتے کہ بھائی صاحب "جو جوان بیٹیں ہیں ڈالہ نا بیٹا ہے پڑھا لکھا نوان اوں لیکن کنگھر کے مملکت مرض میں مبتلا علاج کے لیے رقم نہیں اللہ کے نام پر مدد فرما کے ثواب ....."

"اب تو میں ہرگز نہیں ٹالوں گا۔" وہ دو ٹوک بارش ہو کر اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"مقصد بخدا کی کہ پہلے سو تھوں پہ جاتا ہے جاتا ہے کہ کاش اور کچھ اٹھ لیا ہو ہاں تو لیت کی گھڑی میں ..... مگر ہم ہرگز نہیں ہیں گے۔"

بابا نوابوں محفل نے ایک دم اس کے سامنے آتے ہوئے نمودار ہو جانے والے لہجے میں کہا۔

"ہم نے تو کہا مانگ تھا کہ آپ سے ایک بار پھر ملاقات ہو جائے اور وہ ہو گئی مگر وہ وعدہ یہ کہ لیت کی گھڑی ہماری زندگی میں ملی تب بھی ہم ہی ہاتھ سے نکل جائے گا بابا ہاں نکلیں گے نصیب ہمارا ناظم ہے۔"

وہ جو سہ ڈیزائنہ انداز میں اپنی سرگوشیاں کر رہا تھا اگر اور بانکی اس کے نزدیک نہ کھڑی ہوتی تو ہرگز نہ سن پاتی۔ وہ رابعہ زرگی کا سولہ سترہ کی تھی جب بار بار چاک اس کے مقابل آ جاتا اور آنچ ہو کر اس تک اور مسلمان رابعہ زرگی کی دیوار پر اپنا بازو ہٹا کے اس کے آگے جائے کا راستہ تو بنا "بند کر دیا۔ کھلا ہٹ میں وہ چند قدم پیچھے ہٹ ٹا بھول گئی۔ اس پر استراب بارے ذاتی ملا اور عاشقانہ نگاہیں اسے بولا کھا دے رہی تھیں۔

"اگر اس سے دشمن نظارہ کر کھا دے تو ہم ہیں ..... کہ اندھے ہاتھ کے لیے اور بھی کچھ رکھا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں ایسا ہو گا نہیں۔ سب بچتا ہے سب بچ ہے ان قاتل نگاہوں گلاب رخساروں اور کومل لبوں کے سامنے۔"

اور اسپتا کے نگاہیں جھکا کے رہ گئی۔

"اس پر حیا کے یہ سات جھنگ رنگ ..... واللہ ہم تو تن مہل بک گئے اور اس بابا نوابوں محفل کو آپ نے لوٹ لیا ہے۔" اس نے ہنستے ہاتھ رکھ کے اس کے کمرے تو دھوں کر جانے کا پورا پورا سامان پیدا کر دیا۔

"ہوئے عرصے بعد آپ کو موقعہ ملا کھانے خواب صاحب۔"

اور اپنا جھنگ ہو کر عشق کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بانکے عاشق کو رات چھوڑنے کا کہنے کی ہمت جمع کر رہی تھی جب ایک نوخیز اور آزاد وہ خودی جھلکے کے ساتھ بلند اور اس کی پشت پر ایک بیس سال کی خوبی لڑکی کو معنی خیز انداز میں مسکراتے دیکھا۔

"کون ہو؟" اس کی زبان ذرا سی لڑکھڑائی پھر اس وقت اس کی آنکھ سے غائب ہو گیا ہو۔

"جہاں جہاں آپ کی نگاہ اٹھے گی سرکار بچھو کو رستے میں پائیں گے۔" اس نے تاثر سے لدے بھاری گلوبند میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ادا کی نگاہیں اس کی اس حرکت پہ چونک سے ہوتی ذرا اپنے کی جانب پھسلیں تو وہ لاحول زدہ کے رہ گئی۔ غالباً اس دانستہ یا نادانستہ حرکت کا مقصد دوسروں کی توجہ اس جانب لگانا تھا۔ ڈارک صد ولا محفل ساڑھی کمر سے خاصی نیچے جھکی تھی اور اس کے رنگ کا تھیلی بلاؤز ہو قابل اعتراض حد تک مختصر کر دیا گریبان والا تھا۔ سو دونوں بدنما سے کمر کی ساری طرف صورتی واضح کر رہا تھا۔ اس کی کمر کا نوخیز اور بہت ظاہر کر رہے تھے کہ وہ خاصی تجربہ کار ہو گی اور سب باکثر اتنا زیادہ اس کی کمر کا ہونا بھی بیان کر رہے تھے جو بھی تھا۔ اپنے لباس "ادا" اور "تحفظ" کے لحاظ سے وہ کتنی ہی اپنے دیدہ کیوں نہ ہو اس وقت اس کی توجہ ادا کو اور لبھی سے ہٹ گئی۔ بار بار پلٹ کے اس کی طرف متوجہ ہوتے تیار کر رہی تھی اور کے اس تک راہداری کا سولہ سترہ کی جو میک اپ روم کی طرف جا رہا تھا اور جہاں بیٹھ کے اسے اپنی باری کا انتظار کرنا تھا۔ نکلا ہی یہ رقاصہ بھی اسی جانب سے نمودار ہوئی تھی۔

میک اپ روم میں پہلے سے دو لڑکیاں اور تین رقاصائیں موجود تھیں۔ اسٹیج پر اس وقت ایک لوک فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد مہنا ہی ڈاکٹر کا آئٹم تھا اور گاکیلی رقص کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ تیسرے نمبر پہ چیلی دو رقاصائیں ..... ہاری اسٹیج اور فلموں میں اپنی آواز کا جادو جگانے والی گلوکارہ شمائلہ آنا تھا۔ ادھیڑ عمر اور ہلکے بدن والی مسز نیم اس وقت پان اور سگریٹ سے اپنی بسا اوقات تھوڑے سے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بعد اس کا زیادہ تر انتظار ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے گلیلی تھی۔ دراصل جوانی میں بھی بے چارگی کے اس گزارے لائق شکل تھی اور سر پہ اتنا تھرا ذوق بھی اتنا زیادہ بے ڈھب اور بے ڈول ..... تھی خوبی تھا کہ سارے دو کنٹے ڈھلوں تھی۔ پرانے نام ہوا لیے بھی ساتھ ہو گئے ساتھ چھوٹے ہوئے فلموں اور پھیلی گئی ..... مزے کے کشش ہو گئی۔ جو والیہ اب تک ملیت دار تھی۔ آخر وہ گزارے میں پرانے اور تقریباً بھی گیت گانے کے لیے اسے بھرتی کیا جاتا۔ مہنا کا خصوص کلاسیکل ڈریس پہنے بھاری زیورات اور بے تحاشا میک اپ کے ساتھ بالکل تو پرانے ہیروں میں بند تھے لگتی رہ سلاری تھی۔ چونکہ اگلا آئٹم اس کے فنکارانہ ذہنی طور پر ابھی سے خود کو اسٹیج پر محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے میک اپ روم کے ماحول سے بالکل لاتعلق خاموش بیٹھی تھی۔ ڈریس کی واحد مہارت بھی رقص پہ مکمل عبور تھا اور وہ بھی کلاسیکل کھیک رقص جو اب تھا اداکاری پیش کیا جاتا تھا۔ گہری۔ یاد محبت ..... معلوم ہو جاتی ہے کشش آنکھیں اور دو لے ہونٹوں کی اوٹ سے جھانکتے دو صبح پینے رات ..... کسی کو نظر نہ آتے جب اس کے بدن سے پیر ملیے کی تھاپ پہ تھرکتے اور اس کا پھر کی ساد جو چنگ کی طرح ہوا۔

صبح نیم کے بعد دو شادو ٹیا آئٹم تھا۔ وہ دونوں بہنیں تقریباً ایک ہی شکل و صورت اور بالکل ایک سے سراپے کے ساتھ ایک جیسا ہی ڈانس ایک ہی پیش کیا کرتیں۔ لباس بھی ایک سا ہوتا۔ ڈانس کے دوران دونوں کا ہر انداز ہر قدم ہر ادا ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہوتا۔ بعد میں ملزم کے رقص۔ تو انہیں مہارت تھی کہ دونوں کا ایک ساتھ ایک ہی جیسا سلا ہو کر ناچ کو لوٹ لیتا۔ دونوں اس وقت آئینے کے سامنے ایک دوسرے کی نوک پلک مزید سنوارنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے بعد ادا کی باری تھی۔ ایک گانا اور ایک رقص ..... سب اس شو کا ذریعہ بنتے تھے۔ ادا کے بعد نگاہ کا مشہور آئٹم تھا۔ دو فلموں میں بھی رقص کے مظاہرے کر چکی تھی اور آج اسٹیج پر اپنے ایک مشہور فلمی گیت کو ہو بہو اس انداز میں پیش کرنے والی تھی جیسا کہ اس نے فلما تو تھا سنیما کی تھی ..... سے دوبارہ سکھیں پہ ایک انداز میں پیش ہوا۔ آخر میں مشہور فلمی گلوکارہ کی باری تھی جو اب نکلنے والی تھی اور جس کے بعد اس کی پیش کش کا نام رکھا تھا۔

مہنا خاموشی سے ایک جانب بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگی تھی اور بیٹھے تو ہلکا سا ہی ..... دیکھا۔ وہ البتہ خیر بھگانے کے طور پہ سنگرہ کے پھر سے اپنے مراقبے میں بیٹھ گئی۔ صبح نیم سگریٹ کے کش لیتے ہوئے کاہے ہلکا سے ایک لڑکی سی نظر ضرور اس پہ ڈال رہی تھی۔ مہنا کے ادا نے خاص طور پہ اس کا سینئر ہونے کا احترام کرتے ہوئے قریب آ کے سلام کیا تھا کہ بے رعنیت سے تھوڑا سا کے جواب ملنے اور قریبات نظروں سے غائب ہونے کے بعد وہ خود ہی فاصلے پہ بیٹھنے پہ مجبور ہوتی۔ اس کی چبھتی ہوئی نظریں خوب محسوس کر کے وہ انہیں محسوس کر رہی تھی۔

مہنا باری باری پہ مختلف ہو کا بنی میک اپ روم سے اسٹیج کی جیسے سائیڈ پہ جانے والے دروازے کی طرف نکلی تو اسی وقت میک اپ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اور اس کو پھر کر سنگرہ قلی وہ سیدھی اس کے قریب آئی۔

"ہوں ..... ادا ..... اچھا نام ہے۔ تم سے البتہ نہیں کرتا۔ اور اس چیز کا کہتے ہیں کچھ بھی ہے؟" وہ خود ہی تو ..... مارے کے نہیں بڑی۔ اور اس نے کسی بات پہ کچھ بھی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی۔

"ایسے قاتل لب ..... مسکراتی مخلوقوں کی طرح ..... ان پھر سے ہاتھ پہ ہاتھ مارے کے آپس سادا کے لب جل ہو کر ..... کہتے۔"

"کس کی تربیت ہے؟ میرا مطلب ہے کس سے رفاقت ملی ہے کوئی بڑا سا تھا استاد ہوگا جو اس نے سارے داؤ پیچ سکھائے میدان میں نہیں آتا کیا۔"

"نہیں میرے استاد کی دوست جانے مانے استاد ہیں مجھ سے ہی سیکھنے میں کوتاہی ہوگئی ہوگی۔" اس سے اپنے محترم استاد کی شان میں گستاخی برداشت نہ ہوئی۔

"ماسٹر عنایت اللہ ہی ہیں پورے نو سال تک سر تھپیے ہیں میں نے۔"

نگاہ کے بے اختیار قہقہے پھر سے ابل پڑے۔ وہ حیرت سے اسے منہ پھاڑے دیکھتی رہی۔

"ماسٹر عنایت اللہ کی۔۔۔!۔۔۔!" اس نے مشکل سے اتنا ہی کہا۔ قابو پایا۔

"ٹھیک سنتی ہو بہت قابل اور نامی گرامی استاد ہیں کراس تھیم کی تعلیم دوسری ہوا کی بات کر رہی ہوں۔ کیا ماں نے فوتی آئی تھیم رکھوا کے ری ٹریننگ کے لیے؟"

وہ اس کے سوال کی گہرائی میں اترے بغیر صرف ماں کے نام پر ہی افسردہ ہوگئی۔

"میری امی کی وفات بہت پہلے ہوگئی تھی میرے بچپن میں۔"

"اوہ۔۔۔ یعنی خاص توجہ نہیں ملی تمہیں۔۔۔ اسی لیے تمہاری ماں سے انجان ہو۔ حالانکہ اس میدان میں اترنے کے لیے پوری طرح مسلح ہونا چاہیے۔ اگر ہر طرح کے دشمن کا ہر طرح کا وار کیا جا سکے۔ ابھی تمہیں یاد ہوگا تھا میں نے۔۔۔ کس طرح کی تیزی کی طرح آنکھیں بند کیے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔" وہ حیرت لیتے ہوئے پھر سے ہنسنے کی تیاری کرنے لگی۔

"اچھا تو ماں کے بعد کوئی تو سیانی ہوگی گھر پر۔ یہ دیکھ تمہاری ماں کا نام کیا تھا؟ شاید میں نے سن رکھا ہو۔"

"زبیدہ۔۔۔ زبیدہ خاتون۔"

"ہیں۔۔۔ کیا نام۔۔۔" وہ بوکھلا سے سہلانے لگی۔

"کیا کرتی تھی؟ میرا مطلب ہے گھر کو کیا طرح صرف کا کردار ادا کرتی تھی؟" وہ پوری طرح پہچان میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی اچانک وہ اس سوال پر کرتی کھانے اچھل۔ اب تک تحمل اور نرمی سے جواب دیتے دیتے وہ اچانک بپھر گئی۔

"اس کا مطلب ہے تمہارا میری امی ایسی نہیں تھیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔" شدت جذبات سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

"ہاں ایسا تو نہیں کرتی تھیں۔ گھریلو، پردہ دار عورت تھیں۔۔۔ وہ تو محلے کے بچوں کو سپارے بھی پڑھاتی تھیں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو۔ چند دنوں کے بعد اس کی آواز آئی۔

"اور تم خاندانی نہیں ہو۔۔۔ شوق بھی نہیں لگتیں کہ کسی شوق کا رنگ تمہارے چہرے پہ نہیں ہے۔ یعنی یہ نام بھی اصل نہیں۔۔۔ ابھی میں کہوں نام کا اثر شخصیت پہ کیوں نہیں۔ اصل نام کیا ہے تمہارا؟"

"فالی۔۔۔" بے ساختہ کہہ دینے کے بعد وہ پچھتائی پھر چیخ اٹھی۔

"جیا دا تو۔۔۔"

نگاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بھیجا اندازہ اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں کسی کی امانتیں ملی؟ کیسے پہنچیں تم یہاں تک؟ تمہارے بھائی تھے؟ کسی عاشق نے دھوکا دے کر ساتھ چھوڑ دیا؟ کوئی زندہ تھا یا مردہ؟"

"اب شروع ہو جاؤ اپنی مرضی سے۔ مجھے گلوکار بننے کا شوق تھا۔ اسی لیے ابا جی نے ماسٹر جی کی شاگردی میں رکھوایا۔"

"شوق۔۔۔ ابا جی؟" اس نے ذرا سے ابرا اور پھر جیسے سب سمجھ گئی۔ اس کے پردہ لٹکے پہ بھی سب بھانپ

گئی۔ وہ سر ہلا ہلا کر کہنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ ملی ہے۔ بالکل ملی ہے۔ ہوتے ہیں ایسے ابا جی بھی اپنوں کے حق کی خاطر سب کر گزرنے والے۔ ہے نہ میرے ابا جی بھی ایسے تھے۔ بس وہ ابا جی نہیں تھے۔ ابا جی تو میرے جاتی ہو میرا نام کیا ہے بتاؤ؟ نہیں یہ تو بہت بعد میں۔ میری ماں نے میرا نام بڑے ارمانوں سے رکھا تھا۔ جیسے تمہاری ماں نے ہزاروں کے دعا میں لے کر تمہیں دعاؤں کا نام دیا تھا ویسے ہی میری بیمار ماں نے میرا نام اپنا کیا ہی رکھا تھا۔" اس کی آواز اٹک گئی۔

"کہتے ہیں روز قیامت انسان کو اس کے پیدائشی نام سے پکارا جائے گا۔ وہ بھی ماں کے نام کے ساتھ۔ خیر میری ماں میری ماں کے نام کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔ میرے نام کے ساتھ لگ کے۔ اور بھلا مجھے میرے پیدائشی نام کے ساتھ کیسے بلایا جا سکتا ہے۔ اللہ تو جانتا ہے میں اب پاک پاکیزہ نہیں رہی۔ ویسے تو میں نے دعائیں مانگی تھیں پھوڑی ہیں۔ اگر بھی گھٹنے کے آگے ہاتھ اٹھاتی بھی ہوں تو صرف یہ مانگنے کے لیے کہ روز کشمکش کا سامنا کرنا پڑ رہی ہے تک صورت بھی اس کی نیکی کا اجر اس کے حساب اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے اس کی بیٹی کے کردار سے اعلم دکھایا جائے۔"

وہ بلند و بالا قہقہے لگانے والی اب زار زار رو رہی تھی۔ اس کا پچھلا بدن ہچکیوں کے ساتھ لرز رہا تھا۔ اس کا سارا میک اپ پھیل گیا تھا۔ اور اسے پریشان ہوتے ہوئے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ اپنا رومال اس کی جانب بڑھایا مگر وہ جیسے اس وقت یہاں سے موجود نہیں تھی۔ ابھی سے روز کشمکش تھی۔

"یہ تم کہاں پھنس گئی ہو؟ اور تمہارا اصل نام ہے نال؟" دفعتاً اچانک اس کے سر پہ کھڑے ہو کے اس سے پوچھا۔ وہ چونک کے سر اٹھانے لگی۔

"ہاں ہوا۔"

"کیوں۔۔۔؟ وہ۔۔۔ بھنگ پی کے جیسی ہو باہر تمہارا نام اناؤنس ہونے والا ہے۔ میں اور لیڈ ابھی آکشن کر کے آتے ہیں۔"

وہ ہڑبڑا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے پتہ نہ چلا کہ کب سوہا کی باری ختم ہوئی کب شیخ بیگم کی آمد ہوئی اور کب سوہا کی باری بھی تمام ہوئی۔

"چلو شکل تو ٹھیک کر لو۔ بارہ بج رہے ہیں۔ تلاش ہے اس نگاہ نے تجھے بھی۔ وہ گھونٹ پیا جیسے ہیں۔ اس کی تو عادت ہے پوری بوتل چڑھا کے اسٹیج پہ آتی ہے۔" اس نے ابھی تک ہچکیاں لے لے کر روتی ہوئی نگاہ کو دیکھ کر کہا۔

"اتنی سے ہوش میں تاج ہی نہیں تھی ہوں۔" اچانک نے لقمہ دیا۔ وہ بے ساختہ انداز میں ادا کے بل اور وہ پیشہ خوار رہی تھی۔ اسٹیج سے بھیرنی کی آواز آئی تھی جو ابھی تک ایک تھا پانا لفیف سنا رہا تھا۔

"لیکن آج تم خود ادا کی ذمہ دار ہو گئی ہو۔ پتہ نہیں اس حالت میں اسٹیج پہ جا سکو گی یا نہیں۔ چلو اس کو چھوڑو جانے دو اسٹیج پہ پہلے اس شدائن کو ہوش میں لانے کی فکر کرو۔"

بڑی مشکل سے تو وہ تالیاں بجاتے ہوئے واپس اسٹیج تک گئی۔ آج کے لیے اس نے ایک شوخ گانے کی تیاری کی تھی اب اس موقع کے ساتھ اس شوخ رومانٹک گانے کے تقاضے پورے کرنا اس کو اپنے بس سے باہر لگ رہا تھا۔ حالانکہ نگاہ نے اس کا پہلی تحفہ تھا وہ اسٹیج پہ اس کی پہلی باضابطہ پرفارمنس تھی اس کے باوجود جس طرح وہ اس کھلی اپنی استعمالی ذات کی زندگی کے نمود اور اتار اس پہ کھل گئی اور جس طرح اس کے سامنے اپنی ماں کے غم میں بلک بلک کے روئی اس نے ادا کے کھل پہ بہت اثر لیا۔ وہ اس سے مت پوچھنا چاہتی تھی بہت سے سوال کرنا چاہتی تھی جانا چاہتی تھی کہ اپنی ماں کی ایک ذہنی لاکھوں مردوں کی منظور نظر گانا جیسے ہی۔ مگر اس کا موقع نہ مل سکا۔ پتہ ہی نہ چلا اور اس کے اسٹیج سے جانے کا وقت آ گیا۔ اس موقع پہ ماسٹر عنایت اللہ کی کاوش سیکھ بھرپور طریقے سے کام آیا کہ کس طرح موسیقی کو اپنے اندر سے ہم آہنگ کر کے نئے سر کھوجے جا سکتے ہیں۔ اپنے بجھتے ہوئے موڈ کو اس نے اپنی جستجو کی مدد سے گلوکار اور اپنے فن کا کامیاب مظاہرہ کر کے اپنی اولی ترین تالیوں کی داد

[illegible] جواب اپنے خواہش نہیں تھی۔ خود اس نے بھی دوبارہ اسے مخاطب کرنا [illegible] اور اس کی جانب دیکھنے سے بھی گریز ہی کیا تھا۔ [illegible] اب اس کی اتنی کوشش تھی کہ اپنا کام ختم کر کے وہ جلد [illegible] اب یہ ناممکن نہیں، بہت کچھ ہو جائے ویسے بھی اب اس کی اتنی کوشش تھی کہ اپنا کام ختم کر کے وہ جلد [illegible] اب وہ کم کے بھی وہ اسے ہل کے نکل اور ابلاغی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔ جب اچانک ہی جلد [illegible] ایک ہم مستانہ کے ساتھ ہی اپنے آفس کے باہر کھڑے تھے اور پھر صرف معقول کے ہمنوا میں مستانہ کے اکار کا [illegible] ہم مستانہ کی طرف لگنے والے راستوں کی جانب مڑ گئے۔ ہم آپس کے تنگ راہداری پھر سے اس کا امتحان لے رہی تھی۔ [illegible] راہداریوں میں مکمل تنگ ہم دوبارہ دوڑا دیتے۔

"آپ تو مسلسل ہمیں نکالے دے رہی ہیں ابا خانم"

اس کے کاب کی ادا تھی اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس تذبذب کے عالم میں دیکھتی رہی۔ ہنستے گلوکاری کے [illegible] ہمارے نے دوران بہت سے سلجھے تھا شامل ہوتے ہوئے ہمیں آگے بڑھ آئے تھے اور پیچھے سے آنے والے کے نوٹ اس پر [illegible] وارتے ہوئے پھیلے تھے اسے اس حرکت سے خبت کہیں تک تھی۔ اب الگ رہا تھا جیسے اس کے لئی کی دانت ہی [illegible] گئی ہو کہ اس پر تیزاب ہی پھینکا گیا ہو اچھا کے گئے ہوں ساس کے ہر عکس باہر کی لوگوں کی بھاری ایک مشکل [illegible] ہوئی کا اور خفیف تھی سے اسے خراج تحسین پیش کر رہا تھا۔ اس کی باہر کے متعلق گلوکاری تھی اور [illegible]

"اس وقت آپ غزل سرا ہو گئیں تو لگا غزل ہو تی آپ کے لیے ہے۔ آپ کے جادو سر چڑھ کے بولنے کے لیے [illegible] ذرا دیر ہو آپ نے کہیں ہمارا کیا حال کیا ہے تو واقعہ ہمیں ایسے لگا ہے جیسے ہمارا ابھی [illegible] اس وقت آئی ہے صرف آپ کی آواز میں موسیقیت تھے کے لیے ہماری جانب سے ہم یہ قبول نہ کرائے اس کی قسمت بدل جاتی ہے۔ [illegible] گلوکار اپنا حاصل مقام پر ہی پہنچے گا۔" [illegible] جھکتے دیکھا تو بنا [illegible] اس نے آگے بڑھا دیا۔

"شکریہ"

"آپ کے لب کھلتے ہیں تو صرف سر بکھرتے ہیں۔ آپ کی آواز سے زیادہ سحر انگیز آواز ہمیں ابھی تک نہیں سنی۔"

"شکریہ۔" اس نے لفظ کو دہرانے کے سوا اور کیا کہہ سکتی تھی۔ اس کی متلاشی نظروں میں دور سے چلی آئی۔ اسٹیج سے اترتے ہوئے اس نے پلٹ کے دیکھا تھا۔ پورے کرنے کے اور ان کی ابھی ندیدے پن سے اسٹیج پر [illegible] بکھرے نوٹ سمیٹنے سے ہی جڑے آئے تھے اور اس کے انداز کے سطانی اب تک وہیں اسے لینے کے لیے آنا چاہیے تھا۔

"آپ سے ملاقات کے لیے کیا اپنی جانوں پر ہی انتظار کرنا پڑے گا۔ کیا صرف قبولیت کی گھڑی کا انتظار کرنا پڑے گا اس وقت تک ہمارے دیدار کرنے کے لیے۔"

اس کی تعریف و توصیف کا انداز حد سے زیادہ کشش اور مرصع سن زبان خاصا لچھے دار سی تھا مگر مسلسل ایک [illegible] بات کی تکرار سے ناکابل انکار تھا۔ وہ رخ موڑ گئی۔

"مجھے جانا ہے۔" اس نے آگے بڑھنے کا قصد کیا تو اس کی خورشید ایک جانب ہو کے راستہ چھوڑ دے مگر [illegible] "جانتے ہیں آپ کہیں ہمیں کہ ہم کبھی کسی کو اپنے اس انداز میں [illegible] دیتے کے لیے آپ کے روبرو حاضر ہوئے ہوں [illegible] لیں۔"

"میرے [illegible] ہمیں کبھی کسی کا دل چاہے اٹھ کے آجائے۔" وہ تلخی سے کہتی ہوئی اس [illegible] انداز میں [illegible] کیا۔ اب کہیں یہ نہ چلے یہ جانتا شاید وہ اسے روز ہی آگے گزر جاتے۔ اس لیے [illegible] ہمارا [illegible] اس کے خبیث چہرے پہ تلخی عیار مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"شاید ہم یہ جانتا ہمارا شیوہ بھی نہیں ہے ابا خانم ہمیں یہ آپ ہی تک ہیں وہ صرف ہمارے لیے مخصوص ہو جاتے ہے صرف ہمارے لیے۔"

"امید ہے اب تک آپ اپنے کام کے متعلق تفصیلی اور ضروری نوعیت کی معلومات سے آگاہ ہو چکی ہوں گی۔ کل پوری دن ایڈیٹنگ کے لیے میرے پاس آئے گی اور کل سے ہی ہمارا اپنا کام باقاعدہ طور سے شروع ہو گا۔ آپ کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتی ہیں۔" [illegible] ہوئی شوٹنگ سے بارے میں [illegible] بتانے کے لیے کہا۔

"ہمیں صرف پوچھنے کا نہیں کرنے کا وقت ہے۔ آپ کے ساتھ کام کر کے اندازہ ہوا کہ کام جانا تالا اہم نہیں بتانے کے کرنے کا طریقہ اہم ہے۔ آپ درست کہتے ہیں اس پروڈکشن میں ایک ریکارڈ اور ڈائریکٹر ہونے زیادہ اداروں کے اور لگن ایمان رکھنے والوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے چند ہی دنوں میں ہمیں یہ سکھا دیا کہ علم کو کام کے وقت میں بہترین طریقے سے کس طرح اور کہاں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ جاب ہمیں ضروری ضرورت تھی۔ ہم فلاسفی نہیں بلکہ اسٹوڈنٹ ہیں۔ کیونکہ ہم میں آگے بڑھنے خود کو ثابت کرنے کی دھن سوار تھی۔ ہم بس کسی نہ کسی طرح پروفیشنل لائف میں آنا چاہتے تھے۔ جب کہ ہم نے پہلے ہی بتایا ہے کہ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو ملازمت اختیار کرنے کا رجحان نہیں ہے اس لیے انکل کی یہ تجویز ہمارا جاب آپ نے ہمیں اس لیے قبول کر لی کہ کم از کم ہم اپنے ہمیں کچھ کر دکھانے کا موقع ملے گا اور یہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خود اس کام سے مطمئن تھے۔"

وہ چائے پیتے ہوئے شروع سے آواز میں مسکرا لی۔ شہزاد خوش ہو اور اس نے دیکھا۔

"آپ کو جانتے ہی ہوں گے کہ ہماری سوسائٹی میں اس پروفیشن کو زیادہ عزت طور پر نہیں دیا جاتا خصوصاً اس سے وابستہ افراد سے۔ اب چاہے وہ کسی بھی ادارے میں ہوں۔ ہمارے خاندان میں اس سے وابستہ ہوں گانے بجانے یا تھیٹر کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر شعراء کے قطعاتی یا فنی شاعروں کو کہیں بھی نہ ہونے کے برابر اہمیت دی جاتی ہے لیکن یہ حقیقت وہاں کی فنی خدمات کے جواب میں مصنف یا ادیب ہونے کا مقام نہیں ملتا۔ اس لیے ہمیں آپ کے اتنے بڑے ادارے میں جاب ملنے کی کامیابی پہ ہم خوش ضرور تھے لیکن اپنے کام کے حوالے سے زیادہ امید نہیں تھے۔ ہمارا نہیں خیال تھا کہ ہمیں اپنے انجوائمنٹ اور ذاتی پروڈکشن سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔"

"اب ہمارے رائے یکسر بدل گئی ہے۔ یہاں ہر کام بہت پروفیشنل اپروچ اور سسٹم کے تحت ہوتا ہے جس کے لیے آپ کا رویہ قابل تعریف ہے۔ آپ نے بہت کمال کیا ہے۔ آپ کے لیے یہ آپ کا بڑے سے بات کرنا شہزاد ہے۔ اب ہمارا قلمی ملکہ ہمیں کام کے آگے بڑھنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لیے بالکل صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ ان ٹیکنیکل ہمیں ٹرائیلنگ اور گرافکس کے ذریعے اپنی کیپٹریٹی سے نئے نئے لوگ دیکھنے کا موقع دیا ہے۔"

"یہ سب اب ہمارے خاندان سے بہت بڑے بڑے گھاتے ہوئے ریوالنگ ڈیپارٹ نیک نکال۔"

"میں میں جانتا ہوں کہ جہاں کام کرنے والے ہر شخص کو اپنے کام میں مزہ آتا ہے۔ ہائی فنکشنل ادارے میں جاب کی طرح ایک کشش کے طور پر سوچ سوار ہو جاتا ہے بلکہ ہو کر خود اپنے کام سے لطف اٹھاتے اور اس لطف سے اس سپنسفکشن کو بڑھاتے رہنے کے لیے اپنے کام کرنے کی اسپرٹ کو بھی بڑھاتے رہتے۔ ابھی تو جب آپ باقاعدہ کام کرنا شروع کریں گی تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہماری یہ صرف اپروچ مختلف ہے بلکہ روایت بھی ہم مارکیٹ سے بالکل الگ اور بہتر پیش کرتے ہیں اور یہ دو ہفتوں جیسے والے اس ادارے میں پڑھنے پڑھانے کی بھرپور میں خوبیوں اور کامیاب رکھنا آسان بات نہیں۔ آپ کے بھی فرق محسوس ہوتا ہو گا ہماری پروڈکشن کا

سیاہ بھیجر پر گلاب کے مقابلے میں کتنا بہتر ہوتا ہے اور یہ سب تم اور ورک کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر اور ایکسٹرز ہماری پروڈکٹس میں بھی وہی ہوتے ہیں جو دیگر پروڈکٹ سرزد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ہمارے ٹیکنیشن پانی کو الٹا ڈیوٹ ہوتے ہیں۔"

"جی حضور ہوتا ہوگا فرق ہم اس بارے میں زیادہ جاننے کی بات نہیں کر سکتے کہ ہمیں اب تک نہ زیادہ دیکھنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا۔ ہاں جیسے کہ اتنا غور کرنے کا موقع ہم نہیں ملا کہ کس پر وہ سرکا کیا نظام ہے۔ اس پر ولرام کا سیاہ رنگ ہے۔ ایک نرم ایندا ہی ہے اپنی تعلیم کے سلسلے میں خاصے پیش رہے ہیں۔ ٹیکر ملکھی جیلز کی جانب دھیان ان میں کیوں گیا۔ وہ بھی وجہ یہ ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول بھی ہمیں اس جانب راغب ہونے سے روکتا رہا۔ آپ یقین نہیں کریں گے کہ آج کے دور میں جب چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی تلواریں تک میں ڈاکٹ اٹھ جاتے ہیں؟ ہمارے گھر میں اب تک کیوں کنکشن نہیں آیا۔"

"ویری انٹرسٹنگ آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟"

"ہمارا آبائی لکھنؤ کے نواب گھرانے سے ہے۔ ہمارے پردادا بابل لکھنؤ تھے۔ ہجرت کے بعد یہاں ہمارے دادا نے قیام کیا۔ ہمارے دادا کا واحد مشغلہ تو بلی ہے یا پھر چیزوں باغات اور جانوروں کی دیکھ بھال کرنا۔"

شمراد نے مرعوبیت سے سر ہلا دیا۔ وہاں جا کر بلی کی تفصیل میں نہ گیا وہ بلی اور اس سے کچھ میرے تعلق میں مستر تھا ورنہ ساری زندگی کا بھاؤ پھوٹ جاتا۔ لکھنؤ کے نوابین باغات اور چند ایکڑ زمین کو وہ کمال نظر سے دیکھ رہا تھا۔

"او کے مس گل مرض نہیں کرتا ہوں گل ہمارے کام کی ابتدا حسب توقع شاندار طریقے سے ہوئی ہے۔ اس نے اجازت دینے والے انداز میں کہا کہ تو اس گفتگو کے دوران وہ کئی بار اسے رسٹ واچ کی جانب بے چینی سے دیکھتے پایا تھا۔

"اشاء اللہ سر۔ اینڈ تھینک یو" فوراً اٹھ کر اپنی بولی اور اپنی مخصوص وہ قاتر چال کے ساتھ آفس سے نکل گئی۔ شمراد کی دوست نگاہیں دیر تک بند دروازے پر ٹکی رہیں۔

"یار اس لڑکی میں ہوا سے سب سے ممتاز ظاہر کرتا ہے سب سے الگ سب سے منفرد بنا تا ہے۔ کیا اس کا حسن؟ جو حقیقتاً موجود ہے یا پھر اس غیر معمولی حسن میرے لیے کبھی غیر معمولی چیز نہیں رہا۔ اس کی ذہانت؟ ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ اسے منفرد تو ظاہر کر سکتی ہے مجھے اس سے مرعوب نہیں کر سکتی۔ ذہانت ایسی چیز ہے جس سے میں متاثر تو ہو سکتا ہوں مگر مرعوب نہیں اور نہ ہی حسد محسوس کر سکتا ہوں کیونکہ مرعوبیت و حسد اس چیز سے محسوس ہوتا ہے جو آپ کے پاس نہ ہو اور میرے پاس سب کچھ ہے شاید میرے پاس نہ ہو تو اظہار نہیں ہوا اس لڑکی کے ہر انداز سے جھلکتی ہے اور جسے محسوس کر کے مجھے اپنا آپ اس کے آگے چھوٹا لگنے لگتا ہے۔

ہاں اس نے ایک چیز ہے جسے میں لاکھ جدوجہد کے بعد بھی حاصل نہیں کر پایا۔ یہ وہ دولت ہے جو میں ان رات کی محنت کے بعد بھی نہیں کما سکتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تک میں شاید کبھی نہ پہنچ پاؤں۔ اسے حاصل کرنے میں میری دولت میرا بزنس اسٹیٹس میرا بینک بیلنس میری شہرت میرے تعلقات کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ خدا اسکاری کی یہ نعمت نہ دولت و شہرت کی عطا کرتا ہے نہ ہی ذہانت کی۔ یہ تو عطیہ خداوندی ہے۔ یہ تو خدا اپنے ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے جو اپنے ہوتے ہیں۔ شرمندہ نہ ہوں۔ وہ جس خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس کا حوالہ ہی اس کا سراہ نچھاور کرنے کے لیے کافی ہے۔ کاش ایسا ہی کوئی حوالہ میرے نصیب میں بھی ہوتا۔"

اس نے حسرت سے آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

"اس شخص پر عقل کے دراز کے رسالے ہے تو وقات کا عقل اور خود کو بیدار کیسی بھی ظاہر کرتا ہے لیکن اصل

میں سات خلوص ہوں گی اس ایک کا فیصلہ ہو گیا۔" نگاہ نے نفرت سے کانٹی دیتے ہوئے اوٹ نیوز کیا۔ یہاں کی دوستی ناکامی تھی وہ اتفاقیہ ہرگز نہیں تھی۔ وہ اپنی باجی کے پہنچنے لینے ایاجی کے ساتھ خود ملک منزل کے آئی تھی اس لیے تھی کہ نگاہ کا ایڈمیشن ہو سکے۔ وہ لڑکی اگر یہ اس ٹائپ کی نہ تھی اور اس لائن میں آنے کے بعد ایاجی کی چاہتی ہے تو ٹائپ چیزوں سے دور کر دو۔ جاتی تھی مگر نگاہ نہیں جانا چاہتی تھی اب کیا تھا جو اسے اس کی جانب بھیج دیا تھا۔ اس روز گھر آنے کے بعد بھی دیر تک اس کی باتیں ذہن میں گونجتی رہیں۔

"تمہیں کسی کی دعا میں نہیں لگتیں؟" "وہ اس کا مسئلہ ہے۔"

"ہاں ہوتے ہیں ایسے ایاجی جیسے۔" "وہ اس کا مسئلہ ہے۔"

"اس میدان میں اترنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہونا ہے ہر طرح کے دشمن کے ہر طرح کے وار سے نمٹنے کے لیے۔" "وہ اس کی تیمیز۔"

"ڈرتی ہوں روز مشرمیں ماں کے کام کی ہے حرمتی نہ ہو جائے میرے نام کے ساتھ تنگ کے۔"

"وہ اس پہلی سی لڑکی کو سمجھانے کے لیے ہے میں تھی شاید خود اپنی ذات کی گرہیں کھولنے کے لیے۔ اس کا ایڈمیشن لینے کے بعد اب اس نے اس وقت وہاں جانے کا قصد کیا تو ایاجی نے تعلیمی کوئی اعتراض نہ کیا کہ وہ خوش تھا کہ اس کی بیٹی اپنے خول سے باہر آ رہی ہے۔ نئی دوستیاں پیدا کر رہی ہے اور وہ بھی ایسے حلقوں میں دوڑتا سلسلہ نظر آنے لگا۔

نگاہ کرشن نگر کے ایک پرانی بازار کی ایک پرانی سی عمارت کے تنگ و تاریک فلیٹ میں رہتی تھی۔ دو کمروں اور ایک مختصر سے کچن پر مشتمل اثاثے ہو سکتے تھے۔ دو عدد خستہ حال دو زانوں اور دو تعداد انجنوں والی چھت کا فلیٹ۔ نگاہ کی تنخواہ جیسے ناپ سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہاں عاملوں میں رہتی ہوگی کیونکہ تو ناس کی کمی۔ وہ بھی اگر کہیں کچھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوگی۔ یہ تنگ اندازوں میں اس کا سوا کیا کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ تنگ اندازوں کے مشاہدے ہوتے ہوئے اپنے ماحول کے بارے میں خود ارکنے لگی۔

"وہ ظاہر اکتنا تھیں اور تنہا کیوں نہ لگتا ہو اندر سے کسی بازاری۔ چوک پہنچنے والی عورت سے بھی گیا گزرا ہے۔"

"تمہارے سوا کوئی بھی طرح جانتی ہو کیا بات ہے ذاتی جان پہچان ہے؟" "میں نے کہا۔"

"کیا خاک ہے۔ میں تجھے کچھ کو جانتے کے لیے رکھو کی ایک نگاہ ہی کافی ہے۔ بھیڑیوں کے اس جنگل میں وہ سال کی عمر میں آ گئی تھی۔ چھ سال سے ان فون آشام بھیڑیوں کے سنے میں ہاتھ ڈال کر اپنے حصے کا رزق نکال رہی ہوں۔ کیا اب بھی نہ جانتی کہ کون کیا ہے؟" "اور اس انکشاف سے دم ٹوٹ رہی تھی۔"

"تم کہیں سے بھی تیس سال کی نہیں لگتیں۔"

"تمہیں نہیں ایک کم تیس اور یہ بھی صرف تمہیں بتایا ہے ورنہ اوروں کے لیے میں پچھلے چار سالوں سے بائیس سال کی ہوں۔ اس سے پہلے کئی سال انہیں سال کی رہی۔" "وہ قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔"

"کیا تم ہے چھ سال کی عمر میں میرے بابا نے مجھے سولہ سال کا کہا تھا۔ تب بیٹے کے لیے مجھے خود کو بوڑھا ظاہر کرنا پڑا اور اب بیٹے کے لیے عمر گھٹانا پڑتی ہے۔"

"وہ تمہیں تمہیں تمہارے بابا نے تمہارے اپنے بابا نے بیچا!" "وہ حیران رہ گئی۔"

"ہاں میرا باپ ہوں کا پٹھان تھا۔ پٹھان بڑے غیرت مند ہوتے ہیں۔ یہ ہاں ایک مشہور ہے اور کچھ غلط بھی نہیں۔ واقعی بڑے غیور ہوتے ہیں ناموس پر جان دینے والے۔ لیکن میں کہیں خون بھی اثر ہوں چاہتا ہے ذات بھی رستہ بدل لیتی ہے۔ میرا دادا پردادا سب ویسے ہی تھے روایتی پٹھان۔ پر وہ بات تھا ہمارے خاندان میں ویسے بھی شہر میں تھا ذاتی رہتے تھے۔ ہوں کے قریب ایک قصبے کے رہنے والے تھے۔ ان دنوں ہمارے گھر کی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا تو کہ غیر خاندان کی عورتوں نے بھی۔ کبھی نہ اپنا نور چھپایا تھا اس کے چہرے

سے پھر نہیں کہیے میرے بابا کو نشہ لگ گیا۔ رہیں بیچ کے نشہ پورا کرنے لگا۔ وہ ابا مرا تو چچا نے ابا کو بھی
بچوں سمیت حضرت کے حوالے کر دیا۔ اب گھر سے تیج سے کر اپنا رہنے لگا تھا۔ ابا ماں کو مجھے اور میرے دونوں
چھوٹے بھائیوں اور دو چھوٹی بہنوں کو لے کر چار سو کے آیا۔ وہاں وہ فیکٹریوں کے کام کرنے لگا۔ بھائی بھی اس
کے ساتھ جانے لگے۔ خود تو وہ نشے کی وجہ سے کام زیادہ نہ کر سکتا تھا۔ ہی سارا دن شہر میں ازار بند بیچتا رہتا۔ بہنوں کے
بیچ تھا کے دستی ہاتھ کے پکھے بناتی اور ابا ماں گھر سنبھالتے اور بہن کے بازاروں میں بیچتی لیکن بابا کا نشہ تھا کہ پورا
ہی نہ پڑتا تھا۔ پہلے اس نے میرے ایک ہوٹل کو ایک عمل کے ہاتھ بیچا۔ ہوا سے ہوٹل کی ریلس میں کام لانے
کے لیے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ظاہر ہے کہ اپنا نہ لایا بابا کو چھ ہزار اس نے بنوا دیں کرنے کے قوت دے دیے تھے۔

ماں اس واقعے سے اتنی خوفزدہ ہوئی کہ مرتے دم تک اس حرمت سے پہلے ہم تینوں بہنوں اور اکلوتے بھائی کو بھی مار
جاتی۔ بابا کے دھمکانے کی وجہ سے ہم کچھ نہ کرتے تھے۔ وہ بھائی بھی کسی کی کاریگر بابا کی نظر سے بچتی ہم تینوں بہنوں نے ایک
بزرگ سے مرنے تھے دس ہزار میں خریدا۔ چند دن استعمال کیا۔ کوئی تین گنا نظر آنے جو بہت تھی کسی فلم کے لیے تھے۔ ہم
نے تین عیاشیوں کو تفریح کے لیے۔ پھر ایک سال بعد ہم نے تین ہزار میں لاہور کے ایک سیٹھ کے ہاتھ بیچ
دیا۔ "ابا چونک گئے تھے۔"

"کیونکہ ایک ہی سال میں میں کتنی مرتبہ قتل ہو گئی۔ خیر اس سیٹھ میں شاید گناہ ثواب کا کچھ خوف تھا جو اس
نے باقاعدہ نکاح کر کے مجھے تین سال تک اپنے ساتھ رکھا۔ حالانکہ وہ یہاں اس کی بیٹھک سے تھی۔ نکاح نامہ تھا۔
اور حرمت نہ رہنے کی بعلت کو اپنوں پر اور اس کو حرام کام کو بھی حرمت ملتی رہتے کی ظاہر طلاق کر کے کہا۔ تین
سال بعد کوئی اور اس نے مل کر دھکا لگی تو میں فالج ہو گئی۔ اس دوران میں نے بابا سے بھی رابطہ کیا۔ بھائی کی حالت
خاصی خراب ہو گئی تھی۔ انہیں بھی تو نکال دی تھیں۔ پیسے نہ ہونے کی۔ میرے بعد ان کا نشہ بھی بہت بیسیا
ہو گیا۔ پیسے کو کون کرتی ہو گا۔ میں بیٹھے کھڑا رہو کے مرتی۔ مجھے موت ہو گئی تھی۔ نہ اس پورے کے باہر جو ہوا تھا۔
سیٹھ نے مجھے فارغ کرنے کے بعد حق مرتے کے لالچ کا دور دو سب زیور بھی جیسے جو تھا سامان کے دوران میں نے
بنوائے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ مرام ہے۔ اور دیکھ رہی تھی کہ کیا [illegible] پیسے
لیے باعزت پیشہ اپنا شکل تھا۔ عورت کی جو تین شباب تھا تھا۔ اضافہ سامانی کی جیسی پیچھی تو بہت تھی میں۔ سیٹھ
کے طلقہ میں بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے۔ اپنے خرچے پیچ کے میں بیوی کی قید سے آزاد ہو چکی ہوں بہت سے
طلب کار امیدوار تھے۔ میں اب خود کسی کے نام کی صورت تلاش چاہتی تھی۔ اس میں نہ اپنا سارا روپیہ خسارہ تھا۔
تین سال میں جتنی راتیں اس بیٹھے سیٹھ کے تمام تھیں اگر چاہتی تھی تو مرتے میں کوئی رقم کر سکتی تھی۔

بابا نے میں نے ایک معاہدہ کر لیا۔ اور پھر بھائی کا علاج کرایا تھا۔ بہنوں کی شادی کر کے عزت سے
انہیں اپنے گھر کا کر کے گاؤں میں ان کے پہلے ہی وہ اپنے مستقل رقم دیں گی۔ سو یہ کہانی شروع ہو گئی۔
شروع میں میں نے سب کچھ کیا۔ سب کچھ جو میں چاہتا تھا۔ شاید میرے گھر کے برتن میں پانی تک پینا گوارا نہ
کرتا۔ لیکن میری نظر سے دیکھو تو یہ اتنا قابل بھی نہیں تھا۔ ایک میں اکیلی کچھ میں آن کر لی تھی تو سب کا اتنا تمام
کے انہیں خدمت میں کیونکہ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] کے خوبی اندر تک دستی رہوں ایک کن
[illegible]

کاؤنٹر کے کوئی کاروبار بھی بیٹھ کر [illegible] ہو گئے مر جائے تو ہو جائے۔ میرا بس مت ہو اس کی
موت کی دعائیں میں اس لیے نہیں مانگتی کہ اس کی وجہ سے میں جتنے دن جیتی ہوں پاک نہیں ہے۔ بلکہ
اس لیے کہ ان کی شان کے بعد بھی اب تک ہو صیغہ ہزاروں میں یہ کہہ کر مجھے [illegible] دیا ہے کہ اگر میں
اپنا نہ کروں تو اپنے بار بار میں ہی ہی ہی ہوں کے سوال تک سب پاگل ہو جائے گا۔ میرا بھی میرا مال ہے۔ میرا
کردار میرے رقت۔ بابا۔ میرا۔ ابی اب سے انہوں ملانے کے بعد بھی میں اب تک اس حال میں ہوں۔
[illegible] سال اور۔ پھر میں [illegible] ہو گئی ہے۔"

ابا کتنی ہی دیر کچھ نہ کہہ سکی۔

"اگلا میں تم سے یہی کہتی ملنے چلی گئی تھی اب احساس ہوا کہ اللہ مجھے تم سے کیوں ملوانا چاہتا تھا۔ صرف یہ
احساس دلانے کے لیے کہ دنیا میں مجھ سے بھی خراب حالوں میں کتنے ہی لوگ ہی رہتے ہیں۔ میرے ابا کی تو صرف
[illegible] کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"اب ایک بات سن لو اور گرہ میں باندھ لو۔ اگر دامن صاف رکھ کے اس پیشے میں رہنا ہے تو پاک دامن
ظاہر کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ خود کو ویسا ظاہر کرو جیسا کہ اس پیشے سے وابستہ عورتیں ہوتی ہیں۔ شریف عورت مرد کے لیے
بہت پیچیدہ چیز ہوتی ہے۔ تمہاری طرح روایتی کے اندر تمہی عورت کا شرافت کے بارے میں دھوکہ دے کر بھی وہ پھر بھی برداشت
کر لیتا ہے لیکن اگر کوئی عورت حرمت نکال کر چادر اتار کر بھی خود کو باعزت اور شریف کہے تو وہ اسے دھوکہ سمجھ کر برداشت
نہ کر پائے گا۔ اس لیے خود کو کیسے ثابت کرنے پڑتی جاتا ہے اس لیے خود کو ایک چیلنج بنا کے مت پیش
کرو۔ تمہاری آواز اچھی ہے۔ صورت بھی اچھی ہے۔ اگر تم ہم بھاگ کے رکھنا چاہتی ہو تو آواز، شکل اور
ادائیں کو کیش کر لو۔ یہ تو کیس اپنی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر دنیا کے ہاتھ میں اختیار دیا تو صرف تم یہ
بیچنے کی۔ خود کو بچا کے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ بھوکے کتوں کے آگے پھینکے ہوئے ہڈی ڈالتی رہو۔ دیکھو کے سوکھے
تو بہت ہی سی اور دیر ابھی اس کی سوکھ سے باپ دادی تو تمہاری ہوئی ہوئی [illegible] چلیں گے۔"

"لیکن میں بیشہ ور طوائفوں کی طرح مرد کو لھانا تو نا شوق کر دوں۔" ابا نے کہا۔ "ابا نے کہا کہ میں
"بیشہ ور تو نہیں چلی ہوا۔ نوابات اور بیشہ بھی تم نے طوائفوں والا چلنا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ فن
اور آرٹ کے بہت سے مرض لگ جاتا حقیقت تو ہی ہے۔ چاہے کوئی کو تھیٹر، محفل سجائے کسی کے دربار میں
ہی یا پھر [illegible] پروگرام کرتے بات تو ایک ہی ہے۔ ہاں اگر تم ہو کسی کی ماں کی بیٹی ہو کسی کی بیٹی ہو کسی مشہور [illegible]
[illegible]

لیکن اتنی تو سب تمہارے تجربے سے واقف ہیں اور تمہو باپ سے بچنا جانتا ہے۔ تمہاری ماں تمہیں کو
پیار سے بچاتی تھی۔ تمہیں بتاتی تھی مگر تمہارے باپ کی قسمت میں لکھی ہی تقریب نہ تو دربار
[illegible] کی کہانیوں سے واقف تھا۔ تمہیں بتا کر چلا گیا تھا اس کے پاس تمہیں دینے
کے لیے صرف ابا تھی۔

میری ماں نے بے شک مرنے کے بالیس سال پہلے کے پیچھے گزار دیے تھے مگر باپ کی نگاہ کی شرم اور
[illegible] کی [illegible] ہی تھا۔ [illegible] تھا۔ [illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible]

[illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible]
[illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible]
[illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible]
[illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible]

"اب تم [illegible] صرف [illegible] ابا نے کہا۔ "ابا نے کہا کہ میں [illegible]
[illegible]

● ● ●

پانے کس نے پانسے دیے ہیں آ کر گھر گھر خواب
کچی بات ہے میں نے دیکھے خواب کے اندر خواب

عمیص کی قدرے بلند آواز میں یہ بڑبڑاہٹ سن کر پہلے کے دوسری جانب برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھی دھلے کپڑے تہہ کرتی ہوئی موتیا نے ہلکے سے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

اس کی یاد میں سویا ہوں تو نوٹ کر لیکر ہوں
میں تھا نیند اک میٹھے جیسی اور وہ پتھر خواب

آپ عمدہ سامع کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی عمیص کی رگِ شاعری اور شدت سے پھڑک اٹھی۔ اب خود کلامی کی بجائے دل لینے کا سا انداز نمایاں تھا۔ موتیا نے مجبوب کو رد کرنے کے لیے اٹکائی جانے والی تیل ادویہ کی جانب سرکا دی۔

مغرب اور عصر کے درمیان کا وقت تھا۔ دھوپ کی شدت اگرچہ کم ہو چکی تھی اشام کی آمد آمد تھی اس کے باوجود سارے دن کی تپش سے تنور ہوتے فرش اور دیوار ہنوز اب تک جھلس رہے تھے۔ موتیا نے حیرت سے عمیص کو دیکھا جو برآمدے کے عین سامنے بیٹھی چھوٹے سے سمرا راز کھلے آسمان پہ اٹکھیلیاں کرتی ایک ہلکے سبز رنگ کی پتنگ پہ نظریں جمائے شعر شعر بڑبڑا رہا تھا۔

"تمہیں گرمی نہیں لگ رہی؟ اندر آ کر لیٹو کم از کم پنکھا تو چل رہا ہے۔ اس قدر گرم فرش پہ تم کتنے مزے سے براجمان ہو جیسے ایئر کنڈیشنڈ روم میں کسی آرام دہ صوفے پہ بیٹھے کسی اینڈرائڈ فون پہ بیچ دیکھ رہے ہو۔"

اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اب عمیص نے اپنی نگاہیں ہلکے نیلے آسمان کی وسعتوں میں اڑتی ہلکی سبز پتنگ کی بجائے اس انتہا سے چھتی دالان کی پیلی دیوار پہ جمنے تک غور طلب کرتے مفید کو تہہ تو کس کر دیں۔

دیکھیں اس دیوار پہ اترا ہے جیسے جا کر خواب
جب سے اس کو دیکھا میں نے ہوئے کو تو خواب

وہ تنک کر بولا۔ موتیا سر ہلا کر رہ گئی۔

"آج ہوئے عرصے بعد دھوپ نکلی ہے اٹھو خیر کرے۔" اس نے کپڑے تہہ کر کے الگ الگ ڈھیر بنائے۔

"الگو۔۔۔ ای حضور اور باقی حضور کے کپڑے ان کی الماری میں رکھ آؤ۔"

میرا بابو چھیل چھبیلا میں تو ناچوں گی
او میرا بابو رنگ رنگیلا میں تو ناچوں گی

وہ حسب معمول پاگل پن کا ثبوت دیتی کسی طرح اپنی آواز نچانے کسی کونے سے نمودار ہوا۔

"چلو۔۔۔ چلو شدہ شدہ۔ ایک دفعہ چلنے ہی تھے محفل سجانے بیٹھے تھے کہ دوسرے بھی اپنا اپنا تحریر کلام سنانے تشریف لے آئے۔"

او نکلنا سجا کے کھلا سجا کے
میں شرماؤں رے او میرا بلما رنگ ۔۔۔

"اف کا واسطہ ہے الگو۔ تم بلما شلما شلما کا بتانا مرضی چھپا چھپا رنگ رنگیلا بولنا چاہتے کا بولنا ہے تو بولو۔" گھنٹہ بھر ناچنے کے بعد گرمیوں کے اوپر سے اپنے جھلسے ہوئے تلوؤں کی لاج رکھنا تو تمہیں قسم ہے کہ شرما مت۔" موتیا نے فوراً اپنا جوتا کے اسے شرمانے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ وہ منہ اور ہاتھ اکیڑ کر اٹھنے چلنے لگا۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر خدا کی قسم۔۔۔ الگو کا شرمانا نہیں برداشت جیسے ہی اس کو سنتے ہی میں تپ جاتی ہوں۔" اس نے عمیص کو مخاطب کیا جواب کو تری جان بخشی کرنے کے بعد لیموں کے فوراً سے پانی کے گلاس کو دور رہا تھا۔

"آج کئی دنوں بعد تمہیں اس وقت گھر دیکھا تو سوچا خوب گپ شپ رہے گی لیکن لگتا ہے تم گھر پہ موجود تو ہو مگر حاضر نہیں۔ جانے کہاں اور کی مخلوق کا ہجر پڑا ہے۔" اس نے جل کے بولی۔

"ثانی حضور ٹھیک فرماتی ہیں۔" ثانی ملتے شیطان کا گھر ہو تا ہے اور تمہارے خیال جانے تمہارے ہی جیسے کسی کامل نور سے لاموجود قسم کے شیطان نے میرا کرلیا ہے جو بیٹھے سے خلاؤں میں نظریں جمائے کر رہے ہو۔ تو اب کیا مشرات آلود تحریر ریسرچ کرنے کا ارادہ ہے؟" اس بار اسے خوب ہی کیا کری میں غور فرماتے کچھ کر بھر گیا گیا۔

"میں اک خواب بن رہا ہوں۔" کتنی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا ہوا۔ جب موتیا اس کی جانب سے کسی جواب کے ملنے کی امید ختم کر کے اٹھنے کو تھی۔

"ابھی تک۔۔۔ کتنا لمبا خواب ہے جس کی تعبیر ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔" اس کی ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ بھی عمیص کی تجدید کی تشنہ کیا ری تھی۔

ملا بھی کیسی شے ہے دیکھو پھر خالی کا خالی
مگر چہ اس میں ڈالے میں نے آنکھیں بھر بھر خواب
سدا اکیلے رہنا ہو تو ایسی شان سے رہنا
جیسے دکھ کے بھول گیا ہو اک انگار خواب

بڑے تھکن کے بعد عمیص اس کی زبان سے یہ ہوائی شعر سن رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا اور چہرہ اس کی جانب موڑ کے کہنے لگا۔

"اچھا اچھا۔۔۔ لیکن اگر کوئی۔۔۔ "اکیلے رہنا چاہے تو بتاؤں۔"

"ہاں کیوں نہیں کہتے کہ اگر کوئی "شان" سے رہنا چاہے تو بتاؤں۔"

"ہائے شان ہمارا پیارا پیارا یہ کس کا نام لیا آپ نے۔" الگو نے تپ کے تعریف کرنے سے نکلا۔

"ہوئے شان کی ہوئی صورتیا" قاتل نشان ہے۔ اور وہ جب لب دبا کے ہونے سے مسکرا رہا ہے۔ تو ہائے ہائے۔۔۔ یہ ہونکھڑی سے نازک لب اور موٹے سی مرکت۔"

"یار الگو۔ یہ تم شان کے حسن کے تعدیدے پڑھ رہے ہو یا ریکارڈ کے؟" اس کی بے قراری وہ ار قتلی پہ مشکوک ہوئے عمیص نے پوچھا۔

"ہاں جی آپ نے شان کی تو بڑے غور سے ایک ہی تو شاہزادہ ہے۔ تو آپ کی اس تیز کے خوابوں میں آتا ہے۔"

"لیجئے خوابوں نے ان کی بھی نیند اڑا دی۔" موتیا نے سر ہاتھوں پہ گرایا۔

ہو گئے ہو سے رنگ لال لی گیا
میرا سوال رہ گیا

الگو نوشان کے تخیل میں گنگناتا پھرتے غائب ہو گیا۔ موتیا نے اس اداس اترتی شام کی رنگین ساعت میں عمیص کا چہرہ دیکھا تو سر سے پاؤں تک وہ اپنا ہی تھا اور ایک بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے اپنی سلگتی کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی ہلکی پھلکی ہوئی شیدا دھیرے دھیرے اترتی شام کے سنہری سائے میں یوں تک رہی تھی جیسے پورے چہرے پہ کسی نے موتیا چھڑک کر کے چھینٹ دیا ہو۔ اس کے بال بھورے تھے جو بھی بھورے سنہرے تھے جو بھی روشن دان میں کرنوں کا عکس پا کر۔ شام کے استقبال میں رخصت لیتے سورج کے ہوائی رنگ لے کر ہلکے بھورے بالکل سنہری لگتے تھے۔

"نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟"

اپنی طویل انگڑائی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرتے ہوئے عمیص کو جانے کیسے پتہ چل گیا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ بھی اپنی چوری پکڑی جانے پہ وہ سٹپٹائی۔

"اگر تم کالوں کی تمہاری کالی رشک کستی کو۔۔۔ ہو جیسے اترنے کا نام نہیں لے رہی۔ یا پھر مشہور زمانہ بد نظری کو اس کے بڑے دور تک پہنچ رہے ہیں یا پھر تمہارے اس بھلے مانس تیز عشق کو جس کے انجام تک

کھنکنے کے آثار نظر نہیں آتے۔"

"شام کا وقت ہے، بارگاہ ہے، تھوڑی بات منہ سے نکالو۔ ابھی وقت تلاوت کا ہوا ہے۔"

"یہ تمہارے ہی کب سے ہو گئے؟"

"محبت ہوئی ہی ہوتی ہے۔"

"تمہارے معاملے میں یوں کرنا چاہیے کہ محبت بڑی مجھی ہوتی ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے تم جھک مارتے آ رہے ہو۔"

"میری محبت ہے، میں جھک مارلوں یا بک بک کروں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟" آخر کار وہ چڑ گیا۔

"میری تکلیف ہے، تمہیں کیا؟" وہ جواباً بھڑک جانے لگی۔

"سنو گل رخ تک آواز ہے؟" اس کے پکارنے پر وہ چونکی۔

"آئے واز ہوگی۔" اپنی کرارا سا ٹال جواب دیتے ہوئے اس نے مشکل سے ضبط کیا۔

"خاصی دیر ہو گئی۔" وہ گل رخ کی بات کو چھوڑتے ہوئے بولی۔ اپنے کمرے کے دروازے کی باڑ کے اس طرف اسے گل رخ کی صنان گلی میں نظر آنے لگا۔

"دیر تو تم نے کر دی ہے عصمت۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ عصمت کہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکلنے کا ارادہ کرو۔ خوابوں کی چادر جتنی مرضی بنتے رہو تمہارا کوئی نہیں آیا چار دن ہو گئے۔ تم آتے نہیں اور وہ بھی لوٹ نہ جائے۔ حالات کی کروٹ سے بچو۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے تعلق کی برف سے نکلی ہے۔ اگر تم کل کے حوالے سے خود کو خواب دیکھنے سے روک نہیں پاتے تو کم از کم اسے اپنا خوابوں کا راز ہی بتا دو۔ اسے اس کل کو سب کچھ کہہ کر کہیں نہیں رہنے دینا۔"

وہ اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے نور کو آنکھوں سے چھوتی ہوئی کئی لمحے تک نظریں جمائے ہوئے بیٹھی رہی۔ وہ جو دعا مانگتی تھی کہ اسے کوئی ایسا لمحہ اس کے لیے شاید آسمان پر لکھ دیا گیا ہو گا کہ عصمت گل رخ سے اس نے اپنے لب کاٹ کر خود کو اس اذیت ناک تصور کی قید سے آزاد کرایا۔

"تم اپنا وعدہ نہیں بھولی ہو گی عصمت۔" اس نے کہا۔ "اس نے عصمت سے عہد کیا تھا۔"

"وہ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ کیا میرے جذبوں کی تپش میری محبت کی آنچ اس تک نہ پہنچی ہو گی کیونکہ میری آنکھوں سے یہ سب جاری تھی ہوں۔"

"تصور جاری تھی ہو گی اگر اس نے تمہاری آنکھوں میں جھانکا ہوتا۔" اس وقت اپنی نظریں جھکا لیں۔ جانتی تھی اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو سنتی ہی اپنے کی جانب نگتے رہا اسے نظر آنے ہوئے تھا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ اپنی محبت کی آنچ جذبوں کی تپش سے پہنچتی ہے اس سے اس شخص کے لیے کہا ہے تو وہ اس کے اپنے اندر اتنے جا بجا بھر رہے ہوتے ہیں کہ وہ کسی اور تپش کو محسوس ہی نہیں کر پاتا۔" عصمت کے لب نازک بھی کھل گئے۔

"آپ اپنی آنکھوں کو سارے راز افشا کرنے کی کھلی اجازت دے دیتے ہیں مگر وہ شخص سے اس کی اپنی آنکھیں ہی اور جانب نگاہ کی خواہش مند نہیں ہوتیں۔" اس نے اپنی جھل پلکیں اٹھائے عصمت کے خطر چہرے کو بے یقینی سے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"اگر ایسے میں اگر دل بھر کو نظریں اٹھا کے ان آنکھوں میں جھانک لے۔ اپنے اندر کی بے کاریوں کو وا بند کر کے کوئی ایک کھڑکی ذرا سی کھول دے تو شاید سب راز جان لے۔ پھر آنچ محسوس کر لے۔ وہ بے خود ہو کے تمنا کر رہی تھی۔ مگر اسے یہ سچ اس میں بدستور سامنے بیٹھا کر مسکرا رہی ہو۔ ان تو رہا تھا۔ بڑے غور سے ان رہا تھا۔ صرف وہ جو وہ گم رہی تھی وہ تمہیں جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

"لیکن ایسا ہو آئی تو نہیں۔" اس نے شانے اچکا کے خود کو اس بے بسی کو بے بسی والے لمحے کے ظلم سے بمشکل آزاد کرایا اور اپنی نظروں پر زبردستی پردہ ڈالا۔

"نہ کوئی ان آنکھوں میں جھانکتا ہے نہ ہی یہ کچھ بولتا ہے۔"

"اگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا ہے موتیا کہ میں ہاتھوں میں اپنی آنکھیں رکھ لوں یا بالکل کسی مشکیزے کی طرح اور صدا کیں لگا کر بات چھلک کر دل اس مشکل کی جانب متوجہ کروں۔ محبت بھکاری بن سکتی ہے مگر بھیک محبت نہیں کہلائی جا سکتی۔ اگر میں اس مشکل میں تو جو کے چند نئے ڈال بھی دے تو میں اسے محبت سمجھ کے مطمئن نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن کہتا ہے کہ تم بھکاری ہو۔ تم محبت کی بھیک مت مانگو مگر اپنی محبت تو اسے دان کر سکتے ہو۔ یوں سمجھ لو محبت کرا ہے ہی دل میں جو کچھ رکھنے سے کیا حاصل؟"

"حاصل ــــ! حاصل۔" اس نے ایک طویل سانس اپنے اندر کھینچتے ہوئے فضا میں پھیلی پکنار کی بھی بھینی خوشبو کو محسوس کیا۔

"یہ حاصل لفظ کتنا کام محبت کی اس کتاب میں محبت میں کیا حاصل۔ کیا حاصل۔"

"یہ وہ راز اس قسم کی محبت کے لیے سازگار ہے نہ تم اس راز کے پردہ ہو جب تک حاصل کے بھی محبت بھلی جاتی تھی۔ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے کہو کہ تمہیں اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ کل تمہیں چاہتی یا نہیں۔ تمہاری محبت کا جواب محبت سے دیتی ہے یا نہیں۔"

"ہاں میں مطمئن لگتا ہوں کہ اس سے اپنی محبت کا جواب محبت میں نہ ملا مگر یہ میرے لیے کسی سعادت یا نعمت سے کم نہیں ہو گا اگر صرف اسے چاہتے رہنا بھی میرے لیے تم نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی اس بات سے فرق نہیں پڑتا ہے نہ تھے اور نہ میری محبت کو۔ کہ اسے بدلے میں یہ ملی ہے یا نہیں۔" وہ بیٹھے پہ ہاتھ رکھے۔ تین اپنے دل پہ یہ بات کہہ رہا تھا۔

"اس ہاتھ کو یہاں سے ہٹائے بغیر اس سوال کا جواب بھی دے دیا۔ کیا تمہیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ وہ تمہیں تو تمہاری محبت کا جواب بے رخی سے دے کر نوازے یا محبت کسی ایسے شخص پہ نچھاور کر دے جو اس کے لائق نہ ہو۔ جب کہ ہاں۔ طلب ہاتھ رکھ کے جواب دو۔"

اس نے دیر تک دل پہ ہاتھ رکھا۔ پھر سر جھکائے ہوئے بے بسی سے ہاتھ ہٹا کے مٹھیاں بھینچ لیں۔ موتیا نے اس کے ہاتھوں سے نظر ہٹا کے چہرے کی جانب دیکھا۔ اس کی مٹھیوں کی طرح اس کی پلکیں بھی ایک دوسرے میں الجھ رہی تھیں۔ خاموشی کا بار دکھ کے رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کون فقاس کی ہاتھوں کی لکیروں میں بند اس نے کسی میں قید کر لیا تھا۔

اور جانے کون فقاس پلکوں کے پیچھے بند ہو کے کا سمان بنانا چاہتا تھا۔

بند دروازے بند کر لینے سے جانے والے رکتے ہیں۔ اگر خیال ٹوٹ جائے تو سنا رہ جاتا ہے۔ بے شک ان آنکھیں کھلیں یا نہیں۔ پلکیں موند دینے سے خواب مسمار نہیں ہو جاتے۔

وہ ایک خیمہ کے سامنے میں تھا موتیا کے ساتھ جا رہا تھا۔ خوابوں کی بے رنگی کے بارے میں خبردار کر رہا تھا۔

عصمت نے آنکھیں کھولیں۔ اب تک اس نے ایک بار بھی اپنے دائیں جانب کھڑی موتیا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں مسلسل سامنے لگی ہوئی تھیں۔ اب بھی پلکیں کھولتے ہی اسے بند نیند نظر آیا۔ جس پہ سارے دن کے کھنے سارے کو تو سنتے آ رہے تھے۔ اس نے نظر اور اپنے ہاتھوں میں تھام کے دامن پھیلانے کی ادا شروع کر دی تھی۔ وہ دامن جو اپنے سورج کی سرخی پھیل رہی تھی۔ فضا میں اچانک خوشبو کی لہریں اٹھیں۔ شاید ان سفر کے لیے موزوں۔ وہ ہیکر تن کے تھے۔ وہ جھکے جھکے قدموں کے ساتھ اندر کی طرف پلٹ گیا۔

موتیا نے گردن موڑ کے اس کی جانب دیکھا۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے پیٹ کی جانب گیا۔ پیٹ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"تنگ پڑتا ہے عمیر۔ بہت تنگ پڑتا ہے۔"

○ ○ ○

"ایکسی لینٹ ہیلتھ۔"

شہزادے افتخار دہ کے کہہ اٹھا۔ وہ گل مرجا چوہدری تنویر کے رکھ اٹھا۔

"میں نے آج تک کسی کی بے جا تعریف نہیں کی۔ ذہنی تھکن اس کی حوصلہ افزائی کی خاطر بحال رکھنے کے لیے ذہنی تھکاوٹ ہے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو کوئی بھی قابل تعریف کام کرے تو میں اس کا اظہار کرنے میں قطعی بخل نہیں کرتا۔ آپ نے واقعی یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس جاب کے لیے آپ سے بہتر امیدوار کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔"

"شکریہ سر۔"

"یہ کام اتنا مشکل اور پرفیکٹ ہوا ہے کہ اس سیریز کے بارے میں میرے دل میں جو چند ایک خدشات تھے وہ بھی دور ہو گئے ہیں۔ ایک کرکٹ کھیلنے کی دھن ضرور سوار تھی جسے پورا کر دیا۔ مگر یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں دیر دراز تک یہ دل کو ہضم نہ کر سکے تو ہے۔ اب ہم بھی وہ ورلڈ ٹور شروع کر دیں گے جس کی پلاننگ کی ہے تو سارا سرمایہ ڈوب سکتا ہے۔ فنانس سے بھی زیادہ گھر مجھے اپنی پروفیشنل ساکھ کی تھی۔ اس لائن میں آپ کوئی بھی مقام حاصل کرنے میں کئی سال لگا دیتے ہیں مگر کھونے کے لیے ایک پل کافی ہے۔ تو میں گلاکہ اس سیریز کے بارے میں جتنی ساری توقعات پوری ہوئیں اور نیوٹیکس فارو آسو کے آپ کے انٹرویو کام نے دکھا دیا جو چاہتا تھا۔"

شہزادے نے پہلے ایس ہوڈ کی شیٹ پلاننگ کرنے کے بعد جب اس کے رشی پر تھیں دیکھے تو کل مرجا کی مہارت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"ویری سمارٹ۔ اصل ورک بالکل بالوں کے بنانے کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔"

اس نے ایک جگہ جو اسے خاصا پسند آیا تھا وہ دیر دیر انداز کر کے دیکھا جس میں "شیرول" کے جنگل کے درختوں پہ چہل قدمی کرتے دکھایا تھا۔ یہ جنگل حقیقی تھا نہ ہی چہل قدمی۔ جنگل کا منظر بنانے کے لیے خاصا پیسہ لگتا ہے اس کے لیے جو وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی تھی جو کل مرجا کے تخلیق کردہ اس قدرتی آرٹ گیلری والے منظر میں تھی جس کے لئے درختوں کی شاخیں ایک دوسرے میں ملی ہوئی تھیں۔ یہ جنگل اس نے کمپیوٹر ورک کی مدد سے تراش لیا تھا اور اس ہنر کا استعمال کرتے ہوئے اس نے "شیرول" کا مرکزی کردار ڈاکو بنے والے ڈاکو کو کھلتے ہوئے دکھایا تھا۔ اس کے قدموں سے درختوں کی جھکی شاخیں ذرا سا جھکتی تھیں اپنے سر سرانے لگتے تھے اور اس کے ہر قدم پر اس درخت پہ بسیرا کرنے والے پرندے اتھاہ دل لبھا دینے والی پرواز پر دشت زدہ ہو کے اپنی اپنی بولیاں بولتے اڑ جاتے تھے مٹھیوں سے نکلے بندر حیران ہو کے اچھلتے تھے۔

یہ سارا ماحول جو اس ڈیڑھ منٹ کے منظر سے سین میں دکھایا گیا تھا اسے اسکرین پہ اس کہانی سے پیش کرنے میں کل مرجا کی ذہانت صرف ہوئی تھی۔ بلاشبہ اس چالیس منٹ کے ایپی سوڈ کا سب سے مشکل سین تھا۔ مگر یہ منظر کے لیے ہدایت کار کے لیے تو ذہانت کا دروازہ کھولنے کے لیے بلکہ صرف اور صرف کل مرجا کے لیے اور اب شہزادے کے کام سے بے پناہ متاثر ہو کر دل کھول کر اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔

"نیوٹیکس سر۔ اگلا جو ہے بوائز کے سوا اور کیا کہہ سکتی تھی۔" جواب میں اپنی تعریف سننا کسے اچھا نہیں لگتا خصوصاً اس صورت میں جب یہ تعریف کا مستحق بھی ہو لیکن شہزادے کی دلکش اس کی توقع سے کہیں بڑھ کے تھا اس لیے خوشی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی جھجک اور شرم نے اس کا چہرہ گلنار کر دیا۔

شہزادے نے بے حد دلچسپی سے اسے لبوں کی لرزش پہ قابو پا کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا اس کی

پلکوں کے سرخ گچھے سائے رخساروں پہ پھیلی شفق میں مدغم ہو رہے تھے اور وہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے مسل رہی تھی۔ یہ وہ خود اعتمادی شاید بے نیازی کی مالک اس رکھ رکھاؤ والی لڑکی کا یوں پیش کر کہا شہزادے کے لیے حیران کن تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"مس گل مرجا آپ نیوٹیکس کس لیے کہہ رہی ہیں۔ شکریہ تو کسی معمولی سی عنایت کے جواب میں ادا کیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ تعریف و توصیف آپ کا حق ہے۔ آپ نے جتنی محنت کی ہے اور جتنا شاندار کام پیش کیا ہے اس کے لیے اس تعریف کو آپ اپنا حق سمجھ کے وصول کر سکتی ہیں۔"

"تھینک یو سر۔ ہم اپنے میاں کو لوٹا دیں گے۔" وہ اس مشورے پہ حیران ہوئی۔

"کیا حرج ہے۔" شہزادے نے شانے اچکائے۔

"خوبصورتی کوئی بری چیز نہیں مس گل مرجا۔ خود میں واقعی پسند کرنے والی کوئی چیز ہو تو خود کو پسند کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہم بہت سے لوگوں کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے ہیں صرف اور صرف ان کی چند ایک خصوصیات کی وجہ سے جو انہیں ممتاز کرتی ہیں۔ مثلاً کسی کی شکل و صورت، چہرہ، حسن و جمال، کسی کی خوش گفتاری، کسی طرح کسی کا ذہانت و مہارت، کسی کی ذہانت و قابلیت یا ثروت شہرت و ہنر۔ تو اگر ان میں سے چند یا ایک بھی خصوصیات خود ہماری اپنی ذات میں موجود ہوں تو ہم اپنی ذات سے متاثر نہیں ہو سکتے!"

"کچھ عجیب سا فلسفہ ہے ——— لیکن ہمیں ذہانت کا حق ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ ہمیں کچھ پسند بھی آ جائے تو ہم اس کا اظہار فوراً نہیں کر سکتے۔"

"فلسفہ تو آپ کا بھی عجیب ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

"ابھی ایک چیز پسند آ گئی ہے تو فوراً کر اظہار کریں۔"

"لیکن یہ پسند بھی ضروری ہے کہ ہمیں جو پسند آ رہا ہے وہ واقعی پسندیدگی کے معیار پہ پورا اترتا بھی ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں جو چیز پسند کرنی ہے وہ کسی اختلاف نظریہ۔"

"بہت اچھی پسند کسی ذہنی تصور یا اخلاقی بحث کو نہ کہا۔ میرا خیال ہے وہ فرق ہے اپنے مختلف نظریات کو لے کر کتنے ہی دلائل کیوں نہ دے لیں۔ دوسرے کو قائل نہیں کر سکتے اگر کر بھی لیں تو اس پہ اپنا کیا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے میں بحث مباحثہ کو بیٹھ انعقاد کر کے ہوں۔ لیکن ——— اس کے اتنے ہنسنے پہ گل مرجا ہو کر اپنی فاکٹر ہنسنے لگی۔

"ہنسیں آج اندازہ ہو رہا ہے کہ ذہین لوگوں سے بحث کرنے میں بھی ایک الگ مزہ ہے۔ آپ تو کل کر ہمیں بات نہ دیں گے مگر خوب صورت اور انوکھے نظریات سے لطف اندوز ضرور ہوتے ہیں۔"

"اب اگر ہم آپ کا شکریہ ادا کریں گے تو یہ آپ کے فلسفہ خود پسندی سے متصادم ہو گا۔" تو دار موتیوں سے مزین دانتوں کی ایک جھلک اس کے تبسم سے وہ دیکھ لی۔

"اس لیے ہم آپ کی جانب سے ملنے والے اس انعام کو بھی اپنا حق سمجھ کے وصول کر رہے ہیں۔" وہ مسکرا دی۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ آج ہم لنچ ایک ساتھ کریں۔"

"ہوں سر۔" وہ ذرا اپنے خول میں سمٹ گئی۔ سرخ رنگت ہوئے لبوں کے گوشوں کے نیچے چھپ گئی۔ وہ ذہانت اور دو ستانہ انداز اب نہ دو تھا۔

"ہم بھی گھر سے لاتے ہیں باہر سے کھانا نہیں پسند ہے نہ کسی کے ساتھ باہر جانا۔"

"اتفاق سے آج میرا بھی گھر سے آیا ہے۔"

"اب اس سے پہلے بھی اپنے دوکرز کے ساتھ لنچ کرتے رہے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہم آپ کو ریکارڈ کس لیے اب لیں۔" بغیر کسی مدد یا بھوری بیان کرنے کے وہ بڑی خوب صورتی سے اور وقار کے ساتھ اسے انکار

کر گئی۔ شہزاد جائے پرانا نے کے اپنی اس حرکت پہ شرمسار ہو گیا۔ اس کا غلطی کوئی ارادہ نہ تھا اسے اس قسم کی آفر کرنے کا ایک طریقے سے اس لڑکی میں ہونے کی وجہ سے اسے انسانوں کی پوچھ ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا جواب کیا ہو گا۔ کسی بھی طرح کی لڑکی نہیں تھی تھی۔ وہ اپنے جہاں کی جانب سے کوئی آفر کو ایک سعادت سمجھتے ہوئے بھی خوشی ساتھ چل پڑے گی۔

"مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس کی نظروں میں میرا تاثر غلط ہو گیا ہو گا۔"

شہزاد کو تسف ہونے لگا۔ اس سے پہلے اگر وہ ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنی کسی دور کرنا کوئی بات اندر کام کرنے والی ہی فکار دیہ انتا ہوا ہو کہ اسے باہر لے جانے کی پیشکش کرے لیکن اس کے بعد بھی مگر اس اچھا تاثر قائم کرنا نہیں ہوا تھا۔ وہ ان کو اس قابل ہی نہ سمجھتا تھا۔ جہاں تھا جہاں سب ان عورتوں میں سے ہیں جو ایک ہلکی چھلکی سے غرض ہی دوستانہ آفر کو بھی اپنے مخصوص کاروباری انداز میں لیتی ہیں اور پھر کمیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن مرا گرچہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ خاص خوشگواری محسوس کرتا تھا لیکن یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ کس قدر مہذب شریف بافہم سلجھی ہوئی اور باکردار لڑکی ہے کام کے دوران بھی اس کا اسکارف سر سے نہ اترتا تھا۔ اس کا لباس شائستہ طہور پردار اور چلن بہت شاندار ہوتی تھی۔ خود خود سروں کو اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اس کے ظاہر کی اندر اور اس کی ذہانت کو پسند کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے ذہنی وقار کا بھی بے حد احترام کرتا تھا کہ وہ جس شعبے سے وابستہ تھا وہاں بھی خواتین نازل نازل تھیں۔ قطعیہ کے لائق ہوتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا تاثر اس کی نظروں میں ابھارنے کی خواہش اب اس کے اندر عود کر آئی اس کا اندازہ اسے نہ ہو سکا۔

اپنی بے ساختہ مگر نامناسب حرکت اور اس کے رد عمل پر وہ جھنجلا گیا۔ بارے جھنجلاہٹ کے اس نے دیا ہو کل سر کو جس میں بھی تھی جو اپنا درخت اگلی منزل کے بارے میں اس سے پیشکش بہت ضروری تھی۔ اس میٹنگ کے لیے وہ ڈاکٹر کو بھی طلب کر رکھا تھا۔ اسے تو فون کر کے منع کر دیا گیا۔ ایک اور پروفیشنل میٹنگ بھی کینسل کرانے کے بعد وہ آفس سے سیدھا گھر چلا گیا۔

باوے خلاف معمول اسے سرشار ہوں گھر پا حیران کہ یہ شان نزول کیا تھی۔

"خیریت ہے شہزاد آج چہرا جھلسے (جلدی) اگیا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے بس ذرا تھکن زیادہ ہو گئی تھی۔ سوچا کہ آرام کروں ایک دو گھنٹے تک رات کو ہوا ذرا تھکن میں بھی جانا ہے۔" باوے کی بات سنی کرنے کے بعد تھک کر شہزاد نے کہا۔

"مرغی خالی تھی۔ آج تیتر پرند کے بھرے کرلے پکائے تھے ایل بیشن کا بھرتہ بھی اس لیے سوچا ذرا تیور کے ہاتھ روٹی بھیج دوں۔ دو تو بہت تھکن کا کھانا ہی ہے۔ کیوں ہوا پوچھا جس نگاہ میرا تھکن اکیلا؟" اس کی خاموشی دیکھ کر باوے نے تشویش سے پوچھا۔

"تیتر پہلے ہی کھا رہا تھا روٹی۔ بھیج کیس شہزاد گری نہ کھا جائے تجھے۔ واقعی بڑا لگا؟" ماں کے لہجے میں ابھرا ذرا اندیشہ پا کر شہزاد کا دل پگھل گیا۔

"میں تیتر کھانے والا بات کون سی تھی۔ میں کا لیہ نرم تھا۔"

"اگر سہی کہہ رہا تھا تو میں شہزادی ہے عورتی ہو جاتے اپنے آمر ستوں کے سامنے دو بڑے بڑے ولوں سے کہا کہ تو آتا ہے۔ ان کا مرا بھی ایک اور سجاوت ہی ہو گئی۔ اور تو اس آشیں کے بیٹے ہوں والے تھے میں کر لیے اور پھر تو تو کیسے بن سے پر میں کیا کرلی میری پسند کی چیزیں تھیں اور نہ کسی ان ماں صدقے تو دیر چلتے ماں کے حلق سے بڑی (القہ) نہیں نکلی (نہ نکلی) تھی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ شہزاد کے باوے بیٹھتے ہوئے اپنے بیٹے کے کندھے باہوں میں اپنا گھر دبایا ہوا سر اٹھا کر بھیجا۔ صوفے کی پشت سے ٹیکے ہوئے انداز میں سر پیچھے شہزاد کی بند آنکھوں میں نصف اترا آئی۔ یہ خوب باتیں۔ کیوں کی اتنی ایسی۔ جن کا اس اکلا نے بیٹے کو پھوٹتے ہی رحم

ہو جاتا تھا۔ اس کی رگ رگ میں سکون اترنے لگا۔

"کئی راتوں سے اچھی طرح سو نہیں رہا ہوں۔" اس نے اسی طرح آنکھیں موندے ایک بھولے بچے کی طرح ماں سے شکایت کی۔

"یہ تو بھی تو بڑا پیار کرتے ہیں۔ کام اپنی جگہ۔ کیسا لگتا ہے کہ ایسا کیا ہو تھی ہو بیٹھ رہا ہو۔ سارے کیسے تھے بنا ہوئے انگریز تو نے پیدا کیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے تجھے نہ لگ جائے کہ میرے کالے ماں سے تیرے گورے رنگ پر نظر نہ لگ جائے۔ اللہ تیری بلائیں لے۔ بھلا ماں کے ہاتھوں سے بچے کے اندر خوراک ہی نور آتا ہے جیسے اور اب دیکھ سورج سے آدھی رات تک پھر کے تو نے اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ تو بہت تھکن ہو جاتی ہے تب بھی نیند مشکل سے آتی ہے۔ اس میں تیرے سر میں کوئی خلل ہو سر میں کمی کی بات ہوں۔"

"نہیں اس کی اصل میرا مطلب ہے اس کی وجہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔"

"اچھا خیر دیکھیے اور آتے کا تجلی بھی ملا کر کھا ہوا ہے۔ دو کل دیتی ہوں۔ بیٹا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ دماغ خمار سے گھٹ۔" اس کی خاموشی کو رضامندی جان کر وہ فوراً اٹھی اور پھر میں تشویش لے کر دوبارہ وہاں موجود تھی۔ شہزاد اب صوفے سے اتر کر کارپٹ پہ بیٹھا تھا۔ باوے کے بیٹھتے ہی اس نے اپنا سر ماں کی گود میں گرا دیا اور ان کے گھٹنوں سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

"ماں صدقے آپ کو شہزاد چہرہ۔"

ایک مدت کے بعد اس کے ادا لیجے دے کر دیدہ دو گئی۔ اس کے گھنے بالوں میں تھی فوراً جذبہ اور گیانی نرمی کے ساتھ اپنی انگلیاں ایک خاص ترتیب میں اس کے سر پر پھیرنے لگی۔ اسے سوہ آنے لگا۔ سارے دن کا تھکا ہارا دن بلکا پھلکا ہو گیا۔ کوئی مینشن کوئی فکر کوئی تردد نہ رہا۔ خیر مارا تھا لگا اور خوب اچھی سی نیند آنے کے بعد باوے نے اپنی گود میں دھرا اس کا چہرا اپنے سینے سے لپٹے ہاتھوں میں تھاما اور تھک کر اپنی پیٹھ ہوئی چیز ہوئی پیٹھ ٹیک لی جو سر۔

"میرا بچہ اور کا بیٹا کوئی نظر نہ آئے۔"

"شاید ابھی جو آ لاؤ ہو رہے ہیں۔" اکبر ابھی نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے وہاں بیٹے کی محبت کا یہ مظاہرہ دیکھا تو کہہ اٹھا۔

"چلیں نظر لگا میرے چرکو۔"

"نظر کیسے لگے گی۔ نظر تو تو ہے۔ میرے گھر کے ساتھ نظر ہے۔" اس نے بیوی کو چھیڑا اور بوڑھے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں ہاں اب تو نظر ہی لگی۔ دو بیٹا ہیں پورا جب اس کھونٹی کے پیچھے پھرتا پھرتا ہف (تھک) جاتا تھا۔ "ہاں اگر واری میرے ال تک لے۔ سال رب ہی ہے نہ ہی اور اولاد ہی گا۔" "ایک بار میری طرف دیکھ لو اللہ کی قسم زندگی اور ہوں گا۔)

اس نے ٹھیا آتے ہوئے کہا تو شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بند آنکھوں کے ساتھ بھی ماں کا دل بھیگا ہوا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

"ہمیں ہی تو میرے لئے ہی پڑنے ساتھ انجھ کے ہاتھ سو ہو جاتا ہی ہو گئے پھر بے نے ساتھ پھولا ہوا ہو گئی۔ ورنہ کی بات تھی جس کے ہاتھ کے جاسمن کے پتے (پتے) جیسے ملاک لگتے تھے یہی بات تھی جس کے آگے پیچھے تو مت آئیں تو پھر تا تھا۔ "ہاں کوئی دن کی کوئی قابل نہیں رہو کا۔"

"چل چل چھا کر۔" ماں بیٹے کے سامنے اپنی بوڑھی کے کارناموں کا تذکرہ سن کر کسی بھی جھینپ گیا۔

"ہاں میں جیو کرون، تجھے دیا نہیں آتی، جس دن (بیوی) کہنے آتے سالی تجھے بھاگری میں گزارے آج وہی تجھے نظر ہوتی ہے" للّا تا "یہ طعنہ جو کرم الٰہی نے فدائی مذاق میں دیا تھا بلقیس بیگم کے دل کو جا لگا تھا۔

"اب بس بھی کرو۔ شرم نہیں آتی بھائی ہے۔ عمر کا بھی لحاظ کرے۔"

"اماں کیا ہوا ہے میری عمر کو۔ اگر میں بدتمیز ہو گئی ہوں تو محکوم ہو چکا ہے پھر تمہیں ہو چکا ہے۔"

"اسے کچھ کھلتے تو کہے۔" "ہاں کر کرم الٰہی نے ہاتھ جوڑ لیے۔"

"صوف کرو اور کسی چیز کا پتہ نہیں پر تیری زبان پر چھالا بھی نہیں آسکتا۔ یہ تو ذرا دو جوان اور بھی مجھی ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا مقابلہ کون کرے۔"

"جس۔ میں کچھ دیر آرام کرنے اپنے کمرے میں جا رہا ہوں" ایک کپ اچھی سی چائے بھجوا دینا۔" شہزاد نے ماں کے ہاتھ روک کر کہا تو جوش جذبات میں اور بھی تیزی کے ساتھ اس کے سر پہ چل رہے تھے۔

"چائے کیوں۔ جیتو ساری نیند اڑ جائے گی۔ نیند کی گولی اس لیے لی ہے کہ تو گولی ہی نیند لے لے۔"

"اس وقت سو گیا تو ابا جی سوئی کا سر لیے بیٹھتی رہیں گی۔ نیند کی گولی سے چائے کا کیا ہے۔ یونہی ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر لیتا ہوں۔ رات کو ایوارڈ فنکشن میں بھی جانا ہے۔ اس کی تیاری بھی کرنی ہے۔ نیند بھی آپ نے اس قدر خوب ہوا ہے کہ مشکل سے ہی نکلے گا۔"

"کون سے ایوارڈ ہو رہے ہیں پتر؟" کرم الٰہی نے خوش سے پوچھا۔ جواباً شہزاد نے ملک کے ایک مشہور اور کثیر الاشاعت روزنامے کا نام لیا جہاں ایوارڈ کا فنکشن ہو رہا تھا۔

"بہت بڑا فنکشن ہو گا۔ تو کچھ پتر تو میں بھی ساتھ چلوں ڈیوٹی جانچ تھا" اس کا بیٹا عرصے سے اس پہ دلچسپی سرگرمیوں میں حصہ لیتے۔ قدر فن کا چاہے پھر بھی بڑی اس سے اپنی خواہش بیان کر گیا۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔" اس کا لہجہ خود بخود درشت ہو گیا۔ یہی بات وہ آرام سے کہہ دیتا اپنے باپ کی خرابی صحت کو مدنظر رکھ کر تو شاید کرم الٰہی مان بھی جاتا۔ مگر بیٹے کے ساتھ "آتا" کا نمودار ہوتی ناگوار تھیں اور وہ خود درشت انکار سے توڑ کے رکھ گیا۔ تھی اس کے اندر بھی کھل گئی۔

"ضرورت کیوں نہیں؟ ہر طرف گھر کیوں ہیں؟ ہم شہر شان سے رہ چکے ہیں اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سوائے اس کی جو اپنی قبر کے تو بیری میں لحد کی اور سردی میں گرم راتیں ہے اور ہفتے تو نے میرے کمرے کا نام رکھا ہے اس میرے نام کی تختی بھی لگا دے "مرحوم کرم الٰہی کے نام کی۔"

"تو بھائے خیری گلہ کرو۔" "لو آ گئی۔"

"کیا میرا دل نہیں چاہتا کسی بیٹی سے ملنے کو، کسی پیارے کے لیے دوائیوں کی شیشیاں لیے بھی بیٹھے اور گرم پیالی کی بوتل ہی رہ گئی ہے لوگ رہیں جیسے بیٹھے بیٹھے بھی دنیا گھوم لیتے ہیں۔ تو نے تو تجھے جیتے جی دفن کر کے رکھ دیا ہے۔"

وہ عمر کے جانب بڑھتے شہزادی کو سنا رہا تھا جو قطعی طور پہ ساری باتیں نظر انداز کرتا ہوا دوان کھول رہا تھا۔ اس کی ذہنی تعلقی اور بے نیازی کرم الٰہی کو اور مشتعل کر گئی۔ ایک تو عمر کا تقاضا دوسرے بیماریوں کی چڑچڑاہٹ اور سب سے بڑھ کے جوانی کا عذاب سب سے کٹ کر رہنے کو کہا اسے ابھارنے کی بنا تھا۔

"جا جا کے کان لپیٹ کر اپنے قبر کے گدھے پہ آرام کر۔ یہ جو جابجو نکلتا ہے تو بھی نکلا رہے تیرا کیا جاتا ہے۔ خون سفید ہو گیا ہے۔ نہ بلقیس کے اشاروں کو خاطر میں لاتا ہے نہ ابا جی کا۔"

"کون سا خون؟" اچانک شہزاد نے دوان کھولنے کھولتے پلٹ گیا۔

"یہ خون۔ یہ والا خون۔"

اس نے اپنا دایاں ہاتھ لہرا کے سائیڈ پہ رکھے ٹیبل کی گلاس ٹاپ پہ دے مارا۔ اس پہ رکھا ٹیلی فون سیٹ اور کرسٹل کا ڈیکوریشن پیس اچھل کر دور جا گرا۔ گلاس ٹاپ چکنا چور ہو کر ماربل کے فرش پہ بکھر گئی۔ شہزاد کے ہاتھ

پہ ایک بھی خراش آئی تھی جس سے خون قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا۔ کرم الٰہی کو چپ لگ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے وحشت زدہ چہرے اور خون آلود ہاتھ اور کانچ کی کرچیوں کو دیکھنے لگا۔

"باہر سے آواز آئیں اس کی جانب آئی۔"

"عمر سے کیا ہوا؟" اس کی آواز پھٹ سی گئی۔ وہ اپنے نئے ہلکے کانچ طرس کے دوپٹے سے اس کا خون صاف کرنے لگی۔ آنسوؤں کے ساتھ بہتے چہرے کی لکیروں میں دستک ہونے لگے۔

"کرے ایج ہوش کر۔ تمہی داری کیا ہے" شہزاد سارا دان صحت کے آتا ہے۔ تم بتاؤ کیا ہے۔" "ہو رہی تھی جاری تھی اس کا ہاتھ بار بار جوتی جاری تھی اور اپنے شوہر کو ملنے بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے شکر بھی کر رہی تھی جو خود شہزاد کے اس اختیاری رد عمل پہ حیران تھا۔

"یہ والا خون ہے۔ جس نے سفید ہونے کا شک ہے آپ کو تھا اس پہ سفید؟" اس نے کانچ کی پٹی باندھا دوپٹہ کھول کے اپنا زخم دکھایا۔

"خون سی کی چھوڑیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں یہ کہو نے آپ تبرک رہے ہیں اس تبرک کو گرمی میں ٹھنڈا اور سردی میں گرم رکھنے کے لیے میں نے موسموں کی شدت کی پروا نہ کی۔ تین دن رات کام کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر دوائیاں ٹیکے تو آپ کو عذاب لگ رہے ہیں کہ کسی کی وجہ سے آج آپ زندہ ہیں۔ جیتو نیل چیز کے صرف اس لاکھی کے سہارے چلتا پھرتا کر سکتے ہیں ورنہ نسبتی شراب اور نیند کی نے آپ کے اندر کیا چھوڑا تھا؟ کون سا فرض ہے جو میں نے ادا نہیں کیا؟ کیسی قسمیں میں اپنا بوجھ خود اٹھا لیتا۔ عمر میں نے کوئی شکوہ کیا کہ کس طرح چلا چلا کے میں نے ذلیل نہیں کی۔ خود پڑھا آگے بیٹھا آپ مقام حاصل کیا۔ یہ دولت شہرت اور اپنی ان کامیابیوں کا بدلہ کیا آپ کو بچانے کی پوری کوشش کی۔ کیا میں آپ سے اتنی توقع بھی نہیں رکھ سکتا کہ آپ لوگ اس مقام کو قائم رکھنے میں میری ذرا سی مدد کریں۔ میرے ہم میری شہرت اور میرے مقام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تیرے لیے تیرے ماں جیسے نری بدتمیز ہیں۔" کرم الٰہی کی اذیت ہو گئی۔ تیز نیل کا ذہن اس کے کہنے میں لرزا رہا تھا۔

"ہمارے ہونے سے تیرا نام خراب ہو تا ہے۔ تیری عزت کو نقصان پہنچتا ہے" اماں جی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ بیٹے کے بازو تھامے "اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی ہوا خود بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔ اس کے ہاتھ خود بخود شہزاد کے شانے اور بازو سے الگ ہو کے اس کے اپنے سر میں ہل رہے۔

"تو پگلا ہے ایک بوجھ کی طرح اٹھائے کیوں پھرتا ہے چہرے اپنے گھر میں تعمیر رکھ کے تو کون سے ثواب کما رہا ہے۔ مرنے دے ہمیں بلکہ اپنے باتھوں مار ڈال۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو اماں میرا یہ مطلب۔۔۔"

"تاں پتر سب مطلب سمجھ آ گئے ہیں۔" کرم الٰہی نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے وضاحت سے روک دیا۔

"تیری محبت نہیں مجبوری ہے۔ محبت ہوتی تو کیسی سر آنکھوں سے لگا کر رکھتا۔ یہ مجبوری ہے جو تیرے آگے سر اٹھانے کی مجبوری ہے۔ آپ جا رہے تیرے کے تو سمجھتا ہے سارے فرض ادا ہو گئے۔ لعنت ہیں تیری عقل پہ بھی۔"

اتنی دیر کمال کے حکم عدولی اظہار۔ شہزاد بھی چپکا۔ خود بے کلموں کرنے کے بعد سے تو اتنا ہی کب تھا۔

"ہاں مجبوری ہے میری۔ میری مجبوری ہے کہ میں معاشرے میں سر اٹھا کے جینا چاہتا ہوں۔ عزت طریقے سے۔ کیا عزت اور رتبے کی خواہش رکھنا غلط ہے۔ انسان کے پاس جو چیز ہو اسی کے لیے وہ تڑپتا ہے۔ میں بھی بہت تڑپا ہوں۔ اسی تڑپ نے مجھ سے دن رات محنت کرائی ہے اور آج سب چار لوگ مجھے عزت دیتے ہیں۔ آپ تو سے یہ بھی چھین لینے کے درپے ہیں۔ کیوں اپنے ساتھ لے کر جا رہیں میں آپ کو کیا بتاؤں لوگوں سے یہ شخص ابن فلاں ابن فلاں۔ جو میری پہچان ہے کیوں اسے مٹا دیتے ہیں۔ میرا باپ ہے اور میں فخر سے کہتا ہوں۔ تم رہے ہو اس اعلیٰ خاندان کا اکلوتا چشم و چراغ ہوں۔ معاف کیجئے گا میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں۔ آپ کا

وجود میرے لیے قابلِ تعظیم ضرور ہے کیونکہ آپ میرے باپ ہیں مگر آپ کا وجود قابلِ فخر ہرگز نہیں ہے کہ میں اسے فخر کی طرح اپنے سینے پر سجا سکوں۔"

وہ چپ سے ہو گئے۔ وہ سب بھی کہہ گیا جو پیشہ خود کو کہنے سے روک لیتا تھا۔ وہ بھی نہ بولے تھے۔ شہزاد نے دیکھا تھا۔ تحیر نظروں میں ابھرا ہی تو تھا۔ میرا خیال تھا مجھے صرف ہوا کے سیدھے سادے پیندار ہونے کا یقین پڑ ہونے کی شرمندگی ہے۔ مگر تو تو آک منٹ میں آئیں مٹی میں رل گیا ہے۔ جس بیٹے کا نام تیرے بچے کیا ہے تو وہ تیرے سیدھے ہونے کی خوشیوں میں بچے بچے کی کھیل پہ ناچا پھرتا اٹھاں کر تا تھا۔ اس ماں کو دیکھ کر تیری نظریں شرم سے جھک جاتی ہیں تو سوچا ہی تو خود ملکہ سمجھنے لگی تھی تیرے جیسے شہزادے کو پیدا کر کے۔ آج تو جو کچھ ہے اللہ کے کرم سے ہے مگر اللہ کے آگے، تھا تو تیرے ماں دیوی سمجھتے رہے ہیں! تجھی کسی جدی اور اپنے لعینوں کی خاطر اسی بیوی کی دعائیں لگی ہیں تو تیرے بھاگ جاگے۔

"کیسی دعائیں؟ بیوقوف ہی ہوں گی مگر میری نیتی کی نہیں بلکہ اس بات کی کہ میں بھی باپ دادا کے پیچھے میں نام کمائوں۔ بابا کو میری تعلیم سے دلچسپی ہی اب کیا ہے کہ وہ آپ کا مجھے اس گند میں دھکیل چکے ہوتے۔ مگر میں تھا جس نے اپنے بل بوتے پہ یہ راستہ چنا اور اس میں کامیاب بھی ہوا۔"

"راستہ تو تیرا اسی طرف جانا ہے اچھا جب منزل ایک ہے تو میرے راستے میں کیا برائی ہے؟"

"ناچنے والے اور نچانے والے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ڈھولکی بجانے والے مداری کی حیثیت سے رعایت اور اسے بھرتی ہوتی ہے۔ میں کسی اور شعبے میں بھی جا سکتا تھا۔ مگر اس راستے کو صرف اسی لیے چنا کہ میں آپ پہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ طریقے سے کام کیا جائے تو اس شعبے میں بھی نام اور پیسے کے ساتھ ساتھ عزت کمائی جا سکتی ہے۔"

☆ ☆ ☆

ان آنکھوں کی مستی کے دیوانے ہزاروں تھے

اس کی لوچ دار حسن آرزو بے بل میں رقص کرتا تھی۔ وہ سب لوگ جو اس سے پہلے ایک معروف فاسد دین کے چکلوں پہ تھے اگر آ تک چکے تھے اور ایک ماہر رقاصہ کے ہوشیار رقص پہ اچھل اچھل کے بے تاب ہو نیچے تھے اب دم سادھے بیٹھے اس غریب حسن کی مالک نو عمر مجوکا کی ہو سوز آواز میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان میں شہزاد بھی شامل تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی اوا کا نام نہ تھا۔ ہوتے ہوتے جیسے ہو گیا کہ ہاتھ کو جانے والی حرکت نہیں بدلی۔ پہلے تو وہ گھر سے تحت پر لیں نکالا تھا۔ گرم بلی اور لیکھیں سے ہونے والی تھی اب تک اس کے اعصاب پہ سوار تھی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس تو نکال دیتا تھا مگر اندر عجیب

"یہ ملک زیدہ بہتر کا اور ہے رضوی صاحب۔" حق نواز صاحب نے شہزاد کی طرف داری میں کہا۔ "جب آپ جیسے انسان کا ایمان ایسی قیامت کو دیکھ کر اڑانوں والی ہو سکتا ہے جس نے تین تین اپنے وقت کی مشہور قیاسیں فلاح میں نے رکھی ہیں تو اپنے شہزاد مک کا فی تو آپ کی بھولی جوان ہے۔"

"یہ بھی سیکرٹ ٹھکانہ تھا۔" شہزاد ہل۔ "کا مصنف تھا اور اپنی ہر بھی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر شہزاد سے ویسے مذاق کر دیتا۔ محافی صفدر رضوی اپنے ماضی کی تین قیاسوں کا ذکر ہی کر دیا سا جھیج گیا۔

"وہ تینوں قیاسیں اپنے تئیں تھی مطمئن ہوں گی کہ صفدر رضوی جیسے شخص سے تلخ کر کے معاشرے میں باعزت ہیں۔ صفدر رضوی جو ایک تعلیم یافتہ شخص ہے معترضانہ طرز سے تعلق رکھتا ہے عملی شجو کا حامل ہے۔ اس کی منکوحہ کہلانے سے ان کی حیثیت بدل جائے گی۔ یہی سوچا ہوگا۔ انہوں نے مگر کاش وہ نہ کہتی کہ آج بھی ان کی حیثیت قیامت کی ہے۔ آج بھی ان کا ذکر پکار لینے والے انداز میں محفل میں رنگ بھرنے کی خاطر کیا جاتا ہے اور اس شخص میں جو ان کا وہ شوہر بھی موجود ہوتا ہے جس کا نام انہوں نے اپنے نام کے آگے اسی لیے لگایا تھا کہ ان کا نام بھی اسی بہانے عزت سے لیا جائے گا۔" شہزاد نے ایک اور سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچا۔

"عزت کے نام پر سگریٹ کا ذکر ہی کر دا۔ صفدر رضوی! ہے کسی کی مجال کہ بھری محفل میں اس کے شوہر کی کی کی عورت کا نام لے سکے۔ مگر یہی غیرت صفدر رضوی یاروں دوستوں کی زبانی ان قیاسوں کو رنگ کرنے کا ذکر سن کر مگر محسوس کر رہا ہے سب کیوں؟"

☆ ☆ ☆

"آج پتہ چلا ہے کہ میں کسی ڈنکا کا باپ ہوں۔"

اللہ وسایا نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے اپنے کی بھاری بھرکم ہوتی ہوئی جیب کو تھپتھپایا کہ ملک ٹیکسی کی پچھلی نشست پر تھی تھی کی بیٹھی ہوئی ایک ٹک نظر آ کے بیٹھے ہوئے باپ والی اس کی چمکتی ہوئی بات بے بات ہنسا کھلکھلا میں آ گئی تھا۔ "آج ہم جیتنا اس کی توقع سے بڑھ کے تھی۔ آج اس کی نئی تصویر کی بحث مباحثے کے بڑے دل کے ساتھ جیتے سفر کے گانا گانے کی تھی۔ آج اس نے دوسروں کی حد سے بڑھی ہوئی خوش اخلاقی کے جواب میں بے رخی سے منہ پھیرنے کی بجائے مسکرا مسکرا کر ان کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس کے اسی سے اور تبدیل شدہ رویے کی بنا پر خاص کی بنا پر ہی تھی۔ معمول سے زیادہ ہوئی جس میں اللہ وسایا کو بھی حصہ ملا۔ اسے خاص نشست پیش کی گئی۔ منٹے سمت دیے گئے۔ چند شرکاء سے تعارف حاصل ہوا۔ اسے بیچ پر اپنے نوٹ پھلاور ہوئے کہ جتنے پیسے اس اسٹیج پر وہ رقم کرنے کے ملک مقبول کی جانب سے ملتے تھے۔ سمجھو گئے ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ صرف وہ اخبار والوں کے انٹرویو کے لیے باقات کا وقت ملے کر لیا بلکہ ایک پروڈیوسر نے اپنی فلم کے مجوزہ ادارے کو اسے کی خواہش بھی ظاہر کی۔ وہ تو اور باتیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اوائے صبح کا ناشتہ کی وقت سے کہ نہیں کہہ کر ٹالا۔ بعد میں وہ بے الفاظ میں ہی وہ یہ خواہش قبول کر لینے پر آمادہ کر رہا تھا کہ ملک مقبول نے کہہ کر۔

"کیوں اسے سوال کر رہا ہے۔ ٹھیک جواب رہا ہے اور اسے دیکھنا کل ملاقات میں وہ پورا پورا سر منہ کا کی رقم کی دلکشی کرے گا تمہارا اور کوئی کام ہی نہیں ہے اپنی بنا کی کمزوری کرے۔"

وہ سرما کے رو گیا۔ ہنسے بھی اس پر اسٹیج کے اسٹیم کے نوٹ تھے کی بے نیلی تھی بھیجا کیا کرتا اس وقت بھی اس کا ان نہ چل رہا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے ہی ہزار روپے سو کے نوٹوں کی گنتی کرتا ہوئی کرائے صرف ساتھ بیٹھے اور اپنے کا لحاظ تھا۔ اگرچہ ملک مقبول کا خاص ٹیکسی ڈرائیور تھا اور اکثر شو کے بعد فنکاروں کو گھر چھوڑ کے آتا تھا پھر بھی تھا۔ غیر بدلہ کسی بھروسے کے قابل نہیں تھا۔ اللہ وسایا نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے پشتوار کو بھی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے سارے زیورات ایک بوری میں باندھ کر لے دیے بھی زیور نگلا تھا ایرانی امانت۔ اس لیے اوائے یہ نگہداشت میں تاکید کیا۔ بڑی سی کالی چادر میں اس کا بنا سنورا وجود بھی چھپ گیا اور اوھار کے زیورات کی پوٹلی بھی روا۔ اس نے چہرہ پونچھ کے لیے اب بھی خاصا چھپا کر لیا تھا۔

اگرچہ ملک مقبول نے ٹیکسی والے کو کرائے کی ادائیگی کر دی تھی مگر جب بیٹی اور بیگم آمل کا اظہار تھا کہ اللہ وسایا نے گھر کے آگے اترتے ہوئے اسے سو کا نوٹ تھمایا۔ رات کے اصلی پچ تھے۔ ملا پھر جس تنگ گلی میں شور مچا کے لیے پیچھا خواہ فروشوں اور ایک دو سرے کے گھروں میں جرم کا کے دوسرے کرتی عورتوں کی وجہ سے ایک میٹھے کا ماحول تھا۔ وہاں اب ہو گیا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کا تو وجود تھا نہیں اس گلی میں یہاں کے رہنے والے بھی بجلی کے جڑتے بلوں سے خوفزدہ۔ گھر کے باہر بلب جلانے کے عادی نہ تھے۔ ٹیکسی کی روشن ہیڈ لائٹس کی مدد سے ہی اللہ وسایا نے تالے میں چابی گھمائی۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش قابل دید تھی کہ اسے آج صفت میں کھانے اور سکل بند کے ملا دینے کو بھی بل صول کرا دیا۔

"بوڑے کرائے ہزار۔" لباس تبدیل کر کے نکلی تو اس نے نوٹ لہرا کے مسرت سے اعلان کیا۔

"نکلتی ہو گئے بھی ملک صاحب نے دو ہزار سو پانچ تو بس کھلی۔ اس پر چہرا حق ہے کہ بیٹے" اس نے کمال وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سو پانچ سو اور ہزار کے نوٹوں کی پوٹلی اس کے ہاتھ پر رکھی۔ وہ ہنسنے سے ہوا ہوئی سے بولا۔ "کہنا چاہیے کہ وعدہ ہوتی تو ہے زاری سے ہاتھ بھلا کے آمد رہتی۔"

"میں ان کا کیا کروں گی؟ اپنا ہی رکھیے۔"

لیکن اب وہ وہ نہیں اور اس کی ادراکیے کے لیے اسے جن لوازمات کی ضرورت تھی وہ ان نوٹوں سے ہی پورے ہو سکتے تھے۔ ملک مقبول کی جانب سے ملی رقم میں سے اللہ وسایا نے اب تک اسے ایڈوانس میں سے چند ہزاری دیے تھے جو اس نے بنی گلی کا اس اور بیار لڑکیں ہی پورے ہو گئے تھے۔ وہ اس رقم کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے آج اس نے موقع ملتے ہی ملک مقبول سے کہہ دیا تھا کہ آئندہ وہ اپنے سارے مالی معاملات خود طے کیا کرے گی۔ یہ سبق اسے نگہت نے پڑھایا تھا۔

"ایاجی! اس شو سے جو بے مصنف ملی ہے اس سے اس مکان کے سارے بقایا جات ادا کریں اور جس جس کا جو قرضہ ہوا کرا سے دے دیں۔"

"اور کیوں فکر کرتی ہے۔ یہ سارے میرے سیاپے ہیں۔ میں آپ نہ ہزار (منٹ) لوں گا۔ تو کل بازار جا، وہیں سارے کپڑے لے لینے کے لیے خرید لیوں میں لکھا تھا ہو جائے گا سارا کچھ۔"

"نہیں ایاجی! ہو نہیں جائے گا کل ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے اگلی جو بے مصنف ملے گی اسے میں ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ جس جس سے جو کچھ لے رکھا ہے وہ لیں لوٹا کے کھانے پینے میں پیسہ قربت لگا کیں ورنہ آگے کی ذمہ دار میں نہیں ہوں گی۔ میں نے کل شاپنگ کے دوران اوپن بینک اکاؤنٹ کھلوا لیا ہے آئندہ سے میری ساری پے اسٹ ڈائریکٹ بینک میں جائے گی۔" اس کے دو ٹوک انداز پر پہلے تو اللہ وسایا شیر بنک جھپکا کے منہ کھول کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر ضرور اشتعال ہوا۔

"یہ بنی بنی تجھے کرنے والی ہو ساتی کون ہوتی ہے اتنے بڑے فیصلے کرنے والی۔"

"بڑے بڑے کام کرتی ہوں قربت بڑے بڑے فیصلے کیوں نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ہو بنی تو زبانے کے پرسالی ہے ایاجی۔ اس اسکول میں مجھے داخل ہی کیوں کرا دیا تھا۔ باہر نکلا ہے تو بنی کی ہوا کیں جو سبق کھلا رہی ہیں تو کیں بھی برداشت کریں۔"

"اگر تو مجھے اپنے بڑھاپے کو اپنی زندگی سے الگ کر رہی ہے۔ کیا میرا کوئی حق نہیں تجھ پر۔ تیری کمائی پہ؟"

بنی کے تیور اسے سمانے لگے۔

"کیوں نہیں ایاجی۔" وہ اسے تسلی دی۔

"میں صرف۔ چاہتی ہوں کہ یہ پیسہ ضائع نہ ہو۔ آج دینے شور کے معاہدے کیے ہیں میں نے ضرورت کے مطابق رقم نکال لیں گے۔ باقی ایک شو کی بے مصنف سے کسی اچھے علاقے میں کرائے کا فلیٹ لیں گے۔ وہ فلیٹ ملاقات میں کرائے کی جگہ لینے کے لیے بھی تیس چالیس ہزار روپے ایڈوانس میں اسے دیتے ہیں۔ دوسرے شو کی

پے منٹ سے گھریلو سجاوٹ کا سامان آئے گا۔ کچھ فرنیچر قالین، پردے وغیرہ۔ اب مجھے اپنے مقام کے مطابق اپنا رہن سہن رکھنا ہوگا۔ اس کمرے کے بعد بیڈ روم میں تو میں ان فرنیشنس کو نہیں بلوا سکتی جو میرا انٹریور لینا چاہتے ہیں۔ کیا انہیں اس فلیٹ کی زیادہ اصل جانچ پڑتال ہونا پڑے گی۔ میں تو جانتی ہوں کہ بہتنی جلدی ہو سکے ایک سیکنڈ ہینڈ کار بھی لے لوں۔"

"اتنا کچھ کرنے کی بات ہے۔" وہ بیٹھ کے عزائم جان کر بے ہوش ہو گیا۔

"تمہارے بعد شہر کے والی بڑے کیسز کے ایسے نتیجے ہوتے ہیں کہ بندہ دیکھ کر حیران ہو جائے۔ پہلا شو کرتے ہی بیچ گئی ہوں۔ پیشہ کے آتی ہیں وقت کہ بڑی جلدی ہی سب تیار ہو جاتا ہے کا اور اس کے لیے مجھے آتا ہے جو ڈوٹے ہی کوئی ادارہ (ضرورت) نہیں ملک قبول تو آج بھی کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی تیار والا فون لے دینا ہوں۔ وہ والا ... ہر آج کل ہر وہ شہر بڑھ کا ہاں سے لگائے شہر ہوا ہے اور دیکھ کے کا۔"

"تین ہزار کے نوٹوں کے ساتھ یہ کارڈ لگا ہوا تھا۔" اس کے پیچھے قلم سے بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں روند سکا تو صدیقے سے پاصویہ کوئی بڑا سے ہے دیکھ اس نے کیا لکھا ہے کہ یہ تین ہزار آپ کو پیش کرتے شرم آ رہی ہے، آپ اجازت دیں تو کوئی گاڑی خدمت میں پیش کروں۔ میں تو شاید اول ہے ہوں کہ۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"یہ جتنا ہزار اس نے میرے گانے پہ خوش ہو کر لیا ہوگا۔ گاڑی بھی کسی بڑے سے ہی دے گا۔ مفت میں کوئی کسی کو ہیلا تک نہیں دیتا کاروبار میں۔ میرے پاس ان منصوبوں کو خوش کرنے کے لیے صرف اور صرف یہ آواز ہے جس سے زیادہ میں ہرگز راضی نہیں۔ چاہے بدلے میں کوئی گاڑی ہی کیوں نہ دے دے۔ میں بھی تیار ہوں۔"

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

☆ ☆ ☆

گرمیوں کا آغاز تھا۔ ابھی جون جولائی کے جھلسا دینے والے دن بہت دور تھے لیکن اپریل کے ان آخری دنوں نے ہی احساس دلا دیا تھا کہ اس سال گرمی کیسے کیسے رنگ دکھلائے گی۔ **صبحیں نسبتاً** خوشگوار تھیں مگر جیسے ہی دن بھر کی انرجی لے کر بیدار ہو جاتا، سورج کی دیوانہ وار کرنیں تیز میں سوئیوں کی چبھنے لگتیں۔ دور دیوار پہ لگے لگے پنکھے کی رفتار تیز نہ ہو جاتی۔

صاحبزادی عفت اللہ کو تجربہ تھا۔ برآمدے کے باہر والے تنگی چبوترے پہ براجمان تھیں۔ پنج سورہ کی تلاوت کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ چاشت کی نماز ادا کرنے تک یہیں قیام دراز ہو لیں۔ انہوں نے اپنا ہلکا پھلکا سا ناشتہ بھی یہیں منگا لیا تھا مگر سورج کی تپش آج معمول سے کچھ زیادہ جلدی حاوی ہو گئی تھی۔ انہوں نے پیر سمیٹے، سرہانے رکھی رحل میں پنج سورہ اور دعوت وظائف کی بدرس کتب ترتیب دیں۔ صاحبزادی حرمت النساء کی پیش کی ہوئیں ستھرے کی کلیاں کھل کے نفیس دوپٹے کے پلو میں لپیٹیں۔

"بلگیز ..." ان کی بارعب آواز تلاش کرنے کے فرض سے خرخراتی ہوئی ناشتے کے برتن سمیٹتے بلگیز تک جا پہنچی۔

"جی باجی! کہہ چکے ہیں بلگیز کہ آپ بلگیز کے ناشتے کے برتن فوراً واپس لے آیا کریں۔ واپس مجھے لے برتنوں سے الجھن ہو جایا کرتی ہے۔"

ناشتے سے فراغت کے بعد چائے کے گھونٹ بھرتی صاحبزادی حرمت النساء نے تنبیہ کی۔

"جی باجی بلگیز۔"

"بلگیز! ہمارا برآمدے کمرے میں جانا چاہتے ہیں۔ صاحبزادی الماس خاتون سے کہیے یا خود ہو کر ہماری رحل شریف اور سیپارے اندر پہنچا دیں۔"

بلگیز نے ایک ہاتھ میں ناشتے کے خالی برتن، باقی دے تھالی اور دوسرے ہاتھ سے بڑی بلگیز کو سہارا دیا۔ اندر

جاتے ہوئے اس نے برتن دھوتی ہوئی ملک ان کی ہدایت پہ تھوڑا بلند کا پیچھی۔ وہ فوراً "بلگیز" کہہ کر کے وضو کرنے اندر چلی گئی۔ صاحبزادی حرمت النساء نے بھی چوڑے کا ایب رکھا اور بڑی بہن کے پیچھے ان کے کمرے میں چلی گئیں۔

عمیص برآمدے کی چوڑی پہ بیٹھے آنکھیں پھاڑے ہوئے یہاں ہنوز ہاتھ اس نے اسکے طرح تیز کے ساتھ ڈاک برادری شرمت پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جاگرز تھے۔ اپنی گاڑی کا اسٹیپ بند کر کے گل میرے کمرے سے نکل کر اپنا گھٹنے کے اس پار بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے تو رونے کی کوشش کرنے میں ناکام ہو گئی۔

"تہمت؟" آج صاحبزادہ عمیص علی خان سوچے ہوئے اتنی معقول حالت میں کیوں کا قصد فرما رہے ہیں؟"

"اما" وہ اپنے جاگنگ سوٹ پہ بکھرے سفید کرتا شلوار میں ہی کر تا تھا۔ آج ذرا بعد اسے اس حالت میں دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے بغیر ہنسی کا جواب ہی ہنسے بغیر مسکرانے لگے آنکھیں ہی اس پہ کے عمیص کو دیکھتا ہوا مسکرانے لگا۔ لان کے بے حد نظیف کو نصف ... گھاس کے احترام والا ہر ہفتہ سوٹ ترتیب کے کرسی پہ بیٹھا اس پہ خوب اٹھ رہا تھا۔ اس کی گاڑی دکشت تھی کھڑی ہی لگ رہی تھی۔ سنہری بال سمیٹے کے پیچھے کی جانب پیپ کر جوڑے کی شکل میں ایک جوڑے سے سفید کلپ میں بندھے۔ سیکٹ اپ سے اٹھا "یہ بغیر ہو سکتی ہیں بھی بیکار لگ رہا تھا۔

"قصد کو مارے گئے۔ بلگیز کا کہنا "آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے ساتھ چل پڑیں۔"

"وہ کس خوشی میں؟ ہم پہلے دیکھنے نہیں جا رہے ہیں۔" وہ تب پوش کے نزدیک رک کے تازہ اخبار سے پہلے تھے کی میڈلا نیز نظریں دوڑانے لگی۔

"میں تو سارے میلے لگے ہی ہوئے ہیں۔ دیکھ لیتا ہوں۔" وہ قدم چل کے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ تب پوش کے سرے سے گلی اخبار سے نظریں ہٹا کے اب اسے دیکھ رہی تھی۔

"رنگوں کے میلے۔ خوشبو کے میلے۔ روشنیوں کے میلے۔" وہ بے حد مدھم آواز میں کہتا اس کی اپنی جانب اٹھی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ میلے دیکھنے کا مزا ہے ساتھ میں۔ یہی تمہیں لے ڈوبے گا۔" وہ اس کا مطلب جان کر بھی انجان بن گئی۔ یہ تو اس کی پرانی عادت تھی اسے بیک شانے ایک کے تو دیکھ کر وہ پھر کہہ رہا تھا۔

"آج میں تمہیں چھوڑ آؤں۔"

"تم نہیں چھوڑیں تو اچھا ہے۔" وہ تنک کے بولی۔

"اتنی کہ تمہارے پیچھے اور مارا گیا ہوں۔"

"جو بھی مانگے ... تمہارے پاس دینے کے لیے صرف انکار ہی ہے۔"

"تیسری بات نہیں۔" اس نے اس کا راستہ روکا۔

"جان مانگ کے دیکھو۔ اس مانگ کے کھو کے پوری زندگی مانگ کے دیکھو۔ ایک پل کی دیر کیے بغیر تمہاری خدمت میں پیش کر دوں گا۔ ہتھیلی اس سوچتا ہے اسکے کا ہر عمل تھا وہ تو جو عمل کے سب کہہ دینا چاہتا تھا۔

"ہاں تمہیں کی زندگی ناکافی معلوم ہو رہی جان کا ہے۔ انہیں ایک ہے کار کی چیزوں کو دو سرے کے سر منڈھنے کا بڑا شوق ہوا کرتا ہے۔ لیکن عمیص ابھی میں یہ جان کے ذلیل اب تمہارے اپنے کسی کام کی نہیں تو ہم ایسے فضول ذمہ داریوں کا کیا کریں گے۔" اس کی ہتھیلی ہوں کی آنکھیں۔

"گل ... آخر تم کچھ سے اکھڑی اکھڑی کیوں رہتی ہو؟" بالآخر وہ بے بسی سے پوچھ بیٹھا۔

"ہم تو ایسے ہی ہیں۔" اس نے شانے اچکے۔

"تمہیں خاص طور پہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کبھی ہم کسی سے اکھڑے اکھڑے رہیں تو اسے خاص طور پہ سمجھنا چاہیے۔"

"یا وہ خاص میں کبھی نہیں ہو سکتا؟"

"کیا تم زندگی کے اور کسی معاملے میں خاص ہو؟ نہیں ہیں تو پھر ہماری زندگی میں خاص کیسے بن سکتے ہو۔" گل

مرنے سے کوئی کی انتہا کر دی۔

"تائیدِ ایزدی صاحبزادہ عمیص" جو شخص خاص نہ ہو بلکہ عام سے بھی کئی درجہ کم ہے۔ معمولی ہو کر گل مہر کی توجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ہماری نظر میں معمولی سے معمولی نہیں تھیں۔"

اتنا کہہ کر عمیص کے حیران حیران ہوتے چہرے کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے کو تھی کہ سامنے سے آتی موتیا نے اس کی راہ روک لی۔

"تائیدِ ایزدی صاحبزادی گل مہر خانم جو شخص خود خاص نہ ہو بلکہ عام سے بھی کئی درجہ کم۔ معمولی ہو کا ہے جو حق ہر گز حاصل نہیں کہ وہ غیر معمولی یا خاص کی تمنا کرے۔ تمہارے پاس وہ نگاہ ہی نہیں جو خاص یا عام میں تمیز کر سکے۔"

"ہم تم سے بات نہیں کر رہے۔" اس نے باتھ سے اسے پرے کیا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ موتیا اس کی پشت کو تکتے کے سوا نہ تھی۔

"تم بھی کبھی ایسے شخص سے بات نہیں کر سکتیں گل مہر جس کے ہاتھ میں آئینہ ہو۔"

"بس بھی کرو موتیا۔" عمیص نے اسے ٹوکا۔ ناگواری اس کے چہرے سے واضح تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم باوجود اسے اشتعال دلانے کی کوشش نہیں کرتی ہو۔ جب کچھ بھلے سنتی اور باتیں سناتی رہتی ہو۔"

موتیا نے حیرت سے اس کا شکوہ سنا اور ناراض ہو رہا تھا اسے جواب دیا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ گل مہر نے جھگڑنے میں تم سے پہل کی ہو۔ ابھی خود سے تمہیں چھیڑ کر لڑنے پہ اکسایا ہو۔ تم جو خیالات سے بہانات سے غصہ دلاتی رہتی ہو۔"

سچ تھا تو اپنی مسائل کی وجہ سے دونوں بہنوں میں کبھی بنی نہیں تھی۔ ہمیشہ موتیا اس پہ تو تیز طنزوں کے ساتھ حملہ کرتی اور ایسا تب ہوتا تھا جب وہ عمیص کے ساتھ زیادتی کر جاتی لیکن عمیص کو یہ خطرہ آیا کہ وہ گل مہر سے کسی وجہ سے ابھی صرف اتنا محسوس ہوا کہ وہ زیادتی میں پہل کرتی ہے۔ اس کی طرف داری پہ موتیا کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تم کہہ رہے ہو عمیص تو میں نے سب سنا اس نے کس طرح تمہیں بے عزت کیا۔ میں یہ بالکل برداشت نہیں۔"

"میں نے مجھے کہا تھا موتیا وہ برداشت کر سکتا ہوں۔" عمیص نے بات کاٹی۔

"یہ ہم دونوں کا آپس کا معاملہ تھا تمہیں درمیان میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ بھی پیر پٹختا باہر نکل گیا۔ طویل قدم نزدیک بردباری میں صرف موتیا کھڑی رہ گئی اکیلی۔ حیران پریشان۔

"میں اور درمیان میں؟ میں عمیص سے ملی تو دونوں کے درمیان نہ تھی تھی نہ ہوں نہ آؤں گی۔ مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان اور بھی ہوتے تو غنیمت ہے اور نہ ہی شاید ہو گا۔"

● ● ●

گل کی تھی کے بعد عمیص اس سے کترایا کترایا پھرتا تھا۔ رات کو بھی دیر سے تو آتا اور اگر جلد بھی طلوع ہوتا تو موتیا سے ہی بھڑتا لیکن اس کا کترایا ہوا انداز دیکھ کر اسے بھی موتیا آیا اور پہلے کی طرح خود کھانا کم کر کے دیتی رہی۔ اس نے بے حد دیر سے دلگیر کو بلایا ہوا تھا اس کے آنے پہ چائے کر کھانا رکھنے لگا تو صرف سان نیلی طرح سے گرم ہو رہا تھا بلکہ رونی بھی ابھی تک گندھے ہوئے پڑے تھے اور قرار اس نے رات کے اس وقت عمیص کو چائے دینے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ ظاہر ہے سر شام سو جانے والے دلگیر کے لیے رات کے بارہ بجے اٹھ کر کچن میں جانا اور پھر بنے کے آگے کھڑے ہونا ایک سزا ہی تھی۔ سو اس نے بھی جیسے اس سزا کو ٹھنڈا کر دیا۔ حیرت موتیا کو اس بات پہ تھی کہ عمیص بھی سالن چول کر اور ٹھنڈا بدمزہ کھانا

نہ صرف کھا گیا بلکہ خود ہی اپنے لیے چائے بھی بنانے لگا۔ جبکہ اسے امید تھی کہ وہ ضرور جھنجلا کر اسے پکارے گا۔ پھر اس کے سامنے تو اسے پہ شاید اپنے پیچھے والے رویے پہ شرمندگی کا اظہار بھی کرے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تو وہ بھی اور گل کے طور پاس سے کھسک گئی۔ وہ نہ بولی تھی بھڑکنا کیونکہ رکھنے والی لڑکی نہ تھی۔ بڑی سے بڑی بات بھی خوشی خوشی پی جایا کرتی۔ یوں ایک ضدی ہو گئی تھی کہ اگر اسے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس نہیں ہے تو وہی کیوں لڑائے۔

اس وقت بھی وہ برآمدے کے تخت پہ بیٹھی اسی حضور کا لان کا کمرہ تاکتی رہی تھی جبکہ خود وہ بھی نزدیک ہی صاحبزادی عصمت شہزادی کے لیے خوراک کی تیاری کر رہی تھیں۔ دن کو عموماً لڑکیاں اس کمرے کی چابی لیکر اوائل سخت کے اس بھرپور گرم دن کی شدت کا آغاز صحیح سلامت بچ ہی گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ تیز دھوپ برآمدے کے پکے فرش اور دیواروں کو تپا دینا شروع کرتی۔ موتیا نے ناشتے سے فارغ ہو کر تیز دلگیر کے ساتھ سارا برآمدہ دھو دیا۔ پھر ان کا لال اینٹوں والا فرش دھو کر چلمنیں گرا دیں۔ روشن دانوں پہ تو دن کی روز پہلے ہی موٹا سبز کپڑا لگا چکی تھی۔ اگر دن کے شیشے سے دھوپ منعکس ہو کر اندر نہ آ سکے۔ سو اس وقت نیم تاریک برآمدے خوشگوار ٹھنڈک لیے ہوئے برآمدے کے اس حصے میں ہی زیادہ تھی جہاں صاحبزادی عصمت شہزادی اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ سلائی کا کام کر رہی تھیں کیونکہ تخت کے بھی دو کونے چھوٹی چھوٹی چلمنیں لگا دی تھیں۔ نزدیک ہی کھڑکی کے چھوٹے میز پانی کا کولر رکھا تھا۔ ساتھ ہی پیڈسٹل فین چل رہا تھا۔ برآمدے کے دوسرے کونے میں جہاں دیوار گیر آئینہ نصب تھا۔ صاحب معمول عمیص کمرے سے نکلنے سے پہلے اپنی تیاری میں مشغول تھا۔ اور موتیا کا بے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے دونوں کا اشوک کے اپنے اپنے کام میں مزید بڑھ جانا۔ موتیا سر جھکائے اور اس کے ہاتھ مشین کے پہیے پہ اور بھی تیز ہو جاتے۔ عمیص کبھی اور تیزی سے بالوں میں کنگھا چلانے لگتا۔

ماحول میں ایک عجیب پر سکون سا سکوت طاری تھا۔ دالان سے آتی پرندوں کی مدھم چہچہاہٹ تھی۔ یا پھر سلائی مشین کی تھپ تھپ۔ جو سکوت کو ہیبت ناک بنانے میں تبدیل نہیں ہونے دے رہی تھی۔ اس ماحول میں کافی دیر بعد تیسری آواز صاحبزادی عصمت شہزادی کی تھی۔

"صاحبزادہ عمیص فرصت ہو تو آج ذرا ایک کام کر دیجیے۔"

"جی چچی حضور۔ فرمائیے۔" وہ مودب ہو گیا۔

"بہت دن ہوئے صاحبزادی یاسمین کی کوئی خبر نہیں۔ آپ کے چچا کی طبیعت بھی پچھلے دنوں ناساز رہی ورنہ وہ خود ہو آیا کرتے ہیں۔ حافظ کا شعر ہے اندازہ لگتے ہیں۔ ہم آج صبح ان سے کہنے ہی والے تھے۔ دراصل آپا حضور نے بھی کل دوبارہ صاحبزادی یاسمین کو بلوایا تھا۔ لیکن آپ کے چچا حضور کا ارادہ آج اپنے دوستوں کی صحبت میں کہیں جانے کا تھا۔ اس لیے خیال ہے کہ اگر وقت ہو تو ہمشیرہ کے ہاں ہو آئیے۔"

"یہیں نہیں چچی حضور آپا کے لیے تو وقت ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں ابھی نہیں ابتدا شام کو حضور یاں بلوا لیں گا۔ شام کو اس لیے کہ اگر باہر جانے کی رضامندی ہو تو انہیں ساتھ ہی گھر لے آؤں۔ کل اتوار ہے بچیوں کو اسکول سے چھٹی ہو گی ایک دن رہائش گزار لیں گے۔ امی حضور کی اداسی بھی اور ہو جائے گی۔ اس وقت کیا تو ایک آپ کے کہنے پر ہی جا سکتے دوسرے آپا جانے کے لیے تیار بھی ہوں گی تو میں اتنی جلدی کر نہیں آسکتا۔ کیا خیال ہے آپا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ ویسے بھی صاحبزادی یاسمین کوئی دو ہفتے آئی نہیں تھیں۔" صاحبزادی گل مہر نے بھی تائید کی۔ جانا شروع نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد نہ ہم نے بچوں کی صورت دیکھی۔ وہ آسکتے۔ صاحبزادی عصمت ... ایسا ٹھیک۔" اچانک کچھ دھیان آنے پہ انہوں نے موتیا کو مخاطب کیا تو عمیص بے ساختہ اس طرح

تھا غلب پر اس کے چہرے سے ناگواری کھونے لگا مگر وہ جز ہوئے بغیر بے سکون سے سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بھئی حضور۔"

"اس کرنے کا یہ صاحبزادی یاسمین کے لحاظ سے تیار کر رہے ہیں۔ دو ہفتے دو ہفتے بعد آرہی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ نوٹ بنوائیں گے یوں بھی فرق رہ گئی ہے۔ ہمارے پاس قیمتوں بھی بہتر کرتے ہیں اور یہ رنگ تو ہمیں بھی اچھا نہیں۔ ہماری عمر کے لحاظ سے ناراض ہے مگر صاحبزادی بھی مرکز کا دل رکھنے ہوا اس لیے رکھ لیا۔ صاحبزادی یاسمین خوب اٹھے گا۔ گل مرچ یا پھل نگوانے ان کے لیے یہ سادہ کمل کا فیروزی سوٹ اور گرمائی والی چادر لائی تھی۔ موتیا کے لیے بھی بدلاتی کے پرمنٹ ہوئے تھے۔ اس وقت انہی کی سلائی کا کام جاری تھا۔

"اس حضور کی کشش کے لیے میں اپنے سوٹوں میں سے ایک نکال لیتی ہوں۔"

"نہیں۔" انہوں نے منع کیا۔ وہ عصیص کو کمرے میں جانا دیکھ کر آہستہ آواز میں کہا۔

"صاحبزادی بھی معرکہ شاید ہو جائے گا۔ وہ تو صرف اس بات پر ناراض ہوں گی کہ آپ نے ان کا ایا تقدیر کشش نے دیدے دا لیکن یہ بات کیا حضور یا اس اور بھی پیچھے ہو گئیں بھی کا احساس ہو گا۔ ابھی تو انہیں علم نہیں کہ یہ غرارے کا بیرا ہی وہ نہیں لائیں ہیں۔ آپ نے کمرے سے نکالا ہے۔ دراصل ہمیں یہ بات نہ تھی آئی کہ کمر کے دو افراد کے لیے تحائف لے جائیں اور بھائی کو نظر انداز کر دیا جائے۔"

"اگر ان کے لیے تھری پیس سوٹ پسند آئی نہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے خوش پیٹ رکھا ہو۔ میرے پاس دو سادہ شلواریں ہیں ایک تو کالی ہے وہ بلیک اینڈ وائٹ سوٹ سے میچ ہو جائے گی دوسری میں خوبصورت کلر ہیں۔ آپ شلواروں کے کپڑے کی عصیص کشش کے لیے کاٹ دیں۔"

"اس میں معرکہ ہو گا۔ ہمارے پاس سفید موتی کا پرانا رکھا ہے اس کی شلوار بنا دیں گے۔ دونوں عصیص سفید شلوار کے ساتھ پہن جائیں گی۔ ساتھ سفید جالی کے دوپٹے۔ کہو تو ان کو ابھی بیٹھ کے بنا دیں گے۔"

عصیص کمرے سے نکل کر اس طرف آتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ارادے صد ہزار عصیص۔ تم آپ کو خوش دیتے ہیں۔ ٹانکے ہوئے اس رنگ کے کرمائی والے دھاگے کی بھی لیتے آیئے گا۔"

جواب دیتے عصیص بیٹھ تخت پر موتیا کے نزدیک بیٹھ گئیں۔ وہ پھیلا واسکٹ کرا لینے لگی تو وہ پکار بیٹھیں۔

"کیا موتیا۔"

اس کا سر اٹھا بھی جھکا ہوا تھا۔ وہ بھی اسی انداز میں سر کرا کے بیٹھ گئی۔ ایک کے انداز میں ان بھری خفگی تھی، موتیا نے کے استحقاق سے چھلکتی تھی اور دوسرے کے انداز میں اپنے بڑے کی محبت پہ فخر مند سرشاری سی جھلک رہی تھی۔

"ہماری مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟"

"مجھے بھی مرچ زیادہ تیز نہیں اتارنا چاہیے تھا۔ میں یہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا بس غصے میں منہ سے نکل گیا۔"

"ضرور تو صرف بہانہ ہوتا ہے عصیص دل میں چھپے ان خیالات کو باہر نکلنے کا۔ جنہیں انسان کسی نہ کسی مصلحت کے تحت دبائے رکھتا ہے۔"

"یقین کرو آپا یہ نہیں ہے موتیا۔ ہماری دوستی میں مصلحت نام کی کوئی چیز نہیں۔ سنا ہی کوئی کیا جذبہ مجھے ایک دوسرے پہ میاں کرنے سے ہم گھبرا گئیں۔"

"اس کے عوامی کیا کہ موتیا نے اختلاف قلب و ذہن اختلاف کرنے میں حق بجانب تھی۔ عصیص کے پاس نہ

سی گھر اس کے پاس ضرور ایک ایسا جذبہ تھا جسے عیاں کرنے کا ان سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس وہ یہ اختلاف ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس لیے صرف موتیا کے رہ گئی۔ جسے عصیص نے تائید کا مفہوم اور سمجھا۔

"تمہیں تم مجھ سے ناراض نہیں؟"

وہ بھی مسکرائی جیسے اپنی ہار کا اعتراف کر رہی ہو۔ یہ بار ہی تو تھی کہ ہماری دنیا سے منہ موڑ سکتی تھی، اس سے ناراض نہیں ہو سکتی تھی۔

"یقین کہ تمہیں میری کوئی بات بری نہیں لگی؟"

"اعتراف ایسی بات بھی نہیں۔ میری بھوری ہے کہ میں تم سے تو کبھی زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ناکس کی چیزوں جیسی کاٹی جائے۔ مجھے جو مرضی بنا لینے اور میں اپنے پرانے ہی اس کے فعل کو کرتی جاؤں۔ یہ تو مجھے گالیاں تھا اور ضمانا بھی چاہیے۔ تم نے بات ہی ایسی کی تھی۔ ایک تو میں تمہاری وجہ سے اس سے الجھی۔ اس کے باوجود تم اسی کی طرف داری کر رہے تھے۔ تمہاری کو سود الزام ٹھہرا رہے تھے۔ حد ہے نا انصافی اور جانب داری کی پہلے مجھے صرف اس۔ غصہ تھا لیکن تمہاری اس حرکت کے بعد تم پہ کئی زیادہ غصہ آیا کہ تم کس قدر بے احمقانہ سوچتے ہوئے ہو۔ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ اس نے تمہیں بیوقوف بنایا ہو۔ کیونکہ یہ بھی ہے تو دوستی یا مصلحت پسند قسم کی اصلی نہیں۔ اس نے کبھی تمہارا دل رکھنے کے لیے بھی تمہیں کسی خوشی کی بنا پر تنگ نہیں کیا۔ بلکہ جانتے ہو اس کے تمہارے ساتھ اتنے تنگ رویے کی وجہ کیا ہے۔ یہ پوچھا تھا ایک بار میں نے کہنے لگی کہ مجھے عصیص نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ مجھے اس نے سچ رویہ رکھنے کا کوئی شوق ہے۔ میں اس سے نارمل انداز میں بات چاہتی ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ میرے نارمل انداز کو نارمل نہیں لے گا۔ میرے دوستانہ انداز کو بھی کسی اور نظر سے دیکھے گا اور چونکہ میرے دل میں اس کے لیے ایک کرن سے ہو گئے کہ اور کوئی جذبات نہیں اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ میری جانب سے کسی طرح کی غلط فہمی کا شکار ہو۔ آیا سمجھ میں صاحبزادہ عصیص۔" اس نے تھک کر تکیہ پہ ٹیک لگا کے کہا۔

"اس لیے بھی وقت تو ہر قسم کے حالات میں ہو اس کی ذمہ داری سراسر تم پہ عائد ہوتی ہے۔ میں تمہارا حق کا سرے سے سمجھا تو تمہیں چاہیے۔ ٹھیک ہے جذبات پہ روک ٹوک نہیں لیکن ایسی کسی کا دور نہیں جیسا کہ تمہیں پہ تو چل سکتا ہے۔ کیسے وہ تمہارے جذبات کا بے ساختہ اظہار کرتے ہیں بے دل کرتے ہو ایک دوسرے پہ تمہارا نہیں۔"

"کوئی تو ہو تمہیں ٹھیک۔ یہ تمہیں جو میں نے سمجھایا کے لیے تاکہ ہو جائیں تو صرف اس لیے کہ تمہارے کوئی اسے تمہیں چھین نہ لے۔"

"اور کوئی بے جان نہیں عصیص۔ جتنی جانی یا شعور کی ہے اتنی تمہاری ہے تو کوئی چھین کیسے سکتا ہے لیکن اگر۔ تم سب جو حالات اور تقدیر پہ کہیں کہیں پھر تو ہے۔"

"ہاں بھئی یہ دونوں تو میرے بڑے۔" کہیں نہیں ہاں۔" وہ منہ بجا کر بولا۔

"آج تمہارے حالات بھی بہت تابع ہیں اور تقدیر بھی مہربان رہی ہے۔ ہونہہ۔" اس نے کچھ سے سر جھکا کر کہیں کیوں بھولتے ہو کہ اپنی ذہانت کی ضد ہونے کے بدلے میں وہ اپنی آنکھ دوستی کے لیے کے تمام اختیارات یا حضور کو سونپ چکی ہے اور تمہیں راز کی بات ہو اس کی حضور سے جانب کہ وہ تو خواہش انتظار میں ہیں۔ تمہاری حضور کا ساز کر تو یہ اور وہ۔"

"کیا۔" فرق کیا رہی ہو۔"

"ہاں تو اور کیا؟ اگر تمہاری حضور کی توجہ اس طرف نہ ہو تو یہ کام بالکل ہی ہو سکتا ہے۔ کل سراسر معاملے میں یا حضور سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتے کی۔"

"یعنی اختلاف ضرور کرے گی۔" الگ بات کہ ظاہر کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"
"نہیں سوتیا نہیں۔ اسے بتانا چاہتا ہوں نہ بتانے کیا چاہتا ہوں۔ اسے اپنا چاہتا ہوں اس۔ تجسس نہیں جتانا چاہتا۔"
"یہ تو صرف ایک امکان کا ذکر تھا۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں۔ دراصل گل زرمین ان لفظوں کی وجہ سے ہی بتا رہا ہے۔ یہ وہ روشن مستقبل نہیں ہے۔"
"سوتیا نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے ایک کاسا قہقہہ لگایا۔ عباس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی کے اس موڑ پر بھی میں پتھر میں شگاف نہ پڑے۔ آخر ہے تو لڑکی ہی۔ تم ہمت تو کرو۔"
"اس ضرور مگر ابھی نہیں۔ بس کچھ دن اور۔ ابھی کسی سوچ کے اس کا سوال نہیں۔ پہلے کچھ دن تو ہوں دور گاؤں کی کوئی مستقل شکل ہو جائے پھر دیکھا جائے گا۔ مناسب رہے گا۔ ذرا نہیں صرف یہ کہہ دینا اور۔"
"تو پھر دیر کیوں کرو۔ اتنے دن تم کوئی اور فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بالکل نہیں پچھتاؤ گے گل کو۔"
"میں اسے دکھانا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا دوں اسے سامنے پا کر خود پہ قابو نہیں رہتا اور جب دیکھو سے اتنا دکھا جاتی ہے تو میں اور کچھ۔ کیا کہوں میں۔"
اس نے بس اتنا کہا۔ میں نے سوچا کچھ نہیں
میں دیدیں چھڑکا۔ میں نے سوچا کچھ نہیں
کون ہے وہ کیا ہے وہ کچھ کہاں سے کیا فرض
وہ کچھ۔ وہ کچھ کا کیا میں نے سوچا کچھ نہیں
وہ بے کسی سے کہتا۔ باتیں بدل گیا جہاں صاحبزادی عورت انسان ہاتھ میں چند کتابیں تھامے اسے ہی پکار رہی تھیں۔
میں بھی اک انسان ہوں اک خاص رہی
میں نے کبھی کوشش بھی میں نے سوچا کچھ نہیں
سوتیا زیر لب گنگنا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کے ساتھ۔ کیا ہوا سر؟" گل مراس کے ساتھ بیٹھ نہ سکی۔
"یہ۔" شہزاد نے ایک طرف رکھتے ہوئے لمحے بھر کے لیے رکا۔ اس کی نظر اپنے ہاتھ پہ گئی۔ "میں ایک بار پھر اپنی جلد محسوس ہوئی اس نے سر جھکا لیا۔
"کچھ خاص نہیں۔ بس کی چوٹ لگ گئی تھی۔"
"خاصی گہری چوٹ لگتی ہے۔"
"ہاں بہت گہری۔ زیادہ گہرائی میں جاتی تو چوٹ بھی گہری لگتی ہے۔" وہ جھنجھلایا۔
"جیسے سر۔ کل سوا بھی سنا۔ کسی تو اچھے سے دیکھ لیا۔"
"کچھ نہیں آپ فائل کی جائیں۔ اس میں اتنی فٹ واسکٹ بھی ہے اور میرے نوٹس بھی کہ کہاں کہاں لکھے کیا کیا چیز چاہیے۔ آپ اس کا ایک سپیشل تیار کرا لائیے پھر ریکارڈنگ کے دوران اس پر ڈسکس بھی کریں گے اور جہاں صورت پڑی جنسیٹک بھی ہو جائے گی اور ہاں کچھ یوٹیلائز کرنا چاہیں تو آپ بالکل آزاد ہیں۔"
"اوکے سر۔" وہ اسکارف درست کرتی اٹھی۔ دوسری جانب سے ایک خوش پوش نوجوان اندر آ رہا تھا۔
"آپا۔ ذرا سے چوڑ تو پہلے کیسے؟" شہزاد اسے سامنے پا کر اچانک اٹھا اور گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس

کی بے تکلفی ظاہر کر رہی تھی کہ نوارد اس کا پرانا جان پہچان والا یا گہرا دوست ہے۔ گل مراس کے راستہ چھوڑنے پر فوراً باہر نکل گئی۔
"یار شہزاد تو بھی کمال کرتا ہے۔ دکھری ٹائپ کا لڑکا ہے۔ ڈی ہونے پسندیدہ نظروں سے جانے والی کا تعاقب کرتے ہوئے ریمارک کس دیا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ سیکرٹری بھی رکھی تو ایسی جو ٹائپ دیتا جہاں کے لوگ جن کو سیکرٹری رکھتے ہیں کہ بس آفت ہے قیامت ہے۔ جو جتنی حسین۔ اتنی ہی "فیمل"۔ اور پہلے تو کبھی باتاں کیں۔ تھا لیڈی سیکرٹری رکھنے پر مہلیں ہے ایک ہی زنانہ طوطا رکھا ہوا ہے اور اب اگر اس سے کلو غلامی کرتا ہی تھا تو ہار تھی کوئی نہ شہنا رکھی تھی۔ یہ کلثوم بانو اور زبیدہ خاتون ٹائپ چیز کہاں سے پکڑی ساتھ تک پکڑا لیٹ رکھا ہے تجھے نے بھی ابھی تمہاری بیت باندھنے کی بھی ہے فٹ حسین تو ہمت ہے۔ بس ذرا خود کو ہنگ سے۔"
"ایک منٹ۔ ایک منٹ رکو۔" شہزاد نے اس کی بات کاٹ کر غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔
"میرا سیکرٹری ابھی تک وہی زنانہ طوطا ہے بقول تمہارے۔ اور مستقل ٹرانسفر یا بھیجنے میں میرا اس سے کچھ غلامی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ کیونکہ وہ خود بھاگ جائے گی۔ لیکن اب بات طے ہے کہ اس کے بعد ہی میں نہ کوئی نیا لینا چاہتی رکھوں گا نہ ہی کلثوم بانو اور زبیدہ خاتون۔ میرا اتنا پرسنل نہیں کہ میں اس مسلسل آٹھ گھنٹے ایک لیڈی سیکرٹری کو برداشت کر سکوں۔"
"یہ پھر کی بات کی ہاں تو نے کوئی۔ ڈکھری ٹائپ کی۔" ڈی ہے لے ایک قہقہہ شگاف قہقہہ لگایا۔
"اور ہاں کا بھی نہیں جیسا آفس کے آٹھ گھنٹوں کے علاوہ گھر بھی سیکرٹری کو ساتھ لے جائیں۔ وہ رہنے لگتے تھے کہ ہمارا آدھے گھر والی کب کہا جاتا ہے سیکرٹری آدھے گھر اور پورے گھر والی۔"
"تم تو جانتے ہو ابھی تک نہ کوئی میرے دل تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکی ہے نہ ہی گھر تک آ سکی ہے۔ نہ آفس۔ تو یہ شادی بھی ہے۔ یہ کام ایسا ہے ان میں دل میں داخل آتی ہیں اور دماغ جاتی ہیں۔ لیکن ایک خانہ میں ایسی رکھنے کے حق میں ہیں اس لیے نہیں رہا کہ بیٹی اور بیٹا ٹائپ لوگ ہیں جس مقاصد کے تحت جا رہی ہیں اور وہ بھی ایسے الفاظ میں ان کے حصول کے لیے میں پابند نہیں سیا کرنا چاہتا اور کلثوم بانو زبیدہ جیسی خواتین ویسے بھی اس ماحول میں ان فٹ ہوتیں۔ یہاں ہر قرائن کا شخص آتا ہے اور پارٹم بھی تو بے دھڑک منہ اٹھائے آ جاتے ہیں۔" شہزاد نے آنکھ دبا کر کہا۔ وہ ہنسنے لگے بغیر نہ رہ سکا۔
"تو پھر کیا یہ کوئی ادارہ تھی جو خالی دفتریں سرسل کر رہی تھی۔ آئی مین کہ اردو یا اسلامیات کی سرکاری اسکول کی ٹیچر۔ میرا مطلب ہے استانی جی کے گیٹ اپ میں ہوتی۔ ایم اے اردو اسلامیات؟"
"جو آرٹ کی رائٹ۔ یہ میری سیکرٹری ہیں مگر میرے اسٹاف میں شامل ہے اور یہ کوئی سرکاری اسکول کی اردو ایم اے استانی نہیں۔ کوئی ریڈ لسٹ ہے۔ اس کے حلیے اور سلوکی پہ مت جاؤ۔ تھی از آ سپیشل جینئس تم نے "شیرل" کا فرسٹ ایپی سوڈ دیکھا؟"
"شیرل اینڈ تھی اسٹ سے گٹ از سپیشل پیرسن۔ ان فیکٹ میں آج تمہیں "شیرل" کی سیریز دیکھنے بھی آیا ہوں۔"
"شیرل" کو سیریز بنانے میں بڑا ہاتھ اسی لڑکی کا ہے ڈی ہے۔ رائٹر قلم کے ذریعے بات اڑا سکتا ہے نہ بگاڑ سکتا ہے۔ تو کچھ "شیرل" میں دیکھ لیے ہوں گے۔ ویسے تو نوعیت کا واحد کام نہیں۔ سیریل وڈیو میں ہاں پہلے ایسے کامیاب کر چکے ہو چکے ہیں۔ ان کے لکھنے والے اور سوشیلیات کا مطالعہ اگر ہمارے ہاں کا کوئی نہ کر دے اور ابھی اتنی کم سوشیلیات کے ساتھ آتے ہیں جو تجربے کے ساتھ کو بالکل انہی کے پیمانے کا۔ تو یہ ضرور حیرت انگیز امر ہے۔"

"ایمرجنسی میرا خیال تھا تمہیں کوئی غیر ملکی ایجنسی یا ڈیوافونکٹ ایکسپرٹ ہائر کیا ہوگا۔"

"صورت پڑی تو میں ایسا بھی کر لوں گا۔ لیکن "شیرل" کا بجٹ ویسے ہی قابو سے باہر ہو رہا تھا اس سے پہلے کہ نقاصر گھیرا کے بھاگ جاتے میں نے خود ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ زیادہ کنٹرول کرتا تو میرا کانچ خراب ہو جاتا اس لیے میں نے کامیاب بھی زیادہ تر کی رکھی تھی تاکہ میرا سٹاف ریمی اماؤنٹ سے بچت ہو۔ ایسے میں فارن کوئی فائیڈ کا خرچ کیسے کرتا۔ شکر ہے۔ خیال کی مدد سے کل حل ہو گئی ورنہ ابھی خود بھی اپنی صلاحیتوں کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں ہے۔"

"صحیح اندازہ تو تمہیں نہیں ہے اس کی صلاحیتوں کے بارے میں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہیں اپنا کام نظر آ رہا ہے جو تمہارے بس کی بات ہے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ ایک چیز سے ملا دو تو کیسے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ یار شہزاد تو بھی ایک کامیاب بزنس مین نہیں بن سکتا۔"

"اچھا تو اب تم مجھے گر سکھاؤ گے کاروبار کے۔"

"نہیں بیٹا ہوں گروہ سے بالکل تو تم نے ثمر سے اس کی کامیابی کا اندازہ لگایا ہے۔ اتنے محدود انداز میں لیٹی ہوئے کے باوجود وہ کسی کی بھی چال میں اتھل پتھل کر سکتی ہے۔ اگر تم اسے پیچھا چھوڑنے کو تھوڑا گرم کر دو تو۔"

"ڈیش ڈیش ہے۔" شہزاد نے گاڑی سے باہر سگریٹ پھینکی۔

"میں نے اسے جس کام کے لیے ہائر کیا ہے اس پر کام کا دباؤ ڈال کر اپنے اس ٹاسک میں بھی بہتر دے رہی ہے۔ یہ کال ہے میرے لیے اس کا رائے آف نو کنگ کہ تاکہ میں بیک ڈرو ہو اس سے میرا کیا نقصان ہوگا۔"

"لیکن اس کا نقصان اگر پہنچ جائے تو تم بہت کچھ لے بھی سکتے ہو اور دے بھی سکتے ہو۔"

"مجھے عورتوں کے ذریعے کمانا ہوتا تو یہ آسان راستہ بہت پہلے اختیار کر لیا ہوتا۔ آئی جسٹ ہیٹ دیٹ۔"

"تھینکس۔ ٹیلیفون ہاٹ لائن پلیز۔" اس کا مہذب لہجہ اچانک ہی تلخ ہو گیا۔

"تمہاری تو ہمیشہ سے عادت ہے کہ تم میں سے کچھ کھانے ہی نہیں گے۔" وہ اس کے ساتھ کی چیزیں نظر انداز کرتا ہوا خوش دلی سے ہنسا۔

"تمہارا ہاتھ کب روکا ہے میں نے کھاؤ جم جم کھاؤ۔ پیٹ بھر کے کھاؤ۔ چاہے حرام کھاؤ چاہے حلال۔ میں کون ہوتا ہوں تمہارے منہ سے نوالہ چھیننے والا۔ مگر اپنی پلیٹ سے کھاؤ۔"

"بلیک ڈیوز میں؟" وہ چونکا۔ "تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی اس ورکر کو اپنا حق سمجھ رہے ہو۔"

"ٹیک اٹ ایزی۔ تو گویا بلبلا اٹھا ہے ذہنی جسے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔"

"تم جانتے ہو کہ صنف نازک میں میری دلچسپی واجبی کی رہی ہے۔"

"لیکن صورت بدلتے ہوئے واجبی کا بھی جواز دے رہا ہے۔ تمہیں کوئی دلچسپی سرے سے رہی ہی نہیں۔"

"جو بھی سمجھو لو۔" اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"اس لیے میں بے صبری ہو رہا ہوں۔ ڈیل تمہیں پالیکی اور بھی کام کی بات کرنی ہے۔"

"میرے کام سے ہٹ جاؤ۔" اس نے ایک اور بلند قہقہہ لگایا۔

"دوستی میں برداشت کر لیتا ہوں تیرے جیسے بندے کو ورنہ مجھے جو کام ہوتے ہیں وہ تم سے ڈسکس کرنے کا کیا فائدہ۔"

"تو پھر چلتے پھرتے نظر کیوں آتی ہو اپنی راہ اور میرا وقت کھوٹا کرتے ہو۔" شہزاد نے کہتے ہوئے سامنے کھلا جاں دروازے سے بلکی سی دستک کے ذریعے اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔

"کیا ہے ان مس گل؟" اس نے کہہ دل میں وہ اس کا بے انداز اور آہٹ تک پہچاننے لگا تھا۔ اس کے اس درست انداز سے وہ بے معنی خیر حیرت سے عنوان اچکا گئی۔ تو وہ کھل کر ہنس دیا۔

"سوری سر ہم نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ دراصل یہ کچھ پوائنٹس ہم سمجھ نہیں پا رہے تھے اگر آپ ایکسپلین کر دیں تو ہم ابھی اپنا کام شروع کر دیں۔"

"ہم۔ کیا آپ کے ساتھ تیری تم ہے؟" ذہنی جھٹکے سے بے ساختہ کہہ شہزاد نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔ گل مس کا فاک جواب بھی اسی اجنبی دوراہے کی بے تکلفی گرم کر گزری۔

"آپ بنتی ہیں تو ہم کچھ دیر بعد آ جاتے ہیں سر۔" اس کے کہتے پر شہزاد نے سر ہلایا۔ وہ خود سمجھ رہا تھا کہ ذہنی جھٹکے کی موجودگی میں بھی سر سماں موجود ہے۔ اس کی بے باک نظروں کا اس پر بار بار کھلنا شہزاد کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

"جسٹ آمیٹ مس۔" ذہنی نے اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑے ہو کر اندازہ آگے بڑھا کر گل مہر کو چاہتے ہوئے بھی مرکز کر دیا۔ ہنسا دیا۔

"میرا نام داؤد جمیل ہے ذہنی ہے۔ نام تو ناہو گلابی ہے ڈیئر ڈارلنگ انجینئر۔" وہ اپنی مشہور زمانہ لیڈی کلر اسٹائل پر جا گئے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے کبھی بلاک کے بارے میں سوچا ہے مس؟" اس اچانک انفیر حیرت انگیز اور نامناسب سوال پر تلملا کے دوست تحت جواب دینا چاہتی تھی مگر شہزاد کا انداز دیکھ کر منہ بند کر گئی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کے پاس کا مرا دوست ہے۔ البتہ اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے کی اس نے قطعی کوئی کوشش نہ کی۔

"ذہنی نے ہر چہرے میں اپنی ہابل ست کھوجنے کا کہہ۔" شہزاد نے سرزنش کی۔

"ہر چہرے میں نہیں شہزاد خاص چہروں میں۔ خاص الخاص چہروں میں۔" اس نے گل مہر کے سرخ پڑتے چہرے پر نظر جما کے کہا۔

"اور یہ چہرہ خاص سے بھی کچھ بڑھ کے ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر یہ بلاک کی دنیا میں آ گئیں تو تہلکہ مچ جائے گا۔ ارے اگر یہ مسکرا کے زہر کے قصے سے بھی دے دیں تو اگلے روز آدھا پاکستان زہر خریدنے نکل پڑے گا۔"

"معاف کیجیے گا ہمیں زہر بیچنے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ تیخ نہیں میں کتنی شہزادی جانب دیکھنے لگی جیسے مزید کچھ کہنے یا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی منتظر ہو۔

"ایسے کر مس گل مہر۔" شہزاد نے فاس کی مشکل آسان کی۔

"تھینکس سر۔" وہ اسی وقت باہر نکل آئی مگر شہزاد نے شہزادی کے جھول بلند تو اتنے اسے دروازے کے نزدیک ہی ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اسی سے بے بس ہو اٹھا۔

"سٹک ہیئر ورک میں بات کرنے سے پہلے یہ نوٹ کر لو کہ سامنے کون ہے اس سے کیا بات کرنی ہے۔ تمہاری طرف میں اسی ایری پرونیشن میں ہوں جن عورتوں سے واسطہ پڑا ہے ان میں سے نانوے فیصد کی ہی ہوتی ہیں جسٹ "ایزی ایزی" کہا جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم میں اس ایک فیصد کی پہچان کھو بیٹھو ہوں۔ ایسی عورتوں سے زیادہ تعلق رکھنے کی وجہ سے تمہاری عادت بن چکی ہے اس قسم کی گفتگو کرنے۔ لیکن اب تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ قابل احترام خواتین سے کس انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔"

"تو تم کون ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تم تو یوں بگڑ رہے ہو جیسے میں نے اس کی انسلٹ کر دی ہو۔ میں نے تو اتنی عزت سے آفر دی ہے۔"

"گل مہر مس ذہنی سے تعلق رکھتی ہے اور ایسی آفر کا مطلب عزت کی نہیں بے عزتی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ تم نے اس کی حیثیت اس کی شخصیت اس کے وقار کی انسلٹ کی ہے۔ تمہیں اس پر شرمندہ ہونا چاہیے بلکہ اس سے معذرت بھی کرنی چاہیے۔"

"ایم ایکسٹریملی سوری مس گل مہر۔ ذہنی کی بے معافیاں مانگتا پھرے۔ یہی ایک آفر دی ہے۔ انہیں منظور نہ سہی اور جو عزت و وقار کا معاملہ ہے تو اس کی تمہیں مبارکباد ہے۔"

"ٹھیک ہے تمہاری جانب سے میں معذرت کرلوں گا۔"

"اگر تم ہشتر ملک معذرت کرنے کا کوئی ایک درکرتے اور وہ بھی کسی اور کی جانب سے؟"

"اس میں حرج کیا ہے؟ اور میرے آفس میں جب آتی ہے۔ اس وقت میرے کام سے یہاں تک تھی اور میرے ہی دوست کی وجہ سے اس کی ملی آزادی ہوئی ہے۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے آفس میں کام کرنے والے ہر شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔ اس کے تمام تر تحفظات کا خیال رکھوں۔"

کل ہر کاٹ بڑھ کر کہنے کو تو وہ جانتا تھا کہ ہر کا کیا کیا اور اس سے اپنے تئیں کی جانب بڑھ گئی۔

"اب تم کس بات سے مسکرا کیوں رہے ہو؟" شہزاد نے جھنجھلا کے ہی سے سوال کیا۔

"ہم تک تم جیسا بے وقوف کے سامنے آرہے ہو۔ میرا تعلق کوئی امرا سے نہیں تھا تمہاری اس قابل احترام محترمہ کو ڈانٹ کی آفر دینے کا یہ کوئی ارادہ نہیں چھیڑ رہا تھا اور تم حسب موقع چھیڑ کے۔ میں تو اس کے سامنے تمہارے ڈانٹ کی آفر دینے کا یہ کوئی ارادہ نہیں چھیڑ رہا تھا اور تم حسب موقع چھیڑ کے۔ میں تو اس کے سامنے تمہارے چہرے کا یہ تاثر دیکھ کر ہی چونک گیا تھا اور اب میرا اندازہ درست نکلا۔ اگر اس میں کچھ لال لال ہے۔"

"اگر تم ہر امر میں تم چھیڑنے کی عادت ترک کرنا۔ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اور تمہیں کی دوسروں کو تنگ کرنے والی عادت نہیں۔ شہزاد نے ہاتھ میں کھڑا پیلو رنگ کے کرتا پہنے چھڑ۔"

"اب میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں تمہارا کرتا۔ جو چاہے کرتے نظر آؤ۔"

"تم تو بہت ہی بھولے ہو۔ ایک ہی بات کی طرح کرتے دکھاتے ہو۔" اس کی انگلی کے اس بے تکلفانہ انداز پر کھل کے ہنسا۔

"چل کیا بات کرتے ہو آج میں تمہیں کرا تا ہوں اور وہ بھی "انکلو زینے" میں۔"

☆ ☆ ☆

"اور یہ ہے ہمارا واقعہ ... تھا کون وہ معقول شخص جس نے ہماری شہزادی گل پری کی شان میں یہ گستاخی کرنے کی جرات کی؟"

مرتضیٰ نے اس سے ساری تفصیل جاننے کے بعد پوچھا۔ اتفاق سے آج اسے شوٹنگ کے لیے جانا تھا اور شوٹنگ وہ گل پری کے بغیر کرنے کی عادی نہ تھی اس لیے اس کو لینے سیدھے آفس آن پہنچے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ گل پری آج وقت سے پہلے فارغ ہو گئی تھی۔ شہزاد کی ناکام کوشش کے ساتھ آفس سے نکلا تو دوبارہ گل پری کی ہی آمد ہوئی تھی۔ شہزاد کی ناکام کوشش کے ساتھ آفس سے نکلا تو دوبارہ گل پری کی ہی آمد ہوئی تھی۔ مرتضیٰ ضرور کرتا تھا کہ وہ گل پری کے ساتھ ہماری پیشکش کرے گا۔ اسی لیے اسے نہیں بولا۔ البتہ اس نے لوٹ مار کے ساتھ ضرور کرتا تھا کہ وہ گل پری کے ساتھ ہماری پیشکش کرے گا۔ اسی لیے اسے بھی جانے میں کوئی نہ ہو۔ اسی لیے کہ وہ اس کے مزاج میں ہو تبدیلی پیدا ہوئی تھی وہ مرتضیٰ سے چھپ نہ سکی اور اس کے پوچھنے پر کچھ نہ چھپا سکی۔ اس نے سب کی بات کہہ ڈالی۔

"ہر کا کوئی بے تکلف دوست اور کسی بڑی ٹیلیوژن کمپنی کا ڈیزائنر ہے۔ کوئی فضول سا ہے نکما نام بھی شاید تھا اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے۔"

"بیٹا تمہارے پاس نے اس کی ٹھیک ٹھاک دھلائی کر دی ہے۔ تمہیں کس بات کا غم ہے؟"

"ہمیں اب احساس ہو رہا ہے کہ ابا حضور ہماری ملازمت کے اس قدر خلاف کیوں تھے اور تو اور عمیض ... ہمیں اب احساس ہو رہا ہے کہ ابا حضور کو بہت پسند اور روایت شکن ثابت کرتے ہوئے بیٹھ گئے ہیں ان کی ہر بات سے اختلاف ہو رہا ہے اور ہر خود کو بہت پسند اور روایت شکن ثابت کرتے ہوئے بیٹھ گئے ہیں ان کی ہر بات سے اختلاف ہو رہا ہے اور ہر خود کو بہت پسند اور روایت شکن ثابت کرتے ہوئے بیٹھ گئے اقدار کے ساتھ چلنے اور دقیانوسی روایات کو ترک کرنے کی باتیں کیا کرتا ہے اس نے بھی اگرچہ ابا حضور سے ہماری سفارش ٹالی کر دی تھی مگر وہ بھی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ باہر کی دنیا کے تھپیڑے ہم سے نہیں کھائے جا سکتے۔ ایسا احساس ہو رہا ہے کہ حد سے زیادہ اپنے خدشات شرمندہ تھے۔ دنیا نے ٹھیک نہیں لے رکھا ہوتا کیا کہ ہم کو اس کے سامنے ہی ان پر فرض ہو رہا ہے کہ وہ سامنے والے کی حیثیت و مقام دیکھ کر اس سے بات کریں۔ اگر ہم صرف صاحبزادی گل پری ہوتے تو شاید وہ ہمیں یوں بے دھڑک مخاطب تک کرنے کی جرات نہ کرتا۔ ہمیں اس بات کا ہمیں اس کے دوست کے آفس میں کام کرنے والی ایک معمولی ورکر

تھے گھر سے باہر نکل کر مجبوراً ... یا شوقیہ ملازمت کرنے والی ایک لڑکی ہمیں آگے بڑھنے کا کچھ حاصل کرنے کا شوق ہو اور ان نے حسب عادت انہی دوسری لڑکیوں کی طرح ہمیں بھی آگے بڑھنے یا کچھ حاصل کرنے کا لالچ دے کر اپنی طرح ہمیں دنیا میں گھسیٹنا چاہا۔ کتنا بے مول کر رہے ہیں یہ لوگ ملازمت کرنے والی خواتین کو۔"

"بیٹی تمہارا یہ دماغ بھی بھاگ کی طرح چلا تو پھر کیونکر میرا خیال ہے کہ تم کچھ بھی نظر آؤ گی۔"

"ہر لڑکی کسی کے بارے تفکر کرنے سے انسان کی عزت کم نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ واقعی باعزت ہو تو اس کی عزت تسلیم کروانے کی لگن اور شدت اختیار کر جاتی ہے۔ اس واقعے سے ہم یہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ہم ... اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بالکل ہی بے وقوف ثابت ہوئے ہیں۔ یہ تو بہرحال تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ ہمیں ... افسوس ہوا تھا۔ ہر لڑکی یا خاتون ہو کر یہ چاہتی ہے کہ بے مول نہ جانا جائے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس کی ہر راہ قبول ہو گا۔ ہر لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے اسے آسان چیز سمجھ لیا جاتا ہے کیا وہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں؟"

ہمارے ساتھ ہوا واقعہ ہوا یہ تو بہت معمولی بات تھی "شہزاد ہماری جگہ کوئی اور ہوتی تو اس آفر کو اپنے لیے اعزاز جانتی۔ لیکن ہم ... ہم میں مرتضیٰ سب کو ایک ہی زاویے سے دیکھتا غلط ہے۔ ہمارے لیے یہ بہت بڑی بات ہے بہت بڑی۔"

"سب کو ایک ہی زاویے سے دیکھنا غلط ہے۔ ہماری یہ بات درست ہے۔ اب ایک بات تمہارے پاس آتے اس بات سے مختلف ثابت ہوتے ہے۔ انہوں نے خوبیات کی کوئی سراسر ہی نہیں۔"

"اسی بات سے تو ہمیں حوصلہ ہوا کہ کم از کم ہم جس ادارے میں کام کر رہے ہیں وہاں کا ماحول تسلی بخش ہے۔ جس شخص سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے وہ عزت کرتا بھی جانتا ہے اور عزت کرنا بھی۔ اسے عورت کی تکریم کرنی آتی ہے۔ یہاں ایسی عورتیں بھی آتی ہیں کہ فضل طور پر عزت کے لائق نہیں تکریم کے سزاوار کے ساتھ بھی کچھ بے تکلف ہوتے نہیں دیکھا۔"

"خواب ... تم خاصی متاثر نظر آ رہی ہو اپنے باس سے۔ حیرت انگیز۔"

"اس میں حیرت والی بات کیا ہے؟"

"ہم اور ہو جائے ... یہ ناممکن امر ہے اور اگر یہ ناممکن ممکن میں بدل جائے تو پھر بھی بے چاری کو حیران ہونے کا حق تو ہے۔ تمہارے جیسی خوبصورت لڑکی کا کسی اور کی تعریف کرنا۔ ایک بار پھر کہنے پر مجبور ہوں۔ حیرت انگیز۔" اس نے Pace کی پارکنگ سے مشین کارڈ کو کرنے کے لیے جگہ تلاش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم خوبصورت ہیں یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص واقعی تعریف کے قابل ہو تو ہمیں اس کی تعریف کرنے میں ہرگز کوئی تفاوت محسوس نہیں ہوتا۔ سر شہزاد اپنی خاص خوبیوں میں ہیں۔"

"تو گویا تم ہمیں بے ہوش ہونے والی ہو۔ لیکن اب تم نے کسی کو خاص بھی تسلیم کر لیا۔ جبکہ تمہیں ہمیشہ سوائے اپنے سبھی عام بلکہ معمولی لگتے ہیں۔" مرتضیٰ اسے مسلسل چھیڑ رہا تھا۔

"عام لوگوں کے درمیان خاص ہی نہیں کہے۔ اور اس کی شرارت سمجھتے ہوئے تنبیہی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"اور کسی دوسرے کو خاص تسلیم کر لینے سے ہمارا خاص ہونا کم نہیں ہو جاتا۔ آپ سمجھ میں مرتضیٰ۔"

"سمجھ میں تو سب کچھ آ رہا ہے لیکن فی الحال خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ "شاپنگ کی جائے" اس نے اتر کر کار لاک کی۔

"ورنہ میری رہی سہی سمجھ کا بھی تمہیں غرق کر ڈالو گی۔"

☆ ☆ ☆

گھر میں وہ کہہ گیا تھا کہ وہ شام کو ہی آپا حضور کے ہاں جا سکے گا لیکن پھر اچانک اسے خیال آیا کہ باہر ہوائیں مغل ٹرسٹ ہوں کے وقت ہی گھر پہ آئے جاتے ہیں۔ اگر وہ شام کے وقت گیا تو آپا چاہتے کے باوجود اس کے ساتھ ٹیکے رہنے نہیں جا سکیں گی۔ کیونکہ اپنے مزاج دار شوہر کی اجازت کے بغیر انہوں نے آج تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اسی وجہ سے اس نے سوچا کہ وہ اپنے سسرال کی موجودگی میں وہاں جائے اور خود ان کے لیے اجازت طلب کرے۔

یہی سوچ کے وہ مریم گلی کے جناب پہ اتارا تھا اپنی سے حویلی کی جانب چل پڑا۔

تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتے ہوئے آگے "روشن چوک" تھا جس میں چند دکانیں، ڈاکخانہ، ہوٹل اور ایک سرکاری اسکول تھا۔ چوک کے دائیں جانب مڑنے والی سڑک کے پہلے کونے پہ ہی حویلی تھی جو اپنی نئی جلا اور شاندار تعمیر کے باعث اب ایک کھنڈر نظر آتی تھی اور جس کی تمام تر قرب جانات سے باوجود سے خاندان اس کی خفت چھت کے نیچے بنا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مکین باہر ہوائیں مغل کو بھی تھا جس کے والد کے تصرف میں کبھی یہ پوری حویلی اپنی تمام تر سابقہ شان و شوکت اور مکین ان کے ساتھ تھی۔

اور اب یہی باہر ہوائیں مغل اپنے کنبے کے ساتھ وہیں "کرشمہ" کے ایک کھنڈر کے کمرے میں رہائش پذیر تھا۔ عصمت نے ذرا رک کر اس بے رنگ و روغن عمارت کو دیکھا اور ماضی سے سرد آہ بھر کے رہ گئی۔ اس کی جانب قطار کے ساتھ بنی کئی کی چند دکانیں کھلی پڑی تھیں۔ ایک اکھڑے چہرے کے بھالی کی دکان جس میں چند دیہاتی اور قریبی بستی کی خواتین سودے دیکھ رہی تھیں۔ ایک کریانے کی دکان جس میں بچے کی لیے صرف اور سموسے کی چھوٹی چھوٹی پڑیوں کے انبار لگے رہے تھے۔ دھول کی اور مٹی کی پرتیں اپنے پھل اور بچے چیزوں پر جمی تھیں۔ وہ کریانے کی دکان کی جانب بڑھا۔ آج تک اس کے گھر خالی ہاتھ نہ گیا تھا۔ اس نے شہرت کی ایک جوش محسوس کیے ہوئے تیرے۔ کیونکہ مریضوں میں موجود پھل پہ ایک نظر دوڑا چکا تھا۔ گندا اور گلی سڑا پھل تھا۔ یہ چیزیں لے کر وہ مٹھائی کا جائزہ لینے حلوائی کی دکان کی جانب بڑھا تو دکان کے اندر بیٹھے بیٹھے لکھا کھرے کے ساتھ حلوہ پوری کا ناشتا کرتے باہر ہوائیں مغل پہ نظر پڑی۔ عصمت کے سلام کرنے پہ باہر کی طرف چونکا۔

"کہو عصمت بیٹی کیسے آئے ہو۔ آج آپ ماں راستہ بھول پڑے۔"

"امی حضور نے تاکید کی تھی کہ آج آپا کی خیریت ضرور دریافت کر کے آؤں اور اگر وہ تیار ہوں تو انہیں ہمراہ لے آؤں۔ کل چھٹی ہے نا اچھا یہ کہ تمہیں میں گزار لیں گے۔"

"تو میاں ناشتا کر لو۔" وہ سنجیدگی میں کہتے ہوئے

"جی نہیں شکریہ بھائی جان۔ میں ناشتا کر کے آیا ہوں۔"

"اچھا تو میاں جائیے پھر اپنی بہنوں سے مل آئیے۔" انہوں نے زیادہ تر سمجھ توجہ نہ دیتے ہوئے مسہل کر کی۔ اپنے ہوئی کی بے مثال دکان کے اندر سے ہوتے ہوئے اندر گھر کی اپنی اپنی استرائیہ سکرا ہٹ دیکھ کر عصمت خاصا بیزار ہوا۔

"اب نہیں آئیں گے بھائی جان! عرصہ ہوا آپ کے ساتھ کوئی پرلطف نشست نہیں ہوئی۔"

"ابھی تو چھوٹے میاں ہم کیا اور ہماری نشست کیا۔ تاہم لے بیٹھے ہوا میں بھی اکیلا۔"

"ہم آگئے تو آپ کی نشست کھل کے اپنے دکھڑے نہ رو سکیں گے۔" اس طنز پہ عصمت اور بھی ناگواری محسوس کرنے لگا۔ یوں سر جھکا کر اپنے پیٹ کے بھری باتیں اس انداز میں کرتا اور دوسرے غیر لوگوں کے سامنے اسے ذرا پسند نہ تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھے لگا کہ اسے کیسے بھرے پالا لیا۔

"تاہم شہزادے اس تو لیے کی بات کیوں ناراض ہوتا ہے۔ ہم تو بھائیوں کے بیچ میں تو باہر شہزادے کا سامنا ہے تو اپنا بھی بیچ ہوا۔ آپا تاہم نے بھی دکھ دیکھ والے نہیں توڑا۔ یاروں کو اور یاروں کے یاروں کو ساتھ بٹھا کے پیٹ بھرا ہے۔ کیوں بھئی باہر شہزادے تو ہی کہہ دے کہ آجا ہمارے ساتھ ہم اندر کے۔"

اور کے منہ سی کے کیا مطلب۔ اوئے تجھے پتہ نہیں ساری خدائی ایک طرف تو دوسرا کا ایک طرف۔" اس کے بھونڈے لفظوں کا ساتھ اس کے ٹھاٹھیں نے تل کھل کے ریا۔ عصمت اور بھی بدمزہ ہو کر کچھ کہے بغیر گھر کے باہر چل پڑا۔

"آداب اماں جان۔" کشش نے سب سے پہلے اسے دیکھا اور جھانک کے ماں کو اطلاع دی۔

"امی حضور کیسے اماں آئے ہیں۔"

صاحبزادی یاسمین "ہم اللہ" کہتی اپنا سالاتی کا پھیلا اور سمیٹنے لگیں۔ عصمت کشش کے برابر رکھی مکڑی کی چوکی پہ بیٹھ گیا۔ وہ کمرے کے آگے بے مختصر سے برآمدے میں زمین پہ رکھے چولہے پہ پکوان پکا رہی تھی۔

"ذرا کیا کر رہی ہے ہمارے لیے۔"

"ابا حضور کی فرمائش تھی کہ ذرا لے چاول بنانے کی۔ سو اسی کا شوربہ تیار کر رہے ہیں۔"

"واہ ہماری بھی کیا کیا اتنی بڑی ہو گئی۔"

"بچیاں کب کو آ جاتے اور کم عمری میں سیکھے ہنر اور تک کام آتے ہیں۔" صاحبزادی یاسمین کہتی ہوئی کمرے سے نکلیں تو عصمت نظر آیا۔ "کھڑا ہو کیا" انہوں نے نظر بھر کے ان خوبرو جوان کو دیکھتے سے بھی اجتناب کیا۔ سارا دن کی اپنی تھکن تک جاتے ہوئے لب ظرف کا ورد کرتے ہوئے انہوں نے اس کے چہرے پہ پھونک ماری۔

"بیٹھو بھئی بھی ہوا اس کا سر میں کیوں رہتی ہو؟"

"آپ کو بتایا تو تھا۔ یہیں نزدیک ہی ایک استانی بی رہتی ہیں۔ کشش امی کے پاس پڑھنے جایا کرتی ہیں۔ کمر دوزانو کا معمول بن نہیں پاتا۔ کبھی جب ان کے والد گھر سے نکلتے ہیں تو معمول سے زیادہ تاخیر کر دیتے ہیں اور ہم کشش کو شام سے پہلے گھر سے نہیں بھیج سکتے۔"

"یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہوا آپا اس طرح اس کی تعلیم پہ برا اثر پڑے گا۔ عمر کے لحاظ سے تو اس وقت کشش کو میرا خیال تھا یہ اس سال فائنل کا امتحان دے لے تو اسے ایک سال میں تیاری کروا کے میٹرک پاس کروا دیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ بات ڈسکس کی تھی۔ آپ کل کو بار بھائی سے بات کر کے تو دیکھیں۔ میرا خیال ہے تعلیم کے سلسلے انہیں زاروش ذہنی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایسی سوچ تو ابا حضور اور چچا حضور کی بھی نہیں رہی تھی۔ آپ کو بھی مراد موتیا اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں میں ان کی مرضی اور خواہش سے ہی تعلیم حاصل کرتی رہی ہیں۔ آپ کی شادی جلد ہو گئی اور میرے کے بعد آپ تعلیم جاری نہ رکھ سکیں۔ سوچتا ہوں کہ ہم ذمہ داریوں میں الجھ کے بھی اسے کے دوران ہی تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن اب میرے مشورے سے وہ گھر پہ تیاری کر رہی ہے۔ زیادہ بعد اسے کے پابند امتحان دے گی اور کل عمر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی خوشی سے ساتھ رہا ہے۔ کیا بار بھائی جان آج کے زمانے کے ہو کر ایسی سوچ کیوں رکھتے ہیں۔ یہ کون سا زمانہ ہے بیٹیوں کو گھر خانے کے شعور اور تعلیم کی روشنی سے محروم رکھے گا۔"

"اب آپ کو کیا بتاؤں میرے بھائی۔" یاسمین آہ بھرنے کے سوا اور کیا کہہ سکتی تھیں۔ یہ تو نہیں سکتی تھیں کہ جن کا شوہر ہی اعلیٰ ذہن نہ ہو تو وقت گزارنے کا عادی ہے۔ وہاں عورت ذات کے اتنے ناقابل اعتبار رویہ دیکھا ہے کہ اس کا اجتہاد اپنی گھر کی عورت سے بھی ناقابل ہو جاتا ہے۔ صاحبزادہ نہیں علی خان مغل روایات کے پابند تھے۔ قدامت کے ماموں و عزت پہ جان لٹانے والے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ زمانے کی سرد ہواؤں کی اولاد کی سوچ و فکر پہ اثر انداز نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے چند سخت ترین قوانین وضع کیے تھے۔ لیکن اولاد کو پابند سلاسل نہیں کیا تھا۔ باہر ہوائیں مغل کی تعلیم پہ کسی کی پابندی یا پیچیدگی نہیں تھی۔ وہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ اس دنیا کا ہر ایک تقاضا اس میں اتنا مختلف تھا کہ اسے کھلی سے بھی بدلو ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جس کا اپنی بیٹیوں کی تربیت تھی نہ ہو اسے دوسروں کی تربیت میں بھی فتور نظر آیا کرتا ہے۔ وہ سوچتی اعلیٰ اور بڑی بڑی نظر آنے والے مکانات عمل

کے خوف سے اپنے گھر کی دیواریں ہی اونچی نہیں کرتے بلکہ کھڑکیاں اور روشنیاں بھی بجھا لیتے ہیں۔"

"آپ اجازت دیں تو میں بات کروں یار بھائی جان سے۔"

"کیسے میاں! بات کرنی ہے آپ کو ہم سے۔"

عقب سے باپ اپنی خوشبودار گلوری کلے میں دبائے نمودار ہوئے۔ عمیص نے سنبھل کے پاسمین کی جانب دیکھا مگر ان کی ظروف میں تغیر برپا کے بات کا رخ موڑ دیا۔

"میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ یار بھائی سے پوچھ کر آج ہماری طرف چلیے بھی حضور بچوں کے لیے خاصی اداس ہو رہی تھیں۔"

"نہیں بچے اس وقت اسکول ہوتے ہیں صاحبزادے۔"

"میں اس وقت صرف چچا کی مرضی معلوم کرنے آیا تھا۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ تیار ہو جائیں۔ میں شام کو واپسی میں انہیں رہائش سے چھوڑ دوں گا۔"

"واہ بھئی واہ! کیوں میاں! کیا کام ہے؟"

"جی بس ویسے ہی ایک کام سے جانا تھا۔" اس نے ٹال دیا۔

"لو یہ کہو لو بیگم! آپ کے بھائی کبھی تو کام ہوتے ہیں جبھی یہ طاہرت ہوا کہ کام ہونے کے بغیر بندے کا شام کا ہونا ضروری نہیں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"صاحبزادے آپ کی بھتیجیوں سے آخر ہی سوال کرتی ہیں کہ آخر تم کو ایسے کیا کام ہیں جو ہمارے گھر سے نکلتے ہیں۔ ٹھیک ہے ہمارا کوئی کاروبار نہیں، روزگار کی نہیں تھیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم عورتوں کی طرح گھر سے ہو کے رہ جائیں۔ اب آپ کو ہمارا ایک کام پوچھنا کیا برا لگا؟ آپ بھی تو ہماری طرح ہیں۔"

ان کے قہقہوں کا جواب عمیص ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہونا بھی نہ دے سکا۔ مردانگیوں سے اس بے حیثیت کو بھی کوسنا پڑا۔

"پھر بتائیے تو ہمیں شام کو بچے کے قریب آجاؤں۔"

"وہ ایک بار پھر مسکرا چھوڑتے ہیں۔ ہاں ضرور بچے کو ایک شان سے بلاؤ ہے ہم رضامندی کا ہیر کی۔"

"جائیے جائیے اشراق سے جائیے یہاں کیا رکھا ہے بیگم! آپ وہیں جائیے اپنے ابا حضور کے گل دستے میں سے تیزی بکھا کھلیں گی۔ خدا ہم مرد دستوں میں کریں گے۔ بابیے بعد شوق جائیے۔"

"آپ بھی کل سویرے وہیں آجائیے گا۔ عزمہ ہوا وہاں کسی سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔" پاسمین نے بارتے ہوئے ہزار ہنسی کی۔

"یوں کہاں نہیں ملتیں آپ۔ کہ میرے بچے حضور کی قدم بوسی کے لیے آجائیے گا۔" باپ نے تمسخر اڑایا پھر عمیص کا لحاظ کرتے ہوئے رواداری میں ہاں بھی۔

"اچھا بھئیں ہے وقت ملا تو آجائیں گے۔"

اس جملے نے سوتے ہوئے کو جگا دیا کہ وہ بھی کافی خواب پاسمین بھائی کے سامنے مزید سکی نہ ہونے کے خیال سے ہلکی پھلکی ہو گئیں۔

"ویسے تمہیں بچے کا بھائی جان، چچی حضور نے خاص تاکید کی تھی۔ آخر تم ان کے واحد لے اور اپنی اکلوتی اولاد ہو۔ آپ کو اس پروٹوکول کا بھی بھرے کے مولد ہونا چاہیے۔" عمیص نے ماحول کو مزید خوشگوار کرنے کی غرض سے شوشہ چھوڑا جس کا نتیجہ حسب منشا رہا۔ خواہ وہ کسی کا انکار یا اس اہمیت پہ مسرور ہو گیا۔

"اور آپ کی امی صاحبہ نے تو خصوصی طور پہ پوچھا تھا کہ آپ کل کے دوپہر کے کھانے میں کیا کھانا پسند کریں گے۔ وہ آپ کی فرمائش کے مطابق پکانا چاہتی ہیں بلکہ ان کی خواہش تھی کہ آپ کل اور کا شام کا ناشتہ ہمارے ساتھ ہی کریں۔" عمیص نے تیر نشانے پہ بیٹھتا دیکھ کر مزید لیپا پوتی کی۔

"نہیں نہیں! ناشتے۔ آتا تو قدرے مشکل ہو گا البتہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ناشتا سرے سے کریں گے ہی نہیں۔ آج رات اسرار کے ساتھ ایک محفل ہے۔ رات گئے لوٹیں گے تو صبح دیر سے ہی آنکھ کھلے گی ورنہ صاحبزادی اماں کی ناشتے کی دعوت ضرور قبول کرتے۔ ان کے ہاتھ کے ذائقے کے تو ہم بھی معترف ہیں۔ سرجاں ہماری فرمائش ان تک پہنچا دیجیے گا مگر ہاں یاد رہا کہ خالی پلاؤ اور نورتن تو رہے۔ جو دو سبزیوں کے ساتھ چیز شامل کر کے بنایا گیا ہو۔"

"ابھی ضرور بھائی جان۔ اچھا تو اب آپ وقت پہ تیار رہیے گا۔ میں انشاء اللہ شام پانچ بجے کے دوران میں ہوں گا۔"

☆ ☆ ☆

دن کے گیارہ بجے تھے۔ خلاف معمول آج موسم خاصا خوشگوار تھا۔ دور دور سے تو گویا آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ شام ہوتے ہی دھیلی دھیلی ہوائیں چلتیں اور ہر طرف گرد و غبار کر جاتیں۔ آج صبح سے نہ صرف بادل چھائے ہوئے تھے بلکہ بڑی سبک ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔ کل ہی میاں رب نواز کے ڈیرے پہ یہ طے ہوا تھا کہ سب احباب مل کے اپنے باغات کا دورہ کریں گے۔ میاں رب نواز کے علاوہ صاحبزادہ تھیں علی خان، چوہدری نیاز ملک اور حیات محمد نواز۔ ان سب میں گہرے دوستوں کے آم اور جامن کے باغات ایک ہی بلدہ تھے۔ ان سب کی دوستی میں قدر مشترک بھی یہی تھی اور نہ ہاں صاحبزادہ تھیں علی خان جیسا لکھنوی تہذیب کا پورہ مرقع اردو بولنے والا تھیں طبع شخص۔ کہاں علی اور کہ نرمے خلق رکھنے والا جاٹ سردار چوہدری نیاز ملک۔ کہاں ملتان کا نجیب سرائیکی لہجے میں بات کرنے والا معمولی پڑھا لکھا زمیندار حیات محمد نواز۔ اور سیاست کا شغل رکھنے والا آم کو گھر کی کھیتی کی حد تک عیار میاں رب نواز ایک اور قدر مشترک یہ بھی تھی ان چاروں کی جنہیں بہت مضبوط تھیں۔ نسل در نسل اور پشت در پشت چلی آ رہی سرداری نے ان چاروں کے اندر ایک رعونت اور وقار پیدا کر رکھا تھا۔

سب کے سب چوہدری نیاز ملک کے فارم ہاؤس پہ جمع ہوئے جو نہر کے نیاز بیک میں ایک وسیع و عریض رقبے پہ واقع تھا۔

میاں رب نواز اپنی لینڈ کروزر میں صاحبزادہ تھیں علی خان کو ہمراہ لائے تھے۔ پر تکلف ناشتے کا اہتمام فارم ہاؤس کے سرسبز لان میں سب تک مرمر کے چبوترے پہ تھا۔ رنگین رنگوں والے سوریج کو پھیلائے ادھر سے ادھر آزادانہ پھر رہے تھے۔ موتیں ہنس ہنس تیرتے ہوئے ماحول کو فطرت کے مزید قریب بنا رہے تھے۔ مصنوعی جھیلوں کے آبشار سے ایک لطیف سرگم کے ساتھ بانی جھر جھر رواں تھا اور آبشار کے ساتھ بنے آہنی بنچوں میں کلاچیاں سفید رنگ اور آسمانی شربت تھا۔

فضا میں ناشتے کے لوازمات کی اشتہا انگیز مہک کے ساتھ ساتھ نسیم صبح کے پھولوں اور پھل دار درختوں کی مخصوص خوشبو بھی اپنا اپنا احساس دلا رہی تھی۔

"اس سال آم ہمیں پچھلے سال کی نسبت کم آئی ہیں۔ امید ہے آمدن کا نقصان زیادہ نہیں ہوا ہو گا۔" میاں رب نواز نے توقع ظاہر کی تو چوہدری نیاز ملک نے دانت میں خلال کرتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

"او جانے دو میاں صاحب! ان چھوٹے موٹے نقصانات کی آپ کو بھلا کیا فکر۔ آپ کی شوگر ملز ہونے کا اندازہ دیے والی مرغی ہے۔ بھری زمینیں بھی سارا سال کے سونا اگلیں۔ اسی طرح خوانین صاحب کی کپڑے کی فیکٹریاں زندہ باد۔ اور آپ کی قومی سیاست بھی کہ سالانہ محفل ضیں۔ ویسی طرح ہوتے ہیں خان صاحب تو ہیں ہی نواب ابن نواب۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ باغات دھوپ میں خود کو مصروف رکھنے کا ایک بہانہ ہیں۔ بھئی آمدن کم میں نے یہاں کی آمدنی کو کاروبار کا حصہ نہیں جانا۔ ذرا شخص مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی بچے اکٹھے ہوں تو ماحول پہ بلکہ دھیرے کا بوجھ کم بن جاتا ہے۔ ویسے بھی یہ زمینیں، باغات جائیدادیں زمینداری کی شان بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ گھر میں بڑھانے کے لیے نہیں کہ ہم کا بوجھ قدر میاں ہو تو کتنی دو تو کتنا نقصان ہوا۔ کتنا نہیں ہوا۔"

صاحبزادہ نفیس علی خان غیر ارادی طور پر اس بات کو سن کر آبشار کے گرتے پانی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ تو صرف وہی جانتے تھے کہ ان کا واحد ذریعہ معاش یہی باغات اور انہی کے ہوئے والی آمدنی ہے۔ البتہ نواب صاحب نے شروع سے اس کی تردید کی۔

"نہیں بیٹا جاوید! یہ ٹھیکہ ہی کی ذہنی اختراع کی ڈھلی شے موجود ہے۔"

(نفیس کی خاموشی کا مطلب کیا غالباً شے ہے)

"بالکل درست ہے ایک حقیقت ہے جو موجود کہ تم جس لطیف اور حسن فطرت سے تعلق جاری شخص ہو۔" میاں رب نواز کی آنکھ تیر چوہدری کے مرکے اوپر سے گزر گیا۔ نواب صاحب کی بات ہی سراسر کی وہ آسانی سے سمجھ لیتا تھا مگر صاحبزادہ نفیس کی تلمیحی نوابی ادا اور میاں رب نواز کی سیاسی تقریروں میں دونوں کا درد بار تھا میں اسے کم سمجھ میں آیا کرتی تھی۔

"آپ کے شخص میں جو شخص بتلا ہوا اس کے ملنے سے پوچھو کہ ایک ہم کے صالح ہونے کا درد بھی کیا ہوتا ہے۔"

"ہاں اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے۔"

"میاں صاحب کیا رک رہے ہیں؟ کب تک نکلنے کا قصد ہے؟ کیا کسی اور کا بھی انتظار ہے؟" صاحبزادہ نفیس علی خان نے پوچھتے میاں صاحب نے بتایا۔

"جی بالکل صاحب انتظار ہے۔ میرے وکیل نے چند ہی عدد ضروری کاغذات پر دستخط کروانے ہیں اور اس کا فون آیا تھا کہ نکل بھی چکا ہے۔ راستے میں ہوگا عجب تک پہنچنے والا ہوگا۔ بس کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں ورنہ بھی بعد باغات تک کا راستہ مشکل پولیس سے بچنا ہی مشکل ہوگا۔"

"اسو مرکے تو پھر ٹھیک نہیں تک رہے تھے۔ اگر بارش ہوئی تو واپسی۔ پیچھے راستے کی وجہ سے دشواری ہوگی۔"

"جانے دیجئے خان صاحب! یہ باطل نواز گرجنے کے بجائے برسنے لگے تو بہت ہوا تو ذرا بوندا باندی ہو جائے گی۔ آپ سنائیے میاں! وکیل خیریت سے آ رہا ہے؟ کس قسم کے کاغذات ہیں؟"

"کسی وفات نے ہماری کنکھوا والی اس زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو عرصے سے بھوری ہے۔ بیس سال پہلے اس زمین نے اپنا رخ بدل دیا تھا۔ میں نے بھی توجہ نہ کی۔ بستیوں کی کون سا کمی ہے اور سرے بھیڑے ہی جان نہیں چھوڑتے جو اسی اور جانب میاں جائے ادھر کچھ کچھ سالوں سے بیچنے دوڑے رہے تھے کہ اس بستی پر کوئی فیکٹری بنا جائے لیکن میں نہیں مانتا تھا۔ خود گرل ہے باغات شہر میں پلان سے۔ دکانوں مکانات کے کرائے وغیرہ یہ تو صحت شروع نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ میں اس زمین سے بالکل ہی لاعلق تھا۔ زمین تو ہماری آبرو ہوتی ہے۔ بے کار ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس سے آنکھ پھیر لیتا۔ اتفاق یہ تھا کہ جس گروہ نے اس زمین پہ ناجائز قبضہ کرایا ہے۔ نزدیک ہی ان کے اپنوں کے بھتیجے ہیں۔ اپنے مزدوروں کے کچے پکے جھونپڑے وہاں بنوا دیے ہیں۔ یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔ دھیمے قسم کے جھوٹوں کے ذریعے اہل خانوادہ۔ میاں رب نواز نے بھی بنی کوئیاں نہیں کھیلیں۔ ان کا اہل خانوادہ کی والی کے ذریعے سے اقدام اٹھا رہا ہوں۔ تاکہ میری حیثیت مضبوط اور پوزیشن صاف رہے۔ لیکن موقع ملا تو انگلی ٹیڑھی کرنے سے بھی گریز نہ کرنا۔"

"یہ سیاست ہے جناب!" نواب نے قہقہہ لگایا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان نے بھی ہم بھر ہنسے۔

"جی حضرت! بات سب آپ پہ ہی آئے تو خاندانی ہوتی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ہمارے نزدیک یہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ زمین کا ٹکڑا ہے۔ وقار اور غیرت کا ہے۔ اپنا حق چھوڑ دینا بزدلی ہے اور بزدلی عزت داروں کا شیوہ نہیں اور بڑے بے غیرت ہوتے ہیں جو اور سروں کے حق پر بری نظر رکھتے ہیں۔ غیرت ہوتی ہے ہمیں ایسے بے غیرت لوگوں پہ۔ کسی بے وقوف لیڈر سے دوسروں کی چیز پر قبضہ جما لیا۔"

"نواب صاحب خدا کے واسطے اب تو اس دنیا کے حالات پہ حیران ہونا چھوڑ دیجئے۔ اب تو کچھ بھی نیا ہو۔ بڑے سے بڑا واقعہ کسی بات پہ حیرت نہیں ہوتی۔ آدمے کا تو اغوا ہوا ہے۔ ہر دائی ہر جرم بھی بنا دھڑلے سے ہوتا ہے۔"

"دراصل ہمارے نواب صاحب نے خود ساری عمر بڑی صاف ستھری اور اصول سے گزاری ہے۔ جس کی اپنی فطرت میں اتنی اسی بھی نہ ہو اسے ذرا سا ٹیڑھا پن بھی ناگوار گزرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔ صاحبزادہ نفیس علی خان جیسے اصول پرست اور وضع دار لوگ اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے حضور۔" صاحبزادہ نفیس اپنی تعریف پہ کسر نفسی سے منکر ہوئے۔

"اتنی ہم نے نواب پر بزرگوں سے کیا ایک سبق حاصل کیا ہے کہ زر پر بڑے بڑے ایمان بیچ دیتے ہیں۔ سر بلندی نہیں کھوتا چاہیے۔ کیا وجہ ہے کہ ناساعد ترین حالات میں بھی ہم نے اپنا خاندانی تشخص ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ہر حسین تو تشخص کی کہ ہمارے تباہ حال جو شناخت بنائے ہیں اس پہ آنچ نہ آنے پائے۔ یہی تو بڑی بات ہے۔ دولت، شہرت، تگی، مال چیز ہے۔ کم تر ہے۔ کم تر آدمی بھی اپنی محنت، تقدیر کی سیاہی یا بھر کی اور جائز ناجائز طریقے سے یہ چیزیں حاصل کر لیتا ہے۔ مگر جو خاندانی وقار اور اپنی حیثیت ہو۔ وہ نہیں ہیں جو قسمت والے لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ شاطر ہے شاطر شخص بھی کسی طریقے سے انہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ دولت سے جو نہیں خریدا جا سکتا پھر جس نصیب والے کو یہ میراث ملی ہو جائے اس کے شانے پہ ایک بھاری ذمہ داری کی طرح ہوتا ہے۔ اس پہ جان کو تحفے کی طرح سینے پہ سجا لینا ہی کافی نہیں۔ اس کی حفاظت کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ بڑے کم ہمت دیکھے ہیں ہم نے۔ حالات کی ذرا سی تلخی سے گھبرا کے اپنے اس تشخص کو کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ محض معمولی تعمیر تھی۔ تھک آ کے دنیاوی چین و آرام کے لالچ میں اس تعمیر سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔"

"سبحان اللہ! بیٹے وکیل صاحب بھی آ گئے۔" میاں رب نواز نے نظر بھاگتے کے کھلے گیٹ سے اندر آتے ہوئے کار کو دیکھ کر کہا۔ میاں صاحب کار کی رفتار دھیمی ہوتے ہوئے ان کے قریب آ کے رک گئی۔

میاں صاحب کار کی کاغذات کی فائلیں اور بیگ لیں سنبھالے پیچھے اترا۔ ایک ملازم نے آگے بڑھ کے ان سے سامان ہاتھ میں لیا۔ اب وکیل ذرا بوڑھا سی عینک لگائے کرایہ ادا کر رہا تھا۔ یونہی اچٹتی سی نظر صاحبزادہ نفیس علی خان نے اس جانب والی اور پھر جیسے پلٹنا بھول گئے۔ وکیل کے عقب سے ہلکی سی جھلک نہیں بری طرح چونکا گئی۔ وہ اضطراب سے پہلو بدلتے وکیل کے ہٹنے کا انتظار کرنے لگے اور جب ہی وہ ڈائیل کر کے پلٹا ان کا شک یقین میں بدل گیا۔ یہ عبیص ہی تھا خود صاحبزادہ عبیص علی خان۔

نواب خاندان کا نظر آتا ہوا چراغ صاحبزادہ عبیص علی خان۔

● ● ●

عبیص ابھی ابھی صاحبزادی یاسمین اور بچوں کو لے کر گھر پہنچا تھا۔ گرمی سے سب کا برا حال تھا۔ صاحبزادی یاسمین اپنے برقع کے بٹن کھولتے پنکھے کے نیچے پہنچ جتنی بے چینی سے شکایت کر رہی تھیں۔ نہایت غیر موسم کی گرمی اور حبس سے بے نیاز الگ کے کاندھوں پہ سوار چہک رہا تھا۔ شمشیر اور نایاب بڑے مودب سے بیٹھے اپنی دلوں باتوں سے دھیمی سمیٹ رہے تھے جبکہ رقاش نعمت کو دس سو جوڑے کے ساتھ شہرت تیار کر رہی تھی۔ اسنے میں کچھ سرکی آدھوئی کلیوں کے بعد یاسمین کو بچے کے اسے خوشی تو ہوئی مگر جاتے ہوئے کو آنکھوں اور چہرے میں بچے دیکھ کر اس نے تھکن اتارنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دن نکلے ان کی آنکھ اس بات کا اشارہ کر رہی تھی کہ یقیناً وہ یہاں قیام کے ارادے سے آئی ہیں اور یہ قیام جتنے لمبے عرصے کا ہو جاتی تھی تو ہمیں اتنا کہ چند انہیں دھرے اکٹھے ہوئے دنوں کا آغاز ہونے والا ہے۔ یہ آہٹ اچھی سے اس کے دروازے پہ ناب گھمی۔

اس کے انداز میں گرمجوشی اور تپاک کا فقدان بھی کوئی طرح کھلا۔ لیکن صاحبزادی گل مرجانہ کی بیٹی تو بیچاری تھی کہ وہ صفائی بھی سوت کا بلبلہ اور بیٹے کے فن سے انجان تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے زبانی طور پہ یاسمین سے کوئی پرخاش تھی۔ وہ تو ازلی سادہ فطرت اور بے ضرر تھیں کہ کسی کو ان کی ذات سے شکایت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وجہ صرف ذہنی تھی کہ عرصہ ہوا اس حویلی کے مکینوں کی تعداد دو چھ تھی جن میں سے صاحبزادہ نہیں علی خان تو باہر تھے کے اوقات کے علاوہ عموماً "اپنے حجرے" میں منجمد تک صدر دروازے صاحبزادی خلعت اقساء کی آواز شاید ہی کوئی کبھی بھر سنا ہو وہ اپنی عبادت و وظائف یا پھر آرام میں مشغول رہا کرتیں۔ صاحبزادی حرمت اقساء بیٹی کی فطرت و عادت سے واقف تھیں اس لیے اس کے زمانہ طالب علمی سے ہی بغیر خاص بے دھیان رہ کر کام کرتیں کہ اس کے آرام ذاتی یکسوئی میں کوئی خلل نہ پیدا ہو۔ موتیا کے ساتھ کی وہ بچپن سے عادی ہو چکی تھی۔ دن کا بیشتر حصہ تو اس کا علی پور کی معمولات میں ہی گزرتا تھا صرف ہوتی تو ضرورتوں میں ایک آدھ بار گل سے ٹوک بھونک ہوتی جو بھی تھا ان کھٹی میٹھی جھڑپوں کے باوجود ان کے تعلقات کبھی بھی ناخوشگوار رخ اختیار نہیں کرنے پائے۔ عصمت سے بھی اب سامنا ہونے کے بعد تھا کہ اب تو وہ خود باب کی وجہ سے گھر سے سارا دن باہر رہتی دو سرا وہ بھی اب رات دیر گئے تک واپس ہوتا۔ پھر اس گھر میں دونوں کی شعوری کوششیں بھی شامل تھیں۔

دلگیر تھا تو خود گل مرجانہ کے سامنے سے بھی ہٹ کر گئی تھا۔

ایسے میں گھر میں کسی اور کی آمد تھا کی پسند اور کے بندھے معمولی کی عادی گل مرجانہ کو سخت برا لگتا۔ پچھلے چار روز سے اس پہ کام کا بوجھ کسی بے حد تھا۔ وہ کیسے بھولے تھی۔ کبھی اب اسے اس کام کے لیے مرتضیٰ کے گھر نہیں جانا پڑتا تھا۔ آخر کس نے آکر بھی کی تھی کہ کیسے پیشہ ور نئے بیوت کرنے میں مصروف رہا کرتی۔ آج تک اس کے حصے کا بار ناکام کھل ہوا تھا۔ حقیر دل "کی انتہائی دو انتہائی ایڈیٹ ہو کر مکمل ہو چکی تھیں۔ پھر روز کے لیے آرام ہی آرام تھا۔ یہ ویک اینڈ بھرپور طریقے سے گھر کی اتارتے ہوئے سکون سے گزارنا چاہتی تھی لیکن گھر میں اکٹھے پانچ نفوس کی تھے اسے یہ ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ خاص طور پہ اس صورت میں کہ ان میں تین بھی نچلے نہ بیٹھنے والے بھی شامل تھے۔

"آپ تو حضور آپ اچانک؟" یاسمین کے والہانہ انداز میں گلے لگانے کے جواب میں وہ سرسری انداز میں ان کی تو کا مقصد دریافت چاہنے کی غرض سے پوچھنے لگی۔

"اچانک تو نہیں شاید آپ کو خبر ہو۔ ہم تو کل روز سے صاحبزادی یاسمین کو بلاوا بھیج رہے تھے۔ انہیں آج وقت ملا۔ بلکہ صاحبزادہ عصمت جا کر لائے ورنہ انہیں کیا اس کی پروا کہ ہمارے بچوں کی صورت دیکھے بغیر کیسے اتنے دن گزار رہے ہیں۔"

"میں بچی حضور آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے گھر داری کی مصروفیات کو۔ بچے اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہوں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ان کی سہولت کے مطابق گھر سے نکلنا پڑتا ہے کل چھٹی کا دن ہے اور اتفاق سے چھٹی کے اگلے روز اسکول میں ان کا کوئی امتحان نہ ہو بھی نہیں جس کی تیاری کرنا ہو اس لیے تھنے کا قصد کر لیا۔"

"اس تایا میں نے کہہ دیا کہ گھر والے بچوں کی کمر میں کی چھٹیاں ہوں تو آپ نے ساری چھٹیاں یہیں گزارنی ہیں۔" موتیا شرمت کی کرنے اتفاق کر دیا ہوں۔

"ساری تعطیلات تو نہیں البتہ ان کے ابا کی اجازت سے دو ہفتے ضرور گزاریں گے۔" یاسمین کے ابا ہی بولنے ہی گل مرجانہ کے اعصاب تن کر گئے وہ خاموشی سے نظر شرمت کے گھونٹ بھرنے لگی۔ عصمت جواب ملنے پہ تلملا کر رہ گیا تھا اور وہ بدانداز میں ایک نظر ان کی طرف کر کے رہ گیا۔

"اور ہاں میاں وہ کہیں نہیں آئے؟" ہمارے بطور خاص انہیں بلوایا تھا۔" صاحبزادی خلعت اقساء نے دلگیر انداز میں استفسار کیا۔

"آج انہیں ایک ضروری کام تھا اس لیے معذرت کر رہے تھے البتہ کل آنے کا یقین ضرور دیا ہے۔ کل انشاء اللہ وہ ضرور تشریف لائیں گے۔" اس نئی اطلاع پہ گل مرجانہ برداشت کا مظاہرہ نہ کر سکی اور جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ اپنا بیگ اور چادر اٹھا کر وہ ایک لفظ کے بغیر کمرے کی جانب مڑی۔ باہر ماحول مکمل پیشہ ایک ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہو رہا تھا اگرچہ بھی کھل کے اس بے اپنائیت ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر سبھی اس کی تلخ حقیقت سے واقف تھے اس لیے اس کا اٹھ کر جانا ایک تھے کے لیے سب کو خاموش کر گیا۔ صاحبزادی یاسمین بھی اجل سے انداز میں دلگیر کے ساتھ الوداعی کلمات کہتی رخصت کر رہے تھیں۔

"جناب صاحب تشریف لے آئے۔" یاسمین رب نواز کی گاڑی کی مخصوص ہارن پر دلگیر نے چونک کر اطلاع دی۔ خیر اوقات طور پہ موتیا کشمکش اور یاسمین اپنے آنچل درست کرنے لگیں۔ عصمت نے ایک نظر اپنے لیے سے بھرے لباس اور گرد آلود حلیے کو دیکھا اور خس کی نیت کے اندر کی جانب لپکا جاتا تھا کہ اس کے پیچھے حضور کو ایسے حلیے سے کس قدر الجھن ہوتی ہے۔

صاحبزادی یاسمین بھی خان حسب عادت لپکتے ہوئے رویوں سے گزارتے ہوئے اور برقدمے میں موجود سب اہل خانہ کے درمیان صاحبزادی یاسمین کو مدعا پکڑ کے کچھ کر قدمے لپٹتے کے انداز میں رکے۔

"السلام علیکم ابا حضور۔" بچوں کے مشترکہ سوب مگر گرمجوشی سلام کے جواب میں بھی وہ اپنے چہرے پہ بشاشت پیدا نہ کر سکے۔ سب سے ان کی تھکن پہ تھوڑی کیا۔ وہ کمرے کے انداز میں کرسی پہ بیٹھے موتیا لپک کے ان کے لیے پیگا لیے اور سکنجبین لانے اندر کی جو کہ ان کا مرغوب مشروب تھا۔ صاحبزادی خلعت اقساء ان کے غیر معمولی رویے سے تو دست لپٹ کر اور عورتیں ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ انہوں نے نہ تو ان پہ بھی آنکھ اٹھائی تھی نہ بال احوال پوچھا تھا نہ ہی گھر کے دیگر افراد سے کوئی بات کی تھی۔ صاحبزادی حرمت اقساء البتہ انہیں خود ہی بتانے لگیں۔

"آج صبح سویرے ہی ہمارے کہنے پہ عصمت میاں باہر میاں سے اجازت لے کر صاحبزادی یاسمین کو تیار رہنے کا کہہ آئے تھے اور اب گھر لوٹتے ہوئے انہیں ساتھ لیتے آئے۔"

"کسی چیز؟ ہمارا مطلب ہے صاحبزادی یاسمین" آپ کس طرح یہاں تک پہنچیں ہمیں پتہ؟" ان کے عجیب سے سوال پہ دل ہی دل میں حیران ہوتی یاسمین نے جواب دیا۔

"نہیں بچا حضور عصمت میاں خود ہمیں ساتھ سوار ہوئے تھے البتہ ہمیں اور بچوں کو رکشہ میں سوار کرا دیا تھا۔"

"اور وہ ان کی سواری ایا ہوئی؟ ... وہ شاید بیگ موٹر ... ٹیکسی؟" ان کے سوال پہ اس سوال نے سبھی کو چونکا کے رکھ دیا۔ کچن سے نکلتی موتیا اور کمرے سے باہر آتا عصمت بھی سن چکے تھے۔

"نہیں بھئی عصمت میاں آپ تو صاحب سواری ہیں ٹوٹا ٹیکسی ہے پھر بیشمار کو رکشے میں بٹھانا کہاں گوارا کیا تھا ہم نے ٹیکسی میں کیوں نہیں لائے۔" ان کی گرجدار آواز حویلی کے در و دیوار کو لرزا گئی۔ ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرتا ہوا کا غصہ اب خوفناک طریقے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اگر سب ان کے مزاج سے واقف نہ ہوتے تو یقیناً اس انداز پہ یقیں ہرگز نہ کرتے تھے کہ محض ایک مذاق سمجھ جاتا مگر صاحبزادہ علی خان کے لیے ان کی غضب ناک آنکھوں کی سرخی اور غصے کی شدت سے ٹپکتا لہجہ کوئی کچھ اپنا دل کی تسلی کے لیے بھی اسے مذاق سمجھنے کی جرات نہ کر سکا۔ صاحبزادی یاسمین اور صاحبزادی حرمت اقساء ڈر پڑتے چہروں کے ساتھ ہکا بکا تھیں۔ صاحبزادی خلعت اقساء کے چہرے کے سکون چہرے پہ یک شدید تکلیف کے آثار نمودار ہوئے اور بہنوں کے دیوانے میں بے ساختہ موتیا کے ہاتھ میں جک چھلک پڑا تو لیے بال پوچھتے عصمت کے ہاتھوں کی حرکت بھی تھم چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اوا تو شادی کر لے۔" نکاح بڑی دلسوزی اور یقینی "پورے خلوص" سے یہ مشورہ دیا ہو گا مگر نجانے کیوں دعا

کو زور کی ہنسی آگئی جیسے نگاہ نے اسے کوئی لطیفہ سنایا ہو یا اسے بے تحاشا ہنستے دیکھ کر نگاہ پریشان تھی۔

"میں نے کوئی غلط بات کی؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں مجھے جلد از جلد شادی کرنی چاہیے۔"

"میں نے کب کہا کہ تم غلط کہہ رہی ہو۔" بڑی مشکل سے وہ اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ سکا۔

"بس اس بات پہ آ رہی ہے کہ میں اپنی ذاتی پیاری دوست کا یہ مشورہ یاد رکھوں گی۔ ہو سکتا ہے اس پہ فوری عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن تمہاری شادی کر لینے والی رائے پہ سوچا جا سکتا ہے۔ لیکن جلد از جلد کرنا کاش عمل میں۔ یار دیکھو ناں ابھی تو ساری شاپنگ رہتی ہے دو گھنٹے مزید اس میں لگیں گے۔ پھر ٹیلر کے پاس جانا ہے۔ پھر اسے اپنے سوٹ لینا ہے۔ پارلر جا کر فیشل کروانا ہے۔ تاکہ آج کے سارے دن کی خواری مزاکی کی دھول مٹی اور گرد نے خواہ مخواہ چہرے پہ کیے ہیں اسے گھر جا کر نکالا جا سکے۔ پھر ابا جی کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر بھی جانا ہوگا۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ گھر پہ بھوکے پیاسے بیٹھے میرا انتظار کرتے رہیں اور میں شادی رچانے میں مگن ہوں۔ گھر جاتے جاتے تقریباً دس تو بج جائیں گے۔ تو آخر خیر جلدی نہ آئی تو میں ضرور شادی کر لوں گی۔"

"مذاق تو تم کر رہی ہو نگاہ۔ شادی کا مشورہ یوں دے رہی ہو جیسے کل ملنا کرنے کا تھا۔" آخر وہ شاپنگ پہ چلتے ہیں یا جیسے ابھی مختصر سے کہہ رہی ہو کہ یہ رنگ تم پہ اچھا لگے گا۔ "پھر ہم سوٹ کرے گا۔ اسی طرح منہ پھیر کے کہہ دیا کہ شادی تمہارے لیے ضروری ہے۔ ایسا ہی مشورہ میں بھی تمہیں دوں گا۔ تمہیں سمجھ نہیں آئے گی؟"

"نہیں مجھے ذمی نہیں آئے گی۔ بالکل بھی نہیں آئے گی۔ مجھے رونا آ جائے گا۔" سنجیدگی سے کہتے کہتے اچانک کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے اس بات پہ رونا آئے گا کہ یہ بات کہنے میں کسی نے اتنی دیر لگا دی۔ مجھے اس بات پہ رونا آئے گا کہ میرے ساتھ ہونے والی زیادتی ہی ہماری ہے۔ جس کی مجھے سب سے زیادہ ضرورت ہے خدا نے اٹھانے کے لیے اب میرے ہاتھ کر دیے ہیں۔"

"ہاتھ تو میرے بھی کٹے ہوئے ہیں ورنہ میں کیسے۔" اس نے کہنا چاہا تھا مگر نگاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں ابا! تمہارے ہاتھ ابھی نہیں کٹے تو صرف بندھے ہوئے ہیں اور ذرا ہمت سے تم اس گرہ کو کھول سکتی ہو۔"

"میرے ہاتھ پیچھے کی جانب بندھے ہیں نگاہ اور دوست! یہ میں نہیں کھول سکتی کوئی اور سرا کھولنے کے تو شاید ہو۔"

"سرا ہے کیا کوئی۔ کوئی دوسرا سرا ہے کیا؟" نگاہ نے جھک کے پوچھا۔ اتنے کہنوں میں دونوں کی دوستی خوب پروان چڑھ چکی تھی اس کے باوجود اس سوال پہ نوبت نہ آ سکی۔

"ہاں دوسرا۔" اس نے سوچ کر کہا۔

"دوسرا ہے۔ مگر اتنا ہی دوسرا ہے جیسے کہنا دوسرا دیا کا جیسے بس دوسرا ہی تو ہے کسی قسم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دوسرا ہے۔"

"ابا! مطلب پہلے سے شادی شدہ ہے؟" اس کی خوردکاری سے نگاہ نے کیا مطلب اخذ کیا۔ دھاہو لے سے مسکراتے ہوئے سر جھٹک کے رہ گئی۔

"تصور تو یہ ابھی کن باتوں میں پڑ گئی ہو۔"

"بتیں مجھے تم بتاؤ کیا واقعی ایسا ہے؟ میری بات الرادا تو یہ مت دیکھو کہ اس کی پہلے سے ایک بیوی ہے یا تین۔ یہ دیکھو کہ کیا وہ دل سے تمہیں چاہتا ہے؟ نہ صرف چاہتا ہے بلکہ عزت دینے کا حوصلہ اور خواہش بھی رکھتا ہے؟

ان کے مجاری خدا کی آمد متوقع تھی۔ اگر ان کے آنے سے پہلے پہلے معاملہ پوری طرح نہ دبا دیا گیا تو ان کے ہاتھ یاسمین کے میکے کی ایک کمزوری آجاتی اور ان کا طرف بھلا اتنا کمزور تھا کہ وہ بات یا سمین کو اس کے بھائی کا قصہ دہرانے سے نہ روک سکتے۔

گل مرجی خاموشی کے پیچھے ایک مصلحت تھی۔ وہ اباحضور کی گرجدار آواز پر چونک کے کمرے سے نکلی تھی۔ مگر بیٹھ بیٹھ جانے کی وجہ سے اسے معاملہ پوری طرح جاننے میں ذرا وقت لگا مگر جب ساری بات سامنے آئی تو مگر گل مرجی نظر عصیں کے چہرے پر ڈال کے چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئی۔ اسے نہ تو اس ثانیہ ایک کی نظر عصیں کے چہرے پر ڈال کے چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئی۔ اسے نہ تو اس ثانیہ کی پاگل حالت پہ افسوس تھا نہ اپنے اباحضور کو چیخنے والے بلا صدمے نہ رنج ہوا تھا۔ اس کے دل میں تو بلکہ ایک ساکون تا لگیں پہ رہا تھا۔ اپنی ضد منوا لینے کے بعد بھی اگر دل میں کسی ہلکی سی ندامت کی تو وہ دھل رہی تھی۔ جانتی تھی کہ عصیں کا جرم اتنا بڑا ہے کہ اس کی ضد اس کے پیچھے میں چھپ ہی جائے گی اب اباحضور کی

[illegible] کے باوجود وہ اس حقیقت سے اسی نگاہ کی کہ اپنے لہر میں اس موضوع [illegible] دل میں سب اسے عصیں کے حوالے سے سوچ رہے ہیں بلکہ ایک طرح سے طے کر بیٹھے ہیں اور کل پہنچے تو یہ کر رہا تھا۔ جب کہ یہ بات خاص ہوتی وہ عصیں کے اس کی حفاظت کرے گی۔ آسمان ایک کونے سے ٹوٹا ہوا ہونے کی اور اب اسے تک رہا تھا جیسے ایسا کرنے میں اسے خاصی محنت نہ کرنے پڑے گی۔ اس کا محض ایک اعتراض پہلی بار ہوگا۔

اس کے برعکس موتیا سماعت و جاہد نعیمی صرف اور صرف عصیں کے بارے میں سوچ رہی تھی اگرچہ ہمیشہ سے دل سے خفی نہ ہونے کی وجہ اباحضور کے نافذ کردہ قوانین پہ خصوصاً کسی نہ کسی حد تک عمل پیرا رہی۔ عصیں کی سوچ سے وہ پوری طرح متفق تھی۔ اس بات کی تائید کرتی تھی کہ طلال رزق کا کوئی بھی ذریعہ شرمناک نہیں ہوتا نہ ہی ہاتھ کی محنت سے خاندان کے نام پر حرف آسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اس کی یہ بھی [illegible] اور اباحضور کے درمیان اختلافات حد سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ اس کا خدشہ اسے ہلا [illegible] نہ چل سکتا تھا لے دے کر عصیں رہ جاتا تھا جو باعمانہ روش اختیار نہ کرتے [illegible] مقصد صرف یہ تھا کہ گھر کے ماحول میں کسی نہ پیدا ہونے دے اور اباحضور کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اور اس وقت اس کے لیے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھارے سامنے تھے اور وہ ہمیشہ سے عصیں کو روکنے کی سعی کرتی رہتی تھی جس میں اسے کی حمایت کرتی تھی۔

اس کا جھکا ہوا سر اور سرخ چہرہ اس پر راشت نہ ہو رہا تھا۔ لمحاتی نہیں وہ خجالت سے سرخ تھا یا اباحضور کی لعنت ملامت سے۔ اور یہ تھیں جو سر شرم سے جھکا ہوا تھا یا ایک محترم ہستی کو دل توڑنے اور بھرم کو ٹھیس پہنچانے کی پشیمانی سے جھکا ہوا تھا۔ جو بھی تھا وہ ساری صورت حال مومنہ کی برداشت سے باہر تھی۔ عصیں نے وہ سختی کے باوجود اتنا بڑا راز اس سے نکلی رکھا تھا اس کا تحمل ایک طرف۔ مگر وہ سب کو بتا کر یہ بتا چاہتی تھی کہ اس کا جرم اتنا بڑا نہیں کہ اسے بیچارے گھر میں کھڑا کر کے اس پر تنگ ملامت برسائے جائیں۔

"خلاف نے برسوں کی عزت۔ صدیوں کی پہچان مٹی میں ملا کے رکھ دی۔ کوئی ان حضرت سے پوچھے کہ جس چیز کو بنانے میں برسوں کا کوئی حصہ نہیں اسے بگاڑنے کا حق انہیں کس نے دیا؟ یہ پہچان یہ نام یہ مرتبہ ہمیں ہمارے بزرگ سونپ کر گئے تھے۔ ہم نے مقدور بھر اسے سنوارنے کی کوشش کی یہ قرار رکھنے کی جدوجہد کی۔ اگر عصیں میں آپ اس مرتبے کو سنبھالنے کے اہل نہیں تھے تو اسے مٹی میں خاکے کا حق بھی آپ کو کسی نے نہیں دیا تھا۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا چچا حضور جس سے عزت مٹی میں ملنے کی نوبت آئے۔" بڑی دیر بعد وہ گویا ہوا۔ تو ازیت نظریں زمین میں گڑی ہوئی مگر لہجہ مضبوط اور ہموار تھا۔

"آپ کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری یعنی حضرت کو اپنے آپ پہ ندامت ہو تا تو دل کی تسلی کا اسباب نہیں۔ سینہ زوری کے اپنی شرمناک حرکت کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ ہماری سات پشتوں میں ایسا بے غیرت انسان پیدا ہوا ہوگا۔"

"چچا حضور مجھے ندامت ہے شرمندگی ہے۔ مگر اس بات کی کہ میں وقت کا دانستہ طور پہ آپ کی دل آزاری کا سبب بنا۔ باوجود اس کے کہ میری یہ حرکت آپ کے اصولوں سے ٹکراتی ہے میں اسے ناجائز یا معیوب نہیں سمجھتا۔ میں نے خلاف شرع قانون خلاف فطرت یا خلاف اخلاق کوئی کام نہیں کیا۔"

"قانون صرف وہ نہیں ہوتا جو دارالقضاؤں میں لکھا ہو۔ قوانین بھی ہوتے ہیں جو سینہ بہ سینہ محفوظ چلے آرہے ہیں۔ فطرت صرف وہ نہیں جسے جبلت انسانی قرار دیا جاتا ہے۔ فطرت وضع بھی کی جاتی ہے اور یہ ایک دو دنوں میں نہیں بلکہ نسلوں تک عمل کرتی ہوتی ہے اور اخلاق اخلاق کا تو نام ہی مت لیں۔ اخلاق کردار ہے اس شخص کا جو کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا جو چوری کی خاطر اس کی دھجیاں اڑا چکا ہو۔"

"آپ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں چچا حضور کہ میں نے آپ سے کر [illegible] کے خلاف قدم اٹھایا کہ آپ کی حکم عدولی کی۔ [illegible] روایات [illegible] نہیں کر سکتے کہ میں اخلاق و کردار سے عاری ہوں۔"

"اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں کیا نہیں۔" نواب صاحب مشتعل ہو کے دھاڑے۔ عصیں نواب صاحب کی اچانک دار کھل جانے کی حالت کے زیر اثر تھا اور اپنے چچا حضور کی مسلسل بلند لہجے پہ مجبوراً سب کشیدگی پہ مجبور ہوا تھا۔ کہنے بار پھر خاموشی اختیار کر لیا۔

"کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ محض اتفاق یا نظر کا دھوکا تھا۔ آپ یہ حقیقت تسلیم نہیں کریں گے کہ اس حرکت سے ہمارے گھرانے کی اقدار اور عظمت کس بری طرح مجروح ہوئی ہے اور کیا آپ بھی آپ خود کو حق بجانب ٹھہرائیں گے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم اپنے تباہ ہو گئے کیا صدمہ دے چکے ہیں ہم نے اپنے مرتے ہوئے والد سے عہد کیا تھا ان کی روایات کو زندہ رکھنے کا۔ اور آپ نے ہماری زندگی میں ہی اس عہد کے پرخچے اڑا دیے۔"

[illegible] روایات سے باہر [illegible] کرتے ہوتے ہیں اور اقدار بھی ہم لوگ خود اپنی مرضی سے وقت کے مطابق بدلتے ہیں۔ اصل چیز عزت ہے اسے بچانے کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"بچانے؟ اور تمہاری عزت؟ خدا خیر ہو گئی ہے اس کا نام۔ اور کیا کہنا ہے؟"

"میرے محنت کرنے سے آپ کی عزت پہ حرف کیسے آسکتا ہے۔ محنت میں عظمت ہے ہمیں ـــ قول سے آپ آشنا ہوں گے۔ قدیم روایات کو گلے لگائے رکھنے کا شوق ہے آپ کو تو یہ بات بھی یاد ہوگی کہ بحیثیت ایک مسلم قوم ہمارے آباؤ اجداد کہلاتے ہیں جنہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی تھی۔ ہمارا آباؤ اجداد ہونا ہمیں چاہیں حرمت کائنات حضور نے رفع کیے اور خدا کے حکم سے نافذ کیے۔ جب ان کی تعلیمات کی روشنی میں محنت میں ذلت نہیں بلکہ عظمت ہے شرم نہیں بلکہ بڑائی ہے تو پھر ہم آپ سے کہنے والے کون کہ کون سا پیشہ باعزت ہے اور کون سا شرمناک۔"

"آپ ہمیں ملا جواب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں شاید۔"

"ہرگز نہیں صرف اپنا مؤقف پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں اگر ناگوار نہ گزرے۔ میں آپ کی دل آزاری کرنے پہ معذرت خواہ ہوں مگر یہ میں جان سکتا ہوں کہ میں نے کوئی غلط کام کیا ہے۔ یہ بتائیں کہ میں نے کوئی خلاف شرع یا خلاف قانون کام کیا ہو یا کہیں چوری کی ہو؟ کیا میں نے کسی کو دھوکا دیا ہو؟ کسی یتیم کا مال ہڑپ کیا ہو یا آپ کوئی آپ پہ انگلی اٹھائیں آپ کی تربیت کو الزام دیتا یا ہمارے خاندان کی نیک نامی پہ حرف گیرا ہو تو ضرور میرے

لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہوتا۔"

"شرم سے ڈوب مرنے کا مقام تو اب بھی ہے صاحبزادہ عصمت علی خان! مگر واقعی آپ میں شرم موجود ہوتو ہمارے اصولوں سے ٹکرانے کا ارادہ کرتے۔ ہمارے مقابل آنے کا اور ہمارے اصولوں سے ٹکرانے کا حوصلہ تھا آپ کو کیا؟ آپ کو یہ سب کرکے کتنی ہماری مخالفت کرنے کا جنون تھا جس کے زیر اثر خون میں آپ نے اپنی ضد پوری کرلی ہمارے برابر تو من ملتی کرنے کا جنون تھا جس کے لیے ہمارے اصولوں کو پامال کرنا بھی کسر باقی نہ رہی۔ آپ کو آخر حاصل کیا ہوا؟"

"چچا حضور! میں اصل بدقسمت ہوں۔ آپ برسوں سے حق سے عمل پیرا ہیں۔ ہمیں سے آپ کو کیا حاصل ہوا؟" اس کے بگڑے انداز میں سوال کرنے پر نواب صاحب بھڑک گئے اور غصے کے باعث وہ تاب ہو کر اس کے چہرے پر طمانچہ رسید کر بیٹھے۔ سب دنگ رہ گئے۔ صاحبزادہ عصمت اللہ نے اپنی آنکھیں ملتی سے بھیگیں۔ ہمیں کے مارے لب بھینچ کر خاموش ہو گئے۔ موتیا کی چلمن پر بھی آنسو چھلک پڑے۔ عصمت نے ایک ہاتھ اپنے ایک دوسرے میں اور بھی پیوست ہو گئے۔ موتیا کی چلمن پر بھی آنسو چھلک پڑے۔ عصمت نے ایک ہاتھ اپنے تپتے رخسار پر رکھا اور دھندلی ڈبڈبائی آنکھوں سے سامنے دیکھا جہاں اس کے چچا حضور شاید خود بھی اپنے اس اختلافی ردعمل پر حیران تھے۔

"میرا سوال اب بھی وہی ہے "ان اصولوں نے آپ کو کیا دیا؟" اس نوخیز شخصیت اور بڑے جاہ و جلال والے باپ کے حوالے سے ہمیں کیا ملا؟ آپ جواب دیں یا نہ دیں میں جانتا ہوں کہ آپ اس جواب لیا ہوگا۔ کچھ بھی نہیں۔ یہی سچ ہے! اصولوں نے ہمیں ہوئے بھوکوں مضافتوں اور سب سے الگ تھلگ کئی ہوئی زندگی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ہم سے خوش قسمت تو وہ لوگ ہیں جن کے سوا ان کے اعلیٰ نسب کا تاج نہیں ہوتا اور اس بوجھ سے آزاد ایک ہلکی پھلکی آزاد زندگی گزارتے ہیں۔ پھر ساتھ کے ساتھ عزت بے خوف نے کا ذکر نہیں رہتا انہیں اور ہمیں ہم تو اپنی بھوک کا اظہار کرتے ہیں بھی چھپاتے رہے کہ یہ خاندانی لوگوں کا شیوہ نہیں حالانکہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور ہم پیدا ہوتے ہی اپنی فطرت اور جبلت کو کچلنے اور فنا کرنے کا آغاز تو سیکھتے ہیں۔"

"آپ جانتے ہیں عصمت میاں! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ صدمے سے بے حال تھے۔

"لیکن آپ کو کیا خبر جب آپ کو اپنے کئے کی سنگینی کا احساس نہیں ہو سکتے ہوتے کیا پشیمانی۔ مگر ہمارے لیے تو یہ سخت دکھ اور اذیت کی بات ہے کہ آپ ان کم حیثیت لوگوں کو خود سے بہتر قرار دے رہے ہیں جنہیں خدا نے اس نعمت سے محروم رکھا۔ جانے اللہ کی ذات کا شکرانہ ادا کرنے کے آپ سخت ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے

"اللہ کی نعمت تو بے شک ہمارا تھا بھی ہیں چچا حضور اور اس نعمت سے فائدہ اٹھانا بھی ناشکری ہے۔ خدا نے ہمیں جو صلاحیتیں دی ہیں ان کو بروئے کار نہ لانا بھی ناشکری ہے۔ میری اس حرکت سے آپ کو دکھ پہنچا ہو تو معذرت میں نہیں سمجھتا کہ اس سے میرے یا میرے خاندان کی عزت کو نقصان پہنچا ہے۔"

"کیونکہ بات آپ بار بار خود کو اس گھٹیا حرکت کے لیے درست قرار دے رہے ہیں۔"

"کیونکہ بات آپ بار بار خود کو اس گھٹیا حرکت کے لیے درست قرار دے رہے ہیں۔" تجھے یہ احساس تو دلا رہا ہے کہ اس لیے کہ یہ گھٹیا کام کر کے مجھے بے روزگاری کی ذلت سے تو نکال رہا ہے۔ تجھے یہ احساس تو دلا رہا ہے کہ میں ایک زندہ وجود ہوں ایک عمل کا وجود ہوں۔" آپ بار بار نواب صاحب نے اس کی بات کاٹی۔

"آپ مجھے سمجھانے کی حد سے باہر جا چکے ہیں چچا حضور! لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ٹھیک بار کے اپنے اس قرض کے آنکھیں پھیر لیں۔ بھائی بیگم آپ سے التجا ہے کہ انہیں اپنے الفاظ میں سمجھائیں۔ ہم نے صرف اس رنج کا کبھی سامنا نہیں کرنا بلکہ روز محشر ان کے والد کو بھی جواب دینا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی اور اپنی اولاد کو اس طور پر ہی تو ہم نے اپنی اولاد کو اس طور پر ہی تو ہم نے اپنی اولاد کو اس طور پر ہی تو ہم نے

"ہاں" دوسری بار پہلی بار تب جب صاحبزادی فرحت انساء کی حفاظت میں ہم سے چوک ہو گئی۔ "ہر سال رانا بیگم واقعہ" سب کے دلوں میں رات کی اہل دیگاری کی طرح روشن تو تھا مگر اسے دہرانے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ ہر ہی دیوبند ان کا ختم ہو جاتا کہ ان دونوں بہنیں ایک دوسرے سے چھپ کے چند آنسو بہا لیتیں۔ بچوں کو یہی علم تھا کہ ان کی پھوپھی خالہ کم عمری میں ہی ملک بقا کا شکار ہو کے وفات پا چکی تھیں۔ آج عرصے بعد صاحبزادہ نصیر علی خان ان کا ذکر کر کے خوری پشیمان ہو گئے۔ انہوں نے دوزدیدہ نگاہوں سے بیگم کا زرد رنج اپنے چہرے پہ دیکھا اور پھر بدل لیا۔

صاحبزادی فرحت انساء پھر قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گئیں۔ اب انہیں اپنی بڑی بہن کی دلجوئی کرنے کا فریضہ بھی ادا کرنا تھا۔

○ ○ ○

وہ دونوں اس وقت اپنے اپنے بستر پہ لیٹی اپنے اپنے خیالوں میں گم تھیں۔ بہت دیر لگا پلکوں کی تواز دے رہا تھا اور اس کی تیز کرنیں موتیا کی آنکھیں مرکوز تھیں۔ بار بار کسی تنظیف خیال کے زیر اثر ان کی آنکھیں پھڑپھڑا جاتیں۔ اس کی بالکل نسبت گل مہر کے تکیے میں ایک اضطراب ایک ہیجان تھا۔ اس کا دایاں پاؤں مسلسل کروٹ کر رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں مگر پلکوں پہ لرزش ہو رہی تھی۔

"گل۔" بہت دیر بعد موتیا کی بدھم آواز کمرے کے سناٹے میں گونجی۔

"ہوں۔" اس کے ہونٹوں کی حرکت پہ ہی بھر کر تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"یہی کہ گل کون سا ڈرامہ چلیں ہم۔"

"نکمی مت کرو۔" موتیا کو اس کی بات بے تیاری پہ غصہ آ گیا۔

"ہم بھی یہی سوچ رہی ہوں جو تم سوچ رہی ہو۔" اس نے اس بار نور دے کر کہا جیسے گل مہر تسلیم ہی نہ کرے گی۔

"تمہیں کیا پتہ "تم کیا سوچ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے ہماری اور تمہاری سوچ میں یہ قدر مشترک ہو کہ تم بھی ہماری طرح گل کے بارے میں ہی کچھ طے کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم گل پتے جانے والے ڈرامے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور تم یقیناً یہ سوچ رہی ہو گی کہ گل کیا پکایا جائے۔"

"گل کا مذاق مت کرو۔" وہ چڑ گئی۔

"کیا نہ کریں ہم؟" وہ سب جان کے دشمن بنے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"اصل سوچ رہی تھی "عصمت نے ایسا کیوں کیا؟" تھک کر موتیا نے ہار مان لی اور خود ہی بتانا شروع کیا۔

"ہم نے پوچھا کیوں کیا؟ اس لیے کہ اس سے زیادہ کرنے کے وہ قابل ہی نہیں تھا۔ اس کی سوچ کی پرواز یہیں تک جا سکتی تھی یعنی ڈراؤنی تک۔"

"کیا بات کو گل۔ ابھی کچھ روز پہلے تک یہ مجھ سے ڈر کر رہا تھا کہ اس کا وارہ کوئی گھٹیا شاپ یا شاید گھر سری اسٹور کھولنے کا ہے۔ بتا رہا تھا کہ اس کے ایک دوست کے والد نے بیس قریبی مارکیٹ میں پلاٹ بنایا ہے اور وہ عصمت کو فرنچائز دلوا کے سیکیورٹی کے کان کرائے پہ دینے کو تیار ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے نئی ایڈورٹائزمنٹ بھی بنا دیں گے۔ وہ تو بہت پرجوش تھا بتانے پہ تاکہ ذرا کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس کے سلسلے میں کچھ دیر بھاگ دوڑ کر لے۔ وہ بری طرح چونکی اور پھل کے بیٹھ گئی۔

"اب سمجھ آیا" وہ تھرتھر تھا کہ دکان میں سامان بڑھانے کے لیے سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ ابا حضور اسے چالیس پچاس ہزار تک کی رقم آسانی دے سکتے تھے مگر جس مقصد کے لیے وہ مانگتا اس کے بارے میں جان کر شاید وہ بھرپور مخالفت کرتے اور کام شروع ہونے سے پہلے ان کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسے امید تھی کہ باعزت طریقے سے یہ کاروبار شروع کرنے کے بعد اور گھر کے حالات میں نمایاں تبدیلی آ جانے کے بعد وہ خود

ہی موم ہو جائیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے طور پہ کوشش کر رہا ہے۔ کچھ رقم کا انتظام ہو گیا ہے۔ کچھ کا اور تھوڑے عرصے میں ہو جائے گا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ کسی سے قرضہ وغیرہ لینے کی کوشش میں ہے۔ سو قبول ہی نہیں آیا کہ وہ اس رقم کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کے لیے اس حد تک جا سکتا ہے۔ اتنی گل مہر! حضور کی تنگی بتا لیتیں جب انہیں حقیقت کا علم ہو گا کہ عصمت نے رقم چند دنوں کے لیے ہی کام کیا ہے اور اب وہ اسے ترک کرنے والا ہے تو وہ ضرور اسے معاف کر دیں گے۔"

"وہ دو دو آنی دھیر ساری بکواس فرما کے گیا ہے۔ اس کی معافی دلانے کے لیے آپ یا مدر تراشیں گی صاحبزادی الریس خاتون۔" گل مہر نے چبا چبا کے کہا۔

"بعض لوگ کسی قدر احسان فراموش ہوتے ہیں۔ بجائے ابا حضور کے شکر گزار ہونے کے بے وقوف ان پہ انگلی اٹھا رہا تھا کہ اس کی بہن کے لیے ایسا رشتہ جو ہوا۔ کیا کمی چھوڑی ابا حضور نے یا کمین لیا کے لیے؟"

"یہ کہہ رہی ہو گل؟ تم ہمیشہ سے بڑے بھائی کو ایک ناقابل برداشت شہزادہ اور بلیغ دیدہ ترین شخصیت قرار دینے والی گل مہر آج کہہ رہی ہے کہ ابا حضور نے یا کمین لیا کے لیے کیا کمی چھوڑی؟"

"وہ تو ہم اب بھی کہیں گے لیکن حسب حالات تھے اور جو کمین لیا۔ ہمارا مطلب ہے ان کے لیے ایسا رشتہ بھی غنیمت تھا۔ کیا فائدہ ان کے پاس جس کے بلی ہوتے یہ ابا حضور قابل اور اہلیہ داماد تلاشتے۔ نہ صورت شکل غیر معمولی نہ تعلیم اور نہ ہی دولت جائیداد اور قریبا جو ایسی بنتی ہو جو بڑے شخص عصمت کی حمایت میں ابا حضور کی مخالفت کیوں کر رہی ہو؟"

"میں ہرگز ابا حضور کی مخالفت نہیں کر رہی گل مہر۔ میں یہ مانتی ہوں کہ انہوں نے ابا کے لیے جان بوجھ کر کوئی کوتاہی کی ہے۔ یہ تو بس۔ سارا قسمت کا کھیل تھا۔ لکھے پتھر کا۔ اور میں یہ بھی تسلیم کرتی ہوں کہ عصمت نے شدت جذبات میں کچھ زیادہ ہی کسر نکالنا چاہی تھی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا طیش ابا حضور کے رویے کا ردعمل تھا۔ انہوں نے اس کی ایک ایسی حرکت کا غیر معمولی شدت سے نوٹس لیا ہے جو بیچارے نے بڑے خلوص نیت کے ساتھ صرف خود کو حالات کی گردش سے نکالنے کے لیے کی ہے۔ اس کے پاس اور کیا چارہ کار تھا۔"

"اللہ اللہ!" گل مہر نے سر تھام لیا۔

"عجیب چیز ہو تم موتیا۔ وہ کبھی درست نہ بھی سمجھے۔ وہ بھی غلط نہیں۔ یہ بھی ٹھیک۔ تم کسی بھی چیز کے بارے میں ایک واضح نکتہ نظر کیوں نہیں رکھتیں؟"

"وہ غیر جانبداری سے تجزیہ کرتا ہے۔"

"جی نہیں۔ محترمہ۔ صاف الفاظ میں اسے سب کو خوش اور راضی رکھنے کی پالیسی کہا جاتا ہے۔ جس کا تمہیں علم ہے۔ اور جس کا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ اس کے باوجود بھی تم اپنی کوششوں سے باز نہیں آنے والی ہو۔ ہاں؟" اس نے مسکراتے ہوئے تکیہ درست کر کے بحث ختم کرنے کا مفہوم ظاہر کیا۔

"بالکل اور اس میں حرج بھی کیا ہے؟ ٹھیک ہے سب کو راضی اور خوش رکھنا ناممکنات میں سے ہے لیکن کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ سب نہ سہی کچھ تو راضی رہیں گے بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ ایک بھی راضی رہے تو کافی ہے۔ کسی ایک ذات کو کسی انسان خوشی پہنچا دے تو بڑی بات ہے۔"

"اور یہ ایک ذات اس انسان کی اپنی بھی ہو سکتی ہے۔" گل مہر نے جمائیاں روکتے ہوئے جواب دیا۔

"اپنی ذات کو خوش رکھنا بھی بڑی بات ہے۔ مشہور۔ کبھی کبھی یہ فریضہ بھی ادا کرتے رہنا چاہیے۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"اور یہ فرض تم بہت عمدہ ادا کرتی آ رہی ہو۔" موتیا نے بڑبڑا کر سے سمجھوتے کی ناکام سی کوشش کی مگر وہ اپنی خیند حرام کر کے اس بے کار کی بحث میں ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے صبح جس سے بھی جانا تھا صرف ام کو

شہزاد کی برتھ ڈے پارٹی پہ ضرور جانا تھا مگر اب تک اس نے یہ نہ بتایا تھا کہ اسے اس کے باس نے مدعو کیا ہے۔ ڈراؤ تھا کہ کسی وکیلک پارٹی دوست کی برتھ ڈے پارٹی کا کہہ کے نکل جائے گی۔ آج فضول بحث اور بے کار اعتراضات سے بچت ہو گئی لیکن اب گھریلو ماحول میں پیدا ہونے والی بدمزگی نے برتھ ڈے والا بدمزگی ترک کرنے پہ مجبور کر دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کل کے گھر ضروری کام سے جانے کا کہہ کے نکل جائے گی۔

پہلے چل دس نے شہزاد کے الوائیڈ کرنے پہ مناسب الفاظ میں معذرت کرنے کا ہی سوچا تھا۔ لیکن ایک تو شہزاد کے رد کرنے کا انداز بے حد دوستانہ مگر مضبوط تھا۔ دوسرا وہ اپنے سارے اسٹاف کو خلوص کر دینا چاہتا تھا ایسے میں کل کو کوئی مناسب بہانہ لگا کر انکار کر کے سب میں اپنی افادیت یا اہمیت جتانے کی کوشش کرے۔ مضبوط تو تھی سب سے ایک تعلق بھی اور اہم ترین بھی مگر سب جتانے کے لیے اسے کبھی ان اوقات جھنکاروں کی ضرورت نہ پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج رات شہزاد لف قدرے جلدی گھر لوٹ گیا تھا گیٹ کے آگے بارن دیتے اس نے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھا۔ گیارہ بج کے پینتالیس منٹ ہو رہے تھے۔ شاید گیٹ کیپر کو اس کی آمد کی توقع نہیں تھی اس لیے گیٹ وا کرنے میں ذرا تاخیر ہوئی۔

ایسا نہیں تھا کہ آج رات کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ جس رینا کا ہوا ہی تھا یہاں راتیں ہی جاگتی تھیں۔ کسی کلب کی اوپننگ کسی کارش پرٹ کسی کی میوزک ریکارڈنگ سی سیریل کی ملبوس جوڑی کوئی نہ کوئی ایوارڈ فنکشن یا پھر گزشتہ گزشتہ کئی برسوں سے وہ اس روشن کا عادی ہو چکا تھا۔ اپنے اندر کی تنہائی سے بھاگتے ہوئے دن رات محفلوں کی گہما گہمی میں پناہ حاصل کیا کرتا۔ مگر نجانے کیا بات تھی کہ کچھ دنوں سے اسے محفلوں میں اندر کا اکیلا پن زیادہ محسوس ہونے لگتا۔ اسے ہزاروں کے مجمع میں اپنا وجود کسی میلے میں بچھڑے ہوئے بچے کا سا لگتا۔ اسے کسی سے ملنے کے نام سے ہی گھبراہٹ ہونے لگتی۔ اسی لیے آج بھی اس نے فنکشن میں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ سیدھی طرف نجانے کیسے ۔۔۔ بلا ارادہ ہی وہ اپنی برتھ ڈے اپنے اسٹاف کے ساتھ منانے کا پروگرام بنا بیٹھا۔ یہ سب کچھ آج کی میٹنگ کے بعد اسٹاف سے ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران طے ہوا اور بے حد اچانک ہوا۔ اصل تو وہ اپنا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کا عادی ہی نہ تھا۔ نہ اب عمر رہی تھی نہ شوق۔ دوسرے اسٹاف کے ساتھ اس کا رویہ بالکل بے حد دوستانہ ہمدردانہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے اور ان کے درمیان حد بیشہ برقرار رکھی۔ بعد میں وہ خود سوچ سوچ کے حیران ہوتا رہا تھا۔ پھر کہ اگر وہ برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کا خیال آیا ہی تھا تو کیوں نہ اس ایا کے ساتھ یا بے تکلف دوستوں کے ساتھ منانے کا سوچتا۔ اس خیال کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے گل سرکا گلابی چہرہ آ گیا تو خنکہ بھر کو اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پہ بہک سے گئے۔

"تو یہ ہے وہ جسے خوب صورت ہے دلنشیں بھی ہے اور بلا دار بھی۔ مگر یار شہزاد ملک یہ تجھے سوجھی کیا۔" مرے بعد وہ اپنے ساتھ تو مذاق کر کے رہ گیا۔

"اور تج تو یہ ہے کہ اگر وہ انکار کر دیتی تو شاید میں پیرٹی سی کیسل کر دیتا۔" اس نے پہلے سے ایک اور اقرار کیا۔

پارٹی اس نے فائیو اسٹار میں شام کو دی تھی۔ سچ پچ گرم ترین دن کی وجہ سے بلایا اور وزٹر کے لیے اسٹاف کی لیڈیز بڑی خوش ہوئی تھیں۔ اس نے پارٹی کا بندوبست کروایا تھا۔

"خیر تو ہے جو طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بلوا سے خلاف معمول سادھے گیارہ بجے گھر کو کر حیران تھی۔

"ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بس گرمی بہت رہی آج سارا دن۔" اس نے تالی ڈھیلی کرتے ہوئے ماں کے متعلق پوچھا۔

"میاں تو ٹھیک رہے۔ بلڈ پریشر وغیرہ؟"

"ہاں بس آم کھانے کا لیے میرا خیال ہے شوگر بھی ہوتی ہے تیرے لیے آم لائوں؟"

"نہیں۔" وہ مرے کی طرف بڑھا۔

"بڑے بے حیا ہو گئے ہیں پوٹیا آم چن کر لیے ہیں۔ ساتھ کچی کی کھاتی ہوں۔ نیند بڑی سوہنی آئے گی۔"

"واقعی اماں! نیند اچھی آئے گی؟" ایک لمحے سوچنے کے بعد اس نے سوال کیا تھا اور جواب اثبات میں ملنے کے بعد سر ہلا دیا۔

"لے تو جا پھر مگر زیادہ نہ ہو۔ اتنی سی جائیں نہیں۔" اس میں تبدیل کرنے کے بعد وہ کمرے میں واپس آیا تو باورچی خانے میں آم کی بڑی بڑی قاشیں اور جگ میں لسی لیے بیٹھی تھی۔

"کل تیرے میرے شہزاد نے پیزا سا کھا رہے گیا تھا تو تیرے لیے؟"

"انکار کرتے کرتے رک گیا۔ ذہن میں کل کا سارا پروگرام ترتیب دینے کے بعد بس صبح کا وقت ہی خالی نظر آیا۔

"بیٹھتے میں پانچ ہاتھ کے تیرے والے پراٹھے اور کے والا انڈا فیٹی لسی ہو جاتا۔"

"لے اسے کی کل ہوئی۔ میں نے حلوے بنا کر زردے دسواں نکلوا دیں۔"

"اوہو! اماں کھانا زیادہ مانگنا کرنے کے بعد تو میں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھاؤں گا آپ حلوے زردے اور لگڑی بات کر لیا میں۔ اچھا سنی کا حلوہ بنا دینے گا۔"

بڑی مشکل سے انہیں رضامند کر کے رخصت کیا۔ ہم کھانے کی دلی کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا کہ یہ سنیے کہ موبائل پہ SMS کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "تین کیا تو اسکرین پہ" یہی ہر تو اسے نوٹیفیکیشن" لکھا نظر آیا۔ چونک کر کلاک کی جانب دیکھا تو پورے بارہ بج رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر موبائل کو آن ہو سکتا ہے۔ اس کے بہت سے بے تکلف اور قریبی دوست تھے مگر اتنا تکلف اور اہتمام کسی نے کبھی نہ کیا تھا شاید کسی کو یہ بات یاد بھی نہ ہو۔ اس نے غیر طور سے دیکھا نہ نمبر اس کے لیے نیا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے یہ نمبر ملایا۔ پہلی بیل پہ ہی فون اٹھا لیا گیا تھا مگر دوسری جانب کسی کی آواز نہ تھی۔ وہ بھی خاموش رہا چند لمحے ایسے ہی گزرے پھر ایک خنکی سی دار آواز ابھری۔

"کیا ہوا چاچی؟ کچھ کہنا نہیں تو یاد کیوں کیا؟"

● ● ●

بہت وقت کے بعد وہ خود کو تیار کر پایا تھا اسی حضور کا سامنا کرنے پہ۔ سامنا تو ہی یا سمین کو ہمراہ لے کر وہ ان کے کمرے میں گیا۔ چچی حضور پہلے سے وہاں موجود تھیں۔ عصمی کے دل کو چھکا سا لگا۔ ان کی حالت دیکھ کر۔ پچھلے کچھ سالوں سے ان کی صحت مسلسل گرتی ہی لیے چوڑے وجود میں اب محض لاغری ہی لاغری رہ گئی تھی۔ سر گوشت کھانیوں میں پھنسا رہنے والا لکھن جو اتنے قوتیں اور صحت تھیں اور صحت تھیں ہی خان کی وقار تھا اب ڈھیلا ہو کے کھال کے آخری سرے تک آ جاتا کرتا۔ چہرے کی چمک برقرار تھی مگر رخسار اندر کی سرخی ختم۔ بلڈ پریشر تو اب نارمل رہتا ہی نہیں تھا اس پہ گردے کی تکلیف نے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن اتنی ادھر کمزور وہ کبھی بھی محسوس ہوئی نہیں تھیں جتنا اس وقت لگ رہی تھیں۔

عصمی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ انہیں تیس گھنٹوں بعد نہیں بلکہ تیس مہینوں بعد دیکھ رہا ہو۔ راتوں رات ان کی اس پہلی حالت کا ذمہ دار یقیناً وہی تھا۔ مارے ندامت کے وہ رہی سہی ہمت بھی کھو بیٹھا۔ چپ چاپ ان کے بوجھ سے جھکے کی کنگھی کے سرے پہ بیٹھ گیا کافی دیر تک سر نہیوڑائے رکھنے کے بعد یا سمین کے شوکے پہ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ اسی حضور کو مخاطب کرنے پہ اکسا رہی تھیں۔ وہ بے بسی بھرے انداز میں انہیں دیکھنے لگا جو مسلسل بھرے سفید تکیے پہ اپنے مسلسل جیسے سفید بکھرے بال پھیلائے سوئی ہوئی لگ رہی تھیں مگر ہو ہرگز نہیں رہی تھیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ کمرے میں ان کے علاوہ بھی تین

نفوس معدودے چند۔ کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے ہوں اور ان کے تین سہانے گئی شب ذات بھی روشن طور وہ سو جائیں۔ لیکن اگر وہ اس سے گریز بلور اجتناب ظاہر کرتے ہوئے اپنی نیند ظاہر کر دیتی تھیں تو وہ اتنی سست کیوں ہے لا آکر انہیں آواز دے جاتا۔ چند لمحے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنی نظریں بے مقصد ادھر ادھر گھمانی شروع کر دیں۔

ان کا جانا سا کمرہ خالی خالی سا لگتا۔ انہیں زیادہ سامان سے وحشت ہوتی تھی ویسے تو حویلی کا کوئی بھی کمرہ سامان سے بھرا ہوا نہیں تھا بلکہ کئی کمرے تو بالکل خالی مقفل تھے اور مہینوں بعد کسی صفائی کی نیت سے کھولے جاتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پرانے فرنیچر اور طرز کی بنی اس حویلی کی بیٹھکیں اونچی اور کمرے اتنے بڑے بڑے تھے کہ آج کل کے طرز تعمیر سے بنے اچھے بھلے وسیع اور کشادہ کمرے بھی ان کے مقابلے میں آدھے ہوتے۔ اور ان لوگوں کے اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ ان کمروں کی کشادگی کے حساب سے اسباب جمع کر پاتے۔ لیکن صاحبزادی خلعت النساء کا تو یہ حال تھا کہ وہ ضروری اسباب بھی اپنے ارد گرد دیکھنے سے عاجز تھیں۔ ان کے کپڑوں تک کی الماری ان کی سونے کے کمرے میں تھی۔ وہ خود ہی روزانہ استری شدہ جوڑا نکال کر انہیں دے جاتیں۔ کمرے کے بیچ وسط میں جہاں کی پچھلی دیوار میں وہ کھڑکی تھی جو دالان کی جانب کھلتی تھی ان کا بڑا سا آبنوسی پلنگ دراز تھا جس پر سفید بے شکن چادر بچھی رہتی۔ سرہانے کی کھڑکی بند اور بھرکلی رہتی البتہ دوپہر میں دھوپ کی شدت روکنے کے لیے پردے گرا دیے جاتے۔ اس کھڑکی کے بالکل ساتھ لگے الماس کے درخت کی کئی شاخیں کھڑکی کھلنے پر جھومتی ہوئی مست ہو کے اندر آ جاتیں اور اپنے پیلے پیلے پھول مراد اور تمنا کے دروازے کے پیچھے بکھیر جاتیں۔ دوسری طرف کی دیوار والی کھڑکی بند تھی جس میں دان بھر آنا جانا لگا رہتا اسی لیے اس کے کلوں کے پٹ ہمیشہ بند اور مضبوطی سے بند ہوتے تاکہ باہر کی کسی قسم کی سرگرمی یا شور اندر ان کے کمرے میں خلل پیدا نہ کرے۔ اسی کھڑکی کے ایک طرف فرش سے چند انچ اونچا تخت بچھا تھا جس پر ایک موٹا گدیلا بچھے کی صورت بچھا تھا اسی کے سرہانے ان کی جانماز اور تسبیح پڑی تھی۔ مغرب، عشاء اور تہجد کی نماز وہ کمرے میں ہی ادا کیا کرتیں۔ دوسری نمازوں کے لیے ان کے لیے دوسرا تخت مستقل طور پر دالان میں نصب تھا۔ دیواروں میں لوح قرآنی، عکس خانہ کعبہ اور چار جلیں قل کو دان تھے اس کے باوجود دیواریں ایک پر جلال خاموشی میں سمٹے ہوئے تھیں۔

چلنے کے ساتھ ہی ایک میز پہ جس میں دو عدد دراز تھیں اسوۂ حسنہ اور احادیث شریفہ سے متعلق کتب اور چند ضروری اشیاء تھیں اسی میز پہ گلاس بک ہمیشہ اور ٹیبل کلاک رکھا تھا۔ ساتھ ہی کرسی پہ اس وقت صاحبزادی حرمت النساء بیٹھی تھیں۔ صاحبزادی، یاسمین اپنی امی حضور کے سرہانے کھڑی تھیں جبکہ دونوں باتیں کی کے سر پہ ٹکا کمرے کا ماحول متعدد جانے لے رہا تھا۔ تھک ہار کے صاحبزادی یاسمین خود بول کر بیٹھیں۔

"امی حضور!" وہ تھکے سے کرختی کے انداز میں بولیں۔ وہ جواب میں ہنکارا بھر کے رہ گئیں۔

"امی حضور! عصمی میاں آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"اگر ہم اس وقت کچھ سننا نہیں چاہتے۔ ان کی بیمار عب کو آرام دو۔"

"ایسا آپ کچھ صفائی کا ایک موقع نہیں دیں گی۔" وہ ان کے سیدھے تھام کے گزگڑا اٹھا جو اس گرم ترین دھوپ میں بھی لمحہ بھر پڑے رہے تھے۔ وہ ہلکا سا کسمسایا مگر کروٹ پھر بھی نہ بدلی۔ عصمی اجیرے اجیرے ان کے پیر سہلانے لگا۔

"امی حضور! مجھے بنا دیں اور ایسے ذات لیجئے ہوا بھلا کہہ دیجئے اب بھی چل نہ بھرے تو بے شک مار لیجئے مگر خفا مت ہوں۔ یہ مجھ سے نہیں جا رہا۔"

"آپ نے بھی تو ہمارے "سمجھے" سے کہیں بڑھ کے کام کیا ہے۔ کیا یہ ہم سے سہا جا رہا ہے؟" ان کی آواز شدت غم و غصے سے کپکپا اٹھی۔

"میں وہی تو کہنے آیا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرا یہ عمل آپ کو اور چچا حضور کو ناگوار ہے۔ پھر کیسی زیادہ

محسوس ہوا ہوگا۔ یہ بھی مانا کہ مجھے آپ کے علم میں لائے بغیر ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اتنا تو سوچئے کہ کیا اجازت لینے سے مجھے مل جاتی؟"

"اسی لیے تو آپ نے من مانی کرنے کا سوچا۔" بالآخر وہ رخ بدل لیجئے مجبور ہو گئیں۔ یاسمین نے آگے بڑھ کے انہیں بیٹھنے میں سہارا دیا اور ان کے پشت پہ تکیہ کے لیے گاؤ تکیہ رکھا۔

"یہ میرا شوق نہیں تھا ان حضور کہ میں بلا وجہ ضد میں آ کر آپ کو اور چچا حضور کو دکھ دینے کی نیت سے من مانی کرتا۔ آپ بھی سوچئے ایسی چلتا پھرتی کون سی بیماری ہے جسے کرنے کی میں جب تک ہمت رکھتا سب سے نے مجبوری کی حالت میں ہی ذکر طور پہ کیا تھا۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ کتنے عرصے سے میں تو کسی کی تلاش میں خوار ہو رہا تھا حالانکہ پہلے سے ہی مجھے یہ روشن تھا کہ میری قابلیت اور تعلیم کے لحاظ سے مجھے جو ملازمت ملے گی وہ چچا حضور کو ناشکری ہوگی اور یہی ملازمت کی اجازت انہوں نے طوعاً کرہاً مجھے دی ہے۔ کم از کم مجھے اس زندگی میں تو قبول نہیں کر سکتی تھی۔ آخر میں کوئی معمولی بیانیے شوہر کیا کاروباری رہا تھا اور مجھے یقین تو نہیں امید ضرور تھی کہ چچا حضور کو اس پہ کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر کبھی پہلی انہوں نے ایسا چاہا کہ اعتراض کیا بھی تو بعد میں یہ دیکھ کر دور ہو جائے گا کہ اس کام کے کرنے سے ہمارے خاندانی وقار کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچ سکتی۔"

"بہت خوب یہی تو دھوکا ہے جو تمہیں دے رہے ہیں، ڈرائیوری ہے اور آپ کی اس تعلیم اور نوع موم حرکت سے بڑھ کے تکلیف دے رہی ہے۔" وہ بلبلا گئیں۔

"یہ کیا حرمت النساء آپ نے۔ آپ ہی ہیں جو ہمیں صحیح سے یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ صاحبزادہ نے جو کچھ کیا اور کہا اس پہ وہ نہ صرف شرمسار ہیں بلکہ معافی کے طلب گار بھی ہیں۔ اور آپ دیکھئے اب بھی ان باتوں میں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔"

"جی حضور! آپ سمجھ نہیں سکیں یا شاید میری کوتاہی ہے کہ میں سمجھا نہیں سکا۔ میں اپنے کاروبار کے متعلق ذکر کر رہی تھا۔ چچا حضور کو ہمیشہ اس بات پہ اعتراض رہا ہے کہ میرے جن فوٹو پیادہ چار روپے کی خبر میں بیٹھنے سے عزت پہ حرف آتا ہے تو میں نے پہلے طے کر لیا تھا کہ ایسا کوئی کاروبار کیا جس شروع کروں گا جس سے ان کے اصول پہ زد نہ پڑے کوئی گزند پہنچے حالانکہ کم سرمائے سے اور تھوڑے پیسے سے ایسا ہی کام شروع کیا جا سکتا تھا پھر بھی بہت سوچ سمجھ کے میں نے فیصلہ کیا کہ فسٹوں پہ فوٹو اسٹیٹ مشین لے کر ایک چھوٹی سی دکان کرائے پہ لے لوں۔ مارکیٹ میں سامنے ہی ایک اسکول، ایک کالج اور نزدیک ہی ایک کمپنی بھی ہے ایسے میں فوٹو اسٹیٹ کا کام خوب چلتا۔ ساتھ ہی میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی مدت بھی حاصل کر لیا تھا۔ ان کاموں کے لیے مجھے کچھ وسائل کے میری کافی مدد کی۔ مگر میں بھی اسی خاندان کا حصہ ہوں، میری رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا ہے۔ میری خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اخلاقی اور تعلقاتی قدر کے بنا ان سے مالی مدد بھی حاصل کروں چاہے وہ قرض یا ادھار ہی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ کاروبار کا کوئی بھروسہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں یہ کام چل جاتا اور میں مقررہ وقت تک رقم لوٹا نہ کر پاتا لہٰذا میں نے کیا چچا حضور کے لیے امر زیادہ قابل برداشت ہوتا کہ حویلی کے دروازے پہ لوگ قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے آتے۔"

صاحبزادی خلعت النساء پوری توجہ اور خاموشی سے اس کہانی سن رہی تھیں جب تک انہوں نے واقعات کی تھی اور صاحبزادی حرمت النساء اور یاسمین تو ویسے بھی خاموش تماشائی کی طرح جان بیٹھے کے مذاکرات دیکھ رہی تھیں اس لیے عصمی موقع غنیمت جان کر ساری تفصیل دہرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی والدہ ہی بات صاف کر لیں تو سمجھو آدھے سے زیادہ کام ہو گیا پھر صاحبزادہ تھیں بھی جان کر بھی جانے میں دیر نہ لگتی۔

"دوسری طرف یہ کام بھی صرف سرمائے کی کمی کی وجہ سے میں انتظار میں نہیں چل سکتا تھا۔ مجھے اپنا آپ ایک بے کار وجود کی طرح لگتا تھا۔ ایک کمی کھائے ہوئی طرح۔ مجھے لگتا خود سے زیادہ کمتر لگ رہا تھا۔ آپ تصور نہیں کر سکتیں کہ میری ذہنی حالت کتنی ابتر ہو رہی تھی۔ مجھے ہر جگہ میں خود کو تباہ

ہونے سے بچایا تھا۔ کسی دن میں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے بسی کی انتہا پہنچ کے خود کشی کر لیتا یا اپنی روپوش والی زندگی حالات کی وجہ سے باقی دن کھو بیٹھتا تو کیا اس سے نواب خاندان کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔"

وہ دلیل کے دو ٹکڑے ان کے سپاٹ چہرے پر پھینک کر خاموش ہوا۔ وہ زیر لب قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے اس پر پھونکیں مارنے لگیں۔ عصمت نے ان کے ہاتھ چوم کر پیشانی سے لگا لیے۔

"مگر ابھی میں اتنا کمزور نہیں پڑا تھا یاں کیسے آپ کی دعاؤں کی وجہ سے اندر کی ذات کریں نے مجھے خاص کرم کیا اور چند لوگوں کو وسیلہ بنا کر مجھے تک پہنچا جو میرا ہاتھ تھام کے راستہ آسان کرتے چلے گئے۔ میرے ایک دوست کے والد نے مارکیٹ میں ایک چھوٹا سا پلاٹ دلایا تھا اس نے اپنے والد کو صفات دی اور وہ فیصد سیکورٹی کی رقم اور ایڈوانس کی ضمانت آسان اور قابل قبول کرا کے دی۔ تب مجھے پکانے پڑے تیار ہو گئے ایک اور کالج کے دوست نے اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے مجھے اپنی ضمانت پر پی۔ او کا رسٹ دلایا۔ ایک واقف کار نے اپنا لیکسی لان مجھے گھنٹوں کے لیے مجھے دی منظور کر لی تاکہ میں محنت سے کما کر کار کا لان چلانے کے لیے بنیادی چیزوں کی خاطر رقم جمع کر سکوں۔ ڈھائی تین ماہ ہو چکے تھے۔ اور اب تو سنبل سے مدد قریب تھی۔ مجھے زیادہ نہیں صرف پچاس ساٹھ ہزار کی ضرورت تھی اور شاید اگلے ویک ایڈ پر جو میرا پروف پورا ہو جاتا کہ میرے اس مجبوری میں اٹھائے قدم کی خبر سب کو ہو گئی۔ لیکن میرا یقین ہے میں نے تو کبھی چچا حضور کی بلی آزاری کرنے کا سوچا نہ ہی مجھے کسی بلی کرنے یا ان کے مقابل آنے کا شوق رہا ہے۔ میں صرف اپنے تشخص اور بقا کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اور اس جدوجہد میں بھی اپنے طور پر میں نے پوری کوشش کی کہ میرا ہاتھ غلط جگہ نہ لگے مگر میں اپنی پیروانت اور بادانستہ جسارت کی معافی آپ کے پیروں پر سر رکھ کے مانگ رہا ہوں۔ میں چچا حضور سے بھی معافی مانگ لوں گا۔ مگر پہلے آپ کے پاس صرف اس لیے آیا کہ کسی الجھن ان کا سامنا کرنے کی کچھ میں ہمت نہیں۔ آپ کا ہاتھ سر پہ ہو تو شاید میں خود کو اس قابل سمجھ سکوں کہ ان کے آگے معافی مانگ سکوں۔"

اس کی جھکی ہوئی آنکھوں سے دو آنسو ان کے چہرے پر بہہ گئے کہ گویا ساری رات پگھل گئی ان کا ہاتھ عصمت کے سر پر تھا۔ اس نے اپنا سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھیں مگر ان کی مسکراہٹ میں ایک درد تھا۔ ایک بے بسی تھی جو عصمت کو کھل کر مسکرا نہ ہونے دے رہی تھی۔ یقیناً وہ سنا کے ہاتھوں مغلوب ہو کے اندر ہی تو اس کے لیے نرم کر چکی تھیں لیکن ان کا دل ابھی سوچ کے اصول اب بھی عصمت کے لیے لگے بندھے اکر نہ تیار تھے۔

"کس کس بات کی معافی مانگیں گے آپ صاحبزادے عصمت"

"ہم سے تو آپ نے اپنے اس عمل کی وضاحت کر دی جو اس معاملے کی بنیاد تھا لیکن اپنے چچا حضور سے آپ نے جو بدکلامی کی ان کا دل دکھانے کے مرتکب ہوئے ان پہ بے بنیاد الزامات کی جو چھاڑ کی سب کے سامنے انہیں شرمسار کیا ان کی عزت و قار کی خدا برابر پروا نہ کرتے ہوئے ان کی نیت تک پہ شک کرنے کی جسارت کی۔ عصمت میاں ان سب کی معافی آپ کیسے مانگیں گے؟ آپ کا یہ جرم تو اتنا بڑا ہے کہ ہم تو آپ کی سفارش تک کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ آپ کو یہ گناہ خود ہی معاف کرنا ہے۔"

انہوں نے مدبرت کا ہار کر دی۔ عصمت کے لیے تو فی الحال اتنا ہی بہت تھا۔ باسمین چونکہ منہ پہلے خاموش کے کرے سے نکلی تھیں "اتنی ہی خاموشی سے اندر آئیں کو گویں ہی اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سوتیا ٹرے اٹھائے آ رہی تھی۔ اس نے نانی حضور کی خیریت دریافت کرنے کے بعد ٹرے ان کے سامنے رکھی۔ اس میں کپ تھے پیالی چائے کا کپ چینی نمکین بسکٹ اور دودھ سویوں کی پیالی تھی۔

"عصمت نانی حضور نے تو صبح ناشتا ٹھیک طرح کیا نہ ہی دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس وقت کھانا کھانے کی عادی نہیں ورنہ رات کو عمر حد کی کمزوری کے بعث طبیعت خراب رہے گی اس لیے چائے کے ساتھ پلیز انہیں کچھ کھلا دو۔"

سوتیا نے بے حد دھیمے لہجے میں اس سے کہا تھا۔ عصمت نے سر ہلایا اور دودھ والی سویوں کی پیالی اٹھا لی۔

* * *

"نانی حضور کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہیں عصمت۔"

انہیں جانے کے ساتھ ہلکی پھلکی غذا کھانے کے بعد جب وہ باہر آیا تو سوتیا باتھ میں دودھ کا لیے اس کی منتظر تھی۔ دالان کی سیڑھیوں پہ بیٹھ کے دھلتی شام کے سائے تلے اکٹھے چائے پیتے ہوئے گفتگو کرنا دلوں کا سالوں سے معمول تھا جس میں پچھلے کچھ عرصے سے تسلسل سے ایک ترمیم سی آ گئی تھی جس کی وجہ یقیناً عصمت کی بڑھتی ہوئی مصروفیت تھی۔ اس کے باوجود اب بھی جب وہ شام کی چائے کے لوازمات کے گھر ہوتا تو اسی معمول کو پورا کیا جاتا۔

"مجھے ہاں بات ان کی بھی ٹھیک ہے مگر مسئلہ صرف تمہاری اس حرکت تک ہوتا تو اس معاملے کو دبانے کے لیے تمہارے یہ دلائل اور وضاحت کافی تھی جو تم نے ابھی اندر دیئے ہیں یا چچا حضور مطمئن نہ ہوتے تو کل نہ ہوتے۔ کسی نہ کسی حد تک سمجھوتہ ہی کر لیتے۔ لیکن تم سمجھ کر کرتے ہو۔ یہ فائدہ ہونے پہ آئے تو فی الحال مجھے ساری کہانی نکال کر رکھ دو۔ تمہیں پتہ اندازہ بھی ہے کہ تمہاری یہ عمل فضائیں تمہارے اور ان کے درمیان کتنی بڑی خلیج حائل کر گئی ہیں۔ اب تم چاہو بھی تو نہیں بات نہیں کر سکتے۔ اسی لیے سیانے کہتے ہیں کہ زبان پہ قابو میں رکھنی چاہیے۔ زبان سے نکلے تیر اور زبان سے نکلے الفاظ کبھی واپس نہیں آتے۔"

"کیا کروں مجھے آج تک کوئی بیانا کر پایا نہیں۔"

"سیانی سے تو دن رات کا تکرار رہتا ہے لیکن یہ گھر کی مرغی دال برابر۔"

"یار کیا تمہارے پاس بھی کوئی حوصلہ افزا نہیں مجھے دینے کے لیے۔" وہ خاصا خوار ہوا تھا۔

"کیا کہوں کل تم رات نکال کر اندر جو آیا حضور تمہیں لگے لگا کر شاباش دیں گے۔ یا کسی اپنے متعرف کے بارے میں جو ان کی جانب کر نے سے ان کی پیروانت سے کل کا سارا واقعہ سمجھ آتی تمام تر جزئیات کے محو ہو جاتے۔"

سوتیا نے اس سے رہ کے جزئیات کا مطالبہ کیا۔ عصمت چند لمحوں تک اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر اس پہ بس نہ چلا تو تنگ زور سے بیٹھ گیا۔

"کس قدر کوس جانے کا ہے تم نے ترجمہ۔"

سوتیا نے رخ پھیر کے بے ساختہ در آنے والی مسکراہٹ کو چھپایا پھر دوبارہ خود ساختہ سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

"اور کس قدر کوس گنجائش تھی تم نے کل۔"

"سوتیا کچھ اپنے چچا حضور کے لیے بھی ہو کے رکھو۔" عصمت نے بے حد تحمل سے کام لیتے ہوئے سوتیا۔

"ساری اصلاحات اور طعنے — تم استعمال کر لو گی تو وہ کیا کریں گے؟"

"اور یہ دلیل ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے اپنا ہاتھ استعمال کریں گے۔ تو انہیں کر رہی ہے۔"

"ہی کہہ چکے ہیں۔" عصمت نے سر جھٹکا۔

"اگر اگر تجھے عصمت بالیش میں آ کر بند تیری کر ہوتی تو میں تب کر جب انہوں نے سارے خاندان کے سامنے میرے حق میں فیصلہ دیا تھا لیکن یقین کرو سوتیا مجھے اس وقت بالکل یہ انہیں لگا تھا۔ ان کی ڈانٹ ڈپٹ نہ تھپڑ مارنا نہ کچھ اگر وہ خاموش رہتے کچھ نہ کہتے تو تشویش کی بات تھی۔ مجھے تو ندامت تھی کہ میری وجہ سے انہیں کتنا شدید جذباتی صدمہ پہنچا ہے۔

جب ان کے اندر کا طنز تھپڑ کی صورت میں باہر آیا تو مجھے کسی قدر اطمینان ہوا تھا کہ چلو اب طنز جو اپنے اندر کا غبار نکال رہے ہیں۔ اس میرے اندر کا غبار تب نکلا جب انہوں نے اچانک میرے بھائی کا ذکر شروع کر دیا۔

میری کمی کو لیکن اب بھی جب وہ اس شخص کی بے حد تعریف کرنے لگے جس نے پچھلے کئی سالوں سے میری بہن کی زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔ میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔

"مگر ممانی! مگر عصمت! خود تشفی رکھنے سے زندگی مشکلات سے پاک ہوتی ہے۔"

"اور تشفی تو آتا ہوں اور آمیاب بھی ہو جاتا ہوں۔ پھر جانے کیا ہوتا ہے سارا غصہ ایک دم ساتھ سے نکل جاتا ہے۔ کیا کروں نہ میرے بس سے باہر ہے۔ نہ میرے اندر غصہ دبا رہ سکتا ہے۔ بھی بھی بہت میں کسی جذبے کو پوشیدہ رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔"

اس کے لہجے میں واقعی بے بسی تھی کہ سوتا جواب میں کچھ کہہ نہ سکی۔ جب باپ جاسمن کے دوست بیٹے کھلونوں میں پلٹ کے آنے پر بیٹھی کو دیکھنے لگی۔

"مسٹر" اس نے سرگوشی کی تھی۔

"ہوں۔"

"اس کا رد عمل کیا تھا؟ بہت غصے میں ہوگی کہ میں نے بیٹا حضور کے ساتھ۔"

"عصمت آپ اس کا غصہ بیٹا ملال اگر اطمینان سب کو اس کی ذات کے حوالے سے مخصوص ہو گیا ہے۔"

موتا نے سنجیدگی سے اسے بار کرایا۔

"اس گھر میں کیا ہو رہا ہے اچھا ہے برا۔ خوشگوار یا ناخوشگوار۔ وہ اس بات کے پیچھے رہنے کی وجہ سے اسے دیکھنے پہ مجبور تو ضرور ہے مگر ایک تماشائی کی طرح۔ کل جو کچھ ہوا وہ کل کے لیے کسی تماشے سے زیادہ نہیں تھا۔ صحیح ہوا یا غلط۔ یا حضور اپنے غصے میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ گھر کے ماحول میں پیدا ہونے والی اس کی قابل غاظہ کیا اثر ہوا ہے۔ ان سب باتوں سے اس کا اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ وہ صحیح یا غلط کرنے کے بعد معمول کے مطابق گھر سے نکل گئی تھی۔"

"آتش تھی ہوگی۔"

"نہیں۔ آج اس کا ذہن تھا شاید حلی کی طرف یا شاید کسی اور دوست کے بارے۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔ دل کا بوجھ تھا کہ ہلکا کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

"ہائے اللہ!" جیسے پر نقش اور منقش ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے کا گل مہر کا پہلا اتفاق تھا۔ اس نے اندر داخل ہونے سے پہلے دست واقع ایک نظر ڈالی۔ وہ بے ترتیب وقت نے تھیں منٹ کیے تھی اور یہ معمولی سی تاخیر بھی وہی کی واقعہ کوشش کا نتیجہ تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وقت پہنچ جانے کی صورت میں اسے اکیلے بیٹھ کے بالی سب کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اس تصور سے ہی وہ گھبرا گئی تھی۔ ارادہ تو یہ تھا کہ کم از کم گھنٹہ بھر تاخیر سے پہنچے گی مگر ایک اور اور اسے گلہ تھا کہ کہیں یہ تاخیر ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔

اس کا ہاتھ اور دست نکالا۔ بال میں شہزاد ملک کو شاید کے چند اور لوگوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ گل مہر کے علاوہ اس وقت اور بھی کئی تھی۔ یہ اضافہ تھا کہ وہ اندر داخل ہوتے ہوئے گل مہر نے دیکھا کہ اس کے اچانک پڑنے والی شہزاد ملک کی نظر ایک دم کا اطمینان اور کچھ پانے کے احساس سے بھر گئی تھی۔ یہ تاثر اتنا واضح اور بے ساختہ تھا کہ گل مہر کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرس کو اپنا کر گرفت اور مضبوط کر لیا۔ شہزاد اسی کی پذیرائی کو آگے بڑھا۔

"ہیلو۔" بڑھتے ہوئے سر۔ "اس نے قریب آتے ہی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بوکے کے آگے کیا۔ شہزاد نے ایک نظر اس کے گلے میں معطر ہوتے والی دوسری نظر اس کے نازک ہاتھوں پہ۔ خوشبو اور گلابی بوکے رنگ کا رستہ تھامے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا دیا۔

"کہتے ہیں تحفہ لینے والے سے زیادہ دینے والے کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔" اس نے پھول تھامتے ہوئے کہا اور گل مہر کی استفہامیہ نگاہوں کے جواب میں مزید وضاحت کی۔

"تحفہ تو آپ کے حد حسن کے لائق ہے۔ اور اس میں بھی آپ سے بھری ہوئی ہے آپ کو نظر میں رکھا ہے۔ چیزوں تو آپ کے شایان شان تھی۔ آپ کے اندر اور باہر سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہوئی۔"

اس نے گل مہر کے سفید سلوٹی، سادہ وقار لباس میں چھپے گلابی نرم نازک وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے بلکے رنگوں کا انتخاب اور لباس کی سادگی اس کا اپنا معیار تھا۔ اس میں وہ اس کیلئے رنگ کے لیے بھی ترتیم کرتے پہ تیار ہوئی کہ بیٹھ سادگی سے آتش آنے والی ماجزادی۔ گل مہر خانم اچانک جو نکاح دینے والے حلیے میں سب سے الگ نظر آئے۔ اسے مصنوعی سادگی اور آرائش کے ذریعے خود کو ابھارنے کی نہ تو ضرورت تھی نہ ہی عادت۔ اس وقت بھی بغیر کسی الجھاوے کے وہ اس کے اس بے حد سادہ نرم خوش رنگ والے سفید کلف لگے شلوار قمیص میں اس پوش ایریا میں واقع اتنے مشہور ریسٹورنٹ میں بیٹھ کے بالی اینڈ کرنے چلی آئی۔ لیکن اسے اندازہ نہ تھا کہ اس سوسائٹی میں۔ بھی اس کا حسن اس طرح شلوار قمیص جیسے روزمرہ اور تکلف طبیعت والے شخص کو پکارے گا۔ دیکھتے ہوئے اندازہ میں اس کا بدلا ہوا روپ دیکھ رہی تھی۔

شہزاد ملک کو شاید خود بھی احساس ہو گیا اپنی بے خودی کا۔ اس نے سنبھل کے اپنی نظریں سفید صوفوں کے اسکاف میں لیے گل مہر کے دیا بار چہرے سے ہٹا کے اس گلدستے پہ مرکوز کر لیں جس میں سفید پھولوں کے درمیان سے چند گلابی کلیاں سرنکال کر اپنی موجودگی کا بھرپور احساس دلا رہی تھیں۔

"ایک دو منٹ ٹھیک ہو رہی ہیں فائنل کیجئے فل گفٹ۔"

"جیسی مرتبہ ذرے سر۔" عقب سے مسز راشد بھٹی کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ ان کے ساتھ مس ویرونیکا بھی تھیں۔

"ہیلو گل مہر۔ ہماری پارٹی کو شروع ہونے کے لیے آپ تین معزز خواتین کی منتظر تھا۔ جانے وہ اور کتنی دیر گل مہر کا راستہ ہو گا۔ مگر اب ہو گا کہ ان دونوں کے آنے پہ اسے انہیں لے کر آگے بڑھنا پڑا۔ گل مہر کے ساتھ بھری ہوئی اس کے اندر کوئی مشکل جیسے جل اور بجھ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہو۔

کوئی بہت ہی غیر متوقع بات۔

کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ۔

وہ ابھی سوچ رہی تھی۔

یہ بہت سلجھے ہوئے لوگوں کی ایک رنگ تھی۔ نہیں انجوائے کرنا شور شرابا تھا نہ ہی ایسی کوئی ہنگامہ آمیز۔ سب ہی ایک دوسرے سے مہذب انداز میں خوش گپیاں لگا رہے تھے۔ خواب ناک دلنشینی والے ماحول میں خوشگوار ٹھنڈی تھی فضا میں آتو پھولوں، ایئر فریشنر اور مختلف لوگوں کے ملبوسات سے پھوٹتی مختلف نوعیت کی خوشبوئیں تھیں۔ بس مغربی کی بہت پرانے گرے جدید رومانٹک انگلش گیت کا دور کشمیرا جیسے سروں میں گونج رہا تھا۔ اس کے ہوتے گل مہر کو گھٹن سی محسوس ہوئی۔ اسے اپنا آپ بہت کھلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"شاید میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس ماحول میں فٹ نہیں ہو رہے۔" اس نے سوچا۔

"آپ نہ آتش تو لگاں کی کمی رہ گئی۔" شہزاد ملک نے اس کے بالکل نزدیک آ کے کہا تو وہ بری طرح چونک اٹھی۔

"کیا واقعی یہ بات سوچ رہے تھے یا یہ خیالی بات ہی تھی۔" وہ کشمکش میں پڑ گئی۔

"بیٹھیے۔" سوائے آپ کے کسی اور نے ابھی تک تمہاری کا اظہار نہیں کیا۔" اس نے سامنے کی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا جہاں خوبصورت دیوار میں لپٹے ڈھیر سارے گلدستے کے درمیان دو کے

ایک شان سے رکھا تھا۔

"آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں۔ آیئے سب کے درمیان آئیں۔" اسے میں ویرونیکا نے بھی آ کے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ انکار نہ کر سکی۔

دو اور مسز راشدہ بھی اس کے علاوہ کل ملا کر پرنسز ہاؤس کی لیڈیز اسٹاف پر کن تھیں۔ مسز راشدہ بھی چالیس کے پیٹے میں ایک خوش اخلاق، ملنسار اور شادی شدہ اور بال بچے دار خاتون تھیں جو کوئی بھی مصنوعی زیب و آرائش نہیں کرتی تھیں اگرچہ مہنگے اور انتہائی قیمتی ملبوسات پہنتی تھیں مگر سر پر حجاب اوڑھتی تھیں۔ ویرونیکا ایک سعادت مند اور خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کی عمر اکیس برس کی ہوگی۔ اس کی ماں کی نسل سے تھی جو اس کی ماں کی طرح ہی خوبصورت تھی۔ اس کی ماں کی طرح ہی اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ اس کی ماں کی طرح ہی اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ اس کی ماں کی طرح ہی اس کی آنکھیں سبز تھیں۔

"مگر آپ لوگ کب کاٹ رہے ہیں؟"

"ہمیں ابھی کچھ دیر نہیں ہوگی۔ آپ لوگوں کے اصرار اور فرمائش میں نے یہ اپنا اسپیشل ضرور کر لیا۔ آپ اپنے پاس دو کیک جو ہیں تو منظور کر لیں۔ لیکن ایک تو ہے۔ تین دو کیک گزارنے کے بعد موم بتیاں پھونک مار کر ایک کاٹنے پر ہم سمجھتے ہیں۔ خیر ہمیں ملتا کیوں؟"

"ایک کے بغیر تو ہم نہیں جانتے؟"

"آپ لوگ ایک کھائیے ضرور کھائیے اپنی بھرے کھائیے۔ ایک نہیں تین مختلف طرح کے کیک رکھوائے گئے ہیں لیکن کاٹنے کا شرف آپ لوگ خود ادا کیجئے۔" اس نے بال کے اس طرف چلنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا جہاں ڈائنگ کے انتظامات کئے تھے۔

"آپ کچھ نہیں لے رہیں مس گل مرکہ؟" ایک اچھے میزبان کی طرح "تقریباً" سبھی مہمانوں سے یہ روایتی جملہ کہنے کے بعد اس کی طرف آیا تو واقعی کب سے پلیٹ میں موجود اور بلکہ کلکس کو کاٹنے کی مدد سے ذرا ذرا کھا رہی تھی۔ ایک کافی بھی جوں کا توں موجود تھا۔ وہ مسکرا کے رہ گئی۔

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں مس گل مرکہ!" کچھ وقت بعد وہ پھر اس کے سامنے تھا۔ اب وہ بدل سے چائے کے سپ لے رہی تھی۔

"نہیں سر! پریشان تو نہیں۔ اس کچھ فرسٹریٹ ہو رہے تھے کہ شام گزری ہو چکی ہے۔ یہاں سے کوئیس پر البم کا بھی سامان کر پانے کا۔ ہم لیکن ہو آتے تھے جب پتہ نہیں یہاں کوئی ٹیکسی ملتی ہے یا نہیں۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ لیڈیز کو کوئی نہیں۔ اسٹاف کے ان ارکان کو بھی پریشان ہو سکتی ہے جن کے پاس اپنی کوئیس نہیں کیونکہ ایسے کے اس سرے پہ جانے اس ریمونٹ کے آپ پاس تو کل سواری کا ملنا مشکل ہی تھیں لگاتی ہے۔ میں نے اسٹاف وین کا انتظام کر رکھا ہے۔ آپ اسی طرح جائیں جیسے روز آفس سے واپسی پہ وین آپ کو ڈراپ کرتی ہے۔"

"لیکن سر! آپ نہیں جانتے کہ اس آفس وین کا روٹ کیا ہے۔ ہم جس علاقے میں رہتے ہیں وہ اس روٹ کے آخری سرے پہ ہونے کی وجہ سے ہم روزانہ ہی سب سے آخر میں ڈراپ کیے جاتے ہیں۔ آفس ٹائم ہونے کے بعد اگر وہ ہمارے گھر سے آفس تک کا راستہ میں کوئیس سٹ کی ڈرائیو ہے مگر ہم اپنے گھر پہنچتے ہیں جب ڈیفنس سے یہ فاصلہ کتنا طے کرے گا۔ بس اسی لیے۔ سر جانی اور کوئی چارہ بھی نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"نہیں خیر مجھے تو یہ ہے کہ میں آپ کو ڈراپ کر دوں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"اعتراض تو نہیں مگر مناسب نہیں لگتا۔ ایک تو ہمیں اس کی اجازت نہیں دوسرا اس وقت سارا اسٹاف یہاں موجود ہے ہم کسی قسم کی قیاس آرائی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"آپ کی بات درست لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں آپ سے اکیلے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ سوچا تو یہ تھا کہ یہ بات شاید اس پارٹی کے دوران ہو جائے لیکن اس کا موقع نہ مل سکا۔"

"ہم سے کیا بات کرنی ہے آپ کو۔" اس کی پیشانی پہ شکن نمودار ہوئی۔

"آپ پریشان مت ہوں خاص کچھ نہیں۔" وہ گڑبڑا گیا۔ "رعب حسن کا کچھ ایسا ہی تھا۔"

"سر! ہمیں عادت ہے الگ تھلگ رہنے کی۔ آپ پلیز پارٹی انجوائے کیجئے۔ ہماری فکر نہ کریں۔" اب گل مرکہ کچھ گھبراہٹ ہونے لگی۔

"میری اپنی عادت بھی کچھ ایسی ہے۔ محفل میں جی جلد اوب جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلقات یا موقعے پہ بھی برس کی وجہ سے مجھے مجبوراً پارٹیز میں جانا پڑ جاتا ہے تو ایسے میں خود کبھی پارٹیز ارینج نہیں کرتا ہوں۔"

"تو کیا یہ سب؟"

"محفل تو مجھے پسند ہے منانے کی عادت نہیں۔ مگر یہ اسی کو صبح سویرے رات کرتے ہیں کہ اس سے بہتر تحفہ ہے میری پسند کا کھانا اسی پلیٹ میں ہے اور بس۔ مجھے قریبی دوستوں تک کے ساتھ اس دن کو منانا پسند نہیں۔ ضرور یا اس یہاں سب کو اکٹھا کرنے کا سوال۔ تو اس کی ایک وجہ تھی۔" رانا تھا کہ کر کل مرکہ نے اس کی بات پوچھا کہ وہ وجہ کیا تھی؟ اس کے اندر جلنے بجھنے والا مشعل اب پوری طرح روشن تھا۔ وہ عزت کے دل اور تہذیب جنگلوں کے ساتھ خود کو سنبھالا رہی تھی کہ ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ اسے لگ رہا ہے۔ شہزاد ملک جیسا مسند ندو شخص اس پہ ایسا طریقے سے گھیرنے کی کوشش ہرگز نہیں کر سکتا۔

"وہ دراصل تھی میں گل مرکہ میں۔" باس باس "جلیلے تک سا آتا تھا۔ اب میں ایک عام شخص کی حیثیت سے دوستانہ انداز میں تم سب کے سامنے آنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرا یہ اقدام اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ تم سب کو دیکھو اور چاہتا تھا کہ اس نے حسین آئینہ کے چہرے پہ نمودار ہوتے ملی طرح سے اسے بات بدلنے پہ مجبور کر دیا۔ گل مرکہ نے مشکل مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

مسز راشدہ یعنی اپنے ہسبینڈ کے ساتھ تلی تھیں۔ وہ ان ہی کے ساتھ والیں تھیں۔ ویرونیکا پلیٹ ڈیپارٹمنٹ کے صدر نعیم کی ہی بلند تک میں رہتی تھی۔ اسے صدر کے ساتھ جانے میں زیادہ سہولت محسوس ہوئی۔ مجبوراً گل مرکہ شہزاد کی آفر قبول کرنا پڑی۔ یہاں سڑکوں کے درمیان اکیلی شخص کے ہوتے ہوئے تک سفر کرنے سے بہتر تھا کہ وہ شہزاد کے ساتھ ہی چلی جاتی۔ یہ اتنے کم عرصے میں حصل بنا سی تھی کہ وہ کچھ جانتے تھی تھی تک ان گیارہ میں سے چھ سات ایسے تھے جن سے گل مرکہ کا سامنا تک نہ ہونے کے برابر تھا۔

○ ○ ○

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ یہ دن جو میرے ہیں یہ راتیں جو میری امانت ہیں
یہ گیسوؤں کی گھنی چھاؤں ہے میری خاطر
یہ ہونٹ اور یہ آنکھیں میری امانت ہیں

باہر ہواؤں میں ملی بے اختیار گنگنا اٹھا۔ ایک قوتوں بھی وہ اور خواہش وہ ہاتھوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا شخص تھا اور وہ سراپہ کے سامنے اس وقت وہ جو تھا جس نے عرصے بعد باہر کے اندر کے عاشق کو جگا لالا تھا اور وہ خیر عاشق بھرپور انگڑائیاں لے کر نہ صرف بیدار ہو رہا تھا بلکہ ہاتھ سے نکلا بھی جا رہا تھا۔

اور اس کی گنگناہٹ سن کر وہ اچانک سے چونک اٹھی۔ اس کا ہوش ہوا نظر تھی وہ قدرے مطمئن ہوئی۔ اس شخص سے پہلے بھی اس کا وہ تین بار سامنا ہو چکا تھا۔ اگرچہ وہ اس کے حدود اربعہ سے تو واقف نہیں تھی لیکن اتنا اندازہ تھا کہ وہ بھی ہے ملک مقبول کا خاص بندہ ہے۔ اسی لیے وہ ملک کے خوف کے دوران ہی اس نے خلوص ہوا تھا۔ وہ اسر سری سی ملاقاتوں میں اس کے بارے میں کوئی رائے تو قائم نہیں کر سکتی تھی البتہ کبھی

بھی ناگوار سمجھ کے الجھن پیدا کرنے والا۔ جب یہ زبان انسان کم از کم ان حریص نظروں اور غلیظ ذہنوں والے لوگوں سے سرعام سمجھ تو خاصی بگھلوا۔ اس نے دیکھے تھے جو ہر گانے والی عورت کے بارے میں یہ سوچ کے یہاں آتے ہیں کہ وہ پیسے خرچ کر کے صرف اس کی تو ہوتی نہیں سب کچھ خرید سکتے ہیں۔ ایک دن نہیں اور بھی تھیں جو ناگوار اشیا کو نظر انداز کر کے اپنا وار اپنے کھیے کا بیٹھ پل ہی تھیں۔ ان میں ناگوار کا اس کی طرح حالات کی ماری بیٹھے کو انہوں کی بھی تھیں۔ کوئی بازار سے بھی تعلق رکھتی تھیں مگر اپنی تو ازاد اور ادا سے زیادہ کچھ بیچنے رضامند نہیں تھیں لیکن یہاں جو کاٹ آتے وہ بل بھی اپنی مرضی کا منتخب کرتے اور قیمت بھی اپنی مرضی کی لگاتے۔ ایک بار ایسے ہی کسی امیر سیٹھ نے ڈانس چاہا کو گھیرنا چاہا تو وہ بل کے بھولی تھی۔

مہینے کی جمعہ کو کھانا تیار کیا ہوا تھا۔ میرا ایک باغ خراب ہے تو رات بھر جاگ کر گرمی سردی کی پرواہ کیے بغیر اپنے پیر تڑوا کے کئی گھنٹے ناچتی رہیں۔ جو ذی بڑی ہو رہ سے بیچ کھتی ہے۔

تب ڈانے بڑی حیرت سے پوچھا تھا۔

"چھپا لوگ تو تجھے ناچنے والی ہی سمجھتے ہیں۔ بازاری عورت ہی کہتے ہیں پھر تو اتنی احتیاط کیوں کرتی ہے دنیا کو کیا پتہ تیرے احساس کا اگیا خبر زمانے کو تیری صدق کی؟" جب رات بھر گھر سے باہر رہ کر اپنی تو کسی کو کہاں تیری آہ ہو گا کہ ناچنے کی مجبوری کر کے کوٹھی ہے اور اگر ہاں بھی کہیں تو ناچنا کون سا عزت کی بات ہے اسے چھوڑیے کپڑے پہن کر تو ہزار کے مجمع کے سامنے آنکھ ملاتی ہے تو پھر یہ ڈھائی سو میں کیوں۔"

"یہ سوال تو کر رہی ہے لیلا؟" حیرت سے ناچنے والی کی عزت کیوں تو گانے والی کو کون سا لوگ سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر یہی تجھے کہوں کہ تیرے رات بھر ناچنے کھڑے ہو کر گانا گانے کی بجائے مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر کیا تو کیا کرے گی۔ اس کی بات میں پیسوں میں ڈھل میں ہو جاتی ہے کہ ان کی پچھلے عرصے راستے سے بے قرار کر کے میرا دل خوش تو نہیں ہوتا لیکن ڈھل میں ہو جاتی ہے کہ ان کی پچھلے عرصے راستے سے بے گزرنے کے بعد وہ سمجھتی ہے کہ اگر کم میرا دل میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

اور تو تجھ کو عرصے میں سب ادا تو بھی تجھے کہا تھا کہ اس ماحول میں اس سے نکلو۔ لیکن اللہ شخص اسے ماحول میں جھنا ہو رکھنے کے لیے بے چین تھا۔ گانے والی کو ناچنے والی کو اور بھی ذلیل کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ایسے میں یہ سر پھرا عاشق تو پھر بھی غنیمت تھا جو عقل دیا تھا۔ تھوڑوں کے طواف اور نثار ہو جانے والے اشعار تک محدود رہتا۔

"تاکے تیں چہرے پہ تو رہا۔ تیرے نکلے ہے خیریت ادا ہی؟" وہ اور نزدیک آیا۔

"بڑی بالکل خیریت ہے آپ سنائیں۔" وہ زمین پہ نور ڈال کے اس کا انتظار کرنے لگی۔ پتہ نہیں اس نے مجھے اپنا ہم کبھی بتایا بھی تھا کہ نہیں؟"

"بڑے کو بابو ہوں مغل کہتے ہیں۔" وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے فدویانہ انداز میں گویا ہوا۔

"آپ کو کب بھی دیکھا ہو کہنے کی بیا۔ یہ کھانا آپ کی اپنی پسند ہے یا کسی کی فرمائش؟"

"ایسی بات نہیں۔ لیکن ہر کسی کے ساتھ وقت گزارنے کے وقت کھانا کھانے کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اکیلے بیٹھا جائے۔ یوں بھی میں اکیلے ہی بھی "اکیلی" نہیں ہوتی۔ اور کوئی نہیں اپنا آپ تو ساتھ ہوتا ہے جب کہ بعض اوقات ایسی جگہ پر اپنا آپ بھی نظر نہیں آتا۔"

"واہ۔" وہ پھر گویا تھا۔

"کیا خوب صورت بات کہی ہے۔ آپ غزل سرائی میں بھی نہیں "غزل گوئی" میں بھی کمال رکھتی ہوں گی۔ کبھی کچھ شعر کہہ کے خود کو اتنا اپنا آپ سنیے۔" وہ ادا کی جانب سے لفظ ملتے پھیل کے جیسے گیا اور وہ جو تالا کی غیر موجودگی کی وجہ سے خفت آلود محسوس کر رہی تھی۔ خود کو باتوں سے بہلانے لگی۔ ایک نگاہ ادا کی تو بھی جو اس کی ایسی بے سود باتیں سن لیا کرتی۔ یہاں اور کون تھا جسے ادا کی "باتوں" سے غرض تھی۔ باقی سب کو تو ادا کی "ادائیں"

چاہیے تھیں۔

"میں بابا تو سمجھ سے ہیں شاعری کے ذریعے نہیں اور بہت سے راستے گزرے ہیں آزمائش کے۔" وہ اپنی مخصوص ادا کی میں غم کی آنکھ کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آپ ایک بار آزما کے تو دیکھیے ادا! مجھے امید ہے کہ آپ اس آزمائش میں سو فیصد پوری اتریں گی۔ آپ میں ایک حساس اور غزل شاعر کو کم خوبیاں کیے کیے ہیں۔"

"آپ شاعر ہیں؟"

"نہیں مگر شاعر شناس ضرور ہیں۔"

"یہی بہت ہے۔ کسی پیرے تو شناسائی کا ذریعہ ہے آپ کو صورت مگر گزر جاتی ہے لمحوں میں۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیا آپ کو بھی کسی کی تلاش ہے؟" وہ ذرا اور بے تکلف ہوا۔

"اور کیا آپ کو بھی؟" ادا نے جواب سوال کیا۔

"تلاش تو تمام ہوئی ہے۔" بابو نے اسے کہری نگاہوں کے حصار میں لے کر کہا۔ "اس آپ مرحلہ کوئی اور ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ کو بھی یہ میرا نام اچھا لگتا ہوا ہے۔ مجھے اجازت ہے۔" وہ اپنا ریشمی سر سرا آنچل لہراتی خفت سے سمیٹتے ہوئے اٹھی۔ بابو اس کے اٹھتے لمحے کو گھورتا ہوا تو ادا کو یہ انداز بڑا سالگا۔

"آپ سے بات کر کے اچھا لگا۔" اس نے جاتے جاتے کہا اور یہ حقیقت تھی کہ اس نے یہ فقرہ محض رسمی طور پر ادا نہیں کیا تھا۔ اپنی پہلی ملاقات میں بابو نے اس پہ ایسا تاثر قائم کیا تھا اور دوسری ملاقات میں تو وہ اسے ایک عیاش بھی ایسا شخص سمجھ رہی تھی لیکن اب اس سے تفصیلی گفتگو کر کے احساس ہوا کہ بے شک وہ ایک رنگین طبع اور خوش مزاج آدمی ہے مگر ہر حال اس کے ذہن میں پائے جانے والے دوسرے افراد سے مختلف بھی ہے اور بہتر بھی۔ یہاں اور کون تھا جو اتنی دیر کسی لڑکی کے پاس بیٹھ کے اتنی شرافت سے "صرف" گفتگو کرنے کی ہمت اور برداشت رکھتا ہو۔

وہ کسی جانتی تھی کہ بابو لیلا مغل نے یہ طبع کس لیے چھایا تھا۔ اس سے پہلے ایک اب دم کی بیداری میں اسے اپنے پاکر وہ اس پہ جال پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے ادا کے چہرے کے بگڑتے زاویوں اور ناگواری نے ناکامی کا احساس بھی دلا دیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں جو حسن کے تعویذ سے سن کر پگھل جاتی ہیں یا چند تحائف کے بدلے جھولی میں گر جاتی ہیں۔ اس نے ادا کی بردباری و ناگواری میں ایک فسردگی دیکھی تھی۔ اس کے اندر یہی میں ایک تلاش کو محسوس کیا تھا۔

اس عرصے ہو گئے بابو نے پتھر مارنے کی بجائے اس نے ہلکی ہلکی لہریں بنانا زیادہ مناسب جانا۔

اس تلاش کو ابھارنے کی بجائے اس نے دراست دینا مستقل خیال کیا۔

وہ جان چکا تھا کہ ادا کو کس چیز کی تلاش تھی۔ وہ جس ماحول سے تعلق رکھتی تھی اس سے ذہنی مطابقت رکھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے گھر کے کہے سے رہنے لگی۔ اس کا ذہنی معیار اپنا ہی پرکھ جس ماحول سے مطابقت رکھتی تھی وہ ماحول اس کے پس منظر سے میل نہ کھاتا تھا۔ اسے گھنٹوں میں گانے والی ایک بازاری عورت سے زیادہ مقام نہ ملتا۔ جبکہ وہ اس سے کہیں زیادہ کی مستحق تھی اور باہر ماحول مغل کے ہاتھ اس کی یہ کمزوری آئی تھی۔ وہ جانتا جا چکا تھا کہ عزت و مقام کی متلاشی اس لڑکی کو کس چیز کی تلاش ہے۔

بالآخر تو کسی چیز پہ وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں تھا۔ اب ادا کو اپنے پیچھے لگا تھا اس کی بھی ایک خوس تھی۔ وہ روپیہ جو ملک منتقل تھا جس نے کلیا اسے خوش بلوانے کا یہ کام سونپا تھا۔

"یہ زندگی دوست ہے باہر کا کہنا ایسے ہی آ جاتی کی زیادہ کرتا ہے جس کے پاس زمانہ ہی نہ ہو میرے بھی ہو اور وہ ہاتھ میں کتاب لیے وہ بھی ہو۔ مگر یہ لڑکی ہے کہ پیچھے ہاتھ نہیں رکھتی۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

"بیٹھ کر کیوں ہے اس کالے۔"

"ارے نہیں ملک صاحب۔ یہ بڑا کر کلایا آسٹم نہیں۔ کسی ٹیلنٹ کی بیٹی ہے۔ ہمارے پڑوسی میں رہنے کے بعد اب ایک دم کلفٹن میں منتقل ہوا ہے اس لیے اب تک اوپری اوپری سی لگ رہی ہے۔ عادت نہیں ہے۔"

"ہو جائے گی ملک صاحب عادت ہو جائے گی۔"

"اور اگر عادت گزر جائے تو ہو جاتی ہے۔ عمر کا کیا ہے۔ آج نہیں تو کل نہیں۔ ابھی بیٹا اچھے دنوں میں گیا ہے۔ بیٹا اچھا گزار آیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے۔ انہیں ایسا ہی آسٹم آیا ہے فیشن کے لیے لڑکی ذرا زیادہ ہی ماڈرن ہے۔ بول چال، چلنا پھرنا، اور ہر چیز ایسی ہے۔ ہمارا کلچر جدا ہے لیکن بڑے لوگوں کی محفلیں اور چیزیں مانگتی ہیں۔ ان کو صرف ٹیلنٹ کا آئیں نہیں ہوتا۔ نازک مزاج لوگ ہیں اس بات پر بھی بدک جاتے ہیں کہ قاصد نے پان کیوں ان کے سامنے نہیں لگائے۔ اپنے پاس تو کھڑے کر کے لگا دیا۔ شدید فرنگ ہو گئے ہیں یہ محفلیں سجانی آتی ہیں۔ لیکن اس کا بھی یہ حیرت انگیز ہے ابھی دیکھیں گے۔ یہ شو ہو رہا آسٹم لیکے آگے بار کا نٹر بک ہو جاتا ہے۔ دیر۔ نگاہ تو ضرور کھینچتا ہے۔ اس کا کچھ کمالی ہے۔ سب کو قابو کر لے گی لیکن ساتھ ایک ہی ہلچل تو ہے۔ کسی طرح ہوا رہا اتنی ہو جائے۔"

"اس کے باپ سے بات کرتے دیکھی آپ نے۔"

"ہاں کی تھی۔ پہلے تو یہ اٹھا کہ شاید خانگی آدمی کوئی اور کام نہ کر لیں لیکن میں نے تسلی کرائی کہ یہ شائق لائف ہے۔ ہاں اسٹیج پروگرام کے علاوہ خفیہ طور پر چند پرائیویٹ فنکشن کرنے پڑیں گے لیکن ان میں بھی سوائے ناچ گانے کے اور کچھ نہیں۔ تھوڑا لائٹ ڈیوٹی ہے لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ہی بات ضرور کرے گا ورنہ شاید ہی مانے۔"

"تو اب آپ ہمارے کیا چاہتے ہیں۔ جب وہ مختصر سے اپنے باپ کے کہنے میں نہیں تو ہماری تو ان سے واجبی سی سلام دعا تک نہیں ملک صاحب۔"

"اب یار تمہیں دعا سلام پیدا کرنی ہے اور پھر آگے بڑھنے میں بھلا تکلف رکاوٹ لگتا ہے۔ گھر گھر سے گھر لگ لڑکی کو تم محفلوں میں بلاؤ۔ میں لگا لیتے ہوئے تو پھر ٹھیک۔ کسی اولی بیٹھ سے تھوڑا سا بھسلا کے نوسنی کے چکر دے کر ان کو لے آؤ۔ پھر بھروسہ کرنے لگے گی تو تمہارے کہے ساتھ بھی چل پڑے گی۔"

"اچھے بھلا ہمارے کہنے پر کیسے چل پڑے گی۔"

"ہو مت یار۔ سفت میں تم سے آج تک کچھ کروایا ہے۔ جب کروایا ہے تو اب کروا لو گے۔ ہو جاؤ گے دو ٹکے۔ ہنگ پہ نو ایڈوانس۔" ملک مقبول نے ہزار کا ایک نوٹ آگے بڑھایا۔

"کام آج سے شروع کر دو۔"

"لیکن یہ کام وقت سے کا حضور دوستی ہوتے ہوئے تھے۔ ہی اور دوبھی جائے تو بھوتے ہی ہم ان سے ابھی ظاہر ہیں جائے کا مطالبہ تو نہیں کر سکتے۔ دوسرا "مدک جائیں گی۔ ہو جب جائیں گی کہ اتنا تو سب جانتے ہیں ہم آپ کے خیر خواہوں ہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ ہم انہیں اس سچ تو از خود سوچنے پہ مجبور ضرور کر سکتے ہیں کہ وہ آپ سے اگر اس شکل کی منظوری کا اعلان کر دیں۔"

اور اس نے بڑی ہوشیاری سے پہلا قدم بڑھا دیا تھا۔ اب وہ وہیں بیٹھا اپنی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا آسٹم تو ہو گئے دو منٹ ہو رہے تھے مگر وہ لڑکی نہ برآمد ہو کر نہ ہو گئی۔

"ملک صاحب ہی واپسی ہو گئی۔"

لیکن ہمارے سے وہ آسٹم لیکے کے اس کا انداز ملتا ہو گیا۔ اس کا لباس اور ہیئت اسلامک تبدیل ہو چکا تھا۔ شاید یہ تبدیلی اس لیے ہوئی۔ اسے وہ رحانی اور عمانی احترام کے لان کے سوٹ میں ملبوس سادہ سی چوٹی کو پیچھے رکھے ہوئے ہیک اپ سے بے نیاز چہرے کے ساتھ ایک خوبصورت بلا لگ رہی تھی۔ اس کا جیوانی تمام تر

دلکشی کے پیوند اور اس کا سلگتا ہوا تھا۔ یہ بے وجہ ہدایت کی۔

"دراصل مجھے نگاہ کا انتظار تھا۔ آج کے شو میں اس کی شرکت نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے اسے آنے کا کہا تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کہنے لگی اگر اطلاع ہوتا تو ضرور آتی۔ شاید زیادہ بیمار ہوا اس نے نہ آسکی۔"

"تو آپ انتظار کے لیے فکر مند ہیں۔ آپ کہیں تو آج کو ان کے گھر لے چلوں۔ ملک مقبول کی ذاتی گاڑی کی چابیاں ہیں میرے پاس۔"

"نہیں وہ تو کوئی خاص مسئلہ نہیں۔ میں کل فارغ ہوں۔ جا سکتی ہوں۔ مسئلہ تو آج کا تھا۔ اور آج کا دن ختم ہونے میں کم سے کم چار گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے مجھے نگاہ کے ساتھ آج بہت ضروری کام سے جانا تھا۔ میں اکیلی کبھی بازار گئی نہیں۔"

"انتظار حاضر ہے۔ جتنی دیر میں کہیں گی چلا جاؤں گا۔"

"نہیں اب کیا ہو سکتا ہے۔ دراصل ایک عزیزہ دوست کی سالگرہ ہے۔ قندھار میں لے چلی ہوں۔ جا کر دینے کا وقت نہیں رہا۔ نگاہ کو ساتھ لے جا کر بہت پچھتاوا ہوا تھا۔"

"ایک بڑی مقبول کور میرے سروس کا آفس نہیں نزدیکی مارکیٹ میں ہے۔ آپ چاہیں تو وہیں چلتے ہیں۔"

وہ جواب کا انتظار کیے بغیر ملک کے آفس چلی لیتے ہوئے کار لاٹ بھر ہونے کے بعد ہونے کا اراد کر چکی۔

● ● ●

وہ اس کے بالکل نزدیک تھی۔

ہاتھ بھر کے فاصلے پر۔

اس کے پہلو میں بیٹھی تھی مگر پھر بھی درمیان میں ایک خلیج حائل تھی۔ اور یہ خلیج جھجک کی تھی۔ خوف کی تھی۔

شہزاد ملک۔ ایک کامیاب بزنس مین۔ ایک سیلف میڈ انسان جس کا شمار ہی کی ٹوکری سے خود تو تھا اپنے دل جذبات اس۔ آشکار کرنے سے ڈر رہا تھا حالانکہ اس وقت یہ سب کچھ اپنے کا بہترین موقع تھا۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ گرمیوں کی یہ رات ابھی خوشی خوشی ہلال قمر کے آرہے تھے اور لگتا تھا رات کے کسی پہر تو ہو ہی رہیں گے۔ ان دونوں کو اس گاڑی میں اکیلے سفر کرتے تھے۔ تھکن منتشر ہو چکے تھے۔ آرام اسے تو سمجھو کٹ چکا تھا مگر دونوں جانب جیسے ایک خاموشی تھی۔ کل میری خاموشی میں گھبراہٹ تھی ساتھ ساتھ تو اور گھر بھی تھا۔ وہ بھی اتنی رات تک گھر سے باہر نہیں رہتی تھی اور وہ ابھی تھیٹر تھا۔ جبکہ آج وہ صرف گھر سے کچھ کے بغیر نکلی تھی بلکہ گھر کے تلخ ماحول کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس نے گھر پھر سے تازہ ہوا کی سانس لینے کا سامان ہی پیدا کیا تھا۔ اتنا تو پتہ تھا کہ اس حضور اس کی اس جسارت کو جھک کر کس لیے گیا حضور اگر گھر میں ہوتے تو ورنہ سے آنے پر خفا ہو سکتے ہیں ناراض کر سکتے ہیں مگر ان تک یہ خبر پہنچ نہیں پہنچی کہ وہ بغیر اجازت اور اطلاع کے نکلی تھی۔ یقیناً ہی حضور نے آج کے دن اس کی غیر حاضری کی کوئی نہ کوئی معقول وجہ بیان کر دی ہوگی۔ خود اسے کیلئے میں ضرور بلکا پھلکا ڈپٹ لیں گی۔

گل ہر کو زبان الحسن موتیے کے متوقع اعتراضات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہو رہی تھی۔ اس سے چھٹکارا اتنی جلد ممکن نہ تھا اور نہ ہی اتنا آسانی سے مطمئن ہونے والوں میں سے تھی۔ یہ نہیں وہ اسے سونے گھر دے گی یا نہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ڈر تھا کہ دیر سے آنے کی غلطی شاید بھی بہانے پہ معاف کر دی جائے لیکن اگر کسی نے اسے شہزاد کے ساتھ اتنی رات کو اس کی گاڑی سے اترتے دیکھ لیا تو وہ کیا جواز پیش کرے گی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس وقت وہ فیشن سے اگر کوئی نہیں لی بھی جاتی تو بھانجے کس قیاس کا ذرا ہو رہا تھا اس کے ساتھ تمام پتہ کے آنے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اپنے پاس کے ساتھ آتی جو اس کے لیے قابل بھروسہ تھے۔ لیکن یہ بہت اور حضور کے سامنے اس کا حقدار نہ کہہ پائی کہ اس کا یہ بتانے کا قطعی ارادہ نہ تھا کہ وہ کہاں گئی اور کس مقصد سے گئی۔

اس کی اس بات پر سخت چونکے ہوئے کہ ایک اور بہانہ مل جاتا محل کی طرف میں وہ گھر واپس پہ کسی کا سامنا نہ
کی دعا مانگتے تھی۔
کل مہر آپ نے پوچھا نہیں کہ میں آپ سے کیا بات کرنا چاہتا ہوں۔" شہزادے نے اس چپ کو توڑنے کا فیصلہ
نے پوچھا تھا مہر لیکن آپ ہی نے کہا تھا کہ کوئی خاص بات نہیں۔"
وہ تھیں۔" اب اسے کیا کہتا کہ وہ اس کے وقار و ہیبت سے خائف ہو گیا تھا۔ شہزادے نے اک لمحے کے لیے
اس انداز میں سوچا۔ کہ اسے بھی اس وقت بات کرنا چاہیے یا نہیں۔
ہر لمحہ سوچ سمجھ کے کرنے کا عادی تھا۔
ہیبت بھی اور محبت کا اظہار بھی۔
اور اس نے سوچ لیا۔ آج نہیں تو کبھی نہیں۔
جس گل مہر میں نے پہلے کہا تھا کہ میں ہاں یا نہیں کہنے اوپ چکا ہوں۔ میں داستانہ انداز میں آپ کے
کہنا چاہتا ہوں۔ ہمارا آپس میں کئی گھنٹوں کا ساتھ ہے لیکن وقار و ہیبت کے اس لیے چھیڑنے سے احتراز کرتا
آپ وہاں کام کرنے آتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا آپ کے ذہن میں کسی قسم کا شک گمان ہو کہ میں موقع
یا اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ پتہ نہیں آپ کا ردعمل کیا ہو۔ اسے میری بات کے جواب میں مجھے اس
دیا تھیں۔ صرف یہ ڈر تھا کہ کسی شدید یا غیر متوقع ردعمل کی صورت میں آپ کے کام پر فرق نہ پڑے۔
مس گل مہر میں کہہ سکتے جا رہا ہوں۔ یہ میری ذاتی سوچ ہے۔ میں آپ کے سامنے فقط اس کا اظہار کر رہا
آپ پہ زبردستی کچھ مسلط نہیں کر رہا۔ ایک سوال کرنے والا ہوں۔ جس کا جواب آپ اپنی مرضی سے دینے کی
ہیں۔ مجھے آپ کے اندر ناراض ہونے تک کا حق نہیں صرف یہ چاہوں گا آپ کا جواب بھلے کچھ بھی ہو
کا فرق ہمارے پروفیشنل ریلیشن شپ پہ نہیں ہونا چاہیے۔"
"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں سر۔" وہ سراسیمہ انداز میں کہہ رہی تھی کچھ کچھ اندازہ تو ہو رہا تھا کہ یہ تمہید کس
کے میں باندھی جا رہی ہے مگر شہزادے کا مہذب رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا وہ یوں ہی اٹکا رہا تھا جیسے بہت
سب بات کہنے والا ہو۔ اور یہی چیز گل مہر کو کنفیوز کر رہی تھی۔
"گل مہر میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کو اس پہ کوئی اعتراض ہے؟" وہ
ہی سانس میں تیزی سے کہہ گیا اور وہ خود کو جتنا طور پہ تیار کر رہی تھی خشکی رحمت کے طوفانی اظہار اور
لفظوں کے لیے حیران ہو کے رہ گئی۔
"آپ سیدھا اور دو ٹوک انداز۔" وہ دل میں دہرانے لگی کہ اس نے کتنے واضح مگر سادہ الفاظ میں اپنا مدعا اس
پہنچا رہا تھا۔
"مجھے جواب کی جلدی نہیں۔ آپ خوشی سے جتنا چاہے وقت لے لیں سوچنے کے لیے بلکہ اگر کچھ پوچھنا چاہیں
جاننا چاہیں تو بلا جھجک سوال کر سکتی ہیں۔"
وہ سر جھکائے اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔ ایسا کوئی مرحلہ زندگی میں پہلی بار آیا تھا۔ اسے کچھ سوجھ نہ رہا تھا کہ وہ اس
پہ اپنی قبولیت چھپانے کا اظہار کرے۔ اور قبولیت تو خود اس پہ بھی نہ کھل رہی تھی۔ نہ انکار کی کوئی
نہ خوشی کی لہر۔ بس ایک مسلسل حیرانی تھی جو اسے گھیرے میں لے رہی تھی۔
"میں پھر دہرا دوں کہ آپ کے کسی بھی فیصلے کا اثر آپ کی جاب پہ نہیں پڑنا چاہیے۔ میری کمپنی کو آپ کی
ضرورت ہے۔ آپ نہ کوئی باس کے نہ زبردستی۔ یہ زبردستی کے سودے تو ہوتے بھی نہیں۔ کسی گل مہر اگر آپ
مجھے کسی قابل سمجھا تو چاہیے یہ اعزاز میرے لیے بہت بڑا ہو گا اور بالفرض آپ کا جواب انکار میں ہوا تب بھی
مجھے وہ بات کرتے رہنا ہے۔"

وہ اور بھی حیران ہوئی۔
"یا تو یہ شخص ضرورت سے زیادہ مہذب ہے یا پھر اسے خود پہ اعتماد نہیں۔ بار بار ایک ہی بات دہرا رہا ہے جبکہ
اس میں لینا کیا تھا نہیں جو کوئی لڑکی بھاگی ہوش و حواس اس کے ساتھ سے انکار کرے۔ اتنا پر اعتماد شخص۔ ناکامیاب ٹائپ نہیں اور ہمارے سامنے انکار پسندیدگی کرتے ہوئے اتنی انکساری اور غیر خود اعتمادی کا
مظاہرہ۔ حیرت ہے۔"
گاڑی ایک سگنل پہ رکی تھی۔ گل مہر نے گھڑی پہ پانچ سات منٹ کے فاصلے پہ تھا۔ شہزادے گل کے تاثرات
جاننے کی خاطر اس کی جانب چہرہ کیا۔ اب تک وہ بالکل سامنے دیکھتا اور ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ لیکن گل مہر کی پیشانی
اس کی نظروں کی زد میں سڑک کے اس پار ایک شاپ کی سیڑھیاں اترتی رہ گئی۔ وہ اچانک اسے سامنے پڑنے
ساکت سا ہو گیا۔ گل مہر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن موڑی ایک خوش اندام سانولی سی لڑکی ہاتھ میں
کوئی گفٹ اور گلدستہ تھامے مسکراتی آ رہی تھی۔ اس نے دیا وہ سوالیہ نظروں سے شہزادے کو دیکھا۔
"آپ کی کوئی عزیزہ؟"
یہ سوال اسے ناگوار کی طرح لگا۔ وہ ایک سوچ کو جھٹک کے اس کے لیے مرسڈیز کا دروازہ کھولتے دیکھ چکا تھا۔
گاڑی گیراج میں ڈالتے ہوئے اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔
"ایک محترمہ کا اس سے تعلق ہے۔"
اور دوسرے ہی لمحے وہ بڑی گاڑی سے کودتی ہوئی بے ارادہ دیوار کی جانب دیکھتی گل مہر کی آنکھیں مارے حیرت
کے پوری طرح کھل گئیں۔ وہ جس مرسڈیز کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھی اس کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بارہ برس کا
بیٹھا رہا تھا۔
اس کی بڑی بہن صاحبزادی یاسمین خانم کا شوہر۔
اس کا سوتیلا۔
اور اس کے ابا حضور کا چہیتا اور پسندیدہ داماد۔

○ ○ ○

"یہ شخص یہ لڑکی ہر موقع پہ میرے اچھے بھلے موڈ کو غارت کرنے ماں سے آن ٹپکتی ہے۔"
گل مہر گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا پھر رہا تھا۔
"جب بھی میں اس کمائی کے اجڑنے کی کوشش کرتا ہوں کوئی نہ کوئی چیز مجھے واپس نیچے کی طرف دھکیل دیتی
ہے۔ کتنا چھوٹا۔ کتنا ہلکا لگ رہا تھا مجھے اپنا آپ۔ بس اس کے سامنے دانتے الفی خاندان کی سب سے قابل نفرین
منفرد کی مالک۔ اور اگر اسے ذرا بھی بھنک پڑ جاتی کہ میرا خاندان کیا ہے تو اس کا ردعمل کیا ہو؟ یہی خوف تھا جو
مجھے اس کے سامنے اتنا کمزور کر رہا تھا۔ اعتماد کے کھڑا تک نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ایسے میں بس یہی کر سکتی رہ گئی
تھی کہ وہ سامنے آ جاتی۔"
وہ اندر ہی اندر اکھڑتا خود سے لڑتا کئی دن بار بار شی میں ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جب گھر میں داخل ہوا تو رات آ چکی
سے زیادہ گزر چکی تھی۔ آج تو لاؤنج میں ناگزیر شہزادے کا انتظار کرتی بلقیس بھی موجود نہ تھی۔ سبھی کمروں کی
لائٹس آف تھیں۔ صرف وہ ڈیوڑھی سیڑھیوں کے اوپر لگے نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں رکھا تھا۔ تو اس لیے
اس نے نیب ڈیلس آن کیں۔
اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ خود بھی بنانے کا تجربہ نہ ہوا تھا اور اس کو بنانے کا حوصلہ نہ ہوا۔
ایک تو تو صبح رات کو صرف ایک کپ پینے کے لیے دیا بھری تھی ساری دن کا جگانا ایسے بھی معیوب حرکت
تھی۔ دوسرا اس کی ذہنی حالت پر کڑی قابل نہ تھی کہ وہ کسی کا سامنا کرتا یا سوالوں کا جواب دیتا۔ اس نے دوبارہ

سے ائیرپس آف کیس اور سامان کا کسٹم چیک کرنے کے بعد اپنے کمرے کا رخ کیا۔

ہوشی ٹھہرنے ہی اس کی انفارمیشن پر بڑے گفٹ پیک اور بڑے کوٹ اتارنے اتارتے ہوئے ورک کیا اور تیر کی طرح لپکا۔ سرخ آدھ کھلی گلاب کی کلیوں کا بڑا خوبصورت سجا ہوا گلدستہ تھا جس کی بھینی مہک نے سارے کمرے میں خوشگوار حیرت پھیلا رکھی تھی۔

چند لمحوں تک بند کلیوں کو گھورنے کے بعد اس نے گفٹ پیک کے اوپر رکھے کارڈ کو اٹھایا۔

اس کا انداز دیکھ کر تھا۔ کارڈ سے پھول یہ تحفہ دعائی طرف سے تھا۔

ہنوز یہاں کب آئی۔ پاپا کی کے شروع ہونے سے پہلے بھی میں نے گھر فون کیا اور ختم ہونے کے بعد بھی صرف کوئی کر نکلتے ہوئے بھی فون کیا کسی نے لیا نہیں کیا اور پھر وہ تحفہ مارکیٹ میں اپنے کسی قدر دان کے ساتھ شاپنگ کرتی پھر رہی تھی۔"

اس کی ساری بھی اور ہوئی جب بیڈ پر پڑی ایک رسید اٹھائے دیکھا۔ وہ خود نہیں آئی تھی۔ اس نے کوئی تیر کے ذریعے یہ گلدستہ بھجوائے تھے۔ ٹھہرا دے موبائل پہ کال ملا کر نمبر ملایا۔

"جی چھوٹی۔" دوسری طرف پہلی بیل کے بعد ہی کال ریسیو کرتے ہوئے دعا نے بے تابی سے کہا۔ اب بھی خود ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"چھوٹی تحفہ پسند آیا؟ اور پھول؟"

"چھوٹی پسند ناپسند کو چھوڑ گیا تمہیں اپنے عاشق کا دیا یہ تحفہ پسند نہیں آیا تمہارے معیار پہ پورا نہیں اترا ہو تمہے خود رکھنے کی بجائے میرے منہ پہ مار دیا۔"

"بھائی؟" اب بھی یقین سے کہا۔

"ہاں بھائی جو اس شخص کے ساتھ جوڑے تھے تمہارے لیے پھر رہا تھا۔ اور اب یہی ایک تحفہ زہر کی طرح میرے لیے ہے۔ کاش تم مانتے ہو نہیں۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے ان چیزوں کو گھر سے باہر کوڑے کے ڈھیر پہ پھینکتے ہوئے مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"لڑکیوں! اگر وہ ہے اتنی نفرت کی۔ اتنی بیزاری کی کیا صرف نفرت اور اس معصوم سی محبت کا تو عمر دا ہے وہ حرف انکار کیا۔ جرم اتنا ہی ہے بھائی کہ آپ اب تک مجھے معاف نہیں کر پائے۔ یہ توقع ہے کہ محبت کرنے کے بعد ہی محبت کی جائے ضروری نہیں۔ لیکن محبت کے بدلے نفرت ملے یہ کہاں کا اصول ہے؟"

"بھائی! آپ کے پاس مجھے دینے کے لیے بس یہی جذبہ ہے؟ اور کیا آپ کے پاس بھی نہیں۔" وہ تلخی جو اس کی اور کرنے کی نشانی سے سوال کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا نا کچھ نہیں تھا۔ بھائی میری ان اوقات کہاں؟ کوئی بھکاری بن کر آنے کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو آپ بھی لوگ اسے دھتکار دیتے ہیں۔ عمر بھر کے لیے خوف خدا سے لرز لرز جاتے ہیں اور میں تو بھکاری بھی نہیں میں نے تو آپ سے بھیک بھی کچھ نہیں مانگا۔ لٹا ہی تو رہی ہوں عقیدت محبت

آپ کو ضرورت نہیں نہ سہی لوٹا دیتے مگر محبت کو تنقید زہر کر کے اس جذبے کی توہین تو نہ کرتے مجھے پذیرائی نہ سہی محبت ہی نصیب ہو جاتی۔"

اس کے آنسو بستر کے شکن لبوں سے آزاد ہو کے اس کی بالوں کے اندر اب بھی جذب ہو رہی تھی۔

"اماں میرا نام کس نے رکھا تھا؟"

اسے یاد تھا بہت بچپن میں ایک بار اس نے ماں سے یہ سوال کیا تھا۔ اس کی ساری ہم جولیوں بہنوں کے نام اس کے نام سے الگ تھے۔ کیونکہ ان کی ٹھہری گھر ٹھہری تھی۔ جبھی سب سے نام اور اس کا نام بالکل الگ سا تھا۔

"میں نے اور کس کو پوچھی تھی تمہارا نام رکھنا۔" اماں نے برتن مانجھتے مانجھتے تھی سے سر جھٹک کے جواب دیا تھا۔

"کیوں۔"

"پاپی سب کو تو لڑکے کی آس تھی اس نے تمہارے دادا دادی پھوپھی اور تمہارے ابا بھی تمہاری جگہ لڑکا ہو تا تو سب جو چھ کے نام بتاتے تم ہو گیا تو جیسے سانپ سونگھ گیا میں بھی نہ رکھتی تو اپنے باپ کا ہی دیتے تھی۔"

"اور ہوا میں نے یہ نہیں پوچھا کہ نام آپ نے کیوں رکھا میں تو پوچھ رہی ہوں یہ والا نام کیوں رکھا۔" اس نے اپنے کیوں کی وضاحت چاہی۔

"کیوں؟ تمہیں یہ نام پسند نہیں۔" ٹھیک "کیوں" اماں کی جانب سے بھی آیا۔

"اماں۔ پسند نہیں۔" کچھ سوچ کر اس نے کہا۔ "مگر ہر ان کی کام ایسا نہیں ہو تو شاید میں کہتی پوری نہیں ہوں زندگی میں ایک بڑی پھوپھی کے گھر ٹھہرتی بھی ایک سامنے والوں کی لڑکی ایک میرے اسکول میں ٹیک جیسے نام والی۔ کوئی نام کسی کا نہیں۔ یہ نام کیوں رکھا تھا اماں۔"

"میں کیا اس لیے کہ میری بیٹی جیسی بھی ہو اور کوئی نہیں۔"

برتن دھل چکے تھے۔ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے انہوں نے مٹھی دعا کو گود میں لیا اور اس کے ماتھے سے بال پیچھے کی طرف سرکانے لگیں۔ دعا کو اماں کی بات کا یقین آ گیا۔ یقین تو سب سے الگ تھی۔ جبھی تو اماں اتنی مصروف رہنے کے باوجود اسے گود میں اٹھاتی ہیں۔ ٹھنڈ لگا کے اس کے بالوں کی مالش کرتی ہیں۔ ہاتھ سے نوالے بنا بنا کے منہ میں ڈالتی ہیں۔ رات کو دیر تک تھپک تھپک کے لوریاں اور کہانیاں سناتے ہوئے سلاتی ہیں۔ جبکہ اور سبھی کی اماں کو اس نے ایسا کرتے نہ دیکھا تھا۔ وہ گود میں اٹھاتے ہوئے نوالے اٹھاتے ہوئے اور وہ سب سے الگ تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ سارے محلے میں بس ایک وہی تھی جس کا کوئی بہن بھائی نہ تھا باقی سب کے تین تین بھائی اور چار چار بہنیں تو ضرور ہی تھیں۔

"اماں پھر کیا ہے۔"

"میں یہ بھی جانتی تھی کہ میں رہوں یا نہ رہوں اس نام کے سہارے میری دعائیں اور ان کا نور ہمیشہ ہمیشہ تمہیں اپنے حصار میں رکھے۔"

اماں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس کے کان میں نظر اسرگوشی کرتے ہوئے بے حد دھیمے لہجے میں یہ کہا تھا۔ اس وقت وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر اب سمجھ گئی تھی۔

"اور یہ تمہیں اماں! دعائیں کیا تھیں؟ پتہ نہیں آپ نے اپنے رب سے میرے لیے کیا مانگا ہو گا۔ میرے اپنے نصیب اونچے مقدر بلند تھی۔ میرا کمر بس جانے کی دعا یا پھر وہ سب جو اب مجھے مل رہا ہے۔ شہرت، عزت، دولت، شاہرہ ستار تمہیں ہرگز نہیں۔ اماں مجھے یقین ہے آپ نے میرے لیے ایسی زندگی کے خواب دیکھے ہوں گے نہ یہ آپ کی خواہش رہی ہو گی۔ پھر آپ میرے لیے ایسی دعائیں کر تیں؟ پھر وہ دعائیں کیا

تھیں جواب تک میرے گرد حصار نہیں کھینچ سکیں۔ وہ کیا نور تھا جو اب تک میری تلاش میں ہے۔ آپ کی دعا سے مجھے مل گیا ہے اماں۔ اس نور کو اندھیرے جا نہ سکیں گے۔"

* * *

اس کے کہنے پر شہزادے نے اسے جیسے روند ہی ڈالا ہو کر دیا تھا وہ پیٹ پیٹتے سے سر پر دست کرتی ہوئی وہ نیچے اتری۔ چھوٹے ہی اسد وقت انکا رف کے آنے میں لیٹا رہتا تھا البتہ آتے جاتے ہوئے راستے میں وہ بڑے سے دیئے کو کھلی چادر کی طرح پھیلا لیا کرتی تھی۔

پچھلے آٹھ سات دنوں کے ہاتھ میں کیا گیا تھا۔ گل نے پہلے ہی اس طرح گھر سے بغیر اجازت اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر آنے والی اپنی حرکت سے خائف تھی اور اندر ہی اندر الجھن کا شکار تھی۔ اوپر سے شہزادہ کے بدلے ہوئے رویے نے ایک الگ ہی تھلکے نے اس کے ذہن پر قفل لگا دیئے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر شہزادہ کے رویے میں ایک واضح تبدیلی کی کیفیت تھی۔ شاید وہ زبان "اس لیے محسوس نہ کر سکی کہ اس کے اپنے مخصوص حالات اس وقت بے شمار خدشات میں گھرے ہوئے تھے۔

شہزادہ ملک کا اظہار پسندیدگی اور پرجوش کرنا اس کے لیے غیر متوقع تھا حیرت میں ڈالتا تھا۔

اس کی بات کے جواب میں اپنے لب کھولنے پر اس نے حیرت بھی جتائی تھی۔ یہ چونکی ضرور۔ مگر نہ طیش میں آئی نہ ناگواری کا اظہار کیا اور نہ ہی بل کو کسی قسم کی خوشی یا تشکیل محسوس ہوئی تھی۔

اس پر شہزادہ کے اس نے باہر نہ بولوں کی مکمل ہیئت شاید سینتیس منٹ کر ایک شاہراہ کی گاڑی میں ایک حسین و خوبصورت لڑکی کا تصور بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ وہ لڑکی جس کے بارے میں شہزادہ نے بڑے زہریلے لہجے میں انکشاف کیا تھا۔

"ایک تھرڈ کلاس سی سکریٹ۔"

اور اس نے خیال میں تو اس کا ہونا بے روزگار تھا تھا اور مفلس ہوتی ایک تھرڈ کلاس سکریٹ کی کمپنی جوائن کرنے کے قابل بھی نہ تھا۔ کہاں یہ تیز چمکتی گاڑی اور شاہراہ پر بیٹھے صاحبزادے یا کمپنی کا تصور کر رہی تھی۔ حسرتیں جن کے سینے مارے جوش سے پھٹ رہے تھے اور وہ اپنے محرومیوں اور تشنگیوں کے جن کے بدن کی ساری تشنگی نچوڑ کر رکھ دی تھی۔ اپنے بکھرے ہوئے پتوں کے بعد جیسے باہر ہاتھوں کا چکنا انداز اور لفافہ بات پر آتے تو عصبی کے دوہرے سے بچ گئے تھے جو اس نے پہلی رات یا حضور کے بارے میں کہے تھے

اسی ادھیڑ بن میں کب اس کے گھر کے نزدیک کار آن پہنچی اسے پتا ہی نہ چلا۔

"اب کہاں سے نون لینا ہے۔"

راڈ نائیٹ کے قریب رفتار ہلکی کر کے شہزادے نے پوچھا تو وہ چونکا تھی۔

"بس یہیں اتار دیجیے۔"

شہزادے نے حیرت کے ساتھ اترنے کی وجہ نظر دریافت کی اور کار ایک سائیڈ پر روک دی۔

"شکریہ سر۔" آگے بڑھنے سے قبل اس نے فارمیلٹی نبھانے کی غرض سے شکریہ ادا کیا مگر شہزادہ فقط سر ہلا کے رہ گیا اور ایک جھٹکے سے اس کی کار آگے بڑھ گئی۔ اس کے چہرے کا تناؤ، آنکھوں کی الجھن اور سختی خیز خاموشی قابل غور تھی لیکن گل مہر کے پاس اس وقت غور کرنے کے لیے اور بہت کچھ تھا۔

دل ہی دل میں کسی کا سامنا نہ ہونے کی دعا کرتی ہوئی وہ اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ آنگن پار کر کے برآمدے میں نیم تاریک راہداری سے سیڑھیاں گزرتی تھی جب کچن سے چائے کا کپ لے کر نکلتی سوتیا سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ایک لمحے کے لیے تو گل مہر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے مگر پھر اطمینان بھرا سانس لیا۔

"اوہ تم ہو۔ تم مجھے نشانہ بنا لیتی حضور۔" سوتیا کو پیشانی کو اس کے لیے قدرے آسان تھا۔

"یہ تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟ پتہ بھی ہے میں نے کیا کیا جھوٹ بولے ہیں تمہارے لیے۔" وہ بھی دبی آواز میں کہنے لگی۔

"اندر چلو بتاتی ہوں۔" وہ اس کا بازو پکڑ کے اندر کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

"ابھی حضور سو گئی ہیں کیا؟"

"مجھے کیا پتہ۔ ویسے امید تو نہیں ہے بے شک تمہاری خاطر میں نے جھوٹ بول کے اپنے کمرے کی کھڑکی کو بھی ادھوری چھوڑ دیا ہے لیکن اس کا ظاہر خدا اعتماد نہیں ہوا۔ انہیں میں نے کہہ دیا تھا کہ حرمتی کے کمرے کو کھلی کیپ ڈو گیدرے اور دیر ہو جانے کی صورت میں وہ خود نہیں چھوڑنے آئے گی لیکن ان کے بھیجے تھے کہ ختم نہ ہوتے تھے۔ بار بار دروازے تک جاتی تھی۔ آدھے کی جانی سے لگ کے کھڑی ہو جاتیں۔"

"شکریہ خدا کا اس وقت کہ ان کو دروازے پہ نہیں تھیں۔"

گل مہر نے جھرجھری لی۔ اگرچہ وہ مکمل روپوش اتری تھی مگر اتنی رات کو اسے سنسان گلی میں اکیلے پیدل آتے دیکھ کے بھی ان کا غصہ میں آنا یقینی تھا۔

"کیوں بھئی کیا کر کے آ رہی ہو؟" وہ مشکوک ہو گئی۔

"اس لیے کہ ہم مرزا کے ساتھ نہیں آئے تھے۔"

"تو کس کے ساتھ آئی ہو؟" وہ نہایت ہی طنطنے والی تھی۔

"خیلیں۔" اس نے صاف بولا۔ لیکن یہ جھوٹ بھی سچ کے کرو دھماکا خیز ثابت نہ ہوا۔ صاحبزادی حرمت انتقام کے لیے پتہ نہیں کب وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔ غالباً گل مہر کے اب تک گھر نہ آنے کی فکر انہیں چین نہ لینے دے رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی کو دیکھنے نکلی تھیں کہ کچن کے دروازے پہ اسے سوتیا کے ساتھ کھڑے باتیں کرتے دیکھ کے ان کی جان میں جان آئی۔ چلیں کا بلب جل رہا تھا۔ مگر راہداری کے دوسری جانب کمرے کی ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ان کے اتنے قریب آنے کا اندازہ نہ کر سکیں۔

"اچھا۔" صاحبزادی گل مہر آپ اتنی رات گئے ایک اجنبی مرد کے ساتھ ٹیکسی میں تمامیتہ کے آ رہی ہیں۔ ٹیکسی کی اقدار ان پڑی تھی؟"

"بھجوری تھی ابی حضور۔" اجنبی "ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ ہی تمامیتہ گھر کا جانا پہچانا ٹیکسی ڈرائیور کہیں نظر ہی نہ آیا۔" وہ ایک لمحے کو بوکھلا گئی۔ حضور مگر خود کو سنبھال کے اپنے مخصوص نوکیلے انداز میں کہا ہوئی۔ سوتیا دونوں کہاں سے سمجھ گئیں کہ اس کا اشارہ کس جانب تھا۔

"آپ ہمارے سوال کا جواب جیسے قبیلے کے ابا حضور کو خبر ہو گئی تو جانتی ہیں ان کا رد عمل کیا ہو گا۔ شرافت کی بچیوں کو کیا یہ زیب دیتا ہے کہ وہ آدھی آدھی رات تک غیر لوگوں کی محفلوں میں گھومیں اور ویران راستوں پہ اکیلی گھومتی پھرتی جائیں۔"

"حضور آپ کے لیے کب سے غیر ہو گئی۔ ہم کل ہی بارات کے گھر نہیں گئے تھے۔"

"حضور غیر ہی نہیں لیکن کون جانے اس کے ہاں کس نوعیت کی محفل تھی کسی قماش کے لوگ تھے۔ آپ بے شک اس کے ہاں آتی جاتی رہتی ہیں اور ہماری جانب سے بھی اسی کھلی آزادی تھی آپ پہ نہیں لگائی گئی۔ لیکن ہر چیز ایک حد کے اندر اچھی لگتی ہے۔ آپ کو کتنی دفعہ کہا جا چکا ہے کہ بچیوں کا مغرب کے بعد گھر سے باہر رہنا ہمارے خاندان میں منع ہے پھر بھی آپ بغیر کسی جھجک اور خوف کے نہ صرف تو ہی رات تک گھر سے باہر رہیں بلکہ ایک غیر دار نا قابل بھروسہ شخص کے ساتھ واپس آئیں۔"

حضور صاحبزادی حرمت انتقام محفل مزاحمتی یا بردباری کا ہی مظاہرہ کرتی تھی۔ کم ہی اتنے سخت الفاظ استعمال کیا کرتیں لیکن آج گل مہر کی جسارت نظر انداز کرنے کے سوا نہ تھیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ یہ معاملہ صاحبزادہ قیس علی خان کے علم میں لانے سے پہلے اپنے طور پہ نمٹانا چاہتی ہوں۔ جانتی تھیں کہ گل مہر

کے ساتھ جب تک سختی سے کام نہ لیا جائے گا ان کی نصیحت اور روک ٹوک پر توجہ نہ دے گی جب سے وہ ملازمت کرنے لگی تھی ان کی صد درجہ بے ایک عجیب سی سرکشی کی آمیزش سے وہ خائف رہنے لگی تھیں۔

"اور کچھ نہیں تو کم از کم اس بات کا ہی لحاظ کر لیجیے کہ آپ کے نہ صرف والد حضور گھر پر موجود ہیں بلکہ صاحبزادی یاسمین بھی آئی ہوئی ہیں۔ یہ باتیں ان کے میکے کے حوالے سے ان کو بھرم اور بزرگوں کا ہی ہوتے ہیں۔ آج یا بعد میں کا یہاں قیام کا ارادہ تھا۔ تو پھر یہ وہ کیا بھی تک آئے نہیں۔ ورنہ ان کے سامنے آپ یوں اندھیرے میں دبے پاؤں گھر میں داخل ہوتیں تو وہ کیا کہتیں۔"

اب تک کل سے اپنی حضور کی ڈانٹ سنتی کل مہرہ کا صبر جواب دے گیا۔

"تلاش ہے مہلا" کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہ اس گھر کے والد ہیں اور یہ صرف نازک طبع ہیں بلکہ ہماری طرح نجیب الطرفین بھی۔ آپ کے ابا حضور کی طرح اونچے اور کھوٹے کے بارے میں حد درجہ حساس۔ ان کے سامنے ہمیں کس قدر شرمندگی ہوتی ہے۔ پہلے ہی آپ کی ملازمت کے بارے میں ان کے اعتراضات کے جواب دے دے کے بے چاری صاحبزادی یاسمین پشیمان ہو چکی ہیں۔"

"تو ضرورت کیا ہے صفائیاں پیش کرنے کی۔ وہ کون ہوتے ہیں ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دینے والے۔ ایک تو یہ اہلیں تنگل سے ویسے ہی کل مہرہ کے تعلقات خاص اچھے نہ تھے اور اب جو منظر دیکھ کے وہ گئی تھی اس کے بعد تو وہ کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔

"اور ہماری ملازمت پہ اعتراض کرنے کا حق انہیں کس نے دیا ہمارے گھر میں کون سے جواہر کے معاملات نظر آ رہے ہیں جو ان کے کرتوتوں پہ اعتراض کر رہا ہے کوئی نہیں پھر انہیں بھی چاہیے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں۔"

"یہ آپ کس قسم کی زبان استعمال کر رہی ہیں صاحبزادی کل مہرہ" وہ دھیمی آواز کو دبنگ لہجے سے ہم آہنگ کرتی ہوئی بولیں۔

"ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں ابا حضور جیسے سنتے کا حوصلہ اس گھر کے مکینوں میں کہاں پایا جاتا ہے۔ کل عمیص نے جو کچھ کہا ابا حضور اس کی تاب نہ لا سکے۔ قرح اور مہر کہتے جا رہے ہیں یقیناً آپ تسلیم کرنے سے انکاری ہوں گی لیکن یہ بالکل سچ ہے۔ جس نجیب الطرفین اور رکھ رکھاؤ والے شریف زادے کے سامنے آپ اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی ہیں۔ وہ موصوف اس وقت ایک حسین گوکار کے ساتھ سیر سپاٹوں اور تفریحات میں مگن ہیں۔ وہ جن کے بچوں کے ہونٹ گلے کپڑوں اور دھوبی کی مفلس زدہ چہرے کو دیکھ دیکھ کے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں آج کل نہایت کلف زدہ لباس میں ملبوس سگریٹ پیتے ہوئے ایک بڑی سی گاڑی میں ایک حسین و طرحدار دوشیزہ کے ساتھ گھومتے ہوئے ہم نے ان آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ ہے کسی میں حوصلہ ان سے جواب طلبی کرنے کا؟"

وہ چند لمحے تک سوال کرنے کے بعد ان کے چہرے پہ آنکھیں گاڑے کھڑی رہی پھر منتقلی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ صاحبزادی حرمت الفساء کی پیشانی اور پر سوچ نگاہیں فرش پہ گڑی تھیں اور موجودہ صورت حال سے ساتھ دیکھ رہی تھی جبکہ صاحبزادی یاسمین دروازے کو تھامے سفید چہرے کے ساتھ بالکل کھڑی تھیں۔

* * *

"کتنی بے آبرو چلی گئیں۔ اگر ابا بھائی کو نہیں آتا تھا تو کم از کم تمہارے کے میرا انتظار تو کر لیتیں۔" عمیص کافی دیر سے ہی کسی کام سے گھر سے نکل گیا تھا۔ وہ پہنچ کے واپس آیا تو یاسمین آپا کی واپسی گھر والوں کی خبر سن کر حیرت کا اظہار کیا۔

"تمہارے آنے کا بھی تو پتا نہیں تھا کہ کب آتے ہو۔ انہوں نے تو ناشتا تک نہیں کیا کہہ رہی تھیں ٹھنڈا چائے گرم ہو جائے گی۔ دلکش رکشہ لے آیا تھا۔ ابا حضور نے تو بہت روکنے کی کوشش کی مگر بھائی حضور نے تو اس شہر کا رکشہ پہ جانے کی اجازت ہی دی کہ وہ دلکش کو نہیں چھوڑ جائیں۔ اس کا رکشے پہ جانا انہیں گوارا نہیں تھا۔"

"چلو اچھا ہے۔ دلکش کچھ روز یہاں رہ جائے۔ تم اسے ہیپر لیکی تاری دیکھو بھی کرا دینا۔ آپا حشمت تو کر رہی ہیں مگر یہ بھائی کے سامنے اپنے فیصلے خود کرنے کی ہمت وہ شاید کبھی بھی پیدا نہ کر سکیں۔ دلکش یہاں کچھ عرصہ رہ جائے تو میں خود ہی اس کا داخلہ کالج کے ہیپر لے دوں گا۔"

"اتنے وقت سے تمہارے پاس؟" سوہانے پوچھا۔ "قرح کل کسی کے ساتھ ہی کب آتے ہو تا پتہ نہیں کن فضاؤں میں اڑے اڑے پھر رہے ہو؟"

"اذان بھرنے کا وقت ابھی ہمت دور ہے عزیزہ ابھی تو زمین پہ قدم جمانے کی تگ و دو میں لگا ہوں۔" دونوں ہاتھ پیشانی کے سرے کے پیچھے تکیے کی طرح رکھتے ہوئے تخت پہ دراز ہوتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"ہاں بس تم نے بتایا نہیں کیا بنا؟ کہاں تک پہنچ تمہارا کام؟"

"دکان کی چابیاں آج شام مل جائیں گی۔ چار ہزار روپے ماہوار کرایہ طے ہوا ہے۔"

"اتنا زیادہ کرایہ؟ اتنے میں تو دو تین کمروں کا مکان کرائے پہ مل جاتا ہے۔ تو یہ اتنی سی دکان کے چار ہزار۔" وہ چلائی۔

"مگر مل جگہ کی ویلیو کرائے کا تعین کرتی ہے۔ اچھی خاصی معروف شاہراہ پہ اتنی بڑی جگہ بنائی ہے۔ اس پہ ڈالے میں کھڑا فلور بھی چار ہزار کرایہ پہ دکان تھی ہے۔ مجھے تو اگر ایک فلور پہ بالکل فرنیچر دکان ہی ہے۔ اس سے پیسے بھی اٹھ جائیں گے۔ فرنیچر جگہ کی ویلیو کی وجہ سے کرایہ تھوڑا "توجہ طلب ہوا ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ اتنا کرایہ۔ ہوا تو اسمال ست نکل آئے گا کیا!"

"ہاں اگر کوئی چل نکلے تو کوئی مشکل نہیں۔"

"خدا کرے خوب اخراجات۔"

"تم اپنے خوب اخراجات" پاس سلیمان کے رخسار" وہ غصے میں آ گیا۔ "ذرا نے کے علاوہ اور بھی کچھ آتا ہے تمہیں؟"

"انسان کو کسی بھی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے مثبت اور منفی پہلو جان لینے چاہئیں۔"

"بڑی کوئی بھی چیز بڑوں میں شروع کیا جاتا ہے تاکہ بچوں کے سہارے سے غیر تقریباً ہی ہو کر رہا ہے۔ سو فیصد اعتماد کے ساتھ تو آپ کوئی بھی کام شروع نہیں کر سکتے اور اگر ہر شخص اس کا آغاز کرنے سے پہلے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تناسب کرنے لگے۔ تو خیر کے آغاز سے پہلے ہی انجام تک نوبت آ جائے گی۔ مجھے اللہ سے پوری امید ہے اور اپنی ہمت اور صاف نیت کا اعتماد بھی کہ کامیابی میرے قدم چومے گی۔"

"بڑی ظلمت تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہوں۔ کامیابی خاص نہیں طبع واضح ہوئی ہے۔ یوں اچھی خاصی میں نے بسا اوقات تمہیں ہو کر گزرتے دیکھا ہے۔" سوہانے نہیں ہاتھ ہوتے کہ وہ مصنوعی غصے سے اس پہ آنکھیں نکالنے لگا۔

"لیکن سوچنے والی بات ہے کہ کیا یہی سب ادارے ذاتی آمدنی ہو جائے گی؟"

"سوچ تو میں نے بھی ہے۔ ساتھ میں نیٹ کارڈ، ٹائپ کارڈ، موبائل فون کے کارڈز رکھ لوں گا۔ بھی وہ بیٹھ کر ہی ہاتھوں پہ ہاتھ۔ سوچ رہا ہوں اور کیا اضافہ کروں۔ سلسلہ میں کہ وہ موقع کشش بھی ہو اور اس پہ چلنا حضور کو ناگوار بھی نہ ہو۔"

"ہاں ایک بات یہ کرے اخبارات وغیرہ کا بوتھ وار اور ماہوار شائع ہونے والے میگزینوں اور ... ہے۔"

"میڈیا تو اچھا ہے مگر یہ کرنا پڑے گا کہ اس میں فائدہ بھی ہے یا نہیں۔ کھپ فائدہ تو ہر گھر میں صبح صبح پہنچ ہی جاتا کرتا ہے۔ دکانوں سے آرگن خرید تا ہے اور رسالے لوگوں میں اب پڑھنے پڑھانے کا رجحان کم ہو گیا ہے۔ وقت کی کمی بھی ہے۔"

"تم نے ایسی بات بھی نہیں۔ جو مطالعے کے شیدائی ہیں اب بھی ہر حال میں کتابوں سے عشق بھانے کا وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ میڈیا کی ترقی اور بے شمار نت نئے ذریعے ہوتے ہوئے بھی یک وقت رجحان بھر ہو زمانے شائع ہوتے ہیں۔ ہر حال تم دوستوں اور لوگوں سے مشورہ ضرور کرنا۔"

"میرے ایک دوست نے نوٹ اکنامکس اور اسٹیشنری وغیرہ رکھنے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن اس پہ عمل کرنے میں دو مسئلے درپیش ہیں۔ ایک تو چچا حضور کے متوقع اعتراضات اور دوسرا سرمایہ کی کمی۔"

"یا حضور کو کس حد تک اعتراض کرنا تھا وہ کر چکے۔ عمیص" حوصلہ بخشنے ہوئی۔

"لیکن اعتراض تمہارے اس اقدام پہ تھا۔ جب تم اس اعتراض کو خاطر میں نہیں لاتے تو پھر اب مزید کچھ مت سوچو۔ اگر ابا حضور مخالفت کر بیٹھے ہیں یا دل کو کم بدلتے وقت کے تقاضوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی سمجھوتہ کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے اب ان کے لیے تمہارا کوئی بھی کام غیر متوقع نہیں ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو سوتیا لیکن جہاں تک ممکن ہو امیں نے ہمیشہ ان کی دل آزاری سے اجتناب کیا ہے۔ کیا دوسرے لوگوں کی طرح تم بھی یہ سمجھتی ہو کہ میں باغی ہوں ان کے اصولوں سے ہمیں کے نظریات سے اور کھلی ضد میں آکر ان کے قواعد و ضوابط سے بغاوت کر رہا ہوں؟ نہیں سوتیا۔ بالکل بھی نہیں۔ میں ان کی اتنی ہی عزت کرتا ہوں جتنی اپنے ابا حضور کی کر سکتا تھا ان کی زندگی میں۔"

میں ان سے اتنی ہی محبت اور عقیدت رکھتا ہوں جتنی کہ تم ان کی حقیقی اولاد ہو کے ان سے رکھتی ہو۔ مجھے ان کے قواعد و نظریات سے چڑ نہیں۔ ہاں کہیں کہیں میں ان کو شدت پسند ضرور محسوس کرتا ہوں۔ وہ اس معاملے میں اختیار چلے جاتے ہیں اور میں صرف عقیدت، احترام اور محبت کی وجہ سے کچھ ایسا نہیں کرتا ہوں۔ نہیں دیکھ سکتا ہو ہمارے اور ہمارے خاندان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔ بس یہی اختلاف ہے میرے اور ان کے درمیان وہ "نام" کی بقا کو اولیت دیتے ہیں جبکہ میں "وجود" کو اہم جانتا ہوں۔ وہ "شناخت" کو قائم رکھنا ضروری جانتے ہیں جبکہ میرے خیال میں بھلا حق "زندگی" کا بنتا ہے۔ وہ خاندان کو عزیز جانتے ہیں جبکہ میں "خاندان والوں" کو ان کے تصورات سے میں ہرگز اختلاف نہ کرتا اگر وہ زندگی اور مستقبل پہ اثر انداز نہ ہو رہے ہوتے۔ مجھے مخالفت برائے مخالفت کا شوق بالکل نہیں۔ نہ ہی جوان نسل کا نمائندہ بغاوت اپنانے کا مرتکب ہے۔

مانتا ہوں اس کام کے آغاز کے لیے میں نے ان کی امداد اخلاقی کی درخواست نہیں کی۔ ان کی مخالفت بھی مول لی ہے مگر صرف اس لیے کہ اس معاملے میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوں اور یہ ضروری بھی تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اب میں صرف ان کو چڑانے کے لیے برا لیے کام کروں جس سے ان کی امداد اخلاقی کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی جائے۔ ورنہ کہنے کو تو بے شمار کام ہیں۔ بولی مجھ کی دکان کے نسبت زیادہ منافع بخش ہیں۔"

"یہی بھی اب لگتا ہے عمیص کہ میرا تمہیں مکمل طور پہ جانے کا فیصلہ ہے۔" سوتیا نے اس کی تفصیلی بات سن کر سوچتے ہوئے کہا۔

"سوتیا شام کی چائے بنانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔" کل سرے کمرے سے نکل کر انگڑائی لیتے ہوئے پوچھا۔ ایک تو رات کو سرے سے واپسی ہوئی پھر آتے ہی صاحبزادی حرمت النساء نے بدھیڑ اور صبح تشکر کی کوشش اس پہ سوا شہزادہ ملک کی باتیں دو ساری رات سو نہ سکی۔ صبح اٹھنے کے بعد بھاری ہوتے سر اور بھاری آنکھوں کی تکلیف سے نڈھال ہوتے اس نے سر درد کی ٹیبلٹ کے ساتھ ایک نیند کی گولی بھی کھائی اور کروٹ لے لیا۔ اب کئی گھنٹوں کی نیند لینے کے بعد اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔

"شام تو ہو لینے دو۔ تمہاری تو اب صبح ہوئی ہے۔"

"آج بھی مجھ تم سے یہی مشورہ لینا تھا۔" عمیص نے اسے دیکھ کر ٹانگیں سمیٹتے ہوئے تخت پہ جگہ بنائی۔ غلاف معمول خوبصورت ہاتھ پڑھانے کی بجائے وہ آگے بڑھ آئی البتہ تخت پہ بیٹھنے کی بجائے نیچے کی سوچا تھا کھسک لیا۔

"تم کب سے اوروں سے مشورے مانگنے لگے؟" اس نے شاہانہ انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی اور اپنے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کے گھیرے سمیٹ کر تکیہ شہ قید کرنے لگی۔

"اوروں سے تو میں اب بھی کچھ نہیں مانگتا۔ مشورہ تک نہیں۔ البتہ "بہن" کے آگے ہاتھ پھیلا ہی رہتا ہے۔"

اس دوران سوتیا نامحسوس انداز میں ان دونوں کے درمیان سے اٹھ گئی۔

"کل تم کہاں تھیں؟"

"ایک پارٹی میں اور تم کیا کہا تھیں کیسی زبردست پارٹی تھی۔ کیا کیا رقص تھے۔ تم بھی سچ مچ بہت انجوائے کیا ہوگا۔"

"بیلو! چائے تمہیں بھی اچھا سے کرنا آتا اور وہ بھی چار لوگوں کی موجودگی میں۔" اس نے قہقہہ مہری کی تم پہ چوٹ کی۔

"چیسٹ کرنا ہے کہ وہ چار لوگ کون ہیں۔" اس نے برا برکا رکھا۔

"چلیں میں چوکے۔ چائے کا پانی رکھتے ہوئے سوتیا نے سامنے لگی کھڑکی کی جالی سے برآمدے کے اس کونے کا منظر دیکھا۔ تو اوس تک نہیں آ رہی تھی مگر وہ بخوبی اندازہ کر سکتی تھی کہ ان دونوں کے مابین کس نوعیت کی گفتگو ہو رہی ہوگی۔

وہی کل سرے کی اپنی خود غرضی اور خود ستائشی کا اظہار ہی عمیص کا پیشہ کی طرح خود غرضانہ انداز اور خوشامی۔

"زندگی کے بنیادی معاملات میں حد سے زیادہ باشعور، خود دار اور شعور ہونے کا دعوی اور عملی مظاہرہ کرنے والے صاحبزادہ عمیص علی خان صاحب کاش کچھ خودداری اور عزت نفس آپ اس معاملے کے لیے بھی بچا کے رکھ لیتے۔"

اس نے کھوئے کھوئے انداز میں دیکھتے ہوئے زیر لب سرگوشی کی۔

چائے تیار ہو چکی تھی۔ اس نے تین کپ ٹرے میں رکھے اور ایک چھوٹی پلیٹ میں نمکین تلی ہوئی دال موٹھ ڈال کر باہر لے آئی۔

"انہیں بھی پھر کیا مصروف ہو گئی ہے؟" اس نے آتے ہی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"کیسا مشورہ؟" اس نے اوپر چڑھائے۔

"عمیص کوئی بی۔ اے کے لیے اسٹور کھل گیا ہے۔ اس کا فیصلہ تھا کہ جگہ خاصی ہے کیوں نہ ایک سی سا وکے ساتھ ساتھ اسی جگہ پہ کوئی اور بھی کام کیا جائے۔ ہم دونوں تمہارے آنے سے پہلے یہی ڈسکس کر رہے تھے۔ میری رائے تو یہ تھی کہ "سٹیشنری" اسٹیشنری وغیرہ ساتھ رکھا جائے۔ کیا کہتی ہو؟"

"سوری" "میں دکانداری سے کوئی دلچسپی نہیں۔" بے حد رکھائی سے کہتے ہوئے اس نے کپ لبوں سے لگایا۔ سوتیا نے عمیص کے چہرے کی رنگت بدلتے دیکھی۔

"ایسے تو کاروباروں میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "تنگ کو ہیں۔" وہ لاپرواہی سے کندھے جھٹکتی رہی تھی۔

"تو اس سے مشورہ اپنا کچھ کر لیجئے بی بی اس خاتون سے اسے اور دوسرے کرنے کا خاصا تجربہ ہے۔"

"تمہیں بھی ہو جائے گا۔" سوتیا نے تنگ کر کہا۔ "عملی میدان میں تم بھی کودو ہو جاؤ۔ وہ میدان کوئی بھی ہو جائے۔ کچھ سیکھنے کے لیے اور دو چار جمع کرنے کا شوق تب تمہیں بھی لاحق ہو جائے گا جب اپنی کمائی

سلجھنے کی کیا ہے گی۔"

"کیوں نہیں۔" ہمیں کے اطمینان میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔

"تو کیا چاہنا نہ اتفاق کے نہیں۔ ہمیں بھی ہے۔ تم ہی بتانا کہ ہمیں کے افق صرف اتنا ہے کہ ہمارے پیار اور پیار کے ساتھ بے شمار صفحے ہوں گے۔" وہ مسلسل دل جلانے والی مسکراہٹ سے ان دونوں کو نوازتی رہی تھی۔ محبت کے بارے عصمت کا دل تو ویسے ہی اس کی بے وقتی اور بے اوپنی نے بھسا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ مزید تاب نہ لا سکا اور اٹھ کے اندر چلا گیا۔ ہوتا یہ بھی اسے اسی بے تیاری کے ساتھ چکیاں لیتے کھانا تو سر جھٹک کے اپنا کب اٹھا اور کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرنے چلی گئی۔

کل صبح اپنے گلابی تاریک پر گھر کے اندر سنسنے والی بلبلی سی ہوائی تپش سے نکالے اور تخت پر رکھ لیے۔ موڑھے کا رخ وہ پہلے ہی باہر لان کی طرف موڑ چکی تھی۔ پیچھے ستون سے ٹیک لگا کے وہ تو شہید اور چائے انگلیاں تھامی اور چپکے سے اترتی سنہری شام سے لطف اندوز ہونے لگی۔

سنسنے گلوں کی بالیوں سے چھنتی نظر کی دم ساکت ہوتی۔ شہزاد ملک کی گمبھیر آواز گونجی تھی۔

"کہتے ہیں عشق لینے والے کی شخصیت حکمرانی کرتا ہے۔"

"مجھے صرف آپ کو سننا ہے۔ آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ نہ کوئی وعدہ نہ زبردستی۔ یہ زبردستی کے ہوتے ہوتے بھی نہیں۔"

"اگر آپ نے مجھے کسی قابل سمجھا تو پتا نہیں اعتراف میرے لیے بہت بڑا ہو گا اور بالفرض آپ کا جواب انکار میں ہوا تب بھی آپ مجھے یاد یہ ذکر کرتے نہ شرمائیں گی۔"

کل ساری رات اسی ان سرگوشیوں نے اس کی آنکھ نہ لگنے دی تھی اور اب خیالی باتے ہی پھر حملہ آور ہو گئیں۔ وہ سنسنے سر سے اٹھنے لگی۔

"خدا نہیں ہماری الجھن اور حیرانی کی وجہ کیا ہے! کیا شہزاد ملک کا اظہار پسند ہے یا ہم سے اظہار پسند ہے یا ہمارا انکار جواب ہے یا کوئی اور وجہ ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آ رہی یا ہمیں نہیں بتاتی ہے۔"

"کیا جواب دیں گے ہم انہیں۔ کون سا جواب ہے جسے کہنا ہمارے لیے سہل تر ہو۔"

"یا انکار۔ ہاں ہم بہت آسانی سے انکار کر سکتے ہیں۔ انہوں نے واضح لفظوں میں بتایا ہے کہ ان کی جانب سے ہم پہ کوئی دباؤ نہیں۔ اگر ہاں انکار کی صورت میں ہمارے پروفیشنل ریلیشن شپ میں کوئی اثر پڑے گا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم انکار کی بات کریں گے؟"

وہ ایک بار پھر منتشر ہوئی۔

"تو کیا اقرار کریں۔ جتنی ان کا پرپوزل قبول کر لیں۔ "سوچیں کہ ہمیں ان سے ایک نیا رشتہ استوار کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ دوران کے گھر والوں کو اپنے گھر والوں کی رضامند کر دیں۔ لیکن سوال انکار کی وجہ میں کا ہے کہ ہم اپنا کیوں کریں؟ ہاں۔ یا نہیں۔ کچھ بھی کہنے کے لیے کسی ٹھوس وجہ یا جواز کا ہونا ضروری ہے۔ وہ تو انکار کرنے کے لیے ہم کوئی وجہ بیان نہ کر سکتے ہیں نہ ہی۔" وہ بیسار رک کے ایک بار پھر سوچنے کے لیے مجبور ہوئی۔

"اگر انکار کرنا ہے یا پرپوزل مسترد کرنے کا کوئی معقول جواز ہمارے پاس نہیں۔ تو ہمیں خود اقرار کرنے کی ضرورت ہے۔" اپنے اس خیال پر وہ چونک اٹھی۔

"ضروری تو نہیں صرف محبت ہی ہر رشتے کے پیچھے کارفرما ہو۔ بعض رشتے کچھ اور پہلوؤں کو مدنظر رکھ کے بھی استوار کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ محبت ہمیشہ اپنے اصل روپ میں ہی متعارف ہو۔ کبھی کبھی پسندیدگی اور تنہائی آپس کے رشتے میں وہ شے بھی پیدا ہو لیتی ہے اور جس طرح ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے دل کے آئینے پہ ابھی تک کسی نے اپنی محبت نام کا عکس نہ بنایا۔ چاہے وہ عصمت ہو شہزاد ملک ہو یا

کوئی اور۔ اسی طرح یہ بھی ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم شہزاد ملک کو پسند ضرور کرتے ہیں اور ان کی ایک نہیں کئی وجوہات ہیں۔ بہت کچھ ہے ان میں جو ہمیں متاثر کرتا ہے۔ جو ہمارے مزاج سے میل کھاتا ہے۔ کیا یہ انٹینشن ہم آپس کسی رشتے میں داخل کے محبت کا روپ نہیں لے سکتی اور یہ بھی لے۔ ایک بات تو طے ہے کہ ہم محبت کے بغیر رہ سکتے ہیں۔ آج یہ بار سے کہہ نہیں۔" وہ جیسے ایک نتیجے پہ پہنچ گئی۔

* * *

"امی جان! بسا اوقات چوبارے سے تقسیم کریں تو ایسا حاصل آئے گا۔"

صاحبزادی ہمیں نایاب کی تجاویز پہ چونک اٹھیں۔ ان کی طبیعت پریشان کن خیالات میں گھرے بن کے بعد میں بیٹے کی تجاویز بھی کچھ دیر تھیں۔ کسی ویران کھنڈر میں سی تنہا اور ابھی تھیں کی صدا۔ خالی خالی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتے لگیں۔ مختلف سوچوں کا آنا جانا ان لفظوں سننے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر ان کے مفہوم جاننے کی اہلیت سے قاصر تھا۔ نایاب نے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا۔

"حاصل۔۔۔؟" وہ بولیں۔

"کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ تقسیم کر دیا مگر حاصل اب بھی کچھ نہیں۔ خالی ہاتھ، خالی دامن ہیں ہم۔"

"ایک۔۔۔" بوا جی کے سوالیہ انداز میں نہیں دیکھنے لگے۔ ہمیں نے اپنا سر پھر سے پلنگ کے سرہانے ٹکا دیا۔ بھیگی بوجھل نظریں بہت روکی سے گردش کرتے پلنگ کے ساتھ والی آتی پر ٹکی تھیں۔ خشک لب اب بھی بھوکھوں سی حرکت کر رہے تھے لیکن آواز مفقود تھی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد زبان وہ کے نایاب نے کاپی الٹ دی۔

"کوشش تو ابھی باقی ہے حضور کے گھر دیکھیں۔ ہمیں یوں ہی۔ اب کون بتائے گا؟"

کچھ دیر مزید ان کی جانب سے کسی ردعمل کا انتظار کرنے کے بعد پاس ہو کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ جہاں پہلے ہی اقدس اور شمشیر زمن پہ چنگل بچھائے اپنے ان پالتو کے کھلونوں سے کھیل رہے تھے جو کچھ روز قبل ان کے ماموں عصمت انہیں دے کر گئے تھے۔

"کیا حاصل ہوا؟"

صاحبزادی ہمیں کے ذہن میں اب تک اسی سوال کی تکرار جاری تھی۔ دبیل ہی دل میں حساب لگا رہی تھیں کہ بابر ہمایوں مغل کی بیس نظرت اور رنگین مزاجی ان شادی کے اونچی نہ دھیں ہی کھل گئی تھی اور اپنے والد کی وفات کے بعد تو مزید حل کے سامنے آتا تھا۔ وہ تمام برائیاں جن کے اس شخص میں ہونے کا پہلے صرف ہمیں کو شک تھا اب یقین بھی ہو گیا۔ قمار بازی، شراب نوشی، ہیرا پھیری، بازاری عورتوں سے وہ تعلق۔ یہ سب شغل جو پہلے اسے باپ کے لحاظ اور خوف سے چھپ کے پورے کرتے تھے اب وہ کھلم کھلا کرتا تھا۔ ہوئی کا ذرہ اسے پہلے تھا۔ نہ اب۔ ہاں لیکن صاحبزادی ہمیں اس کی طرح لاوارث نہ تھیں۔ ماں کے سر پہ تو کوئی پوچھنے والا نہیں کرنے والا نہ رہا تھا مگر ہمیں بیٹے اپنی بزرگ پہ والد کی لاڈلی اور باپ جیسی شفقت دینے والے اپنی ان ہی کے مالک پہ حضور کا وہ عزیز رہا۔

اس ذرے دوانے ماں تک بابر کے تمام اوصاف پہ پردہ ڈالنے کی کامیاب سعی کرتی رہی تھیں کہ ان کا بھرم سلامت رہے۔ اگر وہ اپنے تئیں بیٹی کو باعزت طور پہ ایک اچھے گھرانے میں بیاہ کر اس کا مستقبل ایک اعلیٰ خاندان کے ہونہار چشم و چراغ کو سونپ کر مطمئن ہیں تو وہ انہیں مطمئن ہی رہنے دیں۔ انہیں کسی قسم کے

پچھتاوے یا احساس جرم سے دوچار ہو کر گزشت کریں گی کہ اس سب سے وہ نہیں بھلا پائے گا۔ اپنے ہی دکھ بہت ہیں سنبھالنے کو۔ انہوں نے زندگی کی کڑواہٹ کا دکھ۔ لڑکیوں کی محرومیوں اور کم آمدنی کا دکھ۔ شریک حیات کی جانب سے محبت اور توجہ کی عدم موجودگی کا دکھ۔ غربت اور کسمپرسی کا دکھ۔

ایسے میں دل ناداں میں اتنی شکست کہاں ہو جاتی ہے کہ اب اپنے بزرگ اور قابل احترام ہستیوں کے دکھ بھی جھیلنا پڑے۔

کمال تو مہمل کو اب تک یہ اطمینان تو حاصل تھا کہ ان کی جانب سے چچا حضور اور امی حضور مطمئن و شاد تھے' بے فکر تھے اور اب اچانک ہی یہ اطمینان بھی رخصت ہو گیا۔ پھر کمال کی لاچارگی سے اب تک بوڑھی عمارت کے ساتھ پیوند لگانا کارِ لاحاصل تھا۔ ہر قدم خود بہ خود حیات کی سرد ٹھنڈی کرتی چلی آ رہی تھیں' یکدم ایک جھٹکے سے تار تار ہو گئی۔ ان کی ساری تمنائیں' محرومیاں' تمام دکھ ایک ایک کر کے ان مہربان ہستیوں پر عیاں ہو گئے جن کے سامنے انہوں نے ہمیشہ خود کو راضی برضا اور مطمئن ظاہر کیا تھا۔

سب سے پہلے ان کے بھرم کا پردہ ان کے اپنے ماں جائے' لاڈلے بھائی صمیص نے چاک کیا۔ وہ گم صم کھڑی اسے دیکھتی رہیں اور وہ ان کی حالت سے بے خبر خوش جذبات میں چچا حضور کے سامنے ایک ایک کر کے باہر جانوں کے تمام اوصاف گنوا رہا تھا۔ یہ اس تمنا میں اچھا تھا۔ یا شاید اس نے ایک نظر صاحبزادہ شمیں کے جھکے ہوئے شانوں' بادل جو ہمیشہ زمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہونے کے باوجود قوی دکھا کرتے تھے۔ ان کی لال سے بھری' جھکی نظروں کو دیکھا' شکستہ قدموں کو پلٹتے دیکھا' ایک نظر انہوں نے صاحبزادی خلعت النساء کے زرد پڑتے چہرے اور لٹکتے لبوں پر ڈالی۔ اس کے جوان کی آنکھوں میں مزید کچھ دیکھنے کی صلاحیت نہ رہی۔ تمام منظر جیسے تاریکی میں ڈوب گئے۔ تھکی تھکی اداس اور خوف بھری نظروں کو سنبھالنے کی نیت سے وہ کمرے میں بند ہو گئیں۔

ابھی اپنی گم مائیگی کا بھرم ٹوٹ جانے کا غم کم نہ ہوا تھا کہ گل مہر کے انکشاف نے انہیں اور بھی بے حیثیت کر دیا۔ اس نے سب کے سامنے ان کے شوہر کی عیاش طبع اور رنگین مزاجیوں کا پول کھول دیا۔ اب وہ مزید نہ سہار سکیں اور اپنا سچا بھرم سمیٹ کر واپس اس اذیت کدے میں چلی آئیں۔ جہاں لٹنے والے غم و دکھ کی اذیت دہ سب سے زیادہ تھا۔ کم از کم انہیں انگاروں پر چلتے ہوئے دیکھنے والا کوئی تماشائی نہ تھا۔ ان کی طعن صرف ان کے اپنے حصے کی تھی' اس میں وہ کسی اور کو حصہ دار کیوں بنائیں' اور وہ بھی ان لوگوں کو جو ان کے لیے سدا بددعائیں ہی مانگتے رہے ہیں۔ ان کی اولاد ان کی اولاد کے لیے بھلائی چاہتے رہے ہیں۔

"یہ کیا فضول سے کیا ہوا نا ہمیں پہنچ جلدی آنا تھا۔"

باہر کی چیخ و طلبہ آواز سنائی دی۔ شاید اس کے لیے ان لوگوں کی آمد غیر متوقع تھی۔ تینوں بچے دن کی ڈھلتی ہوئی ہمی کی آوازیں اور معصوم باتیں اس مکتب خانے میں بھی یاسمین کو سنائی دے رہی تھیں۔ باپ کی آمد کے ساتھ جیسے سحر کر معدوم ہو گئیں۔ تینوں بچے اپنے کھلونے سمیٹ رہے ہوں گے۔

یاسمین نے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ پتہ نہیں کب آنسوؤں کی بوند نے قرار پکڑا اور رستہ بنا تھی چہرے اور گردن کو بھگو لیا ہوں میں جذب ہو گئی تھیں۔ سوچنے سے چہرہ اور آنکھیں خوب اچھی طرح رگڑ کے دھو لیں۔ اور اٹھ کے بیٹھ گئیں۔ بارہ بجے ہوں گے حسب معمول بھوحتا الزکمنا آنے میں آنے والی چیزوں کو تھوکریں مارتا گیا۔ اس کے سلام کا جواب دینے کی زحمت کیے بغیر جوتے اتار کر سگریٹ سلگا لی۔ یاسمین کے پلنگ سے اٹھنے پر باہر نے اپنے ہوش و حواس کو گرما لیا۔

غلاف معمول آج یاسمین جانے پہلے کا کھانے کا پوچھنے کی بجائے چپ چاپ چولہے کے نزدیک گھسیٹ کر بیٹھ گئیں اور تھیلے میں سے چار آلو نکال کر چھیلنے لگیں۔ بچوں نے اندر آنے کی کوشش کی تو انہیں بھی دھتکارنے سے منع کر دیا اور باہر کھیلنے کا کہا۔

بے نیازی کی یہ مقام پہ پہنچ کر کوئی حد نکلا۔

"تین دن بعد آج آمر کا کھانا نصیب ہو رہا ہے۔ کیا یہ چار آدمی رکھے ہیں ہمارے لیے۔ خود تو سیکے بیٹھ کر حکم پکوان اڑائے ہوں گے۔"

"میری میں صرف مکئی گھر موجود ہیں یا بیٹھ رہا ہوں اس لیے آم آدمی کھیلنا رہے ہیں۔ اگر نہیں پسند تو دال چڑھا دیتے ہیں۔" یاسمین کے بھی تیور تیز ہو گئے۔ یہ بھی جواب دیا۔ یہ بھی تلخی۔ یہ اب لہجہ تلخی نا آشنا سا تھا۔

"کہیں اللہ صاحب کیا بالکل ہی اڑ گئے ہو گئے ہو مکئی کو ٹالی تو تم گھر تیج لیا۔"

"اللہ نہ کرے۔ ان کے ہاتھ میں خدا نے محنت کرنے کی صلاحیت رکھی ہو' وہ لالچی کبھی نہیں ہوتے۔"

"زبان چلاتی ہے مکئی۔" باہر بھڑکے الحاد وہ سمجھنے کی بجائے سکون سے آلو چھیلتی رہیں۔ باہر کے طیش سے الجھنے تو وہ ساکت ہو گئے۔

"پیسے ہیں تو لاؤ گوشت لے کر آتے ہیں ہم۔ دو دن سے نان پکوڑے' چنے کھا کھا کے واقعہ زبان روکی ہو کے رہ گئی ہے۔" آخر غصہ نیز ذلیل کر وہ مطالبہ کر بیٹھا۔

"ہمارے پاس دو پیسے نہیں ہیں اور بازار کے چنے' پکوڑے کھانے کا حصہ آپ کا اپنا تھا۔ صمیص میاں آپ کو باقاعدہ کہہ کے گئے تھے کہ آپ بھی یہاں رہیں۔ اتوار کی صبح وہ بتا کے آپ کی خاطر خواہ اہتمام بھی کر کے رکھا تھا مگر آپ کی مصروفیات۔"

"تیاں۔ کوئی کام آن پڑا تھا نا۔ ایک صاحب نے کہیں بھیجا تھا۔"

"تین صاحب نے ہمارا اور کرنے کر بھیجا تھا تو کیا خاتی ہاتھ بھیج دیا تھا۔ ہمارا مطلب ہے' موٹر سائیکل ڈلوانے اور گرمی کو تحائف لے کر دینے کے لیے رقم تھی تو چنے کھانے کی بجائے کچھ پکا بنا لیا ہوتا۔" بظاہر بے حد سکون سے یہ تنقید ادا کیا گیا مگر یہ تو وہ جانتی تھیں کہ اس وقت ان کے سینے میں کیسے بھانبھڑ جل رہے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے باہر حق بلی رہ گیا۔ اسے شاید یاسمین کی جانب سے ایسے دھڑکے سوالی کی توقع نہ تھی مگر اس کی یہ دلی خواہش صرف حیرت کے زیر اثر تھی۔ حیرت کی تو اسے جھوٹ کہہ کر دی تھی۔ وہ اسی اس کے نزدیک بیوی کو حقارت بنا کوئی ضروری امر تھا۔ اور مزید بھڑک گیا۔

"مطلب آپ سے کام بھی شروع کر دیا۔ اے اس آوارہ بھائی سے شوہر کی جاسوسی تک کرانا شروع کر دی۔ ہونہہ بڑے نواب بنتے پھرتے ہیں۔ اوقات تو یہ ہے کہ راہ کے پیچھے تو سمجھنے والے کتوں کی طرح لگے رہتے ہیں۔"

"خدا کا واسطہ ہمارے اوپر اور بچاؤ کچھ بات مت لائیے۔ ان کا اس سارے قصے سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی تعلق نہیں۔ ان سے آپ کی جاسوسی کرانا تو درکنار ہم ایک حرف شکایت تک کا ذکر انہیں کرتے۔ آپ کو اپنی عزت کا یہ تھی تو ہمیں ہرجائی یہ خیال ضرور ہے۔ ہمیں یہی تربیت دی گئی ہے کہ جس گھر میں بیاہ کر جائیں' اس خاندان کی نیک نامی کو اپنے وقار سے جوڑ کے عزیز جانیں۔ ہم تو بیٹے آپ کی عزت کی پردہ پوشی کرتے رہے ہیں۔"

"اچھا تو کیا تو آدھی رات کو سڑکوں پہ مٹر گشت کیا جاتا تھا۔ ہمارے بھائیوں' مثل ہیں یاسمین خانم' ان میں سو لوگوں کو ہزار ہیکر دیتے ہیں۔ ہمارے ساتھ یہ چار سو بیساں کھیلنے کی کوشش مت کرنا۔ آج پہلی بار یہ دیکھا ہمارے سامنے کھلی ہے اس لیے معاف کرتے ہیں ورنہ قسم بھی نہیں جاتی ہمارا ظرف اتنا بڑا نہیں۔ بے ہی قوت برداشت اتنی زیادہ ہے کہ ایسی زبان دراز بیٹیاں اور بہنیں اپنی سب ہیں۔ آئندہ ہمارے معمولات میں دخل دینے' اپنے باپ' چچا' بھائی کی دھونس دینے یا پھر کسی قسم کا سوال جواب کرنے کی جرأت کی تو گدی سے زبان کھینچ لیں گے۔"

"تم آپ کو اپنے باپ' چچا اور بھائی کی دھونس نہیں دیتے مگر آپ کو آپ کے اپنے مرحوم والد کی نیک نامی اور شرافت کا واسطہ دے کر یہ بتا دوں کہ آپ ایک عزت دار اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں پھر تم

نوکروں کے اخراجات اپنے کاندھوں پر کیوں اٹھا رکھے ہیں۔"

"جو مرگئے اسے مرنے اور ہمارے لیے کیا چھوڑ گئے ہے اس خالی خولی نام اور کھوکھلی شرافت کے علاوہ ہم اپنا مال مارکر ان کی روحوں کو شاد رکھنے کی کوشش کرتے پھریں۔"

"تمہارے لوگوں کا واسطہ دیا جاسکتا ہے نا۔ آپ کی جوان ہوتی بیٹی ہے بڑی عمر کے تین بیٹے کیا یہ بھی آپ کے خاندان سے تعلق قدم نہیں رکھ سکتے۔"

باپ کی موت ممکن ہونے سے پہلے ہی باہر کا تعلق ساتھ چھوڑ چکا تھا جس کا جواز اس پر چھری مٹی کی ہندو دیویوں کے لیے فرض پہنچنے کی نظروں میں کھڑی تھی۔ اور یہ آدھے بیٹے تھے اور سالہ دار رور تک پھیلا تھا۔ رنگ کی اس سے جرمنی پر اکتفا کرلی اور آنکھیں دانوں بھر آئیں۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر اللہ سے توبہ کرنے لگیں۔

"ہمیں عورت سے کتنی ہے اپنے مرے ہوئے باپ کی احترام کرو۔ ارے اس شخص کی مغفرت کی دعا کریں۔ جو مرنے سے پہلے اس عورت کی صورت ہمارے لیے ایک مستقل عذاب کا بندوبست کر گیا۔ بند شکل تھی۔ نوٹنے کیا سوچ کر اس بے رنگ، بے کی بھوری عورت کو ہمارے سر منڈھ دیا گیا ہے۔ ہماری شرافت نہیں تو اور کیا ہے کہ چودہ سال سے برداشت ہیں۔ لیکن اگر یک بک کرنے کی عادت ایسی ہی رہی تو ہمارے عقیدے ہوتے یانوں اور دوستی کو بھی نباہ نہ کریں گے۔ ہمیں سمیت ہوتی سے کپڑے نکال باہر کریں گے پھر دیکھتے ہیں اعلا حضرت چچا ان پانچ جانوں کو پیٹتے نکالتے ہیں یا پھر سے کوئی کاٹھ کا الو ڈھونڈتے ہیں اس بدشکل بدزبان اور بڑی مر بیٹی کے لیے۔"

* * *

ڈیکر کا وقت تھا گرمیوں کی صبح تھی اس لیے صبح کی اس اولین ساعت میں بھی کھلی کھلی سی روشنی تھی۔ صاحبزادہ نفیس علی خان حسب معمول اپنی آتشی چھڑی ہاتھ میں لیے دور تفریح کا ورد کرتے نماز باجماعت ادا کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے۔ چند قدم کے بعد ان کو احساس ہوا کہ کوئی ان سے دو قدم پیچھے چلا آرہا ہے۔ وہ ایسا سا کھنکھارے۔

"السلام علیکم چچا حضور۔ عقب سے عصمت کی آواز۔ وہ قدرے چونکے۔ بلند آواز میں اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے رفتار ذرا دھیمی کرلی۔ اس طرح وہ ان کے خاصا قریب آگیا۔ عقیدت احترام کی وجہ سے ایک قدم کا فاصلہ واقع برقرار رکھا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان نے کن انکھیوں سے نوجوان بھتیجے کو دیکھا جس کے روپ میں وہ ارادتاً ترجمے کی کا احساس ہوتا رہے تھے اور جس سے پچھلے چند روز سے ان کے تعلقات سرد پڑتے آرہے تھے۔

سفید لمبی کرتے پہنے ہوئے کرتے کے سارے بٹن بند کیے آستینوں کو کہنی سے ذرا نیچے تک موڑے ہوئی سفید شلوار، ہوائی چپل اور گھنے بالوں کے اوپر رکھی سفید ہوائی کی ٹوپی کے ساتھ وہ ان کے دل میں اترنا ساری تاریخیں کی عقیدتمندانہ لگا۔ دل ہی دل میں وہ تصور سے چلنے والے کلمات ادا کرنے لگے۔

"کیسی طبیعت ہے چچا حضور؟" اس نے مودبانہ سوال کیا۔

"الحمدللہ۔ عنایت ہے رب کریم کی۔" مسجد کے احاطہ داخل ہونے سے پہلے جوتیاں اتارتے ہوئے انہوں نے کہا۔ اس کے بعد ایک ساتھ وضو کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہوئے ایک ہی رکعت سے اکٹھے واپس جاتے ہوئے دونوں کے درمیان اور کوئی گفتگو ہوئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی صاحبزادہ نفیس نے اپنی عینک کی جائے جوبلی کے اندر والے حصے میں قدم رکھا۔ یہ ان کا معمول تھا۔ وہ ان کمرے کو عینک میں ملاقاتوں یا احباب کے ساتھ شخصی برتاؤ کرتے یا زمینوں کے کام سے باہر چلے جاتے۔ دن بھر کھانا پینا چائے اور قیلولہ تک رہتے ہوئے رات کو کھانے کے لیے آتے اور نماز ادا کرتے مگر یہ رات کا معمول نہیں تھا۔ اگر رات کے کھانے پر کوئی دوست احباب مدعو ہوتے تو کھانا بھی عینک

میں منگوا لیا جاتا اور عینک سے متصل اپنے کمرے میں سونے کی نیت سے جاتے تو صاحبزادی حرمت النساء ان کی کمرے میں پانچ بجے تک رہتی۔ ان کے کسی بھی اوقات یا رات کو ان کی اہلیہ ثانیہ کے پاس آنا ان کی فرصت سے مشروط تھا۔ تقریباً تین گھنٹے کی ازدواجی زندگی کے بعد ہی ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ فرمائشیں کرنا بے سود ہے۔ "خدا احوال جانتا اور فرد کے دشمن کو بد دعا معاوات پہ حکمی سے کام رہتے تھے۔

سب سے پہلے وہ دالان میں رکھے تخت پر نماز کے بعد وظائف کا ورد کرتی صاحبزادی خلعت النساء کے پاس گئے۔ ان کا احوال دریافت کیا۔ وہیں ان کے تخت کے ایک سرے پر بیٹھے تھے جب صاحبزادی حرمت النساء ان دونوں کے لیے چائے لے کر آگئیں۔ صاحبزادی خلعت النساء نماز سے پہلے ہی ناشتہ کر لیا تھا۔ صاحبزادی حرمت النساء کا ناشتہ ابھی نہیں کیا تھا۔ نفیس صاحب ناشتے سے پہلے بھی چائے پیتے تھے۔

"صاحبزادی الناس خاتون دریافت کر رہی تھیں کہ آج آپ ناشتہ میں کیا پسند کریں گے۔" انہوں نے اپنے شوہر سے سوال کیا۔

"طبیعت میں کچھ کرانی ہی نے نظر مرحومہ کے ساتھ کچھ ایسا کھلا دیے جیسے باقر خالی خیریت" وہ جواب میں کہتے والی تھیں کہ اب تک وہیں کھڑے عصمت نے آگے بڑھ کے انہیں روک لیا۔

"ذرا رکیے چچا حضور! کچھ ایک ضروری بات کرنا تھی۔ ای حضور اور چچا حضور کے ساتھ آپ بھی یہاں موجود ہیں اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے۔"

اتنا کہہ کر اور کاروں اور فیلوں کے چوبدار کی جانب بازو پھیلا کر دکھایا۔ ای حضور کے دور کرتے لب مرتعش ہو گئے۔ چچا حضور بھی بیٹھ گئے تھیں۔ چچا حضور کے ہاتھ کی ترکت اپنی چھڑی کے دستے پر مضبوط ہو گئی مگر تیوریوں نے ہی ابھی سوال کرنا بھی نہیں کا اظہار کرنا ان کیا۔

"چچا حضور! میں بھی دکان کی جانب جا رہی ہوں۔ آج بعد نماز تمہیں اپنی ای کے کام کا آغاز کر رہا ہوں۔ میری خواہش تھی کہ اس کام کا آغاز خدا کے بابرکت نام سے آپ خود سے میرا مطلب ہے اگر آپ کو ناگوار گزرے تو میں آج آپ سے تو دیر کے لیے اسٹور آنے کی درخواست کر سکتا ہوں۔"

اور وہ منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھنے بار بار ہوں تھے خاموش تھی۔ ایک جاں اور تھی۔ مجھ میں نہ آنے والی خاموشی۔

"آپ میرے بزرگ ہیں۔ میری خطاؤں اور قصور کرتے آئے ہیں۔ میری کوتاہیوں کے باوجود آپ نے اپنی شفقت میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ میں نے ہوش میں آتے ہی اپنے والد کی جگہ آپ کو دست شفقت اپنے سر پر محسوس کیا ہے اور آج تک بھی۔ زندگی کے ایسا بھی ہم ہو پا رہی ہے خواہش رہی کہ آپ کی دعائیں میرے راہنما ہوں۔"

"ہماری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی بیٹا۔" وہ کچھ متذبذب نظر آتے تھے۔

"دعاؤں کا تعلق ہے۔ میں کچھ تو ملنے ہو جاتا ہے کیا یہ ضروری ہے کہ ہم یہیں آئیں۔" بہت خوبصورت انداز میں انہوں نے انکار کرنا چاہا۔

"میں آپ سے ضد اور اصرار کرنے کا حق بھی رکھتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"ہم بھی آپ سے بہت کچھ منوانے کا حق رکھتے ہیں لیکن ہم نے یہ حق استعمال نہیں کیا۔ اس لیے یہ کرتے جانے ہی دیتے ہیں۔" انہوں نے خفیف سے کہا۔

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ زندگی کے اتنے اہم موڑ پر ایک نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے میں اکیلا ہوں؟"

"ایسا مت کہیے عصمت میاں!" صاحبزادی حرمت النساء نے تڑپ کے کہا۔

"نہ انحوا نہ آپ تمہارا ہوتے گئے۔ دعاؤں کی دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ہمراہ ہیں اور ان اللہ کا ہم بھی۔ ہم سرخروئی سے ہوتے جا رہے ہیں۔"

صاحبزادی غلامت النساء بھی ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے نزدیک بلایا۔ وہ قریب آیا تو اس کے چہرے پر دھاریں سی بنتی چلی گئیں۔ "ابھی کچھ کہا سنا نہ کے بعد ہم آنکھوں کے ساتھ اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

عمیص نے آہستگی سے رخ پھیرا۔ اب وہ صاحبزادہ تھیں علی خان کے روبرو تھا۔ اور اس کا سر خود بخود جھکنے کی طلب میں جھکا ہوا تھا۔ ان کا ابھری ہوئی نیلی رگوں والا اشفاف و سفید ہاتھ بلند ہوا اور اس کے گھنے بالوں پہ ٹھہر گیا۔ اسے دل سے دل پہ پھیلا اضطراب عمیص کو پل بھر میں بھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

* * *

"تو تو باز نہیں آئے گی۔" ساری روداد سننے کے بعد نگاہ نے آنکھیں نچاتے ہوئے اسے گھورا۔

"میں بھی سمجھا تھا اس شکل کے بچے کے جہاں میں نہ تو سوطوانفیں پیدا ہوں گی تو اس آسیبے کا خیر الحا ہو گا۔ تو بھی ہے کہ آتی کھڑے کھڑے بچے کے ورثے کو تو تب کہ پرانے پڑھانے میں مگن ہے۔"

"تو ہے کہ اگر تمہیں اماں کی بات کو کہاں بلا دیتی ہو۔" "اوکی" بھی لفظ "بات" گراں گزرا۔

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے باز محل صاحب ہرگز ایسے نہیں لگے جیسے کہ تم ڈرا رہی ہو۔ ہاں یہ تو ہے زبان ضرور ہیں اقدرے رنگین مزاج یا حسن پرست کہہ لو۔ تو میری جان یہاں کون حسن پرست نہیں ہے۔ تم اگر اس شخص کو حسن پرستی کا طعنہ دیتی ہو تو آپ ہے جاب یہ حسن تھوڑا یا حسن اتفاق ہو۔ تم اگر مجھے ان تین چار ملاقاتوں میں ان میں ایسی کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی تو میں اپنے بے خطرہ سمجھوں۔"

"یہی تو بات ہے۔ تم آنکھ اس میدان میں نئی ہو۔ سو یہ تمہیں کے لیے ایک عمر بھر کا ہے ادا تجربہ اور وہ بھی باہر جیسے ہو جو ہر طرح پرست پرست کھلتے ہیں اور ہنستی پر تھی کھلتی ہیں۔ اتنے ہی آنسو بھی نکلتے ہیں۔ یہی پیچھے دور کھنگورنے والے اٹھا ہیں اور آگے کچھ بچے جانے والے موقف مارتے ہیں۔ ان سے تو وہ کتوں کی طرح ران بکاتے چھوڑی اور ملکہ زادے اینٹھے۔ تم ان کو کیا کے تو نہیں جانتے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں تو تم سے یہ کہنے کی کہ اس دن تمہارے نہ آنے کے باوجود میرا کام ہو گیا۔ باز صاحب کے ساتھ جا کر میں نے لغت اور بے کے ہوتوں کا ریکارڈ کروا آئی تھی اور تمہارے کہ لیکچر دینے کے بعد خود ایسے ایسے لغتے اور فرنٹ سٹوں کے ساتھ پھر لی ہو جو تو پھر بھی خاصا بے ضرر انسان ہے۔ ایک بار اسی نوٹس کی مختلف کوتاہ کے مجھے خریدنے کی کوشش نہیں کی۔"

اس بات پہ نگاہ ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

"اری پگلی نوٹ اس کنگلے نواب کے پاس ہوتے تو وہ کہاں تک مفت خورا ہے مفت خورا ہے بخشش میں ملی چیزوں پہ مدار کی عادت ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ مگر اتنی پہچان تو مجھ کو بھی ہوتی ہے کہ کس عورت کے ساتھ کس طریقے سے پیش آتا ہے عورت پڑھا لکھا سب ہے۔ "عورتوں کی تحقیر" ہے۔ بازاری عورتوں کے ساتھ ہو سکتا ہے اس کا رویہ ویسا ہی ہو جیسا تم تاثر دیتی ہو مگر اس کے برتاؤ میں اب تک ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا۔ کم از کم اس پرزنٹیشن میں آنے کے بعد اتنا ہے وشاید وہ ستاد رویہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے ادا! اور میں دعا کروں گی کہ یہ دماغ بغیر کسی تکلیف دہ جھٹکے کے ہی ٹھیک ہو جائے۔"

● ● ●

"بیچی حضور! کیا بات ہوئی جو آپ جان جھانک اکیلی دانی چلی گئیں۔ وہ تو چند روز رہنے کی نیت سے آئی تھیں ناں۔"

عمیص نے نگاہ کے روانہ ہونے کے اگلے دن ہی دوبارہ اپنے خیال کا سوال کی شکل دی۔ اگرچہ یہ سوال موتیا اور اپنی والدہ سے بھی کر چکا تھا کہ جواب تسلی بخش نہ ملنے پر اس نے یہی بات اب صاحبزادی غلامت النساء کے آگے دہرا دی۔

ان کے چہرے پہ اچانک نمودار ہونے والی سراسیمگی اس کے اندیشوں کو اور بھی ہوا دے گئی۔

"کیا ہوا تھا کیا باہر بھائی صاحب کچھ کہہ گئے؟"

"وہ تو آئے ہی نہیں۔ شاید صاحبزادی یا ممکن کوئی اور بات ہو مگر خدا خوشہ شاید ہو اسی لیے وہ جلدی چلی گئیں۔" "وہ رخ پھیر کے برآمدے کی جنی اور کرنے لگیں۔ عمیص نے ذرا توقف کے بعد مزید کریدنے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پھر میرے ساتھ ان کے ہاں ہو آئیے۔ ہو سکتا ہے واقعی بھائی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہ ہو اور بعد میں انہیں گلہ ہو کہ کوئی خیریت تک دریافت نہ کرنے آیا۔"

"ہمیں ہمارے خیال میں یہ مناسب رہے گا کہ کل پہلے ہم آپ کے چچا حضور سے اجازت لے لیں۔"

"ٹھیک ہے آپ کی مرضی میں کیا کلام۔ یہ بار ہمارا ہوں۔ تب میں بات کر لیتی ہوں۔ شام کو دونوں کو تھکتے ہیں۔"

"نہیں شام کو نہیں۔ تب پتہ جانے ہیں ہم ساری زندگی شام ڈھلے کبھی گھر سے نہیں نکلے۔ ہمیں تو اندھیرا ہونے لگتا ہے۔ کل سویرے ناشتے کے بعد نکل چلیں گے۔" "اسوں نے دیا ہے آواز کی خاطر کر دی۔ وہ خود بھی جانتی تھیں کہ ایک بار یا تین بار ہمیں ہم کل کراس کی ذمہ داری کریں گے۔ جانتی تھیں کہ اس کی اچانک روانگی کا سبب کل صرف کا وہ انکشاف تھا۔ انہوں نے تو شدید سے اسے بھلاتے ہوئے اور اپنے وقار فرما خود والد پہ مرا ایک بہتان آزاد دیتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا چاہا تھا۔

"آپ کل کی بات ہے۔ ہمت جھوڑ نہیں۔ مجانے انہوں نے کس ناہنجار کو دیکھا اور ہمیں سمجھ نہیں۔ بات کرتے ہوئے ان کو اتنا بھی احساس نہیں رہا کہ بلا ثبوت کے اتنا بڑا الزام لگانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بیچی حضور! کل غلط نہیں کہہ دیں۔ ہمیں یہ بات ضروری لیے ضرور متوقع ہے۔ آپ کے والد کے ساتھ دن رات گزرتے ہیں چوبیس گزرتے ہیں۔ کیا کون سا چلو ہو سکتا ہے ان کی ذات کا بھید کی بے پوشیدہ رہنے کے باوجود کی فکر کو تیرا فرد آ رہے۔ دکھ تو ہمیں اس بات کا ہے کہ ہمارا بھرم نہ صرف ہمارے بزرگوں کے سامنے بلکہ اپنے چھوٹے چھوٹے بھائیوں کے سامنے بھی تار تار ہو گیا۔ آپ نے ہی ہمیں بتایا تھا کہ عورت کی شان اس کے مرد کی شان سے ہوتی ہے۔ اگر اس کی عزت ہو تو عورت بھی عزت والی کہلاتی ہے۔ اس لیے اپنے شوہر کی عزت ہر حال میں بنائے رکھنا بیوی کا فرض ہے۔ یہی سوچ کر ہم ان کی تمام کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرتے رہے تاکہ مسرتیں ہمیں ہماری عزت بدستور ملتی رہے۔ جو دامنوں کا حق ہوتی ہے۔ لیکن آج ہمیں اپنا آپ بے حد ہلکا اور کم مایہ محسوس ہو رہا ہے۔"

اگرچہ عمیص کی بات بے تکی سی دیر تک صاحبزادی حرمت النساء کچھ کہہ نہ سکیں۔ کل ہونے والے سے ہی ان کے ہوش اڑا رکھے تھے لیکن وہ اسے پوری طرح جانتے ہوئے مسلسل ممتا کے خود کو تسلی دیتی آ رہی تھیں اور اسے خود کو سلا دینے کا کوئی بہانہ نہ ملا تھا۔ جب خود ہی ہمیں نے باہر کی صلاحیت انہیں دکھا دی۔ تھی ہی ابھی تک ہم بھی یاسمین کے زرد اداس چہرے پہ بہتے آنسوؤں کی لکیریں تھی دیں۔ ان کا دل بری طرح دکھ گیا۔ اس کو سینے سے لگاتے ہوئے بھرائے لہجے میں کہا۔

"آپ کیوں ایسا سوچتی ہیں۔ تب اس گھر کی بڑی بیٹی ہیں۔ تب خدا نخواستہ کیوں بلکی ہونے لگیں۔ آپ کی اب بھی وہی حیثیت ہے جو پہلے تھی۔"

"تاہیں بیچی حضور! اگر کل ہم کسی کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتے۔ نہ ہمت کسی کی بدگوئی برداشت ہوتی نہ ہی کسی کی ترحم بھری نظریں سہی جا سکیں۔ ہمیں جانے دیجئے خدارا۔" اور پھر وہ سسکی ایک بہتے ہوئے آنسو چلی گئیں۔

"کس سوچ میں گم ہیں ابھی حضور!" سوتا بار آمدے میں نکلی تو انہیں گم صم اداس بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"ہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ چونکیں۔

"وہ صحیح نہیں کہہ رہے تھے کہ وہ کل انہیں صاحبزادی یاسمین کی طرف لے چلیں گے۔ تو ہم کیا سوچ رہے تھے کہ آپ کے ابا حضور تو زمینوں پہ جا چکے۔ لہٰذا کرے شرام کو جلدی لوٹ آنیں تو ہم ان سے اجازت لے لیں۔"

"اف۔۔۔ امی حضور!" وہ چیخ پڑی۔

"اللہ کرتی ہیں آپ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی نئی نویلی دلہن میکے جانے کی اجازت طلب کرنے میں جھجک رہی ہو۔"

"صاحبزادی الماس خاتون!" انہوں نے تنبیہہ کی۔ اگرچہ وہ ظاہر یہ کر رہی تھیں کہ انہیں بیٹی کا یہ بے تکلفانہ انداز گراں گزرا ہے لیکن آنکھوں میں چھپی چھپی مسکراہٹ سوتیا کو دیکھ کر رہ گئی۔

"جی! آپ کی بیٹی کا گھر ہے۔ اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے اور اگر رسمی طور پہ کہنا ہی ہے تو ظاہر ہے کہ ابا حضور صبح تھوڑی ہی دیر میں گھر پر ہوں گے جو آپ اس قدر بیچینی دکھا رہی ہیں۔"

"وہ چند نہیں کرتے کہ ہماری بیٹیوں کے گھر زیادہ آباد جانا رکھا جائے۔"

"ذرا سنیے۔ ذرا پڑھیے۔ سوال میں ایک اندر چلے جانے کو آپ "زیادہ" کہہ رہی ہیں۔"

"صاحبزادی الماس خاتون! ہم سے بحث مت کیا کیجئے۔" وہ گلوری سے اسے ٹوکتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔ سوتیا کو ہرے ہرے حصے ناقابل کو کر نکلنے نے البدعہ صفحہ پہ بیک ہوگئے اشعار کیا۔

اظہار بھی مشکل ہے چپ رہ بھی نہیں سکتے
مجبور ہیں اللہ اللہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے

اس نے منہ کالی جیسے اپنی پانی چھڑ سیاہ انگلی ہلاتے ہوئے "لف اللہ" کا نعرہ لگاتے ہوئے تان بلند کی۔

"کوئی مرتع نہ ہاتھ سے جانے خدا کرے اور سوروں کے ذخیرے شکست ہی کرنے کا۔" سوتیا نے اپنے انداز میں اس کے فن کی داد دی جو لکھنے نے دانت نکالتے ہوئے خوش دلی سے وصول کی۔

❀ ❀ ❀

کاریڈور میں ایک وائٹ سوزوکی سرمئی کلر کی دیکھ کے شرمی کو اچھنبا ہوا۔ اس کے منہ چلنے والے گھر تک تو آتے نہیں تھے اور گھر میں موجود اس کے باپ سے ملنے والوں میں سے کسی کے پاس اب تک تو گاڑی نہ تھی۔ اپنی کار کھڑی کر دینے کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے اسے عمور کے کنارے کی جانب بڑھا۔

لان کے پہلو سے کھل کر ہنسنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا ضرور اس کے عزیز رشتے داروں میں سے کوئی اندر موجود فقط اندر بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے اندازوں کی تصدیق ہوئی۔ وہ دعا تھی۔ یا شاید اوسط جو سفید لباس میں کار پہ پیاں پیارے بیٹھی تھی۔ اس کا سر ہلکی کو تھی اور چہرے پہ بڑی آسودگی

"مگر اسے اور بلو کھلکھلا کے ہنستی ہوئی اسے کوئی مزید قصہ سنانے کے ساتھ ساتھ اس کے کھلے بالوں میں انگلی کی مالش کر رہی تھی۔ وہ ایک ہنسنے کے لیے ٹھٹک سا گیا۔ بڑا بھرپور بڑا خلل اور بڑا شرارتا منظر تھا۔ عرصے بعد بالوں سے پہ ٹرانی کے سائے رقصاں تھے اور وہ ہنسی تھی وہ اپنے کیلئے ایک مستقل بنا لیا تھا اس وقت ایک بے ہنر "مہم" ہو رہی تھی جو بڑی ہی اتھاک سے رقصہ سن رہی تھی جو تیسرے سے لے کر اب تک نجانے کتنی بار سن چکی ہوگی۔

"لیجیے شہزادہ بھی آیا۔" تیسری نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس اطلاع پہ شرمی نے واضح طور پہ ناک کے پھیلے لب سمیٹے اور منہ چلنے لگا۔ اس نے آہستگی سے اپنا سر اپنی ماں کی گود سے اٹھایا اور اس پہ ایک نگاہ ڈالنے کے لیے دونوں ہاتھ اوپر کر کے تیل سے بھیگے بالوں کی لپیٹ کو جوڑے کی شکل دینے لگی۔

"کیا تو خوش ہے بڑی جلدی واپس ہو گئی میرے چڑی۔ چل اچھا ہی ہے اسی بہانے دوسری سے بھی مل لیا تو نے۔"

شہدی تو جانے لگی تھی۔ میں نے کتنا کہا کہ یہ تو گندی دلی ہے "کس بات کی فکر آرام سے رات کی نوالی کھا کے جانا۔ اے شہزادے تو نے اپنی دادی کی گندی دیکھی۔" حسب عادت وہ ایک ساتھ کئی باتیں کر گئیں۔ شرمی لاپرواہی کو جواب دیے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ بلو کو اس کی یہ بے رخی بری طرح کھلی۔ اگرچہ وہ اپنے عزیز رشتے داروں سے شرمی کے اس بے مروت طرز عمل کی عادی تھی لیکن اس وقت دعا کا انکار توجہ نہ دینا اسے واقعی غصہ دلا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ دعا سے بلقیس کو نظری انسیت تھی۔ دوسرا واقعہ تھی جس کے ساتھ شروع ہی سے شرمی کا رویہ مشکلات رہا تھا۔ اگرچہ پچھلے چار سالوں سے مصروفیت کی وجہ سے یا شاید دماغ کے بوڑھے ہو جانے کے بعد اس نے اپنی توجہ کم کر دی تھی لیکن اب تک وہ بھولی نہیں تھی کہ کس طرح وہ اپنی طور پہ اس کی تعلیم میں دلچسپی لیتی تھا۔ خصوصاً اس کے بارے میں دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس کی ہر چھوٹی بڑی کامیابی پہ تحائف بھیجوا دیتا تھا۔ خود دعا بھی اس سے خاص انکار رکھتی تھی۔ اس نے شرمی کی بے نیازی پہ دعا کا آزاد چہرہ دیکھا تو سے سر سے تھا وہ تھی۔ اندر کمرے میں جا کر بیٹھ کو جا رہا تھا۔ شانے کا ارادہ کیا کہ دعا بھی دوپٹہ اوپر پن سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا امی! میں چلتی ہوں۔"

"ارے تو تو بیٹھ! ابھی ابھی تو شہزادہ آیا ہے۔ تھک جاتا ہے سارا دن کام کر کے۔ ابھی ذرا جو کے باہر آتا ہے چائے پی لے ذرا ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو تیرے ساتھ کب شب لگائے گا۔" انہوں نے دل بہلانے کی کوشش کی جو دعا کا دل اب اتنا بھی کم سن نہ رہا تھا کہ یوں بہلائے سے بہل جاتا۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹک کے رہ گئی۔

"اسی لیے تو جلدی کی اور بھاگی کہ چھاتی آگئے ہیں۔" انہیں آرام اور سکون کی صورت ہوگئی جو میرے ہوتے ہوئے تھے۔ "اس کی تھی تھی تھی سی تھا اور فوراً ہی الجھ اندر شرارت تک پہنچا تو گلے سے قابل توجہ کے اپنی آشناہٹ ظاہر کرنے لگا۔

"کیوں تو نہیں اس کے سر پہ جمتی ہے؟" اس کا بیت بھرا تھوڑا بلو کو فیشن دلا گیا۔ وہ پہلے ہی شرارت کے سلوک پہ شرمی کی محسوس کر رہی تھی۔

"نہیں نہیں بابی! میرے سر طلب تھا کہ چھاتی آئے ہیں تو اب آپ معروف ہو جائیں گی۔ آپ ان کے لیے چائے تو بنوا لیجیے۔ میں لے کر جاتی ہوں۔"

"تو تیرے پیاسے نے کہری چائے حرام ہے کیا؟ میں بیٹھ سید ہی تراں سے نہیں قوبانو پکڑ کے بٹھا دوں گی۔ جب سے آئی ہے کچھ پوچھ کے تھک گئی ہوں۔ نہ کوئی شہرت نہ چل نہ فروشت۔ اب چائے تو پی۔ میں نذر سے چائے اور سموسے منگاتی ہوں۔ بیٹھ ہے مجھے تجھے کتنے پسند ہیں۔ چل بیٹھ آرام سے۔" اس نے اتفاق بھرے انداز میں ڈانٹتے ہوئے اسے جھنجھلا دیا۔ جاتے ہوئے بھی اس محبت کے آگے مجبور ہو کے بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے شہزادے طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اب وہ اندر آئی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ طبیعت کو کیا ہونا ہے۔" وہ تلخی سے بولا۔ "اچھی بھلی جاتی دعا کو بعد اصرار روک لینے والی حرکت تا سے نہ آئی کر۔"

"تو پھر اتنا رو کیوں ہو رہا ہے۔ کوئی اور نہیں اپنی دادی ہے۔ کتنے بڑا لگا ہوگا کہ ایک تو سیٹھ بعد ادھر نکلی ہے جس پہ بھی تو اتنا صدمہ رہا ہے۔"

"آئی کیوں ہے۔" وہ اذیت کا کے بولا۔

"اس کا اپنا گھر ہے جم جم آتے۔"

"یہ میرا گھر ہے۔" وہ زور دے کے بولا۔ "اور اس میں کسی ایسے ویسے مہمان کی آمد میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ہوں ہوں۔" (تو یہ دل ہی ہوتے آنکھیں اٹھائیں۔

"یہ تو دوستی کے بارے میں بول رہا ہے۔ مگر کب سے ایسی بات ہو گئی؟ یہ وہی ہے اپنے گوں میں اٹھا کے ٹکرے لے آیا کرتا تھا کہ اس نے بیٹھا اپنے پاس رکھا ہو۔ معصوم قرینے جیسی بچی دل اس کا مل جائے گی۔"

"تو ہاں لیا تھا میرا مشورہ رکھ لیا تھا۔ اپنے پاس۔ اس کا یہ وہ معصوم رہی ہے نہ قرینہ کے رہنا تھا؟ مل گئی۔"

"ہائے ہائے! خیر کا بول منہ سے نکال۔ خدا خواہ وہ کیوں رہنے لگی۔ اب تو اچھی ترقی کر رہی ہے۔ تو نے دیکھا نہیں کتنی نیل نظر آتے لگی ہے۔ بڑی بڑی باتیں کرتی ہے۔ "آپ کہتی ہیں تو"۔"

"مگر سے کتنی کہ کند ہو گئی ہے یا ماہو یا کرتا ہے۔ ہاں ہاں ترقی کچھ ہو رہی ہے اور میں اس بیماری کا حصہ دار نہیں بننا چاہتا۔ اسے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلتا کرو۔"

"دیکھتے ہیں بھائی! آپ اور کتنا بے عزت کر سکتے ہیں ہم اور کتنا بے عزت ہو سکتے ہیں۔" ابھر جیسی ساری گفتگو سکون سے سنتی جا رہی تھی۔ قریب سے مسکراتے ہوئے سمجھا۔

"دیکھتے ہیں کہ تا عرف اس ایسی کیسی پورا اترتا ہے۔ پہلے آپ جیسے ہیں یا میری ہمت جواب دے جاتی ہے؟ آپ کی موت آپ کو زبان بندی پہ مجبور کرتی ہے یا میری خودداری کانوں پہ ہاتھ رکھتی ہوئی قرار اختیار کرتی ہے۔"

"تو نے تو سارے لحاظ ہی ختم کر دیے ہیں شہزادے!" یاور نے تاسف سے سر ہلایا اور اس سے مزید سر نہ کھپاتے کا ارادہ کرتے ہوئے ہاتھ کلائی پر باندھا۔ حساب جمایا۔

"دل میں کسی آنے لگے کی عزت رہی ہے نہ ہی خدا کا خوف۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی نکل گئی۔ جتنی بلند تو آواز میں شہزادہ بولا تھا۔ اسے تو ہر جیسے خیالات کا انحصار کر رہا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ وہ اپنے سب سنتے کے بعد فوراً ہی سے جاتی ہوگی کہ وہ قواس کے سامنے کی تو یاں ہی دیکھ کے جانے کو تیار تھی لیکن اسے حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب صورتے تو آرام و راحت میں اسے بدستور براجمان پایا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں تو چلنے کے ساتھ۔"

"ہیں۔ ہے۔ تو تم کے میری دعا ہی ہیں وہ منگوا رہی ہوں۔ نہ ہے۔ ارے نہ ہے۔" حیرت تے اس جھٹکے سے زرا سنبھلتے ہوئے پہلے بند حاسو کا تو ہے ہوتے ملازم کو آواز دی۔

"بابا اماں کے پاس تو ہو گی اگر تم تو بے نکلے۔ اسے زور بلند اپنی جات اور باقی تیلوں کی جلیبیاں لے آ۔"

شہزادہ کا تو نے سرے سے کھول گیا۔

"میں جانتے رکھ کے ماتی ہوں۔ تو بے اسے کی چادر کا میں ہو لا ہو گیا۔ تو آرام چل بیٹھ ٹی وی دیکھ۔" وہ رکن کی جب مزی چہرہ جو تک سی قیال کے آنے پہ سرعت سے اٹھی۔

"ٹھیک ہے ہاں اچھے بیٹھے تک میں زرا بھائی کی خیریت ہی دریافت کر لوں۔" وہ اتنی تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر اور نکلی کہ پاس بیٹھے ہوئے بھی اسے روک نہ سکی۔

"اوہو۔" حیرت۔ اب یہ کہیں شہزادہ کیا ہو لا ہے۔ کہیں میں نے اتنے سوئے منگائے ہیں اب کہاں رکھے گی۔" اس نے زور سے جاتے کی تیلی پہ دیکھ رہی تھی۔

"کیسے مزاج ہیں بھائی!"

"ہیں۔" شہزادہ شہزادی کی اس قدر تعلق غیر متوقع تھی۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ اتنی کڑوی کسیلی سنتے کے بعد وہ ہیں۔ رک جائے گی بلکہ اس کے کمرے تک چلی آئے گی۔ اس کی بات کی ادا ہی نظروں سے شہزادے نے اس کا جائزہ لیا۔

وہ تیم اور دروازے پہ ایک ہاتھ رکھے دوسرے ہاتھ سے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے کرتی مسکرا رہی تھی۔

دروازے کے بیچ سامنے اسے سی کی تنگ ہو اس کا سفید لباس سر سرائے دے رہی تھی۔ اس کی وہ ہیت قسم کی مسکراہٹ سے جو کے شہزادہ نے یا سوال کے آنکھوں پہ رکھ لیا اور بدستور لیٹا رہا۔

"حیرت نہ سوال کا جواب دینا گوارا اور ہی ایک کے بعد دوسری نظر آنا ضروری سمجھا۔ ہم اتنے برے کب سے ہوتے بھائی!"

"تم اپنی ہسٹری سے تو واقف ہی ہو۔ کب کہاں سے "برائی" پیدا ہوئی اس کا جواب دینے کا میں پابند نہیں ہوں۔"

"یہ نہ تو ہم ہیں بھائی جو ہر بیماری اور کسی تے نہیں "خود اس بل نے نکالی ہے"

"سمجھ رہے ہیں بیماری ماندہ کو اور بل چھوڑ کے قسمتے بھی ان کے بدلے نہیں سکتے ملتے ہیں۔" وہ پھر کے اٹھا۔

"مجھ پہ یہ داؤ چلانے کی قطعی ضرورت نہیں۔"

"سمجھ گئیں بھائی بلا شرط۔" "میں نے جیسے رازداری سے سرگوشی کی۔

"اتنی دو چار ہیں ہے۔" وہ اس کی صفائی کے آگے بار بیٹھا۔

"جو حکم۔" اس بل چلنے والی مسکراہٹ کے ساتھ وہ تیلی تھی۔ جب دروازہ بند کیا تو یہ مسکراہٹ پر ریلی طرح آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔

* * *

"آپ لوگ ہی ہم کر رہی ہیں تو ہم حضور لاحق عصمت میاں کے دل میں بھی دو سر پیدا کیا۔ ہم بالکل ٹھیک ہیں اور تین چھٹے کسی سے ہارا سکتی کی دوسرے واپس نہیں آئے ہیں۔" ندا نے انہیں سلام کے بعد صاحبزادہ یاسمین چاچی ایک گئیں کہ اچانک واپسی کا ایک ساتھ از تیں پریشان ہوئیں بولیں کو مطمئن کر دے۔

"ہماری تو یہی دعا ہے بیٹا کہ آپ سدا اپنے گھر بار میں ہنستی مگن رہیں۔ بس دل ذرا بے چین سا تھا کہ شاید اس روز صاحبزادی کی خیر ہو۔ یاسمین نے آنکھوں سے کہا۔ عصمت کے سامنے ایک بار پھر موضوع زیر بحث نہیں لانا چاہ رہی تھیں۔ البتہ عصمت کے کان تصور کھڑے ہو گئے کل صرف کا ہی۔

"اس کل سے آپ کی کوئی بات ہوئی تھی؟"

"نہیں تو بیٹے بھلا کل سے کیا بات ہوتی۔" "اوہو!" ٹھہر گئی ہوں۔ "ہم چائے کا انتظام کرتے ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں چچی جان کہ مجھ سے مکر کا ہر حالیہ چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" "ارے کیا بول رہا ہے آپ کی۔ کل صرف کے مزاج سے تو آپ خوب واقف ہیں ہم تو اچھی بھلا بیٹی ہیں۔ ارے! ہاں تھا کہ شاید صاحبزادی یاسمین کو یہ بات ناگوار گزری ہو لیکن آپ کے سامنے اتنوں نے یہ کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔ تو جان میری چائے مت پیجئے گا۔" اس نے ٹھنڈے اٹھ کے اور زرا بلند آواز میں یاسمین کو پکارا۔

"میں ضروری کام سے اور باہر تک جا رہا ہوں۔ ایک دو گھنٹے تک لوٹوں گا۔ تب تک میری بیماری چچی یاسمین کا خیال رکھیے گا۔" وہ جانے کے لیے ان کے آگے تھا کہ اسرار سے کہہ رہا تھا۔

"ایک دو گھنٹہ نہ زیادہ وقت نہ ہوتے ہائے عصمت میاں! اوپر کو سخت زلزلہ رعب ہوتی ہے

* * *

"سے تلی ہمان سر۔"

کل صرف کی کلفت تو ابھی شہزادے قائل سے مراٹھا کے اسے دیکھا۔ آج دو روز کے بعد اس کا سامنا ہو رہا تھا۔ اس دن کے بعد کوئی بات جس دن اس نے کل صرف اپنے جذبات اظہار کیے تھے۔ یہ دو دن اس نے مسلسل ا۔ دو روز کی کیفیت میں گزارے تھے اور تو اسے زیادہ کی سوچ رہا تھا کہ ساری بے چینیاں اور دو سارا

واضطراب اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں سمٹ آیا۔

وہ اسے یوں سوالیہ انداز میں تکنے لگا جیسے اس نے سوال دوسرا ز کل نہ کیا ہو بلکہ ابھی ابھی کیا ہو اور ابھی اسی وقت جواب سننا چاہتا ہو۔

کل مرزا ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ چکی تھی اور اپنا سارا اعتماد مجتمع کر کے خود کو اس کا سامنا کرنے پر تیار کر چکی تھی۔ ایک بار پھر کھلی کھلی شہزادی کی آنکھوں سے جھلکتا اشتیاق اور طلب اسے محو کر گئے۔

"ہم سنتے ہیں سر!" اس نے سنبھلتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"کیا آپ بھی آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت ہے گل سر!" وہ بے ساختہ کہہ اٹھا۔ گل کی مسلسل لغزش کا شکار بلکہ پابا تحریر کے حق میں وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھتی گئی۔ شہزادہ بے حد دلچسپی سے حیا اور خود اعتمادی کے اس امتزاج کا جائزہ لیتا۔

ہلکے جو گیا رنگ کے لباس میں کھلی کھلی گلابی گلابی سی وہ کوئی جو کن ہی لگ رہی تھی۔ پہلے سے الگ، بیٹھ سے ہٹ کے۔ حالانکہ غور کرنے پر وہ کوئی ایسا کچھ ظاہر نہ ہوا تھا کہ وہ معمول سے ہٹ کے ہوش آئی ہو۔ وہی لباس کا سادہ انتخاب، وہی سلیقے اور سادگی سے سجے بالوں پہ بندھا اسکارف، وہی شانوں پہ باوقار انداز میں پھیلا ہوا شال کالر اوڑھے، وہی بغیر کیل کے بند سینڈل اور وہی آرائش سے پاک "مصنوعی سہاروں" سے بے نیاز دلاویز دلایا کھرا چہرہ جس پہ کچھ مسحور کن تھا جس بغیر کاٹل کے بے دل سے لیے کرتیں۔

"ابھی سوا نمبر تین کا اسکرپٹ قابل ہو گیا سر!" گل نے گفتگو کا آغاز کرنے میں پہل کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"آنے والا ہے میں نے محب اللہ کو فون کیا تھا، وہ نکل گیا ہے۔ آجائے تو اس کا اسکرپٹ ڈسکس کر لیں گے۔ ڈائریکٹر اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو بھی میں نے ایک گھنٹہ بعد میٹنگ کا کہا ہے۔"

"اوکے سر پھر ہم ابھی بیٹھ جاتے ہیں۔ میٹنگ شروع ہونے پہ بلا لیں گے۔" وہ اٹھنے لگی۔

"ایک میٹنگ اور بھی تو ہو ہے آپ کو گل سر!" اس نے دوبارہ سیٹ پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

"ڈسکس کرنے کے لیے ہمارے پاس ابھی سوا نمبر تین کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ کہیں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

وہ لب بھینچ کے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلنے لگی۔ جانتی تھی یہ سوال ضرور ہوگا۔ جواب کیا دینا ہے یہ بھی طے کر چکی تھی مگر کیسے "یہ اقرار" کرنا مشکل تھا۔

"چلیے میں براہ راست اپنے اس دن والے سوال کی جانب آتا ہوں۔ کیا آپ کو اس کا جواب دینے کے لیے اور کچھ دن سوچنے کی ضرورت ہے۔"

"نہیں سر! میں جواب دینے کے لیے مزید سوچنا نہیں چاہیے۔" بالآخر اس نے لب کھولے۔

"اس لیے کہ ہم اس سوال کا جواب دینے کے اہل نہیں یا یوں کہیے آپ کو یہ سوال ہم سے کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

ایک بہت شہزادہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کا ماضی، اس کا شرمناک اور ذلیل گرفت ماضی پھر سے وہ گل مرزا کے سامنے آگیا ہو اور اب وہ ناک تک کے کھڑا ہوا اسے اس شرارت پہ۔

"آپ نے غلط تک یہ سوال کیا سر! آپ کو یہ سوال ہم سے نہیں ہمارے گھر والوں سے کرنا چاہیے تھا۔" نظریں جھکا کر کہا۔ اس کا یہ غیر مبہم فقرہ شہزادہ میں گویائی دوبارہ پھونک گیا۔ حالانکہ اس نے تو اس کی محبت کا اقرار کیا تھا۔ "نہ" کی وضاحت ابھی ادھوری کی جھلک دکھائی تھی مگر فی الوقت تو اس کے لیے یہ بھی بہت تھا۔ اس نے گہری طمانیت بھری سانس لی اور اپنے ہر خوف، ہر اندیشے سے آزاد ہوتی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے کے خوف

کرنے پہ مبذول کر دیں۔ اس چہرے پہ اب پہلے والی سراسیمگی مفقود تھی البتہ حیا کے رنگ بدستور بکھیرے لے رہے تھے۔ جھکی پلکوں کے ساتھ وہ مسلسل اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی انگلیاں سے مسل رہی تھی۔ شہزادہ کی مسلسل خاموشی پہ وہ بیاہ گھبرا رہی تھی۔

"دراصل سر! ہمارے ہاں یہ فیصلے بزرگ ہی طے کیا کرتے ہیں۔ ہم لوگ اس کے مجاز نہیں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے دے سکیں۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کی اس بات پہ ہمارے خاندان کے بزرگوں کا رد عمل کیا ہو گا اور ہم کیسے کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ ہاں میں اور نہ ہی میں۔"

"یہ تو بے حد اچھی بات ہے گل مرزا اور یقین جانیے کہ میں بھی خاصا اطمینان محسوس کر رہا ہوں کہ کم از کم آپ نے مجھے اس بات کی تو اجازت دی کہ میں یہ سوال باضابطہ طور پہ آپ سے کر سکوں۔ ان فیکٹ میرا ارادہ بھی یہی تھا مگر مناسب سمجھا کہ اس سے قبل آپ کی رائے لے لوں کہ میں آپ کا نتیجہ تو نہیں جانتا کسی بھی انٹرسٹ۔ یو تو یہ فیصلہ زندگی کے تو نہیں ہوتے۔ آپ نے میری بات پہ ہوا کوئی کا ظہار نہیں کیا۔ اس سے ہم از کم یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ" اس نے دانستہ ادھوری چھوڑی۔ اس کی اس بن کہی پہ بھی بے چینی عجیب سی تھی اور وہ اسے مزید پریشان نہ کرنا چاہتا تھا۔

"ہم جانتے ہیں سر!"

"میٹنگ شروع ہونے میں اب کوئی وقت ہے۔" اس نے رسٹ واچ پہ نظر ڈالی جو کوئی نو بجا آنے پہ سوا بجا۔

"اوکے آپ جانیے باقی سب کے آنے پہ میں آپ کو کال کر لوں گا۔"

وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا کہ اس وقت اسے خود کو پرسکون کرنے کی اشد ضرورت ہے ورنہ میٹنگ کے دوران بھی وہ ایسی ہی نروس سی رہتی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جلد از جلد کے لیے یہاں سے چلی جائے۔ سو اس نے فوراً "اس" والا چولا بدلا اور اسے نارمل ہونے میں مدد دینے کے لیے جانے کی اجازت دی ورنہ وہ کہاں چاہتا تھا کہ ایک پل کے لیے بھی نظر ہٹے۔ یوں تو وہ بھی اس خوشی کی بدولت اس کے چوکا کے دھوکا تھا۔ ہمارے پہلے سے کہیں بڑھ کے دل کے اندر تک اترتی محسوس ہوئی تھی لیکن آج اس کا جیا درد جب شہزادہ کے تیور سے آتا رہا تھا۔ اسے اپنے انتخاب پہ فخر محسوس ہو رہا تھا۔

* * *

حسب معمول عصمت دو بجے گھنٹے تک واپس آگئی اور حسب عادت اس کے لیے بچوں کے لیے بے شمار چیزیں تھیں۔ پورے کا پورا بازار سے آیا تھا۔ اپنے اسٹور کے لیے اس نے کچھ اسٹیشنری خریدی تھی۔ اس دعائی قیمت پہ بچوں کے لیے بھی بہت کچھ لے آیا۔ پیلسٹن کا پیکٹ، اور اور انگلش کی درجن بھر کاپیاں اور چند رنگ برنگی کہانیوں کی کتابیں۔

"پیسے بچی جان!" اس نے شرمت کا گلاس خالی کرنے کے بعد پوچھا۔ علاوہ ازیں اس کے اندر داخل ہوتے ہی چار اور ڈھل چکی تھیں۔

"ابا! آپ بھی چلیے ناں۔ کل میرے اسٹور کا افتتاح ہے۔ بل چاہے تو رک جائیے گا ورنہ شام کو آپ کو گھر واپس چھوڑ جائوں گا۔"

"پہلے بتا دیتے میرے بھیا! ہم آپ کے بھائی صاحب سے ذکر کر کر چھوٹے اب یوں بنا اجازت جیسے کیسے چل دیں۔"

"اب جزاری باتیں درست کہہ رہی ہیں عصمت۔ یہاں اشرفی بی بی ان کے یہ بھلا نہیں ہوا کرتے کہ جب ان چاہا سر پہ قفل لگا دیا اور چل پڑیں۔ میں گھر آئے تو بند دروازہ دیکھ رہا ہوا ہوں تو اور آپ نے ہم سے بھی ذکر نہ کیا۔ آج جب ہم گھر سے نکلے تب تک تو آپ نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ کل ہی آپ اپنے انور

کا افتتاح کرنے والے ہیں۔"

"اور آپ یہ بھی ضرور نہیں کہ شرع کے صاحبزادوں کے یہ اطوار نہیں ہوتے کہ وہ گھر میں بیٹھ کر کسی مشورے یا اصلاح کے چپ چپاتے ایسے پروگرام بناتے پھریں۔" وہ ہنستے ہوئے انہیں چھیڑنے لگا۔ وہ جیسے نہیں جیسے واقعی کہنے جا رہی ہوں۔

"دراصل اردو بازار سے میں نے جامع مسجد کے لیے سیپاروں کا ایک سیٹ بھی بطور ہدیہ پیش کرنے کے لیے خریدا تھا۔ وہیں امام صاحب سے بات ہوئی۔ کہنے لگے کہ کل جمعہ کا دن کاروبار کا آغاز کرنے کے لیے بڑا مناسب رہے گا اور کل مسجد میں قرآن خوانی بھی ہے۔ سالانہ میلاد شریف بھی ہے۔ مسجد میں قرآن مجید حفظ کروانے والے بچے ہر ایک ایک قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور میلاد کے بعد کسی کو کشش نہ جاتا ہے جو بھی درخواست کرے وہ نہ میرا ارادہ تو انکار کرنے کا تھا مگر پھیکی کا دن ہوگا۔ اب سوچا ہے امام صاحب کا مشورہ درست ہے میں کچھ انتظام کر کے کل کے میلاد شریف اور قرآن خوانی میں طالب علم بچوں کے لیے چائے ناشتے کا بندوبست کروتا ہوں۔ اللہ خالق کے برکت نامے سے کام کا آغاز ہوگا۔ معصوم حافظ قرآن بچے کاروبار کی ترقی اور رزق میں برکت کے لیے دعا کریں گے۔ انشاء اللہ کل نماز جمعہ کے بعد چند ملنے جلنے والوں کو مدعو کروں گا۔ یہ کون سا کل ناممکن ہے جس کے لیے باقاعدہ کوئی چوڑی چکلی ہوتی یا باضابطہ دعوت نامے بھیجے جاتے۔ بس یہ خواہش ہے کہ زندگی کے اس اہم موڑ پر سلام رکھتے ہوئے چند خیر خواہوں اور بزرگوں کی دعائیں ہمراہ ہوں۔"

"انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔" دونوں نے دہرایا۔

"بس اتنی مدد کوئی ہمیں کر دے کہ گھر جا کے جب میں چچا حضور سے کل اسٹور کا افتتاح کرنے کی درخواست کروں تو خدا را کوئی تو ہو جو ان کو رضامند کر دے۔" اس نے التجائی نظروں سے صاحبزادی حرمت النساء کو دیکھا تو وہ کشمکش میں مبتلا ہو گئیں۔

"ہم۔ ہم کیسے؟ آپ جانتے ہیں کہ انہیں کسی بھی ایسی بات کے لیے رضامند کرنا کس قدر مشکل ہے جس کی مخالفت وہ ایک بار کر چکے ہوں اور ہمارے لیے تو سب سے بڑھ کے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ آپ صاحبزادی گل صبیحہ بیگم تک بھابھی بیگم بھی بھی انہیں کسی نہ کسی بات پہ تیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں مگر ہمارے لیے تو یہ ناممکنات میں سے ہے۔"

"ارے بھئی جن! دراصل آپ نے خود بھی اپنے آپ کو آزمانے کی نہیں دیکھا۔" وہ ان کے بے بوجھ بھرے چہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ ایک بار کہہ کے تو دیکھیے پھر دیکھیے کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن۔"

"آپ خود ہی بات کر لیجیے۔" انہوں نے صاف دامن چھڑایا۔

"یا پھر بھابھی بیگم سے سفارش کروا لیجیے۔ شاید آپ کا اپنا جانے ضرورت پڑی تو ہم آپ کی حمایت ضرور کریں گے۔"

واپس جاتے ہوئے انہیں پھیکی سیٹ کی جانب جاتے دیکھا تو عصمیں ایک بار پھر جھنجلا گیا۔

"خیال سے جی جان! آپ پھر پھیکی سیٹ پہ بیٹھ رہی ہیں۔ بتا کہ یہ کسی سے اور اسے میں ذرا کیا کر رہا ہوں مگر فی الحال یہ ایک لمحہ کی میری ذاتی سواری ہے میں اس کا ذرا ریکارڈ نہیں ہوں مگر پیچھے بیٹھ کے تمہیں ثابت کرنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں عصمیں یہ اہم پہلی نشست ہے جی ہم ام نہیں بیٹھ جائیں گے پہلے بھی تب نے ضد کر کے اپنے برابر اگلی نشست پر بیٹھنے پہ مجبور کر دیا۔ ہمارا تو دل ہوتا ہے ساری عمر سوٹر میں یوں ہی بھی تن کے آگے نہیں بیٹھے سارے رستے ایسے لگتا ہے جیسے ہم ڈرائیور ہوں۔ سامنے سے آتی ہر سواری منہ پہ تکتی محسوس ہوتی ہو۔" وہ ان کی اس عجیب منطق پہ مسکرا کے رہ گیا اور مزید اصرار کا ارادہ ترک کر دیا۔

صاحبزادی حرمت النساء پچھلی نشست پہ ایک جانب سمٹی سنبھالی چادر سے پورے وجود اور آدھے سے زیادہ چہرے کو چھپائے بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور زیر لب وہ تالیا "قرآن" تو ہوت کا ورد کر رہی تھیں۔ مکمل پہ گاڑی رکتے ہوئے عصمیں نے عقبی شیشے سے انہیں دیکھا تو ایک بار پھر چھیڑے بغیر نہ رہ سکا۔

"اکیلی ہے چچی جان اپنے بیٹے کے ہی آپ اتنی ہی خوفزدہ ہیں جیسے میدان جنگ میں اپنی اکیلی اولاد آپ کے سامنے ہو۔ دیکھیے "ہو تالوں" یہ دھان پان سی حضرت۔ کس خوفناکی اور بے فکری سے خود ڈرائیونگ کر رہی ہیں۔" اس نے ذرا فاصلے پر باہر رکی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی ایک خاتون سامنے شیشے کی جانب اشارہ کیا۔ صاحبزادی حرمت النساء نے ایک بھیگی سی نظر ڈالی اور ان کی نظر کو واپس پلٹنا محال تھا۔ وہ بے یقینی سے اس چہرے کے ایک ایک نقش کو ٹٹول رہی تھیں۔ اچانک عصمیں نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ بھیگی ہوئی چادر ضرور گر گئی مگر خود صاحبزادی حرمت النساء اس چہرے میں اب تک گم تھیں۔

* * *

عصمیں اس بات کو بتانا سل سمجھ رہا تھا جیسا ہر گزرتے تھا۔ اس کی خام خیالی تھی کہ جس طرح معاملے طے ہو گئے یہ مرحلہ بھی آسانی سے سر ہو جائے گا مگر صاحبزادہ نفیس علی خان کی زبان سے چھپائی خاموشی ایک زبردست غضب کے دریچے کھولے گئی۔

"آپ کا جو دل چاہتا ہے کیجیے۔ ہم نے دل سے سمجھا تھا مگر اجازت دے دی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب آپ ہمیں بے عزت کرنے کے لیے روز ایک نیا بہانہ تراش لائیں۔"

"چچا حضور! میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ تڑپ کے رہ گیا "اس بے بنیاد الزام پہ۔ وہ تو اس قدر مان اور احترام سے انہیں منا رہا تھا کہ اس کی خواہش ہے اس کے لیے ہی ہو کا انتظام ان کے ہاتھوں ہو۔ بڑے ہی جوش کے عالم میں اس نے آغاز کیا تھا کہ وہ اپنے اسٹور کا نام بھی ان کے نام پہ رکھ رہا ہے مگر وہ تھے کہ بات ہی سننے سے انکار کر گئے۔ اتنی ضد پوری کرنے کے لیے اور محض اپنی انا کو بچانے کے لیے آپ ہر حد سے گزر سکتے ہیں اور یہ آپ کی عادت کہہ چکے ہیں۔ آپ کی شہ پا کے صاحبزادی گل سر کے حوصلے بلند ہوئے "ان کی حمایت میں آپ یوں تن کے کھڑے ہوئے کہ صرف اور صرف گھر میں جھڑ بھاری نہ بیٹھنے کی نیت سے ہمارے ان کی بات اتنا زور سے جا ضد بھی ان کی پھر آپ نے چوری چھپے ہمارے خاندان کے نام کو بٹا لگانے کی مذموم حرکت کی آخر وہ بھی یہ سمجھ کے اپنے اس کام کا آغاز کرنے کے لیے آپ نے بے کار مدد اور تعاون لا کر کے ذریعے ہمارے سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی اہم اپنا ہار جائے رکھنے کی خاطر۔ یہ بھی خاموش ہو گئے کہ اگر ہمارے جھوٹے ہی ہماری عزت کا خیال نہیں کر رہے تو کم از کم ہم ضرور کر لیں اور فرج آپ کی ہمت اتنی بڑھی کہ آپ اس نام کو سرِ بازار اچھالنے کی خاطر اسے اپنی پکان پہ چھوڑا ہی کر جا رہے ہیں۔ آپ یہ اتنا نہیں بلکہ ہمیں بطور خاص بلوا کے ہمارے ہی ہاتھوں یہ تماشا کروانا چاہتے ہیں۔"

"چچا حضور! آپ۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ کہیں انہیں یہ کہنا بھی تماشائی کے زمرے میں نہ آ جائے کہ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" پہلے ہی اس پر زبان درازی کا تماشا بنا ہوا تھا۔ ہم بھلا کیا فرمائی اور خلوت کے علاوہ الزامات تھے۔ اس نے چپ رہنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔ ویسے بھی پچھلے دو روز سے وہ بے حد چپ چاپ تھے۔ عصمیں سے ان کی یہ چپ برداشت نہ ہو رہی تھی۔ اگرچہ وہ جب بھی بولتے ان کے پیار شفقت اور محبت ہی ان کی جان بن جاتی تھی مگر یہ اتنی بات ہی تھی کہ اس کی اپنے چچا سے ٹھنڈی ہمت تھی کہ وہ ان بار بار ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان کی یہ دل گرفتہ خاموشی اسے کئی روز سے چوٹ لگا رہی تھی۔ اب یہ ان کے اندر کے غبار کو بہا لے جانے کا بہانہ ملا تو وہ یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ اسی بہانے دوائی تھرمامیٹر تو نکال لیں۔ بظاہر اس نے اس کے اپنے دل کو تھپکی دی تھی کہ ان تہ پہنچتی ہو۔ اپنے پر خلوص جذبات اور نیک نیتی کو خلط

مجھی بہانے دیکھنا اس کے لیے آنکھیں ہی سہی لیکن یہ تکلیف سرچھپانے کو فوراً ہی سے سمیٹنا پڑا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان نوری گرج برس کے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

صاحبزادی حرمت النساء جنہوں نے صورت پہنچنے پر اس کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بھائی نہیں کی بیٹھی رہ گئیں۔ موتیا جنہوں نے ٹوکنے کی خاطر عصمت کا بچہ ہوا ہو جو کچھ کہنی ہی۔

چند منٹ تک چھائے اس بوجھل سکوت کو کال بھری آواز نے توڑا۔ وہ مطلق صرف ہونے کے بعد اپنے کمرے سے نکلا۔

"ہاں بھئی ہو گئی میٹنگ برخاست۔ کیا طے ہوا کل کی گریڈ اوپننگ کے بارے میں۔ کیا ابا حضور نے ڈیف کیٹ ہونے کا اعزاز بصد شکریہ قبول کر لیا۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ موتیا نے بامشکل بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ یقیناً اس کے کمرے تک ابا حضور کی گرج دار آواز پہنچی ہوگی اور سارے قصے سے آگاہ ہونے کے باوجود محض عصمت کے خوشوں پر نمک پاشی کرنے کے ارادے سے اس نے کمرے سے باہر آنا گوارا نہیں تھا ورنہ آپس سے آنے کے بعد کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لیتی تھی۔ وہ ہوتی اور اس کا کمرہ۔ اور اس کمرے کا بے چارا بیٹا۔ شاید واقعی صبح تک توڑ کر لیتی۔

"کہاں جناب آپ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ چچا حضور اتنی آسانی سے ہم غریبوں کو بھلا کیسے دستیاب ہو سکتے ہیں۔" وہ "حسب سابق اس کا طنز بھی اس کے پلے نہ پڑا۔

"حضرت صاحبزادی کل صرف ناظر آپ ہمارے کل کے گریڈ اوپننگ فنکشن کی ڈیف جنس نہ فائنل کریں گے۔"

موتیا عصمت کی اس بے تکلفی پر بڑا کے رہ گئی۔

"اتنی تسلی نہیں ہوئی جو مزید بے عزت ہونے کا پروگرام بنا لیا۔" اور تھی مرے موتیا کی توقع کے عین مطابق خوشت سے تاک چڑھ گئی۔

"کیوں اتنا مارے خوشی میں ہم۔ چلیں کہ ابھی تمہیں تمہاری سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔" وہ ایک جھٹکا سا سوچ کر کے وہیں اپنے کمرے میں چلی گئی اور عصمت اسے تو اس چھپی کو اب تھی کی ہر رنگ محسوس کر رہی تھی۔ وہ موتیا کی نظروں سے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھنا چاہتے جانے کی کوشش کر رہا ہو گل کے اس فقرے کے تھے اور کون سے مطلب اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ موتیا نے تو چھپا مناسب نہ جانا البتہ الگ رہ نہ سکا۔

"ہم دستیاب ہوں گے عصمت میاں اسوا چشم ہوں گے امر کے بل ہوں گے ایک بار نہیں ہزار بار ہوں گے۔ آپ ہمیں بلانے کا پابند بنا۔"

"شہ بالا ہمیں کیا کھوٹی پر چڑھنے والا ہوں۔"

"اللہ رو مبارک ہو لائے ہمیں خود آپ کی کھوٹی بن جاؤں گا۔" بولو فوراً اشتیاق سے ارشاد کی لاگی مارنے لگا۔

"پھر تو دیا ہے زیادہ ہی ہو کی سواری کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔" عصمت نے اس کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے سوچ کر کہا۔

"کیا چاہو تم عصمت۔" موتیا اسے مسلسل تکتی اور مسلسل سوچتی رہی۔

"کیوں تمہارا دل اس طرح ہمیں اکھڑا ہوئے میرا رکھتا ہے کل میرا ہوا ہوں پہ کیوں تمہیں غصہ نہیں آتا اب ہے اور نکلے ہی نہیں غصہ آتا ہے۔ میری بہن مجھے بکھر ہو رہی ہیں تھے نہیں ہے اور تم۔ تم عصمت۔ تم بہت ہی زہریلی دشمنی کی طرح ہو جاتی ہو۔ کیا تمہاری محبت اتنی ہی فراخ دل اور وسیع القلب ہے اور کیا میری محبت اتنی تنگ اور کم ظرف ہے۔"

"اسے۔ اس بات کا تمہارا خیال میں اس بھی جاتی کھوٹی کا وہ بیدار کر دی ہے۔" عصمت نے اس کی محبت کو توڑا۔

"ہوں۔ نہیں تو۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب تمہارے اسٹور کا افتتاح کون کرے گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ خود خوشی کی جائے بلکہ میں تو سرے سے اس اہتمام کا قائل ہی نہیں۔ بس ایک اچھے کام کا آغاز اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔ اس کا اہتمام امام مسجد صاحب کر رہے ہیں۔ تو صرف بچا حضور کے مبارک قدم ہی تھے کوئی بات نہیں۔" اس نے بڑا پن ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن موتیا محسوس کر سکتی تھی کہ صاحبزادی نفیس کے صاف انکار پر وہ اندر سے کتنا ٹوٹ گیا ہے۔

* * *

"کیا بات ہے صاحبزادی حرمت النساء! جب سے آپ میاں کے ہاں سے آئی ہیں مسلسل کھوئی کھوئی اور فکر مند سی ظاہر ہو رہی ہیں۔ بہار صاحبزادی یا سمین خیریت سے تو ہیں۔"

صاحبزادی عصمت النساء نے بہن کو عجیب کشمکش کے انداز میں کرتے پا کر سوال کیا۔ خود وہ کوشش نہیں ہو رہی تھیں۔ ابھی تک نہیں آیا بابا کو نہیں۔ خصوصاً یاسمین کے بارے میں جانے کا تو انہیں بھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان اور حرمت النساء بھی ہوا آتے اگر ضرورت پڑتی لیکن ان کے محسوسات اتنے کمزور ہوئے تھے کہ وہ یہ اندازہ نہ لگا سکیں کہ کل وہاں سے آنے کے بعد سے ہی حرمت النساء کسی تذبذب کا شکار ہیں۔ بارہا انہیں محسوس ہوا کہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہیں۔

"کیسی خاص بات؟ بولیں نہیں بھابھی بیگم! گھر خدانہ صاحبزادی یاسمین بھی خیریت کے ساتھ ہیں۔ یہ بات تو ہم آپ کو کل بھی بتا چکے ہیں۔"

"بیٹا کل بات اب تک نہیں بتائی کہ جس کی وجہ سے آپ کو دل اور دماغ دونوں الجھن کا شکار ہیں۔ کیا آپ ہم سے بھی اپنی الجھن بیان نہیں کریں گی۔"

"آپ کے سوا اب ہمارا کون ہے بابا کے بعد بھی ہم آپ سے تو ہمارے دو رشتے ہیں۔ کبھی آپ ہماری ماں بھی تھیں آپ حضور ہیں تو بھی قابل احترام بھابھی بیگم۔ میکے اور سسرال دونوں کے ان آپ سے وابستہ ہیں۔" وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے نہایت بے حد محبت سے کہنے لگیں۔

"تو کہہ دیجئے بھابھی پریشانی ہے۔ ابھی ہم اتنے عضو معطل ہی نہیں ہوئے کہ آپ کے کسی مسئلے کا حل نہ پیش کر سکیں۔ یہ بھی نہ سہی تو ہم از کم تسلی تو دے سکتے ہیں۔ آپ کے دل کا بوجھ تو ہلکا کر سکتے ہیں۔"

"آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں بھابھی بیگم۔ ہم ایک الجھن کا شکار ضرور ہیں مگر اس کا تعلق خدانخواستہ کسی ذاتی پریشانی سے نہیں۔ دراصل۔" وہ کہتے کہتے پھر رکی تھیں۔ ذرا توقف کے بعد بالآخر انہوں نے کل کے اس واقعے کا تذکرہ ان سے کر ہی دیا۔ بتانے کے بعد بہن نے تو صاحبزادی عصمت النساء کو گم صم ہی ہو کے رہ گئیں۔ ان کے لب حیرت سے پھیلے اور آنکھیں بے یقینی سے اپنے ہی دی رہ گئیں۔ سر مطلک کے انہوں نے خود کو حیرت کی اس کیفیت سے آزاد کرایا۔

"حرمت النساء! آپ بھی۔ کیسی عجیب سی بات کہہ دی آپ نے۔ ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ آپ بالکل ہوش و حواس میں ایسی بات کہہ سکتی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ ردعمل کے طور پر حرمت النساء کے چہرے کی رنگت خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"ہم اسی لیے بات کل میں دبائے ہوئے تھے بتانا نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ہمارا یقین نہیں کرے گا۔"

"تو سوچیے کس قدر بے بنیاد اور بے تکی سی بات ہے یہ۔ بھلا ہم بھی کوئی بات ہے کہ سر راہ کسی اجنبی کو دیکھا سر میں بلوریں صرف ایک نظر اور اسی ایک نظر میں ہم میں جھلک گئیں آپ۔"

"ہم نہیں ہے بھابھی بیگم! ہماری نظر اس چہرے کے نقوش بھلا نہیں پا رہیں۔"

"آپ کا یہ بھی ہوا ہے۔" انہوں نے یہ کہنے کے ساتھ ہی ادھر کے ان کی بے چینی کم کرنے کی

کوشش کی۔

"چاند ایسا ہوتا ہے کہ اس کسی چہرے کے نقوش کسی اور چہرے کی یاد دلاتے ہیں۔ کسی کی شبیہہ ہم کسی اور میں تلاشنے لگتے ہیں لیکن اس ابہام کو اس طرح ذہن پہ سوار کر لینا نری جذباتیت ہے۔ ہم تو آپ کو بے حد سمجھ دار جانتے تھے اور آپ ایسی جذباتیت کی باتیں کر رہی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہ واقعی وہم ہو لیکن اگر دوسری جگہ آپ ہوتیں تو شاید آپ کی بھی یہی کیفیت ہوتی۔ کسی کی زبانی سننا اور بات ہے، آنکھوں دیکھنا اور بات۔ آپ اگر وہ چہرہ دیکھ لیتیں تو ہمارے محسوسات کو جذباتیت نہ گردانتیں۔"

"میرجان! ہو بھی سہی۔ اب اس کے متعلق بے کار سوچنا ترک کیجئے۔ ہم ان لمحوں میں واقعی حد درجہ مشاہدت ہوگی۔ آپ کا ذہن ابھی الجھا ہوگا لیکن اتنا تو آپ بھی تسلیم کرلیں گی کہ یہ مشاہدت محض اتفاق ہوگا۔ بھلا اتنے سالوں بعد۔ بس آپ ذہن سے نکال باہر پھینکیں ان خیالات کو۔ ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آپ کی الجھن آپ کے عمل سے ہویدا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جو سوال ہم نے کیا ہے، وہ کچھ دیر بعد کوئی اور کر رہا ہو۔" اچانک کوئی خیال آنے پر انہوں نے بلال سے دریافت کیا۔

"کیس آپ نے دے دیا ہے کاغذ مگر وکیل صاحب سے تو نہیں کھولا۔"

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔ دراصل ہم فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اس کا ذکر نواب صاحب سے کریں یا نہیں۔"

"قطعی نامناسب اور غیر ضروری ہے۔ فی الوقت وہ پہلے ہی کئی گھریلو اور کاروباری الجھنوں کا شکار ہیں۔ ایسے میں اس بے معنی واقعے کا تذکرہ کر کے ان کے منتشر ذہن کو مزید پریشان کرنے سے کیا حاصل؟"

"اور وہ تو شاید اس سے بھی زیادہ سخت برا منائیں گے کہ ہمیں صورت کیا ہے ایسی چیزوں میں۔"

"اور وہ تو شاید اس سے بھی زیادہ سخت برا منائیں گے کہ ہمیں صورت کیا ہے ایسی چیزوں میں۔"

"جب آپ اپنے شوہر کے مزاج سے واقف ہیں تو پھر کیوں ایسی لوبت آنے دیتی ہیں۔ یہ کوئی بات ہے جس کے لیے آپ کل سے پاگلوں ہو رہی ہیں۔ ٹھیک ہے، ایک جھٹکے نے آپ کو ذرا سے الجھا دیا۔ اسے اب فراموش کیجئے اور اپنے ذہن و دل کو یکسو کیجئے۔"

"جی ہاں۔ ابھی بیکار" اور اور کیا کہہ سکتی تھیں۔

* * *

مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد عمیس نے گلے کے چند بزرگوں کو وہیں روک لیا۔ نماز باجماعت سے قبل میلاد شریف اور ختم قرآن ادا ہو چکا تھا۔ اب گھر پہ شربت صندل کے لوازمات کے لئے آیا تھا۔ طوائی نے مختصر وقت پہ طیبیاں، سموسے اور گلگلے بھجوا دیے۔ کچھ فروٹ اس کے دوست تحفتاً لے آئے۔ وہیں مسجد میں طالب علم بچوں اور حافظ قرآن قاریوں کے ساتھ اجتماعی دعا کے بعد سب کی تواضع کرائی گئی۔ آس پاس کی گلیوں میں بھی چیزیں بھیجی گئیں۔ بلال، چھل اور سامان وہیں مسجد کے باہر غرباء اور بچوں میں تقسیم کرنے کے بعد وہ اسٹور پہ چلا آیا۔

"آپ چلیے عمیس میاں! ہم بس ابھی گئے اور ابھی آئے۔" اچانک انگور بولا۔

"تم نے شاید اور بعد شوق ابھی جاؤ مگر "ابھی" دوبارہ آنے کی خاص ضرورت نہیں۔" عمیس نے شرارت سے جواب دیا۔ ایک طرف ٹیبل اور چیئر، دوسری طرف ٹیبل اور چیئر۔ ایک ریسیور کہاں ایک ریسیور میں ہوا۔ ایک چھوٹا سا ریکارڈ پلیئر بھی تھا۔ ایک چھت کا پنکھا اور ایک کیبن کے اوپر دیوار پہ نصب تھا۔ دوسری جانب کی دیوار کے ساتھ رکھے شوکیس میں ٹیپ کارڈز، موبائل کیسٹیز کے پیکارڈز، کچھ پیشنری اور چند ایک رسالے دجرائد رکھے تھے۔ پہلے سے صاف ستھرے اسٹور میں اس نے یونہی شوق شوق میں کچھ اور صفائی اور بہار لا دی تھی۔ کیونکہ یہ ایک کی ٹھنڈ سے صاف ستھرے اسٹور میں اس نے یونہی شوق شوق میں کچھ اور صفائی اور بہار لا دی تھی۔ کیونکہ یہ ایک کی ٹھنڈ

میں صرف حاشیہ لگایا۔

"لیجئے ہم تو کہتے کہتے کہا تھا نا یہ کیے اور یہ آئے۔" انگور کی چہکتی آواز پہ عمیس نے گردن موڑ کے نگاہ اس کے اطراف چاروں طرف میں لپیٹ دی۔

"کیا؟ تم کیسے۔" وہ حیران ہوا۔

"امی حضور نے دعوت کے لئے آئی ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر خیریت تو ہے آنی کا کام تھا کیا۔"

اس کی حیرت جائز تھی۔ کل صرف کلاؤ دست کرنا ایک الگ معاملہ تھا مگر دنیا نے ہمیشہ صد خواہ نفیس علی خان کے اصولوں کی پاسداری کی تھی اور ایسی صورت کبھی بھی گھر سے نہ نکلی تھی۔

"خیریت ہی ہے جناب! مارکیٹ میں عموماً "شاپنگ کی نیت سے" کیا جاتا ہے اور شاپنگ کی نیت بھی غالباً خیریت کی حالت میں ہی کی جاتی ہے۔"

"اور تو آپ محترمہ شاپنگ کرنے نکلی ہیں۔" اس کا ارادہ بیان کے مسکرایا۔

"جی اور ظاہر ہے اتنا پیدل بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ سوچا کہ دفتر سے عزیزوں کو کوئی فائدہ کیوں نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ مارے صوت اور لفافے کچھ رعایتی قیمت پہ ہی شاپنگ کر لیں۔ یوں عمیس تعلق داری اور دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے قیمت میں کچھ کمی بیشی ہو ہی جائیں۔" وہ شوکیس میں رکھی اشیاء کا جائزہ لیتی چہچہا رہی تھی۔

"صرف تعلق داری اور دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے ہی نہیں بلکہ اپنی دکان کے پہلے گاہک کے اعزاز میں کمی قیمت تقریباً" آدھی کرنے پہ تیار ہوں۔"

"مگر میں یہاں کیا یہ قیمت کمپوزر اور فون کارڈز تو میرے کسی کام کے نہیں نہ میرے پاس موبائل ہے نہ ہی کمپیوٹر۔ فون بھی کسی کو نہیں کرنا ورنہ ایک آدھ کال کے ذریعے بھی ہو جاتی۔" کراچی۔ چلو ایسا کرو یہ والا بال پوائنٹ دکھ کو اور بھی ادا نہیں تھی۔"

عمیس نے اس کی مطلوبہ اشیاء نکال کے سامنے رکھیں۔

"یہ میوزیکل ڈائری ہے۔ کھولتے ہی یہ بے حد خوبصورت ساز بکھیرتی ہے۔" اس نے کھول کے دکھایا۔ ایک دلکش سی دھن گونجنے لگی۔

"نہ بابا نہ۔ ہمیں چاہیے۔ جب کچھ لکھنے لگوں گی ہمارے گھر کو پتہ چل جائے گا۔ یہ تو بڑی بھاری بھرکم اور چغل خور ڈائری ہے۔"

"اس کی یہ دونوں خوبیاں ایک لحاظ سے تمہارے لیے تو فائدہ مند ہی ہیں۔ دیکھو نا اگر کوئی چوری چھپے تمہاری ڈائری پڑھنے کی کوشش کرے گا تو چاہے گھر کے کسی کونے میں بھی ہو گی یہ ڈائری چغلی لگا دے گی اور تم چاہو تو مذکورہ مہم حرکت میں ملوث شخص کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکتی ہو۔" اس نے ایک کامیاب سیلز مین بنتے ہوئے ڈائری اسے بیچنے کی پوری پوری کوشش کی۔

"نہ نہیں مجھے نہیں کسی کو پکڑنے کا ہنر نہیں آتا۔"

"اچھا پھر دیکھو اس ڈائری میں ٹاک بھی ہے ایک دم رازدار اور سیف ڈائری۔"

"نہ میرا کوئی راز ہوں کہ وہ راز اگلوا سکتا ہے۔ بس تم اس پین کی قیمت بتاؤ۔"

"اس پین کی ہے۔"

"اسی روپے۔" وہ حیرت سے چلائی۔

"ایسی کیا خاص بات ہے اس میں کیا اس سے لکھنے کے لیے ہاتھ چلانے کی زحمت نہیں کرنا پڑتی خود بخود لکھ لیتا ہے؟"

"جی نہیں لکھنے کی زحمت تو خود کرنا پڑتی ہے البتہ اتنی مہربانی ضرور کرتا ہے کہ جب اس سے دوستی پاکٹ کھیرے جاتے ہیں تو خوشبو خود خود پھیلتی ہے۔ یہ بریکٹ میں ہے۔"

"تو پھر میرے لئے کام کا کیا ہے۔ کون سا نوٹ لکھتے ہیں۔" اس نے ناک چڑھا کے اسے گھورا۔

"ہمیں نے تو چین سے ہفت وار مگا کے جانے والے سوا سلفہ اور سبزی گوشت کا حساب لکھنا ہوتا ہے۔ لہسن، ادرک، گوبھی یا پھر ہلدی، مرچ اور تیل ہی سے خوشبو کے جھونکے اٹھا کے یہ چین کیمرے پہ کیا احسان کرے گا۔ فضول میں اتنی روپے برباد ہوں گے۔"

"تو پھر محترمہ! ادرک پیش کیا جائے آپ کی خدمت میں۔" اب کے عمیص بیچ میں دخیل ہو گئی۔

"تمہیں کچھ پسند بھی آئے گا نہیں۔"

"اسے چھوڑیے۔ سنگھار سے ایسے روزی بات کی جاتی ہے کیا۔" موتیا نے آنکھیں اچھالیں۔ "اچھا بھلا محترمہ کہتے پھرتا ہے کیوں اتر رہے ہو۔ وکھ ہماری ذمے نہیں ہوتی عمیص صاحب! تم پہلے کی کفرت تک آ گئے۔ تیلوں میں کی قیمت برداشت کا فی رشک حد تک بلکہ ذہنیت کی حد تک مضبوط دل چاہیے۔"

"چلیں جی ٹھیک ہے۔ لیجئے آپ میری قوت برداشت کا امتحان۔"

"نہیں اخیر ایسی بات بھی نہیں۔ یہ والا چین نکالنا۔" اس نے ایک عام سے تین روپے والے بال پوائنٹ کی جانب اشارہ کیا۔

"کتنے۔"

"ایک اور بھلا کتنے۔ تمہارا خیال ہے میں درجن بھر لوں گی۔"

"واہ عمیص علی خان! کیا زبردست تجویز ہوئی ہے۔" اس نے چین نکال کر آگے رکھا۔

"تم نے کہا تھا تم اپنی دکان کے پہلے گاہک کو آدھی قیمت تک رعایت دو گے۔"

"اب تین روپے میں کیا رعایت دوں؟"

"ڈیڑھ روپے لے لو۔" الکھو نے حساب میں ملا دی۔

"لیکن اب آخری کون رہی۔ چلو کیا یاد کرو گے۔ میں تمہیں پورے دو روپے دے دیتی ہوں۔" موتیا نے دو روپے کا سکہ شبانہ انداز میں آگے کیا تھا کہ عمیص نے قاتل دیدہ منگلو رمعنی انداز میں اٹھا کے آنکھوں سے لگا لیا۔

"بڑی مہربانی۔ آپ یہ بھی نہ دیتیں تو میں آپ کا بکا لگا لیتی۔"

"اسے بیچ کر دو۔" موتیا نے سائیڈ رکھے ریک میں سے خوبصورت سے پرز منتخب کرتے ہوئے نیا کر دیا۔

"کیا تمہارا دل تو ٹھیک ہے۔ تین ہفتے دو روپے کی چیز کے لیے یہ پانچ روپے کا گفٹ پیپر بھی ضائع کر دوں۔"

"یہ صرف پیکٹ ہی خوبصورت سا نہیں بھی لگا۔ مجھے یہ کسی کو گفٹ کرنا ہے۔"

"اللہ رحم کرے اس پر۔ یہ گفٹ ملنے والا ہے گفٹ پیپر کے پانچ اور تین کے آٹھ روپے مزید لگا لو۔"

"کیا کہہ دیا ہے کہ گفٹ پیپر بھی تمہارے پاس رہے گا اور تین بھی۔ دراصل یہ گفٹ میں تمہیں ہی تو دینے والی ہوں۔ جھوٹ ہے بے شک یہ لوگوں پہ چیزیں واپس لینے کے لیے رکھ رہی ہوں۔ البتہ بال پوائنٹ خالص گفٹ ہے۔ اسے استعمال نہ کرنا اپنی تمہیں کے خلاف ہو گا۔"

"تم اور گفٹ۔ اوہو بھی مجھے۔" وہ بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

"ڈیڑھ روپے اور دے دو۔" الکھو نے لقمہ دیا۔

"ایسے تمہارے لیے اپنے اصولوں میں ترمیم کر لیتا ہوں۔"

"مان میرا احسان ارے ناداں۔" الکھو کی رنگ سوتیلی پھری اور کیا بر وقت پھری۔

مان میرا احسان ارے ناداں
کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار

عمیص کو پرانے میں مصلوب سوتیلی کے روپ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے چونک کے عمیص کو دیکھا۔ وہ کسی خاص تاثر کے بغیر الکھو کی اوچھا وار گوارا کا ساتھ شوکیس پہ بال بچا کے رہا تھا۔

"میں کہہ رہی تھی لوگ اسے بیچتا ہے کہ دکان بھیجیں گے۔" اس نے گھبرا کے ٹوکا۔

"یار! بھیجو تم کچھ نہیں خریدتے ہو۔ ہم نے جاتے جاتے کچھ دونوں کو روک۔"

"خریدنا تو چاہتے ہیں عمیص میں۔ مگر کیا کریں کچھ پسند ہی نہیں آتا۔" برا سے مانگا۔ "ادرک کے تاثرات انداز میں ایک بار پھر جائزہ لینے لگا۔

"تمہاری خاطر اب اس میں طلبے سمار گئی لاطفہ کرنا پڑے گا۔"

"ہاں ناکہ ابا حضور ہو اب خاصی برداشت سے کام لے رہے ہیں۔ سیٹیل پھٹرک کے تمہارا یہ اسٹور ہی۔" "ورنہ اکاؤنٹ ہے اچھا بل مدت نکالو۔ آج میرا بیان ہے۔"

* * *

"آپ کی شخصیت کبھی کبھار تضاد کا شکار لگتی ہے مسٹر صاحب!" ایک دن ابا نے بہروپیوں محفل پہ اپنی الجھن آشکار کر ہی دی۔ وہ ساحرانہ انداز میں مسکرایا۔

"یہاں کون ہے ابا جی جس کی شخصیت تضاد کا شکار نہیں۔ یہی تضاد تو حیات کا حسن ہے۔ آپ کے سامنے کسی اور کی مثال کیا پیش کیا جائے۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے۔ تم آپ کے صرف اس روپ سے آگاہ ہیں لیکن خود آپ اپنی شخصیت کے دیگر پہلوؤں سے بھی واقف ہوں گے اور یہ تسلیم کریں گے کہ وہ سب پہلو آپ کے اس روپ سے یکسر مختلف ہوں گے۔"

وہ بغیر تامل کے لیے چپ رہ گئی جیسے اس کی بات سے اتفاق تو مگر تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہو۔

"آپ کا کنارہ درست نکلیں اس تضاد کی بات نہیں کر رہی۔ یہ واقعی ٹھیک ہے کہ ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ایسے ہوتے ہیں جو دیگر پہلوؤں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں لیکن میرا کہنے کا مطلب اور تھا۔"

"کیسے کھل کے کہیے۔" اس نے سخت سا کہا۔

"ہم کراچی والوں کو آپ کے بارے میں کچھ جیسے ہی تو اس آرائیاں کرتے سنا ہے لیکن اس نے ہمیں تو آپ کو جتنا بھی اتنے کم عرصے میں ہمیں آپ کو جان پائی ہوں اور ان افواہوں سے خاصا الگ تاثر لیے ہوئے ہے لیکن الجھن اس لیے ہوئی ہے کہ اتنے لوگ یہ بات کرتے ہیں تو آخر کس لیے کیوں۔" "ہو نگاہ کے ہر وار کرنے پہلے میں ٹھنک گئی تھی کہ ابا جی ہوں گے اتنے لاتعلق یار بار ہمیں محفل کے ہر فرد کو کر سند ایک اور خبر نہ ہوں سے بھی تو کہا۔ جب وہ یہ سوچنے پہ مجبور ہوئی کہ آخروں تک ہمیں کیا بات ہے جو اس کے لیے خطرناک یا نقصان دہ ہو سکتی ہے جبکہ الفاظ ہو خاصا مہذب اور سلجھا ہوا انداز نظر آتا ہے۔ اس پر وہ لیکن میں ٹکرانے والے دیگر افراد سے تمہیں مختلف۔

"یقیناً آپ سوچتی ہوں گی کہ ان باتوں کو کتنے لوگ دہرا رہے ہیں تو ان میں کچھ تو حقیقت ہو گی۔ کچھ نہیں ابا ہی بہت کچھ درست ہے۔ ہم کسی کی لغو قرار نہیں دیں گے۔ وہ ان کے اپنے بارے میں لگائے اندازوں کو تھلا دیں گے۔ ہاں ہم جانتے ہیں کہ ہم حسن پرست ہیں۔ "حسن پرست ہیں" ہر رنگ میں اپنی جانب کھینچتا ہے ہمیں۔" اس نے آنکھ سامنے رکھی کشش نہ رہے ہیں پھر کہتے ہوئے تسلیم کیا۔ ایک نگاہوں میں بے تکلفی در آئی۔

"ہاں ہر حال میں۔ یعنی حسن کا ہر روپ ہمارے نزدیک داد و تحسین کا مستحق ہے اور اس کے خراج تحسین پیش کرنے میں کبھی بھی ہم کام بھی نہیں چھیڑتے۔ یہ تو آپ کی ابا جی ہوں گی ہمیں حسن کی رنگوں میں بکھرا ہے۔ کوئی آواز کے ذریعے سحر جگاتا ہے تو کوئی نازو عشوہ کے ذریعے اپنی خوبصورتی کا احساس دلاتا ہے اور یہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ آواز و ناز کے ذریعے حسن جگانے والوں کو خراج تحسین کیا وصول کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔ ہم نے

کبھی انہیں مایوس نہیں کیا لیکن جس طرح حسن کے انگ انگ انداز "گفتگو" دھنک ہوتے ہیں اسی طرح ہر انداز ایک مختلف خراج کا مستحق ہوتا ہے۔ آپ کو ریکارڈ تو اندازہ ہوا کہ حسن کے سب پیکر مجسم ہو کے سامنے آتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔ ہم نے آپ میں صرف ایک کھنکتی آواز ہی نہیں پائی، ایک دلکش سراپا نہیں دیکھا۔ آپ کا انداز نشست و برخاست، آپ کی سجلی ہوئی سنبھلی ہوئی گفتگو، آپ کے خیالات کی کرنیں، آپ کی سوچوں کی نزاکت، آپ کی روح کی پاکیزگی۔ کیا نہیں ہے جس پہ ہم لٹ جانے کو تیار ہوں اور یہ سب۔ جتنی آپ کے حسن کی ہمہ جہتی اور ہمہ صفتی اس خراج کی مستحق تھی، ہم اس سے پہلے ادا کرتے رہے ہیں۔ واللہ اگر ہمارے پاس تاج کا خزانہ ہوتا اور ہم اس کا ہدیہ آپ کی چوکھٹ پہ کھول دیتے تب بھی یہ خراج ادا نہ ہوتا۔ حسن کے اس جیسے بوجھ کو ہم کوشش کرنے کے لیے دار پہ ہیں صرف خلوص اور عقیدت سے ہو سکتی ہے اور۔"

اس نے مبہم انداز میں ٹھہرا ٹھہرا سا چھوڑتے ہوئے سگریٹ ایک بار پھر لبوں میں دبا لیا۔ اس کی نچلے دار گفتگو کے پیچ و خم میں کھوئی ادا ایک بار پھر جہاں میں آ گئی۔

"پتہ نہیں آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں۔ لگتے تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ صرف آواز اور صورت کی تعریف کی حد تک ہوتی تو اس پر دلچسپی میں آنے کے بعد یہ سننا میرے لیے غیر معمولی بات نہیں رہی مگر خیالات کی کرنیں، سوچوں کی نزاکت اور روح کی پاکیزگی۔ مثلاً صاحب۔۔۔ آپ واقعی مختلف ہیں اوروں سے بالکل مختلف۔"

● ● ●

"شکر کرو اس کنجوس نے دو روپے خرچ کرنے کی بھی ہمت کی۔" کل مرے عصیص کی قبائلی موتیا کی خریداری کا واقعہ سنتے ہوئے ہنس کر بھڑکا۔

چھٹی کا دن تھا جبکہ شام گہرے ہو چلے تھے۔ شام کو ہم نے چائے کا طور ڈالا تھا۔ گرمیوں نے تو چائے کا لطف اور دل بہلانے کی روایت کو ہی ختم کر ڈالا تھا۔ چائے کا لطف ذہن کو لگا دو "موسم کی چائے" کہہ کر بھی اس چسکے کو پورا کرنے سے لطف نہیں پاتا۔ ایک ڈھیلی کی طرح صبح و شام چائے پینے والے ہمیں تو عادت تھی لیکن اس میں عادت تو نہ تھا۔ لطف اٹھانے میں ہوتی ہے کہ دو چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی گرمی میں چولہے کے آگے کھڑے ہو کے بنائے اور پھر ہی پینے والے کا دل چاہتا ہے۔

گرمیوں میں چائے "رخصت" ہو چکی تھی۔ اصولاً "دوست" کے اختتام کے ساتھ ہی گرمیوں کا بھی انجام ہو جانا چاہیے لیکن گرمیوں کا سرمیلا پورے کے لیے "بادفا" ثابت ہوتا ہے۔ جب تک سردیاں سر پہ نہ آ جائیں یہ رخصت ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ بہت فاقے دیے بڑھنے کے بعد موسم خوشگوار ہو جاتا ہے۔

آج بھی شام پورے سماں نے دھنک سے اس آنگن میں اتری تھی۔ سہ پہر ہی سے موسم کی صورت میں کسی کی کنار اٹھے دیکھ کے موتیا کو بھی ترنگ اٹھی اور وہ ڈائجسٹ پھوڑ کر سہ پہر ہی سے بن ٹھن میں جا گھسی۔ یہ اس کا برسوں پرانا معمول تھا۔ دوپہر کی نیند بیشتر دن یہ اہتمام رہی تھی۔ دوپہر کو سارے کام نمٹا لینے کے بعد وہ ڈھلی ڈھلی کا پلنگ ہوتا اور اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی ڈائجسٹ یا شعری مجموعہ۔ جبکہ باقی سارا گھر قیلولہ فرماتے میں مصروف ہوتا۔

اس نے پرانی لگے کے دمن کھولا۔ ارائہ دھنک رنگ تھا۔ سیاہ مسالاجات اور بیری موتیے ڈال کر ہاتھوں سے خوب دیر تک مسلتی رہی۔ سیدھے میں بنی ہوئی شکر لگا پھیکی پاؤڈر اور گھی ڈال کر مسلتی پوریوں کا آٹا بھی تیار کر ڈالا۔ ساتھ ہی چاٹے اور اچار۔ اس نے چائے کا پانی رکھا تو ہر دوسرے چولہے پہ کڑاہی چڑھا کے دلکو کو پکوڑے تلنے کو ایک پوریاں اس نے خود چاٹ گرم نگاہیں کے بعد احتیاط سے تھیں۔ آنگن کے نکڑ چبوترے پہ سب کچھ رکھنے کے بعد اس نے انگڑائی لی۔ اسی حضور اور پھیلی حضور کے لیے ناشتا چائے سماجا کے جنگلوں کے ہاتھ اندر بھیجا تھا۔ عصیص اور گل مہر کو بلانے کا بھی کہا اور خود انتظار میں بیٹھ گئی۔ یہ کسی اسے ایک خیال سا تھا۔

"ضروری تو نہیں کہ میرا سوا اچھا ہے تو باقی سب کا بھی ہو۔ یہ شاید مجھے کھل کے ہنسنے نہ آ کر اس بے ترتیبی سب کی اسی خوشگوار انداز میں اثر انداز ہو رہی ہو۔ عصیص کو شاید۔ مگر کل کا پتہ نہیں ہوا سے تو ٹھیکی والے دن اختر اپنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ کل کو بیٹھے بیٹھے کہہ کم کر بیٹھی ہوگی۔ آج کل تو رہنے لگی زیادہ ہی الگ تھلگ رہنے لگی ہے۔ اب دیکھو آپ چاپ بیٹھی خلاؤں میں گھنٹوں کچھ سوچتی رہتی ہوتی ہے۔ مشکل ہی ہے کہ وہ باہر کے اور بھی ہو سکتا ہے۔ ندا کہ عصیص ہو یہ ہو جائے اور یہ شام۔ یہ شام اس کے ساتھ گزارنے کی جو جیسے بی نواش بگاڑ میرے اندر بھڑکی ہے اور اس نے بدلی اور باری کی نذر ہو جائے۔"

اچانک اس کا بدلوں سے ہٹا تا معصوم اور بے ربط بچے کے رو گئے۔ چند منٹ کے بعد انگلیوں کو اوٹ سے دیکھا تو تیرا ذوی لہو اس کی نظروں سے چھپتی ہے اس کے پیچھے کسی کو تلاش کرنے لگیں۔ اچانک اس کا چہرہ بجھ سے بجھ گیا۔ وہ گل مہر تھی جو اپنے بلکے بلکے تبلہ سمیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی ہوئی اپنے آمدے کی سیڑھیاں اترتی دالان تک آ رہی تھی۔

"اب تو عصیص بھی۔" وہ اس نے احساس پہ خوابی حیران ہو گئی۔

"یہ کیسی کیسی حرکتیں ہیں۔ آپ کی ہوں۔ تو صرف وہ تھی مگر نہ دیکھی اور یہاں جب محبت شروع ہوئی تو اب بھی میں نے اسے کلیم کرنے میں وقت نہ لگایا مگر یہ کیا ہے کہ محبت میں انسان آخر اتنا سچ انقلاب بھی ہو جاتا کہ اب محبوب کے ساتھ ساتھ محبوب کا محبوب بھی پیارا ہو جاتا ہے۔ جیسی محبت تو بڑا پونی سوا اور کہ محبت ساجد ہے۔ یہ تو عشق کے آثار ہیں کیا میں اب عشق کی اس منزل تک پہنچ چکی ہوں کہ۔"

گل کے آنے پہ اس کا دل اس لیے مارے خوشی کے اچھلنے لگا تھا کہ اب عصیص بھی یہاں موجود ہو گا اور ضرور ہو گا۔ یہ ہر دست میں تھا۔ نظریں باہوں میں انگلیوں بلا کر سنوارتا ہوا عصیص واضح بے دل کے آثار کے ساتھ برآمدے میں جھانکتا رہتا تھا۔ شاید کسی موقع سے جاگ کر دالان تک آ کر اسے چھیڑنے کی زحمت کرتا۔ یہ خاصا ناگوار گزرا تھا لیکن چبوترے کے نزدیک بڑھا تھیسیت کہ عشق گل کو دیکھ کے اس کے تاثرات کتنا "ناگوار" بدل گئے۔ ساری کوفت اور سستی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سیدھا اس جانب آنے کی بجائے جو عصیص کے پیچھے کے ساتھ تھے نکلنے کی طرف گیا اور ناگواری کے جھاکے کے چہرے پہ بار کے بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

موتیا نے ایک نظر اپنے بیٹے کی پیلی پیلی دھوتی کی چنٹوں کے ساتھ تلوے کے پاؤں پہ نظارے لے کے کھاری تھی۔ وہ شاید کچھ دیر قبل ہی نہا کے نکلی تھی۔ جارجٹ کا تین ٹانکے کرین سوٹ پرنٹڈ جارجٹ کا پیلو شلوار پہنے ہوئے تھا جس میں چنا اور سبز تک نہیں تھا۔ بال اس نے اب تک سلجھائے نہ تھا البتہ یہاں آتے ہوئے انہیں سمیٹ ضرور لیا تھا۔ چند ابھی تک اس کے سنجیدہ چہرے پہ جھول رہی تھیں۔

موتیا نے حیرت اور رنگ کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ حسین تو ہمیشہ سے تھی اس کا اعتراف موتیا نے کئی بار کیا تھا لیکن اب کچھ دنوں سے وہ نروان ہوئی کشش نظر آنے لگی تھی۔ اس کی رنگت سرخ ہو گئی تھی گلابی پن سرخی جھانکنے لگا تھا۔ بڑی بڑی خوش رنگ آنکھوں سے عجیب سی تیز چمکنے لگی تھی۔ موتیا نے غیر محسوس انداز میں اپنی سہ پہر سی سا جانے لینے کی کوشش کی۔ دوپہر کو کاسنی سے فارغ ہونے کے بعد اس نے غسل کر کے جو دانا سا تھا لیکن دوپہر کو کرتی پہل پہل کر افسانے پڑھنے کی وجہ سے کاٹن کا پکے کرے اور بھوری سوٹ اس وقت نہ کھنکتوں سے پر تھا جبکہ قمیص کے بلکے گرے دامن۔ گلے کے چھیڑے دیکھ نظر آ رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ گود میں پھیلا کے رکھے ہوئے ان دامنوں کو چھپانے کی کوشش کی۔ انگلیوں کے ناخنوں میں مہندی لگا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے نورا "مٹھیاں" بھینچ لیں۔

"زیادت ملا جائے گا آج چاہے پیتے ہوئے۔"

عصیص کی بات پہ موتیا نے خود کو تلخی لانے کی کوشش کی کہ اس نے غیر جنسہ گل کی بے ہوں ہو دوگی کی وجہ سے

نہیں بلکہ چائے کے اس اہتمام کی وجہ سے کہا ہے۔

"اس سے بھی سنا شکایت تھی۔"

ایک فقرے کے آخری دو لفظ اگرچہ اس نے بہت مدھم سروں میں کہے تھے لیکن موتیا جس کا دھیان ہواں اس کی آہٹ سننے کے لیے بے تاب رہتا تھا اس تک یہ آواز بخوبی پہنچ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے برابر خلا نشست کو دیکھا۔

"چنو کوئی بات نہیں۔ تم پر بہت سی۔ مقابلے تو ہو۔ تمہارا "ساتھ" ہونا اتنا اہم نہیں جتنا "سامنے" ہونا ہے۔"

اس نے فوراً ہی تسلی دی۔ لیکن جس کے ساتھ وہ تھا اس کے لیے تو اس کا یہ ساتھ ہونا کوئی بھی اہمیت رکھتا تھا نہ ہی سامنے ہونا۔ وہ مکمل توجہ کے ساتھ چائے اور پکوڑوں سے انصاف کر رہی تھی۔

"اور سناؤ تمہارا اسٹور کیسا چل رہا ہے؟"

ٹشو سے ہاتھ پونچھنے کے بعد باقر خراسے اپنے ارد گرد بیٹھے نفوس سے ہم کلام ہونے کا خیال آ گیا۔

"شکر ہے اللہ کا موتیا جیسے دو چار نرم خو اور مل جائیں تو سودا کھانے کا نہیں۔" اس نے اپنے اسٹور کی بوری کا واقعہ تک مزے لگا کے سنایا۔

"لیکن اس بوری کا کیا کی رہی۔ شکر کرو اس کنجوس نے دو دے تو دیا۔ تم خوش قسمت ہو عصمت۔" اس نے پوتے کا کپ دوبارہ بھرتے ہوئے اس کے کہ تو عصمت نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"بات کرو تو جانوں۔"

"کیا؟"

"یہی کہ میں خوش قسمت ہوں۔"

"لو پیچیز عصمت۔ تمہارا کلیک بھی ہے سیٹیوں والا بھی۔ ابھی ابھی باتیں مت کرو۔ آج ہمارا سوئٹ اچھا ہے اور ہم اسے خراب نہیں کرنا چاہتے۔ یہ نہیں ایسی باتیں کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم بہت دانش ور قسم کے انسان ہو۔ فلسفہ جھاڑ سکتے ہو۔ بہت خوب۔"

عصمت حیران رہ گئی کہ اس نے بھلا کون سا فلسفہ جھاڑا ہے۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے عصمت۔ تم نے دل کے معاملات سے آگہی ہی نہ ہو گی۔ دل کی صاف۔ صاف باتیں بھی ابھی ہونی باقی ہیں۔ بلکہ تم نے تو خود دل کے معاملے میں الجھے ہوئے ہو۔ تمہیں بھلا کب میرے دل کی پکار سنائی دی ہے۔" موتیا نے پھر سے خود کلامی کی۔

"اور تم بیوقوف جب چاہو؟" اب کی بار اس کی جانب نظر کرم کی۔

"جب وہ کسی سنا جا سکتا ہے ناں۔" موتیا نے ساری بات کو ہنسی سے اڑا دیا۔

"یہ سوال تو مجھے تم سے کرنا چاہیے کہ تم پچھلے کچھ دنوں سے بہت چپ چاپ بلکہ گم صم رہنے لگی ہو۔" اس نے کل کا سوال اسی کی جانب لوٹا دیا۔

"بیٹھے بیٹھے خیالوں میں کھو جاتی ہوں۔"

کل کا جائے میں پیچھے بلا ناغہ کہہ بھر کو ساکت ہوا۔ اس کی خوابناک آنکھیں کسی خوشی کن خیال سے جگمگا اٹھیں۔ عصمت نے نجب اور موتیا نے معنی خیز انداز سے اس کے چہرے پہ اترتے رنگ دیکھے۔ بیچاری اس نے سر جھکا اور مسکرا دی۔

"ہم پہلے کون سا باتوں کے خزانے بھرا کرتے تھے۔ روز بات بیٹھے بیٹھے کھو جاتے تھے۔ تھوڑی کھو جانے کے باوجود دن کے دنیا سو ہو تو رہتے ہیں۔ سوچو ذرا اگر ہم چلتے پھرتے کھو گئے تو کیا ہو گا؟"

"بات کو نا ہوت۔"

"بھئی ٹل کرتا ہے ناں۔ کبھی کبھی کھو جانے کو کھو جانے سے انسان کو اکثر بہت کچھ مل بھی جاتا ہے۔ کبھی تم بھی کھو کے کچھ اور کچھ نہیں تو اپنا آپ میسر آ جاتا ہے۔"

"اب فلسفہ جھاڑنے کا الزام تم پہ عائد کیا جا سکتا ہے۔" عصمت کے کہنے پہ اس نے شانے اچکائے۔

"اچھی دے اتنی اچھی چائے اور مزیدار پکوڑوں کا بہت بہت شکریہ موتیا۔" اس نے فلمیں کی تیاری کی جلدی درست کرتے ہوئے نظر آسمان کی جانب اٹھائی۔ شام گہری ہو چلی تھی۔ خوبصورتی اس کے ہونٹوں پہ ایک ہلکی سی مسکان آن ٹھہری۔

"آج موسم کتنی قدر خوب صورت ہے۔" وہ تو بھولی کھلی گئی۔ عصمت اپنی حیرت کا اظہار کرنا بھول۔

"کل بھی موسم اتنا دلنواز ہونے لگے؟ مقام حیرت ہے۔"

موتیا کچھ بھاپ جانے کے سے انداز میں کچھ کھوج لینے کے سے انداز سے اندر تک جانا دیکھتی رہی۔

تمہیں بھی عشق کرنے کے ہنر آنے لگے ہیں
تو کیا اب لوگ دل میں بھی نظر آنے لگے ہیں

وہ بے یقینی سے پوچھنے کو تھی۔ عصمت نے سنانے والے انداز میں اگلا شعر پڑھا۔

تمہیں کہنا نہیں تھا خاک میں تاثیر بھی ہے
ادھر دیکھ مسافر لوٹ کے گھر آنے لگے ہیں

"او عصمت تم اور تمہاری خوش نصیبی۔" دوسری بہت کے کہنا چاہتی تھی مگر عصمت کی نگاہوں میں اس خوش نصیبی نے خوزدگی بھر دی تھی کہ اسے ختم کرنے کا موتیا کو حوصلہ نہ ہوا۔

★ ★ ★

"بہت خوب۔ آج تو خاصا اہتمام کر رکھا ہے آپ نے۔"

صاحبزادہ نفیس علی خان مغرب کی نماز پڑھ کے تشریف لائے تو موتیا نے تازہ چائے دم کر کے گرم پکوڑوں اور پوری کے ساتھ اندر بھجوائی۔

"کمال خان صاحب، ہم اب کیا اہتمام کریں گے۔ ایک تو عمر کا تقاضا، صحت کے مسائل دوسرا صاحبزادی الماس خاتون نے ویسے ہی تمام ذمہ داریاں اپنے ہاتھ میں لے کر ہمیں بالکل ہی کامل بنا کے رکھ دیا ہے۔ ہم یہ تو دیکھا کریں کہ یہ تو آپ کی دختر الماس خاتون کی ہی کارگزاری ہے۔"

"سبحان اللہ۔ بہت اچھا لقب ہے صاحبزادی کے ہاتھ میں۔"

انہوں نے پھیلی ہوئی خوشبو اور پوری کا لقمہ منہ میں رکھتے ہی تعریف کی۔

"ہم لیں اولاد بھی عطیہ خداوندی سے کم نہیں۔ پھر ماشاء اللہ ہماری یہ صاحبزادی جس گھر میں جائیں گی اپنے اطوار سے نور و برکت پیدا کریں گی۔ اللہ ان کے نصیب مبارک کرے۔" وہ دیدہ شفقت سے مغلوب ہوئے موتیا کو دعائیں دے رہے تھے۔

"آمین۔ ہمیں صاحبزادی الماس خاتون کی بہت فکر ہے۔ خاندان تو ہمارا وہیں مٹی میں مٹی بن کے سوچا کہ آپ ہی اپنے جانے والوں میں کوئی شخص دیکھیے۔ کیسی کوئی اچھا ہو۔"

"ہاں ہم بھی سوچ رہے ہیں لیکن آپ کے ہر شخص ہم صاحبزادی الماس کے لیے فکر مند ہرگز نہیں۔ وہ ان رشتوں میں سے ہیں جنہیں لوگ اپنے گھر کی زینت بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہم آج ہی سے کوشش کریں تو وہ ایسے دس شرفاء کے نام بتا دے گا کہ ہمیں انتخاب کرنے میں بھی دقت ہو گی۔ لیکن اصل تردد تو ہمیں آپ کی بیٹی صاحبزادی کی جانب سے ہے۔ ان کے لیے بھی فکر لاحق رہتی ہے کہ کون آئے گا؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم سوں سے یہ بات طے ہے کہ صاحبزادی کل ہماری گھر میں رہیں گی۔ کیا حضور اس

پہ سوچا بھی ہیں۔ پھر تم کیا کر رہا ہے؟"

"یہ بھی اللہ کا فضل کر رہے ہے کہ گھر کی بات گھر میں رہے گی۔ رونق بالفرض اگر ادا نہ ہو تو خود سوچنے کیا صاحبزادی کل سمرے کا اعزاز ایسے ہیں کہ وہ کسی بالا سول گھرانے میں عزت سے نباہ کر سکیں۔"

"دستانی معاف نواب صاحب۔ ہر کہ اپنی فطرت لے کر پیدا ہوا ہے۔ ایک ملی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے انسان کی عادات کے مالک نہیں ہوتے مگر خوان کی تاثیر اور تربیت کا کیسا اثر خصوصاً ماحول پہ ضرور رنگ لاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صاحبزادی کل سمرے کی فطرت میں نکھے پن سے بھرا مزاج احساس ذمہ داری سے بھرپور اور انکی قربانیوں کی شخصیت رکھتی ہیں۔ نیز یہ صاحبزادی کل سمرے کو ہمارے ہاں کے ماحول اور ہمارے خان کی فطرت سے لگ اور مزاج میں ضد اور من مانی کرنے کا عنصر ہے۔ لیکن فطرت و عادات سے قطع نظر وہ ہماری خان ہیں اسی خاندان کی پروردہ۔ اس اعزاز کے لیے ہم نے سمجھے کہ وہ خود اخلاقاً آپ کے ناموار اور ہماری تربیت کی طرف آئے ہیں۔"

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتے ہیں کہ ہمیں کہاں سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ آپ یہ دعویٰ کر سکتی ہیں اور ہم جھٹلا بھی نہیں سکتے لیکن ہمارے اپنے اپنی جگہ سلامت ہیں۔ وہ کسی اپنی ضد میں آ کر اپنا شوق پورا کرنے کے لیے ہمارے مقابل اٹھ سکتی ہیں تو شوہر کو کیا خاطر میں لائیں گی اور شوہر بھی کون؟ صاحبزادی عمیص صاحبہ تو قبیلے بھر کی اس خاندان کی اکلوتی اولاد کا واحد ہی اثاثہ ہے۔ آپ جانتی ہی ہیں کہ عمیص میں خود بھی باغیانہ سوچ رکھتے ہیں اور کل سمرے کے مراقدام کی سب سے پہلے حمایت کرتے ہیں۔ یوں بھی صاحبزادی کل سمرے کے مزاج اور عمیص میاں سے ان کی نہ بنتی دیکھ کے یہ امید کم ہی ہے کہ وہ اپنے اس عم زاد کو حیثیت شوہر جگہ سمرے پا سکیں گی جو ان کے عقد کے بعد حق بنتا ہے۔"

"دانش، ہم عمر ہیں، بچپن سے ایک چھت کے تلے رہتے آئے ہیں سو یہ نوک جھونک تو فطرت کا تقاضا اور ہم تکفی کا نتیجہ ہے۔ تکلیف کے دوران ہر شے کی نوعیت بدل رہے ہیں اور صاحبزادی کل سمرے ہیں تو ایک مشرقی دوشیزہ اپنے رکھ رکھاؤ والے ماحول کی پروردہ ہمیں ان پہ پورا یقین ہے کہ اپنی زندگی میں داخل ہوتے ہی نئی ذمہ داریوں سے روشناس ہوتے ہی وہ یہ غیر سنجیدہ روش ترک کر دیں گی اپنی جھگڑالو ضدوں سے چھٹکارا حاصل کر لیں گی۔ کیا آپ کو ہماری تربیت پہ اعتماد نہیں؟"

"واقعہ ایسا ہرگز نہیں۔"

"نہیں نواب صاحب! آپ بھلے کچھ بھی کہیے ہم جانتے ہیں کہ نہ تو ہم سب آپ کے لائق تھے جب آپ نے ہمیں اپنی زندگی میں شامل کیا تب ہی ہم آپ تک خود کو اس قابل کر پائے ہیں۔ ان کے لیے میں ملال نہ تھا۔"

"یہ آپ آج نئی باتیں کیوں کر رہی ہیں بیگم حرمت النساء۔"

"آپ تو یہ کہنے کی ہمت لی ہے ورنہ یہ احساس۔ کم از کم ہمیں کا یہ احساس نہیں۔ ہم نے خود کو ہمیشہ آپ کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ کم تر ہی سمجھا ہے۔ کیا آپ کو ایسا ہی محسوس کیا ہے۔ اور شاید کبھی خود یہ بھی۔"

"نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ یہ آپ کا وہم ہے۔" بوڑھے ہو گئے اگرچہ اس حقیقت کو کبھی کے جھٹلا بھی نہیں سکتے تھے کہ صاحبزادی حرمت النساء کو نصف بستر کے روپ میں تسلیم کرتے کرتے انہیں بوقتاً ان کو سنانا پڑا تھا لیکن اس کا اظہار کر کے انہیں جزبزی کر دینا بھی نہیں کہنا چاہتے تھے جو ایک عمر سے ان کی ہمراہی سے محبت اور احترام کی تھی لیے خاموش رہتی تھیں۔ دراصل لڑکپن سے ہی انہوں نے صاحبزادی حرمت النساء کو ہی اپنی ہمدرد والی شریک حیات کی نظر سے دیکھا تھا اور ابھی ان کی نا کمال اور افسوسناک وفات سے تحریک طرح سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ اچانک حضور نے انہیں ایک اور بند میں باندھ دیا۔

صاحبزادی حرمت النساء سے ان کی عمر کا فرق تھا تو یہ بندہ رسولہ سالوں پہ محیط تھا اور سراسر کہ ان کے درمیان میں دور دور تک ان کے لیے ایسا کوئی خیال نہ تھا۔ اس کے باوجود اپنے قابل احترام چچا حضور کے فیصلے کے آگے چوں تک

نہ کر سکے۔ شادی کے بعد بھی دونوں میں اتنی مطابقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ صاحبزادی حرمت النساء اپنی فطرت کی لچک کے باعث ان کے مزاج کے اتار چڑھاؤ کو بھانپ کر ان کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتے تھیں مگر شوہر کی انجلوا میں بیوہ ایک ناتجربہ کار کم عقل اور ناپختہ خاتون ہیں۔ اب کہیں جا کے وہ ان کو سمجھ پائی تھیں اور بھی کبھی ان کے کسی مشورے کو بے ساختہ سراہا بھی جاتے۔ شاید از دواجی ان میں اتنی بہت ہوتی کہ وہ کچھ کر پاتیں۔

صاحبزادی نفیس علی خان اگرچہ ملی ہے ان کی کل سمرے کے بارے میں خوش گمان قیاس آرائیوں سے قائل نہیں تھے پھر بھی صرف ان کی ملی آزادی کے خیال سے کہہ دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو درست ہی ہو گا۔ ہر پہلو، حالات خصوصاً اولاد کے متعلقہ مسائل کے بارے میں ماں سے بہتر کون جان سکتا ہے۔"

"تو بس پھر ساری پریشانیاں دور ہو جانی چاہئیں۔ ہمارا بوجھ تھک چکے۔ ہمارا سر بوجھ اتر گیا۔ یہ فیصلہ وقت بھی تھا اور مناسب بھی۔ صاحبزادی کل سمرے کے لیے عمیص میاں سے بہتر انتخاب کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کی بیٹا وہ ہمیں خوش رکھیں گے اور ان کی بے حد قدر کریں گے۔"

"ان حضرت سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔" بی طنزیہ ہنکار بھر کے رہ گئے۔

"ہم سمجھے نہیں۔"

"ہماری خواہش ہے کہ صاحبزادی کل سمرے کی شادی جس سے ہو وہ بے شک وہ عمیص میاں ہی ہوں مگر وہ انہیں بدلنے کی کوشش کریں۔ انہیں ایک مشرقی بیوی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں نہ کہ بہو خوان کے مطابق خود کو ڈھال لیں اور وہ جو محترمہ کو من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دیں اور آپ کے لاڈلے کے بیٹے سے ہمیں کوئی توقع ہے ایسے گر جتنیں نہیں پالا کرتیں جتنے فرمانبردار ہم اپنی صاحبزادی کے حوالے سے ہیں اتنے ہی فرمانبردار عمیص میاں کے لیے بھی ہیں۔ وہ بھی ہمارا خون اور ہمارے جگر کا ٹکڑا ہیں۔ ہمارے خاندان کا واحد وارث اور چشم و چراغ۔ ہم اس سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان کی اس شاندار شوکت کو آگے بڑھائیں اور اس کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اب ان کے اس نئے شوق کو ہی دیکھ لیجئے لاحق ہوا ہے یہ کیا دیدہ سماعت ہے۔ لوگوں کو خون پہ نسر ملا کے رہتا۔" انہوں نے حقارت سے سر جھٹکا۔

★ ★ ★

یوں تو سوتیا کی روز کے معمول ہی سے اس کے بدلے بدلے انداز و اطوار دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی لیکن آج کی شام نے سمرے سے اسے سنجیدگی سے کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیا۔ اس نے بستر پہ لیٹے لیٹے کل سمرے "معمولیت" کا جائزہ لیا۔ رات کے پونے دس ہو رہے تھے۔ لاہور شہر میں اس وقت زندگی بھگتے عروج پہ تھی لیکن اس ہوٹل کے مکین تو بستر ہی سونے کی تیاری میں مشغول ہونے کے عادی تھے۔ سوتیا خود بھی سونے کی عادی نہ تھی۔ صبح نماز کے وقت کی جاگی ہوئی اور پھر کے کام اور معمولیت کے بعد نماز عشاء ادا کرتے ہی نو ساڑھے نو بجے بستر پہ گرتے ہی سو جاتی لیکن جب سے کل نے حساب شروع کی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً دس ساڑھے دس تک جاگنے پہ مجبور تھی کیونکہ رات گئے تک کل کی آمد کی صبح کے لیے تیاریاں چلتی رہتیں اور سوتیا کو اس کھٹ پٹ میں نیند نہ آتی۔

اس وقت بھی تو ساڑھے گھنٹے سے زیادہ وقت اس نے صبح کے لیے سوٹ استری کرنے میں لگایا اور جانتا تھا کہ شاید اس سے زیادہ اس سوٹ کو مختلف کرنے میں صرف ہوا ہو گا۔ کانٹن کے ملگجے زرد سوٹ سے نوب جاکے استری پھیرتے ہوئے وہ ہلکے سروں میں کچھ گنگنا بھی رہی تھی جو سوتیا چاہ کر بھی کوشش کے سن نہ سکی مشغول کر آ کر سی کی پشت پہ پھیلا کے رکھنے کے بعد اب وہ زرد رنگ کی کڑھائی سے سجا [illegible] کا ہوا استری کرنے لگی۔ سوتیا کے سر تو بھرتے ہوئے اس دو گز عرض اور ساڑھے چار گز طول والے کپڑے پہ زرد سوتی دوپٹے کو دیکھا جو بلا

مبالغہ آمیزی ہونے میں تو حائل نہ ہو۔ مزید لینے والا تھا۔ اس نے مڑ کر ساتھ میں رکھا تکیہ چہرے پہ دھر لیا۔

"ہمارا تکیہ چھوڑ سوتیا! کبھی یاد میں تیل تم نے سرمئی ایڑیا ہے وہ بھی کنوارے سروں کا! اور ہمارا تکیہ کس مزے سے لان چہ پیچ بالوں پہ رکھ لیا ہے۔" اپنے کام میں مگن ہی وہ اپنی ذاتی استعمال کی چیزوں کے بارے میں پوری طرح الرٹ تھی۔ اس کے ٹوکنے پہ سوتیا کو غصہ آگیا۔

"تم لائٹ آف کرو تو میں بھی تمہارا تکیہ تیرے پھینک دوں گی۔"

"بس تھوڑی دیر اور ابھی لائٹ بند نہیں ہو سکتی۔"

"تو ابھی ابھی تکیہ بھی میرے اس تیل سے بھرے سر سے الگ نہیں ہو سکتا۔"

"ابھی ہم اپنے چہرے کی کھلونا ٹک کرنے والے ہیں۔" اس نے اسٹری کے بھدا دائی مصنوعات سے آگاہ کیا۔ جواباً سوتیا نے بھی اگلے مرحلے سے مطلع کیا۔

"اور ابھی میں بھی یہ تکیہ سر کے اوپر سے سر کے نیچے منتقل کرنے والی ہوں۔"

"پلیز سوتیا ہم سو نہیں پا رہے اس تیل کی بدبو سے۔" وہ چلائی۔

"اور میں بھی سو نہیں پا رہی تمہاری ان چک پھیریوں سے۔" وہ اور بھی شدت سے چلائی۔

"تم آئس جانتی ہو! کسی فیشن شو میں روزرات کو تمہیں کلینزنگ بھی لانا کرنا ہوتی ہے۔" وہ سر سے تیسرے دن ہاتھوں پیروں کی مرمت بھی کرنا ہوتی ہے۔" اس نے کل ہونے والے مٹی کو رٹ ایڈی کیوریٹ جانب اشارہ کیا۔

"تمہنہ مجرو تم لباس کے بتانے لگاتی ہو۔"

"اگر خدا کو الہام خاتون آ تھی بھلی ریٹ جلس کے رہ گئی ہے۔" وہ اس سکون کے ساتھ لب ترکیبے کے روز کھڑی ہا تھوں پہ کلینزنگ ملک اٹھل رہی تھی۔ سیانی کی کھرائی سوتیا نے زیر لب بڑبڑتے ہوئے نکلی۔ جانتی تھی کہ کلیئر اس وقت کچھ اثر نہیں ہونے والا۔ وہ اپنی روٹین سے سٹ کر ہی ہٹ تھی۔

لالی تجھ سے من کی لگن۔ لگن لالی تجھ سے من کی لگن

گل کی ہلکی سرخوں کی کلیئر ہونٹ پہ سوتیا کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے ہی عکس کو دیکھ کے مسکراتے ہوئے اپنے چہرے پہ مساج کر رہی تھی مگر صاف لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بے شک سامنے آئینے میں تھیں مگر نظریں کہیں اور تھیں وہاں جہاں اس وقت اس کا دھیان تھا اور دھیان وہاں تھا جہاں کے تصور نے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"تیرے من میرا من۔

جیسے پنکھی پون۔

جیسے من میں ہرن۔

لالی تجھ سے من کی لگن۔ لگن لالی تجھ سے من کی لگن

"میں تو سمجھ رہی تھی اس کے پاس "من" نام کی کوئی چیز ہی نہیں مگر نہ صرف یہ من سنبھال کے رکھے ہوئی تھی بلکہ چپکے چپکے لگا بھی شوخ کر رہا۔"

"سنو! وہ ہے کون؟" اچانک اس نے سوال کیا بغیر کسی تمہید کے بغیر کسی بہانے کے

لمحہ بھر کے لیے مساج کرتے اس کے ہاتھ ساکت ہوئے۔ اس نے آئینے میں ہی اسے نظر مار کے دیکھا پھر لوشن کی شیشی کلاغن بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ بغیر کسی وضاحت کے بغیر کسی بہانے کے

"تمہیں اس سے کیا؟"

اس نے انکار نہیں کیا تھا نہ ہی من گھڑت کا اظہار کیا اس سے سوتیا کے شک کو تقویت ملی۔

"کیوں مجھے کچھ کیوں نہیں؟ میں ہوں تمہاری۔"

"وہ تو تم بھی ہیں۔ میں تمہاری بہن۔" وہ کھڑے کے اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مگر ہم نے تو تم سے کبھی نہیں پوچھا" آدھی آدھی رات تک تکیے میں منہ دیے کس کے نام کے آنسو بہائی ہو۔"

سوتیا کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کل سرے نے اطمینان سے اپنی چادر جھاڑی۔ سکتے کے عالم میں بیٹھی سوتیا کی گود سے اپنا تکیہ کھینچ کے لا کر سو گئی اور سامنہ بناتے ہوئے اپنا سکتا وہ اپنے اس پہ پھیلا کے لیٹ گئی۔

اس کو وہ اور چھیڑنے کا مطلب تھا۔ اس لیے کہ وہ جان چھڑانا محسوس یہ خطرہ سوتیا اصل نہیں لینا چاہتی تھی۔

"پتہ نہیں کل کیا کچھ جانتی ہے؟ کتنا جانتی ہے؟ اور کیا نہ جانتی بھی ہے یا نہیں یونہی بیراعتہ بند کرنے کے لیے ہوا میں تیر چلا رہی ہے اگر واقعی ایسا ہے تو میں نے خاموش ہو کے اس کے اندازے کی تصدیق کی ہے۔ مجھے منہ کھولنا چاہیے تھا ویسے ایک بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ واقعی کوئی ہے "کوئی" تو ہے جس نے اس پتھر میں جونک لگائی ہے کوئی تو ہے جس کے بولنے سے کل کو احساس ہوا ہے کہ اس کے پاس بھی کس ہے اور من لگانے کی ہمت ہے "من" کی لگن نے کی نہیں۔ چلو صاحب جزا دی کل مرا کر بیچ من لگا بیٹھی اور تو اب ہو شی ٹھکانے لگی جائیں گے "اسی لگن نے سارے کس مل۔ نکال دیے تو میرا مسئلہ بن جائے۔" اس نے جیسے چیلنج کیا۔ مگر سوتیا کی عصیص کا خیال سارے خوشی ہوا ہی ہو گیا۔

"مگر عصیص اس کا نیا ہو گا۔ یہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی کہ کل کے بس تک وہ کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکے گا مگر رسائی ایک الگ چیز ہے اور کسے جانے کا وہ الگ۔ کیا وہ برداشت کر پائے گا"

رات بھر جاگنے کے لیے وہ ایک وجہ کافی تھی۔ جس وہ معمول کے مطابق جاگی تو آنکھیں متورم تھیں سر بھاری نے ہلکی سی تمازت کی بھی آرزو تھی جس سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

کل تیار ہو کے کچن میں آئی تو اس نے حسب معمول اس کے آگے فرائی انڈا ٹوسٹ اور چائے کا کپ رکھا۔

"کیا بات ہے اچھی لگ رہی ہو۔" پتہ نہیں اس نے سوتیا کو جیرا نا چاہا تھا یا کوئی اور وجہ تھی سو حل رہ چکی۔

"تعریفی جملے بولنے کی پریکٹس کرنے کے لیے کیا میں ہی ملی تھی۔"

"کیا کل رات بھی تکیہ بھگو کے گزری ہے؟ ہمارا مطلب ہے یہ خوابناک گلابی گلابی آنکھیں۔" بھاری آواز میں۔

"کل تیرے میں ٹانک ٹونیاں مارنے کی ضرورت نہیں میرے سر میں کل شام سے سخت درد ہے اس لیے رات تمہارے ساتھ مغزماری کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ورنہ بتا دیتی تمہیں۔"

"تم نے کیا بتانا ہے" تم تو پوچھ رہی تھیں پوچھنے کے لیے تو ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔" اس نے شرارت سے کپ میں چمچ ہلاتے اسے چونکایا۔

"کل انہی ہمارے پاس وقت نہیں ہے پھر کبھی۔" ڈرینگ شانے پہ لٹکا کے نکلنے لگی اور اندر داخل ہوتے عصیص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ خلاف توقع بچے کوئی کڑوی کسیلی بات سننے کی بجائے اس نے عصیص کے ہاتھ میں کسی کے نل سازگار اس کو تھوڑا۔

"کیا کر رہی ہو؟ ہمارے لیے کچھ لائے ہو؟"

عصیص نے ایک نظر اس کے ہاتھ کی ٹرے میں رکھی کھنی کی ٹکیاں ڈالی اور دوالی قہقہہ چھوڑ دیا۔

"تم بھی تم کھنی کھایا کرو! چلتی پھرتی ہو۔"

وہ اسی طرح مسکراتی ہوئی اللہ حافظ کہہ کے نکل گئی تو عصیص مارے حیرت کے کرتے کرتے رہا۔ سوتیا رخ موڑ کے اب عصیص کے لیے ٹیبل تیار کرنے لگی۔

"تم نے دیکھا سوتیا! جاب کرنے سے کل میں کتنی خوشگوار تبدیلیاں آئی ہیں۔"

"مثلاً؟" وہ اکھڑے پھینک رہی تھی۔

"پہلے ہو بہ وقت جلدی باتیں۔ مایا کرتی تھی بات بات پہ کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی جب ایسا نہیں ہے۔ اس کا مارا پیار پا رہا ہے۔ اس کی مصروفیت کی وجہ سے کیا ہے۔ اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق وقت گزارنے کی وجہ سے اب اس کی دوستاری بڑھ گئی اور کڑواہٹ ہوا ہو گئی ہے۔ خواہش پہ سوار ہا کرتی تھی۔ ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا اس کے لیے جواب کرنا۔"

"جب وہ پہلے وہاں جانے کی بات کر رہی ہے **عصمی** مگر تم نے شاید یہ نوٹ نہیں کیا کہ اس کے مزاج میں تبدیلی آئی ہے۔ نوشخو اور لڑکی پندرہ بیس دن سے مہمان ہوئی ہے۔ تبدیلی پہلے دو ڈھائی ہفتے سے اور اس کی وجہ ضروری نہیں کہ یہ ہو جو تم خیال کر رہے ہو۔ کوئی اور سبب بھی تو ہو سکتا ہے۔" اس کے غیر معمولی سنجیدہ انداز پہ وہ ٹھٹکا۔

"وہ کیا سبب ہو سکتا ہے؟"

"مجھے کیا پتہ؟" اس نے شانے اچکائے۔ "یہ تمہی کہا ہے۔"

"تو یہ بھی کہو جواب کرنے کا اس کا فیصلہ بالکل درست ہوا ہے۔"

"تمہیں تو خیر اس کا ہر فیصلہ درست ہی لگا کرتا ہے جب سے دوست ہوئی ہو۔" اس نے مرچ لگائی۔

"وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کرے گی۔ کچھ الٹا سیدھا قدم بھی اٹھائے گی تو تمہیں برا نہیں لگے گا؟" اس نے ٹٹولنا چاہا۔ **عصمی** نے تلی میں سر ہلایا۔

"تمہیں لگی کوئی الٹا سیدھا کام کر ہی نہیں سکتی۔"

"اچھا۔ بڑا فخر ہے دعوی کر رہے ہو۔ بالفرض کل کو وہ کسی آدمی کو لا کے کھڑا کر دے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اس سے شادی کرنا چاہتی ہے تو تب تم کیا کرو گے۔ یونہی ٹانگ اٹھا کے بادوں کے پاس کی حویلی میں بیٹھ کی طرح جھیرے لو گے۔" وہ بغیر تردد و تصدیق کے اتنی بڑی بات منہ سے نکالنا نہیں چاہتی تھی لیکن **عصمی** کے کل بھد سے زیادہ اعتماد نے اسے بے قابو کر دیا۔

"تب بھی یہی کہو گے کہ وہ غلط نہیں۔"

"ہاں وہ کسی کو پسند کرتا ہے محبت کرتا غلط کیسے ہو گیا۔ اگر میں کل کو پسند کرتا ہوں اور سچ ہوں تو وہ بھی کسی کو پسند کر سکتی ہے اپنی جگہ سچ ہوگی۔" اس کی چہرے کی رنگت پل بھر کو متغیر ضرور ہوئی مگر اگلے ہی پل وہ سنبھل کے کھڑا تھا۔

"دیکھو مونا غلط ہو آپ کہ انسان کسی کو محبت کے نام پہ دھوکا دے۔ اس کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ اس کی محبت کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرے۔ نہ یہ محبت کے خواب کھا کے سچ راہوں سے ساتھ چھوڑ دے۔ اگر کوئی سرے سے کسی سے محبت کرتا ہی نہیں تو پھر اسے غلط کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کل کے بل میں نہ میرے منہ کسی اور کا گزرے ہے اسی لیے میں کوشش کیے جا رہا ہوں تو میرا حق ہے لیکن اس کی بے اعتنائی ہے میں اسے الزام نہیں دے سکتا۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں تو وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میری مستقل مزاجی اور سچی لگن ایک دن ضرور اس کا دل موم کر دے گی۔"

"ہاں لگن۔ یہ کرنٹ ملی تھی تو۔" وہ بیڑا کے روانی اور جب چاہے اس کے سامنے اشنا کھولا۔ **عصمی** کی باتوں سے وہ خاصا متاثر تھی۔ خوب خود بھی تو اس روانی سے اس کی تعریف کرتی تھی کہ اس کے دل تک اثر کیا کرتی نہیں ہو سکتا تھا پھر بھی اس لگن کے ہاتھوں مجبور تھی۔ وہ اسے اس انجانے پہنچ سے دور الزام کی گلی نہیں کھسکا سکتی تھی۔ لیکن جس دور سے وہ واقف تھی اس سے اب تک **عصمی** انجان تھا اور وہ تھا اس شخص کو اپنے سامنے کسی اور کی محبت کا دم بھرتے دیکھنا اتنے حوصلہ جان سے چاہتے ہوں۔

"کہیں نیا خیالوں میں کھو گئیں۔"

"سوچ رہی ہوں تم کہہ رہے ہو اسے ثابت بھی کر پاؤ گے یا نہیں۔ کسی نے یہ بھی سوچا ہے **عصمی** کہ

"ہاں ہوں۔" اس نے آخری لقمہ لیتے ہوئے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"کیا ہے وہ کیا ہے وہ مجھ کو اس سے کیا غرض نہیں"

"تو تو کیسے۔ میں نے تو کبھی سوچا کچھ نہیں سوچتا۔" وہ ہاتھ دھونے کے لیے مڑ گیا۔

"اس سوچنے کی مہلت ہی کب ملتی ہے۔" مونا کے دل نے تائید کی۔

وہ اس کی پشت کو دیکھ کے آہستہ سے کہہ رہی تھی۔

★ ★ ★

"کیوں بھئی اللہ دتا کیا سوچا پھر تم نے؟"

ملک مقبول نے ایک بار پھر اس کے سامنے اپنی آفر دہرانے کے بعد سوال کیا۔

"جتنی آمدنی ہر مہینے میں چھ شوگر کے نیچے ہوتی ہے۔ وہاں ایک ہی پھیرے میں اس سے دگنی ہو گی اور جہاز کی سیر سمات سمندر پار جانے کا مزا الگ۔ اس میں اتنا سوچنے کی کیا بات ہے۔ اوئے پاگل انسان میرے پاس تو ساری گانے والیاں گھر کی گھر سفارشیں لے کے آتی ہیں کہ کسی طرح ان کا نام ملانے میں شامل ہو جائے لیکن تو ایک تو درشت تک دینے پہ تیار ہوتی ہیں کہ کل آمدنی کا آدھا نصف دو رہے دیں گی بس ایک بار باہر جا کے چکر لگ جائے اور میں اپنے منہ سے دوسری بار ادا کے لیے تجھے کہہ رہا ہوں۔ وہ تو خوش قسمت ہے کہ لغیر ہاتھ پیر مارے اتنے بڑے شو میں شامل ہو جائے گی۔ اس میں انڈیا کے بھی کئی فنکار شامل ہیں۔ ان کے ڈائریکٹر وغیرہ بھی آئے ہوں گے۔ آج کل وہ بھی ہالی ہوئے ہوئے میں اپنی فلمیں بنانے کی فرسٹ کلاس ہیروئن چھوڑ کے ہماری تلاش کر رہے ہیں۔"

"ان کیوں بھئی؟"

"اوان کے دیش ہو چکے ہیں خراب نئی سے نئی لڑکی بھی چالیس پچاس ڈالر سے کم نہیں مانگتی۔"

"ہیں بھئی چالیس پچاس ڈالر؟"

"اوئے تو اور کیا؟ اور جو ڑا نام والی ہیروئنیں ہیں جن کی گڈی اونچی ہوتی ہے وہ کروڑوں تک ہیں تب جیسے کی فلم میں صرف ایک گھنٹے پہ بھی ترا سکتا ہی ہو تب بھی منہ بھاڑے کے کروڑ روپے مانگ سکتی ہیں۔ ان کی بنگلے نگلے کی ایکٹر ایکٹریسیں بھی ہماری سپر اسٹار کے برابر بلکہ زیادہ ہی پیسے کماتی ہیں اس لیے اب ہماری ہیروئنیں گھیرے ہیں تو ہماری چالیس پچاس ہزار سے لے کر لاکھ روپے تک۔ بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ بھئی انڈیا کی فلم میں کام کرنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ پیسے کا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اداکو بھی کوئی وہاں کا ڈائریکٹر پسند کرنے لگے۔ ہیروئن بنا لیا پھر گھنٹے لوائے اپنی فلم کے۔"

"اچھا بھئی گانے تک تو ٹھیک ہے مگر فلم نہیں۔ سہاگن کی فلم میں سولہ کام کرے وہاں کی فلموں میں تو کبھی نہیں۔ آخر خاندانی لوگ ہیں جی شوق اپنی جگہ عزت اپنی جگہ۔"

"شوق ہی سہی لیکن جب کام میں ہاتھ ڈال ہی چکا ہے تو بیچ کو سمجھ اور اب کالا دل کے رستے سے پیچھے نہ ہٹے۔ میرے ساتھ اکثر ان معذرت کرنے سیال میں ایک چھوٹی سی فلم کا ایک جائے دیکھا کیسے دل ہلا ہے۔ شوق بھی بڑی اچھا اللہ مایا کہیں سے ہاتھ آئے بے لے کے شوق کیا پورا کر دیں۔"

"سولہ آنے کی بات کی ہے ملک صاحب۔ لیکن دل کو کیا کرو۔ ڈر کے ہیں وہ اصل میں جو باہر مک ملائیے جاتے ہیں ان کے بارے میں برا کچھ سن رکھا ہے۔ برا بھی اور بھلا بھی۔ روپے واقعی بڑے ملتے ہیں۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کام بھی بدنامی سارے لیتے ہیں۔ صرف ناچنا گانا نہیں ہوتا ملک۔ آپ سمجھ دار ہو جی بھی دانا ہوں کھرچکا ہوں۔ صرف شوق کے ہاتھوں اور کچھ بھی کے گن دیکھ کے اسے بھی لایا ہوں۔ یہ کام ہم لوگوں کا نہیں سیاری تو نہیں ہیں۔ بازار بھی کا طبلہ ضرور بجایا ہے کئی سالوں تک۔ مگر گھر کی عورتوں کے سوائے نہیں کیے۔"

"ارے کم بخت! یہ خبیث لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے بدذاتوں نے ہی شہر بھر کا نام خراب کیا ہوا ہے ساتھ ساتھ ہمارے ملک اور اس کی ثقافت کی بھی مٹی پلید کر کے رکھی ہے۔ رقص لڑکیاں اغوا کی جاتی ہیں فن کے نام پر اور یہاں ان کو عرب شیخوں کی محفلوں کو رقص بھیجتے ہیں لیکن اللہ دتا! بندے کی بڑی کوئی ذات ہے اگر عورتوں کی اس نگری میں گزاری اب تک بندے بندے کو تمیز کیا جا سکتا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے آپ نے ہی نے ایسی غلط فہمی کی وجہ سے اپنی اتنی سبکی نہیں ہوئی۔ یہ مقام یہ عزت یہ پروٹوکول ایسے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ بڑا پاپڑ بیلنے چلا ہوں۔ غلط ٹھکانوں سے دولت شہرت کمائی جا سکتی ہے عزت کم نام نہیں ملتا جا سکتا۔ یہ غلط طور پہ جانے والے دوسرے تیسرے پھیرے کے بعد اپنی اندر ہو جاتے ہیں یا دو پہ دو ہو کے ملک چھوڑ جاتے ہیں جبکہ میں پچھلے سولہ سالوں سے ہر سال کم از کم دو طور لگاتا ہوں اور ملک کی عزتیں کم کرتا سیر اسٹار نے لگا رہا ہوں۔ بڑی بھولی بات کی تو نے اللہ دتا! میں نے تیرا بھلا کرنا چاہا اور تو نے شک کر کے۔ چل چھوڑ نہ کل۔"

"نہیں ملک صاحب! ناراض نہ ہوں جی۔" وہ ہاتھ جوڑ کے گڑگڑانے لگا۔ جانتا تھا غیر ملکی طور کے ساتھ جانا اور اگلے مسئلہ تو انگلینڈ یا کینیڈا کینیڈا کے اندر بھی پھنسے ہوئے ہوتے ہیں اتنے کوئی ادھر پہ موڈ نہیں کرتا اس سے بچ رہنے کا مطلب تھا ادھر کے نئے نئے کیریئر کو بنتے سے پہلے ختم کر دینا۔

"غلطی ہو گئی تھی اللہ دتا! تم بڑے کم عقل بندے ہو۔ کم عقل بندے کو تمیز نہیں کہنا کچھ اور تھا مگر کچھ اور کہا گیا۔ مٹی پاؤ اس پر۔ آپ میری باتوں پہ میں اداسے بات کروں گا سمجھاؤں گا اسے۔"

"سمجھاؤ! سمجھاؤ! ضرور سمجھاؤ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ لیے نوٹ نکالے۔ بڑے بڑے اخباروں کے سنے صفحے اور اگر کی تصویر چھپے گی اور پتہ ہے یہ عرب بڑے بڑے کھلے دل کے ہوتے ہیں اور دل کھول کے رکھتے ہیں وہ بھی بڑے اخبار اور شاہ خرچ ہوتے ہیں۔ چنگی گانے پہ کھرچتے ہوئے دستی میں نوٹ نہیں ہوتے کی کلیوں تک نچھاور کرا لیتے ہیں۔ دیکھ! اس کو سونے کی کیا کل۔"

نوٹوں کی گڈی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ اس نے سونے کی پیلی جھلملاہٹ کا بھی مارا۔ اللہ دتا اور اللہ دتا پوری طرح چت ہو گیا۔ سارے رستے وہ سارے سیاق و سباق دل ہی دل میں دہراتا رہا اور رہا کیا اس کا کسی رنگ رنگا ہوا طوطے کی طرح رٹتا رہا اسے سر پہ رکھنے کا تو ملک متوالی نے اس کی جڑیں نکلوا دیں۔ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

"اف! یا الٰہی! کچھ رہی نہ ہمارا۔" رونا کے مرا تھوں۔ گھر آیا۔ گھر والوں پہلے بھی اس سے خوش نہ تھے والد باپ بیٹی کے ساتھ گرم بحث ہو چکی تھی اور اس کا نتیجہ رونا کے میں نکلا تھا کہ وہ اپنے والد کے ذریعے بیٹا باپ کو قائل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے کہ یہ ثقافتی طائفے ترے ہوئے ہوتے ہیں اور بے شک ان کے ذریعے پیسہ کمانا بہت آسان ہے لیکن فن کی آڑ میں فنکاروں کو اور بہت کچھ کرنے پہ مجبور کیا جاتا ہے جو اسے کسی قیمت پہ منظور نہیں۔ لیکن چند لمحوں کی خاموشی کے بعد آج پھر بحث ہی مجادلہ زیر بحث تھا۔

"او بھئی! تم نے ملک صاحب نے خود اپنے منہ سے کہا ہے تو بڑی قسمت کی بات ہے۔"

"ابا جی! کاش آپ احساس کر سکتے کہ بیٹیوں کی قسمت کیسے سنواری جاتی ہے۔" وہ کرب سے باپ کے ابلتے سے سیاہ ہوتے چہرے کو دیکھ کے بولی۔ اس کی خاموشی کو ہم رضامندی جانتے ہوئے اللہ دتا باپ نے مزید کہا۔

"تیرا کیا ہے یہ بھی بول! کہ تیرا دیوار آج سارے کل نہیں۔ تیرا مستقبل محفوظ ہو جائے گا تو سارا دسکا نکل جائے گا۔"

"اور کاش آپ یہ بھی سوچ سکتے کہ بیٹیوں کا مستقبل کس طرح محفوظ کیا جا سکتا ہے۔" وہ سوچ کی اور اللہ دتا کا جواب آیا۔

"تیرے نہ ہونے سے تو خوشی ہو گی۔ تیرا وجود نہ ہو گا تو کل کو میرے بعد بھی کسی کی بہت نہیں ہو گی تیری طرف

میلی نظروں سے دیکھنے کی۔"

"آپ کے ہوتے ہوئے جو میلی نظریں دن رات آزادانہ میرے وجود کو ملیا کرتی ہیں ان کا کیا کروں ابا جی۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"لے! رونے لگ گئی۔ اچھا اچھا۔ میرے بغیر جانے کو من نہیں کر رہا ہو گا۔ تو جانے کی ابھی تو پھر میں ملک صاحب سے بات کروں گا۔ اور وہ راضی ہو جائیں یہی بھی ٹکٹ بنا دیں۔ لے بھئی تو میں بھی جہاز میں بیٹھوں گا۔" وہ طفلی جذبات لگا۔ رونا نے بے دمی سے سر جھکایا۔ اللہ دتا کے دل میں یہ احساس پگھلانا مشکلات میں سے تھا۔ اس نے ایک بار پھر پروٹوکول اور تنخواہ کا ذکر کیا۔

"ابا جی! یہ آپ کے ساتھ ہے آپ کے بغیر کہیں باہر جا کے شو نہیں کرنے۔ یہ بات آپ وہ ملک صاحب سے کہہ دیں۔ کسی اور کو پھنسا لیں یہ جانتے۔"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جو نہ تیرے فیدے کی بات کرے تیرا بھلا کرنا چاہے وہی تجھے اپنا دشمن لگتا ہے۔" اس کے آخری ضرب ہتھوڑی سے تو لے رہنے سے اللہ دتا کو بھی غصہ آ گیا۔

"پتہ ہے کہ کے ذرے انکار کر رہی ہے۔ اپنے اس مارے کی وجہ سے جو خود تو کوئی میں بیٹھا ہے تو خود تو کوئی میں بیٹھا رہا ہے۔ لیکن نہیں چاہتا کہ اس کے خوب صورت دنوں کے دن پھریں اور وہ اس کے مقابلے آ جائیں۔ اسی نے تیرے جاہ عزت بے عزتی والا تماشا بھرا ہے۔ خود پتر کما رہے ہے اس لیے تو مرضی کرتا پھرے۔ میری اولاد میں پتر نہیں لکھا تھا تو کیا یہ میرا قصور ہے؟ سمجھے تو رات کھانے کا حق نہیں۔ کوئی مار تو اپنے اس ابے کی باتوں کو۔ وہ چاہتا ہی نہیں تو تیری کرے میں تیرا بیٹا ہوں سمجھ نہ۔ گا اور کون سے تیرا جو تیرے کہ صرف یہی نہیں اتنی باتی سارے زمانے کی باتیں جی ہیں جس ایک بے حجابی ہی جو ہے۔" وہ بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔

دعائے لگو سے مشورہ کیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ان شورٹی آڈیشن بہت کچھ ہو رہا ہے اسکلنگ بھی چلا ہے۔ منشیات کی اور غیر قانونی سونے کی باہر لڑکیوں کی لیکن ملک سٹیل کے طائفے کے ساتھ جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ بالکل صاف ستھرا شعبہ ہے۔ دراصل اسے اب ان کاموں کی ضرورت نہیں۔ وہ اسٹیج کی دنیا کا بادشاہ بنا ہے۔ اسی کام سے اب لاکھوں بنانے کے کا لیا ہے۔ شروع شروع میں اس نے بھی ایسے چھوٹے بہت کیے ہیں لیکن اب ڈر ہے کہ کہیں کوئی غلط قدم ملکوں سے کمائی شہرت اور دولت کا بیڑہ غرق نہ کرا لے۔ ورنہ اپنے وقت کا بڑا مشہور ہو چکا ہے۔"

"یعنی اس کے طائفے میں ایسا کام نہیں ہوتا۔"

"اپنی مرضی سے کوئی کرنا چاہے تو دوسرے کا قصور ہے۔" بھولے شاہ نے ہنکارا بھرا۔

"اب ساری کی ساری تیری طرح بھولے کے قدم تو نہیں دیکھتیں۔ ہاں تو جاتی اس نیت سے ہیں کہ موٹے مگرمچھ اور شکار پھنسائیں۔ ہاں یہ ذکر نہیں کہ وہاں کوئی تجھے اس کے لیے مجبور کرے گا۔ آفرین تو بڑی آئیں گی۔ وہاں بھی ایک سے ایک شوقین مزاج اور رنگین مزاج سیٹھ ہے لیکن یہاں کی طرح شہدے بیٹھے نہیں کہ پیچھے ہی پڑ جائیں اور انکار کو عزت سے عزیل کا مسئلہ بنا لیں۔ ایسی نوبت مار نہیں آتی کہ کوئی زبردستی تجھے اٹھوا کے لے جائے۔ وہاں حسن کی کمی تو نہیں اور پیسے والے کے لیے تو پاگل نہیں ہیں۔ ملک مقبول ایسے معاملوں میں نہیں پڑتا۔ بس اس کے شوکی روٹین پہ فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ تو بڑی تسلی سے جو مرضی جس کا دل کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ ہاں ایک بات ہے۔ تمہیں اسٹیج پہ پروگرام کرنے کے ساتھ ساتھ ملک مقبول کے چند واقف کاروں کے لیے پرائیویٹ محفلیں بھی سجانا ہوں گی۔ نہیں نہیں! صرف ناچ گانے کی سیدھے لوگ ہوتے ہیں جو ٹکٹ خرچ کر کے عام لوگوں کے درمیان بیٹھ کر دل بہلاتے ہیں۔ شاہانہ شان نہیں سمجھتے ان سے ملک لیں رقیں وصول کرتا ہے۔ تمہارا کمیشن الگ ہو گا اور سیٹھوں سے جو تحفے ملیں گے وہ الگ۔"

"بات تو وہی ہوگی ناں۔ وہی پابندی یا حلہ۔"

"ہاں کچھ نہ۔ تمہارے نام کی لگیں گے" نیلامی والا حساب ہوگا لیکن فکر مت کرو تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ وہاں کے سیٹھ ملکے کام نہیں کرتے۔"

"چھوڑو میری مرضی۔" وہ زہر خند لہجے میں کہنے لگی۔

"فکر کیسے نہ کروں نگاہ۔ آج اس ملک کی راتوں میں آکے اپنی ہر قیمت مجھے دینی پہنچے سے بیٹھے ہیں کل وہاں کسی اور بی کے جھانسے میں آکے شاید میری لوری لگانے سے بھی پرہیز نہ کریں۔"

"کیا واقعی کیا ہے؟ میرا مطلب ہے اپنے باپ کے بارے میں تم اتنی پشتاپات کہہ رہی ہو تو کچھ دیکھ کے ہی کہہ رہی ہوگی۔ اب میں تمہارے گھر کے اندرونی حالات تو نہیں جانتی۔ اگر واقعی تمہاری مرضی تمہارے بس میں نہیں تو پھر اتنا چاہو ناں کہ نہ اور اگر کچھ کرنا چاہتی ہو تو آگے بڑھنے کی فکر ہے تو پھر خود میں ہمت اور اعتماد پیدا کرو۔ یہ ناں لوگ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی تمہیں کسی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ یعنی کہ تمہارا باپ بھی نہیں۔ صرف جانے کی محفلیں سجانے میں بھی کم پڑ نہیں۔ ملک ٹھیک کتنا ہے سال کے دو پھیرے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے۔"

"پہلے مجھے بھی کسی کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا تھا۔ ماں کے جھانسے میں آ کے بچپن میں دھکے چھپے الفاظ میں اور پھر لڑکپن میں واضح انداز میں نیلامی سے خبردار رہنے کا کہا تھا۔ وہ کما کر تی تھیں جو مقصد تھا تمہاری ماں سے پورے نہیں کر سکا۔ وہ تمہاری ذات کے حوالے سے وصول کرے گا۔ وہ اپنے فائدے کے لیے کچھ بھی کرے گا لیکن میں ان کے ظلم پہ شبہ کرنے کے باوجود بس اس ایک بات کا یقین نہ کرتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جیسے بھی ہیں ہیں تو میرے والد۔ کبھی میرا برا نہیں سوچیں گے۔ پہلا جھٹکا تب لگا جب انہوں نے اسٹیج کے سامنے مجھے اتارا اور تب تو ساری خوش فہمیاں بھک سے اڑ گئیں۔ جب وہ میرے پہلے شو کا ٹکٹ لینے آئے۔ اب میں ان سے کسی بھی بات کی توقع کر سکتی ہوں۔"

"تو گویا تم صاف انکار کر دو گی۔"

"میں ارادہ تو یہی تھا تم سے بات کرنے سے پہلے تک۔ لیکن اب تم نے تسلی کرائی ہے اور حوصلہ بھی بڑھایا ہے تو سوچ رہی ہوں ایک آدھ سے اور بھی رائے لے لوں۔ دیکھوں کیا شورہ دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ واقعی میرے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ ایک بات تو طے ہے کہ اب مجھے تو کرنا ہے اس شعبے کے حوالے سے کرنا ہے۔ کچھ نہ کچھ گلوکار کی چھاپ لگ چکی ہے۔ میں چاہوں بھی تو اس فیصل سے نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ پھر کیوں نہیں اس شعبے میں عزت اور پیسے کے ساتھ کوئی مقام حاصل کر لوں۔ ہر مال پیسے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

* * *

"سر! کوئی اے ایم بلیچ چودھری آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" انٹرکام پہ ملنے والی اطلاع پہ شہزاد پل بھر کے لیے چونکا۔

"اے ایم بلیچ۔ اوہ لوٹ آئے ہیں۔"

اسے یاد آیا کہ اللہ دتا سائیں آج کل خود کو اسی نام سے پکارا جانا پسند کرتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آ گیا۔ اس نے روزنامہ نگاہوں سے اپنی ٹیبل کے دوسری جانب بیٹھی گل مہر پر دیکھا جو ہاتھ کے ساتھ فائل پہ چند اہم ہدایتیں نوٹ کر رہی تھی۔

"اللہ دتا۔ وہ کہہ رہے تھے میں بڑی ہیں۔ پھر کسی دن آ جانا۔" اس نے ٹالنے کی کوشش کی جبکہ وہ بھی طرح جانتا تھا کہ محض کوشش ہی ہوگی۔

"سر آپ فائل ہو گئے۔ آپ اسے اب رضوان سر کی ٹیبل پہ پہنچا دیں۔"

"میں گل مہر! یا خیال ہے ایک ایک کلی ہو جائے۔ بہت وقت ہو گیا اس اسکرپٹ کے ساتھ دماغ خشک

کرتے ہوئے۔" جانتا تھا کام پورا ہوتے ہی گل مہر اپنے کیبن جانا پسند کرتی ہے جبکہ وہ کچھ دیر اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے حوصلہ افزا جواب نے شہزاد کو ہمت باندھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس کی شدت سے خواہش تھی گل مہر کے ساتھ بیتے چند لمحوں کو ملگجا بنانے کی۔ اس سے پہلے کہ گل مہر کوئی جواب دیتی انٹرکام پہ ایک بار پھر گھنٹی بجی۔ اس نے ناگواری سے اسے تھام لیا۔

"سر یہ صاحب آپ کا وقت کرنے پہ اصرار کر رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ آپ کے قریبی عزیز ہیں۔"

"قریبی عزیز۔ ٹائی ٹنک۔" وہ دانت کچکچا کر رہ گیا۔ اگر اسے کسی طرح پتا چلتا کہ یہی بیٹا تو شہزاد کا مرد اس حد تک خراب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس گل مہر کے ساتھ خوشگوار ماحول میں وہ باتیں کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا جس کے بارے میں گل مہر بالکل خفا، سیانی دھتائی۔ سہما ہوا ان نے اس نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ کر لیا۔

"اس سے بعد بھیج دینا۔" پھر وہ گل مہر کی جانب متوجہ ہوا جو فائل بند کرتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔

"مہربانی ڈیل ہے۔ آگے اسکرپٹ تک شاید ہی ہماری ضرورت پڑے۔ اپنے حصے کا کام ہم اچھی طرح فائنل کر چکے ہیں۔ کیا ہمیں دوبارہ تک مل سکتے ہیں۔"

"دوبارہ؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"ڈیل پر عمل درآمد۔"

"ظاہر ہے سر کہیں کوئی کام نہ تھا تو ہمیں ہی فری بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔"

"اوکے آپ کل تک کریں پرسوں ضرور آئیے گا اگر کوئی خاص کام ہو تو بے تکلف انفارم کر دیجیے گا۔"

"اوکے سر تھینکس۔"

اس کے نکلنے کے بعد شہزاد کچھ دیر اپنے اعصاب پر سکون رکھنے کی کوشش کرتے رہا۔ اللہ دتا کی آمد کی خبر سنتے ہی منشیات سونگھنے کے تھکر اس کی اپنی کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے سیاہ کمرہ چہرے پہ ایک عیار اور فرشتانہ مسکراہٹ سجائے اس کی پذیرائی کے امتحان لینے موجود تھا۔ ایک نیا کڑا امتحان جس میں برسوں کی تیاری کے باوجود شہزاد بیشتر فیل ہو جایا کرتا تھا۔ اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد اس کے حوالے سے کوئی نہ کوئی فائدہ اسے پھر کرنے پہ حواس کھونے پہ مجبور کر دیا کرتا۔

"میں قربان۔ میں صدقے۔ بیٹی شان میرے مولا کی۔" وہ دونوں ہاتھ نیاز مندانہ انداز میں اٹھائے اس کی جانب بڑھا۔ شہزاد نے کوفت سے اشارہ کرتے اوسے اسے بیٹھنے کا کہا۔

"تو نے کیا جاگ لگائے ہیں میرے شہزادے پتر کو میرے بھرا کے گھر پتر نہیں پیدا ہوا اور بہت آداری ہے۔"

"اچھا اپنا بکواس بند تو کر۔" وہ اس کی رائے بازی سے اکتایا ہوا تھا۔

"بس میرے پتر تیرا بہت کی نیاز کبھی بھی اہم خزانہ کی جھولی میں بھی ڈال دیا کر۔ اپنے سرکار مدد قادی سمجھ کر۔ اللہ تیرے نصیب اور اونچے کرے۔"

شہزاد نے اس کا مقصد بھانپ کر والٹ کھولا اور ہزار ہزار کے تین کڑکتے نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھائے۔ اللہ دتا یوں مسکرایا جیسے کسی نادان بچے کی معصوم حماقت پہ مسکرا رہا ہو۔ مخفوظ ہوتے مسکراتا جا رہا ہے۔

"اللہ زندگی والا کرے۔ مولا کا شکر ہے۔ اور تجھے دعائیں ہے اب تیرا بھلا خیر سے ان ہزار دو ہزار کا محتاج نہیں رہا۔ میری باری بھی ماشاءاللہ ایک موٹے نوٹیں تین ہزار لے لیتی ہے۔"

تکرے کے اس اظہار پہ شہزاد کو جی بھر کے کراہیت محسوس ہوئی۔

"مطلب کی بات کر۔"

"مطلب تو تیرے جیسے اونچے بندوں سے نکلتے ہی رہتے ہیں شہزادے۔ کہنا صرف یہ تھا کہ تیرے نوٹ دے کر

ہی کسی کی مدد نہیں ہو سکتی اور بڑے طریقے ہیں مدد کرنے کے۔"

"اب بتاؤ مدد اور خرید کے تمہارے نام کر دوں۔"

"اللہ تجھے مبارک کرے جا کر اوس میرے سوتیلے۔ اس نے اتنا کر کہ ہاتھ پکڑ کے رستہ دکھا دے آگے بڑھنے کا موقع پھر خود تو کبھی آئے گا۔ پہلے بھی تیرے سے درخواست کی تھی کہ تیرے اتنے تعلقات ہیں' بڑی پہنچ ہے' بڑی واقفیت ہے اگر تو ابا کے سر پہ ہاتھ رکھ دے تو اسے فن کی دنیا میں رائج کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ تو سمجھ رہا ہے نکل جائے۔"

شہزاد کے اعصاب تن گئے۔ اس نے جبڑے سختی سے بھینچتے ہوئے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

"شاباش۔ بس یہی عرضی لے کر آیا تھا تیرا ابا خوش ہے۔ ترقی کرے گی تو اپنے ہی خاندان کا نام روشن ہو گا۔ بس ایک بار اس کی انگلی پکڑ لے۔ اس کا دین جاے دنیا کیا کہتے ہیں فلمی دنیا میں۔ بڑا بھلا سالگتے ہے اکبر بھی کہ باپ کا چھوڑ دیا کا نام' بس تو گا چھوڑ دن جادیے ماں تو خوداس دنیا میں ہے' اچھی طرح جانتا ہے بغیر کسی تعلق کے کیا اونچے نام کے لوگ چھوٹے موٹے فنکاروں کو کھا جاتے ہیں۔ تیرا نام ساتھ لگا ہو گا تو وار کو تحفظ ہو گا۔"

"میں اپنا کچھ اور بھی کہتا ہے۔"

"ہیں' اور کیا کہنا ہے' میں آتا ہی کہنے حاضر ہوا تھا۔"

"میرا جواب اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ تم اپنی بیٹی سے کیا کراتے ہو' کیا نہیں' میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ پہلے میں نے اس معاملے میں ڈالا تھا لیکن بھی تمہیں ہر ممکن طریقے سے روکنا چاہا تھا اس لیے کہ میں دل سے چاہتا تھا وہ اس چکر میں قدم نہ رکھے۔ لیکن تم نے وہ کرنے کی ضدی تھی وہ کر کے رہے۔ اب نہ میرا تم سے کوئی واسطہ ہے نہ اوراس کی کچھ کار سے کوئی تعلق ہے۔ وہ ترقی کرے یا تباہ ہو' میری طرف سے ہمیشہ ہمیشہ جائے۔ آئندہ اس قسم کی فرمائش لے کر میرے پاس نہ آنا۔"

"منہ پھر کے بد دعا دے ڈالی تو نے تو پتر تاک میں اوہاں' تیرے لیے رب سے خیر مانگتے سالتے ہیں فلمکا اور تو میلی دھی کو تباہ ہو دے کی بد دعا دے رہا ہے۔ کشکیے بھی انکھیے۔ خون کے سفید ہو تا ہے آج پتا چلا ہے تجھ سے کوئی روپیہ پیسہ تو نہیں مانگ لیا تیرا نام تو نہیں چھین لیا۔ اگر کوئی برابر کا بھی ترقی کرے تو انسان کی اپنی ترقی گھٹ نہیں جاتی۔"

"کوئی ترقیوں کو بھاڑ کرو۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔"

"تجھے اپنا جان کر چلا آیا تھا ورنہ لوگ انگلی پکڑنے والے تیرے وہ ملک شیلی ترلے کرتا ہے۔ جانتا ہے میں کل کو اوراس سے اشارہ دینے کی تو ساتھ میں کا نام بھی چلے گا اس لیے سمجھ کر کوشش کر رہا ہے اسے آگے لانے کی اور تو اور دی دانے شوکے کے بھی پکے کر رہا ہے۔ تجھے نہیں ہزار میں نہیں بلکہ ڈھائی لاکھ میں۔ چھ دن کے دورے کے پورے ڈھائی لاکھ۔ میرا تو دماغ خراب ہو گیا تھا جو اتنا اچھے بھلے خیر خواہوں کو چھوڑ کے اور خرابی بے عزتی کرانے آ گیا۔"

یہ کہہ کر ترلی سن کے شہزاد ہتھے سے اکھڑ گیا۔ وہ کا معاملے سے اخلاقی کا میدان خود بخود بوا ثابت ہو گیا۔

"ٹھک متھیں۔ وہ بد دعا دے۔ وہ بدنام نامہ اسکرپٹ اچھا اشارہ تو چاہے تم نے ترقی کا۔ سیدھے جل جاؤ گے کل کی کل۔ پولیس نے تمہاری بیٹی کا ہیروئن جرس سمیت ایئرپورٹ سے گرفتار کر لیا تو سطار کیس دھو نے اور عزت آ گئی۔"

"میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی بتیس کر کے تو نے اور تیری ماں نے ادا کو ڈرایا ہوا ہے۔ اوئے بچی نہیں ہو گئی ہے۔ تین چار کا ہے۔ ابھی ہندی کے ابھی پنجابی کے ابھی انگلینڈ کے تو کبھی امریکہ شریکے کے ساری بیٹی بیٹی گالے والیاں اور فلمی ہیرو کین ساتھ ہوتی ہیں۔ آج تک تو کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ تو چاہتا ہی نہیں کہ وہ ترقی کرے۔ تیرے غریب رشتہ دار تیرے مقابلے میں آ گئے۔"

"ہونہہ ترقی۔ تمہارے جیسے بے غیرت ہی بیٹی کے سہارے ترقی کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ تمہارا اس چلتے ٹیلی کو چور ہے۔ کمزور کر کے بولی بگاڑ۔" اس نے سارا منہ کھولا۔ اللہ رسا بھی آپے سے باہر ہو گیا۔

"میرے صبر کو نہ آزما شہزادے۔ باپ ہوں ادا کا۔ اس کا بھلا میرے سے زیادہ کون چاہے گا۔ مجھے بے غیرتی کا طعنہ دینے والا تو ہے کون؟"

"تو اپنی بیٹی کا سودا کرنے والے کو غیرت مند کہا جاتا ہے۔ عورت کی کمائی پہ عیش کرنا بڑے فخر کی بات ہے؟"

"مجھے یہ طعنہ دینے کی ضرورت نہیں۔ تیرا باپ بھی تیری ماں کی کمائی پہ ساری عیش کرتا رہا ہے' خود لے لے کر بیوی سوں کے آگے بھرا رہا ہے کیا یہ... نہیں تھی۔"

"بکواس بند کرو۔" اور وہ اڑا تھا۔

"سچ کہنا آسان ہے شہزادے' سننا اور صبر کے ساتھ سننا بڑا مشکل اور اس سن کے پی جانا اور بھی مشکل۔ تم ذات میں ہوں تو بھی اس کرسی پر بیٹھ کے شاہدی کہیں بن گیا۔ خون بھی بدلا ہے؟ کرسی کی رگوں میں تمہارا خون ہے تو تیرے اندر بھی یہی زندگی کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔"

"بس ہو چکا یہاں سے۔ میں کہتا ہوں نکل جاؤ۔" وہ خود پر ضبط کرتے کرتے ہانپ گیا۔ بڑی مشکل سے اسے قتل کرنے کی خواہش کا گلا گھونٹ سے دبا کر نکل گیا۔ تمراس کے اندر ہی جملوں کی باز گشت اب تک سن رہی تھی اور نجانے کب تک سنتی رہتی تھی۔

نجانے کب تک۔ کتنی دیر تک شہزاد کو بس بھی میں بیٹھا تھا۔

● ● ●

رات کی شامت آئی تھی ہو وہی ہی دن اسی معاملے میں بات کرنے کے سلسلے میں شہزاد کے گھر جانا تھی۔ اللہ رسا کی آمد نے شہزاد کو بس طرح مضطرب کیا تھا کہ اس کے ساتھ اب مزید آفس میں بیٹھنا اس کے لیے بہت مشکل تھا وہ جانتا تھا کہ اس کے چیخنے چلانے کی بلند آواز میں کسی حد تک ہی ہو سکتا ہے اور اس حد تک ضرور تھی ہوں گی۔ وہ معاملے کی نوعیت کو بے تک بھاگ سکتے ہوں' لیکن اندر ہی اندر یہ سوال ضرور اٹھ رہے ہوں گے کہ یہ سکین ذات اور بد قماش شخص آخر ان کے پاس پہ اس قدر حاوی کیوں ہے کہ اس سے اگر بات کا کھل کر اظہار کرنے کے باوجود وہ اس سے اندر بلوانے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آخر یہ شخص ایسا کون' ماسٹر جانتا ہے جسے پھونک کر شہزاد کو آفس نشان پہنچنا ہے۔ ان سوالوں سے جنہ چھپانا تھا فوراً ہی آفس سے نکل آیا۔

اور وہ تھا کہ پہلے تو گھر جا کر ابا کے سامنے بھڑاس نکال جاتے کہ ان کی ہی اقربا پروری اور شہد سے والی ترلی سے فائدہ اٹھا کے آج وہ سیاہ آئے دن اس کی قسمت ہوئی ہے سکون زندگی میں تلاطم برپا کر نے منہ اٹھا کے آ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کوئی سکون آور ٹیبلٹ لے کے دو تین گھنٹوں کی نیند لیتا چاہتا تھا کہ شام کو پارٹی ملک سے آنے والے اقتصادی وفد کے اعزاز میں دیے گئے عشائیے میں شرکت کرنے سے۔ یہ دعوت اس کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اسے مشترکہ پروڈکشن کی آفر ملی تھی اور وہ ان پہ سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ ہر حال ان کا میڈیا کی کمانڈ اور وسیع اور خاتمہ تھا۔ اس کے بعد اپنی شہرت کا دائرہ مزید پھیلا سکتا تھا۔

لیکن ہوا یہ کہ طبیعت کو بلا بھلا کرنے کے ارادے سے گھر آئے شہزاد کے ذہن پہ منوں بوجھ مزید بڑھ گیا جب سامنے ہی دعا کو صوفے پہ کہنی ٹیکے ہاتھ مارے اور گود میں اسود کی پلیٹ رکھے اماں سے گپ شپ کرتے دیکھا۔ اماں کسی بات پہ کھل کے ہنستے ہوئے اس کی پلیٹ میں رکھی اسود کی کھول چکی کی قاشوں پہ چاٹ مسالا چھڑک رہی تھی۔

"ہوا' دیکھو اسے کیسے ہیں بل کھا رہی ہے رائے۔" باتوں بیٹے کو اندر آتے دیکھ کے کہا۔

"یہ دعا ابھی تک تھی' گھر رہی تھی چھاپی سے ملنا ہے میں نے کہا اب تو تجھے کہا زیادہ رات تک رک کے انتظار کرنا پڑے گا لیکن دیکھ لے' آج تو وہ پہلے ہی آ گئی۔ چلو تسلی دونوں کل بات کر دیں روٹی باندھی

دیکھوں۔" اس نے پھولوں کے چھلکوں والی پلیٹ اٹھائی۔

"شہزادے کو کیا نام دیں؟"

"میں کہتی ہوں کہ آپ چائے اور وہی میرے کمرے میں۔" اس نے ماں کی "بیٹھ کے کل بات" کرنے والی ماڈیولیشن کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ ماں جانے کیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ چھاتی مجھے اتنی تیب نہ ہست تصوری کم ہے۔ پلیٹ میں زیادہ وقت نہیں لگا کہ اس دن بارہ منٹ۔" اس کے لہجے کی لجاجت پر وہ طوعاً "رک گیا۔ ماں کی نگاہوں میں بھی تشویش صاف نظر آتی تھی۔ چہرے اشتعار سے جی کی وقت دور کا ذری جا کے وہ اس کھڑے کھڑے کمال بے اختیاری کے ساتھ بولا۔

"ماں بولو کیا بات ہے؟"

"لے آ سر کی!" ماں نے بچن کی طرف جاتے جاتے ایک بار پھر مڑ کے دیکھا تھا۔

"بازار میں سے ہو کیا؟ ہو کھڑے کھڑے بات کرنی ہے۔ آرام سے بیٹھ کے بات کر۔ چل میرا شہزادہ چائے جاتی ہے کے آگے اونی بیا مزید کر کیا لاتی ہے ہو گی ماں ہوں۔"

بیچارہ ہوتے کے ایک سرے پر لگ گیا اور اپنی سہانے نظروں دھاگے کے بھی چہرے پہ گاڑیں۔ اس دن والا شہزادہ رہے خیالی بنانے کو کہاں رکھ کے تلی تھی۔ اضطراب اس کے ہر عمل سے ہویدا تھا۔ کوہر دھے ہاتھوں کی انگلیاں بنی طرح سے ہلتے ہوئے لالا شہزادہ گویا ہوئی۔

"چھاتی! آپ ملک عقیل کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"کیا جانا چاہتی ہو؟" اس نے سر اٹھے میں سوال لوٹایا۔ ابھی وہ سر جھکا کے الفاظ ترتیب دے رہی تھی کہ وزیر نہ دیتے میں ایک اور جھٹکا ہوا سوال کو بیٹھا۔

"یہ مشکلی کی بات اس سے تمہیں؟ کس چیز کے عوض تمہیں گروی رکھنے کی آزمودی ہے؟ کوئی بھی کاروبار بیلنس یا پھر کسی بڑی قسم میں ہیرو گی جانے کا لالچ ہے؟ اور ان سب کے بعد لو تمہیں اتنا فکر کے کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ یا پھر کوئی کام چھانے نہ دے رہا ہے؟"

"چھاتی!" چند لمحے وہ کہہ کے بے رہے تاہوز سوالوں کی نوعیت ہی سمجھتی رہی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور جب شہزادے کے سنگین شبیہ چہرے سے کسی مذاق کی رمق تک نہ ملی تو اسے یقین آ گیا کہ یہ سب بے زیادہ ازم ہو اتنی اس کے "چھاتی" نے اس پہ ڈالے تھے۔ وہ رکی کرب اور غصے سے چلا اٹھی۔

"چھاتی۔۔۔ آپ؟"

اس کے سفید پڑتے چہرے کپکپاتے لبوں اور غم سے پھٹتی نوازے بھی شہزادے پہ کوئی خاص اثر نہ ڈالا۔ وہ بدستور ناگ پہ ناگ رکھے سنگلی سے اٹھ کر سامنے کی جانب میں بھرا سارا غبار اس نازک سی فوکی پہ نکل رہا تھا۔

"نہیں! چھوڑیں وہ بل ہو کہ تمہارے بتانے سے پہلے ہی میں یہ سب کیسے جان گیا؟"

"میں نے آپ کو بتایا چھاتی۔۔۔ مگر اس وقت جب کہ وقت تھی جلدی بلی اور جذبات دونوں کو دبا کر آپ ایک وقت دغا چھاتی میں بل چیزیں ہوا کرتی تھی کہ میں نے تو یہ بات چھاتی کو بتائی تک نہیں بھولیں کیسے تو یہ بوٹی کے لیے اس چیز کی ضرورت تھی مجھے پریشانی تھی۔ اور آج میں جیرانی ہے یہ بات کہ میرے بل کے اندر تک اتر کے میرے سارے مسائل۔۔۔ ساری خواہشات جان لینے والے چھاتی آج کتنے بے کھرے ایسے بے بنیاد الزامات کا کر رہے ہیں۔"

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ پہلے بھی دل تھا اب بھی دل بدلی تو تم ہو۔ وہ تم کیسے کی طرح شفاف تھی جس کے دل کی ہوا ہیں اس کے چہرے سے بھاپ لیا کرتا تھا وہ اب بھی۔۔۔ وہ اور یہ جو میرے سامنے بیٹھی ہے۔ وہ اب بیٹھا ہوا ہے۔"

"تم بولنے سے کیا ثابت کرنا چاہتے چھاتی؟"

"تمہارے تو پتا ہے۔" اس نے خفگی سے مسکراتے ہوئے نظر اٹھایا۔

"جس کام سے اب تم پریشان ہو اس کا تو کسی کی تلخی آسانی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتی پھرو کی پوچھ کیسی اندازہ لگا لیں گے۔"

"لوگ۔۔۔ تمہیں لوگوں کے پاس تو نہیں گئی تھی نا؟ تمہاری تو آپ سے مشورہ کرنے آئی تھی چھاتی۔"

"مجھی میرا کیا تیرے مشورہ دینے کا۔ میرے پہلے مشورے تو تم نے کبھی نہیں سمجھا اور اپنی کر کے ہی رہیں۔ بتا رہا ہوں کہ اگر کچھ کی اگر سنانی چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ اگر نکاح کر رہا ہے تو سمجھ لو تمہیں تو اس معاملے میں کوئی اس کا رکاوٹ نہیں ہوا پھر تمہیں کہاں سے مل جاتی ہے تو پھر وہ یا کر آتے ہیں کہ اگر تمہیں پتا ہے یا آپ اپنی مرضی کے خلاف کھلونے میں کامیاب ہو جاتی ہو تو سوچ لو تمہیں یہ بھی امکان ہے کہ اگر تم شرافت سے چاہو یا زبردستی تمہیں رہنے والی ہی بن جانا چاہو تو بن جانا ہے۔ اور وہاں سے چند مہینے بعد تمہیں عزت سے زندگی بسر کرنے کو کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ تمہیں اس کی عزت کی زندگی چاہتی ہو۔"

اس کے بل جانے والے انداز میں فوری پہ اتفاقاً طلحہ کے ذہن میں ذہنی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور ذہنی اظہار کی تپش تم ہو گئی تھی۔ فوری بات اتفاق صرف رہا ہے۔ ایک بار تمہیں کی اختیاری اور بے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ خود پہ اس کا شعور پہ مہربانیاں استعمال تھا خود پہ ناپاکی باقی ہوتی تھا لیکن رہا فاضل بات پہ سے بھی اتفاق ذاتی ہو گیا تھا۔ وہ کچھ بتا رہا تھا اور جواب جواب آنکھوں سے تمہیں کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ جہاں اپنے کے لئے کل کی تلخی پہ شرمندگی نہ پہنچتا۔ جانے کس کو سمجھ رہی کہ اپنے اندر اپنی اس کا اندر بھی اب اتنا ہی کمزور کر سکتا تھا جتنا کہ شہزادہ کا۔ کیا واقعی وہ دل کی طرف ہو رہا ہے؟

"بس مجھے عزت کی زندگی چاہیے۔ گزارے چل ہوتے پتا نہیں آپ کے آپ کے بعد دوسرے مردوں کے نزدیک عزت کی زندگی کا کیا معیار ہے۔ اپنا بنانے مقرر کرتے ہیں آپ کے لیکن میرے نزدیک عزت کی زندگی ہے چھاتی! تو آپ کی اپنی ہو تو ہماری نہ ہو اور اس پہ آپ شرمندہ بھی نہ ہوں۔ کسی کام کی بے عزتی تو عزت ہی ہے آپ کل کے بارے میں کر لیں۔ آپ اتنا بڑے نام کا۔ جس کا احترام کرنے کے لیے آپ اپنی اصلی بار اور پہچان چھپا رہے ہیں۔ ایسی عزت کا کیا کریں گے آپ چھاتی! اس کے ہوتے ہوئے کاروبار آپ سے چھپائے رکھتے ہیں۔ چھپا کر رکھتا ہے۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ غرایا۔

"بکواس بند کرو؟ کیا چیز ہے۔" وہ اپنی انداز میں مسکرائی۔ اس انداز میں کچھ دیر پہلے شہزادہ مسکرا رہا تھا۔

"مجھے بھی عزت کی زندگی چاہیے۔ کیوں اس کے لیے تو میں کہ۔۔۔ تمہیں کے سہارے کی محتاج ہوں۔ نہ ہی خود طلع دیا جا کے اپنی بھی حفاظت چاہتی ہوں۔ بھول نہ جائیے گا۔ ایک دن تمہارے لئے میں عزت کو کوئی تھی دیر تمہیں اتر سکتا ہے۔ اتنا کا کیا میں پہنچے میں کیا خلوص ہو جاتا ہے کہ کہیں کوئی بھولی لفظ میں رانڈ جھوٹا۔ ہاں جانے کے بھی انسان خود کو عورتیں محسوس کرے اس سے تو بہتر ہے کہ اپنے چھوٹوں کی کوشش کر کے خود کیا جائے۔ مجھے بھی اپنی عزت کیں چاہیے جس کے حصول کے لیے مجھے کسی کی بیوی بننا پڑے۔ اور شاید اس جائز رشتے کو کسی جائز تعلق کی طرح پیشہ رکھتے ہوئے چند ہزار ماہانہ کے عوض تمہاری زندگی گزارنا پڑے۔ ایسی جائیداد کے میرے نامزد ہونے کا مجھے کیا فائدہ جس کے حصول کے لیے مجھے اپنے نام سے آگے اپنے شوہر کا نام لگانا پڑے یا اجازت نہ ملے اس سے تو بہتر وہ بغیر کسی حوالے کے ہی مر جائے۔"

"تو ملک عقیل کے بارے میں مشورے اور آراء کس خوشی میں اکٹھی کرتی پھر رہی ہو۔" وہ اس کے چھپے ہوئے طنز کو جانب کے کھسیانا تھا۔

"ہرنس کے سلسلے میں چھانٹے ہرنس۔" اس نے بھی نحیف ابی کے اسٹائل میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور سامنے رکھی فرنچ بائبل سے ایک نہایت مایوسانہ چھانٹے کے کترنے لگی۔

"میں نے تجھے آخر ضرور ہی ہے لیکن اس قسم کی نہیں۔ بھیجنا کب سمجھ رہے ہیں۔ میں اس پروفیشن میں نام بنانے آئی ہوں، ایک مقام حاصل کرنے آئی ہوں، کسی کی غلامی کرنے یا کسی کی داشتہ بننے نہیں۔ میرے اندر اتنی صلاحیتیں ہیں، ایک ہمت اور حوصلہ بھی ہے کہ میں ان کے بل بوتے پہ اپنے مقصد حاصل کر سکوں۔ مجھے ایسے ہتھکنڈے آزمانے کی ضرورت نہیں۔ ملک عقیل نے مجھے جس معاہدے کی پیشکش کی ہے اس کی رو سے میں آئندہ تین سال تک اس کے ہر بین الملکی شو میں شرکت کرنے کی پابند ہوں گی اس کے بدلے اس نے مجھے ہر شو کا فیس دلا کر دیا ہے۔ آفر کیا ہے؟ اس کے علاوہ پہلے سال تو نہیں البتہ دوسرے اور تیسرے سال میں ہونے والے شوز کی کل آمدنی میں سے مجھے دس فیصد اضافی ملے گا۔ ٹکٹ فری، ٹرانسپورٹیشن فری۔"

"یہ سب فری نہیں ہے۔ ندامت فری سمجھنے کی کوشش کرنا۔ ان سب کی بھاری قیمت دینی پڑے گی تم سے اور یہ تو تم اگر کے بڑی بڑی ذلتیں، مار دھاڑ ہو کر اپنی صلاحیتوں اور ہمت کے بل بوتے پہ کامیابی حاصل کرو گی تو کس قدر بڑی بڑی صلاحیتوں والی لڑکی ہو میں نے فلسفوں اور دستوں پہ ٹرکے ملکوں جاتے دیکھا ہے یا تو آئی سیاہ ہو کے بغیر کسی فنانسر کے کوئی خود اپنی راہ نکال لے۔ ورنہ دوسری صورت میں راستہ بنانے کے لیے صلاحیتیں وغیرہ کچھ کام نہیں آتیں۔ صرف ایک چیز کام آتی ہے۔ کوئی خود بخود سورے پہ تیار ہو جاتی ہے کوئی تمہاری بھی خوش نصیبی ہی ماری ہوئی ہے جیسا اس طرح سے دنیا ڈال کے بھیجا جاتا ہے۔"

"یہ تو آپ کے خیال میں مجھے ملک مقبول کی اس پیشکش آفر کو پہلی فرصت میں رد کر دینا چاہیے۔" اس نے پرکشش پیشکش کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ تو یہی ہے۔ اگر تم واقعی میرا مشورہ لینے آئی ہو۔" اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے اور کچن کی جانب دیکھا جہاں سے اب تک چائے کے آثار نمودار نہ ہوئے تھے۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا بتایا انداز درست تھا۔ اس نے مجھے واقعی شان کی خواہش کی ہے۔ اس قسم کی شادی جو اس شو بزنس کی چمک دمک کی طرح نقلی نہیں ہوتی ہے۔ کسی ذلت میں یا کسی کو کھو کے میں بیش قیمت زیورات، ملبوسات، ملازموں اور ایک عدد ذاتی کار کے ساتھ اس کی باقی بیویوں کی طرح ایک پرتعیش زندگی گزارنے کی پیشکش ہو تو آپ کا مشورہ کیا ہوتا؟"

"یہ مشورہ بھی میں دے چکا ہوں کہ اگر وہ نہ سنی جائے تو کسی ایک کی بن کے اس طرح بھی نہ سکتی ہو کہ پیشہ وارانہ تین سال کی بجائے عمر بھر کے لیے تمہیں بیوی بنا کے رکھے اور عمر بھر کے لیے تمہیں بیوی بنا کے رکھے اور عمر بھر کے لیے تمہیں بیوی بنا کے رکھے۔ کسی کی بیویوں کے بھی کچھ فائدے نہیں اٹھائے جاتے۔ نہ ان کی بیویوں کے لوگوں کے تحفظ کے لوگوں کے تحفظ کے لوگوں کے تحفظ

محلہ پاؤ لانے کی کوشش کرتے ہوئے بیٹے وہ لاشی نظروں سے تھورنے لگی جو بدستور نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔

"دیکھ بلقیس اس بے شرم سے بولو کہ وہ اپنے خاندان سے شرم کھائے۔ اسے بے غیرتی کا نشان کہتا ہے اور اس نے اپنی عزت تو کھو ہی دی ہے۔ اس کو کاٹنے والی کہہ رہا ہے۔"

"تو اور کیا کہوں۔ تو وہ بے وفا ہے کہوں۔ کیا میں کوئی کچھ کیا میں کھلی تھیں جھاڑی لگا رہا ہوں۔ اس کے سر سے نوٹ کھلوا نہیں کرتے اور وہ اس کا باپ۔ یہ دونوں جونک کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ میرے خون چوستے رہتے ہیں۔ وہ بیٹی انسان اور فرشتہ چلا آیا۔ ہاں مجھے اعتراض کرنے میں تو کسر رہ گئی تھی تو کسر پوری کر دی۔ عزت بھاگ کے سکون لینے گھر آیا اور آگے اماں اس فتنی کو بھلا کے خاطر داریاں کر رہی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ میں پاؤ لینے کون ہوں کیا کوئی اور لونڈیا اور ہوتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر میں پناہ تک نہیں ملتی۔ جس کا جی چاہتا ہے میری عزت کو ذلیل کرنے کے لیے بلا جھجک منہ اٹھا کے اندر آ جاتا ہے۔"

"چل اللہ دہائی تو میں مانتا ہوں اسے کہ کر آتے ہیں اچھے بندے کو کھانے کے لیے۔ تو اپنی دہاڑی تیرا کیا لیتی ہے۔ میں کتنی سے صبح کروں گا۔ منہ دھائے کو۔ آ کر دو تیسے ولیتر کے آس پاس بھی نہ پھٹکے۔ تیرے باپ کا گھر ہے۔ دن میں کئی بار شکلوں کی تری محبت کی بھوکی بھی محلہ بدلہ بھول کے عزتی اور عزتی ادھر آ جاتی ہے تو تیرا کیا جاتا ہے۔ دن کا شو ہے اس کا گھر ہے ساتھ۔ اکرم اپنی بے طریقے سے اسے رام کرنا چاہا۔

"واہ اب اتنی تری ہوئی بیٹھی کی بھوکی نہیں رہ گئی ہے۔" اس نے نفرت سے جھٹکا۔

"اسے اب آپ کی چیز کی بھوک ہے تو صرف پیسے کی۔ صرف نام ہی اور اس کی خاطر وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ کر سکے۔ تو اس کا جی چاہتا ہے کہ سب کچھ کرتے ہوئے کر لے۔ بلا جھجک سے۔ میرے نفرت اور میرے ماں باپ سے۔ کسی قسم کا خلش رہتے کی صورت نہیں رہ اس گھر میں ای صورت اعتراض ہو سکتی ہے اگر ابھی کی طرح آنا جانے جاری رہے آنے لگیں میں اسے گانے بجانے والی کے روپ میں کسی رشتے کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"کیسی بات تو اسے پیار سے بھی سمجھا سکتا تھا۔ پتہ نہیں اسے کیا ہو جاتا ہے کہ ایک دم بالکل فوراً یہاں سے چلی گئی۔" باپ کو اب تک یہ رونا تھا کہ پہلی بار بھی ہمارے ہوتے ہوئے اس گھر سے نکلی تھی اور اب بھی دونوں بار اس کی وجہ شمار کا رہا تھا۔

"پتہ نہیں میں نے نہیں۔ تب کہ اس لاڈلی نے سنائی تھیں مگر آپ تو یہ اتنے تیاری نہیں کہ اس کے منہ میں بھی زبان ہو سکتی ہے۔"

"منہ میں زبان ہو یا نہ ہو۔ پیار سے سمجھنے میں ملی تو ہے۔ کتنی دیر تک تیری کلیجہ سلگا دینے والی باتوں پہ صبر کرتی۔ انسان ہے۔ منہ دھو کر جواب دینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" اکرم نے بگڑا اظہار۔

"تو یہ بتا کہ اب کیا ہونا ہے؟"

"کیا بات نہیں بلکہ نیا ڈرامہ ہے۔ ڈرامے بازی ہی تو ہے۔ پہلے تو منہ دھو کر ناشتہ کر۔ ملک مقبول کے ساتھ باہر ملک نہ ہو تے جاؤں یا نہ جاؤں۔ اگر میں بیٹھ جاؤں تو کہہ جاؤ۔ تصور دیکھ جا۔ جا جا کر جا جا کر طریقے سے دولت کماؤ۔ اپنے حسن اور جوانی کو جس حد تک بیچنی کر لو اسکو تصور کر لو تب تو میں ٹھیک ہوتا۔ اس کی اور اس کے باپ کی نظر میں ان کا سب سے بڑا خیر خواہ کہلوایا جاتا لیکن اگر میں نے اسے ملک مقبول کی بیٹ اور اداس سے خبردار کر دیا ہے۔ اس کے شوق کی اہمیت فول کے بیان کی ہے تو میں برا بن گیا۔ حاسد اور کم ظرف کہلایا جا رہا ہوں۔ بھول اندر سمایا ہیں کسی کو کامیاب ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتا کہ وہ بالشت بھر کی احسان فراموش لڑکی اتنے بھر کے سائنی ہے کہ جس کی اپنی کوئی عزت نہ ہو اسے باقی سب کی بے عزت نظر آتے ہیں۔"

وہ چلتا جاتا اپنے کمرے میں چلا گیا تو بلقیس اور اکرم اپنی خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے۔

▼ ▽ ▼

"کچھ بتائے گی بھی یا یونہی کلیجہ جلتی رہے گی اور ساتھ ساتھ مجھے بھی جلاتی رہے گی۔"

بالآخر نگاہ نے جھنجلاہٹ اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے جھنجھوڑ کے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ حالانکہ اس کے پاس اتنی تھی نہیں کہ کوئی وجہ بتائے اس روز جیسی جاری تھی۔ اگلا پچھلا تو اس کے آنسو دیکھ کے پریشان ہو گئی بیمار سے ہمدردی سے تسلی کر کے بہلتے ہوئے پوچھ کے دیکھ لیا۔ تو اس کے آنسو رکنے کو نہ جانے کب تک صرف پریشان ہی نہیں بلکہ تھوڑا سا ہو گئی کہ کہیں دماغی حالت مشکوک ہونے کی خراب نہ ہو جائے۔ مجبوراً اسے سخت لہجہ اپنانا پڑا۔

"قسم اللہ کی تجھے اس طرح تڑپ تڑپ کے روتا دیکھ کے میرے اپنے دل کو کچھ ہونے لگا ہے ذرا سوچ تیرے دل کا کیا حال ہو گا۔ مر جائے گی اس طرح۔"

ہچکیاں لیتی ہچکیاں دھڑکتے رکتے ہوئے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی مگر موتی آنکھوں سے برستے تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اس کے اپنے ہی آنسو اس کی کاپی نہ تھا۔ بالکل اس کے اپنے ہی دل کی طرح تھا جو بیمار پڑی طرح بے بس کر کے بے دست و پا کر کے بے چین کی طرح بے بل ہونے کے لیے اس کے اس کھیت لے جاتا ہے۔ اسی طرح یہ آنسو جو تمام کوشش کی کوشش کرتی تھی کہ اس اہل کے۔ امتحان کے لیے جاتے۔

"کچھ کہہ رہی ہوں اب اگر تو نے رو رو کر نہ کہا تو کیا میں سے اپنا سر سامنے کی دیوار سے ٹکرا دوں گی۔" نگاہ کا واقعی اس وقت حال تھا کہ وہ اس دھمکی پہ سچ مچ عمل کر بیٹھتی۔

اسے اپنی بیماری سے لے کر اپنے آنسوؤں کی بے اختیاری کا شکوہ کر رہی ہو۔ لب اتنوں کے بعد اسے اس لیے سسکیاں بھرنے کی کوشش کی۔ آنسوؤں کا گلا بے شک گھونٹ دیا لیکن اندر ہی اندر اب بھی طوفان بلائے ہوئے تھیں جس کی وجہ سے اس کا ناک جھوٹ گئی تھا۔ چند ہچکیاں تک بے قابو ہو جانے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ بہت بری طرح ہچکولے کھاتے ہوئے کے ہاتھ ہی بے حال لگے۔ وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے اس کے لبوں سے پانی کا گلاس لگا کے پلانے کی کوشش کرنے لگی مگر پانی نہ دیا جانے کی وجہ سے پانی اس کے اندر اترنے کی بجائے واپس نکل آتا۔

"یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے؟" نگاہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اس کی کمر سہلاتی کبھی ہاتھ پیر سہلانے لگتی۔ اچھے خاصے لمحے جا بے دم ہی ہو کے اس کے بازوؤں میں تھی۔ نگاہ نے آرام سے اس کے بے ہوش وجود کو وہیں اس صوفے پہ لٹا دیا۔ سیدھا کر کے لان رہا جان تھی ہو پچھلے دو گھنٹے سے رو رہی تھی۔ اس کی بے ہوشی پہ جا کے ٹوٹ پڑی۔ ہتھیلی ہونے کے نگاہ نہ پر سکون ہو گئی۔

اسے اپنے دوپٹے سے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرنا چاہا تو چونک اٹھی۔ اس کا سارا جسم نہ صرف ٹھنڈا یخ ہو گیا تھا بلکہ پسینے میں شرابور تھا۔ صبح کی یہاں تک بھیگے ہوئے تھے اس کے بے ہوش بدن میں بھی ابھی تک ہلکا سا لرزہ طاری تھا۔

"ہائے اللہ" اس نے کچھ ہو تو نہیں گیا۔ صبح بھی کیا تھا۔ اپنی جان پہ ظلم توڑ بھلا یوں رو کے بھی انسان ہولی کو دل سکتا ہے۔"

وہ جلدی سے چادر لحیف کے نیچے ہوئی بس اٹھا کے باہر کی جانب لپکی۔ تیز تیز سیڑھیاں نیچے اترتے ہوئے ذہن میں اس بات کے کئی اچھے نتیجے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اس بوسیدہ بلڈنگ سے جس نگاہ کا چھوٹا سا فلیٹ تھا باہر نکلنے لگے اسے آٹھ منٹ لگ گئے۔ اس کا سارا دھیان اپنے کمرے میں اکیلی بے ہوش پڑی ہوئی کی جانب تھا۔ بلڈنگ کے احاطے سے نکل کے اس نے سڑک کنارے کھڑے ہوئے دائیں بائیں نظر ڈالی جیسے فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو کہ اسے کس جانب جانا چاہیے۔ اگرچہ اس فلیٹ میں مکمل ہوئے اسے چھ سات ماہ ہو رہے تھے لیکن اتفاق کی بات تھی کہ گردونواح کا

جائزہ لینے کا نہ موقع ملا نہ ضرورت تھی پڑی تھی اور وہ تھکی ہارا ہم تھی کہ اس علاقے میں کوئی اچھا ڈاکٹر کہاں سے مل سکے گا۔ اسی تذبذب کے عالم میں اس کی نظر اچانک ہی سڑک کے دوسری جانب پان والے کے کھوکھے کے نزدیک کھڑے بابر اعوان پر پڑی۔ وہ حسب معمول نفیس عمل کے بے داغ اور بے شکن کرتا شلوار کے اوپر شلوار میں تک تک سے تیار اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں کرو فر کے ساتھ کھڑا غالباً اپنے آئیڈیل آدمی کا تیار ہوتے پان کا انتظار کر رہا تھا۔

بگھ کو شروع سے ہی اس شخص سے عجیب سے بغض تھا۔ یوں تو اس کے ایسے بہت سے قدردان اور چاہنے والے تھے جن کی شکل تک دیکھنے کی وہ روادار نہ تھی لیکن یہ نوازنے والے تھے۔ اس کی دال روٹی چلانے والے اس لیے ان سے وہ برداشت بھی کر لیتی لیکن نکلوٹ کا مطلب ہو کر نہ پیچھا چھوڑتی تھی جبکہ اس خالی جیب والے نواب کی بے سروپا باتیں اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے کی عادت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ٹک مقبول کو نجانے اس میں کیا نظر آتا تھا یا اللہ جانے اس کا اس کھوکھے سے کیا معاملہ تھا کہ وہ ہر جگہ بن جائے اور پیسہ خرچ کیے موجود ہوتا۔ اس قدر تہمتا سامنا ہونے کے باوجود بگھ نے اس کی ذرہ برابر حوصلہ افزائی نہ کی تھی اور رہا سہا اس کے جتنے تعلقات پہ وہ کبھی بارا سے تھی سے تنبیہ بھی کر چکی تھی۔ لیکن اس وقت اسی ناپسندیدہ شخص کو سامنے موجود کر اس کی جان میں جان آ گئی۔

"مقبل صاحب۔"

وہ وہیں کھڑے کھڑے چلائی۔ مبادا وہ وہاں سے ہوا کے بھیر میں کہیں غائب نہ ہو جائے۔ ہجوم ٹریفک کے شور میں اس کی آواز نہ پہنچ پائی۔ بسوں اور ویگنوں کا رش بھی اس قدر تھا کہ وہ بیل الحال سڑک پار کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے پوری طاقت کے ساتھ ایک بار پھر حلق پھاڑ کے پکارا۔

"بابر صاحب۔ مقبل صاحب۔ ادھر دیکھیے۔"

اتفاق سے بابر نے بھی عین اسی وقت رش موڑ کے سڑک کے اس سرے کی نظر ڈالی۔ ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ دوسری نظر میں ہی پہچان گیا کہ سادات گھر کی چلمنے میں۔ نگاہ ہی تھی۔ ذرا غور کرنے پہ اندازہ ہوا کہ وہ آواز سے خود پکار رہی تھی۔ ملی ہی حال میں سخت متعجب ہوتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

"بے نصیب۔ فرمایئے آپ اس ناچیز کو صدا دیں وہ اور ہم خوش نصیبوں۔"

"ایک منٹ بابر صاحب۔" بگھ نے اس کی لن ترانی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر دی۔

"میں اس وقت سخت مشکل میں ہوں۔ وہ سامنے والی بلڈنگ میں رہتی ہوں۔ دراصل ابا جی سے ملنے آئی تھی۔ غالباً اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ یہاں آنے کے بعد زیادہ بگڑ گئی۔ اس وقت وہ میرے غیظ میں تقریباً بے ہوش پڑی ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔" وہ روانی میں کہتی گئی۔

"یہ آپ نے کیا کہہ ڈالا۔ ارے۔ بے ہوش چلیے ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔"

"اس وقت اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ میں اسے اکیلا چھوڑ کے نکل تو آئی لیکن چل رہی ہیں انکا ہو اضافہ سوچ رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی یہاں کوئی معقول کلینک کس طرف ہے۔ اگر آپ ادا کی مدد کر سکتا چاہتے ہیں تو پلیز میرا خیال ہے یہاں نزدیک ہی کسی ڈاکٹر کو بلا لائیے۔ میں ابا کے پاس بیٹھی جاتی ہوں۔ پتہ نہیں اس کا کیا حال ہو گا۔"

"ضرور ہم یہاں ایک سے بہت اچھے ڈاکٹر سے واقف ہیں۔ پانچ منٹ میں لے کے آتے ہیں مگر آپ کا کلینک۔"

"میرے شوہر ملاپ شادی دفتر کے بالکل سامنے۔" تیزی سے وہاں پہنچتے ہوئے بتانے لگی۔

وہ بدستور بے ہوش تھی۔ نگاہ اس کے چہرے پہ صرف پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ پانچ تو نہیں البتہ دس بارہ منٹ کے بعد بابر ڈاکٹر کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ اس نے تفصیل چیک اپ کے بعد چند طاقت بخش ٹانک اور دوا کی ایک خوراک دے کر اللہ اللہ کر دی۔

"کوئی خاص تشویش ناک بات نہیں۔ کمزوری بے حد ہے۔ غالباً یہ کھانے پینے کی جانب زیادہ توجہ نہیں

دیتی ہیں۔ بی پی بھی لو ہے۔ چہرے پہ ہوئی یہ خود کی اصل میں اولیڈ پریشر کی وجہ سے ہی ہے۔ اب یہ ہوش میں آ رہی ہیں۔ انہیں کسی قسم کا فوراً ہجوم کو طاقت بخش غذا کھانے کے بعد بلڈ پریشر کے دوا دے دیں اور دس روز تک باقاعدگی سے استعمال کرائیں۔ یہ ٹانک اور دوا کی گولیاں البتہ یہ دس تک جاری رکھ سکتی ہیں۔ باقی خواتین جو کھانے پینے میں حد سے زیادہ احتیاط کرتی ہیں انہیں خوراک کی کمی پوری کرنے کے لیے ٹانک وغیرہ باقاعدہ استعمال کرنا چاہیے۔"

"ڈاکٹر صاحب اس عمر میں بلڈ پریشر کی شکایت۔ کوئی خطرے والی بات تو نہیں؟" بگھ نے تشویش سے پوچھا۔

"یہ تو اب عام سا مسئلہ ہے بی بی۔ اس میں عمر کا کیا تعلق؟ ہاں البتہ خوراک اور ذہنی پریشانی دونوں اس کو بڑھانے یا گھٹانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خوراک کی زیادتی یا بدپرہیزی ہائی بلڈ پریشر کا باعث تھی جبکہ کمی کمزوری کی صورت لو بلڈ پریشر میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ انہیں ذہنی تفکرات اور ٹینشن سے دور رکھا جائے۔"

بابر ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑ کے واپس آیا تو بڑا سوفے پہ سمٹی بیٹھی چپ چاپ نگاہ کا تھما نیم گرم دودھ کا مگ چسکیاں لے کے پی رہی تھی۔ اس کی بے تاثر آنکھیں نیچے فرش پہ گڑی تھیں اور سامنے رکھے کھلونے کے لمبے لمبے دھب میرے بسکٹ اور کریم روٹی جوں کے توں رکھے تھے۔

"کچھ کھانے کے ساتھ کھانا نہیں؟ ڈاکٹر نے کیا کہا؟ کچھ کھا تو پیتی ہو دوا دوں۔" نگاہ اسے آمادہ کر رہی تھی۔ بابر نے آگے بڑھ کے پلیٹ میں کے چمچے سے کاٹ کے سامنے کی جانب آنکھیں پھیلائیں۔ بابر نے اسے ایک بار پھر پلیٹ کی جانب متوجہ کرتے ہوئے کچھ لینے کا اشارہ کیا۔ اس نے خاموشی سے ایک نرم رول اٹھایا اور اسی بے تاثر انداز میں کھانے لگی۔ نگاہ نے ایک سرد آہ بھری اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت بہت شکریہ مقبل صاحب۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات۔ وقت پہ اپنے ہی کام آتے ہیں۔" وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلفی سے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ کچھ اعتراض ہوا مگر اس نے ظاہر نہ کیا۔ دعا کے ہاتھ میں دوا دینے کے بعد کہنے لگی۔

"مجھے شوکے لیے آدھ پون گھنٹے تک نکلنا ہو گا۔ تم چاہو تو یہیں میرے گھر میں رک کے آرام کر سکتی ہو۔ اس حالت میں میں تمہیں ڈرائیو نہیں کرنے دوں گی۔"

"نہیں نگاہ مجھے جانا ہو گا۔ ابا جی فکر مند ہوں گے۔ ویسے بھی اب میں خاصا بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

"بالکل نہیں۔ جانا اگر ضروری ہے تو چلو میں تمہیں خود چھوڑ دیتی ہوں۔"

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو اور اگر تمہاری خدمت حاضر ہیں۔" بابر نے انکساری سے جھکتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کو آپ ہی کی گاڑی میں بحفاظت آپ کے گھر تک پہنچا آتے ہیں۔"

"ہاں میرے خیال میں یہ مناسب رہے گا۔" دعا عشرہ کی بکس و پیش کے مان گئی لیکن نگاہ کو تامل تھا۔ اشد ضرورت کے تحت بابر سے دو ٹوک بات کی۔ لیکن اس حالت میں اسے اس شخص کے ساتھ اکیلے جانے دینا ایک سراسر لاعلاج حماقت تھی۔ ڈاکٹر بتا چکا تھا کہ بلڈ پریشر کی یہ دوا سکون آور بھی ہے اور اس کو لینے کے بعد وہ گہری نیند میں جا سکتی ہے۔ اسے شدید تذبذب کے بعد بابر سے کہا کہ ان کی فوراً ہو جائے گا۔

"غالباً آپ کی فکر اور مدد سے نگاہ کی ہمیں اس قابل نہیں سمجھتیں۔"

"ایسی بات نہیں بابر جی۔" سمجھ تو نہ آئی تھی لیکن بابر کو برا نہ محسوس ہو اس لیے فوراً اٹھ کے اس کی خاطر چلنے کو تیار بھی ہو گئی۔

"چلیے نگاہ کی راستے میں آپ کو بھی اتار دیں گے۔" بابر نے اسے آخری وہ کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا کے اندر سے اپنا شوہر پہنچنے والا لباس اور دیگر سامان لینے چلی گئی۔

♥ ♡ ♥

"موسم کتنا بدل گیا ہے نہ ہیں موتیا؟" گل نے سیدھے لیٹے لیٹے چھت کی جانب دیکھتے ہوئے عجیب کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔

"کون سا موسم کب بدل گیا؟"

"ہاں ہے نا بھئی۔" گل نے مبہم سا جواب دینے کے بعد خود ہی مسکرا دی۔ موتیا کو اس کی مسکراہٹ میں ایک نئی بات نظر آئی جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور کبھی سی سرشاری، لیلیٰ کی اسٹک سے بھری یہ توجہ مسکراہٹ اس کے حسین چہرے کو حسین ترین بنا گئی تھی وہ حیران ہو کے کہے بغیر رہ نہ سکی۔

"تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے ناں؟"

ابھی دیکھنے والا نہیں۔ گل نے اپنے انداز کی دلکشی پر داد لینے کا سا تھا۔ گل کی مسکراہٹ کچھ اور بھی طریقے سے واضح ہو گئی اب اس کے چہرے کا ایک ایک نقش مسکرا رہا تھا۔

"کون ہے؟" جاں لیوا تھی اور عبیص نام سنتے ہی گئی تھی کہ وہ کبھی عبیص کا نام نہ لے۔ لیکن جب اس نے واقعی عبیص کا نام لیا۔ تو موتیا جیسے بجھ کے رہ گئی۔ اسے تصور میں عبیص کا خوبرو، وجیہہ ہوا تو بھی نظر آ اور اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"شکر ہے کہ اداری نہیں ہے ناں۔" گل نے سر کے انکشف کیا تھا۔

"کیا؟" اس نے پوچھا۔ "اسے توقع تھی کہ اس کے انکشف کے بعد موتیا الحمد او سوالات کی بوچھاڑ کر دے گی لیکن اس نے بھی گل کی خاموشی اسے خاصی دیر تک سخت نیز لگی۔

"کچھ نہیں اس میں سوچ رہی تھی کہ ہم بھی فرنگیوں اگر گھر میں رہیں تو عشق فرمانے کے لیے باقی آس پاس ہوتے ہیں یا آس پڑوس کی کوئی محفل، سایہ جیسا آجاتا ہے اور اگر گھر سے باہر نکلیں تو یہ ساتھ کم بخت اتنی پیاری محبت میں ہوتے ہیں جتنی لیبو سی بات ہے۔ بلکہ عجیب اتفاق ہے۔" آخر میں ہی کیوں؟" اس نے بے تکے تجربے کا بلبلہ پھٹا تھا اور موتیا خاصی شاکی ہو کے رہ گئی۔

"یہ تم کیا بار بار عجیب باتیں کر رہی ہو تم کہنا کیا چاہ رہی ہو کہ۔"

"غلط تو نہیں کہہ رہی۔ کیا یہ غلط ہے؟ آخر ہمیں بھی کوئی ہونا چاہیے نا؟"

"ظاہر ہے کہ ہمیں محبت میں سے کرنا ہے جس کی کوئی بات، کوئی بات یا خاصیت اسے اپنی کرے اور اس کشش کے پیدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تم اسے جانتے ہو، اسے پہچانتے ہو، اور چاہو پہچانتے ہو تو اسے کشش سا ہو۔ تم کے نزدیک ہو۔ تم کسی کی سرت، پیار کی تلخی سے مشق میں ہو تم جلتا ہونے سے رہے۔"

"اصل بات یہ ہے کہ میں سمجھ کچھ اہم نہیں ہو رہا۔ تم نے میری غلط فہمی دور کر دی ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے جانے والے عشق میں مبتلا ہوں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ گھر سے صرف اور صرف اپنے بیوں۔ کھڑے ہونے اور اپنی شخصیت حاصل کرنے کے موسم کا اظہار کر کے باہر کے لیے نکلنے والی اسی قید فرنگیوں کی طرح تم بھی "اس" ہو۔ عشق کے معاملے آسان ترین۔"

"جب اسٹاپ لٹ موتیا۔" گل نے اس کا قطع کلام نکلنے نہ ہونے دیا۔

"اس نے ہمیں یہ بتایا ہے باقاعدہ اور عزت دار طریقے سے نہ تو ہم اتنے کمزور ہیں کہ ہمارا فیصلہ ہمیں تو والد سمجھنے کی کوشش کرے نہ ہی اتنے آسودہ ہوئے ہیں کہ ذرا سی معقول اور متوسط شخص نے لفٹ کرائی تو پھول کی طرح اس کی جھولی میں جا گریں۔" اس کا غضب ناک رد عمل دیکھ کے موتیا ذرا سہمی گئی۔

"اچھا ہے تم تو بیلی ہو گئیں۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

"تم جانتی ہو کہ ہمیں ایسے مذاق پسند نہیں۔" کاروبار کے کروٹ بدل لی۔

"اف کس قدر بے صبری ہو رہی ہو۔ ابھی تو بہت کچھ اگلوانا تھا۔ بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔" وہ بیزار ہوتے ہوئے سے منانے کے انداز میں مرکز نے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا میں تمہارے بارے میں۔ یعنی اپنی سگی بہن کے بارے میں کچھ نہیں جانتی مجھے خود سے زیادہ تم پہ اعتماد ہے میں جانتی ہوں کہ تم ایسی ویسی نہیں۔ یہ تو بس زبان تم بہت۔ کیا کہوں پھسل جاتی ہے۔"

"سب اس الکحل اور عبیص کی محبت کا اثر ہے۔" گل نے جھنجھلا کے کہا۔

"اچھا ساری بات اب ہو تو۔" وہ اسے کبھی جھنجھوڑتے کبھی گدگدانے کے بعد بالآخر کروٹ بدلنے پہ مجبور کرتی گئی۔

"کیا ہے؟ اب تجربہ کرنے کی باری گل کی تھی۔

"کچھ نا کچھ تو ہی موصوف کیسے ہیں؟ تمہیں آخر ہمیں پسند کیا آیا؟"

"ایسا داری سے بتانا کہ ہم تو ان کے پروپوز کرنے سے ایک لمحہ قبل تک ہم یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم انہیں پسند کرتے ہیں۔ یعنی کہ ذرا کہ اس خاطر نے تو ایسا ہم نے اس وقت تک ہرگز نہیں سوچا تھا۔ ان کا اظہار پسندیدگی اور پروپوز کرنا ہمارے لیے انتہائی غیر متوقع تھا۔ اس حیرت سے نکلنے کے بعد جو چیز احساس بھی ہوا وہ یہ کہ یہ حیرت تو گلوکار بھی تھی اور قابل قبول بھی۔ کیا اسے پسندیدگی کی جانب پہلا قدم نہیں کہا جا سکتا۔" وہ بتاتے بتاتے سوال کر بیٹھی۔ موتیا نے سر ہلایا۔

"بس کسی حد تک ہم رضامندی یا تمنا کی بھی پسندیدگی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے ورنہ تم سے کیا بعید کہ ان حضرت کے پرپوزل کے جواب میں تم سر چڑھ کے آ جاتیں۔"

"ہم پاگل نہیں ہیں کہ خود ہی کا سر چڑھاتے پھریں۔"

"یعنی یہ سعادت چند خاص لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔"

"اب تو ایسی حرکت ہی سر چڑھانے والی کرے گا ہی ہو۔ عشق بہت مہذب اور با اخلاق انسان ہیں۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی مرد اس حد تک شائستہ انداز اپناتے ہوئے کسی سے اپنے دل کی بات کر سکتا ہے کہ دوسرا فریق ناپسندیدگی ــــ کے باوجود تو ہر ہم ہو نہ ہی ناگواری محسوس کرے۔ یقین کرو موتیا، اتنے تمیز انسان ہیں۔ اتنی خواتین سے بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔"

"تو اسے تمہیں۔" وہ زور دے کے بولی۔

"ہمارا مطلب ہے کہ ان اچھے لوگوں کی طرح خواتین کو دیکھ کے پھسل نہیں جاتے نہ ہی اور ہو کے حد سے زیادہ خوش اخلاق یا عاشق مزاج بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ جس پروفیشن میں وہ ہیں بلا ناغہ ایک سے ایک تقریب سے واسطہ ہے۔ ہم نے کبھی انہیں اپنی خواتین سے بھی فری ہوتے نہیں دیکھا۔ دن رات کے اصل میں اپنی حد تک کے گھر سے نکلتے ہیں۔ ہمیں کے لیے یہ بے قیمتی اور وقت گزاری ایک "معمول کی چیز ہوتی ہے لیکن نظر مہمان کو بھی وہی عزت و احترام دیتے ہیں جو اپنے آشنا کی اور کردار اور شرافت دیتے ہیں۔ ہمیں ان کا یہی انداز پسند ہے۔ اس کے علاوہ وہ بے حد ایکٹیو ایکٹیو مائنڈ ہیں اور سیلف میڈ ہیں۔ آپ جو جس مقام پہ ہیں صرف اور صرف اپنی مسلسل اور ان تھک محنت اور صلاحیتوں کے بل بوتے پہ۔"

موتیا نے منہ پھلا کے ہنکارا بھرا۔

"تم نے تو پورا۔ شہزادہ شروع کر دیا۔ یعنی قصہ مختصر تمہیں دیگر لڑکیوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عام لڑکیوں کی نسبت اس کی ظاہری شخصیت نے اٹریکٹ نہیں کیا۔ ویسے آپس کی بات ہے ظاہری شخصیت میں اتنی بھی نالائق کچھ کم ہی سی ہیں گزارا۔"

"ہاں۔ ویسے ہم نے بھی غور نہیں کیا لیکن ہمارا خیال ہے وہ خاصے ڈیسنٹ بھی ہیں۔"

"ہوہو۔ تمہارا خیال ہے؟" موتیا نے صاف مذاق اڑایا۔

"زیادہ بات کرو گے تو اخراجات کا کوئی موقع ہتھ سے جانے نہ دیا جائے گا۔"

"تم نہ مری مرضی میں دخل کرو گے۔" اس نے لاپروائی بھرائی اور ایک بار پھر کروٹ بدل لی۔ بنک اسپ کی ہدایت میکوں دوستی دونوں ہی سے ہو چکی تھی۔ کم تھیں، وہ دونوں ہی اس شخص کے بارے میں سوچ رہی تھیں جس سے وہ محبت کرتی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان میں سے ایک اس شخص کو اپنے حوالے سے سوچ رہی تھی جبکہ دوسری کسی اور کے لیے۔

"سو گئی؟" چند منٹ کی بھاری خاموشی کے بعد موتیا نے اسے سکوت کو توڑا۔

"تم نے عمیص کے بارے میں کیا سوچا؟" وہ خود بھی جانتی تھی کہ اس کا یہ سوال بے موقع بھی ہے اور بے جا بھی لیکن وہ خود کو اس سوال سے روک نہ پائی اور اوپر سے اس کی پسند کے بارے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے درحقیقت وہ اندر سے تب ہی سے عمیص کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"تم اس کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہو؟ اور وہ بھی عمیص کا نام لے کر؟" اچھل کے بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھو موتیا، تمہارے بھائی اور کتنے سے پہلے ہی واضح کر دیں کہ ہمارے اس فیصلے سے عمیص کو کیا اعتراض ہے۔ اگر اس نے قطعی رہ دار نہیں، جس شخص کے بارے میں ہماری اسوشیئیشن انوالومنٹ نہ ہو سکے تو ہم بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اس کو ہرٹ نہ کرنے کے لیے ہم اپنی پسند اور خواہش کا گلا تو نہیں گھونٹ سکتے۔"

"مجھے تمہارے بارے میں ایسی کوئی غلط فہمی ہے بھی نہیں۔ جن لوگوں سے تمہاری اچھی خاصی اسوشیئیشن انوالومنٹ ہے تم تو بھی ان کی خاطر بھی اپنی خواہش سے دستبردار نہیں ہو سکتیں۔ عمیص تو بہت دور کی بات ہے۔"

"بس یونہی ایک خیال سا آیا تھا۔ اب اسے پتہ چلے گا۔ ہر حال وہ ایک مرحلے سے تمہیں بچانا چاہتا آ رہا ہے۔"

"ایسا کوئی بھی کام انجام دو گی تو ہمارے عزیز اکبر اور اصغر تو کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گے۔ اس بات کی قسم بھی کھا دو۔"

"اس کے حوصلوں کو کسی قسم کی "حوصلہ افزائی" کی ضرورت کبھی نہیں رہی اور کسی معاملے میں نہ سہی لیکن تمہارے لیے وہ ہمیشہ پرعزم اور پرامید ہی رہا ہے۔ لیکن کوشش وہ اور انتہائی بری طرح ٹوٹ جائے گا۔" موتیا کا لہجہ بھیگ سا گیا تھا۔

"ایسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے جو حقیقت کو سامنے پا کے بھی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے ہر طرح سے ہمیشہ اسے پیار کرایا کہ وہ ہمارے لیے ایک چٹان زاد ہے بڑھ کے اور کچھ نہیں اتنی کہ دوست بھی نہیں کہ دیرتک ہمیشہ اسے پیار کرایا کہ وہ ہمارے لیے ایک چٹان زاد ہے بڑھ کے اور کچھ نہیں اتنی کہ دوست بھی نہیں کہ دیرتک ہمیشہ اسے پیار کرنے کے لیے بھی دونوں فریقین میں دوستی اور آشنائی کا بلا جائز ضروری ہوتا ہے جو ہم محسوس بھی نہیں کر سکتے۔ مگر وہ اس حقیقت سے نظریں چرا رہا ہے۔ اب کیا کر سکتے ہیں۔ ہم خود سوچو، ہماری بہن، یا عمیص کی دوست بن کے رہنے کے لیے صرف ایک لڑکی بن کے سوچو کہ ایک شخص جس سے محبت کرنے کے لیے آپ دل کو بالکل بے بس پاتے ہیں۔ چاہ کے بھی اسے چاہ نہیں سکتے۔ شخص بھی دوسری یا خدا ترسی کے نام پر تو نہیں اپنا سکتے۔ منافقت اور وہ بھی زندگی کے اس اہم ترین موڑ پہ جسے ہو سکتا ہے؟"

"اشاء تم ٹھیک کہتی ہو۔" وہ اتنا کہہ کے رہ گئی لیکن سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

"اس کی دل کی بات بھی ٹھیک ہے۔ آپ دل کو کسی سے محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جیسے دل کو کسی سے محبت نہ کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ کھلا محبت سے بڑھ کے بھی منہ زور اور بے لگام جذبہ کوئی اور ہے؟"

▼ ♡ ▼

اللہ وسایا اس مختصر سے سنگل بیڈ روم کی کوٹھی کے چکر گزیدہ ڈیڑھ برائے نام لان میں بیٹھا وہ سب سیٹ کیا تھا جو حال ہی میں دعا نے لرائے تھے۔ لوہے کا کیٹ لگا ہوا تھا اور وہ سب بیٹھے کے ساتھ ساتھ اللہ وسایا کیلا کھانے اور باہر سڑک کی چہل پہل دیکھنے میں بھی مصروف تھا۔ جبھی اس نے دعا کو باہر کے ساتھ آتے دیکھا اور

کیلے کی چھانگ منہ میں رکھ کے وہ اسے چونا تک بھول گیا۔ باہر اس کی بیٹی کے ابرہام اس کی گاڑی میں سے اور وہ بھی ذرا ہٹ کے سیٹ سے۔ یہ اس کے لیے خاصا حیرت انگیز امر تھا۔ باہر سے اس کی واقفیت بھی بس اتنی ہی تھی جتنی اسے ملک جمیل کے خاص بندے کی حیثیت سے جانا تھا۔ پہلے پہل وہ اس کے ظاہری رکھ رکھاؤ اور ٹیپ ٹاپ سے مرعوب ہوا کہ اسے واقعی کوئی رئیس ابن رئیس سمجھ بیٹھا تھا مگر اوقات کھل گئی تھی کہ نواب ابن نواب تو دور ٹھیک سے مڈب خالی خولی ہیلی کاپٹر نکال جاتی ہے۔ ایسے میں اسے دعا کے اتنے قریب بیٹھا کوئی خاص خوش کن امر نہیں تھا۔ اس کی بے تحاشا شکن آلود ہو گئی۔ دعا کے گاڑی سے اترتے ہی وہ اس سے باہر کے سامنے ہی بلا لحاظ موت باہر پر کرنا چاہتا تھا کہ اس کی اتری اتری سی صورت اور پھیلی پھیلی رنگت دیکھ کے پریشان ہو اٹھا۔

"کیا ہوا ڈیئر؟ تم تو کھلی چھتی گھر سے نکلی تھی۔ کیا ہوا جو رنگ بیلا چمک رہا ہے؟" وہ سوال اس کے کہا تھا مگر مشکوک نظروں سے باہر کو دیکھے جا رہا تھا۔

"ڈیڈ جی صاحب، تکلیف ہے دادا صاحب اب بالکل خیریت سے ہیں۔"

باہر کی زبانی "ڈیڈ جی" اور "صاحب" کے خطاب سن کر اس کے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑے۔ نظروں سے جھلکتی ناگواری اور بے یقینی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اضطراب خود بخود غائب ہو گیا۔

"لیکن اسے ہوا کیا تھا گھر سے تو یہ صحیح طرح سے نکلی تھی۔"

"ہاں ہاں یہ تو اس کی دوست نگاہ کے ساتھ ہی آ رہی ہیں۔ وہاں ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ نکاہل ڈاکٹر کو لینے گئی تھیں۔ اتفاقاً ہم سے ملاقات ہو گئی۔ ڈاکٹر بھی دادا جانے والا تھا مگر ان کی کوئی بات سنتے۔ کمزوری اور تھکن غالب آ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے دوا دے دی ہے۔ دوا میں چونکہ نیند لانا تھا اس لیے ہم نے مناسب نہ سمجھا کہ اس حالت میں دادا کی خود ڈرائیونگ کرتے گھر تک آتیں۔ سو ہم خود ہی چلے آئے۔" اس نے تفصیلاً بتا کر فٹ وسایا کی تسلی کرا دی۔

"ہمیں اب اجازت دیجئے دادی۔ امید ہے اب تم ڈاکٹر کی ہدایات پہ پورا عمل کرتے ہوئے اپنا خاص خیال رکھیں گی۔"

"کیا کیسے ہو سکتا ہے آپ پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں اور یونہی چلے جائیں گے۔ پلیز اندر آئیے نا۔ چائے کا وقت بھی ہو رہا ہے اور طلب بھی۔"

"ہمیں بہت خوشی ہوتی آپ کے ساتھ چائے پینے میں لیکن اس وقت آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ہم کل نہیں ہو سکتا چاہتے۔ پھر کسی دوسرے انشاء اللہ آئیں گے تو آپ ہی کے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔"

اللہ وسایا اس دوران خاموشی سے کھڑا ہی کے چہرے کے تاثرات کو تکتا رہا۔ اس پر وہ شخص سے وابستہ ہونے کے بعد اس نے زندگی واضح ہوتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ بہت زیادہ کھلنے مضبوطی طبیعت تو اس کی تھی ہی نہ رہی تھی لیکن اب جیسے بالکل ہی آدم بیزار ہو گئی تھی۔ ضرور "کسی کسی" سے از خود مخاطب ہونے سے گریز کرتی تھیں۔ اس ہیلیز سے وابستہ لوگوں سے جن سے اس کا دن رات کا واسطہ تھا ان سے تو بالکل بھی روا رکھنے تیار نہ تھی۔ ایک نگاہ تھی جس سے پہلے دن سے اس کی دوستی ہو گئی تھی اور لفظ وسایا کو اس نے دوستی، اعتماد، محبت بلکہ ایک حفاظت سے وابستہ کا مفہوم تھا جس نے اس کی سیدھی سادی بیٹی کو فن اور جنگ ملک کی فضا میں رہنے کا سلیقہ سکھایا تھا۔ اس سے دوستی کی بدولت وہ اب چار دانوں میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ اور اعتماد سیکھ گئی تھی اور دعا سے پہنچنے کا دھنگ ہی تھا۔

اور اب یہ وہ سراپا قلعہ، پارہ ہاتھوں مثل۔ جس سے گفتگو کرتے ہوئے دعا کے چہرے پہ ناگواری نہ پا رہا تھا حالانکہ وہ بھی ملک جمیل کا خاص آدمی تھا۔ ایک تھا جس میں بھی تھا اور جانا تھا حسن پرست، خوبصورت اصفت اس نے پا رہا تھا اگر وہ اس سے اتنے دوستانہ انداز میں بات کر رہی ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ کھٹک اللہ وسایا کو تک تھی۔

▼ ♡ ▼

"بیٹھو، آج تجھ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

کرم الٰہی نے شہزاد کو اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ہنس بھی وہیں موجود تھی اور اس کے چہرے پر بھی وہی گمبھیر خاموشی تھی۔

"خیریت؟"

"ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ بس ذرا بیٹھو تو سہی۔"

"سمجھ جاتا ہوں لیکن ابا! اگر بات وہی کل والی دہرانی ہے تو کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے وہ سمایا اور اس کی بیٹی کے بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"نہیں ٹھیک ہے اس نامراد اللہ وسایا کا نام بھی میں نہیں لیتا۔ تیری اس کی بیٹی کی بات کرتا ہوں میں تو بات کرتا ہوں اپنی بہو ہنس بھی کی آخری نشانی کی۔ اپنے خون کی آخری نشانی کی۔"

"بات تو ایک ہی ہے ابا۔" اونچا ہوتے ہوئے لہجے اور انداز میں ہاتھ اٹھا کے کہنے لگا۔

"ایک چیز نہیں سمجھتا ہوں تیرے جذبات ٹھیک ہے پہلے کچھ پاگل پن کی باتیں کر دی تھیں۔ تو اب اس خاندانی کسب کو مد بھرے کالیاں ہو تا تو تیرے کیسے میں ہاں تک جاتی تھی لیکن اب لطف سے ساتھ سوتے ہوئے تھوں تو خیال آتا ہے۔ تیرا قصور نہیں، دو بیاں نے تیرے دماغ میں الٹا اترے دیسا ہی سوچا تھا۔ طلیل کسب تو کوئی بھی برا نہیں ہے اس زمانے نے ہر کام کے خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ کوئی نام عزت والا تو کوئی بے عزتی والا۔ حالانکہ عزت دینے والی بھی اللہ سوچنے کی بات ہے اور لینے والا بھی اللہ ہی ہے۔ لوگ کون ہوتے ہیں یہ فیصلہ کرنے والے کہ کون نمی ہے اور کون شاہ۔ لیکن خیر۔ زمانہ تو ہمیں لوگوں کے ساتھ ہے گزارنا ہے زمانے کے ساتھ چلنا ہے۔ اگر تو یہی زمانے کی نظروں سے ہی تجھے میرے خاندان کو دیکھنا ہے تو اپنی جگہ تو بھی ٹھیک ہے۔ تجھے کیا حق ہے تیری عزت سے کمائی شہرت اور نیک نامی کو داغ دار کرنے کا۔"

"دعا سے جیتی ہو چیز ہے۔ بھی کچھ میں آل ہے۔ تجھے اس کے کالے، ہو عرض ہے۔ کھل جانے پر غصہ ہے لیکن وہ سکتی کیا کرے۔ باپ کے دھندے میں پھنسی ہے۔ اس بھلے اس کے بچے خیر خواہ ہوں یا باپ سے بدلہ کے لئے تو نہیں پیار کر سکتے ہیں۔ حق نہیں وہ بیچارہ بھی باپ کی بات مانتے ہیں اس غلطی کی سزا دے اس طرح تو نہیں دے سکتے کہ پاگل ہی تعلق توڑ کے باپ کے دھندے کو ہی دل میں۔"

"ٹھیک ہے ابا۔ آپ چاہیں تو اس سے کہہ سکتے ہیں۔ وہ جانتی ہے برسوں لیکن میری خیر موجودگی میں میں نہیں چاہتا کہ اس کا میرا سامنا ہو اور پھر سے کوئی بدمزگی ہو اور آپ کا دل دکھے۔ بس دعا ہے آپ کا لگاؤ اور محبت ہمیشہ ہے۔ لیکن اللہ وسایا سے اب مزید کوئی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس شخص کو برداشت نہیں کر سکتا۔ صرف اس حد تک سمجھتے ہیں تو ہوں گے دعا سے آپ لوگ۔"

"بات صرف ملنا ملانے کی نہیں شہزاد۔" اب تک خاموش بیٹھی ہانو نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"میں نے اور تیرے ابا نے کل رات مل کے فیصلہ جانچ سے تو تیری بات بچا لی۔ آج کل کے زمانے میں تو لیا کسی بھی زمانے میں بھی کوئی والی عورت کو اچھا نہیں سمجھا۔ ایک بیٹھ اسے بازاری ہی کہا گیا چاہے وہ شوقیہ گائی ہو یا پھر اپنے شوہر کو پالنے کے لئے گانے کی مزدوری کرتی ہو۔ سمائے کی آنکھوں پہ دولت کی پٹی بندھی ہے اور وہی بڑی معصوم بچی ہے۔ ہم نے سوچا ہے کہ اسے سمائے سے الگ کر دیں تو وہ اسے گانے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔ جب اس کی بیٹی ہی نہیں رہے گی تو مجبور کیا کرے گا۔"

"لیکن باپ کا حق آپ لوگ کیسے ختم کر سکتے ہیں؟"

"بیٹی جب نکاح ہو کے گھر سے اب تک ہی ہو گا حق ہوتا ہے۔ دیا جائے تو خاوند کا حق بن جاتا ہے۔ اگر اس کی شادی۔"

"یہ ایک مشورہ تھا میں بہت پہلے سوچ چکا ہوں۔ اس گند میں قدم رکھنے سے پہلے ایک سے ایک شریف عزت

دار گھرانے میں اسے رخصت کر دیتا تھا۔ یہ تو ایک نوٹ ہے اس کے باپ کا پیشہ دیکھتے نہ دیکھتے صرف میرے نام سے اسے بیاہ لے جاتے۔ لیکن اب بہت خراب لگی ہے۔ تمہیں بڑا کوشش کی ہے بھی کی۔ بہت سال پہلے ہوتا ہے کہ سمایا ہونے کے اندیشے والی مرغی کی کرنے والی ہو گا۔ پہلے شاید ان جانتی تھی اب بیٹی کی مثال کی لت پڑ گئی ہے اب مشکل ہی ہے وہ اس کا گھر بسانے کے بارے میں سوچے۔"

"بات تو اپنی اپنی ہوتی ہے۔ اگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔" کرم الٰہی کے پر وقار انداز پر شہزاد ٹھٹکا۔

"دراصل۔" بیٹھی نے آنکھوں میں شرمندگی کا اشارہ کرتے ہوئے خود تمہید باندھی۔

"دراصل شہزاد! میرا اور تیرے ابا کا خیال ہے کہ جانتی ہوئی ہے۔ ہم سے زیادہ کون اس کا اچھا سوچ سکتا ہے۔ وہ اپنی کے بیچ رہے ہو تو اچھا ہو گا۔ اگر ہم اس کو اور کی بجائے دماغ سے تجھی بات کریں تو وہ انکار کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟" اس نے بھنویں سکیڑ کے پوچھا۔ جو مطلب وہ جناب باقاعدہ اسے سامنے سے انکاری تھا۔ اسے تھیں نہ تھا کہ اس کی ماں اتنی پیشہ ور کے ہو جو دراس کے ساتھ باپ ایسا معاملہ طے کر سکتے ہیں۔

"مطلب یہ کہ اس کا ہاتھ تیرے لیے مانگنا چاہتے ہیں۔ تجھ سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔" بیٹھی نے بات کی تمہید کتنا طول لیجیے۔ اس لیے کرم الٰہی نے بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف صاف بات کہہ دی۔ ہونے سے شہزاد کا رد عمل جاننا چاہا۔ اس کا چہرہ ایک دم سپاٹ تھا۔ لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ بیٹھی نے تنگ اس کی جانب سے کسی جواب یا اعتراض کا انتظار کرنے کے بعد اس کی ہمت بندھی اور اس نے آگے بات بڑھائی۔

"تیرا اعتراض بھی ہو رہا ہو جائے گا لوگوں کی تو فکر بھی ال جائے گا۔ گھر کی عزت گھر میں رہے گی۔ وہ بھی بھلی لڑکی ہے اسے کہاں شوق ہے ان سب باتوں کا۔ کوئی شوق نہیں ہے ان سب باتوں کا۔ تجھے بھلی لگی ہے تو مجبور ہے۔ جب سے مجبوری دور ہے تو نکلنا چاہے برکت سے تیرا گھر بسائے گی۔"

"گھر گھر بسانے کی تو۔ وہ گھر بسانے کی۔" اس سے زیادہ تحمل کا مظاہرہ کرنا شہزاد کے بس سے باہر تھا۔ اس کے باوجود اس نے بھرپور کوشش کی کہ اس کے اندر کا لاوا لہجے کی تلخی سے زیادہ ظاہر نہ ہو۔ اس کی آواز میں تھی کلفتاً ہی خاص تلخی اعتراض نہ تھے مگر لہجہ بھی بیزار ہوا تھا۔

"جسے محفلیں سجانے کی لت پڑ جائے وہ گھر نہیں بسایا کرتیں اور اگر آپ دونوں کو ایسی خوش فہمیاں ہیں بھی تو کیا تمہاری بیٹھ کے پڑھانے کے لیے ایک میں ہی ملا تھا؟ آپ کا لگو نہیں کیا میرے ہی مقدر پھوٹنا تھے؟"

"ابے ابے! مقدر سنوارنے کی بات کر رہی ہوں میں قسمت۔" تمہیں تو معرفت بغیر سوچے سمجھے ایسی بدشگونی کی باتیں کیوں کر رہا ہے؟"

"آخر وہاں میں برائی کیا ہے؟"

"تمہیں نے کہا ہاں کہ میرا منہ مت کھلوائیں۔ اگر میں کچھ کہہ بیٹھا تو آپ لوگوں سے برداشت نہیں ہو گا۔" وہ نفی سے کہتا اٹھ جانے لگا تو کرم الٰہی نے روک دیا۔

"ایک منٹ شہزاد۔" آج ہی بات صاف ہو جائے تو اچھا ہے۔ دعا کو اس گھر کی بہو بنانے کا فیصلہ میرا اور تیری ماں کا ہے اور جب ہم تجھے بیٹھ کر کہتے ہیں تو پھر تو بات کر سکتے ہیں تو کیا تجھے اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے؟ ٹھیک ہے تجھے دعا کے وکالت کرنے پہ اعتراض تھا۔ میں سمجھتا رہا کہ تجھے بھی تیری اس سے اپنائیت کچھ تو ہے اپنا جانتا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں فکر مند ہو کر اس کے بھلے کے لیے سوچا تھا۔ تیری اس سے تکلیف بھی اس لیے تھی کہ تو آئے۔ دیکھ شہزاد! اگر تو واقعی اس کا بھلا کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کو سہارا دے دے اپنا نام دے دے۔"

"بھلا تو میں بہت سے لوگوں کا کرنا چاہتا ہوں ابا! لیکن اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ زکوٰۃ، خیرات، صدقہ وغیرہ وغیرہ۔ کسی کا بھلا کرتے کرتے خود اپنا بیڑہ غرق کر لیا۔ ماں کی تکالیف سے۔ میں اس کی شادی کرنے تو

تیار ہوں اس کے لیے رشتہ ڈھونڈنا، جہیز اور دیگر انتظامات کا بھی ذمہ لیتا ہوں لیکن اس سے شادی کرنے پر ہرگز ہرگز تیار نہیں۔ اب خدا کا واسطہ ہے اماں کی طرح آپ بھی یہ سوال نہ کرنے بیٹھ جانا کہ وجہ کیا ہے۔ کیونکہ اب میں وہ وجہ اس سوال کا جواب دینے سے ہی خود کو روک رہا ہوں گا اور یہ بات تو یقینی ہے کہ میرا جواب آپ کو پسند نہیں آئے گا۔"

"تو پھر تم ہی بتا دو تمہیں جانتا ہوں، تیرا جواب کیا ہوگا۔" اکرم الٰہی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن بتایا نہیں جا سکتا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ ان کی چادر بٹتے ہیں۔"

"حضور کرتے ہوں گے وہ ست اعلیٰ مگر ہم ان میں ہوں گے لیکن مجھے آپ کم تر سمجھ لیجئے میرا تاج و صلہ نہیں کہ ساری عمر جس چیز سے پیچھا چھڑاتے گزری اب اسے ہی گلے کا طوق بنا لوں۔ آپ کو یہ بات کرنے سے پہلے خود سوچنا چاہیے کہ اسے مانا تو ایک طرف سننا بھی میری برداشت کا کتنا بڑا امتحان ہوگا۔ کتنی کڑی مشقت جھیلنا ہے میں نے خود سے یہ لیکن اماں نے کی عرض سے۔ کتنی محنت اور طویل جدوجہد کے بعد اپنا نام بنایا ہوں۔ چار لوگوں میں عزت حاصل کرنے کے قابل بنایا ہے میں نے خود کو بھی اور آپ دونوں کو بھی۔ میں نے صدق دل سے آپ کو عزت والی زندگی دینے کی کوشش کی اور آپ اب بدلے میں مجھے ذلت بخشنا چاہتے ہیں۔ پھر مجھے زندگی کی دلدل میں گھسیٹنا چاہتے ہیں جس سے میں نے سر سر کے نجات حاصل کی ہے۔"

"بخت تا کہ زندگی ہے۔ ہم دونوں بار بار میرا لحاظ کیا جاتا ہے شہزادے۔" اکرم الٰہی کراہا تھا۔

"تھک گیا ہوں میں جس پر یہ لکھتے ہیں سن کے اوسے جلنے لیا ہے۔ عزت والی زندگی جس کا احسان تو نہ ہا رہا ہے اگر یہ میری عزت آمد میرا اپنا اپنا تھے میری ہی اپنی چھت کے لیے ذلیل کر رہا ہے۔ اور اس سے تو میں بے عزت ہی اچھا تھا۔ لوگ اس سے تو گمنام ہی اچھا تھا۔ کیا لگا دوں اس جھوٹے نام اور شہرت کا جب اندر سے تو اپنے آپ سے ہی مطمئن نہ ہو۔ اپنے خود اپنی عزت کرنا اور اپنے ضمیر کا احترام کرنا سیکھو۔"

"میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"ہاں لیکن یہ سچ ہے کہ میں اپنے آپ سے مطمئن نہیں اور اس کے ذمہ دار کسی حد تک آپ بھی ہیں میں مانتا ہوں اس میں صورت آپ کا ہے نہ میرا۔ یہ تو تقدیر کی بات ہے۔ مجھے اس خاندان میں پیدا ہونا تھا ہو گیا۔ لیکن اگر میں تقدیر سے لڑ کے صرف اور صرف اپنی ہمت اور عزم کے بل بوتے پر اپنا ایک الگ شناخت بنانے میں کامیاب ہو گیا تو آپ جان بوجھ کے میری محنت اکارت کرنے کے درپے کیوں ہیں۔"

"کر کے بتا دو کرنے والی شخصیت کس نے ہیں۔" اکرم الٰہی جیسے لوٹ کے رہ گیا۔

"نہیں مجھے اور کچھ نہیں کہنا صاف اور دو ٹوک بات کہہ رہا ہوں۔ نہ دنیا اور نہ اس خاندان کی کوئی اور لڑکی۔ بلکہ کوئی بھی ایسی لڑکی نہیں جو نہ صرف خوبصورت شکل سے ہے بلکہ اس کے خاندان کا دور دور تک کوئی بھی فرد اس پیشے سے وابستہ ہو تو میری زندگی میں اس کی قطعی کوئی گنجائش نہیں۔ میں شادی ضرور کروں گا مگر کسی ایسی لڑکی سے جو میری زندگی میں شامل ہونے میری عزت بڑھانے کا باعث بنے نہ کہ کم کرنے کا۔ کسی ایسے خاندان سے رشتہ جوڑنے کا جو میرے نام کو داغدار کرے۔ میرے سر کو شرم سے جھکا دے۔"

"او سروں کے سارے لوگ تو قدر اونچا کرنے میں اگر تو اپنی عزت جانتا ہے تو ٹھیک ہے یہی سہی۔"

"ارے کیا فیصلہ ہے؟" بادشاہ بیگم۔

"رشتے آسمانوں میں طے ہوتے ہیں۔ کبھی بھی چھپ جاتے ہیں اور کوئی کسی کا کانا بھی نہیں ہوتا ہے جو اسے اونچے اونچے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس سے پوچھو تو سہی کہ تو دھاگا کا ہو کے اسے اپنا نے پر تیار نہیں تو کسی اونچے خاندان والا اپنی بیٹی اس گھر میں کیوں دے گا جس خاندان میں کیوں بیٹھے گا جس خاندان کو اس کا اپنا بیٹا گالی دیتا ہے۔"

"ایسا ضرور ہوگا ماں ابو کے رہے گا۔" میں نے ایک ٹوک فیصلہ کر لیا۔ "اس نے ایک دہلیز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اس سے تو بہتر گلی ہے۔" بادشاہ بیگم نے کہا۔

"کون سی شریف زادی نواب زادی!"

"ہاں صحیح پہچانا روشنی نواب زادی ہے۔ آپ کے بیٹے کے ہاتھ کو ہر یاب لگا ہے ایک شہزادی اس گھر کی بہو بننے والی ہے۔"

وہ مسکرائے لگا۔ یہ تصور ہی اس کی طبیعت پہ چھایا بکھر اور بیزاری در کر گیا تھا۔

● ● ●

"آپ سے پتا نہیں صاحبزادی الرس خاتون نسبت کرنی کی آپ اپنی بھتیجی سے۔"

اسے ترمیم کیے کے صاحبزادی حرمت النساء نے اپنا سوال دہرایا جیسے پوچھ سی لی۔

"جی اماں حضور میں بات کروں؟"

"جی یہ آپ کے ذمے حضور کی مجبوری ہے۔ ویسے تو ہم اس کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے لیکن غالباً نواب صاحب اپنی صاحبزادی کے مزاج سے خلاف ہو کے اقدام اٹھا لیں۔ اسی لیے آگاہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ وہ اپنی طور پہ تیاریاں بھی کر لیں۔ انہوں نے نماز مست کرتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ وقتی طور پہ شغل جاری رکھیں گی اور بعد میں۔"

"معاف کیجئے گا اپنی حضور میں آپ کی بات کاٹ رہی ہوں لیکن کل کو میرے صرف مفتوح کرنا مقصود ہے یا پھر اس کی رائے یا مرضی جاننا بھی ضروری ہے؟"

"ان کی رائے کیا مرضی کا اس معاملے سے کیا تعلق۔" بی والدہ کی ساری باتوں خوش فہمی پہ موتیا سہلا کے رہ گئی۔

"آپ بھول رہی ہیں کہ اس عبارت کو پورا ہوئے عرصہ بیتا ہے۔ اب اس کے ہر معاملے میں صرف اور صرف اس کی رائے یا مرضی کا ہی تعلق ہے۔" اس نے اور کرا جانا چاہا تھا۔ "خلق خاطر میں نہ لائیں۔"

"اور اور معاملات ہوں گے صاحبزادی گل مری تعلیم و جیسے متعلقہ ہیں کے اثرات صرف ان کی ذات تک محدود رہتے ہوں گے لیکن یہ معاملہ یعنی شادی کا معاملہ اور سے پورے خاندان کا معاملہ ہے۔ ہمارے اس مختصر مگر متحد خاندان کا متفقہ فیصلہ۔ اسے ہم گل مری ذاتی پسند یا پسند کی بنا پر غیر مستحکم نہیں قرار دے سکتے یوں بھی صاحبزادی گل کو بھلا کیا اعتراض ہو گا۔ عصمیں میاں ان کے جانے پہچانے ہیں ایک جنت کے رشتے آئے ہیں اور عصمیں میاں تو گل کے مزاج شناسا بھی ہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے اماں بی کہ یہی عصمیں کے مزاج سے شناسائی کا دعویٰ ہے اور یہ شناسائی ایسی خاص خوشگوار بھی نہیں۔" وہ بڑبڑائی۔ صاحبزادی حرمت النساء اسے تو حکم صادر فرما کے اندر چلی گئیں اور لاحاصل رائے قیم پہ بھیجنے کے غور سوچا تھوں پہ گرا کے بیٹھ گئی۔

"خلاصہ حضور یہ سری تو کسی اور ہے۔" کشش نے انگلش کی کتاب کھول کے اس کے سامنے کی نہ چاہتے ہوئے بھی موتیا نے کتاب تھام لی مگر نظروں میں گھرے ذہن نے الفاظ اور حروف کو آنکھوں کے آگے نچا ڈالا۔

"اماں بچے ابھی میری طبیعت ٹھیک نہیں شام کو کر لیں گی۔" وہ بے چینی سے فریم کے بڑی کتاب بھی پٹخ دیتی۔

"یوں کہو کہ سر کو نہ کے پرانی کتابوں سے۔" کشش کی ذہنی کشمکش اور خلاصے جھوٹ کے سلسلے دل کو تراوٹ پہنچا گئی اس کے بعد شہیں پر اصلاحوں کی بارش بھی کتابوں سے ہے بیلو کے بھی تو عرصہ بیت گیا۔"

عصمیں کی دخل دینا ذاتی پہ دیا کی وقت اور بڑھ گئی۔ اس وقت وہ خود اپنے اسفور پہ تھا تو اور وہ اس کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ دوسری وجہ بھی تھی۔ کہ اسی حضور نے اسے جو کام سونپا تھا اس سے نمٹنے کے لیے کوئی کار آمد بہانہ ڈھونڈنے کے لیے اسے مکمل یکسوئی درکار تھی۔ کام بھی تو ذرا آسان نہ تھا یعنی کہ صاحبزادی گل مری یہ اطلاع دے کہ ابا حضور نے اس کی اور عصمیں کی شادی چھاپ کے اندر اندر کرانے کا حکم صادر کر دیا ہے اور یہ

اطلاع اس کی بھی سرخرو ہی تھی۔ ہوا بھی رات کو کل اپنے عشق کی خبر کی حکایت اس سے بیان کر رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے عصمت کے بارے میں اپنے نئی بدیہات کا بھی کھل کے اظہار کر ڈالا تھا۔ یہ مشکل تو نہ تھی کہ اس کی عصمت و پیندی کو بھی کیا کیا ہو سکتا تھا۔ موتیا تو اب سے چاہتی تھی کہ وہ اپنے خوابوں اور تصورات کی دنیا سے باہر نکل کے اس حقیقت کو جان لے کہ کسی کی زندگی اور دل و جان میں اس کے لیے بھی برابر کا حصہ نہ ہو تو یہ کبھی پیدا ہونے کی اور اب اصل میں وہ وقت آیا تھا جب اسے یہ حقیقت زبردستی تسلیم کرانا پڑے گی۔

"آخر ہے تو اتنی بھی تھی کیوں؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کے فرہم اٹھائے کو صورت بھول کا جائزہ لینے لگا۔ "مجھے تمہارے ایک ضروری بات کہنی تھی عصمت۔" بہت سوچنے کے بعد بھی یہی بات کرنا تھا اس لیے سمرتھا۔ "فقیر ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ جائے گا۔ اس لیے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"گل کے بارے میں؟" اس نے نرمی نظروں سے دیکھا تو موتیا خشمگیں رہ گئی۔

"تمہیں کیسے؟"

وہ اس کے ارادے سوال پہ ادھوری سی مسکراہٹ پھیلا کے رہ گیا۔

"تم جیسے چھوٹوں سے میرا دھیان ہمیشہ جانب لا چاہ دوری ہوتے چاہتے ہوئے بھی میں بالآخر دھیان رہنے پہ مجبور ہوتی کیا۔ شاید آج بھی تم کل میں آتی تبدیلیوں کا ذکر کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں میں ان تبدیلیوں کی وضاحت نہیں چاہتی ہوں۔"

"تو پھر؟" "کیا وجہ ہے؟" کیا کہ گل کسی اور کو چاہتے لگی ہے۔" اس کے درست اندازے پہ موتیا سر جھکا کے رہ گئی۔

"چلو غنیمت ہے تمہیں بھی سامنے کے منظر صاف نظر آنے لگے۔ اب میں وقت ہے عصمت واپس لینے کا۔" جواب میں "اس نے تخت پہ پیر دراز ہوتے ہوئے برتنے کی ابھی بھی ہمت کے روشن دان میں بیٹھ کے پہ نظر ڈالی۔

"میں اب بھی لگا میرے پاؤں چھید ڈالے گا
وہ تار تار میرے چار سو ابھی تک ہے
کوئی نشان مجھے تم سے دور کیسے کرے
کہ اعتبار میرے چار سو ابھی تک ہے"

"کیا مطلب؟ کہاں۔ شی تمہارا مطلب ہے یہ بھی میرا گمان ہے وہم ہے؟"

"بالکل۔" اس کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا۔ شاید کچھ کے موتیا کو غصہ آگیا۔ وہ اتنی سمجھ بیٹھی تھی کہ اس کے کہنے سے گل ہی عصمت بھی گل کے لیے جذبات سے لگاؤ حاصل کر سکا۔ لیکن اب یہ چاہ کے عشق کے خوش گمانوں کی دور کیسی نہ اس کی آنکھوں سے باندھ رکھی تھی۔ "اسے اتنا کمزور نہ تھا۔

"میں بھی کہہ عصمت۔ خدا کا واسطہ ہے اب بس کرو۔ تو یہ میرا گمان ہے یہ شی اور وہم نہ ہی میں ہوا میں اندازے کے تیر چلا رہی ہوں۔ گل نے کل رات صاف انداز میں کہہ دیا ہے۔"

"کیا؟" عصمت کی رنگت ہی بھر میں بدلی۔ موتیا کو لمحہ بھر کے لیے اسے یہ خاک اطلاع دیتے ہوئے افسوس تو ہوا لیکن بلا پتھر کو کے کہہ ڈالا۔

"وہ۔۔۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس نے منگنی ہے اور بہت پہلے انوا ہے۔" یہاں تک کہہ چکنے کے بعد اس نے غور سے عصمت کے تاثرات جانچنا چاہے۔ وہاں اندر ایسی کیا تھا کہ یک بار سناٹا اس کی آنکھوں سے بہہ اٹھا۔ موتیا کو اس سناٹے کی بے اطلاعی سے خوف آنے لگا۔ مزید کہنے لگی۔

"بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ وہ گل کو اقدام پہ ذرا نہ لینے کے لیے اپنا فیصلہ یہاں کہنا چاہتا ہے اور گل نے اسے مثبت جواب دیا ہے۔"

اس کے باوجود اس کے ساکت وجود میں حرکت نہ ہوئی تو موتیا نے سانسوں کو جھنجھوڑ دیا۔

"عصمت۔"

وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔

ایک مرحلہ تو مرہوی کا تھا مگر سب سے اہم اور کڑے مرحلے ابھی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ گل کو تحمل میں لیے جانے والے فیصلے سے آگاہ کرنا۔ جواب میں اس کی اشتعال انگیز اور باغیانہ گفتگو کو برداشت کرنا۔

امی حضور تک نہ جاتے ہوئے بھی گل سر کا صاف انکار پہنچا۔ یہ بھی ممکن تھا گل اپنے سر کے متوقع پر ابا کی اطلاع پہ یوں تک پہنچانے کا فریضہ بھی انہی کے سپرد کر دیتی۔

مراحل جتنے بھی خوشگوار تھے اس سے منتہا تو سرمایا تھا۔

"چائے پیو گی؟" وہ سے گل دوستانہ انداز میں اس نے تمہید باندھنا چاہی کہ چائے کے بہانے بس سے گفتگو کا آغاز کیا جائے لیکن اس سے پہلے گل مرخرو بول اٹھی۔

"چائے کو رہنے دو۔ تم یہاں تمہارے پاس بیٹھو تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"تم سے بھی؟"

"کیا مطلب؟ کیا کسی اور نے بھی کرنی ہے اخیر بات کیا ہو گی یوں کہو تم سے ایک کام کی بات ہے ہمیں۔"

"ہاں۔" اس نے آپ گہری سانس بھری اور تم سے اس کے برابر بستر پہ بیٹھ گئی۔ "امو" انداز ایسا تھا جیسے وہ تعمیری جانتی ہو گل اس سے کیا کہنے والی ہے۔

"تم نے سرے تم سے پھر وہی بات کی۔ وہ اس سمانے کو من التواس نہیں دالنا چاہتے تھے کہ ہمیں نے اپنے بیٹھنے سے ہمارا ذکر کیا ہے۔ وہ روک جلد از جلد ابا حضور سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان سے چند روز کی مزید مہلت لی ہے۔ رکھو ہاں موتیا لیے کیسے ہم انہیں اچانک یہاں آنے دیں۔ ہمارے گھرانے کے ماحول کا تو تمہیں اندازہ ہے اور پھر ابا حضور کا مزاج۔ یوں تو ہماری بھلی کا یہاں آنا یقیناً ان کے لیے باعث افتخار ہی ہو گا ظاہر ہے یہ کیا ایسے میرے للو پنجو کا رشتہ تو نہیں ہو گا لیکن اچھی اور باشعور لوگوں کا اچانک اور بغیر کسی حوالے کے یوں رشتہ طلب کرنا شاید انہیں ناگوار گزرے۔ اس لیے ہم چاہتے تھے پہلے سب کو ذہنی طور پہ تیار کر لیں۔"

"مثال ہے پتہ نہیں کہ ان نام کی چیز کو سب نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہر کوئی اسے اپنی مرضی کے مطابق تیار کرنا چاہتا ہے۔"

"لیکن۔ کون۔ کس کے ذہن کو تیار کرنا چاہتا ہے۔" اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔

"ہم ابا حضور کے ذہن کو۔ اچھا وہ تمہیں ذاتی طور پہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان باتوں کے لیے جو ان کی جانب سے تمہارے لیے اور تمہاری جانب سے ان کے لیے شدید تجسس کا باعث بنی ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ جو کام تم پہ سے ابا کو کرنا چاہتی ہو وہ پہلے ہی وہ امی حضور کے ذریعے تم تک پہنچ چکے ہیں۔ تمہیں اس بات سے مطلع کرنے کا۔ واضح رہے صرف اور صرف "مطلع" کرنے کا۔ آگے پیچھے کے اندر وہ تمہاری شدید اور اور رکھتے ہیں۔"

"تمہاری تو تم کو تمہیں ڈرا دی جاتا ہم سمجھے پتہ نہیں کیا کیا پھوڑا بنا لیا ہے۔ تمہارے سر پہ۔"

"ہمیں پر پھوڑا ہی کہاں ہے گل پاپا کی پوری بات تو سن لو۔ وہ تمہاری شادی عصمت سے کرنا چاہتے ہیں بلکہ کر کیا چاہتے ہیں کر نے والے ہیں۔"

"ہاں؟" ہم اور عصمت۔ حضور نے یہ سوچا بھی کیسے؟" وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"یہ تو تم خود ان سے پوچھ لینا۔" سوتیا نے شانے اچکائے۔

"یہ ایک عصیص نے لے ان کے کل میں محبت جاگی ہے یا ہمارے لیے نفرت جو وہ ہمیں نئے طریقے سے مزا دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ ساری بدحالتیں ہونے کی میں ذمہ دار ہوں۔ میرا جو کام تھا وہ میں نہ کر سکی۔"

"نہیں، تمہارا کام بس اتنا سا نہیں تھا۔ جس طرح تم نے ان کے کہنے پہ ہمیں مطلع کیا ہے، ہماری ہمدردی ہماری جانب سے بھی یہ اطلاع ان تک پہنچا دی کہ ہمارے پاس سر شہزاد ملک کے والدین ان سے ہمارا رشتہ طے کرنے جلد آنے والے ہیں۔" لاڈ چاچا کے بول رہی تھی۔

"تم جانتی ہو گل اس بات سے کتنا بڑا طوفان اٹھے گا۔" اس نے حالت بدلنے کی اپنی سی کوشش کی۔

"نہیں، ہمارے لیے اس گھر سے باہر کوئی رشتہ نہیں آسکتا۔ ایسی کون سی اشرفی ہونے جا رہی ہے۔"

"یہ اشرفی نہیں ہے، ماتی ہوں لیکن اتفاقاً صبح گل کو ایسا اپنا منہ سا ہو گیا ہے۔ اب اس موقع پہ کہ جب ہمیا حضور اپنی جانب سے ہمارا اور عصیص کا معاملہ تقریباً فائنل کیے بیٹھے ہیں، انہیں یہ بتانا کہ ایک اور امیدوار بیٹھا ہے جسے ان کی صاحبزادی کی حوصلہ افزائی بھی حاصل ہے۔ میری ماں تو پہلے عصیص والے معاملے کو نہیں لو اس نے بعد وہ سر آنے دیا تھا۔"

"ہمارے خالہ خیالی انکار کو تو وہ ہرگز اہمیت نہیں دیں گے۔ خاص ہے کہ عصیص کو مسترد کرنے کا کوئی خصوصی جواز بھی ہونا چاہیے۔ ہمارے پاس اور اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے بلکہ اگر ہمارا تو خیال ہے عصیص کا خیال ان کے دل سے نکالنے کا اس سے اچھا طریقہ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ جب اس سے ہزار آنکھ کر دو گنا اچھا رشتہ ہمارے لیے موجود ہو تو ہمارے عصیص کے لیے انکار پہ زیادہ معترض نہیں ہوں گے۔ آخر میں تو وہ ہمارے ہی ابا حضور ہمارا بھلا ہی سوچیں گے۔"

"اوہو، پوری خوش فہمیوں میں اپنے سر کے بارے میں۔" سوتیا کو اس ان دیکھے شخص سے بغیر دیکھے بغیر بے حساب چڑ محسوس ہونی تھی۔ وہ عصیص کے مقابلے میں ہزار آنکھوں اور دو گنا بڑھا تر قرار دے رہی تھی۔

اگر تو سوتیا بھی جانتی تھی کہ گل کا انکار اور سب سے بڑھ کے شہزادے کے بدیوں کے بارے میں ذکر گھر میں بھونچال لے آئے گا لیکن رد عمل اس کی توقع سے کہیں بڑھ کے ثابت ہوا حالانکہ ابھی بات ابا حضور اور گل حضور تک ہی محدود تھی۔ وہ ابھی سے یہ سوچ کے خود ہی کانپ جاتی تھی کہ بات جب ابا حضور تک پہنچے گی اور ظاہر ہے کہ لازماً پہنچے گی تب کیا ہو گا۔ گل ان سب باتوں سے بے خبر نئے خیالوں میں محو محسوس ہو رہی تھی۔

"صاحبزادی گل، ہمرے ایسا سوچنے کی بھی جسارت کیوں کر لی۔" اسی حضور کا جلال بولی تھا۔ سوتیا نے اس سے قبل انہیں اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"زیادہ نہیں جانتیں نواب گھرانے کی روایات کو ہمارے ہاں لڑکیوں کو یہ اختیار نہیں ہوتے جاتے کہ وہ اپنے لیے بر خود تجویز کریں۔"

"گل نے بھی یہ اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں لیا اسی حضور حتمی فیصلے کا اختیار بجا طور پہ آپ کے اور ابا حضور کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں اپنے تو وہ مرتب اور ان کی فیملی باضابطہ طور پہ خوشیانہ طریقے سے یہاں آ رہے ہیں۔ سیدھا ہی بالآخر معاملات طے ہو چکے ہوتے تو ان سب کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"ایک غیر شخص کی اتنی ہمت کیسی ہے بولی کہ وہ ہماری دہلیز تک اس مقصد سے آئے۔" صاحبزادی عصمت نے ہمیں اپنے شیشے غضب کا مظاہرہ کیا۔

"ہمہ صاحبزادی، لیکن کو خاندان سے باہر جانا ہماری مجبوری تھی کہ قدرت کی ستم ظریفی کے باعث ہمارا خاندان ان دو بھائیوں کے کنبے تک ہی محدود رہ گیا تھا اور صاحبزادی کے لیے باہر ہی شادی ہمارا مسئلہ تھا۔ ہمیں بھی بھائی صاحب نے خاندانی حسب نسب کا محفوظ خاطر رکھا اور نواب گھرانے کی فکر کا ہر حیاتہ رکھو نہ ہو لیکن صاحبزادی گل ہمرے

لیے تو حویلی سے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب عصیص میاں کی صورت میں مناسب اور موزوں اور موجود ہے تو روایات کو کیوں بالکل کیا جائے۔"

"لیکن ہمارے حضور آخر تو لیجیے اور بنا جانچ کر لینے میں حرج ہی کیا ہے۔" اس کی مضمحل جمعت پہ صاحبزادی عصمت نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"ہمیں ہمشیرہ کی بے جا حمایت یا وکالت کرنے کی ضرورت نہیں ہے صاحبزادی الماس خاتون۔ دھیان تو خود رکھیے کہ آپ کس سے مخاطب ہیں۔"

"معاف کیجیے گا نانی حضور۔" اسی کے کہنے پہ اس نے فوراً نانی حضور سے معافی نکلی۔

"ہمیں کسی کی بھی وکالت نہیں کرنی۔ کھل ظاہر جیسا ہماری ہے کہ ساتھ اس تک آپ کی بات پہنچائی۔ ویسے ہی طرح تب تک اس کا پیغام پہنچا رہی ہوں۔ لیکن آپ اس کی بے جا حمایت کا شبہ ظاہر رہی ہیں اسی طرح اس نے بھی مجھ پہ جانبداری کا الزام لگایا ہے۔ بیشک میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں آپ دونوں کو شدت پسندانہ رویہ ترک کر کے مصالحت پسندی کی طرف لانا چاہ رہی ہوں۔ اس کو بھی یہی سمجھا تھا کہ بزرگوں کے فیصلے میں کوئی نہ کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔ ایک بار عصیص کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر لے اور آپ سے بھی صرف اتنی سی درخواست کر رہی ہوں کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کو سمجھیں، حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ ضروری نہیں ہر نئی چیز ناپسندیدہ ہی ثابت ہو۔ آپ ایک بار ان لوگوں کو آنے تو دیجیے۔"

سوتیا کا کلمہ کی ادائیگی تھا کی حمایت کر کے آنے والے مہمانوں کے لیے راہ ہموار کرنے کا وہ خود حیران تھی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔

"اور نواب صاحب۔" صاحبزادی حرمت انشاء نے اس کی توجہ اس جانب دلائی۔

"آپ کے ابا حضور کو کیسے بات سمجھائی جائے۔ وہ ہرگز رضامند نہ ہوں گے۔ ابھی تک معاملہ گل ہمرے بدلوت کا تشلیم نہیں کر چکے ہیں ایک مجھ سا کے ہوئے ہیں کہ ان کے آگے جانے بھی لب ہلتے ہیں لیکن ان کی مصلحت سمجھ خاموشی کا مطلب ان کی بے جائی نہیں ہے۔ ہمارا وہ صاحبزادی گل ہمرے کا بے جا قدم کو برداشت نہیں کریں گے۔ وہ تو اپنے تئیں ان کی اور عصیص میاں کی نسبت تقریباً طے کیے بیٹھے ہیں۔"

"بیکار کرتے ہوئے انہیں ایک بار گل کے مزاج کے بارے میں سوچنا ضرور چاہیے تھا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"آخر وہ والد ہیں، ان سے بڑھ کے مزاج شناس اور کون ہو گا لاڈلا و کلا۔"

"وہی دعوی کے ساتھ انہوں نے عصیص کو صاحبزادی کے لیے منتخب کیا تھا کہ صاحبزادی گل ہمرے کی اکمر صاحبزادی کے لیے عصیص میاں کا جیسا مزاج موزوں رہے گا۔"

"ارے کو لیا کہتا ہے ای حضور۔" وہ گھبرائی۔ "شہزادہ ملک کا کیا بتاتا ہے، میں نہیں جانتی ای حضور۔ اس بلیز تک ہمنے کا شرف بھی نہیں ہوا ہے۔ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن ایک بات تو طے ہے گل عصیص کے لیے بھی ایسا نہیں کہے گی اگر شہزادہ ملک ہی شخص درمیان میں نہ آتا تب بھی نہیں۔"

"کیا برائی ہے ہمارے صاحبزادے میں؟" صاحبزادی عصمت اشاء کی بارعب آواز میں ارتعاش تھا۔ سوتیا کو احساس ہوا اسے بات اس انداز میں ایک ماں کے سامنے نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"نہیں نانی حضور، کسی عصیص میں نہیں بات دونوں کے مختلف مزاج کی ہے۔ یوں تو مختلف فطرت و عادات والے لوگوں میں بھی نبھ جاتی یا کرتی ہے لیکن گل کے بارے میں آپ جانتی ہیں وہ ٹھہرنے والی نہیں رکھتی۔ ہمارے لیے کام کے لیے کوشش کی ہی کیوں جائے جس کے نبھ جانے کی ذرا برابر امید نہ ہو۔"

"دیکھا کچھ نہیں جانتی ہیں ان کی یہ بے جا ضد اختیار کر لینا مناسب ہو گا۔ پہلے ہی ہم سب نے ان کی ہر بات ان کے انہیں بہت سر چڑھا لیا ہے۔" نانی کا لہجہ سخت پہ تیار تھی۔

"ابا حضور درست کہہ رہی ہیں۔ نواب صاحب سے صاحبزادی گل کے اس اعتراض کا ذکر تک کرنے کی

ضرورت نہیں اور عاجزانہ کل سے کہہ دیجئے کہ اس خاتون کو اپنے اطوار سدھار لیں ہم مزید ان کی من مانی نہیں چلنے دیں گے۔ عصمت! ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے اور ان کے لیے موزوں ترین انتخاب بھی کسی کو رخیل ہی ان اور بی بی نوازل سے جھگڑنے میں کسی ان کے حق میں بہتر ہوگا۔"

☆ ☆ ☆

باہر ہوا یوں "خلل کو دو ہی دن بعد ایک بار پھر اپنے دروازے پر دیکھ کے اللہ رسایا چونک گیا۔

"خیر تو ہے مخل صاحب!"

"جی حضرت ہم یوں سے گزر رہے تھے کہ خیال آیا "اماجی کی ان روز کی چائے ہم پر ادھار تھی۔ ہم ادھار رکھنے کے قائل نہیں سو چلے آئے کہ یہ قرض بھی اتار دیں۔" اس کی بے تکلف نظریں اندر ہی دروازے پہ بھٹک رہی تھیں۔

"اور چیز آرام کر رہی ہے۔ میں نے کل سے اسے باہر نہیں نکلنے دیا۔ گھر سے تو اور کی بات کمرے تک سے نہیں۔" وہ گیٹ پر ڈھلانی سے جھانکتا ایک بار بھی نکلتا "اسے اندر آنے کو کہا۔ اس کا رویہ باہر کی نازک مزاجی پر گراں گزرا۔ لیکن اپنی خاطر وہ بھی مقابلے پہ ہتھیلی کا مطلب ہو گزرتا۔ بیٹھ ذرا باہر۔"

"بہت اچھا! چوہدری صاحب! انہیں تمہاری داخلی سخت ضرورت ہے۔"

"جان سے اپنی؟" اچانک رہنما نمودار ہوئی باہر کو دیکھ کے اس کے چہرے پہ یک بلک خوشی اور حیرت کے ملے جلے رنگ جھلک آئے۔

"ارے مخل صاحب آپ!"

"دیکھئے کیسے مزاج ہیں اماجی؟" وہ بھی کھل سا گیا۔

"بس کرم نوازی ہے اللہ کی اور آپ جیسے خیر خواہوں کی دعائیں ہیں آپ بیٹھیں اندر تشریف لائیے ناں۔"

اللہ رسایا جز بز ہوتا باہر کو اندر جانے کو کہا۔ مزید غصہ تب آیا جب جانے سے بازار سے چائے کے ساتھ بیٹھ کرنے والا سامان لانے کے لیے پیسے پکڑائے۔

"یہ کیا غضب کر رہی ہے اماں! کس لیے سودے کو کہا کرتی ہے یہ تو ان بنیں سے ہے جنہیں انگلی پکڑاؤ تو پہنچا پکڑتے ہیں اس کے آمد نہ ہوئی جا کے رکھنے کی اور نہیں روز تیا کرے گا۔"

"تیری باتیں کر رہے ہیں اماجی۔ باہر صاحب کوئی گرے بڑے انسان نہیں۔ خاندانی آدمی ہیں اور اگر روز بھی تمہارے ہاں آتے ہیں تو کوئی معقول آدمی بغیر کسی مطلب کے ہم سے ملنا گوارا ہی کب کرتا ہے۔"

لیکن چوہدری صاحب جب دیکھتے ہی دیکھتے سے شاپنگ بیگ بھر کے لوٹا تو اندر کمرے کے دروازے سے ان کن لیے کے بھرپور کی آمد سے اپنا ماکوا رہی میں خود کو کی کرتا پڑی۔ سوا سے سمجھا تھا۔

"دیکھئے اماجی! آپ میں ان سے محبت ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے حلیے سے دیانت داری کا جذبہ پایا جاتا ہے ورنہ اس شعبے میں قدم رکھنے کے بعد تقریباً سبھی دیکھا انہیں لوگ کو پیش پشت ذلیل کے صرف اور صرف پیسے کے حصول کے لیے اور سب پیو کر گزرتی ہیں۔ بس اس فن بیچارے کو ہی استعمال نہیں کرتیں۔ آپ خوش نصیب ہیں جو آپ کو اپنی صلاحیتیں اتنا نے اور پھر انہیں دنیا پہ ثابت کرنے کا اتنا اچھا اور صاف ستھرا موقع مل رہا ہے میرا پر خلوص مشورہ ہے کہ آپ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیجئے۔"

"لیکن باہر صاحب! بندا ایسے خیر خواہ بھی ہیں جو ملک متعلق کے بارے میں کچھ ایسے اندیشوں کا اظہار کر رہے ہیں جن کی وجہ سے میرا دل کہیں ان رہا ہے کچھ کھٹک سی پیدا ہو گئی ہے۔"

"وسوسے ہمیشہ کھٹکے ہی پیدا کیا کرتے ہیں اماجی اور جو لوگ دل میں وسوسے پیدا کریں وہ کبھی خیر خواہ تو ہرگز نہیں کہہ سکتا۔"

باہر کی بات پہ دروازے کے نزدیک کھڑے اللہ رسایا نے زور زور سے تائید میں انداز میں سر ہلایا۔

"ہم ملک صاحب کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں ان کی پاک دامنی کا دعویٰ ہرگز نہیں کریں گے البتہ یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ کاروباری اعتبار سے ملک متعلق اصولوں کے پکے شخص ہیں۔ جو کچھ عصمت نے کہا ہے اس سے اتنا تو ہمارے پیچھے ہیں لیکن اتنے سالوں سے یہ کام کر رہے ہیں ہر شخص کی فطرت اور اصلیت کے مطابق اس سے کام لیتے ہیں چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔ آپ اطمینان رکھیے انہوں نے کبھی کسی کو غلط کام کے لیے مجبور کرنا تو درکنار، کنارا بھی ملک نہیں کیا آپ کے وقار اور رکھ رکھاؤ کا اگر ہی عقیدت سے ذکر کرتے ہیں کہ اپنی خواتین کی اس شعبے میں موجودگی اب خلل خلل ہی رہا گئی ہے۔"

"یقین کریں میں یہ بات صدق دل سے کہتی ہوں تو کوئی خیر سے والی بات نہیں۔"

"ہرگز نہیں کسی نیک بندی کا میاں آپ کا مقدر ہوگا اماجی۔ آپ ہماری یہ بات لکھ کے رکھ لیجئے اور یہ بات بھی کہ سے باہر جیتے کہ ہماری میں لیے پیدا کرا رہے گئے ایسے مشورے آپ کو آگے بڑھنے سے روکیں اور پیچھے کی جانب ملتے۔ اسے اپنی حسد کے نظارے اور کچھ نہیں۔ ایسی باتوں پہ کان دھرنا چھوڑیے اور اپنی ترقی پہ توجہ دیجئے۔"

"چلیں آپ کہتے ہیں تو میں جلد ہی ملک متعلق کو حتمی طور پہ ہاں کہہ دوں گی۔ نگاہ نہ بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا اور اپنی ذات شروع سے ان سے چاہتے ہیں کہ میں ہاں دے دیتے جا رہی تھی لیکن آپ کی بات درست ہے اماجی جن کو میں خیر خواہ سمجھ بیٹھی تھی وہ در حقیقت سے تھے۔ آپ سے بات کر کے سارے شکوے دور ہو گئے دل ہلکا ہلکا سا ہو گئے ہیں۔"

وہ طمانیت سے مسکرائی تو باہر کے اندر بھی اطمینان کھل کے اپنا آپ پسارنے لگا۔ وہ پہلے ہی جانتا تھا یہ کام ایسا مشکل نہیں صرف ملک سے زیادہ سے زیادہ رقم دینے کی خاطر وہ اسے بڑھا چڑھا کے دشوار بیان کر رہا تھا۔ اب رہا کو اتنی آسانی سے رضامند ہوتے دیکھ کے یہ خوشی اپنے آپ سے چھپا نہیں رہی تھی۔

دوسری جانب اللہ رسایا ان کی گفتگو سنتے کے بعد اب خوشی خوشی واپس جانے لگا۔ اسے بھی باہر کا یہ کام اچھا اور اپنا اپنا سا لگنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"اماں!"

آمنہ سے لوٹتے ہی گل بھرے کو جلایا حالانکہ گھر کے ماحول میں پھیلے سناٹا اور ای حضور کے بدلے تیور اسے بہت کچھ باور کرا رہے تھے لیکن وہ تفصیل جاننا چاہتی تھی۔

"ابھی تو میں نے پہلے ہی کہہ رہا تھا یعنی کچھ نہیں۔" سوچ نے مختصراً گھر کے جان چھڑانا چاہی لیکن گل نے اسے اپنا سے کھینچ کے دوبارہ بٹھا لیا۔

"ایسا مطلب کچھ نہیں؟ ہم نے کہا تو تھا کہ ان سے سب صاف صاف کہہ دو۔" وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"تھی صفائی سے بات کر سکتی تھی اگر کوئی سیدھی سے تو وہ تم پوری کر لو۔ میں صفت میں بہت ذلیل ہو چکی ایک تم ہو جو بلا وجہ کی دھونس جما کے اپنا مطلب نکال رہی ہو۔ دوسری طرف تمہارا موقف ہوں کے سامنے دہرانے سے ساری بڑائی غربت اور لعل ملتی بھی میرے حصے میں ہی آتی ہو کہ سراسر تمہارا حق رہا تھا۔"

"ہاں چکا دیں گے تمہارا احسان زیادہ شانے کی ضرورت نہیں۔ ایسا نہیں کہ ہم خود یہ بات کر ہی نہیں سکتے تھے ہم میں ہمت کی کمی ہے نہ دال گل کی جائز اور درست عمل میں جھجک۔ کیسی تمہارے توسط سے یہ بات پہنچانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہوں کو ایک اور اعتراض کا موقع نہ ملے کہ ہم خود اپنی شادی کی بات ان سے کر رہے ہیں حالانکہ ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ضرورت پڑی تو خود ان کے سامنے جا بیٹھیں گے۔"

"اور اگر ضرورت نہ پڑے تو۔" دروازے پہ ہلکی سی دستک کی آواز اور عصمت کا تھوڑا سا منہ خالی ہوا۔

"کل ہونے والا ہے بغیر اجازت تمہارے اس بے حد ذاتی معاملے میں دخل اندازی کی معذرت لیکن جب بات کھل جائے تو دوا تنی ذاتی نہیں رہتی۔"

وہ اس کی خاموشی کے باوجود سامنے بیٹھ گیا اور ایک ٹک اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ تحیر اور الجھن سی محسوس کرنے لگی۔

"ایسے کیا گھور رہے ہو تم؟"

"کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔"

اُف بھی کرتا ہے محبت وہ برا کرتا ہے
اُف بندے کتنوں کو فنا کرتا ہے

وہ بدستور اس کے چہرے پہ نظر جمائے شعر پڑھ رہا تھا اس وقت چونک اٹھا جب جواب میں پہلی بار موتیا کی بجائے گل نے شعر پڑھا۔

مسئلہ میرا ہے دنیا کو پریشانی کیوں
جو ہوا ہے وہ محبت میں ہوا کرتا ہے

گل کے منہ سے اپنا کہا کتنے پہ دوہرا جیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ یہ حیرت اس کے کھل کے اپنی محبت تسلیم کر لینے پر زیادہ تھی اور اس شاعری سے اس رنگ لڑکی کے کسی الہام سے شعر سنانے پہ کم۔

یوں برافروختہ ہونے کی ضرورت نہیں
جس کو تکلیف پہنچتی ہے وہ گلہ کرتا ہے

موتیا نے اس کا اعتراض اسی کے انداز میں اسے لوٹایا۔

"میں کوئی شوق نہیں کسی کو تکلیف دینے کا۔ ہاں اگر کسی کو خود ہی تکلیف سہہ لینے کا شوق ہو تو ہم الزام کیوں۔" وہ خفگی ہوئی کہہ کے ہی نکل گئی۔

نہ شکایت نہ تکلف نہ ادا نہ روٹھنا
اتنا بے جذبہ کسے کون جدا کرتا ہے

عمیص نے سر آہ بھر کے کہا۔

"جدا ہوتے ہیں عمیص جو کبھی ساتھ رہے ہوں۔" موتیا نے کچھ بڑبڑاتا چلا۔

"اور کچھ لوگ ساتھ نہ بھی رہتے چاہیں تب بھی ساتھ ہوتے ہیں۔" وہ گل کے پیچھے آنگن تک چلا آیا۔ موتیا کی باڑ کے پاس تیجی سے بیزاری نے بیتاب ہو رہی تھی۔

"تم کو لگاتار بہت جلد ہو جاتی ہو گل محبت کرنے والوں کے لیے یہ اچھی عادت نہیں۔" وہ بھی اسی نرم لہجے میں گل کو سمجھانے بیٹھ گیا۔

"اگر واقعی تم محبت کرنے والوں کے قبیلے میں شامل ہو چکی ہو تو سنو۔" اس نے اضافہ کیا تو گل کے ماتھے پر اس کی طرف سے کچھ کچھ سوچنے کے بعد اس نے پھر جھکتے سے ایک ہلکی سی تیوری۔

"پتہ نہیں۔ بس ہم چاہتے ہیں۔"

"کیا؟ ہاں چاہنا۔" عمیص نے اس کے ہاتھ کو غیر محسوس انداز میں تھامتے ہوئے اسے اس بے دردانہ تیوری سے روکا۔

"ہاں چاہنا۔ اتنی چاہت بھی تو محبت کی ہی پہلی سیڑھی ہے۔ ٹھیک ہے نہ تم جاؤ۔ تم ہمارے ساتھ ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

"تم کا مطلب ہے ہم محبت وغیرہ کے جذبے پہ ابھی بھی اتنا یقین نہیں رکھتے لیکن اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی اگر کوئی بگاڑ سکتی ہے تو وہ صرف ہماری مرضی کے مطابق ہونا چاہیے اور اس نے موتیا ہمارا ہم سفر اگر کوئی شخص بنتا ہے تو اس کا انتخاب بھی ہماری پسند سے ہونا چاہیے۔ ہمیں ابھی شادی کی کوئی جلدی ہے نہ ہمیں کسی سے عشق پیدا ہوا ہے۔ سر نے ہمیں پرپوز کیا تو ہمیں لگا اگر شادی کرنا ہی ہے تو اس سے بہتر ہمیں اور کوئی

نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر لحاظ سے ہمارے آئیڈیل کے قریب ترین ہیں۔ سو یس ہنی ہی ہیز آئیڈیل لائف اور۔۔۔"

"آئیڈیل۔۔۔ آئیڈیل۔" عمیص نے قہقہہ لگایا۔

"تم اسے خواہ کسی بھی نام دو۔ تمہارا اس خواہش پہ ڈٹ جانا اور کسی بھی مخالفت کا سامنا کرنے کا حوصلہ رکھنا یہ سب کچھ اور ظاہر کر رہا ہے گل۔"

"چلو تم اس طرح خوش ہوتے ہو تو یونہی سہی۔" اس نے چہرہ سری جانب پھیرتے ہوئے بے نیازی ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن عمیص کی نظروں سے اس کا گلنار ہوتا روپ چھپ نہ سکا۔ وہ کرب سے مسکرایا۔ اس کی شہزادت محبت کا یہ ٹھکا چھپا مگر فخری اظہار اس کی اعلیٰ ظرفی اور وسیع القلبی کے سارے تلے دھا گیا۔ اسے اس انجانے شخص سے بے پناہ حسد محسوس ہوا جس کے پلو کے سارے وشی رنگ پل بھر میں گل کے چہرے پہ ہار پھیلا گئے تھے۔

"تم بتاؤ تم کس طرح خوش ہو سکتی ہو؟"

دل کے اس سرد کو دل میں ہی چھپاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا اور جواب میں ایک مرگ شیاں کرتی خاموشی سے خود ہی اس کے دل کی بات بھانپ لی۔

"چلو ٹھیک ہے تم اس طرح خوش ہو تو یونہی سہی۔" وہی فقرہ دہرا کر گل نے کہا تھا۔

وہی چہرہ پھیر کے اپنے تاثرات چھپانے کا انداز تھا مگر گل کا تھا۔ چہرے پہ وہی سرخی پھیلی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گل کے چہرے کا گلال تاب اور ارمان محبت کے اقرار کا تھا جبکہ عمیص کے چہرے سے چھلکتی سرخی طنز کی تھی۔

ایک فرق یہ بھی تھا کہ عمیص نے اس رنگ سے گل کے دل کی بات بھانپ لی تھی جبکہ گل دیکھ کے بھی انجان بن رہی تھی۔

"کیا کر سکتے ہو تم ہمارے لیے؟" وہ ایک نیا امتحان لینے کو تیار تھی۔

"وہ سب۔۔۔ جو تمہارے لیے ہو سکتا ہے۔"

کاش گل جان پاتی ان الفاظ میں کیا کچھ پوشیدہ تھا۔

"کیا۔۔۔" پوچھتے ہوئے کچھ جھجک سی گئی۔

"کیا۔۔۔ شہزادہ ملک ہمارے لیے ہو سکتے ہیں؟"

"میں پوری کوشش کروں گا گل کہ چچا حضور کو رضامند کر لوں۔" اس نے مرجھائی آنکھوں میں جلتی امید کی شمع کو تھامنے کے لیے وعدہ کر لیا اور نہ یہ بیڑا اٹھانا اتنا آسان بھی نہ تھا۔ ویسے بھی کچھ عرصے سے اس کے اور صاحبزادہ نصیر علی خان کے درمیان نامعلوم سی کشیدگی حائل تھی۔ شہزادے کو بھی غم نہ کر پایا تھا۔ ایسے میں گل کا یہ مقدمہ لڑنا اس کشیدگی کو اور ہوا دے دیتا۔ لیکن سب جانتے ہوئے بھی یہ منہ زور جذبہ تھا جو اس سے ایسے وعدے کروا رہا تھا۔

موتیا نے دالان کے ستون کے سہارے کھڑے کھڑے یہ سارا منظر دیکھا اور عمیص کے حوصلے کی داد دی۔ جس بات سے وہ تاثر دے رہی تھی وہ غیر کوئی طوفان لائے ہو گی اسے اندیشہ تھا جلنے عمیص کا رد عمل کتنا شدید ہو اس کے لیے یہ تھی تباہ کاریوں میں نجانے کتنا عرصہ لگے اسے سنبھلنے میں۔ لیکن ہوا کیا۔ وہ تو وہ سنبھلا ہی ساتھ میں گل کو سنبھالنے کا فرض بھی ادا کیا۔

"کیا کر سکتے ہو تم میرے لیے؟" عمیص کے دل نے بے اختیار ہو کے عمیص کے تصور سے سوال کیا۔

"وہ سب کچھ جو تمہارے لیے ہو سکتا ہے۔" تصور نے وہی جواب دیا جو وہ سننا چاہتی تھی۔

"کیا تم میرے۔۔۔ ہو سکتے ہو؟"

"جاگ جاؤ موتیا۔" اپنے بالکل نزدیک اس کی آواز سن کے وہ اپنے تصور سے چونک گئی۔ وہ اس کی کھوئی کھوئی

آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

اس نے اپنی طرف سرجھکا لیے ہوئے پلکیں جھپکا کر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ نکلنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود عمیص کا چہرہ دھندلا سا ہو کر نظر آ رہا تھا۔ احساس ہوا کہ یہ دھند اس کی آنکھوں کے آگے نہیں بلکہ عمیص کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

"مجھے طوفان تو نہیں کہہ سکتے۔ کچھ بنائے بغیر اندر ہی اندر جلا کاٹ رہی ہو۔ بچا نکل گیا۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"یہ تو بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیوں ایسا کر رہے ہو؟ انسان بننے رہنا اچھا نہیں لگ رہا کیا؟ خود انسانیت کے مرتبے سے اٹھ کر فرشتہ بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"محبت انسان ہی کرتے ہیں سوتیا اور میں محبت چاہتا ہوں۔ محبت صرف یہ تو نہیں کہ جسے چاہا جائے بس اس کی طلب کی جائے اس کے حصول کے لیے تنگ دو کیا جائے لیا جاتے ہوئے بھی کہ اسے ہارنے بنائے کسی اور کی طلب ہے۔ محبت تو یہ ہے سوتیا اپنی طلب بھلا کے اس کی طلب پوری کی جائے خود نامراد رہے بھی اس کی مراد پوری کی جائے۔

موتا سی عمر کے جاتے سارے رب بجا دے
لیکن اس کی آنکھوں کے سب خواب سلامت رکھنا

اسے تجھے قدموں کے ساتھ اندر چلتے دیکھ کے سوتیا کے اندر بھی دھیرے دھیرے تھکن اتر آئی۔

"خواب تو ان آنکھوں میں بھی بہت سے ہیں عمیص لیکن تم نے ان میں رنگ بھرنے کا سوچا تو ایک طرف کبھی دیکھنے کی زحمت کرنا بھی گوارا نہ کیا۔"

☆ ☆ ☆

"یہ ناممکن ہے ابھی حضور۔"

عمیص کی زبان سے صاف انکار سن کے صاحبزادی عظمت النساء رنگ رہ گئیں۔ اتنی جرأت انہیں گل کے انکار سے نہ ہوئی تھی۔

"مگر کیوں؟ پوچھ سکتے ہیں کیوں؟"

"وجہ آپ جانتی ہیں۔"

"ہم آپ کی زبان سے سننا چاہتے ہیں۔"

"سوتیا نے آپ تک گل کی صورت پہنچا دیا ہو گا۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔"

"وہ کم عمر اور جذباتی ہیں۔ اگر ہم ان کی بچگانہ باتوں کو اہمیت دینے لگیں گے تو اس گھرانے کی روایات و اقدار کا کیا ہو گا؟"

"گھرانے میں بسنے والے ہیں گل کی ذہنی افراتفری کے بارے میں بھی سوچ لینا چاہیے ابھی حضور کہ بات گل کے چھوٹی ہونے کی نہیں اس سے اختلاف رکھتا ہوں۔ وہ صدی ضرور ہے مگر کم عقل اور جذباتی نہیں اگر وہ کسی فیصلے پر پہنچ جاتی ہے تو وہ فیصلہ اس نے خوب سوچ سمجھ کے کیا ہوتا ہے۔"

"ہمیں بالکل یہ امید نہ تھی صاحبزادے عمیص کہ آپ اس بار بھی گل کے عاقبت نااندیش فیصلے کی حمایت کریں گے۔ پھر اس میں میرا سر آپ کی بیک کا پہلو نکلتا ہے۔"

"اس نے اگر صرف مجھے رد کیا ہوتا تو شاید میں بھی اپنی انا کی خاطر کوئی پہلو بدل ہی لیتا لیکن ابھی حضور اس نے صرف اپنی پسند کو فوقیت دی ہے۔ وہ میری بجائے کسی اور سے۔ میرا مطلب ہے۔"

"ہمیں کوئی مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی ہمارے اندر اتنی ہمت پیدا نہیں ہوئی کہ ہم اپنی بہو بیٹیوں کے بارے میں ایسے اشارات بے حیائی سے سن سکیں۔"

"کسی کو پسند کرنے میں کوئی بے حیائی نہیں ہے اگر وہ میرے بارے میں بھی اس کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کرتے تب آپ کو تعلقات کے بگڑنے کا خدشہ تھا لیکن اگر اس نے آپ سب کی توقعات کے برعکس کسی اور کے بارے میں اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے تو آپ کو ناگوار گزر رہا ہے۔ چلیں اچانک دیکھنے کی وجہ سے بات آپ کو بری بھی لگی ہے تو آپ ذرا تھنڈے دماغ سے غور کیجیے۔ بات اتنی نہ تھی کہ اس طرح ہنگامہ کیا جاتا۔ ٹھہرا کسی بھی طرح سے مناسب نہیں لگی آپ۔ کچھ ارادہ باشعور لڑکی نے اپنی خاندانی اقدار نہیں بھلائیں اور شعوری طور پر کسی شخص سے بھی اگر غلط طریقے سے نقب لگانا چاہی ہوتی تو وہ بھی اس کی دسترس اور اپنی خاندانی اقدار کی پاسداری کرتی۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس نے گل عمر سے محبت جائز اور شریفانہ طریقے سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور گل نے اسے ٹھکرا کر رکھ دیا۔ اور ایسا بھی صرف اس لیے کیا کہ وہ خود شعور کے کوچہ کے بارے میں مشکوک اور بے اعتماد ہو گئی ورنہ وہ ہے صاف جواب دے دیتی۔"

"اگر معاملہ اتنا ہی بے ضرر ہے تو صاحبزادی گل سوتیا کے انکار کو مسئلہ کیوں بنا رہی ہیں۔ اگر وہ اس شخص کے بارے میں صرف اتنے ہی جذبات رکھتی ہیں تو کس بنا پر اپنے بزرگوں کے منہ کو آ رہی ہیں۔ ہمیں عمیص میاں انہیں سمجھانے کی کوشش مت کیجیے بات نہ تھی سیدھی سادی نہیں تھا کہ آپ خلاف ہیں اور ذرا سا کیا ہے تو پھر ٹھیک ہے اس شخص سے اپنی خواہش بیان کی صاحبزادی گل عمر نے اسے وہاں سے آنے کی معلوم ہوئی تھی معاملہ ہماری سوا بدیہ پھر تو آپ اب اندازی رائے کا احترام کریں۔"

"اس نے یہ معاملہ آپ کے سپرد ضرور کیا لیکن اس اعتماد کے ساتھ کہ آپ مکمل غیر جانب داری برتتے ہوئے وہ فیصلہ کریں گی جو اس کے لیے مفید ہو گا لیکن آپ نے اس شخص سے طریقہ اس کو جانچ پرکھ بنا کی استوار کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے اس عمل سے صرف نہیں ہے بلکہ کرنا مطلب ہے کہ اس کی پسند ناپسند کی مرضی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات سے اسے غصہ نہیں آئے گا تو اور کیا ہو گا کم از کم یہ تو دیکھیں کہ وہ جو کیا ہے اگر کوئی معقول جواز ہو انکار کا تجھے اسے بے عقل سمجھ جائے گی۔"

"عمیص میاں آپ بلاوجہ بات کو الجھا رہے ہیں۔ اگر نواب صاحب تک یہ معاملہ پہنچا بہت برا ہو گا ان کے لیے بھی آپ سب کے لیے بھی اور اپنی کمر کے لیے بھی۔ اتنے طوفان کے بعد بھی اگر انکار ہی ہونا ہے تو کیوں نہ بات کو اس موڑ تک جانے سے پہلے ہی ختم کروا دیا جائے۔"

خاموشی سے اس بیٹے کی بہت وطول پکڑ لیتی صاحبزادی حرمت النساء کہہ اٹھیں۔

"آپ سب یہ طے کیے بیٹھے ہیں کہ ہمیں حضور انکار ہی کریں گے۔ میں بھی جانتا ہوں ان کا فوری رد عمل کچھ ایسا ہی ہو گا لیکن ضروری نہیں اس انکار پہ قائم بھی رہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے یہ رشتہ ان کے معیار کے عین مطابق ہو۔ رات کچھ تو فوقیت دے دالیں ایسے بھی میرا انتخاب ان کی کمزوری ہے۔ نہ ان کی میرے بارے میں رائے سے آپ سب بھول واقف ہیں۔"

"اگر آپ اس معاملے کو منفی نوعیت تک پہنچانے کا عزم کیے بیٹھے ہیں۔"

"اگر آپ ایسا سمجھتی ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ سوچنے میں تو پوری نیک نیتی سے آپ ہی کی بھلائی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ عمر بھر کے رشتے اگر خلوص رضامندی اور دلی خوشی کے ساتھ باندھے جائیں تو ان میں برکت پیدا ہوتی ہے ورنہ زندگی کے بندھن ۔۔۔ بوجھ ہوتے ہیں کسی نہ کسی طرح ختم۔"

اس کی ادھوری بات نے صاحبزادی حرمت النساء کی آنکھوں کے سامنے پل بھر میں ان کی ادھوری ازدواجی زندگی کے ڈھیر سارے ادھورے منظر لا کے رکھ دیے۔

انہوں نے صاحبزادہ عمیص علی خان کے ساتھ پچھلے پچیس سالوں میں بے شک کوئی ایسا ازدواجی دکھ نہیں اٹھایا۔ لیکن یہ بات تو یہ تھی کہ ایسا سکھ بھی نہ دیکھا جس سے انہیں یہ احساس ہوتا کہ وہ ان کی من چاہی شریک حیات ہیں۔ اتنے سالوں کی رفاقت کے بعد بھی کھا نواب صاحب انہیں اس قابل سمجھ لیتے کہ اپنے دل کی بات کہہ سن لیتے۔ لیکن یہ بھی محبت نہیں بلکہ رفاقت کا انداز تھا کہ اتنے سالوں کے بعد تو بے جان چیزوں سے

بھی لگا ہو جاتا اطری امر تھا۔ ابتدائی سالوں میں تو اکثر ضروری معلومات میں بھی انہیں مخاطب تک کرنا مناسب نہیں جانتے تھے۔ وہ ہمیشہ سے جانتی تھیں کہ ان کی زندگی میں زبردستی شامل کی گئی ہیں ورنہ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ آخر ساجد پور آئیڈیا کس کا آشنا کا تھا۔ ایک الجھن سے نکل کر وہ دوسری الجھن میں گرفتار ہو گئیں۔

⊙ ⊙ ⊙

تمہاری جلد بازی نے بگاڑا کام کو ورنہ
ذرا ہو تم ٹھہر جاتے محبت میں ـــ مگر کیسے؟
ایسے احساس تو ہوتا اگر تم شرط الفت میں
کوئی ایک عذر بھی لاتے محبت میں... مگر کیسے
نہ تم کو لگاتے تمہاری بے وفائی کا
تمہیں ہم ایسے بکراتے محبت میں ـــ مگر کیسے

"مگر کیسے؟" یہی تو ساری عمر کاٹ رہا ہے کہ "مگر کیسے؟" اس کی خود کلامی جاری تھی کہ ہوتا نہ عقب سے آنے اس کی چوری پکڑتے ہوئے قہقہہ دیا۔ اس کے سامنے کل ہی خود کو بے حد نارمل ثابت کر آلو رکھ دیے تھے کل کا مقدمہ سر پہ تھا۔ عصیص سے تو آتا عصیص اس وقت ڈیٹا نہ تھا اسی کے تصور سے گلہ کر رہا تھا۔ ذرا دم ٹھہر جاتے محبت میں مگر کیسے؟

"اتنی محبت ہو عصیص تو ہار بھی اتنا ہی اٹھانا چاہیے۔ جب تم میں اتنا حوصلہ نہیں تو اس کام کا بیڑہ کیوں لیا تھا کیسے کرتے ہوئے تم نے وعدے کیا ہو۔ کیا میں نہیں جانتی کہ یہ کرنا تمہارے لیے کتنا دشوار ہو رہا ہوگا۔"

"دشواریاں اور کٹھنائیاں تو محبت کرنے والوں کا مقدر ہی ہوتا۔"

"سب کو نہیں ورنہ کل بھی اپنے جیسی کٹھنائیاں خود سے ہی ہوتی تمہارے شانوں پہ نہ ڈالتی۔ اپنی محبت کے دکھ کیا کم تھے تمہارے سپاس جو اس کے حصے کے بھی اپنے دامن میں بھر لیے ہیں۔"

یہ الزام اس کی ذات پہ دھرتے ہوئے وہ یہ بھول گئی کہ خود اتنے عرصے سے کیا کر رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں سوتیا تمہیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں گل کے موقف کی حمایت کر رہا ہوں۔"

"بات یہ نہیں عصیص۔ انا میں بھی مانتی ہوں کہ اسے اس اہم فیصلے کے بارے میں اپنی پسند بتانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ بھی کہ ہمارے بیچ کو انکار کرتے ہوئے پہلے ایک بار سوچنا ہی اس کی پسند پہ غور ضرور کرنا چاہیے۔ تمہاری بات بھی درست کہ اگر اس کے دل میں تمہارے لیے گنجائش نہیں تو زبردستی کے رشتے میں بندھنا حماقت ہے۔ بلکہ یہ حقیقت تو میں عرصے سے تمہیں سمجھانا چاہتی تھی تمہاری جانب سے کس امید پہ خود پہ آپ درست تھا۔ اعتراض مجھے صرف یہ ہے کہ تمہیں اپنی سنجیدگی سے اس معاملے میں انوالو نہیں ہونا چاہیے۔ پہلے ہی ابا حضور اور تمہارے ستارے نہیں ملتے اس پہ تم ایک بیانات کھڑا کرنا چاہتے ہو۔ اسے اپنا مقدمہ خود لڑنے دو۔ ضرورت پڑنے پہ اس کی حمایت ضرور کی جا سکتی ہے لیکن اسے ایک طرف رکھا کے تم خود یہ مقدمہ ابا حضور کے سامنے پیش کرنے کی ضد کرتے ہو۔ اپنا بات کرنا چاہتے ہو۔ اپنی اعلیٰ ظرفی بلند ہمتی یا صبر۔"

"یا پھر؟" اس نے دریافت کیا۔

"یا پھر تم گل پہ یہ ثابت کرنے کی ایک آخری کوشش کرنا چاہتے ہو کہ تم سے بڑھ کے اس دنیا میں اس کا کوئی اور چاہنے والا نہیں۔ تو محض اس کی خوشی کی خاطر نہ صرف اپنی خواہش کا گلا گھونٹ سکتا ہے بلکہ خود پہ جبر کرتا ہوا کسی اور کو سوچنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے۔"

اس کے تلخ لہجے پہ عصیص نے مسکراہٹ کے سوا اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ لیکن موتیا اس مسکراہٹ کو اس کا جواب سمجھی۔

ہم کو ان سے ہے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اس نے آنسوؤں سے سہلاتے ہوئے اس کی حالت پہ تبصرہ کیا۔

جو وہ جفا ہیں تو ہم وفا ہیں
ہر ابتدا کی ہم انتہا ہیں

عصیص نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے سر کی پشت پہ رکھ لیں اور ہم دراز ہو کے آنکھیں موند لیں۔

تمہیں بہت نہیں سے کہ ٹوٹ جائے
تمہیں نہ چھیڑو کہ ہم انا ہیں

⊙ ⊙ ⊙

"یار کوئی اسپیڈ بریکر، کوئی رکاوٹ کھا جاؤ سر سے دس ہزار ڈھونڈ لے جاتا ہے۔ ادھر ہاسپٹل کرنے والے ویٹ مانگ رہے ہیں۔ کب تک انتظار کروں۔ ٹھاکر جمیل تیسری بار ہزار روپے ہوئے سخت تکلیف محسوس کر رہا تھا۔

"رولٹ ٹوٹک صاحب جلدی آپ کے سامنے ہوگا اور آپ کے حسب منشا بھی ہمیں لوٹنے کے وہ سارے حقوق و شہادت اور کر دیے ہیں جس کی وجہ سے وہ آپ کا ایگریمنٹ سائن کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ یوں سمجھیے کہ وہ اس تیار ہی ہیں۔ تم تیار ہیں؟"

اس نے تسلی دیتے دیتے پھر ایک مخمل کے بل میں نجانے کیا آیا کہ اس سے ذرا تو قف کے ساتھ "تم تیار ہو" کا اضافہ کیا۔

"یہ تفریحا" کیا مطلب ہے؟" وہ جھنجھلا بیٹھی۔

"ہر جان لگ کا معاملہ ہے ودرا لاڈی ہیں اور نا تجربہ کار بھی۔ دوسری بات یہ کہ ذرا مختلف پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ نجانے کیا کیا خدشے لاحق ہیں۔ آپ کے متعلق تو ہم نے انہیں بے فکر کر دیا ہے لیکن وہاں کے ماحول اور ترقی یافتہ خواتین سے خوفزدہ ہیں کہ کوئی آشنا اور قابل بھروسہ شخص ساتھ ہو تو وہ چلنے کو تیار نہیں۔"

"ہو سکتا ہے اپنی ہی بات ہو۔ آپ ہمدرد شخص ہیں آپ کے اندازے بھلا غلط کب ثابت ہو سکتے ہیں۔" پہلے جاپانی کے ذریعے دماغ ٹھنڈا کیا گیا۔

"لیکن بھتنا ہم جان پائے ہیں ادا کی کہ ہمیں تو ایسے کسی جانے کے آثار نظر نہیں آتے۔ ذرا خیال ہے، اپنے ساتھ اپنی کسی مرزا خانوں یا دوست کو لے جانا چاہیں تو شاید نگاہ کی۔"

اس کے جواب کے غصے کو ہر کرتے ہوئے ایک اور خدشے سے چونکا گیا۔

"یہ فرق ہے۔ یہ نگاہ تو سے میرے ہتھے نہیں چڑھنے دے گی۔ میں تو ایڈوانس بھی پکڑ چکا ہوں۔ سمجھ رہا ہے نگاہ۔"

"اگر آپ کہیں تو ہم کوشش کریں۔" اس سے اگلے ہی مرحلے میں وہ برادرانہ انداز اختیار کر گیا۔ یہ الگ بات کہ ملک کو ٹوکنے میں ذرا دقت لگا۔

"کس بارے میں؟ نگاہ کو پیچھے میں سے نکالنے کے لیے؟"

"جی ہرگز نہیں ہم ایسی کوئی کوشش نہیں کریں گے جن سے انہیں کسی قسم کا شک ہو۔ نگاہ کو پہلا کا اعتماد کرتی ہیں ان سے بھٹکنے کی کوشش کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ وہ ہمارے ہی بارے میں بھٹک جائیں۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم اس اعتماد کا سہارا لیں۔ وہ کچھ ہی دنوں میں ہم پہ کرنے لگی ہیں۔ ہم ان سے بات کرتے ہیں کہ ہم

ان کے ساتھ طیفے کو تو نہ دیں۔"

"تو یہ پوچھنے کی تمہیں کس نے سفارش سے اتو اس کا لالا لگتا ہے؟" ملک کا تلخ لہجہ اور ناگوار الفاظ باہر کے کسی نوکر نے خوشامد کی طرح پہنچے اور منگرایا۔

"ہم۔ ظاہر نہیں کریں گے کہ ہم صرف ان کے لیے جا رہے ہیں۔ کہہ دیں گے کہ ہم بھی اس طائفے میں شامل ہیں۔"

"اگر تو مگر کس حیثیت سے؟ اس کے باپ کو تو میں سازندوں کی ہم میں شامل کر لوں گا لیکن تمہارا کیا کروں؟ تم نے طبلہ بجانے والا یا سارنگی چھیڑنے والا نہیں لگتا۔ تم تو ایسے ہو جیسے سر اور کے ہو کہ ایک شعر اس میں شامل کر لیں۔ ایسے بھرتی نہیں ہوتی۔ ورنہ ایسے والے سوسوال کرتے ہیں۔"

"اگر ہم شکل سے نہیں سکتے تو ٹھیک ہے۔ ہم ملک صاحب اب کسی نہ کسی طرح ہمیں اس ہم میں ایڈجسٹ کرنا آپ کا کام ہے اور ایک ہفتے کے اندر اندر اگر ہفتے پر ادائیگی کے لحاظ کر لیا ہمارا کام۔" اس نے حل کے اپنی شرط بیان کر دی۔ زاد اپنے ہفتے کے بعد ملک متعلق نے رضامندی ظاہر کر دی۔

"ٹھیک ہے مگر وہاں جانے کی جلدی نہیں ہے کیونکہ ابھی ہوجہ سے ساتھ چل رہے ہو تو تم کو پیسے دینے کے ذمہ داری بھی تمہاری ہے۔ ہو کہ وہاں پہنچ کر پتہ نکل آئیں اور میں تمہارے لئے کتنے میرے سارے بنے بنائے پروگرامیں میں اور دوسری بات "اب یہ ہزار ہزار کی امیدیاں بڑے سرے دان نہیں دوں گا۔"

"نہیں۔ ساتھ لے جانے کم خرچ نہیں ہو گا۔ تمہارے کام سے زیادہ ہی ہمارا معاوضہ طے ہو رہا ہے۔"

"اچھا ہے جناب بہتر ہے مگر شکوہ ہے۔" اس نے نخرے پہ شرط بھی باری۔ جب ساتھ لے رہے ہیں تو فائدے ظلم آ رہے ہوں تو چھوٹے موٹے نقصانات کی کیا پروا۔

یونہی بیٹھے بٹھائے ذہن میں آئے اس خیال کو اس نے شاطرانہ طریقے سے عملوں میں ایک پلان کی شکل دے ڈالی تھی۔ اب اس کے سامنے ایک واضح راستہ تھا جو دوسروں کی جب مڑ رہا تھا۔ جس سمت وہ جانا چاہتا تھا اور یہاں تو اس کے وارے نیارے تھے۔ ہی بالکل غیر تیار شدہ یہ حقیقت بھی دوسری سمت تو تھی یعنی یہاں ملک سیٹل ہونے کا چانس تو پھر بھی ہاتھ میں تھا۔ کر پہلی چال ناکام ہو جاتی تب بھی اس کا ارادہ واپس پاکستان لوٹنے کا نہ تھا۔ لیکن یہ جعلی باتیں کیسی اتنی اٹھل اس نے ذہن میں کے ساتھ جب پہلے پلان کی نوک پلک سنوارنے کا ارادہ کیا۔

☆ ☆ ☆

"آج آپ بہت بڑی گھر لوٹ آئے؟"

اسے تعارف اور خلاف توقع سرشام ہی گھر میں دیکھ کے صابرہ بی بی سمین خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائیں۔

"اگر حضور کو اعتراض ہے تو حکم ہو تو ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔" ایک اور خلاف توقع بات وہ مزید حیران ہو گئیں کہ ان کے سوال کے جواب میں تیا ہو کے کوئی بات کہنے کی بجائے آج چار صاحب آتے بلکہ جھکے انداز میں جیسے بات کر رہے ہیں۔ حیرت اتنی شدید تھی کہ وہ چپ ہی رہ گئیں۔ معنی میں ذرا سا خوف کہ شاید یہ شاہد ہو سارنگی کہیں بھی نہیں کوئی شکل نہ ہو۔

"بیٹے کہاں ہیں؟" ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا گیا۔

"اندر اور باپ تو اس وقت برابر کی ڈیوٹی پہ آئی ہوئی تھی۔ ہم سے ساتھ پڑھتے جایا کرتے ہیں۔ باقی کے مضامین ہم گھر پہ ہی پڑھا کرتے ہیں۔ بلکہ شمشیر میاں کو ہم نے تو ٹیک سیکھا تھا سیزی لانے کے لیے۔"

"ہوں اور کتنی ماہ؟" اتنی تک اپنے تحمل میں ہے۔ "سرسری سے اور بے اثر لہجے میں کہنے کے اس تبصرے سے سمین کو اندازہ ہو گیا کہ یہ اعتراض تھا یا کھلا ہوا۔ پھر بھی انہوں نے وضاحت ضروری سمجھی۔

"جی ہاں کی ایک دو روز میں اور دراصل ہم یہاں رہتے تو ہمیں صاحبزادی الماس خاتون کی دیکھ بھال کرنا تھی

کا خوف جاگا۔ انہوں نے سوچا ہی برائے کچھ سلیقہ سیکھنے میں کہ "آپ کہیں تو ہم کل ہی پیغام بھجوا کر بلوا لیں۔"

"میں کے کہنے کے معنی۔ خلاق واقعی بلا پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ وہ امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں یہاں رہ رہی ہے اور وہیں رہ کے پرچے دینے کے بعد آئے گی۔

"نہیں کوئی بات نہیں رہنے دیجئے۔ بچیاں تحمل میں بیاری کرتی ہیں اس میں کیا حرج ہے۔"

"آج تو حیرت کے جھٹکے اتنے شدید اور پے در پے تھے کہ یا سمین سے سنبھلنا محال ہو گیا۔

"بلکہ ہو سکتا ہے۔" اس نے کھنکھار کے تمہید باندھی۔ "وہ کرنے جا رہا تھا اس کے لیے ہوئی کہ آہستہ آہستہ ذہنی طور پہ تیار کرنا ضروری تھا۔

"تب کچھ عرصہ کے لیے یہاں ہی رہنا پڑے گا۔"

"خدا خیر! خوابوں میں ایسا کیوں؟" ہوئیں بھر ہزاروں امیدیں ٹوٹ گئیں اور سمین کے شوہر کے پرسکون چہرے کو دیکھنے لگیں کہ بھلا اب کیا حکم نئے نکالا ہے۔

"ہمارے روزگار کا ایک بہت اہم اور سنہری موقع ہاتھ لگا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ہمیں یہاں ملک بنانا پڑے گا۔ بہت عرصہ ملازمت ہے۔ آمدنی بھی معقول ہو گی۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے لیکن یہاں کیسے؟"

"ہم بھی اسی تذبذب کا شکار تھے۔ آپ ہیں، متعین چھوٹے بڑے اور سب سے رہنے کی کشش۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ ہمارے جذبہ کا ہم کو مجبور کر کے یہاں دو ناتوان کے سر پہ ہوں گے۔ اگر آپ وہاں جانے پر رضامند ہوں تو ہم ملازمت پہ جا سکیں گے بصورت دیگر انکار کرنا پڑے گا۔ اچھا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہمیں کے لیے یہاں انتظار کیا ہے لیکن کوئی بات نہیں۔ ہم اکیلے ہی سہی۔ اتنے خود غرض نہیں کہ بیوی بچوں کو حالات کے تھپیڑے کھانے کے لیے بے آسرا چھوڑ کے خود ہی چلے جائیں۔"

یا سمین آخر کیا تھی؟ ایک سیدھی سادی عورت ایک مشقتی بیوی ہل بھر میں ساری خطائیں معاف کر دینے والی۔ ایک نرم دل کے بدلے پچھلے مارے زہر جیسا جانے والی۔ کس طرح وہ آج آپ آپ کر کے میٹھی بنی جا رہا تھا۔ اس کی تو نوی زبان کی ساری جملہ کلوی فوراً سوکھ گئیں۔

"نہیں نہیں۔ خدا خدا کر کے یہ سیٹل ہوئی ہے۔ آپ ہماری وجہ سے مستقبل کی یہ سنہری امید خشک نہ کیجئے۔ ہمیں بھلا کیسے ہی رہنے کے لیا اعتراض ہو گا۔ کون ساتھ خواہ مخواہ وہاں مستقل رہنے جانا ہو گا۔ آپ کے آنے دیجئے جیسا جو ان کی کوئی بات سرسری کے پھر نہ عاقبت نا اندیشی ہے۔ آپ بے فکر ہو کے سارے انتظامات نمٹائیے۔ ہماری فکر مت کیجئے۔"

"سارے انتظامات؟" ہاں ان کے بارے میں بھی سوچنا پڑے گا۔ بس بال بچوں کی فکر سے اطمینان ہو تو دوسری جانب بھی دھیان دیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ کیسی زیادہ اہم ہے۔" اس نے چہرے پہ زمانے بھر کی پریشانیاں اور فکریں طاری کر لیں تو یا سمین بھلا فکر مند کیوں نہ ہوتیں۔

"کیسے مسائل؟"

"نکاح ہے ملازمت دینے والے ملازمت دے رہے ہیں۔ کام کے بعد معاوضہ بھی دیں گے لیکن وہاں جانے کا انتظام کرنا تو ہمارا درد سر ہے۔ اس پندرہ روز کی مہلت سے پھر آج کچھ کر پائے تو سمجھو مارے۔ اندر رہ رہ کے دوسرے یہ موقع کسی اور کے ہاتھ جا لگے گا اور ہم آج ہم پھر بے روزگاری کی اسی دلدل میں پھر سے وہی الجھن اور بے فیصلگی کی زندگی اس سے چھٹکارا پانے کے لیے ہمیں مجبوراً ملک کا سہارا لینا پڑتا ہے۔"

"لیکن باتیں کیوں کر رہے ہیں آپ؟" اس کا دل خود ہی بیٹھا جا رہا تھا۔ "ہمیں مہلت ملی تھی۔ ان کا جواز ہے اور جیسی اللہ سے پوری امید ہے کہ آپ ناامید نہیں رہیں گے۔"

"کیا اسا بھی تو ہاتھ لگے۔ کسی جانب سے اگر امداد ہو تو۔"

"تقریباً کتنی۔ رقم چاہیے ہوگی اتنا؟"

"بڑا تو وہ لکھوا دیں گے اس ٹکٹ کے پیسے چاہئیں۔" اس نے اتنا ہی منہ کھولا جتنا لینے کی توقع ہو۔ جانتا تھا سسرال میں بھی بس وضع داری اور بھرم ہی بھرم ہے لاکھوں کی توقع رکھنا فضول تھا۔ یوں تو یا ہو جانے کے لیے اسے ایک روپے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ملک منشیل اپنے خرچ پہ لے جا رہا تھا۔ یہ رقم تو اسے کسی اور مقصد کے لئے چاہیے تھی۔

"ہمارے پاس تو بہت معمولی سا زیور رکھا ہے وہ بھی دلکش بیٹی کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑی تو آ سکتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ لوگ تو لے سوتے ہے آپ کا مقصد حل ہو گا ہے یا نہیں لیکن ہمیں امید ہے آپ محنت کر کے چند ہی ماہوں میں اس سے دگنا اپنی صاحبزادی کے لیے بنوا سکتے ہیں اور جو کمر دلی ہو ہم آج حضور سے کہہ کے پوری کروا دیں گے۔"

"آپ بہت اچھی ہیں باسمین۔ آپ نے تو ہماری ساری فکر ہی ختم کر کے ہمیں ایک بوجھ سے چھٹکارا دیا ہے۔" وہ ممنونیت سے مسکرایا۔ اتنا تو میں رقم آنے کی امید بندھنے کے بعد اب وہ اپنے پلان کو زیادہ جلدی پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کے کہنے پہ ہم نے آپا حضور سے ذکر تو کر دیا لیکن اس روز آپ جلدی کی کہ ہمیں اب تک ہمیں الجھا رہی ہیں۔"

صاحبزادی حرمت النساء سوچتی ہیں۔ "ہمیں جمع کرنے کے بعد نواب صاحب کے پاس آئیں۔"

"کوئی بات؟"

"یہی کہ صاحبزادی کی مراد صاحبزادہ عصمت کے بھروسے پہ آپ دل سے مطمئن نہیں۔ آپ نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا اس وقت ہم نے ضرور کھٹکا ہے لیکن آپ سچ لگ رہے ہیں یعنی کہ صاحبزادہ عصمت ہماری صاحبزادی کے لیے مناسب ضرور ہیں لیکن عمل سر کے مزاج کے لحاظ سے ذرا نرم خو ثابت ہوں گے جبکہ ان کے غیر لچک دار مزاج اور ضدی پن کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا شخص ان کا ساتھی بنے جو ان کی فطرت کے پلٹنے میں کوئی سخت اور اصول پسند کی وجہ سے قابو کر سکے۔ عصمت میاں میں لاکھوں خوبیاں سہی لیکن اس ایک کمی کا کیا کریں۔"

"ہاں آپ کا کہنا درست۔ لیکن جس طرح آپ کو توجہ داری بات دل کو لگ رہی ہے اسی طرح ہمیں بھی آپ کی باتیں پہنچ گئی تھیں کہ عصمت میاں کی بری عمل کی کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔"

"جی۔۔۔ لیکن۔۔۔" یہ بہانہ خلل جاتے دیکھ کر وہ گڑبڑا گئیں۔ اس کے علاوہ اس رشتے سے ان کا دھیان ہٹانے کا کوئی اور بہانہ فی الحال انہیں نہ مل رہا تھا۔

"لیکن کیا؟"

"ہم دوسرے بہترین کی تلاش بھی تو کر سکتے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"صرف اتنا کہ اگر عصمت میاں سے منسوبہ" بہترین رشتہ ہو تو ہماری صاحبزادی کے حق میں اچھا ثابت ہو تو اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

"دیکھئے حرمت النساء بیگم پہلی بات تو یہ کہ ہم صاحبزادی باسمین کے بارے میں ہی ایک غلط فیصلہ کر کے اب تک مسلسل شرمندہ ہیں۔ اپنی جانب سے تو خاندان ہم نے پوری چھان پھٹک کی تھی پھر جانے کہاں چوک ہوئی اس لیے اب جب گھر کی بات گھر میں رہ رہی ہے تو پھر ادھر ادھر جھانکنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اپنی موجودہ خوشی اور بدحالی پہ نازاں رہے ہیں اب خود اپنے آپ سے اعتماد کھو چکے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے

کہ اب بات زبان سے نکل چکی ہے۔ ہم آپا حضور کو امید دلا چکے ہیں ایسے میں ایک بات تو بتائیے آپ کو تو عصمت میاں تو آپا حضور سے ہمیں بڑے کے عزیز ہے پھر ایسا خیال آپ کے دل میں کیا کیوں کر؟"

"وہ ہمیں اب بھی کم عزیز نہیں ہیں۔ دور کے رشتے ہیں ان سے لیکن ایسے معاملات میں دل و دماغ کی سے زیادہ اولاد کی حقیقی خوشیاں اور ان کا مفاد زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے صاحبزادی کل سے عصمت میاں کی یا پھر عصمت میاں سے ہماری صاحبزادی کی حقیقی خوشیاں وابستہ نہیں ہیں۔" چودری بیٹھتی پہ چلا کے انہوں نے جھجکتا ہوا سوال کیا جس کا جواب ان کے لیے مشکل سہی مگر ضروری تھا۔ سل کر اگر کے کہہ دیا۔

"صاحبزادی کل سے کوئی اعتراض ہے کہ۔۔۔"

"اعتراض۔۔۔ ایک اور اعتراض۔۔۔ یا پھر ایک اور بغاوت؟" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ اسے بغاوت کہیے یا سرکشی۔" بالآخر صاحبزادی حرمت النساء نے صاف صاف بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اب تو وہ بھی کل کے اس فیصلے پہ نالاں تھیں۔ ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہمیشہ اس کی سرکشی اور من مانی پہ روبے ذالتی اور رضا جتیں کرتی تھیں لیکن اب کہہ ڈالا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہر معاملے میں فقط اپنی رائے اور اپنے نظریے کو اہمیت دیتی ہیں۔ اپنی ذات سے متعلق فیصلے خود کرنا پسند کرتی ہیں اور۔۔۔"

"آپ ہمیں ان کی خصوصیات سے آگاہ مت کیجئے ہمیں سے ہم پہلے سے واقف ہیں۔" ایک بار پھر انہوں نے بات کاٹ کے بیچ دانتے تھا جیسے وہ پہلے سے بھانپ گئے ہوں کہ کیا انکشاف ہونے جا رہا ہے۔

"احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس بار انہوں نے کیا جرم آنا بتایا ہے ہمیں زیچ کرنے کا۔"

"جی بات نہیں ہے ضرور ہے کہ ان کی یہ بات آپ کے لیے رنجیدگی کا باعث بنے گی لیکن انہوں نے کھل آپ کو آزار پہنچانے کی خاطر نہیں کہا ہے کہ عصمت میاں سے ان کا جوڑ مناسب نہیں۔"

"بہت خوب گویا وہ لعم فراست میں اب اپنے بزرگوں سے بھی آگے نکل گئیں۔" انہوں نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"اور اس کے علاوہ۔۔۔" وہ ہچکچائیں۔

"ایک بات اور بھی ہے۔" ان کے لہجے میں نجانے کیا ایسی غیر معمولی بات تھی کہ صاحبزادہ نعیس علی خان چونک پڑے۔

☆ ☆ ☆

"تو آپ نے کیا فیصلہ کیا اماں۔" ایک بار پھر بیرونی مشل بدھا کے روبرو تھا۔

"فیصلہ تو ہو چکا مشل صاحب میں جلاس کی اور ضرور جلاس کی۔"

"اب آپ نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آپ کی تسلی کے لیے ہم مزید عرض کر دیں کہ ہم بھی اس دور پہ آپ کے ہمراہ ہوں گے۔"

"یہ خوش خبری آپ اتنی دیر سے سنا رہے ہیں۔ اگر پہلے بتا دیتے تو شاید میں کب کا یہ فیصلہ کر چکی ہوتی۔" اس کے بے ساختہ خوشی اور اپنائیت کے اظہار پہ پیر کو مشل اور بھی قریب محسوس ہونے لگی۔

"پتہ نہیں آپ اعتبار کریں یا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ وہ تذبذب دیکھ کے ہی ہم نے ملک مشل کی اس پیشکش کو ہامی بھری ورنہ اس سے پہلے بھی وہ ہمیں کئی بار ساتھ چلنے کی آفر کر چکے ہیں لیکن ہم ہمیشہ آزار مشل کی پیشکش کی کلیا بلند ہو کے جاتے رہتے تھے۔ کیا کہہ رہا تھا میں رہنے۔"

"یہ تو آپ کی مرضی ہے لیکن آپ کس حیثیت سے۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ آپ وہاں کریں گے کیا؟"

"آپ کان بھی بنائے رکھیں گے۔" وہ ہنسا۔

"اسے یہ تو قانع کی بات نے کہ لکھ متھوں اپنے ٹھیکری نشرت سے ہمیں لے جا رہے ہیں اور ہمیں بے شک کسی کا ماتحت ہی رہنا گوارا نہیں لیکن صرف اور صرف آپ کے لیے ادائی ہمیں بھی قرار ہے اگر اگر آپ کو کوئی دھڑکا ہے بھی۔ یا خدانخواستہ واقعی یہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجاتا ہے تو ہم آپ کے آس پاس موجود رہیں۔ آپ کی تسلی کے لیے آپ کی اعانت بند جائے رکھنے کی خاطر اور آپ کے تحفظ کی خاطر۔"

"اماں یار! یہ آپ کو یقین نہیں آیا اعانت کی بات کا؟"

"یقین آپ کی باتوں پہ ہے مگر مسئلہ صاحب لیکن اپنی قسمت پہ نہیں آیا۔ بھلا میرے لیے۔ مجھ جیسی لڑکی کے لیے بھی کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ صرف اور صرف میری اعانت بند جانے کی خاطر کوئی اتنی دور تک جا سکتا ہے؟ صرف اور صرف مجھے تحفظ دینے کی خاطر۔"

"آپ اپنا کیوں سوچتی ہیں خود کو عام مت جانیے ادا جی آپ نہیں جانتیں آپ کس قدر خاص ہیں بلکہ ہمارے لیے خاص الخاص ہیں۔" اس نے واضح اشارہ پر عاشقی بار بے مزید پیش قدمی کی۔

"آپ کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کا جذبہ رکھتے ہیں ہم کیا ہمیں اس کی اجازت ہے؟"

اس نے جب وہ سوال پوچھا کہ کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو وہ باہر کھلے ہوئے دروازے سے ہی منہ پھیر دی تھی۔

"اور کیا ہمیں اس کی بھی اجازت ہے کہ ہم آپ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کریں جو آپ کو دیکھتے ہی ہمارے اندر خواہش مارنے لگتی ہے اور ہم چاہتے ہوئے بھی اس پہ بند نہیں باندھ پاتے۔"

"نہیں خواہش" اس کے لرزیدہ لبوں سے بمشکل یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"آپ کو پانے کی خواہش۔ آپ کا ہو جانے کی خواہش۔"

● ● ●

صاحبزادی حرمت النساء کو اندازہ تھا کہ وہ دو گھنٹے جاری رہیں گی۔ ایک خوشی کی آمد کا باعث ہو سکتا ہے۔ بے شک انہوں نے بساط بھر احتیاط کی تھی اس کے باوجود وہ کوئی ایسی طور تیار رکھنا تھا نواب صاحب کے کسی بھی اتفاقی حد تک جانے شدید رد عمل کے لیے۔ لیکن وہ حیران رہ گئیں اور پھر ایک بیک بیا اتنا خوف بھی۔ جب ان کے تمام تر اندازوں اور اندیشوں کے قطعی برعکس نواب صاحب نے ایک کرسی چپ سادھ لی۔

"آپ سے کچھ کہتے کیوں نہیں؟"

بہت دیر بعد انہوں نے اٹکتے ٹوٹتے لفظ اکٹھے کرنے کی ہمت کی۔ جواباً انہوں نے ایک ایسی نگاہ اپنی بیگم کے لیے چہرے پہ ڈالی کہ وہ اندر تک ہل کر رہ گئیں۔

کیا تھا اس ایک نظر میں۔

بے کسی۔ لاچاری اور بے بسی کی ہزار داستان۔

شکوے۔ گلے۔ شکایتوں کی لمبی لمبی کہانیاں۔

اچانک وہ کانپ کر رہ گئیں۔ وہ نگاہ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی اور اسی بے بسی اور لاچاری کے ساتھ دیوار پہ جھک گئی اور جھکتے جھکتے نواب صاحب کے شانوں پہ جا ٹکی۔ سائبان رکھا ہو جیسے ڈال گئی کہ ان کے مضبوط وقار کا ہاتھ اپنے آہنی عصا کا ٹیکا لیے کے سہارے ہاتھ سے پنگ کے پورے سے مقتدر پائے کا سہارا لیتے ہوئے بیٹھ گئے۔ صاحبزادی حرمت النساء مجرمانہ وہاں کھڑی نہ رہ پائیں اور اپنے آنسوؤں سے چھلکتی پلکیں اٹھ آئیں۔ راہداری کے پورے سرے پہ مقتدر اور مقطوب کھڑی موتیا خاں کی آنکھوں میں پگھلتے آنسو لیے اور سب کچھ لٹ جانے کا

دھڑکا لگا تھا۔ یہ آنسو اس احساس کے تحت بہے تھے کہ جس شخص کو زندگی بھر خوش اور مطمئن رکھنے کی ہر ممکن سعی کی ہو آج اسے ہی وہ دکھ دینے پہ تلی ہو جس کا کبھی اس نے کوئی مصیبت خواب ان کا کاش پلٹا وہ نواب صاحب تک پہنچنے والی ہر تکلیف اور پریشانی اپنے اوپر سہہ لیتیں۔ کم تو یہ تھا کہ ایسی حیران تک پہنچانے کا فریضہ اسیر ہو خود انجام دینا پڑ رہا تھا۔

جہاں کسی چیز کے گرنے اور ٹوٹنے کی بھرپور آواز سے دوسری طرح چونک اٹھیں۔ صاحبزادی حرمت النساء کے اٹھتے ہی ان نے دلگیر کو ترے اتھائے نواب صاحب کے کمرے کی جانب بھیجنے کو کہا تھا اس وقت وہ اپنی حضور کے کمرے کے اثرات اور آنسوؤں میں اس طرح الجھی کہ دلگیر کو اندر جانے سے روک بھی نہ پائی ورنہ وہ جانتی تھی اپنی حضور کو تنہا ہونا ہی مناسب رہ گا۔ اب جانے دلگیر نے اندر جا کے کیا کیا ترکیبیں تاش کی ہوں گی کہ ان کے اندر کھلبلی مچا دینے کے طوفان کو باہر نکلنے کا رستہ مل گیا۔

وہ جو کھلے دروازے سے ایک چھوٹا سا اسٹیل کا چمکتا ہوا گلاس لیے کمرے کے باہر تک آئی۔ ایک مسئلہ کے بعد مسئلہ ہو رہا تھا دلگیر کو نے ہوئے لب کی چیخیاں لیے ہوئے باہر نکلا۔ وہ اسے بھی کی جانب تکنے کا اشارہ کرتی ہوئی بھی پیچھے ہٹ گئی۔

"کم ہو گئی ہے گل بیگم تاؤں پہ ٹوٹتا ہے۔"

اس نے اندر جھانکتے ہوئے دبی دبی سی آواز میں سوچی۔ پھر اسی طرح سوچتی سی کھانی آگے کر کے لرزاتی ہوئی ہاتھ کی جانب دیکھنے لگی۔

"بہت نواب صاحب سے ہمیں ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ بھی اپنی اس کیفیت پہ یوں ظلم کریں گے۔ بیٹھیں ہمیں سوچنا ہوگا کہ آخر کیا کرنا ہے۔ اب ہماری ترے ہے۔ اب بھلا جانا کیا بات بھی ہو تو۔ چائے بھی گرا کر ہم گلاس میں پانی بھی لفظ اتھا۔ برتن بھی صاف ستھرے رکھے ہوئے اور تو اور ہم نے اندر جانے سے پہلے آواز میں ایک سر رکھ کھنکھنا ہوا قرینی سلام بھی بھلا جا سکتا تھا۔"

"قرینی سلام اور بلند آواز میں؟ وہ تو خاموشی سے بھی بھلا جا سکتا تھا۔" سوچ نے اس کو یاد شاید اپنا دھیان بانٹ چلا۔

"لیجیے جب خدا نے اتنی مسحور کن آواز سے نوازا ہے تو کیوں نا اس کا استعمال کیا جائے گا۔ ہمیں تھی ہماری قسمت۔"

"کیوں بھئی؟ قسموں کے رونے کیوں رو رہے جا رہے ہیں؟" عصمت روز اس وقت اسٹور بند کر کے ایک زیادہ بھلے کے لیے گھر لیا کر اتھا۔ دوپہر کا کھانا بھی کھا لیتا اور تمام دھرنے نوش بھی ہو جاتا۔

موتیا نے اس کے آتے ہی دلگیر کو پکار اور جتنی دیر کا ہر دانہ کیا۔ "تاریک کا تانا ورنہ الجھنے میں زیادہ وقت لگتا ہے۔"

اس کے نکلتے ہی اس نے جوشیلے پر رکھی بجلی کے لیے آگ روشن کی۔ چلی دیر میں سالن گرم ہوا اور ہیں مگر میں رکھی مختصر سی میز پلیٹ چھری سلاد پیالی کا جب۔ اور گلاس رکھ چکی تھی۔ سائبان پلٹ میں نکال کر اس دانوں والے کھانے کے ساتھ اس کے سامنے رکھا۔ اس دوران عصمت خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا بہت کچھ چھپا لینے کی کوشش کرتا ہوا بہت کچھ ظاہر کر رہا تھا۔ لیکن وہ یہی جان سکا کہ اس کے لاکھ اصرار کے باوجود تب تک کچھ بھی نہ بتائے تو اتر رہی جب تک وہ کھانا نہ کھا لے۔

اس لیے دل میں اس خاموشی اور صبر کے ماحول میں بھائی دہشت کا راز جان لینے کی بے تابی کو دبائے ہوئے جب جلد جلد کھانا کھانے لگا۔ موتیا تاریخ سوڈے کے لب کیتلی میں چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ بے ابی سے چند لوٹ طلق سے اتارنے کے بعد مزید صبر سے کام نہ لے سکا اور وجہ پوچھ بیٹھا۔

"وہی ہوا جو ہونا تھا اور جس کے ہونے کے سبب سے زیادہ شک بھی تھی۔" اپنا اور اس کی چائے کا

لے کر سامنے بیٹھتے ہوئے سوچا نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا گلہ اور واضح ناراضگی تھی۔

"جی چچا حضور۔ تو ان تک معاملہ پہنچ ہی گیا۔" وہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگے۔ معاملے کی یہ تک پہنچنے میں اسے ایک منٹ بھی نہ لگا تھا۔

"ہاں اور اسی حضور کی حالت تو ایسا حضور سے بھی زیادہ خراب ہے۔ انہیں اندازہ ہے کہ یہ خبران تک پہنچا اسی حضور کے لیے کتنا ناگوار اور تکلیف دہ رہا ہوگا۔"

"ہاں! مجھے اندازہ ہے اسی لیے میں نے انہیں منع کیا تھا کہ میں یہ بات اپنے طریقے سے ان تک پہنچاؤں گا لیکن انہوں نے میرا انتظار کرنا گوارا نہ کیا اور خود ہی۔"

"ہاں تو ایک لحاظ سے ٹھیک ہی کیا۔ ہو نہ تمہارا اپنا طریقہ اچھی طرح جانتی ہوں وہ کیا طریقہ ہوتا۔ ابھی تو صرف برتن ٹوٹے ہیں تبدیلیاں کرتے تو شاید سر ٹوٹا اور وہ بھی تمہارا۔"

"سر تو ویسے ہی تمہارے بل میں ہے۔"

اس نے مصنوعی خشونت لہجے میں بھرتے ہوئے نعرہ بلند کیا۔

"تو پھر ڈنٹ کیا ہا؟"

"ایک تو ہا آپ کو دل لگیو کے ہاتھ پہ ہوئیں اچھ لیا ہا فہم۔" وہ سنجیدگی سے بتا کے خلا پر نظر جمانے لگے۔

"چچا حضور نے اور کچھ نہیں کہا؟" وہ مسلسل کرید رہا تھا۔

"ارے بھئی۔" مسٹر عمیص انہوں نے "کچھ" بھی نہیں کہا۔ ایک لفظ تک نہیں۔ اسی سے اندازہ کرلو کہ ان کا ردعمل کتنا شدید ہوگا۔"

"یہ معاملہ ایسا نہیں سوچا کہ ہم محض اندازوں کے ظروف پہ ان کا دل جانچنے کی کوشش کریں۔ ہمیں یہ جاننا ہی ہوگا کہ ان کی رائے کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ جاننے کے لیے ان کا زبان کھولنا ضروری نہیں۔ ان کے کچھ کہے بغیر بھی ہم سب جانتے ہیں ان کی رائے کیا ہے۔"

"یہ رائے بدلی بھی تو جا سکتی ہے۔"

"اور یہ کارنامہ کیا انجام دو گے۔" اس کا لہجہ یک بارگی تلخ ہوا۔

"عمیص! آخر تم چاہتے کیا ہو اور تم نے میرے ابا حضور کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ ان کے ہر فیصلے' ہر اصول' ہر رائے کے پیچھے بڑے رہتے ہو! انہیں بھی تم سے ہزاروں اختلافات رہے ہیں لیکن آج تک سعود زندہ ہستی کے ذریعے تمہارے فیصلوں کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ تم نے خود اپنی من مانی کی۔ تم نے ہی اور کل نے بھی اپنے فیصلے کرنے کے لیے تم سے تنگ آزاد ہو۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ان کے اصولوں سے ٹکرانے کے بعد ہی عمل میں لائے جائیں۔"

"اور کیا یہ ضروری ہے سوچا کہ یہ اصول' اصول ہمارے ہم جیتے جاگتے انسانوں کی خواہش سے ٹکرا کے بے وضع میں لائے جائیں۔"

"خواہشوں کے ہاتھوں کمزور لوگ لاچار ہوتے ہیں۔ اس سے بڑی کمزوری اور کیا ہوگی کہ صرف اپنے دل کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایک طرف دل کو تسلیں پہنچالی جائے اور وہی ایسے دل کو جس میں تم لوگوں کے لیے محبت ہی محبت بھری ہو۔" وہ تقریباً "ہذیانی" ہو رہی تھی۔

"اسی محبت نے شبانہ کے تو کس انتالیہ رہا ہوں۔" وہ منکر ایا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ ان کے سارے کڑے اصول ایک طرف اور اولاد سے ان کی بے پایاں محبت ایک طرف۔ اگر محبت ان کے دل میں ہوتے کہ اس قدر یقین نہ ہوتا تو میں ایسی حرکت کرتا ہی کیوں؟ جس چیز کا وجود نہ ہو اسے پیدا کرنے یا ابھارنے کی سعی عبث ہے لیکن یہ محبت ہے۔" سوچا۔ "چچا حضور کے اصول پرست دل

میں یہ نرم و نازک جذبہ اب بھی موجود ہے جسے میں بیدار رکھتا ہوں۔"

اس کے انکار کہنے پہ سوچا اور کچھ نہ کہہ سکی۔ جانتی تھی عمیص کو ابا حضور سے یہ بات کرنے سے کبھی نہ روک سکے گی۔

"میں پہلے چچا حضور سے مل لیتا ہوں۔ انہیں نے چائے کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

صاحبزادی حرمت النساء نے بھی اسے اٹھتے پیچھے الفاظ میں فی الفور یہ تازہ چھیڑنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"ہم ان کی خاموشی سے خوفزدہ ہیں۔ اتنی بڑی بات پہ ان کا ردعمل غیر فطری اور خلاف توقع ہے۔ ہم ان کی جانب سے سخت فکرمند ہیں۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں چچی حضور کہ وہ کسی بھی طرح اپنا ردعمل تو ظاہر کریں۔ یہ خاموشی ان کے اعصاب کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے میں ان سے عمل کی بات کرنا چاہتا ہوں' ہر چیز واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے اگر میری ذات بھی زیر عتاب آتی ہے تو پرواہ نہیں۔ تمہیں اچھے کمرے میں بند کر کے ان کے محل کی بھڑاس نکلتی ہے تو یہی سہی۔"

"پتا نہیں ہم کیا کچھ کر رہے ہوں اور کیا ہو جائے۔" سوچا اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں بولی۔

"پتا نہیں! ابھی تم اپنے چچا حضور کے دل کی بھڑاس نکالنے' انہیں پرسکون کرنے کے لیے زیر عتاب آؤ۔ ہمیں خوشی حضور کر رہے ہو! پھر محل کے عشق کا اجازت کہ جو تمہیں ہر حد سے گزرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ پتا نہیں۔"

☆ ☆ ☆

"یہ تھے وہ قدشات عمیص میاں' جنہیں آپ نے بڑی ہی بے فکری کے ساتھ بے معنی قرار دے کر ٹھکرایا تھا۔ یہ تھے وہ خطرناک نتائج جن کی نشاندہی ہم نے اس وقت کی تھی اور آپ نے پورے وثوق کے ساتھ ان کی تردید کی تھی۔ اب آپ اپنی کوتاہی تسلیم کر بھی لیں تو کیا ہو گا ہمارے خاندان کو کیا یہ زخم مل تو نہیں سکتا۔"

یہ تھے وہ پہلے الفاظ جو صاحبزادہ نعیس علی خان نے انہماک کی طویل خاموشی کے بعد عمیص کو دیکھ کر کہے۔

"اطمینان رکھیے چچا حضور۔ ہمارے خاندان کو ابھی بھی کوئی داغ نہیں لگا اور نہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ کبھی لگ پائے گا۔"

"ہم طفل تسلیوں سے بہلنے والے نہیں ہیں صاحبزادہ عمیص' ابھی ابھی آپ کی چچی حضور نے ہم پہ جو انکشاف کیا ہے' وہ ہمارے استقلال کی بنیادیں ہلانے کے لیے کافی ہے۔"

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا کہ یہ بات آپ کے لیے تکلیف اور صدمے کا باعث بنی ہوگی لیکن اس اچانک و بیکلے سے ذرا باہر نکل کے حقیقت پسندی اور انصاف سے کام لیتے ہوئے سوچیے چچا حضور کہ کل نے کوئی غیر معمولی بات نہیں کی نہ ہی کوئی نامناسب قدم اٹھایا ہے۔ اپنے شرعی حق کا بالکل جائز استعمال کیا ہے۔ پلیز چچا حضور اس کے اس حق کو تسلیم کیجیے۔"

"والدین کے اعتماد کے پرخچے اڑانے کا حق کب سے ملنے لگا عمیص میاں!"

"کل کو اپنی روایات کی پاسداری کا اتنا ہی خیال ہے چچا کہ اس نے آپ کے اعتماد کو بالکل بھی مجروح نہیں کیا بلکہ آپ کی شفقت سے مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنی خواہش بیان کی ہے۔ سب اختیار آپ کو سونپ دیے ہیں کہ آپ اپنی جہاں بینی سے کام لیتے ہوئے اس کے لیے بہتر فیصلہ کریں گے۔"

"ہم نے تو اپنی جانب سے اس کے لیے بہتر فیصلہ ہی کیا تھا۔" انہوں نے ایک اچٹتی سی نظر سر جھکائے سامنے کھڑے عمیص پہ ڈالی۔

"مگر انہیں کبھی بھی ہمارے کسی فیصلے پہ بہتر ہونے کا گمان نہیں گزرا۔ یہ بھی آپ کی خام خیالی ہے کہ وہ ہمیں

تمام اختیارات سونپ رہی ہیں۔ ایسا ہی ہے تو ہم بھی اسی وقت وہ صلح کا انکار کرتے ہیں۔ تو کیا آپ وہ راضی خوشی اپنی خواہش سے سونپ رہا ہو جائیں گی۔ ہمارے اختیار کو تسلیم کریں گی؟"

انہوں نے سوئے سوال اٹھایا وہ اجرائی خلعت انہوں نے اٹھا لیا تھا۔

"حضرت نی معذب چاہتی حضور! یہاں آپ اپنے اختیار کا تعین طاقت کا استعمال کریں گے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ کم از کم ایک بار ان لوگوں سے مل لیں۔ ان صاحب کو جو رائج کر کو تلیں ہو سکتا ہے کہ ان آپ کے معیار پر پورا اتریں۔"

"لیکن ۔۔۔ خیر اور اجنبی لوگ جن کے بارے میں ہم بہت تک نہیں جانتے کہ ان کا نسب کیا ہے۔ شجرہ کیا ہے۔ نہیں اپنی بیٹی تک آنے دیں۔" بعد ازاں طور پر متذبذب تھے۔

"جو نئی نئی خوشی کے بغیر ہی کو کیسے جانا جا سکتا ہے۔ یہ خوش آپ پہلے بھی تو کر چکے ہیں۔ یا سمین آپا کے لیے آپ نے نئی لڑکا شجرہ ڈھونڈ نکالا تھا۔ ہو سکتا ہے ان سے آنے والے مہمانوں کا حسب نسب بھی آپ کو مطمئن کر دے۔ ہو سکتا ہے ناں۔"

"اوراک۔"

"تو پھر اختیار استعمال کرنے کا حق تو آپ کے پاس ہے ہی۔"

"یہ تمہیں کیا بات ہے عصمت میاں۔" ہارے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے نواب صاحب نے تحفظ سے آنکھیں موند لیں۔

"لیکن ہمیشہ آپ کی ضد کے آگے ہار جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی دلیل پہ ہمارا دل راضی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ہم ہار جاتے ہیں۔ آپ تو اسے ہماری بے بسی ہی سمجھتے ہوں گے۔"

"نہیں ۔۔۔ ہرگز نہیں یہ آپ کی محبت ہے بیٹی حضور۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے ان کے شانوں پہ اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھا دیا۔ ان کی پشت پہ کھڑا قاصد معزز نفیس علی خان کے تنے ہوئے اعصاب پر سکون سے ہونے لگے۔

☆ ☆ ☆

"کیا آپ ۔۔۔ بابر صاحب۔" وہ ششدر رہ گئی۔ بابر انہیں جو کہہ رہا تھا۔ اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا اس کے بارے میں۔ وہ جانے کیسی مذاق میں بھی نہ سوچا تھا۔

"آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اگر ہماری یہ جسارت آپ کو گراں گزری ہو تو ہمیں معذرت خواہ ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم خود کو آپ کی خواہش کرنے سے روک نہیں پا رہے۔ آپ کی طلب سے یہ دل دست بردار ہونے کو تیار ہی نہیں۔"

"بابر صاحب! میں آپ کو ایک معزز انسان اور مخلص دوست سمجھتی تھی اور آپ ہیں کہ ۔۔۔" وہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی کہ بابر راہوں سے کھل کے بیزاری اور خفگی کا اظہار کرے یا نہیں۔ اس کی اپنی کیفیت اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ بابر کا اظہار محبت اچانک بھی تھا۔ غیر متوقع بھی اور ناقابل قبول بھی۔ لیکن اس کے باوجود چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ سخت رویہ اپنا نہ سکی۔ نہ ہی سخت لہجہ۔

"کیا ایک معزز انسان محبت نہیں کر سکتا اور اگر یہ بابر کلفر دوست کسی کے عشق میں مبتلا نہیں ہو سکتا یہ کیوں لکھا ہے؟"

"لیکن ۔۔۔ آپ ۔۔۔ آپ ایک شادی شدہ انسان ہیں؟" اس نے یاد دلانا چاہا۔

"ہاں تو کیا شادی شدہ انسان کبھی محبت سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے؟" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ دھاری ہوئے کہا تھا۔

"یہ بالکل بھی مناسب بات نہیں ہے بابر صاحب۔ میں آپ سے اس کی بالکل بھی توقع نہیں کر رہی تھی۔"

"توقع تو ہمیں بھی نہیں تھی زہانی کہ یوں بے توقیر ہو کے اپنے دل کا حال کھولنا پڑے گا۔ لیکن کیا کریں ہم خود کو کہنے سے روک نہیں پائے۔ بلکل ویسے ہی جیسے آپ سے محبت کرنے سے نہیں روک پائے۔"

"لیکن بابر صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ان جذبات کی پذیرائی نہیں کر سکتی۔"

"آپ انہیں سچ تو مان سکتی ہیں ناں۔ کم از کم اتنا ہی کر لیں۔"

"لیکن ۔۔۔" وہ متذبذب تھی۔

"آپ سے اگر آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا لیکن۔" بابر کے سامنے موت رہتے پہ مجبور تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی تسلیم کر لی۔

"ہاں ۔۔۔ لیکن ابھی ہمارے دل کی تسلی کا تقاضا ہے کہ آپ نے ہماری محبت کو کیا نام دیا۔ اب یہ بھی مان لینے کہ محبت کو تسلیم کرنے کے بعد اگلا قدم ۔۔۔"

"ہمیں بابر صاحب میں کوئی اگلا قدم نہیں اٹھانا چاہتی۔" وہ بات کو بیچ میں ہی کاٹ کر بولی۔

"لیکن ناراض ہو گئی ہو کہ ہم بہت دور تک آ گئے ہیں۔"

"پتا نہیں آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی دو تین دن تک تو آپ بالکل ٹھیک تھے۔" وہ الجھ گئی۔ اب اسے کیا پتا تھا کہ ان دو تین دنوں میں طلب تبدیل سے ہونے والی ملاقات اس کے دل و دماغ میں کیا کیا ہلچل مچا گئی تھی۔

"محبت تو ہمیں آپ سے پہلی ہی نظر میں ہو گئی تھی نوابی اور ہمارے اس محبت کو بڑی رکھ رکھاؤ سے دل میں چھپا کے آپ سے صرف اور صرف ظاہر اور دوستی کا رشتہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے پہ ہم کتنا ہی عرصہ قائم بھی رہتے۔ خود ساختہ پابندی ہم نے اپنے آپ سے بنائی ہے تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے نہیں بلکہ صرف اور صرف آپ کے لیے۔ آپ کو تحفظ کا احساس دلانے کے لیے۔ آپ کا اکیلا پن دور کرنے کے لیے۔ جب سے آپ کو قریب سے جانتے لگے ہیں اور خصوصاً" آپ کے گھر آنا جانا ہوا ہے تب سے ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ آپ کتنے خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔"

"خطرات ۔۔۔ کیسے خطرات؟" وہ چونکی۔

"ناجانی مت سمجھیے نوابی۔ ہم جانتے ہیں آپ شوق کے ہاتھوں نہیں بلکہ مجبوری سے اس لائن میں موجود ہیں۔ ہم مشورہ تو نہیں دیں گے کہ آپ یہ لائن چھوڑ دیں کم از کم تب تک تو نہیں جب تک آپ تنہا ہیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کئی راستے ہیں جن پہ آپ کو چلنے کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے اور ان راستوں سے یہ راستہ ہزار درجہ بہتر ہے۔ لیکن ایک صورت ہے کہ آپ اپنی مرضی سے اور اپنی پسند کی زندگی باعزت طریقے سے گزار سکتی ہیں اور وہ صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص آپ کی زندگی میں شامل ہو جائے جو آپ کی عزت سے سروکار رکھتا ہو۔ آپ کے فن سے کوئی واسطہ اور اس کے ساتھ ساتھ دبدبہ۔ آپ کا اتنا طلب گار ہو کہ اپنے عشق میں اتنا سچا ہو کہ آپ کو زمانے بھر سے بچا سکے۔ دھماکے کو روک سکتا ہو اور یہ حوصلہ ہم میں ہے نوابی۔"

اس نے بات ہی نہیں کی تھی کہ تھی ہی زہانا چاہ کر نہ سکی۔ اس کی خاموشی سے شہ پا کے بابر مزید گویا ہوا۔

"نہیں کوئی جلدی نہیں۔ آپ سوچ سمجھ لیجیے۔ ابھی طرح غور کر لیجیے۔ ابھی تو ہمیں جانے میں ابھی کئی دن رہتے ہیں۔ ہمیں تو ہم آپ کے ساتھ آپ ہی کی خاطر جا رہے ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر ہم ایک معتبر حیثیت اور حوالے سے آپ کے ہمراہ ہوں۔ پھر کسی کی کیا مجال کہ کوئی آپ کی چھت نیچے بھی نگاہ سے بھی دیکھ سکے۔ ہم جتنے دن چاہیں لے سکتی ہیں سوچنے کے لیے۔ ہمیں جلدی ہے شک کوئی نہیں لیکن دھیان رکھیے گا وقتی اور جلدی نہ کہہ دیری ہو جائے۔"

وہ جانے کو سوچ میں چھوڑ کے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"صاحبہ" اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا ہم کل چچا حضور کے ہاں ہو آئیں۔" پچھلی بار ایسا ہوا تھا کہ یاسمین کو شوہر سے ملنے جانے کی اجازت لینے کے لیے زبان پھلانی پڑ گئی۔ پچھلے دو چار روز سے حیرت انگیز طور پر بارہ ماہ اور مثل کا میزان لگاتے لگاتے بچوں کی موجودگی سے بھی خاصے خوشگوار انداز میں بات چیت کی جا رہی تھی۔ پچھلی تین راتیں بھی خلاف معمول گھر پر ہی گزاری تھی تھیں۔ اس لیے یاسمین کی آمد سے بھی اور اس نے ضرور سے ایک جھجکتے انداز میں اظہار خیال کیا۔

"کل۔۔۔؟ کیوں آپ کا کوئی پکا روز قیام کا ارادہ نہیں؟"

"کچھ روز تو نہیں البتہ ایک رات کے بارے میں ضرور سوچا تھا۔ پرسوں اتوار ہے۔ بچوں کو اسکول سے چھٹی ہوگی اس لیے سوچا تھا کہ۔۔۔ لیکن اگر آپ کو پسند نہیں تو ہم کل شام کو ہی واپس آ جائیں گے۔"

"پسند کی بات نہیں ہمیں کیا اعتراض ہوگا۔ بچے اور میں آتے جاتے ہی کب ہیں۔ ایک ہی تو گھر ہے' دو چار گلی تو تھیا آنے جانے کے راہ ہے۔ اب اگر ہم آپ کے میکے آتے جاتے بھی بندش لگانے لگیں تو آپ تنگ آ جائیں گی۔"

یاسمین کے حافظے میں ابھی تک اس کی ساری بحث میں اعتراضات اور پابندیاں موجود تھیں لیکن اس نے مصلحتاً ان کا حوالہ دینے سے گریز کیا اور خاموشی سے اسے سننے لگی جواب اسے مزید تیران بلکہ پریشان کر رہا تھا۔

"اصل میں جیسے جیسے ہمارے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی تمنا جاگ رہی ہے۔ پتا نہیں کتنا عرصہ آپ سے اور بچوں سے دور رہنا پڑے۔ کم از کم جتنا عرصہ ہم یہاں ہیں' ہمیں اکیلا نہ چھوڑیں۔"

"اگر آپ کو اس قدر گھبراہٹ اور بے چینی ہے تو پھر ہفتے دو ہفتے کے لیے باہر جانے کا ذہن ہمیں کو کیوں نہ کر لیجیے۔"

"نہیں! ایسے مواقع روز روز نہیں ملا کرتے اور پھر آپ کے سامنے ہے' یہاں کوشش کرتے کرتے کتنے سال ہو گئے۔ معمولی سے معمولی کاروبار کا آغاز کرنے کے لیے بھی تین چار لاکھ چاہئیں۔ اس سے کم میں تو گھریلو ہی لگایا جا سکتا ہے جو خاصے بے وقار ہے۔ باہر جانا یوں مثل کے بس کی بات نہیں۔ ہم تھوڑے سرمایہ کے ساتھ یہ ہمیں کوارا ہے کہ ہمارے جاپ واپا کے جام کو یوں رسوا نہیں کر سکتے۔ دولت جدائی برداشت کرنے کا حوصلہ تو ہمیں بھی کرنا پڑے گا اور آپ کو بھی۔"

بے حد حوصلہ افزائی کے اس آخری فقرے نے مہتزاری یاسمین کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ ایسی باتیں تو اس نے شادی کے اولین دنوں میں بھی نہ کی تھیں۔

"ہم آپ کے لیے تو دعا کرتے ہی ہیں۔"

بچوں کی موجودگی میں اسے جواب دینے میں گھبراہٹ اور جھجک کے بے معرکہ اظہار اور بے تابی پہ گھبرا کے اٹھنے کا بہانہ تلاشنے لگی لیکن اسکے لیے اس کا باعث باہر کی گرفت میں تھا۔

"کمال ہے ایک ہم ہیں جو اک پل کے لیے آپ کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتے' ایک آپ ہیں جو فضیل کے کاموں میں الجھی رہتی ہیں۔"

یاسمین نے سٹ پٹا کے ادھر ادھر دیکھا۔ اقدس اپنی پلاسٹک کی گن میں پانی بھرنے میں مصروف تھا جبکہ شمشیر پورے انہماک کے ساتھ ہوم ورک کر رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے کسمسا کے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا' باہر کی گرفت اور بھی مضبوط ہو گئی۔

نہ تو لمس نیا تھا نہ ہی باہر ہمارا یوں مثل اس کے لیے کوئی غیر تھا لیکن اس کے باوجود صاحبزادی یاسمین کو اس عمر میں بھی لگنے لگا جیسے تو عمری کے اوائل دور میں کسی نئے نویلے لمس نے کنوارے جذبات دل میں دہکا دیے ہوں۔ اس کا تندی چھوڑنا حدت سے سمٹا تھا۔

"حد کرتے ہیں آپ' بچوں کا تو کچھ ہماری اور اپنی عمر کا لحاظ کر لیجیے۔"

"کیوں کیا ہوا ہماری عمر کو؟" وہ سخت بدمزہ ہوا۔ اس کا لہجہ بدلا تو یاسمین بھی چوکی تو اس نے کمال اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر دل خول چڑھا لیا۔

"اور نہیں زیادہ نہیں۔
تو کیسی تھک ہے تمہیں۔
اور میں جواں۔۔۔
تجھ پہ قربان میری جان میری جان۔"

وہ گنگنایا تو یاسمین دھری ہو کے رہ گئی۔ شمشیر نے بھی سر اٹھا کے دیکھا تو یاسمین نے غصہ آنکھوں کا رخ موڑ دیا کیونکہ باہر تو اتنی اخلال اس موڑ سے نکلنے کو تیار نہ تھا۔

"جانے سے پہلے یہ ضروری کام کر لیں کہ ہمارا وہ زیور ہو ہم نے آپ کو فروخت کرنے کے لیے دیا تھا اس کا حساب کر لیجیے کہ کتنے میں بکے گا۔ اگر جتنی رقم کہے وہ ہم چچا حضور سے مانگ لیں۔"

"ہاں مگر قرض کے طور پہ۔" اس نے تنبیہ کی۔

"ہم وہاں جانے کے بعد جیسے ہی سیٹ ہوں گے پہلے ان کا قرض چکائیں گے۔ حالانکہ ان کے کچھ احسان تو ایسے ہیں جو ہم عمر کے بھی نہیں چکا سکتے جیسے کہ آپ کو ہماری زندگی میں شامل کرنے کا احسان۔"

"آپ بھی بالکل۔"

"واقعہ ہم سچ کہتے ہیں۔ آپ جیسی رفیق حیات نصیب والوں کو ملا کرتی ہے۔ ہم زندگی کے اور معاملات میں بھٹکے ناکام رہے ہوں لیکن آپ کی صورت میں جو نعمت ہم نے پائی ہے اس کی وجہ سے ہمیں کچھ خوش فہم سا ہو چلا ہے کہ تقدیر کے معاملے میں ہم اتنے کھوٹے بھی نہیں' جب آپ جیسا کوہر شبچراغ ہمارے مقدر میں ہو سکتا ہے تو قسمت سے اور بھی کوئی نہ کوئی کامیابی لکھی ہوگی۔ بس اسی امید پہ سات سمندر پار جا رہے ہیں۔"

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ وہاں کام کیا کریں گے۔ چچا حضور دریافت کریں گے تو انہیں بتانا ہوگا۔"

"کام ایسا ہے جو ہمارے لائق ہے۔ یقیناً نواب صاحب کی طبع نازک پہ بھی گراں نہیں گزرے گا۔ آخر اب ہمارے شانوں پہ اپنے خاندان کی ناموس کے ساتھ ساتھ نواب گھرانے کی آبرو برقرار رکھنے کی بھی ذمہ داری ہے۔ ہمارے ایک قدردان ہیں لک صاحب' آپ کی صاحب سلامت ہے ان سے۔ ان کا وسیع کاروبار پاکستان کے علاوہ عرب امارات تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ اپنے وہاں کے کاروبار کی نگرانی کسی قابل بھروسہ شخص کو سونپنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اس کام کے لیے ہمیں چنا۔ خاصا معقول معاوضہ بھی ہے نگاہ اور رہائش کا بھی انتظام ہے۔ البتہ لکھت کا مسئلہ ہے اور ظاہر ہے ہم خلاف جیسے لمبی تانیں چلا سکتے ہیں۔ پوچھنے کا مطلب ہے نہ ہی ملک صاحب کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھئی باہر ہمارا یوں مثل کے ظاہر پہ نہ جائیے۔ اس کے پیچھے کوئی نہیں ہوس اس لیے کام سے پہلے "کام" دیکھنے کی وجہ تھی کہ ہمیں آپ سے زیور بیچنے کا اختیار ہے۔"

"زیور ہوا کسی لیے ہے' آڑے وقتوں میں کام آنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ یہ بتائیے کیا کمی ہے کچھ کام بنا؟ آپ فرمائیے تھے ہماری طرف۔"

"سونے کا بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ یاسمین بیگم گہر فروخت کرنے نکلو تو کوئی قیمت بھی نہیں ملتی۔ پھر اتنے پرانے زیور کی چمک دمک بھی ماند پڑ گئی ہے۔ پالش کرنے میں بھی کئی ماشے جھڑ گئے۔ آپ کے زیور کی کل قیمت ہمارے پچیس ہزار لگائی ہے۔ ابھی ہم واپس لے آئے ہیں' ظاہر ہے اتنے پیسے سے ہمارا کام نہیں بننے والا' پھر تعلق میں آپ کی چیز کیسے ضائع کریں۔ اگر مزید ایک ہی رقم کا اور انتظام ہو جائے تو سوچا جا سکتا ہے۔۔۔" اس نے بابائے بھری بابوی اور بھگتی چہرے پہ طاری کیا تو یاسمین کا دل ہول کے رہ گیا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ابھی تالیہ والی بالیاں مت بیچیے۔ آپ چچا حضور سے التجا کریں گے' وہ ہماری مان ضرور لیں گے۔ آپ کے وہاں جانے کا انتظام انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گا۔" وہ اسے بھروسہ دلاتے ہوئے کل صبح کیلئے

جانے کی تیاری کرنے لگی۔ دو بیاہتا بیویاں مطمئن اطمینان سے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے نیم دراز مسکرا رہی تھیں اپنے بچپن کی الھڑ کی یادیں دہرانے لگیں۔

پرانے وقتوں کا زیور اتنا کم قیمت بھی فروخت نہیں ہوا تھا جتنا کہ وہ ظاہر کر رہا تھا۔ بھلا کھرے خالص اور نقوش ہوتے کان سیٹ جو ہاتھ میں بنے نقش کے لیے سنبھال رکھا تھا اور جسے ایک غلط مشورے کے لیے فروخت کرتے ہوئے اس ہزار یا کابل وقت کے لیے بھی پیش نہ کیا تھا۔ مشتقل کے بارے میں تحریر دیا نہیں ہوا تھا۔ سیٹ بھی تھا تو ہیں ہزار میں بک رہا تھا۔ بالیوں کی آخری جوڑی کی بارہ ہزار قیمت لگی تھی۔ اور جھمکے اور تین چار انگوٹھیاں مالکے کے ساتھ ہزار تک تو دم قبل ہی جا رہی تھیں۔ وہ جاتے جاتے زیادہ سے زیادہ رقم بٹورنا چاہتا تھا۔ یہ آخری جھٹکا صاحبزادی یا تھیں کو بہت مہنگا پڑنے والا تھا۔ اپنے شوہر کی ساری پالیسیاں اور روپے کے سرخ نوٹ کیے اس وقت اس کی ہونی محبت کے خمار میں سب کرنے کو تیار تھی تھی کہ اپنے چچا حضور کے آگے دوبارہ مانگنے کو بھی علاقہ کان کے حالات سے واقعی طرح واقف تھی۔

☆ ☆ ☆

عمیص سے مخطوطے کے اگلے ہی روز ناشتے کے بعد نواب صاحب نے صاحبزادی حرمت النساء کو مخاطب کیا۔

"ہمیں ایک ضروری بات کرنی ہے۔ آپ چچا حضور کے کمرے میں تشریف لے چلیے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

ناشتے کے برتن اٹھالی موتیا نے چونک کے ان کی جانب دیکھا اور ان کے سنجیدہ چہرے سے ان کی کے تاثرات پڑھنے کا اندازہ لگانا چاہا کہ وہ کل حضور سے کس قسم کی ضروری بات کرنے والے تھے۔ مگر وہ اندازہ لگانے میں ناکام رہی۔

"کیا خیر کل عمیص کے ذکر کی ایک بار پھر کام کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی امید تو کبھی ہے۔ تو کیا اپنے فیصلے کو باقاعدہ اور حتمی شکل دینے ہم جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو خیر میری خیر نہیں۔ کل نے تو میرا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سارا عتاب مجھ پر ہی اٹھایا ہے۔"

صاحبزادی حرمت النساء بھی ایسی ہی مشکل وقت میں گرفتار ان کے پیچھے پیچھے صاحبزادی عصمت النساء کے کمرے کی جانب چل دیں۔

"یا حضور ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ ہم پر ایسا نازک وقت بھی آئے گا جب اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہم اپنے فیصلے خود ہی تبدیل کرنے پر مجبور ہوں گے۔ لیکن ہم شرمندہ ہیں کہ یا حضور ہمیں نہ صرف ایسا کرنا پڑ رہا ہے بلکہ آپ کو ہمیں وعدوں سے انحراف بھی کروانا پڑ رہا ہے۔"

"ہم یہ مجبوری سمجھتے ہیں کہ عمیص کے اس تنکیف سے ہم بھی گزر رہے ہیں۔" ان کی طرف آنکھیں پھیلا کر بولیں۔

"بیگم آپ صاحبزادی گل مرغانہ سے کہہ دیجیے کہ ایک بار پھر وہ اپنے والد کو بھولنے میں کامیاب ہو گئی ہیں لیکن یاد رکھے کہ یہ جاہ نہیں علی خان اپنی اولاد کے آگے نکلے ہوئے ہیں صرف اور صرف اولاد کی محبت کی وجہ سے اپنے والد کا سر وہاں اس حد تک نہ جھکائیں کہ خود ہی بھی عمر بھر شرمسار رہیں۔ ہم صرف ان لوگوں کو اس حد تک اپنے گھر کی اجازت دے رہے ہیں۔ دو کون ہیں۔ کیسے ہیں کہاں سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ اور ہمارے خاندان سے رشتہ جوڑنے کے لائق ہیں یا نہیں۔ اس لا یعلمہ کو خوب جانچنے اور پرکھنے کے بعد ہی کریں گے اور انہیں اتنا ہی فیصلہ نہیں کر دیا ہوگا۔ اور ایک بات مزید انہیں اچھی طرح سمجھا دیں کہ یہی ہماری اہم ترین شرط ہے۔ خاندان حسب نسب و شجرہ ان سب میں وہ خاندان ہمارے ہم پلہ ہو گا تو ہی اہم بات آگے بڑھانے کے بارے میں سوچیں گے۔"

"نواب صاحب تو کیا آپ نے واقعی صاحبزادی کے لیے۔ ہمارا مطلب ہے کہ کیا آپ اپنا فیصلہ بدل رہے ہیں عمیص کی بجائے۔"

حیرت کی شدت سے صاحبزادی حرمت النساء باقی بات تک مکمل نہ کر سکیں۔ عمیص نے انہیں کو ہی میں تبدیل کر دیا تھا۔ کی بات موتیا نے بھی کو یہ خوش خبری اپنے ہوئے بتائی۔

"میری عقل سے بالاتر ہے یہ بات کہ عمیص کی ہمارے ہر نظریے سے اختلاف رکھنے کے باوجود آخر کار ابا حضور اس کی بات مان کیسے چلتے ہیں۔ آخر ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہے اس کے پاس جو داس کی ہر بڑی بات مان لیتے ہیں جس کا بنانا ناممکن سا لگتا ہے۔"

"تمہیں نے اس کی نہیں تمہاری بات مانی ہے۔ گل نے بات بدلی کرائی۔

"ہاں مگر موتیا تو عمیص نے ہی ہے۔"

"بھئی جتنے کی طرح برابر کا لیڈ نے دے دیتے ہیں بازی آتا۔" گل کو موتیا کا بار بار عمیص کا ذکر کرنا اچھا نہ لگا اور موتیا کو اس کا عمیص کے ذکر سے کترانا برا لگا۔

"اور تم بھی بیشتری طرح احسان فراموش کرنے سے باز نہ آتا۔"

"کیسا احسان؟ اگر تو اسے احسان جتا رہی ہو عمیص پر۔ سمجھتے ہیں کہ ہمارا موقف ابا حضور تک پہنچانے کا تمہارا نے ہماری بات۔ کوئی احسان عظیم کیا ہے تو بھول جاؤ۔ اگر تم لوگ یہ بات نہ کرتے تو ہم خود ہی کہتے جس تک ابا حضور کے سامنے کی بات نہ تو ابا اس لیے ہوا کہ یہ معاملہ ان کی لاڈلی بیٹی گل مرغانہ کا تھا اس لیے نہیں کہ اس معاملے کو عمیص نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ ایسی بات ہوتی تو عمیص نے خواب تک اپنے لیے کیا کیا ہے؟ اپنا کون سا مقدمہ وہ کامیابی سے لڑ سکا ہے ابا حضور کے سامنے۔"

"جو بھی ہے اتنا مقدمہ تو اس نے تو جب لڑا۔ اور پھر تمہیں تو موتیا ہی تمہیں اس کا شکریہ تو ضرور ادا کرنا چاہیے۔" یہ جانتے ہوئے بھی کہ گل مرکا موت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ موتیا سے یہ مشورہ دے بیٹھی تھی حسب توقع اس نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔

"ہاں تاکہ وہ ابا حضور کی بہت سر چڑھا رہے۔ ہمیں جو تمہاری قسمت بھسمان لو۔ شیو ہمارے مقدمے اس وقت خاصے روشن ہیں۔"

"اللہ کرے ہمیشہ روشن رہیں لیکن گل کو جو روشنیاں بانٹنے سے کم نہیں ہوا کرتیں۔" اسے تھوڑا سا پہلی بار کن کی طرف پیش پیش تھا۔ حسب الموہوم بیاہتا کیلئے اس کے تاثرات سے قطعی بے نیاز گل اس وقت اپنے آپ میں گم گل کے بارے میں سوچ رہی تھی جب اسے شرارت کو یہ خوشخبری سنائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سر! ہم نے گھر میں آپ کے رابعین کی آمد کے بارے میں سب کو مطلع کر دیا ہے۔" جھکتے ہوئے گل نے بتایا۔

"وہ۔ کوئی ہلچل۔ کسی نے کسی نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

"اعتراض کیسا؟ ہمارا مطلب ہے کہ اس اسٹیج پر ہونے والی اعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔ ابھی تو آپ نے ہی نہیں۔ وہ دونوں خاندانوں کا تعارف بھی نہیں ہوا۔"

"تعارف۔" وہ بے چینی میں بڑبڑایا۔ یہ مرحلہ بتانا گزر تھا کہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ مگر اس مرحلے کو سر کیے بغیر اگلے مراحل کا طے ہونا ناممکن تھا۔

"یا ہوا سر؟" گل بھی سمجھ سے اس کا تردد بالا تر تھا۔

"ال۔ کچھ نہیں کچھ نہیں۔" شرارت نے سر جھٹکا۔

"پھر بھی۔ انہوں نے کوئی ناں ہل ظاہر کیا ہو گا؟" جانے والے کو یہ ایک کریدنا چاہ رہا تھا۔

"سر ہم نے بتایا تھا کہ ہماری پہلی خاصی کمزوری ہے تو وہ ذات کو بیعت رکھنے کے رکھنے والی۔ اعلیٰ تعلیم اور

روشن خیالی اور معاملات پر اثر انداز ہوئی ہے مگر سوسو قوانین کے معاملے میں ہم لوگ ابھی وہی پچھلی صدی میں سانس لے رہے ہیں۔ صرف ہمارے بزرگوں کو ہی نہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے اعلیٰ نسب اور سب سے بڑھ کے اس نسب کی عظمت برقرار رکھنے پر فخر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے روایتی ماحول میں ہمارا یہ ذکر کرنا سب کو گراں گزرا لیکن ہم نے سب کو مطمئن کر دیا ہے۔ ویسے بھی ہمارے ابا حضور کو ہم پر پورا اعتماد ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی۔ بس انہیں یہ فکر تھی کہ خاندان سے باہر رشتے ناتے کرنے میں کہیں آپ ہمارا مطلب سمجھ رہے ہیں۔"

"سمجھ گئی۔"

"اسی لیے انہوں نے سب سے پہلی اور کڑی شرط یہ لگا دی کہ ہمارے لیے آسودہ لڑکا یہ رشتہ حسب نسب میں ان کے خاندان کے برابر ہونا چاہیے۔ شرافت و نجابت ان کی پہلی ہی نہیں بلکہ واحد ترجیح ہے۔"

مسکراتے ہوئے یہ شرارتاً ان کی طرف دیکھا۔ شہزاد ملک کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

"یہی وجہ ہے کہ ہمیں انہیں مطمئن کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کتنی اچھی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

شہزاد نے بمشکل مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ گل مہر کے آفس سے نکلنے کے بعد اس نے اس چلتی اور بے جان مسکراہٹ کو تو چاہا اور اپنے خوبصورت چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپا کے سر چیئر کی پشت سے ٹیک دیا۔

"ہم جانتے ہیں کہ آپ کتنی اچھی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔" اس کا لہجہ روحانی تھا۔

"شرافت و نجابت ان کی پہلی ہی نہیں بلکہ واحد ترجیح ہے۔" اور اس کی دوسری شرط۔

"ہمیں بھی اپنے اعلیٰ نسب اور اسے برقرار رکھنے پر فخر ہے۔" اس کا لہجہ خود اس سے شہزاد ملک کی ذات محو ہو گئی۔

"کتنا چاہا تھا میں نے برداشت کرنا چاہا۔ لیکن یہ آئینہ خود کو دیکھنا چاہتے ہوئے بھی ہر بار میرے روبرو آ جاتا ہے۔ اور کتنی دیر تک۔ اور کتنے عرصہ میں اس سے بچتا رہوں گا۔ اس آئینے سے بھاگتا رہوں گا۔ اپنے اس عکس سے منہ چھپاتا رہوں گا۔"

وہ بیچ پریشان تھا کہ آنے والے وقت سے کیسے دامن بچائے۔ وہ گل مہر کو حاصل بھی کرنا چاہتا تھا لیکن حصول کے اس رستے میں کئی خار تھے جنہیں اس نے ان کے وجود سے چاک چاک ہونے کا خدشہ تھا۔ جن سے اس نے اپنا آپ چھپا رکھا تھا۔ مشکل تو یہ تھی کہ اپنا راز چھپائے رکھنے کی خاطر وہ گل کی خواہش سے دست بردار ہونے کو بھی تیار نہ تھا۔

"خود ہو گا کیسے کیا جائے گا۔ کب تک یہ خوف مجھے اپنے حصار میں لیے رکھے گا۔ میں نے خود کو کمزور بنایا ہے ورنہ یہ ایسی بھی بڑی بات نہیں۔ کون ہے میرے حلقہ احباب میں جو اب تک یہ حقیقت جان پایا ہے۔ گل مہر کے گھر والے بھی یہ جان سکتے ہیں جب تک کہ میں خود نہ بتاؤں۔ اور ظاہر ہے کہ میں خود تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

اس نے خود کو تسلی دی۔

"لیکن تمہارے حلقہ احباب سے تمہاری حقیقت اس لیے چھپی رہی کہ تم نے ان سے اپنے ماں باپ اور رشتے داروں کو چھپائے رکھا اور گل مہر کے معاملے میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہاری ماں اور تمہارا باپ وہ اچھا خاصا آپ ہیں۔ نہ تو تم انہیں زندگی کے اتنے اہم مسئلے سے دور رکھ سکتے ہو۔ نہ ہی گل مہر کے روایتی خاندان والے تمہیں بغیر والدین کے حوالے کو قبول کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ خود یہ خلا پچھتانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو تمہارے ہر سوال سے اپنی ذات پر چھائے ہوئے ہو۔"

اس کے اندر سے ہلکی سی آواز ابھری تھی۔

"لیکن انہیں ایسا کرنا ہو گا۔ ہر حال میں کرنا ہو گا۔ میں نے کیا نہیں کیا ان کے لیے۔ کیا وہ میرے لیے اتنا سا

جھوٹ بھی نہیں بول سکتے۔ اب تک کیا ہی کیا انہوں نے میرے لیے۔ ساری زندگی مجھے شرمندہ کرنے کے سوا۔ اب انہیں میری خاطر یہ کرنا ہو گا۔"

اس نے خود کو اکسایا کہ کسی نہ کسی طرح وہ کرم الٰہی اور بابو کو رضامند کرنے کا کہے۔ وہ گل مہر کے گھر والوں کے سامنے اپنی اصلیت پوشیدہ رکھیں لیکن کرم الٰہی اس کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا شہزاد۔ کل تک تو تم یاروں دوستوں سے ہی اپنا اصل چھپایا کرتے تھے۔ چل وہ بات دوسری ہے ان سے تعلق واسطہ ہی کتنا ہے۔ بندہ چاہے تو چھپا بھی لے تو تھوڑا بہت گزارا ہو جاتا ہے لیکن یہ بات دوسری ہے۔ اب تو مہر بھر کا رشتہ بھی جھوٹ بول کے بنانا چاہتا ہے۔ بھلا دیا تمہیں کے فیصلے اس طرح جھوٹ بول کے ہوتے ہیں۔ جو لوگ اتنے اونچے خاندان کے ہیں ان سے تمہارا جھوٹ کتنے دن تک چل سکے گا۔ بے وقوفانہ باتوں کے سوا کچھ کاری سے طے نہیں ہوتے۔"

"مجھے تب کی نصیحتیں نہیں۔ آپ کا تعاون چاہیے۔" وہ بھڑک کے بولا۔

"تمہارا ہو ٹھیک کہہ رہا ہے چتر۔" بابو نے بھی سمجھانا چاہا۔

"اچھے رشتوں میں جھوٹ زیادہ دیر نہیں چھپتا۔ کل کلاں کو یہ بات کھل گئی تو زیادہ برا ہو گا۔ اس سے اچھا ہے کہ پہلے ہی بات صاف کر لی جائے۔"

"ہاں صاف صاف کہہ دوں انہیں کہ بات سچ ہے۔" وہ چیخ اٹھا۔

"اور اس کے بعد کس منہ سے درخواست کروں کہ نواب صاحب اپنی لاڈلی بیٹی مجھے یعنی میرا بیوں کے چشم و چراغ کو سونپ دیجیے۔ اور آپ کا خیال ہے کہ میرے سچ کو سچ جو مجھے خوش ہو کے میرا شاندار نصب نہ پہنچے گے اور پھر شرمندگی کے طور پر مجھے نادار بھی بنا دیں گے۔"

"انہیں بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" بابو نے اسے سمجھایا۔ شہزاد کی چیخ پکار اور واویلا ذرا پسند نہ آیا۔

"میرے بچپن پر کوئی انگلیاں اٹھی ہی نہیں ہیں۔ ایک دو موٹروں کی تو دس ہزار میں لی گئی اور یہ بھی ایک سے ایک سوئی جو ہل تو سہی میں کل سے ہی۔"

"ہیں اماں۔" اس نے بات کاٹ دی۔

"یہ بتا رہا ہوں اچھی طرح کیا چیز پسند کرتے ہیں۔ مجھے چاہیے مجھے کیا چیز چاہیے اور وہ چیز صرف گل مہر میں ہے۔ گل مہر کو میں ہر حال میں پانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں آپ کی دو لاکھ کی بھی ہوں۔ آپ دونوں سے گزارش کرتا ہوں کہ میری خاطر۔ صرف اور صرف اپنے اکلوتے بیٹے کی زندگی بھر کی واحد خوشی کی خاطر۔ آپ لوگ کسی کے لیے بھول جائیں کہ آپ کون ہیں۔ صرف یہ کریں جو میں کہوں۔"

"بیڑا رہا سہا بھی اس عمر میں آ ہے نہیں ہونے والی۔" گرم کرم الٰہی نے صاف جواب دے دیا۔

"اور پھر تو پتا کب تک جھوٹ بولتے رہیں ہم۔ چل تیری بات مان کے میں جھوٹ موٹ کا بیٹھ اور جائی بن کے بھی لیتا ہوں اس اونچے ناک والے نواب سے اور تیری شادی بھی تجھ سے من پسند لڑکی سے ہو جاتی ہے تو کل کو جب وہ اصلی بن کے بیٹھ کے لیے اس گھر میں آنے کی کیا تب اسے پتہ چلے گا تو پھر ہمیں جائیداد بھی ساری خیالی جھوٹ جھوٹ ملیں گے۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں بھی اپنا آپ کھل نہیں سکیں گے۔"

"آپ ایک بار میرا یہ کام تو کر دیں۔ پھر ہی وہ کا تو آپ جانیں۔ آپ کو انہاں میں اپنا اصل کے ساتھ جینے کی خواہش ہے تو میں اس کا بھی انتظام کر دوں گا۔ آپ کو گاؤں بھیجوا دوں گا۔ زمینیں موجود ہیں کے دن گاؤں کی طرح دوریوں کی طرح اپنے رشتے داروں میں سر اونچا کر کے اپنی مرضی کے مطابق گزار لیں۔"

"اچھی بات ہے یہ ہو نے کے بعد انہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکے گا۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے تو آپ ہی کی خوشی کے لیے یہ کہا تھا ورنہ آپ عمر بھر میرے ساتھ رہنا چاہیں تو یہ میرے نصیب کی بات ہو گی۔ آپ کو خوشی ان اجنبی گھروں میں وحشت ہوتی ہے اس لیے

پلیز اباجی میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں۔"

"او ہو تمہیں سمجھ رہا ہوں اب تو بھی سمجھ لے کہ یہ جھوٹے کھاتے تو عزت تو نے اب تک بنائی ہے وہ بھی مٹی میں ملا دے گی پھر تمہیں کوئی الزام نہ دیا۔"

"اگر آپ کفایت شعاری کریں گے جیسے میں کہوں گا تو ہم کوئی بیچ کر نہ جائیں گے کاروبار بھی — پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا عیب چھپانے کے لیے بھی کافی ہے اور جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی ہو آپ دونوں ورثا کی کوشش کے بعد پوری کر سکتے ہیں اگر آپ واقعی کوشش کرنا چاہیں تو۔"

"تمہیں کرنا پڑے گا۔" ابا جی نے شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یاد کچھ نہیں۔ میں ان لوگوں سے ظاہر کروں گا کہ میرے والد میں باقی کیس منظر رکھتے ہیں۔ جدی پشتی جاگیردار اور زمیندار ہیں۔ ظاہر ہے اب کچھ باتوں میں آپ کا رعب اور چال ڈھال قبول نہیں کر سکتا اس لیے زمین دار اور زمیندار ہونا آپ کی صاحبی پر پردہ ڈال دے گا۔ انہیں بتایا جائے گا کہ آپ لوگ شہر میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ میں انہیں تکلف دیہاتوں اور علاقوں میں اپنی زمینوں کی تفصیل بتاؤں گا کہ آپ اس سے انکار ہرگز نہیں کریں گے۔"

"اور وہ لوگ تحقیق کرنے نکل پڑے تو۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ سمجھے بھی کچھ زمینیں خرید رکھی ہیں میں نے اپنے نام پر۔"

"اچھا۔ اور کچھ؟"

"اب انہیں ذرا سا بھی شک نہیں ہونے دیں گے کہ آپ کا یا اماں کا یا ہمارے خاندان کے کسی بھی فرد کا ظلموں یا جھگڑے جھانسے کی کوئی تفصیل رونما ہوئی ہے۔ ہمارے کسی رشتے دار کے بارے میں وہ یہ نہیں تو کچھ دیکھتے کہ ہماری سادی ذات برادری تقسیم ہند کے موقع پر بچھڑ گئی۔ کچھ رہ گئے کچھ مر کھپ گئے۔ ایک بیمار ذہن اکلوتا مرنے جا رہا تھا کہ اس کے والد کے ساتھ بھی یہی حادثہ ہوا تھا اس لیے اس بارے میں وہ حد جذباتی ہیں۔ شاید ان کا بھی کوئی جذباتی سہارا میرے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا کر دے۔ کیا ہوا کیا سوچ رہے ہیں آپ؟"

"انہیں گائیڈ لائن دینے سے پہلے کہ کسے شہزادے کے صوفے میں ڈوبے کرم الٰہی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"دیکھو میاں ہوں کہ ذرا سے بتاتے جاتے میرا چہرہ زرد ہو گیا ہے ایک ذرا سا تو سمجھنے لگا ہے۔ لیکن سوچو۔ اگر یہ زندگی اک ڈرامہ ہے بھی تو اس کی کمائی تو اور بالا لکھتا ہے۔ کچھ تو ہمیں آگے سین میں کیا ہو جانے ساری تیاری دھری کی دھری رہ جائے۔"

"او ہو۔ بھولا بھالا۔" وہ جھنجلا اٹھا۔

"سیدھی طرح کہیں کہ آپ لوگ میری مدد کرنا ہی نہیں چاہتے۔ میں نے پہلی بار آپ سے کچھ مانگا ہے اور آج بھی آپ کے پاس تھوڑے سے کے لیے کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔"

"ہاں شہزادے تو واقعی ہمارے ساتھ میں کچھ نہیں۔ ابھی تجھے بتایا بھی تو نہیں دے سکے۔" بابو بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"تو کیا نہ کرے۔ ہم ہی کریں گے جو تو کہے گا۔" بابو کے کہنے پر کرم نے تو پ کے دے دیا لیکن بابو نے اس کا ہاتھ دبا کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"پہلی بار تو ہمارے شہزادے نے ہم سے کچھ مانگا ہے۔ پہلی بار تو ہم اس کی زندگی کے کسی فیصلے میں شامل ہونے جا رہے ہیں جا چہرے پر تعجب لکھا تھا کسی۔"

☆ ☆ ☆

"کیا بات کی کہ میرے والد صاحب کی طبیعت کچھ بہتر ہے اس لیے وہ فی الحال شہر نہیں آ سکتے۔" اگلے روز وہ بہاں بنا رہا تھا۔ بے شک کرم الٰہی اور انجمن رضامند ہو گئے تھے لیکن انہیں اس کے لیے تیار کرنے میں اسے

کچھ وقت چاہیے تھا اور یہی مہلت حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا اور جھوٹ گھڑا۔

"کیا وہ بیمار نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ نہیں شہر کا ماحول ان کو خاص پسند نہیں۔ دیہات والے لوگ ہیں آپ کے والد صاحب کی طرح ایسے والد صاحب کو بھی اپنی روایات اور "اصل" سے کچھ زیادہ ہی انس ہے۔ وہ بھی کھلے میدان آ بھی جائیں تو ان کا من نہیں لگتا۔ انہیں گاؤں میں اپنی حویلی زمینوں اور بھینسوں اور مزارعوں کے ساتھ رہنا زیادہ پسند ہے۔ ان کی چودہ بہت پہلے گئے ہوا تو ڈری سی ہو جاتی ہے۔ اب نئی دلہن کیسی وہ بیمار ہیں۔ میاں شہر میں علاج کی جدید سہولتیں ہونے کے باوجود میرے اصرار پر بھی آنے پر تیار نہیں ہوتے کہ بقول ان کے شہر میں بیماری اور نہیں ہوتی بلکہ جہاں کو موت جاتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

"ویسے تم نے کچھ کہا ہوتے زیادہ بہتر ہوتا۔ ہم تو خود ہی ان سے خود نہیں ملے ہیں۔ آپ کو اس لیے بتایا کہ آپ کے گھر والے اتنے مصروف ہوں گے۔ ویسے تو کہیں کے آنے کی اجازت طلب کرنے کے بعد آنے میں اس قدر تاخیر ڈالنے والے لوگ کس قدر بدتمیز ہیں۔"

"نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بھی ہڑبڑا گیا۔ "ملنے ہوئی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ حضور کی جانب سے عندیہ تو ظاہر ہو چکا تھا لیکن یہی بات ظاہر تھا کہ والد نے ہی اس لیے پہلے سے راضی نہیں تھا کہ اخبار سے خوش ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شہر کے ماحول میں ایک تاثر کی کیفیت تھی۔ مکمل مطمئن ہو گیا کہ شہزادے کے گھر والے حضور کی جانب سے ہونے والی اس وقت تاخیر کے نتیجے میں اس کے گھر میں بھی سب لوگوں کو ذہنی طور پر تامل ہونے کا موقع مل جائے گا۔

☆ ☆ ☆

"تم تو آپ نے عجیب الجھا دینے والی خبر سنائی ہے حضور۔ "صاحبزادی یا تمہیں کو پہنچے آنے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ انہیں کی خصوصی اور کل مرکز کی رشتے کے لیے آنے والی خبر نے انہیں بھی بری طرح الجھا دیا تھا۔

"میں تو چچا حضور یہ حیرت ہے کہ وہ کیسے اتنی آسانی سے کل مرکز حضور کے آگے پیش ہو گئے۔"

"آسانی سے نہیں یہ تو خدا کی رحمت ہے کہ انہیں یہ بات مانتے میں کتنی تکلیف اور رنج سے گزرنا پڑا ہوگا۔ صاحبزادی طبیعت الحمد سے نامطمئن تھیں۔"

"مگر ایسی بات تھی تو پھر وہ اپنا فیصلہ بدل لیتے۔ آخر ہمارے بھائی میں کیا کمی ہے؟"

"کل کی۔" انہوں نے اصل بات بھی بتا دی کہ کیسے وہ خواب ہمارے عمل میں پیش پیش تھا۔

"بھائی صاحب شاید مانتے ہوں گے کہ ہم نے ہی پہلے خود ہی بیٹے کے حال کا نہ دیکھا۔ آپ جانتی ہیں کہ انہیں اپنے چچا حضور کے متعلق کوئی کتنا خوش ہے پھر چاہے معاملہ ان کے مفاد میں ہو۔ انہیں اس بار تو انہوں نے کافی دیر تک مخالفت میں اپنا ہی فیصلہ کیا۔"

"نہیں ان کی مصروفیت ہے۔ اصل اختلاف ہے کہ عصمت میاں اور چچا حضور کے نظریات آپس میں ٹکراتے ہیں ورنہ ہم جانتے ہیں کہ وہ دل سے ان کا احترام کرتے ہیں۔ ہاں اس معاملے میں انہوں نے کل مرکز حضور کی حمایت کیوں کی یہ واقعی حیرت کی بات ہے۔"

"صرف حیرت کی نہیں یہ افسوس کا مقام ہے صاحبزادی یا تمہیں۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں سر خاب۔ کیا کہہ رہے ہیں ان معذرت میں کل مرکز ہمارے بھائی کو رد کر دیا۔" وہ اس بات کو سمجھ نہ پا رہی تھیں۔

"یہ تو ملاقات کے بعد ہی پتا چل سکے گا۔" انہوں نے ایک بار پھر تسبیح اٹھائی۔

"ہمارا تو دل ہی بجھ کے رہ گیا ہے۔ کس جوش و خروش کے ساتھ ہم آئے تھے کہ آپ کو یہ خوش خبری سنائیں گے اور آتے ہی ایسی خبر سنائی۔"

"اللہ مبارک کرے، کیسی خوشخبری؟"

"آپ کی دعاؤں سے ملازمت کا پکا آرڈر مل گیا۔ ملازمت کا بڑا معقول انتظام ہو گیا۔ ابا جی بھی چاہتے تھے اور میں بھی چچا حضور کی خواہش تھی یعنی باعزت اور باوقار۔ تنخواہ بھی مناسب ہو گی۔ بس یہ ہے کہ انہیں کچھ عرصہ پردیس میں گزارنا ہو گا۔"

"پردیس میں؟"

"جی ہاں! بیرون ملک ملازمت ملی ہے۔ ان کے کسی جاننے والے نے اپنے وسیع کاروبار کی انتظامی شاخ کی نگرانی کے لیے ان کا انتخاب کیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ انتظامات عملی میں ابھی ایک آدھ ہفتہ ہے۔ رخصت ہو رہی نہیں دیا جا رہا۔ اسی سلسلے میں میری بات چچا حضور سے بات کرنے آئے تھے۔"

"کیسی بات؟" انہوں نے بھتیجے کا بار خود برداشت چاہا۔

"یہی کہ اگر کچھ رقم کا انتظام ہو جاتا تو یہ موقع ہاتھ سے نہ نکلتا۔ زیادہ نہیں بس کسی کوئی پندرہ بیس ہزار۔"

"مگر کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ پندرہ بیس ہزار اتنی بھی کم رقم نہیں۔ اور آپ کے چچا حضور کو دیکھ بھی رہے ہیں کل کی مشکلات کا سامنا کر رہا ہے۔ گھریلو حالات میں بھی دشواری دور میں بھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ ایسے میں آپ کا مطالبہ انہیں اور بھی پریشان کر دے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ان کے پاس رقم ہوتی تو آپ کو ایسے کو انکار نہ کرا سکیں گے۔ آخر وہ ان کے سامنے عزت پر قرار رکھنے کا معاملہ ہے۔ نہ جانے کہاں سے انتظام کرتے پھریں گے۔ ہو سکتا ہے کل بہر کار شدہ ہیں ملے یا جائے کہاں وہ ہو آتی ہیں اس صورت میں کسی ایسا طریقہ انہیں رقم کی ضرورت پڑے گی۔ ان کی زندگی پہ ان کی اولاد کا بھی حق ہے۔"

"ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ جانتے ہیں اور ہم اپنے حق سے نہیں نہ ڈالے چکے ہیں لیکن یہ وقت ہی ایسا آن پڑا ہے اور یہ رقم ہم قرض کے طور پر لے رہے ہیں۔"

"اس بات بھولیے گا بھی اپنے چچا حضور کے سامنے مت کہیے گا۔ ان کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہو گا کہ وہ بیٹی کو قرضے کی نیت سے رقم دیں۔"

"تو پھر ہم کیا کریں؟ کس سے مدد مانگیں۔ بھائی تو ابھی خود میرے جلنے کی تک دو میں مصروف ہیں ورنہ ان سے مانگ لیتے۔ شہر کے سامنے ہماری عزت کا ہی نہیں بلکہ ہمارے بچوں کے مستقبل کا سوال ہے۔" وہ دو پزیر تھا۔

ساجزادی خلعت النساء بے چین ہو گئیں۔

"ہم آپ کی مجبوری سمجھ سکتے ہیں لیکن آپ بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے۔" ہم بھائی صاحب کی ذہنی الجھنوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہمارا خیال ہے کہ آپ بھی ہرگز ایسا نہ چاہیں گی۔" اندیشہ یہی سے کہتے تھیں۔

"ہمارا کیا پوچھتی ہیں امی حضور ہم نے بھی کئی کئی کی کوتاہیاں کی ہیں۔ کیسی اٹھا جائیے تو حالات ایسے ہو گئے ہیں"

"اچھا ہم کچھ کرتے ہیں۔" انہوں نے گھنٹوں پر دوپٹے کے الجھتے ہوئے کہا۔ چند منٹ تک الماری میں کھٹ پٹ کرنے کے بعد وہ کلیں دیا تھا ہی ایک۔ کھل کی پوٹلی تھی۔

"زمانے کے ہاتھوں کس کی بچا پائے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو آپ کے ابا پہ جب لگ گئے۔ اب یہ جن میں کو دیجیے کی نیت سے جائے گہنا ہے ہیں ان کے نام لکھ کے بیکار کر لیے ہیں مانگ رہا ہے سے پہلے اگر ہماری آنکھیں بند ہو گئیں تو سب ان کا حق پہنچ جائے۔" انہوں نے پوٹلی کھول کے بیک پوش پہ الٹ دی۔ پوٹلی طرح کے بلکہ زیورات بکھر گئے۔ وہ اٹھا اٹھا کے دکھانے لگیں۔

"یہ گلوبند ہم نے عصمت میاں کی دلہن کے لیے رکھا ہے۔" ٹھوس سونے کے بھاری گلوبند کی چمک دمک اگرچہ ماند پڑ چکی تھی مگر اس کا ہر جوڑ بتا رہا تھا کہ وہ خالص ہونے کے بعد کیا غضب ڈھاتا ہو گا۔

"اور یہ چار چوڑیاں۔ ساجزادی گل مرجان اور ساجزادی الماس خاتون کے لیے ہیں۔ تو چاروں ہم نے ساجزادی الماس کو دینے کی نیت سے رکھی تھیں تو دیکھیے نام بھی ان کا لکھا ہے۔ ساجزادی گل مرجان کے لیے سوچا تھا کہ وہ

ہماری بہو کی حیثیت سے اس گھر کی وارث بنیں گی لیکن جو اللہ کو منظور ہو۔ تو وہ چوڑیاں دونوں کو دے دیں گے۔ تقدیر کی چوڑیاں ہیں۔ اصل زیور کے نگینے منتخب تھے۔

"گویہ نگینے کیسے بنایا کے لیے۔" انہوں نے بھاری بھرکم نگینے نکال کے دکھائے جن کے اوپر سونے کے ہی چھوٹے چھوٹے گھنگھرو لٹک رہے تھے۔

"آپ یہ لے جائیے۔ ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اس کا حق پہنچا دیا۔ ہمارا فرض پورا ہو گیا۔"

ساجزادی بیگم نے پرٹھکرا دیا۔ وہ نگینے لے لیے۔ ایسے میں ان کی نظر ایک بار پھر اس گلوبند اور چار چوڑیوں پہ پڑی۔ وہ پر سوچ انداز میں انہیں دیکھے گئیں۔

"نہیں بیٹا جزادی!" وہ بولیں۔ "یہ زیور گلوبند ہے۔ ہمارا ہے تو نگینے رکھ دیجیے یہ لے جیے۔"

"نہیں بیٹی! ان حضور بیٹھ کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو فروخت ہی کرنا ہے۔ کون سا اپنے پاس رکھنا ہے اور آپ نے اپنی بہو کو دینے کی نیت سے رکھا ہے۔ اللہ انہیں ہی مبارک کرے۔ انہیں پہننا نصیب ہو۔ ہم تو بس یہ سوچ رہے تھے۔"

"کیا سوچ رہی تھیں آپ؟" ان کا معنی خیز توقف ان پہ گراں گزرا تو وہ بے تابی سے پوچھ بیٹھیں۔

"ہم یہ کہ آپ کی باتیں سن کر ایک خیال آیا ہے۔" وہ کچھ اس انداز میں مسکرائیں کہ ساجزادی خلعت النساء کا "خیال" اور "سوچ" جاننے کے لیے مزید مشتاق ہو گئیں۔

"یہ چار چوڑیاں آپ گل مرجان کو دے دیجیے۔"

"کیا۔" "یہ کیا بات کہی آپ نے؟" وہ اس عجیب و غریب مشورے پہ حیران سی ہو گئیں۔

"ساجزادی الماس بھی ہماری ہی بچی ہیں۔ ان کا بھی پورا حق ہے۔ اچھا نہیں لگتا کہ ایسی کو چوڑیاں دے دی جائیں۔"

"تو پہلے بھی تو آپ چار کی چار چوڑیاں ایک ہی کو دے رہی تھیں۔" اس کی مسکراہٹ اب بھی ویسی ہی تھی۔

"کیسی نادانی کی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ کے وہ زیور اجڑ گئیں۔"

"اب ہم گل مرجان کی بہو کی حیثیت سے یہ گلوبند جو دے رہے تھے۔"

"اب بھی ایسا کیا جا سکتا ہے امی حضور۔" یہ کمین کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

"ایسا بھی مت کہو ساجزادی! کمین۔" ان کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

"صاف الفاظ میں بات کیجیے۔"

"صاف کہوں تو امی امی حضور بھی میں یہ خیال آیا ہے کہ اگر گل مرجان کم عقل کی بجائے عصمت میاں جیسے گہرے کو گوارا ہی نہیں تو کیسی نہ ہم ہوتے کہ ہمارا مطلب ہے وہ بھی اسی کو کہیں گی۔ آپ سے اس کا بھی وہی رشتہ اور اس کا بھی ہے جو گل مرجان سے ہی ہے بلکہ عصمت اور اس کی والدہ بھی ہوئی دھیمی بات نہیں۔ اگر وہ بالکل سرا سرے ضرور اور غلطی دوسرے معنوں میں ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے دونوں کو اس رشتے کو قبول کرنے میں دقت نہ ہو گی۔"

"بات تو دل کو لگتی ہے۔ کیسی اتنی جلدی گل مرجان کا نام لینا کیا مناسب رہے گا؟"

"جو کام کل مرنے کیا ہے کیا وہ مناسب ہے؟ اور مناسب کیا مناسب میں مت الجھیے وہ سمجھیے جس میں اس گھر کی خوشی اور ہمارے بھائی کی مسرت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ شروع سے ہی گل مرجان کے لیے جذبات میں کیا جذبات رکھتے ہیں۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انہوں نے ان جذبات کو گل مرجان کے آڑے نہیں آنے دیا۔ اس سے ان کے دل کو ٹھیس پہنچی ہو گی۔ ان کا وقار تو سلامت رہا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ خود کو کتنا مضبوط ظاہر کریں۔ ان کو سمجھنے میں دقت تو ہو گی۔ ہمیں انہیں ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچانا ہے اور یہ کام ہم ہو تا کہ

مدت سے آمادگی کر لیں گے۔ عصمت کے مزاج سے خوب واقف ہیں۔ دونوں میں گہری دوستی ہم آہنگی ہے۔"

"لیکن یہ صاحبزادہ عصمت اس بات کے لیے رضامند ہو جائیں گے؟"

"یقیناً" بلکہ ہمارا خیال ہے اگر وہ گل مہر کے بعد کسی کو زندگی میں شامل کرنے کا حوصلہ نہیں کرتے تو وہ کوئی اور نہیں صاحبزادہ اقبال ہی ہوں گے۔ اس کے علاوہ شاید وہ کسی کے لیے باقی نہ رہیں۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو شاید ہی کوئی اور ایسی جوان کے ساتھ نباہ کرنے کو تیار ہو کیونکہ گل مہر کو دل و دماغ سے نکالنے میں عصمت میاں کو ایک عرصہ لگے گا۔ ویسے اس حقیقت سے چشم پوشی ہی دانش ہے کہ اس کی وحشت کو فی الحال اس مذاق سے کم کیا جا سکے گا۔"

"اس حقیقت کو جانتے ہوئے آپ اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی بھر لیں گے؟" صاحبزادی خلعت افسانہ کو عصمت کے بعد اب سوتیلی رشتہ داری کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ بھی گل مہر کے سلسلے انکار کے بعد ہی تھی۔

"وہ سوچتا ہے ابھی حضور گل مہر کی۔ پہلی بات تو یہ کہ بزرگوں کی رائے کا احترام کرنا اور نبھایا جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ عصمت سے دوستی اور ہمدردی اس چیز کا متقاضی ہے کہ اسے کوئی ایسی گل مہر کی بہن ہیں۔ تیسری بات حسد اور بدگمانی کا جو حال ہی پیدا ہوئی ہے اس کی فطرت میں یہ خلا شامل ہیں۔ آپ اس کا بھی خیال رکھیں۔"

"آپ کا مشورہ بالکل درست ہے لیکن ہم اتنی جلدی کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے۔ ابھی ذکر کے سلسلے میں گل مہر کی وجہ سے تنگی ہے۔"

"یہ تنگی اسی صورت کم ہو سکتی ہے کہ کوئی خوشگوار واقعہ رونما ہو۔"

"اگر زلم صاحبزادہ گل مہر کا مطلوبہ تو کسی کو رشتہ ہو جائے۔ ابھی تو دو لوگ پیام لے کے آئے بھی نہیں۔ جانے بھائی صاحب کا کیا فیصلہ ہو۔"

"ہمیں ابھی حضور ان کا فیصلہ ہو بھی ہو ایک بات تو طے ہے کہ اگر اب گل مہر کی بات وہاں طے نہیں بھی ہوتی تب بھی ہم انہیں اپنے بھائی کے لیے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ وہ تو ایک بار ایک غیر شخص کے لیے انہیں مسترد کر چکی ہیں۔ ہمیں یہ گوارا نہیں کہ وہاں بات طے نہ ہونے کی صورت میں وہ پھر ہمارے ہی گھر میں ہمارے ہی گھر میں۔"

"ہمیں باتیں کرو ہی ہیں آپ سے تو آپ کا مزاج نہیں ہمارے اندر تبدیلی۔"

"حضور نے خواہش ہی حضور لیکن نظر ہمارا ہدایت ہی لگا ہے۔ ہمارا اختیار ہی کسی آن بان والا بیرا بھائی ہو۔ آپ جیسے از جلد سوتیا کا ساتھ چاہا حضور سے طے۔ لیں گل مہر کو بھی تو پتا چلے کہ عصمت میاں کے لیے کوئی کمی نہیں۔ یہ کام گل مہر کی نسبت طے ہونے سے پہلے ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ "وہ اسماء ہیں۔"

"اچھا دیکھتے ہیں۔" انہوں نے ٹال دیا۔ اگر چہ وہ اسمیں کی پیش کردہ تجویز انہیں دل و جان سے پسند آئی تھی لیکن وہ جلد بازی سے کام لینے کے حق میں نہیں تھے۔

"ہمیں پہلے صاحبزادہ عصمت سے مشورہ کرنا ہوگا۔ ان کے بعد اپنی بھتیجی حرمت انساء سے بھی۔ اس کے مرضی کی صورت آگے بڑھا سکیں گے۔"

"جیسی آپ کی مرضی لیکن جلدی رکھیے زیادہ تاخیر ہونے پائے۔" انہیں ٹالیہ کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکلے کے برآمدے کی جانب آئیں۔ اسی وقت گل مہر کی آنکھ سے واپسی ہوئی۔

"السلام علیکم ابا جان کب آئیں؟" انہوں نے اٹھ کر انہیں دیکھ کر مسکرانے کی بجائے اس کے خاصے خوشگوار انداز میں سلام کیا تھا۔ اس کی وجہ اس کے مزاج میں آئی تبدیلی تھی جو صاحبزادہ نصیر علی خاں کی جانب سے ملنے والی اجازت کی مرہون منت تھی۔ لیکن اس کے عکس باپ کے انداز میں اس بار کچھ خوشی مفقود تھی۔ انہوں نے خاصے بجھے انداز میں جواب دیا۔

"آپ کی واپسی ہوئی بہت دیر ہوئی۔ بیٹا آج کوئی خاص وجہ سے تاخیر ہوئی ہے؟" بظاہر سرسری سے انداز میں انہوں نے پوچھا تھا۔

"ہمارا تو واپسی کا ہی وقت ہے ابا جان! کیا حضور کوئی خاص وجہ؟" اس نے ابرو چڑھاتے اس تفتیش کی وجہ دریافت کی۔

"نہیں بیٹا! حضور کے اصولوں کی رو سے کے ساتھ ساتھ بدلنے لگے۔ ہماری شادی کو اتنے سال ہوئے کہ آپ اب تک بھی ماشاء اللہ شاملوں سے اپنے ہوتے ہیں اس کے باوجود نہ بیٹے میں اور نہ ہی شوہر کے گھر میں شام کے وقت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے جبکہ آپ اکیلی ہیں تب تک ہم دونوں ہوتے ہیں تو آپ سے پہلے سے پہلے ہی لوٹ آیا کرتی تھیں پھر اب شام ہے ہوتے ہیں۔"

"اس لیے کہ اب شام جلدی ہو جاتی ہے۔" گل مہر نے اپنی عادت کے برخلاف ان کا تفصیلی اعتراض بھی سے سنا اور اسی تحمل مزاجی سے جواب دینے کی کوشش کی۔

"ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہو آپ پہلے ہی ہم سوتیلی ہیں تک وہاں سے نکلتے تھے اور اب بھی وہاں معمول ہے ایک چوتھائی فاصلہ راستے میں گلی معمول کی وقت ہے کبھی بھار لڑکے کی وجہ سے زیادہ وقت بھی لگ جایا کرتا ہے یوں ابا جان سے ساڑھے چار کے درمیان گھر پہنچ جایا کرتے ہیں۔ اگر آپ کو فرق محسوس ہوا ہے تو اس کی وجہ ہے کہ پہلے چار بجے تقریباً دوپہر ہوا کرتی تھی کہ سردیاں ہوتی تھیں آپ سردیوں میں دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے آج ہم چار بجے کے بعد ہی لوٹے ہیں تو آپ کو لگ رہا ہے کہ ہم شام تک گھر سے باہر رہے ہیں کہ ہم مغرب ہونے میں کچھ وقت باقی ہے۔ اب ہمارے قدرت کے اس نظام میں ہمارا قصور کیا ہے؟"

اس کے لہجے کی جواب پر چڑ سے تلخی سوتیا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبا لی۔ کہیں سے چھپا لی جو جانے کیوں گل مہر سے خفا خفا سی لگ رہی تھیں اور اس تفصیلی وضاحت پر ان کا مزاج اور بھی کڑوا ہو اٹھا تھا۔ کچھ

"آپ کا قصور کبھی بھی کوئی قصور نہیں ہوتا۔" وہ بولی تھیں۔ ہمیں صاحبزادی حرمت انساء کے گھر کی جانب متوجہ کر گئے۔

"انہیں کیا ہوا؟" انہیں نے مڑ کے دیکھا۔ وہ بے وقت آ ہوا اپنے شانے اچکا کے رہ گئی۔

"چل بیاں بیٹھ گئے ہم۔" گل مہر نے سہلاتے ہوئے کلمہ شمار کیا۔

"کس سے؟"

"ہماری ان کی حضور سے۔ جی ہوں کمال کی نہ طبیعت ہوتی ہے اگر وہ قسمتی سے ہمارا مقدر ان کے بھائی کے ساتھ بہت جاتا۔"

"یہ وقت نا کہ مقدر کس کا چھوٹا تھا اور کس کا نہیں۔" سوتیا کو سخت برا لگا۔

"اور اتنا خوش ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ ابا جان وہ تمہارے شہزادہ ملک صاحب ہیں کس قدر "ہو شربا" قسم کی ہستیاں رکھتے ہوں اور یہی گمان ہے ایک دن انہیں پانچ سات رکھتے ہوں یا کمال قسم کی نہ ہی سے چھڑ کیا ہوگا تمہارا!"

"تمہاری تسلی کے لیے بتا دیں کہ شہزادہ ملک اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں اور اپنے والدین بھی ان کے ساتھ نہیں رہتے بلکہ گاؤں میں رہائش پذیر ہیں جنہیں روانی آسودہ چین ہی چین لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"تو بھلا۔ کیا ان کے والدین ساتھ رہنے پر تیار نہیں؟"

"بھئی اپنی اپنی کی روایتی سوچ۔ ہم کچھ ہمارے ابا حضور والا مزاج پیا نوالی مزاج جد لینے پر تیار نہیں تو وہ اپنی چودھراہٹ چھوڑنے پر راضی نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ وہاں خوش رہتے ہیں اپنے خاندانی مزارعوں کے درمیان ان پر حکمرانی کرتے ہوئے۔"

"تمہیں یہ تصور مزاج شہزادہ ملک نے بھی تو دیکھا ہوگا۔ تمہیں نہیں لیا؟"

"ہاہا!"

"تو تمہارا گزارا کیسے ہوگا؟ تم تو خود حکم چلانے کی عادی ہو۔ سب کرتے تو گزارا ہوگا؟"

"کھلی تو کھلی ایسا بھی تو ہوتا ہے موتیا جس کے آگے سب کے دیئے بھی پھیکے لگتا ہے۔"

اس کے منہ سے ایسی باتیں سنتا ہمیشہ موتیا کو عجیب سا لگا کر تھا۔ وہ اس کو دیکھ کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

جب بھی وہ وہاں سے نکلی ہمیشہ یہ سوچ کے نکلی کہ دوبارہ یہاں کبھی نہیں آئے گی۔ لیکن کبھی بھی وہ اپنے اس عہد پہ برقرار نہ رہ سکی۔ قسمت اسے جلد ہی اس دروازے پہ دوبارہ لے آتی تھی۔ کبھی دل کے ہاتھوں تو کبھی حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کے وہ پھر یہاں آجاتی تھی۔

اس بار بھی یہی ہوا۔ چند دن ہی وہ اس خود ساختہ پابندی کے زیر اثر رہی اور آج پھر سے اس کے قدم اسے وہیں لے جا رہے تھے۔ کھلے گیٹ سے کار اندر لے جاتے ہوئے اسے دیکھ کے تسلی سی ہوئی کہ شہزاد ملک کی گاڑی وہاں نہیں کھڑی تھی۔

"ارے دعا! چھپ میں صدقے۔ ست بسم اللہ۔" جاجا جاتے بلقیس کے لیے اس کی آمد قطعی غیر متوقع تھی اس لیے اپنی حیرت پہ جلد قابو پائے اس نے گرمجوشی سے دعا کا خیر مقدم کیا۔ پچھلی بار جس حالات میں وہ وہاں سے گئی تھی اسے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ واپس پلٹ کے اپنے ماموں کے گھر کا رخ کرے گی اور وہ بھی اتنی جلدی۔

"جتنی رہو۔" اکرم الٰہی نے بھی اس کے جھکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔ جاجا کی نظروں سے اپنے ماموں کے چہرے پہ پھیلا تردد چھپا نہ رہ سکا۔ اسے اندازہ ہوا کہ اس سے آنے سے ذرا پہلے ہی وہ دونوں کسی گمبھیر مسئلے پہ گفتگو کر رہے تھے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ماموں! خیریت ہے؟"

"ہنہہ۔" اس نے ہنکارا بھرا۔

"طبیعت کو کیا ہونا ہے۔ یہ نصیب ہی خراب ہیں۔"

"نہ ایسی باتیں کیا کرتا۔ اللہ کو شکری پسند نہیں۔ سب دیکھ اس نے ستا ہوا ہے۔ کیا کچھ دیا ہے۔ جس کے ہم خانے قابل بھی نہ تھے۔ ہماری اوقات سے بڑھ کے ہم پہ کرم کیا ہے۔ اچھا کیا ہوا ہے ساتھ جو چار آنا کشش بھی دے دیں۔"

"اولاد سے ہی آنا کشش کوئی نہیں ہاتو۔ بندہ ہم تختی سہہ جاتا ہے پر اپنی ہی اولاد کی طرف سے اک رچکا بھی نہیں سہا جاتا۔"

"کیا چھاپی سے پھر کوئی گڑبڑ تھی ہوگئی؟" دعا باپ بیٹے کے درمیان جاری رہنے والی سرد جنگ سے واقف تھی۔ بیچ میں جاجا کا تبصرہ سب جانتا ہی رہتا ہے تو بتا کیسے آتا ہوا؟" باتوں سے موضوع پہ لانا چاہا۔

"تو کیسے کی بات۔ آپ بولو۔ سب سے ملنے کو کوئی چاہا تو چلی آئی۔ کوئی اور مقصد سے تھی ہاتو۔ اب کچھ نہیں آیا تھا۔ بات بیچ شروع کرنے کے لیے وہ نہیں بتا سکتے کہ آیا وہ اس گھر کی عزت بنانے کی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں۔ شہزاد کے ابی کے جانے سے تو وہ واقف تھی کہ وہاں سے مایوس ہونے کے بعد ہی اس نے اسامیوں اور بیاہ کا سہارا لینے کا سوچا۔ اگر وہ دوری یا خدا ترسی کے نام پہ بھی اسے اپنی بہو بنانے کا سوچ چکے ہیں تو اس کے لیے یہی بہت تھا۔ اس وقت محبت سے زیادہ عزت کا مسئلہ اہم تھا۔ اسے اپنے چھاپی کا قرب اور آنکھ کھلے نصیب نہ ہوتی نام تو مل ہی جاتا۔ زندگی وقار سے بسر کرنے کا آسرا ہو جاتا۔ لیکن یہ بات زبان پہ لانے سے بھلا سے نہیں کہہ سکتی تھی نہ ہی اسے اتنا بے وقوف کیوں نہ کرتے ہوں۔

"یہ تو تیری محبت ہے بچے ورنہ آج کل کون کسی سے یونہی ملنے کے لیے وقت نکال پاتا ہے۔ خون سفید ہو گئے ہیں

کیا ہے۔ تنگی اولاد کے لیے میں ہاں باپ کے لیے محبت باقی رہی ہے۔ یہی خوف خدا۔"

"کیسی باتیں لے کے بیٹھ گئے ہو کر سے۔ بچی اتنے دنوں کے بعد گھر آئی ہے۔ بند کوئی چاول بیٹھے ہی کر لیتا ہے۔ بروات سزی اسی کا دیا سیاہ کر دینے والی باتیں ہیں تو بہ۔" بلقیس نے آنکھ کے ساتھ پیاتھ مارا۔

"اتنی ہی ہوں سے نہ ہو۔ دکھ سکھ بانٹا کرتا ہے باتو۔ تجھے پتا ہے دعا؟ ہم لوگ اپنے پنڈ واپس جانے والے ہیں۔ شاید میں غلط بول گیا۔ جانے نہیں والے بلکہ بھیجے جانے والے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔ کون آپ کو بھیج رہا ہے اور کس لیے؟"

"ہمارا اپنا شہزاد اور کون اور ہمیں خالی ہاتھ دھکے کھانے نہیں نکال رہا بلکہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کر رہا ہے۔ پنڈ کا چودھری بنا کے اونچے پہاڑوں والی حویلی تعمیر کرنے ہمیں لوگوں وہاں ہی رہیں گے۔ بیٹھ کریں گے لوگوں بڑی بڑی مونچھیں سات سات نوکر چاکر باندھ کے کھڑے رہیں گے۔ پیر دبایا کریں گے اور یہاں شہزادہ بھی بے فکر ہو گا۔ کوئی نہیں ہو گا جس کی وجہ سے اسے دس لوگوں کے آگے شرمندہ ہونا پڑے۔ وہ یہاں خوش ہم وہاں خوش۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ ایک کھوکھلا قہقہہ۔ دعا کو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"مگر کیوں ماموں؟"

"اس کے خیال میں ہم پہلے ہی سے اس کے لیے مشکلیں کھڑی کرتے آئے ہیں۔ ماں باپ خاندان ذات برادری ہمیشہ نہ پہچان سے سب اس کے لیے ذلت اور شرمندگی ثابت ہوئی اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ وہ اپنی نئی زندگی شروع کرنے والا ہے تو اس کے لیے اسے ہماری زندگی کی صورت تو ہے اور وہ بھی صرف ایک جھوٹ بولنے کے لیے کسی کو دھوکا دینے کے لیے لیکن ہوئے ساتھ کی صورت نہیں ہے۔ اس ساتھ کی وجہ سے اس کی نئی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لیے اس کا خیال ہے صحیح وقت پہ ہمارا اس کی زندگی سے نکل جانا ہی صحیح ہوگا۔"

"لیکن چھاپی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس چاہا جانا چاہتا ہے کسی نواب زادی کے ساتھ۔" باتو نے بل کے انکشاف کیا۔

"کیا۔" اس پہ تو ساتھی آہیں گر پڑے۔ اس جانب تو کبھی اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا کہ چھاپی بھی کسی اور کے۔

"ابھی اور ہے بھی کوئی سچ مچ کی نواب زادی۔ بڑی اونچی جگہ دل لگایا ہے شہزاد نے۔ سچ کہتا تھا زندگی میں جو بھی کام کروں گا اونچا کروں گا۔ کر دیکھا تو بہت کر دیا۔ کاروبار نام روپیہ پیسہ سب اپنی مرضی کا حاصل کیا اور اب وہ اپنی بھی اپنی مرضی سے اونچے نام والے گھرانے کی رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ وہی کیا جو اس کا دل چاہا۔ پھر چاہے رستے میں جو رکاوٹ ہو اس نے پرواہ نہیں کی۔ اس بار رستے کی رکاوٹ ہم ہیں تو ہماری پرواہ کیا کرے گا۔ بانے نہیں بھی دیکھ نکلا تھا نصیب میں۔" باتو سوئے جانے لگی۔

"شہزاد نے تو ہمارا پتا ہی صاف کر دیا۔ ہمیں اپنی زندگی سے ہی نکالنے کی سوچ رہا ہے۔"

"اور میں اس شخص سے ہمدردی کی آس لگائے بیٹھی تھی۔" دعا کو اپنی امیدوں پہ پانی پھرتا لگا۔ وہ بغیر کچھ کہے چپ چاپ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے پتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہنا تھا۔

وہ سب ہونا اسے چاہیے تھا۔

ابر لینے والے کی طلب جب بڑھ جائے تو اسے اس بات سے مطلب نہیں رہتا کہ دینے والا کون ہے۔ اسے تو صرف لینے سے غرض باقی رہتی ہے۔

● ● ●

باہر ہاہوں "کل" سگریٹ کی ڈبیا پہ انگلیاں بجاتے ہوئے زیر لب کچھ گنگنا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی عیار پھولی پھولی گول آنکھیں تیزی سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

یہ ملک عقیل کا آفس تھا اور وہ پچھلے دس بارہ منٹ سے یہاں آکر بیٹھا ملک عقیل کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ بارہ منٹ اسے بارہ صدیوں پر محیط لگ رہے تھے۔ اس کے اندر کی بے چینی اسے ایک پل سکون سے نہ بیٹھنے دے رہی تھی اور یہ بے چینی اس راز کو اگلنے کی تھی جو ہمارے نزدیک اس کی زندگی کی اب تک کی سب سے اہم آڈیو منٹ تھی۔

وہ اس اضطراب کو کم کرنے کے لیے خواہ مخواہ ہی ٹیبل پر رکھی چیزوں کا از سرِ نو جائزہ لینے لگا۔ وہ تین منٹ اور اس بے معنی فعل میں گزار سے تو وہ ان کی ترتیب میں ردوبدل کر کے وقت گزارنے لگا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریڈ کلر کا سیٹ اپنی جانب کر دیا اور بائیں جانب اکرام سیٹھ کے ساتھ ہی آئل تلی والا وائٹ ٹیلی فون سیٹ رکھ دیا۔ کمپیوٹر جو ملک عقیل نے اپنے کسی شوہر کے آنے پر وہاں سجا رکھا تھا اور جس کی ایجاد سے بھی وہ ناواقف تھا اس کو ادھر اُدھر گھمانے لگا۔

"کمپیوٹر تو ملک صاحب نے یوں سجا رکھا ہے جیسے بڑے عالم فاضل ہوں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "حالانکہ کمپیوٹر سے ان حضرت کا تعلق ایسا ہی ہو سکتا ہے جیسے کوئی ٹائلٹ چلانے والے کو چولہا کے ہاتھ میں سرسٹرچ کا اسٹرنگ تھما دیا جائے اور وہ چالاک مدار کے آتے جاتے کی کوشش کرے۔"

"اب یہ چرس جاری کر چکے ہو تو بتاؤ کیا ہوا؟ ٹھمرا؟ چھمار؟ کیا ہے؟ اسی لیے اکیلے بیٹھے بور کر رہے ہو۔" ملک عقیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جانے دیجئے حضور! دن لگے تب ہم گوٹ گھوٹ پیا کرتے تھے اور وہ بھی سستی چرس۔ ایسی ٹھمرا اب تو دیکھی پینے کو دو جانے کیسے کیسے آ رہے ہیں۔ آپ کو بھی لیٹر دو لیٹر چھمار آئیں گے۔" وہ تیر تک مارا۔

"اچھی تمہیں مبارک ہو یہ لیٹر دو لیٹر والی شراب اپنا تو دو سال ہے کہ صرف سونگھ لینے پر ہی آؤٹ ہو جاتا ہوں۔ ایسے ہی بیٹھے اس وقت تم ہو کے گھر رہے ہو۔" وہ اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ ضرور یہاں ہاہوں "کل" اس وقت فن نشے میں ہے۔ اسی لیے اتنا کہہ رہا ہے۔

"یار تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے جب ڈیوٹی آف ہو جائے تو ورکر کی سمت آیا کرو۔ کم از کم میرے آفس میں تو نہیں۔ میرا دماغ نہیں جو ایسی بے سر پیر کی فن ترانیاں سنوں۔ مجھے اور بھی بہتیرے کام ہوتے ہیں۔ چلو شاباش۔" اس نے بیزاری کے سے انداز میں اسے اٹھنے کو کہا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ برا مانے بغیر وضاحت کرنے لگا۔

"آج کا نشہ تو میں پینے جا رہا ہے۔ یہ کامیابی کا نشہ ہے۔ کچھ پی لینے کا سرور ہے۔ منزل پہ پہنچ جانے کا کیف ہے ملک صاحب۔" وہ ایک قاعدہ جھوم رہا تھا۔

"لاٹری نکل آئی ہے کیا؟" ملک عقیل اب بھی اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لینے پہ تیار نہ نظر آ رہا تھا اس نے سی ایل آئی پہ کوئی چیک کرتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ہر خوشی اپنے پہ نشے کے انداز کی زیادہ فیض کی۔

"خیر تمہاری لاٹری بھی نہیں نکل سکتی کیونکہ لاٹری کی ٹکٹ کون سا صفت میں ملتی ہے۔ خریدنی پڑتی ہے اور خریدنے کے لیے چیزوں سے تمہارا کیا تعلق واسطہ؟ تمہیں تو ہر چیز مفت خرچ کے لیے چاہیے۔"

باہر ہاہوں "یہ تو بڑی اوپری بات کہہ ڈالی آپ نے۔ کوئی بات کی اور اس کا ذمہ سامنے رکھ دیا جائے۔"

"یعنی تو یہ ہوئیں مشکل کا حل ہے جس کو آپ تسلیم نہیں کرتے اور کون سے یہاں ایسا جس کی پیٹھ سے ایک دمڑی تک نہ خرچ ہوئی ہو مگر کاروبار بھی چلا نہیں ہوا۔ آپ نے بہت اندازہ لگایا حضور۔ ہماری واقعی لاٹری نکل گئی ہے۔ یہ قیاس بھی صحیح ہے کہ نشہ ہم نے پیسے سے نہیں خریدی۔ مگر ملک صاحب آپ اب تک

یہ نہیں جان پائے کہ آپ ہی کی دفاکردہ ٹکٹ ہم نے لاٹری نکلی اور آج کامیاب ہیں۔"

"میری دی ہوئی ٹکٹ؟" وہ اپنے بدلی اور تیکھا سر سمجھا کے رہ گیا۔

"اب کیا بتاؤں کہ اس وقت فن کن بلندیوں پر ہوتی ہے۔ میں تو یہی کسی کو سر کی ٹکٹ مفت میں نہ دوں۔ لاٹری کی بھلا کس لیے ہوتا۔ ملک عقیل کی اپنی ایک سر کی ٹکٹ نکلی تھی۔"

"آپ کی اپنی بھولی شکل ملک صاحب۔ میں ادا سے کچھ سمجھے یا ہم مزید تفصیل میں جائیں۔ ظاہر ہو صاحب کے دینے ہیں۔ بس ادا کو جو دن ملک عقیل تو پہ نے جانے پہ رضامند کرنے کا ذریعہ آپ نے ہمیں سونپ رکھا تھا اس میں ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"بھئی تمہیں اپنا ہی تو مفت کی نہیں دے رہا تھا جس سے یہ کام اگر تم پورا کرتے تو آخر وہ تمہیں ہی دیتا۔ میں تم تو ہر چیز کی اجازت نہ لیتی۔ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا حوصلہ ہے تو تم جیسے ناکارہ اور اپنی کے دھنی سے بھی کوئی نہ کوئی کام نکلوا لیتا ہوں ورنہ تم ہو کس کام کے؟ آج شاید وہ بار سے زیادہ ہی فار کھائے بیٹھا تھا یا پھر اس کا مزید کے سے رقم دینے کا کوئی ارادہ تھا۔ ابھی چڑ کے بول رہا تھا۔ پھر کی "مکمل مزاج بھی ہوا ہو گی۔

"ہم کہیں کام کے ہیں یہ اندازہ آپ کو ہو ملک صاحب تو آپ ہمارا ٹھیکہ بے کار کے چھوٹے موٹے کاموں میں ضائع نہ کرتے۔" اس کا لہجہ تیز ہوا۔

"لو ہو۔ ٹھیکہ یعنی یوں کہو اب حسین بھی چاہیں جا رہے ہو۔ ہاں بھئی کیا ایسے ایسے بے مرت پیٹے دھن اپنے اُدھر نکل رہے ہیں کہ مجھوں کو بھی دیکھ کے حرص آ رہی ہے کہ کاش ہم بھی سکتے جائیں۔" وہ تھوڑے انداز میں بند پھوڑنے کے بعد۔

"اس میں کامیاب صرف پیسے والے نہیں ہوتے ہیں۔"

"ملک صاحب آپ ہم دونوں پینے کا فرق جو بیان کر رہے ہیں اپنا کہ در حقیقت آپ ہوش محسوس ہو رہے ہیں۔ ہوتے ہوئے تمہی سے ہماری مکمل بات منظور تیاری کہیں۔" اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔

"اچھا جی! نہ صرف جانے پہ تیار ہوئی ہیں بلکہ وہ صرف اور صرف ہمارے ساتھ جانے پہ رضامند ہوئی ہیں البتہ۔" اس نے ذرا توقف کرتے ہوئے بیچ پوٹ انگلیوں پہ چلایا اور بظاہر بڑے سرسری سے انداز میں بتایا۔

"وہ ہمیں بطور آپ کے منیجر کے وہاں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتیں۔"

"تو کیا اپنا بیٹھ بنا کے لے جانا چاہتی ہیں۔" وہ بات کی تہ میں اترے بغیر چلایا۔ اس سے مزید باری سے کل گفتگو برداشت نہ ہو رہی تھی مگر اسرار وقت کا تقاضا ہے۔ مزید باری۔

"اب کیا بتاؤں بھئی میرے نام کر دوں آپ کا ہی بیٹھ کے جھگیوں تو تب نواب زادی کے مزاج ٹھکانے آئیں۔ مجھے نہیں آتی جو تم آنے کی بھی اس طریقے میں نہیں بیٹھ سکتا۔"

"وہ ہمیں اپنے شوہر کی حیثیت سے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔" ملک عقیل کے آگ بگولا ہو کے چیخنے چلانے کو در خاطر میں نہ لایا۔

"ہم شادی کر رہے ہیں۔ ارادہ ہے اور وہ بھی جلد از جلد۔" اس نے بیدار بتایا کیا کہ ملک عقیل سگریٹ کا لمبا کش لے کر دھوئیں باہر الگنا تک بھول گیا۔

"یہ۔ یہ تم نے کیسے کیا؟" بہت دیر بعد اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"اب یہ تمہاری کشش اور شخصیت کا کرشمہ ہے۔" اس نے خواہ مخواہ کالر جھاڑتے ہوئے اکڑ کر کہا۔

"اچھا جی! کوشش چاہے تو وہ صرف نام ہی کا نہیں دے سکتے ہیں۔ سو ذرا اور طرح کی لڑکی ہیں مختلف مزاج کی۔ آپ کی ذاتی کشش قدر اور مراعات انہیں متاثر نہ کر سکیں البتہ ہم سے ملنے والی محبت اور توجہ کی خاطر وہ

سب کو محو کرنے کو تیار ہو گئیں۔ اگلے ہفتے ایک سادہ سی تقریب میں ہم ان سے نکاح کر رہے ہیں۔"

"ایسے گھن چکر قرار دیئے۔ "موسیان سمال" ہوتے ہی وہ بارہ برس پڑا۔

"تمہیں میں نے کام بتایا تھا بھیجا تھا سالے تو اپنا کام نکال آیا۔ میرا کیا کیا؟"

"اب کام کیا ہے۔ میں ذرا طریقہ کار الگ سے۔"

"خاک کام کیا ہے۔ مجھ سے شادی کر کے کون کمال محفل سجانے کے لائق رہ گئی۔ پہلے ہی مشکل سے ہاتھ تلی سے گلہ دل بن کے۔ اور یہ بھی تیرے جیسے خود طرح شخص کی۔ ہوا کب چار پیسے کمانے کے لائق رہے گی؟ بند کر دے کاتو اسے بھی اپنی گلی سڑی "کسٹومر" کے کسی نوبل بھوت والے کمرے میں سلائی مشین کے آگے مشین بنا کر رکھ دے گا۔"

"غلط تھی۔ تم کی محض گمان ہے۔" یار نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔

"یہ ہماری بیگم" "میں صرف سوچوں گی"

"بیگم اور مسز میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

"بیگم صرف ایک ہوتی ہے۔ میں سوچتا ہے جس کو مرضی بنا زار رہتی ہوں چاہے جاہے بات کب سے بیوہ کے بھلا رکون جانتا ہو گا جناب۔"

"یعنی کاروباری شادی؟"

"نہیں۔ ویسی ہی کاروباری شادی" جیسی کہ تم خود تین چار نمائندے کیے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان نام کی شادیوں میں تم صرف تجربہ ہی تجربہ ہوا ہے عملاً صرف آپس نے خواب کی صورت گلا کیر وقتاً موقتاً ہنسکے ہمارے کیس میں الگ ہو گا۔ خوابی "وہ فریضہ" بھائیں گی جو تم بھاتے رہے ہیں۔ جبکہ اس شادی کے نتیجے میں ہم فائدے اٹھائیں گے جو آپ کی بیویاں تم سے اٹھاتی رہی ہیں۔ یعنی کہ بغیر ہاتھ ہی ہلائے ایک معقول آمدنی کا مکمل بندوبست ہو جائے گا۔"

"واہ واہ سبحان۔ وہ بھی کرک فلمد۔"

"میں خود تو خوابی تم پہ غیرت کا الزام لگا رہا تھا" "تف ہے میری فانیت پہ بلا کمال غیرت اور خودداری جیسے لوصاف اور کیا ہمارا اشرف صیاد ہو جاتا مثل۔"

"یہ تب ہے جب قرار ہے۔" اس کے چہرے پہ تلخی ابھری۔

"ہر بات پہ تعریف کر رہا ہوں۔ بندے کو غیرت اتنی ہی رکھنی چاہیے جتنی حلال کی راہیں رکاوٹ نہ بنتے۔ ٹھیک ہے۔ ایک بیوی گھر میں بیٹھی تو ہے ہاں۔ غیرت دکھانے کے لیے بھی کافی ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔

"کوریہ درست کہی ہے ملک صاحب۔ قانونی بیوی ہی بلا آخر آپ کی حقیقی بیوی کہلائی جا سکتی ہے۔ کتنی ہی بانجھ بنیدہ اور نااہل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس سے آپ کی نسل آگے بڑھتی ہے۔ بس تب بہ دھیان رکھنا چاہیے۔"

"ہاں کردار جاہے بسا کیں تو دینے لگ جائے۔" ملک ملیش ۔ زہر لب بڑبڑایا۔

"مجھ ہم سے ارشاد فرمایا حضور نے؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو تھوڑے دن کے لیے بھی بند نہ کرنا چاہیے۔ ہو تو تم جلد باز اور لالچی۔ میری نصیحت کو خاطر میں نہ لائیں گے پھر بھی سمجھانا میرا فرض تھا۔"

"ماما کہہ رہے ہیں ماما کہہ لاتی بھی ہیں۔ لیکن ہو تو ایک تاجر ماما ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ یہاں ہم دونوں مثل بے وقوف نہیں ہے اور پھر دوسری بات کہ اگر شادی سے شادی ہے شک اسی بہت سے فائدے اٹھائے گئی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان سے شادی کرنے کی ایک بڑی وجہ ہمارے سال میں ان کے لیے خاص جذبات ہیں۔ ہم ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے جس سے لڑکی کو نقصان پہنچ سکے۔"

"بلے بھئی بلے۔ تو پھر شادی بھی نہ کر۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"تیرے جیسے شہر سے زیادہ نقصان پہنچ اس کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"جانے دو پیچھے تلک صاحب۔" وہ اپنی اس خوبصورت شرارت پہ شرما سا گیا۔

"اس پہ ذرا سر ہلا کہ تیرے پہ سلا حق ہمارا تھا ہے ہلکہ پہلا کیا۔ اب بھی ہمارا ہی ہے۔ ہوا گا رہے گی۔ تو صرف ملک کے سوتے میں۔ ہاں چلی تو صرف ملک کے سوتے میں۔" اس نے زہر پی کر اپنی ہنسی پہ یار نے مصلحتاً فوراً تسلیم کر لیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ میں نے کیا کر ڈالا۔"

رہ رہ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ساری رات سوچتے گئی اس سوچ کو ایک بار پھر دہرا رہی تھی۔

"کیسی جلد بازی میں یہ کیا کیا۔ یہ فیصلہ میری زندگی کا پہلا اور اب تک واحد فیصلہ ہے جو میں نے خود اپنی مرضی سے کیا ہے۔ میری زندگی کا آخری فیصلہ۔ غلط ہو جائے گا جس جھاگی کے علاوہ کسی اور کی بن کے خوش رہنا نہیں خوش رہنا سمجھ کی بات ہے سوال یہ ہے کہ کیا میں تو وہ رہا ہوں گی؟"

اس نے اب چل سے پوچھا مگر پہلی بار وہی اسے روتا رہا خاموش ہو جانا اسا لگا۔

"میں بھی کر رہا اور کتنا ذلیل کر دا گی مجھے اپنی ماں اندھی محبت کے ہاتھوں۔ "ذلیل کر ہا تھا۔"

"ہاں کتنی ایک طرفہ بھی ہو اکر لیتی ہیں۔ مگر جس سے محبت کی جائے وہ اس محبت کے لائق ہو تو گویا محبت کرنے کا اصل محبت کا حق ادا کر رہا ہے۔ کیکن ماں تو دوسرا کے آگے اس محبت کو رد اخلاقیہ یہ تو محبت کی بے ادبی ہے میرا قتل ہے۔ "اپنی بیٹیاں بیچا رہا" جانے سینے ہاتھ رکھ کے اس تکلیف کو ہلانے کی کوشش کی۔

"کیا تم محبت کے تقریبی لوگ میرے بنی؟"

"ہاں۔"

"ہاں کیسے؟" وہ ہنسی۔

"جیسے اب تک جیتا ہوں۔" "تنہا۔"

وہ جانے تکلیف سر رکھ کے رات بھر کی جاگی ہوئی۔ جلتی بجتی آنکھیں موند لیں۔ بکل کا سارا اثر کسی ظلم کی طرح ریاضت ہو کے اس کے ذہن کے پردے پہ ہلنے لگا۔

"اس کا تیل ہے۔ صحیح وقت پہ وہ اس کی زندگی سے نکل جانا ہی صحیح ہے۔" "ماما" کا چہرہ ابھرا۔

"ہم اس کے رستے کی رکاوٹ ہیں۔" "ہمیں اس گھر سے بھیجنے والا ہے اپنی نئی زندگی کی شروعات کے لیے۔" "ہم ان کا ماضی۔"

"بیمار چاہتا ہے کسی اور اب زادی کے ساتھ۔" "امی جی کا انکشاف۔"

"کتنا اچھا ہو کہ کوئی کانٹو نچا کریں گا تو دیکھو ہمیں۔ بھی اور جی جگہ لگا۔" "جناب بڑے اور جی ذات کے تتاری نواب لوگ ہیں۔ لڑکی بھی بڑی پڑھی لکھی خوبصورت ہے لائق فائق۔"

"اور میں۔ بس اس شخص سے ہمدردی کی آس لگائے بیٹھی تھی جو اپنے تنہا بیٹے تک کو یہ سوغات بخشنے تیار نہیں۔ اپنے قرابتوں کی تکمیل کے لیے ان کو راستے سے ہٹاتے ہے بھی دریغ نہیں کر رہا۔ ٹھیک اس لڑکی کی محبت کے آگے میں ہیچ کی شفقت تک دکھائی نہیں دیتی؟ سے میرا کیا حیثیت ساتھ بھلا کہاں دکھائی دے گا۔ مجھ کی کیا کر تا تھا۔" وہ دو لتے قدموں سے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بیٹھ کی طرح اس بار بھی وہ اس کمرے سے ایسی ہی نکلی تھی۔

تنہائی دل سے

تنہائی ہاتھ کر اسے

لو۔ خلل جھوٹی سے

فرق اتنا تھا کہ اس بار وہ بار بار کسی آپ کے ساتھ یہاں نہ آنے کے ارادے سے نکلی تھی اور حیران تھا کہ اسے عمر بھر یہاں ہم تھے اور یہ معمولی خالی رکھتا تھی۔ وہ اب کہیں اور جا رہا تھا۔

ایک دریچہ ہوا تھا جہاز اور نظر آنے لگے اور وہ ایک دریچہ اس نے کبھی کھلا ہی نہ تھا مگر اس کے لیے خود خود بری جاہ سے کھل گیا تھا اس کے قدم اسے اسی جانب کھینچے لیے جا رہے تھے۔

اور لینے والے کی طلب جب بڑھ جائے تو اسے اس بات سے مطلب نہیں رہتا کہ دینے والا کون ہے اسے تو صرف لینے سے غرض رہتی ہے۔

"مغل صاحب! میں آپ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔" اس کے اقرار نے باہر ماہوں مغل پہ نجانے کون سے خزانے نچھاور کر ڈالے جو وہ اپنی خوشی چھپانے میں دل کھول کر کامیاب نہ ہو پا رہا تھا اسے خوشی سے بے قابو ہوتے دیکھ کے ماں کے دل کو تسکین ہونے لگی اس کے تھرائے ہوئے تحمل کی عزت نفس بحال ہو گئی۔

○ ○ ○

"خیر تو ہے آج حضور اللہ نظر بد سے بچائے عرصے بعد آپ کے چہرے پہ مسکراہٹ دیکھ رہے ہیں کہ خود خود کرنوں کی طرح پھوٹتی جا رہی ہے۔"

صاحبزادی حضرت اسماء نے کرتے کی تہ بندی کرنے کے دوران تیسری بار اپنی بہن کو بیٹھے بیٹھے بلاوجہ مسکرانے یا تنہا ہنسی کرنے سے خود کو روک نہ سکیں۔

"صاحبزادی حضرت اسماء آپ کی سادگی کے کیا کہنے مسکراہٹ تو خیر کی نشانی ہے پھر ہمیں مسکرانے پہ آپ ہماری قیمت کیوں وصول کر رہی ہیں خدا نخواستہ قیمت نہ ہوئی تو کیا ہم مسکرائے نہ؟"

"اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے ہم تو صرف اتنا چاہتے تھے کہ ہمیں بھی آپ اپنی خوشیوں میں شریک کر لیں۔"

"ہماری خوشیاں تو آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ آپ سے بھائی صاحب سے اور ہمارے بچوں سے۔ ہماری کوئی بھی خوشی کوئی بھی مسکراہٹ آپ سب کے بنا ادھوری ہے۔ اس وقت بھی ہم اس خوش کن خیال کے تحت مسکرا اٹھے تھے جو صاحبزادی یاسمین نے ہمیں سونپا ہے۔ ہر بہن کی طرح انہوں نے بھی اپنے اکلوتے بھائی کے سر پہ سہرا سجانے کے ارمان سجا رکھے ہیں۔ صاحبزادی گل مہر کے فیصلے اور عصمیں میاں کا ان کا ساتھ دینے پہ دونوں برابر اشاد ہو ہیں۔ تین ہفتے اور آپ کی طرح حال مسوں کے تھیں وہ تکمیل پہ فوراً ہی اس کے نواسے کے لیے ایک ایسا محل پیش کر دیا جو پیچھا ہمارے ساتھ ساتھ آپ سب کے لیے بھی کافی تھا اور باعث مسرت ہو گا۔"

"ایسا کیا کہا صاحبزادی یاسمین نے؟" انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ان کے خیال میں عصمیں میاں چونکہ اب صاحب روزگار ہو چکے ہیں اس لیے ان کی شادی میں مزید تاخیر کرنا مناسب نہیں۔"

"ہاں بھئی یہ خیال تو ہے۔" کہنے کا انداز ایسا تھا کہ یاسمین نے ایسا کون سا اچھوتا خیال پیش کر دیا۔ صاحبزادی خلعت اسماء بردباری سے مسکرا اٹھیں۔

"اور اپنے بھائی کی شادی کے لیے انہوں نے ایک نام بھی تجویز کیا ہے۔"

"وہ بھائی کیا حضور۔" ایک بار پھر ان کا اشتیاق جاگا۔ "صاحبزادی الناس خاتون۔" صاحبزادی خلعت اسماء کی بات میں گردش کرتی آخری دانہ ایسا نام ان کے لبوں سے ایک ساتھ آزاد ہوا۔

اپنی تالی حضور نے کمرے میں چینج خوش تبدیل کرنے کی نیت سے آلتی پالتی ٹھیک کر کے کی تھی جب اس نے اندر سے آتی ان کی خوشی سے بھرپور اور بیدلی سے معمور آواز سنی تھی۔

"اور اپنے بھائی کی شادی کے لیے انہوں نے ایک نام بھی تجویز کیا ہے۔"

اس پہ وہ رک کے اگلا جملہ سننے پہ مجبور ہو گئی تھی۔ اگلا جملہ ہوا سے بری طرح جھنجھوڑ کے رکھ گیا۔

"صاحبزادی الناس خاتون۔"

اس نے دو ہوتی کی وہ سفید کلف زدہ چادر اپنے دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر سینے سے لگایا۔ جہاں کوئی بے تحاشا سے مرتعش ہوا تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں آج حضور۔" ان کی آواز کانپ کانپ گئی۔

"ہم آپ کو ہی مژدہ سنا رہے ہیں حضرت اسماء! بھوجا صاحبزادی یاسمین نے ہمارے موجودہ تین بیٹوں کی طرح بھونک دیا ہے۔ ہمیں اس خاندان کا شہزادہ ٹھہرا نہیں دکھائی دے رہا۔ صاحبزادی الناس خاتون کا نام اسمیٰ ایک جھلکا لی کرن کی طرح نمودار ہوا ہے۔ ہمارے دل کو تسلی ہو گئی ہے کہ اب ہمارے اکلوتے فرزند اپنے گھر کی ساری خوشیاں سمیٹ لیں گے۔ ہو گئی اتنے ہم سرخی حیات کر دی ہیں۔ صاحبزادی الناس میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جن کی ہمنے اپنی بہو کے حوالے سے خواہش کی تھی۔ وہ سعادت مند ہیں خوش شکل ہیں خوش گفتار ہیں گھر بنانے والی مزاج اور ظرف رکھنے والی ہیں اور بھلا کسی کو کیا چاہیے۔"

لہجے سے تمہیں احساس ہو رہا تھا ان کی بہن بہت دیر سے خاموش صرف سن رہی تھی۔

"ارے ہم بھی خوشی سے کیسے بے حال ہوئے کہ بس اپنی ہی سنائے گئے۔ آپ سے تو پوچھا تک نہیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا آپ ہماری بھوجی بن رہی ہو گی۔ یہ اپنے بیٹے برابر الناس کو اپنی ذرہ ہم بانہوں میں لے لیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آج حضور۔" حضرت اسماء نے تڑپ کے ان کے دونوں ہاتھوں پہ پھیلا دامن سمیٹ لیا۔

"اللہ وہ وقت نہ لائے کہ آپ کو ہمارے آگے دامن پھیلانا پڑے۔ ہم تو شرم کے مارے آپ سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہیں گے کہ ہماری بیٹی اپنی ہونے والی ڈھیل کی وجہ سے آپ کے دکھ کا باعث بنی۔ ہمیں آپ کا سوال لوٹانا پڑے۔ نواب صاحب کی بگڑی حالت کی بھی آپ بڑی وجہ کی شرمندگی ہے۔ آپ کو ارمان ٹوٹ گیا۔ سوچتے ہیں کہ نجانے اللہ نے کرم کے اتنے سکے بھی ہیں یا نہیں کہ وہ اپنی آپا حضور اپنی بھابھی حضور کو اتنا بڑے دیے گئے اس دکھ کا بھی ازالہ کر سکیں۔ اور رب کی مہربانی ہمیں خود ہی آج یہ موقع مل گیا۔ ہم ابھی نواب صاحب کو یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ اللہ نے ہماری لاج رکھ لی۔ ہمیں ہماری آپا حضور اور آپ کو آپ کے مرحوم بھائی کے آگے سرخرو کر دیا۔ ہمارا عہد ایک مارفونا۔ مگر اب پھر کبھی نہ ٹوٹنے کے لیے قائم ہو رہا ہے۔"

وہ خوشی سے کپکپاتے لہجے کے ساتھ کہتی انہیں اور سوچتی دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ جلدی سے وہاں سے ہٹی۔

وہ حیران پریشان اللہ سے کانپ گئی۔

"مگر اللہ میاں یہ کیا ہوا۔ کیا میں دعائیں بھی تو قبول کر لیتا ہے۔ وہ دعائیں جو دل سے لب تک بھی نہیں آ پاتیں تو تیری بارگاہ تک کیسے پہنچ جاتی ہیں؟ ابھی تو ہاتھ ہوا ہی اٹھے تک نہیں۔ ان ہاتھوں کو تو نے بھر دیا ہے!"

اگر یہ واقعہ آج سے سمیٹ بھر پہلے ہوا ہوتا تو اس کا دل خوشی سے اچھلنے کی بجائے وحشت سے پھٹ جاتا۔ وہ عصمیں کو چاہتی ضرور تھی لیکن اور ترجیح نہیں بہت عرصے سے۔ شاید تب سے جب سے وہ عصمیں کو چاہتی تھی لیکن وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھی کہ عصمیں سے اس کی محبت اتنی پرانی ہے کہ گل کے لیے عصمیں کا عشق بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ اس کے باوجود کہ گل نے کبھی اس کے جذبوں کو پذیرائی نہیں بخشی وہ بخشہ عصمیں پہلا حق گل کا تھا جس روز اس نے اپنی اور عصمیں کی دوستی کو بھی غلط انداز سے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اس نے گل کی بے رخی سے نالاں ہو کے عصمیں کو اس کی جانب سے متنفر کرنے اور اپنی جانب راغب کرنے کی

بھی اوچھی کوشش نہیں کی۔ ایسے میں اگر گھر میں اس کا نام عصمت کے لیے لیا جاتا تو اسے خوشی کی بجائے تکلیف ہوتی۔ اسے لگتا جیسے وہ عصمت کے راستے میں رکاوٹ بن گئی ہے یا راستہ ہوا سے گل کی بابت سوچ سکتی ہے اسے لگتا اس نے گل سے وہ سب خوشیاں چھین لی ہیں جو عصمت اسے دے سکتا ہے لیکن اب ایسا کچھ نہ تھا۔ گل نے اپنے ہاتھوں سے خوشیوں کا دروازہ خود بند کیا تھا عصمت نے خود اپنی مرضی سے گل کی جانب جانے والا دروازہ بند کر دیا تھا جس پر وہ بڑی عزت نفسی اور مستقل مزاجی سے پچھلے کئی سالوں سے گامزن تھا۔

اب اگر اللہ اس کی قسمت میں سمن جیسا ہم سفر لکھ رہا تھا تو کوئی وہم کوئی پشیمانی اس کی خوشیوں کا حرا کرنا کرنے موجود نہیں ہوگی۔ وہ جانے کتنی پھلی ہوئی بے صاف اور معطل کے ساتھ آنے والے وقت کے لیے اپنی گرمجوشی کو نہیں دا کر دیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ لے کس گرم بیٹھے کا طوطا "کالی" کشمیری چائے لے جا۔" بالو نے بڑا جاب لڑا کا کشمیری پیالہ اس کے سامنے رکھا ساتھ بیٹھے میں خوش رنگ طوطے نے کی سرائیوں سے تیار کر رکھا تھا۔

"بالو نے کشمیری چائے کے ساتھ ہو اگر وہ کھنڈ کچھ... واحد سوار آجاتا۔" بالو نے سہلا کے کہا یا تھا پھر کے کہنے تیار ہے کرے جب ہم ام گل ما کرتے تھے۔ وہ اندر دن شہزادی خوشی میں کہہ لے سکے۔ یاد تھا؟ ہاں پہ ہو تو سوچی اور دوارے کے پاس سے کشمیری ہوں کی سے ماشالا تھا کشمیری گلابی چائے کھنڈ کچھ اور باقرخانیوں کا۔ بات ایسا سوار پھر کبھی نہ ملا کھا اور کسی کھی کی کئی تنہ باقرخانیوں کو کھمن جیسے کچھ اور وہ خوشبو دار چائے سروبوں کا سوار آجاتا تھا۔"

"چھوڑ بھلے نوکے اب کیسے سوار تو زندگی سے سوار اور خوشی تک سکا گئی ہے۔ کھیل ختم پیسہ ہضم۔" کرم الٰہی نے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

"کک کے دن زمانے" وہ فرشتوں بھرے دلیے۔ جب تنہ میں لوٹا جاتا تھا تو سوار لگ میں اترتا تھا جب بندہ ہر چیز میں خوشی ڈھونڈ لیتا تھا" اس کی ترنگی چائے اور باقرخانی کا ذائقہ بھی اپنے آسمان پر اڑا کے لے جاتا تھا اور اب تو بڑی سے بڑی بات دل کو ہلا نہیں کرتی۔ اور سے کون سے بھاری پتھروں کے نیچے آ کے دب گیا ہے۔"

"یہ بھار تو تجھے خود ہولا (بلا) کیا ہے کرے۔"

"کی چاہیے اس کا تو نہیں کرتی۔"

"بس چھوڑ چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے اور حلوہ بھی۔"

"تیسرے دن حلوہ پہلے ہی اندر ہے عظمت بھاری بھاری سی ہو رہی ہے" یہ اٹھنے لگی اور میوہ دل دان حلوہ کھا کے پلیٹ خالی کر دیا اور فارغ ہو جائے۔"

"لے کرے تو کچھ سے پرہیز کرنے لگا۔"

"جب سے مجھے احساس ہوا ہے کہ میرا ناکارہ وجود بھی کسی کام کا ہے۔ میں خود کو اتنا اتنے سالوں سے اپنے آپ سے شرمندہ شرمندہ سا۔ خود پھانسے رہتا تھا کہ میں کیسا باپ ہوں اپنے اکلوتے پتر کو سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں دے سکا۔ لیکن اس لان شہزادے نے بتایا کہ میں بھی اس کے کسی کام آ سکتا ہوں چاہے ڈرامہ کر کے ہی سہی۔ زندگی سے بڑا ڈرامہ اور کون سا ہے اور میرے پتر نے مجھے اس ڈرامے میں ایکٹنگ کا چانس دیا ہے بالو۔" وہ ہنس دیا۔ بالو بھی اس کی ہنسی سے خوفزدہ ہوئی جس میں عجیب سی سسکیاں تھیں۔

"بالو اب مجھے خود کو اچھا اداکار ثابت کرنا ہے ورنہ شہزادے کا سوچے گا کہ یہ ساری حیاتی کا کام کیا اس بدبخت سے یہ بھی نہ ہو سکا۔" اس کا رنگ زرد اور لہجہ کمزور پڑ رہا تھا۔

"اتنا ہلکا طور میرے آگے سے۔ مجھے مرنا نہیں ہے یہ سب کھا کے۔ کم از کم شہزادے کے لیے تب تو ایک اچھا باپ۔ وہ میرا مطلب ہے اچھا اداکار ثابت کرنے کے بغیر تو مر کر نہیں مرنا۔"

اس کی آواز مزید مدھم ہوئی۔ اب وہ نیا بیٹھ مسل رہا تھا بالو آگے کو جھکی۔

"کرے۔ کرے۔ کیا ہوا؟ کیسی باتیں کر رہا ہے؟"

"میں شہزادے کی شادی۔" اچانک اس کی آواز ایک دم ڈوب گئی۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا اس کا وجود ہلکا ہو کے ایک جانب گر گیا۔

☼ ☼ ☼

"بات کیا ہے ابا؟ مجھے بھی نہیں بتائے گی؟" اللہ وسایا نے جو کمی بار کمرے میں جھانکے بھی آئے رونے پایا تو بے چین ہو گئی تھا جیسا بھی تھا بہرحال باپ تھا۔

"کل سے عجیب اجڑی اجڑی سی لگ رہی ہے۔ بات بے بات آنکھیں بھر آتی ہیں نیندی۔ نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے اور صبح سے اپنی ماں کی تصویر آگے رکھ کے رو رہی ہے۔ ماں یاد آ رہی ہے؟"

"ماں اب میں یاد آتی ہے ابا جی۔" اس نے رونے سے چہرہ پونچھتے ہوئے سسکی روکی۔

"اور اس موقع پہ تو ماں یاد آتی ہے۔ اور ہونی ہے۔"

"ہاں کہہ رہے تھے۔" اس نے سر ہلایا پھر جیسے بری طرح چونک اٹھی۔

"کس موقع پہ؟"

"یہی۔ شادی بیاہ کے موقع پہ۔" جھجکتے ہوئے ہی سہی بہرحال اس کے لیے اتنی بڑی بات باپ کے سامنے منہ سے نکالنا بھی بہت ہمت اور حوصلے کا کام تھا جو اس نے کر دکھایا۔ اگر وہ پہلے والی دعا ہوتی تو اتنا سوچنے ہی سے اس کے حوصلے جواب دے جاتے لیکن وہ اداس تھی۔ باہر کی دنیا نے اسے خود اعتمادی کر دی تھا اور قدرے بے جھجک بھی۔ جب تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا تو اس کا اعلان بھی اب اسی بے خوفی سے کرنا تھا۔

"کس کی شادی؟" اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔

"ہونہ ابا جی میری اور کس کی۔ اگر کون سے خانے اس گھر میں بیاہ کے لائیں۔" وہ تنک کے بولی۔

"لیکن اب تو شادی بھی نہیں چلا کہ آپ کی بیٹی باپ۔ یا پھر آپ کو کسی نے بتایا ہی نہیں ہو گا کہ بیٹیاں صرف پیدا کر کے پالنے پوسنے ہی نہیں انہیں رخصت بھی کرتے ہیں۔" وہ چنچنا کے بولی تو اللہ وسایا ہوش میں آیا اسے بیٹی کے تیور کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہوئے۔

"پتا ہے سب پتا ہے سب پتا ہے مجھے۔ کا نہیں ہوں میں۔ تیرا کیا خیال ہے میں اتنا غافل بیٹھا ہوں۔ بری لگ رہی ہے مجھے تیری لیکن تجھے بھگا کے کر تو پھر سے نہیں نکال سکتا۔ نہ ہی کسی امیر کبیر کے ساتھ میں تیرا ہاتھ دے سکتا تھا۔ مجھے تیرے لیے اچھے سے اچھے رشتے کی تلاش ہے اور ظاہر ہے اس میں وقت تو لگے گا نہ۔ تو مجھے اتنی بھاری ہے نہ تیری بدولت تجھ پہ بھاری ہے۔"

"میری بدولت یاں آپ پہ بھاری ہو بھی کیسے سکتی ہیں ابا جی۔ عرصہ ہوا آپ نے ان دونوں کی فکر کرنا چھوڑ دی تھی۔"

"ایسا دماغ بنانے کی ضرورت نہیں۔" اور بیٹی کے طنز کو سہہ نہ سکا۔ "دیکھ رہا ہوں زبان زیادہ ہی چلنے لگی ہے۔" آنکھوں میں بڑی ناطاقتی تھی ابا۔

"کرے کا ہی جیسے ابا جی۔ میں کوئی کھری چار دیواری میں عزت سے بیٹھی ہاندی روٹی کرنے والی "ابی بچی" تو نہیں ہوں۔"

"تو آخر کیا چاہتی ہے؟ بیاہ کرنا چاہتی ہے؟ ہاں ہاں کر دوں گا۔ تجھی کون سی عمر گزری جا رہی ہے۔ چار پیسے تو جوڑ لے پہلے تیرے بیاہ کے کام آئیں گے۔" اس نے کسی دی۔

"اسے کوئی پسند نہیں آئی ہے۔"

"کیا؟" اللہ وسایا کے کان کھڑے ہوئے۔

"اسے ہر جگہ سے شادی کرواتی ہوں۔" اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔ سوچا تھا کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی کر لیا ہے حالات میں کر پائے گا۔

"تمہیں مرگی ہوتی کیا؟" وہ جھلا اٹھا۔

"تم ہو ابھی۔" رونے لگی۔

"وہ سب لڑکیاں دو شادیاں کر لیتی ہیں۔" اللہ کے باپ مرے نہیں ہوتے۔" بے رحمی اور بدتمیزی سے اس نے جواب دیا تھا۔ اللہ وسایا اس ٹھنڈی سچے پر چپ سا ہو گیا۔

"پھر بھی دیکھئے نہیں باپ ہوں تیرا۔ تیرے بیاہ کے لیے بہت کچھ سوچ رکھا تھا میں نے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" اس نے کچھ بے بسی اور بے بسی سے بدلتے ہوئے حیرت بھرا کہا۔

"کبھی بتایا نہیں ابا جی آپ نے۔"

"بتایا تھا! سوچا تھا کچھ وقت آئے گا تو سارے ارمان پورے کر لوں گا۔ لیکن تجھے پتا نہیں کیا جلدی مچی ہوئی ہے۔ ایسی غیر مرگی نہیں لگی جا رہی ہے۔ تیرا قصور نہیں لگ رہا لگتا ہے تجھے کسی نے بہکایا ہے۔ ورنہ خاوند ایسا ہے تو پتا تجھے اس خوبی کا۔"

"عزت سے ابا جی۔ یوں تو آپ چوہدری کہلانا پسند کرتے ہیں نہ۔ لیکن شاید جانتے نہیں کہ عزت والوں میں وقار کا کتنا احترام کیا جاتا ہے۔"

"اوئے کون سالا ہے کون ہے جو آسمان سے جو لائی بن کر ٹپکا ہے؟"

"بابو ہمایوں مغل۔ آپ نہیں جانتے ہیں۔ وہی مغل صاحب۔ ملک مقبول کے دوست۔"

"اف۔" خنجر وسایا کے حوصلے کو توڑنے لگا۔

"کیا دوست؟ پتو ہے رونگ کا۔ نہ کام کا نہ کاج کا۔" تھے بھرے جہان میں ایسی خصوصی چیز ملا تھا۔ اوئے کم عقلے نہیں تو یہ سمجھ رہا تھا باہر کی بوالگ کے تو کیسی سیانی ہو گئی ہے۔ تجھے بھی ڈھیٹ بڑے کی بیوی ہونی ہے لیکن میں غلط تھا۔ تو سیانی نہیں آدھی ہو گئی ہے جو مغل جیسے لوگے کے آدمی سے۔"

"خدا کا واسطہ ہے ابا جی! بیٹے کی حساب پھر لوں آپ۔" وہ ہاتھ جوڑے۔ "مغل صاحب جیسے بھی ہیں میرا انتخاب ہیں۔ میں ان سے شادی کر رہی ہوں صرف اس لیے کہ وہ مجھے اور کچھ بھلا دے سکتے ہوں، عزت اور تحفظ دیں گے۔"

"جس کے اپنے اس عزت نہ دے تجھے کیا دے گا؟"

"میں جانتی ہوں آپ کے نزدیک عزت کے معیار کچھ اور ہیں۔ لیکن کاری بیٹا کا وہار والی لڑکی بھی بس وہی عزت دار ہے جسے ملک۔ لیکن یہ تو بات کا بھار بھی والوں رات ڈکار کے حاصل کر سکتا ہے۔ وہ بار کے بس سے دور ہے اور آپ کے جیسے ساری عمر کا کے بھی نہیں کما سکتے اور وہ ہے جو ابا جی نام نہاد بھی۔ وہ مجھ سے شادی کر کے میرے نام کے آگے اپنا نام لگا دیں گے۔ مجھے اپنے عزت دار خاندان کا ایک حصہ بنا دیں گے۔"

"ہاں پہلے تو تجھے کتنے کانٹے کو اور ہے ہیں ہاں جیسے" اس نے بھلا سمت میں سر ہلایا۔

"ہونہہ۔ تحفظ چاہیے۔"

"جیسے میرے پیچھے کتے ہیں۔" وہ چیخ پڑی۔

"کتے۔ دشمن۔ قوم خور کتے۔ بڑی بڑی خوفناک آنکھوں والی لمبی لمبی زبانوں اور نوکیلے دانتوں والے کتے۔" جب مجھے کاٹنے کو بڑھ رہے ہیں۔ ابا جی آپ کو وہ نظر نہیں آتے۔ لیکن وہ مجھے نوچ ڈالیں گے۔"

"پتا نہیں تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر ادھر ادھر کی کوئی نظر کر گئی ہے جو الٹی سیدھی بکواس کر رہی ہے۔ ہمارے گلوں سا تو فخر چاہیے تجھے کسی سے رچا ہے۔ بھلے شادی کے لیے اور بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ ذرا خاندان ہی تو دیکھنا ہوتا۔"

"مگر خاندانی اور شریف لوگوں میں بس یہی دیکھا جاتا ہے۔"

"او نہیں ہوں میں شریف۔ نہیں ہیں ہم خاندانی لوگ۔" وہ اچھل اچھل پڑا۔ "میں اگر اپنی بیٹی کو دیکھوں گا تو خاندان اور عزت کے علاوہ اور بہت کچھ دیکھوں گا۔"

"آگے اپنی مرضی۔"

کال بیل کی تیز آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔ اللہ وسایا بکتا جھکتا باہر کی جانب بھاگا لیکن آنے والے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

"کون ہے اوئے؟" اس نے اکتا کر پوچھا۔

"باہر ہمایوں مغل۔" طلبانہ سے کہتے ہیں۔ بتایا گیا یہ نام اس کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جلا کٹا جواب دے کر اسے دروازے سے رخصت کرتا، وہ اندر آ گئی۔

"اندر آ جائیے مغل صاحب میں لاک کھول رہی ہوں۔" اس نے اکتر کا پھر لگا ایک اور بٹن دبایا۔ کیا سامنے کے دروازے کا لاک کھلنے کی ہلکی سی آواز سے مغل گیا۔ تاجر اللہ وسایا کو تو کے بوجھ کے لاؤنج کے داخلی دروازے کو کھولنا پڑا۔ وہاں باہر ندرے معتقل حلیے میں سامنے تھا۔ ایک ہاتھ میں بڑا سا بوکے اور دوسرے میں ایک بڑا سا شاپر تھا۔ اس میں کھٹ دیہ ازیں اپنے تحائف جھانک رہے تھے۔

"یہ کیا مغل صاحب؟" وہ ہاتھ سے اندر کا راستہ دیتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ ان تحائف کی جانب تھا۔

"یہ سب آپ کی اور چوہدری صاحب کی نذر کرنے کو لائے ہیں بہت حقیر سی نذرانے ہیں۔"

"ان کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے کچھ ناقابل فہم نظروں سے باپ کو دیکھتے ہوئے تکلفاً کہا۔ "مگر اللہ وسایا نے آنکھ دبا کر کہتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

"ہوں کے کوئی سو سو روپے ملیے لے لیے تحفے اور کیا ہے اس نے ٹٹ پونجیے کے پاس۔" اس کی رائے تھی جس کا اظہار اس نے بالکل جلی دل میں ہی میں کرنا مناسب جانا۔ لیکن جب اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب باپ نے ایک بعد ایک سب تحائف کھول لیے۔

اللہ وسایا کے لیے لٹھے کے سوٹ، امپورٹڈ پرفیوم، ڈرائی فروٹ، دعا کے لیے طلائی کنگن، جو اپنی قیمت کا اندازہ سے کر رہے تھے۔ زمرد کی انگوٹھی، انگلش کاسمیٹکس، مارکوں سے سجا عورتوں کا لباس۔ سو بیش قیمت ساڑھیاں، اور بہت کچھ۔ اس نے بڑی دیر میں سوچا۔

"یہ سب آپ کہاں سے لے آئے؟" دعا حیران تھی۔

"یہ ہمارے یہاں کی روایت ہے ابا جی! ہم کچھ لے جائیں تب بھی خالی ہاتھ نہیں جاتے۔"

"مانگے؟"

"جی۔ ہم یہاں آپ کے والد بزرگوار سے آپ کا ہاتھ طلب کرنے آئے ہیں بہت ہی عاجزی کے ساتھ۔ مگر پرانے رسم و رواج کے مطابق۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی کسر نہ رہ جائے آپ کی شان کے مطابق ہی سب انتظام کیا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی کمی کوتاہی ہو گئی ہو کوئی کمی ہماری کم علمی کے باعث رہ گئی ہو تو نظر انداز کر دیجئے گا۔ انشاء اللہ ہم آئندہ تلافی کی کوشش کریں گے۔"

خنجر وسایا ہے لیے لائے تحائف دیکھنے کے بعد اب کہہ رہے دعا کے لیے نئے کنگن کا معائنہ کر رہا تھا۔

"یہ ہمارے خاندانی کنگن ہیں۔ ہماری والدہ مرحومہ کی آخری نشانی۔"

"لگتے تو واقعی نایاب ہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "اب اس کا ایک بار کی دلچسپی ایمان لانے لگا تھا۔

"لیکن ایک بیٹی کا باپ ہونے کے ناتے میں اتنا تو پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے روزگار کا سلسلہ کیا ہے؟"

"یہ کالشل ہے۔ ذرا سی کے صحرا سے کیلئے کبھی ضرور نہیں کہ ہم اپنے ہمارے پچھلے اتنا ہی چھوڑ کر کا لیکن یا تھ ہو
بات ہے۔ ہمارے کی کاری حرکت سے ہمیں ہوتی ہے۔ آپ کی صاحبزادی کو ہم ہمت سے دور رکھیں گے۔"
"مگر مجھے کہنا یہاں ہمیں ہمارے نا تعلق کی بیٹی کو ہمیں کے ساتھ تو بسر کرنے کی۔"
"اگر اراد بھی انہیں بار بار کہنے کا نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ فی الحال کچھ عرصہ اور ہی سہی رہ لیں۔ بعد
میں ہمارا ارادہ ان کے ساتھ یہاں ملک سیٹل ہونے کا ہے۔"
"تاہم ہو نہ کہ۔ لیکن ہمارے پاکستان میں میری بیٹی کی چار لڑکیوں میں عزت ہے ایک نام بنایا ہے اس نے
بڑی مشکل سے اس کے لئے کی پہچان کی ہے۔ اسے جانے کے لئے اس کا نام بنانا کیا ہے تو خراب ہو جائے گا۔"
"نہیں ہم سمجھ گئے ہیں ہم۔" ابراہیم دہاڑا کی بھرپور تسلی شفقی کرانے لگا تک دہانے دخل دیا۔
"نہیں کیا کیونکہ اور دہاڑا کیونکہ مجھے کسی چیز کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے اب صرف اپنے گھر سے دلچسپی ہے۔" اس
کے تیکھے انداز پر وہ دونوں چپ کر گئے۔
اللہ دہاڑا کی چپ کے پیچھے بار تھی۔ وہ بیٹی کے عزائم کے آگے بار بار ہیں مجبور تھا جان گیا تھا کہ سونے کی چڑیا نے
اپنے مرغوں لیے ہیں اب اس کے پھر ہونے کے دن قریب ہیں۔ وہ چاہتے بھی تو اسے روک نہیں پائے گا۔ اس
کے پیچھے دب کمانے کی اپنے بڑی وجہ بھی تھی کہ بیٹی کا فیصلہ تو اسے ناگوار گزرا اس قدر کہ اس کے بعد سے
برا لگا۔ بار بار اپنے فتنہ نہیں تھا جو اس کی بیٹی کو کھو رہے تھا اور جب بیٹی خالی ہاتھ رہتی تو ظاہر ہے اسے کیا خلاف
کچھ خلافت تھا۔ اس لیے اس کی اس بیٹھ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اگر رضا شادی کا خیال دل سے نہیں نکالتا تھا تو کم از
کم بار سے شادی کی جھنجھٹ سے ہی سر سے اتار پھینکے۔ لیکن یہ تھا کہ ابھی اس کا دل حاصل رہی۔ صاف لگ رہا تھا کہ رضا اپنے
ارادے پر کیا ہے اور بار سے شادی کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ دوسری طرف فی الحال بار نے چند پیسے خرچ کے عوض
وہ بیاری کو تو ٹھیک کرا دی تھی۔
"اس کی مصلحت پر چھوڑ کچھ تو ابھی باقی ہے۔ بیٹی کی دنیا کو کھانے کے لیے تلاش رہا پھرتا ہے۔ تاکہ قرض مانگنے
والے خوری اس کی حالت دیکھ کے اپنے مطالبے پر شرمندہ ہو جائیں۔ یہ تو صرف ایک تکلیف ہے جو کسی بھی طرح
ایک انسان کے کہا بات کا نہیں لگ رہا اور نجانے ایسا اتنا ہو رہا ہوگا۔ کیونکہ کتنے اور میرے تھے۔ ان سے بھی اس
نواب زادے نے کوئی چالیس پچاس ہزار تو کمایا ہوگا۔ چل بیٹی۔ ٹھیک ہے جو ہونا تھا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے جو ہونا تھا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے واقعی سچ کہتا ہو کہ اس کے پچھلے اتنی جائیداد کو چھوڑ گئے ہیں
کہ ہوئے میں بار بار کے بھی ختم نہیں ہو پا رہی۔"
جب اس نے بار کے لیے دل کو ذرا سی مثالیہ تو دعا کے اپنے کیرئیر چھوڑ دینے پر وہ زیادہ اچھا ہو بار کے کیا
کرتا۔ یہ فیصلہ بھی اسے پسند آیا۔ مگر چپ کر گیا۔
باہر ہوا میں مٹی کی خاموشی کی وجہ سے سرد سی تھی۔ سردی بھی ذرا تھا نہ اس نے کبھی بار بار کی تھی۔ جب دعا
نے اٹھا کے لفظوں میں کہا۔
"کیا کہہ کر بیٹھ اور کون سا کیرئیر مجھے صرف اپنے گھر سے دلچسپی ہے۔"
تو اس نے چونک پر فوراً ایک ایسی مسکراہٹ سجالی تھی جسے دعا کی اس خواہش پر اپنا آپ نثار کرنے کو
تیار ہو۔ لیکن اس کا دل دعا کی اس خواہش پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہوئے پیچھے ہے اس کی ایسی کی تمنا کرنے کے
منصوبے سوچ رہا تھا۔ جو اتنا دور ہوں سے کھیلتا رہا تھا کبھی جیت کبھی ہار۔ لیکن کاروبار پہلی بار کر رہا تھا۔ پہلی
بار اس نے کچھ الٹ سے کیا تھا اور وہ گھاٹا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ہر حال میں دو کے بدلے چھ چاہیے تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت شہر کے مہنگے ترین پانچ سٹار ہوٹل کے شیشے سے چمکتے کاریڈور میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

کاریڈور کے اس سرے پر اس کونے میں جو نہ تھا۔ کیونکہ تھوڑا سا تھا اس کی ماں بھی اس کے لیے ہوتی
تھیں یہ بھی ترم جائے نماز تھا۔ ضرور بیٹھ کر نفل پڑھ رہی تھی۔ اندر آئی سی یو میں اس نواب کرم الٰہی —
نہیں نہیں کہنے اسی کا تعلق تھا۔ یہ ہی آرٹسٹ بلیک مصوری تھی کے سہارے موت سے لڑ رہا تھا۔
"مسٹر! اب صورت ناز کی طبیعت کیسی ہے؟" اندر سے آئی نرس کو موڈ کے اس نے بے آلی سے پوچھا۔
جاتے ہوئے۔ ہاں ہاں تو آیا تھا۔ ذرا سا پیشانی پر زخم ہے۔ ہوش کرم الٰہی کو سہارا لے کر پہنچا دیا گیا تھا۔
ڈاکٹر کو خبر کر دیا۔ اور بے ہوشی کے بعد سے آپ کی بیٹی میں شفٹ کر دیا گیا۔ تب ڈاکٹر کی ہدایت پر صرف ایک فرد کو چند
منٹ کے لیے اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ شہزاد نے ایک نظر اس کے سمے ہوئے زرد چہرے پر ڈالی تھی اور
اسے اندر پہنچ کر فی الحال تین منٹ بعد وہ جب نرس کے کہنے پر باہر نکلی تو اس نے چادر کا کونہ میں بار دعا تھا۔ اپنی
سسکیاں روکنے کے لیے اور آنکھیں جل رہی تھیں۔
"میرا ابا بھی تنگ ہے ہوئی ہے۔"
شہزاد کے پوچھنے پر اس نے لڑکھڑاتا تھا تب سے وہ آئی سی یو کے باہر بے چین بیٹھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں
کے آگے باپ کا چہرہ اور جھلکیں میں اس کی آواز بار بار آ رہی تھی۔
"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔" نرس نے مختصر سا جواب دے کر اس کے اضطراب کو بڑھا دیا۔ اس کے پیچھے
ہی ڈاکٹر کے کمرے میں چلا گیا۔
"دیکھیے مسٹر شہزاد! آپ کے والد کو سخت ہیمرجیک اٹیک ہوا ہے۔ ساتھ میں فالج کا بھی اٹیک سا اٹیک ہوا
ہے۔ فالج کا حملہ اگرچہ بہت شدید نہیں ہے مگر اس کے اثرات ان کے دماغ پر پڑے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی
بے ہوشی طویل ہو رہی ہے۔ دوسرے اٹیک کا خطرہ باقی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ایک فالج کے
حملے کا۔ لیکن اگر ہو بھی گئے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ آپ کو تفصیل سے آپ
کرم الٰہی کی حالت سے آگاہ کیا۔"
"کیا ہوئے ہیں۔؟"
"ہاں ہاں اور یہ کہا کتنا طویل ہو سکتا ہے اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"
"تو پھر آپ انہیں خدانہ جلد ہوش میں لانے کی کوشش کیجئے۔ اس پر جتنا بھی پیسہ لگ سکتا ہے پروا مت
کیجئے۔ کسی بھی اسپیشلسٹ کو ملک کے کسی بھی کونے سے بلوا سکتا ہوں۔ بلوا لیجئے۔"
"ہم ہو سکتے ہیں گھبرائیے ہیں مسٹر شہزاد ان کا دل اب دوسرے دورے سے بالکل محفوظ ہے۔ فالج کے
بعد کے اثرات ہیں دماغ ہونے سے بھی ہم جا چکے ہیں۔ پہلے کے اثرات ہیں جو چند روز کی فزیو تھراپی سے دور ہو
جائیں گے۔ لیکن ان کی بے ہوشی دور کرنے کے لیے ہم زیادہ کوشش نہیں کر سکتے۔ اس کا فائدہ ہونے کی بجائے
نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ آپ بس دعا کیجئے۔"
"دعا۔" وہ چونکا۔
"دعا میرے بھیجے کی پہچان ہے شہزادے۔" کرم الٰہی کے ایک بار بے حد کرب سے ادا کیے اس فقرے نے
اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔
"میں اپنی مرضی ہوئی بہن سے اس کی بیٹی کی حفاظت کرنے کا وعدہ کر بیٹھا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں
میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔" اس نے جیسے کوئی اس سے کہتے ہوئے کہا تھا۔
تب وہ نظر نہیں آ گیا تھا۔ اب جا کے رہ گیا۔
"نہیں دعا کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر کا فقرہ ایک بار پھر اس کے ذہن میں گونجا۔
"ہاں انہیں دعا کی ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں انہیں دونوں طرح کی دعا کی ضرورت ہے۔ لیکن اپنی طرح
میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں بھی ان کی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں۔ ان کی خواہش پوری کرنے کا

مطلب ہے اپنی خواہش سے دست بردار ہونا۔ ان کے کلیجے کی پھانس نکالنے کا مطلب ہے اپنے دل میں تیر گھونپ لینا۔ انہیں اس وعدے کے بوجھ سے ہمیشہ کا چھٹکارا کر کے بھی ساری عمر بھاری سل کے نیچے دب کے نہیں گزارنی تھی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ میں ان کے لیے صرف دعا کر سکتا ہوں، سہارا دے نہیں سکتا۔"

پل بھر کے لیے دل میں آیا اس خیال و حواس کی بلوغرضی اور ہم علی نے حلقہ کے رکھ دیا۔

"آپ ابا سے چند روز سے مل سکتے ہیں۔ آنٹی مان آپ کو نہیں دیکھ سکتیں ابھی تک وہ بے ہوش ہی ہیں۔"

نرس کی اجازت ملتے ہی وہ تیر کی طرح اندر لپکا۔ سفید بے داغ اور بے شکن چادر والے بستر پر ڈاکٹر ہوا ہی کا وجود اس سفید سے بیڈ پر کا تھا۔ اس کی بوڑھی کمزور ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے ہوئی لگ رہی تھیں۔ چاہا پلکیں جھپکنے میں گویا اس کا سارا خون چوس گیا تھا۔ وہ ادھ موا ہو کے رہ گیا تھا۔ شہزاد کے دل پہ گھونسا پڑا۔ ضمیر ایک بار پھر انگڑائی لے کے بیدار ہونے لگا۔

"شاید ان کی اس حالت کا ذمہ دار میں ہوں۔" اس نے کرب کا استغراق بن کے ہاتھ اپنے لرزتے ہاتھوں میں لے لیا۔ چاہی عمر سے بیس سال زیادہ ضعیف نظر آ رہا تھا۔

"امی!" اس نے ہلکی سی سرگوشی کی۔ آج اسے احساس ہوا کہ وہ اتنی نرمی اور اپنائیت سے اپنے باپ کو مخاطب کرتا اب کا بھولا ہوا کا تھا۔ یعنی پہلی کے تو پہلا بھی سرجھا جاتا ہے۔ یہ تو پھر انسان تھا۔ تو کیوں انسان تھا تو کیوں الہامی کے اضافی نے اسے اس حال تک پہنچا دیا تھا۔

"امی جی! تم آنکھیں کھولیں۔" ایک بار پھر اس نے التجا کی۔ اب وہ اس کے ہاتھ اپنی نم پلکوں سے لگا رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے رخسار ہونٹوں سے لگے اس کے چہرے پہ آنکھوں میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ اس نے فوراً پلکیں کھول کے کرم الٰہی کی جانب دیکھا۔ وہ ابھی بے ہوش تھا۔

"امی! خدا کا واسطہ ہے تم آنکھیں کھولیں۔ ایک نظر مجھے دیکھیں مجھے یقین دلائیں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ میں آپ کو کیوں نہیں دیکھ سکتا۔ میری آنکھوں کی تاریکیوں کی اتنی بڑی سزا مت دیں۔ کہ رہتی دنیا تک میں خود اپنی نظروں میں گرا رہوں۔ اگر خدا نخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو میں اپنے آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کر سکوں گا امی!"

وہ گڑگڑا رہا تھا اور اسی وقت کرم الٰہی کی آنکھیں دھیرے دھیرے کھلنا شروع ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

"سر! آپ کے والد کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

گل نے اس سے دریافت کیا۔

"پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ میں تو ابھی انہیں ہاسپٹل سے ڈاکٹرز کے اندر ریزیڈنٹ رکھنا چاہتا تھا مگر وہ گھبرا اٹھے تھے اور گھر آنے پہ مصر تھے۔ مجبوراً انکل ہی انہیں ڈسچارج کرا لائے۔"

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"خطرے سے باہر ہیں۔ فقط ان کو ذہنی پریشانی رہتا ہے اس کی وجہ سے ہارٹ پر اٹیک کا خطرہ ٹالا گیا ہے۔ لیکن اگر پرہیز اور دوا کا استعمال جاری رہا تو انشاء اللہ دوسرے ہارٹ اٹیک کا خطرہ ٹل جائے گا۔ بس ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ انہیں ہر طرح کے ذہنی دباؤ اور ٹینشن سے دور رکھنا ہے۔"

"تو کہ سب سے مشکل کام ہے۔" وہ مسکرائی۔

"یہ مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"اس عمر میں بھلا خوش کیا تو ہونا ہے۔ یعنی فکر میں پالنا۔ آپ جو کروں کو ذہنی دباؤ سے دور رکھنے کی کتنی بھی کوشش کر لیں مگر انہوں نے کوئی نہ کوئی ٹینشن لے ہی ہوتی ہے۔ خصوصاً اولاد کے حوالے سے۔ ہماری والدہ کو

ہی لے لیجیے ہم اب بچے نہیں رہے مگر موسم کوئی سا بھی ہو انہیں یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ اس کے اثرات ہم پہ ہوں۔ کام کا دباؤ ہمیں ہمارے کپڑے کسی ہماری نظر کمزور ہونے کا ڈر۔ کبھی رنگت پیلی ہونے کا وہم۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اس طرح ہمارے والد صاحب ہے ان کے نظریات کچھ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔" وہ بولتے بولتے اچانک رک گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا شہزاد کی دلچسپی لیے اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ اچانک جھینپ سی گئی۔

"کچھ نہیں گل۔ آپ کتنی سریلی آواز ہے۔" اس سادہ سی تعریف پہ وہ گل گوں ہو کے سر جھکا گئی۔

"آج پہلی بار آپ نے اتنی اپنائیت سے اپنی ذات کے متعلق اپنے تمہارے فیملی کے بارے میں کوئی بات اس قدر تفصیل سے بتائی ہے۔ مجھے واقعی بہت اچھا لگا۔ بتاتا رہا کریں۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو کیا ہم آپ کے والد صاحب کی عیادت کے لیے آ جائیں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" شہزاد کا سوڈا لہجہ دونوں ایک دم تبدیل ہو گئے۔

"نہیں ہمارا خیال تھا کہ ان کی مزاج پرسی ہے۔"

"آپ نے مجھ سے پوچھ لیا میں تب کے جذبات ان تک پہنچا دوں گا۔ انہیں بھی اتنی خوشی ہو گی یہ جان کر کہ آپ ان کے لیے فکرمند ہیں لیکن آپ کو خود جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" انکل مرکی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اسے شہزاد کا منع کرنا برا نہیں لگا اس کا دکھا انداز برا لگا۔

"چلیے انکل! ٹائم ڈیٹ ہو گیا۔" وہ اس کے تیور بھانپ کے سنبھل گیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میں گھر میں آپ کو پوری شان و شوکت اور دھوم دھام سے لے جانے کا خواہش مند ہوں۔ وہاں آپ کا ہی بات تو بھیجنا قابل اعتراض ہو۔ میری والدہ بھی خاصی پریشان ہیں ان دنوں۔ وہ آپ کے شایان شان نہ تو استقبال کر سکیں گی نہ ہی وہ کے پہلی بار گھر آنے پہ اعتکاف سے خوشی منا سکیں گی۔ اس کا تحفظ انہیں بھی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرا دی۔

"ہم کون سا مرے جا رہے ہیں عیادت کو۔" یہ جملہ اس نے دل میں ادا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میرے خدایا! سوچی ہے کہ کام ہونے کا نام نہیں لے رہا۔" سوچی نے اپنی جرسی کو کمرے پہ کھینچ کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو مسل کر۔ ان کی حدت کے کم کرنے کی کوشش کی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا اس قدر سردی میں کپڑے دھونے کو۔" **عصمت** آج کمل چھٹی کے موڈ میں تھا جبکہ دن کے بارہ بجے تک کسٹمر کی آمد پہ رہا تھا۔ ٹہلنے کے لیے کمرے سے باہر نکلا تو وہ اندر نہیں گیا لیکن برآمدے کے تخت پہ ہی غلاف میں بند کیے دھوپ نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔

"آج تو دھوپ بھی نہیں نکلی پتا نہیں تمہارے کپڑے سوکھے بھی ہیں یا نہیں۔ کیا ضرورت تھی اتنی کارکردگی دکھانے کی؟"

"اور تمہیں کیا ضرورت ہے اتنی جلدی میں دوبارہ کپڑے تبدیل کرنے کی۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر لگاتے ہوئے کسی کو دھیان نہیں ہوتا کہ سردی ہے یا گرمی۔ دھوپ نکلے یا نہیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن تمہارے دل کی کے کمرے سے ایک ڈھیر برآمد ہوتا ہے میلے کپڑوں کا۔" وہ بیڑ کے بالکل نزدیک بیٹھ گئی اور **عصمت** کے آگے سے چلغوزوں کی پلیٹ بھی اٹھا لی۔

"تو پھر تم ہیں نہیں۔ سوسمار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایک تو سوتیلی بی کی صفائی ستھرائی اور ہر معاملے میں سمرا نواب صاحب کے ملاقاتیوں کی آمد۔" لکھو باتھ تھپا کر ایک اداسی سے بولتا ہوا۔

"آندھی کے جھونکے رہے ہوں۔ کہیں سوتیلی بی صفائی نہیں رہتی ہوں گی۔ سوسمار بارش برس رہی ہے اور یہ ہماری پھول بی بی اور چلا رہی ہیں۔ گرانے کی سردی اور رمند میں واشنگ مشین چل رہی ہے۔ ہی طبع طوفان ہو رہے ہوں۔ نواب صاحب کے دوست احباب کا رہا ہی چلا جاتا ہے۔ اف۔ یہ کیوں کرے تو کیا کرے۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"لکھو! کبھی کبھی تم سخت اور ایکٹنگ کا شکار ہو جاتے ہو۔ اپنی اداکاری میں نکھار پیدا کرو۔ ہر فنکار میں کچھ نکھار لاؤ۔" عصمی نے سخت کا مشورہ دیا۔

"اور یہ تم کیا کہہ رہیں؟" سوتیلی کو پھٹوں کا عمل ترک کرتے اٹھتے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کچن میں اور کہاں۔ ابا حضور کی ایٹنگ میں جانے کا اشتمال ہو گیا ہے۔ صبح سے ایک بار تو کھانے نے ہلکے سے کچھ چیز کھا لی تھی۔ کیا ہے کیا نہیں۔ اس تو پچھلے آسمن میں کیڑے رہنے میں مصروف تھی۔ تمہیں تو پتا ہے؟ حضور اس معاملے میں ذرا بھی برداشت نہیں کرتے۔"

"لیکن میں تو سب سے یہاں بیٹھا ہوں۔ میں نے چچا حضور کو ان کے کمرے سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔"

"کسی کو تمہیں بتانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بی بی کہ۔ صبح کوئی نئی بات تو نہیں۔ ہر روز کا آنا جانا ہی لگا رہتا ہے۔ ہی بات تو یہ ہے کہ نواب صاحب نے کسی بھی ملاقاتی سے نہ ملنے کا اعلان فرما دیا ہے اور میری بھی ہی جان آنے والوں کی مصروفیت سے ایسی پھنسی ہوئے ہے۔ بدحال سی ہو گئی ہے۔"

"یا حضور کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ فکر مند ہوئی۔

"وہ ناشتے تک بالکل نہیں آئے۔ میں نے کہا کہ شاید سردی کی وجہ سے۔"

"طبیعت ٹھیک ہے۔ ابا حضور کی طرح شریف میں کچھ گڑبڑ کے آثار ہیں۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولا۔

"کیا بھرکوئی بات ہے؟" عصمی نے جاننا چاہا۔

"تمہیں تو ہم کل شام کی چائے دینے میں ان کے کمرے میں گئی تھی۔ تب تک تو ان کا موڈ بالکل ٹھیک تھا۔ خاصی خوش تھے۔ کچھ نہیں سمجھ آتی کہ اب یہ نواب صاحب کی باتیں ہیں۔" وہ الجھن سے بتانے لگی۔

"ایسا کیوں ہو رہا ہے چچا حضور کی کمرے میں کوئی نہیں جا سکتا۔ ان کے ساتھ برا کیوں ہو رہا ہے۔ ان کا موڈ حالات بہت بدل رہے ہیں۔ کہیں کے گھر کے بھی ادا ہو رہا ہے۔ ان دنوں ہماری پریشانیوں کا شکار ہیں۔ ایک غریب مالی مشکلات میں تو وہ سنی جانب کمرے میں داخل ہو گئی۔ کس چیز دنوں کی بات ہے۔ آنا کس سے ان کم ہو جائیں گے۔ گل کی شادی ہو جائے گی اور اپنے گھر میں خوشی ہاتھ ہو گی۔ چچا حضور کے سارے گلے اور مثال جاتے رہیں گے۔ بہت جلد دیکھ لیں گے۔ اور ان کی خوشیاں ہی ان کی تسکین کا باعث ہیں۔"

"اللہ کرے کہ ایسا ہو جائے۔ اللہ کرے تمہارا کہا سچ ہو جائے۔ تب تک کے لیے دعا ہے کہ ہم ذہنی اذیت سے نہ گزرتے رہیں۔ اس کا کیا حل ہے؟"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ میں اور گل بھی بہت پریشان ہیں۔ تکلیف دینے کا باعث ہے۔ لیکن اب ایسا نہ ہو کہ ہو جائے۔ گل تو اپنے گھر چلی جائے گی اور میں بعد کر کہوں کہ آئندہ ایسا کچھ نہ کروں گا۔ ان سے من کی دل آزاری ہو۔ اگر ان کی کوئی بات میرے لیے ناپسندیدہ یا قابل قبول نہیں ہوتی تب بھی میں ان کا لحاظ رکھوں گا نہیں۔" اور وہ سوچنے لگا کہ رہا اختیار ہو جائے گی میں پاگل ہی جا رہی ہے۔

"حسین تو ہو سکتا ہے وہ تمہیں کچھ ایسا کہہ دیں جس کے بارے میں تم نے سوچا تک نہ ہو۔"

"ظاہر ہے وہ مجھے برا بھلا کہنے یا کوئی سزا دینے کا حکم تو نہیں دے سکتے۔"

"یہ تم لوگ صبح صبح کس بحث میں الجھ گئے ہو۔ ساری نیند کا مزا کرکرا کر کے رکھ دیا۔

"سبحان اللہ۔ کیسی کے بارے میں ہی تمہیں صبح صبح کا گلہ ہو رہا ہے۔ عمر کا وقت ہو رہا ہے صاحبزادی گل۔ ہر"

"آئی سوری میں بیٹھ رہا ہوں۔ کب سے۔ اصل کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ایک تک اور صورت کا ہی معاملہ ہو تا ہے اور پیدا ہو رہی ہے۔ ایک چھوٹی کاری ہو رہا ہے۔ خیر تمہیں کیا تمہارے لیے تو ہر دن چھٹی کا دن ہے۔ تم ہی سے پوچھو۔"

"ابھی ہوئے تمہیں کیسی دن میں۔" سوتیلی چمک کے بولی۔

"مجھے تو بس تک تمہیں بتا چھٹی ہے کس بلا کا کام۔ ہفتے کے سات مہینے کے تیس دن سال کے تین سو پینسٹھ دن ہمارے لیے ایک جیسے ہی ہیں۔ وہی دن کا آغاز رکھیں۔ میں وہی اختتام کی میں۔"

"شادی ہو تو صحیح جانے گا۔" عصمی نے جاتے ہوئے اور بات مشورہ دیا۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتی تھی پھر کم چپ کر گئی۔ گل کی نظروں نے سر سے پاؤں تک ناپا۔ پھر ناپا اپنی بات اور اور کچھ مخصوص انداز سے اسے بہت ناراض ہی سامنے لگا۔ اسے کھلا ہوا سا ہوتے ہی۔

"کیا صحیح۔" گل نے مذاق اڑایا۔

"جب تک ان تجربے کی باتوں میں صحیح نہیں آئے گا زندگی میں کیسے آئے گا۔ یہ وہاں جانے بھی ہی کچھ کرنے والی ہے۔ تم کہاں کس تبدیلی کی امید رکھتے ہو شاید تب ان کا آغاز اسٹور روم میں اور اختتام کوئیڈور میں ہونے لگے۔"

"تم اپنے بھونڈے مذاق اپنے پس رکھو۔ شادی تمہاری ہو رہی ہے اس لیے آئندہ کی منظر کشی اپنی زندگی کے بارے میں کرو کہ تمہارا دن کہاں سے لگے گا اور رات کہاں ہو گی۔"

"یار گل شادی سے یاد آیا۔ تمہارے شوہر صاحب کہاں رہتے تھے؟ کہیں تم نے انہیں چچا حضور سے ملایا تو نہیں؟ ورنہ"

"اندازہ لگا رہے ہیں۔ ابھی ہو گئی ان کے فادر کی طبیعت خراب ہے۔ انہیں بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ ابھی تک ان باسٹلائٹ رہنے کے بعد وہ سوچ ہی کر آتے ہیں۔ خاصے بے چین ہیں۔ تم ہی کی ضرورت ہے۔"

"ہٹ چچا کیسی نہیں بتایا۔ اور استاد ان اسٹل رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو جانا چاہیے تھا۔ کم از کم میں ہی چلا جاتا۔"

"ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ ابھی تک چلنا بالکل طور پر ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان کے بارے میں بات نہیں کی گئی۔ وہ کوئی جان پہچان کی نہیں ہے۔ ہم میں تمہارے۔"

"تمہیں تمہارے کزن کی حیثیت سے تمہارے پاس کے بارے کی طبیعت ہو رہی ہے۔ تم ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات سنتے ہی ہو رہی ہے۔ اعتراض اٹھنے لگا۔ کیا تمہاری کی نیلی بہت روایت پسند اور کمزور ہے؟"

"کیا کہیں۔" گل نے شانے اچکائے۔

"مہ ذرا ہی ہے۔ ہم کہیں کہ نکلتے انتظار ہی نہیں ان کی نیلی کے بارے میں۔"

"ابھی تو ابھی ہو رہا ہے۔ ہم ہی ہیں اپنی نیلی کے بارے میں۔ ہم کو تو نہیں ہو گا۔"

"یہاں تو کوئی نہیں ہو روایات کے بارے میں گفتگو کرتے۔"

"ذرا یہ ہے۔"

"تمہارا ہی ہے ہو رہی تو کم ہو رہے جا رہا ہے۔ اس کے بعد بھی ابا کی نیلی تمہارے نزدیک اس کی روایات ہے۔ بہت لگتا ہے تمہیں اس کے بارے میں ابھی بھی جاننا چاہیے۔"

"ہاں ہو گا۔ شرافت ہے۔ اس کا مشورہ ہی ہو۔" موتی نے لقمہ دیا۔ "یہ آج شدت کے مشورے ہو رہے ہیں۔ مجھے اور لکھو کو ہدایت دے چکے ہیں اب تم پر نظر رہے گی۔"

"ہمیں فی الحال صرف ناشتے کی طلب ہے۔ کیا ملے گا؟" میں تو اس وقت بستر کے آگے سے ہٹنے پر تیار نہیں۔ بات بات میں تمہارا یہ اختیار کھاتے "آو کی بجائے آرام میں ہے۔ صبح جاتی تھی اب تک تو ہم پگلی ہوتی گرم کرنے کی زحمت کرلیں گے۔ کوئی بات ہو تو مجھے آواز دینے کی غلطی مت کرنا۔ خرابی کرنا تو تمہیں بھی آتا ہے اور یہاں چائے بنانا تو ٹھیک ایک کپ آدمیوں کو بھی عنایت کرنا۔" وہ واقعی سنک رہی تھی۔

"کل تک تو بدل گئی ہے۔" عمیص نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ موتیا نے آنکھیں سکوڑ کے بچن کی طرف جاتی گل مرزہ کو دیکھا۔

"کیوں کیا ہوا؟ کیا چلی رہی ہے؟ مجھے تو کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔"

"یہ تبدیلی کیا چھوٹی ہے کہ وہ تم سے بحث کرنے کی بجائے چپ چاپ خود اٹھا جانے چلی گئی ہے۔"

"جانے دیں صرف گرم کرنے اور اٹھا کھانے کو ہی کہا تھا کوئی بھی نہیں بنانے کی۔ ہاں چائے شاید بنالے مگر صرف ایک کپ۔ بھول جاؤ کہ وہ ہمارے لیے چائے لائے گی۔ تمہیں تو پتا نہیں کیوں ہمیشہ اس سے خوش فہمیاں ہی رہتی ہیں۔"

"محبت خوش گمانی کا ہی دوسرا نام ہے۔"

"محبت۔" اسے دھچکا سا لگا۔ اس نے رخ موڑ کے عمیص کی جانب دیکھا۔ دنوں بعد اس کے چہرے پہ وہی محبت کی سنہری دھوپ پھیلی دیکھ کے اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"محبت عمیص کیا محبت اب بھی۔" اس نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔ وہ اپنے اندر مکمل اعتماد لیے ہوئے تھی۔

● ● ●

"محبت خوش گمانی کا ہی دوسرا نام ہے۔" عمیص کی بات سن کر موتیا کو دھچکا لگا تھا۔

"محبت؟"

ایسا نہیں تھا کہ وہ اس ابھی ابھی عمیص کی محبت کی شدت سے واقف ہوئی تھی اور نہ ہی اسے یہ تھا کہ عمیص کی گل کے لیے دیوانگی اتنی پرانی بات ہو چکی تھی کہ وہ اسے فراموش کر چکی ہوتی۔ فرق تو اس کے محسوسات پہ پڑا تھا جب سے اس نے اس اور خاصی کی گفتگو سنی تھی۔ اب اسے عمیص کے منہ سے محبت کا لفظ گل کے حوالے سے سننا اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ کے بغیر نہ رہ سکی۔

"محبت۔ عمیص کیا محبت۔ اب بھی؟" اس کا دھڑکتا سا سوال اپنے اندر مکمل اعتماد لیے ہوئے تھا۔

"محبت۔ کب نہیں۔" اس کا دھڑکتا جواب اس سوال سے بھی بڑھ کے بھرپور تھا۔

"ہاں مگر اس کے لیے تھی دھندلانے لگے ہیں۔ وہ تمہیں ساتھ بھی نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ امید ہو مجھے حوصلہ ہارنے دیتی تھی اب ایک ایسا ہمسفر ملا ہے جو سب ملا۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

یہ دن رات کا خوف سا ہے عجیب سا کوئی وہم
جب ہوں جدا جدا ہی تو مجھے ڈال دیتا ہے وہم

اس نے ٹوٹے سے لہجے میں شعر کہا۔ اس کے جواب میں موتیا اداس کی پشت پہ کھڑی تھی اچانک کہہ اٹھی۔

وہ کبھی صبح بدل کے ابھی دیکھ لے کھڑے ہیں ہم تجھے دیکھتے
تیری قربتوں میں ہو آئے تو لپٹ ہیں کے یہ فاصلے

اس کے اشارے دیتے لہجے پہ عمیص نے چونک کے سر پیچھے کیا۔ آج اس کے شعر پڑھنے کے انداز نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ پیچھے رخ کیے کھڑی تھی۔ اس نے اور اٹھا تھا۔ اس نے اسے پکارا۔

"موتیا۔"

موتیا نظریں اٹھانے کی کوشش میں اور بھی جھک گئی۔ وہ آنکھ سے پلٹ کے واپس چلی گئی۔ اگر ایک بار نظر

اٹھا کے دیکھ لیتی تو شاید عمیص کی الجھن ختم ہو جاتی۔ اسے اپنے سارے سوالوں کا جواب مل جاتا کیونکہ وہ بھی کی آنکھیں پڑھنا اس کے لیے مشکل کام نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کمرہ تو بیٹھی خراب دھڑکتا کر آہلی اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پناہ لیتے ہوئے اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور وہیں دروازے سے پشت لگا کے کھڑی ہو گئی۔ مٹھی آنکھیں دونوں سے نم تاریک کمرے میں آنکھوں سے ہوا رہی تھیں اس خشک اندھیرے سے اس نے آنکھیں زور سے رگڑ لیں۔ اب رخساروں کی تپش اتنا احساس دلانے لگی۔ اس نے سچ ہو تبا ہاتھوں کی تپش سے چند منٹوں میں کھلیں اور ٹھنڈی ہتھیلیاں گالوں پہ رکھ کے ان کی حدت کم کرنے لگی۔ اچانک رات اپنے حلق کی خشکی کا احساس ہوا۔ وہاں جیسے کانٹے سے اگ آئے تھے۔ آنکھیں کھولیں کے اس نے پانی کا گلاس تھام لیا۔ اس بار نظریں اندھیرے سے دوستی کر چکی تھیں۔ دائیں بائیں کے دیوان پر ہی پھیل پہ جگ اور گلاس رکھا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور گلاس لبالب بھرے ایک ساتھ ہی پی گئی گویا اس تھی کہ پیٹھے کا بوجھ لے رہی تھی۔

"کیا صحبت ہے۔" اس جھلملا کے بڑبڑائے لگی۔

"اللہ خوش بھی کیا بات کہہ دی میں نے تو داس میرا ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں۔ نظریں وہ نہیں دیکھ پاتی۔ سامنے ہے۔ میں ایک ان چھوئے پہ پاؤں ہو کے رہ گیا ہے۔ کل نے تو وہ قدم تو بہت ہی بے قدم ہیں تو اختیار میں رکھتی تھیں ہوں پڑتے کہیں ہوں جب تک جذبات تو دبیں اور زبان اختیار میں تھی۔ سب ملا ہاتھ میں تو نہیں ایک خزاں سا زمانوں کو چھوت دینے کا تجربہ نکلا کہ سب ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ لوگ باتیں کر کر کے گزرتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں تب سامنے والے کے منہ پہ کہہ مارنے ہیں جیسا ہے نہ کہا تو وہ ان دل شاید موقع دے یا نہ دے اور ایک میں ہوں کہ اپنی کیا میں نے؟ صرف ایک شعر اور شعر دینے کے لیے سی ہوا ہے ضروری تو نہیں کہ جتنے والا اس کا اصل مفہوم سننے والے کے حوالے سے منسوب کر دے۔"

اس نے اپنے سر پہ تھپڑ خود کو تسلی اور سلامت دے کے کام لینا چاہا۔

"ضروری تو نہیں کہ وہ سمجھ بھی گیا ہو۔ ہو بھی اس سے کہنا چاہتی تھی۔ اتنا سیانا ہوتا تو اتنے سالوں تک بھلا انجان رہتا۔" اس کی خود کلامی میں پکا سا شکوہ در آیا۔

"میرا بھی واہ خراب تھا۔ سالوں کا کام کہنا بھر ایک پل میں کھو نے چلی تھی۔" اب وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔

"اگر اس کی توجہ کسی سے ہٹا کے اپنی جانب کرنے کی خود بھی خواہش کر ہی ہوتی تو اتنا عرصہ دل مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہیں شی ایسا ہو کر نہیں رہا کہ۔"

"لیکن میں نے اسے گل کی راہ سے کب ہٹانا چاہا؟ کبھی نہیں۔ اب وہ نہیں راہ پر ہی رہا ہے اس کے راستے سے گل سے موتیا تک نہیں۔ ایک لمبا سفر طے کرنے کے بعد بھی ایسی اور محفل کی اس کے حصے میں آنے والی ہے تو اگر تو مجھے رہتے ہے میں اسے واپس لا نا چاہتی ہوں تو یہ کیا غلط ہے۔ کیا میں اسے چاہ سکتی ہوں؟" اس نے دل نے اس کی جانب سے صفائی پیش کی۔ اب شرمساری کا بوجھ کم ہونے لگا۔ ایک اور گلاس پانی کا پی کے اس نے اپنا حساب چکتا کرتے ہوئے خود کو سنبھالا کر لیا۔

"کچھ نہیں ہوا تو ابھی بھی نہیں۔" ایک اور سفارش۔

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ ایک سرسری سی گفتگو تھی اور بس۔ عمیص نے کچھ بھی محسوس نہ کیا ہو گا۔ خوامخواہ میرے اندر کا چور مجھے گھبراہٹ اور خوف میں مبتلا کیے دے رہا ہے۔ یا خدا میں اس نے کچھ پوچھا بھی تو میں مکر جاؤں گی۔ انکار کا ذائقہ اتنا ہی کڑوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی مانتے میری مزاروں کی کرتے ہیں۔ سیدھے رہتے میں بزرگوں کے بابرکت پھیلنے کے ذریعے مجھے اس کی زندگی میں شامل کر رہے ہیں تو مجھے اپنی حرکتیں کر کے خود کو

ہے تو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اس کے اندر کی "اچھی لڑکی" نے غلط بیانی اور دھوکہ دہی کو سمجھ بوجھ کے آہنی دائرے میں رکھنے کی پابند کرنے لگی لیکن اندر وہی بات کہیں نہ کہیں اظہار کے لیے مچل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت نگاہ کے قلب میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہیں کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جو اپنی ساری بھاپ میں اڑ چکا تھا۔ اس کے سامنے چوبی میز پر کئی پکوڑے پڑے تھے جو اپنی گرمی اور خوشبو کھو چکے تھے۔ نگاہ بنی سنجیدگی سے ان گھورنے میں مصروف تھی۔ وہ اپنی بات کہہ چکنے کے بعد کچھ دیر تک تو صبر کے ساتھ اس کی چبھتی ہوئی نظریں خود پر برداشت کرتی رہی مگر جب چبھن حد سے بڑھنے لگی تو جھنجلا گئی۔

"اٹھ اکلوتا۔ دیکھ نگاہ اگر تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے ایک لفظ تک نہیں بچا تو میں چلی جاتی ہوں۔"

"میں انگلیوں کے معاملے میں اتنی کنجوس نہیں ہوتی۔ بہت کچھ ہے کہنے کو مگر بات ذرا میں چلی جاتی ہوں کہ بتا نہیں تم سمجھ پاؤ گی یا نہیں۔" اس نے سب کچھ کہہ کر سمجھنے میں یہ بات کہتے ہوئے بھی اس کی نظریں بدستور اس پہ تھی۔

"اتنا کہہ دو جو کہنا ہے۔ جتنی بھی تحقیقات ہے کہہ ڈالو۔ تمہاری ان فضول باتوں سے بڑھ کے تحقیق نہیں ہوں۔ سمجھے تو تجھے احمد تک پہنچنے جا رہی ہیں۔ پہلے سے بتا دیا نہیں۔" وہ جھنجلا دی تھی۔ "کہہ ساری تھی۔"

"ٹھیک کہا۔" نگاہ نے سر ہلایا۔

"تم کون سا تم ہونے والا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ فیصلہ جو تم نے جلد بازی اور عجلت میں کیا ہے اس کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی سمجھ کے ظلمات مشورے کے تین شمالی ہے اگر اسے بدلنا نہیں چاہتیں تو پہ نظر ثانی ضرور کر لینا۔ تم کہاں کر کے ہو خود کو۔ تمہاری نئی زندگی بھی ہو اور تمہیں کون ہوتی اور تمہیں روکنے والی کون ہوتی ہوں۔ اپنی بہت سمت سیدھا کرو۔ شادی ہو تم کو جانے سے پہلے کر جاتی ہو۔ بات واپس لوٹنے کے بعد کھیل لینا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ کھیل لینے سے۔" وہ بگڑی۔

"مجھے تیری تک بات پہنچے گی۔ کتنی کوشش کی ہو۔ چاہے ہو یا نہیں۔ کوئی بات بنانے والے کھیل کی طرح۔ چاہے جیسی بھی کیوں نہ ہو۔" اس نے صاف قول سے بتایا۔ وہ ٹھٹکی۔

"ٹھیک شاید ہو۔ نہیں بھی ہو سکتا۔ کچھ کچھ ہی شامل ہوتی ہوں گی۔ تم پہ زندگی کے کھیل بڑے اور اہم ہوتے ہیں ایک ذاتی کیسے بتاؤ۔" کچھ دیر سوچنے کا ارادہ کر کے اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"تو جو میں کیا کروں؟" وہ بے چارگی سے بولی۔

"کرنی تو میں کر رہی ہوں۔ اپنی جلد بازی سے کام لے رہی ہو۔ تم کو تو وقت ہو۔ اپنی خود کی اور حالات کو کیا پتا میں بھی تم پہ بھی چلے جائے۔ شاید تم کا شاید سارا۔" وہ سخت خیز انداز میں گویا تھی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ اس فیصلے کے پیچھے وجہ کیا تھی لیکن اتنا سمجھ چاہیے کہ دو وجہ کبھی بھی عقل نہیں ہو سکتی۔ کیوں نہ اپنی ہوئی نظریں اپنی بیمار خیالوں پہ ڈالیں۔"

"میں غلط کیا کہہ رہی ہوں؟" اس نے اپنے قول کی تصدیق چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ بہت کا مطلب ہو تا شاید ہی۔ سمجھ لیتی کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ بیکار ہے۔ تم کو مجھے پہ کسی طاقت ہو سکتا ہے اور اگر تم ہی اس لیے چلنے چلنے ہو تو میں بتا دوں کہ میں بھی تمہارے سر سے عشق کا کلمہ بہت نہیں اتار سکتی۔ لیکن اب جب تم ہو بھی واقعی کہ بات اس کے علاوہ ہوتی اور ہے تو میں ایک بار پھر تمہاری خاطر ذات کھو دیتا ہو سکتا ہے جس حالات کے تحت مجبور ہو کے کچھ قدم اٹھا رہی ہو۔ حالات بدل جائیں۔"

یہ ناممکنات میں سے تو نہیں۔ وقت بھلا کب ایک جیسا رہا ہے۔"

"مانتی ہوں۔ حالات بدل بھی جایا کرتے ہیں۔ لیکن بدل نگاہ بعض بدلا نہیں کرتے۔ ان کا بدلنا معجزات میں سے ہی ہو گا۔ اور آج کل کے زمانے میں معجزے نہیں ہوا کرتے۔ تم اور کم میرے تمہارے جیسے انسانوں کے ساتھ تو نہیں۔"

"پھر میرے تمہارے جیسے انسانوں کو بھی اندازہ ہو جائے۔ کے رونما ہونے کا انتظار کرنے کی بجائے خود کو کرنا چاہیے۔"

"ہی تو کہا تھا۔ اپنی ساری سے بڑھ کے کیوں نہ کر کرنے کا سوچا تھا۔"

"مگر اتنے لمبے۔ اتنی بھلا سوچنا چاہتی ہو تو میرا مشورہ ہی تو اس بہانے تمہیں بار کو زیادہ سے زیادہ جانچنے پرکھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

"اس سے کیا ہو گا؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔" بلا نتیجہ کا کے بھلا میں کیا کروں گی۔ مجھے کون سا اس سے ملنا ہے۔"

"شاید کچھ نہیں ہو سکتا ہو۔" نگاہ نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ جھلکی تو ہنسی ہنس دی۔ "پھر بھی اچھی تو کوشش کر رہی ہوں۔ شاید کچھ بات بن ہی جائے۔"

"میرے دل میرا خلاصہ مشورہ اور جانتا ہو۔ درخواست یہی ہے کہ شادی کا دن اپنی تمہارے اندر اچانک اٹھا جائے۔ آج کچھ بھی کر کے ذرا پیچھے کر دیں۔ پہلے اس نور سے ہو آج ہی بھلا جائے گا۔ سمجھیں؟"

دماغ نے فیصلہ کر لیا تو اور واقعی وہ شمالی پہ عمل کرنے کے لیے اس حد تک جانے کے لیے عقل طور پہ تیار تھی کہ وہ کسی بھی خاندانی شخص کو معیار اور انتخاب بن سکتی ہے لیکن اندر سے شاید اس کا دل ابھی تک صلاحیت ماننے کا تھا اس لیے نگاہ کے اصرار پہ اس نے اپنی کمزوری تسلیم کر لی۔

☆ ☆ ☆

شمالی نے سارا دن کر کر الٹی کی گاڑی سے نکالا۔ آج وہ چاہتا ہو کہ گھر لوٹ جائے۔ بلا وجہ پہلے سے گھر میں موجود تھی خلاصی دے کے بیٹھ گئی۔

"کوئی بات ہو تو بتا دو۔" اس نے لاپتے کر اس مصدقے کے بکرے کو ہوا لگانے کے لیے اسے اندر لایا۔ "اس کے حکم پر درخت دین کے لیے رکھے کا جو بلا نہیں ہو رہی ہے۔ تو سر کے آگے ایک۔ کر اپنی نے صدقے کے لئے بکرے تو بتا دیں گا۔" شمالی نے اندر لوٹتے جاتے بلا شاید یا۔

"آج کرنے کو بہت کچھ ہے۔ چھوڑو اور کر دو۔ بلا وقت بغیر سارے کے بس ہے ایک قدم اٹھا دو۔ شاید کچھ اس سے بڑا ایک خاص کر کی صفات کی اس کے بعد اندازے ظاہر ہو رہی تھی۔ طبیعت کا ایک واضح اظہار شمالی کی نظروں سے چھلک رہا تھا۔ شاید یہ پچھلے دو روز سے شمالی کی جانب سے ملنے والی تیز اور بحث کا اثر تھا۔ اس نے کبھی اپنی خواہش تمام کو نہیں اختیار کیا تھا۔ ایک بہت دوست رہے ہوئے کو ایک بھرا ہوا پانی کا گلاس جیسے ڈوبا ہے تشنگی پینے کی جانے ایک پی چکی لیتے ہوئے مطلب اندازہ ہو تا ہے جیسے اسے تشنگی ہو کہ یہ قسم ہونے کے بعد جانے کے سراب نصیب ہوا اور بیمار تھی پھر تک اسے یہ سارا جانے سے کسی طرح کرم الٰہی کا خاص اپنے اکوت جیسے کی بہت کا ایک ایک لمحہ طویل نظر آ رہا تھا۔

"میرا بھی کرنے میں نہیں جاتی جو کہیں بیٹھیں گا۔" اس نے اذان میں بیٹھنے پر اصرار کیا۔

"آپ کو تو ابھی بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ڈاکٹر نے اندر جانے کے لیے۔" بالوں میں صوفے پہ کشنوں کو جمع کر کے اسے لگانے لگی تھی تو شمالی نے اسے روک دیا۔

"تو تین دن ہسپتال کے اتنے خاموش اور اکیلے خالی خالی کمرے میں رہ کے ایسا لگا ہے جیسے میں اندر سے خالی ہوتا جا رہا ہوں۔ مجھے یہاں رہنے دے۔ گھر کے بالکل درمیان والے حصے میں۔ ادھر میں جلدی ٹھیک ہوں گا۔ سارے آس پاس چلتے پھرتے نظر آتے رہیں گے۔ وقت آ رہا ہے کہ اب جا رہا ہے۔ باہر اور اندر خانے میں کیا کر رہی ہے سب۔ لحافی نہ رہے گا۔ اندر اکیلے میرے جی کو ہول اٹھتے رہیں گے۔"

"ایک تو بابا جی، آپ کی ضد ہے۔ کوئی آپ کو اکیلا نہیں رہنے دے گا۔ جب تک امی کچن میں مصروف ہیں میں ڈھنڈھورا لیے آپ کے پاس ہے۔"

"نہ نہ شہزاد، یہ اور بھی کھل اٹھے۔"

"بس میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں، پھر صحن اور دھوم دھام سے اپنے بیٹے کے لیے بس بھاگوں والی کا ہاتھ مانگنے جاؤں گا۔"

بیٹے کی محبت سے دل اتنا بھر چکا تھا کہ اب وہ کام خوشی خوشی کرنے کو بے تاب تھا جس کے لیے پہلے وہ چاہتے ہوئے راضی ہوا تھا۔

"نہیں ابا جی، اس کام کو کرنے سے پہلے ہی صرف اسے کرنے کے خیال سے آپ کا یہ حال ہو گیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ یہ کام کریں۔ میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ آپ میرے ہیں، جھوٹ بولیں۔"

"یعنی تو میری پسند سے شادی کرے گا۔" اسے بہت بڑی خوش فہمی نے تن گھیرا۔

"نہیں ابا جی۔" بھیجو اپنا اختلاف کھل کر اور اعتدال سے بیان کرنے والا شہزاد تو جی انکار کرتے ہوئے شرمندہ سا لگ رہا تھا۔

"میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ آپ کی خوشی کے لیے میں اپنی خوشی سے دست بردار ہو سکتا ہوں لیکن ساری زندگی کے لیے ایک ناپسندیدہ، احمق کو جو دل کی طرح ڈالا دے نہیں پھر سکتا۔ اپنی مرضی سے شادی نہ ہو تو اچھا بیاہ نہیں ٹوٹتا تو ہو کر جلد سنبھل جاؤں گا۔ بھولے کی کوشش کروں گا کہ میں آپ کی مرضی سے دعا یا خدا کی کسی بھی اور لڑکی کو اپنانے کا مطلب ہے صرف کا بھت واصل لینا۔ میں جانتا ہوں یہ تو آپ بھی نہیں چاہیں گے کہ میں ساری زندگی اس اور پریشان ہوں۔"

"ہاں تاکہ تمہیں یہ بھی نہیں کہ تو ساری عمر اکیلا رہے۔ پتر! سب تو نے کسی اور کی پسند کی ہوئی لڑکی کو اپنانا ہی نہیں تو پھر ٹھیک ہے تیری پسند ہی سہی۔ شروع میں تو پہلے ان راضی ہو گیا تھا۔ یہ تو اس رویے بھی تجربے ہو چکے ہیں۔ آس کے ساتھ کہ جیسے تم آ جریں چاہے اس سے بڑی خوشی اور اطمینان کی بات ہم بڑوں کے لیے اور کیا ہو گی۔ سالی دیوی یہ بیوی تو پھر کے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ پتر! تو فکر نہ کر کچھ دنوں تک بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔"

"مجھے معاف کر دیجیے گا ابا جی۔" شہزاد نے کرم و طبعی کے بوجھ کے تلے دبے ہوئے اپنی نم آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اوئے، جوان بن شہزاد۔ ہے ہے بابا کوئی گل ہی نہیں۔" وہ ہنسنے کی کوشش کرنے لگا۔ جس کے نتیجے میں اور بھی اداس کیا۔

"میں کسی قدر ناپر ہوں۔ ہمارا یہ چاہیے کہ ذاکر کی تعلق بدانتیوں پہ عملی سے عمل کرواؤں۔ الفاظ آپ کے ساتھ اتنی لمبی گفتگو کرنے لگا۔"

"ذاکر نے تو بات کرنے سے منع کیا ہے ابا جی۔ آئندہ خیال رکھنے گا اور کوئی نہیں سوچیا آپ کو بولنے پہ کہا ہے کہ ابھی چپ چاپ لیٹے رہیے گا۔ خود ہی ٹھیک کے چپ ہو جائے گا۔ لیٹے لیٹے ہی گھبرا جائے تو ٹیک لگا کے بیٹھ جائیں۔ مگر تھوڑی دیر کے لیے۔ اور لیٹیں۔ دیکھیں۔ خدا کا واسطہ ہے جو بھی کھانے کو دیا جائے چپ چاپ کھا لیجیے گا۔"

"چپ چاپ کھاتا ہوں چپ چاپ کھاتا ہوں۔ یہ اچھی زبردستی ہے۔"

"کچھ دنوں کی بات ہے۔ پرہیز اور آرام دونوں ہی ضروری ہے۔ لیکن یہ سب میں آپ کو نہیں کہہ رہا ہوں۔" وہ مکرا گیا۔

"آپ تو پھر بھی دھیان رکھ لیں گے تمہاری۔ مجھے یہ یاد دلانا نہیں کرانی چاہیے تھی۔ پتہ ہو کہ آپ کی محبت بنانے کے چکر میں اور کچن میں کھلی بیٹھی اور سرالی تیار کر رہی ہوں۔" وہاں کو دیکھنے کے لیے پلٹا شہزاد وہیں دروازے پہ کھڑی تھی۔

"میں نے کہیں جانا ہے۔ مجھے ہوش ہی کہیں ہے کچھ اور کرنے کا میں تو سب سے ادھر کھڑی ہو کے لاؤ دیکھ رہی ہوں۔ شہلا کسی کی نظر لگ جائے۔ شہلا مجھ شہزادی کی نظر ہی نہ لگ جائے۔" وہ دائیں لیتے لگی شہزاد جھنجلا کر اٹھنے کے ساتھ کچھ کچھ جھینپ سا گیا۔

"اوئے دیکھ تو کر۔ میرا ابا تھا۔ الاشہزاد اور اج لاڈ سے (دولہا) کی طرح شرما رہا ہے۔"

اس نے شہزاد کا ماتھا چوم لیا۔

☆ ☆ ☆

"ہم آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ وقت ہمیں عنایت کریں گے آپ؟"

صاحبزادی حرمت النساء نے نواب صاحب کو بیٹھک سے اپنے کمرے میں تشریف لاتے دیکھ کے کہا۔ وہ بڑی بیگم کی بات پہ عمل کرتے ہوئے جلد از جلد یہ معاملہ نمٹانا چاہتی تھیں۔

"وقت ہی وقت ہے بیگم حرمت النساء۔" انہوں نے تھکان کا اظہار کرتے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا لی البتہ ان کا ہونہی عصائب تک ان کی مٹھی کی گرفت میں تھا جس کا مطلب تھا وہ کچھ دیر ستانے اور آرام کرنے تھے اور ابھی کسی بھی ملاقاتی کی آمد کی اطلاع پاتے ہی اٹھ کے چل دیں گے۔

"اور بات تو ہمیں بھی کرنی ہے آپ سے۔"

"تو پھر آپ پہلے کر لیجیے۔"

"نہیں آپ کہیے۔ ہمیں ذرا سنجیدہ نوعیت کی بات کرنی ہے۔"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم غیر سنجیدہ اور بے مقصد باتیں کرتے ہیں۔" وہ برا مان گئیں۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنس دیے۔ "ہمارا مطلب ہرگز نہیں تھا۔ خیر آپ کہیے۔"

"جی نہیں۔ جب تو ہم آپ کی پوری بات سننے کے بعد ہی کچھ کہیں گے۔ اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ہماری بات نہایت اہم بھی کرنے والے ہیں۔ ہمیں زیادہ اہم نوعیت کی ہے۔"

"آپ نے تو ہمارا اشتیاق بڑھا دیا ہے۔ اب ہماری تسلی کے لیے صرف اتنا بتا دیجیے کہ وہ بات خدانخواستہ پریشان کن تو نہیں؟ امی نے مسئلے کا آغاز تو نہیں؟"

پچھلے کچھ عرصے سے بے رہے ملنے اور چلنے ان کو ہی بتا گئے تھے۔

"اللہ مہربان رکھے۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ بلکہ یہ انشاء اللہ آپ کے تمام آفرات کا حل ہو گا۔"

"انشاء اللہ۔ چلیے! کہیں۔ سے تو کسی خوش کن بات کی امید بندھی ہو۔ اب تو خواب بھی پریشان اور منتشر سے ہونے لگے ہیں۔ خیر دنیا داری کے جھمیلوں سے پھر رہا آزاد کر لیں ہے مگر ہم تو آنکھ بھی سوتے ہیں تو ایک ہی پریشانی خواب کی صورت ہمارے خیالوں اور سوچوں میں انتشار برپا کر جاتی ہے۔"

"آپ ہم سے کچھ بات کرنے والے تھے۔"

"جی بات کرنے کی ہم نے آپ سے اپنے ایک خواب کا ذکر کرنا تھا۔ آپ جانتی ہیں کل رات ہم نے خواب میں کیا دیکھا؟"

"کیسے؟"

"ہم نے۔ آپ کی بڑی اماں کو دیکھا۔"

"اچھا حضور کو؟"

"نہیں۔ ہم بھی بیگم کو نہیں آپ کی بڑی اکلوتی وصاحبزادی حرمت النساء خانم۔" یہ ہم ہوا ہی تک لا کے اس میں صاحبزادہ کرنا چاہتے تھے۔ رات سے ہی میں مہمان کی شان جو تھا وہ اتنے برسوں میں بھلا بیٹھے تھے وہاں ہو گئی۔ مگر نہیں وقت وقت کی بات ہوتی کر چکے تھے۔ صاحبزادی حرمت النساء دوا ہی بس کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کے وقت سخت سن تھیں اور دو دو بات تھیں۔ کیا حضور کے علاوہ بھی ان کی کوئی بڑی بہن تھیں لیکن بھول گئیں۔ یہ کہ آج وہ اس مقام پر تھیں ابا جی کا بھروسہ اور اعتماد کی میں ویسے ہی منتظر آئے تھے جب وہ ان سب کے درمیان موجود ہوتے ہوئے ابھی اپنے ہونے کا بھروسہ احساس دلا رہی تھیں۔ اب بھی کیا ہوا۔

"بڑی آپا حضور کو۔" اس کے ساتھ ہی انہیں چند پتے قمل کا وہ اللہ یاد آیا جب عصمت کے ساتھ یا سمن کے حرمت والی کے راستے پر وہ جو ہوا تھیں بری طرح جھنجھوڑ دیا۔

"ارے تب سے ہم سب پریشان ہیں۔ نجانے کیا وجہ تھی جو آج ہر سو بعد۔"

"اس میں پریشان ہونے والی بات کون سی ہے نواب حضور۔ خواب ہی تو ہے اور خواب منہ وہ چہرے ہی نظر آیا کرتے ہیں جو سوچوں میں بسے ہوں۔"

صاحبزادی تھیں نے جو بیگم کے بیٹھ کر دیکھا تھا کہ ان کے لیے کسی طرح ان کے چہرے کے تاثرات بھی سادہ ہی تھے۔ ان میں کسی طرح کی تشویش کی آہٹ نہ تھی۔

"پریشانی کی بات ان کا خواب میں نظر آنا نہیں ہے بلکہ تشویش تو اس بات پر ہے کہ اس خواب کے ذریعے آخر وہ ہمیں کیا بتانا چاہتی ہیں۔ ہم نے انہیں روتے تڑپتے اور بد طلب کرتے دیکھا ہے۔ فاتحہ میں تھیں تھیں کے بستے آنسو اور بد حواسی بھی کہہ رہے تھے۔"

"یہ سب آپ کی اندرونی کیفیات اور خیالات ہیں۔ آپ اب تک اپنے آپ کو پشیمانی کے احساس سے آزاد نہیں کرا پائے کہ آپ کی اکلوتی کی وجہ سے انہیں یہ حادثہ درپیش آیا۔ اگر آپ وقت۔ سچ جانتے تھے لیکن نواب حضور، ہو وقت قسمت میں لکھی گئی آپ وقت۔ سچ کے بھی اسے کیسے ٹال کر سکتے تھے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ یہ سب ہونا تھا تو آپ کا تقدیر سے بچنا بھی لکھا ہوا تھا۔ آپ اب خود کو مورد الزام ٹھہرا کر پھر دیں۔ آپ کو اب تک یہی احساس اور پچھتاوا کچوکے لگا رہا ہے کہ آپ ان کی مدد نہ کر سکے اس لیے خواب میں بھی انہیں بد طلب کرتے دیکھا۔"

"شاید آپ درست کہتی ہیں۔ لیکن ہل دو کل رات سے ملال کے زہر اثر جیسے تھے ہی اس احساس سے آزاد ہو گا۔"

"ہم تو آپ کے ساتھ ہی قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اور بڑی آپا حضور کے ایصال ثواب کے لیے مسکینوں کو کھانا بھی کھلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو سکون نصیب فرمائے۔ آپ چنداں فکر نہ کیجئے وہ ایک نیک معصوم روح تھیں اللہ کے انوار رحمت میں ہوں گی۔"

"اللہ تعالیٰ۔ آپ سے بات کر کے دل کو بہلا گیا ورنہ۔ آپ کیسے کیا بات کرنا چاہتی تھیں؟"

"ہم آپ سے عصمت میاں کے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"جب کہ کرنا ان میاں صاحبزادے نے؟"

"ہمیں نے کچھ نہیں کیا کہ تاوہ ہم چاہتے ہیں۔ ہم انہیں اپنا داماد بنانے کا خیال ترک نہیں کر پائے۔"

"یہ کوشش تو آپ کو کرنا پڑے گی بیگم ہم بھی چاہتے تھے مگر سر مال آپ کہہ سکتا ہے اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے کے مقصود سے دیتے ہیں اس میں آپ بھی پیش پیش تھیں۔"

"ہوئے کو تو اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے نواب حضور۔ اگر آپ چاہیں تو عصمت میاں اب بھی ہمارے داماد۔" "نہیں۔ ہرگز نہیں۔" انہوں نے قطعیت سے کہا۔

"نہ کریں۔ ہمیں بھی ایسا ہی بہتر ہے۔"

"آپ بار خاطر ہو کر بھول کر پڑنے کا مطلب ہے نہیں کہ ہم بالکل ہی اپنی آن کو بھول چکے ہیں۔ ایک بار یہ بھی بیگم کو انکار کہلوا کے بے عزت ہو چکے ہیں ان کی نظر میں اب اگر صاحبزادی کی بات مان لیتے تو بھی تب بھی ہم عصمت میاں کے لیے ہرگز ہرگز بھی بیگم کے طرف کا رویہ نہیں کرتا میں گے۔"

"ان کے طرف کو آنے کی ضرورت ہی کب ہے۔ ان کی اپنی طرف تو اول روز سے روشن اور عیاں ہے۔ آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی نواب صاحب آپا حضور نے خود صاحبزادہ عصمت کے لیے ہمارے خاندان کا نام لیا ہے۔"

"صاحبزادہ الماس خاتون کا؟" انہوں نے خوشی اور استعجاب کے ملے جلے تاثر کے تحت کہا۔

"اسی صاحب اور ہم بھی اسی حوالے سے عصمت میاں کے لیے پھر سے درخواست میں ڈال بیٹھے ہیں کیا تو وہی خواہش تب کی خواہش نہیں ہے؟"

"آپ کی بات تو شکوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر غیر متوقع ہے کہ ہم فوری طور پہ اپنا ردعمل ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔ بہت وقت کے بعد وہ کہنے کے قابل ہوئے۔"

"آپ کو اپنا ردعمل ہم پہ ظاہر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے نواب حضور۔" وہ نظریں چرا کر مسکرائیں۔

"اتنے برسوں کی رفاقت کے بعد بھی اگر ہم آپ کے کھلی بیٹھ کر آپ کے اندرونی جذبات جاننے کا دعویٰ نہ کر سکیں تو تف ہے ہمارے اس رفاقت۔"

"آپ کی رفاقت اور خلوص پہ ہمیں ناز ہے صاحبزادی حرمت النساء کی قسم ہے کہ ہم نے بہت دیر سے آپ کی تدریجاً آپ کو اپنے آپ سے بے عدم عمر جانتے ہوئے آپ کو مثل ہم سے بھی ناریل جانا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ تب آپ بے حد سادہ کم فہم اور اتھری ہوا کرتی تھیں۔ ہم سوچتے تھے اتنی مشکل زندگی آپ اتنی بے فکری کے ساتھ کیسے گزار پائیں گی۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ مشکلوں سے نمٹنے کے لیے ہوشیاری کی نہیں صبر و برداشت اور تحمل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ وصف آپ میں پائے جاتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کے اسی وصف پہ سوال ہو کے بہار جات کھر کو مشکلوں سے نکال لیتا ہے۔"

انہوں نے زندگی میں پہلی بار اپنی شریک حیات کی صلاحیتوں کا کھلے کے اعتراف کیا۔ صاحبزادی حرمت النساء نم ناک آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھ کے رہ گئیں۔ وہ اس وقت کچھ کہنے کے قابل نہ تھیں۔

"اس وقت بھی آپ ہمارے لیے ایسی خوشی ہیں کہ گزشتہ سارے رنج و غموں کا ازالہ ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

"یہ تو اللہ کا کرم ہے جس کی رحمت ہے۔ اور وسیلہ ہی ہیں آپا حضور۔ انہوں نے صاحبزادی گل کے لیے اکثر دو ٹوک مسئلہ تھیں بتایا اور اپنے ہی خلوص اور محبت کے ساتھ صاحبزادی الماس خاتون کے لیے سوت طلب بھی کیا۔"

"کھلا دو ہے محبت یکساں ہوتی ہے دونوں کے لیے بھی اپنی دونوں صاحبزادیاں ایک جیسی ہیں۔ ایک جیسی محبت رکھتے ہیں ہم دونوں کے لیے لیکن صاحبزادی الماس خاتون کے لیے جو ہمارا اعتماد اپنی بڑی صاحبزادی سے ہمیں بڑھ کے ہے۔ ہم جانتے ہیں وہ ہمارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بڑھاپے میں بیگم کی بات پہ ایک لمحے کے لیے بھی سوچنا نہیں پڑا۔"

"لیکن ہمیں صاحبزادی الماس خاتون سے بات تو کرنا ہو گی۔"

"بے شک کیوں ان کا حق ہے۔"

صاحبزادی حرمت النساء کے جانے کے بعد نواب صاحب نے طمانیت سے کاؤ تکیے پہ دہرا سر ٹکا دیا۔ پرسے بعد انہیں دل و دماغ ہلکے پھلکے محسوس ہو رہے تھے جیسے کوئی بھاری سل سرک گئی ہو۔ شاید اسی احساس کے تحت آج وہ بے ساختہ اپنی بیگم کے لیے اپنائیت اور احسان مندی کا اظہار کر بیٹھے ورنہ آپ خاصے گاؤ دبس رہا۔ ایک جھجک سی مانع رہی تھی۔ وہ اس بات سے جھجکتے رہتے تھے کہ ان کی شریک حیات اپنی مرحوم بہن سے ان

کی بلی والی شکل اور لگاؤ کے بارے میں جانتی ہے۔

ہمیشہ ان کی کوشش رہی کہ نواب صاحب کے درمیان صاحبزادی فرحت النساء کا ذکر کم ہو۔ لیکن آج ان کے سامنے اپنے خواب کا ذکر کرتے ہوئے کسی احساس جرم یا شرمندگی نے انہیں نہیں گھیرا۔ وہ اس بات کا ثبوت تھا۔ کہ عمر کے اس حصے میں انہوں نے صاحبزادی فرحت النساء کی اپنی زندگی میں اہمیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور وہ صاحبزادی فرحت النساء کا مقام تو خواب میں اپنی ایک جھلک دکھانے کے بعد ہی کھو گئی تھیں کہ اب بھی وہ اس جگہ موجود ہیں جہاں پہلے صاحبزادہ قمر علی خان نے انہیں مقیم کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عصمی حسب معمول ناشتے کے لیے کچن میں آیا۔ کھلے موسم میں دھوپ میں دسترخوان بچھا کے چھتی اٹھانے تین اقتباس کھانا کھایا کرتے تھے مگر سردیوں میں ناشتے کے لیے معمول بدل جاتا تھا۔ نواب صاحب تو ویسے بھی ناشتا تھک میں کیا کرتے شاید ہی کوئی دن ہو کہ ناشتے پہ کوئی ملاقاتی موجود نہ ہوتا تھا۔ صاحبزادی خلعت النساء بھی اپنے جوڑوں کی تکلیف کی وجہ سے سردیوں میں کھانا اپنے کمرے سے نکلا کرتیں۔ ماسوائے اس روز کے جب انہیں وہ خواب نظر آیا تھا۔ ان کے کمرے میں ہی جاتا جو اس ان کی خصوصی بہن ان کا ساتھ دیتیں۔

باقی دو بیٹیاں اور بلکو گرم گرم کچن میں ہی ناشتا کیا کرتے جہاں ہر وقت چلتے چولہوں کی وجہ سے ہیٹر کی ضرورت کبھی نہ پڑتی تھی۔ نواب صاحب کی مہمان نوازی کی وجہ سے اس کچن کے چولہے کبھی ٹھنڈے نہ ہوتے تھے۔ چائے کی کیتلی تو چولہے پہ رکھی رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ نواب صاحب کی باتوں سے تلی ساری کھانا "قریباً" قریباً اطعام کے حوالے سے ہی انجام پاتی اور مہینے کے بل دیکھوا کے انہیں انہیں مشکل پیش آتی اور دوسری ضرورت کے لیے بھی کچھ بچا نہیں تھا۔

جب سے **عصمی** کا آنا جانا شروع ہوا تھا۔ اس نے گھر کے کئی اخراجات کا محسوس طریقے سے اپنے ذمے لے لیے تھے۔ جتنے بڑے گھر کے کئی کمروں میں اندھیرا رہتا۔ اس نے دالان میں بلب جلا کر اور کیاریوں میں ہر روز بلب لگوا کر۔ سرد موسم کے لحاظ سے سب کے لیے کپڑے خرید کے اپنی بڑی حضور کا علاج تو خیر اور ڈاکٹر سے کروایا۔ جن میں بہت سا کام مرحمت طلب تھا۔

کبھی سچ بول کے بھی دیکھ لے
کہ کھلتے ہیں کم جھوٹ کے بھید بھی

کچن میں داخل ہوتے ہی پہلے تو اس کی نظر دروازے کی جانب پشت کیے آنا گوندھتی سوتیا پہ پڑی تو اس کے آنے کے لیے میں اوائے الفاظ بھر کے اسے یاد آ گئے۔ اس نے ہر بار کی طرح ایک بار پھر سر جھٹک کے خود کو مزید کچھ سوچنے سے باز رکھا۔

"ناشتا بنے گا ابھی تو آنا گوندھا جا رہا ہے۔"

اس کی آواز پہ سوتیا ایک دم چونک کے مڑی۔ اسے دیکھ کے اس کے چہرے پہ اچانک تھوڑی سی اسوار بھول تھی۔ اس نے دوبارہ آنا گوندھنے کی کوشش کی البتہ آواز سے مرتعش ہوتے ہاتھوں پہ اور **عصمی** سے چھپا نہ سکی۔

"آنا تو ہے۔ پہ تو میں ویسے ہی گوندھ رہی تھی۔ ناشتے کے لیے تو رات کو ہی گوندھ کے رکھ دیا کرتی ہوں۔ وہ ختم ہونے کے قریب تھا تو سوچا مزید گوندھ لوں۔ آج سوم خاصا خوشگوار ہے۔ ہو سکتا ہے ابا حضور کے کوئی دوست احباب آ جائیں۔ تم کیا کھاؤ گے ناشتے میں؟"

"میں۔" اس کے لہجے اور انداز کے غیر معمولی پن پہ غور کرتا **عصمی** ٹھٹھک گیا۔

"وہ تو پوری دیگ لے کر آ رہا ہوں۔ پہلے تو کبھی نہیں پوچھا؟"

"وہ آج۔ پہلے ہی میں نے سوچا شاید تمہارے پراٹھے کی بجائے کچھ اور لینا چاہو۔" اس نے نیچے لہجے پہ تو رکھا۔

"کوئی آج کا خاص بات ہے؟ کوئی اٹک ملنے چلا جانے کا؟" وہ یونہی اخبار کے ورق الٹتے پوچھنے لگا۔ آنے کا پیغام بتاتے دنیا کے ہاتھ سست پڑ گئے۔

"ہاں خاص بات تو ہے **عصمی** کہ آج میں تمہارا سامنا کرنے میں جھجک رہی ہوں۔ آج کا دن اٹک نواب اس طرح ہے کہ آج میرے دین کے اندر رسوں سے سرمہ لپیٹنے کے لیے تمہارے علمی نے مزید چھپنے سے انکار کر دیا ہے۔ میں تمہاری جانب بیٹھنے سے بھی ڈر رہی ہوں کہ تم میری آنکھوں سے یہ راز نہ جان جاؤ۔ کل بھی بہت بڑی غلطی کی کہ تمہارے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ یہ سوچے بغیر کہ کوئی حضور اور آپی حضور نے میرے جذبات کو ایک تاریخ دے دیا ہے اور یہ کسی بھی وقت بدل توڑ کے ساری احتیاطیں بہا لے جا سکتے ہیں۔ وہ تو شکر ہے میری کل کی بکواس پہ تم نے غور کرنے کی زحمت نہیں کی۔"

عصمی کے طاہرانہ انداز اور بے تکلف دوستانہ بے تکلف رویے سے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ اس نے سوتیا کی کل کی بات کو سرسری سنا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے اس رشتے کی نئی صورت کا احساس سوتیا کو تجسس میں مبتلا کر رہا تھا۔ **عصمی** کو نفرت میں بگڑ کر بلا تعلقی کے ذریعے اپنے پر بنا لینے کی کوشش کر رہی تھی تو **عصمی** انجان بنے رہنے میں بالکل جان رہا تھا۔

"کیا تم تحریر میری نمائندگان آنکھیں کیا کہہ رہی ہیں؟" بلکو نے اندر آتے ہی اپنی غلطی کی آواز سے سکوت توڑا۔

"سوتیا بی بی اور **عصمی** میاں اندھوں ایک ساتھ اور اس کے باوجود قیامت کا ناشتا۔ کیا بی بی اور **عصمی** میاں ایک ساتھ ہوں اور کھٹ پٹ نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے مگر آپ دونوں یوں چپ چاپ۔ ضرور کوئی بات ہے۔ اور ہو سکتا ہے خود کوئی بات ہے۔" وہ مسکرائی۔

"ہم تو یہی نہیں سمجھے کہ پہلی ملاقات ہے جو پہلی ملاقات ہے۔"

"بس اس بند کرو بلکو۔" پہلی بار سوتیا اتنے خراب انداز میں اسے اپنے ٹوکنے پہ ٹوکا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"تمہاری خیریت تو خیر نہیں لگ رہی۔" **عصمی** نے پہلی بار اس کا ستا ہوا چہرہ غور سے دیکھے درد اس وقت سے دوسری بات مد نظر رکھتے ہوئے تھی۔

"موسم کی ایسا ہے۔" سوتیا نے بات بنائی۔

"اور تم کام کاج بھی بہت زیادہ جب سے بڑے گھر کی متوالی "تھوڑی" بن رہی ہو۔ سوسم میں سے دھیرے دھیرے ایک کام کرو۔"

"سوچ کر بتائیں۔" وہ آنا بیلنا۔

"اس باندی کے لیے بھی چاہو کوئی نہیں تو خود سے ذرا سا خیال رکھو۔ ہم کرنے والے ہی کتنے ہیں۔"

"نہیں **عصمی** میاں بی بی کی خدمت ہے مخوا خواہ میں اتنا غریب۔ ہم کرنے والے ہی کتنے ہیں۔"

"اگر تم بے تکلف کہتی کے چار پانچ ہیں تو ہم مہمان۔ اور کوئی بھی آ جھونا نہیں۔ چلو اور بھی نہیں تو تمہارے ہم صفائی کے لیے ہی رہنے دو۔ تو چلو اور دو۔ تو چلو اور دو۔ تو چلو اور

"یہ اچھا بہانہ گھڑ لیا ہے۔ نہیں آتا تو سیکھو اپنے اجداد کے پکائے کھانوں کی عادت ڈالو سب کو۔ ویسا ساری عمر یہاں بیٹھی بیٹھی مرغیاں ہی دوڑایا کرے گی۔ آخر کل کے بعد اسی کی تو باری ہے۔"

"نہیں نہیں جاری ہیں۔" سوتیا نے اس کے آگے ناشتا رکھا اور عام سے انداز میں کہتی باہر نکل گئی لیکن عصمت کو اس سادہ، مختصر اور معمولی سے فقرے میں چھپے اشارے سے محسوس ہو رہے تھے۔ جو اسے سمجھ نہ آ رہے تھے مگر بری طرح چبھ رہے تھے۔

وہ سوتیا کے کہے فقرے کا سرا مصروف دہرا کے رہ گیا۔

(2) (2) (2)

"چچا حضور آپ؟"

صاحبزادہ نفیس علی خان کو اپنے حضور دیکھ کے وہ کتنی دیر تک یقین ہی نہ کر پایا کہ وہ بول تک نکلتے ہیں۔

"آپ یہاں کیسے؟ خیریت تو ہے ناں گھر پہ؟" اپنی حیرت پہ قابو پانے کے بعد سب سے پہلے خیال اسے یہی آیا کہ خدانخواستہ کہیں گھر میں کوئی غیر متوقع یا ناپسندیدہ واقعہ ہو گیا ہو۔

"الحمدللہ سب خیریت ہے۔ ہم یہاں سے گزر رہے تھے تو خیال آیا کہ آپ سے ملتے جائیں اور آپ کا پلاٹ بھی دیکھ لیں۔" وہ ارد گرد نظریں گھماتے جائزہ لیتے کہنے لگے۔

"کئی بار آپ نے اصرار کیا مگر ہم مصروفیت کی وجہ سے وقت نہ نکال سکے۔"

ان کی اس بات پہ وہ کہتے کہتے رک گئے۔ "مصروفیت کی وجہ سے نہیں، اپنی ضد کی وجہ سے۔" مگر وہ وقت اس نے اپنی زبان کو قابو میں رکھا۔

"آپ یہاں تشریف رکھیے چچا حضور۔" اس نے دکان میں موجود واحد اسٹول خالی کر کے ان کے سامنے بیٹھنے کے لیے پیش کیا۔ اس پہ کوئی پہلے وہ بیٹھ چکا تھا۔

"نہیں بیٹھیں۔" وہ بنچ شرمندہ سا نظر آیا۔ "آپ کے شایان شان تو نہیں مگر اس طرح آپ کو کھڑے دیکھنا ہی اچھا نہیں لگ رہا۔"

وہ پہلے سے صاف اسٹول کو اور بھی جھاڑنے لگا۔ اگرچہ صاحبزادہ نفیس علی خان اس غیر آرام دہ نشست کو ذرا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور عام حالات میں اس طرح کے اسٹول پہ بیٹھنے سے وہ کوفت سے دوچار ہو جاتے لیکن اس کی سرشاری کو دیکھ کے وہ بیٹھ گئے کہ انہیں کھڑے رہنے سے وہ مزید برا محسوس نہ کرے۔

"کیا پیش کروں آپ کی خدمت میں چچا حضور پلاٹ تو یہاں کسی کام کی نہیں ملتی اور آپ تھوڑے سوتیا کے ہاتھ کی بنی ادرک چائے کے عادی۔"

اس کی اس بات پہ صاحبزادہ نفیس علی خان نے اسے گہری نظروں سے دیکھا ان کے لبوں پہ ایک دھیمی اور معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"کیا خدا ملا ہوں۔"

"نہیں۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔ "طلب کرنے کا کوئی سامان ہے۔" وہ ایک بار پھر اسٹور کا جائزہ لینے لگے۔ عصمت نے مزید اصرار اس لیے نہ کیا کہ وہ جانتا تھا ان کے چچا حضور باہر سے کچھ کھانا پینا پسند نہیں کرتے۔ دوسری طرف ایک غریب طبقے کی مرتبہ داری اور ایمان نے اس پہ غلبہ پایا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا خالہ و ان کی دعاؤں، محبتوں پہ پہلی بار خوشی کس طرح ظاہر کرے۔

"چچا حضور جو حکم ہو آپ کے لیے۔" کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے نئے سال کی دعائیں ان کے سامنے کی۔ انہیں دہرانے کے لیے اسے اپنا آپ بہت کم حیثیت محسوس ہوا۔

"یہ تکلف کس لیے میاں صاحبزادے! اصولاً ہمیں آپ سے کچھ تحریر بنانا چاہیے۔ آخر پہلی بار آپ کے ہاں آئے ہیں۔"

"چلیے چچا حضور ہمیں خوشی کے لیے۔" اس نے آگے بڑھ کے ایک گھٹنا زمین پہ ٹیکتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ انہوں نے بہت گرمجوشی سے دائیں بائیں سے گلے لگایا اور دس کے دس نوٹ پکڑا دیے۔ ہر فقرے پہ قرآنی آیات کا ترجمہ اور احادیث سنا رہی تھیں۔ انہیں پسند آیا۔

"شکریہ بیٹا۔" وہ رخصت کی تیاری کرنے لگے۔

"شرمندہ مت کیجیے چچا حضور۔" بنا نہیں کہا اس کی آواز بھاری ہو گئی شاید وہ اپنے جذبات پہ قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"آپ نہیں جانتے آپ کا یہاں آنا میرے لیے۔"

روتے روتے وہ گلے لگ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا کہہ پایا۔ صاحبزادہ نفیس علی خان نے آگے بڑھ کے اس کا شانہ شفقت سے تھپتھپایا۔ اس کی حالت دیکھ کے انہیں اس کے ساتھ گزارے اپنے گزشتہ رویے پہ شرمندگی محسوس ہوئی۔

"خدا آپ کے کاروبار کو برکت اور ترقی دے اور آپ کو بھی اپنے بزرگوں کے دل کی ٹھنڈک کا باعث بنے رکھے۔"

وہ چلے گئے مگر عصمت تقریباً سارا دن اسی خوشی کے احساس کے زیر اثر رہا۔ اس کے نزدیک چچا حضور کا یہاں آنا اس سال کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ رات گھر جا کے سب سے پہلی خوشی بانٹنے کی جلدی سوار ہو گئی۔ آج اس نے معمول سے ذرا جلدی اسٹور بند کیا اور مسرت کے اظہار کے طور پہ رات میں سے ہوتے کی مشہور بطخ کی دکان سے ایک کلو فالتو خریدی جو گھر میں سب کی پسندیدہ تھی۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے وہ اپنی امی حضور کے کمرے کی جانب لپکا۔

"امی حضور! آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے نواب صاحب سے عصمت میاں اور صاحبزادی الماس خاتون والی بات کر لی ہے۔"

چچی حضور کی پراشتیاق خواب ناک آنکھوں کے دروازے کے پار ہی رک گیا۔

"ہمیں اور سوتیا کی بات؟ مگر کیوں ہی بات؟"

دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ اور کہیں خلوت کی تلخی بھرے کے باوجود وہ اپنے آپ کو یقین دلا رہا تھا کہ جو ہم ابھی ابھی گزرا ہے وہ محض وہم ہے۔

"یہ آپ نے درست کیا۔ ہم ابھی اس معاملے میں تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ہماری خواہش ہے کہ صاحبزادی کل مرکا کے حوالے سے ہو جائے تاکہ دونوں بہنوں کی رخصتی ایک ساتھ ہی ادا کر دی جائیں۔"

"اچھا خیال ہے لیکن ابھی اس جانب سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ الماس خاتون تو ہمیں کہہ رہا تھا اسے آزاد ان لوگوں کا ارادہ ہے۔ عارف بابا آئے تھے۔ وہ ایک دو روز تک اطلاع بھجوا دیں گے۔ نہیں آپ حضور نواب صاحب کہہ چکے ہیں کہ وہ حتمی فیصلہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانچنے پرکھنے کے بعد کریں گے اور وہ فیصلہ آخری ہوگا۔ صاحبزادی کل مرکا اس فیصلے کو قبول کرنے کا وعدہ کر چکی ہیں۔ ہمیں فقط یہ کہنا ہے کہ ذرا انتظار کر لیا جائے۔ طلب ہے کہ وہاں بات نہ ہی تو گھر کے ماحول میں الماس خاتون اور عصمت میاں کی دل شکنی ہو۔ ہم سب یہ چاہتے ہیں۔"

"بالکل نہیں، واقعی اس سے صاحبزادی کل مرکا کی ناراضی ہو سکتی ہے لیکن ہم آپ سے اس رسم کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ایک ہی خاندان کی بات ہے۔ ہوتا ہم سے سچا کہ اگر صاحبزادی کل مرکا بالکل بہت گھریلو کی تقریب ہوئی تو ہم کسی کے بالکل ہوں۔ ہم دل ہمارے لیے بھلی نہ سب کو رضا رضامندی ہی بات ہی ہے۔"

"اب حضور تو بہت خوش ہیں۔"

"ہم بھی اس کی خوشی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔"

"اور میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ آج میرے پاس کیوں آئے تھے۔" وہ سست قدموں کے ساتھ واپس پلٹ گیا۔ پھر آمدے میں آ کے اس نے مطمئنی کا ڈبہ میز پر رکھا اور وہ جا کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مگر آج بہت جلدی آ گئے۔" موتیا لی نے اسے چونکا دیا۔ سر اٹھا کے دیکھا تو وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتے لگا۔ رتنہ رفاقت اس خلا میں لوٹا۔ مضطرب اور بے چینی حضور کی تشنگی کی بازگشت نے بھر دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے، طبیعت ٹھیک ہے؟" موتیا نے اس کے چہرے کی متغیر سی رنگت اور اس کے پیچھے اپنے کو دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ تھکن ہے بس۔" وہ قصداً اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ اس کی عجائب دیکھتے ہوئے وہی تجسس اس سے مناسب آ رہا تھا جس نے کل سے موتیا کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

"اور یہ مطمئنی۔" اس کی نظریں میز پر رکھے مطمئنی کے ڈبے پر جم گئیں۔

"یہ کل ملے آپ کو۔ حضور اور بیگم حضور کو لینے دے دیں۔ اس کے لیے اور بھی چیزیں حضور کو بھی۔"

"تم بھول رہے ہو کل تک تو بہت پہلے ہے۔" موتیا لی نے اسے بیٹھ جانے کی تحریک دی۔ پھر اس کے ساتھ ایک پلیٹ میں مٹھائی رکھ کر اس کی طرف بڑھا دی۔ "اور یہ مطمئنی کہاں سے آئی؟ کیا آپ کے ابا حضور لائے؟" اس کے لحن کو کرید کر شاید وہ صحیح واقعات پہ اپنی خوشی کے اظہار کے طور پہ لائے ہوں۔

"نہیں یہ تو عباس لایا تھا۔" وہ کپ میں چینی گھولنے لگی۔

"اوہ۔ تو وہ تجزیہ عباس خلہ بھی۔" خوش فہمی پہ چیخ کی بوچھاڑ کرنے کے لیے مقالہ لے آئے۔"

مدہوش جلتے الفاظ نے سوہا کے من کو جھلسا دیا۔ اس چائے کا پہلا گھونٹ بھرتے ہوئے موتیا کا ہاتھ بھٹکا سا کانپ گیا۔ اس نے مزید وہاں رکنا گوارا نہ کیا۔

☆ ☆ ☆

کوثر بی بی کنزی کی بڑی بیوہ والی عورت تھی۔ ویسے تو کم حیثیت ہی تھی۔ شوہر کا چار سال پہلے کسی حادثے میں انتقال ہوا تھا۔ تب سات بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ اسی کنزی میں رہتی تھی۔ لوگ بتاتے تھے کہ اس نے شوہر کے ساتھ ان بچوں کو اس قابل کر دیا کہ اپنے ہاتھ پیروں سے کمانے کھانے لگے۔ کنزی کے ہر گھر میں اس کی آنا جانا تھا اور اسے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

بڑی بی کا بڑی نیک بختی کی وجہ سے ہوتی تھی۔ شاید ہاری کی سکت سے ملنے آئیں۔ باہر کی عادت تھی کھڑے کھڑے سب کو بے عزت کر ڈالتی۔ مگر کوثر بی بی کا بڑا جگر تھا۔ ہو تیسرے چوتھے روز اس کی خیر لینے آ جاتی۔ اس کے لیے اکثر سلائی کا کام بھی ہوتی۔ اس بار بھی یہ کم کلی۔ وہ سلائی کی کچھ کام لے کے اس کے پاس آئی تھی جب پاس بیٹھی اس بیوہ اور غیر خواہ عورت سے اپنی ذاتی باتیں چھیڑ دیا۔ گھر بار کے باہر جانے کے بارے میں بتایا۔ ساتھ ہی ساتھ بچوں کی باتیں بھی۔ بات سے بات نکلی تو بچے کے بارے میں بھی بتا دیا۔

"ہاں بیٹا تو ہوتے ہوتے رہ گیا۔" خوشی کی اطلاع دینے کے لیے کہا۔

"اللہ خیر کرے۔ تو بچے کے اس کے سر پہ وار ہو گئی۔ اب پتلیوں نے لانے بھی اسے دور کیا۔ صدقے جاؤں تیرے۔ تجھے بھی کے تیری بی بی ہو کے شوہر کے لیے اپنی خاطر اچھی نہیں۔ بڑی بی بی۔ اولاد کے بارے میں سوچ کہ اب خاوند کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ عیش و آرام کے لیے سوچنا چھوڑ دے۔ اولاد کا حق تو تیرا۔ خاص طور پہ تیری گلہ اس نے بڑا اچھا کیا ہے۔"

"ہم اپنے بچوں کو تو کسی اور کے اولاد کے مستقبل کا بھی خیال کرتے ہوئے رونگ لیا ہے۔ کب تک ہم

یہاں وہاں سے لا کے اپنے کی سی کے بچے پالتے رہیں گے۔ دلکش کے اوجان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے۔ اللہ اللہ کر کے تو وہ اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنے پہ تیار ہوئے۔ اب اگر ان کے لیے بہوئیں کا بندوبست ہو جاتا تو سمجھو سونے پہ ہاتھ سے جاتا رہتا۔"

"بڑی بھولی ہے تو۔ ہزار جھوٹے کھانے کے پھر موروثات کا اعتبار کر لیا اتنے سالوں میں کوئی ایک بھلائی کی بات اس نے تمہارے ساتھ نہ کی۔ ویسے بھی میں تو یہی بات کہوں گی بیٹھے تمہیں رہا کے مگر کری تو یہی ہے کہ نفسی اور ہواری کے کسی دعوے کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

"ایسی بات نہیں۔" یاسمین کو واقعی برا لگا۔ بیوہ تربیت لے کے یہ دوان چڑھی تھی۔ "اس میں اپنے مجازی خدا کے بارے میں کسی سے شکایت کچھ نہ کہنا تو مرد کنار کسی سے راستا بھی اپنا ہوا ہی گزرتا۔"

"اللہ کرے سب ویسے بھی اب دعا مانگنے کے سوا اور ہو بھی کیا رہا ہے۔ خالی ہاتھ تو تم ہو چلی ہو اسے زور دے کر۔ لیکن میری مانو تو اتنی بے لگام مت ہو۔ پوچھ گچھ تو کرتی رہا کرو۔ نظر رکھو کہاں کی اڑان ہے۔ یہاں پاس رہتے ہوئے تو تم تم ہو۔ مہارا نہ ہو۔ یکسی بات صفدر پار جاتے ہو گیا تمہارے ہاتھ آئے گا۔ وقت رہتے اپنی بیٹے کا نہیں ہے۔ کچھ اور تیاری رکھو۔"

"یہاں آپ تو چھیں گے۔" اس نے ٹالا ورنہ ایسا کوئی ارادہ ہرگز نہ تھا۔

"ارے بیٹی سے پوچھنا میں بھی ذرا شہد کو نکال ہوں کام سے۔ ہو رہا تجربے اندر کی بات نکالنے میں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں تھے رہا اور راز کھلا ہے۔ ایک دو دن میں پتہ لگا لے گا بڑے صاحب کے ارادے کیا ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں کوثر بی بی۔" وہ بطور اپنی شوہر کی جاسوسی کرانے کے خیال سے۔

"اے ہو تمہیں تو کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں۔" کوثر نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ یاسمین کی تحیر اسے کسی خاطر میں نہ لائی۔

"یہ شوہر کی نہ اس کی کمائی کی۔ نہ اولاد کی بھلائی کے کوئی مطلب ہے۔ گر بھی ہے تو تم جیسی عورت کا اپنی آنکھوں کے سامنے بیوقوف ہوتے نہیں دیکھا جاتا۔ اصل بات کا پتا لگا کے رہوں گی۔"

☆ ☆ ☆

"یہ دیکھو شہزاب۔ تمہارے لیے کتنا اچھا کام ہے۔ اس میں بچے تلے کی تاریں ہیں۔ سب کا پیکر تو دو ہزار کا آیا ہی تھا کام پورے تین ہزار کا ہے۔ ٹھاٹا لگ بھر ہوا نہیں ہے۔ پھر بھی اتنا لگ گئے۔ میں نے صرف تین دن لیے تھے جو تیار کرنے کے لیے۔ اتنے تھوڑے وقت میں اتنا باریک کام کرنے کے اس نے ہزار روپے اوپر سے لے لیے۔"

"تمہیں کیا کرنی تھی ہاتھی کے لیے۔ ہاں پہلے سے تیار جوڑوں میں سے کوئی میری نظر کو بھاتی نہیں۔ کسی کا رنگ اچھا تو کام بے کار۔ بے تکے کی نہ بال والا کام ہوتا تھا کہ جو ذرا اچھے رنگ کا۔ پتہ نہیں کیا کشش تھا اس میں کل کی چھوکریوں نے اڑتے ہوئے رنگ کے پھرے پہنتی ہیں جو ذرا بھی اپنی الٹ سے جیسے خوشیوں دھانیا ہو چلی ہوں۔ میں نے تو سوچے رنگ کا جوڑا خاص کل بال (آرزو) پہ بنایا ہے۔ کتنا اچھا لگا۔ کنزی کا رنگ دیکھا ہے کل۔"

"ہاں۔" شہزاب اپنی اچانک کسی تبدیلی کے آنے پہ استفسار سے شرمندہ ہے پوچھ بیٹھی تھی۔ اس سوال کا جواب دینے کی بجائے الجھن بھری نظروں سے ناراضی مائل سرخ فضا لانے ہوئے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بیوقوف کل ہر کے بستر پھیلے اور لفافے رکھے استعمال کرتے دیکھا تھا۔

"اس سب کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہوتی کیا خالی لیا جاتا ہے۔ تھکن لے کر جانا پڑتا ہے۔"

"کیسے تھکن؟ آپ جہاں بھی فالتو میز شتے کر جاتی ہیں۔" اس نے "فی الحال" پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو انہیں پتا تو چلے کہ کس کا رشتہ آیا ہے۔ اور رعب جمانے کے لیے میں انہیں بھی ساتھ لے جاؤں گی تو مجھے رات سے سمجھانا (ڈیولر مارکیٹ) لے جانا۔ میرا پرانا واقف کار خیاری ہے اکثر چیزیں بنا کے دیتا ہے۔ خالہ کو بھی لے جانا ہے یا پورا سیٹ؟"

"میں آپ کو ان کپڑوں جوتوں سے روک رہا ہوں۔ آپ تو رات کی بات کر رہی ہیں۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"یہ سب کل ان وقت ہیں۔ جب موقع ہو گا تب بے شک درجن بھر سوٹ اور تین چپلیں تو لے سوا لے جانا۔"

"شہزاد! ٹھیک کہہ رہا ہے جاؤ۔ زیادہ آنا جانا نہ ہو اکو سب باتیں وقت پہ اچھی لگتی ہیں۔ خیر کا ویلا آ تو دے' سارے چاہ پورے کر لیں گے۔" کرم الٰہی نے بیٹے کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے ابا! اپنے خالی ہاتھ جاتے ہوئے تو مجھے اچھا آپ بیٹا بولا (بکا) لگتا ہے۔ ویسے ہی شہزاد نے ذرا سے رکھا ہے کہ بڑے اونچے لوگ ہیں۔ اونچے لوگوں کے مزاج بھی تو اونچے ہی ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح ہاتھ ٹھکا کے آنا ہی انہیں برا لگ جائے۔ کوئی چھوٹی فروت تو ساتھ ہو۔"

"ہاں فروٹ لے جائیں گے۔ میں دو تین کریٹ مختلف پھلوں کے ساتھ رکھ دوں گا۔"

"اور مٹھائی کا ٹوکرا بھی۔ مٹھائی موتی دروازے کی اونچی چوکھٹ لال کھوہ الوں کی۔"

"مٹھائی۔۔۔؟ اچھا ٹھیک ہے۔ اکثر رات کو ٹرالی میں ہی رہتے ہوئے گا۔ پہلے سے لے جانے کی ضرورت نہیں۔"

کچھ سوچ کے اس نے کہا۔

"لے لیہ کیا بات ہے مولی۔" بانو چہک اٹھی۔

"یہ کیا اعتراض ہوا۔ مٹھائی کا ٹوکرا تو میں ساتھ لے کر جاؤں گی۔ اور اگر انہوں نے ہل کی' اور میں نے منہ ٹھا کر لیا۔"

"اور اگر انہوں نے ناں کر دی تو۔؟" تب یہ مٹھائی کا ٹوکرا واپسی ٹرالی میں رکھوائے ہوئے آپ کو کیسا لگے گا؟"

"تیری عقل انکار کس لیے ہو گا۔ میرے شہزاد کے لیے انکار کی ہمت ماری گئی ہے کیا؟ میں ان کی سات نسلیں دیکھ لوں گی۔"

"خدا کا واسطہ ہے۔" شہزاد نے ہاتھ جوڑے۔ "یہ سب وہاں مت کہنے گا۔ اسی لیے تو مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گی۔ میں زیادہ پریشان نہیں ہوں۔"

"بڑا ہمارے بات سے ملک رہا ہے' وہ لوگ زیادہ ہی بڑے لوگ ہیں۔ لکھ پتی۔ یا کروڑ پتی؟" کرم الٰہی نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

"نہیں ابا جی! ان کھوں کروڑوں والی بات نہیں۔ متوسط تمدنی والے سفید پوش مگر صحت مند لوگ ہیں۔ ہاں شریف ضرور ہیں۔ اس لیے ڈر تھا کہ۔"

"تو کیا امید معاش ہیں؟" بانو نے سمجھے بغیر پوچھا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" اس نے تنگ ہو کر ان دونوں کے چہروں کی جانب دیکھا۔ کرم الٰہی کے ماتھے کی تیوریاں اس کی ناگواری ظاہر کر رہی تھیں۔ شہزاد نے ذرا سنبھل کے مگر ناگواری میں بات بدلی۔

"لوگ ذات برادری سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔ ہاں اگر میری قسمت اچھی ہو گی اور کچھ میرے والد صاحب کو بھی یا آپ لوگوں کی کوئی بات پسند آ گئی تو شاید وہ راضی ہو جائیں ورنہ ان کی پہلی ترجیح اپنا خاندان اور اپنی ذات ہے۔"

"سب بہانے ہیں۔ اکثر اپنی اہمیت جتانے کے حکم ہیں۔" بانو نے ناک چڑھائی۔

"جب لڑکی راضی ہے تو پھر کیا کرنے کا۔ لڑکی کرنے والی خود ملا۔ لڑکی ہے۔ جب ڈنٹ کے باپ کے آگے کھڑی ہوئی تو ساری لڑکیاں راضی کی دھری رہ جائے گی۔ بھلا عشق کے آگے ذات نے کبھی بار پالی ہے۔ وہ کیا کہتے

ہیں۔ عشق نہ پچھے ذات۔" اس کے تجربہ کارانہ تجزیے کی تائید کرنے سے مہلا کے کی۔ شہزاد اپنی ہی سے اپنے بال نوچنے میں مصروف ہو گیا۔

"اف۔۔۔ کیسے سمجھاؤں۔ یہ وہ لوگ ماشقی حقیقی کا پتہ نہیں ہے کل موسوم سلجھی ہوئی اور باوقار شریف لڑکی ہے۔ مجھے پسند آئی ہے میں کسی ایسی لڑکی کو شریف حیات بنانا چاہتا تھا میں نے اس سے رشتہ بھیجنے کی اجازت طلب کی۔ وہ اس نے دے دی۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ وہ صاف الفاظ میں کہہ چکی ہے کہ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ میں کیا کرنا چاہتی ہے۔ ان کا فیصلہ آخری اور حتمی ہو گا۔"

"پھر اس میں کیا ہے پھر تو۔" وہ بے حد مطمئن ہوا۔ "میں تو کبھی تو کر ہی لیتا ہے آخر تھی (خود سر) ہو گی۔"

"ضروری نہیں کہ سر پر ہاتھ رکھنے والی ہو جورت اپنا وقار داؤ پہ لگا کے اپنی پہچان بناتی ہو' عورت سے بھی اپنی الگ شناخت اور حیثیت منوائی جا سکتی ہے۔"

"اچھا بھئی یہ جو الٰہ۔" وہ بے بسی سے وہاں بیٹھ گئے گئی۔ "اتنے چاؤ سے خریدا تھا۔ اچھا جیسے مٹھائی کا ٹوکرا میں رکھ رہے ہیں ویسے ہی جوتا اور دیگر تحفے بھی رکھ دیتے ہیں۔ ہاں ہوتے تھا ہی پسند کی۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ آپ کی مرضی۔" وہ اس پہ رضامند ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

دوسری جانب صاحبزادی نفیس علی خان کے گھر پہ بھی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ جب سے گل نے موتیا کے ذریعے اطلاع بھجوائی تھی کہ اس اتوار کی شام شہزاد کے گھر والے باضابطہ طور پہ رشتہ لے کے آ رہے ہیں تب سے صاحبزادی حرمت النساء کے ہاتھ پیر پھولے جا رہے تھے۔ صرف نفیس ہی ان باقی تھے۔ ایسا پہلا موقع تھا کہ رہا ہر کوئی انجان لوگ اس قسمت بن کے ہاں آ رہے تھے اس لیے وہ عمرانت میں مبتلا تھیں۔ بھی دالگھر کو دیکھا جاری ہو رہی ہیں تو کبھی موتیا کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

عصمت نے مس روزنامہ کے لیے لفظ تھا کہ اسی شام کو دالگھر کسی دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ ہر آنے والے اسی گلی کے ایک گھر کی پرانی فارمیہ کو لے آیا۔ وہ اس موقع پہ خوب کام آ رہی تھی۔ ہر برابر والوں کے ہاں کو ایک دن کے لیے مستعار لیا گیا۔ اس نے بھی معاوضے پہ عصمت کی ہدایت کے عین مطابق پیر کی پٹیوں' جھاڑ جھنکار اور ابال کی آرائش کا سارا کام چند گھنٹوں میں کر لیا۔ صرف دو دھد جیل موتیا نے اپنے پیند کے پورے نگا رکھے تھے۔ وہی اس کی خوبصورتی میں کامیاب تھا۔ بالی کا سارا دھد عجیب۔ نکل سا ہاں پیش کر رہا تھا۔ اب ایک ماہر کی چند گھنٹے کی محنت نے کوا اس باغ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ آج ہر مرد اور تھا موتیا نے ملازمہ کے ساتھ مل کے گھر کے خالی جگہ کو بھی کافی حد تک صاف کر لیا تھا۔ صاحبزادی حرمت النساء نے صندوق میں سے کڑھائی والے سفید سرخ پوش نکالے۔ سوتی کی چادریں' تکیے کے غلاف نکالے۔ گل نے ٹاک بھوں پڑ چلے۔

"اب یہ اضافی کھری کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہوں گھر میں لٹکانا ہے۔ کڑھائی والی چادروں کی جگہ اب کاٹن کی پرنٹڈ شیٹ یا ڈیکو شیٹ کا فیشن ہے اور نفیس کے کمرے والے ایسے کمال کے ہوتے ہیں۔"

"ہاتھ کی بنی چیزیں فیشن کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ان کے رواج کبھی پرانے نہیں ہوتے۔" موتیا نے ماں کی طرف سے جواب دیا۔

"ہم نے تو بھائی صاحب سے کہا تھا کہ انہیں ظہرانے پہ بلا لیجیے۔ یہ عصر کہیں مگر اب چاہیے کہ وہ لوگ صرف چائے پہ آئیں گے۔" صاحبزادی حرمت النساء نے کہا۔

"ابا! مشورہ تو کبھی تھا مگر میں کہتا ہوں کہ نہ وہ اصرار مناسب نہیں خصوصاً اس صورت میں کہ وہ پہلی بار آ رہے ہیں۔ اس لیے جب انہوں نے عصمت میاں سے فون پہ بات کرتے ہوئے پہلے سے عشائیے پہ آنے سے معذرت کر لی تو انہوں نے نواب صاحب کے ہی منتخب پہ اصرار نہ کیا۔" صاحبزادی حرمت النساء نے وضاحت کی۔

"کوئی مضائقہ نہیں۔ اب عصمت اپنے ہاں کے شایانِ شان اہتمام ہونا چاہیے۔ آپ انماس خاتون سے مشورہ کرکے عصمت میاں کو فہرست دے دیں۔ آج ہی سب سامان آجانا چاہیے تاکہ کل اور پرسوں دونوں دن سب تیار کرلیں۔"

"بالکل حضور اس تردد کی کیا ضرورت ہے۔ "کل صبح شامت آئی تھی جو وہ کمبخت سے کہ کوئی پھلکیں کھانے کھاتے تیج ہاں بول پڑی۔

"بکری سے تیار سامان وقت پہ آجائے گا۔ پھلکیں ہوں گی، پوری نجات ٹکیوں اور حلوے شوقین بھی ہوں گی۔ نہیں۔ بکری سے ایک نمکین، ایک میٹھی اور پیش خیمہ منگوا لیجئے گا۔ دیا سے زیادہ ایک آدھ طرح کے کباب گھر میں تیار ہو ہی جائیں گے۔"

"آپ اپنے حقیقی مشورے اپنے ہی پاس رکھیں صاحبزادی گل صبح" انہوں نے اسے جھڑک کے رکھ دیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ آپ ایسا کوئی تجربہ نہیں رکھتیں نہ سامان خوانی کا نہ ہی خانہ داری کا اس لیے اپنے مشورے ضائع مت کیجئے۔ دوسری بات یہ کہ آپ سے مشورے کو اور آرام اگر قبول توجہ بھی ہوں تب بھی آپ کو ان کا اتھارٹی کی اجازت نہیں۔ اس معاملے میں بیٹیاں نہیں بولا کرتیں۔"

"اور یہ آپ کی انماس خاتون" پہ بوڑھے چڑھ کے بول رہی ہے۔" اس نے تلملا کر تلخی کو جواب دیا۔ کھلکھلاتے لہجے میں۔ "انماس خاتون" سوتیا کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اس کا" موقف" نہیں، بول سکتی ہے۔ بوڑھے چڑھ کے۔" عصمت منگرایا۔

"ہم اس کے معاملے میں بولنا۔ بوڑھے چڑھ کے۔"

"موقف۔" اس نے تحقیر سے سر جھٹکا۔ سوتیا طاقت جارحیت چپ رہی۔

"آپ چائے بنا چائے کے ساتھ کیا لوازمات ہونا چاہئیں؟" آپ انہوں نے عصمت سے دریافت کیا۔

"یہ تو آپ خواتین طے کریں۔ ویسے میری رائے ہے کہ گھر کے ساتھ ساتھ ایک قدرے آتش پرست بھی لے آنا چاہئے ورائٹی ہو تو اچھا ہے۔ جس کو جو پسند ہو وہ لے لے۔ ویسے میرا خیال ہے شہزاد صاحب کے والدین دسات سے تعلق رکھتے ہیں انکی سے پرہیزگار اور صرف سماعتوں سے الرجی ہے تو خوں سے کوسنے دوروں کے۔ میں بکری سے فرنٹ کریم پیسٹریوں اور ڈرائی فروٹ والا کیک لے لوں گا ساتھ شیر۔ اس طرح کے نمکین پائی جو موتیا ہے۔"

"شامی کباب تو چائے کے ساتھ لازم ہیں۔ کاجو کا حلوہ اور فرائی فش میٹھے میں بالکل نئی چیز کے سوسے" آلو کے پکوڑے کو ہرچنی کی بات پر ہی جوڑے سے کوئی آئٹم چیز ٹھیک رہے گا؟"

"جو آپ مناسب جانیں" دور عصمت میاں گل آپ جو لسا صاحبزادی یاسمین کو ذرا لائیں۔ اس سے تعلیم پہ ان کا ہونا بہت ضروری ہے اس گھر کی بڑی صاحبزادی ہیں۔"

"جی مستریجی حضور۔"

"اور اگر باہر میاں کو اراضات ہو تو ان کو بھی مدعو کر لیجئے گا۔ وہ صاحبزادی گل صبح کے بڑے بھائی کی جگہ ہیں۔"

اس بات پہ گل صبح کا منہ بن گیا۔ وہ صبح کرنا چاہتی تھی مگر بڑی کے لڑکے کی ہاں میں چپ رہی کہ ان کے والد کی شان میں گستاخی نہیں انہیں ناگوار کرے۔

☆ ☆ ☆

آج گل بڑی بیگم محل کے سارے خوب روشن تھے۔ اس لیے تو وہ پالا پڑ گیا کا میاب ہو تا ہے کام میں ہاتھ ڈالنا وہ پورا ہوتا۔ پہلے دیا سلائی کے ساتھ اس کے بجھانے جلنے میں پھنسی حالانکہ اسے خود بھی امید نہ تھی کہ یہ نام اتنا صاف ہو جائے گا۔ بلکہ مقبول جھانسے میں تیلا یاسمین کو اپنا تاخیر کرنا ہی بڑی بات تھی یہ کارنامہ تو دل کی ساعتوں سے کرتا آیا تھا۔ زیور بھی ہاتھ لگا اور سری طرف پچھلے تین دنوں سے جوئے کی بازی کی دیت دیا تھا۔ سوال رات چار دانے کھیلے تھے پارے کے آخری بازی دو جیت گیا اور آج چار میں سے دو بارے دو ہیشے بھری جیب کے ساتھ وہ واپس آکے ہوئے "ہاہا" میں ڈھیر کر کے آیا تھا۔ کرائے پہ پانی گاڑی۔ مہنگے ریستوران میں بے تکلف کھانا واپسی پہ اسے لیڈی سے کراکی شاپنگ ایک بھرپور شام منائے۔ جب واپسی پہ مرلانا تو کنڈری کے بہتر دروازے بند تھے۔

مت کس طبقہ رات گئے جاگنے کا عادی نہ تھا۔ دن بھر کی مزدوری سے ٹوٹے بارے بدن بستر پہ گرتے ہی ہوش سے بیگانہ ہو جاتے تھے۔ کسی کسی کمرے کی کھڑکی کے کواڑوں کی درزوں سے پہلے لب کی دقیق روشنی جھلک رہی تھی۔ ایسا ہی ایک دروازہ اس کا تھا۔ حسب عادت اس نے پیاس کی کھوکر سے دروازہ کھولا تو سامنے پہ دسترخوان بچھا تھا یاسمین بیگم کو کھانا کھلا رہی تھی۔

"کھانا کھالیں آپ کے لیے۔" سلام کا پہلا سا جواب لینے کے بعد یاسمین نے پوچھا حالانکہ بیمار کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ خوب سیر ہو کے تیا تھا تھا۔ مدت میں الانچی دلائیاں ہوا تھا جو دھوا کھانے کے بعد لیا کرتا تھا۔

"نہیں۔" انکار کرنے کے بعد اس نے سرسری سی نظر دسترخوان پہ ڈالی۔ آٹے کی ایک بڑی پلیٹ کے بالکل درمیان میں مونگ کی بھنی دال تھی اور ثابت سبز مرچ بھی ہوئی تھی کہ تلہ دبے والا کوبا بیچ کے قریب کھرے نظر تھا جب یاسمین بیگم دال بھن کر بھگو رہی تھی۔ ایک چھوٹی پلیٹ میں پھلکے اور بڑی مرچ کے ساتھ کوٹ کر رکھی تھی۔ یاسمین ہاتھ میں نوالہ بنا کے اقدس کے آگے بار بار کر رہی تھی اور وہ منہ پیچھے کر لیتا تھا۔

"کیا بات ہے آقا کس کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟"

"کھانا خراب ہے۔ ذائقہ نہیں جا رہی۔"

"بہت کھلا دو رہی ہیں منہ میں ٹھونس رہی ہو۔"

"خود دیکھ لیں۔ کھال بہت کیسے دے رہی ہیں دو چمچ بھی کچھ نہیں لیا۔ صبح چائے کے ساتھ دو بسکٹ اور شام کو چائے کا ایک خالی کپ لیا تھا۔ ایسے میں دوا کیا اثر کرے گی۔"

"کوئی نرم چیز بنا لاؤں۔ دودھ میں سوال ڈال کر پکا لیتی ہوں۔ کھچڑی۔"

"اگر کیسے؟ آدھا دو تو کی چائے میں ہی ایک کیا اور کھچڑی۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔ "گھر میں پیسے نہ تھے بالکل بھی نہیں دس روپے بھی ہوتے تو آدھا کلو دودھ منگا لیتے۔"

"چلیں سوہاں نہ سہی دودھ میں روٹی بھگو کے ہی کھا لیجئے آقا۔"

"تم بھی بیٹھ بے وقت کا رونا رو لی اور۔" اس نے مرغن غذاؤں سے بوجھل ایک بڑا ساؤ کا دلیا سیر ہو کے کھانے کی وجہ سے خفگی جھاڑی تھی۔

"یہی تو تھیں پیسے تو تھے ہمارے پاس۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کے سو کے نوٹ نکالے۔

"صبح دودھ زیادہ کے لیے کچھ کیل دے دیجئے لینا اور ہم جانے سے پہلے گوشت خرید کے دے جائیں گے۔ بچے کو تھنی کافی بنا کے گا جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

یاسمین بھر دیر اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ میں دیے نوٹوں کو دیکھتی رہی۔

"ہم جانتے تھے کہ آپ کے پاس روپے ہیں کمانے اس لیے نہیں کہ جس مقصد کے لیے اس رقم کا انتظام کیا گیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ یہ اسی لیے استعمال ہو۔ اگر یہ نہیں گھر کے خرچوں میں اسے ضائع کر دیا تو تنگ کے لیے مزید رقم کہاں سے آئے گی۔"

"آجائے گی تنگ بھی۔ وہ تمہارا دردِ سر نہیں ویسے بھی دو رقم جیسی کی تو موجود ہے۔ یہ لو پیسے ہیں۔"

"اور یہ "اور" پیسے کہاں سے آتے ہیں کیا ذریعہ معاش ہے اس کا۔" یاسمین اس سے واقف تھی اور اس حقیقت سے بھی کہ اس کام میں آئے دن پیسے کے دو تین چند سو کما لیتا ہے تو پھر دن اس سے کئی گنا رقم بڑھا بھی کرتا ہے۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ ساری رقم ہوئے میں تو نہیں اڑا دیتا۔ لیکن پوچھتے ہوئے ڈرتی۔ دسترخوان

سمیت کراس نے بچوں کو استرحت میں لٹایا اور باہر کی چٹخلیاں دیتے ہوئے اس سے بات کرنے کے لیے الفاظ ترتیب دینے لگی۔

آج شام ہوئی تو کوشل بی وہ بار اس کے پاس آئی تھی۔

"لے بھئی یاسمین تمہیں نہ کہتی تھی تیرا خاوند اور ہی ہوا میں ہے۔ میں تو ہوں کی چال پہچان لیتی ہوں۔ وہ سری عورت کے چکر میں پڑ کے ایسے ہی قدم ہو جاتے ہیں ان مردوں کے۔ رہتے کہیں ہیں پتا نہیں ہیں۔ وہ پہلے ہی مجھے یہ پتا تھا آپ وہ سری کے چکر میں۔"

"اللہ خیر کرے۔" یاسمین نے دل کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "کوشل بی بات کرنے سے پہلے سوچ تو لیجیے۔"

"سوچنا کیا اس میں سوچنے کی ضرورت کیا ہے۔ میں تو صرف تمہیں بتانے آئی تھی۔ تم سے بتا کر کیسے وہ تجھ سے دور رہنے کے لیے کہا۔ یہ غیرت انسان۔ لڑکی جوان ہو رہی ہے اس کی شادی کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنی عیاشیوں کی پڑی ہے اس کے جیتے کی فکر کرنے کی بجائے اس کھیتی پہ نظر ہے۔"

"کوشل بی۔" یاسمین نے سخت لہجے میں ٹوکا۔ "میں ان کے بارے میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتی۔"

"ہائے ہائے تمہیں کب پسند کرتی ہوں اس کی بات کرنا۔ یہ تو تمہارے اور تمہارے بچوں کے ساتھ ہو رہی ہے۔ تمہاری ہوں کہ اگر اب بھی کچھ کر سکتی ہو تو کر لو۔ وہ تو نکل گیا ہے اچھے سے۔ میں نے شروع سے پتا کر لیا ہے۔ گانے والی ہے بازاری زنانی۔ صبح کے سوئی اور کل عمر کی اور تو کوئی ہوئی ہے بھی آتی ہے۔ پتا نہیں تیرے بندے سے۔ عشائی ہے اور اب اگر پھنس گئی ہے تو قابو میں رکھنے کے لیے اندر تو ڈالنا پڑے گا۔ چاہے کیسے بھی ڈالے۔ یہ باہر کا چورا۔ سخت کام سب جھوٹ ہے فراڈ ہے۔ وہ اور وہ تو اس بازاری چھنک چھلو کو تھلے میں دے دیا ہو گا یا پھر بیچ کے اس کی قیمت ادا کر دی ہو گی مفت میں تو زنانی عورتیں بس کے بات تک نہ کریں۔ اس کی قیمت لگتی ہے۔"

"بس آپ۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" اس کا رنگ فق ہو گیا۔ کوشل بی زبان کی کڑوی تھی مگر سب جانتے تھے کہ وہ خیر خواہی بھلائی کرنے والی عورت نہ تھی۔ ہی مگر جانے والی شخصیت تھی مگر اس نے بھی اس کے بارے میں ایسی بات کی۔ تو تقاضا اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ہو گی۔

"اب یہ تمہارا کام ہے تم کس طرح بندے کو قابو کرتی ہو۔ ایک بات کہہ دوں پیار محبت اور قربانی سے اسے سدھارنے کا موقع تم کو ملا ہی ہو۔ اب تو بات ذرا رعب سے کرو گی۔ کچھ تختی سے کام لو گی تو بات بنے گی۔ اپنے حلے کی دیکھ لو۔"

وہ کئی مشورے دے کر چلتی بنی اور اب کتنی دیر سے نشے میں دھت پڑے شوہر کی بکواس سن رہی تھی کہ کوثر کے بتائے کس مشورے پہ پہلے عمل کرے اور کیسے کرے۔

جیسے تیل بیار کے بلکے بلکے خراٹے شروع ہوئے۔ یاسمین نے طے کر لیا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو اسے یہ بات ابھی صاف کرنا ہو گی۔ تاکہ نہ چلے شبہ کو کوئی غلط فہمی ہو لی ہے یا وہ ناقص۔

"آپ سے بات کرنا کیا ہے؟"

"تمہیں جلدی ہے تاکہ میرے جانے کی۔" وہ بد تمیزی سے بولا۔ یاسمین نے دبکے کے خاموش ہونے کی بجائے جواب دیا۔

"یہ تیل تیل اگر ہے۔ ہم نے اپنی بچی کا مستقبل داؤ پہ لگا کے آپ کے جانے کا انتظام کیا ہے۔ وہ زیور اس کا حق تھا اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ غلط استعمال ہو۔" اس نے اٹکتے ہوئے الفاظ میں بتانا چاہا۔

"تا ہے پتا ہے۔ میں۔ تمہاری بکل کی آواز نہیں۔ میں بھی گھر ہے۔" وہ جھنجلایا۔ "روک دم اٹھا۔"

"اور وہ ہار۔ ساتھ۔ ساتھ تمہارے جیسے کی بھی ذمہ داری ہے۔ پھر نہیں آئیے گا۔ مگر عمل کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس کا ہیجان ایک دم رخصت ہوا۔

"آپ اپنی بچی کی ذمہ داری لیں تو کیا ہو رہے ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوئے ہے لے کر کیا ہیں وہ لڑکی کو۔ اپنے گھر کے کام کرنے کے لیے۔"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ ابھی۔" وہ جانتے ہوئے ترک نہ کر سکی۔ "امتحان دینے کی نیت سے وہاں رکی ہوئی ہے۔"

"آپ بات کو غلط رخ دے رہے ہیں۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر کل اٹھ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تو زیور ہمیں واپس کر دیجیے جب چاہے ہو لے لیں۔"

"زیور تو تک گیا۔" اس نے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔ وہ جس کے روکنے۔

"تو ملو دے دیجیے۔" پھر کسی اس نے کل سے کام لیا۔

"کس لیے؟" اس کا شبہ جوں ہوا۔ اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"ہمیں ڈر ہے آپ دغا نہ کر دیں گے۔" یاسمین نے ہمت سے کام لے کر صاف بات کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ پہلے والی ڈگر پہ لوٹ رہا ہے اور گزشتہ دنوں کا بدلا ہوا سا رویہ محض ڈرامے بازی تھی۔

"دغا نہ کریں گے؟ بچہ سمجھ رکھا ہے کیا ہمیں؟"

"ہمیں سے بچہ نہیں۔ بچے ہوتے تو۔" اس نے مرعوب لہجے میں کہا۔

"دیکھیے باہر صاحب ہم میں بہت صبر ہے اور ہم نے اس صبر کو اتنے سالوں میں خوب ظاہر بھی کر لیا۔ مگر اپنی اولاد کے لیے ہم کچھ بھی کر گزریں گے۔ آپ کو اس راہ سے روکنے کے لیے جو کرنا پڑا کریں گے۔"

"کس راہ سے؟" وہ چونکا۔

"آپ تو خوب جانتے ہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم اس بازاری عورت کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کے چکر میں آپ۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ بھڑک اٹھا۔

● ● ●

"ہماری زبان بند کروا کے آپ ہمیں بات کرنا چاہتے ہیں۔"

بجلی بار یاسمین اس کے گرجنے برسنے کو خاطر میں نہ لائی اور بجائے ویک کے جلنے کے جرح کے جواب دیا۔ لمحے بھر کے لیے بار چپ کر گیا۔ اس نے نظر بھر کے یاسمین کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہاں آج ایک نیا ہی رنگ تھا۔ آج وہ چہرہ ایک بے زبان، کمزور اور بے حال سی عورت کا چہرہ تھا۔ آج اس چہرے پہ کچھ مزید لینے کا یا اس رعونت کا غرور تھا۔

"کون چالاک کر کیا ہے؟" باہر نے تمسخر سے پوچھا۔

"تیرا سوال زیادہ اہم ہے پہلے آپ بتائیے کون ہے وہ عورت؟"

"کیسا بتا تھے۔ تمہارے لیے ہوا کرلا نے والی ہو؟"

"اگر آپ نے ہمارے اور ہماری اولاد کے سب حقوق ادا کیے ہوتے۔ ہمیں ہمارے حصے کی محبت دی ہوتی تو بخدا ہم ایسا کبھی کر گزرتے۔ اپنے ہاتھوں کسی نیک بخت کو بیاہ کر لاتے۔ اگر ہم اپنے آپ کو آپ کے قابل نہ سمجھتے ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ کوئی بھی ذمہ داری نہ بیوی کی نہ اولاد کی۔ آپ نے ہمیں وہ محبت اور اعتماد نہیں دیا جو ہمارا حق تھا۔ آپ نے اپنے بچوں کی روشن میں وہ کردار ادا نہیں کیا جو آپ کا فرض تھا۔ پھر ہم قربانی کی ایسی مثالیں کس لیے اور کیوں پیش کریں۔ اور آپ کی ذمہ داری بازاری ناچنے گانے والی عورت نہ ہے۔ صاحبزادی یاسمین خانم اپنے مقابل لیے لاتی ہیں۔ آپ کیا جانتے ہیں کہ ہمیشہ ہماری آنکھوں میں کامیابی سے طعل جھلتے رہیں گے۔ کبھی کچھ یہ نہیں چلے گا۔"

"کس نے بتایا تمہیں یہ سب؟" وہ دھیمے لہجے میں پوچھنے لگا۔ یاسمین کا باوقار انداز اور دوٹوک لہجہ بار بار کرا رہا تھا کہ اسے کہیں سے سن سن کر نہیں بلکہ کسی نے مکمل ثبوت کے ساتھ ساری معلومات اس تک پہنچائی ہیں۔ اس کا دھیان مکمل طور پر اپنے سامنے بیٹھے شخص کی جانب ہی جا رہا تھا کہ وہ نہ ہو جس نے کہیں نہ کہیں اسے اوکے ساتھ دیکھ لیا اور پھر کسی نے سب بتا دیا۔

"ٹھیک ہے جان سے مار دیں گے جاکر اسے۔ کیا آپ کو یہ حق حاصل ہے؟" اس سے پہلے کہ ساحر اوپری یاسمین اپنی اس کی دو وقت بقا اور جرات کا مزید مظاہرہ کرتی ابا جان نے اپنے اچھا کا کھانا چھوڑ دے سارا سوچ تو کر کمرے سے نکلے ہوا بھی کمرے عقبی میں نہیں گئے تھے اتنا ہی تھی غصوری تھا باپ کی تلخ کلامی سے ہی نوٹ لی تھی اب ماں کو پرنٹ والے زوردار تھپڑ نے انہیں تو پھر کر رہتے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اور تھمارتے ہوئے انداز میں ذہن میں تھا کہ یاسمین کو اپنے دونوں جیلوں کے حلقے میں رکھ رہا تھا۔

باپ اب قدغگاں رہا تھا۔ نانا اور دادا کی طرح اس کا ذہن ذہین، صحتمند اور کافی مضبوط تھی۔ کم خوری اور گھٹے ہوئے ماحول کے چھوٹے خطری طور پر ابھی اطمینان رکھنے کی وجہ سے اپنی عمر سے چھ سال بڑا لگتا تھا۔ اگرچہ اس نے ماں سے سنے والی بیان باتوں پر باپ کو ایک لفظ تک کہنے کی جسارت نہ کی تھی کہ یاسمین نے اپنی اولاد کی تربیت اپنی خطوط پر کی تھی لیکن ماں سے اپنی پٹ کے آتے ہوئے اس نے بس ایک گلہ آمیز نگاہ باپ پر ڈالی تھی اور پھر اس ایک نگاہ نے ہی نافذ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا "لڑکے کو آج جلدی کی جو روکی میں اسے اپنی خطوط سے ڈور رہے ہیں کل کو اس کے مقابلے بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ تھمارتے اور پھر گیا۔

"اسمارٹ عورت "شوہر کی جاسوسی کرتی ہو" اور "اور تو ہمارے خلاف بھڑکاتی رہو" یہ ہے تمہارے اعلیٰ نسب کھرے کی ہدایات! اور یہ ہے تمہارا صندوق خون! یہی تھا نا تمہارے والدین نے تمہیں؟"

"تربیت الحمد ہے بیٹے۔ آپ کے بہت مکالمے ہیں ہمیں بھی یقیناً یہ سب آپ کو نہیں سکھایا ہو گا نہ ہی کبھی یہ خواہش بھی کی ہو گی۔" ماتھے پر ہوتے رخسار پر ہاتھ رکھ کے اٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"تم نہیں سمجھو گی یہ سوچا بھی نہ ہو گا۔ آپ ان کی اتنے ان لوگوں اور جاہلوں کی سوچ کے مقابل ایک بدنام زمانہ بازاری عورت کو لا کھڑا کریں گے۔"

"کیا بازاری عورت کہا ہے تم نے اور شاید کار کی ہے ایک فنکار ہے۔ گھر والے کھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں اچانک اس کی اس سے ملنا کیا۔ یہ اعتراف کرنے میں اسے اپنی بیوی سے کوئی خلجان نہیں تھا لیکن اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے اس کو اس کی ہوا کی کو کاٹنا چاہتا تھا۔

"ہمیں کھرانے کسی اچھے گھرانے تک آپ کی رسائی ہو تو اب تا ممکن ہے مکمل صاحب وہ بھلے لوگوں کی بات تھی جب ہمارے ہاں حضور کے دھوکا کھایا۔ آپ کے سر پر آپ کے والد کا دست شفقت تھا۔ ان کی نیک نامی اور خاندانی تجارت کے آگے کوئی آپ کا کردار جانچنے کی زحمت گوارا ہی نہ کرتا تھا۔ لیکن اب آپ دیکھ کر کھا سکتے ہیں۔ خود آپ نے اپنا نام بنایا ہے۔ اپنے "بڑا" بھائی کی نسلوں سے غائبی عزت بھی ملنا بہت کر چکے ہیں۔ کم ہو گئے ہیں۔ کم ہو گئے ہیں اس حویلی کے مکین تھے۔ اور کمزوری تو تھی یہاں جن لوگوں کو ہماری رہائش کا شرف حاصل ہے۔ تب اس زمانے میں اس حویلی کے مالک ہیں کہ ان سے تو ان باحیثیت تھے۔ ہو لوگ۔ آپ کے والد صاحب کی جو تیاں سیدھی کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے ان لوگوں سے ہزاروں روپے تک مانگ کے آپ اپنی عزت اور وقار کھو چکے ہیں۔ اب کسی عزت دار گھرانے کی شریف لڑکی کی عقل پر پردے پڑ سکتے ہیں۔ ہلکہ ہم دیوانوں میں ناچنے گانے والی تھی کیا رکھ کے آپ کو۔"

"پہلی زبان کو گالی دو یاسمین۔ کہیں ایسا نہ ہو پہلی بار کا خطا ہی اس زبان کو ہماری پڑے اور دوبارہ دو لے کے قابل تک نہ رہے۔"

"ہمیں بھی زبان درازی اور تلخ کلامی کا شوق نہیں۔ یہ ہمارا دوبارہ ہے۔ دوبارہ میارہ ہی کہ ہمیں تو آپ کے

کردار میں دن بدن گہری ہوتی دراڑوں سے بھی اب کوئی خوشی نہیں رہی۔ ہمیں تکلیف ہے تو اس بات کی کہ آپ نے اپنے غرور شخصی پورے کرنے کے لیے اب ہمیں دشنام کا شوق کر دیا ہے۔ آپ کی فطرت میں تحمل ہے تو کوئی ہے اچھے ہی ہیں۔ مگر اپنے نہ ہوئے۔ زندگی میں کرنے کا شوق ہے تو شوق سے کریے مگر دھیان سے کہیں پاک کہ بدنام کسی اور ہمارے پہلے تک نہیں آنا چاہیے۔ آپ کو جو کرنا ہے جیسے ہمیں مارنے زیورات اور رقم واپس لانے کے لیے تو شادی سے لے کے اب تک آپ ہمارا اثاثہ زیور بیچ چکے ہیں اسے کیا بھی اور سسرال سے ملا ہوا بھی۔ لیکن ابی ابھی تمہارے ہی بدکرداری کی بات کر رہے ہیں تمہاری ضعیف ہو چکی والدہ حضور نے بڑے ارمانوں سے اپنا اکلوتی نواسی کے لیے بچا رکھا تھا اور جو آپ کی طلبی چوری ہاتھوں کے حوالے میں آ گئے ان سے لے کے تمہاری بیٹی کا حق ہے۔ عقل صاحب ہم اسے کسی اور کی عورت کے نذر کر دیں یہ چھوڑ دیں گے آپ کو۔ آپ کو باپ ہونے کے حق میں ابھی حضور نے ظلی کی حیثیت سے جو چاہے وہ تو رہنے دیں۔"

بات کرتے کرتے یاسمین کا لہجہ آخر میں التجا آمیز ہو گیا۔

"تم کہہ رہی ہو تو یہ سچ ہے۔" ابا اپنے سے کہہ دست کرنے کے لیے کی تیاری کرنے لگا۔

"تو پھر اس زہر کی رقم ہمارے ساتھ میں رہ دیں۔" یاسمین نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا جو لیتے لیتے پھر سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"ہاں وہ عجیب عورتی عورت ہو ایک بار کی بات سمجھ میں نہیں آتی کیا؟ ہاں سے لائیں رقم" ابی جھنجلا اٹھا۔

"صاف صاف کہیے کیا چاہتے ہیں۔"

"میں کہہ رہا ہوں اس نے دوبارہ لیتے ہوئے اگر ساتھ دیا اور خود منہ تک آن لی یاسمین کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہر تک اس نے جس اور صاحب ذہن کو تکتی رہی جس کے خرابے چند سیکنڈ بعد ہی کو تنے لگے تھے دوبارہ ہی تھا۔ یا تنہا بیٹھ کر بیٹی کو اتنے اپنا کر بتا رہا تھا۔ منہ میں ہوش سے بیگانہ ہوتے ہوئے غیر کے مزے لیے تھا چاہے تھیں سے تھیں ہمارے کے واقعہ کر دیا ہو۔ یاسمین نے پلٹ کے بچوں کی جانب دیکھا ان کی باقی بند چاہے تھیں سے تھیں ہمارے کے واقعہ کر دیا ہو۔ یاسمین نے پلٹ کے بچوں کی جانب دیکھا ان کی باقی بند جاتی آنکھوں میں خماری بجائے ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور اٹھ کے ان کے برابر جا بیٹھی تھی۔ دو بچے کے بعد بچے ماحول میں خاموشی چھائے ہوئے تھے مگر دیر تک جاتی رہی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ رات کا پہلا پہر اس نے آنکھوں میں کاٹ کے گزارا۔ دوبارہ کے اسے زمان اپنی اہمیت بھی بھر کے حیرت ہوئی دل باری دھڑکنی اور حیرت ہوئی۔ کچھ بھی آتا۔ نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ سکی اور آنکھیں بند کیے تو ہمیں الہ رات لمبی کی ادائیگی ہو چکی تھی۔ اپنے لیے ایک کب چھا جانے والی تھی۔ اس میں اسے تشکر کی کمی بری طرح محسوس ہوئی۔

"کاش وہ تشکر کے لفظ ہی یہ سمجھا میں کہ یہی رات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بھاری ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔"

اس کی یاد شدت سے آنے کے باوجود اسے یہاں نہ رہنے کے اپنے ارادے میں رات مزید مضبوطی پیدا کرنا پڑی۔

"اچھا ہی ہوا وہ یہاں سو رہا تھا۔ رات اپنے والد کے کمرے کا کیا یہاں خواہش کی تھی۔ کس قدر کر دیتا اور اب صاحب اللہ کرے کہ اس دوران میں کے سب اچھا رہے۔ سمجھتی ہیں۔ ہماری رات کی تکرار سے باپ اور شوہر کی صاحب کے بیٹے کے لیے کوئی اچھا نہیں ہے۔ آخر ہم کے دوسرے بچے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی نسبت بھی کے لیے کوئی اچھا نہیں ہے۔ ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ ہم نے تو اتنے سالوں تک ہر طرح کی کوشش کی کہ ان کے والدین پر بات میں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ ہم نے تو اتنے سالوں تک ہر طرح کی کوشش کی کہ ان کے والدین پر کوئی بھی کسی طرح کی کمی نہ آئے۔ ان کے دل میں ان کا احترام باقی رہے۔ اس کے ہم نے ہمیشہ ہی ظلم کیا۔ کرتے رہے اس کے سوا چارہ نہ تھا تو کیا ان کے مستقبل کی فکر سے مزید ظلم ہو کے کیونکہ بالکل اگر ہم نہ ہوتے

اصولوں سے دگردانی کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں معاف فرما۔ ہمارے اور ہمارے بچوں کے حال پر رحم فرما ان کے دلوں میں اپنی اولاد کے لیے محبت پیدا فرما۔ اور انہیں گمراہی کے اندھیروں سے نکال دے۔"

آنکھیں بند کیے دو دو منٹ تک اپنے رب سے دل کی دھڑکنیں کرتی رہی۔ پتہ ہی نہیں چلا کب صبح کی سفیدی پھیل گئی۔ چھٹی کا دن تھا۔ بچوں کو اسکول جانے کی جلدی نہیں تھی اس لیے انہیں جگانے کی بجائے کسلمندی سے کروٹ بدلتے لیٹی رہی۔ اچانک گھنٹی کی آواز نے اسے خیالوں سے واپس کھینچ لایا۔ شاید دروازے کی گھنٹی بجائی گئی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے دیکھا۔ بابا جمال پھسلتا آتا دکھائی دیا تو قدموں کے ساتھ باہر نکلنے کی تیاری میں تھا۔

"کون تھا بیٹے آپ۔ اتنے سویرے سویرے۔" وہ کبھی بھی اتنی صبح نیند کی کاہلی نہ تھا۔ وہ بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرواتی ہوتی۔ ناشتہ بناتی ہوتی تو تکلیف میں کمر کے درد سے ہزار کوشش کے باوجود بیدار ہونے والی آوازوں سے وہ جاگ ہی جاتا تو کبھی بیٹھ بیٹھ کے کبھی بیٹھ بیٹھ کے کبھی کروٹ بدل کر سو جاتا۔ آج آنکھ کھلتے ہی اس نے باہر نکلنے کا مصمم ارادہ کیا تھا۔ اس کا خیال تھا دو رات تک جاگنے کی وجہ سے ابھی تک سو رہی ہے۔

دروازے کے سوال کا جواب دیے بغیر باہر نکلنے کے لیے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ یاسمین ترپ کے آگے اور تیزی سے چھپکے سے اس کا دامن تھام لیا۔

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم بیوقوف عورت۔" وہ جھنجلا کے رہ گیا۔ سارا نشہ ترپن ہو چکا تھا۔ اب یاسمین کی نئی نئی حماقت پر وہ دو گھنٹے حیرت کا دیدہ تھی۔ رات کے مکالمے یاد آتے تو وہ سوچتے سوچتے پچھتا جاتا کہ وہ سب واقعی اس ذری سی نئی نویلی اناڑی سے عاری لڑکی عورت نے کہا تھا یا اس کا وہم ہے اس نے کوئی خواب دیکھا تھا یا پھر نشے کی زیادتی نے خوری خیال تراش لیا ہے۔

"ابھی سوالوں کا جواب دیے بغیر ہمارے بچوں کا حق ہمیں لوٹائے بغیر آپ یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

وہ آنکھوں میں سختی چہرے پر عزم اور لہجے میں چیلنج لیے اس کے سامنے کھڑی یہ بلا دکھائی دی تھی کہ نہ تو وہ کوئی خواب تھا نہ ہی وہم۔

"ہٹو سامنے سے۔" اس نے یاسمین کو بے دھکیلنا چاہا۔ مگر وہ ضد کے کھڑی رہی۔

"پہلے وہ ویڈیو دکھانی چاہیے۔ پھر اس کو دیکھنے کے بعد ہم آپ کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔"

"بیوقوفی کی بات نہ کرو۔ کتنی دفعہ کہا ہے کہ ہم نے وہ ویڈیو باہر جانے کے لیے فروخت کیا ہے اور اب تم اتنا کیوں الٹی الٹی کہے جا رہی ہو۔ کیا ہم نے بچوں کے لیے کہیں ہوا جانا نہیں ہوتا تھا۔"

"کہیں آپ نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ آپ نے ایک جھوٹی سوالی کہانی تھی۔ ہمیں ایک بار پھر دھوکا دینے کی کوشش کی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں ہم آج بھی اتنے بے وقوف ہیں کہ آسانی سے آپ کے ہر جھوٹ پر یقین کر لیں۔ مگر فلم صاحب ایک بیوی کو دھوکا کیسے دے سکتا ہے۔ اسے تو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔ ایک ایک پل اپنے چوبیس گھنٹے کی ہر بات کا علم ہوتا ہے۔ ہمارا آخری ٹھکانا ہیں۔ ہم اپنے بچوں کے حق سے مستقل کے لیے ہاتھ دھو لیں۔ ایک امانت کے طور پر اپنے شوہر کو ضرور دے سکتے ہیں۔ اور ضرور دے پائے۔ ان کے سر سے اور کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو ہم کر سکتے کہ اسے ان کی عزتوں میں مستقل ہو۔ اسے کسی پرائی عورت کے حوالے اپنے بچوں کے لیے نہیں۔ آج بتا کر کیوں نہیں دیتے ہمارا۔"

"تم کیا اور تمہارا کوئی کیا۔ ابھی ارادہ میں نہ ہوا یاسمین بیگم۔" اس نے ایک بار پھر اسے پیچھے کرنے کے لیے کوشش کی۔ مگر وہ بضد تھی۔ ایسی ضد جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اسے جانا تھا۔ اور اپنے اندر سے وہ یہ سب خرافات نکال دینا چاہتے تھے جو اس کنیزی کے بعد کے ناروا رویے کا معمول تھا۔ وہ ان سب سے بچنا تھے مگر ہماری

نہ تھے کیونکہ ان کے اس مختصر سے گھر میں ایسا منظر کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ باہر کو اونچا لہجے کی گالیاں بکتے اور بیٹی پیٹتے کی عادت تھی مگر یاسمین کی خاموشی اور تحمل بات کو آگے نہ بڑھا سکا۔ وہ خود ہی دھیمی منت کر کے تھکنے کے بعد گھر سے نکل جاتا۔

"آپ یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتے کہ آپ کے کسی عورت سے تعلقات ہیں اور اس کی خاطر آپ نے ہم سے ۔۔۔"

"ہم کو دانی باہر جانے کے لیے یہ زہر دیتے ہیں۔ یقین کرنا ہے تو کرو نہیں کرنا ہے تو شک مت کرو۔ ہم تمہیں وضاحتیں دینے کے پابند نہیں۔ دیکھ ہفتہ دس دن کے اندر یہاں سے چلے جائیں گے تب تمہیں شاید یقین آ جائے۔"

"تو آپ باہر جانے کا کام لے کے اس گھر سے اور اس گھر کی ان امید اور یقین سے فرار چاہتے ہیں جو آپ نے کبھی پوری نہیں کیں۔ آپ اب بھی بازاری عورت کو پالنے میں سکتے۔"

باہر کے بدکردار تھپڑ نے یاسمین کو بات مکمل نہ کرنے دی۔ وہ دھیمی سی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ طمانچوں لاتوں اور گھونسوں کا بے دریغ استعمال کرتے لگا۔ تکلیف کی شدت سے یاسمین نے لب دانتوں کے اندر اس طرح سے بھینچ لیے کہ ان سے خون رسنے لگا۔ البتہ بچوں کی بے ساختہ چیخوں نے در و دیوار ہلا کے رکھ دیے۔ تنہا آنکھوں کا پھیلا کے روتے لگے۔ اس دن اس کی کنیزیوں کے کوا ہمارے چھتے سے رخصت ہونے لگے۔

"ماں بچا جاتے ہیں ہم یہاں سے۔۔۔ کیا کرو گی تم؟ کیسے روکو گی؟ تمہارا کھانا تمہارے بھیس تھی ہوئی عورت کے پاس جس کے ملنے ہوتے تم ہمیں روکنے کے رہ سکو۔ شادی کر رہے ہیں ہمارا جی سے من لیا۔ مت ارمان تھے سچ جانتے کے جان لیا ہے؟"

اس کی زبان اور ہاتھ نے روک ٹوک نہیں کر رہے تھے۔

"ابے میں مرد ہوں۔ کیا ظلم کر دیا ہے؟ کیا ظلم کر رہے ہو۔"

صدر محل کو بھاگ چلنے کے بعد پڑوسیوں میں سے سب سے پہلے کوثر بی بی نے اندر آنے کی ہمت کی اور زینہ پر اوندھی پڑی یاسمین کو باہر کو لاتیں مارتے دیکھ کے جھک سے رہ گئی۔

اس کے اندر آتے ہی باہر اچانک رک گیا وہ تھے دروازے سے صاف نظر آ رہا تھا۔ باہر اور بھی بہت سے تجسس و تعاون جھانک جھانک کر اپنے طور سے دروازے لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میاں تماشا نہیں ہو رہا کہ ان آنکھوں کو دیکھ رہے ہیں سب ہمارے دروازے سے۔ سامنے کیسی ایسے غیرت کا نہیں بازاروں محل کا گھر ہے۔ شہر یاب مفتی کے دروازے کا گھر ہے۔ گھر آج تمہارے خواہ آپ کوئی کنیزیں میں رہنے والے اور عزت مرد و عورت کو عزت لوگوں نے برابر کر دیا ہے۔" کوثر بی بی نے کھری کھری سنائیں جن کی وجہ سے اب کنیزی سے آگے بڑھا اور دروازے کو ایک ٹھوکر رسید کر کے باہر نکل گیا۔

"چلو بیٹو ظالم کو اپنا۔" کوثر بی بی نے دروازے سے سر نکال کے سب کو حکم دیا۔

"چھٹی والے دن اور کوئی کام نہیں تو اور کیا کرتے ہیں سوئیاں لیتے پھرتے ہیں۔ بے حیا۔"

کوثر بی بی کی طرح مدد کرنے والے یاسمین کی بات سنی ہوا ہی جانتے میں غرق ہو کر رہ گئی تھی۔

"تمہارا کیسی بے وقوفی سے بہت بات ہے۔" یہ کہہ کر میں کا بیٹھے کا۔ اب اولاد تھی عمر ہی ہے یوں جوان ہوتے بچوں کے سامنے پٹائی کی بے عزتی اور تحقیر خود کو پیچھے کا ہاتھ اٹھا کے۔ ہاتھ تو میں ان سب مردوں

کے۔"

باسکین پہ اعتماد کی چادر رکھتے ہوئے دوسری قبیل کے تمام مردوں کو بلفظ تاڑی تھی اور باسکین جو کسی دور کی نیاز سے بھی اپنے شوہر کے بارے میں نازیبا کلمات سن کر ناگواری سے ٹوک دیا کرتی تھی آج چپ چاپ سن رہی تھی۔

"لگتا ہو گا کہ اس سیدھی سادی گھریلو بھولی بھالی بے چاری کو کیسے خبر ہو گئی میرے کرتوتوں کی۔ ہونہہ۔ خود تو عیش کر تا پھرے باہر سیٹھوں کے ساتھ اور یہاں پیچھے بیوی سوکھی لوتڑتے رہتے ہیں۔ بیوقوف کہیں کا۔ ثواب دارد۔ اچھا کیا ہوتے ہیں اس سے۔ ہمارا کیا تو بے قیمت نہیں رہ رہا تھا تو اٹھانے سے رہا اور آخر اسے کا کس حق ہے؟ فرض کو نہ پورا کر رہا ہے جو اس پر بنتا ہے گا۔ میں تو کہتی ہوں رہ اس کے نکلنے سے پہلے ایسے ہی پوا (فلسفہ) کھڑا کر دوں کہ پہ ہاتھ میں سیدھا۔"

"میں کی نوبت نہیں آنے دی گی کوئی۔" وہ ان اسباب پہ سوچ رہا تھا جو باسکین نے چادر کا پلو پھیلتے ہوئے ہونٹ پر رکھ کر خوف ظاہر کرتے ہوئے اس کی جان کو چونکا دیا تھا۔

"وہ شادی کر رہے ہیں؟"

"ہیں۔" وہ جھاڑ سا منہ کھول کے رہ گئی۔

"شادی۔ آدھی شادی اور یہ کنگال جواری۔ پہ تو اس قابل بھی نہ تھا کہ کوئی اسے جوئیل میں بھی اپنی بیٹی دیتا تمہاری ہی قسمت خراب تھی یا تب اس کا نصیب چمک رہا تھا۔ تمہارے ہوتے سوتے اٹھتے ہوئے اور اس کے باوجود میں تمہارا ہوتے رہا۔ یہ اس دھنسی عمر میں شراب سے کھوکھلے ہوئے اس بے کار جسم میں کسی لڑکی کو کیا نظر آیا ہو بھلا؟ اور لڑکی بھی کوئی سوداگر نظروں اور ہاتھوں میں کام کرنے والی۔ ذہن بھی۔ ایسی چھوڑ رہا ہو گا وہ بھی کہ نیچے رعب دکھ رہا ہو گا۔ دھوکے سے لے لیے پیسے دکھا کے چاروں اس کے ساتھ لے کر کھا گیا ہو گا۔ سوچ رہا ہے دوسری اس سے شادی بھی کر لے گی۔ بھولا ہے فلموں ڈراموں والیاں بھی کسی کی ہی ہیں۔ پہ تو پیسے کما رہی ہیں۔"

"اور مولی بھی ہو۔ شہزادہ بھی ہے ان سے شادی کرنے پہ تیار ہے۔ ہم جانتے ہیں وہ کب سچ ہوتے ہیں اور کب بھول جاتے۔ کیا حیثیت ہے کہ بری تھی۔ جب دروازے پہ دستک ہوئی۔"

"ہیں ذلیل ہیں۔ جب تک ساری ہنڈیوں نہ پہنچ جائے گی جوان نہیں ہو سکتیں۔ ذرا میں ان کی تا طبیعت صاف کروں۔ کلاس تجھے چاہے شاہ کراتی ہوں ذرا دار دیتی ہوں۔"

وہ مٹھیوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دھمکی دیتی اس کا خیال تھا آمدنی کے کسی کمر کی کوئی عورت ساری تفصیل جانتے اور آخر دو ہنگامہ ہاں سے واقف ہوتے آئی ہو گی مگر باسکین کے لیے یہ دستک خاصی جاں بیچی تھی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے کھڑکی کے بند دروازے کی ان درزوں کو دیکھنے لگی جن سے روشنی کی باریک سی لکیریں اندر تک آ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ہاں اتنی ہمت بھی گئی ہے جب اماری جاسوسی کرائے گی۔ اس کو تو ایسا سبق سکھانے ہم اگر دو ہمارے چار بچوں کی ماں نہ ہوتی تو۔۔۔"

ہمارے رہتے رہتے بیوی کا دل کی بھڑاس نکالنا رہا۔

"بیچاری اتنا دل نے جیسے سال تک جیسے جیسے ساتھ دیتے اور کچھ نہیں چلو اور ذرا ہماری اپنی نے ماں کے کم صورت ہونے میں ان کا کیا قصور۔ باہر جا کے بچے ہی ان پر چھریں۔ کے ان کو کبھی نہ بھولیں گے۔ کچھ تو کیا کریں گے جیسے ہزار بار بیٹے۔ مگر یہ وہ زبان عورت اس ظالم نہیں کہ اس کا بھلا سوچا جائے۔ تو ہی خیال نہ ہو تو باہر جا کے ایسے ہی ان کے کبھی پیچھے کی خبر نہیں۔ سال کو سیانی ہوتے رہنے کی طرح آ گئے۔ بچے اپنا ہیں تو ساری طرح نہ ہوا ہو جانے کی۔ ملکر کریں ذلیل۔ کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ شریف انسان ہیں اول ہی خدا کا خوف ہو۔ ہو

دیانتی خوش سلیقہ اور صاحب شرافت۔ ہم ہی اور خوف خدا کے راگ الاپا تھا۔ مقتلی کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا آج مقرر ہوئی ہے؟"

"تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے میں تمہارے بیاہ کے دن رکھنے آیا تھا۔" وہ طنز چھوڑ کر بولے۔

"ہمارے وقت ذرا کے موڈ میں کہیں جا باہر جانے کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ کس بارے کی لکھنے کرائی ہیں؟"

"تمہارے ذرا سے کیوں اور ہو؟ کیا میری تاریخ سے تنگ کر کے اپنی شادی کی تاریخ رکھنی ہے یا وہ ان پیدا ہوائی جہاز میں لکھنے پڑھنے کا کوئی نیا ریکارڈ قائم کرنا ہے۔" وہ بھی تک سنجیدہ رہا تھا۔

"کیا کریں ہر طرف سے رونا کا شکار ہیں۔ ہم ایک طرف ذرا ہی ہیں جو شادی پہ سوفیصد رضامندی ظاہر کر رہے ہیں کے بعد اب نجانے کس لیے سامنے آ جاتی ہیں دوسری جانب ہمارے گھر تک۔ بس کارنامے کی اطلاع پہنچنے تک نکلی ہے۔"

"یہ ذرا کی نال مثال کی وجہ کیا ہے؟" وہ کھلا۔

"کچھ خاص نہیں شادی سے انکار نہیں کیا البتہ باہر جانے سے پہلے نکاح کرنے کی۔ وہ اسے واپس آ کے نکاح کرنا چاہتی ہے اور یہ ہماری پریشانی کی اصل وجہ ہے۔ وہ نہیں کون کم بخت آنا چاہتا ہے۔" وہ ان اصل مقصد سے دھیان میں نکل گیا۔

"اوہو۔ تو یہ بات ہے۔" ملک مقتلی نے اپنا پھنسنے کمرے جیسا سر ہلایا۔

"یہ فراوے میں۔ یہ کم ہے استادیاں۔"

"کیسی استادیاں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ ذرا ہی کے ساتھ وہیں سیٹل ہو جائیں۔ وہیں بھی کام کرتے نہیں لیکن یہاں سے زیادہ ہی ہو گا۔ ابھی رہنے والے خوشحال پاکستانی بھی آئے دن ہمیں میں تعریفات منعقد کرتے رہتے ہوں گے۔ یہاں رہنے کے لوگ پیدا کیے ہیں جس مرضی کو کاروبار قائم کر کے فارم کر کے پلو ایک ایسٹ الکھ لو تو دیکھ پھر تنگی نہیں لیکن بیاہ اکار کا ہیں۔ ہم کے برس ہو گا اور آپ جیسے تیر خواہ بھی ہوں تو بات ہے۔ ظاہر ہے آپ کے سال ہی بھتنے شوز بھی ہوں ہوں گے ذرا ہی تو ہمیں ہی ذرا ہی کی۔" اس نے بات سمیٹنی چاہی تو مقتلی ایک کھوکھلی سی قہقہہ سے کمرے کی فضا میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کر گیا۔

"لیکن یار۔ ہمیں ذرا صاف طبیعت کا ہے ٹیڑھے مزاج کا۔ تمہارا پیار کے بات کرنا سمجھ نہیں آتی۔ سیدھا اصول ہے کہ یا تو سیدھے رستے چلے یا پھر اگر بے غیرت ہو تا ہے تو مکمل کے بے غیرت۔ بے غیرتی بھی ایک بہت بڑا فن ہے تو کار تم کا بے غیرت ہی اس بہتر فیض اٹھا سکتا ہے۔ اس طریقہ آتا چاہیے اپنے اندر کی کیسی بے غیرتی خود فرض اور لالچ کو بہتر کے۔"

"ہم سمجھے نہیں۔" وہ وہ کہہ رہا تھا فیصلہ فلسفہ واقعی اس کے سر سے گزر رہا تھا۔

"کیا یہاں تک تو تمہارے صاف بتا دیا کہ اس سے شادی کرنے کے بعد ہی تمہارے بیوی کا بار عزت رہنے دے کر چار بیواری میں تو تمہارے رولے میں۔ اپنے وطن میں بیوی کی کمائی کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ذرا نے کے لعنتوں یا اپنے خاندان کی عزت ملیا میٹ ہونے کا ڈر ہے۔ اس لیے یہاں سے دور جا کے اس کی کمائی پہ عیش کرنا چاہتے ہو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" یہاں تک کہہ کر وہ رکا اور تصدیق چاہی۔ باہر جاتے ہوئے بھی اس کے اندازوں کو جھٹلا نہ سکا۔ وہ جھٹلا تین چار سال کی رفاقت نے اس کا کوئی بہانہ طلب سے رہنے نہ دیا تھا۔ اس کی طبیعت کھل کے اس کے سامنے آ چکی تھی اب چھپانے کیا کرتا۔

"تو پھر اسے زبان کو تھوڑا اور کھولو۔ بہت بند چھوڑیں ہی بات کو چھوڑ کر کہا۔ نوٹوں کی گڈی میں سے ایک دو پیسہ پیرا کے بھی کتنا کاری بنتا ہے تو کیوں نہ پوری گڈی اڑائی جائے۔ جب نقب لگا کے کسی کے خزانے میں گھس ہی چکے ہو تو تھوم پھر کے نقاب کرنے یا ایک تو چیز تک کرنے کی بجائے خزانے کے خزانے کیوں نہ بٹور لیے جائیں۔"

"ملک صاحب! ابھی آپ تھپا پھرا کے بات نہ کرنے کا وعدہ کر رہے تھے اور اب آپ اپنے اسی وعدے کو ہوا میں اڑا رہے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"میں توقف سے اصل بات کہہ ڈالوں گا۔ یہ تو سننے والے پر ہے کہ اس میں کھلی بات سننے کا جگرا ہے کہ نہیں۔ یار لوگ اندر سے چاہے پورے ہوں اوپر اوپر سے پنگا لینے کا شوق چرایا ہے انہیں۔ اگر تمہیں ایسا کوئی شوق نہیں تو سنو! مگر ادا کو باہر لے گئے "شادی والی" بھی کرلی تو خالی خولی اس کی آواز پر تم کہتا کہو گے! تم نے کبھی غور سے اسے دیکھا ہے۔ نہ سہی عاشق کی نظر سے نہیں، مگر پیاری کی نظر سے ہمیں نہ دیکھا ہے۔ کیونکہ میں پیاری ہوں۔ صرف طرح کا ہی نہیں، حسین کا بھی اور اگر تم حسن کے اس خزانے کا بیوپار تھوڑے کرواؤ تو میں تمہیں مہینوں سوچ سے بھی کتنا کنڈو مناسب روا سکتا ہوں، سالوں میں نہیں، صدیوں میں۔ باہر کی مارکیٹ میں اپنے شعبے میں کیسی بہت دیا ہے۔"

باہر تھی تاریخ ہوتی نہ اندر میں اسے دیکھتا رہا۔

"یعنی آپ کے بارے میں جو اکثر لڑکی اوٹی سنا کرتے تھے! وہ سچ ہے۔"

"ہاں ہاں نصب۔" ملک عقیل نے بڑے آرام سے تسلیم کرلیا۔

"ہاں ہاں صداں ہے کہ ایک تو میں یہ کام بڑے منظم اور اصولی طریقے سے کرتا ہوں، کوئی نہ دو زرد سچ جھوٹ نہیں ہے۔ پروفیشنلز سے انوا کرا کے کہیں انٹوا لڑکیاں۔ ہر ایک رضا سے اس بزنس میں آتا ہے، باقاعدہ کنٹریکٹ کے تحت رکھتا ہوں اور دوسری بات یہ کہ میرے اس بزنس کی کوئی برانچ پاکستان کے کسی شہر میں نہیں۔ یہاں صرف فن کا بیوپار ہوتا ہے۔ ثانی تو یہ شو بزنس، اصل بزنس عرب امارات، کینیڈا، ہارے، انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ میں رہنے والے دولت مند یا کتابی ہند اور سکھ تاجروں کے ساتھ ہوتا ہے کہ مشکور ہے۔"

بارہ کمانا باہر ہوں، عقل کے لیے اتنا آسان بھی نہ تھا۔ ادا کے حوالے سے اس نے واقعی محنت کی کھانے کے خواب دیکھے تھے، اور اس خواب کو پورا کرنے کے لیے اس نے ادا کے دل میں رہنے کے لیے پیدا ہونے والی کچھ لمحوں سے فائدہ اٹھانے کا سوچا تھا لیکن یہ بھی ایک سچ تھا کہ ادا کی معصومیت اور سچائی نے اسے دل سے متاثر کیا تھا۔

ملک عقیل کے کہنے پر چند سو روپے لیشن کی خاطر وہ اپنے گھر والی لڑکیوں کے گرد اپنی تجربات میں ایک شہرت دور سے شہرے جانا، بالکل اس گروپ میں بھرتی کرنے کے لیے کوئی کی خاک چھان کی طرح تھی۔ ہر جرم کا شکار کر کے دیکھ لیا تھا جو اس لت تو پیسے کھلی میں پڑی تھی۔ ان بدخصلتوں نے اس کے اندر سے حیا اور غیرت کے سارے اوصاف طلب کر کے رکھ دیے تھے۔ خاندانی نجابت کا بلکہ سارا اثر بھی ذہن میں شامل نہ رہا تھا۔ مغرب نے لوگوں میں دوڑتے اس سیال کو کثیف اور غلیظ کر دیا تھا۔ اپنی پیدا کردہ بجھوریوں اور حالات کے ہاتھوں ٹریپ ہو کے نیا، خود اس کی طرف بڑھی۔ اس کی ذرا سی کوشش کے بعد ہی اس کی چاہت تھی۔ ذلت دی تیار ہے۔ اس میں اس موقع سے خاندانی خانے کا خیال آیا۔ ادا کے خطوں میں کانٹے تو پھنسے ہی کالی تھی۔ باہر نے سوچا اور ادا سے اپنے نام کا تحفظ دے کر بھیجنے میں فیض اٹھالے تو؟ بظاہر فائدہ ہے۔ لیکن ملک عقیل کی شکل سے تو اس کی ہلکی سی ہم کر کے رکھ دی ہے۔ ان لوگوں میں اس کا اثنا بنیاد تھا جہاں ہر لباس کا بدلہ تھا اس دنیا میں بنایا جاسوسانہ کہ کوئی کسی حد تک کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن ادا کے حوالے سے ملک کا اس طرح تذکرہ دلانا اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"یہ مشکل ہے۔ بھئی ملک کی بات ہے۔ مشکل سے خود کو بچا لیا ہے اس نے۔ وہ ہی ہے اس نے دو ہی ہے۔"

"ادا ابھی رضامند نہیں ہوں گی۔ اور پھر جس عزت کی طلب میں ہم نے شادی کرنے پہ تیار ہو رہی ہیں۔"

"ارے گول ماراس کی طلب ہے۔" ملک نے بات کاٹ دی۔

"اپنی طلب کو سامنے رکھ۔"

اور اس کا شعور باہر کے لیے کہ جاتا۔

"اپنی طلب۔ اپنی غرض۔ ہاں بھائی اس سے بڑھ کے اور کیا ہے۔"

☆ ☆ ☆

صاحب جمعہ کی یہ سمین کا انداز درست تھا۔ اس نے اس مانوس دستک دینے والے ہاتھوں کی خوشبو کو دور سے ہی پہچان لیا تھا۔ یہ اس کے ماں جائے اس کے اکلوتے پیارے بھائی کی آواز تھی۔ جب تک وہ سنبھل کے کوئی پہلی کو کر کے یاد دلاتا ایک ہم سے کہہ لے کر موقع کرتی تب تک وہ چھٹی کر چکی تھی اور عصمت سلام کر کے دروازہ کھول چکا تھا۔ اور جب تک وہ خود کو اس سکتے کی حالت سے نکال کر اپنا حلیہ درست کرتی چوکھٹ پار کر کے اپنے ساتھ ہونے والی کارروائی کی روداد بیان کر رہا تھا تب تک پہلی نظر اٹھاتے ہی عصمت چونک گئی۔ کہاں کا بھائی ہی ہمارا کیا تھا۔

یاسمین نے دیکھا حیرت زدہ سا خود سے چند قدموں کے فاصلے پر ایک نوجوان کھڑا ہے۔ بے بس سی ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔ اب چھپانے سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ مشکل تو یہ تھی کہ بتانا بھی کوئی آسان مرحلہ نہ تھا۔ وہ اپنی ہمت جمع کرنے لگی۔ اس کے سوالوں کا سامنا کرنے کے لیے۔

وہ اب تک سنگھے فرش پہ بیٹھی تھی اور اس کے بیٹھنے کے انداز میں عجیب بے بسی تھی۔ اس کی چھوٹے چھوٹے خیال پھولوں والی سفید چادر اس کے وجود سے سرک چکی تھی اس کا ایک کولہا جلی پانی کے پائے کے کسی کیل سے اٹکا ہوا تھا اور دوسرا کولہا اس کی کوہر کر اٹھا ہوا تھا۔ سادی چادر زمین پہ پھیلی ہوئی تھی۔ لباس بے ترتیب شلوار کے پائینچے پیچھے گرنے کی وجہ سے بے حیائی کی اوپر اٹھے تھے۔ ٹیل کھرے ہوئے ہونٹ چڑھا ہوا آنکھیں شب بیداری اور گریہ زاری سے خوبی اور زخمار سوجے ہوئے تھے۔ یاسمین نے لباس سے شرعات کی اپنی شلوار کے پائینچے درست کر کے اس نے چادر کا پلو ایک جھٹکے سے کھینچ کے کیل سے چھڑایا اور اپنے سر پہ کر لیا۔ بے پروا وہ بھی ہوئے بھائی کے سامنے بھی نہ آئی تھی۔ ایک کونا سر پہ لپیٹ کے آگے کو گرا کے ہوئے اس نے اجڑے بالوں اور متورم چہرے کو چھپانے کی کوشش کی حالانکہ اب سب بے سود تھا۔ اس کے اٹھنے سے قبل ہی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ چکا تھا۔

"آپا... آپا حضور؟" اس کی آپا پانی آواز میں بے شمار سوال تھے، بے تحاشا درد تھا۔ یاسمین سے ضبط نہ ہو سکا۔ یہ بھائی کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے روئی۔

"یہ سب... کیا بھائی صاحب نے؟" جواب بالکل واضح تھا مگر پھر بھی پوچھ رہا تھا شاید اپنے دل کی تسلی کو اور وہ کمرے کے بڑے سے چوکھٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے باہر جو باہر نکلتے دیکھا تھا وہ سے اتنی اس کا مزاج برہم نظر آیا تھا لیکن اسے ایک معمول کی بات جان کے عصمت گرم جوشی سے آگے بڑھا تھا۔ اس کا رشتہ پہلے اپنی بہن کے ساتھ تھا اور جب سے بہن نے خوشی خوشی اس میں آنے والی خوشگوار تبدیلیوں کی اطلاع دی تھی وہ بھی اعتدال میں معمولی کے لیے تقدیر نے لگا تھا۔ مگر اب نے دیکھا کہ اس کی گرمجوشی کا باہر نے رکھائی سے جواب دیا اور اس کے سلام کو نظر انداز کر کے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا آگے بڑھ گیا۔ اس حیرت کے ساتھ وہ یہاں تک تھا تو اس نے نظر باہر کے رویے کو اور بھی آسمان منصوبے کے ساتھ واضح کر دیا پھر بھی وہ سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔ باہر کے اس وحشیانہ سلوک کی وجہ بھی یاسمین کو چپ کرانے میں ناکام ہو گئی۔ اس نے بچوں کی جانب دیکھا اندر سے وہ زیادہ سہما سہما سا تھا۔ اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر وہ اس کی کم عمری کی وجہ سے عصمت نے اسے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ عشرت کو بھی ماں بڑوں کے چہرے سے بھی متوقع تھا۔ اس کا دھان پان سا وجود دبکا سا کیا ہوا تھا۔ عصمت کا دل ناسف سے بھر گیا۔ اس نے اب بڑے والے بھائی کی جانب سے جانے انداز میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ بڑا سا احتجاج اور غصہ بھی تھا۔ اب بچوں کے شاید خود ہی بتانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"نواب صاحب! تمہارا تو کیا بات ہوئی تھی؟"

نواب صاحب کہنے کے لیے منہ کھولا مگر بھیانک شکل دیکھ کے رہ گیا جس کی ہنکیاں اب تھم چکی تھیں مگر فرشِ زمین آنکھوں سے اب بھی نہ پانی آنسو گر رہے تھے۔ ان کا حضور یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ اپنے ماموں کو ساری تفصیل سے آگاہ کرے یا نہیں۔ اس مشکل کو کب سے دروازے میں کھڑی کوثری نے حل کیا۔

"اے بھائی! ان سے کیا پوچھتے ہو، انہوں نے کیا تمہیں لوگوں کو بھی شمل کے بلا رہا ہے۔ ماں سے پردہ پوشی اور جھوٹ کھا انہوں نے دوسرے میں تمہیں خالی ہوں کہ قصہ کیا ہے۔"

اور اس نے الف سے ے تک ساری کہانی کہہ ڈالی۔

☆ ☆ ☆

"آپ یہاں ہو، خانم ہیں ہم آپ کو مارے گھر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے ہلکان ہو گئے۔"

اسے کمرے میں آئے ابھی دس منٹ ہی نہ ہوئے تھے کہ دلگیر حسب عادت خیر و شکل سے اندر داخل ہوا اور اپنی کراری آواز میں یہ کہتے اس کے سر پہ سوار تھا۔ دستک دینے کا انداز صرف اسی کے کمرے میں گھستے ہوئے اختیار کیا جاتا اور سارے ادب آداب اسے ازبر تھے۔

عصمت ہونی الحال تمہارا بلانا تھا اسی لیے کیا حضور کو گھرانے ہی اپنے کمرے میں گھس گیا اس کی دخل اندازی پہ اپنی ناگواری دباتے ہوئے خلوص سے کہا بولا۔

"ہاں بیٹا سب دلگیر جلدی کہو میں بہت تھکا ہوا ہوں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"کمرے رہے رہے کیا آپ بڑی آپا حضور کو پیدل ہاں نکلا رہے ہیں۔ وہ بھی تختی سے مدھال آرام فرمانے کمرے میں چلی گئیں اور آپ کے سر پہ روشنی پہ آگئی تھیں بارہ کا سماں ہے۔"

"بات کیا ہے دلگیر؟" وہ بہت مشکل سے ضبط کر رہا تھا۔ کسی اور کا غصہ اس معصوم پہ اتار کے وہ اگلے کئی دنوں تک چین نہیں رہنا چاہتا تھا۔

"آپ کو ری بیگم یاد فرما رہی ہیں۔"

"جی حضور!" وہ اسا چونکا۔ کہیں انہیں بچوں سے بھنک تو نہیں پڑ گئی۔ مگر انہیں تو سارے رستے سمجھائے جا چکے ہیں۔ خیر بچے ہی تو ہیں شیطان اور بھی ہو سکتا ہے کہ آپا حضور کا قرار ہو اچھو دیکھ کے وہ خود ہی کچھ کہنی ہوں۔ "اچھا چلو ہے مجھے آپ لیا ہوں۔" لیکن اگر انہوں نے مجھے کسی بات کرنے یا کچھ پوچھنے بلوایا ہے تو میں کیا کروں گا۔ "آپ کا کچھ نہ بتانے کی قسم ہے۔"

وہ اندر ہی اندر کھنچا جانے پہ ہونے جانے کی کشمکش میں گرفتار تھا کہ دلگیر اس کے دوبارہ کہنے لگا۔

"بتائیے بھی جہاں پناہ کیا جواب کی منتظر ہے۔"

"جن سے کہو میں شمل کے بعد آتا ہوں۔" اس نے اس بہانے دس پندرہ منٹ کی مہلت حاصل کرنا چاہی۔

"اگر وہ تک یہ بات ہو وہ بھجوا دیا جائے۔ ایک آپ جائے بھیجو اور۔"

"ہاں میں ہے۔ کیا شمل فرمانے کے لوران چہکیاں بھریں گے یا کسی نے حسن و رجاہت میں اضافے کے لیے شمل سے کھل جانے سے صاف کرنے کا نسخہ ہے بتا تجویز فرمایا ہے۔"

"دلگیر نے تھے تے نہیں تجھے دے ہو دری ہے تو اس وقت بیدل سے موقع ہو جو تو ورد..."

اس دوران کے بعد دلگیر نے مزید رکنے کی ہمت نہ کی۔

"کیسے ہاں ہے؟ وہ یقیناً مجھے سے آپا حضور کے بارے میں کوئی نہ کوئی سوال کریں گی سالانکہ انہوں نے آتے ہی بتا دیا تھا کہ انہیں دو روز سے بخار ہے اور صبح تو ہمت کی وجہ سے پکارا کے جانے سے انہیں چوٹ بھی لگی مگر ضروری تو نہیں اسی حضور یا بیگم حضور نے اس پہ اعتبار بھی کر لیا ہو۔ مجھے بھی آپا نے اتنی بڑی قسم دے کر یہاں

بندی پہ مجبور کر دیا ہے ورنہ میں تو چاہتا تھا کہ آتے ہی ان پر نوٹے والے قسم کے بارے میں سب کو بتا دوں۔ یہ بھی کوئی چھپانے والی بات ہے۔ یہ بار صاحب کیا اور شہزادیاں کے کسی قسم کی جواب طلبی نہ ہونے پہ کہی تھیں کے کہ جو مرضی چاہیں کریں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کیا ایک تو یہ۔ کیا حضور۔"

"یہ میں سے اس کی منت کرتے کسی بھی قسم کا نہ ہم اٹھانے دے رہا تھا۔

"آپ تمہیں یہاں کس لیے لے جا رہے ہیں یہ ہمارے بچوں کے ساتھ ساتھ اور گل صرف رکھنے کے لیے کچھ لوگ آنے والے ہیں۔ وہ ہماری اپنی ہی ہیں ہمارے عزیز اور محترم چچا حضور کی بیٹی رہیا حضور جنہوں نے ہم سب بچوں کو باپ سے بڑھ کر شفقت دی۔ کیا ہمیں زیب دیتا ہے ہم ان کی مشکلات اور پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنیں۔ کیا یہ مناسب لگے گا کہ ہم اپنے سگے کے موقع پہ مزید پھیلا میں جب سب آنے والے خوشی آنے وقت کے بارے میں سوچ رہے ہوں تب ہم انہیں اپنا پتا کر قصہ اور سوار کر لیں۔"

"آپ کا کہنا درست مگر غرضیکہ کے لیے ہی ہو آپ کا حضور اور اس کے لیے اچھی کام آتے ہیں۔"

"ہم بھی اپنا کوئی یہاں سے کہنے کے لیے ہی ہیں۔ اپنے آنسوؤں کے مقابلے دھلے آنچل سے صاف کر کے اپنا دل ہلکا کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے یہ موقع مناسب نہیں۔ ساجداری گل کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ آپ کے معاملے کا بھی کسی دوسرا قدم فیصلہ ہو جائے پھر اس پہ بات کریں گے۔"

بہن کے رکھ میں بیٹھے ہوئے عصمت نے سوچ کر غور تک نہ کیا کہ اس کا اپنا کوئی فیصلہ نہ معاملہ گھر میں زیر غور ہے جس کا ذکر ہوا ہے اسے یہ بھی فکر تھی کہ وہ یا کہیں سے کہنے اپنے وعدے پہ کسی طرح قائم رہے۔ اسی لیے اس نے آتے ہی تھکن کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں پہونچنا چاہا مگر ماں بھی بلوا لیا۔

اچانک بلی کی دستک کے ساتھ دروازہ کھلا۔ چچی حضور کے سہارے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی حضور کو اندر آتے دیکھ کے دوڑ پڑا کے منہ سیلا۔

"ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے اور یہ بات یا کہیں آپا کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"آپ... ہائی حضور آپ... خیریت تھی آئی ہوا تھا پھر آپ نے کیوں زحمت کی؟"

کہتے ہوئے اس نے باری باری دونوں کے تاثرات جانچنا چاہے۔ ان چہروں پہ واقعی کوئی غیر معمولی تاثر رقم تھا لیکن حیرت انگیز طور پہ وہ تاثر خاصی خوشگوار تھے ہوئے تھا۔ وہ جانے کیا کیا ہونے کے اندیشے لیے ہوئے تھا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے کہ ہم سے مزید صبر نہ ہو سکا۔ دلگیر نے بھی بتایا تھا کہ آپ تھکے ہوئے ہیں اس لیے دیا خوری جا کر بات کر لیں۔"

"ہم بیٹھے ہی حضور۔" ضروری اندر ہی اندر اندازے لگانے میں مصروف تھا۔

"آپ بات بتیے تو حضور۔ ہم بھی آتے ہیں۔ ذرا ان خاتون کو دیکھ لیں وہ صبح سے پکوانوں کی تیاری میں مشغول ہیں شاید انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو۔"

اس سے پہلے کہ ساجداری مصلحت اشاء انہیں روکنے کی اپنی خواہش پہ عمل کرتیں وہ معذرت کا اظہار کرتی کمرے سے نکل گئیں۔ ساجداری مصلحت اشاء مسکرا کے سر ہلانے لگیں۔

"آخر بیٹی کی والدہ ہیں۔ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی کہ خود کیسے اس موقع پہ معذور ہیں۔ حالانکہ ان کے آپ سے دوہرے تعلق ہیں۔"

"جی۔" وہ بات سمجھتے ہوئے بات میں سر ہلانے لگا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آج ساجداری گل سے کوئی بات طے ہونے والی ہے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"جی ہاں حضور۔ میں بس یہ پوچھنے کے لیے آئے تھے کہ کوئی کام جو قابل ہو۔"

"نہیں الحمد اللہ سب انتظامات مکمل ہیں۔ بھائی میاں نے بھی خود کو بڑی حد تک سنبھال لیا ہے اور اس میں آپ کی کوششوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ آپ کے والد زندہ ہوتے تو آپ کو ان کے اتنا قریب جان کے خوش ہوتے

ہمیں بھی اب اطمینان ہو چلا ہے کہ آپ ان کا سہارا بنتے جا رہے ہیں۔ آپ ان کی تکالیف کو محسوس کرنے لگے ہیں بالکل جیسے وہ آپ کے جذبات کا احساس کرنے لگے ہیں۔ اس لئے ہم نے سوچا ہے۔ بلکہ ہم سب کی متفقہ رائے ہے کہ آپ شفقت سفلی میں ان کا سہارا بن جائیں۔"

"میں سمجھا نہیں ابا حضور کیا ابھی بھی آپ کو میرے خلوص پہ شبہ ہے یا اس محبت اور احترام میں کوئی بات ہو جو میں چچا حضور کے لیے اپنے دل میں رکھتا ہوں۔"

ایسا لگتے ہوئے وہ اتنی چند روز قبل ہونے والی ان کی وہ گفتگو بکسر خراموش کر گیا تھا جس سے اسے شک ہوا تھا کہ گو میں اس کے اور موتیا کے معاملے سے بیخبری پہ کوئی ہے۔ اگرچہ یہ جھوٹے رابطہ بات نہیں تھی۔ تھوڑی دیر قبل اس کے خواہش پہ صرف بار ہا یوں مشکل اور کمسن کا تذکرہ سوار تھا۔

"ہم آپ کو ان کی فرزندی میں دینا چاہتے ہیں۔" اس کی اس خوف اور اضطراب بات پہ عصمت کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ گل اور موتیا کے چہرے تمتمے گئے ہوئے لگے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے انگلیوں سے دبا لیں۔

"ہم کچھ کہتے ہیں آپ اس وقت کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ نے بیٹے سے ساجزادی گل کی خواہش کی ہے اور شاید اس میں کسی قصور وار ہے۔ ہم بیٹوں کی خواہش تھی اس کا بھانجا اظہار آپ کے دل میں بھی ہو خواہش جگا دیا ہے۔ اس معاملے کا ہر رخ آپ کے سامنے ہے۔ حقیقت کو صرف آپ خود قبول نہ کر سکے ہیں بلکہ ہمیں بھی سمجھا چکے ہیں۔ ساجزادی الناس خاتون ہماری نظر میں ہمارے پہلے انتخاب سے بدرجہا بہتر ہیں۔ وہ ہمارا وہم انتخاب اپنے نہیں کہ ان۔ ہماری نظر پہلے نہیں پڑی۔ دراصل ہم گل عمر سے بھتیجی ہیں اس لئے اصل پہلے ان کا نام آیا۔ ورنہ وہ ہمیں بیٹے سے اپنے دل سے بہت قریب محسوس ہوتی ہیں۔ ہم انہیں اپنی بیٹی بنانا چاہتے ہیں۔"

انکار کے بعد ان کا اشتیاق اگر ہوں سے اپنے فیصلے کا رد عمل اس کے چہرے سے کھوجنے لگیں۔ وہ سر گرائے بیٹھا تھا اسی انداز میں کہنے لگا۔

"ابا حضور "میرا" سے کیا سمجھوں۔ کیا یہ ایک حتمی فیصلے کی اطلاع دی جا رہی ہے یا مجھ سے اس خواہش پہ عمل درآمد کرنے سے پہلے میری رائے طلب کی جا رہی ہے؟"

"ہم تو آپ کو اپنے خوابوں میں شریک کرنے آئے تھے۔ لیکن آپ نے احساس دلایا کہ شاید ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ واقعی ہمیں آپ سے یہ پوچھنا چاہیے تھا۔ آپ کی مرضی جانا ضروری ہے۔"

عصمت خان کے لہجے سے اچانک بشاشت غائب ہوتے محسوس کی گئی۔ اس نے نظر اٹھا کے کہا۔

"ابا حضور میرے پاس سوچنے کے لیے کتنی مہلت ہے؟ کتنا وقت دے رہی ہیں آپ مجھے فیصلہ کرنے کے لیے۔"

اس جواب پہ ان کا سیدھے اور خوابوں سے تھکا تھکا چہرہ تاریک سایوں سے بھر گیا۔

"آج شام تک۔" یہ کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔

"آج شام تک۔ یعنی آج شام تک مجھے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ کیا چند گھنٹوں میں ایسا کا سامان بدلا جا سکتا ہے۔ ابھی وہ تھے ناکام کو ایک اور نیا نام لکھا جا سکتا ہے؟ نہیں ہے۔ ہرگز نہیں گل کی خاطر وہ کیسے کیسے کیا کوئی ادا نہیں ہے۔ اس لیے نہیں کہ میرے حصے میں ہر چیز لینے کے لیے دیوانگی کی ہے بلکہ اس لیے کہ میں اپنے حصے کی دیوانگی خود سے شکست دے کر لوگوں پہ مسلط نہیں کرنا چاہتا اور اس لیے بھی کہ اپنی محبت کی بنا کا میں میں نے دوسروں کو حصہ دار کیوں بنا دوں۔ چچا حضور کو کیسے کہوں کہ ابا حضور۔ نہیں ابھی ابھی میں نے دوسرے حوصلے اور ضرورت سے محبت کی اس بنا کا میں کو بھلایا۔ لیکن اتنا حوصلہ کہاں سے لاؤں جو مجھے اتنی جلدی ایک دوسرے رشتہ میں بندھنے سے آمادہ کر سکے۔ وہ بھی موتیا کے ساتھ۔ وہ میری محبتوں کی ہر شدت سے گزرے کوئی ایسا راستہ جو مجھ سے انجان امیدی جاتی ہیں۔ یہ بھی وہ کیا ہے اور کتنا آسان ہو گیا ہے اور خود ہو کا کھانا۔ لیکن موتیا کے

سامنے میری ہر کوشش رائیگاں جائے گی۔ وہ جانتی ہے میرے دل سے گل کا نشان ملتے ملتے ہی کتنا بھاپ جائے گی کہ میں نے یہ فیصلہ کسی مجبوری کی نذر کیا ہے۔ اس میں کیا کمی ہے جو وہ کسی کی مجبوری کی بھینٹ بن جائے۔ یہ اس کی بدقسمتی اس کے خلوص کی توہین ہے میں ایسا ہرگز نہیں۔"

"وہ چچا حضور" جنہوں نے ہم تینوں بچوں کو باپ سے بڑھ کے شفقت دی۔ کیا انہیں زیب دیتا ہے کہ ہم ان کی مشکلات اور پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنیں؟"

کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اسے ساجزادی یاسمین کی بات یاد آئی اور وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔ یاسمین نے اپنا دکھ اپنے بیٹوں سے بانٹ کر اپنا بوجھ ہلکا کرنے کی جرأت کی تھی۔ اس لیے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی کہ اپنے چچا حضور کی پریشانیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ انہیں کسی قسم کے آزمائش میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی اور ایسے وقت میں جب عرصے کے بعد سب آنے والے وقت کے حوالے سے ان کو امیدیں اور خوش گمانیاں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ کوئی بدمزگی نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ تو آپ وہ ایسا کرنا چاہتا ہے۔

اس نے بحرور طریقے سے غور کیا اور جواب دیا۔

"نہیں ــــ ہرگز نہیں۔"

ابا حضور اس کی خوشی کو ہی نہیں اعتماد سے سنبھال پایا تھا کہ چچا حضور نے اس سے اپنی سرد مہری اور خاموش ناراضی کو ختم کر دیا ہے۔ اس دن سے وہ اس کے پاس اسفور آنے لگے۔ اسے بیٹھے لگا کر تیکھے تیر بیں اور مہمان رہنے سے بڑا تھا اس کے تمام تر سرد مہری زمین پہ تک رہے تھے۔ ایک بار پھر خود کو ان رہنے کے حصار سے دور لے جانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ عادت کا دل سے دوبھی جاتا تھا۔ چچا حضور کی سرد مہری کو کیا اس سے اظہار پہ انہیں بھلے کتنا ہی بے کیوں نہ ہو۔ وہ ظاہر نہیں کریں گے۔ اندر سے چاہے ٹوٹ جائیں کرچی کرچی شکستگی دل کے ارادہ تار کر انہیں کریں گے۔ اسے اسی طرح عزیز تھے جیسے بچپن سے رکھتے آ رہے ہیں جہاں اس کی اتنی سرگرمیاں، کارفرمائیاں اور گستاخیاں برداشت کرتے آئے ہیں ایک اور سہی۔ لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ ساجزادہ عصمت علی خان کی خوابوں کا طرف کم نہیں اٹھا کر کے لیے ساجزادہ عصمت علی خان کا غیر ضرور خوفزدہ ہو گیا تھا اس بظاہر کہنی شکستگی سادگی رکھنے والے اپنے چچا کو مزید آزمائش میں مبتلا کرنے سے۔

"ٹھیک ہے" آپ شام سے پہلے پہلے ہمیں اپنے جواب سے آگاہ کر دیجئے گا۔" ساجزادی عصمت انسانوں کی تھکی تھکی پژمردہ سی آواز پہ وہ اپنے خیالوں سے چونکا۔ وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کسی کے سہارے کے بغیر اٹھنا انہیں لاچار لگتا تھا لیکن شاید سال پہلے کے عصمت کے چہرے پہ پھیلی کشش رنج دیکھنے سے وہ پہلے جانا زیادہ بہتر سمجھ رہی تھیں۔ اس نے انہیں شانوں سے تھام کے دوبارہ اپنے ساتھ بٹھایا اور خود ہاتھ کے فرش پہ ایک گھٹنا ٹیک کے ان کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ ان کے سفید ریشمی ہاتھ تھام کے دیکھنے لگا۔ یہ وہ ہاتھ تھا جو اس کی ماں کا تھا۔ جس پہ ایک دن بیٹے کی ماں کا نور ظہور ہونا چاہیے تھا۔ اس کے مستقبل کے حوالے سے ان گنت خوابوں کے رنگ ہونے چاہیے تھے۔ وہاں اس وقت صرف بدترین اندیشوں کے سائے تھے ایک خوف سا تھا۔ نہ بیٹے کا خوف۔ خواب کے سوچ بچار کرنے اور مہلت مانگنے کے مزید بڑھ گیا تھا۔

"آپ نے شاید ہمیں ضرورت سے زیادہ ہی مہلت دے دی ہے۔ ہم شام سے پہلے پہلے۔"

اس کی بات کو ساجزادی عصمت نے ٹوک کر بیچ میں ہی کاٹ دیا۔

"ہم آج ہی یہ بات طے کرنا چاہتے تھے اور ہمیں جانے کیوں امید تھی کہ آپ رضامند ہو جائیں گے۔ ابھی اور ہم کہ آپ سے پہلے بات نہ کر سکے۔ واقعی ہم سے غلطی ہوئی۔ جب ساجزادی یاسمین نے ہم سے یہ خیال ظاہر کیا تھا اسی وقت سب سے پہلے آپ سے بات کرنا چاہیے تھی۔ تعجب آپ کے جذبات میں۔ سرت جیوان کی زندگی آپ کی طرف سے پہلے کا سوچ کر ہی بنا تھا۔ ہمارا امید ہوتا۔"

"قطع کلامی کی معذرت ابا حضور۔ لیکن اگر آپ نے مجھ پہ اعتماد کر کے میری ذات کو معتبر کر دیا تھا تو

چراس وقت مجھ سے میری رائے جاننے کی خواہش ظاہر کرکے اس اعتماد کو بلاکیوں کیا ان کے مجھ سے شکایت ہے۔"

"نہ نہ ایسی بات نہ سمجھیں کہ آپ سے ناخوشی ہے بچوں کے کاش نہ رہیں۔" آس ہراس میں ڈوبا چہرہ ایک بار پھر جھکا لیا۔ خود سے اس چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھنے لگا۔

"نہ امی حضور میں آپ کے فیصلے سے دل سے متفق ہوں۔"

"میری ایک ہاں سے نہ میری ہاں کا خوشی کے ساتھ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ تیرا شکر ہے میرے اللہ کہ تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ میرے کسی عمل سے ان کے دل کو راحت پہنچی۔ میری خوشی بھی اطمینان میں ایک بار اپنے چاچا حضور کے چہرے پہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"سوتیا!"

اس نے کچن کے دروازے پہ کھڑے آواز دی۔

بیاہ کا اور کی جھت والا بلور جی خانہ اس وقت تو بھی افراتفری کا شکار تھا۔ پچھلی کارن بوریں بیچ کا وقت بہت سے گھروں میں ابھی دن کا آغاز بھی نہ ہوا تھا لیکن اس حویلی میں دن چاپ اور پھلی کا ہو صبح بھی ہو کی اذان کے ساتھ ہی ہو جایا کرتی تھی اور آج تو شام کو ڈھیر مہمانوں کی آمد بھی متوقع تھی اور مہمان بھی خاص الخاص۔ اس لیے سوتیا کی مصروفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ عصمت نے اپنی آمد کی کچن میں اس کی سہولت کے مطابق حال ہی میں ہوا اضافے اور تراشیں کی تھیں۔ ایک طرف سلیب لگا کے چولہے اور نصب کر دیے تھے وہ بہ برائی طرح کے اس بڑے سے بلور جی خانے میں ایسا کوئی ظاہر نہ تھا۔ اس نے منگے تھی اور نیا جو ادا تھا۔ لکڑی کی ساخت والے دروازے کھلوا کے بیان شیشے کی سلاخ لگوا دی تھیں۔ ان میں بچے اکثر یاب اور کب کے سنہرے برتن باہر آ دے کی تھیلی پہ تھے اور اس وقت صاحبزادی حرمت اللہ خود احتیاط سے انہیں صاف کر رہی تھیں۔ انگلو راہداری میں سبزیوں کا ڈھیر چلا آئے میٹھا تھا یقیناً اس کچن بدری کی وجہ وہ ریڈیو تھا جس سے اور کے کان مسلسل چاہ اور لگتا اور سوتیا کو ریڈیو کی آواز سے اچھی خاصی چڑ تھی۔

"سوتیا! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" اس کے بھیجے اور ادھر تک پھیلا دے اور مسلسل چلتے ہاتھ عصمت کو خیرات میں مبتلا کیے دے رہے تھے مگر وہ اس سے بات ضرور کرنا چاہتا تھا۔

"بابا کہو۔" اثنائی کہیوں کے آہستہ میں ہر اسالا دونوں ہاتھوں سے کمس کرتے ہوئے اس نے بغیر سر اٹھائے کہا۔

"تم جانتی ہو آج شام کیا ہونے والا ہے؟"

"مجھے کچھ نہیں پتہ۔" جواب اس کے ہاتھ تھے اور اس نے بڑی ناراض سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جتاتے کے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ کیونکہ ایک وقت میں گھر میں راتی نہیں۔ دوسرا مجھے ویسے بھی شوق سا ہوا ہے کہ کیوں نہ آج شام کی چائے کے ساتھ دو بیٹھ پھر ادا زمات ہوں اور اس ضبط کو پابند تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں پچھلے دو حلال کھلوں سے تجھی ہوئی ہوں۔" اس نے چہرے پہ آئے بالی سے ہوئے کھاؤں سے پیچھے کیے اس کی بے تحاشا اور کانوں کے اوپر سے جاتی شیشے قیمہ گلابی کے عصمت کو اس تجدید صورت حال میں بھی تھی آئی۔

"تم کہتی ہو ٹھیک کہا امو! واقعی جو چیز نہیں رہتی تو تو صرف کچن میں رہتی ہو۔ دوسری معاملات سے باخبر رہتی ہو جن کا تعلق کچن سے ہے اس کے علاوہ کہ میں کیا ہو رہا ہے ابھی اس کی بھی خبر لے لیا کرو۔ شاید کوئی خبر تم سے متعلق بھی ہو۔"

"کاش کی ابھی بیٹھے ہے عصمت۔ میں دالجھائی نہیں۔" وہ آہستہ سے کہہ کر سنک میں ہاتھ دھونے لگی۔ اسے چند روز قبل اللہ قسمی کی گفتگو یاد آئی جس کے بعد سے اب تک اس کے دل و دماغ الجھن کا شکار تھے۔

"آپ جو چاہتی ہیں ہو جائے گا۔ میں کچن میں رکھی ہوئی ہوں۔" وہ کچن میں رکھی ہوئی میز کی ایک کرسی عصمت کے بیٹھنے کے لیے گیا اور دوسری پہ اپنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سوتیا خود بیٹھ سامنے رکھ کے بیٹھ گئی اور چائے کے لیے اسرار کرنے لگی۔

"سوتیا! تم میری سب سے اچھی دوست ہو میرے ہر جذبے میری ہر کیفیت میری ہر خواہش تم کی بہتری شناخت سے بھی واقف ہو۔ میں نے اپنے خواب تم سے بانٹے ہیں۔ اپنے آنسو تمہارے سامنے رویا ہوں۔ میرا کچھ بھی تم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم میرا کرار اندر ہی میری کہانی۔"

میرے غم میں تھی ساری یہ کہانی مل گئی
اے تم بھی تو ہوتا تھا کسی کی اک نہیں ہے

سوتیا نے واقعی پہلے سے جانتی تھی کہ بھی کے لیے اس کی دیوانگی کا انتظام ہو ادھر ہی ہوتا ہے اور وہ تو "وہ اسے منتظر بھی کرا رہا تھی مگر عصمت نے سنجیدگی سے نہ لیا۔ شاید محبت یونہی انسان کی آنکھوں پہ خوش رنگ خیال باندھ دیتی ہے۔

"جی کہہ جاتی تھیں۔ تم ٹھیک ہے جانتی تھیں۔ مگر میں نے نہیں اعتبار نہ کیا۔" عصمت نے تسلیم کیا۔

"لیکن اب یہ اسی میں ہوگا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنے لیے درست انتخاب اور صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوں اس لیے میں نے یہ حق اب حق داروں کو لوٹا دیا ہے یعنی اپنے بزرگوں کو اور انہوں نے میرے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے۔"

"تم تو ٹھیک تھی یہ بات پہنچ گئی۔" سوتیا کا سر کھولا اور جھک گیا۔ وہ پہلے سے بڑھ کے اعتماد کے ساتھ فوت کھانے لگی۔

"اور میں نے یہ بھی ان لیا ہے کہ صرف تم ہی ہو جو مجھے سمجھ سکتی ہو مجھے برداشت کر سکتی ہو اور شاید مجھے سنبھال بھی سکتی ہو اس لیے میں نے ان کے انتخاب کو بسر و چشم قبول کر لیا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تمہارے پاس میرا ساتھ نبھال کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ یا نہیں کہیں بھلا کیا یہ فیصلہ منظور ہے؟"

"کیوں پوچھ رہے ہو؟" اپنی کیفیت اور تھک۔ جھاپا کے سوتیا نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"کیا میرا ان رشتے کے جھوٹ کی طرح میرا مقدمہ بھی ابا حضور کے سامنے رکھ دو گے انہیں یہ بتا دو گے کہ آپ کی اس دوسری سالگرہ کی بھی آپ کی فہم و فراست پہ بھی خاص اعتماد نہیں۔ آپ کے انتخاب پہ صد شکر کے ساتھ راضی ہونے کی بجائے خود کوئی نئی مہم سر کرنا چاہتی ہے۔"

"نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟ کل کے لیے کہہ رہے ہو تو میرے لیے کیوں نہیں؟ اسے مرضی استعمال کرنے کا حق ہے تو مجھے کیوں نہیں؟"

"کل کی حمایت میں نے اس لیے کی تھی کہ تمہاری بیٹھ کی کمی بات تھی میں نے تب اعتبار کر لیا تھا اور یہ کہ کل کو کمی تھی میں نظر نہیں آتی تھی۔ اعتراض اسے مجھ سے نہیں تھا اس بات اتنی تھی کہ اس کے دل کی طلب کوئی بن گیا تھا جبکہ تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہے تمہارے انکار کی وجہ صرف اور صرف ایک ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کہیں میری جانب سے خلوص کی کمی اور محبت کے بے بنیاد ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے اور تمہارا یہ اعتراض میں خود دور کر سکتا ہوں تاکہ ہی بات کو چچا حضور کے سامنے کیا کے کر جانا۔"

"نہ کرو۔" وہ اطمینان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی ہاتھ میں عینک تھا جسے وہ آہستہ آہستہ دانتوں سے کترتی تھی وہ خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نازک مسئلے پہ اس سے بحث کرتے اس کی پوری کوشش تھی کہ اس کا اندر عصمت کے سامنے عیاں نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں ان دونوں کی بے تکلفی بہت تکلفی کام آ رہی تھی لیکن پھر بھی کچھ تھا جو وہ مسلسل اپنی نظریں جھکائے ہوئے تھی اور اس کی جانب دیکھنے سے آہستہ

[illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی [

"بھرجائی۔ میں ماں کا (بوجہ) بندہ۔ میں آپ کے ہی بابی سفید پوشی کا بھرم رکھ سکتا تھا۔ اگر آپ لوگوں کو بلاتا تو ظاہر ہے کہ چار لوگ وہاں کے بھی ساتھ آتے۔ اتنا انتظام اتنا خرچہ میں کیسے کرتا۔ بابی تب کی خوشی میں شریک کرنے کے لیے ہی یہ معمولی سا ایونٹ تھا۔ آپ بڑے لوگ ہیں' آپ نے بھی تو ہمیں گرتا تھا۔ صبح کے پوری روٹی کا گے۔ بعد میں ہم غریبوں کے گھر چار چار لڈو ہی بھیجے تھے۔"

"کیسی بات کیں دمساے! ہم بھی یہی صرف رشتے نے کر جا رہے ہیں ابھی کو نمایات پکے۔"

"بیچ ہی بابی۔ آپ کماں رضا تیں پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں پیر ہو رہی ہے۔" شہزادے کا انداز کہا۔ اسے اس موقع پر اللہ دمساے کی آمد پر ہی طرف کھل رہی تھی اور وہ اسے کوئی اچھا شگون نہ سمجھ رہا تھا۔

"چھوٹی خیر رب رکھا۔ تیرا بل جاتے خیر ہاں آؤ۔"

اللہ دمساے نے بھی اٹھنے کی تیاری کی تو کرنے نے تو اب سیر بال بھانے چاہیے۔

"بیٹھ دمساے! اک بیل چاہتے ہیں۔"

"سوائی بھرا۔ تیرے شہزادے کو دیر ہو رہی ہے۔"

"ابی کو میری طرف سے ست پیار کرنا دمساے۔

اسے بڑی بڑی مبارکبادیں دینا۔ سنا ہے اصغر ضرور تجھے رنگ لگائے گا۔ لوگ تو اتنے جزے ہیں ناں؟" بابو نے مبارک دیتے ہوئے ایک مبارکباد کی چاہی۔

"ہاں بھرجائی۔ بڑے دل والے لوگ ہیں۔ کبھی آنکھ دو جوڑے دیکھنا جو انہوں نے میری رضی کو دیے ہیں' ساتھ باہر کے جوتے اور نیک اب کا سامان۔ دو موٹے موٹے کنگن' جو ان نے نانا دالی ہیں اک اک کڑا چوڑے کا تو ہو گا اور انگوٹھی میں ہیرے کے جڑے ہوئے ہیں۔"

"اللہ اللہ۔ اللہ اللہ۔" گرے نے بے ساختہ کہا۔

"اللہ مبارک کرے' اپنا نصیب کرے۔" بابو کے دل سے بھی دعا نکلی اور شہزادہ کو بھی اپنے سینے سے ایک بوجھ سرکتا ہوا محسوس ہوا۔

☺ ☺ ☺

"کیا عصیں اور موتیا۔ یعنی کہ موتیا اور عصیں؟"

گل مرکو بھی یہ اطلاع مل گئی اور اس کا رد عمل حسب توقع تھا۔ صاحبزادی حرمت النساء نے اسے یہ خبر تب دی جب مہمانوں کے آنے میں کچھ ہی وقت تھا اور وہ تیار ہو رہی تھی۔

"کس میں اتنی چین ہو سنا والی کیا بات ہے۔"

"اور عصیں ان کی؟"

"کیوں نہ مانتے۔ انگی آپا حضور نے ان کا عندیہ جان کر ہیں یہ خبر سنائی ہے۔"

"اور موتیا۔" انگی کو امید تھی کہ لاکھ دلوں کے بیچ کوئی سی مکران کے بارے میں عصیں کے خوابات دے چکے ہیں ان کو جاننے کے بعد شاید ہی وہ اس رشتے پر رضامند ہو۔

"ان کی سعادت مندی ہے تو ہمیں بہت ناز ہے۔"

"ناز ضرور کیجیے مگر یہ تو جان لیجیے کہ اس سعادت مندی کے پیچھے کوئی مجبوری تو نہیں۔ کہیں وہ محض اپنی اس "کی ہاں" والی عادت کی وجہ سے تو قربان نہیں ہو رہی۔"

"خدا خواستہ۔" وہ بول اٹھی۔

"ہمیں ہیں۔ ارادہ کے دل کا حال بھلا جانتے ہیں۔ عصیں میاں کو انہوں نے بخوشی قبول کیا ہے اور عصیں میاں کو بھی اپنے والد کے انتخاب کو کوئی اعتراض نہیں۔"

"ہو نہ ہو کوئی اعتراض نہ ہو۔" انگی نے بنکارا بھرا اور اپنے ہلکے نم سنہرے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔

"ایک بات تو ہے انگی! دمساے کو کہیے نکلنے رہے اس گھر کے علاوہ اور کون ہو گا جو اب بھی ہے۔ ہاں نیک ہمارے خاندان میں ہی ہو۔ ہمیں تو فخر آیا ہے۔ ہمیں تو فخر آیا ہے۔"

"آپ کس کس کی نشاندہی کر رہی ہیں۔" انہوں نے طنز سے کریدا۔

"نیک کہہ رہے ہیں ہم۔ کیا دمساے کتنی مدت میں جھلا ہو گی کہ ایک بہن کا رشتہ اتنے اچھے گھرانے میں اور ایک کا بیاہ برس بیس کے ساتھ ہو رہا ہے اور اسے گھر کے ہی ایک ایسے لڑکے کے لیے جو ماشاء اللہ ہے تو معمولی سا کاروبار ہے اور دین کی تعلیم بھی پوری ہے۔ آپ کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا۔ بہت مدت مدت میں اسی میں خوش ہیں اس کے مستقبل کی کیسی کیسی خواہشیں کی ہوں گی۔ آپ کو تو بولنا چاہیے۔"

"ہمیں پرواہ ہے اور ہم نے بہت سوچ سمجھ کے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کس کی قسمت میں کیا لکھا ہے' کسے علم ہے کون جانتا ہے کہ عصیں میاں کے نصیب میں کتنی کامیابیاں لکھی ہیں۔ ان کا کاروبار کتنا ترقی کرنے والا ہے۔"

"ترقی کرنے والوں کے اوصاف تو ہم اور ہوا کرتے ہیں ابھی حضور باتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں گے تو ہم کامیابی نہیں چھا ماریں گے۔ یہ آپ کے عصیں میاں ابھی لوگوں میں ہے ہیں۔"

"اب تو ہم رکھ کے انتظار کیجیے صاحبزادی گل مرو۔" انہوں نے ٹوکا۔ "اب آپ کے ان سے رشتے کی نوعیت تبدیل ہو چکی ہے۔ آج شام کو اللہ دمساے تعالیٰ آپ کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے گا۔ صاحبزادی الناس خاتون اور صاحبزادہ عصیں کی باقاعدہ نسبت کر دیں گے۔ معزز مہمانوں کی موجودگی میں۔ اگر ان سے کوئی رشتہ استوار ہو جاتا۔"

"اتنا کا بلاوہ ہے ابھی حضور یہ مت سمجھیے گا۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ اور شہزادہ سرنو کتنا محسوس ہو گا۔ وہ جس گھر کے دامادے جا رہے ہیں اسی گھر کا دوسرا داماد ایک ایسا شخص۔"

"گل۔" موتیا کی آواز پر وہ چونکی تو حالات کے بارے اس کا رنگ سرخ تھا۔ یقیناً وہ سب سن چکی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے تو یہی محسوس ہو رہا تھا۔ صاحبزادی حرمت النساء کو بھی یہ سب سن کر خیر۔

"مہمان آ گئے ہیں۔"

● ● ●

موتیا نے بہت انداز میں یہ پیغام دیا اور کچھ دیر تک کے انتظار کرنے لگی کہ شاید اسی حضور اسے کوئی کام بتائیں۔ مگر انہیں معزز مہمانوں کا استقبال کرنے کی جلدی تھی۔ انہوں نے چادر کا پلو کاندھے پر اور آگے کی طرف سرکایا اور چہرے کو اقربیا" اعاتے ہوئے کمرے سے نکلیں۔ موتیا ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ اپنے کمرے سے شہزادہ کی گل نے آواز دی۔

"سنو موتیا!"

"جی۔" وہ رکی مگر پیچھے مڑ کے نہ دیکھا جب گل کا لہجہ یقین میں بدل گیا کہ ضرور وہ سب سن چکی ہے۔ اس کی شرمندگی سوا ہو گئی۔ یہ شرمندگی اسے اپنے خیالات پہ تھی۔ ان کے بے وجہ کے اظہار پہ بھی نہ تھی۔ معرف موتیا کے سن لینے پہ تھی۔

"ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" اس نے گول مول انداز میں صفائی پیش کرنا چاہی۔ اف' معذرت پیش کرنا اور وہ بھی صاحبزادی گل مرو کے لیے کس قدر مشکل کام تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس نے دامن سے تاثر لیجیے کہا۔

"جانتی ہوں' تمہاری کسی بھی بات کا کوئی بھی مطلب نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کے وہ رکی نہیں۔ اس نے اپنی بات گل کی جانب چھوڑ دی۔ بظاہر گل کی اس کے بارے دل کو نجانے کیوں ایسا لگا جیسے یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں بڑی طنز اور شہزادہ ہی مسلسل اہت چھپی ہو۔ موتیا کے یہ انداز اسے سرے سے پسند نہ آئے۔ چند منٹ پہلے تک کی ساری شرمندگی زائل ہو چکی تھی۔ اب وہ اسے سرے سے احمقانہ محسوس ہو رہی تھی۔

"ہونہہ" فضول کے نخرے ہیں۔ آخر ابا کی کمر دبا دبا کر ہوائی فائر کھلی جاری ہے۔ ہماری جانب دیکھنا تک گوارا نہیں۔ نہ کسی ہماری بات کا کوئی مطلب۔ اسے نظر نہیں آتا اور جس کے پلے بندھنے جا رہی ہے اسے تو بے مطلب کہا یا نہیں بلکہ کاٹھ ہے۔ غلط نہیں کہا تھا ہم نے امی حضور سے۔ اپنی طرف سے تو ہم نے بس نے کے ناتے سوتیا کا بھلا ہی سوچا تھا۔

کل کو ہمیں اور ہماری زندگی کو دیکھ کر کتنے خوش ہوں گے ہم اپنے اور ہمارے شوہر کا موازنہ کر کے اپنے فیصلے پہ پچھتائے گی۔ دھری کی دھری رہ جائے گی ساری فرماں برداری اور تابعداری جس کے سر پہ ٹکٹ کٹا کے محترمہ پھولے نہیں سما رہیں۔ ہمارا خیال کیا کرے گی جس نے اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا ہی نہ سمجھا ہو۔ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ پتہ تو بتایا گیا اس فیصلے سے آگاہ ہو کر ہمیں کتنے بھی اثر پڑ سکتے ہیں۔ شاید کہیں اس بات کو محسوس نہ کریں یہ کیا کم ہے کہ وہ صرف ابا حضور کی نیک بیٹی کہ نظر رکھتے ہوئے میاں تک آ گئے ورنہ اس پرانی حویلی میں رہوا ہی کیا ہے اور ان سے تو شہر کے نامی گرامی لوگ رشتہ قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہوں گے۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ جانے ان کے شایان شان استقبال اور مہمان نوازی کی فکر کرنے کے ایک چھوٹے کاروبار کو اسی دن بس جگہ ان کے ہم منصب قرار دیا جا رہا ہے۔"

وہ پتہ نہیں کہاں کہاں کی کوڑیاں لا رہی تھی اور ہمیں کیسے اندیشوں کے بھنور میں پھنساتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھائی رے آ گئے بابی؟"

"ہاں رے گیا۔" اللہ وسایا نے بڑی جتاتی نظروں سے رضا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور تھوڑی دیر تک ان کی بھائی بھی آ پہنچتی ہی ہوگی۔"

"ان کی بھائی؟"

"ہاں رے۔" اس نے جیسے مزا لینے کے انداز میں بیٹی کی حیرت اور تجسس کو بڑھایا۔ رضا کی اپنے ابا اور امی سے انسیت کو ان کی جو بے جا طرفداری اسے ہمیشہ چڑاتی رہی تھی اور اب وہ رضا کو یہ احساس دلانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتا تھا کہ جس باپ اور امی کے نام کی وہ دل جان سے رٹتی رہتی ہے اور ان کی محبت اور احساسات بڑھاپے کے بیان کرتی رہتی ہے "ان کے لیے وہ اتنا بوجھ ہی ہے کہ اپنے بیٹے کا رشتہ تقریباً" اقرباء" طے کر دینے کے بارجود انہوں نے رضا کو اس سے ملنے کی ہوا تک نہ لگنے دی۔

"بڑی ملاقات والی بھی تھی تو اپنے ماسے کی بیٹی سمجھتا تھے تو ساتھ نہ دے جاتا۔ چلو جلاں ہی کر لیتا پھوپھے کے منہ ذکر ہی کرتے۔ کہی کہہ دیتا کہ کل والی کو بھی ہر جائی پسند کرے۔"

"ہر جائی؟ کیسی ہر جائی؟"

"شہزادے کی دلہن۔ اور کون؟ تیری ہر جائی ہی لگی ہاں۔"

اللہ وسایا نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ نہیں بلکہ پورا کندہ دبا دیا تھا۔

"بھائی جان! اس کی یہ احتجاجی چیخ نہیں اس تیرہ بخت کی شہزادی بیوی کو اس کی بھرجائی قرار دے رہے ہیں۔"

"کیسے ہو سکتا ہے؟ بھائی کی شادی اتنی جلدی۔ ابھی پچھلے دن پہلے تو میں نے کہی تھی تب یہ بیاہ ہوا تھا۔ نہیں آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں طرح چپ چاپ کہہ رہا ہوں ان کی شادی نہیں کر سکتے۔"

"تیری شادی تو نہیں ہوئی ابھی ہی رشتہ ہوا ہے۔"

"تو یہ۔ اور آپ یوں بات کر رہے ہیں جیسے۔" اور سر جھٹک کے قدرے پرسکون ہوتے ہوئے اپنی درد ایلانی سے نوٹی ہوئی کار اپنے خوابوں کی جنت سے اسے بھلا سے ہی رکھ دیا تھا۔

"شادی بھی ایسے ہی چپ چپاتے ہو جائے گی۔ جب لوگ ہیں بھی غریب۔ اتنے رشتے داروں کو کس لیے منہ لگائیں گے۔ ان کی محفل میں میں بھلا کیا کہتے ہیں ہاں تقریب اس کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈال جائے گا ہمارے پیچھے ٹٹ پونجیوں کے آنے سے۔ زیادہ صبر کرنا تھا تو اس کرے کو ذرا آکڑ آکڑ کر ان کے پھر رہے ہے۔ تجھے تھوڑی ہوں تو دنا کس بات کا تھا۔"

"اب میں نے کیا کیا ہے؟ یہ بات گھوم پھر کے مجھ پہ کیوں سلے آتے ہیں آپ؟" وہ بوج اٹھی۔

"ارے صبر نہیں تیری بات ہیں۔ اک سال ہوا ہے ابھی کیسے کو ہمزادی سے کوئی بھی پیچھے چھوڑ جانے کی ہی سی دو سال اور نکلتے ہی کوئی بھی آ جاتی۔ رکھتے کے کاٹی تک جانے میں صرف چھ مہینے گئے تھے۔ اتنی محنت کی سال دو سال اور رکھ لیتی تو ان نے سے نے خان بے شرکل (رشتے داری) کے صدمہ میں ایسی چوٹ مار آ کہ پتہ جاتا۔ لیکن تجھے تو آخر جو ہی تھی وہاں کی۔ ماں جیسی کوئی عمر نکلی جا رہی تھی۔ "کرام سے باہر چھ سال بچے کے پھر ہو جاتی" بکواسے عرصے میں ایک سے ایک اجھا رشتہ آ جاتا تھا۔ تو اس کنگلے نواب سے ہی رہ جاتی تجھے تو کبھی بھی برا تھوڑا ہی لگتا ہے بندہ۔ باتیں ذرا ہی میٹھی کرتا ہے کہ بندہ بیٹھتے ہی "بار کے" اس وقت تو تجھے بھی ساری دنیا سے اچھا لگنے لگتا ہے بعد میں سوچتا ہوں ایسے لفاظ ہیں اس کے تو صرف نظر کیوں نہیں کر لیتے۔ تیرے پاس آتا ہے تو ہزاروں کے تحفے دے جاتا ہے مگر کم بخت آتا ہو تو کل ہی لیکن ہے۔ عجیب مدہوش کردار ہے "میری" کچھ سے تو یا ہو رہے ہیں کس نے ساری دنیا بدبخت ہی ہے اور تو تو خود بھی بے ایمانی ہے "میری" سمجھ میں ایسا کھن کھنہ بند کہاں آتے لگا ہے۔ اب تو اللہ سے دعا ہے کہ وہی بھلی کرے۔ جیسا یار کو تا رہا ہے ویسا ہی اور پھر بھی میں تو تجھ پر بس کم از کم پانچ لاکھ روپے نکلوا دوں گا۔"

"امی عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ؟" وہ ناگواری سے بولنے لگی۔

"عجیب کیسی؟ ہوں لڑکی کا بیاہ ہوں میں نہیں فکر کروں کا تو اور کون کرے گا۔ تو اپنی کرنے سے آتی ہے باز نہیں آتے لگی تو کیا میں بھی تیرے بھلے نہ سوچوں۔ یہ تیرا حق ہے اور بھلے ہم ہاڑے لوگوں کو کیا کیا ہے جس کا بھی چاہے رشتہ کے بلا جائے۔ اپنی اجنت مضبوط رکھنے کے لیے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔ جن صرف کھنا ہو کا کوئی اتنا سید عاقلہ اٹھانے سے پہلے ہزار بار سوچے گا یہ بار مغل ان نواب زادوں کا ویسے ہی کوئی اعتبار نہیں "کب کس سے مل بھر جائے" عیاش تو ہوتے ہی ہیں۔ چلو حق مہر کی وجہ سے ہی بندہ کے رہ جائے۔"

"ابا جی۔" اور حیران رضا نے شاکی نظر سے۔

"ہوئی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی اور پھپھے آپ ابا کی منحوس باتیں کر رہے ہیں۔ پہلے ہی آپ کی یہ سوچ ہے تو بعد میں۔ مغل صاحب آپ کے ہونے والے داماد ہیں اور ان کے بارے میں آپ کی یہ رائے ہے؟"

"اچھا۔ میں منحوست پھیلا رہا ہوں؟ زبان ہے تو میری سوچ اور ہے میری یہی رائے ہے اس ہونے والے داماد کے بارے میں۔ میں کا (اکیلا) نہیں ہماری بیٹیوں کے ماں باپ کے دل شادی سے پہلے ایسے ہی ڈانواں ڈول ہوتے ہوتے ہیں۔ ہر بات سوچ لیتے ہیں۔ وہ ساری احتیاطیں کر کے دیکھتے ہیں اپنی طرف سے پورا اطمینان کرنے کے بعد ہی بیٹی رخصت کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو قسمت کا پھیر نہیں ہوتا۔ اوئے لوگ تو اگلی پچھلا سارا خاندان کھنگال ڈالتے ہیں "آدمی گوا مدی (آس پڑوس) سے پتہ پوچھ (پوچھ گچھ) کرتے ہیں۔ میں جانتی کیا ہوں بابا۔ مغل کے بارے میں سوائے اس کے کہ وہ بات کا مغل ہے اور کسی بڑے نواب کی اولاد ہے۔ پہلے سے شادی شدہ ہے اور لک ستھل کے خاص بندوں کا سے ہے۔ کتنا کماتا ہے پتا نہیں۔ کہتے ہیں "تجھے کہاں رکھے گا یہ ہی کو دوسرے وہاں کا بتایا ہے۔ یہ نہیں پتہ نہیں کہ ابا سب جانے تیری ضد کیا رنگ لانے والی ہے۔ سچ میں تو پرا گھر ہوں۔ اسی لیے ایسی بات کی تھی اور تو تجھے باتیں ساری ہے۔"

اس وقت اللہ وسایا کے چہرے پہ واقعی اتنا تردد اور فکر تھا کہ رضا متاثر ہوئی۔

"ہے تو میرا باپ ہی۔ لیکن میں کیسے سمجھاؤں کہ باپ صاحب ہی میرے بات دیکھ رہیں "دیکھے ایک ایسی ہی

ایسی زندگی اپنے والے ہیں جس کی میں نے پیشتر سے تو نہ کبھی سمجھے کسی اور کے حوالے سے ہی سہی کسی اور کے ساتھ ہی سہی۔ ساتھ عجیب میں نہیں تو زیادہ زندگی پانے کی جدوجہد بھی چھوڑ دوں۔" وہ چپ چاپ سوچے گئی۔

"اور پھر تیرے سر نکلا ہونے کا ایک فائدہ ہے اگر تو ہوا اس کے پاس تو وہ کہے گا تیرے سر کو ہار تو نہ نکلتے دیتے گا۔ ایسا کام کرے۔" وہ اپنے بے باک تعجب اور مذاق تجربے بھرے انداز کرنے لگا۔

"اور اگر واقعی اس کے پاس اتنا پیسہ ہے جتنا بتا رہا ہے تب بھی تیرا فیصلہ ہے۔ گل گلاں کو ایسی تو تمنائی ہاتھ تو نہ آئے گی۔ چندا کی ہوں گے پاس تو وہ بارہ اپنی زندگی شروع کرنے میں مشکل تو نہ ہوگی۔ شروع شروع کے چند شوہر ذرا سے تھوڑا پیسہ خرچ کر کے حاصل کرنا ہوں گے ایک دفعہ بھرے نام کی مشہوری کرانے کے لیے کچھ تو مل ہو جانا چاہیے۔"

ایک بیٹی کے باپ سے ایک فنکارہ کے سرپرست ہونے میں اسے اس چندی مٹ گئے۔

وہ یا ساف سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے کچھ نہ آیا تھا وہ اس بات کے جواب میں کیا کہے۔ بس اتنا جان لیا کہ مزید بحث کرنے کا فائدہ نہیں اسی لیے ایک طویل مخصوص سانس بھر کے اس سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ میرے والد کرم الٰہی ہیں۔" شہزاد نے مہ جبیں نفیس علی خان سے متعارف کرتے ہوئے تعارف کی رسم نبھائی۔

وہ ان کی شخصیت کے سحر زدہ اور دبدبے سے مرعوب نظر آ رہا تھا۔ یہ مرعوبیت اس کے انکسار لہجے سے بھی واضح تھی جبکہ اس کے اس انکسار اور جھکی ہوئی نظروں نے تبسم لیجے کو اور اسے صاحب نے اس کی شرافت اور محبت پہ محمول تھا۔ ان کی نگاہوں میں پسندیدگی در آئی۔ شہزاد نے احترام کر کے اٹھ کر اس وقت ان کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا اس کے پست ہوتے جھکے ہوئے سر سے ہوتا ہوا اس کے کھلے کے اندر دیکھ کے بیٹھا احساس تشکر اس پسندیدگی کی رمق دیکھ کے ابھرا ہو جاتا۔ مگر وہ مسلسل مودب سا بارہ سر اور نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔

عصمیں نے بھی گہری نظروں سے اپنے رقیب کا جائزہ لیا۔

یہ شخص خاص کی ظاہر کل سے اس کی محبت کو ٹھکرا رہا تھا۔ یہ وہ تھا جس کے مقابلے میں عصمیں کو نادہ اپنے اس انتخاب کی توہین محسوس ہوئی تھی۔

"ضرور ہوتے کوئی اور ہوتے۔ میں تو سرجھکا بھی نہ ہوتا۔" اس نے حقیقت پسندی سے تسلیم کیا۔

"تمہارا انتخاب واقعی لاجواب ہے گل۔ تم کوئی ایسی چیز تو پسند بھی نہیں کر سکتی تھیں۔" اس نے ایک بار چہرے سے نظر ہٹا کر اور دیکھے ہوئے انداز میں بیٹھا حضور سے گفتگو کرتے شہزاد کو دیکھا۔

"سر کی جوبات ہمیں سب سے زیادہ انٹریسٹ کرتی ہے وہ ان کا بے پناہ اعتماد اور ذات میں جھلک دکھاتی پختگی کی سی مضبوطی ہے۔ وہ جیسا جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے سامنے کوئی زیادہ عمر نہیں لگا اور ہم نے تو پیشہ ہی سے ایسے شریک حیات کی خواہش کی تھی جس کے قدم ہر قدم چلتے ہوئے ہمیں اپنے اور گرد کے سب لوگ سر جھکائے سوچ سے گہرے نظر آئیں۔"

گفت گل کی زبان سے ادا ہوتی جس کی بے تحاشا تعریف میں عصمیں نے شہزاد کو تصوراتی خاکہ تراش رکھا تھا وہ ایک بڑے دل بارعب پر وقار سنجیدہ خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال کسی آدمی کی دل کی دھڑکن بنا کے رکھنے والے کردار سے ملتے جلتے اپنے سامنے کی ظاہر میں ڈالنے والے کسی باہمی تمنا دی کا خاکہ تھا جبکہ شہزاد اس وقت اس تصوراتی خاکے سے قدرے مختلف نظر آ رہا تھا۔ سنجیدگی تو اس کی شخصیت سے واضح تھی ذہانت اور اس رشتے

کے بارے میں خلوص بھی اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا مگر وہ ذہانت کی سی مضبوطی اور اپنی شخصیت کے تحرش سمیت لے جانے والا تاثر نہ اور تھا۔ وہ سادہ سا مردی نظر آ رہا تھا۔

"شاید اس ماحول سے سب کا یہی حال ہوتا ہو۔ ساری طرح خالی تسری کی دھری رہ جاتی ہو۔ اب مجھے کیا پتہ میں کب گزرا ہوں پہ تھوڑے کے اس تجربے سے۔" وہ خود کو تسلی دیتا مسکرا دیا۔

اسی لیے شہزاد کی انگلی گل کے اس کہنے پہ پڑی۔ نجانے اس کی سماعت نے "ہی" سی مسکراہٹ میں ڈوبے نیا نظر نیا کہ اس کی جسارت مزید بڑھ گئی۔

عصمیں کے برعکس سا جبرانہ نفیس علی خان کی زبان پہ جو اپنے توقع دار کی بجائے اس کے اندر کی جانب اپنا نہ تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس کا چاہا انہیں دیکھنا بھلا لگ رہا تھا۔ وہ پورے وثوق سے کہہ سکتے تھے کہ اپنی پوری زندگی میں انہوں نے اسے کبھی بھی کسی ملک کرم الٰہی نام کے کسی زمیندار سے نہیں سنا۔ اپنی یادداشت پہ انہیں اس حد تک تو اعتماد تھا لیکن یہ نہیں کہ اس جب جب بھی ان کی نگاہیں کسی دار زمیندار سے ہوتے ہوئے عمر کے اس پہ پڑتی تھیں تو کچھ تھا کہ الجھ کے رہ جاتا۔ گمان ہوتا کہ شاید اپنے کسی جاگیردار زمیندار دوست سے ہی اس ایک آدھ بار سرسری سی ملاقات ہوئی ہو۔ ذہن سے چھوٹ کے رہ گیا ہے۔

"تبلیغ کیا آپ یہاں نعت علی سے واقف ہیں؟ وہ ہمارے قریبی رشتہ دار میں شمار ہوتے ہیں۔"

سرکیٹ والے بیٹھے کرم الٰہی کو انہوں نے اچانک مخاطب کیا تو وہ گڑبڑا کے سوچوں سے جاتی مرصع پہ ذہن سے اور کیے تعریف کے اوس سے ذہن میں ابھرا کے اس کا مطلب جاننے کی کوشش کی۔

"نہ۔ نہیں جی۔ میں تو میرا مطلب ہے میں تو اس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں۔"

بات کا آغاز کرتے ہی اسے شہزاد کی تنبیہ یاد آئی کہ ہر شخص سے مخاطب ہو چھوٹے دیوں کی طرح ذہب اور انداز سرمایہ رکھنا ہے اس لیے اس نے بڑی بے اختیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انداز کیا۔

"خیر خیر ان پہ زور نہ دیجیے۔" بانو نے ایک بار پھر بیٹھے کی تنبیہ کو فراموش کر دیا۔ خود سے بھی بار بار بات میں مداخلت ہو رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ میاں جی ہوں۔ نواب صاحب کے جانے والے ہیں۔ کبھی نہ کبھی آپ کے کسی نے واقف میں سے رہے ہوں۔ آپ کو پرانی باتیں یاد بھی تو مشکل سے ہی ہیں۔ مدراسیوں ... غور کریں۔"

لگاتار خاموش رہتی ہوئی سے اسے کوئی نہ کوئی میاں یاد دلا کے دے رہی تھی۔ صاحبزادی کی حرمت اقتدار نے اپنے اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے طلب گار رہتے کی آئی اس صحت مند خاتون کو بھلا تو چھلے ہیں جنہیں منٹ سے مسلسل انہیں خیال کرتی آ رہی تھیں۔ اگرچہ کرم الٰہی صحت سے بڑے اندازہ میں ساری محفل سے نہ تھے پہنا تھا اس کے باوجود بڑے باوقار صاحبزادی حرمت النساء اور خلعت اللہ وجود کو آرام دہ محسوس نہیں کر رہی تھیں۔ چہروں سے پرے وجود سے ہر وجود کو جانچتے ہوئے بھی وہ اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں تکلف سے بیٹھی تھیں۔ انہی سب سوائے درکی سلام دعا کے آپس میں کوئی بات نہ کی تھی۔ ایسے میں بالکیں کے رنگ ڈھنگ اور طرز اطوار انہیں اتنی سے لگ رہے تھے۔

سخت گرمی کی اس حبس بھری شام میں مضبوطی جارحیت کا تیز تاریکی رنگ کا کڑھائی والا سوٹ پہنے ہوئی تھی اور کڑھائی بھی ملتے ہوئے سبز رنگ تک فنک والا بہ ریشمی سوٹ اس کے صحت مند سانولے وجود پہ جیسے غلاف کی مانند چڑھا ہوا تھا۔ چربی سے بھرے کلائیوں سونے کی چوڑیوں اور کانوں سے بھری ہوئی تھیں۔ آنکھیں جیسے محرم ہونے کے باوجود سرمہ کالا سیاہ تھا اپنی تھا اب تک سفید ہوئے نہ تھیں پھر اقتدار کی تازہ تازہ ملی ہیں۔ آپ سے لوازمات بھی سارے کے سارے موجود تھے۔ آپ اب تک بھی ٹھہرا کا ابھی بنتی ہیں۔ سونے کا ہاری سیٹ بھی اس نے یوں پہن رکھا تھا جیسے کسی تقریب میں جانے کا قصد ہو۔ ان جیسے موتے اور سر سے پیر تک کوئی ایک ڈیڑھ انچ کی ہیئت کا ساز و سامان لادنے کے باوجود ان جیسا سادہ مزاج گھریلو خاندانی خواتین کے

نیچے نوٹ کا ڈھیر ہو رہی تھی۔

"ابا جی تو عورت ہو گئے ہیں۔ نشے میں ہوتے ہیں۔" عشرت نے عقل دیا۔ "ان کی بات کو کبھی دل پر نہ لینا۔ ابا کی تو عورت ہی ہو گئی ہے۔"

"اور دیکھ لے طریقہ خراب ہوتے ہی ہے۔ تیرے میری بھی یہی کوشش ہے اور ڈاکٹرز کا بھی یہی مشورہ ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ آرام کرنا چاہیے۔ یہ تو کہتی نہیں آتے جاتے ہیں۔ زیادہ تر سفر ہی رہتے ہیں۔ ہوائی جہاز کی بھی دیکھ لے۔ ان پر کتنے ہی دھماکے ہو گئے ہیں۔"

ادھر طرفین ان باتوں کو پتا تھا کہ اس کا باپ اپنے بچاؤ کی خاطر ہی یہ کہانی گھڑ رہا تھا۔ دراصل وہ جب سے صدمہ پہنچا تھا کہ اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ پہلے بھی کبھی ہوائی سے خطرہ محسوس نہیں کر چکے ہیں تب سے اسے یہ دھڑکا سا لگا تھا کہ وہ دھوکہ کر ہوائی کے پردے میں چھپتے اپنے وقت کے فلمی کامیڈین اور اسٹیج شو بلبلہ کو یاد کر رہے تھے جس میں وہ اکثر اس کے مکالمات میں قصد بھی رہتے تھے۔ کہ کندھے کے لیے تو کے سحر بند اور آج کے سیف اور ہر کتاب بازیوں کا شکار کرنے میں زمین آسمان فرق تھا۔ پچھلے دنوں ہونے والے بارش انٹیک نے تو اس کی شکل ہی بدل دی تھی اور وہ سرور کو لوٹ مشہور ہو کر تھا۔ آج تک تمہیں سال بعد بھی لوگ اسے دور کی جانے والے فلمی بیلوں کو بھی دست دراز لوٹ لیے۔ بلبلہ نام کا وہ مسخرہ شاید ہی بار آیا ہو۔ ساتھ اور سر کی دھاگے میں بیٹھے والی ہر دوسری فلم میں ہوتا تھا۔

"ہو سکتا ہے انہیں بھی کچھ مغالطہ ہوا ہو۔" انہوں نے بھی اپنے وہم کو رفع کرنا چاہا۔

☆ ☆ ☆

سارا دن وہ کسی مشین کی طرح کام کرتی رہی تھی۔ مگر نہیں۔ مشین کا کام تو بس چلتے رہنا ہوتا ہے اپنی ذہنی کیفیت کو بدل کی طرح انجام دیتا۔

ہلکا رہ تو سارے کام بندی لگن اور دل سے کر رہی تھی۔ ایک ہی خواہش تھی کہ کل کی دل مراد پوری ہو جائے تو گلو کو ہماری محنت وصول ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی غرض بھی شامل تھی کیونکہ آج ہی کی شام اس کی اور عصیص کی نسبت کا اعلان بھی ہونے والا تھا۔ احساسات پر خوشگوار بوجھ تھا تو تھکن بھی ایسے تازگی کا احساس جگا رہی تھی۔

نیچے میں عصیص کا آنا اپنی پر خلوص اور سچی باتوں سے اس کے دل میں موجود رہے سہے خدشات کو دور کر جاتا اسے اور بھی ہلکا پھلکا کر گیا تھا۔

لیکن اب سارے دن کی مصروفیت کے بعد وہ کچن کے ایک کونے میں سب کو کھڑی ٹرالی میں سجے برتنوں اور چائے کے لوازمات کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ایسی تو تیری آرہات ہوتی ہے۔" گل کا ترحم آمیز لہجہ گونجا۔

"اور مجھے رنگ آیا کرتا تھا تم گل جب کبھی عصیص تم پر بھی جان دے دیتا تھا اس سے محبت منسوب ہونے کی وجہ سے تمہیں میرا وجود گل کر رہا ہے۔"

وہ پہلے سے بھیجنے کے رکھے جیسن کے کھیرے میں سے دھیانی میں چھ چلاتی جا رہی تھی۔ سامنے چار کے پھر بھری کٹائی سرم ہو گئی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے کہ یہ سب کیسے کیا گیا ہو۔ جیسن کے دوکو اور شرارہ سر کو کتنا محسوس ہو گا۔"

وہ اپنی حضور کو اس اقدام سے باز رہنے کا مشورہ دے رہی تھی اور خود اپنی وکالت کے لیے اس نے کیسے سوچا کو آگے کر رکھا تھا۔ وہ بیچاری دنوں تک اس کا مقدمہ اپنے بچوں کے سامنے پیش کرتی رہی تھی خلوص نیت کے ساتھ۔ تھی کے کشمیر میں سے بچہ بھر کے گرم ہوتی پھیل کی بڑی سی کٹائی میں تھی دکھا۔ بلکہ ہمیشہ

ماں کی ڈانٹ کے ساتھ کٹائی کے بعد سے کوئی بھی کیلا دکھا دیا تو روک سکے۔ اس کی بے حد دیکھنے کی۔ "ابا اسی کہانی میں مبتلا ہو جانے کی۔ سوچ کر کہ اس کی بس کا رشتہ تھا۔ تھا تھرا میں ایک کامیاب زندگی ساتھ رہا ہے اور اسے گھر کے کی ایک ایسے لڑکے کے لیے باندھا جا رہا ہے جو محض ساکنہ اور ہے۔ تھا۔ کیا جا رہا ہے۔"

"تم کیا جانو گل۔ میری خوشی کس میں ہے۔ چاہا کہ تم میرے جذبات سے بے خبر ہو گر ایک بہن ہونے کے ناتے تم سب واقعی میری اندر ہی میں تھیں تو میں تو کر رہی کہ تم تو اپنی طرف سے میرا بھلائی کرنا چاہتی ہو۔" "میں بتا چکی ہوں کہ عام شخص عصیص کی میری زندگی کا سبب ہے۔" تم شخص ہے۔ کہ رات ہے ساتھ ہی گل مگر کہ تم تو زندگی بھر ہوا کے آنے اور کسی کے بارے میں نہ بتا جاتا۔ سمجھا اور دی اس کی کوشش کی کہ میں نے ساری لڑکی ایک کام کیا ہے۔ کتنی زبان ہے آیا کہ رہا ہے دوا کے بل میں کیا ہے۔ میرا راز جو نے کیسے کچھ تھا پتا ہے اور پھر اگر سات کوئی پتا ہو تو یہ جانے میں لمحہ بھی نہیں لگتا تو میری بہن میں بھی تھی کہ تھا میں تم کہنا چاہتی ہو۔ تم نے بیٹھ کر بات کو ادا کر دی ہے۔ کہ کیسے یہ گوارا کر سکتی ہو کہ جس شخص کو تم نے پسند کیا ہے اور شنے پہنے لگے لیے تم سارے زمانے کی نظر لیتے تیار ہو۔ ہم سب ایک ایسے شخص کو بہت خراب تھا تمہاری عادت سے تھوڑی ہو۔ لیکن خود غرض ہو تم قدر مطلبی۔"

اس نے دھواں دیتے ہی تک کے نیچے آنچ بالکل ہی ختم کر دی۔

"ابا جو رہا ہے۔" عصیص نے اس کی کیفیت کو توڑا۔

"بلکہ کا انتظار۔"

"جانے۔ بیٹھ تھی ہماری قسمت۔" اس نے ذرا کاری کا بھروسہ ہٹا دیا۔

"تمہیں انتظار کے لیے اور کوئی معقول چیز میسر نہیں ہوئی۔ ہم تم پڑے ہیں راہوں میں۔" وہ آگے بھڑک کے تلی ہوئی مونگ پھلی میں سے چند چنے کر سوئے دانے نکالنے لگا۔

"تم نے میرا کونسا کام سنبھالنا ہے جو میں تمہارا انتظار کرتی۔ بلکہ کا انتظار اس لیے تھا کہ وہ کر اکر دے۔ خیر آندر لے جائے تو میں پکوڑے سلنے کا کام شروع کروں۔"

"تم اندر کیوں نہیں آ رہیں۔ آگیا ہے۔ بڑا زبردست کریکٹر ہے یہ گل کی ہونے والی ساس۔"

"اچھا میں چائے لے کے آتی ہوں۔"

"انہوں۔۔۔ تم کیوں؟ جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے" آج کے اہم دن یہ فریضہ گل کو ادا کرنا چاہیے۔ یہی دستور ہے۔"

"کیا تمہاری ناقص معلومات میں یہ درج نہیں کہ آئندہ گل صرف بہو دستور سے چھ ہے۔ اس نے چائے لے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں بعد میں آ جائے گی۔"

"ہاں اسے کہنا چاہیے۔ تو ضرور آئے اور اپنی ہونے والی ساس کے کھانے کی رفتار کا جائزہ لے۔ اپنی اطلاع تو میں اس نے بولنے کی رفتار کا جائزہ لے لیے آ رہا ہوں۔ رفتار کا بھی اور سیاہ کا بھی۔" آخری لفظوں اس نے بہت دبے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"کیا مطلب۔ کیا مت بتاؤ خاتون؟"

"خود دیکھ لو کیا چیز ہیں۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ شرارہ ملک کرائے کے ہیں یا ہے اغوا کیا ہے۔ ان ظلموں ذرا سوں میں اٹھاتے ہیں ماں کہ لڑکے کا آگے پیچھے کوئی نہیں یا پھر ماں یا ہے رشتہ اس کی پسند سے ترنے سے انکار کر دیتی ہے اور وہ سستے نے نوٹکی کے اوکار پیسے دے کر سہرے بھرکے لے آتا ہے۔ بس اسی قسم کے کچھ اوکار لگ رہے ہیں۔"

"شش۔ چپ کر۔ گل نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔" ان جھرجھری کی۔ کہ ہلکے کاسنی سوٹ میں ہاتھوں میں

برتن پھینکی گئی اسی جانب آرہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ کیا بھیجنا کیا رہی ہے؟" اور دروازے پر ہی ٹھٹھک کے پوچھنے لگی۔ عصیں کے چہرے کے تاثرات ہی اپنے تھے۔ صاف پتہ لگ رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کسی ایسی بات کے مزے لے رہا ہے جو اس کے تئیں پہ ادھوری رہی ہو۔

"بھیجنا۔۔۔ اللہ کا نام تو کل اب کیا سوتا تمہارے ہونے والے سسرالیوں کو بھیجنا ہے پڑھانے کی۔ وہ بے چاری صبح سے یہ بندر بنیں آلتو تیار کرنے کے چکر میں ہلکان ہو رہی ہے اور تم ہیں پہ ہوا تک بھیجنا بنانے کا سلیقہ نہیں آتا۔۔۔"

"تمہیں۔۔۔ تم دونوں ہوئے متعلق تو بات نہیں کر رہے تھے۔" عصیں کی آنکھوں سے پھوٹتی شرارت اور موتیا کا مسلسل اس پہ چھیڑ کے مزے ہوا سے شک میں مبتلا کر رہا تھا۔

"تمہارے سامنے بات کرنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔" اس بار موتیا نے بات کے جواب دیا تھا۔

"اوہو۔۔۔ یوں کہو کہ ہم نے بات میں ہڈی کا رول لے لیا ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں دانتوں کو باری باری منہ کے اندر کھینچے تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں وہ شرارت یا چھیڑ نہیں تھی جو اس موقع پہ ہونوں یا سہیلیوں کی مسکراہٹ میں ہوتی ہے بلکہ ایک جلا دینے والا انداز تھا۔ ایک بچوں کے گیا۔ بس تھا۔

موتیا سرسے پیر تک سلگ گئی۔ عصیں بھی یہ محسوس کر کے چپ سا ہو گیا کہ ان دونوں کے درمیان قائم ہونے والے اس رشتے سے اب کل عمر ہی واقف ہے۔ حالانکہ اس میں خالصتہ ہونے والی کوئی بات نہ تھی وہ کون کل کا پابند تھا یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگا رہا تھا۔ بلکہ ایک عرصے تک وہ علی الاعلان اس کی محبت کو عمر بھر ناممکن دیتی تھی جو ہوا اور پھر طریقے سے اس کی دل شکنی کرتی رہی اور پھر شرارتاً ملکہ کا انتخاب کر کے اس کی محبت کو حتمی طور پہ مسترد کر دیا۔ لیکن یہ عصیں کا بے دھڑک اظہار محبت ہی تھا جو اب اسے کل کے سامنے شرمندہ کر رہا تھا۔

"کیا سوچنے ہو گئی کل مرکہ کیسے میرے عشق کی قسمیں کھاتا رہا اور اب کتنی آسانی سے میری ہی بہن سے وابستہ ہوتے جا رہا ہے۔ اب اسے کیا پتہ کہ یہ میں کس لیے اور کس کی خاطر کر رہا ہوں۔ موتیا اچھی ہے بہت اچھی لیکن اتنی جلدی اسے اس سٹیٹس کے ساتھ قبول کرنا بہت دل کے لیے آسان کام نہیں پھر بھی اسی کسی طرح اس کو سمجھا بجھا کے پہلے سارے لینے کی کوشش کر رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ میرے کسی غیر معمولی طرز عمل پر بروز اسے اچھی اور حساس لڑکی کو ٹھیس نہ پہنچے۔"

"اتنی کیا بات نہیں کل۔" عصیں تو جیسے صرف یہ جاننے کے درپے کہ آخر کون آیا ہے آپ کیا باتیں ہو گئیں وغیرہ۔"

خود پہ مشکل سے بدل کر موتیا نے ملکہ کا ہوا سے بے پروائی سے نصیحت کی۔

"وہ دراصل کسی تھی نا۔ وہ کہا ہے کہ مکھیاں لے کے یوں بچوں میں مت آیا کرو۔ خاص طور پہ تکلیف دہ برش کرتے ہوئے۔" علامت سے مجبور ہو کے کہنے سے بھی باز نہ رہی جبکہ وہ سب علامت اس کی ہدایت کو کسی مکھی کی طرح اڑاتے ہوئے عصیں سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں کیسے ملے سرے والدین۔ کیسا رویہ ہے ابا حضور کا ان کے ساتھ اور ابا سر کے بارے میں ان کے کیا تاثرات ہیں بہت خوش ہوئے ہوں گے نا ان سے مل کے۔" اس کے لیے میں تجسس سے کہیں زیادہ اشتیاق تھا۔

"کل۔۔۔ تمہارے سوا چچا حضور کا تو پتہ نہیں کیونکہ وہ کافی جلدی گھر پہ نہیں ملے البتہ تمہارے سر حضور اس وقت ساتھ تھے۔ ان کی بات کرتے معلوم ہو رہے ہیں اور یہ ہیں ان کے والدین تو والد صاحب قبولیت کا لگتا ہے نا۔ بڑے بڈھے بیٹھے ہیں۔ بے دلی یا مجبوری کی جانے ایک عجیب طرح کا ہراس یا یوں کہہ لو۔ بے سی سی پھیلی ہے ان پہ۔

ماشاءاللہ کل کی نعف، عمر۔۔۔ تو نعف تو کہیں سے نہیں البتہ ذرہ ضرور لگتی ہیں خوب مزے میں ہیں اور یہ خالی

اندر جانے کے بعد اور بھی مزے کر لے والی ہیں۔"

"پلیز عصیں! پلیز۔ کیا طرح سے بتاؤ کیا صورت حال ہے اندر کی؟"

"کیوں؟ اتنی اتاولی ہو رہی ہو۔ جو ہو گا انشاءاللہ بہتری ہو گا۔ میں تو صبح سے ہمارے ہی بہن کہ بات من جانے۔ ابا حضور راضی خوشی مان جائیں۔"

"تو تو ہو گا ہی۔" کل موتیا کو اچانک دنیا جہان کا علم مان خوب طلاری کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے بڑا مرحلہ تو صرف شہزاد سر کے گھر والوں کو یہاں تک آنے کی منظوری حاصل کرنا تھا۔ یہی مرحلہ سب سے مشکل بھی تھا اور پہلا اور آخری بھی۔ اب اور کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ ابا حضور کو اعتراض کرنے کا موقع ہی کہاں ملے گا۔ ویسے بھی انہوں نے اپنے ہونے والے داماد کے متعلق کوئی خاص توقعات نہیں رکھی ہوئی تھیں بصوائے چند شرائط کے۔" اس نے تیسری بار نظریات عصیں کو دیکھ کے کہا۔

"اور ان کے تاثرات۔ میرا مطلب ہے چند روز سے تو خیال ہے ہمارا تقاضا۔"

"ارے بھئی چھ کے بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔" بالآخر موتیا کو غصہ آ ہی گیا۔ بھلا کوئی کب تک برداشت کرے۔ وہ خود پہ طنز برداشت کر سکتی تھی۔ عصیں پہ تنقید جب چاہے۔ سکتی تھی لیکن ابا حضور کے بارے میں کل کا یہ انداز تکلم اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"جانے کہ تو کیا کیا کچھ تھی ہو جیسے تم نے اپنے لیے ایک شہزادہ چن لیا ہے جو نہ صرف تمہاری بلکہ اہم سب کی زندگی میں ایک انقلاب لانے والا ہے جیسے ہم غدا خواہ کوئی رینگنے والے کیڑے ہیں جن کو وہ بال حضرت کمال مہربانی سے آسمان پہ پھینک دینے والے ہیں۔ اس طرح شور کر رہی ہو جیسے ابا حضور نے ساری عمر تمہیں ایک ایک چیز کے لیے ترسایا ہو اور جیسے تمہارے بارے میں غلط فیصلے کیے ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے یہ آدمی جو اندر بیٹھا ہے اور جس سے تم محبت کا دعویٰ کر رہی تھی ہو۔ اتنی بہت اچھا ہو۔ اس سے بھی کئی گنا زیادہ اچھا ہو سکتا ہے تمہارا ہو پھر بھی۔ پھر بھی کل نے اتنے اچھا فیصلہ کرنے کے لیے تمہاری سب کوششیں ہو رہی ہو۔"

"کیا مطلب؟ اس کیا کہہ رہی ہو تم۔ تم بلا وجہ کیوں سیٹ کر رہی ہو۔"

"تمہارا ارادہ ہے ظاہر کر رہا ہے کل کہ جیسے ابا حضور غدا خواہ سٹیٹس کو میں دیکھنے والے تھے اور وہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے تھے جو ایک سارے جہاں سے نرالا تمہارا چاہنے والا بن کے آ گیا۔"

موتیا نے زہر خند لہجے میں اپنا اعتراض واضح کیا۔ عصیں نے نظروں ہی نظروں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اس میں غلط کیا ہے۔ اس نے شادی کا کہا۔"

"مذکر سمجھ کر اگر تمہاری قسمت اچھی ہوئی تو تم بھی اس کنویں کا شکار ہونے سے بچ جاؤ گی۔" وہ ایک اچھنبے ہوئی نظروں نہیں ڈال کے واپس جانے لگی۔

"ایک منٹ رکو کل۔" عصیں نے تو اوزاری اور اس کے تھکے تھکے پیر قدم آگے بڑھا۔

"محبت میں دیوانگی ایک فطری بات ہے کل مگر دیوانگی بھی ایک فرقہ ہو کر رہ سکتے۔ خدا تمہیں تمہاری محبت اور محبوب دونوں مبارک کرے۔ میری بھی یہی تمنا ہے اس گھر کے ہر مکین کی دلی دعا ہے مگر تم۔۔۔ تم بھی اپنی محبت کا صدقہ نکال دو کہ صدقہ ہی تصور ہے۔ جانا ہے۔" کل چلا کو لاتا ہے۔"

اس کی بات پہ وہ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگی تو عصیں نے وضاحت کی۔

"محبت کا صدقہ محبت ہی ہے۔ جو محبت اعتراض بھی بانٹ دیا کرو اچھا ہوتا ہے۔"

اس کی سادگی سے سطر اہمت نے کل کو مزید زہر اگلنے سے روک دیا اور خلاف عادت و فطرت وہ خاموشی سے یہ نصیحت سن کر اپنی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ یہاں گھر آج کے دن کے لیے آپ نے آنے سے معذرت کر لی تھی۔"

اوپر کا اپنے دروازے پر پیا کے حیران رہ گئی۔ ابھی زندگی میں پہلے تو اس نے اقامہ کی شام اسے خود بلوایا تھا کہ وہ شام کی چائے اس کے ساتھ پیے اور بعد میں وہ اس شادی کی شناخت کے لیے اپنے لیے تحریر پا سکیں۔ اس کے لیے حاضری دینے کا وعدہ کر چکا تھا۔ ان دنوں وہ اس سے بات کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔ اس لیے وعدہ خلافی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب بار کو رکھنے کی ساری کوشش بے کار ثابت ہو چکی تھی۔ جتنی بات اچھی خاصی دیر تک بگڑ چکی تھی۔ فی الحال وقت اسی جگہ تھی کہ اور یہ صرف یا سمین ملک اس کے میکے کے ہر فرد سے دور دور رہتے یا سمین جس طرح کے رنگ ڈھنگ دکھا رہی تھی اب اس سے بڑی بے وقوفی کی توقع رکھنا حماقت تھا۔ بقیہ "اب تک وہ سمجھ چکے ہوں گے کہ ایک ایک کو ساری روداد سنا چکی ہوگی۔ اس لیے اس نے یہ شام رہنا کے ہمراہ گزارنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

"بھابھی! آپ نے عورتوں کے لیے کوئی تقریب تھی؟" بھائی بار کرنے کی کوشش کی۔

"کیا بتانی ہوتی؟"

"تقریب ایسی خاص نہ تھی۔ بس سمجھیے تقریب کی تمہید تھی دراصل ہماری خواہر نسبتی۔ یعنی ہماری سالی صاحبہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آنے والے تھے۔ ہمارے خسر صاحب کی خواہش اور درخواست تھی کہ اس موقع پر سب موجود رہیں۔ لیکن اس دل کا کیا کریں اگلا ہے آپ کے بغیر کہیں لگتا ہی نہیں۔ سوچا یہاں ہو کے بھی نہ دینے سے بہتر ہے یہاں آ جائیں۔ آپ معذور تو نہیں۔"

"بالکل بھی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو نہیں۔" خوشی سے بے ثبوت کا اظہار کرتی محترمہ وہاں سے رک گئی۔

تیاری ہو چکی تھی اس کے ساتھ۔

دل دماغ کو دوری صحن آباد کر کے وہاں بیٹھنے سے رشتہ استوار کرنے پر تیار ہو گئی تھی اور وہ بات بھی کہ اپنے ہر طرح سے دوسری تمام تر خرابی و چالاکی کے ساتھ یہ رشتہ نہ بنائے گی اور اس سلسلے میں عملی قدم اٹھانے سے پہلے وہ ہر طرح سے اس کی بات سننے کی کوشش کر چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بار کے لیے پسند بنانے کے جذبات تو نہیں ہیں اس کے دل میں اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لیے وہ اس کی منتظر تھی ہے۔ اسی طرح یہ پسند دیکھی اور محبت محبت میں بدلتے دیر نہ لگے گی۔

لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔

بار کے سامنے محبت میں گندھے جذبات کی اداکاری پیش کرتے ہوئے وہ خود ہی اپنی پرواز میں اس قدر بھیگی اور بکھری محسوس ہوئی کہ۔ وہ اپنی اس ناپاکی۔ شرمندگی سے کانپ چکی ہو جاتی۔ وہ ابھی بھی وہ گناہ کی چادر میں تھی کہ۔

"آپ سے زیادہ ضروری کام بھلا کیسے کیا ہو سکتا ہے۔"

بار کا۔

"آپ کی خاطر میں سب کچھ بھی بیٹھ جاتی ہوں۔"

گہرائے لہجے کی بے یقینی اور اظہار کا کھرا پن محسوس کر کے اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

"کیا پیتے گا؟" کچن روم میں اسے بٹھانے کے بعد دریافت کیا۔ "اب میں اپنی پسند کی چائے۔"

"آپ کی خاطر ایک بہت خاص پر تکلف دعوت چھوڑ کر آ رہے ہیں۔ بابی کی بے اپنے تو ناراض ہو گا۔" بار نے بے تکلفی جتاتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے پھر ڈنر شاپنگ کے لیے اکٹھا ہو جائیں پہلے ہی چلے چلتے ہیں۔"

اتنا کہتے کہتے اب اتنا ہی رہ گیا تھا کہ وہ ٹرمپ کی بجائے صرف چائے کی تکرار کر سکتا مگر ترجیح دیا بھی اور ہی موڑ میں تھی۔

"نہیں چاہیے پر تو میں نے آپ کو انوائیٹ کیا ہے۔ اگر آپ گھر پہ نہیں پینا چاہتے تو نہ سہی باہر چلتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ کی چائے میری طرف سے ہوگی۔"

"مگر۔ میں نے مزاحمت کرنا چاہی۔"

"نہیں اگر کہیں سے جاتی ہوں آپ کی مہربانی کو نہیں پہنچتے کی مجھے دل ادا کرتے دیکھ کے۔ مگر آپ ادھر دیکھنے کا نام نہیں یہ فرض بنتے کا کہ آپ مہمان ہیں اور میں میزبان۔ ناکرنا ہوا جو میں آپ کی مہمان نوازی کر نہیں سکیں اور کر رہی ہوں۔"

بار نے بظاہر ہار "تکلفاً" کندھے ہی دل میں سکڑا کرتے ہوئے یہ فرض قبول کر لی۔

راستے میں ہمارے لیے پوچھا تھا۔

"تو یہ آپ نے اچھا نہیں کیا اس موقع پر اپنے سب لوگ سے غیر حاضر رہ کے۔ میں نے پہلے ہی اتنا کہہ کر میں اپنی وجہ سے کسی کی خوشی نہ ہونے دوں گی۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ میری وجہ سے آپ نے دل میں بار محسوس کیا۔ پرانا گلا دو کا نہیں؟"

"اتنا سے تو کچھ بھاری ہو رہے ہیں۔" اس نے بے تحمل دل میں اترا کیا اور پتے پہ تحمل بے اختیاری کے تاثرات سجائے کہنے لگا۔

"نہیں اچھا ہی کیا کہا ہے۔ سچ ہے اداس کہ دل کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہی حشر سارے اگلے پچھلے حساب دیکھ کے صلح نقصان جائیے کے کیا جانے ہمارے اس کا آپ کے دل سے رہا شاید نصیب میں لکھا جا رہا تھا۔ آپ کم سے کم آج سے میں سارے پچھلے ہی دن اگلے تین سال بعد دیکھ لیں آپ کا اسیر ہو جانا ہی تھا۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر میرا کچھ کو آسودگی میسر ہو تو میرا کچھ بنانے سے پہلے وہ ایسے بار ضرور سوچتا ہے محبت کرنے سے پہلے بھلے سوچتا ہو۔ ہمارا گھر بھی کچھ بنا ہی نہیں۔ ہمارے ہاں کی طرح ہی بھی آپ تک اجاڑ ویران اور ویران ہے۔ جب اس عورت نے کبھی نہ سنا نہ جذبات کا احساس نہیں کیا تو ہم کب تک کریں۔ پتے سے نہیں بڑا گئے تو ہمارے تا آفرین کی کتنے صاحب کا حالانکہ ہے اور حالانکہ بھی اور بچا۔ خاصی اچھی جگہ رشتہ جڑ رہا ہے ان کا یہ نہیں ہمارے سر ہے ہمارے کہاں سے اپنے کو کے الوا ہو جاتے ہیں جتنی میں ہم بھی شامل ہیں۔"

بار کا ذہنی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ!"

دونوں اس وقت لی میں باتیں کر رہے تھے۔ طلعت اندر ہو رہے تھے۔ صبح صبح اللہ دیا نے دماغ کو جو خراب کی تھی اس کے بعد جیسے ہی کالی پر پہنچے ہی اپنے اور اتنا اور اچھوتے کی انجو گئی تھی اور وہ پیر کا اتنا تک نہیں صلاح تھا۔ اپنے شہر سر بر بار بار میں تحمل کی ادا سے اس کو پتے سے نجات کا ذریعہ تھی۔

بار کی صورت اتنی کی سر کر بیل اور اور بھی جملہ دیا وہ تھا۔ اس نے اسے کافی عذاب دیا تھا۔ سالے اسے ادای کی اور اور بھی۔ بنا بچا لگا تھا۔ شہلا کی ذات سے ملنے والا پیار کا محبت کی بنیاد بچے کر تھا کہ تھی تھی لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ وہ تو طیبہ کو خوب طاری ہونے سے بچاتی تھی۔ بار کی تعدیہ اس نے اختیار کیا اور خود کو اس ادای سے نکالنے کا ایک امکان بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے ساتھ نکل گئی۔ اس نے ساتھ باتوں میں داخل اور خاصی بھی پیچھے ہو گئی جھوک بھی پہنچ گئی تھی۔ اور اب وہ خاصی بے تکلفی سے بیٹھ کر انصاف کر رہی تھی۔

"مذاق نہیں کر رہے ہم۔" بار نے ایک اور چٹکلا اس کی پلیٹ میں منتقل کیا۔

"ہمارے والد صاحب بہت مکانی ہے حد خاص بوہد اور مرحوم شناس تو تھی۔ مگر نجانے کہاں چوک ہوئی ان سے جو ہمارا رشتہ وہاں طے کر دیا شاید خلل خوبی نہ کے بعد بیٹا شرافت سے مار کھانے اور پیٹنے کے لیے ایک احمق مرکی تعلیم اور تربیت دونوں سے عاری ایک مسہل شکل و صورت کی بیوی بنا کر لائے۔ اب وہ صاحبزادی کی

مرغا نہیں بچھیا۔ مشکل صورت میں یا سمین سے بڑا بار دوچند بہتر ہیں۔ تعلیم بھی اچھی خاصی ہے مگر مزاج میں اپنی بہن سے فی گنا بہتر ہیں۔ بس تھوڑے تحمل کی تو انہیں زندگی کا کیا بڑا ہونے والا ہے۔ اسی لیے ہم چاہتے تھے نہیں چاہتے تھے ابھی ہم سے تو کسی معصوم اور شریف انسان کی زندگی برباد ہوتی دیکھی نہیں جاتی۔ ہمیں تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ رشتہ انہیں ملا کہاں سے اور کیسے؟ کسی ایس پی پروفیشن "کنام تو سن رکھا ہوگا آپ نے؟"

اس کے برادرانہ سوال پر قرالی فش کا تیس منٹ تک لے جاتے لے جاتے دھاکا پھر رک گیا۔

"کسی ایس پروفیشن کے کہ کر بھر شہزاد ملک کا رشتہ آیا ہے ہماری سالی صاحبہ کے لیے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا اور جانے قرالی فش کا تیس منٹ میں مزید کتنا وقت ہے بھی کہ اب اس کے لیے کچھ بھی اگلنا مشکل ہو گیا۔ حلق میں اور تک کانٹے اگ آئے تھے۔ خود کو سلانے کی ساری کوششیں غارت ہوتی نظر آئیں صرف اور صرف ایک نام سن کر۔

"نصیب والے ہیں ہمارے خسر صاحب! اتنی ساری شرطیں منوا لیتے ہیں وہ سوال سے چھا جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہماری طرح نواب گھرانے سے ہیں۔ گھر باتوں میں رشتہ جوڑ نہیں سکتے اس سے تو تیری کو عمر بھر گھر بٹھا کر رکھنا گوارا کرتے ہیں۔ شاید ہماری وجہ بھی اس لیے شادی تک پہنچ نہیں سکتے ہیں اور ہو گئی تھیں۔ پھر بھی ہمارے جیسے نجیب الطرفین داخل کیے انہیں۔ اس طرح اب صاحبزادی گل مہرے لیے بھی شہزاد ملک جیسے عالی گرامی اور اونچے خاندان کے چشم و چراغ کو چن لیا ہے۔ مگر ان کی اپنی حیثیت ان کے نجیب نواب اور اونچے نام کے پیچھے چھپ ہی جاتی ہے۔ سوائے اس کو بیدہ عورتیں چند باتات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دھرا نواب صاحب میں۔ شہزاد ملک کو نہ جانے یہ رشتہ پسند آیا ہے۔"

"شہزاد ملک کو نواب صاحب کی حویلی اور باتات سے کوئی مطلب نہیں۔" وہ عجیب طریقے سے کہنے لگی۔

"ہمیں تو سکتا ہے انہوں نے صرف اپنے اپنے خاندان کو دیکھ کے۔"

"ایک بات بتائیں آپ کو! دھاگے تیری سے باتیں کاٹی جیسے اب نہ کہا بھی تو نہیں کہہ پائے گی۔"

وہ ہاتھ روک کے سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"شہزاد ملک سے میرے قربت کرتا ہیں۔" اس کی مرگوشی پر ایسے اچھل ہی گیا۔

"کیا؟"

"ہاں! میرے سگے ماموں کے اکلوتے بیٹے۔" وہ باہر کی فضا کو تکنے لگی۔

"سگے ماموں!" اس کی انگلیوں میں دھاگے کے طبلہ تو اپنا باپ کا سر اپنا مغموم گرا دیا۔ جلا کے اپنے "اصل؟"

اطلاع کر دو تھا۔

پوتے کے ہونٹوں کپ تھے اور سوئے پتے رہ گئے

پھر تیزی سے پھیلا اور سرخ ہو گئی۔

اس وقت کی ایسی ہونے کی جلدی تھی۔

ایک نے خود ہی کاٹ لیا تھا اسے اس کے ذات جاننے کی جلدی تھی۔

دوسرا ایک دھاگا کرنے کے لیے آنکلا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں سمجھتے تھے آپ بھائی۔ خود کو بہت اونچا بہت کیا ہے کے اتنی کمال ہے۔

میرے ماں نے آپ کو بتا دیا تھا اس سے زیادہ شہزاد رانی جگہ تب کو کسی اور کی بھی نہیں سکتی تھی۔

میرے بارے میں تھے تو رہے آپ نے یہ پیش کوئی کہوں تھی۔

"تم ہو۔ اور اری تمہارا سراپا ہے اسی کو پیچھے چھپ مرو گا تم۔ کسی عزت دار گھرانے کی سوتو نہیں

البتہ زیادہ سے زیادہ کسی بالادار بوڑھے کی تکمیل بن جاؤ تو اسی کو اپنے لیے کافی سمجھنا اس سے زیادہ تم زندگی میں کچھ حاصل نہیں کر سکتیں۔"

"مگر بھائی! آپ کے نصیب میں تو یہ بھی نہیں۔ اگر آج آپ کی اصلیت کھل جائے تو ہونا عزت دار گھرانے ہو کا جو آپ کو بالادار نے پل کے راضی ہو یہاں تو نی زمانہ پیسے کا رعب ہی بہت ہے۔ جس کی آپ کے پاس کی نہیں۔ معاشرے میں ایک نام و مقام آپ نے بنا لیا ہوتے تو پیسا کمر ہی چکے ہیں۔ ویسے تو عزت کی کمی نہیں ہو آپ کا پیچھا لگا کے لیے آپ کی موجودہ حیثیت پر ہی راضی ہو جائیں گے۔ لیکن آپ نے اپنے فلاد دیا ہے تو کنفلیٹ بنا لیا ہے بھائی۔ مثل صاحب نے جو کچھ نواب صاحب کے متعلق بتایا ہے اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی اصلیت ان پر ظاہر ہونے کی ہے اور۔"

ایک آندھی اس نے کمرے کے تالے میں جھونکا اٹھا تھا۔

"واہ کلف آگیا۔"

بار بار بھاگتی شخص کا اندر رانی جان اس کے تیز تیز لمبے قدموں اور بار بار بے ساختہ چیخنے والی مسکراہٹ سے واضح تھا۔

"یعنی کہ صاحبزادہ نصیر علی خان کی دختر نیک اختر صاحبزادی گل مہرہ نام کا رشتہ ایک ذات کا میراثی پیشہ ور ملازم کی سے ہوتے جا رہا ہے اور نواب صاحب بے خبر ہیں۔"

دھانی زبانی وہ شہزاد کا سارا کچا چٹھا جان چکا تھا۔ اس کا بس منتظر تھی ہاشمی بھی اور اس کے والدین کا تو نہ تھی۔

"جس کے باپ دادا میلوں کھیتوں اور تھوڑوں میں ایک دو مرے۔ چھتیس اور چھتیاں جس کے ایک دوسرے کے اتھوں۔ چمڑے کے جوتے کی اور سیدھ کے وقت کی روٹی کھایا کرتے تھے اور جس کی ماں نانے کی کھڑیا بجا بجا کے سوحام مزکوں پر ماتم سے اور لیے گا کر تو دو آنہ اٹھا آیا کرتی تھی وہ صاحبزادہ نصیر علی خان کا داماد بننے جا رہا ہے ان نواب صاحب کا جو نہ تو خود کے پہ کبھی بیٹھے دیتے ہیں نہ ہی ان کی بہو حسین صاحبزادی۔"

"کل مہرتی نہیں بلکہ خود یار بھی گل مہرے خار کھاتا تھا۔ اس کی شادی کے وقت اگرچہ وہ خاصی کم عمر تھی مگر مزاج کا ظلم تب بھی اپنا ہی تھا۔ اس کی بابر کے لیے ایسا ہی تھا۔ اس کی بابر کے لیے ایسا ہی تھا۔ اس کی ہر عمل سے دوبارا بھی اور پہرے بھی اسے بچہ سمجھ کے بھی اندر نہیں کیا بلکہ اب بھی موقع ملا اس بوت کا کلہ نواب صاحب سے بھی کیا اور یا سمین کو بھی طنزیہ کی صورت میں جتلا دیا اور اب اسی گل مہر کو ملنے نکلنے دیکھنا اس کے لیے ایک نیا تماشا تھا۔"

"ممکن ہے وہ لوگ اب بھی موجود ہوں۔ ہمیں جلد از جلد پہنچ جانا چاہیے۔ کچھ مزا آئے گا جب سب کے سامنے ہوا اس شہزاد ملک کا بھانڈا پھوٹے گا۔ اماں بابا سے کیا بات سے منتظر ہو گا۔"

اس نے قریب سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دیا۔

صورت دیکھنے لائق ہوتی نواب صاحب کی اور گل مہرہ۔ ہو نہیں ساری اکڑ دھری کی دھری رہ جائے گی۔ بڑوں کو بڑی سمجھتی ہے اور سب سے زیادہ تو یا سمین کی حالت دیکھنے کا مزا آئے گا۔ اسے اپنے چچا حضور کی کم ذات پر بڑا ناز ہے۔ اس گھامڑ کو ہمارے بھی سیدھا سادا جکڑ دے سکتا ہے پھر شہزاد ملک جیسے گھاگ کے لیے مشکل تھا۔ شیشے میں اتارنا ہماری دنیا کے سامنے کس کھیل ہے سوچ بھرے ہوئے۔"

پیچھے رکھ آگے کی جانب فرانے بھرتا تھا ایسے ہی اس کا ذہن تصور تخیل کے عمل وقت پہنچنے سے منتظر گزرا تھا۔ کہیں وہ شہزاد ملک کو اپنے پیروں پہ گرتے گڑگڑاتے دیکھتا۔

کہیں نواب صاحب کو معزز مہمانوں کی بے عزتی کر کے اپنے گھر سے نکالتے ہوئے دیکھتا۔

کبھی اسے بے حد مال، خوش حواس سے بے تحاشہ ہوتی گل مہرہ کو دیکھتا۔

اور کبھی یا سمین کی حیران پریشان صورت۔

اور بعد نواب صاحب کا اس کے آگے اقرار معذرت۔

"باہر میں۔" آپ نے ہمیں کہیں میں گرنے سے بچالیا۔ ہماری دنیا کی زندگی بربادہونے سے بچالی۔ ہم عمر بھر آپ کے مشکور رہیں گے۔"

"یہ مشکلیں۔ عرف مشکور؟"

"ہاں آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

"اچھا۔ ہم اپنا مشکور ہونے کا بدلہ کیا حاصل کر سکیں گے؟ کچھ بھی نہیں۔ ان کے پاس ہے ہی کیا جو حاصل کرنے کی جرأت آپ کے اور ایا کو نہیں ہے۔ ہمارے دل میں صاحبزادی گل مہر کے لیے جو ہم انہیں برباد ہونے سے بچالیں۔ ہماری بددعا سے بچاتے ہیں جائے سارا کمرا لیا۔ ابھی بتانے میں کیا حرج ہے ابھی تو ہمارا کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ بات تو جب ہے کہ صاحبزادہ ہمیں تنی تو ان اس کرامت کو دوام دیں۔ اس کے بعد ہماری آنکھ کھلے گی۔ ان کو آئینہ دکھانے میں زیادہ تکلیف ہوگی۔ ہمارا صاحبزادی یا کسی کو بھی پتا چلے گا۔ ہم نیکی کا عمل سے گناہ کر کے گناہ کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ سوائی محمد بن ہرافل کے بیٹے کی یہ اس کی کرامت کبھی نہ کی گئی ہے ہمیں خالی خولی دعا کرنے سے کیا حاصل۔"

اس لفظ حاصل کی بار بار تکرار نے اس کے اندر ایک نیا اور اچھوتا خیال پیدا کر دیا۔ وہ خوری بیٹھا اس آئینے پر جھک کر بیٹھ گیا۔

"ہمیں ایک خدشہ ہے کہ کہیں ابا جی کا عزیز ہونے کی وجہ سے وہ الٹا ہمیں نہ ہٹا ڈالے۔ یہ نہ ہو کہ ان کا بھانجا چھوٹے چھوٹے ہمارا پیچھا چھوڑا جائے۔"

وہ ابھی پیرانے کا بے تکا قائم نہ تھا کہ ایک جگہ پر بیٹھے بیٹھے جب کوئی شاطرانہ پلان یا تدبیر بھی بیٹھ کو نظر سے اوجھل نہ رہتا۔

"ایسے اس کا امکان نہیں ہے۔ ابا جی نے بتایا ہے کہ شہزادہ ملک نے اپنا نام بتا لینے کے بعد سوائی سے اپنی اصلیت چھپانے کی غرض سے پرانے بیٹے بیٹے والوں سے اور عزیز رشتہ داروں سے کامل قطع تعلق کر لیا ہے۔ ایسے میں اسے کیسے خبر ہو سکتی ہے کہ ہمارا ان سے کوئی رشتہ ہے جا رہا ہے۔ ہم اس کی ایک ایسی عزیزہ سے شادی کرنے والے ہیں جسے وہ ملکہ کا رشتہ دار نہیں اور بالفرض کبھی علم بھی ہو گیا تو زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا کیا بیٹے گا بدلا جائے گا کہ ہمیں نہ تم شادی کرنے والی ہو وہ شخص دوبارہ ہمارا یہ عمل حاصل کر سکے۔؟" وہ اسرار طریقے سے منکرا ہوئے۔

"ہمیں اور کبھی بھی کسی کو نہیں بتایا۔ گاؤں میں اتنی جرأت ہی نہ ہو گی۔ وہ ویسے بھی ہم کو نہ یہاں زیادہ دیر تک رکھنے والے ہیں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ابا جی کے ساتھ نکاح ہو جائے گا۔ ان چھوٹے ہو جائیں گے۔ تب تک کے لیے ابا جی کا بند دست کر دیا ہے۔ اس سے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

وہ ایک ہفتے تک پیچھا کرتا رہا اور جب سے اپنا معاملہ نکالنا چاہا تو چند ہفتے کی ہی ملاقات میں اسے اپنے کسی ملک مقبول نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنے کسی واقف کار کا نمبر بتلا رہا تھا جس سے شہزادہ ملک کا موبائل نمبر حاصل کرنا بہت آسان تھا۔

☆ ☆ ☆

"اب تو شہزادہ ابا جی کی محبت خاصی سنبھل گئی ہے۔ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا یہ لمحہ شوق شرما گیا ہے ورنہ یہاں کی آب و ہوا ہمیں ذرا بھی موافق نہیں۔ گاؤں کی کھلی آب و ہوا اور صاف ستھرے ماحول کی بات ہی اور ہے۔"

رفتہ رفتہ شہزادہ کا اشتعال دور ہو رہا تھا۔

"اچھا ارشاد۔" نواب صاحب نے مشتعل ہوتے ہوئے سر ہلایا۔ مہمانوں کے آنے سے گل مہر کی قدر بھی ان کے ساتھ ان کے منتظر تھے۔ صرف گل مہر کی ضد نے انہیں اس مقام تک لا کھڑا کیا تھا ورنہ وہ کبھی مانند نہ ہوتے لیکن اب شہزادے سے ملنے کے بعد خصوصاً ان کے بدلے ہوئے رویے

پھر نواب صاحب کو گزری باتوں کے ملال سے واپس کھینچ لانے کے خیال سے گفتگو کی تھی مگر ان کی اس بات نے گویا سامنے بیٹھے تمام نفوس کے سر پر ہتھوڑا ڈال دیا تھا۔

کرم الٰہی گھبرا کے اپنے بیٹے کی شکل دیکھنے لگا۔

"او باؤ۔۔۔ میں تو اتنی امت تھی۔" تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی جانب نظر بھی اٹھا نہ پایا تھا۔ یہ وہی تھی جس نے شہزاد کی ساری کڑی ہدایتیں منٹ میں بھلا کے اپنے گاؤں کا نام نکل دیا تھا۔

اور شہزاد۔۔۔ اس کے تو جیسے حواس مختل ہوتے جا رہے تھے۔

"اب۔۔۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔"

یہ وہ خطرے کا الارم نہیں تھا جو اس کے اندر بج رہا تھا بلکہ یہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھے سیل فون کی آواز تھی۔

"معاف کیجئے گا۔"

اس وقت اس فون کا آنا غنیمت محسوس ہوا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولتے نواب صاحب سے معذرت طلب کی اور سیل فون آن کیا۔

"ہیلو۔۔۔ شہزاد ملک بول رہا ہے۔"

دوسری جانب سے نجانے کس انداز میں تعارف کروایا گیا کہ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"ایڈیٹ ہو تم۔۔۔ کون ہو تم؟"

وہ سرگوشی کے انداز میں غرایا ساتھ ہی کن انکھیوں سے سب کو دیکھا۔ کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا لیکن اس کی کال آنے کی وجہ سے تلخ طور پر گفتگو کا رخ ضرور تبدیل ہو گیا تھا۔ اب صاحبزادی عزت اشاروں کے اشارے پہ دلگیر ایک بار پھر مہمانوں کے لیے گرم چائے سے بھر رہا تھا۔ ہوتا ہے ساتھ کی بنی نوشہزادہ جائے کے ایک کپ سے کسی کی سیری ہونا مشکل بات تھی۔

"شٹ اپ۔" اس نے فون دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ دوسری طرف وہ بھی تھا اس نے کوئی ایسی بات کہی تھی کہ شہزاد کے ماتھے کی شکنیں مستقل ہو گئی تھیں۔ تھرا جاتا اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

"کون تھا۔۔۔ تمہیں اور مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا؟" اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"مسئلہ ہو گیا مگر ہمیں آج بھی نہ دیکھ سکے۔ خوب سونگھ کے کیسن کس قدر بشاشل اور پر خلوص تھے۔ آسمان کے رہائشی نہ تھے۔ ہجرت کر کے لکھنؤ سے آئے تھے۔ بالکل مختلف تہذیب، بالکل جداگانہ تمدن۔ وہ ارد بن سمن، بول چال سب ایک دوسرے سے مختلف تھا لیکن خلوص کی شاید اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ایک الگ رشتہ ہوتا ہے ایسے کے باسیوں نے ہمیں کھلے دل سے اپنایا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم یہاں مستقل رہنے نہیں آئے بلکہ عارضی طور پر۔ صرف خلوص کی نیت سے ٹھہرے ہیں اس کے باوجود انہوں نے ہماری اور ہمیں اپنی خوشی غمی میں شریک رکھا۔"

سیل فون ایک بار پھر بجا تھا۔

صاحبزادہ نصیر علی خان خاموش ہو گئے اور شہزاد کا چہرہ دیکھنے لگے۔ ناچار اسے کال ریسیو کرنی پڑی۔

"ہیلو۔۔۔ اس حقیقت بات تو پوری نہیں ہوئی۔" وہی جان طلبی آواز۔

شہزاد اب بھیج کر درد بھری نظروں سے سب کے چہرے دیکھنے لگا چونکہ نواب صاحب نے اس کے فون کی وجہ سے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی اس لیے سب بیزار وادی طور پہ اس کی جانب متوجہ تھے۔ کمرے میں صرف اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سیدھا سادہ وہ جانتا تھا اس لیے خاموش رہ کے سننا زیادہ مستحسن جانا۔

"کیا۔۔۔"

"اچھی۔۔۔ نظر کرو۔۔۔" دوسری جانب بھونڈا سا قہقہہ لگایا گیا۔

"بھائی تو سنیے آپ کو حضور کہ ہماری کچھ عجیب سی عادت ہے۔ کسی کو ریکارڈ توڑنے کا شوق ہوتا ہے تو کسی کو تمہیں وعدے توڑنے کی عادت۔ ہمیں وعدوں کا بھرم توڑنے میں بہت لطف ملتا ہے۔ ہمیں اپنی اوقی خوری تھی کہ جناب شہزاد ملک صاحب جو حقیقت میں ماضی کے 'شہرِ بلیغہ' کے بیٹے اور چوہدری پشتی بانی گرامی کی بھانجے بادشاہ کے چوتھے ہیں 'دوبری ایدیلوری' کے ساتھ خود کو وہ مہذب اور کرم الٰہی ملک کے چشم و چراغ بتلاتے ہوئے صاحبزادہ نصیر علی خان کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کرنے چلے ہیں۔ بخدا اتم سے وہ ہمیں کیا۔ ہم کب سے نکل رہے ہیں کہ بخدا زحلہ آپ کا یہ مجرم سب کے سامنے توڑ سکیں۔ آدھے سے زیادہ راستہ تو سمجھیں طے ہو گیا' آپ کو رکشہ کی آواز سنائی دے رہی ہے؟ ۔۔۔ پھٹ پھٹ پھٹا پھٹ پھٹ۔۔۔ یہی آواز چند منٹ تک آپ کو نواب صاحب کی حویلی کے سفید دروازے کے باہر سنائی دے گی۔ نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ صاحب ہمیں اس لطف سے محروم مت کیجیے گا ایک بار تو شامل ہے ہمارا۔ ہم بیچاروں کو اس واحد عیاشی سے تو محروم نہ رکھیے۔ آپ مت کریں گے اندر رنج کے واسطے دیں گے۔ بارے سنا جائیں گے سب کے کہا ہو گا ہم بندے ہیں ذرا مشکل مزاج آپ اپنا ناشتہ ذہن میں بھیجیے گا کہ کہہ سکتے ہیں۔ اب آپ دوسرے بھلکڑ ہونے کی سوچ رہے ہوں گے۔ ہمیں ذرا سا کا۔۔۔ خطرہ ہے نہ کہ آگاہ کر کے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے مگر افسوس یہ بھی بے سود رہے گا۔ اور ہمیں۔۔۔ اب لیجیے تو یہ کیا سوچتے ہیں ہم بھی سوچتے ہیں کیا عمل نکال جائے آپ پہ۔ قریب تو نہیں ہوا ہے اس افتاد سے بچو کہ۔"

وہ مسلسل بولتا رہا تھا اور شہزاد کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بکواس سنتا رہا تھا۔ مقصد تھا کہ کب وہ اپنا مقصد واضح کرے۔ اس کی کچھ دیر گفتگو اور دوبدو بحث سے اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے' محض کسی ذاتی دشمنی یا مسدود ثابت ہی نہیں کھلا تھا بلکہ وہ کوئی پیشہ ور بلیک میلر ہے۔

"ہاں ایک حل ہے۔ آپ کی بھی جان بچ جائے گی اور ہمیں بھی آسرا ہو جائے گا۔ اگر آپ ہمیں ندر رکھنے کے عوض ہمیں پندرہ لاکھ عنایت کر دیں تو۔۔۔ دیکھیے جناب' آخر ہمیں کوئی دوسرا شغل۔۔۔ کوئی دوسری تفریح تلاش کرنے کا بہانہ تو چاہیے۔"

"بتائیے۔۔۔ مطلب؟" اس نے مختصر ترین الفاظ میں مدعا سننا چاہا۔

"پانچ لاکھ۔"

"کب؟"

"جناب! ابھی۔ اسی وقت ورنہ ہمارے رکنے کا کرایہ ضائع جائے گا۔ لیجیے ہم حویلی پہنچ گئے۔۔۔ خدایا اس قدر صفائی؟ کیا یہ سب ہمیں پوچھوں کا بورے اسی روپے اٹھوا لیے اس رکنے والے نے۔ خیر اس کا ہم ایک حساب نہیں کریں گے۔ ایسے خوردال بھی نہیں۔۔۔ یہ ہم چلتی قدمی کرتے دائیں جانب نکل رہے ہیں۔ لطفی گل مل کہا کے اس بیٹھ نے سے بارک کی جانب آنکھتی ہے۔ بری ہو رہا ہے مگر کیا کیا جائے۔ ہمیں بیٹھے آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔ ذرا جلدی آئیے' اس منٹ سے ایک بھی منٹ اوپر ہوا تو ہم خود تھا ہیں گے۔"

"بتی الٰہی نہیں۔"

"غضب مت کیجیے۔۔۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ غضب تو آپ پہ ہو جائے گا۔" اس نے اچانک چیخ کر اور کھدبڑ لہجہ۔ اب وہ کھلی اور واضح طور پہ دھمکی دے رہا تھا۔

شہزاد کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس وقت کل سے دور ہونے کے ارے زیادہ اسے لوگوں میں تماشا بن جانے کی خیالی سے زیادہ خوف محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے اسے شرما کی محفل میں رسوا کیے جانے کی دھمکی دی جا رہی ہو۔

"کل تک انتظام ہو جائے گا تب تک۔۔۔"

"نہیں تب تک نہ انتظار۔۔۔ نہ صبر۔ ہاں تب تک کے لیے ایڈوانس ضرور لے سکتے ہیں ہم۔ بھئی کاروباری

فتنے ہیں آپ خالی ذیب تو کھر سے نہ نکلتے ہوں گے۔ آپ آئیے تو سہی ہمارے نصیب کا ہو ہے ہمیں مل ہی جائے گا۔"

شہزادے کے پاس اس وقت تھیلا بھر بڑا کیش موجود تھا۔ اس نے آئی بلا ٹالنے کی غرض سے فی الحال اتنی ہی رقم ہیڈ صفدر کے حوالے کر دینا مناسب سمجھا۔

"آپ کیپ کو تاوار کر دو۔ ہمارا یہی صرف دس منٹ کے لیے اجازت طلب کر سکتا ہوں۔"

نواب نے بے حد مودبانہ انداز میں صاحبزادہ قیصر علی کو مخاطب کر کے کہا۔ گویا اس نے اپنی پیشانی چھپانے کی جو حکمت عملی اپنائی تھی، یہ بھی اچھی خوب صاحب کی جہاں دیدہ نظروں سے چھپ نہ سکا۔ وہ اس موقع پاس وقت اس کے جانے کی اجازت طلب کرنے پہ حیران ہو کے گمراہ کی صورت کچھ کے کوئی سوال نہ کیا۔

"ہم آپ کمرے سے تھے کہ تو یہ سوچنے میں بہت سے رفقا کی صحبت میسر ہوئی اور ہم ان میں سے نہیں جو عزیزوں کو فراموش کر دیں۔ ہم ہر قدر کے دوست ہوں گا رخ نہیں کرتے دیا ہے ایک انسر تک امرے ملکوں کا ایک ایک فرد آج بھی اپنے تمام تر خلوص کے ساتھ ہمیں یاد ہے۔"

نکتے نکتے شہزادے سے جزبات نہیں ملی خان کی بات سن سنا باہر کی جانب بڑھتے اس کے قدم خود بخود اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس کا دل کسی ہونے کا پتا دے خوف نے جنگلا کھود سوی جانب قوانین دیتا ہوا بھاگ گیا تھا۔

"آج آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے تو خود خود وہ سادہ سے ریا چہرے ذہن میں جگمگانے سے لگے ہیں۔ آپ تو اب بھی ہیں سکونت پذیر ہیں۔ واقف ہوں گے کہ ان میں سے کون اب کہاں ہے، کس حال میں ہے۔ ہمارے ہدایت اللہ تھے جن کی خود سے ہوتی تھی حضور کا بھیجا تا کر ہو گیا تھا۔ وہ لاولد تھے، پتہ نہیں اب ان کا گھر بار بھی ہے یا نہیں۔ اور امام مسجد نور دین اعظم کا خزانہ تھے واللہ حرمت المبارک کا نظیر تھا۔ ایسا بصیرت افروز دیتے تھے کہ ہم بطور خاص جمعۃ المبارک کی نماز ادا کرنے الاہور سے آیا کرتے تھے۔ چودھری فضل بخش یاروں کے یار تھے۔ بہت خاندانی اور صاف کے عالی ہے۔ تھوڑی کی مالیوں والی بخشے نے ہماری بچی حضور کی بہت خدمت کی تھی اللہ انہیں اس کا اجر دے گا اور وہ میرا بھی اللہ دنیا اور ان میں کی بار خیر گیری کے لیے۔"

اچانک جیسے ان کے ذہن میں کچھ کا ہوئے وہ جھجکتے اٹھے ذہن میں آئے اس خیال کو انہوں نے بے یقینی سے نکالنا چاہا مگر ایسا نہ کر سکے۔

بس آتش بدی آواز ہو ہوا اس وقت کے اللہ دتا کی تصویر تھا۔

نواب صاحب نے آنکھیں کھولنے کے ساتھ ہی کلمہ میرا اللہ دتا کے ہمیں کے پلو دل لینے والا کرم الوہاب ان کی چالاکی، خدمت گزاری اور کھوج لینے والے انداز پہ بے انتہا کھر ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"ہو دتا۔ اکرم علی ہے نہ کیا تھا۔"

انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی اس کی جانب کی تھی اور وہ لرزتے قدموں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

● ● ●

"تم ہو کون؟"

شہزادے نے ہمیں کیٹر کر پھنکارتے لہجے میں پوچھا۔

"ہم کون ہیں، یہ بتانا آپ کے لیے زیادہ اہم نہیں۔ بس یہ دھیان رکھیے کہ "آپ" کون ہیں، یہ ہمارے علاوہ اور کسی کو خبر نہ ہو سنا جائے۔" وہ اپنی اتنی ذہنیت مسکراہٹ کے ساتھ اس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔ اس کا بے پناہ اعتماد شہزادے کو بلا دیا کرا رہا تھا کہ وہ ہو کھلی بھی ہے، صرف زبانی ڈراوے نہیں دے رہا بلکہ سچ مچ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

درمیانی قامت اور کھلے ہوئے جسم کا مالک یہ صاف رنگت اور کھڑے مقابلی نقوش والا شخص تیسرے عشرے کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ عمر کے چوتھے عشرے کے آغاز میں تھا۔ اس کا انداز مشکل لگتا تھا۔ ہلکے بھورے بال

شاید کچھ ہی تراشے گئے تھے اور شیو بھی نہ کیا ہوا تھا۔ تربیت سے استری کی ہوئی کاٹن کی کھلی سلیٹی رنگ کی کرتے شلوار میں ہیڈ کے آنے کے بعد بھی خوب نہیں ہوئی تھی۔ سفید اور سلیٹی جاری ماکان کی شرٹ کے کالر کف اور رنگ کا علم پہنا ہوا تھا کہ یہ شرٹ کثرت استعمال کی وجہ سے ساری خوبصورتی کھو چکی ہے مگر صاف ستھری اور بے داغ ہونے کے ساتھ ساتھ کلف اور رنگ کی کئی استریاں لگی ہوئی تھیں۔ بات چیت اور لباس اور ٹپ ٹاپ کے بارے میں کتنا محتاط اور نفاست پسند ہے اس کی آنکھوں میں سلگتا ہوا اکثر بہت خوبصورت ہاتھ والے لب کثرت مسکراہٹ نوشی کے باعث یا پڑ رہے تھے مگر ان کی مسکراہٹ کی تابش ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔ لب و لہجہ انتہائی دل آشنا فضا زبان لحاظ اور سنجیدہ آپ خود اعلوا اور ظاہر ہے وہ کسی بھی طرح کوئی چھٹا ہوا بدمعاش یا بدمعاش نہیں لگ رہا تھا کہ شہزادے اس سے خوف زدہ ہوتا۔

مگر وہ ہو گیا۔

کیونکہ یا بدمعاش مغل کے چہرے پہ تھی اور آنکھیں وہ واحد چیز تھیں جن سے اس کا اندر چھلک رہا تھا۔ ان میں وہ عیار اور کسی جھلک سفاک آنکھوں میں اپنا شکار دیکھ کے جو چمک پیدا ہوتی تھی وہ شہزادے کو بھی کسی قدر کار سے لگی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بے شک وہ پیشہ ور مجرم یا قوی قاتل نہیں مگر وہ پوچھ کر رہا ہے تو اس کا معاملہ بہت فرق کیا تھا اس پہ عمل کرنے میں ایک منٹ کی دیر بھی نہ لگائے گا۔ اس کا ہاتھ اپنے بٹن کی جانب گیا ہزار اور پچیس سو کے نوٹ اس نے نکالے۔ خاموشی سے اس کے آگے کر دیے۔

سگریٹ کا کش لگاتے یا بدمعاش پیشانی کا بوجھ سے بل نمودار ہوئے۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کے بیٹھ کی جیب میں محفوظ کیا اور ہاتھ اٹھا کے اس کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ کیا ہے حضت؟" (حضرت)

"جی فکل انتاکی ہے۔"

"اتنے ملکے تو آپ نہیں جتنا خود کو ثابت کر رہے ہیں۔ بھئی مگر ہی اسامی ہے اس لحاظ سے تو جیب بھاری ہے۔ لاکھ روپے لاکھ کر جانے چاہئیں۔"

"آج کل ہوں لاکھ روپے لاکھ جیب میں ڈال کے پھرتے ہیں۔" شہزادے نے سلگ کے کہا۔

"چلیں چلیں تو آپ ہے نہ ان جیب میں سیاہ فام ڈاکٹر ہیں کا بار بھی گران کر رہے ہیں؟"

"یہ بار تیس ہزار ہیں تم کو خوفزدہ کے نہیں بلکہ تم ترس کھائے رہے رہا ہوں۔ اسی کو غنیمت سمجھو۔ سال آؤ تھا ایک جیک پیکر کی حوالی کر کے اس کے سمرے صورت آرائے مگر تمہیں دیکھ کے لگا کوئی سفید پوش غریب صورت مند مجبوری کے ماتھوں اس حد تک آ پہنچا ہے۔ شکل و صورت سے تو خاندانی لگتے ہو اس لیے ترس آ گیا۔"

"شکل و صورت کا کیا ہے حضور! اس پہ مت جائیے۔ شکل و صورت سے تو آپ بھی خاندانی ہیں۔" وہ جلانے والے انداز میں مسکرایا اور واقعی شہزادے ملک کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"دار ترس کھائے؟ سوال تو شوق سے کھائیے۔ مگر ہم سے امید مت رکھیے کہ اس قسم کی بھلائی کا روا کی۔ ہمیں ترس نہیں آتا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو تم مجھ سے شہزادہ ملک سے پانچ لاکھ روپے نکلوا سکتے ہو؟"

"بے شک۔" اس نے بے تکلفی قبول کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔ یہ چند ہزار میں تمہارے منہ پہ مار رہا تھا۔ اچھا ہوتا تم اسے ہی چوم چاٹ کے قبول کر لیتے۔" شہزادے نے زہر اگلی رکھی۔

"اب تمہیں مجھ سے بھلی کوئی بھی نہیں مل سکتی۔" اس نے چلنے کے لیے قدم اٹھانے کے ہی تھے کہ وہ اچھل کے سامنے آ گیا۔

"ہاتھ تیا شکار ہم نے کبھی چھوڑا نہیں ہے اور آپ کو بھی یہی مشورہ دیں گے۔"

"کیسا مشورہ؟"

"یہی کہ اتنا اچھا موقع یوں ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بڑے میاں کی عقل اس وقت خبط ہوئی لگتی ہے اور صاحبزادی کے حواس تو آپ کے عشق نے گم کیے ہوئے ہیں۔ داؤ چل گیا تو نسل سنور جائے گی آپ کی ورنہ وہی بوم ابرالی بھاند اس نے قہقہہ لگایا۔ شہزادی دم گویا اس کے بیرے آئی۔ بولیا اخوا۔

"بکواس مت کرو۔"

"عرض کیا جناب عالی عرض کیا تھا ہم نے۔" اس نے انگلی دکھاتے ہوئے تنبیہ کی۔

"ارے اخفاء کچھ بھول کے استقبال کیجئے ہم ہر جلدی مان جاتے ہیں ہاں تو پھر کہئے۔ کہتے ہیں ابھی کے ابھی ایک بھی جیک ہم حاضر ہیں نواب صاحب سے کہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے تم جا کے نواب صاحب سے کوئی بھی انسٹ شنیب بات کرو گے اور وہ یقین کر لیں گے؟ میری ایک سالہ سے سوسائٹی میں اور تم۔ تم کیا ہو؟ ایک راہ چلتے آوارہ گیرے۔ تو سراتے دو بھلا کیوں تمہاری بات کا اعتبار کرنے لگے۔"

"اس لیے کہ فی الحال ہم آپ کے مقابلے میں تو صفر بلا حیثیت ہی رکھتے ہیں۔ لہٰذا حیثیت جتنے پانے کے لیے آپ ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

شہزادی نے جھنجلا کر اور مشتعل کر دینے والی بات کا رد عمل تھا کہ اس جیسا ٹھنڈا رو کے چالیس چلنے والا شخص بھی بلبلا اٹھے۔ بات ٹالتا ہوئی فی الحال ظاہر کر اس کے مفاد میں نہ تھا۔

"کیا مطلب؟" شہزادی کو کھٹک پیدا ہوئی۔ ویسے بھی اس انجمن دشمن کا سر صبح لب و لہجہ بہت پہلے ہی وہ ہر جیسا کر رہا تھا کہ وہ نہ ہو ہی اس شخص کا تعلق نواب صاحب کے مخالفین یا ملنے والوں میں سے ہو گا۔ مگر جو انکشاف پاہر کرنے جا رہا تھا اس کا تو اسے گمان بھی نہ گزرا تھا۔

"مطلب یہ کہ ہم اصل کہ ہم، یا ہر جو یوں۔ نقل دلہ نایاب شمشیر مغل صاحبزادہ نصیر علی خان کے داماد ہیں، بیٹے اور فی الحال اکلوتے داماد۔"

"کیا؟" شہزادہ ملک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ہاں اور اس میں اس قدر حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ آپ کو دیکھ کے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب صاحب کی تقدیر والا دل کے سامنے میں ذرا خراب ہی ہے۔" دل ہی دل میں اس راز کے کھل از وقت افشا ہو جانے پہ کچھ پریشان ضرور ہوا تھا مگر خاہر نہ کیا۔

شہزادہ ملک تھوڑی ہی دیر تک کچھ بول نہ سکا دراصل اب اسے یہ فیصلہ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ اسے اس شخص کے ساتھ کس طرح کا رویہ رکھنا چاہیے۔ اس کا جس گھرانے سے رشتہ تھا اسی گھرانے سے وہ خود بھی وہی رشتہ قائم کرنے جا رہا تھا۔ دوسری طرف ان کا ہونا سامنے ایسے حالات میں ہوا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے میں حق بجانب تھا لیکن اب اسے خاصا محتاط کے ساتھ محتاط ہو کر بات کرنے کی ضرورت تھی۔

"میرا یقین کرو، ابھی اس وقت میرے پاس جیک بک نہیں ہے۔"

"اگر ہی نہ ہوتی ہوتے تو ہم خالی خولی زبان کا بھی اعتبار کر لیتے۔" بارے۔ خالی سے ایک اور پر کہ لگا اسے صبر کے ساتھ پی جانا شہزادی کی مجبوری تھی۔

"شہزادے معاملات میں رسک تو لینا ہی پڑتا ہے مگر یہ بار ہے۔ آج اگر کوئی حوصلہ کن فیصلہ ہو بھی جائے تو زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا معاملہ پورا کرنے میں ذرا بھی آنا کانی دکھائی دی ہم جیسی نکاح کے وقت بھی تمہارے سر پہ آسمان گرا سکتے ہیں یاد رہے۔"

☆ ☆ ☆

جو کچھ ہوا تھا اس کے اسم گمان سے بہت آگے کی چیز تھی۔

اور اب حواس نے دیکھا تھا اس کی قوت برداشت سے باہر کی بات تھی۔

اول تو تین اس موقع پہ ایک اجنبی کا فون کر کے اسے بلیک میل کرنا ہی ایک ناگوار اور غیر متوقع امر تھا مزید یہ کہ وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ اس کے ہونے والے سسرال کا ہی ایک اہم فرد تھا۔ ابھی وہ اس جھٹکے سے سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ واپسی پر نواب صاحب کی حویلی پہنچنے پہ ایک اور حشر اس کے منتظر تھے سے نشان چھینے لینے کے لیے کافی ثابت ہوا۔

لکڑی کا بڑا سا پھاٹک نما گیٹ کھلا ہوا تھا۔ حلقہ شام کی تاریکی شعاعیں اس پہ گزری بوسے کی محفل بہ عجیب بارعب طریقے سے منعکس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی گاڑی اس حلقے گیٹ سے اندر لے جانے کو تھا جب دالان کی بال اپنوں والی چوڑی سیڑھیوں پہ اس نے اپنے باپ کو ایک دم گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پایا کہ کرم الٰہی کو ٹھوکر لگی تھی یا چکر آیا تھا۔ کوئی بارہ چہ تھی اس کے اس طرح اچانک گرنے کی۔

وہ گاڑی کو بنا بند کیے اسٹارٹ ہی چھوڑ کے باہر نکلا اور تیزی کی طرح اس نے دونوں جانب بنے سرسبز قطعات کے درمیان سرخ اینٹوں کی بنی سات فٹ چوڑی اور اتنا ہی فٹ لمبی سڑک عبور کی۔

"ابا جی۔" اس نے باپ کی بغل سے سیڑھیوں پہ اوندھے منہ گرے کرم الٰہی کو اوندھا کر کے اٹھانے کی کوشش کی۔

"ابا جی۔ کیا ہوا ابا جی کو؟" اس کا فکر مندی سے باپ کو ٹٹولنا رہا تھا کہ کسی طرح سے کوئی چوٹ نہ آئی ہو۔

"بتائیں کیوں نہیں اماں اور آپ لوگ باہر نہیں آئے ابھی تک ابھی۔" اس کے ساتھ ہی اسے صرف سماعت کی خاموشی کا احساس ہوا بلکہ اس بات کا بھی کہ وہ حیثیتوں اس وقت یہاں کیسے تھے۔ اور جس گھر کے وہ مہمان تھے اس گھر کا کوئی مکین اس وقت کہاں تھا۔ کیا اب میزبانی نبھانے کا ان کے ذمہ نہ تھا۔ کسی بدترین اجنبی کا اندیشہ کالے ناگ کی طرح سے سر اٹھاتا ہوا چھو کے گزر گیا۔ پھر جھرجھری لے کے سیدھا ہوا۔

"اماں؟" اس نے ضبط کر کے آواز سے ایک لفظ میں استفسار کیا۔

"تائیں کیسے بتوں گی تمہارے ابا کو۔ ایک لفظ میں تو چل گیا۔" بھتیجہ بھی تو اس میں اس نے بتایا۔

اور شہزادہ ملک نے زندگی میں پہلی بار ماں کی اتنی آہستہ آواز سنی تھی۔

"ابھی شہزادے کو بتانے دینے کی کسر رہ گئی تھی۔ بڑا بڑا بول کیا اس نواب نے تجھے بیچ کے۔ اور تجھ شکلوں والے کیوں سمجھتے ہیں کہ ہمیں کی عزت زیادہ ہو جائے عزتی کرنے کا حق بھی زیادہ ان کا ہی ہوا ہے۔ اور بندہ چار کے زیادہ عزت نہیں کیا جاتا۔ ان کی بے عزتی کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے شہزادے ابھی بھی فرق پڑتا ہے بے عزتی سے۔ ذرا حاضر تجھ اپنے بیٹے کی۔ بیٹے کی طرح سنبھل ہو رہا ہے۔ لے چل اسے اس عزت والی حویلی سے دور۔"

اور وہ ایک دے رہی تھی۔

"شہزادے تو سنتا کیوں نہیں۔ ابا باپ کے مرنے کا انتظار کر رہا ہے۔"

اسے پتھر کی طرح سیڑھیوں پہ وہ ناتوانی حالت میں دیکھ کے بانو نے اسے گریبان سے پکڑ کے جھٹکے دیے۔ وہ ہوش میں آ گیا۔ تھپڑ بازوؤں میں سے اپنے بیٹے باپ پہ بڑی تو پگلوں میں جان پیدا ہو گئی۔

اس نے اپنے بازوؤں میں باپ کے وجود کو اٹھایا اور وہاں سے چل پڑا۔

☆ ☆ ☆

"اوقات سے باہر ہونا اور نمک حرامی کرنا اس ذات کی خاصیت ہے۔ اپنی بے عزتی خود کروانے کے اسباب پیدا کرنا اس کے خون میں شامل ہے۔ اس بیج خون میں اس نسل سے اور توقع بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔"

صاحبزادہ نصیر علی خان اپنے دل کی بھڑاس نکالتے نہ تھک رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے

سامنے لڑکے کا پتھر دھرا پیلے چہرے اور بندھے ہاتھوں والے اس شخص کے پرخچے اڑانے کے رکھ دیں جس کی اصلیت ابھی ابھی ان کے سامنے کھلی تھی۔

"ممانی صاحبہ۔۔۔ کہہ میں۔۔۔" کرم الٰہی نے باہر چوڑے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ بڑھاپے اور بیماری نے اس کی برداشت چاٹ کر رکھ دی تھی۔ وہ واقعی اپنے سامنے کھڑے فرد سے جیسے اس نواب کو پہچان نہ سکا تو محض۔ شاید وہ کوئی بار اپنے سگے چاچے کے کانوں تک پہنچانا چاہتا تھا۔ تو یہ موقعہ کا مرالی اللہ دتہ ہی تھا چاچا اور اتفاق کی بات تھی کہ کرما اپنے چاچا سے صورت میں مشابہ بھی تھا۔ شاید نواب صاحب کی برداشت میں وہ بھولا بسرا چہرہ آ نہ جاتا۔ ہوا کر اس کے نین نقش دیکھ کر کرم الٰہی جیسے ہوتے۔ اس عمر میں آ کے تو واقعہ نہ کا وہ سراپا دیکھ لگتا تھا۔ ویسا ہی نکا سا دھڑ ویسا ہی سیاہی مائل چہرہ جیسا چہرہ جیسا اس کی ملکیت کے ذہن میں آتے ہی اچانک نواب صاحب کے قاتل رشتے حافظے میں ہویدا بھی ہو جاتا ہوئی کہ اس میراثی کا ایک بھتیجا کرم الٰہی ہم کو بھی تھا جس سے وہ خود بھی تھے چار بار سرسری طور پر مل چکے تھے۔ میراثی اللہ دتا کو یہ افسوس تھا کہ اس کے بھتیجے نے خاندان ذات برادری چھوڑ کے ایک درسی ذات سے جنگلوں کی نوکری بجا لانے والی سے شادی کر لی ہے۔ تب ساجد زادہ تھیں علی خان نے بڑی حیرت سے پوچھا تھا۔

"کیا تمہارے ہاں بھی خاندان سب کو اولاد سے دی جاتی ہے اللہ دتا؟" تب اللہ دتا سب نسب وہ نہیں خود ہی ذات بھی تھی۔ بھلا اس کے اپنے خاندان کی کیا حیثیت ہے اس معاشرے میں جو وہ کسی دوسرے کی ذات پہ چار حرف رکھ دیا ہے۔

"کیا کہیں نہیں نواب صاحب۔" اللہ دتا نے ان کے سرخ و سفید رعشے والے صاف ستھرے پیراہن کو میں رکھ کے جواب دیا۔

"ہم جیسی ذلیل میراثی ذات کی کوئی ذات نہیں گاؤں کے نمبردار کے ہاں کبھی کبھی کام کاج کے چند دن گزارنے والے خانہ بدوش۔ نہ کوئی نام و نشان نہ حسب نسب اور تو اور کلمہ بھی کوئی نہیں ان کا نام کم ذات سی اللہ دتا رسول کا نہ خانے کو ہمیں ہماری بھی کوئی عزت ہے۔"

اور اس کے اتنے زخم سے کہنے پر نواب صاحب کے خاندان صاحبزادے نہیں علی خان اپنی مسکراہٹ اس سے چھپا گئے تھے کہ یہ بہت غلط تھا۔ تب صرف اس کا دل رکھنے کی خاطر ہی "بے شک" جیسا مختصر سا لفظ بولا تھا کہ بھی ان کے لیے وہ عمر ہوا تھا۔ انہیں قرائنہ دائی خوش گمانیاں پہ ہی تسلی تھی اس کی دل آزاری نہ ہو اس لیے چپ رہے ورنہ پوچھنا چاہتے تھے۔

"میں جب بھرے صحن میں اپنے ہی باپ دادا کے ہاتھ پہ چڑیے کی خوشی مارے کے اس کے خاندان کے لوگوں پھبتیوں کی مٹی پلید کرنے والی جگتیں کہتے ہوئے بالکل ادا کر کے پھنکارتے کے دادا دادیوں کو دعوات تفریح سیلا کرتے ہو تب تمہاری عزت ماں دل ہوتی ہے۔"

لیکن کہا نہیں۔ صرف یہ سوچ کر کہ اگر وہ اس گمان میں ہے کہ اس خوشی میں بھی خود کو تو پہ سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے اتنا رکھ لیتا ہے۔

تب وہ میراثی اللہ دتا کی اس خوشی نہیں پہ بلیں کے چپ ہو گئے تھے مگر اس کے خاندان کے ایک اور فرد کی جسارت ان کے نزدیک ناقابل معافی تھی۔ اللہ دتہ تو صرف اپنی حیثیت میں تھی راضی ہو گیا تھا لیکن یہ اپنے مقام اور ذات سے بہت آگے کی چیز پہ ہاتھ رکھنے کا گناہ کر رہوں کا تھا۔ کیسے آسانی سے اسے عشر دیتے۔

"تمہارے باپ دادا ہماری جوتیاں سیدھی کرتے مرگئے اور تم۔ تمہاری اتنی جرات کہ ہمارے خاندان کی بیٹیوں پہ نظر رکھو گھر کے قابل بن کے ملک کا پیسہ تو بھی لگ رہے جاتا ہو کھلنے والی ہے کہ اس ہی کیوں نہ کر دے مگر غلاظت سے نفرت کوئی پسند نہیں کرتا اور تم سرے سے ہی غلاظت ہو۔ اس معاشرے کے تھوکے ہوئے روندے ہوئے سب سے ذلیل شخص۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی اپنے گندے خون والے بیٹے کے لیے ہماری

صاحبزادی کی خواہش کرنے کی۔" وہ گرج رہے تھے۔

ایسا تو نہ تھا کہ کرم الٰہی نے زندگی میں کبھی کسی کی ذلت محسوس نہ کی تھی۔ عزت کروانے والے دن تو زندگی کے دس بیس کے چند سال تھے جب شہرت کا عروج تھا اور آنکھ کھولنے سے ہوش سنبھالنے تک اور پھر بارہ برس سے زوال تک جانے جانے زمانے کی ہر نظر کو کرائی تھی۔ وہ واقعی نواب صاحب درست کہہ رہے تھے کہ اس کے خون میں یہی حیثیت تھی اس لیے تو ابتدا عزتوں سے وہ تکلیفیں تھیں۔ اطمینان شہنیوں کا عادی ہو گیا تھا۔ بے عزتی جانا اس کی تھی میں تھا۔ یہی تو ان کا خاندانی وصف تھا۔ ہر دار کرتے تھے۔ غیرت و خودداری سے جھنا جانا کا ایسا تعلق واسطہ۔ عزت کرے گا تو آنکھ کے کہاں سے خود کو سر پہ اس کے سامنے تحقیر ثابت کرے گی تو وہ وقت کی روٹی کھاتے رہے ہیں اس کے دادا دیا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اس وقت نواب صاحب کی باتیں اس کے دل میں تیزی کی اتنی کی طرح چبھتی جاری تھیں۔ شاید وہ اس لیے کہ اسے یہ اپنی نہیں شہزادی کے بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے اس بیٹے کی جس نے اپنے خون کا اثر ذرا بھی نہ لیا تھا۔ اپنی ذات سے ذرا سا بھی چھینا آثار کے وہ بے ہیں ہو چلا کر رہا تھا۔ اور اس وقت وہ خود کو نہیں اپنے بیٹے شہزادہ کو نواب صاحب کے سامنے رکھ کے محسوس کر رہا تھا۔ ان کی باتیں اپنے دل سے نہیں اس کے دل سے برداشت کر رہا تھا۔ فقط دل کا تو یہی حال ہوتا تھا۔

کوئی ذلت جانا تھا کہ وہ کھڑے ہو جاتے۔ سب سے پہلے حواس باختہ ملتجی نظروں سے پوچھتا۔

"کرم۔۔۔ کرم۔۔۔"

اس کے ہاتھ پیر بے حال تھے۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے تو وہ اسپتال سے گھر لائی تھی۔ اس نے دلاسا کروایا۔ نواب صاحب نے ناگواری سے اس عورت کی آوازوں سے ساجزادی خلعت الفاظ اور ساجزادی عورت النساء پہلے ہی صدر محل جانب کر مہمان خانے سے نکلی تھیں اور مرکزی برآمدے کے تخت پہ گاؤ تکیے کے طولانی کے انداز لیٹ گئی تھیں۔ نواب صاحب کا کمرہ بہت پوری حویلی میں سناٹے دے رہا تھا۔ مہتابیاں میں کھلی جو رہی تھی جب یہ طوفان انجانب سے دہاڑتا لگا اس ہی تھا۔ سماعت کمزوری تھی۔ کل مراتب کرنے کی بلیز ہی سماعت کمزوری تھی۔ دیکھو مہمان خانے کے دروازے سے یوں لگا کر اتنا کہ مارا دو تو باہر تا صرف سر اندر لگا کے جاتے لے رہا تھا صرف عصمت تھا بار بار اپنے چچا حضور کو چپ کرانے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ بلوں چیخ پکار اس سے کرنے کی جانب کہا۔

"چچا حضور۔ خدا کا واسطہ ہے۔ میں کہتے ہیں آپ کی صحت کے لیے اچھا نہیں۔"

"اب تو کچھ بھی اچھا نہیں ساجزادہ عصمت میاں۔" وہ بھرائے۔

"ہماری بے عزتی ہو گئی ہے۔ کل تک جو ہمارے دروازے دروازے اخبار لے کر ہمارے صولے آتے تھے آج رشتہ ہونے چلے آئے۔ ہمیں ہماری ہی نظروں میں کم حیثیت کر کے رکھ دیا ہے اس بیچ اللہ نے کاش اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک خون معاف کیا ہوتا تو ہم اپنے ہاتھ تلک کر لیتے مگر اسے اس جسارت کا مزا چکھا دیتے۔"

"کرم۔۔۔" تالو نے موقعت اس کے ٹوٹے شہتیر کی مانند گرتے وجود کو اپنے بازو میں تھام لیا۔ کرم الٰہی کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ چہرے پہ شدید تکلیف و اذیت کے آثار تھے اور تم سے بلیڈ پھوٹ رہا تھا۔

"میں کہتے چچا حضور۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ خدا نخواستہ کچھ ہو گیا تو۔"

"نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارے ہاتھ سے زندہ بچ جا رہا ہے تو پھر اسے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ نہیں جانتے ساجزادہ! یہ بہت حیثیت اور بے شرم قوم ہے۔"

"کیسے۔" وہ ایک بار پھر ان کی توجہ ذہنی حالت کی جانب منتقل کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے وہ بولنا شروع ہو گئے۔

"اب تم جاتے ہو یا ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں جس کے تم حاری ہو اور جس کے تم مستحق ہو۔ اٹھاؤ

اس بھوت کے پلیدے آندگی کے دھبر کو بیان سے۔ خاندانی ورثے ہے۔" انہوں نے اس کی نیم بے ہوشی کو ذرا قرار واپس کی یاد دہانی سے مخاطب تھے۔

"رب بند بن صاحب رب سے ڈر۔"

باہر کی بھرائی آواز نے **عصمت** کو بے چین کر دیا۔

"آپ اندر چلیے چچا حضور۔" ان کا بازو تھام کے مہمان خانے سے باہر لے جانے لگا۔ نکلتے نکلتے اس نے پردے کی اوٹ میں چھپے ہوئے **دلگیر** کو آنکھ سے ایک اشارہ دیا۔

وہ تو پہلے ہی **عصمت** کے اشاروں سے آشنا تھا فوراً بھانپ گیا۔ اس کے نواب صاحب کو لے کر باہر جاتے ہی وہ ایک لمحے میں اندر آیا اور کمرے کو اٹھانے میں باہر کی مدد کرنے لگا۔

"تیرا ٹکھ نہ رہے نواب کے بچے۔" باہر کو کمرے کی نیم مردہ وجود کو سنبھالنے میں ہلکان ہوتے ہوئے کوسنے اور بد دعائیں دینے پر اتر آئی۔

"خاموش۔" **دلگیر** نے ہونٹوں سے رکھے ہوئے انگلی رکھ کے سات خاموش کرا دیا۔

"چپ رہو نواب صاحب کے غضب کو آواز مت دو بے وقوف عورت۔"

"بے وقوف ہوگی تیری ماں، تیری ہوتی سوتی۔" باہر نے دوبارہ اس کی استقبالی کمپر دے مارا۔ وہ بلبلا کے پرے ہٹا۔

"اوئی اللہ۔"

"تیرا نواب تو خود آواز دے رہا ہے اللہ کے غضب کو جا جا کر سمجھا۔ میرے سر کے سائیں کو کچھ ہو گیا تو میں بد دعائیں دے دے کر عرش ہلا دوں گی۔ تیرے نواب کا نام و نشان نہ رہے گا جس نام و نشان پہ آکڑتا پھر رہا ہے مرجانا۔"

"ستانی۔ یہ بد بیہ۔ جانو دی تھیبت۔"

دلگیر نے اپنے نواب صاحب کی شان میں گستاخی سخت کراس گزری اور اس نے تھما کے داخلی دروازے سے پہلے ہی کمرے کو چھوڑ دیا اور خود بھی تیزی سے واپس چلا گیا۔

اندر محل کمرے میں دیوان پہ بیٹھے صاحبزادہ نصیر علی خان کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ **عصمت** موتیا کو آواز دے کر پانی طلب کر رہا تھا لیکن اس وقت ان کے قریب آنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ **دلگیر** ایک جھٹکے کے نواب صاحب کے سب سے بڑے چاندی کے گلاس میں ان کا مرغوب مشروب تھا دل ڈال کے لے آیا۔

عصمت نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر چچا حضور کو پیش کرتے آبرا چکا کے **دلگیر** سے کچھ پوچھا۔ جواباً وہ ناگواری سے شانے جھٹکے کے اور سر ہلا کے رہ گیا۔

"مقدمہ ٹھوک دیجئے چچا حضور! جو ہوا برا ہوا مگر اب اسے بھول جانا ہی بہتر ہوگا۔ اس تکلیف دہ ذکر کو بار بار دہرانا اور بھی برا ہوگا۔"

ان کے بھرپور اصرار کے گلاس ان کے لبوں سے لگایا اور ناصحوں طریقے سے ان کے قریب سے ہٹ گیا۔ وہ گلاس تھامنے کی کوشش کرتے **دلگیر** کو تھامے تھے اور دیوان پہ نیم دراز انہیں مسند کے چہرے پہ دلیاں باندھ موڑ کے رکھ چکے تھے۔ وہ بے باس مہمان خانے کی جانب آیا اور وہاں سے باہر نکلنے والے دروازے کی جانب بڑھا۔

وہ اپنے چچا حضور کے دو منزلہ کوٹھڑی کو بھی جانتا تھا۔ یقیناً ان جیسے شخص کے لیے صور تحمل ناقابل یقین حد تک افضل انتخاب تھی اور انہیں جس قدر بھی طیش آتا وہ کہ کہتا۔ مگر دوسری جانب اسے اس بزرگ انسان سے بھی بے حد دلی محسوس ہو رہی تھی جس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کسی اعلیٰ نسب خاندان کا فرد نہیں تھا۔ اس بزرگی میں اس نے جو چنگ سہی تھی وہ **عصمت** جیسے حساس انسان کا دل دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ اگر چچا حضور کے مزید برافروختہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو شاید وہ اسی وقت آگے بڑھ کے اس کے بے ہوش ہوتے وجود کو سہارا

دے دیتا کہ انسانیت کا تقاضا یہی تھا مگر اس نے دانستہ خود کو اس تصور دیدہ سے باز رکھا۔ اس کا نتیجہ اور بھی برا نکل سکتا تھا۔ وہ بھی تھا انسانی ہمدردی اپنی جگہ مگر خاندانی عزت اور خون کی کشش اپنی جگہ۔ صاحبزادہ نصیر علی خان سے اس کا رشتہ اس بات کا متقاضی تھا کہ بدلی الحال وہاں کی خوشنودی کا خیال کرے۔

موڑ مڑتے ہی وہ اس شخص کی وہ کرنے کی نیت سے نکلا مگر نکڑی کے گیٹ سے شہزاد ملک کی گاڑی اندر آتے دیکھ کے رک گیا۔

اسے باپ کی جانب متوش انداز میں بڑھتے دیکھ کے وہ چپ چاپ واپس پلٹ گیا اور جانے سے پہلے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا۔

☆ ☆ ☆

پان کھائے سیاں ہمارو
ململ کے کرتے پہ چھینٹ لال لال

وہ گنگناتا، سیٹی بجاتا اندر داخل ہوا۔ اپنی تواس کا بالکل بھی ارادہ نہ تھا کہ سمین کے کہنے پہ یہاں حاضری لگوانے آتا اور وہ بھی کسی کے کے سلسلے میں جس سے دور سے ہی خار کھاتا تھا اور پھر اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ سمین نے اس کی آزاد زمین سرکار میں سے ہوا اپنے بھائی کو آنکھ کے اشارے سے کہیں اور لے کے ہاتھوں اس سے باز پرس نہ کرنے لگے۔ **عصمت** کی تاخیر نہ کیا۔ اس کے لئے دو کس کھیت کی مولی تھا اور تھا تو یہ کہ نواب صاحب کو بھنک نہ پڑ جائے وہ ان سے دبتا تھا۔

لیکن اس وقت وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں یہاں آیا تھا تو مقصد صرف صور تحمل کا جائزہ لینا تھا۔ وہ اپنے وضع دار اور رعب داب والے حسر کے چہرے پہ اطمینان اور خوشی کے وہ تاثرات دیکھنا چاہتا تھا جو اب کچھ ہی دن کے مہمان تھے۔

ململ کے کرتے پہ چھینٹ لال لال۔"

اس نے اپنی بھاری جیب سلائی۔ اور بھومتا جھومتا کار چوبی کا دروازہ دھکیل کر گول کمرے میں داخل ہوا۔ پہلا قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹھک کے رک گیا تھا۔ اندر کا ماحول غیر معمولی حد تک سنگین محسوس ہوا۔

صاحبزادی حرمت النساء کا خوبصورت ملول چہرہ۔

صاحبزادی ضیاء النساء کی سرخ آنکھوں نے بھیگے گوشے اور تختی سے بھینچے لب۔

موتیا کا اترا چہرہ۔

عصمت کا متردد اور متفکر انداز فرش پہ سر نیہوڑائے خادمہ معمول خاموش بیٹھا **دلگیر**۔

اور۔

سب سے بڑھ کے صاحبزادہ نصیر علی خان کے تیور۔

اچانک ہر کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ہم سے چوک ہو گئی۔" ایک تو وہ سالا ڈرم کا بچہ "ٹوٹلا" گیا اور ہم چاہتے ہوئے بھی یہ بات اگل نہیں سکے کہ ہمارا اس گھر کے کیا رشتہ ہے۔ ہمیں یہ دو ٹوٹل یہاں سارا کچا چٹھا کھول دینا چاہیے تھا۔ کوئی اپنے بیٹے بھی خود کلاشنکوف مارتا ہے کیا؟ کر سکھائے ہوئے شخص سے جو توقع بھی کی جائے وہ کم ہے۔ ہو سکتا ہے فوجی ہو کر اس نے سوچا اب یہاں وال کلنے والی نہیں اور اگر میرا نام نہیں بتاتا تو اس کا بھی بتا دیا جائے۔ اب یہ ہو سکتا ہے۔"

قریب تھا کہ وہ چٹکی سے ٹھک بجا کر **دلگیر** نے اسے دیکھ کر گویا خوشدلی کیا۔

"ہاں سیاں تشریف لائے ہیں۔"

اپنے اپنے دھیان میں گم سب افراد نے چونک کے سامنے دیکھا اور باہر نہ جاتے ہوئے بھی اٹھ ہوا قدم دوبارہ زمین پہ رکھ لیا اور اندر داخل ہو گیا۔ طے تھا کہ وہ رکنے کی بجائے سکڑ کر جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سکڑنے

کی کوشش میں وہ اس وقت اوّل درجے کا بوتل گھر رہا ہوگا۔ اس نے ذرا سے ڈرتے ڈرتے ایک بار پھر سب کے چہروں کے تاثرات کا زیر لب جائزہ لینا شروع کیا۔

موتیا نے بیٹھے بیٹھے کے سر آنچل درست کیا اور

عصمت نے تھیٹر "ابو" کے سلام پیش کیا تھا۔

صاحبزادی **عظمت** النساء نے اس کے سلام کے جواب میں ہاتھ آگے بڑھا کے وہ ادی۔

جبکہ صاحبزادی **عظمت** النساء نے ہی کو ترجیح دی کہ وہ یا سمین کو ہاں کی کیسے مطلع کرے۔

اور تو اور صاحبزادہ نسیم علی خان بھی اپنے تناؤ سے بھرپور چہرے پہ ایک تھکی تھکی سی غیر مقدمی مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو گئے

"آیئے میاں۔"

اس کا وصلہ بڑھا۔ فضول کے اندیشوں اور بے کار کے وسوسوں کو اس نے جھٹکا اور پہلا قدم بڑھا دیا۔

"داب چچا حضور مزاج تو ٹھیک؟ لگتا ہے اس وقت سے پہلے ہی آ گئے ہیں۔ بہت ہی شرمندہ ہو رہے تھے کہ آپ کے بتائے وقت پہ نہ پہنچ سکے اور ہماری اس تاخیر سے مہمانوں کے سامنے آپ کو خفت پیش کرنا پڑ رہا ہوگا لیکن معلوم تو ہا مہمان ابھی خود ہی نہیں پہنچے۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے بغور دیکھا کہ صاحبزادی **عظمت** النساء کی پلکیں اس بات پہ کچھ کو زخم ہو گئی تھیں اور نواب صاحب کے چہرے کی رنگت کچھ اور پھیکی ہو گئی تھی جبکہ موتیا چپکے سے وہاں سے نکل گئی۔

"ایا پھر ہم تو زیادہ ہی تاخیر سے آئے ہیں۔" وہ ہر طرح سے تحمل کرا اصل صورتحال سے آگاہ ہو جانا چاہتا تھا۔

"اصل بات تمہیں صاحبزادے۔" اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئے۔ یوں جیسے مزید کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ یا آل ہو رہا ہو کہ اسے اصل واقعہ کیسے بتا دیں۔ بتائیں بھی تو کس طرح بتائیں کہ کس طرح چھپائیں؟ کیسے چھپائیں۔

"ہم کی غلط موقع پہ تو نہیں آ گئے؟"

بار ہا یوں مثل تھی ایک ذہین انسان تھا۔ کوئی اور ہو تا تو یہ جان کر مصلحتاً خاموش ہو جاتا کہ ضرور اہل خانہ اس سے کوئی بات چھپا رہے ہیں لیکن وہ مسلسل کریدتا تھا۔

"ہمارا مطلب ہے کہ اگر کوئی بہت ہی نجی قسم کا معاملہ ہے تو یقیناً اس وقت ہماری موجودگی آپ پہ گراں گزر رہی ہوگی۔ ہمیں اجازت دیجئے چچا حضور ہم پھر حاضر ہو جائیں گے۔"

بڑے ناز نخرے کے ساتھ اس نے اس بات پہ اپنی بیزاری ظاہر کی کہ اس سے کچھ چھپایا جا رہا ہے۔

دلگیر کے ہمراہ جانے اور اس کے لوازمات اور ذاتی صاحبزادی حرمت النساء نے مزاج اور ادا کی یہ بات سنی تو ان کے اندر ہی پھول گئے۔

"بیٹھیے ناں بابر میاں! خدا نخواستہ ہم پہ آپ کی قدر کیوں گراں گزرنے لگی۔ آپ کو دیکھ کے تو آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ آخر آپ ہماری صاحبزادی کے سرتاج ہیں۔ آپ کا آنا ہمارے لیے عزت کا باعث ہے۔ تو آپ نے چچا حضور کی طبیعت اچانک کچھ ناساز ہوئی اس لیے سب پریشان ہو گئے۔ آپ بیٹھیے چائے نوش کیجیے۔"

وہ بے تکلف کے ساتھ بیٹھ گئے۔ چائے کی پیالی بھی تھوڑی سی تراب بھی ہضم تھا کہ کب اصل بات پہ چلے۔ تہیہ کر چکا تھا کہ اب اپنی جانب سے مزید سوالی نہ کرے گا کم از کم ان مہمانوں کے بارے میں نہیں۔ وہ تو چور کی داڑھی میں تنکا والی بات ہو گئی گویا۔

"ٹھیک ہے تو یہ چچا حضور عجیب دشمنی کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت کو اچانک سی تکلیف کے باعث ناساز ہو گئی یا بلند فشار خون کا عارضہ پھر شدت پکڑ گیا ہے؟"

"کہنے بار کیا حال ہے۔" وہ یا مشکل بولے۔ اس وقت کوئی بھی بات کسی سے بھی کرنے کو طبیعت نہ

ہو رہی تھی مگر قابل ہا رہا ہوں مثل تھا ان کا بابر۔

"اب عمر ایسی ہو گئی ہے کہ نہ موسم کی تلخی تیری جھیل پاتی ہے نہ ہی کوئی خلاف معمول بات برداشت ہو پاتی ہے۔ "وہ اپنے بھائی سے اپنا سینہ کھول رہے تھے۔ جہاں ضبط کے باعث آگ سی جل رہی تھی۔

"خدا نخواستہ۔" ہمارا مطلب یہ ایسی کیا خلاف معمول بات ہوئی جو آپ کو ناگوار گزری؟"

وہ رہ رہ کے اس کے مسکراتے کن سوئیاں لینے کے انداز پہ **عصمت** نے بدمزہ سی نظروں سے اسے دیکھا۔ یا سمین بھی آنکھ کی تھی اور اپنے شوہر نامدار کی شرح کے جواب میں اپنے چچا حضور کو تڑپتے دیکھ چکی تھی۔ **عصمت** کو اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا کہ وہ معاملہ سنبھال لے۔

"آپ تو چچا حضور کا مزاج جانتے ہیں اور ان کے اصولوں سے بھی واقف ہیں۔ کسی واقف کار کی وساطت سے کل مرکے لیے رشتہ آیا تھا اگرچہ ہم نے رد کر دیا تھا پھر بھی۔ پھر بھی یہ لوگ نجانے کیا سوچ کے جھوٹ کا پلندہ اٹھا کے چلے آئے۔ اسی بوجھ سے چچا حضور کچھ اپ سیٹ ہیں۔"

عصمت نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"تھا کون یہ تو بتاؤ۔ ہمیں تو یا سمین نے بتایا تھا کہ کوئی بہت اونچا اور مالدار گھرانہ ہے۔ مشہور شخصیت کا صاحب اولاد وغیرہ وغیرہ۔"

"دولت آ جانے سے خاندان اونچا نہیں ہو جایا کرتا پیاری۔" نواب صاحب گویا ہوئے

"بے شک بے شک۔" بھانجا فرمایا۔ "اس نے تائید کی۔ تائید سہلا۔"

یا سمین کو دریوں ذرا سے کھڑا ہوا تو ہر لمحہ یا فنا۔ اس وقت اسے اس کے وہ سارے بیان یاد آ رہے تھے جو وہ اس کی موجودگی میں چچا حضور کی شان میں دیا کرتا تھا۔

"کوئی فرد لیتے تھے اسمجھ رہے تھے سکوں کی جنگ اور جھگڑا دھاگے کے ہمیں بھاگنے لگے۔ ہماری نظر میں ہے۔ ان آنکھوں نے آج سوا چاندی دیکھ رکھا ہے کہ اب ہماری اگلی سات نسلوں کی آنکھوں میں یہ پتھر نہیں ہو سکتے وہ تاریخ بات کا بیٹ کے۔"

اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ دامد کے سامنے شاید کچھ ضرورت سے زیادہ "کھل" رہے ہیں۔ ایک دم خاموش ہونے کے بعد وہ اور کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگے۔ دونوں گفتگو کرنے والے نواب صاحب بات بنانے کے فن سے نا آشنا تھے۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے چچا حضور۔" اس نے استفسار کیا۔

"قصہ مختصر یہ کہ ان لوگوں کو واپس لوٹا دیا گیا بات ختم۔" **عصمت** نے اس کا تجسس ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

"آپ یہ سلسلہ کچھ دیکھیے اور داد دیجیے موتیا کی ضرورت کی سے ایمان سے بالکل کسی اعلیٰ درجے کی بکری کے لگ رہے ہیں۔" اس نے ذرا سے تو کے بڑھا دی۔

"یہ بکری اسی کے ہیں۔" موتیا۔ تبدیلی کے جواب دیا۔ صاحبزادہ نسیم علی خان کے تنے ہوئے چہرے پہ یہ سا تھ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ بالکل ہی بھاگنے لگے موتیا کو بغور دیکھنے لگے۔

"چلو قصہ ہی ختم ہوا اچھی بھلی ایک بلا بند ہو گئی تھی پیدا کو نہ کھانے کی وہ بھی اٹھ گئی۔ اب وہ شہزادہ ملک بھلا کیوں ہمیں کھوجنے والا ہے اگلا۔ جس چیز کے حصول کے لیے ہمارے اشارہ پہ ناچ سکتا تھا ہمارے گھر کے ناک سے لکیریں نکال سکتا تھا تو نواب اس کی مرضی سے دور ہو گئی ہے۔ جانتا ہو گا کہ اب پانچ لاکھ پھوڑ پانچ کروڑ بھی ہمیں دے دے تو ہم تو یا ہمارے فرشتے بھی نواب صاحب کی ماں کو ہاں میں نہیں بدل سکتے۔ افسوس تھی ہماری قسمت۔ چلو بھئی چوری کی لکھی ہی سہی چندوں کا سامان تو ہو گیا۔"

وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

دوسری جانب صاحبزادہ نفیس علی خان کچھ اور سوچ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کنزیہ بیٹی اور اس آئی۔"

اس کی آنکھ کھلی ہی تھی کہ لیلیٰ کی چیخ پکار نے مخل ڈال دیا۔

"پتا نہیں کون آیا ہوگا۔" اس کے خوابیدہ ذہن نے سوچ کرنے کی کوشش کی۔ کال بیل کی مکانہ آواز بھی اس کی نیند میں کوئی خلل نہ ڈال رہی تھی۔

"دروازہ کھول بیٹو۔" ساتھ ہی دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹے جانے کی آواز پہ دھاڑتے بمشکل خود کو بستر سے اٹھنے پہ مجبور کیا۔

"آرہی ہوں ابا جی۔"

نکھرے بال سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں باندھتے ہوئے اس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔ نیند سے بوجھل جسم کے ساتھ کہیں کا پیر کہیں پڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا ابا جی خیریت تو ہے اتنی صبح صبح آپ کو بھی رات کو؟"

"خیریت تھے جلدی آیا ہے تجھے بھی بتا کہ۔"

"جی۔" "تو فون کی بیل تھی۔ اتنی رات گئے کس کا فون؟" نیند کا غلبہ کچھ کچھ نوٹ رہا تھا۔

"اتنی رات کب ہوئی۔ گیارہ بجے ہیں۔ مشکل سے اس محل سے ل کے آنے کے بعد تو تھی آج جلدی ہی سو پڑی تھی۔ چل شاباش جلدی ہو جا۔ ہسپتال کا چھوٹا مار کیٹر بند ہے ہیں تو وہ مشکل لگا دیتے ہیں تو ہو آ ہسپتال جانا ہے۔"

"ہسپتال؟" اس کی نیند ہوش سب کچھ بھک سے اڑ گئے۔ مرا ستھرا چہرے سے پھیلنے لگی۔

"ہاں۔ تیرے سامنے تو دوسری بار دورہ پڑا ہے اور پھر جاتی بتا رہی تھی کہ بس بادل کے دورے کے ساتھ ساتھ فالج کا بھی حملہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر خراب حالت ہے۔ چل۔" ہوں میں وقت نہ گزار زندگی کا کیا پتا کوئی وقت پہ پہنچ جائیں تو اچھا ہے اسے کہ ملا تو رہا ہے میں نے کرنے کے ساتھ "ملا تو وہ میرا بعد میں بتا تھا پہلے تو یہ رہیل تھا۔ اچھا نہیں کے کلتے ہی دیلے پہنچ نہ سکا اس کے آخری وقت پہ اس کے قریب نہ ہوں۔"

اسے غالب کے جذبات کی پروا کیے بغیر اپنی بات کہنے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی اسے ذرا احساس نہ ہوا کہ اس کے بے رحم الفاظ نے جاتا کیا کیا تھا۔ وہیں نشیں پہ بیٹھ کر شرارت کے رونے بیٹھ گئی۔

"جھلے ہمت کر زرا مرا نہانے کے لیے چل شاباش اپنا۔" اس کا سر سہلا کے اسے بہلانے لگا۔ آج پہلی بار اسے بیٹی کا اپنا ہونے کے لیے پیار دیا نہیں لگ رہا تھا۔

"ابا جی نے منتوں ٹوٹا نہ رکھ کے مگر تو مانے تب ناں۔ تیرا تو خیال ہے بڈھا بس بکواس کرتا رہتا ہے میں چپ کر کے سنتے چلو۔"

کمرے میں بوجھل رہنے والی ڈرامیٹک نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس لیے اللہ دتا نے چڑ کے کہا تو پھر اس کی بیٹی کو دیکھ کے داخل موسم ہوا۔

"آرام سے آرام سے ایسی کوئی جلدی نہیں۔" گاڑی ایسپس کی نہر سے گزر رہی تھی۔ شکر ہے کہ شہر کا یہ حصہ رات کے اس پہر ٹریفک کے اژدھام سے آزاد ہوتا ہے ورنہ جیسی ڈرائیونگ کر رہی تھی ایکسیڈنٹ ہونا تو یقینی تھا۔

"ہسپتال کیا ہو ہو گا کرم الہی کے ساتھ۔" اللہ دتا نے ایک بار پھر اپنی تجویز کی گفتگو کا آغاز کیا۔

"آج اس نے شہزادے کے شمن کرنے جانا تھا۔ پہر تک تو بڑا خوش تھا اچھا بھلا۔"

اس کی بات پہ دھاڑ کے اندر کچھ کھٹک ہوا۔

"تب جانتے ہیں بابر صاحب شہزادہ ملک میرے کزن ہیں تو خیریت کزن۔"

پتا نہیں کس رو میں رسک کے باوجود سوچے سمجھے بغیر راز اگل دیا تھا۔

جو بات پوشیدہ رکھی جانے والی ہو اظہار ہی تو کھلا ہے۔

اسے نہ کسی شہزادہ تو کوئی تعلق پہ شرمندگی محسوس ہوتی تھی نہ تو اسے ظاہر کرنے کے حق میں تھا پھر اس لحاظ سے تو یہ رشتہ یہ تعلق ایک رازداری تھا جسے اس نے کھول دیا۔ نہ تھیں اس کے اس عمل کے پیچھے اس کی نیت کیا رہی ہو گی۔

کیا وہ دانستہ یا غیر ارادتاً شہزادہ ملک کی راہ میں کانٹے بچھانا چاہتی تھی۔

اگر ایسا تھا بھی تو اسے یہ خبر نہ تھی کہ شہزادہ کو اس کی چاہت سے دور کرنے کی کوشش میں اور وہ اپنے عزیز جان ماموں کو موت کے قریب کر رہی ہے۔

"ہو نہ ہو ماما جی کی اس حالت کی وجہ بھی یہی بات رہی ہو گی۔ اصلیت کھل جانے اور مقصد پورا نہ ہو سکنے کی ساری جھنجلاہٹ چاچی نے بیچارے ماما جی پہ نکالی ہو گی۔ مجھ سے دنیا بھر چاچی کی زبان کی کڑواہٹ کا کیسے پتا۔ جب زہر اگلنے پہ آتے ہیں تو سامنے والے کو اندر باہر نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ میں بھی احمقوں کی طرح اتنے کچھ سے کئی سالوں میں اتنی سکت کہاں رہی ہے اب۔ تبھی چاچی نے آپ سے اچھا نہیں کیا۔"

اس نے "ڈاکٹر ز ہسپتال" کی پارکنگ میں بمشکل جگہ ڈھونڈ کے گاڑی پارک کی۔

"چاچا تو شاید میں نے بھی نہیں کیا۔ ماما جی کی جو حالت ہے۔ اس کی وجہ کہیں میں تو نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری وجہ سے میرے اندر کے بے چین کی وجہ سے جو راز کچھ عرصہ اور راز رہا تھا" قبل از وقت فاش ہو گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو میں کیا منہ دکھاؤں گی چاچی کو۔ پہلے ہی ان کے محل میں میری جانب سے میل ہی میل بھرا ہے اب تو میں ان کی بدخواہ مجرم ہوں۔ ایک ان کی عزت کو ان کی سرزمین سے دور کرنے کے لیے اور دوسری ماما جی کے لیے۔"

"کیسی طبیعت ہے کرے گی ہوش آیا کہ نہیں۔"

اللہ دتا ماما کی تو انہی دو خیالوں سے چونکی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب وہ آئی سی یو کے باہر پہنچی اور اب ماما جی کے سامنے تھی۔

"ماما جی۔" میرے ماما۔ میری ماں کی آخری نشانی۔ "وہ ان کے گلے لگ کے بلک بلک کے رو دی۔ بادشاہ بڑی مشکل سے خود کو سمجھا کر کے۔ کہا ہوا تھا۔ نہ کار نہ بالکل ریکھ کے بھی پھر گئی۔

"میرے ماما جی کو کچھ نہیں ہو سکتا ہاں جی۔ اللہ مجھے اتنی بھی داغ نہیں کر سکتا کہ کسی کو بھی خالی ہاتھ نہیں رکھتا۔ کچھ نشانی بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ میری ماں نے دنیا میں میرے لیے ایک ہی تو سورت چھوڑی تھی۔"

"ہاں میری والی اللہ تیری زبان مبارک کرے میرے مالے کو کبھی حیاتی ہے۔" بانو نے اس کے آنسو پونچھے۔ "پر بھریالی یہ تیامت تو نی کیسے؟ تم لوگ تو پتر کا شگن لے کے جا رہے تھے۔ میں یہاں پہ تو کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی؟" اللہ دتا کو دل کی بات زبان پر تک دل میں رکھنے کا تجربہ نہ تھا۔ اس کے سوال پہ بلقیس کا رنگ واضح طور پہ پھیکا پڑ گیا۔

"نہیں تو۔ نہیں تو۔ نہیں دیر ہے اونچ نیچ کسی اصل میں تو ہم لوگ ابھی وہاں پہنچے ہی نہ تھے۔ راستے میں ہی کرے کی حالت بگڑی تو ہم ہسپتال آ گئے تب سے ڈاکٹروں کے ہتھے چڑھا ہوا ہے۔ جانے کیا کر رہے ہیں۔ ملنے بھی نہیں دیتے۔"

وہ سسکیاں لینے لگی۔ عقب سے شہزادے نے آگے اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھا۔

"بس بیٹھیے ناں۔ دعا کیجیے۔ ابا خطرے سے باہر نکل آئیں۔"

اس کو آپ روتی ہوئی دعا کے ہاتھوں کے حلقے سے سر اٹھا کے سامنے دیکھا۔ وہی دشمن جان اپنی تمام تر

وجاہت اور تمام تر کلچر کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

قیمتی سوٹ شکنوں سے پاک تھا۔ ٹائی کی ہر وقت فاست سے مندھی ناٹ ڈھیلی ہو چکی تھی۔ آستینیں لال سرخ چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کے سامنے صوفے پر بیٹھی دعا کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ اللہ دتا کے کسی سوال کے جواب میں بھی گھٹی گھٹی گردن ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"اطمینان رکھو دادا! گھر آ کر پوچھوں گا۔"

شہزاد ان سے بھی زیادہ بے آپی سے آگے بڑھ کر چند منٹ کچھ سنبھلنے کے بعد جب وہ پلٹا تو چہرے پر اطمینان اور خوشی کے رنگ نمایاں تھے۔

"ڈیڈی کو ہوش آ گیا ہے۔ اب خطرے سے باہر ہیں لیکن فالج کی وجہ سے دایاں حصہ متاثر ہو گیا ہے۔"

"رب تیرا اللہ کو نواری شکر ہے۔ تو نے میرے سر کے سائیں کی زندگی لوٹا دی۔"

بالو جھیل اللہ کے شکرانہ ادا کرنے لگی۔

دعا شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے لیے وضو کرنے چلی گئی۔ اللہ دتا شہزاد کے قریب آ گیا۔

"اللہ سوہنے کا شکر ہے۔ اس نے میرے بیلا کی میرے سوہرے کی جان بخش دی اور میرے شہزاد کو اکیلا ہونے سے بچا لیا۔ اکلاپے جیسا کوئی عذاب نہیں ہوتا ہے۔"

اس نے اپنی اہلیہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بے اختیاری سے اس کا ہاتھ جھٹک دیتا لیکن آج اللہ دتا سایا کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ آج اس کے سیاہ رو چہرے پر شباشت اور مکاری کی بجائے اپنے باپ کے لیے فکر اور درد نظر آیا۔ متاثر سا ہو گیا۔

"بس دعا کرنا پھوپھو۔"

"پھوپھا۔۔۔" اللہ دتا سایا بے ہوش ہوتے ہوئے بھی بلا شبہ آج شہزاد کے برسوں بعد اسے اس کے رشتے سے پکارا تھا۔ جس سے وہ اپنی پھوپھی کی زندگی میں اسے پکارا کرتا تھا۔

شہزاد بند دروازے کی جالی سے اندر جھانکنے لگا۔ ایک وقت میں ایک ہی شخص کو اندر جانے کی اجازت تھی۔ اس وقت باہر اندر بھی اور باہر سے اس کے چہرے پر اہم اور اتنا سکون دیکھ رہا تھا اور محسوس بھی کر رہا تھا ورنہ پچھلے کچھ لمحوں میں وہ کم سے کم کی رہا تھی۔

"صاحبزادہ نفیس علی خان! جتنے چہرے کے آپ نے میرے باپ کو لگائے ہیں، ان سب کا حساب میں ایک ہی وار میں سے سکتا ہوں اور لوں گا بھی۔ بخشوں گا نہیں۔ کیا آپ نے بخشا میری ایک خطا کو۔ یہی غلطی تھی ناں میری کہ اپنے باپ دادا کی اصلیت آپ سے چھپا لی۔ ہاں اگر ایسا کیا میں نے تو یہ غلط کیا میں نے۔ آپ کی بیٹی کے لیے سوالی بن کے آیا تھا۔ میں خود شہزاد ملک۔ اور میں خود کو ہر لحاظ سے گل مہر کے قابل سمجھتا ہوں۔ کوئی کمی نہیں مجھ میں نہ کردار میں نہ تعلیم کے لحاظ سے اور مالی حیثیت بھی آپ سے کہیں بڑھ کے ہے۔ اگر مجھ میں کوئی کمی ہوتی تو میں خود کو گل کے مقابلے میں کمتر محسوس کرتا تو یہی جسارت ہی نہ کرتا۔ لیکن میں خود پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کے پاس آیا تھا اور آپ نے آپ نے میرے باپ کو اپنے بے رحم الفاظ سے چھلنی کر کے رکھ دیا۔ اس شخص کی عزت کس کے پیچھے اڑا کے رکھ دیجیے۔ میرے باپ نے اپنی ذاتی بے عزتی میری وجہ سے کروائی ہے۔ اب میں ان ہی کے آگے آپ کا سر جھکا کے رہوں گا۔

بہت غور سے ہاں آپ کو اپنے خاندانی ہونے پر۔ آپ کے ننھیال میں گل مہر کا ساتھ طلب کرنا میری بہت بڑی جسارت ہے مگر میں آپ کو بتاؤں گا کہ میرے والد کو نیل کرنا آپ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ آپ نے انہیں بے عزت ہی نہیں کیا بلکہ اپنی عزت نیلام کرنے کے اسباب بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اب میں گل مہر کو اپنے دل پر فتح حاصل کر کے دکھاؤں گا۔ پہلے وہ صرف میری ضرورت تھی۔ اب میری پسند ہے۔ لیکن اب سے اب وہ میری ضد ہے صاحبزادہ نفیس علی خان میرے مجھ میں آپ کے لیے کوئی کشش نہیں ہوگی مگر میری محبت میں وہ

کشش ہے جو گل کو اپنی جانب کھینچ سکے۔ اب میں اس کے ذریعے آپ سے اس بے عزتی کا بدلہ لوں گا۔"

دل ہی دل میں یہ فیصلہ کرتے ہوئے اسے یہ خیال بھی نہ گزرا کہ اس نے اپنی محبت "کے ذریعے" گل مہر کو اپنی جانب کھینچنے کا عزم کیا ہے جبکہ ابھی ابھی وہ یہ اعتراف کر چکا ہے کہ گل مہر پہلے اس کی پسند اور ضرورت تھی جبکہ اب ضد۔ مگر محبت نہ تھی کبھی نہ تھی۔

اور اس چیز کا بھی وجود ہی نہ رہا ہو اس پر بطور ہتھیار استعمال کرنا۔ [illegible] اور شہزاد ملک یہ بے وقوفی کر گزرا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہمیں اجازت دیجیے چچا حضور۔"

بار بار ہاتھوں ملتی نے بے بی سے جانے کی بیچارگی اللہ دتا کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسی اسٹاک ایکسچینج میں سب کچھ ڈبو دینے والے کاروباری لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس نے بھی ڈوبا کھیلا تھا مگر قسمت اس بار مقدر میں اس بار ہارنا لکھا تھا۔ اگرچہ کھیل کے بات سامنے تو نہ آسکی مگر اتنا اندازہ تو اس نے کر ہی لیا تھا کہ لواب صاحب ان لوگوں کی [illegible] کھیل کے سامنے آ چکی تھی۔

"ابا جان! شاید ابھی کچھ دن رہنا پسند کریں۔" اس نے دزدیدہ نظروں سے مسلسل خفا خفا سی بیٹھی اپنی بیوی کو دیکھا۔ جس رات میں وہ اسے آخری بار گھر چھوڑ کے گیا تھا اس کے بعد اتنی بے رخی دکھائی تو یاسمین کا جی چاہتا تھا۔ مصعب بھی بہت بچگانہ کے ساتھ گھر آئے۔ سنوئی کے ساتھ خوش اخلاقی برتتے۔ مجبور تھا کہ بابا کی لوگ اس کے اور یاسمین کے جھگڑے سے بے واقف تھے۔

"آپ بھی آج رات یہیں قیام کیجیے۔" لواب صاحب نے کہا۔

"نہیں حضور۔ ہمیں ایک ضروری کام سے نکلنا ہے۔ رات کو لوٹنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ آپ کو ناحق تکلیف ہوگی۔" اس نے معذرت کی اتنے میں دلکش باپ سے ملنے آ گئی۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی ماں پر بولنے والے تندرست لاعلم تھی اس لیے اپنے بھائیوں کی نسبت اس کا رویہ باپ سے نارمل تھا۔

"ارے کشی۔ کیسی ہیں آپ؟" وہ اتنے دنوں بعد بھی کو سامنے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ اس کی تو جان ہی بدل ہوئی تھی۔

دبلی پتلی زرد رو مدقوق چہرے والی سہمی آنکھوں اور ہڈیوں والی وہ لڑکی نہ جانے کہاں کھو چکی تھی۔ اب جو چہرہ پذیرا سا لڑکی عزت ناش چراغ لیے بیٹھی تھی وہ گولی اور ہی تھی۔ اس کے چہرے سے صحت مندی کے ساتھ ساتھ خوداعتمادی بھی جھلک رہی تھی۔ سابر کو ایک دم سے بڑی بڑی سی لگی۔ وہ نظریں چرا کے رہ گیا۔

"ہم ٹھیک ہیں ابو حضور۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"شکر ہے اللہ کا۔ ہاں آپ کی امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ بہتر ہوگا کہ آپ ان کے ساتھ ہی گھر آ جائیں۔"

"جی بہتر۔" اس کی کشش کا شکار نظر تھی۔ آج کل اس کے بورڈ کے پرچے ہو رہے تھے۔

باہر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو لواب صاحب نے ایک بار پھر کہا۔

"ابھی کچھ دن اور رکیے بیٹا۔"

اس بات پر لفظ "ابھی" نے حیرت سے انہیں دیکھا کہ اتنا زیادہ اصرار کرنا ان کے مزاج کا حصہ نہ تھا۔ سب کی حیرت کی پروا نہ کرتے ہوئے انہوں نے صاحبزادی حرمت النساء کی جانب دیکھا۔

"بیٹی حرمت النساء! آپ صاحبزادی الماس خانم کو لے آیئے۔ آج بھائی بھیجو رسم ادا کریں۔"

ان کے کہنے پر جانے کو تیار باہر کسی معمول کی طرح بیٹھ گیا جبکہ صاحبزادی خلعت النساء حیرت سے اپنے دیور

کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"ہم سے؟" وہ دھیمی اس موقع پر "کیا یہ مناسب رہے گا؟"

"یہی سوال صاحبزادی حرمت النساء کی بھتیجی اور عصمت کے مہذب ہونے کی وجہ تھا۔

"یہی ملنے ہوتا تھا بھائی جان۔ اس میں نامناسب کیا ہے؟ آجائیے آپ صاحبزادی کو بھیجیے۔"

ان کے حتمی انداز میں حکم دینے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلی گئیں۔ نواب صاحب نے حق حق بیٹھے باہر کی حیثیت رفع کر لی جائے۔

"ہم نے جوانی بیگم کی خواہش پر صاحبزادی الماس خاتون کی نسبت عصمت میاں سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے چاہتے تھے کہ خاندان کا ایک اہم فرد ہونے کی حیثیت سے آپ بھی اس شرعی سادہ سی تقریب میں شامل رہیں۔ بلکہ تقریب بھی کیا ہے۔ یوں کہیے کہ حق دار کو امانت لوٹانے کا موقع ہے۔"

عصمت اس موقع پر پھر سے احتجاج کرنا چاہتا تھا۔ اپنے چچا حضور کو یاد دلانا چاہتا تھا کہ اس وقت جب کل صبر ایک ملنے والے چھوٹے کے باعث بدحالی کشمکش کا شکار ہے کیا کرنا ہے غور بھی آزمودہ کرنے کا باعث بنے گا۔ یہ فیصلہ آزمودہ ہے یا نہیں کی سوچے گی کہ کوئی اس کے دکھ میں شریک نہیں بلکہ اس کے لئے انتخاب کا احساس دلا کے اور اسے چڑانے کے لیے یہ سب کیا جا رہا ہے۔

وہ یہ سب ہونے سے روکنا چاہتا تھا مگر کچھ نہ کر سکا۔ ابھی ڈیڑھ دو گھنٹے قبل جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد مزید کچھ ہونا اور وہ بھی اس کی جانب سے "نواب صاحب کو اب سیٹ کر سکتا تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے تھے مگر سنبھلے ہوئے تھے اور اس کی کوئی بھی حرکت انہیں مگر نہ پہنچا سکتی تھی۔ اس لیے وہ چپ رہا۔

دوسری طرف صاحبزادی حرمت النساء بھی بے چین ہے بہو تو دے کے چار کلٹ رہی تھیں۔ وہ کل میری ماں تھیں۔ جتنا عصمت ان کی طبیعت سے واقف تھا اس سے کہیں زیادہ وہ بیٹی کی فطرت و عادت سے آگاہ تھیں۔ انہیں بھی یہی قدشت کھٹک رہے تھے۔ شہزاد کے ماں باپ کے دنیا سے کوچ کرنے کے بعد اور اپنے والد سے ساری حقیقت جان لینے کے بعد سے اب تک وہ کمرے میں بند تھی اور ان کے ہر بار دروازہ کھٹکھٹانے پر انہیں جواب میں بلی بلی سسکیاں ہی سنائی دیتی تھیں۔ وہ اپنے اندیشے نواب صاحب سے بانٹ کر انہیں بے چین کرنا چاہتی تھیں مگر والد کے سامنے یہ بات کرنے سے اچکچا رہی تھیں۔ معاً انہوں نے نزدیک سے گزرتے دلگیر کو روکا۔

"جاؤ باہر میزبان کو مہمان خانے میں لے جاؤ۔ وہ جب سے آئے ہیں۔ ایک ہی جگہ بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھ کے ان کے حسل کا اہتمام کرایئے۔"

دلگیر کے پیچھے پیچھے باہر گول کمرے سے نکلا تو باہر کے اندر آگئیں۔

"آپ کیں صاحبزادی الماس خاتون آپ کے گل صوفیا کو بھی بلا لائیے۔"

"نواب صاحب کو تو اتنی معاف کرنا ہمارا خیال ہے کہ آپ کو ایک بار مزید اس بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"آپ منع کیا چاہتی ہیں؟" ان کی آواز بلند ہوئی۔

"آپ کیا سوچتا اور کس لیے سوچتا کیا یہ فیصلہ باہمی رضامندی سے نہیں ہوا تھا۔ پھر اب یہ اعتراض کس لیے؟"

"بلاشبہ اس فیصلے میں سب کی خوشی شامل ہے اور اب بھی کسی کو اعتراض نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ کوئی اعمال یہ رسم ادا کرنے کا موقع نہیں۔ یہ فرض کچھ دن بعد بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ اسے فرض بھی کہہ رہی ہیں اور اس کی بجا آوری میں کوتاہی اور غفلت بھی برت رہی ہیں۔ الماس خاتون کو باضابطہ طور پر چاچی بیگم کی امانت بنانے کا فریضہ ہم کج کر رہا ہی ادا کریں گے۔ ماشاء اللہ ابھی جو کچھ ہوا وہ ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ ہمارے وقار کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے۔ ہمارے آباء کے تقدس کا ذکر ادا کیا گیا ہے

لیکن ان سب کے پیچھے صاحبزادی الماس خاتون کا تو کوئی ہاتھ نہیں۔ جس کی خند کا یہ نتیجہ ہے ان کے جذبات کی پاسداری کرنا آپ پر اب لازم نہیں۔ انہوں نے کب خاندانی روایات کی پاسداری کی۔ تصور ہمارا بھی ہے جو کمزور بڑے کی بات ہی اور یہ نوبت آنے دی۔ لیکن اپنی کوتاہیوں کا سایہ اہم آنے والی خوشیوں پہ نہیں پڑنے دیں گے۔"

انہوں نے اتنا دوٹوک انداز میں کہا کہ وہ اور کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔

"آپ یہ کام رہنے دیجیے ہم کر لیتے ہیں۔" انہوں نے بچپن میں معروف ہونے سے کہا۔

"ہمیں بھی حضور ٹالنا دو یہ ہے "کتاب بنا دیتے ہیں" صرف تھکے بھائی ہیں۔ ہمارا نقش تو نکل نے بنا تھا کہ اب۔۔۔"

اس نے شانے اچکائے۔ "اور تو رہے تھا حضور بنا ہی چلی ہیں۔"

"کتاب دلگیر کل لے گا اور یہ رائتہ آج تیار کر لیتے ہیں۔ ملاد بھی نقش بنا لے گی۔ آپ تمہارے کے لباس تبدیل کر لیجیے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے پھری پکڑ لی۔

"سب کام ختم ہو جائے تو تمام سے بدل لوں اس وقت بھی ان کپڑوں میں کیا برائی ہے۔ باہر بھائی نہ آتے تو شاید میں آپ سے اتنا اصرار ہی نہ کرتی۔ کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بار بار دل کا خیال کہا ہے۔ اس لیے ہی کے لیے سب کیا ہے۔ اتنا حضور نے انہیں کھانے پہ جو رک لیا ہے۔"

"انہیں روکنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ بڑے والد ہونے کی حیثیت سے ان کا تمہاری نسبت پہ موجود رہنا ضروری ہے۔"

"جی۔ ہمیشہ کے کھلے تھے کے پیچھا ہو دھوتے دھوتے رک گئی۔"

"اور اسی لیے ہم کہہ رہے ہیں کہ یہ سب کام چھوڑ دیجیے اور ہمارے کمرے میں تم کا جو نیا جوڑا سل کے آیا رکھا ہے پہن لیجیے۔ ہم صاحبزادی یاسمین کے ہاتھ کچھ زیور بھیجتے ہیں ساتھ میں وہ پہن لیجیے گا۔"

موتیا جیسے احساسات کی لہری دوڑ گئی۔

وہ ہونے جا رہا تھا جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ مگر قدرت نے اس کا سامان پیدا کر دیا تو وہ اپنی خوش قسمتی پہ جی بھر کے نازاں ہو لی۔

وہ اداس نہ تھا کبھی بند نہ کہیں بانٹنے ہی لفظ نے اس کے دامن میں ڈال دیا تو کیا خوش نہ ہوتی۔

لیکن آج یہ خوشی منا تے ہوئے ذرا لگ رہا تھا۔ گل سراں کی بہن تھی۔ ابھی ابھی جس جذباتی رنج سے گزری تھی اس کے بعد سے اپنا خوش ہونا بھی عجیب لگ رہا تھا لیکن یہ اس کے ابا حضور کا فیصلہ تھا۔ پیچھے سے تیار ہونے چلی گئی۔ صاحبزادی یاسمین اسے تیار کرنے کے ساتھ چلی گئیں۔

اب صاحبزادی حرمت النساء ایک بار پھر گول کمرے کے بند دروازے کھٹکھٹا رہی تھیں۔

"دروازہ کھولیے۔ آپ کو آپ کے ابا حضور یاد فرما رہے ہیں۔ آپ کو گول کمرے میں بلایا ہے۔"

بار بار کھٹکھٹانے کے بعد بھی اس نے جواب نہ دیا تو انہیں یہ کہنا پڑا۔ جواب میں گل سراں بھرائی آواز سنائی دی۔

"انہوں نے ہمیں برا بھلا کہا تو وہ کل ان سب کی اعلیٰ داری ہمارے کھاتے میں ڈال کے ہمیں ہی مورد الزام ٹھہرا رہا ہوگا۔ ہماری خود سری اور ضد کے بھیانک نتائج سے آگاہ کر رہا ہوگا۔ جانتے ہیں ہم مگر کیا یہ سب آج ہی کرنا ضروری ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ جو ہوا اس پہ سب کو افسوس ہے اور آپ کے ابا حضور کی حالت تو واقعی بہت مگر کوئی تھی مگر انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا ہے کیونکہ ان کے شانوں پہ آپ کے علاوہ اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ اس وقت آپ کو بلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کچھ دیر میں آپ کی ہمشیرہ کی نسبت کی رسم ادا ہونے والی ہے اور سب آپ کے منتظر ہیں۔"

"کیا؟"

"سب قیمتی زیور اور جہیز سے کھل گیا۔"

"ذرا ذرا" آنکھوں کو نکھرے ہوں کے ساتھ وہ ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"اصولیاً کتنی عرصہ سے ساتھ؟" اس نے تصدیق چاہی۔ اور ماں کے اثبات میں گردن ہلانے پر وہ پھٹ پڑی۔

"کیا مقصد ہے یہ سب کرنے کا۔ صرف ہمیں یہ احساس دلانا کہ ہم کتنے غلط تھے۔ اور آپ سب کتنے اچھے۔ تم ازکم آج یہ بات تو ہمیں تسلیم کر لیتے۔ یہاں ہم اپنی ناکام محبت کا ماتم نہیں منا رہے۔ بلکہ اس بات پہ پچھتا رہے ہیں کہ آخر ہماری عقل پہ ایسی کیا تھی جو ہم نے بغیر سوچے سمجھے اور پہچان بین کرائے ان لوگوں کو اپنے گھر کا راستہ دکھایا۔ ہماری غلطی کا احساس تب ہمیں اس واقعہ نے کرایا ہے کہ آپ ہمیں یہ احساس دلا رہے ہیں۔ ویسا احساس ہمیں پہلے ہی سے ہے۔ آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کل سے صاحبزادی گل سرو آپ کی اپنی بہن کا معاملہ ہے۔ اس کی خوشی کے موقع پہ آپ۔"

"اس کی خوشی؟" جہانگیر کے تیور بدلے۔

"اسے دکھ کی پرواہ ہے کسی کو۔ جو ہم دوسروں کی خوشیوں کی پرواہ کریں۔ ہمیں چڑ ہے۔ نگاہ سے کون باز آیا ہے۔ ہمیں آتے ہیں کریں سب اہتمام ہمیں برانے کے لیے کیا جا رہا ہے تو کہیں آتے ہیں۔ بالکل بھی نہیں۔"

● ● ●

صاحبزادی حرمت النساء اس کا دوٹوک انکار سن کر دنگ رہ گئیں۔ وہ گل سرو کی ضد سے تو واقف تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ حسن و کشش اور ذہانت کے حوالے سے انتہائی حد تک خوش قسمت ان کی یہ بیٹی ال کے حوالے سے ہاتھ ذرا تنگ ہی رہی تھی۔ اسے ایسی بے وقعت بات کرتے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئیں اور ساتھ ہی یہ خیال ان کے ذہن میں آیا تھا کہ ان کی بیٹی کے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا۔ یقیناً ضرور تھا اسی لیے صاحبزادہ جمیل علی خان کو اس تذکرے سے روکنے کی اپنی سی کوشش بھی کی تھی۔

یہ سب درست مگر

اپنے بشری تقاضوں کے تحت وہ تھوڑی بہت خوش گمانیاں پالنے کا حق تو رکھتی تھیں۔ اس لیے بولے۔ ان سے انہوں نے یہ تصور کر لیا تھا کہ ان کی صاحبزادی گل سرو بھلے ہی تنہائی اور کم عقل ہوں۔ تھوڑی بہت ناسمجھی کے کسی اتنی تو ان کو کھو لیں گی اور اس نازک موقع پہ جب گھر کے تمام افراد اکٹھے ہیں وقتی طور پہ اپنے جذبات کو پس پشت ڈال دیں گی۔

اور کچھ نہیں تو اپنی بہن کی خوشی کا ہی خیال کر لیں گی۔

مگر اب انہیں احساس ہوا کہ گل سرو نے یک بیک اپنی توقعات رکھ لیں۔ ان کی غلطی تھی۔ وہ ان کے سامنے کھڑی واضح انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہمارے دکھ کی پرواہ ہے کسی کو جو ہم دوسروں کی خوشیوں کی پرواہ کریں۔ ہمیں آتے ہم نگاہ یہ سب کچھ ہمیں چرانے کے لیے کیا جا رہا ہے تو ہمیں آتے ہیں۔ ہم بالکل بھی نہیں۔"

صاحبزادی حرمت النساء نے شدید حیرت اور صدمے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے بغور دیکھا۔

اس کا دلفریب حسن چاہے اس وقت حسن و جلال کے سائے میں تھا۔ گلابی رنگت غصے سے دہک کے آتشی ہو رہی تھی۔ خوش رنگ آنکھوں میں بوندیں تھی اور لہجہ بغاوت کی بو دے رہا تھا۔

آج نہیں تو اس وقت اس نے چہرے پہ اپنا سیدھی اور کرزوں میں سمار ہونے کا غم سب کے سامنے اپنے انتخاب کے اس قدر رد ہونے کا دکھ۔

اپنی ضد کا جیسا یک نتیجہ سامنے آنے کی کسی بات۔

جب تھا کہ نہیں تھا تو بیٹی ال اور ذات کا بڑا سا کا دھبہ اس کے اب بھی اپنی فکر تھی۔ اپنے جذبات کی اپنے غم کی اور اپنے ان احساسات کی۔

دوسروں پہ اس وقت کیا گزر رہی ہے اس کی پیدا اسے اب بھی نہ تھی۔

اتنے بڑے حادثے سے گزر کر بھی۔

صاحبزادی حرمت النساء نے ایک گہری سانس بھری۔ گویا اس کی حالت پہ اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"آپ کو اور کچھ نہیں تو اپنے والد کا ہی خیال کر لینا چاہیے۔ جو اس وقت صرف آپ کی ضد کے نتیجے میں ایک شدید جذباتی دھچکے سے گزر رہے ہیں۔"

"ممی لیجیے۔" اس نے فوراً بات پکڑ کے جتایا۔

"ممی لیے تو ہم نہیں آ رہے۔ اب پورا خاندان ہمیں ہماری غلطی کا احساس دلانے کے لیے اکٹھا ہو گیا ہے تو ابا حضور کو اب ایک بھرپور موقع ملا ہے اپنے آپ کو درست اور ہمیں غلط ثابت کرنے کا۔ اور وہ یہ موقع ہاتھ سے جانے تو نہیں دیں گے۔"

"صاحبزادی گل سرو۔" ان کی آواز اگرچہ بہت بلند نہ تھی لہجے میں واضح تنبیہ اور ناگواری تھی۔

"اپنے اطوار درست رکھیے۔ آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔ شاید آپ کو شدید احساس نہیں کہ آپ کس کے متعلق بات کر رہی ہیں اور کس درجہ گستاخی سے کر رہی ہیں۔ اس وقت ہم آپ کی ذہنی حالت کا احساس کر کے درگزر کر رہے ہیں مگر ہر بار نہیں۔ آئندہ ہر گز نہیں۔"

وہ کچھ دیر گھنی نظریں اپنے پیروں پہ گاڑے رہی۔ پھر خاموشی سے اٹھی اور اپنے پلنگ پہ جا لیٹیں۔ نگاہ کے زاویے گئی۔ صاحبزادی حرمت النساء اندر آئیں اور ان کی الماری کھول کے چند لیتے لگیں۔

"یہ لباس مناسب رہے گا۔" انہوں نے ہلکے سبز رنگ کا چکن کا سوٹ نکالا۔ اس کے ساتھ پرنٹڈ چکن کا بڑا سا سبز اور پیلا دوپٹہ تھا۔ گل سرو نے منہ پھیر لیا۔

"ہم آپ سے کہہ رہے ہیں صاحبزادی گل سرو۔" انہوں نے تذبذب کے ساتھ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"تیار ہو جائیے اور لباس تبدیل کر لیجیے۔ ہاتھ دھو لیجیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل سے سارے وسوسے اور شکوے بھی۔"

ان کے کمرے سے نکلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک شاکی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔ ڈبڈبائی نظروں سے اس نے کمرے میں رکھے اس سوٹ کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی ممی حضور نکال کے دے گئی تھیں۔

ایک تماشا ابھی ابھی اس گھر میں ہوا تھا اور وہ اور ان کے سامنے چاہے جانے یا نہ مانے تسلیم کرنی تھی کہ اسی کی وجہ سے ہوا۔ اب مزید کوئی تماشا تو کھڑا کرنا چاہتی تھی۔ نہ ہی اپنا تماشا بنوانا چاہتی تھی اس لیے ان کے کہنے کے مطابق چپ چاپ کپڑے اٹھائے واش روم میں گھس گئی۔

○ ○ ○

صاحبزادی یاسمین نے اس کی کلائیوں میں سونے چوڑیاں پہنائیں تو ان کی چھنک نے موقع کو کسی گہرے خیال سے چونکایا۔ اس نے بیٹھے گہری نیند سے جاگتے ہوئے یاسمین کے ہاتھوں میں اپنی گندمی کلائی کو دیکھا جو سنہری مینا کاری والی سونے چوڑیوں سے دمک رہی تھی۔

"کیجیے جناب آپ ذرا خود کو ایک نظر آئینے میں تو دیکھیں۔" یاسمین نے بڑا سا سونے کا کلپ اس کے سر پہ پھیلایا جس کے کناروں پہ گلابی دبکے کا کام تھا اور اس کا چھوٹا سے پکڑ کے آئینے کے روبرو کیا۔

"یہ... یہ تو بہت زیادہ ہو گیا چچا حضور۔" وہ اپنا روپ دیکھ کے گڑبڑا گئی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس سے پہلے کبھی وہ اتنے اہتمام سے تیار ہوئی ہو۔ سجا سجایا تیکھا سا روپ اسے بہت اچھی جھلک مار رہا تھا۔

"کیا زیادہ ہو گیا؟ نہیں، کچھ خاص آ رہا ہے نہیں۔ میک اپ کرنے کے فن سے تمہیں یاد ہیں ہم۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہیں۔ بس ذرا سے کاجل، لپ اسٹک اور اس ہلکے پھلکے سونے کے سیٹ کو آپ زیادہ کہہ رہی ہیں!" یاسمین نے اس کا آنچل درست کیا۔

"اب آپ جو چاچی حضور سے پوچھ کے آتے ہیں کہ آپ کو ہمراہ لے جائیں یا ابھی کچھ وقت ہے۔" وہ باہر نکلیں تو صوفیا نے پیچھے سے ہنستے ہوئے چھیڑا اپنے عکس کو دیکھا۔

گندمی رنگت سے چنا نیں لیے اور کہاں سے یہ سنہری شعاعیں پھوٹی پڑ رہی تھیں جو اس کے پورے وجود کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے تھیں۔ سیون کلیوں والا کھلے گھیر کا بالائی کرتا جو ٹخنے اور کہنی کے کام سے سجا ہوا تھا، میچنگ چوڑی دار پائجامہ، بوقت سلام رہنے والے حاسی دوپٹے کے ہاتھ گہرے رنگ کی نکیل پائش سے سجے تھے، چوڑیاں نے ان کی خوبصورتی بڑھا دی تھی۔ گہرا یا گہرا سا جو ہلکے میک اپ میں بھی چھوٹا رنگ دے رہا تھا، وہ نظریں چرا کے بولی۔

"آپ نے الماس خاتون، آپ کو ذکر کیا کیا ہے۔" یاسمین نے آ کے اسے شانوں سے تھام کے اٹھایا اور بہت سنبھل کے سنج سنج کے لے جانے لگیں۔

"میں چلی چاچی کی کیا حضور۔" اسے اس عصر میں اہتمام سے گھبراہٹ ہوئی۔

"میں چلی سکتی ہوں اور کل کرے کا راستہ بھی سمجھ آتا ہے۔"

"ہم جانتے ہیں اور یہ بھی کہ اس وقت آپ کو وہ سارے ہی راستے آتے ہیں جو ہمارے بھائی عصمیں تک پہنچتے ہوں۔" انہوں نے اس کے کان میں شریر سی سرگوشی کی۔

اندر نواب صاحب اپنی ملی کیفیت کامیابی سے چھپائے باہر والوں محفل کی پھیکی دلچسپیوں میں دلچسپی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور عصمیں سر جھکائے سیفا اپنے ہاتھ کی انگلیاں موڑ رہا تھا۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی خلفشار کی نشاندہی کر رہی تھی۔

"یہ ہونے جا رہا ہے اس میں میری مکمل رضا شامل ہے۔ میں نے دل و دماغ کی تمام تر آمادگی کے ساتھ موتیا کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پرانی ہر وابستگی سے دل کو پاک کر کے اسے صرف اور صرف موتیا کے لیے کھلا رکھ چھوڑا ہے۔ پھر یہ بے چینی کیوں؟ یہ اضطراب کیوں؟ کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ابھی اسی وقت سب چھوڑ چھاڑ کے یہاں سے دور بھاگ جاؤں۔ کیوں یہ خواہش جاگ رہی ہے کہ یہ وقت ٹل جائے کچھ دن اور ٹل جائے ابھی نہیں پھر کبھی پھر کسی اور وقت کسی اچھے سے وقت۔"

اس نے نظریں اٹھا کے سب کو دیکھنا چاہا۔

اس کی امی حضور، ستھرا سیج کے لوازمات کرانے میں مگن تھیں البتہ اب ان کے چہرے سے وہ سراسیمگی مفقود تھی جس سے دیکھتے کل ان کی ساری توانائی نچوڑ کے رکھ دی تھی۔ اپنی اس حالت کے قطعی برعکس اب وہاں سکون ہی سکون اور اطمینان ہی اطمینان تھا۔ وہ اطمینان ابھی احساس نے انہیں بخشا تھا جس احساس میں گھرے وہ بے انتہا مطمئن محسوس کر رہا تھا۔

اور چچا حضور ان پہ جو قیامت گزری تھی اس کے بعد ان کا سنبھلنا اور وہ بھی اتنی جلد قابل حیرت تھا۔ عصمیں نے ان کے چہرے پہ جلیہ گزرنے جانے کے اثرات ڈھونڈنا چاہے۔ ان کی آنکھوں کی چمک ماند تھی۔ کرب آنکھیں اب تک اٹھی ہوئی تھیں یہ تو نہیں تھا۔ ان کا طبیعت تھا مگر ہارا ہوا نہ تھا۔ یہ کل بہت تھا اور نہ ایک پل کو اس ایک پل کو جب کرم الٰہی کی حقیقت باقی سب کی طرح اس پہ بھی کھلی تھی۔ اسے محسوس ہوا تھا جیسے

فضا خاموش ہو اپنے چچا حضور کو بتوڑے گا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا خود اس کے لیے بھی دشوار تھا۔ اس سے گزرنا ناچار عصمیں کل ہی تک کے لیے بدلا تو روپ کا نام تھا۔ جس وقت وہ پلیٹ کے سامنے آیا ہے باہر موتا کرم بھی تو یہ فقط نازک تھے۔ اس وقت خاموش کھڑا عصمیں یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کتنے جتن کر کے اپنے چچا حضور کو بتانا پڑے گا۔ انہیں زندگی کی طرف دوبارہ لانے کے لیے کیا کیا کچھ نہ کرنا پڑے گا۔ مگر اسے کچھ نہ کرنا پڑا۔ وہ سنبھل گئے۔ شاید خود کو سنبھال لیا اس فرض کی ادائی کے لیے۔

ہو کا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ وہ اس ایک خبر کی بات نہ کر پا رہا تھا۔

وہ ہر اس بات کو اس وقت عصمیں کو سنا چکی تھی جو سننے کی تھی۔ وہ اسے "سر" کرتا تھا۔ صرف اور صرف کان سے سنتے۔

وہ یہاں ایک تسلی یا تسلی جان سکتا تھا کہ چچا حضور اس وقت کل کو یہاں آنے کے لیے رضامند کرنے میں بکھر سوری ہوں گی۔ اور یہ بھی کہ وہ خبر نہ کر کیا کچھ سوچ رہی ہوں گی۔

"تمہیں کہاں بہت جلدی ہو رہی ہے کل میں جانا ہوں۔ تمہارے دل میں اس وقت ہم سب کے لیے گلے ہی ہوں گے کہ ہم تمہارے رکھ میں شریک ہونے کی بجائے تمہیں دل سارے دینے یا تمہاری بہت بندھانے کی بجائے اپنی خوشیاں منانے میں مگن ہیں مگر کل ماشی قرال میں آ کے بہت کو تمہیں کرنا سکے گا اور پھر شاید تمہیں اندازہ ہو کہ ہم سب تمہارے دکھ، اذیتی ہیں مگر اس کا احساس دلانے کے تمہیں ندامت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں چاہیے کہ تمہیں اس بات پہ شرمندہ ہو کہ صرف تمہاری وجہ سے آج سارے گھر کی فضا بوجھل ہوئی ہے۔ تم نہیں یہ سب درست کر رہے ہیں یا تمہیں۔ میں نہیں جانتا ہیں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ آج بھی میرا دل تمہارے دل کے ساتھ ساتھ دھڑکتا ہے۔ تم اداس ہو تو میں بھی اداس ہوں۔ تمہارے آنسو گر رہے ہیں تو میرے سینے کی مٹی بھی گیلی گیلی ہے۔ اجنبیت کا یہ دور جو تم آج محسوس کر رہی ہو میں بھی اس دور سے گزر چکا ہوں اور کل اور تو عصمیں کل مگر عصمیں آج تمہارے ہم میں ملی سے شریک ہے۔ یہ تمہاری محبت کے بوجھ ہونے کے احساس اور ملی سے اپنی محبت سے دست برداری پہ ہوا تھا۔ ہماری قربانیاں بھی ایک نہ ہو سکیں گی دیکھو تو آج ہمارا درد ایک ہو گیا۔"

وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھا جب ماحول میں اچانک ہی ایک نامحسوس سی تھامی کے آثار سے چونک کر سنبھلتے ہوئے تحریر کرنے

صاحبزادی یاسمین کے ہمراہ "وہ" اندر آ رہی تھی۔

"وہ" جو کل تک اس کے لیے صرف ایک دوست تھی ایک بہت اچھی دوست ہمراز دمساز اور ہم مزاج ساتھی۔

جسے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنا تھا اور اس نے اس فیصلے کو صد چشم قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اب جسے اس کی زندگی میں حیثیت کو تبدیل نہ کر پایا تھا۔

یا پھر شاید اس نے ایسا کرنے کی کوشش بھی نہ کی تھی۔ وہ اس کے لیے اب تک وہی موتیا تھی جسے وہ اندر باہر سے سادگی ہی سادگی تھی۔ سادہ دل، سادہ مزاج، سادہ فکر۔

لیکن اب ایسے کیسے لگا اور تھیں یہ تو کوئی اور ہی تھی۔ عصمیں نے اور گہرے رنگوں کی موجودگی کا احساس کر کے اچانک نظریں پھیر لیں۔ اس کا موتیا یوں دیکھتے رہنا صرف اور صرف اس حیرت کی بنا پر تھا کہ وہ اتنی سی اب تک کیوں نہ چاہا تھا کہ اس کا یوں دیکھنا اس کا یوں سننا اس سے اچھی اور سنتوں میں نہ آیا جا سکتا تھا۔ اس لیے ہر سوں سے بلا روک ٹوک بغیر کسی جھجک کے اپنی اس سب سے اچھی اور بے تکلف دوست کے ساتھ وقت گزارنے والا عصمیں اس ایک بے اختیاری حرکت پہ بھی ہوتے نظریں پھیر رہا تھا۔

مگر اندر آتے ہوئے ذرا سی ذرا سی بھی بیٹیں اٹھا کے سامنے دیکھنے والی موتیا نے اس کی تصویر کی چوری بھی

نہ رہ سکی۔ اس کا دل انگوٹھی نہیں پہنا چاہتا تھا۔

اسے شہزادی خلعت النساء کے برابر بٹھا دیا گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی اپنے چچا حضور کے دائیں جانب جڑ کے بیٹھا تھا۔

اسٹیج میں شاہزادی حرمت کشاء اندر داخل ہو گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے گل مہر تھی۔ اس نے ساری کا نکلا ہوا سبز بھی پہن لیا تھا۔ شاہزادی حرمت کشاء نے سبز ہی پہنا تھا۔ ان کی ہدایت پر دھویا تھا اور نکھرے ہوئے بال بھی سمیٹ رکھے تھے مگر وہ اپنے ماتھے کے نیل، آنکھوں کے شرر اور وہ گاہے گاہے کے تیس آئی تھی۔ یہ سب صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ اندر آئی مگر کسی کی جانب نگاہ کیے بغیر کسی کو مخاطب کیے اسی اجنبیت اور اتفاق کے ساتھ قدم بڑھاتی رہی کہ اس پر بڑے تکلف کے ساتھ بیٹھ گئی اور تو اور اس نے اپنے بزرگوں اعلیٰ کو بھی سلام کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ یوں وہ بیٹھ سے ہی اسے طوعاً کرہاً تو برداشت کر لی تھی مگر معمولی ہونے کے ناتے یا مہمان ہونے کے ناتے اس کا اسے بیٹھنے مقدور بھر تقسیم رہے ہی پوچھی تھی۔ آج اس نے ضروری نہ بنا لیا۔ وہ اندر سب سے گزر بسر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم ابی حضور" یا سمین نے انگوٹھی کی تلقین دیا شاہزادی خلعت النساء کی جانب بڑھائی۔

"اجازت ہے بھائی میاں!" اس نے نواب صاحب سے رسماً دریافت کیا۔

"آپ کی امانت ہیں بھائی بیگم۔"

اور انہوں کا سوچتا آغاز تھا ہاتھ لے کے سینے کی بارگاہ سی انگوٹھی پہنا دی۔

مبارک سلامت کی آوازوں کے ساتھ ایک اور آواز عمیص کو اچانک سنائی دے رہی تھی اور وہ تھی اپنے دل کے دھڑکنے کی۔ دل جو سالوں سے گل مہر کے نام پہ دھڑکنے کا عادی تھا۔ آج پہلی بار کسی اور کو دیکھ کے دھڑک اٹھا تھا۔ عمیص علی کی اس بے ایمانی پہ حیران رہ گیا۔ وہ اتنی دیر تک اس کی بزم میں شامل کیے جانے والی تھی اور وہ اس فیصلے کو تقدیر کی رضا جان کے راضی تھا۔ آج وہ تو ہم سر حقیقی کے ساتھ بالکل خوشامد بلکہ طور پر اس کی زندگی سے وابستہ ہو گئی تھی اور وہ اسے تقدیر کی رضا کہیں بلکہ تقدیر کی پہلی جان رہا تھا۔

"ہل ہو جیا" تمہارے ساتھ انصافی ہوئی کہ کسی کون مانے تمہارے جیسا گھبرو نے لو روحی بھر کے خوش ہی نہ ہو۔ میں خوش ہونا چاہتا ہوں مگر تمہاری ناخوشی مجھے ایسا کرنے نہیں دے رہی۔ میں مسکرانا چاہتا ہوں مگر اس کی بھی ملیں مجھے ایسا کرنے نہیں دیتیں۔ یہ نئی محبتیں میں اور نئے رشتوں میں بندھ جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان اپنی ذات کے بھی ان میں فراموش کر دے۔"

○ ○ ○

"ناقابل کو ہوش تو آ گیا ہے۔ لمحہ کی صورت ہی رہی تو چند دن تک وہ بھلے چنگے ہو کے انشاء اللہ گھر بھی نوٹ جائیں گے۔ آپ بلا تنے پریشان نہ ہوں بھائی۔"

پچھلے تین دنوں سے وہ گاہے گاہے میں کئی بار یہ پیشل آ رہی تھی بلکہ پہلا سارا دن تو اس نے اسپتال میں گزار دیا تھا اور بقیہ کے لیے گھر واپس گئی تھی۔ آج وہ تھا کہ ان کو رخصت کر کے واپس آئی تھی۔ ان سے تو پہلی بار شہزادی کو مخاطب کیا تھا اور وہ بھی بہت دیر کے بعد اور کہے۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ بہت اچھا تو ارشاد ہے اپنے لیے بھی دعا کیجیے گا۔" مگر وہ اس پہ بھی بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ اسے اس مختصر جواب کی بھی توقع ہرگز نہ تھی کہ کیا وہ اتنی نرمی سے ملے۔ اس کا حوصلہ بڑھا۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں کب تک ہوش آ جائیں گے والدہ؟"

"دیکھیے۔" ایسا انتظار کا ہی عالم تھا اور بہزادی بے اختیاری اور مسلسل سامنے کوریڈور کی جانب تکتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے لیے چائے نکالوں؟" اس سوال پہ شاید شہزادی نے اپنا عمل کھو دیا۔ بہت ناراض سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا کہ وہ خجل ہو کے رہ گئی۔

"تم تو میں یہاں مہمان ہوں نہ۔ تم مہمانی کرنے۔ ماموں ہو۔ پھر یہ پوچھا کیں لیے۔"

"آپ کے سر میں درد ہے نا اس لیے میں نے پوچھ لیا۔" اس نے سر جھکا کے وضاحت کی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میرے سر میں درد ہے؟" وہ چونکا۔ جواباً وہ صرف مسکرا دی۔ پہلی بھرو اور پر اعتماد مسکراہٹ تھی اس کی۔ شہزادی اپنا آپ ڈوبتا محسوس ہوا۔

"اب کیا ہے بھئی یہ بے وقوف لڑکی۔ ؟ اوہ نو؟" وہ کوفت سے سر جھٹک کے رہ گئی۔

"خراب کر جاؤ۔ کب تک بیٹھی رہو گی؟"

"اماں کی آنکھیں کھلنے تک چلی جاؤں گی۔"

"وہ تو غالباً رات تو دس بجے تک ہیں۔ تم تو صبح کے روزی ملی کیا اب تک بیٹھی رہو گی؟ اور کوئی کام نہیں کیا؟ یا پھر آج سے پہلے کبھی نہیں آئیں کیا؟ ہیں؟" اس کے لیے وہ بے تو کیلے جملوں پہ وہ غائب ہو گئی۔

"نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ شاید آپ کو میری موجودگی ناگوار لگ رہی ہے۔" اس نے اپنا خود پر بک اٹھاتے ہوئے کہا۔ شہزادی صوا کا بھی پڑھنے کی کوشش کی اور وہ اسے توفیق نہیں ہو رہی۔

"بہت مشکل ہے بہت مشکل ہے۔ پتھر کا موم ہونا اور اس سے بھی مشکل ہے۔ لمحہ کا لمحہ میں پیدا جی کے مطابق میں پتھر ہونا۔ کتنا بھی دل کو سمجھاؤں مگر ہم بہت مانا ہیں نہیں۔ سنا دے کے لیے اسے تو ان کو خوف نہ تھا۔ بار بار یوں مل بھی تو ایک سلاوا ہے مگر دل اگر اپنے سلاوں سے بہلنے لگے تو اس دل کو "دل" کون کہے۔"

وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ پارکنگ کی جانب بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"ایک آپ لڑکی کے ضمیر سے دور ہو رہی ہیں بالکل اس سے ڈرل رہے تو کوشش کریں مگر میری پرکوشش یہ تالم بتا رہی ہے۔ سوچا تھا تسلی ہو گئی ہے اور وہ بھی زندہ ہے۔ چلو اسپتال سے تسلی کر لی ڈاکٹر بھی ختم ہو گئی۔ لیکن ہوا۔ بہت بری طرح سے بہت بچھڑ رہی ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے تھکی سی بیٹھی بالکل باہر بیٹھا تھا جب آپ نرس کو تیزی سے باہر نکلتے دیکھا۔ اس نے اپنے دھیان میں خاص توجہ نہ دی لیکن جب اسی نرس کے ہمراہ بند ہوتے دروازے پر ڈاکٹر کو آتے دیکھا تو اس کی تاریخ کا تھا تو وہ پریشان ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپنی ہر لمحہ ڈاکٹر ہم تھینک یو پیس؟"

اس نے پوچھنا چاہا مگر ڈاکٹر کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اگلا تو ہاتھ اس کے لیے بہت کٹھن تھا۔ دونوں نے چلے بیٹھی طلبی کی طرح گزارا۔ کوئی بکھرا شانے پہ تیار نہ تھا۔ وہ سری جانب ہوا کے لوگ آ رہے تھے۔ صبح شہزادی نے ہی اسے گزارا کرنے گھر بھیجا تھا اور شام کو ذرا بہتر بھیج کر دیا۔ یہ اسپتال بلانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اب وہ بار بار وہاں کی تاریخ تھی اور وہ کا تا چار تھا۔ یہ بھی تھی کہ پہلے ڈاکٹر سے بات ہو جائے۔

"مسٹر ملک!" اپنا خبر اس نے اسے مخاطب کیا۔

"آپ کے نام ایک خط آیا ہوا ہے اگر چہ یہ ایک ماہ شدید نہیں مخاطب تین دن پہلے والا۔ لیکن یہ چونکہ اس ایک کے بعد سے پہلے ان کی صحت خراب تھی اور ان کی وائف سائیڈ پر ایکٹر تھی ہو چکی تھی اس لیے یہ صرف ایک دو سال نہیں سکے۔"

"کیا لیجیے؟" وہ لڑکھڑا کے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے رہ گیا۔

"نہیں نہیں۔ ابھی بھی ایک امید باقی ہے۔ دعا میں بچے تھے۔ اگر کل اذان میں انہیں ہوش آ جاتا ہے تو انہیں زندگی کی جانب لوٹنے میں بہت کم وقت لگے گا۔ بس یہ دعا کیجیے گا۔ میں کوئی طویل نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں صرف آپ کی دعائیں ہی کام کر سکتی ہیں۔ کوما کے پیشنٹ کو ہوش میں لانے کی کوئی میڈیکل

تدبیر نہیں۔"

"آمنہ! ابا جی۔ میری اک بے معنی سی خواہش نے آپ کو موت کے کس قدر قریب کھڑا کر دیا ہے۔ میری زندگی میں رنگ بھرنے کی ظالم آپ اپنی زندگی کھو رہے ہیں۔ کیوں بھول گیا تھا میں یہ حقیقت اس سارے معاملے کے اس پہلو کو میں نے کیسے نظر انداز کر دیا کیوں نہ پہلے تجھے خیال آیا کہ حقیقت تجھے یہ نواب صاحب کا رد عمل شدید ترین ہو سکتا ہے جس کا خمیازہ مجھ اکیلے کو نہیں بلکہ میرے بوڑھے ماں باپ کو بھی بھگتنا پڑے گا اور قسمت کی ستم ظریفی دیکھو یہ قسمت جب ٹوٹتی تھی تو مجھے ہی مظہر سے غائب ہونا پڑا۔ مجھے جو اس ساری صورت حال کا ذمہ دار ہے اور بھگتنا پڑا میرے ابا جی کو۔ وہ پہلے ہی اس کے مخالف تھے۔ پتہ نہیں کیا کیا چرکے لگائے ہوں گے اس نواب نے خود اس حال کو پہنچ گئے۔ اس نے محل کے کچھ خاص بنایا ہی تو نہیں۔ صرف یہی کہتی رہیں کہ ہماری عمر کی نزاکت ایک طرف اور وہ نزاکت ایک طرف۔ آج خیال ہے کاش میں اس وقت وہاں ہوتا تب یہ کیا کیسے کوئی میرے بے قصور ابا جی کی بے عزتی کر لے۔

بے قصور ابا تو یوں وہ۔ کیا یہ ان کا قصور ہے کہ وہ اس خاندان میں پیدا ہوئے اور کیا یہ بھی ان کا قصور ہے کہ انہوں نے تعلیم سے بے بہرہ ہوئے اور شعور سے آگہی نہ رکھنے کی وجہ سے اپنے آبائی پیشے کو ہی جان سے اپنایا۔ بے قصور تو میں بھی ہوں کیا یہ میرا قصور ہے کہ چند اعلیٰ نسب لوگوں کی نظر میں کم حیثیت گھرانے جانے کے باوجود میں نے بھی عزت کمانا چاہی۔ اپنی پسند سا ساتھی تلاشنا چاہا۔ ایک ایسا ساتھی جو میرے اندر کی محرومیوں کی تسکین کر سکے۔ عزت و حیثیت کی اس تگ و دو نے اعلیٰ حیثیت سے سیراب کر سکے۔ میں صاحبزادی نہیں علی خان ہمارے قصور اتنے بڑے نہ تھے۔ میں کہ تھی تمہیں اپنی بیٹی کی شادی تو نہ کرنے تمہیں اس کا خیال تھا میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا قاعدے سے انکار ہو تو میں بھی قاعدے سے پیچھے ہٹا ہوں لیکن ضابطہ اب تم نے توڑے ہیں اب کہ تو میں بھی نہ بخشوں گا۔ تمہاری خوشی مسلط ہوئی اگر میرے ابا جو تو میں چپ چاپ برداشت کر لیتے بے عزتی کے اس جان لیوا وار سے بچ نکلتے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ آج زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں۔ تمہیں میں بچپن کی نیند نیچے سلانے والی عزت تمہارے لیے عزت ہی سب کچھ ہے بس اس کی تو تمہیں اب سنبھالو اپنی عزت۔"

☆ ☆ ☆

"امی میں نے کہا مبارک ہو۔"

وہ اپنے دھیان میں چولہے کے آگے چائے کے لیے کھولتے پانی پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب عصیص کی سرگوشی کان کے بے حد قریب گھومی اور وہ تڑپ کر پلٹی۔

"کہاں گم تھیں؟" وہ محظوظ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔ اس وقت سوتیا کی حالت ہی کچھ ایسی تھی۔ اسے اتنا نزدیک پا کے وہ بے حد گھبرائی گھبرائی سے کچھ کچھ شرمائی شرمائی سی لگ رہی تھی۔

"کہیں ہوں۔" بہت آہستہ آواز میں کہہ کے اس نے چائے کا پانی اٹھایا اور پیالی میں چائے ڈالنے لگی۔

"چائے ہو گئی؟" وہ اشارے سے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"بالکل کی ٹرالی لیں گے۔" آج اس کی لہجہ ہی بدلی ہوئی تھی۔ سوتیا کو اس مسلسل چڑانے والے انداز پہ بے حد جھنجلاہٹ محسوس ہوئی اور کوئی وقت ہوتا تو عصیص کے بدلے تیور اس کے دل کے ارادوں کو سمجھ جاتے لیکن اس وقت اس کا دل اپنا غصہ دوسرے پہ اتارنے کو چاہ رہا تھا۔ اسے یہ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ اس کی کوئی بات خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ عصیص بھی اس کی کیفیت بھانپ گیا۔

"کیا بات ہے کچھ بھی تھی کچھ اکھڑی اکھڑی سی لگ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں تھی؟" وہ اس کا سوال یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "بس یہ ورکر لیا۔"

"کھلی ہو جانے کے بعد میرا شوگر لیول ہائی نہیں ہو گیا میں صبح بھی دو چمچے چینی لیتی ہوں۔"

اس کے تیور دیکھ سوتیا نے خائف ہوتے ہوئے خاموشی سے ہمارا اور قدرے شوخ بھی۔

"اچھا اگر تم اپنے "انا مائل" سے میری زندگی میں کچھ رس نچھ شیرینی گھولنا چاہو تو دیا لگ بات ہے۔"

"ایلیں عصیص۔" وہ اس کا موڈ بھانپ کر اچانک ہی اور بھی ماہر نظر آئی۔

"بات کیا ہے سوتیا؟ پلیز بتاؤ نا! ہمارے رشتے کی نوعیت بدلنے کے بعد ہمارا پہلا رشتہ ہماری دوستی کو ریڈ کر رہی ہے؟ سچ سچ بتاؤ کل نے کچھ کہا ہے۔ کوئی بات ہوئی ہے اس سے کیا؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"یہی تو بات ہے۔" اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔

"یہی تو ساری بات ہے عصیص کہ اس نے کچھ کہا نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ کوئی بات ہی نہیں ہوئی حالانکہ۔" اس کی آواز بھرائی تو عصیص اس کی گہری دکھی کا سبب جان گیا۔

"تو کہہ ہی ہاں کہہ۔" وہ کچھ نہ کہنے تو مسئلہ۔ "اس کے دکھ کی وجہ بیان کے بھی ہو قصد اس معاملے کو بتا بھٹکا کے رہا تھا۔

"یار تم سب محل کو ایک "عصیص" کی طرح کیوں لیتے ہو۔ اس کے ہر عمل کو اعتراض کی عینک لگا کے کیوں دیکھتے ہو۔ وہ ایک نارمل انسان ہے اور اس مرحلے پہ نارمل ہی ری ایکٹ کر رہی ہے جیسا کہ کسی بھی نارمل انسان کو کرنا چاہیے۔ اسے دھوکا لگا ہے "شدید دھوکا" اسے سنبھلنے کا موقع دو۔ وقت دو۔ سب یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ ہنستے ہنستے چنبلی مارنے سے ہنستے کھیلتے گزر جائے اور ہم میں سے کون ہے جس نے اسے سنبھلنے میں مدد دی ہو بلکہ انا کا سب کو اپنی پڑی ہے۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ مگر سوتیا نے اس کی اس ادھوری بات سے مکمل مطلب اخذ کر لیا۔

"نہیں عصیص۔ اپنی ابا جی نہیں۔ ہم سب کی اس کی خوشیاں عزیز ہیں سب کو۔ تاہم کیا ہوا ہے یہاں کوئی آتش بازی ہو رہی ہے؟ یہ دھماکا کیا جا رہا ہے؟ کس برتن میں تماشے بانٹنے جا رہے ہیں؟ صرف ابا حضور کے دل کی تسلی کی خاطر ان کی ایک خواہش پہ اتنا عمل کیا ہے کیا اس کا ان سے کوئی رشتہ نہیں؟ ہم سب اس کے کچھ نہیں لگتے ہیں اس کی بہن نہیں؟" اچانک اس کے رکے ہوئے آنسو بہہ گئے۔

"کیا وہ تجھے تو محل کے اس اہم موڑ پہ ایک حمایت نہیں دے سکتی تھی۔ ایک لفظ تک نہیں ادا کر سکتی تھی جھوٹی مبارک باد کہہ دیتی رات تھی وہ رات تھی تو پھر تم لوگ اسی کمرے میں منہ موڑے جب جاب لٹکی رہی۔ مجھے یہ بتا دو کہ کمرے میں جانب دیکھا تک نہیں اور اس کے بعد محل بھی سارا دن اور آج بھی آج تک ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"یعنی اس کی طرح تم نے بھی اسے نہیں بلایا۔" اور جواباً اس کے اثبات میں سر ہلانے پہ کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ بھی کچھ سوچ رہی ہو جو تم سوچ رہی ہو۔ اسے بھی کمرے میں یہی گلہ ہو۔ تمہیں شکایت ہے کہ اس نے تمہاری خوشی میں شریک ہونا گوارا نہیں کیا تو یہ شکوہ اسے بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس کے دکھ میں شریک نہیں ہوئیں۔"

بات سوتیا کی سمجھ میں آ گئی۔

"ہاں ٹھیک ہی تو کہا تم نے عصیص۔ وہ کتنی دور ہے اس سے اپنی مرضی کے خلاف خود اپنے معیار سے کم کچھ حاصل کے اس پر برداشت ہوتا ہے۔ جو ہوا برا ہوا اور واقعی محل کی غلطی کے نتیجے میں ہوا۔ ہم نے اتنا خوف تو دکھایا کہ اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے سے گریز کیا۔ اس کے غلط فیصلے کے بعد ایک تو ہم نے اس کی کھلی پیٹھ جتلا مناسب نہیں سمجھا کہ اس کی دل آزاری ہو اور اس کی ندامت کھسیاہٹ میں تبدیل جائے مگر یہ کافی تھا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا کیا تم نے؟ کچھ بھی تو نہیں اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔" کچھ دیر محل تک اس سے شادی کا اب اپنا کیا سوچ رہی تھی۔

چائے کے دو کپ شامی کباب کے ساتھ ٹرے میں رکھ کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ باقی تھی محل نے اوپر کو

برائے نام سا کھانا کھایا تھا۔ ساری دوپہر اس نے ڈاک میں چٹھیاں ڈالنے اور ٹھیکے منسوخ کرانے کی کوشش میں گزار دی تھی۔ ابھی وہ ٹھیکے منسوخ کروا رہا تھا اسے اسی انداز میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا مگر اب جب چائے کے ساتھ آئی تو اس کا رنگ بھنک کر رہ گیا تھا۔ وہ تک تک سے درست کہیں جانے کو تیار اپنے ڈریسنگ میں سلور اسٹیپ والی سینڈل پہن رکھی تھی۔ شاید ابھی ابھی نہا کے نکلی تھی۔ کلف لگے قمیص بلکی بلکی لیے ہوئے تھے اور پشت سے لائٹ پنک کلیں بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ شاید ہلکے گیلے بالوں کی وجہ سے۔

"تم کہیں جا رہی ہو؟" موتیا نے پوچھا مگر وہ جواب دینے کی زحمت کیے بغیر اپنے بیگ کو کھول کے کچھ نہیں کیا اسے دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔ کہیں تو نہیں جا رہیں؟" اچانک اسے سوجھا۔

"اس وقت کہاں جاؤں گی کیا کروں گی۔ بس جا رہا ہے ہی جانا ہے ایک دن۔"

"تو جاؤ تم اتنا صاف ہونے کے بعد بھی وہاں جاؤ گی۔" وہ اس کو دیکھ جانے آئی تھی مگر اب عصمیں کی ساری باتیں فراموش کیے اس سے الجھ رہی تھی۔

"کیوں نہ جاؤں؟" گل نے ٹھاٹھے چلائے۔ وہ ایک ٹیک کا دھرے پر لگائے اس گھڑی سج دھج کے جانے کو تیار تھی۔

"وہ شخص ایک فراڈ ہے بہت بدنام ہے گل۔ ایا حضور نے صرف اس پہ شبہ نہیں کیا بلکہ اس بات کو ثابت بھی کیا ہے اور وہ دونوں کو اس کے جھوٹے ذرائع بازیابی پہ بھی مکرے نہیں۔ انہوں نے قتل کیا کہ ان سے غلطی ہوئی لب کیا جو راز رہا ہے ایسے شخص سے تعلق قائم رکھنے کے لیے جس نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس مشکے کی بنیاد ہی جھوٹ پر قائم کرنا چاہتی۔ تم سمجھتی کیوں نہیں گل ناناکہ تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہوگا مگر تمہیں ایسا کرنا ہی ہوگا۔"

"نانا۔۔۔ نانا۔" کیا کرنا ہوگا نہیں۔" وہ اس کے نزدیک تلی اور سینے پہ ہاتھ باندھ کے بظاہر بڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"تمہیں اپنے دل و دماغ سے اس شخص کا خیال اس کی محبت اور اس کی طلب نکالنی ہوگی۔ یہی تمہارے لیے اور ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔"

"ہم سب کا تو ہمنے ٹھیکا نہیں لے رکھا البتہ ہم اپنے لیے صرف اور صرف بہتری کرنا چاہتے ہیں اور یہ تمہارا مشورہ تو ہم اس پہ بھی عمل ضرور کرتے اگر ہمارے دل میں اس وقت نکالنے لائق کچھ باقی ہوتا۔ کیونکہ یہ بیکار شے طلب ہے نہ ہی چاہت۔ جو ہے اسے فی الحال نکالنا مصلحت کے خلاف ہے اور معاف کرنا ہم تمہاری دوسری خواہش پہ بھی عمل نہیں کر سکتے۔ آج تو نہیں مگر ایک آدھ روز تک ہم آپس میں جائیں گے ضرور۔"

"کیا مطلب؟" موتیا کے چلنے اس کی ایک بھی بات نہ پڑی۔

"بھائی! کیا ہم اپنے ڈیوز چھوڑ دیں؟ بھی محنت کی ہے اپنی حق تو نہ چھوڑیں گے۔ وصول کرنے اور باقاعدہ استعفیٰ دینے جانا ہی ہوگا۔" وہ بہت نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ فضول بات کرنے آیا ہے۔" وہ ذرا سے پلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھول کے اندر آئی تو۔ شاید گل سے اس سے رازداری سے بیٹھے کوئی بات کرنا تھا اور یہ اس کے سراغ میں ہوتے تھے۔ عصمیں نے اسے یہ کہتی تو "اپنی اوقات میں رہو گل" تمہیں قرار دے رکھا تھا۔

چائے کا کپ پڑے پڑے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ موتیا گل کے بدلے ہوئے انداز پہ الجھ سی گئی۔ کہاں تو آج تیسرا دن تھا وہ کسی سے بات کرنے کی روادار نہیں تھی۔ منہ ہاتھ دھو رہی تھی ذہن سنوار رہی تھی۔ بڑی باسنگ سے کھا رہی تھی اور کہاں آج یہ عالم تھا کہ ٹک ٹک سے تیار اتنی کرم سے پہر میں دکشہ منگوا کر جانے کہاں چل دی۔ اس وقت تو ٹرے دونوں کے کسی بھی کام کی پہ سایہ تک نہ لگا رہا تھا۔

"سنو رکھو۔" اتنی کہنے کے بعد اس نے ٹرے میں وہ ٹھنڈی چائے کا کپ اٹھائے کمرے سے نکلی تو ہر قدم میں ریڈیو کان سے لگائے بیٹھے رکھو کو پکارا۔

"جی بی بی! ہم سب تن گوش ہیں۔"

"ہم پوچھ رہے ہیں گل کس طرف گئی ہے۔"

"ہمیں تو صاحب ہی کی بات والی ماریکٹ کا حکم کر کر دکشہ منگوایا ہے۔ پانچ سو روپے پکڑائے ہیں ہم نے رعب ڈال کے ہمیں پہ بات ختم کرائی۔"

"اور کچھ۔ میرا مطلب ہے کچھ واپس آنے کے بارے میں کہا آیا یہ کہہ کر وہ کیا لینے جا رہی ہے؟"

"کچھ اتنی بات دوہرایا ہم نے کب کرتی ہیں۔ ہاں اتنا تو پوچھا تھا کہ عصمیں گھر پہ ہیں یا اسٹور چلے گئے۔ ہم نے بتایا کہ ابھی ابھی اسٹور کی طرف نکلے ہیں دوپہر کے کھانے کے فارغ ہو کے۔"

"عصمیں کے بارے میں پوچھا۔ مگر کیوں؟" اس کی الجھن مزید بڑھ گئی۔

"اور کی بھی ہی مارکیٹ میں ہے۔ کہیں عصمیں کے اسٹور پہ۔" اس کے کہنے کو کیا بچے لگ گئے۔

"کیا کیا بتایا کہیں جا سکتی ہے؟ نہیں بات کر سکتی وہ عصمیں سے؟" ایک گلاس لھٹا پانی پی لے اس نے خود کو لفظ اکٹھا کیا۔ مگر ناکام رہی۔

"چل کر سکتی ہے۔ ضرور بات کر سکتی ہے وہ عصمیں سے مل بھی سکتی ہے مگر وہاں گھر پہ بھی چل سکتی تھی اس سے۔ کوئی بات کرنا تھی تو یہیں کر سکتی۔ ایک ہی گھر میں رہتے کے بعد اسی کو ان کی بات ہو سکتی ہے وقت کرنے کے لیے اسے عصمیں سے اس کے اسٹور پہ اکیلے ملنے جانا پڑا۔"

☆ ☆ ☆

گرمی اتنی تھی کہ اسے دوپہر کو دو گھنٹے کے لیے اسٹور لازماً بند کرنا پڑتا تھا۔ ایک تو دوپہر کے وقت کسٹمرز بھی خاص نہ آتے تھے۔ عام ضروریات زندگی کی چیزیں ہوں تو پھر ہیں گھنٹے کوئی نہ کوئی گاہک آ ہی جاتا ہے مگر اس کا بلی ہی اوشام کے اوقات میں زیادہ چلتا تھا۔ ٹھیک دوپہر کے وقت جب آپی اس کے اسکول اور کالج میں مصروف ہوتی تھی۔ تو وہ اسٹور میں نیت کارڈز یا کانگ کارڈز خریدنے آتے یا پھر کچھ نہ کچھ فوٹو اسٹیٹ کروانے اس نے ایک ۔۔۔ فریج بھی رکھ لیا تھا گرمی سے بے حال کسٹمرز کو جوس رکھنا پلانا یا فوٹو کسٹمر بھی لے لیتے مگر اس کے بعد کی گھنٹے تک مارکیٹ سنسان ہو رہتی۔ شام ہوتی تو چہل پہل شروع ہوتی۔ کچھ دن وہ بھی اسٹور کے غور میں جتنا ممکن رہا پھر دوپہر کے وقت وقفہ کرنے کا سوچا۔ فی الحال وہ اسے ایسا ہی یا اسٹیٹ افورڈ نہیں کر سکتا تھا کام ٹھیک جا رہا تھا مگر وقفہ اٹھانے کے زیر بار نہ ہونا چاہتا تھا۔ حال ہی میں ایک موٹر بائیک بھی حصول پہ حاصل کی تھی۔

آج بھی اس نے حسب معمول دوپہر ہوا دینے کے قریب اسٹور بند کیا گھر جا کے کھانے سے ایک بجا کلاس خوب جھاڑ دار نظیر لی کا بنایا جس کے زیر اثر غنودگی کو زائل کرنے کے لیے پورے بدن سے تک شاور کا مزا لیا۔ خاص بھوک تو نہ تھی مگر موتیا نے اس کے آنے ہی روٹیاں پکا کے لپیٹ دی تھیں اس وجہ سے تھوڑا سا کھانا بھی کھایا۔ کچھ وقت ابا حضور کے ساتھ گزارا کے وہ سونے کے لیے چلا آیا۔ سونے کا وقت تو جا سکیں تھا اس لیے ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ چائے کے ایک کپ کے ہمراہ کچھ شب ہو جائے گی۔ اس نے بند آنکھیں بند کیے کے بعد سے اب تک دونوں کے درمیان ڈھنگ سے خاص بات بھی نہ ہوئی تھی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں گل موضوع گفتگو بن گئی۔ گھر سے نکلتے ہوئے بھی عصمیں نا صفہ سے یہی سوچتا رہا۔

"مجھے جانے کی کام نہیں کہنا چاہیے تھا۔ مجھے نہیں بولنا چاہیے کہ موتیا اب صرف میری دوست اور گھر والا نہیں بلکہ میری منگیتر ہے اس کے بھی پتہ حقوق ہیں اور ظاہر ہے کچھ توقعات بھی۔ مجھے پہلے کی طرح ہر بات میں گل کو درست اور اسے غلط نہیں قرار دینا چاہیے۔ گل کی جانب جو محبت کرتے کرتے مجھے اس بات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ یہ عادت اب ترک کر دینی پڑے گی۔"

وہ یہ فیصلہ کرتی بیٹھا تھا جب اچانک غیر متوقع طور پر گل اندر آئی۔

"خیر۔۔۔؟" اس کی چہرا بجا تھی اور اس کا اظہار بے ساختہ تھا۔ پھر اس نے دو تین بار اس کی بابت دریافت کیا تھا اور پتہ چلا تھا کہ وہ سو چکی ہے۔ موتیا نے یہ بھی بتایا تھا کہ پچھلے دو روز سے اس نے کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ چچی حضور نے بھی وہ بے اعتنائی میں اس کے انوائی کھوائی لے کے جانے کا ذکر کیا تھا اور اس وقت آہستگی اور رنگ خوبصورت پرنٹ کے نان کے سوٹ میں ملبوس اس کی اور گلوں کو اپنی ہالا دیئے سر پہ لیے وہ بڑی فریش فریش اور تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ کھلی مسکراہٹ میں کوئی تصنع نہ تھا۔

"اتنی گہری نیند تم کیوں لیتیں؟ کوئی خاص کام تھا کیا؟"

اس نے آگے بڑھ کے صوفے پہ بیٹھنے کے پیچھے اپنا واحد استعمال رکھا اور صوفے کی سیٹ بھی تیار کر دی۔ سارے کام ہو رہے تھے مگر رعب کی شدت اور مدت دونوں برقرار تھیں۔ اس کا انداز گل کے تھکے تھکے چہرے اور اس پہ نمودار ہونے کے آثاروں سے بخوبی ہو رہا تھا۔

"ہاں حضور قیلولے کے لیے جھنگ میں گئے تھے اور مجھے توقع ہے کہ وہ عصر کی نماز ادا کرنے وہیں سے نکل جائیں گے اور مغرب کے بعد ہی آتے ہیں۔ موقع اچھا تھا تو ہم نان کے آنے سے کہیں پہلے فارغ ہو سکتے ہیں۔ بھی بچ جائیں گے اگر شام تک کا انتظار کرتے تو۔۔۔" اس نے بیگ سے ایک لفافہ نکالا۔

"فون کرنا ہے؟" عصیص نے اندازہ لگایا تو درست نکلا۔ وہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"شہزاد ملک کو؟"

اس سوال کا جواب بھی ایک خموش اثبات میں ملا۔

"اصل بے حسیں غیر تحت یار نہیں۔" اسے حیرت ضرور ہوئی تھی مگر اس کے یہاں آ کر فون کرنے کے فیصلے پہ مگر اپنی حیرت چھپاتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"جیسی تو ہی اسی نے ہم فون نمبرز اور ایڈریسز ریکارڈ کرنے میں ذرا بے حسی دی ہیں۔" اس نے ٹیلی فون سیٹ آگے کرتے نمبرز دیئے تھے۔ عصیص تعدا" وہ سری جانب صوفے پہ ہو گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ریسیور رکھنے کی آواز پہ چونکا۔

"کیا ہوا؟"

"بیٹھی میں نہیں ہے۔ کیا ہم موبائل نمبر ٹرائی کر لیں۔"

"ضرور۔ تمہارا ہی فون ہے۔"

"اسی صورت ہے۔ یہ ٹیلیفون نمبر تو ہے پا پھر نمبر نہیں مل رہے۔" ایک دو بار نمبر ملانے کے بعد اس نے پھر مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

"ریلیکس۔ کچھ پیو گی؟ کوک۔۔۔ جوس؟"

"نہیں ابھی طبیعت ٹھیک ہے۔"

"گل! اچھا ہوا آخر خود آ گئیں۔ میں ویسے بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"تم بھی کیوں نہیں بتایا؟" کسی نے منع کر دیا تھا؟" گل نے بڑے جھنجھلے انداز میں کہا تھا۔ وہ نظر انداز کر گیا۔

"بھولو گل! اس دن جو ہوا اس پہ سب کو افسوس ہے اور مجھے خاص طور پہ اس لیے کہ میں اس روز سے گزر چکا ہوں۔ اگرچہ یہ معاملہ دو ریمیں بہت پہلے طے ہو چکا ہے کہ اب میں بھی تم سے اپنی پہلی دلچسپی کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں صرف ایک مثال کے طور پہ اسے بیان کر رہا ہوں۔"

"عصیص! تب جناب کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔" وہ ہنسی اور اس کی یہ ہنسی عصیص کو سراسر بناوٹ محسوس ہوئی۔

"اگر یہ باتیں سے کم ہو جاتا ہے گل۔ میں نے بھی سوچا تھا کہ تمہارے ٹھکرانے جانے کی اذیت چپ چاپ سہہ لوں۔ اگر ایسا کرنا میرے لیے بہت مشکل ثابت ہوا اگر موتیا میرا ورنہ باقی تو میں آج تمہیں اتنا مردود نظر آ رہا ہوں کہ تمہارے اجتناب کی بھی کمی نہیں رہی۔ میں ذلیل ہوتا ہے تمہاری ای حضور ہیں۔ تم نہیں اپنے آپ سے الگ کبھی مت سمجھنا۔ بلکہ حضور وقتی طور پہ تم سے برگشتہ ضرور ہیں مگر بھی ہمیشہ وان کی جگہ رکھ کے دیکھو تو تمہیں احساس ہو گا کہ اتنا غصہ کرنا وان کا حق بنتا ہے۔"

"میں اب تک سمجھ نہیں پایا کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" وہ ایک بار پھر فون ڈائل کر رہی تھی۔

"صرف یہ کہ اس روز کو رک مت جاؤ۔ مجھے موتیا نے بتایا کہ کس طرح تم پچھلے دو روز سے سب سے کٹی ہوئی ہو۔"

"اس بات کا کریں، مجھے الگ الگ کے مبارکبادیں دینے یا اصول کرتے پھریں۔ اور کسی سے بات کر کے ہمیں ملنے کا بھی کیا فائدہ ہوا ہے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کوئی تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا رہا۔ شہزاد کے رشتہ لانے کی بات چونکہ غیر متوقع تھی اور ہماری روایت کے منافی بھی اس لیے شروع میں سب چونکے ہوئے تھے مگر دیکھتے ہی دیکھتے سب ہی ہوئی ہیں۔ ایک بار ایک روایت کو توڑتے ہوئے پہلا قدم میں نے اٹھایا تھا۔ اس بار ایک اور غلط روایت کو توڑنے کے لیے تم نے ہمت کی۔ ہاں یہ الگ بات کہ معاملہ کچھ اور ہو گیا۔ تب سے اپنے دل کو سمجھایا تھا کہ اس بار دل کو سمجھانے کے لیے انہیں زیادہ وقت اور مزید تامل کی ضرورت ہے۔"

"اس کا مطلب؟" اس نے تھامے تھامے سکون فرمودا ہوئی۔

"تم کچھ میرے نام لو۔ ابھی چچا حضور کا موڈ بے حد خراب ہے۔ فی الحال انہیں چھیڑنا بعید از مصلحت ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کل کو انہیں راضی کر لوں گا۔ سمجھاؤں گا کہ شہزاد ملک کے والدین کا ماضی کچھ بھی رہا ہو مگر خود وہ ایک قابل انسان ہے اور معاشرے میں اپنے فن ہوتے ہیں نام اور عزت بھی کما چکا ہے۔ بس کچھ دن کی بات ہے۔ میرا یقین کرو گل! کبھی یہ بھی وہاں ہی جائیں گے۔ تسلیم کریں گے کہ شہزاد ملک ہر لحاظ سے تمہارے لائق ہے۔"

"اور۔۔۔ اور یہ تم ان سے تسلیم کرا دو گے؟" وہ بے یقینی سے اندر تک ہل چکی تھی۔

"ہاں نہیں۔ کیا میں تمہارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تمہارا حق۔۔۔"

"مگر تم کیا کرتے کیوں؟"

اس کے سوال پہ حیرت سے عصیص نے انہیں سکوت میں۔

"کیوں۔۔۔؟ ظاہر ہے تمہاری وجہ۔"

"ایک۔۔۔ دوسری طرف شاید فائنل کال آ گئی تھی۔ اس لیے گل اس کا جواب ادھورا چھوڑ کے بات کر رہی تھی۔

"ہم صاحبزادی گل مرجانم بول رہے ہیں۔"

"گل مہر۔"

شہزاد نے بے یقینی سے دہرایا۔ وہ بلیس کو لینے کے لیے بیسمنٹ سے نکل ہی رہا تھا ابھی کار اسٹارٹ کی تھی کہ سیل کی بیپ بج اٹھی۔ اسپیل میں اس نے سیل فون آف کر کے رکھا تھا یاد کر کے ہی جانب آتے آتے اس کی کیا تھا اور اسکرین پہ ہی مشتعل کال آئی۔ اس نے اسکرین پہ اس انجان نمبر کو دیکھا اور پھر گل کا تصور۔۔۔

"ہم صاحبزادی گل مرجانم بول رہے ہیں۔"

"گل مہر۔" اسے یقین جیسے خود بخود ہی ہو گیا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس سے رابطے کی کیا صورت نکالی جائے کہ خود اس کا فون آ گیا۔ کئی گھنٹوں کے بعد شہزاد نے ایک اطمینان بھری سانس بھری۔

"اب چاہو صاحبزادہ تمہیں ملی خان۔ کتنے بند ہو گئے مجھے نقب لگانے والی ابھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمہارا

جاتی ہے اپنا ہاتھ ہمارے آگے پھیلایا تھا اور ہمنے تم عزت کے ساتھ میرا کرنے کے روادار نہیں۔ اب وہی بیٹی اتنا خود اپنا آپ بیچنے پر تلی ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کو عزت راس نہیں آتی اور تم شاید انہی میں سے ایک ہو۔ تم نے میرے باپ کی عزت کا خیال نہیں کیا۔ کیا میں تمہاری ناموس کا کروں گا؟ یہ سنہری موقع ہاتھ سے جانے دوں گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مجھے اس چنداتی لڑکی کی محبت میں اور شدت پیدا آگئی ہے۔ آخر کیا یہ میری خاطر اپنے باپ کے نام کو تھوکر مارنے پر راضی ہو جائے۔"

اسے خدشہ تھا کہ اس کی فاقہ کشی پہ گل بھی اس سے کچھ ناراض ہو گی مگر وہ سنا کے بجائے اب غیر متوقع طور پہ اس کا محض اور کرام اتھا کہ اسے یہ مرحلہ بھی سر نہیں کرنا پڑے گا۔

"گل ہوا ہو تو یہ نام نے ایسا کیا کہ مجھ پہ ہنسنا ہے، تو آپ پہ ہنسنا طاری ہو گیا؟" دوسری جانب سے ایک بار پھر اس کی آواز ابھری۔ شہزادے خود کو ضبط نہ کر سکا۔

"دراصل میں تو ہنسی نہیں کر رہا تھا۔"

"اچھا ہم آپ کو فون کریں گے۔" گل نے بات کاٹ کی۔

"وہ کیا ہے میں کہ توقعات تو ہوتی ہی ٹوٹنے کے لیے ہوتی ہیں۔ کبھی آپ کسی کی توقعات پہ پانی پھیر دیتے ہیں تو کبھی کوئی دوسرا آپ کی توقعات کے کل کو ٹوٹنے پہ ہوس کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کیا خیال ہے؟" بڑا کٹیلا انداز تھا جس پہ شہزادہ ٹھٹکا۔ حیرانی کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ گل نے کبھی اس سے اتنی لمبی بات کی بھی نہیں تھی۔ وہ مختصر فقرے منے کی عادی تھی اور زیادہ تر دو تین لفظوں پہ یا ہاں ہوں سے کام چلا لیتی تھی۔

"تم شاید ناراض ہو۔ شاید اس لیے کہ میں تم سے رابطہ نہیں کر سکا۔ دراصل میرے ابا نے۔"

"اوہ۔ کیا ہوا انہیں؟" گل نے ایک دم گھبرا کے پوچھا۔

"ارے نہیں ہم میں ہاتھ آگیا یا کسی لفول جگت کے روکھل کے شور پہ ان کے تماش بینوں میں سے کسی نے کوئی گلاس ٹھنڈا ٹھنڈا مار دیا؟"

"گل مہر!" اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔

"اوہاں ہم تو بھول ہی گئے کہ اب وہ تماشے" نہیں کرتے میلوں ٹھیلوں میں۔ اب تو ایک ایک کے اکلوتے بیٹے اور وارث ہونے کے ناتے آپ ان کی گدی کیوں نہیں سنبھال لیتے؟ آخر "خاندان" کا نام بھی تو روشن کرنا ہے۔"

"بس از تو بچ گل مہر" اس کے چاچا چاچا کے کہے اس طنزیہ فقرے نے چند لمحوں کے لیے تو شہزادہ کو گنگ سا کر دیا۔ حیرت اور بے یقینی سے لکھتے ہوئے اس سے بس اس قدر ہی کہا گیا۔

"شہزادہ ملک۔ آپ اس سے کہیں زیادہ ڈیزرو کرتے ہیں۔ آخر آپ اس شخص کے بیٹے ہیں جس نے ایک عرصے تک اپنے قرب سے لوگوں کو محظوظ کیا ہے، کبھی انسانیت کی خدمت کی ہے اور آپ کی والدہ واہ کس قدر گریٹ خاتون ہیں۔ گلی گلی پیدل پھرتے ہوئے گزری بجا جا کے انہوں نے اپنی آواز کے سر بکھیرے ہیں۔ ہر خاص و عام کو ایک سی رعایت پر انٹرٹین کیا ہے۔ فقط ایک روپے والے قانون پہ۔"

شہزادہ ملک کے اعصاب بری طرح تن گئے۔ اس کے ماتھے اور کنپٹی کی رگ ٹھٹک ٹھٹک کر ابھر کے پھڑک رہی تھی۔ آنکھیں شعلہ بار ہو چلی تھیں۔ اگر کہیں گل اس وقت اس کے سامنے ہوتی تو۔۔۔ شاید۔۔۔ وہ اس کے پرخچے تک اڑا دیتا۔

اب وہی بل بل ہنس رہی تھی۔ وہ ایسے ہی ہنستی تھی۔ شہزادہ نے اسے کبھی کھل کے ہنستے نہ دیکھا تھا۔ بلکہ صرف کی تھی۔ جیسے تبسم کے نظریے ہوتے ہوئے کسی انکھڑی پر اتر رہے ہوں۔ لیکن اس وقت اس کی ہنسی کی ظلم کی لشکر کے تھیں اسلحے الگاروں کی سی حدت تھی۔ وہ حدت جس نے شہزادہ ملک کے اندر سارا ہی سے جلنے

بھانبھڑ کو ہوا دے ڈالی تھی۔

"گل مہر اپنی حد میں رہ کے بات کرو۔"

"اپنی حد تو بچا لینے کی ہدایت آپ نے کی ہے مسٹر۔" ایک لمحہ اس کا ہاتھ نرم لہجہ کرخت ہو گیا۔

"اپنی اوقات سے کہیں بڑی جسارت۔۔۔ صاحبزادی گل مہر خاندان کی خواتین کرنے کی گستاخی ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ گھٹیا اور رذیل شخص کی اتنی بڑی گستاخی ہم آسانی سے معاف نہیں کر سکتے۔ دل تو چاہتا ہے کہ آپ کو چوراہے پہ کھڑا کر کے سرعام کوڑے لگوائیں تاکہ اوروں کو عبرت حاصل ہو۔ انہیں پتا چلے کہ اپنے جانے میں رہنا کس قدر مانع کش ہے۔ بلی کے بچوں کو خوشبو راس نہیں آتی۔ اتنی بڑی خواہش آخر آپ نے کیسے کی؟ کاش ہم اس بزم کی پاداش میں آپ کو کوڑی سے کوڑی سزا دلوا سکتے ہوتے۔"

اور اس سے پہلے کہ یہ پیش رو کے شہزادہ ملک کا اندر باہر راکھ کر دیتی اس نے اپنا موبائل آف کر کے زمین پہ پٹخ دیا۔

وہ حشت زدہ نظروں سے زمین پہ گری اس چیز کو دیکھ رہا تھا جس نے ابھی ابھی اس کی سماعتوں میں انگارے برسائے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اپنے سر کی پشت کو ٹکا دیا تھا مگر اب اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی خود میں ہیٹ ہے۔ شاید وہ اس وقت اس کی سانس بند ہونے لگی۔ اس نے دونوں اطراف کے شیشے اکو دیے اور منہ کھول کے تازہ ہوا اپنے کی کوشش کی۔ اتنا کرنے کی سعی میں اس کے حلق میں مدور تک کانٹے سے اگ آئے۔

"گل مہر۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔" اس نے بے بسی کے عالم میں اسٹیئرنگ پہ مکا مارا۔ جس کی محبت کے زخم میں وہ صاحبزادہ نہیں ملی تھی اس سے انتقام لینا چاہتا تھا وہ محبت ہی مکر گئی۔

جسے سونا کے باپ کی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا وہ خود اپنی چال چل گئی اور کیا عالم چل پایا کہ شہزادہ ملک اس وقت چاروں شانے چت پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا۔ ہم صاحبزادی گل مہر خانم بول رہے ہیں۔"

ابھی اس نے فقرہ ادا ہی کیا تھا کہ عصمت نے قصداً "اپنا رخ پھیر لیا۔ وہ قدرے الگ تھلگ اور دور کھڑا ہو کر بظاہر ریک میں رکھے اس ماہ کے رسائل کی ترتیب درست کرنے لگا۔ مقصد صرف گل کو مقدور بھر رائیگی فراہم کرنا تھا تاکہ سکون سے وہ شہزادہ ملک سے بات کر لے۔

"کیا کہیں وہ چاچا حضور کے شہید بلکہ ایک عدد تک ناسب سلوک کی تلافی کس طرح کرے گی۔ معذرت پیش کرے گی یا کوئی توجیہہ بیان کرے گی؟ معذرت؟ اور گل معذرت پیش کرتی ہوئی بھلا کیسی لگے گی؟"

انتہائی سنجیدہ صورتحال میں بھی اس خیال نے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلا دی۔

"ہاں مومنہ۔ میں ہاتھ آگیا ہے۔"

چھوٹا سا اسٹور تھا اور اس وقت خالی بھی۔ اردگرد بھی پیش نہیں تھا۔ خاموشی کے باعث نہ چاہتے ہوئے بھی گل کی آواز بلیغر کسی کوشش کے باآسانی اس تک پہنچ رہی تھی۔ سخت طنز بلکہ تضحیک بھرے انداز میں کہا گیا یہ فقرہ اس کے کان سے ٹکرایا اور بری طرح چوک گیا۔

"کلرتے ہیں اور وارث ہونے کی وجہ سے آپ ان کی گدی کیوں نہیں سنبھال لیتے؟"

بظاہر سنجیدگی اور رنجیدگی سے کہے اس فقرے میں طنز کی تلخی مار تھی اس کا انداز سننے والے کو بخوبی ہوتا تھا۔

"اور آپ کی والدہ۔۔۔ گلی گلی گزری بجا کے انہوں نے اپنی آواز کے سر بکھیرتے ہوئے ہر خاص و عام کو ایک ہی ریٹ پہ انٹرٹین کیا ہے۔ فقط ایک روپے۔"

اب تو حد ہو گئی۔ عصمت کو ان کمرے کے اسے دیکھنے پہ مجبور ہو گیا کہ اتنا عاجزانہ وار کرتے ہوئے وہ کیسی لگ

رہی ہوگی۔

"جنی تو قدرت سے کہیں بڑی جسارت ٹھل تو چاہتا ہے سرعام آپ کو کوڑے لگوائیں۔"

اس کے چہرے کے نقوش خطرناک حد تک بگڑے ہوئے تھے۔ ہر نقش پہ فقط نفرت ہی نفرت رقم تھی۔ عمیص کو اس کے اندر وحشی ہو کے مچلتی اس نفرت سے خوف محسوس ہوا۔

"ملک کے بڑوں کو تو شیوہ راس نہیں آتی۔"

اور عمیص کا جی چاہا کہ بڑھ کے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دے یا ریسیور چھین لے مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔

"بہاں ایک منٹ کا حوصلہ نہیں سالا ہن کا ندی۔" وہ ریسیور کریڈل پہ پٹخ رہا تھا۔

"کاش یہ کام پہلے کر لیتا اور تم کہتی ہو اس میں حوصلہ نہیں۔ اگر اس وقت وہ کھنچ زندہ ہے کم ہے کہ اپنے حواسوں میں ہے تب بھی میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بے حد حوصلہ مند ہے۔ بے عزتی برداشت کرنا آسان کام نہیں مگر تعجب ہے کام اور بھی کٹھن ہو جاتا ہے جب یہ توہین اس جانب سے ہو جہاں سے آپ نے سدا چاہت کی توقع رکھی ہو۔"

"کب تمہیں کیا ہوا؟" کلی نے اس کے بے حد حیران پریشان چہرے کو دیکھ کے اپنے چھاتے وہ خیالوں سے باہر لایا۔

"یہ سوال مجھے کرنا چاہیے کلی۔ یہ تمہیں کیا ہوا؟ اتنا کب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت؟ ہم کہتے ہیں ہمیں اس سے کئی گنا زیادہ کچھ کرنا چاہیے تھا۔ کچھ ایسا کہ وہ اس زندگی میں وہ کوئی خواہش کرنا ہی بھول جاتا۔"

"خواہش کرنا اور طلب رکھنا ہر انسان کا فطری حق ہے۔ تم کون ہوتی ہو کسی کو اس حق سے محروم کرنے والی۔"

"اور اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ ہمیں ہماری ہی نظروں میں گرا جاتا۔ اس قدر شرمندگی اور افسوس ہو رہا ہے کہ ہم آخر اس شخص کی باتوں میں آ کے ایسے آمنہ تو لینے کو کیا چاہا ہے۔ کاش ہم اسے سامنے ہو جاتا تو ہم ایسا کر بھی ڈالتے۔ مگر تمہیں اچھا جانتے ہیں یہاں کرنے اس کا منہ نوچ کے ہاں اس کے منہ پہ تھوکتے ضرور۔"

عمیص کو اچانک ہی اہمیت کا احساس ہوا۔

"اور میں سمجھتا تھا تم ہمیں سے محبت کرتی ہو۔ چلو محبت نہ سہی وہ تمہاری پسند تو تھا۔"

"نہیں وہ نہیں۔ اس کا مقام اس کا اسٹیٹس اس کی بے نیازی ہمیں پسند تھی اور اب جب ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سب بھوت تھا تو کیسی پسند کیسی محبت۔"

☆ ☆ ☆

"آج دوپہر کو کلی نہیں گئی تھی۔"

موتیا نے فرنٹ لیتے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ ابھی ابھی گھر لوٹا تھا۔ برآمدے میں لگے واش بیسن میں منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے خود کو فریش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس قدر گرمی پانی سے لگتا ہے جیسے گیزر چل رہا ہو۔ تمہیں کے رہ گیا ہے۔"

"میں نے تمہارے باتھ روم میں پانی کی بالٹی دو گھنٹے پہلے بھر کے رکھ چھوڑی تھی۔ اب تک ٹھنڈا ہو چکا ہوگا۔ اوپر ٹنکی سے تو نلکا ہے سارا دن کی دھوپ کھا کے گرم گرم ہی آئے گا۔" اسے اپنی بات کا کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کے جھنجلاہٹ ہوئی مگر اسے دباتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر پہلے میں نہا لیتا ہوں۔" کہتے شرمت چلا گیا۔ موتیا اس کے انتظار میں وہیں جگ اور گلاس لیے بیٹھی رہی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پانی میں معمولی تھی اور آنچ دھیمی کر کے اس کے لیے شربت تیار کی تھی۔ موتیا کو شک ہوا کہ شاید وہ نہانے اسی غرض سے گیا ہو کہ کچھ سوالات سننے سے اس سے بھی دور رہے۔ جو وہ واپس آئے تو موتیا وہاں کچن میں مصروف ہو چکی ہو اور شاید وہ ایسا کر بھی لیتی مگر اس خیال کے آتے ہی کہ اس سے اتھاہ تھیں گیا۔ اپنے سوال کا نظر انداز کیا جانا اسے کھل گیا۔

چند منٹ بعد وہ کمرے سے نکلا تو واقعی تو تازہ دم لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی چیز اور کی شربت اتاری تھی۔ اس

وقت وہ ململ کے سفید کرتے اور کاٹن کی شلوار میں ملبوس تھا۔ گیلے کالے بال بکھرے تھے اور جن کو وہ تولیے سے رگڑ کر خشک کر رہا تھا۔ اگر کسی گھٹیت کے زیر اثر تھا۔

"ارے تم ابھی تک یہیں ہو۔"

اس کے اس جملے نے موتیا کے خیال کو اور بھی تقویت دی۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"نہیں تم کیا بولو ہمیں نکلنے آتے ہے کہ میں تمہیں کچھ خاص جلدی تھی نہیں۔"

"اور اگر یہ کہوں میں نے بالکل برعکس دعا مانگی تھی اور چونکہ میری دعائیں کچھ خاص جلدی قبول نہیں ہوتیں اس لیے حیرت اور خوشی کے مارے۔" وہ گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اور اس کے چہرے کو نگاہوں کی زد میں لیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی جسمانی مہک اور باتھ سوپ اور ٹوتھ پیسٹ کی ملی جلی مہک موتیا کے حواس پہ چھائے تھی۔ اسے اپنی پلکوں پہ بے پناہ وزن کا بوجھ محسوس ہوا۔

"اف۔ میں کہہ رہی تھی کہ آج دوپہر کو کلی نہیں گئی تھی۔"

"اچھا۔" اس کی مسکراہٹ غیر محسوس طور پہ تھوڑی غائب ہوئی تھی۔ اگر جو موتیا بطور خاص پہلے سے یہ نوٹ نہ کر رہی ہوتی تو شاید اتنا محسوس نہ کر لیتی۔

"یہ تمہیں کیا بات ہے صبح تک تو دوسری کی کیفیت طاری کیے ہوئے تھی اور پھر اچانک تیار شیار ہو کے بغیر کسی کو کچھ بتائے نکل گئی۔"

"ہوں۔ چلو۔ اتنی بات ہے۔" موتیا کو اس کا رد عمل ناکامی محسوس ہوا۔ وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگی اسی بے چینی کے زیر اثر وہ خود کو مزید تصویر بنانے سے روک نہ سکی۔

"نہیں وہ زیادہ خرچ نہیں گئی وہاں اس ملک کے بارے میں اپنا بیان کیا ہے آپ نے؟"

عمیص اس کے انداز پہ عجیب انداز میں مسکرایا۔ موتیا کو اس کی خاموشی کے ساتھ ساتھ اس کی مسکراہٹ بھی بہت معنی خیز لگی۔

"نہیں وہاں نہیں جا سکی۔"

"یہ تمہارے شوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"کیونکہ بس انداز ہے میرا۔" وہ بتاتے بتاتے رک گیا اور بات پلٹ دی۔ دراصل وہ جانتا تھا پہلے ہی موتیا کلی کی بہت سی باتوں کو ناپسند کرتی ہے اور معترض بھی۔ اسے ایسے میں وہ کلی کے بارے میں ترین خیالات اسے بتا کر ایک اور موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا کہ موتیا کی تنقید کی زد میں آ جائے۔

"تو پھر۔ تو پھر آخر وہ گئی کہاں؟" وہ مسلسل اس کے چہرے کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے یہ سوال کر رہی تھی۔

"آج یہ کھانے کو بھی ملے گا یا اس سوال کی گردان جاری رہے گی۔ تمہارا موڈ نہیں ہو رہا پکانے کا تو میں بازار سے لے آتا ہوں۔"

"تو بری ہوں۔" وہ تنک کے بولی۔

"اب کیسے بتاؤں کہ وہ کہاں گئی تھی۔ وہ میرے اسٹور پہ آئی تھی یہ بتانے میں بظاہر کوئی حرج نہیں مگر" وہ بات چبا چبا کر کہتے ہوئے جانے کیوں رکا تھا۔ موتیا کو شک ہوا۔

"مگر کیا؟ تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہاں کس لیے گئی تھی۔ ظاہر ہے جانے بغیر ٹھہرو گی تو نہیں۔ اور میں نہیں چاہتا کلی کی شخصیت کا یہ پہلو اور کسی کے سامنے بھی آئے جس پہ سوچنے سے اس قدر حیران کر دیا ہے۔"

عمیص سے مایوس ہوتے ہوئے موتیا نے کلی سے صاف صاف بات کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس سے پہلے اس نے خود ہی بتا دیا۔

وہ کمرے میں گئی تو کلی کو بیڈ پہ اکیلے سارے میگزین اور اخبار پھیلائے دیکھا۔ وہ گھر میں پڑے ہوئے پرانے

ہر گز نہ لگ رہے تھے بالکل نئے تھے۔

"تم نے رہنا ہے؟"

"ہاں اب کیا کریں تاریخ بیٹھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ جب پتہ چلا نہیں رہنے تو کوئی اور کام ہے۔ سوچا بیٹھ جاؤ ان شاء اللہ نتیجہ مل جائے گا۔" اس نے اپنے سارے سٹیٹس اٹھا لئے۔

"دوستی کرو دل لگے گا۔" وہ اس کا ہر انداز پر سکون اور نارمل لگ رہا تھا۔

"اوہ۔" اس نے اپنے سینے سے کوئی بھاری بوجھ سرک گیا۔

"تو تم کیا اسٹاف تھی تھیں۔" وہ بیٹھے بیٹھے ساتھ کی سیٹ تک پہنچ کر اب ہلکی پھلکی ہو کے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تھی۔ ویسے بھی اتنا بے کار چیزوں پہ کون اتنی رقم ضائع کرے۔ ایک تو خرچہ اور بات ہے یہ تو دراصل ہم عصمیں کے اسٹور سے اٹھا لائے آدھے کے واپس کر دیں۔"

"عصمیں کے اسٹور۔" اس کا سکون پھر پل بھر کا مہمان تھا۔ ہو گئی اس وقت نے نظارت کر کے رکھ دیا۔

"تم وہاں تھی۔" بے شک ہوتے حلق کو کھرچ نکل کے تر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ تو گل کا دل جانا قابل اعتراض تھا ہی۔ کیا ہی لڑکی غیر معمولی بات تو یہ تھی کہ آخر عصمیں اس کی آمد کو موتیا سے پوشیدہ کیوں رکھنا چاہ رہا تھا۔ یہ خیال بار بار اسے ڈنک مار رہا تھا۔

"ہاں کوئیں تو گئے تھے۔"

"عصمیں ۔۔۔ وہ وہاں تھا؟"

کسی موہوم سی امید کے سہارے موتیا نے پھر پوچھا۔ (شاید عصمیں کو اس کے آنے کی خبر نہ ہو وہ دھوکے سے نکل جائے تو نہیں ہو سکتا)

"کیسے عجیب سوال کر رہی ہو؟ وہ وہاں تھا تو ہم یہ سب لائے ہیں ناں۔ تمہارا کیا خیال ہے ہم اس کے اسٹور کے لئے تو کے چیزیں اٹھاتے ہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔

"نہیں ۔۔۔ میں ۔۔۔ دراصل تم جس وقت گئی تھیں اس سے کچھ دیر پہلے ہی میں نے اسے گھر پہ دیکھا تھا۔ مجھے نہیں پتہ چلا کب وہ اپنی اسٹور پہ گیا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ کمرے میں ہی ہے کہیں جا نہ گیا ہو گا۔"

موتیا نے جلدی سے بات بنائی۔ وہ اپنی کمزوری اس پہ عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہیں چاہتی تھی کہ گل کو احساس ہو کہ اسے گل کے عصمیں سے ملنے پہ پریشانی ہو رہی ہے اور سچ یہی تھا اسے پہلی بار گل کی ملاقات پہ نہیں بلکہ عصمیں کی جانب سے اس ملاقات کو اس سے مخفی رکھنے کی کوشش پہ دکھ ہوا تھا۔

"ایک تو تمہاری سمجھ ۔۔۔ اگلی سرے طنزیہ پکار ابھرا۔ اب وہ اپنے ناخنوں پہ نقل پالش لگا رہی تھی۔

"خیال رکھا کرو بھئی ۔۔۔ کہ کہاں جانا ہے کس سے ملنا ہے کب جانا ہے۔ کب سونا ہے۔ تمہارا وقت ہے۔"

"کچھ ایسا ضرور ہے۔" موتیا نے زیر لب کی ظاہر کی۔

"خیر یوں تو کچھ ضرور تو شدہ ہے۔" اس نے تازہ تازہ لگی نیل پالش پہ پھونک مارتے ہوئے کہا اور اس کا یہ بے نیاز انداز موتیا کے دل میں کھب کے رہ گیا۔

"کبھی کبھی کہنے والا کوئی بات بس اپنے ہی ۔۔۔ کسی مطلب کے ۔۔۔ بات برائے بات کے تحت کہہ ڈالتا ہے ۔۔۔ مگر ضروری نہیں سننے والا بھی اسے سرسری ہی لے ۔۔۔ اس کے لئے بھی ادیات "بس بات" ہی ہو ۔۔۔ یا ہاں یہ ضروری نہیں۔"

☆ ☆ ☆

"یاسمین تو کافی اچھے ہونے کے باوجود آپ اکثر گھر میں جاری ہیں ۔۔۔ اس شخص کے پاس۔"

صاحبزادی یاسمین کے جانے کی خبر سن کر عصمیں کو بے حد افسوس ہوا تھا۔

"میں اسی حضور بات کرنے ہی والا تھا۔ آپ رکیئے تو سہی۔"

"کیا بات کرنے والے تھے آپ؟ یوں کہئے ان کے خموں میں ایک اور غم کا اضافہ کرنے والے تھے۔ کیا رکھا ہے ان باتوں میں عصمیں میاں! جانے دیجئے اس۔" وہ سر جھکا کر بیٹھ میں لپٹ کر تھامے کر کے رہ گئی تھیں۔

"حضور آپ خود کو کیوں خوشی خوشی ان کی بھی میں جھونکتے جا رہی ہیں۔ کیا یہ فیصلہ درست ہے؟ آپ نہیں جانتیں حضور نیوں کا کیا خیال کر کیجئے۔ کتنے صدمے رہے تھے یہاں اور اب کیا خوش اور بے فکر لگ رہے ہیں۔ ان کی ذہنی حالت کو کر کے اول کی جو ہے جانا ہو رہی ہے کہیں پر حرکت کیجئے خود کو۔"

"ان کی یہ خوشی ان کی لاعلمی اور بھولے کی وجہ سے ہے۔ آپ یہ دقیق طور پہ باپ سے دور خود کو آزاد اور خوش محسوس کر رہے ہیں لیکن کل شعور ملتے ہی انہیں دوبارہ اور تنہائی کا احساس ستائے گا۔ یہ کیا ان کے نصیب میں لکھا ہے اسے ہم تو بدل لیں۔ قادر نہیں۔ احساس محرومی سے انہیں دور رہنا ہی ہے تو کیوں نہ اس گھر کی جنت کے بیچ میں جہاں ہم تم آ کر انہیں دوبارہ کا احساس تو نہ ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"دیکھئے عصمیں ۔۔۔ ہم جانتے ہیں ان بچوں کے والد انہیں وہ شفقت، وہ محبت اور وہ توجہ دینے کے قابل نہیں تھے ان معصوموں کا حق بنتا ہے لیکن اور پھر ہمیں تو ماز کہ ان کا نام ان کے ماموں کے نام ایک مضبوط حوالہ ان کے موجود ہے۔ ان کا باپ ہے۔ چاہے برائے نام ہی سہی مگر موجود تو ہے اور ہم باپ کے بیٹے ہی ان بچوں کو ان باپ کے بچوں والی زندگی گزارنے کے لئے دیں گے۔ اسی لئے ہم نے وہاں واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے نہ صرف ہم نے بلکہ گل بھی ہمارے ساتھ واپس جائیں گی۔"

"ظلم ہے کیا ۔۔۔ زیادتی ہے ان معصوم روحوں کے ساتھ؟"

"ہمیں بھائی کی وقت کا تقاضا ہے۔ ہمیں آپ کی محبت اور چچا حضور کی وسیع القلبی سے انکار نہیں ہے آپ ہمیں کو اور ہمارے بچوں کو اپنی چھاؤں میں پناہ دیں لیکن ہمیں اس بات سے آپ انکار نہیں ہو گا کہ یہ فرض والد کا ہے۔ وہ دیکھے ہی اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب سے ایسا روایتی ہونے کے عادی ہیں ہم نے بہت بار کے بعد ان صاف کر دیا ہے۔ ہاں ہی خالص ہو جائیں گے۔ نہیں عصمیں میاں! ہمیں مت روکئے یہ فیصلہ ہم نے سمت سوچ سمجھ کے کیا ہے۔ اسی میں ہمارے بچوں کی بہتری ہے۔"

"کسی صورتی بات کے تو نظر نہیں آ رہی ۔۔۔ آپ جانے کس خیال میں ہیں۔"

"ہمیں خیال نظر نہیں آ رہی ۔۔۔ وہ اداسی سے مسکرائیں۔

"لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے بزرگ ہمارے ہمارے اور ہمارے بچوں کے نصیب میں کوئی خوشی ہو ہی نہ ہو لیکن ہوئی اتنا اندھا کہ ہم ہی نہ ہو سکیں۔ نہیں ہمارے ساتھ نے ہمارے لئے محبتوں کی کوئی کمی نہیں ہو سکی۔ ہو سکتے ہیں ہماری والہانہ میں یہ بہتری نہیں ہو۔ ہمیں ایک اور کوشش کر لینے دیجئے۔ ہم اپنے بچوں کے لئے نہیں ہیں ہو سکتے تو آخر ہمیں ہی ہو سکتے ہیں۔ ہم نے اب ہمارے ساتھ سے جا رہے ہوتے ہیں اور ہمارے نصیب کی حد ختم ہو گئی ہے آپ اپنا اور دیجئے اپنے بھائی سے ۔۔۔ کہ اپنے بچوں کے مستقبل کو ان کے ہاتھ میں نہیں دیں ہمیں واپس آنا ہی ہے۔ ۔۔۔ کہہ جائیے ہمارے حق میں کہ اپنی نیت کر لیں اور آپ کی بس کر دیا ہے۔"

"اپنے کے ماہ اور میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔" وہ بے چارگی سے کہنے لگا۔

"آپ نے بات کی ہے وقت کی حد ختم ہونے کی ۔۔۔ تو میں جانتا ہوں کہ کبھی ختم ہو گی۔ یعنی آپ نے سر کو تو خیر دیا ہے۔ کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا ہی ہوتے ہیں بھائی۔" یاسمین نے اس کے بازو میں پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"میرا کچھ نہیں ہے۔"

"بہت کھسیانا قابل ہے کیا حضور اور میں تو یہ مانتا ہوں کہ پرانے زمانے کے سیانے جو کچھ کہہ گئے ہیں اسے

وقت اور زمانے کے لحاظ سے بالکل درست کہہ گئے ان کے تکرار بھی آج کے حالات کو لیں ــــ

"اس لیے تو اب ان تمام باتوں اور شرحوں قولوں پر یقین نہیں رہا۔ آپ کو بھی یہی سمجھانا چاہ رہا تھا کہ ثابت قدمی، مستقل مزاجی، صبر، برداشت، ایثار، وفا، یہ سب بھیڑیا اب کہہ اچھے ہیں۔ ان کے سہارے جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔"

"مگر میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔"

"اور اگر کسی قابل ہی نہ ہو تو۔ محبت کی زبان سے ہی بالکل بے خبر ہو تو؟"

اس کے ذہن میں بھرت گل، عمر کے دو نظریے گونجنے لگے۔ محبت کی سرا سر نفی تھے۔ ان کا نظریہ سے مسخ ہو تا چہرہ نگاہوں میں پھیلنے لگا۔

"تو کیا اپنے سمت دل میں صاحبزادہ عمیص ہو کہ سوائے محبت کے اور کوئی زبان جانتے ہی نہیں۔ محبت کرنے والے کی تو محبت کرنے والا دل ہی سب چاہتا ہے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ جانتی تھی کہ اب تک وہ گل عمر کو بھلا نے اور بھلا کوشش میں پگھلا رہے ہیں۔ وہ دل سادی تھا اور اس کی محبت کے بھنور سے زیر نہ ہوا تھا اس سے بھی واقف تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ دنیا کون سا محبت بھرا دل ہے جو اس کی تشنگی کو سیراب کر سکتا ہے۔ اس لیے آنسوؤں نے بھی سے اندر میں ایک چونکا دینے والی بات کی۔

"محبت کرنے والے دل کو محبت کرنے والا دل ہی سب چاہتا ہے۔"

یہ بات عمیص کے اندر تک چیر گئی۔

ان بات نے دیا رہ کے سارے لفظ کہیں اکٹھے ہو لائی تھیں۔

وہ آنکھیں جن کا بھی درد بھی کم نہ ہو پا رہا تھا۔ جو آنکھیں اسے دیکھ کے بجھنا چاہتی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ صاف نظر آنے لگا جس پہ محبت کی نرم گرم دھوپ بھی پڑتی تھی جس کے حسن نفس کو محبت نے جلا دی تھی۔

درخشندہ صورت اور حسن نہ تھا۔

وہ چہرہ صورت نگر سے ستر نگین نہ تھا۔

مگر چہرہ دوست اپنا بنا لیا۔ بہت پیارا تھا۔ جس چہرے پہ ایک معصوم مسکراہٹ کا راج رہتا تھا۔

"سوتیا! اس کے لیے بیکار نگلی۔"

"ہاں سوتیا۔ تم ہو تو تجھے محبت سے اتنا ہی ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم ہو تو اس کا مطلب ہے محبت بھی اب تجھ سے ہے۔"

کل سے کل تک کی وجہ سے کہہ رہا ہوں بنکا جھکا ہوا تھا۔

"تم بہت اب کیا ہوا؟ آپ کو تب شکرانے جا رہے ہیں۔" یا سمین اس کے بدلتے مزاجوں پہ حیران ہوئی۔

"بچی نہیں! حضور ویسے اب بھی میرا خیال ہے کہ آپ کو کراچی کہہ کھلی کو میں چھوڑ جانا چاہیے۔" بڑی نوب صورتی سے ان کے سوال سے کنی کترا کے دوسرے موضوع پہ واپس لوٹا۔

"نہیں! اب تو ان کے والد خود آ کے خود نکلے ہیں۔ ہم کچھ روز کے لیے ہو جاتے ہیں۔ بعد میں آ کے لے جائیں گے۔ تو ہماری بھی خواہش ہے کہ ان کی تعلیم جاری رہے۔" آنسوؤں نے چادر اوڑھ لی۔

"اور تب تکلیف مت کیجیے۔ موسم خراب ہے۔ آپ کو مجھ دیر میں اپنی دکان کھولنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں چھوڑنے جائیں اور بارش کی وجہ سے پھنس کے رہ جائیں۔ میں ڈرائیور سے کہتے ہیں وہ کشتی لے آئے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا ہے بچا۔ آپ اکیلی نہیں جائیں گی۔ میں ساتھ ــــ"

"تم نے کہا ناں ہم چلے جائیں گے۔ آپ نماز صبح کے بعد تجھے اور اپنے گھر پہ روانہ ہوں۔ سامان تو اب ہمارا بنا ہوا ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کا ڈر ہے۔"

عمیص، الکھ کو آواز دے کر تھپکی لانے کی ہدایت کرنے لگا۔ یا سمین اندر مصنوعی حرمت النساء اور خلعت النساء سے ملتے کہی تو اس نے چپکے سے ایک سو کا نوٹ الکھ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"کرایہ پہلے دینا۔"

"اور ہمارا کرایہ؟" اس نے دوسری ہندی والی تھیلی آگے کی۔

"تمہارا کون سا کرایہ ہے۔ سڑک کے کونے سے دایں کرنے کے لیے تمہیں کون سی سواری چاہیے۔"

"او ہو۔ غلط لفظ بول گئے شاید۔" **الکھ** نے ناز ادا سے پیر پٹے ــــ جھاڑ پھونک کی۔

"غلط تو تھا کہ ہمارا ابھی نان نفقہ دے رہے۔"

اس نئی طرز کے مطالبے پہ **عمیص** کے حواس گم ہو گئے تو اس نے الکھ کی چندا چوٹی کر دانا تھی میں دبا لی۔

"ہے نا معقول۔ کیا اتنا شدید ہاتھ دبا رہا۔ تو کیا میری بیوی ہے؟ ہنکو ہے۔ ہو جو بھاڑے کا نان نفقہ مانگ رہا ہے۔"

"اتنی ہماری نازک گردن۔" وہ اپنی گردن کو اس کی گرفت سے نکالا اور گردن سہلاتے ہوئے اسے شکایتی نظروں سے تکنے لگا۔

"ہمیں اس بات کی تکلیف نہیں کہ آپ نے ہم سے بدتمیزی کی ــــ دکھ اس بات کا ہے کہ تو نے ہمیں کیا کہہ کے پکارا۔"

"ہنکو کو اپنی زبان ــــ لاحول ولا ــــ دست درازی۔" اس نے جھرجھری لے کر اس کا زبان کا شکوہ و معیوب لفظ دہرایا۔

"ہمیں آج دوبارہ ہے غلط لفظ غلط سوال پہ اعتراض کرنے کا۔ کیوں مجھ پہ دست درازی کا الزام لگا کے مجھے بدنام کرتے ہو دوست۔ لو چلیں رہے اور سیدھے سارے طریقے سے کہ ٹنی کمنہ کے ساتھ اپنا وہ خود خود ہو کر کے بعد یہ ان تمام قسم کا زبانی لفظ استعمال کیا نا اور دھیان سے تاکو اور بچوں کو خود بخود نہ تاکہ ہو سکے تو ساتھ چلے جاؤ۔"

"ہاں بابا۔ بالکل گھر کے آدمی ہیں۔ اچھا چھوڑیں جے تو پھر؟"

"تو کیا۔ حسب حالات اور حسب حق کوئی بھرتی ہو ہر ساتی قسم کا کیت تھا لیں۔"

"کرایے کا ہو رہا ہو اپنی کا کرایہ؟"

"تو پکڑو۔" اس نے ایک دس کا نوٹ اور پکڑایا۔

"ایسی ہے کیا۔ روانگی ٹنگی میں ڈولی بس میں ــــ جایئے ہم نہیں جاتے بسوں میں اتنے چھوٹے ہیں ہمیں ہچکیاں لگتی ہیں۔ آوازیں سنتے ہیں۔"

"اچھا جاؤ بابا۔ تم نہیں ٹنگی میں ہی سوار کرا آؤ ہماری سواری۔" اس کھسکتے ہوئے کہ **عمیص** نے بات چھڑائی۔

تاکو خلعت کرکے وہ تاکہ کرنے بیاری فاقہ میں تاکہ موتیا کراچی رکھ کے پاکی دل کی دوا تھی۔

"واہ۔ کرکی بیوی کو دیا کی بارش کا مقبول۔" اس نے گھری سانس لے کر کی کراچی اور بلا ہو زندگی کی لی جل ملک اپنے اندر اتار لی۔

"تو آج منتظر ناشتہ ملے گا۔" اس نے بطور موتیا کو بیٹھتے ہوئے کہا۔ جواب معمول خاموش تھی اور سنجیدگی سے اپنے کام میں منہمک تھی۔

"ہنسا کچھ تم لگ رہی ہے۔" اس نے کراچی پوری کا لقمہ لیتے ہوئے کہا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں۔ موتیا جواب کی کہ اس نے تبصرہ اس پہ کیا ہے۔

"جانی شرکتوں میں جانے سے پہلے اس کی اتنی ہی ہوگی۔ اگر شکر ہے کہ اپنا ہاتھ بنگلہ کے گھر اس میں کسی کا قصور؟"

"ارشاد۔" اس کی بھی میں خاک نہ آئی البتہ سر دو دھنتے لگا۔ اتنے میں موتیا نے اسی بے گانگی کے ساتھ اس کے سامنے جانے کا آپ جو دیا۔ بیٹھتے کہتی کہ اگلے ہی لمحے رسک سے رہ گئی۔ دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے زور دیا تو بنگلا ہوں سے دیکھنا چاہا۔

اس کی نندی کمال عصمت کی گرفت میں تھی۔

ہاتھ اس نے گہرے سائل میں کئی بار تھاما تھا۔ مگر آج اس لمس کے کنارے ہی کچھ اور تھے۔

ایک سنسناہٹ والی کیفیت۔

ایک گدگدا تا احساس۔

ایک "خیال" کا رو؟

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" تھرتھراتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ مسلسل زور لگا کے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی کر رہی تھی جبکہ دوسری جانب عصمت نے اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر دی تھی۔

"ایسے لفظوں میں ہاتھ کان کیسی وحشت۔" وہ اس قدر اپنا ہاتھ اپنے پہنچ کے قریب لے جانے لگا۔ آنکھوں میں شرارت بھری تھی۔ موتیا کی سانس اس کا ارادہ بھانپ کر۔

"کیا کر رہے ہو عصمت؟" وہ احتجاجاً "کھسیانی" آواز میں بولی جبکہ اس کی جسمانی ہمت کے ساتھ ساتھ بے چینی کی لہر بھی تھی۔

"تمہارا کھانا کر رہا ہوں۔ شکر کرو کہ ہاتھ ہے۔"

تمام ہاتھ بنگلا کے ڈھلکی کی پھیلے ڈھلکی کی آواز بالکل نزدیک سی ابھری۔ عصمت ہونگا۔ اس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی موتیا نے سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"کیا کام ہے بنگلا۔"

"موسم بہت بھیگا۔ ڈالنگوں کی آواز سے دہر جگ رہی تھی۔ وہ ایک قوا تر سے کانوں میں گونجتی چلی جا رہی تھی۔ وہ جیسے ایک سٹے کے عالم سے باہر آیا اور خوشگوار خطوں سے اسے سنتے لگا جو بارش میں بھیگتا واپس آیا تھا اور اب اپنا عمل کا کر تا چھوڑ تا ہوا صاف تک کے گھر جا رہا تھا۔

بن پنے میں بنگلا سے میں ڈگرا۔

"جانے نہ۔"

"صورت آپ کی؟" استفسار کیا۔ "عصمت نے اضافہ کیا۔ موتیا کی خود ساختہ سنجیدگی ہوا ہوئی۔ ہنسی اس کے لبوں سے نکلا۔ وہ کے چھن چھن کر کی عصمت کے آس پاس بکھر گئی۔

"تم تو بڑے رنگ ہو نہیں جاتا؟"

اللہ دیا ہے اسے دن کے بارے کے تک کچن میں پایا تو اشتعال کر تا چلا گیا۔ وہ پچھلے پہر گھنٹے سے کچن میں مصروف تھی اور یہ بات اس کے لیے حیرت کا باعث تھی۔ اب وہ کچن کے کسی کام کا ہاتھ نکالی تھی زبان سے تاوہ چلنے والی یا کسی اس دن کوئی اور کام نہ ہوا تو اب کی خصوصی فرمائش پر اس کی پسند کا کچھ بنا دینا۔

تب اس کے ہاتھ کا نیند کھانا اور تازہ نرم پھلکے ہوتے پھلکا اب خاب ہو چکے تھے۔ بازار کے نفیس کھانے نہ دیا کا کھانا اب ہی کیا تھا۔

"ہاں میں نے جو صاحب کو نیچ میں فون کر کے آج کی ریکارڈنگ کینسل کرا دی۔ بس لیے ہی آج میرا خاص کام ہو تھا۔ کہتی کے وہ سین تھے۔" آج کل وہ ایک ٹیلیویژن سیریز کے ایک ٹیلی سوپ میں کام کر رہی تھی جس کا ٹائٹل سونگ بھی اس کی آواز میں تھا۔

"کیوں آج بنا تھا؟" طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟" لیکن نہیں طبیعت خراب ہو تی تو گھر میں سرمایہ کے آرام کر رہی ہوتی اور آج پچھلے دنوں سے پہلے کے آگے تپ رہی تھی۔ "اس نے بھنویں سکیڑ کر اٹھا لو سے بازار لینا شروع کیا۔ ایک میں تیز مرچ سالنے کے ساتھ دو پہر تھا اور سرے میں کہ وہ گوشت کا سالن۔

"وہ مفلی آرہا تھا۔ کبھی آج کھوری ہے تو کہ۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"نہیں۔" اب وہ بات بات میں سالن اٹھنے لگی۔ اس کے بعد اس نے مطمئن سے دھکن بند کرنے کے بعد بانٹ میں بات بات کر کے

"تو چنتا ہو رہا ہے اب کا بازار اس کا انداز ورست تو اب جانے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں کہا کہ اس دانت میں آئی ہوں۔ تب چلیں گے بازار؟"

"یا اللہ۔" وہ دوڑ جانے لگی۔ کرنے والے کو ہوش نہیں بھر جاتی اور خزانے کی بھوری ہے۔ انہیں تو دن رات اور خزانے کو دور بنا دی ہے۔ تو نہیں مارا تھا۔ ہندو ہو کے سرے تو ہاں پاک کے بیٹھ جاتی ہے۔ تجھے پتلی طرح بنا دے پر سوال والے اپنا ذکر تو کے لیے بھی تو نے اس دے ہے۔ اکار کیا۔ سیتیوں کے ساتھ آج تیرا نام بنا ہے۔ اس طرح تو تو خود اپنے رزق کو ٹھکرانے کا انجام خراب کر رہی ہے۔"

"مجھے اپنا مقدر کے کا بھی نہیں ہے؟"

"ہاں ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا۔ تو اب اس سفلی کی گھر والی بننے جا رہی ہے اتنے کسی ذہنی مقام کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس بار سفلی کی نظروں میں بھی تو اب آئی ہے۔ دو شخصیں تھوڑ پریں۔ گھر کی چار دیواری میں بند کر کے بیٹھ رہی تو اب تک اس کی وہ بھی کھانے والا کا مشغلہ بھی نہ ہوا تو۔ تجھ پر ہماری باتیں تجھے چبھتی کرنے پر اعتراض نہیں ہے کہ تو گھر بیٹھ کے آرام کرے۔ دو روز نکل جاتی ہو تو ٹھیک نہیں۔ انہیں ہماری خاص ضرورت ہے بھی نہیں۔ پیسے والے لوگ ہیں نوکر کا بیٹا اور کھانے نہ تھی اس دال کے لیے بھوکے بیٹھے ہیں۔ تو کل کے بنگلے ہوں گے۔"

"کسی کا مرتبہ کی بغیر نہیں۔ کہا تھا۔" جانتی ہوں میں اس کی کیا بنیاد کر تی ہوں۔ ہاں جس مشکل گھڑی میں ہے اس وقت تو جانتی کہ وہ بہت دور اور تھکاوٹ بھی ان کی مدد کیسی ترکتے ہوں گا کہ آپ کر رہے ہیں۔ میں کیا فرض سمجھ کے جاتی ہوں اور ماں کی بھی میں جان بناتے۔ اپنے کا اسرار ہو رہا ہے۔"

"تجھی تو ہی جانے پہلے کبھی ماتی ہے جواب اسے گی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا نکل گیا اور دنیا زاری سے سر جھٹکتی ہوئی ہاتھ روم میں گھس گئی۔

○ ○ ○

"تب تو کرے آج سورج سے بیٹھ کہیں کہاں میرے بل کو جیسے بلکہ لگے ہوئے ہیں۔ بار بار اپنی ذاری اور کے پیچھا لیا ہے۔" تھیں پیچھے ہاتھ کے خرصہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"بلڈ پریشر بڑھ گیا۔ آپ بھی تو نیند لیجئے۔ بازار نہیں آئیں۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ فکر مت کریں۔ اللہ نے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"شکر ہے کہ اس نے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"ایسے گھر نہ کہوں۔ آج تیسرا دن ہے۔ تمہارے ابا کو کوئی ہوش نہیں۔ ڈاکٹر بھی کچھ نہیں کہتا۔ بس یہی کہتا ہے کہ دعا کرو۔ دعا کرو۔ نہ دعا سے ہی علاج کرا لیا تھا ہم نے تو اتنے اتنے بھنگے ہسپتال میں کس لیے داخل کرایا ہے اور کیوں دا تی لیے لے رہا ہے۔ پتہ نہیں کب ہوش آئے گا گھر سے کو تم بھی تو کچھ کھو گئی ہو۔"

تین دن سے شہزادی کو جھولے والا سے رہے کر تھک چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے کوئی امید نہیں دلائی تھی جو وہ وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے کوا سے باہر آنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کے باوجود وہ بڑی آس اور یقین لئے تھا۔ باپ کے سرہانے بیٹھا رہا تھا۔ ایک احساس جرم بھی تھا جو اسے دل سے جلتے رہتا تھا۔ اور یہ احساس اسے بے خبر رہے باپ کے سامنے ذہن میں گڑ کے رکھ دیتا تھا کہ وہ اس حال تک صرف اور صرف اس کی وجہ سے تھی خواہش پوری کرنے کی کوشش میں پہنچا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے شہزادہ صاحب تو کوئی بات بھی نہیں تھی۔ یہ تو تمہاری طلب تھی، تمہاری کمی تھی جس نے اپنی تکمیل کے لیے ایک مضبوط سہارا تلاش کرنا چاہا تھا۔ تمہاری شخصیت کی کجی نے ایک بہتر جوان کی تکمیل کے حصول کے لیے تم نے نہ صرف خود کو آپ بلکہ اپنے بوڑھے باپ کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ کیا طالب کے اس سے مقصد کھیل بنا۔ سارا سارا بھی کھو دیا۔ اپنی عزت تک بھی اس کی ٹھوکروں کی نذر میں کر دی۔"

وہ ہسپتال کے سامنے رکھے کپ پانی شہادت کی انگلی بھیجے ہوا سوچ رہا تھا۔

"کچھ بولیے پیر۔ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ ماں صدقے اس دن کا بیٹا ہے تو نے نہ رب کے فیصلہ پوری کی ہے نہ سوا کی دوائی کھائی ہے۔"

"اللہ تعالیٰ کو صحت دے۔ باقی سب تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔ ہاں باپ کا اتنا حق تو ہوتا ہے ماں اپنی اولاد پر کہ وہ ان کی خاطر جینا ہی ہے آرام ہو لیں۔ آخر ماں باپ نے بھی اپنی راتوں کی نیندیں اپنے بچوں کو پالنے میں جاگ کے گزاری ہوتی ہیں۔ اولاد یہ احسان مرکے بھی نہیں اتار سکتی ہاں اپنا فرض ضرور ادا کر سکتی ہے۔"

اس کی بات پر آنسو ٹپکاتی آنکھوں سے اسے نہارتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"آج ساتھ ہوش میں ہو تا تو میں اسے کہتی کہ یہ تیرا بھائی تیری ساری بیماری کا حاصل ہے۔ اسے ضرور۔ اسے ہمیشہ خوشی ہی دینا۔ اور تیرے سے کلمہ پڑھتی اس بات کی کہ وہ تجھے عزت اور زندگی دے سکا جس کی تجھے خواہش تھی اور کلمہ اس بات کا کہ تو اس کی ہمیشہ عزت کرے گا اور اپنے باپ کی بے عزتی کو تحمل نہ کرے گا۔ تراب میں اسے جانتی ہوں۔ تیری عزت کے لیے تو اسے قتل تک کر سکتا ہے۔ تیرا شہزادہ ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کے دل میں آج بھی تیری بہت عزت ہے۔ تیری عمر بھر تیری ہسپتال کی طرح سہارا ہے۔ تمہیں ہسپتال کے برآمدے میں گزارتا ہے۔ کام دھندہ بھی چھوڑ رہا ہے۔"

"اماں! میں سوچ رہا تھا کہ آج تمہیں کو ایک چکر لگا دوں۔ بہت سے کام ادھورے پڑے ہیں۔ ایک ضروری میٹنگ بھی ہے۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہو۔"

"اعتراض کیسے ہو پتر۔ میں تو خود یہ بات کہنے لگی تھی کہ تو اپنے کام سے بے پروائی نہ برت۔ ادھر اب کوئی خاص کام تو ہے نہیں۔ بس ایک۔ بس جا کے اس کے سرہانے ذرا آس لے کے بیٹھنا ہے۔ کب وہ آنکھ کھولے۔ کب نام لے کے پکارے۔ بس تو مجھے ہسپتال اکیلے ہوتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

اس نے بھرپور تسلی دی۔

"بیٹا ماں کو ڈانٹنے کے بعد اس کا جی دکھانا کیا دوا پیتے ہی ہو کے چل دے۔ اگر جب باپ کو اس کا ہوش نہ تھا کہ وہاں جاتا آدمی ہے یا بھرے پیٹ دیا کا ہو۔ تو کے اسے دیکھ کے گیا۔ اس کے بعد ہو دا سے بے کہنا کہ اور اند ہو۔"

"تو اماں میں اور تک ساتھ جاتا ہوں۔"

"تو کل کہیں پتر تجھے مشین کا پتہ دیا نہیں آتا ہے میں سیڑھیاں چڑھ کے بھی جاؤں گی۔" اس نے نفت کا ذکر کیا۔ محروم سی نگاہ کا ادراک کر کے باوجود کمرہ چل نہ سکا۔ ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو اٹھا ہوا مضمون اپنی سرمئی آنکھوں کو بمشکل کھولتا نظر آ رہا ہو گیا۔ رمضان اس کی آنکھیں کا فائدہ تھا اور رات سے شہزادہ کے ساتھ یہیں تھا۔ رات بھر شہزادہ تو دور میں رکھے سوئے پیغام راز بھی سوتا بھی جاگتا رہا تھا اور وہ بے چارہ کرسی پہ اکڑا رہا۔ صبح ناشتے کے شہزادہ خوش ہوتے ہے گھر دیا ہوتے ہے یہ آکیا یہاں تھا پہلے شہزادے سوچا تھا۔ باوجود ساتھ نہیں رکھنے کو نے کا لیکن اب اس کی حالت دیکھ کے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ کل آس میں بھی کام کر رہا اور پھر آس سے سید حا یہاں آ گیا تھا۔ اس وقت اس کی حالت قابل رحم تک رات تھی۔ اسے جانے کی اجازت دے کر وہ باپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا ہوا۔

"آج ماں بہت بہتر آ رہی ہے کل سے۔ شکر ہے اللہ کا۔" بابو نے بتایا۔ وہ سہلا کے دو تکیے اور سرہانے رکھی فائل الٹ پلٹ کے دیکھنے لگا۔ رات سے لے کے اب تک جتنی بار بلڈ پریشر چیک کر کے درج کیا گیا تھا وہ بھی کل حد تک نارمل تھا۔ اسے تسلی ہوئی۔ اس کے باوجود وہ بابو کو یہاں اکیلے چھوڑنے میں متذبذب تھا۔ وہ نیک سادہ لوح اور ان پڑھ عورت تھی۔ پتہ نہیں ڈاکٹر کو کب کس وقت کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔ اسے تو سیل فون بھی استعمال کرنا نہیں آتا تھا۔ وہ بابو کو اس سے جاتا کیسے ہی اہم ضرورت کے وقت وہ اسے کال کر سکتی۔

"کیا سوچ رہے ہو شہزادے؟" بابو نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں سوچ رہا تھا۔ چلوں بابا۔"

"السلام علیکم ماں جی۔" اس طرح بے خبر آہٹ کے کسی بھوت کی طرح اندر داخل ہوئی تھی کسی نے دھیمی آواز میں اس نے بابو کو مخاطب کیا۔

"وعلیکم السلام آ گئیں۔" بابو کا چہرہ کھل کے کھل اٹھا۔

"اماں جی کی طرح آپ کیسی ہے؟" وہ بیگ نیچے رکھتے کے بعد اب روم میں رکھے چھوٹے سے صوفے کے فرج میں ہوں کے پیکنس رکھ رہی تھی۔

"میں کیسے کے تمہارے سامنے ہے۔"

"اللہ خیر کرے گا ماں جی۔ اللہ کیا ماں کی جلد ہی ہوش آ جائے گا اور وہ بھلے چنگے ہو جائیں گے انشاء اللہ۔"

"اچھا اماں میں جاتا ہوں۔" شہزادہ کا تو درد ماں کو دیکھ کے سکون میں دور ہو گیا۔ وہ جیسے آیا اس وقت اس کی آمد کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"ارے۔ تم ابھی یہیں ہو ہاں؟" چلتے چلتے اس نے رک کر پوچھا تھا اور وہ چونک گئی تھی۔

کتنے عرصے بعد اس نے ان کو ماں کا مخاطب کیا تھا اور اسے نارمل انداز میں جیسے دل میں تلخ ترین اور کڑوا ہی نہ ہو۔ وہ خاموشی سے سر ہلانے لگی۔

"بس کے میں تین چار بجے تک لوٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس دوران اگر کوئی مسئلہ ہو یا ضرورت پیش آئے تو مجھے کال کر لینا۔"

"تم بے فکر رہیے میں بابا جی اور ماں جی کا پورا دھیان رکھوں گی بھائی۔"

وہ بات زبان سے ادا کرتی تب بھی شہزادہ محض اس کی مثال معذوری سے ہی مطمئن ہو گیا تھا۔

آج پورے تین دن بعد وہ آفس آیا تھا۔ اگرچہ ایک سے فون پر اس کا رابطہ رہتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے ایسے ورکرز اور ٹیم ملی تھی جو اپنا کام ذمہ داری اور لگن سے کرنے کے عادی تھے۔ شہزادہ کی پیشہ ورانہ غیر حاضری نے بھی ان کی ترجیحات میں پہ فرق نہ آنے دیا تھا مگر سر حال یاس، اس کو آج کئی ایسے پراجیکٹ تھے جو اس کی پروسیجر کے لیے رکے پڑے تھے۔ کئی ضروری فائلز پر اس کے دستخط چاہیے تھے۔ آج کی میٹنگ میں بھی اس کا ہونا بہت ضروری تھا۔ وہ چند ضروری کاغذ کرنے کے بعد سیکرٹری کو امتحان کا پچھلے تین دن میں کئے جانے والے کام کو لانے کی ہدایت کرنے لگا۔

"مسز ٹیرل ریٹنگ میں خیر تو ہے؟ آپ کا ہے۔ اس وقت ذیلی صوبہ اور ضلعی وزارت کا رجحان ہے اور ان میں بھی انڈین چیفس کو فوقیت دی جا رہی ہے۔ ایسے میں ہماری اس نرسنگ ہوم کے ڈیزائن کے بنے ہوئے کلیئر سیریز کا چارٹ بھی انتظار فاضلہ موصول ہوا ہے۔ یہ اس کی پیشی رپورٹ ہے۔ اس کے نئے پروموٹری ایڈیٹر۔"

سکریٹری نے اس کے آگے فائل کھولی جس کا سرسری سا جائزہ لے کر شرواٹ ملٹن پر کے سر ہو گئی۔

"یہ فائل میرے ہاں میں مکمل رپورٹنگ رہے ہے کس پروگرام کے کتنے شوٹ ہوئے۔ کس کی ڈیٹنگ اور کس کی ایڈیٹنگ ان تین دنوں میں کی گئی ہے۔"

"یہ یہ استعفیٰ!" شہزاد کے ہاتھ میں ایک پیج تھا اور اب وہ اپنے سیکرٹری کی بات کاٹ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میرے پاس کل میرا استعفیٰ ہے کل آیا ہے۔"

"لو کے۔" اس نے منظوری کی مستوجب لگائی اور مزید ہدایات دیں۔

"ہمارے یہاں آج جن کلیئر کرانے کے لیے اور۔"

اس کے لکھنے کے بعد شہزاد نے اپنا سر ریوالونگ چیئر کی بیک سے ٹکا دیا۔

"تو یہ باب بھی ختم ہوا۔"

آج وہ پچھلے دنوں کی نسبت بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ وہ بے چینی کم محسوس ہو رہی تھی جس نے کل سحر کے وقت آتے ہی اس کو اپنے اثر میں کر لیا تھا اور وہاں سے آنے کے بعد تو جیسے اس کے اندر آگ دہک گئی تھی اور ان شعلوں کو ہوا دینے کا کام سحر کے کل کے بیان نے۔

جو سب سے بات تھی کہ جتنا وہ خوف سا تھا اس کی بے حد مشتعل کرنے والی باتوں سے بھرا تھا اضطراب بھرا تھا کہ اس کی جلدی لمحہ بھی ہوئی تھا۔

نواب صاحب نے ہوسٹل میں اس کے باپ کے ساتھ کیا تھا اور کیوں تھا وہ بھی جرم کے لگانے میں پیچھے نہ رہی تھی حیرت کی بات یہ تھی کہ نواب کی کئی بے عزتی۔ غصے اور طیش کے مارے آپے سے باہر ہو کے انتقامی کارروائیوں کے منصوبے بنانے والا شہزاد اس وقت لمحہ لمحہ ہو رہا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ کل سحر نے اس کی صرف بے عزتی نہیں کی تھی بلکہ اسے ہوس کی اوقات یاد دلائی تھی۔ اس کی اوقات سے۔ اس معاشرے کے کسی بھی کم حیثیت آدمی کی اوقات۔

اس کی اوقات کے ساتھ تھا۔ اس میں انتقام کم کہاں تھا وہ کسی سے بدلہ لینے کا سوچتا۔

کسی کے متعلق آتا۔

وہ تو جب سے اپنے کمرے سے بھی منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ اچانک سیل فون کی بلکی سی بزر نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ اسکرین پر مدثر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اور جانے خدشات میں گھرے اس نے فون آن کیا۔

"ہیلو۔" ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"ہیلو! میں آپ کو خوش خبری ہے۔"

وہی باتیں تھیں۔

وہی بھیجنے کا وہی دہرانا۔

اور وہ وہی۔ ہاں وہی آنکھ کا۔

مدثر کی باتوں نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی۔ باہر ہوا میں خنکی اتنا صبح خیزہ تھا کہ سارا دھوئیں نے سحر کے لگی بجھا دی۔ اگر لالکا باقی کی سحر میں تھیں تو وہ کسی کی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ رات بھر گھر واپس نہ آئی ہو۔

انہوں نے نکڑی کے کواڑ کھلے تو سحر تاریک ماحول کی جس نے فضا سے آتی پینے سگریٹ اور شراب کی ملی جلی بدبو اور بو نے انہیں بوکھلا کے رکھ دیا۔ کچھ لمحے تو وہ سحر کو سمجھ نہ سکیں۔

"کیا ہوا اب انہوں نے گھر پہنچ کر بھی رونا شروع کر دیا؟" اس خیال نے انہیں تکلیف دی۔

"کیا تو کچھ ہوا ہے نا بات۔ ہم نے اس گھر کو خالی کر کے اس کی روح تو نہیں چھین لی تھی۔" اسے مکان سے بکنے کر دیا تھا۔ اب انہیں بھلا کس کا فکر تھا۔ وہ تو احتیاط کرتے۔ یہ معصوم بچے تھے جن کے لحاظ میں وہ اپنے اس شوق کو اس گھر کی چوکھٹ سے پرے ہی پورا کرتے۔ پھر بھی سحر تھے۔ انہوں نے سوچا اور یہ غلطی بھی اپنے کھاتے میں ڈال لی۔

"کیسی بدبو ہے یہاں؟" وہ کشش نے ناک چڑھائی۔

"جرات کا موسم ہے اور گرم ہونے سے سیلن ہو گئی ہو گی۔" انہوں نے جلدی سے کھڑکیوں کے پٹ کھول کے پنکھا فل اسپیڈ میں چلا دیا۔

"اور کس قدر گندگی تھی۔" شمیم نے زمین پر بکھرے سگریٹ کے ٹکڑوں۔ ادھر ادھر لڑھکتے سلور، سٹیل کے گلاسوں اور چائے کے پیالے اور جھٹے کپڑوں کو دیکھ کے ٹھٹک کے کہنے کے ساتھ ایک خالی بوتل بھی نظر آ رہی تھی جس پر اب تک کسی بچے کی نظر نہ پڑی تھی۔ وہ سحر نے سرعت سے آگے بڑھ کے سینے کپڑے سمیٹنے کے بہانے اس بوتل کو بھی اس اجزا میں چھپا لیا۔ وقت تھا پانی پر رکھی دیگ اٹھانے کی جس میں رکھے چھوٹے برتنوں میں موجود بچی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کی ہوئی چائے کھنگال کر ہو کر چلی تھی۔

"امی حضور کل ہم کچھ دن اور کا حضور کے ہاں نہیں رہ سکتے تھے؟" نایاب پہلے ہی یہاں آنے پر راضی نہ تھا اب گھر کی ابتر حالت سے اور بھی ناراض نظر آ رہا تھا۔

"بھئی بہت چھٹیاں باقی ہیں نایاب بھیا۔ پھر پڑھنے جانا ہے۔ اپنے گھر تو لوٹنا ہی ہو گا نہ۔ ورنہ ابا حضور کو کس قدر پریشانی ہوتی۔ رہنے دیں انہیں بازار سے کھانا ذرا چائے منگوانی پڑتی ہے۔" کشش نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ بردباری دکھانے کی کوشش کی جسے خاطر میں نہ لایا۔

"دونوں بھی باہر کا کھانا ہی پسند کرتے ہیں۔"

"بہت سے کھانے نایاب۔ جانے کیا کچھ سوچ لے آئے ہیں۔ ہم ذرا گھر کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر آپ کے ابا حضور رات بھر نہیں آئے تو ہمیں اپنے ہی بال ہوں گے۔" وہ کشش بیٹا آپ سے منے کپڑے دھو کر سکھانے کے لیے لٹکا رہے تھے۔ ان دھوپ نہیں لگی تھی کہ نمائش سے گرد و غبار جلد ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ الرجی شروع ہو جائے اور شمیم آپ اقدس کے ساتھ مل کے کمرے کی حالت درست کیے۔ ہم ہر تو دھو کے صفائی شروع کرتے ہیں۔" انہوں نے سارا پروگرام ترتیب دے کر کس کی ذمے داری پھوٹ کے گھر کی طرف پہ انہیں بڑی کے افسوس ہوا تھا۔ بے ناز کی بڑی سی دولی پھوار کے بہانے اس کا بلب نما کوٹھی میں چلے گئے پہ خوش تو تھے مگر بے چاپ چلنے لگے کام ادا کرنے لگے۔

بارہ بجے کے قریب باہر ہوں مثل اپنی خصوصی لاہوری چال چھاتی تک کا چلا۔ یہاں کے اب اس کام الجھتا تھا یوں تو نہیں سے آسانیوں کا عادی۔ ہم پہلے ہی بہت مشکل سے اس عسرت زدہ زمین کا عادی ہوا تھا مگر مجبوری سمجھ کے اس نے لب بھینچے ہوئے تھے۔ وہ دیا کر کہ اس کے سامنے۔ سب جانتے تھے کہ یہ جو اس کا ہے۔ اب کام ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ترکے میں ملی جائیداد اور نے بیچی اور تو اس اور دوسری کے غلامانی تھی دیر رات تک کی گھروں کے جہیز کے ہونے چاندی کے نایاب برتن کھنچ لائے۔ ان سب حالات کا وہ۔ وہ دو خود تھا۔ اس کے لیے یہ جگہ اب بھی کبھی ستانے کے لیے ایک عارضی مقام سے زیادہ نہ تھی۔ اسے گھر کی حیثیت اس نے کبھی تسلیم ہی نہ کی تھی۔ اس کے رتوں کی وجہ سے آج اس کے پیچھے اس ماحول میں

روتے روتے سوتیلی ماں نے کہا تھا کہ وہ خود بھی اب جی نہیں چاہتا کہ اس دنیا میں رہے۔ خود کشی کے لیے اس نے ریوالور اٹھایا تھا۔ ریوالور کے چند روپے بھلا کیا کرتے۔ خود اچھا کھاتا اچھا پہنتا۔ بچے چاہے بھی کسی کے ساتھ روتے پھریں کیوں نہ کھاتے ہوں یا سے خاص فکر اس لیے بھی نہ تھی کہ یہ یقین تھا بچوں کا باپ اور ماں انہیں بھوکا نہ مرنے دیں گے۔ اس کی کسی کے لیے یہ کافی تھا کہ نواب صاحب اپنے وقار کی سے راشن ڈال دیتے ہیں۔ خود اس نے بھی کبھی یاسمین سے کھلم کھلا احتجاجات کی بابت اختصار کیا تھا۔

مگر پچھلے کچھ دن اسے اتفاق سے مسلسل گھر گزارنے پڑے۔ دعا کو جو چکر دے رکھا تھا اس کا تقاضا اتفاقاً کی ذاتی اسے سیدھے کاموں سے خود کو دور رکھا جائے۔ وہ گھر بیٹھنے والی لڑکی نہ تھی۔ کہیں نہ کہیں سے اس کی سرگرمیوں کی بس گھر تک ہی جاتی تو لیکن کے دیتے تھے۔ اگرچہ اس کی شہرت ان حلقوں میں ابھی اتنی دور تک نہیں پھیلی تھی کہ وہ یہ کام بڑے بنانے پر تو نہیں کرتا تھا پھر بھی احتیاط لازم تھا۔ اگر کم تب تک جب تک اس کے حوالے سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ کر لیتے۔ اس نے خود کو خاصا مصروف کر رکھا تھا البتہ اس کے ساتھ ملاقاتیں مسلسل سے جاری تھیں۔ دن سلاری تھا تو پچھلے کچھ دنوں سے یہ ملاقاتیں بھی نہ ہو پائیں۔ ادا کا کوئی قریبی عزیز خاصا بیمار خاص کی تیمارداری کی وجہ سے وہ بہر کو وقت دینے سے قاصر تھی۔ باہر کو اس لیے بھی دیکھے رقیب سے حسد محسوس ہونے لگا۔ اس نے اسے رقابت کے ادا سے اس عزیز کی تعیادت جانا بھی ضروری نہ۔ کہیں جس کی بدولت کی تیمارداری ادا کی واحد عیاشی بھی اس سے چھین لی تھی اور اسے یہ تین چار دن مسلسل گھر گزارنے پڑے تھے۔ اس گھر میں جس کے در و دیوار کی گھٹن سے اسے چڑ تھی۔

سونے پہ سہاگہ یہ کہ اتنے دن خالی بھی تھا۔ یاسمین اور بچے نواب صاحب کے ہاں تھے۔ وہ بچے اس کی ممتا کی مرہم آوازیں بھی اس کی سماعتوں پہ گراں گزرتی تھیں۔ ریوالور یاسمین جس کی پرعیاشی مالی صورت کو کسی نہ کسی طور خوفزدہ کر جاتا تھا۔ ان کی عمر موجودگی میں اسے سمت سکون ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا۔

رات تو طبیعت اس قدر بے چین ہوئی کہ وہ تالا لگا کے نکل کھڑا ہوا۔ گھنٹوں اپنے ہم ذوق دوستوں کے ساتھ جوئے کی بازی میں اور سے خوشی میں مدہوش رہتے وقت کچھ آسانی سے کٹا۔ گیارہ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو اٹھ کر اس نے گھر کی جانب روانہ ہوا۔

سیڑھیاں چڑھ کے وہ جیسے ہی اوپر کے مشترکہ برآمدے سے لال اینٹوں والے صحن میں پہنچا تو اپنی کوٹھڑی کے باہر گلی ملگرے اپنے حلقے ہوئے کپڑوں کی قطار دیکھی۔ یہ نہیں کہ اس کا بھاری بوجھ دل خود بخود ہلکا ہو گیا۔ خود اپنی اس کیفیت پہ حیران رہ گیا۔ کچھ عجب ایسا بھی بارہا ہوا تھا کہ اس سے کوئی بچے ان خیال رہتے گئے ہوں۔ اس بار چھ تک زندگی میں پہلی دفعہ یاسمین اس سے ناراض ہو کر اور جھگڑا کر کے گئی تھی۔ یہ کہتے ہوئے کہ وہ اب جب بارہ بھی اس گھر میں قدم نہیں رکھے گی اس لیے فطری طور پر اس کے دل میں یہ خوف بھی جگہ بنا گیا تھا کہ وہ بے شک خود بھی ادا کے ساتھ شادی کر کے اترنے کے لیے تو تیار بیٹھا تھا لیکن یہ احساس اس کی بھیانی ناپاکاری ضرب کے حراف تھا کہ اس سے پہلے یاسمین خود اسے ٹھکرا کے چلی گئی تھی۔

"سالی! جاتی ہے تو جائے۔ اس طرح دباؤ ڈال کے اسے شادی کرنے سے روکنا چاہتی ہے۔ اس عورت میں کیا کیا ہے جو کوئی مرد ساری عمر اس سے نکاح پڑھ نہ سکے۔ ہم کون سا اس پہ ظلم کے پہاڑ توڑنے والے ہیں۔ چار بچے ہاتھ آ جائیں گے تو اسی کا تو ہے۔ ہم بچوں کو بھجوا تے رہیں گے۔ ہر حال وہ ہماری اولاد ہیں۔"

یاسمین کے جانے پہ اس کا بھی مار عمل تھا اور اب اس کی موجودگی کے آثار پا کے اس کا گلہ کر رہا تھا۔

"آخری ہونہ جو کے گزرے تھے۔ چلو اچھا ہوا ہم تو وقت کر کے لانے سے بچ گئے۔ ادا کی بے وار بار مطلقہ بیٹ ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے آخری جانے کتنے وقت اور لگتے تب تک یہ رنڈیوں کی ہی زندگی ہم سے تو نہیں گزاری جاتی بھئی ہر اجو بیر آخری۔"

وہ کپڑوں پہ ہاتھ پھیرتا آگے بڑھا تو ان سے سرف کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی اور وہ ابھی تک نم تھے جس سے

ایک اور خوشگوار تک اس کے تھکنوں سے نہ تو اترتے۔ تمرا کی ساتھ ہی ماں کی آواز شاید یاسمین پکارتا رہی تھی اور اس نے بھیگتے ہوئے لہجے میں بھاری بھولی تھی۔ اس کے خالی معدے میں زبردست بھوک کی پکار اٹھی تھی۔ جالی کا دروازہ اٹھا کے دروازہ داخل ہوا۔ کمرے کے باہر ہی مختصر سا برآمدہ جس کے آگے اس نے خود بے پردگی کے خیال سے اینٹیں چنوائی تھیں۔ اس میں زمین پہ رکھے چولہے کے آگے چولہی پہ بیٹھی یاسمین۔ سلور کا ٹینکل کی دھلی ہوئی ہنڈیا سے اٹھتی بھاپ۔ برآمدے میں آتا گوند مصالحے کی خوشبو۔ ہر شے سے نیچے تھی وہ ہوا تھی۔

سب کچھ کتنا مانوس تھا۔

کمرے کی حالت ابھی وہ نہ بھولی تھی۔ بھری وہ صبح چھوڑ کے گیا تھا۔ جیسے کسی نے جاروب کی چھڑی گھما دی تھی۔ بستر صاف ستھرا۔ بے شکن چادر بچھی تھی۔ تکیے۔ رضائیاں اختلاف چڑھا تھا۔ دری بھاڑ کے جھاڑی گئی تھی۔ فرش پہ تازہ تازہ تکیل دالا پونچھا پھیرا گیا تھا خوشبو اب تک اٹھ رہی تھی اور فرش بھی اب تک ٹھنڈا تھا۔ کوئی بھولا برتن پڑا تھا نہ پرانا اخبار۔ ایک جانب ایک اور اقدس دری پہ بیٹھے اپنا سر میں کی چھینٹوں کا کام کر رہے تھے۔

چند منٹ بعد یاسمین نے تکلف کے ساتھ اس کے لیے کھانا بھجوا دیا۔ نرمے میں دسترخوان میں لپٹی روٹیاں تھیں۔ ساتھ خود ہی دیکھے کچھ دنوں سے اختیار میں لپٹی تندور کی آگری اور جلی ہوئی روٹیاں یاد آئیں۔ ایک کٹورے میں آلو گوشت کی گرمی تھی اور پلیٹ میں توری کی بھجیا دوسری پلیٹ میں کھیرے اور پیاز کے قتلوں پہ کترا ہوا چوبہ اور لیموں کا رس چھڑکا گیا تھا۔ اسے رات کے کھانے کا بازاری سرخ کھانوں کا مزا بھولنے لگا۔ اس نے سیر ہو کے کھانا کھایا۔

باہر اس کے لیے لالٹین والی دودھ پی جاتی یاسمین اس بھید بھری خاموشی پہ حیران تھیں۔ وہ متفکر تھیں کہ کب وہ ان کی اس دوہری طلبگاری کے کرتی بھرا اس نکاح کا تب لیکن وہ مارل اندازہ میں بچوں کے سلام کا نواب دے کر کھانا کھانے چلا گیا۔ صبح دن اس نے کھانے میں کلس نکالا ہی اس کی چیز کو کھوکھا کی اور تو اور اب تک کسی نے کچھ بھی نہ چھیڑا تھا۔

"کوئی کیا ٹھیک ہی کہتی تھیں جس کو بغاوت کہا جائے وہ اتنا ہی بڑا اور جنون والی کی خاموشی جانے والے ظلم کا اور بھی تمیز کرتی ہے۔ لگتا ہے ہمارا آواز اٹھانا ہمارے کام تباہ انہیں احساس ہو جاتا ہے کہ ہم ان کی تمام زیادتیاں اب چپ چاپ سہنے والے نہیں۔"

اس سوچ نے ان کا حوصلہ اور بلند کیا۔ وہ چائے دینے آئیں تو باہر نے پہلی بار نظر اٹھا کے دیکھا۔ یاسمین کے چہرے پہ پھیلا اعتماد اور عزم کا اٹھا ہوا سر اسے جو اگلا کیا۔ بھیجا اپنے سامنے مرجھا کے سمی رہنے والی بیوی کے یہ خود اس کے اندر بیکاری کی امید دوڑ گئے۔

"ہو گئی واپسی؟" اس نے بنگر کا بھر۔

"جی اگر تو ایک دن کو ٹھاکی ہو تا ہے۔ انہیں امید ہے آپ بھی اس بات کو سمجھ جائیں گے اور لوٹ آئیں"

"کیا مطلب؟" اوٹھیں یہ نہیں ہوا۔

"اس راستے سے لوٹ آئیں گے جس پہ چلنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ آپ کی ایک نئی بھالی زندگی ہے۔ بیوی ہے، بچے ہیں۔ اس ساتھ سے کسی گھر بستی کو اجاڑ کے ایک نئے گھر کی بنیاد رکھنا۔" وہ بے لفظوں میں کہنا چاہ رہی تھیں مرد جسارت باہر کی کوئی خوشدلی کا عادت کر لی۔

"یہ خوشی کبھی کس نے دلائی کہ یہ گھر بستی کی ہوئی ہے؟ گھر بسانے کی کوئی ایک خاصیت بھی ہے تمہارے اندر؟ کسی مرد کو عمر بھر باندھے رکھنے کے فائل ایک بھی خوبی ہے تمہارے پاس؟" اس قدر خاصیانہ حوالہ کا شعور ہوتے ہوئے ان کے سامنے کیا جانا ساحتیاری یاسمین کو پاپا پاپا کر گیا۔ انہوں نے شرمندہ نظروں سے کونے میں بیٹھے بچوں کو دیکھا جو اب کتابیں سمیٹنے باہر نکل رہے تھے۔ اپنے گھر میں بڑوں کا پہلا امتحان ہی انہیں بھاری پڑا تھا۔

"ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری رائے نے ہمیں ان تمام امور سے آگاہ کیا تھا جن کے عمل ہونے پر کسی مکان کو گھر میں بدلا جاسکتا اور جن کے سہارے اپنے مجازی خدا کے ساتھ عمر بھر وفا۔"

"سمجھ لیا کہ تم نے اپنی یہ عمر زیادہ تر تاش کھیلنے میں گزاری ہے۔" ہم نے ایک کے لیتے ہوئے پتے کے ساتھ کھانے کی ڈش پر ہاتھ رکھا۔

"تو ایک بات یاد رکھو۔ ہمیں ارادی سے شادی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ نہ تمہاری یہ گھر ہستی۔ نہ تمہاری یہ کار۔ تم کی اقامہ اور تم خود اور ہمیں سمجھ نہیں آتا تمہیں ڈر کس بات کا ہے۔ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے ہی نہیں۔ تمہارے ساتھ زندگی بھر بھی نبھاتے رہیں گے۔"

"بھئی ہمیں۔" یاسمین نے بیزاری سے سر جھٹکا اور وہاں سے اٹھ کے ایک بار پھر جھلے کے نزدیک آن بیٹھیں۔

"بھئی ہمیں کچھ نہیں سمجھ آیا ہے۔ جب آپ پچھلے پورے سال میں اپنی ایک بھی ذمہ داری نہ نبھا سکے تو اب یہ دوسری شادی کے بعد کیا ذمہ داری نبھا پائیں گے۔ ہم آپ کی پاگل ہیں جو آپ سے تو ایک کے ایک بار پھر ہاری ریلیشن شپ۔"

"اب کیا کہا ہے ای حضور؟" دلکش نے برتن دھونے کے بعد ہاتھ سے پونچھا۔ انہیں دوبارہ چولھے کے پاس جو کھڑا دیکھ کر اسے خیال آیا تھا کہ شاید وہ بھائیوں کے لیے روٹی ڈالنا چاہتی ہوں۔

"ارے روٹیاں بھی ڈال لیتے ہیں۔" اس بات پر بھی یاسمین نے کوئی ردعمل ظاہر کیا تو جواب پا تو وہ کچھ اور ہی شک ہوئی تھی۔ شاید تھوڑی بہت کے ذہنی صدمہ اجتزاری یا یاسمین کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ دلکش نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ آنکھ بھیل کے ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

☆ ☆ ☆

"او حضور۔ آج کل بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔"

سوتا نے اپنے تئیں کل کو اطلاع دی تھی۔

"کیوں؟ اب کیا کیا ہے؟" وہ شانے اور ابرو اچکا کے رہ گئی۔

"میں نے تب کہا تھا تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔" سوتا کو اس کا انداز و بات ہی دل پر لے گئے تھے۔

"تو اس میں کیا کیا ہے بھئی کہ کسی عمر میں اگر کوئی پریشان ہے تو وہ ہوئی صاحبزادی گل مرجانہ۔ اگر کسی کی راتوں کی نیند اڑی ہے تو وہ ہوئی صاحبزادی گل مرجانہ۔ سارا دن بھی ہوا ہے تب ہماری وجہ سے ہی تو ہوتا ہے۔"

"تمہیں تمہاری بدگمانی ہے۔"

سوتا نے کہا تو وہ مطمئن ہو گئی۔ اس بات کی تائید کر رہی تھی اس کی کل رات کی نیند بھی گل مہر ہی قربان ہوئی تھی۔

"میں نے تو صرف تمہیں یہ بتانا چاہا تھا کہ پہلے تم جب کچھ بولتے تھے صرف تمہیں اس لیے کہ یہ تمہاری توجہ کم تھی۔ اب ہماری توجہ کم ہونے کے باوجود بھی تمہارا نہ ٹھہرنے کوئی اسٹیٹ ہے نہ ہی ٹھہراؤ ہے۔ تم اپنے کمرے تک محدود رہتی ہو۔"

"ہاں تو کیا چاہتی ہو کہ اب ہم جاب نہیں کرتے اس لیے تمہارے ساتھ برتن دھوتے اور سالے بھونتے رہیں۔"

"میں نے نہیں کہا کل۔" سوتا نے بہت مشکل سے اپنے اندر دیکھ دم اٹھتے غصے کی تیزابیت کو دبایا۔

"ٹھہرنے کیا ہوا ہے کہ باز تمہارے کی خبر تو رکھنی چاہیے تھی حضور کی طبیعت کل سے ناساز ہے۔ تمہارے مزاج پر ہی لڑنا ضروری نہیں سمجھا۔ لاشعور اداس گھر کی بزرگ ہیں۔ کل کو حضور اپنے گھر والوں کی تیمارداری کرنے کے

سے نکل کر ان سے ملنا اور ان سے ساتھ کھانا کھانا انہیں نیک چلن اور سب کی بھلائی تم ہی تم تمہیں ہی حضور نے اپنی اخلاق نہیں برتنی چاہیے۔ وہ ایک نازک جذباتی ہوتے ہیں۔ وہ ہیں جو خوشی کی صورت ہے ہمیں تمہارے پاس صرف تمہاری ہی تھی۔ تمہیں سے وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ تمہیں سے خطا ہو شعور ملک کے رشتہ ناتے بنانے چاہتے ہیں یہ سوچ کر انہیں آزردہ کر رہی ہو۔ ہاں کل تمہیں کے ہاتھ رہتے ہیں تو تم چاہتی ہو وہ کبھی بھی تمہیں کہا ہیں کے سے شک نہ ہو۔ تمہاری عدیدہ اور کے انتظار سے کبھی بھی تمہیں اور کبھی وہ بہت کے اپنی مہمانی آئی ہو گھر اس بار ایسا نہیں ہو گا۔ کچھ اصول ایسے بھی ہوتے ہیں جو ٹوٹنے کے لیے نہیں بنتے اور اگر زیادہ زور کیا جائے تو اصول تو نہیں انسان ضرور ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس بار تمہاری ضد کا نتیجہ خطرناک بھی نکل سکتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ حضور کچھ نہیں کہیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ایسا نہ ہو کہ دب۔"

"اوہ ہیں! یہ کونسا کچھ چوری ہو تم ہم کے کب کہا کہ تمہارے ناراض ہیں یا ضد پر اڑے ہیں۔ ہاں اس میں نہیں جانتا کہ میں نے بات کرنے کو کہے کیا کہا کرنے کو کہا کہا ہے اب ان باتوں میں ہر بات سے بتائی ہوئی نظریں ہی رہا تھیں کہ ہوں۔ اتنی تو دلیل ہو چکی ہو کل کی۔ ہم ابا حضور کے سامنے جانے سے صرف اس لیے گھبراتے ہیں کہ ابھی وہ واقعہ آن ہے۔ ان کا غبار ابھی طرح نہیں نکلا۔ کہیں وہ تمہارے پر ہی نہ نکل جائے۔"

"ایسا نہیں ہے گل اور تم نہیں جانتیں کہ تمہارے کا یہ کہہ کر کہ تمہیں اس رشتے کے طے ہونے کا قائل نہیں ہے اور تمہارا ہی ہم سے باہر آنا ہی ہو۔"

"ہم اس غم میں کچھ ہی اب سے نہ ہو سکتے۔" وہ بدبدائی۔

"دیکھو ویسے سطح تو ہم ایک بات واضح کر دیں کہ ہمارا مطلب ہے کہ اس شہزادہ ملک ہی ہو گی سے ہماری کوئی ایسی خاص ذاتی وابستگی نہیں تھی جو ہم اس کی خاطر دوسرے کے لیے نہیں۔ اگر بالفرض ہو بھی تو ہم سب سے ذرا اللہ تعالیٰ میں تو ہمیں اس کی بہتر سے بہتر بھی جانتے ہیں۔ ہماری تو تمہیں کے حوالے سے ہو گا۔"

اس کے زہریلے انداز میں کہے گئے اس بیان نے سوتا کو حیران کر دیا۔

"تو یہ تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہیں جس کو چاہا۔ اپنا چاہا تصور کیا کے مطابق چاہا نہیں بلکہ صرف پسند کیا یا اس کی خواہش کی۔ وہ تمہیں نہیں ملا۔ کیا واقعی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہیں گل مرجانہ؟ جو ملنے کی جائی نہیں اور جو اپنی پسند سے حاصل کر سکتی ہے۔ کیا واقعی۔"

"بل فرق تو ہے مگر اس بات سے نہیں کہ ہم اسے حاصل نہیں کر پائے بلکہ اس بات سے کہ تو ہم نے اپنی ناخواہش خواہش کی ہی کیوں؟ اب تک حیران ہیں اور شرمندہ بھی کہ آخر اتنی اسال سے وہ شخص ہمیں کیسے بے وقوف بنا گیا۔ ہمیں اپنا شعور نہیں ہمارا۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ خیالی کی خوشی کم کرتے ہو۔ حقیقت سے روشناس ہونا چاہیے۔"

"اب اس ملال کو ہی جتنی جلد دل سے دھو ڈالو اتنا ہی اچھا ہے۔ زندگی میں اتنے برے حالات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہ اسے بھی ایک نئی تجربہ جان کے بھلا ڈالو۔"

"شہزادہ کا تصور۔ تمہیں بھی تمہیں تو ہم کرنے والے تھے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"ہم اس ایک شخص پر افسوس کرنے میں اپنی عمر کے قیمتی پل نہیں لیے ضائع کریں۔ کیا دنیا میں ہمارے لیے کوئی اور نہیں باقی رہا؟"

سوتا کے اس بیان نے عدیدہ کی تسلیاں بھی شروع ہو گئیں۔ اس نے کہنا چاہا تھا مگر یہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ عصمت میاں سے کہہ دیجے تو وہ آپ کو دوا کھانے لے جاتے۔ ایک تو آپ کی اپنی طبیعت ناساز ہے اور ہمارا آپ کے بڑکنے والے جانے کیا بکھیڑے اٹھے کرنے کو کہہ ڈالا ہے۔"

"اس سے بھی آج کل کے ڈرامے نے نیا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ کئی قسم کے ٹیسٹ کلیئر کرا لیے ہیں۔ ہم نے ہم کا تانتا آپ ہی ہیں لیکن اب سوچ رہے ہیں ایک بار کرا ہی ڈالیں یہ ٹیسٹ حضرات کو دیکھنے کے بعد اکثر زیادہ سنجیدہ ہو کر کہتے ہیں فی الحال تو کوئی بھی موافق نہیں آ رہی۔"

"جا تو پھر اکیلی جانا مناسب نہیں لگ رہا ہمیں۔ لفاظت خاب ہے ابھی آپ پہ۔ ترح عصیں میاں سے کہہ دینے کا کل صبح ہی ان کے لیے جائیں گے اور اگر آج ہی جانا ضروری ہے تو انکو سے ملوا دینے سے پہلے ہی غمر آ جائیں گے۔" صاحبزادی حرمت النساء نے امرار کیا۔

"کیا تو اتنا نہیں جانتے کہ ہمارے کام کا حرج کریں۔" نواب صاحب نے انکار کر دیا۔

"آج سو تم بھی خوشگوار سے ہی بھائے ہوا خوری ہو جائے گی۔ نزدیک کے ہسپتال ہی جانا ہے۔"

سفید دھوکر اتنے لٹھے کے کرتے پاجامے اور سفید ہی سمین ململ کے کرتے میں ملبوس وہ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ان کا چاندی کے سرمع رنگ والا عصا جوان کے وقار حضور کی نشانی تھا ان کی شخصیت کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ اس کے بغیر وہ خود بھی اپنے آپ کو ادھورا سمجھتے تھے۔ سر پر ٹوپی اور عطر کی بھینی مہک میں بسے وہ گھر سے نکلے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ابھرتی ہوئی فنکارہ ادا اور "گلی ایس پروڈکشنز" کے کرتا دھرتا ٹیلی پروڈکشن بزنس کے نامچین شہزاد ملک کے مابین تعلق کا انکشاف۔"

آج کے اخبار قریب کے ریک میں رکھتے ہوئے عصیں کی نظر روزنامہ کے علمی ایڈیشن کی شہ سرخی پر پڑی تھی اور شہزاد ملک کے نام نے اسے چونکا دیا تھا۔ اگرچہ اب نام پہ اسے چونکنے کی خاص ضرورت نہ تھی لیکن فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے وہ یہ صفحہ نکال کر تفصیل پڑھنے لگا۔

"بلاشبہ زرائع نے یہ انکشاف کیا ہے کہ شوبز کی دنیا میں دھیرے دھیرے اپنی جگہ بنانے والی اداکار اور گلوکار ادا پروڈیوسر شہزاد ملک کی قریبی حلقہ میں ہیں۔ "گلی ایس پروڈکشنز" کے مالک ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک ادا نے گلی ایس پروڈکشن کی کسی فلم میں کام نہیں کیا حالانکہ یہ ایک طاقتور ادارہ ہے۔ ان کی ہوم پروڈکشن کمپنی کہلائی جا سکتی ہے۔ کیا اس کی وجہ فریقین کے مابین اختلافات ہیں یا دونوں کسی خاص وجہ سے اپنی اس قربت داری کو خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تھا جو یہ خبر چند روز پہلے شائع ہو جاتی۔ کم از کم لگی کو یہ اندازہ ہو جاتا کہ شہزاد اس سے اپنے خاندان اور خاندان والوں کے متعلق بہت سے حقائق چھپا رہا ہے۔ یہ تو شاید ہونے سے رہ جاتا۔" اس نے سوچا تھا۔

گل اس بات کو جھٹلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

حاجرہ بیگم اس خلا کو ظاہر کرنے کی کوشش سے کہ وہ بھول چکے ہیں۔

لیکن عصیں اتنی جلدی اس بات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ اس بات کا مرکزی کردار نہیں تھا۔ اس کے ثبوت یا واسطہ اس پر نہیں پڑتے تھے اس کے باوجود وہ متاثر ہوا تھا۔

نہ صرف گل کے حوالے سے دکھی ہوا تھا بلکہ بعد میں اپنی محبت سے اس کا منکر ہو جانا بھی اسے ملول کر گیا تھا۔ اس جیسے محبت سے گندھے دل کے مالک سے یہ توقع نہ ہوا تھا کہ جس لڑکی کو ایک عرصے تک اپنی زندگی میں ایک خاص مقام اور حیثیت دیتا آیا تھا وہ لڑکی درحقیقت اس مقام کے لائق نہ تھی۔

وہ نہ صرف اپنے حضور کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے پر دکھی ہوا تھا بلکہ اس شخص کے لیے بھی اب تک اس دل سے جس احترام کی خوبی تصور نہ ہوتے بھی سب سے بڑی سزا کا مستحق بنا تھا۔ اسے رد کر کے مسترد کر جاتا۔

اس کا سفید پڑا چہرہ جیسے کوئی دیمک زدہ لکڑی سے دور اور سوت سے قریب ہو جاتا ہے۔

اس کا تھکا تھکا سا کمرہ تھا۔

اس کی بیوی کی آس کے نیم مردہ وجود کے سہارے بیٹھ کے رونا یا کرنا۔

کیا تصور تھا اس پہ بچارے کا سوائے اس کے کہ باپ بیٹی کی خواہش پوری کرنے کے لیے صرف اس کے کہنے پہ یہاں سے چلے آیا۔

"اب یہ تو چھپ گئی کی تو کیا۔ کچھ پڑھ بھی لے گی لڑکی۔ پہلے ہوتا یہ سب تو کتنا اچھا ہوتا۔ کتنی زندگیوں میں زہر نہ گھلتا۔"

وہ اسی سوچوں میں گم تھا جب گل کی آواز پہ چونکا۔ یہ نہیں وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ تو اسے سامنے پا کے ہی ایک بار پھر حیران رہ گیا تھا۔

"کہہ تو رہیت؟"

"یہی سوال تم نے تب بھی کیا تھا جب ہم پہلے آئے تھے۔ کیا تمہارے اس اسٹوپڈ حاضری دینے کی پہلی شرط رہیت کا نہ ہوتا ہے؟"

"نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی کام تھا تو مجھے صحیح کہہ رہیت پہ ڈیپرٹمنٹ کرنے کی کیا؟"

"نہیں آج کچھ ڈاکومنٹس پہ ہمارے دستخط کروانے تھے۔"

"لگی کے ہاتھ کچھ ڈاکیومنٹس۔" وہ اس کے چہرے کے اب سرسری سی نظر ڈال رہا تھا۔ سرٹیفکیٹس وغیرہ تھے۔

"کہیں بھی ہے ہمارے گھر سے نکلنے پہ پابندی ہے کیا؟" وہ غلط کے پوچھنے لگی۔ "ہاں صبح نہیں دے سکتے تھے لیکن تمہارے نکلنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔"

"پھر جاب کا ارادہ ہے؟" وہ فوراً کوئی بات نکالنے لگا۔

"ہوں۔" مختصر جواب دے کر وہ اخبارات کی ورق گردانی کرنے لگی۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ تم فی الحال ایک اور تجربے سے باز رہو۔ چچا حضور کی صحت ان مسلسل دھچکوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ٹھیک نہیں ہیں۔ ذرا صحت سنبھل جانے تو بات کر لینا۔ اس وقت ان کی رائے اور اجازت سے۔" اس کے سمجھانے انداز کو گل نے خلاف عادت تحمل اور سنجیدگی سے سنا۔ وہ دوسرا تھا جو اس کی زبانی اپنے چچا حضور کی صحت کے متعلق تشویش سن رہی تھی۔

"سنو۔ کیا ابا حضور بہت بیمار ہیں؟" اس نے اتنی معصومیت سے یہ سوال کیا تھا کہ عصیں اس کی ناعلمی پہ قصہ آنے کے باوجود ظاہر نہ کر سکا۔ البتہ خاموشی کے حق میں اپنی پابندی کی ضرورت تھی۔ وہ شاید اپنا کے پھر سے اخبار دیکھنے لگا۔ عصیں نے اس کے ہاتھ میں اخبار کا وہی صفحہ دیکھا جو چند منٹ پہلے اس کے ہاتھوں میں تھا تو کچھ بھی نہ رہ سکا۔

"تم نے یہ خبر پڑھی؟" اس نے اس کے ہاتھوں سے صفحہ لے کر پلٹا اور دوسری جانب چھپے فلمی ایڈیشن کو اس کے سامنے کیا۔ وہ چونک کے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اسے یہ خبر پڑھی اور اخبار واپس کر کے اپنے ٹیلیفون ریک میں رکھ لیا۔ عصیں نے اس کے بارے میں اس سے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

☆ ☆ ☆

صاحبزادہ عصیں علی خان اسپتالوں کے ہجوم اور سب سے بڑھ کے ڈاکٹروں کے انتظار میں دن میں تنگ سے گھبراتے تھے اسی لیے اپنے خاندانی کے ڈاکٹر کے بار بار کہنے کے باوجود بارٹ اسپیشلسٹ سے باقاعدہ معائنہ کروانے کی ابھی بات کو ٹالتے آ رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب خود نواب صاحب کا بے چین کے قریبی وقت میں شمار ہوتے ہیں۔ انہی باتوں باتوں میں ذکر چلا اور نواب صاحب نے اسپتال کے متوقع بارٹ کا ذکر کیا تو میاں صاحب مصر ہو گئے کہ دو ملی ہی حرمت میں اس پر ہائیر بیٹ اسپتال چیک اپ کے لیے جائیں جہاں ان کے دماغ بارٹ سرجن پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے نواب صاحب کے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے داماد کو فون کر کے ان کے لیے ٹائم بھی لے لیا۔ وہ

ٹرکل اپنی کار بند شوفر بھی پیچھے چھوڑ رہے تھے مگر نواب صاحب کی وضع داری نے اس حد تک کسی کا احسان لینا گوارا نہ کیا اور تنہا سے معذرت کرلی۔ البتہ دل ہی دل میں وہ ان کے بے حد شکر گزار تھے کہ جب وہ ہنگامہ ارتقا میں ان خاص مریضوں کو اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے دیکھ رہا اور یہ بھی کہ ان کے آخری ڈاکٹر کا اسٹنٹ انہیں بھی احترام اندر لے گیا۔ یہاں نواب صاحب گاہ باہر اپنے خسر کے دوست کے سامنے نہایت انکساری سے پیش آیا بلکہ وہ جان ہی چکے تھے کہ وہ کتنا بڑا "قابل" رحم ہوگا اگر نہ ان کے سارے بہت اور تیک اپ تفصیل اور عیان سے ہوتے۔ لیکن اس بابت نواب صاحب کے استفسار پر تو گویا وہ اگر کار تھی ہی فی گیا۔

"میں اس شرمسار کرتے ہیں بچا جان اور ابا جان کے سامنے تو میری حیثیت ہی ختم ہو کر رہ جائے گی جب انہیں علم ہوگا کہ میں نے آپ سے ہیں لیا۔ آپ یہاں آئے کیا میرے لیے بہت اعزاز کی بات ہے۔"

وہ ان کا ہاتھ تھامے حقیقی عقیدت سے کہہ رہا تھا۔ نواب صاحب اس محبت کے آگے سرشار ہو کے یہ احسان سر پر گوارا کر کے اور شفقت سے دلاسے دیتے ہوئے وہاں سے نکلے۔

"ہاں بیل انتظار ہے بلکہ اخون بیل انتظار ہے سالا خون بلا پانی دیکھا ہے اور یہ نوجوان بیٹھا ہوا ہے اور میں صاحب بیٹھے کسی عجیب الطرفین گھرانے کا ہوتا ہوں اس کی فراخ پیشانی اس کے بلند اقبال کو ظاہر کرتی ہے واللہ خوش نصیب ہیں یہاں صاحب۔"

وہ دل ہی دل میں اپنے دوست کے مقدر پر رشک کرتے پیڑھیاں اتر رہے تھے جب پیڑھیوں کے موڑ سے ہی کوئی بری طرح ان سے ٹکرایا۔ ان کا عصا گر کر گیا۔ بالکل متوجہ ہو کر انہوں نے سہارا لینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے اس کی وقت میں پکڑی نائی پیچھے کو پڑی اور ایک سے الزام سامنے ہو کر بوس نظر آئیں۔ خدا جانے قابل انہوں نے اس گھرانے والے کو کیا کہا جانا چاہا۔

"ترمیمات ایک لڑکی تھی۔

صبح ہی بار دوال کی ہوئی چادر میں لپٹی ہوئی کوئی نوعمر لڑکی تھی۔ وہ ان کا عصا بردار ان کے تھوڑے کے بعد اب نیچے بھی ان کی نائی سیٹ رہی تھی۔ ان کا سارا قصہ جس کی تفریح بیٹھ گیا۔

"رہنے دیجیے بیٹا ہم کر لیں گے۔" انہوں نے ذرا سے کہا چاہا۔ "اچھا نہیں لگتا کہ لڑکی کی عمر کے بعد ہم لڑکی بیچ راستے میں رہیں۔ پہلے پہلے قدموں میں ہچکچاہٹ ہے۔ ویسے بھی وہ پیشہ ور لگتی ہے۔ ظاہر ہے نوخیز کار ہوگی یا کسی عزیز کے ساتھ ہوگی۔ ایسے میں اس کا یہاں اس کام کے لیے ایک سٹ رکھنا بھی نواب صاحب کو مناسب نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

"لڑکی بات نہیں لڑکی اغلطی میری تھی۔"

ایک بے حد تلخی آواز نہایت بارعب لہجہ میں نواب صاحب کی طبیعت سے ہو گئی ورنہ لڑکا انکل انہیں بیٹھ کی طرف گزر رہا تھا۔

"غلطی شاید ہماری بھی۔"

جیسے ہی وہ لڑکی سیدھی ہوئے انہیں فائل پکڑانے لگی نواب صاحب کے بتایا انتظار میں ہی رہ گئے۔ وہ شدید ممانعت کرتے رہے مگر وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ شکریہ ادا کر کے بھاگ گئے اور وہ ان کے ہاتھ میں فائل تھامے ان کی جانب بڑھ گئی۔ نواب صاحب بیٹھ کے دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک بار پھر کہنا چاہتے تھے۔ اسے پکارنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ کر سکے۔

☆ ☆ ☆

وہ ہر روز کی طرح دوپہر کو کھانا اور چائے کا تھیلا لے کر ہسپتال پہنچی۔ جیسے ہی وہ دل تھی کی پرائیویٹ روم والے کوریڈور میں مڑی۔ "سرٹیفکٹ" کے نام والے روم کے آگے غیر معمولی سا ماحول محسوس کر کے اس کے دل میں بے چینی بھر گئی۔ اس کے قدم اور بھی تیز ہو گئے۔

جیسے ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچی اس کے کانوں سے باہر کے کال بیل بجانے والے چیخ نکلا کے اس کے تیز رفتار قدم رک گئے۔ وہ تیز رفتار سے بڑھتے ہوئے دروازے سے اندر ایک نظر ڈالتے ہی اس کے جھٹکے سے قدم پتھر کے ہو گئے۔ اس نے ٹرکر کے دیوار کا سہارا لیا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے سامنے سستی پڑے اپنے ماں کے بے جان وجود کو دیکھا۔ کھانے کا تھیلا اور ہوا کے ضعیف جھونکے سے جھک رہا تھا۔

باہر کی راہ سے جیسے ہی وہ اندر گئی تھی اور شہزاد سرخ ڈوبتی آنکھوں کے ساتھ باپ کا مردہ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیے جانے کس کس بات کی معافی مانگ رہا تھا۔

● ● ●

ایک بھرتی ہوئی دکان کا اور "تھی ایس پی ایکسٹنڈ" کے کرتا دھرتا ایلی پروڈکشن ہاؤس کے ٹائیکون شہزاد ملک کے ہاں تعلق کا انتظار۔"

وہ شدید سرخی تھی۔ اس پر ایک نظر پڑتے ہی بعد ہی سر نے سے جھٹک جاتی۔

"کیا یہ شخص یہ تو ایک بات تھی تمہاری باجے گانے والوں کے خاندان میں تم سا ہنرمند ہی گل مہر خانم کو دے جانا چاہتے تھے۔ یہ تو ہماری قسمت اچھی تھی۔ یہاں ہمارے بزرگوں کے وقت اخلاق ہمارے کام آگئے اور اس انسان کی اصلیت وقت پر کھل کے سامنے آگئی ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔ کیا عجب ہے ہم کے یہ کام کرانا چاہتا ہو اپنے خاندانی پیشے سے بھاگنا چاہتا ہو۔ اور ہو نہ ہو ہمارا یہ کام اس سے پہلے ہم پر ناپسند کرتے۔ مگر شہزاد ملک جیسا شخص یہ معاملات کیا جانے؟ "عزت" بے عزتی "عصمت" سے بڑھ کر اس کا کیا رابطہ؟ جس کی ماں خود اس پیشے سے منسلک رہ چکی ہو۔ جس کا پاک خاندان ایسی ہی کسی محفل گرمانے والی رقاصاؤں سے بھرا ہوا ہو یہ بات کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہیں بھی اپنا سوچ کر تی ہے شہزاد ملک سے۔ تمہاری کے قاتل ہو۔" اس نے دھاگے رنگین تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا جو کسی فنکشن کے دوران کھینچی گئی تھی۔ بائیک ساتھ میں تھے وہ اپنی تمام تر شہزادگی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہماری بیٹا میں آنے کی جرات بھی تم نے جانے کیسے کر لی۔ تمہیں پتا تمہارے لیے نہیں۔ تمہیں مبارک ہوں یہ آنا ہی شاید ان کے سہارے کا پہلا کاروبار مزید چلا کر۔"

"بڑے غور سے اخبار پڑھا جا رہا ہے؟" سوچتے ہوئے بھر کی۔ وہ اس پر کو ضرور کچھ دیر سوتی تھی ساتھی آنکھ کی بھی تھی کہ کچھ صرف لائٹ کی کرتی۔ وہ دو تک گلیمر مند پر رکھ کے اور بھی کوشش بدل کے دوبارہ سونے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس نے کہنی کے سہارے ذرا سا منہ کے کل کی مصروفیت جاننا چاہی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اخبار میں گم تھی۔ چہرے پہ کسی گہری سوچ کے سائے تھے۔

"ہاں۔۔۔ دیکھ رہے ہیں کہ کیسے انسان قائم نہ حق کا شعور رکھتے ہوئے بھی اس کا استعمال کرنا بھول جاتا ہے۔ کیسے اس کی ساری سمجھ بوجھ دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور بالکل سامنے کی بات اسے نظر نہیں آتی۔ انہیں بھی وہ دیکھ رہی تھیں جو رہتی ہے کہ اس قدر لاعلاج ہیں رہنے والے اتنے "ٹیچ سکنڈل" ہیں۔ "ذرا سی عقل لا لف میڈیا کی نظروں سے اور بھی جیسے ہوتی۔ یا پھر اس کی پیار اور اختیارات میں جو میڈیا کو اپنے حق میں کرنے میں کامیاب ہوا۔ کاش اس پر شہر سے جب جاتی۔ ہم ہوشیار ہو جاتے۔ ایک بار سوچتے تو سہی کہ جس انسان کی تیری عزت باجے گانے جیسے کام کو بطور روزگار اپناتے ہوئے ہے اور یقیناً بازار حسن کی پیداوار ہے وہ کس قسم کے خاندان سے متعلق رہا ہوگا۔"

"شہزاد ملک کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں یہ دیکھو کیا انکشاف۔۔۔ اور یہ اس کی ترسیت کہاں سے محفلوں میں مجرے کرنے والی ایک بازاری عورت کیا تھا۔ یہ انکشاف وقت سے پہلے ہو جاتا۔ آج یہ شرمندگی ہمارے حصے میں نہ آتی۔" اس نے اخبار توڑ مروڑ کے موڑتا کی عادت اچھالا۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائی ہوئی خبر پڑھنے کی اس کے بعد اس نے ذرا تفصیل سے دھاگے تصویر کا

جانور لیے کھلے ہوئے بیابانوں کے درمیان چلتے قلیوں کا نیا کیا جانے پر دکھ، واقعات ہلی کی آنکھوں میں عجیب وحشت اور جنون کا اضطراب تھا جس سے ہمارا گلہ پڑ رہا تھا۔ وہ بلاشبہ حسین کہی جا سکتی تھی مگر یہ نہیں کہوں گا کہ اس کے چہرے پر اخبار کی اور دل کر دینے والا پچھل پن نظر نہیں آیا جو اس پیشے سے وابستہ حسینائوں کا خاصہ بھی ہوتا ہے اور ان کے ہنر کا بانہ بھی۔

"مگر کیا خوب صورت ہے۔"

اس کے بعد ساتھ تبصرہ کرنے پر پھل مرنے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہم نے اس کی شکل و صورت پر تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ اگر یہ خوب صورت نہ ہوتی تو ان کا کام کیسے چلتے؟"

اس کے ہاکوادی ظاہر کرنے کے باوجود میں اب تک وہی تصویر دیکھ رہی تھی۔ شکل قاسمی جانی پہچانی تھی۔ دراصل لون کے گھر کیلئے جیسی خراشت تو تھی نہیں اور جانے اب تک زیادہ تر کام پر ایکسپرٹ سکیلز کے لیے گیا تھا۔ بل ہی پر اسے اکاؤنٹیٹ قاسمی کھدا چلے ہوں گے اس لیے موتیا زیادہ تر نہ جانتی تھی اسے صرف شکل دیکھی جانی لگ رہی تھی۔

بلی کی دستک کے ساتھ صاحبزادی حرمت ہمارے مہمان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ یہ لون کی مداوت تھی کہ اپنی ہی بچیوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بھی وہ دستک ضرور دیا کرتیں۔

"خیریت ای حضور؟" موتیا نے ان کے چہرے پر فکر و تردد کے سائے دیکھ کے پوچھا۔

"آپ کے والد ہسپتال سے معائنے کے بعد ابھی ابھی گھر لوٹے ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟" ان کے ہاتھ کی کنڑی ہوئی اس کی گود میں رکھا اخبار کا صفحہ بھی بے چارگی دس کا اسے احساس نہ ہوا۔

"ابھی تو ہمیں علم نہیں وہ بتائے پہنچ رہیں اور آپ تو جانتی ہیں کہ کسی بھی بات کی تکرار انہیں پسند نہیں کرتی ہے۔ اس لیے ہم نے ایک بار دریافت کرنے کے بعد دوبارہ ان کی پریشانی کی وجہ جاننے کی ہمت کی بھی نہیں۔ البتہ ہمیں اندیشہ ضرور ہے کہ خدانخواستہ معائنے کے بعد ڈاکٹر نے۔۔۔ اللہ کرے ہمارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوں۔ صاحبزادی الیاس خاتون آپ اپنے والد کے لیے بادام کا شربت تیار کیجئے اور صاحبزادی گل سرخ آپ شاہ اللہ دتہ کی فکر میں جھنجھلا رہی ہیں ذرا باقی باتوں میں کچھ ان کی خیریت دریافت کرتے ہوئے ہو سکتے والے کاغذات دیکھنے کی کوشش کریں کہ ان میں کیا درج ہے۔"

صاحبزادی حرمت اضاء کا اشارہ خالہ "ایکسرے بلڈ پریشر الٹرا ساؤنڈ اور ای سی جو غیر کی رپورٹس کے متعلق تھا۔

"ای حضور! ہماری تعلیم تو ایک طرف۔۔۔ گھر سے باہر بھی پڑھنے سے قاصر ہی ہیں۔" وہ تلملا کر جھنجھلا گئی تھی مگر جانتی تھی کہ یہ کام ہمارے لیے صرف ان کی تسلی کے لیے کہہ رہی ہیں۔

"اچھا ہم سمجھتے ہیں۔ بات کرتے ہیں ابا حضور سے۔" وہ خیال پہنچتی ہوئی سر پر رکھتی نکل گئی۔ حالانکہ کئی دنوں سے وہ دانستہ ان سے کترا رہی تھی۔ سوائے سلام آداب کے کبھی کوئی بات کرنے کی نوبت آتی لیکن اب ان کے لیے تشویش اس کے گریز پر بھاری غالب آ گئی کہ وہ جائے بنا نہ رہ سکی۔ موتیا اس سے پہلے ہی شربت بنانے نکل چکی تھی۔

صاحبزادی حرمت مضاء اور حد پریشان اور متفکر تھیں اس کے باوجود اپنی عادت سے باز نہ رہ سکیں اور بیٹیوں کے کمرے سے نکلنے سے پہلے چیزوں کی ترتیب درست فرما نہ رہ سکیں۔ انہوں نے بستر برابر کر کے رکھے۔ چادر کی شکنیں درست کیں۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑی کتاب اٹھا کے سرہانے رکھی۔ چائے کے جھوٹے کپ اٹھا کے پلٹنے نہیں کہ اخبار ان کے ہاتھوں میں آ کے رہ گیا۔

"کتنی بار کہا ہے انہیں "اخبار" نہ دیا کیجئے۔ اخبار بابا کے فریج سے دوبارہ نہ رکھا کیجئے۔ حرف کی بے حرمتی نہ ہونے پائے اور ہاں یہ عالم کہ ہر کاغذ میں ہی روزنامے کے لیے نیچے کر رکھا ہے۔" وہ ہواؤں سے پریشان ہوئی اخبار کے بے ترتیب صفحے کو ترتیب دیتی تھی۔

"یہ تو آج کا اخبار ہے۔ ابھی کی تو خبر ہے۔ نواب صاحب نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔ انہیں وہ کے آنے میں۔ اس بہانے یہ بھی دیکھ لیں کہ کیا مرضیاں سے ان کی ملاقات کو نہ تلف کیا ہے۔"

اخبار ہاتھ میں لیے اب ان کی نظر ایک بار پھر نواب صاحب کے کمرے کی جانب تھا۔

○ ○ ○

وہ چہرہ۔۔۔

وہ آواز۔۔۔

وہ سراپا۔۔۔

کچھ بھی ایسا نہ تھا جو ان کے لیے ناشناختہ اجنبی تھا مگر اتنا ہی تھا کہ یہ چہرہ۔ یہ آواز یہ سراپا جس کا تصور وہ ان کے لیے سولہ صدی کا انسان تھا۔

اس انسان اور اجنبی شخصیت نے یہ چہرہ اور آواز کہاں سے چرایا تھا؟

یہ سوال تھا جو انہیں مسلسل بے چینی میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ وہ بار بار سوچتے۔

"کیا اتفاقات ایسے بھی ہوتے ہیں اور کیا ان کی اس صدر درجہ مماثلت کو محض اتفاق قرار دیا جا سکتا ہے؟"

یہ سوال لون کے اضطراب کو مزید بڑھا رہا تھا۔ اسی اضطراب میں وہ ہسپتال سے سیدھے گھر آ گئے اور جیسا کہ ان کا ارادہ تھا کہ رات میں سے وہ میاں صاحب کے ہاں سے ہوتے ہوئے آئیں گے تاکہ ان کے داماد سے ہی اختیاری توجہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کر سکیں کیونکہ انہوں نے بھی کسی کا شکریہ تک ادا ہوا رکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اس ارادے۔ عمل اور آمد کیا کرتے وہ تو اس کے مطابق اپنی دوائیں لینے کے لیے ہسپتال میں ہی بیٹھی تارمیں تک نہ رک سکے۔ اس وقت لون کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اپنی جیب اور عمر کا لحاظ تھا تو یہ دل تو کیا کہ ٹھاکر بابا میں پائیں اور ہسپتال کا چپہ چپہ چھان ماریں اس سے بعد آتا تھوڑا سا خوش والے چہرے کو تلاش اور اس سے پوچھیں۔

"یہ نقش تمہیں کہاں سے چرائے۔ آواز کی یہ شیرینی اور مدعا تمہیں کہاں سے ملی۔ یہ سراپا تمہیں کس نے دان کیا ہے؟"

اور وہ اجنبی لڑکی بھلا کیا جانتی تھی یہ بھی لون کا دل ہلا رہا تھا۔ یہ نقش وہاں کرنے والی ہستی اور کون ہو سکتی تھی؟ صرف وہی ذی جس کے یہ نقش تھے اور وہ نقش جو آج تک نواب صاحب کے دل پر ثبت تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ ہستی طبیعت کی سنجیدگی اور اجنبی بھی الہ کی اس ملاحت کو گھٹا نہ سکی تھی اور جس کے لیے ہوں گے نواب صاحب صاحبزادیاں انہیں علی خان صاحب جن کو دیکھ کے کتنا زمانے کی کوئی دلچسپی کوئی لطافت انہیں متاثر نہیں کر سکی اور جن سے ایک بار ان کی کوئی بات نہ ہو سکا تھا کہ ان کے مزاج کو کوئی لطیف حس۔ کوئی الہیاء جذبہ کبھی چھو کے بھی نہ گزرا ہو گا وہی نواب صاحب اپنے بل کا بل نہیں وہی جانتے تھے۔

آج بھی وہ چہرہ آتے ہی ان کا ہاتھ سلسلہ کی زمانے پیچھے چلا جاتا ہے۔ سینے میں وہی سیٹی بھی کی کیک محسوس کرنے لگتے ہیں۔ واقعہ دانستہ سال کی عمر میں ان کو لگی ہوئی تھی اور پھر گزری یادیں اپنے جلوس میں اس کا واقعہ کی یاد بھی لے آئیں جو انہیں بے اختیار طرب میں مبتلا کر دیتا ان کے اندر آگ سی دہکا گئی تھی۔

"کیوں؟۔۔۔ یہ تصویریں ان کے ساتھ ہی ایسا کیوں؟ کیا یہ معصوم اور پاکیزہ روح کے ساتھ ایسا کیوں؟ ابھی انہوں نے لب کسی کا کچھ بگاڑا تھا اور یہ ستوا رای تھا۔ اور اگر رب آخرت انہیں مزید حیات دے رہا تو وہ آج اور اس بست کچھ ستوا رہی تھی۔ ہاں اور اس زندگی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ ام مطمئن ہیں اور قابل عزت روزگار اور شہرت

میں نمازیں احترام آفتاب شعار شریک حیات اور ہونہار اولاد کے لیے اپنے اللہ کے شکر گزار بھی ہیں یہ زندگی شاید تب اور بھی حسین ہوتی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ہم کچھ بھی نہ کر سکے نہ چاہ سکے ہم صاحبزادی فرحت انساء کو اس بے کسی اور بے کسی کی موت سے۔ ہوان کے شایان شان نہ تھی۔ نواب گھرانے کی ماہ پارہ پھول کی نجانے کفن بھی نصیب ہوا کہ نہیں ہمارا دل کی اتھاہ نے ہمیں کا پورہ کر لیا؟

ہمارا دل بھی موج کے دھارے صاحبزادی فرحت انساء کی یاد ان کے دل میں سسک اور درد کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑ کر جاتی تھی لیکن آج کی بات اور تھی۔ آج اس یاد کے ساتھ جو شاہ سوال تھے بلکہ یہ یاد ایک چبھتے ہوئے سوال بنی سوار ہونے کو آئی تھی۔

"کون ہے؟ ہاں ہوں صاحبزادی فرحت انساء۔"

گھر والیں آ کے بھی وہ اپنا دھیان اس گھڑی بھر نظر آنے والے چہرے سے ہٹا نہ سکے۔ شاید ان کے چہرے اس نقطے کے بارا تھے واضح تھے کہ ان کی شریک حیات اور بن کی مزاج آشنا صاحبزادی فرحت انساء اپنے پہلی بگاڑ والے تھی پوچھ نہیں سکیں لیکن پھر بھی سوال جواب کرنا ان کی فطرت کے منافی تھا۔ اس لیے پہلے ان کی طبیعت اور پھر ان کی موجودگی کی بابت دریافت کرنے لگیں اور اپنی ہی الجھن میں گم فار نواب صاحب کہیں ابھی سوال کا جواب اصلی نہیں طریقے سے نہ دے سکے۔ جب صاحبزادی فرحت انساء خود پر مزید ضبط نہ کر سکیں تو بالآخر پوچھ بیٹھیں۔

"آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں۔ گھر سے نکلتے وقت تو طبیعت کی گرانی کے باوجود آپ کا مزاج بہت خلقت تھا پھر اب اس اضمحلال کی وجہ دریافت کر سکتے ہیں ہم؟"

"کچھ نہیں۔" یہ ایک خالی دو ٹوک جواب نواب صاحب نے ان کے سوال کے بعد چند لمحے ان کے متردد چہرے کی جانب غور سے دیکھتے رہنے کے بعد دیا تھا۔ یہ وقت انہوں نے یہ فیصلہ کرنے میں کیا تھا کہ آیا اس الجھن کا ذکر ان سے کرنا مناسب ہو گا یا نہیں۔ دل و دماغ دونوں باہم تھے پر متفق تھے کہ ابھی یہ ذکر کل از وقت ہو گا۔ جس سے کہ وہ نواب تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس معاملے میں وہ سوال کا الجھانے سے کیا حاصل؟ جو ہے ابھی وہ اب تک مخفی دیکھے۔ یقین نہ کر رہے تھے تو کوئی ان کی بات سن سے کیا یقین کرتا۔ اسے محض اتفاق قرار دیا ان کی غلط فہمی اس لیے انہوں نے دو ٹوک انداز میں اپنی بیگم کو بیدار کرا دیا کہ وہ ان سے اس معاملے میں مزید کوئی سوال نواب نہ کریں۔

صاحبزادی فرحت انساء خاموش ہو گئیں۔ اب ان کا کا سوال معمول کے مطابق تھا۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ ہم صاحبزادی انساء خاتون کے کمرے کی طرف خود لکھوا دیتے ہیں۔ وقت تو ہونا چاہتا ہے۔"

"نہیں ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہو رہی۔ ہم کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر۔" ان کا اشارہ جانب کر دروازے کی جانب بڑھ کر خود آپ پہنچیں۔

"بادام کے شربت پیجیے گا؟ فرحت دے گا۔"

ان کے عام سے خدا دیں کے فقرے نے نواب صاحب کے دل پر عجیب اثر کیا۔ وہ عصا دیوار سے ٹکا کر اور اپنی ٹوپی اتار کے پلنگ پر دراز ہوئے کو تھے کہ ان الفاظ نے ان کے پیر جما دیے۔ وہ ساکت ہو گئے۔

"فرحت۔" ان کے دل میں ایک لفظ بن کر ٹکا کیا اور اس خیال نے دل کو اچھا دھیان بٹانے کی بار بار کوشش کر رہے تھے اور خیال یکسار پھر کسی آسیب کی طرح چھٹ گیا۔ ان کی خاموشی اور خاصی دیر کے وہ خاموشی سے وہاں سے نکلیں اور بیٹھک کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ دراصل نواب صاحب کے چہرے پر انہوں نے کچھ ایسا خوف طاری دیکھا تھا۔ یہ کبھی بھی ہوا ہو تا تھا جب بھی فطرت آتی۔ وہ اس کی آمد تو نہ جان پاتیں مگر اتنا ضرور سمجھ جاتیں کہ وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ نہ صاحبزادہ تھیں نہ خان جیسا کوئی اصحاب کا مالک تھیں اپنی کنواری

اتنی جلدی اپنے چہرے مہرے سے ظاہر ہونے دیتا تھا۔ چونکہ وہ اپنا ڈاکٹری معائنہ کرا کے آ رہے تھے اور وہ بھی ماہر امراض قلب سے اس لیے لامحالہ ان کے دل میں نواب صاحب کی صحت کے متعلق اندیشے اور خدشے پیدا ہو گئے۔ انہوں نے بچیوں کو بھی کہا کہ وہ باقی کے دوران ان سے ڈاکٹر سے ہونے والی بات کی تفصیل جاننے کی کوشش کریں۔ اپنے بیٹے بیٹیوں تک مشغول کرنے کے بعد وہ تنہا قلب کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی نیت سے وضو کرنے گئیں اور موتیا کو کل اپنے والد صاحب کے کمرے میں چلی گئیں جہاں وہ دیکھنے کے باعث اختیار لے کر اپنا چشمہ درست کر رہے تھے۔ اپنی دو نواسی صاحبزادیوں کو ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کے خوشامد کل مرکوز جو کچھ دیکھا۔ ان سے کھنچی کھنچی سی تھی۔ اس بات کا خیال رکھنے کے باوجود وہ اس کھلنڈرا اور گریز و غیبت جان رہے تھے کہ ہم تمام کی وجہ سے وہ اس کھلنڈرا تھے کو اکثر کھلتے تھے۔ گل کو ہنوز دیکھنے کے بعد نئے سرے سے تازہ ہو جاتا۔

"کیسی طبیعت ہے ابا حضور؟" موتیا نے آگے بڑھ کر انہیں شربت کا گلاس پیش کیا۔

"ٹھیک کا کرم ہے۔" تبھی انہوں نے اپنے پر شفقت نگاہ اس پر ڈالی۔ گل کو کسی خیال میں کا احساس ہوا۔ وہ اپنی ہتھیلیاں مسلنے لگی۔ ہتھیلیوں میں اس کے ابا حضور بیمار تھے کہ سب سے بڑی تھی مگر ہنسنے کے باوجود چاہتے ہوئے بھی ان کی خیریت پوچھنے نہ آ سکی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک کا فاصلہ کتنا تھا۔ چند قدم کا۔

مگر ایک انا سے دوسری انا تک کا فاصلہ صدیوں پر محیط تھا۔ اپنی بے لچک فطرت اس نے نواب صاحب سے ہی ورثے میں پائی تھی۔ ایک بار وہ بات دل میں بیٹھ گئی تو سمجھو بیٹھ گئی۔ اسے کبھی یہ خدشہ لاحق ہوا تھا کہ دونوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو اس کی گزر بسر کی تفصیل ایک بار پھر سے دہرائی جائے گی۔ اس کی کوتاہیوں اس کی لغزشیں گوالی بڑھیں کی اور دوران گفتگو میں سے کبھی دو دل سے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے باوجود کسی اور کے منہ سے ان کا ذکر سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ خطا وار ہوتے ہوئے بھی مورد الزام ٹھہرائے جانا سے گوارا نہ تھا۔ یہی وجہ تھی اس گریز کی۔ جس نے ابا سے دور کر دیا تھا۔

صاحبزادہ محمد علی خان کی طبیعت ناسازی کے بعد ہی تھی اس کے اثرات ان کی صحت پر ہوتے ہوتے مگر آہستہ آہستہ پہلے ہو رہے تھے۔ ان کی بصارت کے دل و دماغ کو پہنچایا تھا۔ انہیں اور بھی پریشان کرنے کے لیے کافی ثابت ہو رہا تھا۔ تھکے تھکے سے اور نڈھال لگ رہے تھے کہ گل اس کی ہمت بڑھانے ایک کے بعد دوسری نگاہوں پر ڈالنے کی سعی اپنے دیے ہوئے پر شرمساری محسوس ہو رہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ صاحبزادی گل؟" ہمت کی باندھتی رہ گئی اور اس بار بھی نواب صاحب سبقت لے گئے۔ ابا نے ٹیک دونوں جانب کر کے تھی لیکن نواب صاحب اولاد کے معاملے میں قدرے سوچ بچار کرتے تھے۔ ان کے لہجے کی عادت سے گل ہمت کو لیر کر رہا۔ اس سے لفظ ادا کرنے پر بھر ہو گئی۔ اپنے بے ساختہ امڈ آنے والے آنسو پینے کی کوشش میں نظریں جھکاتے ہوئے لفظ سہارا کے رہی۔

"ابا آپ کے دل میں ہمارے بے اعتنائی کے گلے ہیں کہ آپ ہمارے سوال کا جواب بھی زبان سے ادا کرنا مناسب نہیں سمجھتیں۔" انہوں نے نجانے ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا یا پھر شاید اس کے نظریں چرانے سے۔ موتیا بھی اس کی اختلاجی کیفیت کو بھانپ گئی تھی جو آج بھی گھبرا رہی تھی۔ ابا حضور کو اور بھی ہمت کر رہی تھی مگر اچانک وہ بھی خاموش ہو رہی تھی۔ بالکل نواب صاحب کی طرح جب گل ان کے پیر پکڑ کے ان پر اپنا سر رکھ کے ہچکیاں لینے لگی رونے لگی۔

"صاحبزادی گل صاحبہ۔" فرحت کے اس جملے سے ذرا سنبھلتے ہوئے نواب صاحب نے آہستگی سے اپنے پیر ہٹائے اور اسے تو ازدی۔ شاید یہی وہ تھی سال کی گل سر کو انہوں نے روتے دیکھا ہو گا مگر ان کے بعد ان آنسوؤں کا کوئی بکر ان کے حافظے میں نہ تھا۔ وہ تذبذب میں تھے کہ کیا کہہ کر اپنی اس بیٹی کو چپ کرائیں جو بچپن

انہیں ان سے خصوصی طور پر تہذیب محسوس ہوئی تھی۔
شاید اپنی ہی موزوں شکل و صورت کی وجہ سے۔
یا اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے۔
یا اس وجہ سے کہ وہ بچپن سے ہی یہ بھانپ گئے تھے کہ وہ حادثات و دھماکوں میں بچ جانے والا بچہ ہے۔
یا پھر اس وجہ سے کہ اس کے اندر انہیں وہ خداداد صلاحیت اور جادو اثر شخصیت محسوس ہوئی تھی جو ان کے خاندان کا خاصہ تھی۔ تمرا لی اور اپنے بھائی صاحب کی اولاد میں سے وہ صرف گل مرکے اندر ہی اس کے اثرات پاتے تھے۔
وہ بھی قادر تھیں ہمیشہ عمر بھر ہی۔ اس کی خاطر شروع ہی سے وہ ایسے بہت سے فیصلے کرتے آئے جن کی ان سے امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کو کوئی بہتر تعلیم میں بھیجنا۔ گھر سے نکل کر جاب کرنا۔ پھر اس کی پسند سے ایک باہر کے رشتے کا گھر تک بسنے کا اور یہ شاید حد تھی۔ آخری حد۔
اس کے بعد انہوں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر پتھر کر لیا تھا کہ اب جو بھی ہے وہ اور اس کی محبت کے ہاتھوں اپنے خاندان کی ناموس کو داؤ پر نہیں لگائیں گے لیکن اس وقت ان کے سینوں پر سلگتے گل مرکے آنسو انہیں ایک بار پھر موم کر رہے تھے۔ ان کا دل بے ساختہ صدا میں پکار رہا تھا۔
"مجھے جھانکنا ہے اگر ان آنسوؤں کے صدقے ہم نے سب معاف کیا۔ جو ہمارے ہاتھ میں ہے سب تمہارے ہاتھ میں دے دیا۔ الٹو۔"
گلمرہ کچھ اور ہی مانگ رہی تھی۔
معافی۔ وہ بھی بدصورت رویے کی معافی مانگ رہی تھی اور وہ کے عاجزی سے۔
ہوتے نہ یہ منکر کے غرور شخصیت کے ساتھ دیکھا۔
"اتنی باتیں کر رہی ہیں ساحتراوی۔ گل مرسے بیٹیاں معافی مانگتی اچھی نہیں لگتیں اور نہ ہی یہ ہوتے ہمارے سرکار و عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو یہ ہے کہ اپنے تن کی چادر بچھا کے بیٹیوں کو بٹھایا جائے۔ ان کی آمد پر کھڑے ہو کر انہیں احترام دیا جائے۔ آپ ہمارے ہی چھوٹے ہیں گنہگار کر رہی ہیں۔ بخدا ہمارے دل میں آپ کے خلاف ذرا سا بھی میل نہیں ہے۔ ہاں آپ سے گزارش ضرور ہے لیکن ہمیشہ کہ آپ نے اپنے تحریری وجہ غیر مرتدی کی ہے ہمارے تحریری کی بھی ایک وجہ تھی۔ ہم آپ کے سامنے آ کے اپنی معذوری ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ہم۔ اپنے اصولوں کی وجہ سے اور اپنے آباء کے کیے عہد کی وجہ سے آپ کی خواہش پوری کرنے سے قاصر ہیں۔"
"ہماری کوئی خواہش نہیں لیا حضور اور خواہش کس سے ہم اس سے برادری نہیں ہو چکے بلکہ ذرا سوچ بھی کر چکے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمیں بھی آپ کی طرح اپنے بیوی سے ہم کی کوئی چیز نہیں ملی۔ یہ تو ایک دھوکا تھا جو ہم نے اپنا تجربہ کاری کے ہاتھوں کھایا اور ہم اس پر بھی سے شرمسار بھی ہیں۔"
"چھوڑیے جائیے ان باتوں کو۔"
"کیا حضور! آپ کرنے کیا کہ؟" وہ اصل بات کی جانب آئی۔
"ہاں۔ خاصی تھی۔ تشدد ہو رہے ہے۔" انہوں نے فائل آگے کی۔ "اس میں ہم نے اور بنہ شہزاد خان کے ہاتھ کے ساتھ بیل سے ایمانی نوکری جاتا ہے مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ زیادہ انٹرنیشنل بنک ہے۔ طبیعت کی گرانی موسم کی شدت کی وجہ سے ہے۔ یہ تمام حالات جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ صرف تمام اور پرہیز عمل کرنے کا کہا گیا ہے۔"
"شکر ہے اللہ کا۔" سوتیا نے بے ساختہ شکرانہ ادا کیا۔ گل مرکی ای سی جی وغیرہ کی رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد قدرے تفصیلی نظر آ رہی تھی۔

"کیا لائی ہیں حضور!" سوتیا نے پوچھا۔
"نہیں ایک کپ چائے پلا دیجئے اور دیکھو کہ ہمیں ہمارے پیاروں کے محل کی مالکن کر دے۔"
"میں خود لا دیتی ہوں بابا حضور۔" اور مقدس کے نزدیک رکھی تپائی پر بیٹھتی ہوئی اٹھنے کو ان کے نزدیک فرش پر بیٹھ گئی۔
"اور چائے ہم بنا لاتے ہیں۔" گل مرنے ایک اور میرے انگلیں ہمیں کیا لیتی چائے بنانے چلی گئی۔
"آج تمہارے سر پر ایک بہت بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔" انہوں نے غالباً "نہیں بلکہ یقیناً" سوتیا کو کوئی خطاب کیا تھا کہ اس وقت ان دونوں کے سوا کمرے میں تیسرا کوئی نہیں تھا اس کے باوجود سوتیا بے چینی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دراصل نواب صاحب دل کی باتیں ہمیں کسی سے کرنے کے قائل تھے اور اولاد سے تو بیشتر ہی انہوں نے ایک مناسب فاصلہ رکھا تھا "کیا کہ اولاد "اولاد" ہوتے مگر آج ہو رہے تھے۔ سوتیا وان کی باتیں سنتے ہوئے ایک عجیب سا خمار اور سرشاری کا احساس موجود تھا کہ آج اس کے بابا حضور نے اس قابل جانا کہ اس سے اپنے محسوسات شیئر کر رہے ہیں۔
"صاحبزادی گل مرنے ہمارے دل سے تمام تر اندیشے دھو ڈالے ہیں۔" وہ کہہ رہے تھے۔
"اور میرے اندیشے؟" وہ سوچنے لگی۔
"جانتی ہیں آپ۔ ان کے آنسو ہمیں موم کر رہے تھے۔ ہمیں اندر تک چھیڑ رہے تھے۔ ہمارے دل میں ایک راستہ بنا تے جا رہے تھے۔" وہ سوتیا کی سوچ سے بے فکر وقت کے لمحے میں اپنی ہی کہتے جا رہے تھے۔
"ہمیں وقت صاحبزادی بھی مرنے ہم سے مانگا تھا تو معافی مانگی حالانکہ بخدا اس وقت ہم بھی ہمیں انہیں دے رہے تھے۔ تب واقعی ہماری یہ سوچ تھی اور اب ہم دے رہے ہیں یہ سوچ کر کہ اگر واقعی وہ بچہ اور مانگ لیتے تو ہم کیا کرتے؟ اگر وہ اس سوچنے کے لیے مہلت طلب کر لیتے تو ہم کیا دان کر سکتے ہاں شاید مان ہی جاتے کیونکہ بڑا کمزور تھا صاحبزادی اس ناتوان سے آنسوؤں نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا کہ وہ بچہ مجھے مانگتا ہے۔"
"میں سمجھ رہی ہوں گل نے چائے بنا لی ہے۔ ابھی کھانا تیار ہو جائے گا۔ رات ہو سکتا ہے کسی چیز کی ضرورت ہو اسے۔" اچانک وہ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔
کمرے کے خالی ہوتے ہی نواب صاحب کو احساس ہوا کہ کافی دیر سے وہ کہہ رہے تھے اور سوتیا سن رہی تھی۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیے۔
"نہیں بھی کیا خوب دمساز ہوتی ہیں۔ آج احساس ہوا صاحبزادہ ہمیں ملی تھا نا کہ کیا چیز تھی۔ ایک بیٹی کے آنے کو ترسے اور وہ بیٹی کے سامنے اپنی کمزوری بیان کر دیجئے۔"
ان کے انداز گفتگو سے خوشی جھلکتی ہوئے اظہار کھولنے لگے۔ وہ بیٹھے ہی ان کے مسکراتے لب ایک دم سکڑ گئے۔
سامنے وہی چہرہ تھا جس نے انہیں ایک خفت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جتنوں سے وہ واقعی طور پر اس خیال سے چھٹکارا حاصل کر چکے تھے۔ اپنا دھیان اس طرف سے ہٹا کر اپنی بیٹیوں کی جانب لگانے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہے تھے مگر اب اظہار کے بے جان لمحوں اور اس پر بھی ان کی تمام تر کوششوں پر پانی پھیر گئی تھی۔
وہ پھر سے وہی چہرہ دل میں بھرنے کے لیے نظروں کے سامنے آ گیا تھا اور انہیں جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہی چہرہ کہ جو اپنے پھر سے قرار اور تفصیل سے اس چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ حیرت ان کی رگوں میں اترتی جا رہی تھی۔
وہی حیران و وحشت کا احساس لیے کھلی کھلی سی آنکھیں۔
وہ جھکی جھکی سی جس کے پیشانی کے اوپر کا میں طرف وہی سیاہ بال۔
وہی خمار بھرے بھرے ہونٹ۔

وہ سوال جو ذہن میں کسک بن کر سلگ رہا تھا۔
"یہ لکیر تمہیں کس نے دان کی؟"

☆ ☆ ☆

کل سے وہ اسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نواب صاحب کی ایک عام سی بات اسے بری طرح محسوس ہوئی تھی۔ "وہ لمحہ بڑا کمزور تھا۔ ان کے آنسوؤں نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا کہ وہ ہم سے کچھ بھی مانگتیں، ہم دے دیتے۔"

اور تب ایک اندیشہ کسی چور دروازے سے موتیا کے ذہن و دل میں آن گھسا۔

"اور اگر اس نے وہ لمحہ ایسا جو ابا حضور میرے لیے منتخب کر بیٹھے ہیں تو۔۔۔ تو کیا ہوگا؟ کیا وہ تب بھی اس کے آنسوؤں کے سہارے کے آگے بے بس ہو جائیں گے؟۔۔۔ کیا وہ ایک، اور کمزور لمحہ ہوگا؟ کیا اس بار بھی کمی جو چاہے گی ہوگا؟۔۔۔ ہاں ایسا ہو بھی سکتا ہے خاص طور پر اس صورت میں جب دینے والے ابا حضور اور ان کے بیٹے اس کی ضد اور آنسوؤں کے آگے ہار مان لیتے آئے ہیں اور اس صورت میں بھی کہ نشے نے وہ لمحہ دے دیا ہے جو خود اپنا آپ اپنے سپرد کرنے پر دل و دماغ سے تلا ہو۔"

اس خوفیے سے اسے جھرجھری سی آئی صورت بکھرا کے رکھ دیا تھا۔ ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ اس اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اسے خوش نصیبی کی کوئی کرن تلاش چاہئے۔

"کم سن زندگی میں میری رضا اور میری خوشی سے شامل ہوئی ہو۔" اس کی بات یاد آئی۔

گویا اس کا ایک جگنو سی میں آ گیا۔

"رضا۔۔۔ خوشی۔۔۔ کی محبت سے تو تمہیں تم نے سکھیے۔ رضا اور خوشی قبول تو کیا ہے عمیص مگر میں تمہاری طلب تو نہیں۔ نہ ہوں۔"

اس کی گرفت کمزور پڑی اور وہ جگنو بھرے اندھیرے سے اپنی سوئی ہتھیلی دیکھتی رہ گئی۔ اچانک اسے اس ہتھیلی سے خوشبو کی جیسی محسوس ہوئی جس پر مسام "عمیص" کا نام لکھ دیا گیا۔

"رضا مطلب قبول رہتا ہوں۔"

اب جو ایک نہیں تھا۔ اتنا دکھ تھا اور وہ ہزاروں کی آنکھوں جگنو عمیص کی شرمیلی آنکھوں کی مسکراہٹ میں جگمگا رہے تھے۔ "دن سے مایوسی کے اندھیرے خود بخود ہی چھٹنا شروع ہو گئے۔ البتہ ذہن الجھی تک بے چین تھا۔ آخر کیا میں بے وقوف ہوں؟"

عمیص کی آواز کہیں نزدیک سے ہی ابھری تھی اور وہ تک کے بیٹھی۔ اداس سے چند قدم کے فاصلے پر پیچھے ہی کھڑا تھا۔

"تمہیں کون آتا ہے۔ تو کی لکیریں پڑھنا۔۔۔ لاؤ میں پڑھ کے بتاتا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے پیشکش کی۔ موتیا جھینپ گئی۔ وہ کبھی کی لڑکی اور اگر کبھی کے بعد وہ ان کی تنگ ہتھیلیوں پر تھی۔۔۔ ترم کیل کھلا ہوا تھا۔ سیدھے رکھے کب سے ان کے تھی سوچوں میں گم تھی۔ عمیص بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"ابا حضور نے ان ہی لکیر کا سوال کیا ہوا تھا۔ زندگی کی قسمت کی یا شادی کی لکیر؟"

"اس لکیر کا جو فیصلہ رکھنے کے لیے دو فریقین سامنے بیٹھے ہوں۔"

"پھر؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"تاریخ۔۔۔ کچھ کچھ آتا ہے مگر اپنی لکیریں پڑھنا بھی ہیں بخوبی جانتی ہوں۔ بدقسمت تصور نہیں بنتا بھی۔"

"ہیں۔ یہ عمیص کو سمجھنے کے اس کی مایوسیاں پہلی موت آپ مرتی تھیں۔ وہ اپنے اندر ایک نیا جوصلہ محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک لمحے میں یہ سوچ لیا تھا کہ وہ کسی کو بھی یہ حق نہیں دے گی کہ وہ اس سے عمیص کو چھین سکے۔ کیونکہ عمیص اس کے لیے ایک ایسے آسمانی تحفے کے برابر تھا جو اس کی چاہ اور خواہش تو تھا

مگر طلب نہیں۔ اس نے ابھی تک اسے اللہ سے مانگنے کی جرات بھی نہیں کی تھی کہ اللہ نے اپنے کرم کی انتہا کرتے ہوئے اسے اس سے نوازا۔ تو جب اللہ کی مرضی یہی ہے تو کوئی دوسرا کیسے اس کی قدر چھین سکتا ہے۔

اس نے ان لاکھوں کروڑوں انسانوں کی سنجی بھرپور کے اپنے لباس و جسم کو اپنا اور اپنا تحفظ بنا لیا۔

"تو اب ہنسنے ہنسنے مسکرانے لگی ہو۔ یہ برا سرور و مخلوک قسم کی حرکتیں کس لیے؟ چہ بے کوئی دیکھے کا تو کیا کہے گا کہ موتیا پاگل ہو گئی ہے۔"

"یہی ہی کہ موتیا پاگل ہو گئی ہے۔"

"نہیں ہے۔ وہ کہے گا کہ موتیا پانی کی محبت و حسرت ہو گئی ہے۔ یہ چہ۔ کتنی بدنامی والی بات ہے۔ لوگ سو سو باتیں سنائیں گے۔ کہے گا کہ تمہاری محبت کرنے کی ہے۔ میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔" وہ ادا کاری کر رہا تھا۔ یہ بات موتیا جانتی تھی اس لیے جواب دیا۔ "بے موتیا باتوں پہ اسے تو خوامخواہ آ گئیں۔"

"ہیں۔ میں بدنامی والی کون سی بات ہے اور عمیص کیوں چھپاتے رہو گے؟"

"مگر ہم نے جب مرنے کا سوچا تو ہو گا کہ میری محبت اور محبت کسی اور سے؟"

"تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں کسی اور سے محبت ہے۔" وہ زبان دانتوں سے دبا کے روٹھی اور عمیص کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

"ارے۔۔۔ کیا رہا تھی بات لیا مجھ سے؟ تو بے نصیب۔"

"خفا نہیں ہوتی مت کرو۔" وہ اور بھی شرمندہ ہوئی۔

"ہیں تو کوئی کا۔" "ہاں سے خفا کا مقدمہ کیا کیا جس پہ موتیا نے آ کہیں نکال کے دھمکایا۔"

"خفا نہیں ہوتی۔ کرنے والوں کا میں برا خیال کرتی ہوں۔"

"خیال تو آپ کے دماغ کا پہلے بھی خاص اچھا نہیں۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے ٹھنڈی آہ بھری۔ ایسا کرتے ہوئے موتیا کو زہر لگا۔

"کہاں سے سیکھ کے آتے ہو یہ۔ تمہارا کلام ابا دادا دلگیر سے ایکٹر اکا مزہ نہیں لے رہے؟"

"نہیں۔ نہیں اور راجے سے نوٹن نے دربار میں۔ فہرا اور سیوال کے بھی وہ ڈیکلیمر انیلنڈ کیے ہیں۔"

"ایک آدھ ڈیکلیمر اپنے ابا حضور کو بھی سن لینا تھا۔" وہ چڑ گئی اس کی بے وقوفی باتوں سے۔

"وہ دن گئے جب خلیل میاں ڈیکلیمر سنا رہے تھے۔"

"میں تمہاری بات کر رہی ہوں۔ یہ خلیل میاں کون ہیں اور یہ میرے ابا حضور کے ڈیکلیمر کے دوران کیوں ٹپک پڑے۔"

"آپ ادب سے بے بہرہ خاتون۔۔۔ یہ خلیل میاں وہی ہیں جو کھلے وقتوں میں فاختائیں اڑانے کا شغل کیا کرتے تھے۔ جیسے ان کی تمام فاختائیں ایک ایک کر کے اڑ گئیں اور اب وہ اس نظموں سے فضاؤں کو تکتے رہتے ہیں اسی طرح ہمارے پیارے حضور کے وہ زمانے بھی بیت گئے جب وہ انہیں سامنے بٹھا کے گھنٹوں ڈیکلیمر دیا کرتے تھے۔ اب بلا دولت ادا ہیں اب مجھے ان کی جگہ سے ڈیکلیمر نہیں پروٹوکول ملا کرے گا۔"

"اور وہ غلط نظمیں کی اڑان تھی پلٹ رہے۔" موتیا نے ناک چڑھائی۔

"اور تمہاری غلط نظمیں اسی کی اڑان ہو گئی پلٹ رہے؟" پہلی بار موتیا کو اس کے لہجے میں سنجیدگی کی رمق محسوس ہوئی۔ "یوں تھیٹر ادا تھی جیسے پوری کرتے بگڑیں گی ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"ہو وہ بشر غلط نظمیں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے اور خوش نظمیں کے سہارے جی اٹھتا ہے۔ تم بھی کوئی دوراہی تھوں تو ہو نہیں عام انسان ہو۔ تمہاری بھی خوش نظمیں ہوں گی۔ کچھ خوش نظمیں ہوں گی جن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"جی نہیں مجھے ایسا کوئی مرض لاحق نہیں۔" وصاف نظر حتی البقدور دل ہی دل میں اس کی تیز فہمی کو خوب داد دی۔

"تو پھر یا ہوں ہو رہی پرانی دوستی آڑے آ گئی۔ جس کے ہاتھوں اب ہم اپنی کوئی بات راز نہ رکھ سکیں گے۔ نہ دوسرے سے نہ میں اس سے کچھ چھپا پاؤں۔ خصوصاً عمیص کی حس تو اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی کام کرتی ہے۔ کیسے اندر تک اتر جاتی ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی اور عمیص منتظر ہو کر کافی دیر سے وہ اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اکیلی بیٹھی وہ بیٹھ نہیں سکی ہوں میں گرد تھی۔ عمیص نے خود پہلے اس کے چہرے پہ تاکا۔ پھر نہ دیکھ پھر انکار اس کے بعد امید حاصل اور یقین کے رنگ اترتے دیکھے تھے۔

"آپ خود فیصلہ کر لیں۔ کیسے لگتے جا رہے ہو۔ سیدھا کر کے رکھ دوں گی۔" جس کی "سب جانتا ہوں" قسم کی مسکراہٹ سے وہ مسلسل چڑ رہی تھی۔

"جو کرتے ہیں ہو رہے ہیں ہاں مگر میری شدید تمنا ہے کہ تم پر اس جو کسر

چہرے پہ میرے وقت کو پھیلاؤ کسی دن
کیا روز گزرتا ہوا بدن جاؤ کسی دن
زلفوں کی طرح اترو میرے دل میں کسی شب
دستک پہ میرے ہاتھ کی کھل جاؤ کسی دن
جیسے کسی طرح حسن کی بارش میں نہا لوں
بدن کی لمس جسم کے گھر آؤ کسی دن
خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی گلی سے
پھولوں کی طرح بھر پہ بکھر جاؤ کسی دن

وہ آہستہ آہستہ گنگنا رہا تھا اور سوتیا کی عرض فکری جاری تھی۔ اس کی پلکیں خود بخود بھاری ہونے لگیں۔ عمیص کا کام اس نے مشکل ہی نہیں ہوتی تھیں اتوار کے اسے دیکھا اور مسکرا رہا تھا۔

"ری تمہری مسکراہٹ تو آج کل اس کے لبوں کا حصہ ہی ہو گئی ہے۔"

"کیا بات ہے؟ آج تمہاری بیوی کیوں غائب ہے؟ اگلے اشعار نہیں مکمل کر رہی؟"

"اگلے اشعار؟" سوتیا نے ذہن میں امید سلام امید کی اس خوب صورت غزل کے اختتامی اشعار دہرائے اور میٹھے سمت کے رہ گئی۔

"حضور ہو گئے ہو تم۔" وہ بیٹھ رہا تھا کے اندر چلی گئی۔ وہ بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ وقت ہو رہا تھا۔ تائی حضور کا ہاشمہ سب سے پہلے پیش کرتی تھی اور ان کے کمرے میں تو وہی پہنچانے جاتی تھی۔ اس طرح صبح کا سلام بھی ہو جاتا۔ یہ ان کا بڑا سنہرا نیا معمول تھا۔ آج بھی وہ ٹرے لے کر پہنچی تو عمیص اپنا پہلے سے موجود تھا اور کسی سنجیدہ مسئلے پہ بحث ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو۔" بات روک کے صاحبزادی خلعت النساء نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر سے سلسلۂ کلام جوڑ لیا۔

"آپ نے کہی بھی وقت جا کے صاحبزادی یا سیدن خانم کو مطلع کر آئیے۔" وہ عمیص سے مخاطب تھیں۔

"لیکن ابی حضور!" ابھی وہ دن پہلے تو واپس گئی ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اتنی جلد وہ واپس آ سکیں گی۔ ویسے بھی جیسے میں ایک آدھ بار تائی ان کا معمول ہے اور جو اطلاع آپ بھجوانا چاہ رہی ہیں وہ سنتے ہی وہ بھی شاید ہی۔ لہٰذا" آپ چاہیں گی۔ ایسا نہ ہو کہ پھر بھائی صاحب کو ان کے تیسرے ہی دن واپس لینے آنے پہ اعتراض پیدا ہو جائے۔"

"ہم آپ کو بھیجیں گے اپنے کوچے سے۔ آپ کو بھیجیں گے۔ آپ کی دلچسپی بھی آ رہی ہے کہ آپ اللہ کے فضل سے ہوش ہو۔ حضرت ہیں۔ آپ کیسی جان سکتے عمیص میاں بیٹیاں بیٹے کے بارے میں کتنی حساس ہوتی ہیں۔ اگر انہیں ان کے ابوں کی معمولی بات سے بھی الگ کر جائے تو انہیں بیٹے سے اپنا پن محسوس ہونے لگتا ہے۔ یوں بھی وہ اور بچے اپنے باپ حضور کے لیے ہمارے لیے تو اللہ اللہ بھائی صاحب کی طبیعت اور بھی بہتر ہو جائے گی۔"

"اچھا ابی حضور! آج اسٹور کھول کر ایک آدھ لمحہ کے لیے رنگ کو دیکھا جاؤں گا اور خود آپ کے ہاں سے ہو آؤں گا۔ بعد میں تو وقت کمی ہو جاتی ہے۔ بچوں کے لیے پھل لے جاؤں یا مٹھائی؟"

☆ ☆ ☆

دونوں جب ترتیب ہو چکی تھیں۔ چند منٹ پہلے گھر کے اندر ہی ہو رہی تھی اور لاؤنج میں پھیلی ہوئی وہاں اور ان پہ پھیلی خفیف چادر میں ان کا ایک بیچ کا خود بھی دیکھنے والوں کو نظر آ رہا تھا۔ جانے کہاں کہاں سے لوگ آئے تھے۔ بڑی تعداد میں تو شہر اور ملک کے جانے والے تھے۔ برادری کے بھی بہت سے لوگ تھے۔ ایسے لوگ جن سے اب برادری کرنے کا کیل ملاپ نہ ہونے کے برابر رہا تھا لیکن کرم الٰہی کی موت کی خبر پھیلتے ہی تمہیں یاد آ گئے گاؤں زمینوں میں رہنے والے ان کی ذات برادری کے لوگ چلے آئے۔

ایک شور ہر جانب پھیلا تھا۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ سیڑھیوں کے نزدیک چارپائی پہ پھولوں اور سبز چادر سے ڈھکا کرم الٰہی کا بے جان وجود پڑا تھا۔ اگربتیوں اور لوبان کی مہک سے گھٹا گھٹا ماحول میں جھٹکا ہوتی تھی۔ بڑا لوگ جاتی کے باوجود کرنے کے پیچ تھا سے سسک رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کی کوئی رشتہ دار عورت جذباتی قسم کا کاسا لی بین ڈالتے ہوئے اسے اسماعیل اور وہ آسمان سے شاکا دامن پھیلا دیتی۔ سسکیاں ہچکیوں میں بدل جاتیں۔ سماعتوں پہ ہی کو مضبوط متوازن لگا کر ہوتی ذاتیں عمر کے حال پہ پھوٹ رہی تھیں۔ خوشامدی کے سہارے بیٹھ کے تذکرے کرنے لگے۔ ایسا نہ تھا کہ دنیا کی بات کی بات تمام ہو گئی تھا۔ کل پہر سے لے کر پچھلی ساری رات تک اس کے تذکرے تھے۔ ان کی باتیں یاد آتیں تو آنکھیں نم کے اندر بھی چلے جاتیں لیکن اسے ان عورتوں کا نہ ہمت ہو گیا اور گزر رہا تھا جو کرے یا بالوں تلے دوپٹے کے رشتے اور تھیں اور جن کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ تھا۔ وہ انہیں مسلسل چادر کے پلے رگڑ کے سرخ کرتی جا رہی تھیں اور چیخ چیخ کر ہی آنکھیں کھلتا کھلتا کر کا جا رہی تھیں جانے جہاں وہ بیٹھیں کو خاموش ہوتے رہ جاتیں ایک نہ چیخ چیخ کے اور اپنا نیا جاتا۔

"اے کرے تو کیوں کیا ہائے تھے اپنی بیا کا خیال نہ کیا؟"

"ہو سن بلقیس کو اپنے ساتھ لے جاتیں۔ ہائے کی میری بیا اجڑ گئی۔ سرو سامان ختم ہو گیا۔ اب تو بی بی کوئی زندگی ہے۔"

"اوئے کرے اٹھ اپنے بیٹے کے سر پہ۔ سر جا۔ اٹھ میرے دیر تو نے تو ابھی اپنے پوتے کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ کوئی تیری عمر ہے جانے کی۔ اٹھ اپنے بیٹے کی جیتے کا احترام کر۔" کیسی وہ سوال کے دل رقیق کرنے کے لیے یہ طریقہ نکالا۔

"اوئی ابا راجہ میرے بلکل رہا بیا۔" ایک عمر رسیدہ دہائی اپنی کپکپاتی آواز میں تو پڑھنے کے سے انداز میں گانا شروع کر لیتی اور ہر جانب سے سسکیاں اور بین شروع ہو جاتے۔ یہ صرف آج کی بات نہ تھی۔ ماتم میں ہونے والے گھر کی یہی دیکھا دیکھا۔ مختلف تو شدت غم سے نڈھال ہوتے ہی تھے۔ ان کے بعد ذوق ہو چلے ہوتے تو بھلا اس عالم میں ایسے شاہانہ واقعہ مکالمے کہاں تحقیق کر سکتے تھے مگر دوسرے اس غرض کی ادائیگی میں بڑھ بڑھ کے کارکردگی پیش کرنے جیسے کہ اس وقت ہو رہا تھا۔

"تاوقتی بھر کے بچے لے کر یہ چوا بہ تجھے بھی نظر نہیں آتا۔" اس کی رشتے کی بہن نے اور کرایا۔

"جو جانتا لے جانے کی نیت سے آئے تو عورتیں حق بجانب کے پیچھے نہیں۔"

"نہ شہزادا جو پیچھے کو ملتی کے حوالے کرنا۔"

"تباہ ہو جائے تو دے جائے گرے۔ یہ بچہ ہمیں نہیں آنے والا۔"

"تو رک لے لیا ہے نہ لے جانے دے۔"

تھیں تو لڑکا تھا ابھی بے ہوش ہو جائے گی۔ پر شکن میلے ہوئے سفید شلوار قمیص میں ملبوس شہزادہ کا چہرہ بھی مغموم اور ستا ہوا تھا۔ رت جگے اور باپ کی رائی جدائی کے غم نے ایک ہی دن میں چہرے سے سارا نور چھین لیا تھا۔ دعا کے آگے بیوہ کے اپنے ماتھے کے بیوہ پن سے پہلے ہو کو آنکھ سے ہٹانے کی کوشش کی۔

"نہ کریں ایسے۔ اماں جی نہ کریں۔ ماں کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ انہیں تو رام کے آخری سفر پہ روانہ ہونے میں ان کے لیے دعا مانگنے کی ہمیں اس وقت آپ کے آنسوؤں کی نہیں دعاؤں کی حاجت ہے۔"

"ہائے کیوں یہ تیرے سامنے کو لے جائیں گے۔" وہاں عورتوں کے کچھ جماعت کے زیر اثر تھی۔

"دعا بے فرض کی ادائیگی کے لیے کہتے ہیں۔ آپ رو دیں گے تو کیوں نہ دعا گار ہوتی ہیں سامانی اللہ میاں کے پاس جا رہے ہیں۔ ہم جان ہوتے ہیں اللہ اور بندے کے میل کے بیچ آنے والے۔"

اس نے بہت مشکل سے ماں کو وہاں سے اٹھنے پہ آمادہ کیا۔ اسے ان عورتوں کے ناک بھوں چڑھانے کی بھی پروا نہ تھی۔ دل بھاری سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں۔

"کتنی جلدی۔ بچا سامنے کو پیچھے کی۔"

"کلہ شرارت۔"

یہ آواز سنتے ہی ایک بار تو وہ بھی اپنا دل پھٹتا محسوس ہوا۔ اس نے بے ساختہ ابھرنے والی چیخ اندر ہی گھونٹ کے لب بھینچ سے دانتوں تلے دبا لیے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ کے سارے چہرے پہ تیزی پھیلا گئے۔ اس نے بلو کا پیٹ دبا دیا ہاتھوں میں زور سے پکڑ رکھا تھا۔

میت سے جنازہ نکلتے ہی دعا نے اپنی گرفت ڈھیلی کی اور بلو مچلتی ہوئی باہر کی طرف نکلی۔ دعا تھکے تھکے قدم اٹھاتی اور بڑی عورتوں کے ساتھ پیچھے ہی آئی۔

"باہر اچھا موسم ہے۔" اس عورت نے جسے کیا جواب دینا اندر ہو رہے تھا کا اعلان کر رہی تھی۔

"ہاں بارش ہو گئی تھا۔ مٹی رہا ہے۔ ہو جا رہا تھا۔" یہ وہ فقرے تھے جو بلو کو میت روک لینے جیسے عمل پہ اکسا رہی تھیں۔

اب عورتیں ہلکے پھلکے موضوعات پہ گفتگو میں مصروف ہو گئی تھیں۔ دبی دبی آواز میں گھر بار کی باتیں کر رہی تھیں۔ صرف بلو تھی جو بے چین تھی۔ دل کو آنسو بہا رہی تھی۔ کل سے مسلسل بین کر کر کے اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔

"آج تو بلو کا گلا کیسا بیٹھ گیا ہے؟" کسی کے رشتے کی بھابی کو محض انداز میں کسی سے پوچھتے سن کر نزدیک سے گزرتی دعا نے کہا۔ رو کو بیٹھ جانے کے نزدیک دیکھ کر اس نے کہا۔

"اماں جی! درود شریف اور توبہ زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ کہ ماں کی قبر پہ روشنی اترے ان کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ ہم اب ان کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکی کر سکتے ہیں اور نیکی ہے جو ان کے کام بھی آئے گی۔ یہ آنسو انہیں کچھ نہیں دے سکتے۔"

شاید اب انہیں کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔ اس کے لب آہستہ آہستہ ورد کرنے لگے۔ کلاہوک اس کے دل کو صبر سے بھر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

باپ کی خواہش تھی کہ کرم الٰہی کے آخری سفر روانگی کے وقت ان کی ساری برادری جمع ہو کیونکہ کرم نے کبھی بیٹی خود کو ان سے الگ نہیں سمجھا تھا۔ ہمیں بیٹی کی جانب سے عذر کر دیا۔ بیٹوں کے باعث وہ کافی عرصے سے ان سے تو درے الگ تھلگ ضرور تھا مگر بنیادی طور پہ وہ ایسا انسان تھا جو اپنا "اصل" تو کبھی فراموش کرتے ہیں نہ اس پہ شرمندہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے شہزادہ فلک نے بھی ماں کی اس خواہش پہ ناک بھوں نہ چڑھائی۔ اس قسم کا رد عمل ظاہر کرنے کے لیے یہ موقع مناسب بھی نہ تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ باپ کی موت کا ذمہ دار اب تک خود ہی سمجھ رہا تھا حالانکہ کرم الٰہی کافی عرصے سے بیمار تھا۔ کوئی ایک روگ نہ تھا۔ لیکن شہزادہ کو رہ رہ کے یہ خیال آتا۔

"باپ ڈاکٹروں سے مجھے سختی سے وارن کر چکے تھے کہ ابا کی صحت اب کسی بھی وقت اچانک کو سہارنے کی متحمل نہیں رہی تو مجھے ایسا قدم اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا جب کہ میں خود بھی جانتا تھا کہ میری اصلیت کھلنے کے بعد ہی بھی امکانات موجود ہیں۔ میں نے ایک رسک لیا تھا۔ اور کتنا بڑا رسک لیا کہ اپنے باپ کی زندگی کی داؤ پہ لگا دی۔ کیا یہ سوچ کر کہ اس بوڑھے بیمار شخص کی عمر کے اب دن ہی گنتے رہ گئے ہیں۔ میں نہ اس بالی بالو زندگی کو کام میں لایا جائے۔ تف ہے تم پہ شہزادہ فلک ایسا باپ جو تمہاری نظر میں نہ کوئی اور بندگی کی زندگی جیتا گیا تھا۔ تم نے عزت کی موت مانگی تھی نہ موت دی۔ بڑا عزت عزت کا رٹ لگاتے تھے۔ سدا یہی رہنا دیتے رہے کہ باپ کی وجہ سے تمہیں ایک باعزت زندگی کا حصول کتنا دشوار محسوس ہوا۔ اچھا! اور تم نے کیا دیا باپ کو؟ تم بڑے عزت دار انسان ہو ناں! دن بھر میں درجنوں لوگ تمہیں جھک کے سلام کرتے ہیں۔ تعظیم دیتے ہیں۔ تمہارے دیئے اپنے حصے کی عزت تمہیں۔ تم نہیں تم نے تو انہیں جینے کے حوالے سے عزت بھی رسوا کر دی۔ ایک حقیقی چہرے میں قید کر کے رکھ دیا اور وہ ذلت اور بے حقیقت تمہارا نصیب تھی۔ تمہارے حصے میں آتا تھی۔ تم نے ملی آسانی سے اپنے باپ کے حصے والی زندگی اس باپ کے دوچار تازہ سانسوں سے چھین کر اپنی جیسی زندگی کی جانب کھینچ سکتا تھا۔ اس گرانی اذیت اور تاریکی کی زندگی میں تم کبھی کسی میلے میں نکلے ہو؟ کبھی کسی مرکز میں ایندھن کے ہجوم کے سامنے چمڑے کی جوتی پہنے ہاتھ مارمار کے ممکن فی الحال کی بیوپاری کے مکان ادا کر رہے ہوتے۔ مگر اس باپ نے جو خواہش تم کے کام کر رہا تھا تمہیں وہی دیا جو تم چاہتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع۔ دنیا پسند کا پیشہ منتخب کرنے کے اختیارات اور تم سے بھی قدرت کی احسان تھا۔ اتنا نہیں لازم ہے دے کر اس اس قدر میں مبتلا کر رکھا اور پھر اپنے ایک تعمد کے حصول کے لیے جو ہوا کھلا اس میں اپنے باپ کو بھی داؤ پہ لگا دیا۔ تم جو ہار گئے اور تمہارا باپ اپنی زندگی۔"

یہ احساس کتنا اب عمر بھر اس کے ساتھ رہا تھا کہ اپنے کرم الٰہی کی وفات کے وقت وہ اس کے پاس ہی تھا اور موت کو اس کے قریب تر محسوس کرتے ہی وہ اس کے سینے سے لپٹ لپٹ کے رویا تھا۔ اپنی خطاؤں کی معافی مانگی تھی اور کرم الٰہی نے اپنا کانپتا ہوا کمزور ہاتھ اس کے سر پہ رکھا تھا۔ اس کا چہرہ اس کے قریب تر کر کے اس نے اپنی دعا دی تھی۔ اس کی دعا میں بیٹ

باورچی خانے میں ایک سناٹے کا سا عالم تھا۔ سب لوگ مشغول انداز میں لب سیے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

دروازے کمرے میں دو چار گھنٹے انتظار کیے۔ سگریٹ پہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔ جب دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی اور کچھ توقف کے بعد دروازے پہ آواز کھلتی ہوئی دھاڑ اندر داخل ہوئی۔ اس اچانک اندازی پہ شہزادے نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ جیسے اکھوری لباس میں دوست مختلف سی لگ رہی تھی۔ جب تلف اس لیے کہ کافی عرصے سے وہ اسے ایسا دیکھتا آ رہا تھا جیسے اسے شوہر کی سی تعلق رکھنے والی خواتین دکھائی دیتی تھیں۔ کل سے اب تک سے درست ہی سنوری۔ اور کل دوپہر سے وہ اسی جیسے رنگ کے لان کے سوٹ میں ملبوس تھی جس میں کل ڈنر پہ گئی تھی اور خواب شکنوں سے بھرا پڑا تھا۔ مگر آج وہ سالی خواتین کو کھانا تھما رہی تھی۔ شاید اس نے قمیص کے دامن پہ اور دوپٹے پہ جا بجا پکنائی کے نشانات بھی لگے تھے۔ الجھے ہوئے بال کیچر کی مدد سے کمر پہ باندھے تھے مگر پھر بھی کئی دو چار لٹیں نکل کر اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔

"بھابی! آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے کل سے کچھ کھایا نہیں کیا ہوا ہے۔ ٹھیک تو ہو نا؟"

"مجھے طلب نہیں۔ سب بھوک لگے تو کھا لیں گا۔" اس نے نظریں پھیر کر ایک اور سگریٹ سلگا لیا۔

"چائے ہی پی لیجیے۔" اس نے ایک اور کوشش کی۔ اس امید پہ کہ اس کی دلچسپی میں مرجھائے ہوئے چائے کے ساتھ ہی کچھ کھانے کی چیزیں آ جائیں گی۔ اس نے اتنی سی بات پہ دیوانہ وار تو ارادے ہی سوچ کر ہنسا۔ اس نے تو کبھی پلٹ کر پوچھا نہ تھا کہ کسی جان کے حق اور کھانے دو زانو سے ہاتھ دھو کے دیتا تھا۔

"بھابی جی! میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ اگر آپ کوشش کریں تو شاید وہ مان جائیں۔ لیکن آپ تو خود ہی جھلسے ہوئے آدمی ہیں کسی کو کیا سمجھا سکیں گے۔"

یہ جملہ کہہ کر وہ رکا۔ شہزادہ اور جھلا گیا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سلیپر میں پاؤں پھنسائے اور اس کے قریب سے یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

"میرے لیے ایک کپ چائے اور دلیا لے کے اپنے کمرے میں لے آؤ۔"

رات میں تاروں کے ساتھ گھڑی کی سوئی دوڑا رہے دعا کے کتنے پہ خاص طور پہ تیار کی تھی کہ شہزادہ زہر کے زہر سمانے والے مرغن خاموش ہو کے پرہیز کر لے۔ اس کے ساتھ اس نے شہزادی بیدو کی اسٹوڈنٹ چائے کا کپ رکھا ایک پلیٹ میں بسکٹ ڈبے میں دیے۔ کمرے میں آئی تو بیٹھی ایک بار پھر سیاہیاں لے رہی تھی اور شہزادہ اس کے نزدیک بیٹھا اس نے باقی سوالات دعا کے آنسو اس نے نزدیک کھینچی اور تو پلیٹ میں سالن نکال کر ماں کے آگے کر دیا۔

"میں تو کر رہے کے بعد روٹی کھانے کی عادی نہیں۔ میرے حلق سے بری نہیں گزرے گی شہزادے۔" اس نے باقی روٹی دعا کی پلیٹ میں پھینک دیں۔ شہزادہ خاموش رہا۔ کافی اٹھ گیا۔

"دعا سے پلیٹ میں بچے ہوئے کو کھا لیں تو۔"

وہ اپنے دم بار بار کھٹی کیا۔ الان میں جلتی ہوئی سرخ آگ۔ برسات سورج کے نیچے کھڑے ہو کے اس نے اندر کی آگ کو بجھا اور بھڑکا لیا۔۔۔ آگ کو آگ کاٹتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے تلے دو تین سگریٹ اور سلگا لیے۔ دس چار دو منٹ بعد وہ اپنی ہمت جمع کر کے باہر کے کمرے تک دوبارہ گیا۔ اور دھکے اور ارادے سے جھانک کے اندر دیکھا تو صورت حال تھوڑے تبدیلی نظر آئی۔

باورچی خانے میں رہی تھی مگر آنکھوں کے سمٹے ہوئے نشان اب بھی اس کے سانولے چہرے پہ واضح تھے۔ وہ ایک تھرمس پلیٹ پکڑے اور سر پہ اتر سے اوڑھنی کر کے مستعد سی ڈال رہی تھی۔ ہاتھ پہ لگی سے سمی مگر اس کی محبت سے آگے بڑھ رہے کھانا کھا رہی تھی۔ وہ مطمئن ہو کے وہاں سے ہٹ گیا۔

"یہ ہے دعا۔۔۔ ابا کی نادل دلی جس کے بارے میں وہ مرتے وقت بھی اتنے فکر مند تھے۔ اس کا خیال رکھنے کی

ذمہ داری مجھے خوب دی تھی بلکہ کل سے ساری ذمہ داریاں وہ خود اٹھاتے ہوئے ہے۔ ابا کی آپ نے بوجھ اتارنے کے قابل سمجھتے تھے وہ بہت کم ہمت ہے اور اتنے کمزور جانتے تھے۔ وہ تو ہم سب سے زیادہ حوصلہ مند نکلی۔"

اپنے کمرے میں آ کے اس نے سوچا تھا اور اس کے ساتھ ہی اسے کرم الٰہی کے آخری الفاظ یاد آ گئے۔

"لڈی! میری بیٹی! اور بہن کی امانت ہے۔ ایک امانت بہن نے اس کے لیے میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر تو نکلا۔ میرے غلط فیصلوں کی وجہ سے وہ دل ٹوٹی۔ اب میں نہیں چاہتا کہ اس کی آخری امانت اس کی بیماری بیٹی اس طرح سے رلے۔ میری بہن نے اس کے رب پہ بھروسہ کیا ہے۔ تو اب دیکھے تھا اور خواب تو میں نے بھی دیکھا تھا اسے اپنی زندگی دینے کا۔ تو میں اپنی بہن کو دے سکا۔ لیکن رب کی مرضی میں مجھے مجبور تو نہیں کر سکتا۔ میں تو چاہتا ہوں لڈی کو کوئی سر آنکھوں پہ بٹھائے۔ اس کی قدر کرے۔ مجھے مجبور کرے اس بندھن میں باندھنے کا قید؟ مرتے ہوئے باپ کی مرضی بیان کر کے تو اسے سہارا دینے کا بھی تو اسے بوجھ دیتا سمجھے گا۔ اور میں یہ نہیں چاہتا لیکن یہ میری درخواست ضرور ہے کہ مجھے اس سے جو بھی شکایتیں ہوں لیکن تو اسے اپنے باپ کی ذلیل سمجھ کے معاف کر دینا۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس کا بوجھ میرا بار اندھ وسایا آگے بالغ کا بندھ دے۔ اپنی عزتی کے آگے بھی بھی بالکل اندھا جان جا اسے۔ وہ دل کی نہ تو قدر کر سکتا ہے نہ خیال رکھ سکتا ہے۔ یہ فرض تیں مجھے ہوتا ہوں۔ اسے میرے کمرے رخصت کرنا۔ کسی اتنے گھر میں جا بسنا۔ بڑی شان اور عزت سے اس کی خیر کبھی کرتے رہنا۔ وعدہ کر بیٹا کہ میں سکون سے مر سکوں اور جا سکے بہن کو مدد کھانے کے قابل بن سکوں۔" اور شہزادے نے وعدہ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اگر سرکار بھی ہمارے "مسئلے" کو بھی وقت نہیں دیا کرو۔" ماسٹر تھرنے اپنی دکان کے باہر بھی بڑی ہی اور اونچے رنگین پاؤں والی چارپائی سے آواز لگائی۔ وہ بوکیڈ کے سوئی اور سرخ غلاف والے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے لیٹا تھا۔ تو رنا ماشی اس کے سر اور شانوں پہ تیل کی مالش کر رہا تھا۔ پیٹھ اور تیل کی چنبیلت سے بھیگی اس کی میان مخملی بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ گہرے سیاہ بال سنوارے سیاہ دھاریوں والا تہبند آخری سل پیڈلوں سے اونچا ہوا تھا۔ تیل سے چلا رہی تھی۔ آگے حسب معمول ہمیشہ کے برتنوں والی سلور کی ٹیڑھی میڑھی ٹرے پڑی تھی جس پہ گلیاں بھنک رہی تھیں۔

باہر ماہیوں مخلی کو تو تانا کو ذرا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی رکا پاؤں اور ایک زہریلی کی مسکراہٹ بھی چہرے پہ جھلا دی۔

"اگر باوا جی! ناشتہ کھولی لیے۔ کوئی شاگرد لے لیں۔ کوئی شاگرد کا کھولیں۔" اس نے بیٹھتے کی جیسے باہر نے ذکر کیا۔

"آپ خوش کیجیے۔ گہرے ہماری ارادہ بھی جاری ہوئی۔" وہ کھڑا کے گزرنے والا تھا۔

"وہ آپ نہیں دیکھی جاتی۔" ماسٹر نے کھڑے سا قہقہہ لگایا۔ "آپ کیجیے زیادہ مخلی دیکھیے اور باوا تم اپنی راہ لگے رہو۔"

"کیا مطلب اس فضول گوئی کا؟" باہر جھنجھلا نہیں ہوا۔

"تھوڑی اب ہم فضول ہو گئے۔" ماسٹر نے بھی تیوری چڑھائی۔ اس کی تیوریوں نے باہر کا احساس دلایا کہ اس شخص سے بگاڑنا کیا اس کے حق میں نہیں۔

"ہمارے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا۔" اس نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی مگر سنبھال نہ سکا۔ ماسٹر کے کچھ کا سوا خراب ہو چکا تھا۔

"او شکل۔ سب آنا ہمارا ذرا کھانا کھا کے گھر نے لیے نہیں کھلا۔ پورے ساڑھے آٹھ ہزار ہو گئے ہیں۔ ان جسارت تک سارا حساب صاف ہونا چاہیے ورنہ ڈنڈا ہو یا سر گول کر دیں گے۔ کھڑی کو وار لان نہیں جانا۔ چل لوٹے نوٹ ہے جاتے پکا ڈال گیا مرے ہاتھوں سے چھپا کر رہا ہے بڑا حرامی۔"

وہاں سے جلد ہٹنا چاہتا تھا مگر یاسمین کو سپرِ انداز پس کے بازو سے دیکھا۔

"اب اس صورت کو کیا تکلیف ہے؟" اس نے دلکش کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے ناگواری سے یاسمین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ دلکش کہاں کے بارے میں یہ طرز مخاطب وضع کر گیا۔ وہ ملتجی کوئی جواب دے پاتی کہ پہلے سے لڑکھڑاتے ہاتھ کو اور تیش دیا لیکن وہ خاموشی سے لب بھینچے تخت نظروں سے اس کی پشت کو گھورتا رہا۔ کمرے کے اس کونے میں ٹھنڈی زمین پر چادر بچھائے لیٹے استری کر رہی تھی۔ پتہ نہیں کیا وجہ تھی کہ ہر کسی کو بچھانے بچھانے والے لہجے میں جھاڑنے والا یہ رویہ ہمیں بھی چاہتے ہوئے بھی دلکش سے زیادہ تخت اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ کوئی نا کوئی ہوا سے بیدار تش سے اپنی آواز میں کالم گلوچ کرنے سے روک رہا تھا۔

"سنیے بچوں کے اسکول کھلنے والے ہیں۔ ان کے یونیفارم بھیج چکے ہیں۔ ٹیسٹ دلوانے کے لیے اگر کچھ رقم آپ دے سکیں تو۔" یاسمین نے خود سے بات کا آغاز کیا۔ ورنہ اس کے سر میں کل رات سے اتنا شدید درد تھا کہ وہ کسی بھی مرحلے کو شروع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کیا کریں ہم؟ کیا ہم نے کہا تھا انہیں اسکول داخل کرانے کو؟"

"کیا باتیں کر رہے ہیں آپ؟ بچانے کس طرح میں کی رہے ہیں۔ آج کل تعلیم کے بغیر بچوں کو کیسے پالا جا سکتا ہے۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔ صحیح ہمارا اماں ست کہو تو منحوس عورت۔ اپنا سر تو پہلے ہی رکھا ہے کیا اب ہمارے سر میں بھی درد لگا ہے۔ غلطی کی جو گھر لوٹ آیا۔ جہاں رات گزری وہیں دن بھی گزر جاتا۔" وہ بڑبڑاتی چپلیں پہننے لگا۔

"ناشتہ تو کر لیجیے۔" دلکش۔ "وہ تو اور دیر لگ جائے گی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ زمین پر اصل میں ماں کے گھر کا خوف غالب تھا اور جیب میں ساڑھے آٹھ ہزار تو چھوڑ آٹھ سو روپے بھی نہ تھے کہ اس عذاب سے دن چھٹرائی جاتی۔ وہ تین ہزار بھی ہوتے تو بے طور پر ماں کے گھر کا منہ بند کیا جا سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

سہ اجزائی یاسمین کے سر کا درد کچھ اور بڑھ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے وہیں لیٹ گئیں۔ دلکش نے استری کا کام سمیٹ دیا۔

"کیا ہوا ہے حضور؟"

"ہمارا سر چکرا رہا ہے اس درد نے تو ہاتھ کی پوٹلیاں ہلا کے رکھ دی ہیں۔ پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔"

"دوا لی آپ نے؟ ۔۔۔ اوہ۔ آپ نے تو صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ پہلے کچھ کھا لیجیے۔ پھر ہم دوا کی گولی لا دیتے ہیں۔"

"نہیں کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ ایک کپ تیز چائے کا مل جائے تو شاید ذرا آنکھیں ہی کھل پانے کے قابل ہوں۔ درد کی چیز ہیں ہماری آنکھوں تک میں کھب سی رہی ہیں۔"

"چائے کے ساتھ ڈبل روٹی ہی لے لیجیے۔ خالی پیٹ دوا کھا کر اثر کرے گی۔" وہ یہ کہتی ہوئی چولہے پر رکھی دیگچی کو ہلانے لگی تھی۔ میں ابھی ابھی دنیا سمو کی دال چڑھائی تھی اور چائے کا پانی رکھ دیا۔

"السلام علیکم خالہ۔" کوثر کو سامنے دیکھ کے اس نے سلام کیا اور کچھ پریشان بھی ہوئی کہ ماں کے سر میں پہلے ہی اتنا درد ہے۔ ذرا سے میں کوثر کی وقتی بحالی کی آمد۔

"ارے کیا تم نے کم ہاں کہ حرب تمہاری؟" وہ سیدھی اندر کی جانب بڑھی۔ دلکش نے ایک کپ چائے کا پانی پکڑا دیا۔

"لو کتنا ہے تمہیں تو پہلے خبر ہو گئی۔ اب سی تو سر پھاڑ رہے ہوئے ہو۔ تمہارا میاں بھی باہر نکلتا ہوا نکلا ہے۔"

"تم فی کرتا ہوا کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"نہیں۔ ہمیں بات کیا اولی ہے۔ کہوں میں معمولی کھسپٹ تو ہوتی ہی رہتی ہے اور وہ بھی ہمارے جیسے گھروں میں۔۔۔ جہاں صورتیں ہی وجہ نہ ہو اصل وجہ ہے۔" یاسمین نے بات پلٹنا چاہی۔

"اچھا۔۔۔" وہ ایسی نظر آئی۔ "میں تو سمجھی کہ تم نے اخبار دیکھ لیا ہو گا۔ اپنی سوتن کی تصویر دیکھ کر بھڑک اٹھی ہو گی۔"

یاسمین تڑپ کے اٹھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟"

"ہاں بھئی کہی ہے وہ چمک چلو۔" اس نے اخبار کھول کے آگے کیا۔ کریم الٰہی کی وفات کی خبر تھی۔ ہمراہ وہ ایک باوقار شخصیت کا باب تھا۔ ساتھ میں ایک تصویر مختصر لکھ اور دعا کی تھی۔

"چیز ہوا تھا۔" کوثر نے بے ساختہ تعریف کی جگہ یاسمین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھ رہی تھی جو ایک حسین ترین ادھیڑ عمر سی لڑکی کی لگ رہی تھی۔ عام سی اس لیے کہ وہ کسی بھی طرح رنگ و روپ شخصیت کے اس دلیس کی باسی نہ لگ رہی تھی جہاں عورتوں کا روز گھر بدل مردوں کو بھاتا ہوتا ہے۔ اصل میں، تصویر کریم الٰہی کی تدفین کے روز کی تھی جس میں ادھیڑ عمر سے لباس میں سوگوار چہرے والی ایک سادہ سی لڑکی نظر آ رہی تھی جو اکتسابات کے اس سادگی میں بھی اس کا حسن نمایاں ہو رہا تھا۔

"یا اللہ۔ کیا ہو گیا ہے انہیں۔ یہ لڑکی دلکش سے چند سال ہی بڑی ہو گی۔ اپنی بیٹی کی عمر کے برابر لڑکی سے کیا یہ واقعی ہے۔" وہ سوچ کے رہ گئی۔

"ابی حضور! ماں آ گئے۔" قدس نے مسرت سے بھرپور لہجے میں اعلان کیا۔ یاسمین کے لیے عصمت کی تند اچانک بھی تھی اور بات حیرت بھی۔ وہ حیرت در حیرت کرنے آ رہا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ یاسمین کے پاس نہیں آتی سوتیا تو تھی نہیں جو رابطے کا ذریعہ بنا رہتا۔ لیکن اب جب اندازہ پہلے ہی سے لیا تھی تو عصمت کا آنا بلا وجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی حیرت کے عالم میں وہ ہاتھ میں پکڑا اخبار بھی نہ رکھ سکی۔ وقتی طور پر وہ کوثر کی موجودگی بھی فراموش کر گئی۔

"ارے واہ! آج تو اخبار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے ہماری آمد کی خبر کہنے لگیں۔" اس نے خوشدلی سے کہا۔ ہلکے آسمانی کلف لگے کاٹن کے شلوار قمیص میں وہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ "اس عصمت میں ہم نے کیا خبر لگی۔۔۔ یہ تو۔" وہ اخبار تہ کر کے پیچھے رکھنے لگی۔ ایک لمحے کو کوثر کی موجودگی سے خوف محسوس ہوا۔ ایک بے جگہ اور کسی بھی قسم کی مصلحت سے عاری عورت تھی۔ کیا کچھ ایسی کیا کر ڈالتی اور ہی ہوا۔ سہ اجزائی یاسمین کے اندیشے کے عین مطابق وہ عصمت کو مخاطب کر رہی تھی۔

"دنیا کی خبر ان سے چاری نے کہا رکھی ہے۔ اپنے گھر کی رکھے تو پوری بات ہے اس کے اپنے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ تو اسے میں نے بتایا ہے۔ نہ یہ تو اپنے حال میں مست ملنگ۔ تبھی کچھ اپنے بھائی کہ شوہر نے اتنی بلا دی ٹھیک نہیں کچھ زیادتی و ظلم ہے رہی ہے۔"

"کوثر بس۔۔۔" یاسمین نے ناگواری جتاتے لہجے میں تنبیہ کی عصمت الجھ سا گئی۔

"تمہارے ساتھ تو کوئی بھلا کرے تب بھی برا۔ میں تو یہ دکھانے آئی تھی کہ جو تصویر میں ہی ایسی قیامت لگ رہی ہے اصل میں کیا ہو گی۔ ہمال کتنی ہو تو سنبھال لو مرد کو ورنہ۔۔۔"

"ان کی تصویر کس نے چھاپ کر دی ہیں آپ؟" اب کے عصمت سے خاموش نہ رہا گیا۔

"تمہارے سنوئی قتل کی معشوقہ اور کون۔۔۔ یہ ہے ہاں اس کی تصویر دکھانے کے لیے تو یہ اخبار لائی تھی۔ اس کے ساتھ اور اور کرنا پھر تاپے تج کل تمہارا ہو تو لی۔"

کوثر نے یاسمین کے ہاتھ سے اخبار چھینت کے عصمت کے آگے کیا۔

"تمہارے ہونے والی مغل کی معشوقہ ۔۔۔ اور کون؟"

یاسمین کی بے ساختگی کو ٹرائی جیز آواز میں کہا گیا یہ فقرہ عمیص کو اس بری طرح چونکا گیا کہ کتنی ہی دیر تک وہ ہاتھ میں تھامے اخبار پر نگاہ تک نہ اٹھا سکا۔

"اسی کے ساتھ اور محو کرتا پھرتا ہے آج کل۔"

اس نے تصدیق طلب نظروں سے اپنی آپا کی جانب دیکھا۔

وہ نظریں چرا گئیں۔ ان کا یہ انداز اسے بے چین کرنے کو کافی تھا کہ کوئی غلط نہیں کہہ رہی۔ اس کا دل دھک سے بھر گیا۔ یہ سوچ کر کہ جانے کب سے اس کی حوصلہ مند بہن اپنی اس درد کو سہہ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی جس پر یاسمین نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے شاید وہ اس بات کو ہٹانا چاہتی تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ زبان کھولتی۔

"اب تم ہی اپنی بہن کو کوئی مت (عقل) دو۔ میری باتوں کو تو یہ بک بک سمجھ کے اڑا دیتی ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اپنا کھونا مضبوط کرے۔ کل کی آئی چھوکری کے سامنے بار مان لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ارے یہ جو بدنصیب ماں باپ کی بیٹا ہے۔ چار بچوں کی ماں ہے۔ کیسے اس کا مرد اس سے دامن چھڑا سکتا ہے۔ اور یہ چاہتا تو مغل صاحب کی کیا مجال کہ اس خواب بھی دیکھ سکیں لیکن یہ بی بی ہیں کہ اپنے ماں جیسا مگن ہے۔ جو چیز راضی اپنے لیے نہیں تو بچوں کے حق کے لیے ہی آواز اٹھاؤ۔ تھوڑی اسے بیدار کرو۔ نہ یہ غلامی قبول۔ آزادی سے جیا جاتا نہیں چھوٹتی۔ پلٹ نہیں کی۔ اور بھائی میرے ذرا صورت تو دیکھو اس کی کیسی بریوں جیسی ہے اور طبی کیا تو گویا ہے۔ ہاں بھئی مرد تو گرنی ہوں بچی بات۔ چاہے پھر کسی کو دیکھیں نہ کہے ہو کا تمہارا ہونی اور یاسمین کا شوہر کرتے رہو۔ وہ بھی عورت ذات ہے۔ خون کھول رہا ہے یہ جان کر کہ اس حرافہ سے شادی کرتے جا رہا ہے۔ تو تو۔ مجھے تمہارے ہونی۔ اتنا غصہ نہیں آ رہا ہے جتنا طیش اس چھوکری پہ آ رہا ہے۔ بھلا کیسی شکل و صورت اور اپنی ہی عمر کے ساتھ تو ہے ہی ملا تھا وہ بدچلنے کو۔"

اس کی تیکھی کی طرح چلتی زبان عمیص کے پلے پڑتی بھاری تھی۔ وہ منہ کھولے اس کا طویل بیان سنتا رہا۔ بار بار اس انجان لڑکی کی شکل و صورت اور خوب صورتی کے بارے میں گفتگو کرتا اسے بتا رہا تھا۔ میں سوچ رہا اخباری جانب دیکھنے پہ مجبور کر دیا گیا۔ ایک اور سنسنی اس کے رگ و پے میں دوڑنے کو منتظر کھڑی تھی۔ اس تصویر کی صورت۔

اپنی ہی ایک تصویر اس نے کل کے اخبار میں بھی دیکھی تھی۔ ۔۔۔ یاں وہ کل کی لڑکی تھی۔ عمیص نے ذرا غور سے دیکھنے پہ تصدیق کی۔ کل کے اخبار میں اسی لڑکی سے شہزاد ملک کی رشتہ داری کا انکشاف کیا گیا تھا اور آج کی خبر اور اس کے ساتھ یہ تصویر اس انکشاف کو صحیح ثابت کر رہے تھے۔ خبر میں شہزاد ملک کے باپ کو رہا کیے جانے کی وجوہات کی اور تصویر تھی بہت کے نزدیک سوگوار کھڑی اس کی بھتیجی اور بھتیجا دادا کی۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر ہوا میں مغل کا بھی کوئی نہ کوئی واسطہ نکل رہا تھا۔ اس حیرت سے۔

"کیوں بھئی کم ہو گئی ہاں۔ سنتے تو ہی آئے ہیں کہ یہ ناچنے گانے والیاں پیسے کے پیچھے مرتی ہیں۔ اب چہ دیکھا تو یہ نہیں مغل کے پیسے۔ باقی رہ جاتا ہے عشق۔ عشق کے بارے میں پہلے ضرور لڑکی اندھی ہو سکتی ہے۔ ہائے ہائے ایسا اندھا بھی کیا ہونا۔ ماں نہ سہی میری بھرا شکل ہی اور تشخص کرنے کا سوچا بھی آئے ۔۔۔ تو اب تمہارا بھی یہ سوچا نکلو۔ یہ فیصلہ کر رہی تھی۔ تنگ آ گیا یاسمین کو تحت الثریٰ میں لے آتا ہوا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اپنی آپ اس معاملے کو بلاوجہ اچھالنے سے باز رہیں۔ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے اور ہم اسے خود ہی نمٹا لیں گے۔ بات ختم کیوں نہیں کرتی آپ۔ کچھ دال میں ہیں۔ جب آپ تفصیل سے آگاہ ہی نہیں ہیں تو فتوے دینے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"اے لیجیے۔" وہ برا مان گئی۔

"بھلائی کا زمانہ ہی نہیں رہا بی بی۔ یہ میں ہی تھی جس نے تمہاری آنکھیں کھولیں۔ تمہیں ورنہ تم تو گلی کی رونقیں اپنے سر کی کے لیے وہ بھی بنانے میں ۔۔۔ میں تو مدد کرتا جاتی تھی تمہاری ہو نہ ۔۔۔ سب چلے تم سے معاملے ۔۔۔ اتنا کہہ کے دروازے تک گئی پھر پلٹ کے عمیص سے مخاطب ہوئی۔

"میں زبان کی کڑوی سہی پر دل کی صاف ہوں اور تمہاری اس بہن سے تو بیٹے اتنی بڑی اپنائیت محسوس ہوتی ہے اس لیے اس کی بات کو برا نہیں مانا لیکن کہیں ایک بات کے دیتی ہوں کہ یہ اطلاع سنا دے درست ہے۔ اخبار میں آج اس کی فوٹو چھپی ہے میں تو یاسمین کو بہتوں پہلے خبردار کر چکی ہوں لیکن یہ ہے کہ اپنے ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔ اخبار ہو کر کل کے اخبار میں اس لڑکی کی شادی کی تصویر چھپی ہو تمہارے ہونی کے ساتھ یہ چاہے کتنا بھی سمجھے کہ اپنی لڑکی پہت نہیں اپنے مرد کے بارے میں انہیں تک کیوں نہیں اٹھ دے تم یقین کر لیں اگر اپنی بہن کے گھر کی فکر ہے تو کچھ کرو۔"

یہ مشورہ دے کے لحظہ بھی نہ رکی۔

عمیص نے ذرا دیر کر کے تحمل میں پایا اور ایک گہری سانس بھر کے یاسمین کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "اب کیسے" آپا معاملہ ہے یہ؟" یاسمین ۔۔۔ وہ بھی کرنا چاہتی تھیں جس کا انہیں ابھی ابھی کوثر کا بیٹا کر کے گئی تھی لیکن کہ اس سارے حالات کی پرواہ تو دیکھ ۔۔۔ ان کا یہ اشارہ تھیں۔ عمیص کے انداز میں بار کرا رہے تھے کہ وہ اب ان طفل تسلیوں میں آنے والا نہیں ہوا۔ کہنے والا نہیں ہوا۔ کہنے والا ہیں۔

"اب رونے کے کیا حاصل آپا حضور! پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے ۔۔۔ اب جو سامنے سرت اور آپا جو بتا کے تو مجھے کسی تیسرے فوری زبانی خبر مل رہی ہے۔ اگر میں یہاں نہ آتا ۔۔۔ کوثر کی بیٹے مل نہ پاتا۔ تو میں یہ خبر ہی رہتا۔ آپ اور بچوں پہ گزرنے والے سانحے سے بے خبر ۔۔۔ آپا کیا میں اتنا برا ہو گیا ۔۔۔ یا نالائق کہ آپ نے مجھ سے ذکر تک کرنا گوارا نہ کیا۔"

"ہمیں تو خود کوثر بہن سے پتہ چلا ۔۔۔ مگر ہم نے تب بھی یقین نہ کیا اس پہ کہ ہمیں اپنے شوہر کی پارسائی کا بھروسہ تھا ان کی وفا پہ یقین تھا ان کی بے لوث اور بے داغ وفاداری کا ہمیں پتہ کرنا تو کیا اس بات پہ یقین نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اپنے کاموں کے لیے تو ہمیں بے خبری اور دیوانگی کے ساتھ ساتھ جیسے کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور ان کی حیثیت ۔۔۔ وہ تو رب کی اپنے ہاتھوں کھم چکے۔ ایک کچھ کی کفالت کرنا ان کے بس کی بات نہیں ۔۔۔ جو کہ وہ ہوتی ہماری اپنے گلے ڈالیں۔ ان لیے اس تجربے یقین کرنے میں مثال تھے جو کوثر بہن کے ذریعے پہ یہ چلا کہ وہ کسی کا بوجھ نہ تھا نہیں بلکہ خود اپنا بوجھ تھی پہ ڈالنے جا رہے ہیں اور اس شرمندگی کو ہمارے سامنے تسلیم بھی کر چکے ہیں۔"

"کیا؟" ۔۔۔ اتنی بار بھائی نے اپنی زبان سے اقرار کیا ہے ۔۔۔ کہ یہ سچ ہے؟" عمیص کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی۔

"ہاں بیٹا۔" یاسمین نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "اور بغیر کسی ندامت کے ۔۔۔ کہ کیا تاسف کے ۔۔۔"

"ہو ہی تو ہے وہ ہوشت کی کمی۔" عمیص بارے کم و خفت کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "انہیں نے کیا آپ کو بالکل لاوارث ہو گیا تھا ہم لوگوں کو بے غیرت کہ ہوا ان کے بیچ میں آتے اور کہتے پھرتی کہ اور آپ کی طرف سے کوئی انہیں پوچھنے ۔۔۔ آئے گا۔ مجھے ان سے بات کرنا ہی کب تشریف لاتے ہیں موصوف۔" وہ بھرے بیٹھے کیا اور رس طرح جیسے اب بیٹھ جائیں سخت سے اور وہ بڑھ کر کے ہی دھکے کا یاسمین اس کے تو دیکھ کے دل ۔۔۔ گئیں۔

"بیٹا ۔۔۔ ابھی ابھی گئے ہیں بھائی آپ واپسی ہو۔ لیکن بھیا آپ ان سے بات مت کیجیے۔ ان کی انگلی کا رخ سمجھا نا ابھی ختم ہو جائے گا اور ویسے بھی تب ان سے عمر ہو جائے اور رشتے ہر لحاظ سے بھولے ہیں۔ بول جواب

طلبی کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"کمال ہے آپا! ابھی ابھی آپ کہہ رہی تھیں کہ ستانے جاری ہے کہ کوئی بات آپ کے مزاج کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔ بہت خوب ٹھیک ہے پھر ان سے بات کریں گے چچا حضور اور میں دیکھوں گی ان کے سامنے وہ کیسے دہاڑیں گے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ! بھلا چچا حضور کی عمر اور ہمت اس بات کی متحمل ہو سکتی ہے؟"

اس کے ساتھ ہی عصمت کو دھیان آیا کہ وہ سوال کرنے آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ صاحبزادہ قیس علی خان کی خراب صحت کی اطلاع دے کر اور خود ہی اس بات کو فراموش کر کے بلاوجہ تشویش کی سے سوچنے لگا کہ واقعی یا محض تو درست ہے کہ رات میں ذرا کھڑکی نے انہیں بل کا عارضہ بتلایا ہے۔ اگرچہ سخت شدید نوعیت کا نہیں مگر بہرحال ہے تو شی۔ علاج اور پرہیز کے ساتھ ساتھ احتیاط بھی لازم ہے۔ کوئی بھی غیر معمولی خبر اشتعال ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ ضدی ہو کے بیٹھ گیا۔

"نگہت بیٹھ جاؤ تماشا تو تم دیکھ سکتی۔"

"ہماری خاطر صبر اور یہ خاموشی برداشت کر لیں۔ ہم ایک بار پھر ان سے بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ رسول کا واسطہ دے کر لیں گے۔ اپنی وفا اور ایثار کا صلہ طلب کریں گے۔ اپنے بچوں کی لاوارثی دے کر کہیں گے کیا تجھے میرا سہاگ اجاڑنے والے کے صدقے اس پتھر کو موم کر دے اور اگر بالفرض ایسا نہ ہوا تو خدا نخواستہ ایسا نہ ہو تب ہم آخری حربے کے طور پر انہیں دھمکی دیں گے کہ ہم اپنے چچا حضور کو اس سازشی قصے سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ شاید وہ سمجھ جائیں۔"

"تو آپ کہیں۔" انہیں اس خوش فہمی سے نکالنا چاہتا تھا۔ بتانا چاہتا تھا کہ یہ راہیں مشکل ہیں لوگوں کو نہ تو خوف الٰہی ہے چھین کر نہ ہے بیوی کی وفا اور بچوں کی محبت بھی موم کرتی ہے۔ نہ ہی کسی بزرگ کے بازو پر مس کرنے کا خوف پیچھے ہٹنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ سمجھنے کے مرحلے بھی نہ آئے تھے کہ ہم اپنے چچا حضور کو اس سازشی قصے سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ شاید وہ سمجھ جائیں۔"

"ہمیں ایک کوشش اور کرنی ہے بھیا! ہمارے تمہارے بھائیوں ایک کوشش۔"

☆ ☆ ☆

ایک تو ماں کے گھر کا خوف سر پر تھا اور کی طرف دھیان بٹا تو سراسیمگی کی بولوں سے گھر بھر میں تھی۔ وہ تھی پاگل ہو گیا تو بند گیٹ پر تالا لگا دیا تھا۔ ہر شخص شہزاد ملک کے باپ کی وفات کی خبر سنی تو اندازہ ہوا کہ دونوں باپ بیٹی کر سکتے ہیں۔ اس نے چاہتے ہوئے بھی وفا کے بعد بھی خبر نہ کیا حالانکہ اسے ایک تعزیتی فون کرنا چاہیے تھا بلکہ ایک باضابطہ شکستہ ہونے کی حیثیت سے اس کے سامنے کی آخری رسومات میں شریک ہونا بھی اس کا فرض بنتا تھا لیکن یہ اس کے لیے کیا کچھ تھا جو اسے دیکھ کے بیٹھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کی شہزاد ملک کے ساتھ کیل اور اب ملک کی آخری ملاقات نہ ہی شہزاد رہی تھی۔ اس وقت میں وہ ایک بلیک میلر کے طور پر سامنے آیا تھا مگر جاتے جاتے وہ کچھ بھی اس کا ظرف معاذب آلودہ ہوا شہزاد۔ ظاہر ہو گیا تھا اور اب وہ ای کتاب کے ہونے پر اس کی فرست گزر کے ہونے والے شوہر کے طور پر سامنے آ کے نواب پیر کلاری نہیں مارنا چاہتا تھا۔

ادھر گھر کے حالات بھی ان بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ گھر بھی اس کے لیے کوئی راحت بخش مقام نہیں رہا تھا۔ خاتون اس نے کبھی ایسا سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ جب بھی اسے آنے کی ضرورت پیش آئی اس چار دیواری میں لوٹ آنا پڑتا۔ کہ جانا تھا۔ وہ چار تین پانچ ایک ضرور تھے اچھا تھا رہا جائیں مار آئے۔ بچوں کو سوا۔ بیوی کو دھمکائے اور اس طرح چند ہی سے تنگ کا ازالہ کرنے کی اپنی سی کوشش کر جاتا پر سے سمجھ کر آ جاتا تھا۔ اس کی بیٹی بھی موجودہ ذاتی کی تسکین اس بیوی کو چین کر سوتی لیکن وہ دونوں سے اسے کسی کے رویے کی تبدیلی بھی واضح طور پر سامنے آئی تھی۔ اس کی تو ہمت ایسے سامل میں نہیں ہوئی تھی کہ وہ شوہر کے وجود کے بھلا کرتی لیکن نجانے یہ حوصلہ وہ کہاں سے لے آئی تھی کہ اب سوال کرنے لگی تھی وہ بار بار کے لیے۔ "شرو عات" ہی خطرے کا منظر تھی۔ وہ جلد از جلد اس ماحول سے فرار چاہتا تھا۔ ماں کے ساتھ گزارنے والی تھیں زندگی کے خواب اسے اپنی جانب پکار رہے تھے۔ بلکہ قدرت کی جانب سے تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔ اب جب اسے لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ اور یا سپورٹ تیار ہونے کے بعد بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں رہی اور اس کی بھی شام چھ سات لوگوں کی مدد کی میں ناکام ہو جانے کی اسی رات دینی کی ظاہر ہو گئی تھی۔ کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ اچھی کم ہی ملی ہو۔

اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ ملک مقبول کے پاس آن پہنچا اور اس وقت چائے کے ایک کپ کے ساتھ ساری بھڑاس نکال رہا تھا۔

"زرا یہ کہ تو ہمارا بھی ماتھے کا سوگ منا رہی ہے یا ماتم بنا کے بیٹھی ہے۔" ملک مقبول نے ایک کپ دوسرا اس کے دل میں جگانے کی کوشش کی۔

"کیا مطلب؟ کیسا ماتم؟" وہ چونک اٹھا۔

"ابھی خبر نکلی کر رہی ہے۔ شادی سے پہلے ہی دوری ہو۔ میں تو پہلے ہی حیران تھا۔ یہ بلکل پھنس گئے کئی بڑے بڑے بیوروکریٹ اپنی اگلے تھلک گئے بڑے بڑے سیٹھ لوگوں کی بیویوں سمیت کے واپس لے گئے اور وہ پہلی تو تھی تو فلمی دنیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس وقت اس کی مت ماری گئی ہو۔ ذرا سب ہوش آیا تو نکالی کر رہی ہے۔ ایسی کوئی اور نور میاں نہیں آیا؟"

"ابھی بات نہ کیجیے۔ مذاق مت کریں۔" بات نہ یہ اندیشہ ہوا اس لڑکا چاہا مگر ملک اپنے موقف پر اب تک ڈٹا رہا۔ بھی تائید کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہم خود سوچ رہا ہیں مشکل۔ جس سے تعلق کو اب تک دبا چھپا تی تھی ہے اس بارے سے پکا کیا اتنی محبت؟ وہ لوگ کل تک یہ بتاتے شرماتے تھے کہ یہ لڑکی ان کی کچھ لگتی ہے۔ اب اچانک ان لوگوں کو واقعی محبت ہو گئی ہے کہ پچھلے تین چار دنوں سے وہاں ہے۔ ارے۔ ارے۔ مولانا۔ اچانک کوئی فنکار کو عدت کی طرح اس کے ذہن میں لیکا اور وہ کرسی پر بیٹھتا بیٹھا اچھل پڑا۔

"ارے شہزاد ملک۔ ارے وہ بھی۔ کہیں وہ تمہاری کمالی کا لوگ نہیں بن گیا؟"

"نہیں ملک صاحب۔ ایسا نہیں ہے۔ اور نہ ہونے کا امکان ہے۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا اب مشکل بار ایک لڑکی نے نجانے کس تنگ میں آ کے تمہیں بلا کر دی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم تو وہ کو ملزم خان سمجھے تھے۔ شہزاد ملک کے بارے کیا نہیں ہے؟ تم نے پہلے سال عمر میں بھی تم سے پہلے میں بھی سیٹ ہے بلکہ ہمارے ہاں سے پکا تھیٹر سب کچھ ہے اور نام الگ مشہور ہے۔ اس نے آگے تم کو کیا کہتے کی سنی ہو اور پھر وہ اداکار بنتے ہیں بھی کچھ وجہ ہو گی اختلاف ہے لیکن اب دونوں خاندانوں نے قریب تر نے ہے ان دونوں کے دل کی ایک قریب آ سکتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا۔ آخر شہزاد ملک کے سامنے کہہ کیا کیا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ ملک مقبول آج اسے جج کی دار مارنے پر تلا ہوا تھا لیکن اتنا سب کچھ سننے کے بعد بھی باہر جانے کے تھلانے کے منکر رہا تھا۔ اس کے تصور میں صاحبزادی کی سر کو چھو آ رہا تھا۔ صاحبزادی کل صرف شہزاد ملک کے ساتھ آتے آتے رہ گئی۔

"جانتے ہیں کہ ہم شہزاد ملک کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔" اس نے فراخدلی سے اپنی بات تسلیم کی۔ "لیکن یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہستی شہزاد ملک کے دل و نظر کو بھا چکی ہے۔ اس کے ساتھ ادا کی تھی کچھ نہیں۔ اداکار میں بھی ایک خاص بات ہے ضرور۔ لیکن شہزاد ملک کو مطلوب کچھ اور ہی ہے۔ وہ اس وقت عشق کی چوٹ کھا کر ہوا ہے۔ اسی کی آنکھوں سے دور ہی اگر کے اس کے سامنے آئی تو اس کی نظروں میں نہ جچے گی اس لیے آپ ہمیں وہ زرا وقت تو دیں۔"

"اندر پہنچے ہوئے ہو۔ کیا اندر کی خبریں بھیج کے لائے ہو استاد۔" ملک مقبول اس کی "معلومات" سے

متاثر نظر آیا۔

"ہم تو خیال تھا تمہاری بیٹی بڑی دیہاتیوں کے کوٹھے اور کوٹھیوں تک ہے لیکن تم تو بڑے بڑوں کے دل تک رسائی پانے لگے۔ کہاں سے خرچی شہزادہ ملک کے عشق کی؟"

"اسے چھوڑیے آپ کو ہمارے معاملے کی جو تبدیلی دیکھنے کی حالت پتلی ہو رہی ہے۔ ہمیں اس وقت رقم کی اشد ضرورت ہے۔"

"قرض کے طور پر مل سکتی ہے اور وہ بھی مجھ سے نہیں۔" اس نے مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ ہوئی بھنڈی بھی چکھ لی۔

"کسی سے بھی مانگو۔ میں نہیں ہزار تو دے ہی دے گا کوئی نہ کوئی۔"

"اور وہ کوئی نہ کوئی آپ کیوں نہیں ہو سکتے؟"

"کیوں کہ کوئی نہ کوئی تو ہو ہی جاتا ہے تمہاری رگ رگ سے واقف تو نہیں ہوگا جیسا کہ میں ہوں۔" اس نے دل جلانے والی مسکراہٹ سے مگر منہ سے سیاہ پڑتے لبوں پر کہا۔

"اپنی قیمت کم کیجیے۔" وہ جھرجھرا دیا۔ "ہم چکا دیں گے مگر کم کیجیے۔"

"بابا۔ یہ کیا۔ ابھی تو دیر ہی کتنی ہے۔ پتہ نہیں کب آئے گا۔ یہ تو تم ہی جانتے ہو۔ پہلے تو نئی جگہ جانے کے قدم جمانے میں ہی وقت لگے گا۔ یہ ٹھیک ہے دیہات میں آرٹسٹ لوگوں خصوصاً ان نئی غیر صورت چیزوں کا کام بہت چلتا ہے۔ دنوں میں لوگ اپنا لیتے ہیں مگر مقابلے کی فضا محنت سے پہلے تو اپنی جگہ بنانی ہوگی۔ نئے تعلقات۔ سفارشیں۔ میں ایک ہزار پر راضی ہوں کیا تو ہوئے تمہارے وارے کے بیارے۔ ایک مہینے تک ہاتھ کے عوض اتنے مل جائیں گے جتنے یہاں جا رہا ہے شہر کے ملتے ہیں۔ لیکن پیارے۔۔۔ اس میں وقت لگے گا۔"

"پھر ہم کیا کریں؟" وہ کچھ پریشان ہوا۔ "ہم تو خیال باندھ کر آپ کے آسرے پہ جا رہے ہیں۔"

"میرے اپنا ہی ہونے والی بہن کے؟" اس نے بے حد بے بسی بھری مسکراہٹ سے فوراً تجویز دیا۔ "گھر والی کے آسرے پہ بیٹھا رہ تو تحل کے جیسے اس مارکیٹ میں مقابلہ۔ محنت ہے باری دیر سے آئے گی تو نہ سہی۔ دوسری مارکیٹ اوپن ہے۔ وہاں ایسے فرنچز ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔"

"دوسری مارکیٹ؟ آپ کا مطلب۔۔۔" اسے جھٹکا سا لگا۔

"ہاں بھئی اس کے پیچھے ہی بھوتوش بھی بیٹھے بیٹھے تین چار بار ٹیاں پکڑ لیتا ہوں۔ کئی عرب شیخ سلطی میں ہیں۔ تمہاری ادا کے زوں کے برابر ہوتا تو کہنے کو میں کہتے۔"

"نہیں ملک صاحب۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا ہم نہیں کریں گے۔ ادا کی کا تحفظ میں گاڑا ہوا ہے۔ دنیا کمائی میں لیکن یہ کام نہیں۔ وہ رضامند ہوں گی نہ ہم ایسا چاہیں گے۔" اسے ادا کے حوالے سے اس بیٹی کام کا سوچتے ہوئے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس قسم کے گھٹیا مشورے دینے والا ملک مقبول زہرت بھی برا لگ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا اس کا منہ توڑ لے۔ تھوڑی دیر کی مصلحت پہ بھی یہ مطلب پرستی۔

"کیوں بھئی تمہیں کیا تکلیف ہے جو تم نہیں چاہ رہے؟" ملک نے اکتایا۔ "جب کوکوں کی کوٹھری میں قدم رکھا ہی لیا ہے تو کیا دامن بچانا۔ کوا دامن پہ داغ لے کے جائے یا آستین پہ پیشاب دھبا لے کے جائے لو بدنام کوئی سا ایک ہے تمہارے لیے سو گوارے ہے۔ وہ ٹالی تو یہاں بھی کیا کرتے ہو اور وہ بھی بڑے دھڑلے سے۔"

"بھئی تم تو ذرا زیادہ ہی تو ہو گئے۔" بابا نے بالآخر تنبیہ دلائی۔ "اور ہاں بھئی۔ تمہارے نکاح میں آنے کے بعد تو ہم نے ابھی دیر ہی تو پہ شدھن جانے کی۔ خراب مراد ہی کی بیٹی۔۔۔ اس کے بے تحاشہ تعلقات اس نئی جگہ کے ماحول کو اور کثیف کر دیں گے۔"

"بہرحال میرے مشورے پہ عمل کرنا ضرور اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے کا اس سے

بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تمہارے پاس۔ چلو زیادہ نہیں چار پانچ سال بھی لگا لو بہت ہیں۔ کافی رقمیں کما کے اس کے جد بیٹھے عزت کی کھاتے رہنا اور اپنی زوجہ محترمہ کو بھی کھلاتے رہنا۔"

"ہم چلتے ہیں ملک صاحب۔" اس سے زیادہ سننا اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ "آپ سے مدد کی امید لے کر حاضر ہوئے تھے لیکن آپ سے۔"

"اپنی رائے آپ کے کاشمری طریقہ تو بتا رہا ہے اب عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ دنیا چلے بھی گئے تو وہاں سوچ قابلیں نہیں بیچے ہوں گے تمہارے لیے۔ تمہاری لکھت اور پڑھنے پہ جو رقم ملی ہے وہ تو بھئی وصولنا ہی ہے اور اس کے علاوہ میری امانت پہ یہاں کتنے ہی لوگوں سے قرض وصول کر چکے ہو۔ وہ اس انتظار میں نہیں بیٹھے ہوں گے کہ کب تمہارے دن پھریں کب تم لوٹاؤ گے اور چوہدری کی بیٹی الگ بھوکے مر رہے ہوں گے۔ ان کا پرسان حال کون ہوگا۔"

"ملک صاحب۔" وہ مضطرب ہو گیا۔ "آپ ہی نے تو کہا تھا کہ بس ایک بار ہم ادا جی کو دبئی جانے پہ شکر کرنے پہ راضی کر دیں تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ہمارے یہاں حالات بھی سدھر جائیں گے۔ اب آپ ہی ہمیں خود فریب کر رہے ہیں حالات کا ایسا نقشہ کھینچ کے۔"

"غلط نہیں کہا تھا میں نے۔ اس وقت جو تمہیں کھانے تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں مسکرا کے تنگ ماٹھ کے لیتے ہو۔ اس لمحے سے دیکھا جائے تو واقعی تمہارے حالات بدل جائیں گے۔ نئی نویلی بیوی کے فن کی کمائی پہ عیش کرو گے۔ مگر اتنا عیش کر سکو گے یا پھر قرضے چکا سکو گے۔ میرا مطلب ہے ایسا کوئی بن تو نہیں بیٹھے والا۔ اس لیے اپنی کمائی کے بوتے پہ کہا تھا کھاتے کھاتے کمو اور تنگی والی لو گے۔ اس کے لوٹنے پہ کچھ خرچہ ہو گا گھر داری کا الگ۔۔۔ یعنی کہ تو کچھ جوڑ سکو گے نہ جائیداد بنانے کی نوبت آئے گی۔ قرضے بھی سر پہ موجود رہیں گے اور بیوی بچے بھی یہاں اسی کھڑکی میں پڑے حالوں رہیں گے۔ یہ کوئی انسانیت نہیں چار بندے۔ خود تو تم اپنی ہی میں مزے کرو۔ تمہاری پندرہ سالہ پرانی بیوی اور جو بے ہوتے کے ادھر قابو کر لیں۔ تمہارے قرض خواہ میرا گریبان تھامتے پھریں۔ میں نے جو طریقہ بتایا ہے اس پہ عمل کر کے تم دونوں میں قرضے اتار سکتے ہو۔ اگلے مرحلے پہ دبئی میں کاروبار جما سکتے ہو۔ اس کے بعد صاف پاکستان میں اپنی پہلی اولاد کے مستقبل کے لیے بھی بہت سی سرمایہ کاری کر سکتے ہو۔ چند سال بعد تم تو بھول جاؤ گے کہ یہ دولت تم نے کیسے اور کہاں سے کمائی۔ یہ دولت چیز ہی ایسی ہے جگر۔۔۔" وہ ترغیب سے اسے ترغیب دے رہا تھا اور بابا دونوں مٹھی کا حرص و طمع کلبلا رہا تھا۔ بہت جانتا۔ ہر ترغیب پہ لبیک کہتا جاتا۔ لیکن دبا کا مصور چھوٹوں کے سامنے آتے ہی اپنی اور حرص کے سیاہ بادل ڈھ جاتے۔ وہ خود دوسرا کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" انگلیوں پہ غلاف چڑھاتی موتیا نے ہاتھ روک کے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عبیس اس کے آگے رکھا کیا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔

"کل شام کا اخبار۔"

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں لیکن اخبار تو ہر روز صبح آتا ہی ہے پھر اس شام کے اخبار کی کیا ضرورت ہے اور وہ بھی گھٹیا والا۔ اس میں تو ہلکا سی ایکٹرس کی سن کھرت تصویریں اور واہیات تصویریں لگی ہیں۔ پرسوں کل ایک اخبار لائی تھی۔۔۔ شاید تمہارے ہی اسٹور سے اور اب تم اسے سونگھنے کی طرح نہ کر کے پیش کر رہے ہو۔" وہ دوبارہ غلاف چڑھانے لگی۔

"اس میں کہ راجہ کی وفات کی خبر اور تدفین کے موقع پہ اس کے اہل خانہ کی چند تصویریں شائع ہوئی ہیں۔" اس کے اظہار ناپسندیدگی کے باوجود وہ جھلے ہوئے اخبار میں کے آگے کھول رہا تھا۔

"کون کرم؟" اپنی رو میں بولتے بولتے اچانک موتیا کو یاد آیا کہ یہ شہزاد ملک کے باپ کا نام خاص کی شدید حیرانت کی خبر سن کے اس اخبار میں چھپی تھی جو گل دکھانے کے لیے لائی تھی۔ اس کے تیوری سے چلتے ہاتھ تھم گئے۔

"اوہ... بہت افسوس ہوا۔" یہ فقرہ اس نے رسمی طور پر نہیں کہا تھا۔ تصور میں ایک بیمار بوڑھے شخص کا چہرہ چلنے لگا تھا جس کا زرد رنگ تندرستی کی وجہ سے سیاہ پڑ رہا تھا اور جو اس کے کمرے کے ایک تھے میں بے چارگی سے لیٹے لیٹے جب سہارے سے اکٹھا کھڑے تھے میں سے گر گیا تھا۔

"بہت افسوس ہے لیکن یہ سوچ کر افسوس ہو رہا ہے کہ شاید اس کوئی کی موت کی وجہ وہ خود رہا ہو۔"

"شاید نہیں یقیناً۔" عمیص نے تصحیح کی۔ "وہ شخص دل کا مریض تھا اور چچا حضور نے بھی ذکر نہیں کیا اس کے ساتھ۔" اس کے دل میں اب تک نواب صاحب کے شدید رد عمل کے خوف ذلیل تھا جس کا اظہار اس نے بالآخر کر دیا۔

"نہیں میرا خیال ہے اس سارے افسوسناک واقعے میں اکیلے ابا حضور ذمہ دار نہیں ہیں۔ اصل قصور تو اس شہزاد ملک کا ہے۔ وہ بے جھجک کی بدولت بچھا کے اپنے باپ کو اسی مرے کی طرح آگے بڑھا نہ دیتے۔ سب ہوا۔ ابا حضور کو موردِ الزام ٹھہرانا کسی بھی طرح درست نہیں۔ جو حالات تھے تمہارے سامنے تھے، ذرا ابا حضور کے حالات بھی تمہارے لیے نئے نہیں۔ تم ہی بتاؤ وہ کیا کرتے؟"

"حالات... حالات... حالات..." وہ طنزیہ کھلا اٹھا۔

"حالات نہیں خیالات اتنی تو ہوتے ہیں ان کا کیا بھروسہ اور کیا بھلا پھر صرف میں کی خاطر جیتے جی انسانوں کی پرواہ نہ کرنا کیا جائز ہے؟ اور خیالات بدل بھی تو جایا کرتے ہیں۔ خیالات نہ سہی ابا حضور کی خیالات ہی سہی۔ وہ تو انسان ہیں جانے بدل بھی جاتے ہیں۔ وہ بھلا کیا سادھو ہیں جو تپسیا کے تپتے پہ بیٹھ گیا حالانکہ اس کی چار موتیا نے کبھی جیتے جی کسی سے آزادی نہیں اور اسی کے کانوں میں یہ الفاظ چھن چھن کے مسلسل گونج رہے تھے۔

"کتنی عجیب بھلی بھلی باتیں کر رہے ہو۔" وہ اب کچھ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "کہیں بلکہ کوئی تو بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ کہیں یہ سب کسی صحبت کا اثر تو نہیں ہے؟"

"اب تمہیں متعدد نکال لو۔ ابھی تک تو چچا حضور سے ہی سنتے آئے تھے کہ خون کا اثر ہوتا ہے۔"

"یہ بات تو سمجھا پھر کے ابا حضور تک کیوں لے جاتے ہو۔ خانہ جنگی ہے۔" اس نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"اس سے نہیں ان کے فرمودات سے خانہ جنگی ہے۔" اس نے اخبار کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "اس شخص کی نفرت اور غضب کا سبب محض اس لیے کہ اس نے اپنی دولت سے کسی بیوہ کے بنجارت کی تھی۔ ایک اعلیٰ نسب گھرانے کی لڑکی کا رشتہ طلب کیا تھا اور اسی اعلیٰ نسب گھرانے کا کوئی فرد اس رسوائے زمانہ پیشے سے منسلک لڑکی سے رشتہ جوڑنا چاہتا تھا... تو پھر؟"

"کون رشتہ جوڑ رہا ہے... تم؟" اس کا دماغ پھر گیا۔

"دولت والے کسے ذلت کرنا محال ہے۔ جانے کیا ہو رہا ہے۔" وہ چڑ گیا اس بے سود الفاظ پہ۔

"میں اس شخص کی بات کر رہا ہوں جسے چچا حضور نے بڑے زعم کے ساتھ ہمارے نواب گھرانے میں شامل کیا تھا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ انہیں انسانوں کی پرکھ ہے۔ عجز و حساب لیتے ہیں۔ وہی شخص یعنی ہمارے ہونے والے صاحب بار ہوں گے۔" وہ اتنا کھرا اپنا تھا کہ اسکین سے رازداری کا وعدہ کرنے کے باوجود اس پہ قائم نہ رہ سکا۔ وہ بھی دل سے اس رازداری کا قائل بھی نہیں تھا۔ وہ اس معاملے کو سب کے سامنے لانا چاہتا تھا تاکہ اگر فائدہ ہو سکے۔

اسی شہزاد ملک کی اس کزن میں انوار ہیں۔" اپنے تئیں اس نے ناصر بابا کا انکشاف کیا تھا لیکن موتیا نے تو

کھلکھلا کر ہنسی پڑی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ تو ابھی دی آرٹسٹ سے منگر بھی ہے۔ ہاں بابر بھائی صاحب خاصے شوقین مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اس کے قصے ہوں گے۔ تم بھی ہاں بس... کیسی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہو۔"

"عمیص بیٹی کہہ رہا ہے موتیا۔" جانے کب سے کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سنتی گل نے ذرا کھلے دروازے سے جھانک کر کہا۔ کمرے کا دروازہ اور کھڑکی ہر کھلے سے اسی کونے میں کھلتے تھے۔

"اس بات کی تصدیق ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ اس بات نے بھی شاہد ہیں۔ ہم نے خود ان دونوں کو اکٹھے دیکھا تھا۔"

"اب" دونوں اکٹھے کہہ اٹھے۔

"یہی کوئی ایک دیڑھ ماہ قبل۔"

"تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟" عمیص نے اٹھتے پل ڈال کر پوچھا۔

"کون ہماری بات کا یقین کرتا اور تب ہم جانتے بھی نہ تھے کہ وہ لڑکی کون ہے۔ صرف اتنا اندازہ ہوا تھا کہ کسی معزز گھرانے سے تعلق نہیں ہے اس کا۔ جبھی کہ پرسوں اخبار میں بھی اس کی تصویر دیکھ کے یاد آیا کہ اسے کب اور کہاں کے ساتھ دیکھ چکے ہیں۔ یہ تو اب تمہاری بات سن کے اچانک یاد آیا۔"

"اصل اچانک یاد آیا۔" عمیص نے ناراضگی سے کہا۔

"کل تک حضور تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں۔ یہ ان کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ تھا۔ تم کو کبھی تمہیں ان دیکھا کر دیا کیا ہے۔ تمہارے پر فرض نہیں تھا کہ تم کو ہمیں کی اس بارے میں بتاتیں۔ شاید اس وقت کوئی فوری اقدام کر لیا جاتا تو بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔ جبھی تو ہے۔ جبھی یہ ہے۔ اس لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں۔"

"ایسے کیسے کر سکتے ہیں وہ شادی۔ اتنا آسان ہے کیا؟! ابا حضور کے علم میں آئے وہ یہ معاملہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے ان کے بغیر کے فیصلے کے۔" گل نے کہا۔

"اسی تو ہو نہیں سکتا۔ چچا حضور کی صحت نازک ہے۔ ذرا سی ٹھیس ہو جائے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اب ذرا سے آرام کو کوئی کرتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کیا ہم نہیں جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ گل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ہم شہزاد ملک سے بات کریں گے۔ اسے ایک بار پھر اس کی اوقات یاد دلائیں گے۔ اسے اپنی اس کزن کو لگام دینا ہوگی۔ ہم ابا حضور سے بات کریں گے۔"

☆ ☆ ☆

تین سات دنوں بعد شہزاد آئی تھی تو ابھی کی رات کو بارہ روز گزر چکے تھے۔ دونوں کے خوشی کے بعد جو انا دکار شہزاد اب تک پاؤں والے بیٹھے تھے وہ بھی اپنے اپنے گاؤں سدھارے رہا الیتہ اب تک یہیں تھی۔ عمیص اسے ایسی جیتے پیار نہیں تھی۔ شہزاد نے سمجھانے کی کوشش بھی کی۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح کا کے بہت سے کام رکے پڑے ہوں گے۔ نتیجتاً اس نے کہاں کہاں پیغام دی ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ فوجی والے کو رہے وہ تیار ہو کے یوں سنورے کے دیکار انگر کے لیے تو نہیں جا سکتی تھی لیکن پھر بھی اس کی حالت دیکھ کے جب وہ رہا سے حقیقت تھی کہ دعائی موجودگی کی وجہ سے وہ خاصی سمجھتی ہو گئی تھی۔ اللہ وسائے نے بھی پہلے ہے بے الفاظ میں کہی ہلکے پھلکے انداز میں سمجھنے کی کوشش کی اور دونوں سے بکار غیور کے تو اس نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ پہلے کی تیاری کا علم ہے۔ بار۔

"چلی کتنے دن بہت ہو گیا۔ جانے والا چلا گیا اب تم کب تک چھوڑی (صف ماتم) ڈال کے بیٹھیں گے۔ اپنے اپنے کام اور معاملے سے لگنا ہوتا ہے۔ ساروں کو کتنے دنوں سے میں لوٹ پہ جانے بنانا کے تھے کیا ہیں۔ وہ اسم گھر کی علم تو ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے حضرات کو یہ وہ کہتے ہیں۔ ہاں اکثاتی ذات رکھی تھی اپنی للم کی اور اس میں ہم کے گانے ریکارڈ کرنے تھے۔ کیا ہوتا چاہیں ملا تھا۔ ٹھیک چار گانے دوسری بھی مشکل

کے تھے لیکن اتنی منگی قسم کا آیٹم کھانا بھی تمہیں مل گیا۔ ابھی بہت خواب اب تو چانس بھی نکل گیا۔ اتوار والے شو کے بھی ہمیں ارے گئے۔ الحاصل میں ہزار زاہد والس پکڑ کے تھے۔ ہے وارس۔"

"جیسی بھی کہیں ابا جی۔" جمالے کا فوری سے بولا۔

"اگر زیادہ تکلیف ہو رہا ہو کہ میں کہہ رہا ہوں کہ اب بس کر دیا۔ کوئی تصویر آنے آنے ہی تو کے گا۔ کہتا ہے۔ تک ارھر بھی رہے ہیں؟ شیاں کھر چھی۔ آبا جا کر کا دوسرے خیر ہے ہیں میں کوئی تیج تھوڑی کر رہا ہوں۔ تیرا ملا ہیں ہا تو کیا ہوا تیرا رشتہ تو میں ختم کر تا۔ آخر یہ تیرا "ٹانکا" (تعلق) ہے۔ آئی باتی رہتا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابھی ڈیرے سے ہاں ڈال لیجئے ہیں۔"

"چلئے ہیں۔" اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔ "کل پر سوں ملیں گے۔"

"کل پر سوں کیوں؟ آج کیوں نہیں؟" وہ بگڑا۔

"میں نے کہا نا کل پار سوں ملاقات کی۔"

"کیوں بے اب تاؤ ہی۔" وہ سر پکاڑ کے اور اس کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

"پہلے کیا تھا کل پر سوں ہوں گی اب کہہ رہی ہے تاؤ ہی ہاں میرا ارادہ بدلا ہے؟"

"اللہ اللہ۔" وہ کیرل سانس بھرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او کر سمجھتے کی ہماری اوقات ہی کہاں ہے ابا۔" وہ ہر بلی سی مسکرا ہٹ سجا کے کھڑی ہو گئی۔ ابا کے اصرار سے جتنے کا کور یا رہتے تھا سوائے منتظر ہے ناٹ ہو رہے ہیں؟"

اور اگلے ہی لمحہ شہزاد بھی اٹھ پڑا کیونکہ وہ سمجھا کہ سرت سے بہت چھیڑنے کا موقع مل گیا۔

"ہر تیس کا باپ مرا ہے اب تو وہ بھی دفتر کھول کے بیٹھ گیا ہے دو اور دو چار کر لے۔ تو کیوں اپنی روزی روٹی کی دشمن بنی ہوئی ہے۔"

"جھوٹا ابا کل سویرے نکل جائیں گے۔" وہ دوبارہ کا کھانا جانے میں تھی۔ اتنے دلوں سے گھر پر اتنی فضا چھائی ہوئی تھی۔ آج شہزاد کے معمول کے مطابق آس جانے کی وجہ سے سب کچھ معمول کے مطابق ہی محسوس ہو رہا تھا۔ شہزاد نے نارمل انداز میں ناشتہ کیا تھا ہی نہ ملتے آیا تھا۔ اسے دوا تھے ہو کھلانے کی تاید کی تھی۔ یا رہی دعا کے ایک بار ہی کہتے ہے تمہارے کے لباس تبدیل کر لے۔ وہ رضامند ہو گئی تھی۔ سب کچھ پہلے جیسا ہو رہا تھا مگر ہے ہی ہنگامی انداز میں شہزاد کی مسکراہٹ میں بھی ایک مصنوعی پن تھا اور بشاشت بھی بناوٹی نظر آ رہی تھی۔ بیکن بلا بھی خود کو نارمل ظاہر کرنے کی ادا کاری کر رہی تھی۔ شاید وہ سب اپنی اپنی زندگی کو پرانی ڈگر پر لانے کی ایسی ہی کوشش کر رہے تھے۔ بلقیس شہزادی پند کا کھانا پکا کر کے کہتے ہوئے سب خدشہ کے باوجود اپنی بلکیں نیلی ہوئے تھے۔ بڑھا کی تھی شاید کوئی ازلی تصور میں آ گیا ہو گا اور اس وقت خاص بیٹی کے ساتھ شہزاد کے لمس میں وہ بھیجنے کے لیے بھیجے ہوئے تھے میں ابلے انڈوں کے چھلکے اتار کے کھا رہی تھی جب اندو سابا ایک بار پھر بڑی بڑی ہر صفحہ لے کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"صب کل میں کوئی سامنہ مقابلہ اچھا ہے۔" اچانک اسے خیال آیا۔

"یہ شخص صاحب کا کوئی فون وون آیا کہ نہیں۔"

"میرا فون بند جا رہا ہے میں نے یہاں آتے ہی تک کر دیا تھا۔" اب وہ سلاد کاٹ رہی تھی۔

"لیکن میرا اندو نہیں۔" اسے بھی جانے ایک موبائل لے کر دے رکھا تھا "اتنا آرام کر سکتی رہی تھا۔ میرے فون پر کر سکتا تھا۔ آخر تو اس کی ہونے والی بیوی ہے اور تیرے سامنے کی فوتگی ہوئی ہے۔"

"نہیں ہم نے خبر کر دی ہے۔"

"اس میں تیرے بے کون کی بات ہے۔ ہر اخبار میں چھپا ہے کہ شہزاد ملک کے والد کرم الٰہی کی وفات ہے۔"

"صب بابر صاحب کو کیا پتہ کہ ہماری اور کوئی رشتہ داری ہے۔" حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ راز صب کا باہر

کے سامنے کھول چکی ہے لیکن اللہ دو سابا چونکہ اس بات سے بے خبر تھا اس لیے فی الحال اسے ٹالنے کو کہہ دیا۔

"اب یہ تو ہے۔" وہ متفکر ہو کر اس چندی بیکٹ کے لیے۔

"ورنہ ہو تو تیری تصویر بھی چھپی ہوئی ہے اس خبر کے ساتھ۔ دو ہرے کے بھی تو پتہ چلا ہو گا۔"

"نہیں پڑھی ہو گی خبر۔" وہ جانتی ہو گی اس بحث میں اسے ہار نہیں رہا تھا کہ اتنے میں نمک ابھی کا اٹھا ہی ہے ڈال دیا ہے۔ راستے کے بیالے میں نیچے پھیرتے ہوئے اس کے ساتھ اتنا تعداد تھیں تھیں۔ بہت نہیں ہو نمک ہونے کی وجہ سے تھیں ہاں ذکر تھی۔ بعض لوگ ہر خبر چھپنے کے عادی نہیں بھی ہوتے۔ "میں نے ہلکے کے کہا۔ نمک واقعی ہلکے سے ڈال چکی تھی۔ اچھا ہوا اور اس نہیں ڈالا۔

"اچھا چلو ابا۔ لیکن دوسرے دن پھر سے لگانے کا عادی تھا۔ اب بھی آ ہو گا تو دکان کے باہر تاؤ کو کر بھی اسے خیال تھا۔ ایک بیٹا ہے تیرا کہاں ہے گئے۔ اتنے دن ہو گئے فون کر کے پوچھ لیتا کہ مسئلہ کیا ہے تیرا فون بند ہے تو پیغام تیرے پر کر لیتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" سمجھ رہے ہوں کہ ہم لوگ ان کے تحفے تحائف سور کے رقم جلد ہو گئے ہیں۔ قرار سمجھ رہا ہو رہا ہیں۔" تیس ہزار۔

"اگر کر لیں گے۔ بدلا لیں۔ ہے دراصل اس نے جو ہم فراڈ کرتے۔" وہ برابر بولی۔

"لیکن بات لاکھوں کی ہو تو فراڈ کا سوچ سکتا ہے؟" اس نے کہا۔ اللہ دو سابا ذرا کر دیا چھوٹا کی آنکھوں میں تیر سے چمک کی وجہ کے بارے میں ہو گیا۔

"شرم نہیں آتی ایسے میرے کے ساتھ تعلق کرتی ہے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"شرم تو آتی ہی ہو گی۔ بہت تھی ہے لیکن کیا کیا کروں یہ مجھے اب کوئی شرم نہیں آتی۔" اس نے سر جھکا کے اس تکلیف دہ تفریق کو پرے کیا اور سبزی کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔

"لیکن یہ تو رقم یا ہو دی؟" بلقیس کچن میں آئی۔

"تو ہی کی۔ تو رات کے ساتھ بھر آنے والی تھی۔"

"لیکن۔" وہ تیرا تکلیف "آیا ہم ہے اس کا لے سا ہا؟"

"بکواس بابر ہو گیا ہے مغل۔" اس نے سر جھکا کے آہستہ تو اس نے کہا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ ضرور ہی تھی نے اس کی ہر رقم اللہ دو سابا کے تکلف کا بھی حصہ بن لیا ہے اور اس کے ذہن میں بھی وہی سوال پیدا ہو رہے تھے جس کا اظہار اس کا باپ کر رہا تھا۔ یہ سوال تو اس کے ذہن کے کسی کونے کھدرے میں بھی موجود تھا مگر وہ شعوری طور پر اس سے بھلو کی برت رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا جواب دینا تھا۔ نہایت جواب کہہ کر کے مکرا رہی تھی یا پھر قرار باہر ہے۔

"اس کا بابر نہیں تو اچھا ہے۔ وہ عیب دار رہا۔ خود بھی ایسا ہی ہو گا نہیں؟ یہ ناکامیاں تو کیوں تیرے ساتھ بھاگتا ہے؟"

اس نے تردید یا تائید کی بجائے صرف سر جھکا کے مسکرا دیا۔ دانستہ کیا۔ وہ اس تمہید کا مقصد بھانپ رہی تھی۔ "بیاہ کی کرتا ہے اسے دیکھنے کو۔ آخر ہونے والا ہوا تی ہے۔ تیری بات پکی ہوئی تو ار کرنے کی طبیعت خراب ہو گئی۔ لیکن ہی تو سلاد وہ میں تیرے دعوت کھلی تھی اس کے سارے خاندان کی بھی دعوت کھلائی اس کے سوہرے تھے بھکے ہوئے ہیں۔ اب ایسا موقع تو نہیں ہے۔ تو رات کو دن تھے کی دعوت کھلا دیگی۔ لیکن دعا اس کے کھلا ہو تو تیکے تھے کرے کی موت ہے۔ آخر رشتہ داری کا معاملہ ہے۔"

"اصل میں ابا جی نے مجھے وہاں اطلاع دینے کا خیال ہی نہیں کیا۔"

"تو اب دے لو۔ کہا ہے وہ لوگ برا مان جائیں گے کہ اتنی بڑی بات اور ہمیں بتایا تک نہیں۔ چلو ان چھوٹی چھوٹی

باتوں کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"ہوں کہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے والدین کی وفات ہو چکی ہے۔ ایسے میں اپنی احتیاجات اٹھانے والا وہاں اب کوئی نہیں۔"

"خیر وہ ۔۔۔ چل سیتی مرضی۔" اس نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

☼ ☼ ☼

ابھی ابھی یوں اس کے سامنے پوٹلی کھول رکھ کے گیا تھا جو ذرا بچ رہا اس کے گھر سے لایا تھا۔ شہزاد نے بے دلی سے ۔۔۔ دیکھا۔ آخر اس آیت کے بعد اب تک وہ تین کپ چائے اور دو برفی بھر سکر بے پی چکا تھا۔ کچھ بھی کھانے کی رغبت بھر طلب نہیں تھی۔ تمہارے اپنی اپنی عادت سے واقف تھا۔ ابھی کچھ دیر میں گھر سے اس کا فون آتا اور وہ بہانے بہانے سے یہ جاننے کی کوشش کرتی کہ اس نے کیا کھایا اور کتنا کھایا کتنا پیتا کیا۔ ایسے میں اسے کم از کم یہ علم ہونا چاہیے کہ آخر گھر سے کیا بچ کے آیا ہے اس نے یا کس کھایا۔

سب سے کھوٹ والے کمرے والے میں نفاست سے کی سلاد تھی جس کے درمیان شہزاد کا صورت سے بنایا پھول یہ بات کہہ رہا تھا کہ یہ دعا کے ذکا کمال ہے۔ بالوں کا کمال ہے۔ بالوں کو سنوارنے کا تکلف ہی نہ کرتی۔ بھی بنائی بھی پیر بیاز اور کھیرے کے موٹے موٹے ٹکڑے کاٹ کھیلنے کو بھی تیار کی جاتی۔

بیچ والے دونوں دنوں میں اس کا پسندیدہ اپنے ہاتھوں کے قلموں والا بھنا قیمہ اور پنیر کے ساتھ پکائی تھی سبزی کا سالن تھا۔ سب سے آخر میں کھیر کی پلیٹ تھیں۔ دلفریب کے ہاتھ میں بھی غضب کا ذائقہ تھا لیکن اس وقت کھانے کی خوشبو سے اسے صاف لگ رہا تھا کہ یہ دعا نے تیار کیا ہے۔ اشتہا نہ ہونے کے باوجود وہ خود کو تھوڑا سا بازو رکھ سکا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا نوالہ وہ نے اٹھا لیا تھا۔

کتنے دنوں سے وہ بے دلی سے چند لقمے زہر مار کر کے کھانے کی تبدیلی سے اکتا رہا تھا۔ آج عرصے بعد کام میں مصروف ہو کے ذائقہ سے اس قدر لطف اندوز ہوا کہ کھانے کا لطف بھی تیاہ ہو دل ہی دل میں دعا کا شکر گزار ہوا۔ اس کے ظاہر طلب میں بھی کتنی کمی کی ضرورت تھی جتنا بھی غبار تھا وہ ان دنوں میں دھو ہوتے ہوتے نظر آیا تھا۔ اس میں یقیناً کچھ عمل دخل کر دینے کی اس آخری نصیحت کا بھی تھا۔ جس میں اس نے دعا کے لیے شہزاد کو اپنا اس معاف کر لینے کی درخواست کی تھی۔

"مجھے اس سے جو بھی شکایتیں ہوں اپنے باپ کی لاڈلی سمجھ کے معاف کر دینا۔ اس کا خیال رکھنا۔ اسے میرے گھر سے رخصت کرنا۔ میری عزت اور شان سے بیاہنا۔ اس کی خیر کیسی کرتے رہنا۔"

"ضرور بابا۔ میں اسے بیاہوں گا۔ چالیسویں کے بعد چھوٹا بھائی کو کہہ کے اس کے سسرال والوں کو بلوا لیا۔ دعوت دل کا اور شادی کی قریب ترین تاریخ مقرر کر لیں گے۔ اسے پوری عزت اور شان و شوکت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کروں گا۔ یہ میری آپ کی خواہش تھی۔"

اس نے اس عزم کو دل میں دہرایا۔ اٹھنے میں فون کی گھنٹی نے اس کی توجہ بانٹ دی۔

"ہیلو۔ مختصر الف ۔۔۔ کہہ رہا ہوں۔"

"ہمہ ہمہ ہزاروں کل سرخاتم بول رہے ہیں۔"

دوسری جانب سے ایک سرد آواز نے اس کا ارادہ تو تابع تجمد کر کے رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ٹھیک ہے اب بھی کہتا ہوں کہ تم مجھے نمبروں میں خوبیات کر لیتے ہو۔" عصمت نے ایک اور کوشش کی لیکن وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔

"انہیں اس سے ہمہ خوبیات کریں گے اور اپنے طریقے سے کریں گے۔"

"تم کس طرح تو مجھے پسند نہیں۔"

"تمہارا خیال ہے ہم اس قسم کے سن سن کرتے ہوتے ورغلا سکیں گے کہ برائے سہولیاں ہماری بہن کی شادی شدہ زندگی بچا لو گے اور اس کے چار بچوں پر ترس کھاؤ اور اپنی کزن کو تمہارے ہوئی سے دور کر لو۔ ہم کی انتہا میں تم سے بہت لڑتی ہیں تم سے نہیں۔ تم ہو اس کی ایسی کی تیسی کر کے۔"

"یہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ بی خاتون کی گفتگو کا۔" عصمت کی ناپسندیدگی اس کے لہجے اور چہرے کے تاثرات سے واضح تھی۔

"اور ویسے بھی یہ صاف ظاہر ہے کہ تمہارا سمپن تمہاری ہمدردی میں اسے فون نہیں کر رہیں بلکہ تمہیں اس کی ایسی کی تیسی کرنے کا ایک اور موقع چاہیے اور بس۔ تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے یہ تمہاری بتا جانے۔ اتنی تیز خواہ ہوتی ہیں تم تو اسی دن مجھے بتا تیں جب بابا صاحب کو اس لڑکی کے ہمراہ دیکھا تھا لیکن تب تک تمہیں یہ بھروسہ تھا کہ وہ لڑکی شہزاد ملک کی کچھ لگتی ہے اور یہ کہ شہزاد کی اصلیت کیا ہے۔ تب اس سارے معاملے کا تم پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا اس لیے تم نے پرواہ نہیں کی اور اب چلی ہو خدائی فوجدار بن کے ایسا ایسے شخص پر چڑھائی کرنے جس کا اس سارے قصے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تعلق کیوں نہیں۔ وہ کزن ہے اس کی۔" عصمت کی ساری باتیں اسے بے زار و نہیں کر رہی تھی۔

"ہر شخص اپنے قول و فعل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ شہزاد نے اسے مشورہ نہیں دیا ہو گا کہ نکلے اور بے روزگار شوہر خدا جانے کس کے عشق میں مبتلا ہونے کا۔ کل اور آج پہلے ہی اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے اب اتنی بات ہے۔ اس کے باپ کو مرے دن ہی گنتے ہوتے ہیں۔"

"ہمہ ہمہ ہزاروں کل سرخاتم بول رہے ہیں۔" عصمت کی بات کو نظر انداز کر کے ہی کوشش کی پر ہی تو شہزاد کو کال کر کے رہی اور اب اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے اپنا مقصد پورا کر رہی تھی۔ عصمت اس کی ڈھٹائی پر تاسف سے سر ہلاتا اور جلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ دونوں اس وقت عصمت کے کمرے میں تھے۔

دوسری جانب چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید وہ اس کل کا تاثر غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

"اس لیے ہی کہا تھا عصمت کہ معاملہ ہے۔" ذرا سنبھل کے شہزاد ملک نے تنکے نیچے اور سر سری سے تاثر میں کھل کے کانٹے جاتے ہوئے بیچارہ کل مرکر۔ اب بہت بری طرح کھل۔ وہ اب بھی توقع کر رہی تھی کہ اتنا سب ہونے کے بعد آج بھی وہ اس کی آواز سنتے ہی اس کی اصیل پر کھلا اس کی کیفیت کا کا دہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے جی بھر کے شرمندہ کرنے کی لیکن اس کی امید کے برعکس فیاضانہ سرد مہری کا رخ تھا۔

"خدمت خلق کا شوق ہے آپ کے خاندان نے لے رکھا ہے مسٹر ملک؟" اس نے چاچا کہہ کر۔

"کیا بات ہے عصمت محترمہ آپ کچھ مرعوب سی ہو رہی ہیں۔ تو دیکھ رہی ہوں گی کہ یہاں صرف کہہ رہا ہے بے مقصد گفتگو کرنے کا۔ کسی کے پاس وقت ہے نہ حوصلہ۔" اس نے تحمل آمیز تبدیلی کے ساتھ کہا۔ کل عمر کی آواز سنتے ہی اسے خوش فہمی کی پیدا ہوئی تھی کہ شاید وہ اس کے والد کی تعزیت کے لیے فون کر رہی ہے۔ وہ بھی کچھ بدلی ہوئی بہر حال بیزاری تھی کوئی تیر نہیں لیکن اس کا جاہ کا انداز اس کی بھوت بھی ظاہر تھا۔

"اور دوسروں کی ذمہ داریوں میں ٹانگ اڑانے کا وقت بھی آپ کے پاس وافر مقدار میں ہے اور آنکھوں میں اصل جھوٹ کا ہو سکتا بھی خاصا ہے اور یہ کام آپ نے اپنی خاندانی مستقل انداز میں کر رہے ہیں۔ لیکن ایک بات تو بتائیے اپنے اپنے ہو آزادانہ کے لیے آپ سب کو اور کا گھرانہ ہی ملا تھا؟"

"اس مطلب؟" عصمت کو ہی ہوتی ہیں آپ محترمہ۔ کل کے بات کریں۔ ہی چونکا۔

"کل کے آپ سامنے آ رہے ہیں۔ جب اپنا مقصد پورا نہیں ہوا تو اپنی ناکامی کی جھنجلاہٹ نکالنے کے لیے اپنی اس نادان کزن کو ہمارے بھائی صاحب کے پیچھے لگا دیا تاکہ ہماری بہن کا بسا بسایا گھر اجڑ جائے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" شہزاد ملک کے اعصاب تن گئے تھے۔ بہت جذبہ کر کے اس نے

اپنے اندر اتنے طیش کے باوجود کل کو رکا۔

"انکل ۔۔۔ اور آپ بھی معاف کر رہے ہیں کہ اس لڑکے کی لڑکی کو اس کی اصلیت بتائیں اسے یاد دلائیں کہ وہ کیا ہے اور کس سے مقابل آ جاؤ رہی ہے۔ میں تو یہ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ جب اس محلوں میں کانے والی کو ایک سے ایک نخرا پر ستار بھی میسر ہے اور خریدار بھی تو وہ کیا سوچ کر ہمارے ہوٹل پر جا پہنچی۔ ایک بات تو حلفیہ کہتا ہوں کہ یقیناً "آپ نے ہی انکلوں کی نیت سے ۔۔۔ ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے اور اب آپ ہی اس کے قدم آگے بڑھنے سے روکیں گے ورنہ ۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید زہر اگلتی "عصمی" کی برداشت کی حد ختم ہو گئی اور اس نے آگے بڑھ کے گل کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو! ۔۔۔ ہیلو شہزاد صاحب۔" عصمی نے مخاطب کیا۔ دوسری جانب سے کوئی آواز نہ آئی۔ شہزاد اب تک اس انکشاف کی وجہ سے عالم حیرت میں تھا۔ وہ ہاہوں شکل ہوا اس کے سامنے اپنے کردار کے ساتھ آپ کا "یاد دہانی" کا ہونے والا شوہر ہے! یہ حقیقت اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ گل کی باتوں کی گہرائی میں جانا بہت دور کی بات تھی۔

"میں عصمی علی خان بول رہا ہوں شہزاد صاحب۔" عصمی نے اپنا تعارف کرایا۔ "گل میرا پالتو اور صاحبزادہ نہیں علی خان کا بیٹا ہے۔"

"عصمی۔" ایک گہری سانس بھر کے لاوے خیالوں سے باہر نکلا اور بے بسی سے ریسیور کو تکنے لگا جس میں آتی تو اور بیرا بھی اور نہ جانے کتنا زہر اگلنا چاہتی تھیں اس کی سماعتیں ۔۔۔

"کہیے عصمی صاحب! کہہ ڈالیے آپ بھی جو کہنا چاہیں جو کسر آپ کی کزن کی جانب سے باقی رہ گئی ہے وہ آپ پوری کر لیجیے۔"

"آپ کے والد صاحب کی اچانک وفات پر بہت افسوس ہوا۔"

خالصتاً توقع کے دوسری جانب سے تعزیت کا اظہار ہوا تو شہزاد چپ سا ہو گیا۔ گل میری آسانیاں اور اشتعال انگیز گفتگو کے درمیان کے طور پر اس کے اندر جو ابال اٹھنا شروع ہوئے تھے ان کے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ بلکہ گل عصمی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اور اس سے بھی زیادہ افسوس مجھے اس بات پر ہو رہا ہے کہ مجھے اس وقت آپ کے پاس تعزیت کے لیے آنے کی بجائے اس تکلیف دہ موضوع پر بات کرنا پڑ رہی ہے۔ لیکن یقین جانیے شہزاد صاحب! مجھے اتنا گمبھیر ہونا نہیں آتا جتنا آپ کو ہضم ہو رہا ہے کیونکہ میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کس دور سے گزر رہے ہیں۔ آپ بھی سمجھیے کہ میں کوشش کیجیے کہ اتنی سنجیدہ تعزیت کی بات کو میں ٹال نہیں سکتا تھا۔ میری کزن کی آندھی اور اس کے چور بچوں کے مشکل کا سوال ہے۔"

"کیا میں گل میرے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟" عصمی کی سماعت سے کئی باتیں نے شہزاد کے اندر دبکے لاوے کو کیسر ٹھنڈا کر دو ورنہ گل میرے تو اسے بھڑکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اب وہ بھی فکر مندی سے اس مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ اتنی مسائل اور درد مندی کی جانتے ہوئے بھی وہ میری عورت کے لیے اپنے گھر میں آگ لگا سکتی ہے۔ کیا وہ اس حد تک بدل گئی ہے؟ ۔۔۔ کیا وہ اس کا مکروہ سراپا ہے جو وہ آج گل دیکھ رہا ہے!

"جی ہاں! ۔۔۔ یہ محض شک نہیں ہے۔ میں خود اس کی تصدیق کرتا ہوں اور باہر بھائی صاحب بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ اپنا ذاتی گلہ کاٹ دے چند روز تک شادی کرنے والے ہیں۔ چلیں! آپ کی کزن شادی کے بعد انہیں نے کر جیسا ملکہ مشن ہونا چاہتی ہیں۔"

"میری کزن! آپ کے منگیتر؟" اس نے الٹا سوال کیا۔ "دیکھیے میں یہ سمجھا ہوں کہ وعا میرا مطلب ہے جسے آپ

ادا کے نام سے جانتے ہیں وہ میری قریبی عزیزہ ہے لیکن ہمارے آپس کے تعلقات اس نوعیت کے نہیں ہیں۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ مجھے چند ہفتے قبل اس کی منگنی کی اطلاع ضرور ملی تھی تقریب پر نہیں جانا تھا کہ اس کی منگنی آخر ہوئی کس سے؟ اس کے بارے میں نہ تو کچھ جانتا ہوں نہ اس کی شیاہ ایک بات تو حلفیہ کہتا ہوں کہ یقیناً "وہ آپ کے منگنی کے ارتقاء پر اس شادی پر تیار ہوئی ہوگی۔ اس کا تعلق ضرور کسی سے ضرور ہے لیکن وہ ایک معزز اور باشعور لڑکی ہے کہ اس کا اندازہ آپ کو اس سے ملنے کے بعد آسانی ہو سکتا ہے۔ ان طرح جیسے کہ پارسائیوں شکل ہے ایک ہی ملاقات کے بعد مجھے ہوا تھا۔ اس مختصر سے تعارف نے اس کی ساری اصلیت مجھ پر کھول دی تھی۔"

"آپ ان سے مل چکے ہیں؟" عصمی کو حیرت ہوئی۔ "لیکن ابھی آپ نے خود کہا کہ آپ نہیں جانتے" آپ کی کزن کی منگنی کس شخص سے ہوئی ہے۔"

"میں نے عملاً نہیں کہا تھا۔ اگر میں واقعی جانتا ہوتا تو فوج آپ کو فون کرنے کی زحمت نہ کرتا پڑتی۔ میں کب کا یہ معاملہ رفع دفع کر چکا ہوتا کیونکہ سر حال وہ میری بھتیجی زاد ہے اور میرے مرحوم والد کی بے حد عزیز بھانجی ۔۔۔ اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہوتے دیکھنا بھی برداشت نہیں ہو سکا۔"

"آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟" وہ الجھ سا گیا۔ دوسری طرف گل بھی بار بار سے ریسیور واپس کرنے کے اشارے کر رہی تھی۔

"دیکھیے یہ تو طے ہے کہ وعا یا تو یہ جانتی نہیں ہوگی کہ وہ شخص شادی شدہ اور چار بچوں کا باپ ہے یا پھر اس فریب انسان نے یقیناً "کچھ نہ کچھ بول کے اسے پھسلایا ہوگا۔ دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے فن کا وہ ماہر ہے اور کمال یہ ہے کہ اتنے سالوں میں بھی آپ اس کے اس ہنر کی بھنک نہیں سن سکے۔"

اس کا لہجہ خود بخود سنجیدہ اور تو کیا ہوتا جا رہا تھا۔

"آپ سے اس امید پر بات کرنا چاہتا تھا کہ شاید آپ معاملہ سنبھال لیں لیکن آپ تو الٹا بھائی صاحب پر سارا بار ڈال رہے ہیں۔" عصمی کے لہجے میں بھی کچھ ان کے رویے سے واقف ہونے کا اعلان ۔۔۔"

"میں اسے جانتا ہوں ۔۔۔ اس نے اپنا تعارف خود کرایا تھا۔" شہزاد ملک نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"پہلے ایک ٹیلی میلو کے طور پر ۔۔۔ بعد میں نواب صاحب کے بیٹے داماد کے طور پر۔"

"ٹیلی میلو؟"

"جی ہاں! کہ کیا وہ ہوگا جس روز میں اپنے والدین کے ہمراہ آپ کے ہاں آیا تھا اس وقت اچانک ایک فون کال آ جانے کی وجہ سے مجھے اور میں سے الجھ کے جانا پڑا تھا۔"

"جی ہاں!" اسے فوراً یاد آ گیا۔

"وہ اچانک کال آپ کے اس سہیلی نے کی تھی۔ اس وقت اس نے اپنا تعارف کرائے بغیر مجھے زہر کی پارک میں صرف یہ کہہ کر بلایا تھا کہ اسے مجھ سے ضروری بات کرنی ہے اور یہ کہ میرے رشتہ کے طے ہوتے یا نہ ہونے کا سارا دارومدار اس ضروری بات پر ہے۔ اس وجہ سے میں بھرتی کھٹل سے اٹھنے پر مجبور ہوا تھا اور ملنے پر اس نے مجھے بتا کہ وہ میری اصلیت سے واقف ہے اور اگر میں اس کے مطالبات پورے نہیں کروں گا تو وہ میرا راز نواب صاحب کے سامنے کھول دے گا۔ میں نے اس کی دھمکی کو کیونکہ بچکانہ جان کے نظر انداز کرنا چاہا تو مجبوراً "اسے یہ ظاہر کرنا پڑا کہ وہ باہر ہوا ہوں ۔۔۔ عصمی ۔۔۔ صاحبزادہ نہیں علی خان کا بیٹا ہوں۔"

"کیا؟" ۔۔۔ "عصمی" کے لیے یہ انکشاف تکلیف دہ تھا۔ گل سر حیرت سے اس کے چہرے کے ہر بدلتے تاثرات سے معاملہ کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا ہاں اور سچ تو یہ ہے کہ اسی وجہ سے میں بھی ڈر گیا تھا کہ کہیں نواب صاحب کسی ایرے غیرے کی بات کا چاہے یقین نہ کرتے مگر اپنے بالکا کو ہرنال کر لیتے۔ اسی لیے میں نے اس کا مطالبہ مان لیا۔ یہ الگ بات کہ وہ حالیہ ہی آئے نہ بچ سکا۔ نواب صاحب نے خود ہی سب" وہ اچانک چپ ہو گیا۔ شاید بہت سی تکلیف دہ باتیں یاد آ گئی تھیں۔

"خیر سب تک آپ کے قابل عزت بھائی مجھ سے چند ہزار تو ضرور ہی ہتھیا چکے تھے اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص اپنے خاندان کی عزت کی پروا نہ کرتا ہو اس میں سے بھی مال کا کچھ اینٹھنے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر وہ جوا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی اور لڑکی کو دھوکا نہیں دے سکتا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خود ہی کا کو سنا بچنے کر ہمارے جا رہا ہو اپنے کچھ نیا زر مقاصد کے حصول کے لیے؟۔۔۔ اب میں یہ سمجھا کہ میرے بارے میں اتنی باتیں اسے کہاں سے پتہ چلیں۔۔۔ چلیں اگر وہ اپنے باتوں میں بتا دیا ہو کہ وہ آنے میں میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو لیکن میں اسے سکوں میں کرنے نہیں دوں گا۔ آپ میری جانب سے اپنے چچا حضور نواب صاحب کو ایک پیغام دیجیے گا کہ انہوں نے بے شک اپنی بھی نسب صاحبزادی کا ہاتھ ایک کمزور اور ضعیف کردار کے مالک شخص کے ہاتھ میں دے دیا ہو لیکن میں اپنی کرن کو ایسے ہو کے بارے میں جانے کے رہوں گا۔ ہرجاں میں۔"

"کیا ہوا؟۔۔۔ کون سے کھاتے کھولنے بیٹھ گئے ہو۔" اچانک ہی عصمت ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا تو کسی نے اسے جھنجھوڑ کے پوچھا۔

عصمت نے چونک کر ریسیور کو رکھا۔ شہزاد کب کا فون رکھ چکا تھا۔ اس نے بھی کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

"کیا ہوا؟ کون سا خبر چونکہ شہزاد اور تمہارے کانوں میں جو ترنم بنے کھڑے تھے۔" گل نے چڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔ اسے ویسے بھی اس بات کا غصہ تھا کہ عصمت نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اس سے ریسیور چھین لیا تھا اور تب سے اس کے ساتھ ایسے اکھڑ اور عاجزی سے بات کر رہا تھا جیسے رشتہ طلب کر رہا ہو۔

"جواب میں اس سے دے رہے؟"

گل کی آواز عصمت کو بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔ اس نے اپنے سنتاتے ہوئے کانوں پہ ہاتھ پھیرا۔ ان کی تو کیں دہک رہی تھیں۔ ماتھے پہ پسینہ آ چکا تھا۔

"جواب دینے کے قابل ہی کہاں رہا۔" اس نے خالی خالی آنکھوں سے گل کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"جواب تو اس نے دیا ہے۔"

"کیسا جواب؟"

"چچا حضور کے زعم اور تمہارے گھمنڈ کا جواب۔" عصمت نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ لہجے اس کے لہجے میں اور اس کی نظروں میں کیا تھا جو گل سر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی تک میں ایک سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی۔

"اور میری قسمت۔۔۔ کہ یہ جواب مجھے سننا پڑا۔ شرم سے مانی پانی بھی مجھے ہونا پڑا۔"

● ● ●

یہ کیسی فضا ہے
کہ جس میں سانس لو تو
دھواں سا اندر اتر جائے
یہ کیسا ماحول ہے
کہ جس نظر اٹھاؤ
وہ منظر نظر سے اتر جائے

یہ کیسی چھت ہے
جس کے نیچے
دریچے دلوں میں اتر جائے
یہ کیسی اشیا ہے
جس پہ دستک دھرو تو
چٹخ کے دل میں اتر جائے

اجالے اندر داخل ہوتے ہی بے پناہ تبدیلیاں اور گھٹن محسوس کی۔

اتنی زہریلی بھٹی اسے کبھی ایک کمرے والے بیچنے ہوئی تھی چھت پلستر اکھڑی دیواروں والے ایک شاہراہ کے گھر میں بھی نہیں محسوس ہوئی تھی جہاں اس نے آنکھ کھولی۔ جہاں اس نے ہوش سنبھالا۔ اور جہاں اس نے شعور کی پہلی منزلیں طے کیں۔

لمبی سحر آزار اور تھکی تھکی منزلیں۔

اور اس گھر میں آنے کے بعد اس نے سوچا تھا شاید گھٹن اب کم ہو جائے۔ آرام کا ماحول بھی تو اثر انداز ہو آسودگی مزاج پر۔ مگر کہاں وہ سکون۔ وہ استغنی گندے کنڈے پر چڑھ مرنے کا گھر جہاں باہر گندی نالیوں کی بدبو تھی تو گھر کے اندر آپا کی سستی دیسی شراب کی مہک۔ حالات بہتر ہوتے ہی اس نے اچھے خاصے فلیٹ پہ اس صاف ستھرے متوسط علاقے میں سے سنگل بنگلہ حاصل کیا جو اس کے اور آپا کی ضرورت کے لحاظ سے بہت تھا۔ اپنے ذوق اور تجربے کے مطابق اس نے اس کی منصوبہ بندی کی تھی اور اس گھر کی ہیئت کے پیچھے گزاری جانے والی پہلی رات کی اذیت ساعت کو اس نے سوچا تھا۔

"میرا اپنا گھر۔۔۔ میری اپنی چھت۔۔۔ میری اپنی زمین۔"

اس نے مسرور ہونا چاہا تھا۔

اپنی محنت کے ثمر میں حاصل کی گئی کامیابی پہ مسرور ہونا چاہا تھا۔

اپنی اس محنت پہ نازاں ہونا چاہا تھا جو اس نے اپنی ہمت اور محنت کے بل بوتے پہ کمائی تھی۔

مسرور ہونا تو درکنار اسے تو محسوس کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔ وہ تو اطمینان بھرا ایک سانس تک نہ لے سکی۔ وہ ساری رات اس نے کھلی پلکوں کے ساتھ چھت کو تکتے گزار دی تھی۔

اس چھت کو جو بقول اس کے اس کی اپنی تھی۔

مگر وہی چھت خواب ساری رات اسے تنگ و تیر کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

دیواریں جن سے اس نے تحفظ حاصل کرنا چاہا تھا وہی دیواریں چاروں جانب سے تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

کمرے کی دہلیز کھڑی ہوئی تھی اور کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹہلتے ٹہلتے اس نے صبح کر دی تھی۔ اس پہلی رات کے بعد اس نے ٹریکولائزر استعمال کرنا شروع کر دیے تھے۔ اپنی ہی چھت اور اپنی ہی دیواروں سے قدرے خوف کو خود پہ حاوی ہونے سے بچانے کے لیے۔

اور صبح عرصے بعد وہ اتنی گھٹن اور بے چینی کا شکار ہو رہی تھی۔

کتنے ہی دن بعد اس نے اس کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ بند دروازوں اور کھڑکیوں کے پیچھے ہوا ایک مخصوص سیلی سیلی سی مہک پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ گھٹن تھی۔ یہ ایک الگ سی احساس تھا جو اس سے سوا تھا۔

اس نے وحشت بھرے عالم میں سوچ کر پردے ہٹا دیے تھا۔ کمرے کے سارے ٹن نیچے کیے۔ لاؤنج روم کی ساری

ٹیوب لائٹس چھت پہ لگا فانوس اور دیوار پہ لگے آئل پینٹنگز کے نکھرے رنگ سونے پہ سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔ جو فل اسپیڈ سے چلتے پنکھے کی ہوا سے ہلکے ہلکے جھول رہی تھی۔

شیشے کی ٹاپ والی میز اور ڈائننگ ٹیبل پہ پڑی گرد کی موٹی تہہ بھی اس ہوا سے اڑ کے چاروں اور پھیل گئی۔ بھائی کو وحشت اور بھی بڑھ گئی۔

وہ خوفزدہ نگاہوں سے صوفے پہ پڑی ہوئی سفید چادر کو دیکھ رہی تھی۔

"اوہ اصل میں گرمی آتا ہے نہ۔"

اللہ وسایا اندر آیا اور فل اسپیڈ سے چلتے پنکھوں کی ہوا سے گھبرا کے سوئچ بورڈ کی طرف بھاگا۔

"ہوئے ہوئے۔ بڑی غلطی ہے اے بھئی۔ پھر بھائی کا گھر بڑا گرم ہے۔ ادھر تو گلی جم جاتی ہے۔ سمبر آتے آتے۔ یہ لگے (دائیں بائیں) کھول دو اور گھر بھی تو نہیں۔ سیدھی غلطی ہوا اندر آتی ہے اور تو پنکھے چھوڑ کے کھڑی ہے۔"

"یہ۔۔۔" اس نے انگلی سے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ سفید چادر؟"

"اتنے پھیکے رنگ کا صوفہ لیا ہے تو نے۔ میں نے کتنے اتنے گوڑے گوڑے رنگ پسند کیے تھے پر تجھے کی پرنگ پسند تھا۔ بھئی بندہ تھکی ہوئی ہے تو رنگ میل خورا ہونا چاہیے۔ یہ اتنا ہلکا رنگ۔ ارے ہم لوگ اتنے دلوں کے لیے گھر سے جاتے ہیں بھائی پر تجھ کو گلوکن کرتا۔ اس لیے میں نے تجھی چادریں اوپر ڈال دیں۔"

اللہ وسایا نے تفصیل کے ساتھ اپنی اس کارکردگی کو بیان کیا۔

لیکن اگلے ہی لمحے وہ حیران رہ گیا جب اس نے رضا کو بے جانی انداز سے چھت کو صوفے سے چار لوٹتے ہوئے دیکھا۔

"زہر لگتا ہے مجھے یہ سفید رنگ۔"

اب وہ چادر پرے پھینک کر اسے نفرت اور بیزاری سے دیکھ رہی تھی۔

"ہلکے سارے ہلکے رنگ۔ زہر لگتے ہیں مجھے۔"

"ہر رنگ تو پسند ہے ہلکے۔" وہ بڑبڑاتے رہ گیا جو شانے جھٹک کے کمرے کے لاک کھولنے لگی۔

"کاش میں نے اپنی پسند سے اس گھر کی چیزیں لی ہوتیں۔" اس نے ٹرک کے چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے سوچا۔

ہر چیز اس کے ذہن کی آئینہ دار تھی۔ اشیاء آراستہ تھیں۔

اس بیڈ روم اور ایک کشادہ لونگ روم والے بنگلے کو اس نے زیادہ نہیں بھرا تھا۔ بیڈ روم میں ضروری چیزیں سلیقے سے سجی تھیں البتہ لونگ روم کو اس نے کسی قدر آراستہ و پیراستہ ضرور کیا تھا مگر اپنے جیسے مزاج کے ہم آہنگ رکھتے ہوئے۔

سفید چنبیلی والی دیواریں سفید ہی دروازے۔

اس کے بیڈ روم کی چھت پہ سفید رنگ میں آسمانی رنگ کی ہلکی سی نیلاہٹ گھلی تھی۔ اور دیواروں کی سفیدی میں سدھم گلابی رنگ کی آمیزش تھی۔ بلکہ لونگ روم مکمل سفید تھا۔

جس کو نئے پیٹرنگ ٹیبل رنگی تھی وہاں صارفل کا فرش بچھا کر رکھا تھا۔ اس نے وہی نوادل کارپٹ نہیں بچھائے تھے۔ بیڈ کے دروازے سے اندر آنے والی راہداری بھی سادہ تھی۔ صرف لونگ روم کے اس حصے میں جہاں نشست گرے صوفے رکھا ہوا تھا وہاں ڈارک گرے اور سلور کلر کا ویز قالین بچھا تھا۔ پردے سفید تھے جن پہ گرے پھولی ہوئے تھے۔ جو ایک کرسٹل کے شوپیس۔

چھت پہ لگا خوب صورت مگر سادہ سا فانوس۔

دائیں جانب قدِ آدم سلور جیل لگا ہے۔

اس میں دیوار کے اوپر آویزاں تجریدی آرٹ کا ایک نمونہ پارہ۔ جس پہ نیلی سیاہ دائروں سے نمودار ہوتی ایک وحشیانہ شبیہہ ماحول کو اور بوجھل کر رہی تھی۔

بس یہ تھی اس کی کل آرائش۔

اور اسے دیکھ دیکھ کے اب رضا کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ابا کی پسند کو ترجیح کیوں نہ دی۔

شاید چیخنے چلانے والے شوخ رنگ ہی یہاں کا تھی ماحول بدل پاتے۔ آنکھیں چبھو کر دینے والی جگمگاہٹیں اندھیرے میں کھو جانے والی جھلملاہٹیں۔ کچھ تو ہوتا۔ بس نہ ہوتا یہ افسردہ ماحول۔ یہ سفیدی کی آمیزش لپٹا لپٹا ماحول۔

اس نے ایک گہرا سانس بھر کے اپنے اندر کسی اپنائیت کے احساس کو جگانا چاہا مگر ناکام رہی۔

یہ فضا پھر بھی نہیں اکتا رہی تھی۔ کثیف نہیں تھی۔ اجنبی تھی۔

دو گھنٹے گھنٹے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور ایک بار پھر اسے شدت کے ساتھ وہ رات یاد آ گئی۔

وہ پہلی رات۔ جو اس نے اس گھر میں اس کمرے کی چھت کے نیچے گزاری تھی۔

اس کے ہاتھ بے ساختہ بلب کی سائیڈ ٹیبل تک بڑھے جہاں سرد روشنی کی گولیاں اور نیکوٹائزر وغیرہ موجود رہتے تھے مگر اس کا ہاتھ خالی دراز کو ٹٹولتا ہوا واپس آ گیا۔

"اوہ یہ تو ہسپتال ہوتے ختم ہو چکے ہیں۔ یاد تھا ابا جی کے پاس جانے سے بھی پہلے منگوا لینے چاہئیں۔"

اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ اتنے دن ایک پرائی چھت کے نیچے اسے ان مسکن دواؤں کی بھی ضرورت نہ محسوس ہوئی تھی۔

وہ حیران رہ گئی۔

"وہ چھت پرائی کب تھی۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"وہ چھت تو گھر تھا۔۔۔ چھاتی کا۔۔۔ جس کی ذات سے میں ہمیشہ تحفظ کی طلبگار رہی۔ وہ چھت جو میرے لیے بذات خود ایک چھت کے مانند رہی ہے۔ ان کے گھر میں رہنا۔۔۔ ان کے ساتھ ایک چھت کے نیچے اپنی بے ثباتیاں بتانا۔۔۔ کتنی بڑی عیاشی ہے یہ بھی۔ جو میں نے اتنے دن تک کی۔"

وہ خود ہی اپنے اس خیال پہ مسکرا اٹھی۔

یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو گزشتہ پندرہ بیس دنوں میں اس کے ہونٹوں کو چھو پائی تھی۔

"اے چھاتی۔ آپ کو تو آپ صرف ماں ہی لگتی ہے۔" اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

"آپ کا ماں کو ٹاتی اثر اتنا گہرا ہے۔ آپ ساں پہلی لڑکی کو اکیلا دھواں لگ گیا ہے۔ شاید پہ دھرا تاریخ دوہرا خود تجربہ کی اثر کیا ہے۔"

اس نے تصور میں بھاگ سے آتے ان کے سراپے کو بانہیں بند کر کے اپنی بانہوں میں محفوظ کر لیا اور تکیے پہ سر رکھ کے لیٹ گئی۔

"کیسے ہو آپ چھاتی۔ کتنے عجیب۔ کبھی تو میں پر اپنے ہو۔ کبھی غیر میں ون کرتے ہو۔"

اسے اپنے بند پلکوں پہ نیند کا دھیما دھیما بوجھ محسوس ہونے لگا۔

"اب بھی آپ کو سوچنا اتنا اچھا لگتا ہے۔ اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا آج سے سات آٹھ سال پہلے لگا کرتا تھا جب میں آپ کو سوچ بھی نہیں پاتی تھی اور ڈرتی بھی جاتی تھی کہ کہیں سوچ کوئی میرے چہرے سے پڑھ تو نہیں لیا۔"

اس نے ڈھیلے ہوتے ہوئے دیوار کی نیند تو ہوتے ہوئے اور اپنے تکیے پہ بکھرے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرنے لگی۔

"جیسے دن تھے ویسی ہی اور کہیں راتیں بھی کہری کہری راتیں ۔۔۔ کوئی نیند دن کے بیچ خواب ۔۔۔ جن کے رنگ البتہ پوچھیں نکلے ۔۔۔ یہ رنگ تو مت پکا نکلا بھائی ۔۔۔ جب میں آپ نے مجھے رنگ دیا۔ آنسوؤں سے دھو دھو کے تھک گئی میں تو مگر میرے سر کی چوری سے آپ کا رنگ اترتا نہیں۔"

بھائی اس کا بالوں میں پھر ہاتھ تھم گیا۔

اس کے بدن پر نوں پر خفیف سی لرزش پیدا ہوئی اور ساتھ ہی پیشانی پر ایک ہلکی سی ناگوار شکن۔

شاید بالوں میں کچھ الجھ گیا تھا۔

اس نے دوسرے ہاتھ کی عدسے بالوں کو کھینچ کے نکالا اور پہلا ہاتھ چہرے کے آگے لاتے ہوئے ذرا سی آنکھیں کھول کے دیکھنا چاہا۔

اس کی آنکھیں پوری کھل نہیں۔

سامنے بس کلائیوں ہاتھ تھا۔

اور اس ہاتھ کی تیسری انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جس میں اس کھیل کھیل میں گئے تھے۔ اب بھی اس انگوٹھی میں بڑی بل اٹھے ہوئے تھے جو چھڑوانے کی کوشش میں ٹوٹ گئے تھے۔

یہ انگوٹھی جو باہر ہوئیں مغل نے بڑے استحقاق کے ساتھ اسے پہنائی تھی۔

یہ انگوٹھی بہت پھوہڑ دار تھی ساتھ ساتھ اسے خبر بھی کر رہی تھی۔

"تمہاری بندیں تمہاری ہے خوابیاں ۔۔۔ سب کچھ اب تمہارے ہے۔"

اس کے دل میں یہ بھی آئیند کا کانٹا سرور اور کہی عمری محبت کا خار بھک سے اتر گیا۔

وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی تھی اس نے جھنجھلا کے انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔

"اسے پہننے کے لیے مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔ جواب میں اس طرح احتجاج کر رہی ہوں۔ بند گلی میں بھٹکنے سے بہتر ہے کہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کر لیا جائے۔ یہ میرا ہی فیصلہ تھا نا ۔۔۔ اسے کیوں بدلوں؟ جب دوسری کوئی اس کی جگہ نہیں ۔۔۔ کوئی سہارا بھی نہیں۔

بس بھائی میری محبت ہیں۔ لیکن محبت کی طلب ہوتی ہے اور بدلے کی طلب عزت بھائی کی محبت نے میرے دل کو بھیگے کتنے ہی رنگ لگائے ہوں لیکن میرے ذات کو بیچ کے ہی اگائے ہیں۔ مجھے اپنی خود پسندی کی ایڑیوں تلے روند روند کے مٹی کر دیا انہوں نے۔ باہر صاحب میری محبت نہ سہی ۔۔۔ مگر میرے لیے ایک سہارا تو ہیں۔

شہزاد بہت بھرا گھر میں داخل ہوا تھا۔

کتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد وہ آج آفس گیا تھا اور سب کام جاری رہنے کے باوجود اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی غیر موجودگی میں کاموں کا ڈھیر اتار لیا ہو جو کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس کا اسٹاف بہت پیشہ ور اور کتنی تھا کہ بات یہ تھی کہ خود شہزاد ملک تک کے بیٹھنے والوں میں سے نہ تھا۔ اسے ہر کام اپنی نگرانی میں بہتر اور چوبیس گھنٹے ہوئے ادارے کی ملازمت تھی۔

باقی سب کام کرنے کی بات تھی اسے۔

مرکز کے ساتھ اسکو بس صرف دستخط ہی تھے کرنا تھا بعض اوقات پورا پورا سکرین پلے خود ترتیب دیا کرتا۔

ایڈیٹنگ ٹیبل پر پڑے پڑے ساتھ بیٹھ کے ہر پراجیکٹ پر نظر رکھنا بھی اس کے معمول کا حصہ تھا۔

خوف تھا کہ دوران سیٹ پر نگاہ دوڑ کر بھی اس کی عادت تھی۔

اسے دن گھر بار اور باپ کی ناگہانی جدائی کے گہرے احساس نے اسے یہ بات زیادہ نہ کھلی لیکن آج آفس جانے کے بعد محسوس ہوا کہ اتنے دن تک وہ کیا چیز مس کر رہا تھا۔

وہ چیز تھی سکون تھک محنت اور اپنے کام میں ڈوب جانا۔

ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ وہ گزرے دنوں کی لیاری بھلا کے اپنے کام میں بہت گیا۔ اسٹاف کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ پچھلی سے پیدا ہونے والی چند رکاوٹوں کو دور کیا۔ نئے والے پروجیکٹ کے لیے لائحہ عمل تشکیل دیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے آج وہ معمول سے زیادہ وقت آفس میں گزارے گا۔ لیکن ہوا کیا؟ ۔۔۔ آج وہ مقررہ وقت سے دو گھنٹے قبل ہی گھر پر موجود تھا۔

دوپہر سارا کا سارا مرحوم تھا مگر مہرے فون کالے اور اس فون کال میں کیے اس کے انکشاف کے۔

اس کے گھر کے کھلے ظرف میں آپ آپ کے کیے اس کی نازانی پھوٹ گئے تھے اب وہ اپنے اندر کسی بھی کام کے اعتکاف سے کرنے کی ہمت پا رہا تھا۔

اگرچہ اس نے کل مہرے کے چچا زاد عصیم کو بتایا "جا رہا ہے" کھری سنائی تھیں۔ لیکن پھر اس ۔۔۔ نہ نکل سکی۔ بہرحال وہ سوری والی کا بار بھاری تھا۔

ان کا کھلی اظہار اس کی نظریں جھکانے کو کافی تھا۔

"تمہاری ناراری کرنے ہمارے شادی شدہ ہونے کو چھپانے کر رہی ہیں کا گھر تباہ کر رہی ہے۔"

اگر وہ اس "شادی شدہ" معمولی کی اصلیت بڑی حد تک اس کے سامنے کھول دیتا تھا تو شاید وہ کے حوالے سے دل میں کھٹک پیدا ہو گئی تھی۔

"ایسا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس شخص کے شادی شدہ ہونے سے انجان ہو بلکہ چھپا رہا تھا کہ پھر شاید سارا سراسر اس کی ذاتی پسند ہے ۔۔۔ کیسی بدذاق تو تھیں تم لڑکی ۔۔۔ یہ کیا پسند کر بیٹھیں ۔۔۔ مرا مرکھا ہے؟ موٹا؟"

اس نے محسوس تک نہ کیا کہ بے ساختگی میں اسے سوچتے ہوئے بڑے عرصے بعد اماں کی کہہ گیا تھا۔ وہ بس اپنے خیال کی کھوں اس پہ کھولنے کو بے تاب تھا۔

"کوئی جلدی آ گیا ہے؟"

بانو نے دھیان میں کہرے سے ہیٹھے تو ہوں سے نکل رہی تھی کہ اسے سامنے داخل ہوتے دیکھ کے گڑبڑا کے کہہ اٹھی۔ پھر شاید اسے اچانک کسی بات کی خفگی کا احساس ہوا تو دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتی چہرے پہ مسکراہٹ لا کے کہنے لگی۔

"ہم کہہ رہے ۔۔۔ بسم اللہ تیرے جلدی آ گیا میرا شہزادہ۔"

"دعا کرو ہے؟"

وہ اندر عجلت کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا جیسے وہ کہیں چھپی تھی تو اور ڈھونڈ نکالنے پہ وہ اسے پکڑ لینے والا ہو۔

"جانے کیا ہے! میں آپ بتاتی ہوں۔ کہتے ہوں نے چولہے کے قریب ہیں بیٹھی ہیں ۔۔۔"

"وہ ہے ہاں؟"

شہزاد نے کھردرے لہجے میں اس کی بات کاٹ کر اپنا سوال دہرایا۔

اس کے اکثر لہجے میں یہ خفگی تھی۔

کرم الٰہی کی وفات کے بعد اس نے اپنے بیٹے میں جو تبدیلیاں محسوس کی تھیں ان میں سے ایک اس کے لہجے کی نرم ہو جانا بھی تھی۔ دوسری بڑی تبدیلی یہ تھی کہ اب وہ بات بات پہ بھڑک نہیں جاتا تھا۔ لیکن آج وہ اتنا پرانا شہزاد لگ رہا تھا۔ اپنے سامنے کسی کی نہ سننے والا۔

بانو خاموش ہو گئی۔

"وہ چلی گئی۔"

"کیا؟"

"اپنے شوہر اور کمدھر؟"

"صحیح جواب کوئی ذکر نہیں ہوا۔"

اس کے لہجے لاتعلق تھیں بھلا کیسی۔

"بس اچانک ہی چل دی۔ واللہ وسائے نے بیچاری کو تنگ کر مارا تھا۔ ہر سوں سے پیچھے پڑا تھا کہ گھر واپس چلو۔ ہونہہ۔۔۔ شوہر کے کانشر لوٹ رہا ہو گا اب گھر نہیں جا رہا ہو گا۔ روٹی کا ٹوکا اور حرمی کا لقمہ۔ دیکھ جانے والی تھی۔ پھر بھی نے کہا جا چلی جا۔ سب تین دن بعد پھر آ جانا اور پھر چھتر۔۔۔ ہے۔۔۔"

اس نے اپنے مرحوم شوہر کی بیوی کے مخصوص انداز میں ہو کا بھرا۔

"تمہارا کیسی۔۔۔ کیا خیال ہے کہ اس کے ہونے سے میرے بیٹے کو بڑا حوصلہ تھا لیکن پرائی بیٹی پہ کیسا اور؟ ۔۔۔ اور میاں ہوتی ہوں تب بھی ایسے کوئی اور نہیں ہوتا تو تیزی پرائی ہوتی ہے۔"

وہ فلسفیانہ انداز میں سر ہلاتی بچن تک مڑ گئی۔ شاید شہزاد ملک کے لیے چائے بنانے۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ دعا کے بارے میں پوچھ رہا ہے تو ضرور جانے کی ہی طلب ہو رہی ہو گی۔

جس کی بیتی پروا نہیں تھی تک وہ دعا اس سے اتنا اہم اور پیچیدہ معاملہ کیا یہ بحث بنا جاتا۔ سو یہی سوچ کے شہزاد نے اس سے یہ ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ اسے دعا کے اچانک چلے جانے پہ رونے کے افسوس اور غصہ محسوس ہو رہا تھا۔

وہ ہر حال میں اس سے کھل کے بات کر کے یہ معاملہ کلیئر کرنا چاہتا تھا۔

اگر عادات سے بے خبر اور انجان ہے تو یہ اس کے ساتھ زیادتی ہو گی۔

اور اگر وہ بات سے باخبر اور سب کچھ جانتے ہوئے یہ کر رہی ہے تو یہ بات خود شہزاد ملک کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ اس کے نام کو بدنامی کی وجہ سے بنا لیک جائے۔۔۔ کوئی اس سے انگلی اٹھوے یہ اسے نامنظور تھا۔

دونوں صورتوں میں اصل مسئلہ دعا سے ہونا ضروری تھا۔ اور شہزاد ملک کو یہ سوچ سوچ کے وقت ہو رہی تھی کہ اب اسے بات کرنے کے لیے اس کے گھر تک جانا پڑے گا۔

"بیٹھ کے چائے۔"

شمیس نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھا اور خود بات بنتے ہوئے سامنے بیٹھ گئی۔

"خیر تم کہاں مر گئے تھے؟ کیا صورت تھی خود چائے بنانے کی؟"

اس نے ہنوز کھڑے ہوتے کہنے میں کہا لیکن سمتا کی ماری بانو نے اس میں بھی اپنے لیے خوش کن مفہوم تراش لیے۔

"ہائے ہائے تو اپنے پتر کے لیے اک پیالی چاء بنانے کیا میں گھس جاتی۔ تانہ میرے شہزادے تو بیمار کی اتنی فکر نہ کیا کر اور فیر میرا اب تیرے سوا اور رہا ہی کون ہے۔ اک تھا (چلا) پیٹھے بیٹھے قومیں جڑ جاؤں گی کچھ تو بیٹھے بیٹھے دے پتر جیتے کہ میں ابھی زندہ ہوں۔ زندگی ڈراسی بیٹھے جلنے کا ہے۔"

وہ کن تاثرات مشتمل قول نظر کرنے کے موڈ میں تھی لیکن شہزاد کا ذہن مسلسل اور ہر اوجھل رہا تھا۔

"دعا سے بات کرنے سے پہلے مجھے اپنے طور پہ ایک بار پھر اس فراڈ شخص کے بارے میں تفصیلات اکٹھا کرنی چاہئیں۔ اف سسسہ چائے ہے یا۔"

اپنے ذہن میں سوچتے سوچتے اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اس کی عدسے زیادہ تلخ محسوس کر کے ناگوار انداز میں کپ واپس رکھ دیا۔

وہ شاید ان لمحوں کے دوران ذائقے کا عادی ہو چکا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔"

اس نے اپنے اس خیال پہ اور بلند لعنت بھیجی یہ خیال ہی اس کی خود سرمایہ کاری ضرب کی مانند تھا کہ وہ اس عام سے وجود کا عادی ہو چلا ہے جسے نئی سیل پشتوں نے بڑی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا۔

"کہیں تمہیں کیا کوئی کمی ہے؟"

بانو باقاعدہ پریشان تھی۔

"میں کوئی اور بات سوچ رہا تھا۔"

وہ خفیف سا ہو گیا۔

"کیسی سوچ ہے جو تجھے کھوئی کھوئی چلتی ہے۔ میں نے بتایا ہے نا پتر اس کا پوچھ کھا رہا تھا کہ۔۔۔"

"میں نے کب کہا کہ میں دعا کے جانے کی وجہ سے سر کھپا رہا ہوں۔"

وہ بپھر کے اٹھا۔

"میری طرف سے وہ جہنم میں جائے اتنا فضول وقت نہیں ہے میرے پاس جو فضول لوگوں کے بارے میں سوچوں۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیوں پہ چڑھ گیا۔

اور بانو حیرت اور تاسف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیر تک اسی جانب تکتی رہی۔

☆ ☆ ☆

بہت ہی جھنجلائے ہوئے انداز میں اس نے اندر آتے ہی چادر اتاری تھی اور سب دونوں بیویوں کو نظر میں رگڑ کر سینڈلیں اتارتے ہوئے وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

سوتانے نکل سرکے ان تیوروں کو جانچتی نظروں سے دیکھا اور بلا تردد کو سوال کرنے سے نہ روک سکی۔

"یہ تمہیں کیا ہوا؟"

"اپنے منگیتر سے پوچھو۔"

اس نے ترخ کے جواب دیا اور ایک ہاتھ میں اپنی سینڈل لٹکاتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے چادر اور شالدر بیگ سمیٹتے ہوئے تنفس کے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

"کیا منگیتر سے پوچھو۔"

اس کے خطرناک تیوروں اور بلے بھنے لہجے سے قطعہ "الگ اس کے چار الفاظ پہ مشتمل اس فقرے نے سوتیا کا پورا خرمغز ہلا دیا تھا۔

"تو کل ملی تھا؟ آخر تم نے عصمت کو میرے حوالے سے اس نے تعلق کے ساتھ کیوں کری ایسا؟"

وہ تو سیدھی اپنے منکر آدمی اور یہ بھی بھلی کی کہ اسے تو کل سے اس کے خراب موڈ کی وجہ دریافت کرنا تھی۔ جبکہ اس کے سامنے بیٹھے ہوتے تو خوشی کے ساتھ شہزاد ملک کی "خبر" کھلنے نکلی تھی۔

اتنے میں عصمت بھی کمرے میں داخل ہوا۔

اس کے چہرے کی سرخی کسی بوجھ کے راستانیں رقم تھیں۔

وہاں تو صرف جھنجلاہٹ ڈرامائی لگتی تھا۔

جبکہ عصمت سراپا تحمل اور رطلی لگ رہا تھا۔

"آپ اگر میں کہتے ہیں پوچھوں کہ تمہیں کیا ہوا تو یا تم بھی کہو گے کہ میں اپنی بہن سے سوال کروں؟"

اس نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر دونوں ہتھیلیوں میں اپنے بال بھرتے ہوئے سر جھکائے بیٹھا رہ گیا۔

اس کی یہ حرکت خاص طور پہ اس کی خاموشی اس کے اندرونی اضطراب کی ظہر تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ کوئی بڑی بات ہے جس نے عصمت علی خان جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص کو چپ سادھنے پہ مجبور کر دیا ہے اور

وہ جو صد ہزاروں گل مہرو ہر گز نہیں ہو سکتی کہ عرصہ دراز سے وہاس کی بڑی سے بڑی بات جس کے پی جانے کا عادی تھا۔ اب اگرچہ اس کے دل میں گل مہر کے لیے موجود جذبات کی نوعیت بدل چکی تھی مگر وہ اس کی ہر زود کی سے پی جانے کا عادی ہو چکا تھا۔

اس نے سوچا کہ اس امکان کو فوراً رد کر دیا کہ گل کی وجہ سے اتنا متفکر ہے۔

"کیا ہوا عصمت؟ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟" اس کے لہجے میں بھی تفکر امنڈ آیا۔

عصمت نے نظریں اٹھائے اس کے محبت سے معمور اور ریاست پاک چہرے کو دیکھا اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

سوچا کو زندگی میں پہلی بار اس کی آنکھوں سے خوف محسوس ہوا۔

"عصمت!"

سراسرائے لہجے میں اس کے لب فقط اتنا کہہ کر پھر چپ ہو گئے۔

"فلک کلاس پالی ٹانا سوچا؟ ــــ بہت پی گئے۔ جس حد تک ممکن ہو سکے" عصمت نے اپنا لہجہ معتدل رکھنے کی کوشش کی۔

وہ بھک کے فریج سے لمبے چالی کی بوتل نکال لائی۔ بدلتے موسم کی وجہ سے چونکہ فریج کا سسٹم سلو کر دیا گیا تھا اس لیے پانی اتنا ٹھنڈا نہیں تھا۔ سوچا عصمت نے طلب کیا تھا۔ وہ گلاس میں برف کے ٹکڑے بھی ڈالنے کے لیے آئی۔

"کیا گل مہر سے پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

چالی پانی کا گھونٹ سوچا نے لمبے کو سرسری سا بناتے ہوئے پوچھا۔ اگرچہ سب کو جان لینے کی بے تابی اس کے ہر انداز سے ہویدا تھی۔

"جھگڑا؟ ــــ جھگڑا کرنے کی ہماری اوقات کہاں؟" وہ تلخ سی ہنسی ہنسی۔

ایسی ہنسی جس کا ساتھ اس کی سرخ ہوتی آنکھیں رتی برابر بھی نہ دے سکیں۔

"کیا مطلب؟"

"پتہ ہے سوچا؟ آج مجھے میری اوقات پتہ چل گئی اور یہ اوقات یاد دلانے والی ایک ایسے شخص نے جسے ہم سب نے اس کی اوقات میں رہنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"آج مجھے یہ حضور کے جذبات سمجھ آئے۔"

وہ اس کی آنکھوں سے بے تاثر گلاس میں پگھلتے برف کے ٹکڑوں پر نظریں جمائے کہتا رہا۔

"آج پتہ چلا کہ عزت مجروح ہونے کے محض خیال سے تن بدن کیوں اٹھتے ہیں۔ آج احساس ہوا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہیں کہ کسی کی معمولی سی لغزش بھی ان کے خاندان کے نام پر بٹہ لگانے لگے۔ آج صبح محفل میں میں ان کے جذبات سمجھ پایا ہوں۔ کیونکہ آج میں بھی اسی کیفیت سے گزرا ہوں۔ اگرچہ عزت اور خودداری کو اپنے کے بیرے اور چچا حضور کے بیٹے جیسا نہیں لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں ــــ"

"کھنا کھرا کے اسٹائل میں کیوں سوچ رہے ہو؟" اکتا کر سوچا نے اسے ٹوکا۔

وہ لباس تبدیل کر چکی تھی۔ اب کمرے میں عام پہننے والے برنٹڈ لیلن کے سوٹ میں ملبوس سوچا اور ہمہ تن گرم شال میں ملبوس تھی۔ دانہ ماند پڑتے ہوئے چہرے کے ساتھ خاص تر دانہ بھی لگ رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے والی اس کی بیزاری اور جھنجلاہٹ کے اثرات قدرے کم تھے۔

"سیدھی طرح سے بتاؤ نا کہ اپنے سوشلی کے کارنامے سن کے آ رہے ہو۔"

وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

"اب کون سے نئے کارنامے؟"

سوچا حیران بھی ہوئی اور کچھ کچھ خوفزدہ بھی ابھی تک اسے گل والا انکشاف ہی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"بولو ناں بتاتے کیوں نہیں ہو؟"

"کیا بتاؤں؟"

وہ سوچ رہا تھا۔ اسے گل کے لال بھبوکا چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ کہ تمہاری وجہ سے آج مجھے کسی کی بے نقط کی باتیں سنا دیں۔"

"ہماری وجہ سے؟"

گل نے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب یہ الزام بھی ہمارے سر؟"

اس نے بے بسی کی نظروں سے سوچا کی جانب دیکھا جو اطمینان سے شال اچکا کے رہ گئی۔

"یہ تمہاری ہی ضد تھی کہ تم شنزا ملک کو کھری کھری سنانا چاہتی تھیں جب کہ میں نے منع بھی کیا تھا کہ جب تک یہ دعوت میں موجود تھا کہ وہ کسی برداشت اس معاملے میں ملوث ہے تم مت چھیڑو۔ لیکن تمہارے سر پر تو بھوت سوار تھا اس سے الجھنے کا۔ اصل میں تمہارے اندر کی کھلبلاہٹ تمہیں چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ نوچنے کے لیے تمہیں ایک کھلونا تھا اور تم اسے حضور والے معاملے نے تمہیں شنزا ملک پر برسنے کا موقع فراہم کر دیا۔"

سوچا نے بے یقینی سے عصمت کو دیکھا۔ کیا یہ وہی ہے جو گل کو آمنہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"لیکن تمہارے سوشلی صاحب کے کارنامے میں تو ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔ اگر تمہیں کچھ سنانا ہے تو ان کی وجہ سے خواہ جانے کا الزام ہمارا اپنی بے عزتی کا حساب طلب کرو۔ آپ یہ کیوں بگڑ رہے ہو۔ ہم نے تو تمہاری مدد کرنا چاہی تھی۔"

"مدد؟" وہ پھنکارا۔

"کیسی مدد گل؟ تم نے زندگی میں کبھی کسی کی مدد کی ہے سوائے اپنی اس نام نہاد انا کی تسکین کی خاطر تم شنزا ملک سے بات کرنے کو بے تاب تھیں۔ تمہیں یہ تسکین چاہیے تھی اور تمہیں تمہاری اس بات سے جو روکی ــــ تم صرف کسی بہانے اپنے دل کا غبار نکالنا چاہتی تھیں۔ جو ہوا اس نے اپنا غبار تم پر نکالا۔ جبکہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر کیوں مجھے بری طرح سنا رہی ہو۔"

"جو کس نے کہا تھا ہمارے ہاتھ سے ریموٹ چھیننے کو؟"

وہ تنک کر بولی۔

"ہمارا کہا کر رہے تھے ناں۔ کیا ضرورت تھی تمہیں بیچ میں پڑنے کی۔ اگر قصور ہمارا ہے تو پھر ہم ہی سن لیتے اس کی بکواس تمہارے سوشلی کے کارنامے تھے اگر تم نے سن بھی لیے تو اپنا قیامت تن پر لے۔ ان سے جا کر نہیں پوچھتے کہ ایسے کرتوت دکھاتے ہوئے انہیں شرم کیوں نہ آئی۔ الٹا ہمارے گلے پڑ رہے ہو۔"

"ہوا کیا ہے؟ کوئی مجھے کچھ بتائے گا بھی یا نہیں؟"

ان کی بے مقصد اور بے سود تکرار سے اکتا کر سوچا نے دخل دیا۔ وہاس لوگ جھگڑے سے کوئی متیجہ اخذ نہیں کر پا رہی تھی۔

"ہونا کیا ہے۔ یہ موصوف سن سن کر تے ہوئے اس بے غیرت شخص کو اس کی کرتوت کے اعلیٰ اوصاف و خصائل سے روشناس کرا رہے تھے کہ اس نے نہ صرف اس معاملے سے لاتعلقی کا اظہار کیا بلکہ الٹا ہمارے ہی ایسے ایسے کرتوت گنوائے کہ حیرت ہوتی ہے کوئی انسان اس حد تک دوہرا اور نمبر انیت کا بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں موتیا۔۔۔ میرے لیے تو یہ زندگی و موت کا ہی کم نہیں تھا کہ وہ اپنی باوفا بیوی کی چند روزہ رفاقت اور جوان ہوتے بچوں کو فراموش کر کے ایک نئے چکر میں پڑ چکے ہیں۔۔۔ دوسری شادی کر کے ملک چھوڑنا چاہتے ہیں اور یہ دوسری بات جو شہزاد ملک نے بتائی۔۔۔ کہ وہ اس کی اصلیت سے پہلے سے ہی واقف تھے اور اس بلیک میل بھی ہوتے رہے۔"

صاحبزادی حرمت النساء کو ابھی ابھی اونگھ آئی تھی کہ عصمت اور گل مہر کی تکرار کی ہلکی ہلکی آوازیں ان تک پہنچیں۔

"دفع کو اری سے اٹھو عصمت۔"

"نجانے صاحبزادی گل مہر کو کب عقل آئے گی۔۔۔ وہ بد بخت نے زندہ جاتی ہیں عصمت میاں سے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے بستر میں پھیل آئیں۔

"کتنا سمجھاتے ہیں ہم کہ اپنی زبان درازی پہ قابو پائیں اور پھر عصمت میاں اب محض ان کے چچازاد ہی نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے اور قابل احترام رشتے میں بندھ چکے ہیں۔ اب اتنے ملازم ہے۔۔۔ وہ شکر سمجھیے کہ عصمت میاں ہی بھلے مانس اور سادہ طبیعت کے ہیں ورنہ نہیں لیتے ورنہ ہماری صاحبزادی اپنی زبان سے عدم تعاقل کے سبب کوئی کر سکیں پالی رکھیں۔"

انہوں نے خاصے جارحانہ انداز میں بہو کے کمرے کا رخ کیا جہاں سے اس تو تو میں میں کی بھنک سنائی دے رہی تھی۔ ان کا ارادہ تھا آج سختی سے گل کو عصمت سے الجھنے سے منع کریں گی لیکن طویل راہداری کے آخری سرے تک پہنچتے پہنچتے عصمت کے کچھ ایسے الفاظ ان کی سماعتوں تک پہنچے کہ ان کے بڑھتے قدم پتھر کے ہو گئے۔

"ایک نے چکر میں پڑ چکے ہیں۔"

"دوسری شادی کر کے ملک چھوڑنا۔۔۔"

"اسے بلیک میل۔۔۔"

ایک ایک لفظ ان کے حواسوں پہ بجلی کی مانند گرا وہ وہیں رکی رہیں اور تیلوں کے چہروں سے اندازہ کرنا چاہا کہ کہیں وہ یہ سب مذاق میں تو نہیں کہہ رہے۔

لیکن تیلوں کے چہروں کے تاثرات گہری سنجیدگی کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔

گل مہر کے چہرے پہ غصے کی تپش تھی۔

عصمت کے چہرے پہ غصے کے ساتھ ساتھ ملال اور دکھ کے گہرے سائے تھے۔

بلکہ موتیا کے چہرے پہ تپش اور حیرت کے کچھ ایسے تاثرات تھے جن میں وہ گھری ہوئی تھیں۔

راہداری میں اندھیرا تھا اس لیے ان تیلوں کو صاحبزادی حرمت النساء کی آمد کا اندازہ نہ ہو سکا۔

"بلیک میل کرتے رہے؟"

موتیا نے تپش سے دوہرایا۔

"ہاں اور ایسا کرتے ہوئے انہوں نے کبھی مہر سے اپنے رشتے کا بھی لحاظ نہ کیا۔ وہ نہ صرف مہر سے لے کر شاہزاد ملک تک ہی چھوڑ حضور کے رسوا ہونے کے خدشے کا بھی کمزور تھے۔ یہ تو تین وقت پہ چلی حضور کی باوقار کام کر گئی ورنہ اگر سب کچھ ہو جاتے کے بعد اصلیت کھلتی تو انہیں سوائے زیادہ صدمہ ہوتا۔ لیکن یار بھائی صاحب نے اس بیچ سوچنا گوارا نہ کیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ان کے اپنے خاندان کے ساتھ برا ہو رہا ہے۔۔۔ لیکن شاید انہوں نے کبھی ہم لوگوں کو اپنا سمجھا ہی نہیں۔"

عصمت افسوس سے سر ہلا رہا تھا۔

"اس شخص کو اپنی نسلی اولاد کا درد نہیں کسی غیر کا کیا ہوگا۔"

گل مہر نے تلملا کے کہا۔

"اپنی بیوی کا خیال نہیں تو بیوی کے رشتے داروں کا کیا لحاظ ہوگا۔ ہونہہ۔۔۔ ناک نیچی کروا دی انہوں نے ہماری اس شہزاد ملک کے سامنے۔۔۔ ہم تو اسے الزام دینے لگے تھے کہ اپنی کزن کو قابو میں رکھے جو ہمارے بہنوئی کو پھانس رہی ہے اور وہ ہمیں بتانے لگا کہ میری کزن کو تمہارے بلیک میلر اور بے ضمیر بہنوئی نے پھنسایا ہے۔ اب کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔۔۔ اس سارے قصے میں مار اکیلا تصور نکلتا ہے تو عصمت متوازن نہیں۔"

وہ موتیا کی حمایت حاصل کرنے مزے اور اسے راہداری میں کسی کا شائبہ گزرا۔ وہ چپ کر گئی اور ذرا غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔

اس کے انداز پہ عصمت اور موتیا بھی چونک کر اسی جانب دیکھنے لگے۔

صاحبزادی حرمت النساء چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھ آئیں۔

"جی حضور۔۔۔!"

موتیا گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

عصمت بھی گل کے چہرے کو دیکھ کے رہ گیا کہ نجانے انہوں نے گفتگو کا کون سا حصہ سنا ہے اور کتنا سنا ہے۔

"جی حضور تو!۔۔۔ آپ کہنے کوئی کام تھا؟" گل نے سنبھلنے میں پہل کی اور ان کے موڈ کا اندازہ لگانے کی خاطر انہیں مخاطب کیا۔

"کہنے کیا کہہ رہی تھیں آپ؟"

انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ گل کو ان کے سفید پڑتے چہرے سے اتنی بات تو سمجھ آ گئی کہ اب بات چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کچھ تو جان ہی چکی ہیں اور اب سب کچھ بلکہ سب کچھ جان جانا چاہتی ہیں۔

"ادائی حضور بات یہ ہے کہ۔۔۔"

ان نے محتاط الفاظ میں بتانا شروع کیا۔

☆ ☆ ☆

"معین! آؤ بیٹھو۔"

شہزاد ملک نے لپ ٹاپ سے سر اٹھا کے فوراً کو ایک نظر دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے سامنے بیٹھنے کو کہا۔

"کیسا سر؟"

وہ ہوشیار شکل کا نوجوان مودب بنا بیٹھ گیا۔

"ایک کام کرنا تھا تمہیں معین۔"

اس کی انگلیاں اب بھی لپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں اور آنکھیں اسکرین پہ مرتکز۔

"جی سر کام ہو گیا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ کوئی کام کہیں اور بندہ کسی غیر حاضری تعطل کی گستاخی کرے۔"

"اچھا۔"

اس نے اپنا کام روک دیا اور پوری توجہ کے ساتھ اس کی جانب تکنے لگا۔

یہ گویا اسے اپنا جان نثار کرنے کا حکم نامہ تھا۔

وہ نوجوان تو شکل و صورت اور نشست و برخاست سے ہی "فرمانبردار تابعدار" ٹائپ کا بندہ لگ رہا تھا "ٹائپ" شہزاد ملک کی آنکھ ابھی تک سے آشنا تھا اس لیے فوراً شروع ہو گیا۔

"یہ شخص بارہا میں مغل ملک مقبول کا خاص بندہ ہے۔ اسی ملک مقبول کا جو بدنام زمانہ بزنس مین ہے۔"

اس نے آغاز میں ہی شہزاد کو اچھا خاصا چونکا دیا۔

"تیرہ مانی میں تو یہ موصوف خود بھی کچھ کم نہیں۔ اگرچہ اپنے خاندان سے تعلق ہے۔ نواب ابن نواب ہیں۔

ان کے والد اپنے دفتر میں لاہور کے چند معززین میں شمار ہوتے تھے لیکن عرصہ پہلے ان کی وفات کے بعد اس شخص نے کمال سرعت سے ساتھ اپنے خاندان کا نام اور مالی دبدبہ ہے۔ قمار بازی اور شراب نوشی کی لت کی وجہ سے ساری کی ساری جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھا حتیٰ کہ اپنی آبائی حویلی سے بھی یہ حویلی اب لال دروازے کے زیب واقع ایک مشہور "کوٹھے" کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جس کے کسی ایک کمرے میں یہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اب بھی رہتا ہے۔ وہ مالی لحاظ سے۔

"اس کی بیوی کا تعلق بھی ایک شریف اور معزز گھرانے سے ہے۔ بیوی بچے بے شک کسمپرسی کی حالت میں رہتے ہیں لیکن ملک مقبول کی وجہ سے اس کے تعلقات تیل پیر۔ زندہ چربہ تیلن اور کسی حد تک خوشحالی ہے اس لیے بڑھیاں ٹھیر ٹھیرا لا آیا ہے۔ اس کے بارے میں نازیبا چونکا دینے والی خبر یہ ہے کہ یہ دوسری شادی کر رہا ہے۔"

دیوان کے اس لمبے تک پہنچا شہزاد سنبھل کے بیٹھ گیا۔ اس کی ساری دلچسپی زیماں تھی۔

"اردو بھی ایک اسٹیج آرٹسٹ ہے۔"

ابھی کہتے ہوئے مسعود ہی اس خاندان نے نوائی نظروں سے شہزاد کو دیکھا۔ ارے یعنی ہمارے اس کا تعلق اب کوئی داخلی تعلقات نہیں رہا تھا۔ کرم الٰہی کی وفات پر پولیس کورٹ کی وجہ سے یہ بات میڈیا تک پہنچ چکی تھی۔

شہزاد نے اس کی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے سگریٹ سلگائی اور ہاتھ سے اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس شادی کی سرپرستی ملک مقبول بیٹا بنا کر رہا ہے۔"

"یہاں پہنچ کر ہم ایک بات کہہ دینے کے بعد شہزاد کے تاثرات جانچ رہا ہو۔"

"سوچنے والی بات ہے کہ ملک مقبول کا اس شادی سے کیا مفاد وابستہ ہو سکتا ہے۔ بار اس کا خاص بندہ ضرور ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ صرف اس کی خوشی کی خاطر ان دونوں کی شادی کروا کے اتنی دقت مول لے رہا ہو۔"

"شہزاد کا کام سوچنا نہیں ہے۔"

شہزاد نے سر جھٹکا۔ میں اسے اس کی حد بتا آئیں۔

"مسعود سے۔"

"وہ سنبھل گیا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"یہ وہ خاص بات ہمارے لیے نہیں بلکہ اداکار کے بارے میں ہے جس نے عنقریب وہ شادی کرنے والا ہے۔"

"کیا؟" اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دی۔

"سنا ہے ملک مقبول نے جب انہیں پیدا ملک شوکت کی آفرکی تھی تو وہ تیار نہیں ہوئی تھیں۔ صاف انکار کر دیا تھا۔"

شہزاد کو یاد آیا کہ اللہ رسالہ ایک بار اس سے ذکر کر رہا تھا اور ملک مقبول کی خراب شہرت کے بارے میں اس نے صاف صاف منع کر دیا تھا کہ وہ ہرگز ہرگز اس قسم کا کوئی کانٹریکٹ سائن نہ کرے۔

"ڈی رائٹ کے بعد اچانک ارمانوں تک منظر عام پر آیا تھا۔ ہندی فلموں میں پس لے لیا سے جانی پہچان اس سے تعلق بھلا کر پاس کے تھے یا تقریباً تلاش ہوئے اور پہلے سے شادی شدہ ہونے کے باوجود شوق کرتے کتار ہے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ ابھی تو نہ صرف ملک مقبول کی معاونت حاصل ہے بلکہ اس کی طرف سے ثانی کے طور پر بعد دونوں کا ذاتی تعلق ہونے کا بھی پورا کرام ہیٹ ہے اور ابھی وہی مقام ہے جہاں ملک مقبول کی مشکوک

سرگرمیاں عروج پر ہوتی ہیں۔"

"ہوں۔" اس نے یہ سوچ انداز میں سر ہلایا۔

معین جس جانب اشارہ کر رہا تھا شہزاد کا ذہن بھی وہیں تک رسائی پا گیا۔ واقعی یہ نکتہ غور طلب تھا۔

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔"

اس کے جانے کے بعد شہزاد نے ایک اور سگریٹ سلگائی اور دھوئیں کے مرغولوں پہ نظر جمائے ہوئے دھاگے کے بارے میں سوچنے لگا۔

"یہ تو صاف واضح ہے کہ ملک مقبول چاہتا ہے کہ تمہیں پھانسنا چاہتا ہے۔ جتنے موسم کاروبار میں شامل کرنے کے لیے سیدھے طریقے سے تم قابو نہیں آ سکیں تو اس نے باہر سیاسی بلکہ چارے کے استعمال کیا۔ دکھا اور محبت کا مقام لو یہ ہے کہ تم اتنی کہ بھی نکلیں گے یہ چارہ کھانے پر تیار ہو گئیں۔ خیر یہ تو طے ہے کہ میں تمہیں بہلا نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا وہ تمہیں تو پہچانتا ہے اور ساتھ میں اس تو سوڈ سے بھی بڑا حساب تک ہو رہا ہے گا۔"

☆ ☆ ☆

صاحبزادہ نصیر علی خان آج ایک بار پھر اس ہسپتال کی بلند اور وسیع لابی کے سامنے کھڑے تھے ان کے چہرے پر ان کی کرخت تیور معمول سے حد تک سخت تھے۔

وہ بے تحاشا لگاؤں کے ساتھ دیر تک ہسپتال کی عمارت کو تکتے رہے۔

یہ وہی ہسپتال تھا جہاں چند روز قبل ان کا سامنا اس لڑکی سے ہوا تھا جو صاحبزادہ نصیر کی قربت اسماعیل سے حد درجہ متاثر تھی۔ وہ قدرت کے اس عجیب و غریب اور حیران کن اتفاق پر ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ وہ اعتبار ان کے سامنے آ گیا۔

اس اعتبار میں بھی اسی لڑکی کی تصویر تھی۔

مگر اب کے نہیں بلکہ اس شہزاد ملک کے ہمراہ جس کی وجہ سے ان کے گھر قیامت ٹوٹنے آئے تھی۔

یہ سراسر اتنا زیادہ تکلیف دہ تھا۔

وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس پاکیزہ صورت اور بھلے اطوار والی لڑکی کا کوئی تعلق ایسے گھرانے سے بھی نکل سکتا ہے۔ ان کا دل تو جل رہا تھا کہ اعتبار میں چھپی اس تصویر میں سے اس کے ساتھ کھڑے شہزاد ملک کو نکال باہر کریں۔

قرب و جوار کس آتا۔ وہ وہاں موجود تھے۔ جبکہ لب جان چکے تھے کہ اس روز اس کی ہسپتال آمد کا مقصد اس کا ماموں کرم الٰہی تھا جو اب دنیا میں نہیں رہا۔ پھر وہ اس ملاقات سے ایک بار پھر کیسے کی آس لیے یہاں کیوں آئے۔ یہ بات سمجھنے سے وہ خود بھی قاصر تھے۔

"کیا کریں ہم؟ ... کہاں جائیں ان سے ملنے؟ لیکن ہم اتنا ہی کیوں چاہتے ہیں؟ کیا رشتہ ہے ہمارا ان سے؟ ... اس ہو جاتا ہے۔ بھی کیا ایسی مشابہت۔"

انہوں نے مقفل نشستی کے ذریعے خود کو سہلا دیا تھا کہ تمہیں جو منظر کو تھی تھیں ان کے اس بوری لیلوں کے سہارے نکلا نہیں پایا تھا۔

وہ صرف مشابہت نہیں تھی وہ تو ہو ہو تھی تھا۔

نہ صرف شکل و صورت کا۔

نہ صرف آواز کا۔

بلکہ انداز کا بھی۔ سراپا شخصیت کا بھی۔

☆ ☆ ☆

جانے کہاں گئے وہ دن
کہتے تھے تجھی سے راہوں میں
پلکوں کو نہ بچھائیں گے
بابر ہمایوں غزل نے بڑے سوز کے ساتھ صدا بلند کی

"چاہے میں بھی تم ہو"

اس کے ساتھ ہی اسے کھانسی کا زبردست دورہ پڑا۔ پچھلے دو روز سے وہ بیمار تھا۔ نئے بدلتے موسم کا شکار ہوا تھا۔ نزلہ، زکام، گلا خراب۔ اس پر مصیبت یہ کہ اپنے گھر پہ رہنا نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اپنے ایک بچپن کی دوست کے لیے بے چین ہوا تھا۔

گھر جانے سے بچنے کی وجہ تھا کہ گھر اس کا خوف اسے فرار پہ مجبور کر رہا تھا۔ اس دن ماں کے گھر نے بڑے خراب تیوروں کے ساتھ دھمکی دی تھی کہ کل تک اس کے چہیتے واپس نہیں آئے تو کرو فلاں کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اس نے وہیں جہاں مدد ملنے کی امید ہو سکتی تھی وہاں ہاتھ پھیلایا مگر کوئی کام نہ بنا۔ اب بھی ایک راستہ بچا تھا کہ جب تک رقم کا انتظام نہ ہو جائے وہ گھر پر نہ جائے۔ ماں گھر سے اتنی دور تھی کہ وہ اس کی موجودگی میں اپنی بیٹی عورت اور بچوں کو اٹھا لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں سردی نے جان لیا۔ اب پچھلے دو روز سے بخار پڑا اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ کبھی بیوی کی بیمار داری یاد آتی، کبھی کمسن کے بچے کی جانے کیا کیا یاد آتی اور کبھی ماں دھاڑتی جانب چلا جاتا۔

"ارے عورت کو کچھ نہیں تو کمسن اولادوں کی میسانی ہی نصیب ہو جاتی۔"

اس نے تو بھر لی تھی۔

اس کے ساتھ ہی اسے ملک متقبل کی وہ گفتگو بھی یاد آئی جس نے اس کا دل اتنا گندا کیا کہ وہ دیار دہاں کا رخ ہی نہ کر پایا حالانکہ وہ تین بار دھمکیاں بن کے سامنے جا چکا تو شاید وہ رحم دل ہی جاتی۔ لیکن ہر بار جانے کا سوچتے ہوئے اسے وہ ساری باتیں نئے سرے سے یاد آ جاتیں اور وہ گھر کا رخ نہ کرتا۔

"ماں صاحبہ تو سردار نجانے کن بلکوں میں ڈال رہا ہے میں۔"

اب نہیں تھا کہ وہ بہت سیدھا سادا تھا اس لیے ملک متقبل کے منصوبے اس کے لیے ناقابل عمل تھے اور نہ ہی وہ ایسا شریف النفس تھا جو یہ منصوبے سن کر دل کی نہ مانتا۔

ایسے سستے داموں وہ ان ہاتھوں سے کرا کے موٹا کمیشن وصول کر چکا تھا۔ جوئے کے معاملے میں تو بے چارے کی قسمت ہی اتنی کھلی تھی کہ زندگی میں سستی کے دو چار واردات دیتے پایا ہو گا ورنہ زیادہ تر بار ہی بار نصیب میں لکھی تھی۔ اسی وجہ سے سب کچھ لٹا کے خالی ہاتھ ہو چکا تھا۔ اب تو گزارا اگر ہیرا پھیری کے بھروسے ہوتے تھے۔ کاسنو اور ملک متقبل کے کاموں کے لیے چھانٹی کا مل سپلائی کرتے رہے تھا۔

پھر بھی دماغ کے بارے میں ایسا سوچتے ہوئے اسے اپنے اعضا میں پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں ہے ملک صاحب لیکن اب بار بار اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ میں نے آپ کا ساتھ قبول کیا تو مجھے بہت سی باتیں کرنی پڑیں۔ کیا کروں میں نے آپ کو نہیں خود اپنے آپ کو عزت دینے کی کوشش کی ہے آپ سنتے ہیں کہ آپ مجھے وہ سب آسائشات نہیں دے پائیں گے جن کی میں حقدار ہوں اور میں کہتی ہوں مجھے صرف آپ کے نام کو اس نام کے حوالے سے تھوڑی سی عزت چاہیے۔ میں اس کی حقدار تو ہوں ناں؟"

اپنی جب تک کرتی آنکھوں میں بڑی آس لے کر اس نے ایک بار یہ سوال بار بار کیا تھا اور آج یہ سوال ایک باز گشت بن کے اس کے چاروں اور پھیلا ہوا تھا۔

"ہاں ہم سے عزت کی خواہشمند اور ہم انہیں دولت دے دیں انہیں نہیں تمہارا دل لاکھ مردار۔ بیکار بھی ہو۔ ابا جی کے ساتھ ایسا کرنے کا حوصلہ ہم نہیں پا رہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی اچھی نیت سے ان کی جانب نہیں بڑھے

تھے ہم۔ اپنا منصوبہ ہم نے ہمیشہ سرفہرست رکھا ہے اب بھی یہی بات ہے۔ ان سے روپوں رقم بڑھانے کا باقاعدہ معاوضہ وصول ہے ملک متقبل سے۔ ان سے شادی کا ارادہ بھی اپنا منصوبہ نظر رکھتے ہوئے کیا ہے لیکن یہ سب نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔"

اس نے بڑے عزم سے سوچا تھا۔ مگر یہ عزم اتنا طاقتور نہیں تھا۔

ملک متقبل کی مرضی... بار بار سامنے آ کے اس کے ارادوں کو توڑنے پہ مجبور کر رہی تھی جو پہلے ہی عزت قدم نہیں تھا۔

اس نے دماغ کے گھر کا نمبر ملایا۔

مبارک پہ جان بوجھ کے کلینک نہیں کر رہا تھا کہ اگر شہزاد کے گھر ہوں تو مبارک جانا ہی نہ پڑ جائے۔

تیسری دفعہ پی فون اٹھایا گیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

"جی ابا ہی رہی ہوں۔"

وہ شاید اس کی آواز نہیں پہچان پائی تھی۔ اس لیے قدرے استعجاب کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"آپ کی تعریف؟"

دراصل اس نے گھر کا نمبر دوست کم لوگوں کے دے رکھا تھا خصوصاً اس شعبے سے وابستہ مردوں کو۔ اس کی چند ایک قریبی دوستوں کے پاس ہی یہ نمبر تھا۔

"کمال ہے اماں! ہم اتنی جلد بھلانے والی چیز تو نہیں کہ چند دنوں تک ملاقات نہ ہو پائی تو آپ ہماری آواز تک نہیں پہچان پائیں۔ خیر آپ کا قصور نہیں آپ کا مار ہمارا یہ ہمایوں ملک ہے۔"

ایک سرد موڈ کی سے خاموشی میں بھی اس کی شخصیت کا جو تجسس پوشیدہ تھا وہ آپ تھا۔

"ارے ملک صاحب آپ! سوری میں واقعی نہیں پہچان پائی لیکن اس کی وجہ دوسری ہے آپ بتا رہے ہیں۔ دراصل آپ کی آواز واقعی بہت بدلی ہوئی ہے۔"

"ہاں میں کیا کہا میں نے یونہی معمولی سا نزلہ زکام ہے اور بابا کا سلام انتظار کیا سوری کر رہی ہیں۔"

"جی آپ سے بھی انتظار کر رہے ہیں! کہاں سے بول رہے ہیں گھر سے تو فون کیا نہیں کرتے آپ۔"

"جی ہم اگر تو وہ کا ہو آپ بتا سکیں گی اماں ابھی تو بس چار پیروڑی میں وہ عورت ہمارے بچے لے کر حکومت کر رہی ہے ہمارے لیے دوزخ اس سے کم نہیں۔ دوستوں سے ایک مرد دوست کے ذریعے ہم اس عورت کا سامنا کرنا ہے۔ علی گروپ کا کام ہے اعصاب دباب دے جاتے ہیں اس کے غلموں کو سنتے سنتے ہماری کی سماعت میں ہم اپنے اندر اتنی سکت نہیں پاتے تھے اس لیے وہاں جانا گوارا نہیں کیا۔"

اس نے بہت دیر حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور اس میں خاصی حد تک کامیاب رہا۔

"اور آپ نماز طاب نہیں ہم! حقوق پریشان ہو رہے۔"

"آپ لوگ تو کلیل سے جانتی ہوں۔ اس وقت تو مجھے آپ کی فکر ہو رہی ہے۔ آپ ایسا کیجیے میرے گھر آ جائیے آپ کے دوست سے زیادہ تو میں آپ کا خیال رکھ لوں گی۔"

"ارے نہیں دیکھیے آپ آپ کا شکریہ سے تکلیف میں کیا بتانا۔"

اس نے "ابھی سے" کو بڑے لطیف معنوں میں استعمال کیا مگر دوسری جانب اس بات کا خاص اثر ہوا۔ واقعی بیکار تھی۔

وہ غلطی ہی آئی۔

ذرا ذرا سی محبت سے بہل جانے والی۔

تھوڑی سی توجہ کر سب کچھ بھلا دینے والی۔

وہ اگر یہ بار ہمایوں ملک سے دوستی محبت نہیں کر پاتی تھی جیسے کہ کسی نوجوان لڑکی کو اپنے خوابوں کے شہزادے

سے ہو سکتی ہے اس کے دل کے اس نالے نے شہزاد ملک کو مری سے ہی قبضہ جما کے بیٹھ گیا تھا اب شاید ہی کسی دوسرے کو یہ مقام دے پائے۔ لیکن باہر اس کی زندگی میں تب شامل ہوا تب ہر جانب سے محبت اور پذیرائی کا فقدان تھا۔

وہ اسے اپنا ہمدرد اور خیر خواہ نظر آتا تھا بلکہ نجات دہندہ بھی۔ وہ اس کی عزت کرتی تھی اور اب تنگی کے بعد اپنائیت بھی محسوس کرنے لگی تھی اس لیے اس جیسی حساس اور بے لوث لڑکی کا ریشن ہو جانا فطری امر تھا۔

"بس ملال کچھ نہیں بس دل۔ آپ ابھی اسی وقت رسل آجائیے۔" دعائیہ اصرار کیا۔

● ● ●

"ٹھیک ٹھکر دیا مدد میرا ناچی تھی۔"

عمیص دیوار پہ نصب شیشے میں خود کو دیکھتا بڑے انہماک کے ساتھ شیو بنا رہا تھا۔ جب دلگیر نے اچانک نجانے کس جانب سے نمودار ہو کے اپنے سر مبارک کی اطلاع اس آئینے میں دی تھی اس اطلاع کے۔

"اچھا جی۔"

عمیص جو اپنے جھالوں بھاگ چہرے کی بجائے اچانک سامنے اس کے پانی سے رنگے ہونٹوں اور کاجل کی دھاروں سے سجے نیلے خلوں والے چہرے کو دیکھ کے سٹپٹا اٹھا تھا۔ بڑے سنگھ روشنی انداز میں "اچھا جی" کر کے رہ گیا جیسے دلگیر نے یہ رائے نالائق اور بلکہ کوئی تازہ ترین خبر سنائی ہو۔

دلگیر ابھی تک آئینے کے سامنے تین ٹکا کر مال دے رہا تھا۔

"ٹھالا۔ ناچا۔ چلاؤ۔ سلی فی سلی ہے۔"

عمیص نے صرف ایک منٹ تک صبر کا مظاہرہ کرنے کے بعد اسے دھکیل کے پرے کیا اور دوبارہ سے آئینے میں غرق ہو گیا۔ طویل برقدت کے اس کونے میں لگے واش بیسن کے اوپر نصب اس آئینے میں بیک وقت دو نفوس سما نہیں سکتے تھے۔

"ٹھیک ٹھکر دیا مدد میرا ناچی تھی۔"

عمیص کے بلکے سے دھکے کے بعد وہ جان بوجھ کے نیچے جا گرا تھا اور اب وہیں ٹانگیں فرش پہ رگڑ رگڑ کر "اصرار" جاری تھا۔ بڑی تھی دلگیر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"ناچی تھی۔ ناچی تھی۔ ناچی تھی۔"

"ناچی کا کیا کیا۔"

عمیص نے بالآخر سیفٹی ریزر سائیڈ رکھ کے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"مان لیا کہ وہ ناچی تھی۔ بار بار تو رو رہے کہ کیوں کہہ رہے ہو۔ تمہارے ایک بار کہنے پہ ہی میں ایمان لے آیا تھا کہ بی بی جیوں میں ٹھکر دیا مدد کی ہی ناچی ہو گی۔ کچھ چھپاں نہیں اور اسے ناچنے کے علاوہ آتا بھی کیا ہے ضرور ناچی ہو گی۔ اب تم اس کا ٹھکر دیا مدد ناچنے بند کرو اور سال سے دفع ہو جاؤ۔"

"اور تم ناچیں ٹھکر دیا کے۔"

دلگیر نے عمیص کے بند جبڑے ہاتھوں کا اثر ہوا اس کے چڑے ہوئے بیان کا۔ اب وہ بیٹھے ہوئے کے مزے دیوں اور کالے میل سے بھرے ٹخنوں کا بیدار آئینے دیتی آتش لگائی جا رہے کالا کچھ اور سر کا کے کرا رہا تھا۔

دھتائی کے اس عظیم الشان مظاہرے۔ عمیص نے بے کسی لاچاری ظاہر کرتے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

وہ جانتا تھا کہ جب بھی دلگیر کو اپنی کوئی بات منوانا ہوتی یا مطالبہ پیش کرنا ہوتا تو یہ ایسا ہی ڈرامہ کرتا تھا۔ اور جانے بولنے سے اسے زچ کیا کرتا تھا۔

"کیا آفیشیل ہے اب پھر تو بھی۔"

اپنا کام چھوڑ کے اب مکمل طور پہ اس کی جانب متوجہ تھا۔

"اور تم ناچیں ٹھکر دیا کے۔"

دلگیر کے ترنم میں اس بار بل بلی جھنجلاہٹ جھلک رہی تھی۔ وہ اپنے مکان سے ابھر نچا نچا کے اپنے ٹخنوں کی جانب اس کی توجہ دلا رہا تھا۔

"ہاں کیا چاہیے۔"

عمیص نے نظر ان سوکھے ہوئے میلے پیروں کو دیکھا۔

"ٹخنے کاٹ لیکو چاہیے۔" نہیں صاف کرنے کے لیے یا گھوڑے نہلانے والا برش بھی کی میل اتارنے کے لیے؟"

"افسوس ایک تو آپ ہماری بات سمجھتے تک نہیں اور دعویٰ ہے بڑی کا۔"

بے تکے کے انداز میں کہا گیا۔

"تم نے اور جس نے کبھی بیمار عمری کیا ہو۔" وہ گزرے کا کہیں پہ تو لگا نہ لگا۔

"اور بات سمجھنے کا سوال تو بات سمجھنے کی کب ہے ایک ہی راگ الاپے جا رہے ہو۔ ہماری میرا کے باپنے کا حکم مارے ہو۔"

"اس کے باپنے کے تم ایک بیک ٹھکر دیا مدد کے باپنے کا۔"

"کیوں بھئی تمہارے ٹھکر دیا کے باپنے کے تھے اس۔"

"ہائے" ہمارے پاس ٹھکر دیا ہوتے تو وہ کس بات کا خواہ یہ تو تم آپ کو سنا رہے ہیں کہ۔ ہم ناچیں نہ ٹھکر دیا کے۔ اور آپ ایسے بے درد کہ سن کر بھی ان سنی کر رہے ہیں۔ زرا دیکھیے۔ ہماری سونی ٹخنیاں۔"

"سونی کالا نیوں کھوٹا تھا تو۔ سونی ٹخنیاں تم نے خوب کی۔" وہ سر پیٹنے لگا۔

"لیکن وہ دلگیر ایک ٹھکر دیا مدد کے ہوتے کہاں پہ مال ڈالتے ہیں۔ پیچھا حضور تمہاری یہ نازک ٹخنیاں کاٹ ڈالتے گے اگر ٹھکر دیوں کی چھن چھن ان تک پہنچی تو اس لیے دوست تمہاری یہ فرمائش تو میں پوری کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ بغیر ٹھکر دیے۔ یہ سونی ٹخنیاں تو پھر بھی میں سیہاں کا کر ٹخنیوں کے بنا سونی سونی "ٹانگیں" مجھے ہرگز بھی نہ بھائیں گی۔"

"اللہ عمیص میاں ہمارے ٹھکر دیا کی طرح شریف اور بے زبان ہوتے ہیں۔ کبھی سنی ہے آپ نے ان کی چھن چھن۔ دراصل ہم تو ہلکی ہلکی جھانجھر ال اور پازیبوں کو ہی ٹھکر دیا کہہ کے دل خوش کر لیتے ہیں۔ دیوانے ہیں ایک جھانجھر آخر آپ کی ٹانگوں پہ میرا بھی حق ہے۔"

"یار سنتی بار کہا ہے یہ بیویوں والی ٹھکر مت کیا کرو۔" وہ جھنجھلایا۔

"تو اس سے کام چلے گا؟" اس نے سامنے لگی اپنی شیشے کی جب سے والٹ نکالا اور ایک سو کا نوٹ نکال کے اسے پکڑایا۔

"چلے گا نہیں دوڑے گا۔ چھن چھن دوڑے گا۔" اس نے اس کے نوٹ اچک لیا۔

"اونچے میلا تھجر پا پسارے رہے

اوسیاں دیا آئے

جھنجھ میں۔ جھنجھ میں۔۔۔

جھنجھ لگاویں

اوسیاں دیا انسے۔"

"اب تم ٹھکر دیا کی بات اتر دو ایک تو سو روپے دو اور سے ڈراوے بھی سنو۔"

وہ ہنستے ہوئے سر جھٹکنے لگا۔

دلگیر اس جبرے سے بے نیاز اپنا چلتا ہوا ہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ مٹھی میں دبا سو کا نوٹ آج اسے نشہ تھا۔

سارا دن گھر سے باہر نکلنے والا تھا۔

اس کی ہر شاداب ادا کے عصیں مسکرایا۔

"یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں کتنی بڑی نعمت ہوتی ہیں! یہ بے فکر زندگی بھی۔ کتنا کم وقت لگتا ہے رنگوں میں اپنے ہونٹوں تک مسکراہٹ لانے میں۔ جیو میرے دوست۔ جیو۔"

"خیریت آج اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے؟"

موتیا پوریوں کی پوٹلی دبائے کمرے میں آ رہی تھی۔ اسے اکیلے میں مسکرا کے اپنے آپ سے باتیں کرتے دیکھ کے ٹھٹھکی۔

"کیوں؟ میں مسکرا نہیں سکتا؟"

اس نے شانوں پر رکھے تکیے کو اپنی پشت پر پھیلاتے ہوئے دعوت دی۔

موتیا بیٹھ گئی۔

اپنی دھن میں گنگناتے ہوئے اس نے عصیں کے حلیے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ بیٹھتے ہوئے تھا لیکن اس کی شرٹ آئینے کے ساتھ لگے ٹیبل اسٹینڈ پر لٹک رہی تھی۔ کف کسی پیون پہ صرف بٹن لگے ہوئے تھے تو کبھی سے رومال کے بغیر تھا کہ نواب صاحب کو گھر میں موتیا کا بھی یوں بے تکلفانہ پھرنا آداب کے منافی لگتا تھا۔

موتیا نے نظریں پھیر لیں اور چپ چاپ آگے بڑھنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا؟"

عصیں نے اسے چپ چاپ دوسری جانب مڑتے دیکھ کے پکارا۔

"کیا میری مسکراہٹ سے تمہاری مسکراہٹ کا فیاضانہ نہیں ملتا؟"

"پہلے تم آیا۔ "سلام" سیکھو۔"

اس نے خیر مڑ کے رکھے کرسی اب دروازے میں رکھے گملوں میں پانی ڈال رہی تھی۔

"ڈیئر! میں نے کمرے کے باتھ روم کا پلمبنگ ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب اندھیرے میں یہ کام تو نہیں ہو سکتا۔ اگر ملیح نازک کپ کمرے کی زرد بتی تو معذرت۔"

اس نے شیو سے فٹ کر سر پہ چھ آیا اور پانی کے زور زور کے چھینٹے مار کر شرٹ کے بٹن بند کرنے اس کی طرف تھا۔

"سنو! پچھلی حضور نے دلہن بات چھیڑی؟"

"ہاں! کیا فائدہ اس تکلیف دہ ذکر کو چھیڑنے کا جب ہم کچھ کر نہیں سکتے تو بار بار ان کے دل کو دکھانے سے کیا حاصل۔"

"تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ کچھ کیا نہیں جا سکتا۔"

"اچھا! بتاؤ آپا کر سکتے ہو تم یا ہم میں سے کوئی اور یا سمین آپا کے لیے کیا ابھا بھائی صاحب کو اس موڑ سے واپس لا سکتے ہیں۔"

"کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ آخر یا سمین آپا اور بچوں کو ان کے حال پہ بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ کوئی غیر نہیں۔" عصیں کا لہجہ سخت اور دو ٹوک تھا جسے موتیا کی حساس طبیعت نے فوراً محسوس کر لیا۔

"سمجھ گئی کہ عصیں نے اس کی بات کو شاید غلط مطلب لیا ہے۔

"وہ میری بھی اپنی ہیں عصیں! ہم سب کو عزیز ہیں لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم اپنے چاہنے والے بے حد عزیز لوگوں کے لیے چاہ کر بھی کچھ کر نہیں پاتے۔ ہم کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یا سمین آپا نے

ناکی ہوئی۔ ان کی کوششیں تو تمہاری کوششوں سے کہیں زیادہ تھیں تو ہوں کہ ہر حال سے بچے ابھی ان کے ہیں اور زندگی ابھی ان کی اپنی۔ ابھی ان کی بہتری کے لیے جو کر سکتے ہیں وہ کیا جائے تو ہمیں ہی لیکن وہ کیا؟ باہر بھائی صاحب جیسے لوگ جیسا ہیں ہی نہیں جانتے نہیں بلکہ اپنی منوانے آتے ہیں۔"

"ایسا کیا بگاڑا ہے موتیا! کہ تم میری بہت زیادہ جانے کیا سمجھ رہی ہو۔"

عصیں طرح کی ہی بھی جس میں اس کی بعد کل بات سے متعلق وہ اتنا نہیں ملول سا بھی ہو گیا تھا۔

اس کی نگاہوں میں موتیا کے لیے گلہ تھا۔

"ہاں ایک رائے ہو سکتا ہے۔"

موتیا اس کے گلے کا بوسہ ناکی اور اس نے عصیں کی آہ بند جانے کو اپنا خیال ظاہر کرنا چاہا۔

"کیا؟"

"دیکھو! ابا جان صاحب میری اور تمہاری بات میں نہ آنے والے نہیں۔ ہمیں اور کیا خاک فاطمہ لائیں گے۔ ابا جان جو کچھ کہہ سکتے ہیں۔ ہم اگر ابا حضور اس سلسلے میں ان سے بات کریں تو کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ ان سے وہ دیتے ہیں اور بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔"

آخری الفاظ اس نے مسکراہٹ دبا کے کہے۔

"لیکن بی اماں تو وہاں سارے قصے سے لاعلم ہیں۔" عصیں نے بلاوجہ ٹیک بار پھر تولیے سے اپنا چہرہ رگڑنا شروع کر دیا جس سے اس کی غائب دماغی کا انداز ہو رہا تھا کہ اس کا سارا دھیان ابھی تک اپنی آپا کے مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔

"اور میرا خیال ہے ناخیں اتنی ہمت سے اور نا بھی میں کہ ان کی ہر سکون لاعلمی کو تہ و کر سکوں۔"

"بچی حضور۔" اچانک عصیں کو اپنا خیال موجود۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے؟ بچی حضور نے جو کچھ سنا ہے کیا وہ اس راز میں بچا حضور کو شریک کریں گی؟"

"کچھ نہیں ہو سکتا۔"

موتیا نے شانے اچکائے۔

"بچی کی بات اور تھی! ابا حضور پھوپھی سی چھوٹی بات کا تذکرہ بھی ابا حضور سے کر لالا نہیں جاتی تھیں۔ کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر ہو نا تھا نا کوئی مسئلہ ان سے مخفی رکھا جاتا تھا لیکن اب اکثر ایسا ہونے لگا ہے۔ شاید اس کی وجہ ابا حضور کی طبیعت کی خرابی ہے۔ ان کی روز بروز گرتی صحت اور سب سے بڑھ کر ایک دم ٹوٹ جانے والی ذہنی حالت۔ اب تو ابا حضور کی کوشش ہوتی ہے کہ جس حد تک ان پر بے جا بوجھ کو تشویش اور فکر سے بچائیں اس لیے کچھ نہیں کہتا کہ ابا جان آسانی سے ابا حضور کو اس معاملے سے آگاہ کر سکیں گی۔"

"آسانی سے کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ضروری نہیں کہ اب تک اگر انہوں نے یہ بات نہیں کی تو وہ آئندہ بھی نا کریں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس پہ ان کا ردعمل شدید ہو سکتا ہے لیکن کبھی نہ کبھی تو یہ بات کھلے گی۔ حقیقت جب خود خوفناک سامنے آئے گی تب تک صورت حال خطرناک حد تک بگڑ چکی ہوگی۔ اس سے تو اچھا ہے کہ اس مرحلے پہ سارا معاملہ ان کے آگے رکھ دیا جائے تاکہ ان کی مداخلت سے اگر بات سنبھل سکتی ہے تو سنبھل جائے۔ میرا خیال ہے کہ ابا حضور ان سے بات کریں گی ضرور۔ جتنا خیال انہیں ابا حضور کی صحت کا ہے اتنا ہی یا سمین آپا کا بھی ہوگا۔ وہ ان کی جانب سے بے فکری سے آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتیں۔"

"مجھے کسی بھی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ ایسا نا ہو کہ بابر بھائی صاحب زیادہ ہی جلدی دکھا دیں۔"

"میری مانو تو ہمیں کچھ دن اور انتظار کر لینا چاہیے۔ کچھ دن اور انتظار کر لو۔ اللہ خیر کرے گا۔"

ہمیشہ کی طرح آج بھی موتیا سے بات کر کے صبیحہ کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا۔

گل مرانے کی بیٹھک سے باہر کی جانب جاری تھی جب اس کے قدم موتیا کی مدھم سی ہنسی کی آواز سن کر تھم گئے۔

اس نے مڑ کے دیکھا برآمدے کے اس کونے میں تین سامنے سوڑھے رکھے دو زنان بیٹھے تھے۔ ایک دوسرے کے بے حد قریب اور ایک دوسرے میں گم۔

گل مران سے زیادہ فاصلے پر تھی لیکن اس کمرے میں جو راستہ اپنے اور ان دونوں کے درمیان یہ فاصلہ بہت زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔

نا ان تک ان دونوں کی مدھم سرگوشیاں پہنچ رہی تھیں اور نا وہ دونوں اس کی ٹیل کی ٹک ٹک سن پا رہے تھے۔

گل مرانے اچانک اپنے اکیلا پن سے زیادہ محسوس ہوا۔ اپنی دھڑکنیں تک اسے پرائی پرائی سی لگنے لگیں۔ دھیرے دھیرے قدموں کے ساتھ وہ کچن کی طرف بڑھی۔ غیر ارادی طور پر چلنے کا رواج معمول سے زیادہ آواز کے ساتھ بند ہوا۔ صبیحہ اور موتیا نے چونک کے دیکھا۔

"کون تھا؟"

"پتا نہیں۔" موتیا نے شانے اچکائے۔

"دلکھو تو باہر ہے اور کچی حضور اس طرح دروازہ بجانے کی عادی نہیں۔"

"شاید گل مران۔"

"اکیلی اس وقت؟ ممکن۔" صبیحہ نے اختلاف کیا۔

"اکیلی سہی کوئی ہوا کا جھونکا نہیں جو چپکے سے گزر جائے۔"

"چپکے سے کب گزرا ہے۔ وہ جھاڑا نہیں کیا تم نے۔" موتیا نے مسکرا کے کہا۔

"وہ دھماکا تو ہمیں کے اندر جانے کے بعد ہوا ہے۔ گل مرکم از کم ہمارے قریب سے اتنی خاموشی سے نہیں گزر سکتی ناکانی بیچ۔ ناکانی بھرا۔ ناکانی نکتہ چینی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

دونوں نے وقفے کے ساتھ کہہ رہا تھا اور اندر کمرے میں گل مران کی بات پہ نجانے کیوں جھنجلا کے ہاتھ میں پکڑی چائے کی کشتی زور سے پٹخ کے رکھی تھی۔

☼ ☼ ☼

باہر ماہوں مغل سے بات ہونے کے بعد وہ جانے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ فون کر کے اپنی ریکارڈنگ منسوخ کروا دی۔

"تیرا ہو گیا ہے دماغ خراب۔ چند ہفتے بعد میں اچھے لگتے ہیں بعد میں۔ یعنی جب سب نام مشہور ہو جائے گا۔ جب لوگ لائنیں باندھے گھر کے باہر کھڑے ہوں تھے سے کام کروانے کے لیے اور منہ مانگی رقمیں دینے پہ تیار ہوں۔ تب اپنے نخرے کرنا تو بھی ہوتا ہے اور تو ہے کہ اب سے نخرے دکھا رہی ہے۔ جب مرکے کوئی تجھے ڈیڑھ ہزار کا نذرانہ دینے پہ تیار نہیں ہوگا۔ جو ایک ہاسپٹل کا رائج ہے وہ نئی آرٹسٹ کو چانس ہی نہیں دیتے۔ آنے کے بعد اسٹیج پروگرام میں بلا کر اوسط درجے کی گھٹیا سی پروگرام سے لے تیرے انتظار میں تو نہیں بیٹھے۔ تو نے تو فون کر کے ریکارڈنگ پہ ٹالنے کا بتا دیا ہے۔ اگلے تیری خاطر تاریخ نہیں بدلنے والے۔ فون کر کے رکھ لے۔"

انہوں نے تیرے فون کے اگلے سنتے بعد کسی اور سنگر کو فون کر کے بلا لیا ہوگا۔"

اللہ وسایا کی لمبی تقریر کے جواب میں تیزی سے مڑ چھلیاں دھانے چڑیا نے بس ایک فقرہ کہا۔

"تو کیا کیا میں بھی بلا ہے۔"

فقرہ جاتی پہ تیل کا کام کر گیا۔ اللہ وسایا مزید گرما گیا۔

"تجھے بلا نہیں؟ کوئی اپنی جگہ اتنی آسانی سے کسی کو دیتا ہے جیسے تو دے رہی ہے۔ قدر نہیں ہوا کرتی کہ کسی مصیبت کے بغیر روٹا رزق دے رہا ہے۔ رزق کو لات مارو رہی بھی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔ پہلے ماں کے ہوں میں اتنے دن کام کیا نا کام۔ اب یہ سنگر تو جھوٹ زہر لگتی ہے تو مجھے اس طرح ہنستی رہی میں سر کھپاتی۔"

اس پہ اور کوئی بس نا چلا تو داس کے ہاتھوں سے ہنڑی چھیننے لگا۔

"خاموش۔ آپ کے نزدیک بیٹیوں کا سارا سنگھار یا سلیقہ ان کے سر کم میں سر کھپائے نان پورے سے انجھے اور پرستاروں کے نوٹ اڑانے تک محدود ہے۔" وہ بڑبڑانے لگی۔

"اب یہ منہ اتنا منہ میں بڑبڑ کیا کر رہی ہے۔ اماں سے نا چیخ (اسرا) سکے کے آئی ہے۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں کہ اب کیوں نہیں ہو رہی۔"

"مجھے گھر کا کام ہے۔"

اس نے مختصر جواب دے کر جانا چاہا اور نکالے ہوئے سر کے دانے نے کریکن میں تھس گئی۔

"گھر میں ایسا کیا کام ہے؟"

لفظ وسایا بھی آسانی سے جان چھوڑنے والا نہ تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہی چلا آیا۔

"سو کام ہوتے ہیں گھروں میں۔"

رعنا نے بھی جیسے حال حال جواب دینے کی بجائے گول مول باتوں کے ذریعے اس کی جان جلانے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

"تو گھر کے کاموں میں ضائع ہونے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔"

"تو پھر کس طرح ضائع ہونے کے لیے پیدا ہوئی ہوں؟"

اس کے لہجے کے لمحے میں کے اس سوال نے اللہ وسایا کو جیسے مجبور کر دیا۔

فوری طور پر اس سے کوئی جواب نہیں سنا تو انہیں جھاگ لگنے لگی۔ کچھ سیکنڈ تھا تھا سے جیسی نظروں سے دیکھنے کے بعد وہ اپنے فریزر کھولا اور تھیلے کا پیکٹ نکال کر کھلنے کے لیے رکھا۔

"ابا! ایک کیسی مرغی منگوا لیں۔ تنی والی ہے۔"

"کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں میری تو ٹھیک ہے۔ اب منگل صاحب سے دیکھ رہا ہیں۔ کہیں آرہے ہیں علی نے سوچا کچھ بہتری کھانا تیار کر لوں۔"

"تب ٹھیک۔" وہ سہلانے لگا۔

"یہ منہ تجھے کما کر کے چھوڑے گا۔"

اس نے لفظی صادر کیا۔

"نہال اس کی مرضی ہے جو تجھ سے تکلیفیں دلوائے جیسے گا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو ابا!"

دعا کو تو یہ سننا گناہ کبیرہ۔

وہ ویسے ہی اس انتہائی خاتون کے بارے میں سوچ کے کبھی کبھار پشیمانی میں مبتلا ہو جایا کرتی تھی کہ چاہے وہ عورت بظاہر کتنی بھی بے حس، جھگڑالو اور کمزیدہ بولیں تا ہو سہر جان دوس کی اکلوتی میں اس کے شوہر سے شادی کرنے جا رہی تھی۔ اس کے حق میں شریک ہو گئے۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ایسا تو دیکھا ہے کہ مرد ہوتے ہیں دوسرے دیا کرنے کے بعد ہی بیٹیوں کو تھپکی کا چھلا بنا کے رکھتے ہیں اور انہیں کو اتنی پیتے نہیں دیا کہ خدمت کے کیے رکھتے ہیں۔ یہ کوئی بار رکھا ہے کہ پرائی بڑھی

تو بخش کرے اور کی والد جو ابھی تک بھی نہیں گئی ہو تو کرائی ہے۔"

"اف۔۔۔" دمانے نے بیچ ہی کے اپنا سر تھام لیا۔

"تو نہ کرائی بن رہا ہے تو نہ تعلیمی کر رہا ہے۔ اگر انسانیت یا اخلاق کے ہاتھوں میں ایک بیمار شخص کی ذرا سی دلکشی ہوتی تو نہ کیا ہوتا۔"

"تو ایسے آخر تو یہ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"

اللہ وسایا کے مشورے پہ دمانے حیرت سے مڑ کے اس کی جانب دیکھا لیکن وہاں سنجیدگی کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی بلکہ ایک طنزیہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

"تو کرنا کیا ہے۔"

اس نے مشورے پہ بیزار کن دمانے کے آنکھیں پھیر کے آس پڑی۔

"لے دانت نکال رہی ہے کوئی نہیں کر رہا ہے۔ پہلے ماما جی پہ پڑا تو خدمت کرنے کو تیار۔ دوا برات سمجھاں میں اس کے سر پہ نے کھڑی رہی۔ پھر ماما جی (بیمار) ہوئی دن رات تو نے ادھر گاؤں سے اس کا دھیان رکھنے میں اب یہ۔ ہمیں یہ بیمار ہو کے لمبز لگانے ادھر آ رہا ہے۔ بیماروں کی بیمار نے میں تیرا بڑی کی لگتا ہے۔"

"چلو اچھا ہے۔ کسی کی تو دعا لگ جائے۔"

"ان کی کوئی کسی سے کچھ نہیں کرتا۔ سب مطلب نکالتے ہیں۔ پر تو بھی جھلی ہے کل سمجھتی ہی نہیں۔ بڑھاپے پہ یک کرتا رہتا ہے۔ کبھی تو اس پہ دھیان دیا کر۔"

"اچھا ابا! آئندہ دھیان دوں گی۔"

بس نے اپنی گھو فلاسفی کرانے کی غرض سے آنکھ ماری۔

"ہی الحال تو پانچ سو روپے پکڑیں۔ آگے کا تیر تو موجود ہے۔ ایک میں سرخی ہاتھ میں۔ دوا لانے کے لیے نکلی نکل آئے گی۔"

"دوا۔۔۔ ہمیں سے لائے آ رہا ہے؟"

"باقی پیسوں کا تھوڑا تھوڑا فروٹ لے آئیں۔" دمانے اس کا سوال نظر انداز کیا۔

"شرم نہیں آتی اس اپنے شلے والے کے پیر کو ہوا لے سوہرے کے گھر پڑے جائے گی۔"

"اور ہاں فروٹ میں صرف کیلے سیب اور موسمی لانا۔ موسمی اچھی والی اور جس کا رس نکالا جا سکے۔"

"اس میں کیا کوئی کر رہا ہوں میری حق نہیں اور اپنی بھی جا رہی ہے۔"

اس بار وہ غصے سے بولا مگر دمانے خاص مزا ہوا۔

"مشورہ کا بیکٹ بھی لے آنا۔ بلکی غذا مغل صاحب کے لیے اچھی ہوگی۔"

"تا ہوں میں ہو بھولنا کیا ہوں!"

اللہ وسایا نے اس کی راستہ بدلتی جانے والی بے توجہی پہ جھنا کے اس کا بکڑا لایا جو سو کا نوٹ زمین پہ دے مارا۔ اس کا اس جیسا تو اپنا ہی کا سر بدلی ہوئی دے مارا۔

دمانے نے جھجکی سے نیچے جھول جھکتے جھکتے رک کر اپنے کیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے پونچھے اور دشمن پر گرا نوٹ اٹھا لیا۔

"ابا جی کے پیسے ہیں۔ یہ تو تجھے نہیں۔ لیکن محنت کے ضرور ہیں۔ ابا جی محنت کی کمائی کی ہوں بے عزتی توہین کریں۔"

"اور جو تو میری بے عزتی کر رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں آج کل تیری نظروں میں میری کوئی حیثیت نہیں رہی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اسٹوپ آن کیا۔ فی الحال وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ اللہ وسایا جلد از جلد یہاں سے چلا جائے تو اس بحث سے اس کی جان چھوٹے۔

"تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا ہے۔" وہ ابھی تک اس بات پہ اٹکا تھا۔

"اصل کس حیثیت سے یہ سوال دہرا رہے ہو؟"

"میاں کی حیثیت سے۔" دمانے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"اور اگر یہ حیثیت ناکافی ہے تو پھر ہونے والے دلہا کی حیثیت سے۔"

"ہونے والا ہی ہے تو نہیں۔ ہو ہو جائے گا تب ہم کر آئے۔ ابھی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت تو ہے ہی ابھی لیے میں نے تو بلایا ہے۔ دو دن تا نہیں جا رہے اور ابھی بھی بیٹھے پکا نہیں کہہ دو رہے ہو۔ رضامند بھی ہو گئے ہیں۔ نہیں۔ اگر رکے بھی تو ایک دو روز سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ کوئی مستقل نہیں گزرے ہو تو آپ کچھ جا رہے ہیں۔"

"ایک دو دن تک بھی تاب نہیں ہوگی کیا کہیں گے۔"

"کون سے لوگ؟"

دمانے تنک کر سوال کیا۔

"ایسا لوگ۔ جن کے بارے میں آپ نے ذکر کیا تھا کہ کہتے ہو کہتے ہیں ہمیں کیا۔ ان کی فکر کرنے لگے تو اپنی زندگی کب جینی ہے۔ تب آپ نے پہلے بھی لوگوں کے کہنے کی پروا نہیں کی تو اب کیوں کر رہے ہیں۔"

"تیری بیوی زبان چلنے لگی ہے۔"

جب دمانا اب ہو گیا تو بیرا کے باہر نکل گیا۔

کچھ ہی اور بیٹھے تک مرحوم لالہ تیار کرنے کے بعد اس نے فراغت کر ذرا استقبالی لباس پہنا تو نہ گھر میں وہ عمومی تلیے اور پرانے کپڑوں میں ہی رہا کرتی تھی۔ باہر کی پابند زندگی نے اس میں سنور کر رہنے کے بعد گھر میں اسے ایسے ہی ہونا چاہ رہا تھا۔

فاتحی رنگ کا تھا۔ جدید انداز کا میں ملا سوت آن اس نے پہلی بار پہنا تھا اور بنا شبہ کرے جا رہی تھی۔ کھلتی دھاگوں کی ہلکی پھلکی کڑھائی سے سجا سوٹ اس پہ خاصا جچ رہا تھا۔

کیلے بال اسکیچ کے اس نے خشک ہونے کے لیے ایسے ہی چھوڑ دیے۔ صندل جیسا رنگ دمکتی پلکوں اور چہرے پہ رنگ کے سوٹ سے سرخ لپ اسٹک لے کر لائن کے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

ابھی ایک ہی ہاتھ کے ناخن پر پالش لگائی تھی کہ کال بیل کی آواز پہ اسے اٹھنا پڑا۔

"کام والی ابھی نہ تو آج چھٹی کرنا تھی۔ ابا جی کے لئے کھانے کو آتی چلو خیر دیکھیں۔" دمانے نے بھی بڑبڑاتے ہوئے کہتے بعد آنے کا کہا تھا۔ ہو سکتا ہے جلدی آ گئے ہوں۔ ہاں شاید وہی ہوں گے۔"

وہ تیاری کر لی۔ میں دور کی جانب بڑھی۔ لاک میں لگے پیپ ہول سے مدرسہ کرتا ہوئے اس نے آنے والے کو دیکھ لیا۔

سامنے خسرو تک کھڑا ہے زاری سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"بھابی!"

وہ کاٹل جیسے اچھل کے حلق میں آ گئیں اور نبضیں تیز ہو گئیں۔

گہرے گہرے سانس لے کر اس نے اپنی حالت پہ قابو پانے کی کوشش کی۔ اس دوران ایک بار پھر کال بیل کو دبایا گیا تھا۔

"اچھا بھابی! یہاں کس لیے آئے ہوں گے۔"

وہ اپنی ہتھیلیاں مسلتے ہوئے سوچ رہی تھی جس سے گھبراہٹ کے مارے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔

"میں اتنی نڈر یہ کیوں ہو رہی ہوں۔ بھائی سے پہلی بار تو سامنا نہیں ہو رہا۔ اور ابھی کچھ دن پہلے میں کتنا ہی وقت ان کے ساتھ ایک ہاسٹل کے نیچے ایک کمرے میں گزار کے آئی ہوں۔ خیر اسے ذلیل ایسی کون سی بات ہے۔"

تیسری بار ذلیل دہرائے جانے پر اس نے بالآخر ہلکی سی کلفت کے ساتھ دوران ملاک کر دیا۔

"السلام علیکم بھائی!"

اس نے ڈارلنگ سے سنا۔ اور ڈارلنگ نظر آنے کی پوری پوری کوشش کی۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ سامنے کھڑا شخص ایسی کسی کوشش کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا۔

وہ ڈارلنگ نہیں تھا اور یہ بات اس پہ پہلی نظر ڈالتے ہی وہ محسوس ہو گئی تھی۔

"آپی ٹھیک ہیں ناں۔"

اسے پریشان ہوئی۔

"ہاں بس۔"

شہزاد نے اپنی پیشانی سکیڑے ہوئے نظریں جھکائیں۔ یہ ٹھہرا ٹھہرا سا حسن۔ جیرانی بھری معصوم نگاہیں۔ اور نازکی سے بھرپور جسم اس کی توجہ بھٹکا رہا تھا۔

"اور سب خیریت ہے۔"

دعا نے اس کا تشویش زدہ انداز محسوس کیا۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی۔"

"جی۔ کیوں نہیں۔ آیئے۔"

فوراً ہی کسی کو دروازے سے ہٹنی اور اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ ملاک لگا کے واپس مڑی تو شہزاد گردن گھما گھما کے لاؤنج کی آرائش کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اچھا فلیٹ ہے تمہارا۔"

"شکریہ۔"

شہزاد نے الجھے الجھے انداز میں کسی دائے صوفے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئی۔ یہ الجھن شہزاد ملک کے یہاں اچانک آنے اور سب سے بڑھ کے اس کے سرسری اور معمولی نظر آتے انداز پہ تھی۔

"تم معمولی نہیں لگ رہیں۔ خیر معمولی بات کا گمان کر رہا تھا۔"

"لیکن ہر معاملے میں نہیں۔"

"جی۔ کیسے کیا مطلب؟" یہ ہی شش و پنج میں تھی۔ اس لیے شہزاد کی بات اس کے سر سے گزر گئی۔

"میں تمہارے ذوق کی تعریف کر رہا تھا۔"

شہزاد نے اس کی بے چینی کو نوٹ کرتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

"ویسے بھی کسے کاش اپنے اطلاق کا مظاہرہ تم زندگی کے ہر معاملے میں کرتیں۔"

"میں کچھ نہیں۔"

"اور میں بھی نہیں سمجھا کہ بارہا یوں محفل کو تم نے کس بنیاد پہ منتخب کیا۔"

"منتخب؟" اوٹ پٹانگ۔

"منتخب کرنے کے لیے تم کے سامنے بہت سی چیزیں ہوتی چاہئیں اس کے بعد کسی ایک کو چنا جا سکتا ہے۔ میرے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ بارہا یوں محفل میرے سامنے ایک ایسے راستے کی طرح تھے۔ جس پہ قدم رکھے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔"

"تمہیں بھی کیا مجبوری تھی؟"

"محفل۔ دل ہی تو سب سے بڑی مجبوری ہوتی ہے بھائی۔"

"یعنی تم تسلیم کرتی ہو کہ باہر کی زندگی کا ساتھ ہونے پہ تمہارے دل نے تمہیں مجبور کیا۔ اسی کو تو پسند یا محبت کہتے ہیں۔ عائشہ! اور اسی چیز سے تم گریزاں ہو رہی ہو۔"

"دل سے وابستہ جذبات صرف محبت اور پسندیدگی کے ہی نہیں ہوتے بھائی۔"

وہ بڑے بزرگانہ انداز میں اسے دیکھ کے مسکرا دی ہوگی کہ رہی تھی۔

"دل کی بکھ ضرور نہیں بھی ہوتی ہیں۔ کچھ ضرورتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ تقاضے بھی ہیں۔ میرے دل کو عزت کی بڑی بھوک ہے بھائی۔ مجھے نہیں تھی۔ کبھی بیٹ بھر اور نیت بھر عزت ملی تھی تو نہیں۔ اسی حرص میں باہر جی کا یا تھا تھا۔"

"تو خود اس معاملے میں کنگال ہو۔ تمہیں کیا خاک عزت دے گا۔ سمجھتی ہو۔"

شہزاد کو اس بے دیانت سے غصہ آ رہا تھا۔ جس کو بچانے کی اب وہ کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

"اس لیے تو میں تمہاری بدذاتی کا رونا رو رہا ہوں۔ کچھ بھال کے سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا تھا زندگی کے اس اہم معاملے کا۔ تمہارے دل نے تمہارے لیے مرا سر گھمانے کا سودا کیا ہے۔"

"میرا دل تو ہے ہی سدا کا بیمار دل۔ جس نے میرا بھلا کب چاہا ہے۔ ہمیشہ خسارے میں ہی رکھا ہے۔"

وہ سر جھکائے سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

"اور رہا میری بدذاتی کا سوال۔ تو پوچھا ہے۔ اس دل نے کس نفع کا سفارہ کیا تھا کبھی ایک دیکھنے تو سہی۔ بڑی اونچی جگہ لگا ہے۔ اقدار کو اپنی بدذاتی سے کیسی بدذات کے۔"

"میرا حال اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

وہ اس کی سوچوں سے بے خبر اور بے نیاز اپنی کہتا رہا۔

"تمہیں یہ رشتہ ختم کرنا ہوگا۔"

اس نے کوئی فیصلہ صادر کر دیا۔

دعا چونک اٹھی تھی۔

اس نے غور شہزاد کی تصویر سنجیدگی کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ کھل کے آپ کے اشارے۔ میں دو سری بار اپنے دل کی آواز نہیں کچل سکتی۔"

"تمہیں پریشان کرنا ہوگا۔ دل کی دور خدا تمہارے تمہی کی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہو۔"

اس کے صاف انکار۔ شہزاد کو ناگوار تو ہوتا آیا مگر وہ جانتا تھا کہ اس طرح وہ مزید ضد میں آ سکتی ہے۔ اس لیے دانستہ اس نے اپنے لہجے کو حتمی الامکان نرم کیا۔

اب وہ اس کے نرم الفاظ کا ڈھٹا تھا۔ یا پھر زندگی اپنے کا چاہ کہ دعا اس کی بات غور سے سننے پہ راضی ہو گئی۔

"وہ ایک فراڈ شخص ہے تو سرا۔ مطلبی خود غرض اور بے غیرت بھی۔ چار بیوں کی خاطر کچھ بھی کرنے تیار ہو جاتا ہے۔ حلف تسلیمی کا پلڑ ہے۔ اور کیا تمہیں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ جس تم کے لیے تم تحفظ عقیل کو انکار کر رہی ہو اس ذات کا کام۔ شخص بڑے میلے سے تم سے کروانے والا ہے۔ اور تم اس پہ راضی بھی ہو۔"

"آپ کہنا چاہتے ہیں کہ باہر صاحب عقیل کے کہنے پہ مجھ سے شادی کر رہے ہیں۔"

"میں صرف یہ نہیں کہنا چاہتا۔ بلکہ تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ اس شخص کی چالوں سے نکل آؤ۔ جو اپنی بیوی بچوں کا نہیں ہوا۔ وہ تمہارے ساتھ کیا انصاف کرے گا۔ اور میں تو اس بات پہ بھی حیران ہوں کہ تم جیسی لڑکی کسی دوسری عورت کا گھر برباد کرنے کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتی ہے۔"

"بھائی آپ نہیں جانتے باہر صاحب کی بیگم نا صرف ان سے عمر میں بڑی ہیں بلکہ بدمزاج جھگڑالو اور۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

شہزاد نے اس کی بات مکمل نا ہونے دی۔

"کچھ تمہیں جاننی تھی۔ ارے یہ تو بہت پرانا واقعہ ہے۔ اپنا شادی شدہ مردوں کے پاس جس کے ذریعے وہ کم عمر اور نادان لڑکیوں کو گھیرتے ہیں۔ تو بہت سمجھے یہ امید نہیں تھی کہ تم اس جال میں پھنس سکتی ہو۔ میں تو تمہیں بہت سمجھدار سمجھتا تھا۔"

"جیسے۔ ہم آپ نے کبھی بتایا نہیں۔"

وہ بڑی بھرے چہرانہ والی آخر حیرت کے اس بتانے پر شرارت چڑ گئی۔

"اتنا دل چسپ مت کرو۔ اس وقت باتیں کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سنجیدگی سے غور کرو۔ اور نا صرف غور کرو بلکہ چلو اپنے جلد عملی قدم اٹھاؤ۔ میں تمہیں ہو ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"بلکہ کیوں۔"

وہ شاید کچھ سننا چاہتی تھی۔

"اس لیے کہ میرے باپ نے مرتے وقت مجھ سے تمہاری حفاظت اور تمہاری بہتری کا وعدہ لیا تھا۔ اس لیے۔"

وہ ایک لفظ کہہ کر تھوڑے کے کتابوں اور اس کی ساری خوش نمائیوں کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

"کیا آپ کی نظروں میں معتبر ہونے کے لیے اولین شرط "مرنا" ہے۔ کیونکہ زندہ لوگوں کی خاطر آپ کو یوں وقت ضائع کرتے ہی نہیں دیکھا۔"

اس نے دکھے لہجے الفاظ میں یہ بتانا چاہا کہ جس باپ سے آخری وقت میں کیے وعدے کی بات وہ کر رہا ہے اسی باپ کی زندگی میں اس کا ان سے رویہ کیا تھا۔

"وقت نے ضائع کر دیا ہو۔ اپنا بھی۔ اور میرا بھی۔"

شہزاد نے اس کی کڑوی بات پر حیرت جتائی تھی۔

"کیا تمہیں جو گلے شکوے ہیں ان کا حساب کتاب کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔ اس وقت میں تمہیں جو بتا رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ تمہیں میری ضد میں آکر یا جھوٹ نکالنے کی خاطر اگر تم اس بات پر عمل نہ کرتے سے بڑی رسوائی تو نہیں نقصان کر بیٹھو گی۔ ناقابل تلافی نقصان۔"

"آپ یہ سب اتنے یقین سے کیسے کہتے ہیں۔ کیا آپ باپ صاحب سے واقف ہیں؟"

"نا صرف ان سے بلکہ اس کے سارے خاندان سے۔"

"اور کیسی طرح؟" جانتے ہوئے پوچھتے ہوئے پوچھا۔ جب کہ یہ بات پہلے ہی اس کی زبانی بھی بتائی گئی تھی۔ جب اپنی حیثیت بھولنے سے اس کو دیر پہلے نواب صاحب کے بارے میں اس نے رہنما دیا تھا۔

"یہ تفصیل تو ضروری ہے۔"

وہ تفصیل کیا اس کے مطابق لہجے اس کا اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

"اس وقت ضروری صرف یہ ہے کہ تم اپنی آنکھوں پر نقلی رنگ پٹی اتار پھینکو۔ تو اس دھوکے باز شخص نے اس لیے بلایا تھا ہے تاکہ تمہیں اس کی سیاہ کاریاں نظر آ سکیں۔ وہ ایک بدقماش شخص ہے۔ جس سے تم عزت کی طالب ہو۔ وہ اس چیز کا مطلب تک نہیں جانتا۔ عورت ذات کی تکریم اس کی نظر میں عزت ہے نا اہمیت بلکہ وہ تو مرے سے انسانیت کو ہی اہم نہیں جانتا۔ ہر رشتہ ہر تعلق اس کے لیے ایک سیڑھی ہے۔ جسے وہ جب چاہے آگے بڑھنے کے لیے قدم رکھنے کے طور پر استعمال کر لیتا ہے۔ اس کی پہلی بیوی بتاتی ہے اس نے ایک بدزبان عورت کے طور پر مشہور کر کے اسے صرف تم جیسی لڑکیوں کی بے ریاں پانے کے لیے اس سے اپنا تعلق صرف اس لیے برقرار رکھا ہوا ہے کہ وہ ایک عزت دار اور نامی گرامی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ اس کا حسب نسب بھی کم نہیں مگر اپنے آباؤ اجداد کی عزت دو عرصہ پہلے اپنے ہاتھوں ڈبو چکا ہے۔ اب اگر معاشرے میں اس کی تھوڑی بہت عزت ہے وہ اسی خوائے سے ہے۔ اس لیے یہ بات تو جانے ہی دو کہ وہ اپنی

شرافت کی وجہ سے یہ رشتہ نبھا رہا ہے۔ اصل میں اس کے پیچھے بھی اس کی غرض چھپی ہے۔ ورنہ دو چار سال تک اس رشتے کو بوجھ برداشت کرنے والا آدمی نہیں۔"

"میں۔ میں آپ کی بات کا یقین کیسے کر لوں؟"

وہ تذبذب کا شکار تھی۔ بار بار ہاتھوں میں تھی کے بنائے ہوئے اپنے دل میں اس کے لیے جو محبت پیدا ہوئی تھی انہیں اس نے کتنی دیر دبائے رکھا تھا۔ اس طرح پھٹنے لگی تھی جیسے وہ کھا رہا تھا لیکن اب شہزاد ملک ان واقعات کو پھر سے زندہ دے رہا تھا۔

"تمہیں کہنا ہے کہ۔ اور اس کے لیے میں تمہیں ثبوت بھی پیش کر سکتا ہوں۔ اور اگر تم چاہو تو تمہارے اس کلنڈی نواب کو کریدان سے پکڑ کر تمہارے سامنے لا سکتا ہوں۔ وہ اپنے منہ سے قبول کرے گا کہ تم سے شادی کرنے کے پیچھے اس کا کیا مقصد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی ہمت کتنی ہے۔ وہ کتنی بھونکتے والا کتا ہے۔"

"آپ کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ آپ انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا آپ ان سے ملتے رہے ہیں؟"

"ایک بار ملا تھا۔"

شہزاد کی یادداشت میں وہ شام۔ وہ وقت۔ ملاقات آنا ہوئی تو جیسے سوچوں میں رنگ زہر پھیل گیا۔ اس کی تلخی اس کے لہجے سے ہی جھلک رہی تھی۔

"اور اس ایک بار کا شناسائی کافی تھا۔ اس نے خود ہی اپنا آپ مجھ پر کھول دیا تھا۔ وہ اپنا کارنامہ تب بھی اسے بتانے میں مجھے کچھ زیادہ وقت نہ لگا۔ اپنے سوچے دان میں سنزبار لگاتے ہیں۔ وہ مجھے بلیک میل کرنے چلا تھا۔ تو ارادہ تھا۔ اس کے۔"

جوش جذبات میں شہزاد وہ کہہ گیا جو کہنا نہیں چاہتا تھا۔ ثانی اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ ماتھا ٹھنک گئی تھی۔

"بلیک میل۔ مجھے کیسے؟ کس سلسلے میں؟"

"مسئلہ اس۔" وہ سچنے کی رنگ سے اٹھا۔ جیسے بل مثل کرنے کے لیے کوئی مناسب بہانہ ڈھونڈ رہا ہو۔

پھر جب اس نے سب کچھ سچ سچ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"وہ مجھے کل مرے سلسلے میں بلیک مل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کل مرے۔ وہ میں شادی کر رہا تھا۔ اس سے اور اس کے کردار کی اور اس کی میرے رشتے کی بات کرتے تھے۔ جانتی ہو یہ اس گھرانے کا المیہ ہے۔ جتنی کل مرے کا سوچیل گھنٹا ہے اور اس خاندان سے کوئی مخلص ہے اس کا تو اس بات سے تعلق تو۔ جس وقت میرے ماں باپ اس کو میں پہنچے تھے۔ تو کچھ۔ اس وقت وہ اس جگہ سے ذرا بھی فاصلے۔ مجھ سے اپنا مدد بند رکھنے کی قیمت طلب کر رہا تھا۔ مجھے دھمکا رہا تھا کہ اگر میں اسے اس کی مطلوبہ رقم ادا نہیں کروں گا تو وہ میری اصلیت سب کو بتا دے گا۔ مجھے بدنام کر کے۔ میرے خاندان سے۔"

کچھ ہچکچاہٹ کے بعد یہ ہو گیا۔

اس حقیقت کو اپنی زبان سے بیان کرنے سے بہت گھٹن محسوس ہوئی۔ عام حالات میں وہ کبھی بھی بول دیا کرتے یا کسی اور کے سامنے یہ باتیں ظاہر کرتا۔ لیکن اس وقت اسے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دعا یار کے بارے میں کچھ بھی بتانے پر تیار نہ تھی۔ لیکن کہنا بہت ضروری بات تھی۔ شہزاد کی بات مختلف تھی۔ اگر وہ اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر دے۔

"جو شخص اپنے اتنے قریبی عزیزوں سے مخلص نہیں بلکہ ان کے جذبات کو بھی کیش کرانے کا سوچتا ہے وہ کسی غیر کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اب تو ہماری سمجھ میں یہ بات آ چکی ہے۔"

اس نے پوری امید کے ساتھ دعا کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر اس وقت ناقابل فہم تاثرات تھے۔

"ہاں" سمجھ گئی ہوں۔ ساری بات سمجھ گئی ہوں۔"

وہ اپنے شہزاد کے چہرے پہ نظر جمائے کہا۔

اس وقت ان لفظوں میں اُسے اتنی بے گانگی اور بے اعتباری نظر آئی کہ وہ ٹھٹھا لگا رہ گیا۔

"آپ بھی ہوں کہ بابر صاحب سے مجھے متنفر کرنے کی آپ کی ان کوششوں کا مقصد کیا ہے انتقام۔ صرف اور صرف انتقام۔ بابر صاحب کی بروقت مداخلت کی وجہ سے آپ کے ارمان ادھورے رہ گئے۔ کسی اور کے کاندھوں پہ سوار ہو کے اپنا بدلہ لینے کے لیے آپ کو اور کوئی بہانہ نہیں ملا تو ان اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آئے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" وہ دہاڑا تھا۔

"سچ سننا مشکل ہوتا ہے نا بھائی۔ اور آپ کو تو غیروں سے کہیں زیادہ مشکل لگتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ آپ کو یہ عادت ڈال لینی چاہیے۔ آئندہ کام آئے گی۔ کون جانے ابھی اور کتنے کڑوے سچ سننا باقی ہوں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم بول رہی ہو۔ تم۔ روفی۔"

غصے کی شدت نے ہوش کو دھکا دے کر اس پہ غلبہ پا لیا۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا بھائی کہ آپ میرے ساتھ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔"

رعنائی آواز بھرا گئی۔ اس کی آنکھوں کے فرش دھندلا سے گئے۔

"آپ مجھے پسند نہیں کرتے انجم سے چڑتے ہیں۔ یہ تو میں جانتی تھی لیکن کہیں نا کہیں یہ بات بھی خوش فہمی تھی کہ آپ کبھی میرا برا نہیں چاہ سکتے۔ اور میری یہ خوش فہمی آج میرا منہ چڑا رہی ہے۔ آپ کی ناپسندیدگی نفرت میں کب بدلی میں جان ہی نہ پائی۔ آپ اپنی ناکامی کا غصہ نکالنے کے لیے مجھے استعمال کر سکتے ہیں۔ اپنی دشمنی میں اپنے انتقام کی خاطر میری زندگی سے یہ واسطہ امید چھین سکتے ہیں۔ مجھے بھی یقین نہیں آ رہا بھائی۔"

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔

شہزاد بے بسی سے اسے آنسو بہاتے دیکھتا رہا۔

خاموشی سے اس کے اثرات، شکستگی اور اس کی بوجھل نیندوں کی انتہا میں جا پہنچا تھا۔

"تمہارا چہرہ اترا ہوا تمہارے اندر؟"

بہت دیر بعد اس نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو ملنا آیا تھا۔ کن میں بھر لی گئی۔"

"یہی تو حماقت تھی تمہاری۔ میں چاہتی تھی تم حاصل نا کر سکنے کا مطلب یہ نہیں کہ خانہ بدوش کے لیے انسان کا کبھی دامن میں بھر لے تو جو چاہتی تھیں وہ پا لے۔ تمہارا اختیار بے لگام نہیں۔ لیکن خود کو بچانے پہ تو تمہارا اختیار ہے نا۔ مجھ سے تمہیں وہ بھی بدگمانیاں ہیں، وہ تو سوچیں۔ ان کی وضاحت میں کر سکتا ہوں لیکن اس وقت زیادہ ضروری ہے تمہاری ان خوش گمانیوں کو دور کرنا جو تمہیں باہر دکھائی دیتی ہیں۔ کھل رہے ہو تم نے میرے بارے میں ایسی ایسی باتیں سوچ لیں۔ جن کا کوئی وجود ہی نہیں اور سامنے والی حقیقت پہ تم غور نہیں کر رہیں۔ چلو ایک منٹ کے لیے میں مان بھی لوں کہ یہ سب میں نے باہر سے انتقام لینے کے لیے کیا ہے۔ تب بھی تمہیں بتانا تھا اور کہ باہر سے لیا کچھ کیا ہے۔ جس نے تمہیں انتقام لینے پہ مجبور کر دیا۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ تم نے مجھے غلط سمجھا۔ پھر بھی میں اس بات کو بھلا دوں گا۔ تم بھلے مجھے غلط سمجھتی رہو۔ لیکن اس شخص کی غلطی کو بھی قطعاً بھول جاؤ۔"

"صرف آپ کے کہنے میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تم کس قدر ضدی ہو گئی ہو۔"

وہ چیخ اٹھا تھا۔

"میں اپنی ضد پہ تلی ہی کب ہوں۔"

اس کے ہونٹ پہ ایک تلخ اور زہریلی مسکراہٹ تھی۔ جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ شہزاد اٹھ کھڑا ہوا۔

"دماغ خراب ہے میرا جو گھنٹا بھر سے خود کو کچھ کہا رہا ہوں۔ تم جانے والی نہیں ہو۔"

"ایں۔ اتنی دو حوصلہ ہے؟"

رعنائی ہونٹ بھینچنے والی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔

"گھنٹا بھر میں ہی ہمت جواب دے گئی۔ میرے حوصلے کی داد دیتے ہوئے ایک عمر سے خود کو کھپا رہی ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی کے آنے والے نہیں۔"

شہزاد اپنی بات کہہ دینے کے بعد غصے کے مارے کھڑا ہو چکا تھا اور جس نکلنے ہی والا تھا۔ رعنائی اس بات پہ سن ہو کے رہ گیا۔ اس کے قدم جم گئے۔ اس نے رعنائی جانب غور سے دیکھا اور حیرت سے سوچنے لگا۔

"کیا چیز ہو تم رعنائی؟ ابھی یوں لگتا ہے جیسے تمہیں مجھ پہ اتنا غصہ ہے کہ جس چلے پہ مجھے بھسم کر ڈالو گی اور کبھی لگتا ہے جیسے تم ابھی تک وہیں کھڑی ہو جہاں میں نے تمہیں آج سے تو سال پہلے چھوڑا تھا۔ کبھی تو تمہاری باتوں میں نفرت کے ایسے لپکے ہوتے ہیں کہ میرا اندر باہر جھلس جاتا ہے اور کبھی تمہاری آنکھوں میں وہ شکستہ اترائی ہے جو بار بار میں تھنڈک بھر دیتی ہے۔ کیا چیز ہو تم رعنائی؟"

وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں ہی سرخ آنکھوں، بھیگے رخساروں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اچانک ماحول پہ چھانے والے اس دلکش سکوت کو کال بیل کی آواز نے توڑ دیا۔

"اپنی آ گئے۔"

وہ انگلیاں دیتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی۔

"یہ اچھی بات ہے۔"

شہزاد واپس جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے ایک بار پھر صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"ان سے بھی اس مسئلے پہ بات ہو جائے تو اچھا ہے۔ تمہارے مقابلے میں تو کچھ زیادہ ہی معقل ہوں گی۔ ان کے پاس رہ کے ان سے بات کیے بغیر میرا اندازہ ہے کہ اس رشتے میں ان کی رضامندی نا ہونے کے برابر ہو گی۔"

رعنائی کوئی جواب دیے بغیر باہر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

دروازے سے اترتے ہوئے بابر ہی وہیں مغل نے گھر کے باہر کھڑی وائٹ کرولا دیکھی۔ گھر زیادہ غور کیا۔ اندر مختصر سے کار پورچ میں رعنائی کی سکینڈ ہینڈ سوزوکی الٹو اکیلی بھی کھڑی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ گھر پہ ہی ہے۔

"میں اصرار کے ساتھ کہا کہ وہ جائیں گی بھی کہاں؟" وہ خود ہی خود مسکرا اٹھا۔

"اور یہ۔ تنہا ہو گا کوئی۔ کیا کی وہ اچھا سرپرائز کا انتظار کشیدہ۔"

وہ اپنی سے شانے اچکاتے ہوئے اپنے کال بیل پہ ہاتھ دھرا۔

تیز اس کی شدت سے رساں بجتی آئی تھی۔

● ● ●

ایک چاندنی نکلا میدان تھا۔

سرخ مٹی سے اٹا ہوا کسی آسمان کا رنگ بھی سرمئی بادل نیلا سا تھا۔

اچانک انہوں نے اس کو کر فضا میں ایک مطرا آسمانی آنچل پھڑپھڑاتے دیکھا۔

وہ جو اس منظر کی دہشت سے سہمے ہوئے ایک جانب چپ چاپ کھڑے تھے اس آسمانی نعمت کو دیکھ کر بے

تھے۔ اپنے لڑکھڑاتے قدموں کو بمشکل سنبھالتے وہ اس جانب بڑھنے لگے تھے مگر ثمرہ آنچل ابھی اور دور بہت دور ہو چکا تھا۔

اس آنچل کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ ایک بار پھر پیچھے مڑے۔ پیچھے ملگجی رات کی بجائے گھنٹوں کی گہرائی کی گئی پیڑیوں تک کھدی ہوئی تو قدم ایک دم رک گئے۔ ان کی نظریں تو مسلسل اس آگے آگے اڑتے آنچل پر جمی تھیں۔ اپنے کردار کی طرف کی تبدیلی کی جانب دیکھ ہی نہ سکے۔ اب جو پل بھر کو رک کے دیکھا تو مارا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔

آسمان پر سرخی کی بجائے تاریکی کا راج تھا۔ اتنا ہی اندھیرا جتنا کہ یہ آنچل تھا جس کی کشش انہیں دوڑائے جا رہی تھی۔

وہ دیوانہ وار جلتا ہوا میدان کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ تو ایک سرسبز شاداب جنگل سے ہرا سبزہ میں اور گل و بوٹے کی خوشبو سے فضا میں سما گئی تھی۔ ہر طرف ہی ہے جو جن نظریں کسی بھی منظر پر جمتی جا رہی تھیں۔ یہ تو اب بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کدھر بھٹک رہی تھیں۔

ان کی نگاہوں نے دیوانہ وار انہیں کی تلاش میں جنگلے وہ رسائی تک نہ پہنچے تھے۔ وہ آنچل سمجھ کے پیچھے لے آئے ہیں بار بار پکارا تھا۔ وہ خاموش انداز میں اس طرف بڑھے۔

"ثمرت!"

زندگی میں پہلی بار انہوں نے اتنی بے ساختگی اور بے تکلفی سے یہ نام پکارا تھا ورنہ رعب حسن نے ہمیشہ احترام ملحوظ خاطر رکھنے پر مجبور کیا۔

"ثمرت! آپ کہاں تھیں؟ میں کب سے آپ کو تلاش کر رہا تھا۔"

انہوں نے آنچل کی اوٹ میں چھپے اس چہرے کو اپنی نظروں میں اتارتے ہوئے کہا۔ اس کا ایک بھی نقش واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک جذبہ بہت شدت سے دبا ہوا تھا۔ کس قدر ان ہوئے کے تاثر پر لرزتے اس آنچل آنچل کو وہ نازک ہاتھوں نے ہوئے سمیٹ کر دوبارہ اپنی طرف اپنے وجود کو اس سے دھانپ لیا۔

"آپ نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔ آپ اتنا ثمرت آخر کہاں تھیں؟"

ثمران کے سوال کا جواب دیے بغیر آنچل روتے ہوئے نظروں میں اتارتے ہوئے ان کا ایک بھی نقش واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک جذبہ بہت شدت سے دبا ہوا تھا۔ کس قدر ان ہوئے کے تاثر پر لرزتے اس آنچل آنچل کو وہ نازک ہاتھوں نے ہوئے سمیٹ کر دوبارہ اپنی طرف اپنے وجود کو اس سے دھانپ لیا۔

"آپ نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔ آپ اتنا ثمرت آخر کہاں تھیں؟"

ثمران کے سوال کا جواب دیے بغیر آنچل روتے ہوئے نظروں میں اتارتے ہوئے کہا۔ وہ ایک طرف سے دوسری جانب مڑ گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی طاقت سے کھینچ کر ان کی بے ارادہ اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

ان کی نظریں اس آنچل پر جمی تھیں جیسے نظروں کو یہ سہارا اختیاری ہو گیا ہو۔ وہ اور ان میں ہو جائے گا۔ وہ کسی اور طرف دیکھنے کی بات ہی نہیں تھے۔ اس کے پاس ہر اچانک ہی فاصلے پر آگے آگے بڑھتا ہوا وہ جنگل ہو گیا۔

انہوں نے بے قراری سے ارد گرد ماحول کو دیکھا تو منظر کو ایک بار پھر تبدیل پایا۔

یہ کسی گاؤں کا منظر تھا۔ کہیں جانب سے کوئی کی کلیاں کھل رہی تھیں جبکہ سامنے دوری میں حویلی تھی اور تلخین جھنڈیوں اور پھولوں سے سجی تھی۔ اس کھلے سے میدان کے آثار بتا رہے تھے کہ کچھ دیر قبل یہاں خاصی رونق تھی مگر اب وہ کسی کی موت کی وجہ سے اداس ہو رہے تھے ماسوائے اس کے۔

زمین پر بچھے ہوئے غلاف پر روتی ہوئی جھنڈیاں، خوشی کی چادروں کے کونے پر اڑ رہے تھے۔ پانی پر بیٹھا ہوا تھا کہ یہاں کتنی بھگدڑ مچی تھی۔ قلفی والے اخبار والے اور گولا اٹھا جانے والوں کی بڑھیاں کھڑی تھیں۔ کھرچ بیچنے والے مداری تھے۔ خریدنے والے نظر آ رہے تھے۔

ٹکڑے بیچنے والے اور پاپڑ والے کی خوانچے اور ٹھیلے بھرے پڑے تھے۔ پاپڑ اور زردے کی پلیٹیں بھی اٹھی ہوئی تھیں۔ ہر جانب کر دکار اور تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے گھوڑے سرپٹ دوڑتے یہاں سے گزرے ہوں۔

اچانک موبائل کے اندر سے ماتم کی آوازیں آنے لگیں۔ ملن کی وحشت بڑھ گئی۔

"ثمرت... ثمرت..."

وہ اپنا گریبان نوچنے چلانے لگے۔ اس ماتم میں ان کو ایسی آوازیں آتی سنائی دے رہی تھیں جو ان کی بے حد عزیز ہستیوں کی تھیں۔ جن کے متعلق غم کے نیال سے وہ بے حال ہو رہے تھے۔

"کہاں ہیں... آپ کے بے صبا..."

اس دھیمی آواز پر وہ چونکے۔

ثمرت کہیں نظر آتی تھی وہ آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

"آپ کے ہمارا ہیں ہمیں ملنا ہے ہمیں... ہم کہیں ہیں... ہمیں کہیں آپ کے ہو گئے۔"

پہلی بار انہوں نے اتنی لمبی بات کی تھی ورنہ ایک دو الفاظ بھی بمشکل ادا کیا کرتی تھیں۔

"ثمرت... ثمرت... خدارا سامنے آ جائیں۔ یہی حضور اس صدمے کو سہہ نہیں پا رہیں۔ بچا حضور کا دل پھٹ جائے گا۔ ثمرت... ہم... ہم تو... ان کی نواسی ہیں۔"

"ہمیں تلاش کیجیے۔ ہمیں آپ کی... آپ سب کی ضرورت ہے۔ آپ سب کی مدد کی۔ ہماری مدد کیجیے۔ آپ سب تارے اپنے ہیں اور اپنے ہی مشکل وقت میں مدد کرتے ہیں۔ ہمیں اس وقت آپ سب کی مدد چاہیے۔ یہ ہمارا حق ہے کہ حق ادا کر دیجیے۔"

وہ آواز مدھم پڑتی رفتہ رفتہ دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔

"ثمرت!" انہوں نے پوری شدت سے چلایا تھا۔ ان کی آواز ادھوری گلے کے رہ گئی۔

گلے میں خراشیں سی خراشیں محسوس ہو رہی تھیں۔

"نواب صاحب... نواب صاحب..."

انہیں اپنے اوپر کوئی سوال بوجھ جھکا ہوا محسوس ہوا۔

"نواب صاحب... کیا ہوا؟" انہوں نے شل ہوتے ہوئے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سامنے صاحبزادی حضرت النساء کا متفکر چہرہ تھا۔

منظر ایک بار پھر تبدیل ہو چکا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں تھے۔ اپنے بستر پر۔

ان کی بیوی اپنے سے بیگا ہوا تھا اور دل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی بار پھر ہاتھ کسی کا سہارا لے کر ذرا سا اٹھے۔

"طبیعت ناساز ہو رہی ہے آپ کی؟" انہیں اپنا جسد سلگتے ہوئے دیکھ کر صاحبزادی حضرت النساء نے پوچھا۔

"پہلو میں درد سا ہو رہا ہے۔"

"نہیں۔" وقت انہوں نے کہا۔ میں سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"شاید کوئی برا خواب دیکھ لیا تھا آپ نے۔"

آہستہ سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر کروٹ لینے سے سرکتے کر آنکھیں موند لیں۔ اس خواب کے تمام منظر ایک ایک کر کے دماغ میں بند پلکوں کے پیچھے منعکس ہونے لگے۔

"برا نہیں بلکہ بہت برا۔"

"خدا نخواستہ ایسا کچھ نہ ہو... نہیں نہیں نہیں ہو سکتا ہے۔"

پوچھتے پوچھتے وہ خود ہی منع کرنے لگیں۔

"بلکہ کسی کو بھی نہ بتایا جائے گا۔ کہتے ہیں برے خوابوں کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ کسی نہ کسی صورت سچ ہو کر سامنے آتے ہیں۔"

"اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ خواب سچا ہو۔"

"کیا؟ — برا خواب اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ پورا ہو؟"

اچھے سے کئے سوال پہ نواب صاحب کچھ نہ کہہ سکے تو بھی بوکھلا کر کیا کہتے کہ۔

"ہم نے خواب میں صاحبزادی فرحت النساء کو مجسم دیکھا ہے۔ انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ وہ ہمارے آس پاس بہت نزدیک موجود ہیں اور تب سے ہمارا دل پکار رہا ہے کہ کاش یہ خواب پورا ہو۔ کسی طرح اس حد تک جا ثابت ہو کہ وہ آج بھی زندہ سلامت ہمارے درمیان موجود ہوں۔"

مگر یہ باتیں وہ اپنے کہہ نہیں پائے تھے۔ وہ ان کی شریک حیات تھیں۔ ہر دکھ درد کی ساتھی۔ مگر نہ وہ درد ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ دل ہی نہیں ہوتا۔ وہ بھی اس درد کی تین عشروں سے بھی زیادہ عرصے سے دل میں چھپائے اکیلے سہتے آ رہے تھے لیکن یہ خواب احساس تھا۔ اسے بانٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ فرحت کی موجودگی کا احساس یہ احساس جو اس انجان مگر آتا آتش والے چہرے کو دیکھ کر دل میں جاگا تھا اور وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ یہ راز اپنی نصف بہتر سے بانٹیں یا نہیں۔

"وہ صاحبزادی فرحت النساء کی شبیہ بھی تو ہیں۔ یہ بات ہم کیوں فراموش کر جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ ہمارے تئیں اپنے شوہر کی بحالی ان کے دل میں چھپی اس دلفریب محبت کی پیداوار ہوں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی اپنی محبتوں کے نگر سے بے قرار ہو جائیں۔ وہ بھی اس چہرے کو دیکھنے کی اسی تمنا سے ملنا چاہتی ہیں۔"

یہ سوچ کر لاکھ انہوں نے اپنی فلم بدل کا بوجھ ہلکا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ہم نے — ہم نے صاحبزادی فرحت النساء" — یہ نام لینے کے بعد ایک لمحہ ٹھہر کے رک کر انہوں نے اپنی فلم کا چہرہ دیکھنا چاہا جو ماسوائے تفکر کے — ہر تاثر سے پاک تھا۔ یہ نام ان لینے کے بعد بھی وہاں کوئی معمولی تغیر نہیں ابھرے تھے۔

"ہم نے انہیں دیکھا ہے۔"

ایک بار پھر انہوں نے نظریں سامنے اٹھا کر دیکھا۔

اب اس چہرے سے تفکر کی آخری پرچھائیں تک غائب تھی۔ بے حد سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔

نواب صاحب کو حیرت ہوئی کہ اتنی بڑی بات پہ بھی انہوں نے کوئی ردعمل کیوں نہیں ظاہر کیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے ایک گہری اور طویل سانس بھر کے کہا۔ نواب صاحب شدت سے اس غلط فہمی والی بات کو جھٹلانا چاہتے تھے لیکن ابھی انہوں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ مزید گویا ہوئیں۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے حضور — وہ آپا حضور نہیں ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتیں — ہاں وہ ان جیسی تلخی ضرور ہیں اور اس اتفاق پہ حیرت نہیں بھی ہے۔"

"آپ سے کس نے کہا ہے۔"

"جی بس ہم نے بھی یہ تصویر اخبار میں دیکھی تھی اور کوشش کی تھی کہ یہ اخبار آپ تک نہ پہنچے مگر۔"

"تو یہ تصویر آپ بھی کوئی فائدہ نہ دے سکی۔ ہم نے سامنے اس تصویر کے اخبار میں شائع ہونے سے پہلے ہی ہم اس چہرے کو دیکھ چکے تھے۔ مگر یہ بھی کوئی امید نہیں بھر سکے۔"

"اور ہم آج سے چار مہینے قبل انہیں دیکھ چکے ہیں۔"

اس انکشاف پہ نواب صاحب نے استفہامی انداز میں انہیں دیکھا۔

صاحبزادی حرمت النساء نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہم درست کہہ رہے ہیں۔ لیکن ہمیں آپ کی طرح یہ شائبہ نہیں ہوا کہ وہ آپا حضور ہوں گی۔ یہ تو ناممکنات میں سے ہے۔ اگر اللہ نے کوئی کرشمہ کر دکھایا تب بھی ان پہ عمر رفتہ نہ گئی ہو گی۔ کیونکہ وہ شبیہ بھی بمشکل تیس بتیس برس کی آدھی ادھوری ہوں گی۔ ہاں ہمیں اس درجہ مشابہت پہ حیرت ضرور ہوئی تھی۔ خیر کسی تعلق یا رشتہ کے اتنی مشابہت بھی دیکھنے میں نہیں آتی۔"

"اور آپ نے انہیں پانچ مہینے میں ہم سے ذکر کا تک گوارا نہ کیا۔"

ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

"اعتراض کرتے ہیں آپ! یقیناً یہ ضرور تذکرہ کیا تھا اور انہوں نے اسے ہماری غلط فہمی قرار دے کر تلخی سے مسترد کیا تھا۔ ہم ہدایات آپ سے لے کے آپ کے ذہن کو پراگندہ کرنے کی کوشش مت کریں۔ لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ قدرت خود ہی بات کو نہاں رکھنے۔ نادیدہ رکھنے۔"

"قدرت کا ہی ایک اشارہ ہمیں اس خواب میں ملا ہے۔"

وہ مختصر انداز میں اپنے خواب کا ذکر کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

"ہم حق سے گزرا۔"

گل سرخ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے شانوں پہ بکھرے بالوں میں تیزی سے برش چلاتے ہوئے یہ جملہ کہا۔ مگر برش چلاتے ہاتھ فوراً ہی فرش پہ جا گرے۔ ہاتھ رکے کے کر لچکانے لگے۔

"حق سے پہلے کتنے آپ نے سروں کو ہی شاقی آئی تھی بلکہ یہ آج چاند کہاں سے نکلا جو آئینے کے روبرو کھڑے ہوئے اپنے آپ کو ہی دیکھ رہی تھی۔"

وہ ہنسی دانے لگا۔ کہیں اس کی ہنسی سے مشتعل ہو کے اس کی آتش مزاج بیوی ہوا سا بھڑک اس کے بالوں پہ بھی تیز دے مارے۔

"ہنسیں بی بی۔ اتنی کی حد تک پگلوا رہا ہے۔ یہ آپ خود کو کیا کس غلط فہمی میں کہہ رہی ہیں۔"

"اکھوا بند کرو۔ ہم اپنے آپ کو نہیں بلکہ تمہیں دیکھ رہا تھا کہ کام کر دیکھ چلا یا درد فہمان ہو جاؤ۔"

"دولت تو ہماری اور دیکھو کام کر کام مکمل کرنے کی بجائے دہاں سے کھسک گیا۔"

گل سرخ ایک بار پھر آئینے کو گھورا۔ اس کے صبیح مگر تلخی رنگ چہرے پہ آج وہ بڑی بڑی آنکھوں میں غصہ تھا گل تھا اور بے زاری بھی۔

"کبھی جب تم سمجھ میں نہیں ہوتیں تو بڑی اوپری اوپری — الگ الگ سی دکھتی ہو۔ یہ ہلکا ہلکا سا غصہ بھی تمہاری سرمئی آنکھوں کا سارا حسن ہے اور لیے نقطے بھی بڑا تیکھا۔"

ایک بار عصمت نے اس کے کسی بات پہ ہنسنے چلنے پہ بڑے سکون بھرے انداز میں کہا تھا۔ وہی انداز جو اسے بھی ہنسانے اور بے خبری لگا کرتا تھا۔

"اگر حملہ یہ سارے موہوم ہی گزرے ہیں۔ سارا دن ہمارے عشق کی قسمیں کھاتا نہ تھکتا نہیں تھا اور کیسے جنی ہمدردیاں ہی کھر میں ہمارے سامنے ہماری ہی بہن کے ساتھ بلاتے ہوئے اسے ذرا سی شرم بھی نہیں آتی۔ ہمارا اس کے بارے میں اندازہ بالکل درست ہے۔ یہ شخص بے ہی بے حیثیت اور بے اور یہ موہوما صاحبزادی الیاس خاتون بڑی تو ہوتی ہیں مگر ہمارے جیسے زمانے کی بھرپور دانش و فراست ان محترمہ نے کھول کر رکھ دی ہو اور اس ہونے کی بولوں میں تو خلش آتی۔ ہمیں نہیں آتی ہو گی اسے اپنے سکھیتر سے یہ سب باتیں سنتے ہوئے جو بھی ہو اس کے سامنے نہ ہمارے لیے کہا کرتا تھا۔"

وہ بلاوجہ جھنجلا رہی تھی۔

پہلے پہل اسے موتیا کی عصبیت سے نسبت ٹھہرانے جانے پر اعتراض اس لیے ہوا تھا کہ انہی دنوں شہزاد کے مسئلے کی وجہ سے بوکھلی ہوئی تھی۔ اسے گھر والوں کا یہ فیصلہ بے رحمانہ لگا تھا کہ ایک طرف تو روتے بلکتے اور قربانی اور ایثار کے مسئلے دیتی اور دوسری جانب گھر میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔

اگر شہزاد کی حقیقت اتنی کربناک نہ تھی یہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جاتا تو اسے اس نئے رشتے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن اب جبکہ وہ اپنا اعتبار کھو چکی تھی۔ اس کی زندگی اس کی بے کسی پر اسے بہت ان تھا اس کو کھوکھلا پن سب واضح ہو گیا تھا ایسے میں عصبیت اتنے دھڑکتی تھی اس کی اپنائیت سے وابستہ ہو جانا اسے کتنا سہارا دے رہا تھا۔

اپنی غلطی کو وہ کبھی تسلیم کرتی تھی تو کبھی ہی دل میں۔ کوئی اور اسے اس کی غلطی کا احساس دلائے یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

عصبیت اب بھی اسے نظر انداز کر کے آتا تھا تو اس کے جانے پر منہ چھپائے پھرا تھا اور نہ اب اس کی بہن سے وابستہ ہو جانے پر کھنچا کھنچا تھا۔ اس کے برعکس اس کا رویہ اب کل سے بہت نارمل ہو چکا تھا۔ وہ معمول کے مطابق اس سے وہی رویہ روا رکھتا جیسا کہ اس کا تھا۔ باقاعدگی سے حال چال بھی دریافت کیا کرتا۔ یہ رویہ بھی کوا اور مشتعل کر رہا تھا۔ اس کی تنگ نظری اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر رہی تھی کہ عصبیت کے یہ انداز سراسر چرانے کی خاطر ہیں۔

"ہمیں دیکھ کے ہی خواتین دانت نکل آتے ہیں موصوف کے۔ جبھی ہمیں پتا ہے موتیا سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے لگتا ہے ہونہہ اس کا خیال ہو گا تبھی ہم ان دونوں کو دیکھ کے جل مرتی ہے سال بھر تک تو ہم ہیں مگر حد سے یاد رکھات سے نہیں مگر یہ سوچ کر کہ موتیا کو بھی جلا کر کیا آتی اور بے کار شخص کے ترنے میں آ گئی۔ تو ذرا جو اس شخص میں کوئی سوچنے والی بات ہو۔ ہر وقت گھر میں گھسے رہتا اور بیویوں کی طرح گھریلو معاملات اور بچوں میں خود کو منہمک کیے رکھتا۔ سارے زمانہ شوق۔"

جھلائی ہوئی دلہن میں شکلی رہی۔

☆ ☆ ☆

اپنے مخصوص بلا ہوا انداز میں پیارا ماہی شکل نے دعائے گیٹ پہ گلی کال نکل پہ انگلی رکھی۔

آج اس کی شامت اسے یہاں کھینچ لائی تھی۔

"اس سے پہلے کہ آپ پیار کا مل اچھا ہونے کا فتویٰ صادر کریں ہم بتائے چلیں کہ ان کے آنے سے ہو آجاتی ہے منہ دیکھ لیں۔"

سامنے دعا کا چہرہ دیکھتے ہی اس کی طبیعت چونچال پہ آمادہ ہوئی مگر عالی تنبیہ کی اور یہ تھیں پتہ محسوس کر کے وہ سنبھلا۔

"حضرت! آپ کی چاپلوسی پہ تو دل کی فکر ہے" کمالے پہ دروں کی طرح دعا کے سامنے آتے ہی وہ اندر ہی اندر ہر وقت ڈرتا رہتا تھا کہ اس کا جانا نہ پھوٹ جائے۔ اب بھی اس کی گمبھیر سنجیدگی اسے کھٹکے میں ڈال رہی تھی۔

"دیکھو پہلے فون پہ بات ہوتی تو آپ سے بہت تو تاکی محسوس ہو رہی تھیں اور اب ـــ"

دعا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ عقب سے شہزاد کی آواز ابھری جو کب سے انتظار کر رہا تھا کہ باہر کے ڈرامے ختم ہوں تو وہ اندر آئے۔

"ساری باتیں باہر کھڑے کر لیں گے نواب صاحب اندر بھی تشریف آوری ہو گی؟"

اس جھلکتے لہجے پر جہاں شقاوت سامنے کے کھڑا ہو گیا وہیں عالی چپکی کے رہ گئے۔

دعا ایک طرف ہٹی تو اسے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا شہزاد ملک نظر آیا جو چہرے پہ چار خانہ

تاثرات لیے خونخوار نظروں سے اسی کو گھور رہا تھا۔

پچھلے دو روز کے فراق نے اسے بے چین بنا رکھی تھی۔ اس نئی صورت حال پہ اس کا دل کھٹک سا گیا۔ تاہم اس نے باقاعدہ کھلکھلانے لگیں۔

"سارے کی ضرورت تو نہیں نواب صاحب!"

شہزاد کے لبوں پہ بڑی دلربا سی مسکراہٹ پھیلی۔

باہر نے دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ دعا کو مزید دیکھنا چاہا جس کی آنکھوں کی الجھن رفتہ رفتہ بے یقینی میں بدل رہی تھی۔

"اندر جا میں یا بیٹھ جائیں۔"

اس نے فیصلہ کرنا چاہا۔ ہیں اور نہ کے بیچوں بیچ ان دونوں کے سامنے کھڑا وہ اپنی پوزیشن میں بھی خمیں تھا۔ یا خطرہ تھا کہ کیا؟ اس نے قدم اندر کی جانب بڑھائے رہا۔

"جو ہو سو ہو۔ دیکھ لیں گے اس بھانڈا بن جانے کو بھی۔"

☆ ☆ ☆

"کیا اشارہ ہے آپ کے خواب ہمیں کر کے اور کے خواب کا ذکر کر کے ہمیں اضطراری حرمت النساء بھی سوچ میں پڑ گئیں۔

"یہی تو سمجھ نہیں پا رہے۔ ایک جانب ہمارا دل ان ہمیں کہتا ہے کہ یہ خواب آپ کی ہی اشارہ ہے اور تب جانتی ہیں کہ ہمارا وجدان اپنے خوابوں کے متعلق غلط بھی نہیں ہوتا۔ ہمارے اکثر خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ جب ان کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا تھا۔ تب بھی کئی روز پہلے ہم نے خواب میں سیلاب اور دریا کی طغیانی دیکھی تھی۔ پھر حضور کی وفات سے ایک دن پہلے ہم نے خواب میں اس حویلی کے ستون بھرے ہوئے دیکھے تھے۔"

"ہو جاؤ پیلا۔ ہمیں ڈر ہے یہ خواب ہم جب نے بہت پریشان کی نالہ میں بنایا تھا۔"

"ہمیں اور بھی ان گنت خدشے ہیں اس لیے ہمارا تشویش میں مبتلا ہونا فطری ہے۔ ہم اس خواب کو چھوڑ کر بھی جھٹلا نہیں پا رہے لیکن دوسری طرف عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا صاحبزادی حرمت کو اب ہم سے کس مدد کی حاجت ہے۔ جب تھی۔ تب تو ہم کام نہ آ سکے اور اب وہ ہر حاجت سے ہر طلب سے ماورا ہو چکی ہیں۔"

"ہماری ناقص رائے کے مطابق تو ـــ"

بات کرتے کرتے ذرا سا ہچکچا کے ہیں تو نواب صاحب نے حوصلہ افزا نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے گویا بات مکمل کرنے کا اشارہ دیا۔

"ہمارا خیال تو یہ ہے کہ قرآن خوانی کا اہتمام کروا کے ان کی مغفرت اور ایصال ثواب کے لیے حاجت مندوں میں بروقت کھانا تقسیم کر دیا جائے۔"

"آپ کا مشورہ درست اور قابل قبول ہے لیکن معذرت کے ساتھ ہمارا نہیں خیال کہ اس عمل سے ہماری تشفی ہو پائے گی۔ نجانے کیوں مگر بار بار ہمارے دل و دماغ میں ایک ہی راہ سجھائی دیتی ہے اور وہ یہ اس کی سے ہمارا۔ ہمیں یہ پتا لگانا چاہیے کہ آخر وہیں کون؟"

"آپ جانتے تو ہیں۔"

صاحبزادی حرمت النساء کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔ شاید شہزاد ملک کا حوالہ دینا انہیں ناگوار امر محسوس ہو رہا ہو۔

"انہی حضرت کی عزیزہ ہیں یہ آئے تھے بصورت کے پلندے اٹھائے ہوئے۔"

ان کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔

صاحبزادہ نصیر علی خان نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

"ہماری محکومیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ صورت وہ آواز ڈھونڈ رہا ہے۔ سب کسی اور کی بولی بولتا ہے۔"

بے خودی میں کہے گئے ان کے یہ اپنے الفاظ انہیں چکر کے سامنے جھوٹ کر گئے۔ جھینپ کر انہوں نے نظریں جرائیں کو راستے عصا کو گرفت مضبوط کر کے اس کیفیت سے نکلنے کی کوشش کی۔

"بہرحال ہمیں اپنی اس الجھن کا سراغ ڈھونڈنا ہے۔ آپ ہمارے صوفی عصمت میاں کو ہمارے پاس بھیجیے۔ ہمیں ان سے بات کرنا ہے۔"

"اس معاملے میں!"

وہ اطلاع حیران نہیں ہوئی تھیں۔ آج تک بچوں کو ان کی بڑی قدامت کے ساتھ گزرنے والے حادثے سے واقعتہً بے خبر رکھا گیا تھا۔

"جی۔" انہوں نے ثبات میں جواب دیا۔

"ہمیں امید ہے وہ معاملے کی تہ تک پہنچنے میں ہماری مدد کریں گے۔"

"لیکن وہ تو ناظرہ خوانی اور ابتدائی علم ہیں۔"

"یہ ہمیں پتا ہے۔ اگر ہم نے بچوں کو اس بات سے آگاہ نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم اس بات کو راز رکھنا چاہتے تھے یا اس میں ذلت و رسوائی محسوس کرتے تھے۔ واقعہ ہمیں علم ہے کہ ہمارے خاندان کی عفت مآب خاتون نے یہاں خانہ خوشی کو گوارا کر کے اپنی عزت اور اپنے بزرگوں کی ناموس پر قربان کیا۔ لیکن ان کی ناگہانی وفات ایک سانحہ تھی لیکن بزرگ مثال انہوں نے قائم کی وہ قابل فخر ہے۔ اگر ہم نے اپنی نئی نسل کو اس سے بے خبر رکھا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ کبھی اس گھر کی فضا میں یہ تکلیف دہ ذکر دہرایا جائے اور تو بے آج ہم سامنے بعد چاہتے ہوئے بھی صاحبزادی قرعت اقتدار ایک بار پھر ہمارے دل و دماغ میں زندہ ہو رہی ہیں تو ہمیں اعتراف ہے۔ اگر ہم اپنی اس الجھن کو رفع کر لیں اور اس سلسلے میں صاحبزادہ عصمت ہی ہمارے معمولات ثابت ہو سکتے ہیں آپ انہیں بلوا دیجیے کہ ہم نے بلایا ہے۔"

"ہمیں تو شہزادی کی گاڑی لگتی ہے۔" (یہ تو شہزادی کی گاڑی لگتی ہے)

"ہم آپ کو مطلع کر دیں گے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم نے شہزادی کی گاڑی کبھی نہیں دیکھی۔"

"کہیں قریب کوئی بہانہ لگا کے باہر بھائی بند سے دوڑی کو لینے بھیج دیا ہو۔ تیسرے دن کی گیا لوٹ۔ کوئی ان کا ملنا کیا ہوں۔ آج وہ سلاس کا گھر کی کھری۔ بڑا تیا امانت دین کا بیرا فرق کرنے والا۔ میری کڑی کا ہو دھندہ چوت کرنا چاہتا ہے۔ بڑا چور دق سارے شہر کا۔"

یہ جاتے ہوئے بڑے بڑے تیوروں کے ساتھ ان سے کہہ میں قدم رکھا تھا۔

مگر اندر کا اضطراب کی زد شیشے سے بہت آگے تھا۔

باہر داہلوں مثل یا کاغذ کھٹکھٹا رہا تھا اور اس کا پھٹا ہوا گریبان شہزادہ کے ہاتھ میں تھا۔ سب سے حیرت انگیز چیز وہ کا رد عمل تھا جو کہ یوں کہنا چاہیے اس کا کوئی رد عمل نہ ہونا ہی حیرت انگیز امر تھا۔

وہ بہت چپ چاپ خالی خالی نظروں سے سامنے یوں تک رہی تھی جیسے اس کے آگے کوئی بہت ہی غیر دلچسپ تماشا ہو رہا ہو۔ شہزادہ بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے شہزادہ سے..."

انہوں نے ہاتھ کے سوئے کے تھیلے میں فرش پر پھینکے اور انکار کا ہوا آگے بڑھا۔

"ہم نے جیسے میرے حوالی کا کالا۔ جا کر بے غیرت ماں کے رشتے سے یہ تیرا بھی بیج لگتا ہے اور تو اس پر ہاتھ اٹھا رہا ہے۔ بولے تو بڑا عزت والا تاندالی بنتا ہے۔ ارے تو ہم میراثی اتنے ہیں جو حوالی کی عزت تو دیتے ہیں۔"

"پوری بات پہلے سن لو۔ اس نے بغیر فیصلہ کر لیا کہ یہ تمہاری عزت کے قابل ہے اور تمہاری بے عزتی کے لائق۔"

"تو نہ آیا جب چاپ تماشا دیکھ رہی ہے کہ تیرے۔" اس نے بیٹے کے کان کو کھینچا۔

وہ حیران تھا کہ ویسے تو وہ ہر کے خلاف اس قدر ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کرتا تھا اور اب شہزادہ کے ہاتھوں اس کی عزت اتر رہی تھی۔ قاموس بیٹھی ہے۔ یہاں تو اسے ایسی بات پر تھا اور نہ ہر کے لئے اس کے سینے میں بھی کوئی مردانہ شفقت نہیں امنڈ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے آپ بار بھر اس کی بیٹی نے اس کے مقابلے میں کم ہو اور اس کے خاندان کو فوقیت دی ہے۔ ان لوگوں کی بڑی سے بڑی زیادتی بھی ویسے ہی نظر انداز کر دیا کرتی ہے۔ اس کی ذاتی رائے کے مطابق)

"تم ہی انہیں سمجھائیے ہماری طرف ایک سنئے جناب۔"

بیٹے نے ایک جانبی پیاسے مدد کی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر شہزادہ کے لئے ہاتھ کے کرارے تھپڑ نے اسے اپنا قصور پورا کر دیا۔

حالت کے میرے بیا کر اتھا۔

اللہ و ہاجر آگ بگولا ہو رہا تھا۔ شہزادہ کے اس انتقامی انداز میں ہو کے رہ گیا۔ اب اسے احساس ہونے لگا کہ کوئی بہت ہی سنگین وجہ ہو گی جو وہ اس طرح کے طرز عمل پر اتر گیا ہے اور پھر ہر ہاجیوں کی کیفیت بھی اسے رسوا سے ذلیل رہی تھی۔ چلیے بدیوں چپ چاپ بار نہیں کھا تا۔ یہ خیال تھا اپنے اس متوقع رد عمل کی جانب لگی نظروں سے دیکھنے پر مجبور کر گیا۔

تو وہ بار کو بھی توقع نہیں تھی کہ شہزادہ یوں ہاتھ تک اٹھا لے گا۔ وہ اپنے سنتے ہوئے گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں تھی ہی وہ یہ تکلیف دہ اندر حاکر آپ سوچنا چاہا کہ تو خیر نوبت یہاں تک پہنچی کیسے۔

پچھلے دن اہلہ منشے سے وہ شہزادی کی بہت ہی ڈھٹائی سے جھگڑا آ رہا تھا اسے تھیں تھا کہ عزت قدم سے اپنے حوصلے ٹوٹنے رہنے کی وجہ سے وہ دعا کو یہ تھیں بلاتے تھیں بہانے ہو جائے گا۔ شہزادہ اس پر غلط الزام تراشیاں کر رہا ہے لیکن شہزادہ کا پورا فرق اندازہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ قطع معاملہ پاک کر کے رہے گا۔ اور اب اس کا یہ تھپڑ اسے دعا کے سامنے کو رہا تھا۔

کسی موہوم سی آس کے سہارے اس نے پیچھے مڑ کے دعا کو دیکھنا چاہا۔

اس کی نگاہیں سر تھیں۔

چہرے پر تاثر تھا۔ ناسمجھی اور اپنائیت کے کسی بھی احساس سے یکسر پاک۔

تھیں اور اعتبار کے سوسوں دور۔

اور پھر اگلے ہی لمحے دعا نے سر پر بھی لگا ہیں بھی جھکا لیں۔ اپنا یہ تاثر چھپا دیا۔ وہ سرق یا نب کر گیا۔

باہر داہلوں صفی کی برق سی بہت کوئی جواب دے گئی۔ ایسا سے کسی قسم کا کوئی آسرا نہیں دیا۔

"یہ تو کیا بار کی۔"

یہ خیال اسے توڑنے کی بجائے لیر کر گیا۔ یہ ایک ایسی ہلدی تھی جو بے تیری اور بے حسی کی انتہا پر جا کر حاصل ہوئی تھی۔ جب سب پردے چاک ہو جائیں تو ذرا سی بات کہ۔

اب ایسا کیا تھا جو چھپانے کے لیے وہ شہزادہ کے ساتھ کسی بھی جا سکتا۔ جس کی نظروں میں مقام برقرار رکھنے کی خاطر سو سو بہانے بنا کے اسے بہلایا تھا۔ اس کے رویے میں تبدیلی وہ جانب چکا تھا۔

"تم دو کوڑی کے بھائیے۔ سامنے ہمیں ہاتھ اٹھایا۔"

اب شہزادہ کا گریبان اس کے ہاتھ میں تھا۔ شہزادہ نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔ اور اسے وہاں پیچھے کی طرف دھکا دے کر گرا لیا۔ مگر پھر دیوار کا سہارا لے کر سنبھل گیا۔

اب اس نے اتھا کی سے گریز کیا کہ مقابل کا تو وہ سمجھا ہو صاف ثابت تھا۔ اس نے محض زبان کے سہارے ہم کو کیا۔ انتقال کیا۔

"ارے ہم تھوکتے ہیں تم پر۔ اور تمہارے خاندان پر۔" اس نے تھوک نہیں گویا تو ہر اگلا تھا۔

"یہ خاندان جس کی بیٹیاں کوچے تو خود بیوپار کرنے بازار میں لاتے ہوں۔ کاپڑ ڈھونڈتے ہوں اور اس کے اور خریدار بھی جب جانچنے کی بجائے اس کا لگا چھلا کھلا کھانے لگتے ہوں۔ اتنا ترادہ کسی چیز کا۔ ؟ سنے تو نہیں ہوں اس وعدے میں۔ جدی پشتی بازاری لوگ ہوں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ خریدنے والا جانے ہے کلا چور ہو اگر منہ مانگی رقم سے دیتے ہیں۔ کیا بھال کہ اس پر اتنی اٹھائے۔"

آج دیوان بیٹھنے کا مقصد صرف اور صرف شہزاد کو مشتعل کرنا تھا اور اس کے نتائج خاطر خواہ نکلے۔

"لگتا ہے اس بند کمرے میں اپنی یہ فضول گوئی تو نہ خدائی تمہیں۔ آج میرے ہاتھوں تمہارا قتل ہو جائے گا۔"

"ارے ارے۔ بہت خوب۔ آج یہ کلاہ بھی دنیا کو دیکھ لیتے۔ کسی ہیرا پن کے ہاتھوں قتل ہونا بھی اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہوگا۔ ارے میاں جو تمہیں ان ہاتھوں میں طبلہ مارنگی ہی بھلی لگتی ہے۔"

"ہاں۔ ہاں میں ہوں میں ذات کا بھانڈ۔ ہیں۔ ہیرا پن۔ ایک کلاری جانے والی عورت کا بیٹا ہوں میں۔ کیا تم میں ہے اتنی ہمت کہ یہ اقرار کر سکو کہ تم کیا ہو؟"

وہ خلق بھانڈ کے دھماکے میں کی تو اور اس کی اپنی بات لگ رہی تھی۔ نہ یہ انداز۔ اپنا آپ اس نے کبھی کسی کے روبرو نہ تسلیم کیا تھا نہ کبھی اقرار کے سامنے کر۔

"ہم۔ ہم کیا ہیں؟" باہر نے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے استفسار لہجے میں کہا۔

"ہم کیا ہیں۔ یہ کہیں ہمت نہ بنانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ میاں۔ ایک نقطہ جانتا ہے ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو۔ اس ملک کا کوئی سا بھی شہر کھولو۔ ہر شہر میں ایسے میوں افراد مل جائیں گے۔ تو خود ان کے ہوئے بھی ہمارے نسب کے دربان مقام پہ ہمارا ذکر ہوتے ہوں گے۔ تم کیا جاننا چاہتے ہو ہمارے متعلق؟"

"یہ تو تم اصل میں ہو۔ تم نے میرے متعلق جو کچھ جاننا ہے وہ میرا اصل نہیں ہے۔ انسان کا اصل وہ نہیں ہوتا جو وہ یا اس کے باپ دادا چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اصل پہچان وہی ہے جو وہ خود بناتا ہے۔ وہی حوالہ درست ہے جس سے وہ جانا جاتا ہے۔ میرا اصل یہ ہے شہزاد ملک۔ ایک کامیاب ناصر اور عزت دار بزنس مین۔ جس کی معاشرے میں اچھی ساکھ ہے۔ لوگ اسے تعظیم دیتے ہیں اور تم۔ تمہاری اصلیت کیا ہے؟ میرے ہوئے جو کچھ کرتے تھے میں نے اس پہ لعنت بھیج کر اپنی راہ خود منتخب کی۔ محض محنت کر کے یہ مقام حاصل کیا کہ آج مجھے حاصل ہونے والی عزت و توقیر کی وجہ سے لوگ میں کی زندگیں بھی شاندار ہیں اور تم۔ تم نے اپنی گزری سات نسلوں کا نام بدل دیا ہے۔ جس گھنیں کام کے طعنے تم مجھے دے رہے ہو وہ تم خود کر کے ہو۔ زنا جانتا ہے کہ تم ملک مقبول کے لیے ذلیل ہو۔ اس کے لیے کام کرتے ہو۔ اپنے گلے والوں اور جسم فروش عورتوں کی بخشش۔ یہ گزارا ہے تمہارا۔ بولو ہے تم میں اتنی ہمت کہ یہ اقرار کر سکو۔"

"ہاں ہے۔ شہزاد کے تو رلا دینے والا لہجہ۔"

"مانتے ہیں ہم کہ باہر والوں میں تمہیں ہے تو تم کہہ رہے ہو۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ تمہاری اس تنگی کے پیچھے ہم وقت خالع کر رہے ہیں تو صرف ملک مقبول کے کہنے پہ۔ لیکن تمہیں اس کا اتنا دعوہ ہے تو اسے بازار میں سجا کیوں رکھا ہے۔ بازار میں تنگی چیز کے ساتھ جس کا جو جی چاہے کاروبار کرے گا۔ جا ہے خریدے نہ چاہے روند دے۔ چاہے سجائے کرے۔"

شہزاد تو شہزاد ہے۔ اللہ دسایا بھی اس بات پہ کانپ کے رہ گیا۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دعا کو دیکھنا چاہا جو سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔

اپنا بات کہہ چکنے کے بعد باہر نے باہر نکلنے میں دیر نہ لگائی۔ اب یہاں اس کے لیے رہنا بھی کیا گیا تھا۔ سوائے ذلت کے۔

☆ ☆ ☆

عصمی کافی دیر سے سامنے رکھی نوٹ بک میں لکھے نمبر کو گھور رہا تھا۔

یہ نمبر شہزاد ملک کا تھا اور اس نے پتا نہیں کیا سوچ کے اپنے ذاتی لائن سیٹ کی اسکرین سے یہ نمبر نوٹ کیا تھا جب کل عمران کے اسٹور پہ جانا ہوا تو شہزاد کو فون کرنے کی تلی تھی۔ مگر جب سے یہ نمبر یاد محفوظ تھا اور اس نے دوبارہ اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ لیکن آج اسے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

چچا حضور نے جو کام اسے سونپا تھا اس سلسلے میں سلامتی انجانے کے لیے اسے فی الحال کسی ایک۔ اور موجود ہی تھی۔

"لیکن۔ جو کچھ چچا حضور نے بتایا ہے۔ پہلے ہی جی بھر کے اس پہ یقین تو ہو لیں۔"

اس نے نوٹ بک میں پین رکھ کے اسے بند کر دیا۔ جو انکشاف کل رات صاحبزادہ نعیمی خان نے اس کے سامنے کیا تھا اس پہ یقین کر کے بھی نہ کر دیا تھا۔ بات اس کے چچا حضور جیسے معتبر انسان نے کی ہوتی تو وہ اسے فری کیپ سمجھتا لیکن یہ۔

"عجیب سی بات ہے۔ ایسا تو کہانیوں۔ فلموں میں ہوتا ہے۔ فلمی اور ذرا فلمی سی پیچیدگی ہے۔ ہم شکل عجیب اتفاق ہے۔ مگر جو بھی ہے۔ چچا حضور کی اس بات میں کوئی تو ہوگا۔ پاگل یا ذرا نہوں نے مجھے اعتماد کرتے ہوئے کبھی کوئی ناقابل کام مجھے کہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شخص ان کی غلط فہمی نہ ہو بلکہ دنیا ہی ہو جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ یعنی قدرت کا کوئی اشارہ۔ لیکن کیا شہزاد کو برداشت کر کے اس کی کہانی کے بارے میں دریافت کرنا مناسب ہوگا؟ کہیں وہ برا ہی نہ مان جائے۔ خود مجھے برا لگ رہا ہے۔ پھر جو کیا کیا جائے۔"

اس نے نوٹ بک ایک بار پھر کھولی۔ اور دوبارہ بند کر دی۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ شہزاد کو فون کر کے دعا کی حقیقت دریافت کرے یا اس تک پہنچنے کی اور راہ تلاش کی جائے۔

کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بالآخر اسے راستہ مل ہی گیا۔

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔"

اپنے ذاتی طالب علمی کے اس دوست کا نام یاد آتے ہی وہ اس وزیٹنگ کارڈ کو تلاشنے لگا جو کچھ عرصہ قبل ایک اتفاقیہ ملاقات میں خورشید نے اسے دیا تھا۔ وہ اب شعبہ صحافت سے منسلک تھا اور صحافت بھی شوبز کی صحافت۔

"ہاں یہ رہا وہ کارڈ۔" اس نے کارڈ نکال کے اس پہ لکھے فون نمبر پہ نظر دوڑائی۔

"خورشید۔ دعا کے حقیقی پھر پتہ کچھ جانتا ہوگا۔ اور زیادہ تفصیل سے نہیں تو کم از کم اس کا پتہ ٹھکانا تو بتا ہی دے گا۔ فلمی صنعت سے وابستہ صحافی کو اتنا علم تو ہونا چاہیے۔"

اس نے پورے یقین کے ساتھ خورشید ریاض کا سیل نمبر ڈائل کیا۔

باہر ہلکی ہلکی خنک ہوا نے ماحول کو تھپکیاں دیتے ہوئے ساکن سڑکوں پہ مقدور گھومنا تھا۔

ہر طرح کی ٹریفک پورے زور و شور سے رواں تھی۔ ٹریفک کے شور نے کانوں کے پردے بجنے جا رہے تھے لیکن وہ۔ ان آوازوں سے بہت دور تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار شہزاد ملک کے جملے گونج رہے تھے اور ہر بار وہ نئے سرے سے سنگ جاتا۔

"خدائی خود اسے بھلا کیا ملا اس باصلاحیت شخص کو ہماری راہوں میں روڑے اٹکا کے۔ اچھا بھلا کام بگاڑ کے رکھ دیا۔ خبیث غلیظ۔ زندگی بنے ہماری تھی۔ رونق کی آزاد فضا ہے فکر زندگی۔ روپے پیسے کی فراوانی۔ پھر زندگی سے ہماری آزادی اور سب سے بڑھ کے ذہنی بے فکری کا ساتھ۔"

اس کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ وہ ابھی ابھی کیا کچھ ہار کے آیا ہے۔ اس نے محض ایک پر تعیش زندگی گزارنے کا موقع ہی نہیں گنوایا بلکہ اوکا اعتبار اس کا خلوص اور اس کی محبت بھی کھو دی ہے۔ اسے لینا آپ ایک دم ہی دل میں محسوس ہونے لگا۔

"اب ہم کریں گے کیا۔ کہاں جائیں گے۔ ملک مقبول اتنے عرصوں سے ہمیں مفت کی نہیں کھلا رہا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ہم نے اس کی سرمایہ کاری ڈبو دے کر دکھائی ہے تو وہ آئندہ ہمیں قریب بھی نہ پھٹکنے دے گا۔ پہلے

ہی فرضوں کا تاثر جو ہے۔ اور گھر میں آمدنی کی کمی کی وجہ سے الگ بگاڑ پیدا کر رکھا ہے۔ زیورات بھی بکوا دیے ہیں۔ اب ہم تو نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں۔ سارے کے ایک دو دن کا ذکر ہو چکا ہے۔ گھر جا کر جو جو کرنے والا ملک مثبوں کے سوالوں کا جواب دینے سے مفر ہے کہ آپ ہمیں چار دن سے چار روز کے مفر پر ہیں کا کچھ تو بتائیں۔"

یہ اپنے ہی جیسے نوان کے اور فضیلت دوستوں کے ان مخصوص ڈرے سے بیزار تھا جسے اس نے اپنی بیماری کا گلہ کے طور پر مقبول کیا تھا۔ وہاں جانے کے نشے میں ڈوبنے کے بعد اس کا ذہن بالکل کھو گیا۔

سارے نظرات بھک سے اڑ گئے۔ اسے نہ اپنی ناکامی کا ڈر رہا نہ بے عزتی۔ نہ مستقبل کا خوف۔ سب رہا تھا تو ہی اخراجات کے اندیشے۔ اب وہ بے خوری کے گہرے بادلوں میں جا چھپا تھا۔

اچانک ان گہرے سایوں میں سے اس نے دو شکوہ کناں آنکھیں ابھرتی دیکھیں۔

یہ روتی روتی سی آنکھیں دعا کی تھیں۔

"اماں جی۔" اس نے بے دلی سانسوں کے ساتھ نام ادا کیا اور اٹھنے کی کوشش میں دوبارہ جھوم گیا۔

"مجھے میں اس بھاری کے بیٹے کو ہم نے پیٹ نہیں کیا کیا بنا تھا اللہ نے بھی نہ سوچا کہ اماں کے کھلے پہ کیا گزرے گی۔"

اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی دوبارہ کوشش کرتے ہوئے سوچا۔ اس کے اندر کسی نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہیں دو سوں کے حمل کی پیدائش سے ہونے لگی ہے۔ ہمیں مثل۔"

"وہ تجھ ہو گئے۔"

بے شک اس سے کوئی جواب نہ بن پایا تھا مگر یہ سچ تھا کہ اپنی ناکامی کے بعد اب اسے دعا کی نظروں سے گرنے اور اس کو جیتنے والی آنکھیں کی خلش ستا رہی تھی۔

"جیسے مرضی بعد آؤ والا گا بیل۔"

نباز کھوکھر کی کروہ ہنسی میں مخوف تو اس کر نگاہ کی ہانی جیل کی ٹک ٹک تھم گئی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے مڑی۔

ملک مثبوں کا خاص کارندہ نباز کھوکھر جو ایک ناکام فلمی سوپر سٹار بھی رہ چکا تھا۔ سگریٹ کے کش لگا کر اس کے جیسے منہ سے سراب۔ جو میں نظر بھی رہ ڈالا تھا۔

"کتنی بار تمہیں کہا ہے کھوکھر کہ بچے پالی کہہ کے مت پکارا کرو مگر تمہارے گندے دماغ میں اس ایک لفظ کی تکرار کے علاوہ اور ہے بھی کیا۔ کتنے تو لگتا ہے گھر میں اپنی ماں بہنوں کے نام کے آگے بھی یہی لفظ ٹانک دیتے ہو گے۔"

کوئی باور نہ ہو۔ اس بے حد طنطنے والے بندے کے طنطنے۔ سر سے پاؤں تک بے تل بہا تکبر بے نیازی اور تنہائی اس کو سب گھر تک رکھ کے آتے تھے اور ساتھ ہی اپنی عزت کو بھی۔ یہی وجہ تھی کہ اتنا سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے پہلے دانتوں اور پہلے سوزخوں کی نمائش کر رہا۔

"میڈم مثبے کی چاہے تو ہمیں تو کتنی میلی والی۔ لائف جاری ہو لی تھی۔ آج مزے کرنے کے لیے ادھر ادھر چکر لگا کے کام بنا لگ رہی ہوتی۔ نجی کو کتنی کے آگے لائنیں لگی ہوتیں قسموں میں سمائن کرنے کے لیے۔ میڈم لگا ہوتی۔ میڈم لگا۔"

"چل چل۔ اپنی لائف تو بنا نہ سکا میری کیا بنائے گا۔ میرا راستہ کھوٹا مت کرو کھوکھر لگن تک چکے ہیں تمہاری بکواس سن کر۔ تمہاری بیکار قسمت سے جو تم کسی کی زندگی سنوار سکو بگاڑ سکو۔"

"ارے میڈم۔ اس راستے۔ ہم جیسے لوگوں کا رستہ بگاڑ کر ہی منزل ملتی ہے۔ پیدا ہوتی جائیں ہم جیسے راستے میں پڑے لوگوں کی انگلی تو ابھی کے مہذب میں ہی ہیں۔ جا سے ہو ہوتا ہوں ہو چار ہے۔"

"فی الحال زبیر سے ملنے بھرنے نظر آتے ہو تمہیں تمہاری انگلی پکڑ لوں۔ تم نے لڑکا کو سمجھا نا ہے کھوکھر! میں ہمارے زمانے کو عقلی سمجھا ہوں اور تم جیسے ہو جیسے اور بات ہے۔ پیدا کسی اور کا رخ کھڈ جا کے۔"

"لاف راف۔ ہمارے زمانے کو عقل ہے تو تمہاری وہ سیلی کیوں محروم ہو گئی تمہاری اس خیرات سے۔ تھوڑی سی عقل اس بیچاری کو بھی دے دیتی تھی جو عقل جیسے بڑے کی انگلی پکڑ کر میڈم تو نہیں البتہ بیگم صاحبہ بننے کے خواب ضرور دیکھ رہی ہے۔"

"تو اس کا ذکر اس معاملے سے ذرا ہٹ جا بھی ہے۔ بے سرحال ادا سے تعلق ہے۔ شادی کر رہا ہے اس سے۔" اس نے دبیات کی جس خوبصورتی سے بھی نہ مانی تھی۔ اس کا اظہار اس کے کھرے لہجے سے ہو رہا تھا۔

"چار دن ڈال رہا ہے۔" کھوکھر نے بکا ابھر کے کہا۔

"چار دن کے لیے اس بیچارہ کے پاس ہے ہی کیا؟"

"اس کے پاس کچھ نہیں ہے چار دن ملک صاحب سے مانگ کر دے رہا ہے۔"

نباز کھوکھر نے ذرا تنک کے سر کو جنبش دی اور اندازہ کیا۔

"ہر ملک صاحب تو اتنے کسی کو اپنا ٹھوک بھی نہ دیں۔ یہ چار دن ادھار کے ذریعے اور اتنے کیوں دے رہا ہے۔ اس کا مطلب تم صرف مجھ جلا۔ مثل چڑیا کو کھو کر ملک صاحب کے چھرے تک جا رہا ہے۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ تم تو ملک مثبوں کے خاص بندے ہو خبر ان کے راز سر عام کیوں اگل رہے ہو؟ مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں۔"

"نہ کرو یقین۔ تمہیں جیسی بلا کے کب مجھے سیل لینے ہیں۔ یہاں تو زبیر کے پیچھے زندگی لگا لو سیل اب بھی نہیں ملتا۔ کیا تمہیں کیا میں نے ملک صاحب کے لیے اور جب ابا حضری صبح لا تو اس ناکام اور باقی مثل کے لگے میں پورا ڈال دیا۔ تاندہ والی کو جتا رہا ہے۔"

لگا سمجھ گئی کہ یہ سارا ہنگر حسد کا ہے۔

"تو میرا شک درست نکلا۔ یہ مثل یونہی ادا کے پیچھے نہیں پڑا۔ مجھے مرا سے بات کرنا ہوگی۔"

تب تک تمہیں جاتی تھی کہ ان کے بچہ بتانے سے مثل کی دعا پہ سب کچھ نشانہ ہو گا۔ یہ وہاں کسی اور کام سے نہیں تھی۔ قریب کھوکھر نباز کھوکھر سے بات کرنے کے بعد وہ وہیں سے پلٹ گئی۔ اس کا رخ دعا کے گھر کی جانب تھا۔

● ● ●

"کوئی نئی بات کرو نگار۔"

نگار کی نئی ساری بات سننے کے بعد دعا نے پھیکی سی مسکراہٹ اپنے اضطراب پر سجا کے کہا۔

"ایک تو تمہاری بہت بری عادت ہے۔"

لگا سمجھی کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی باہر کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں اس لیے بات کا رخ پھیر دیا۔ مگر اسے بھی غصہ آ گیا۔ اب پہلے سے تیز لہجے اور سخت الفاظ میں باہر کا انگلی پھیلا کا لگانے لگی۔

"اس بدذات کے ساتھ میں تمہیں ہرگز مقدر نہیں بھولنے دوں گی۔ اس سے تو اچھا ہے تو فوراً کسی کر لے۔ حرام کی زندگی جینے سے کہیں معتبر حرام کی موت مرنا ہے۔"

"خود کشی تو میں روز کرتی اور بہت سے بھی بھی دن میں کئی بار اور ہر بار نئے انداز کی خود کشی۔"

دعا کی مسکراہٹ تلخ اور گہری تھی اور اس میں اسرار بھی۔

"میری محبت خود کشی ہے۔ میرا فن خود کشی۔ میرا رونا خود کشی۔ میرا ماحول خود کشی۔ میرا ماضی۔ میرا حال اور میرا مستقبل خود کشی۔ میرے جذبات میرے احساسات یہ بھی خود کشی۔ میرا ہر عمل۔ ہر سوچ بس میری ذات کو مارنے کا وہ سرانجام ہے۔ صبح خود کشی شام خود کشی۔"

"اپنا رکھی ہے کیا؟"

وہ مطمئن ہو کے اس کے بنلے بنکے انداز دیکھنے لگی۔

"اچھا بابا۔ کہا ہے۔ زہر کا گھونٹ پی رکھا ہے۔ صبر کا جام پی رکھا ہے۔ خوش نصیبوں کا رس پی رکھا ہے۔ بہت چھپی ہے۔"

"مصیبت ہے تم۔ میں اتنا سیریس مسئلہ لے کر آئی ہوں اور تم ہو کہ سیدھی بات کرو ہی نہیں۔ سیدھی طرح کہیں نہیں کہ جاؤ نکلو ابھی دفعان ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری ایک نہیں سننی۔" وہ ناراض ہو کے اپنا پرس اٹھانے لگی۔

"دوست۔ خفا مت ہونا میں تو یونہی ہنسی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ اتنا مطلب مت نکالو۔"

"اچھی بات ہے۔ کوئی سیدھا مطلب کیسے نکالے۔ میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ بابر کی حقیقت کیا ہے اور تم ہو کہ ہنسی کے چکر میں ہو۔"

"میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ نگاہ بابر کی حقیقت تم سے پہلے کوئی اور مجھ پر کھول گیا ہے۔"

"مجھے قوی اندیشہ تمہاری باتوں سے زیادہ عجیب باتیں کچھ اور نہیں لگ رہیں۔ شاید اچانک صدمے سے تمہارا دماغ ہل گیا ہو۔ اس وقت تم ڈھنگ کی بات کرنے کی حالت میں ہو نہ سننے کی۔ بعد میں اس بارے میں تفصیلی بات کریں گے خصوصاً اس بندے کے بارے میں۔"

باہر جاتے جاتے وہ رکی اور ایک دم مڑ کے پھر اسے مخاطب کیا۔

"ایک مشورہ اور دوں گی۔ اب اس فراڈیے نواب کے سپنے نہ ہی لگنا تو بہتر ہے۔ ہیلپر تھوڑی ہے آسانی سے جان نہیں چھوڑے گا۔ تمہاری صورت اس کی لاٹری نکلنے والی تھی۔ ایک مرغی تو اور مارے گا تمہیں گھیرنے میں اور تمہاری جو حالت ہے اس کے بعد مجھے ڈر ہے کہ تم دوبارہ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آ جاؤ۔ اس سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ اس سے دور رہو۔ وہ کتنا بھی ملنے یا بات کرنے کی کوشش کرے بالکل مت سننا اس کی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس نے ان الزامات سے صاف مکر جانا ہے۔ ایک نئی کہانی سنا دینی ہے اور تم ایک نہیں کی احمق پھر سے یقین کر لو گی اس کے جھوٹ اور فریب پر۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔ نگاہ اب گھر پر ہے۔ اس کا جھانسہ چل رہا ہے پھر کیا ہے۔ اور کسر رہ گئی تھی وہ اس نے خود اپنے منہ سے اگل کر پوری کر دی ہے۔ اب کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ وہ سب کچھ کھول کر بیٹھا ہے۔"

"حیرت انگیز۔ کیا یہ کارنامہ بھی تمہارے اسی بندے نے پکا ہے؟"

"ہاں ان کے دوسرے بہت سے کارناموں کی طرح یہ بھی۔"

"اتنا بڑے کا بھی اس بندے نے۔"

"وہ تم سے ملنے والے بندوں میں سے نہیں۔ میں نے کہا نا کہ وہ بندہ بڑا چتر ہے۔"

"نگاہ بڑے سے بڑے بندے کے چتر کو اتنی بہ لگا سکتی ہے۔"

"میرا حال دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ مذاق میں بھی اس کو اپنی جان پہ لگانے کے بارے میں مت سوچنا ورنہ تمہاری اپنی جان کیا ہے یہ بھی بھول جاؤ گی۔ میری طرح۔"

نگاہ کچھ دیر اسے بہت سوچ انداز میں دیکھتی رہی پھر فیصلہ کن انداز میں سر ہلاتے ہوئے سوچا۔

"اتنا بڑے کا سیدھا کا اس شخص کو۔ جس نے تمہارا یہ حال کیا ہے اور نگاہ بھی تیری دوست نہیں اگر بندوں کی تو جان ایک نہ کر دی تھی۔"

باہر نکل کر اس نے مختصر سے لان میں سر جھکائے بیٹھے اللہ دتا کو دیکھا۔ جب وہ آئی تھی تب بھی وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ بیشتر کی طرح اس نے نگاہ سے خوشامد یا بات بھی نہیں کی۔ نہ ہی دعا کی کوئی فلاحت کی

تھی۔ نگاہ کو اس کی خاموشی اور بھلائی پہلے بھی کھٹکا تھا۔ مگر تب وہ دعا سے بات کرنے کی جلدی میں تھی۔

"اگر وہ ایک عام سا بابو ہوتا۔ ایک جوان لڑکی کا عام سا باپ تو وہ یہی سوچتی کہ بیٹی کا گھر بستے بستے رہ گیا ہے۔ منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ اکثر ہی تو ہوتا ہے۔ اسی لیے اس بیچارے بوڑھے شخص کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ مگر وہ کسی بھی عام سی لڑکی کا عام سا باپ نہیں تھا۔"

وہ ایک ذہانت کا باپ کہ بیکٹیریا تھا جسے اس صورت حال سے خوش ہونا چاہیے تھا کہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکلنے لگتے نکلتے ایک بار پھر بچ گئی تھی۔ وہ پہلے بھی بابر والیوں مغل سے اپنی بیٹی کے بڑھتے تعلقات سے زیادہ خوش نہ تھا۔ بس اس کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے چاچا جی آپ ایسے کیوں بیٹھے ہیں؟"

"بیٹی کروں نہیں۔ کون ہے۔ ایک میری دھی ہے تو وہ مجھ سے بھی زیادہ اکیلی ہے۔ وہ میرا اکیلا پن کیا بانٹے گی۔ بات میں نے خود اکیلا کیا ہے۔"

"جو ہوا اچھا ہوا چاچا۔ وہ جانے والا تھی ہی نہیں تھا۔" نگاہ نے تسلی دینا چاہی۔

"جو ہوا اچھا ہوا چاچا۔ وہ جانے والا تھی ہی نہیں۔ نہ یہ زندگی جو میں نے اسے دی۔ نہ یہ پہچان جو اس نے پائی۔ وہ سب کی سب نمال کے لائق تو کچھ بھی نہیں۔ نہ یہ زندگی جو میں نے اسے دان دیا۔ کیا منہ دکھاؤں گا اس کی ماں کو۔"

"کیا بات ہے۔" وہ بیٹھ کے رونے لگی اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"تم سے بازار میں کیوں سامان کہا ہے۔ بازار میں تھی چیز کے ساتھ جس کا جو جی چاہے گا وہ کرے گا۔ چاہے تمہارے نگاہ سے روند دے۔ چاہے جلا دی کرے۔"

بابر ہمیں مغل کے سنگ سنگ الفاظ سے روز کرار آتے تھے۔ اس کا دل دماغ اس پتھر کے لہو لہان ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پتا کرو یہ مغل نواب کا بچہ کدھر منہ چھپائے بیٹھا ہے۔ آج ایک ہفتے سے اوپر ہو گیا ہے اس نے چکر نہیں لگایا۔"

ملک جمیل نے رازدارانہ کہہ کر کہا۔

"اب اس نے کیا چکر لگانا ہے ملک صاحب۔"

"کیوں؟ کیا کسی اور مصیبت میں ہے؟"

"ابھی الحال تو اس کے مارے چکر ہی سمجھو تو چکر پایا ہوا ہو گا۔"

"کیا مطلب۔ صاف صاف بات کرو کھل کر۔"

ملک جمیل کی چھٹی حس تو یہاں کچھ کھل کر ذرا سنبھلا۔

دراصل وہ نگاہ کے کلاس جس انداز میں بھر چکا تھا اور جس طرح تنقیدی ہوئی وہ وہاں سے نکلی تھی اس کے بعد کھوکھر کو پوری امید تھی کہ اسے ہر ایک ادا کے گھر جانے کی لگے ہوں گے اور جو اطلاعات اس نے نگاہ کو دی تھیں وہ اس نے سن دعن و عرض ہی دی ہوں گی۔ اس کے بعد ادا نے بھی بابر کی اچھی عزت افزائی کی ہو گی۔ ٹھیک لگانے کے بعد وہ خوشی خوشی بیٹھا بابر کی مجلس کا منزلہ رہا تھا۔ اب اپنے منہ سے اپنے کارنامے تو ملک جمیل کو سنانے سے رہا اس لیے خود ہی بات بنائی۔

"ہے سکون تب ہی ملتا ہے جب بیٹا تو اس کی نیند بھری ہو یا پھر اس نے منہ چھپا کے بیٹھنے والا کام کیا ہو۔ پیسہ بھرنے والے تو آپ ہو ملکی باپ ہے اور تب سے وہ بند بھرے ملا نہیں پھر سوچنے والی بات ہے آخر وہ چھپتا کیوں پھر رہا ہے؟"

اس نے وسوسہ جگانے کی کوشش کی۔

"بیٹا! ہر کام میں بے وقوفی کے ڈھیر میں منہ چھپا کے بیٹھ اسی ایک معاملے میں اس کھوپڑے سے کام لے سکے گی قسمت ہم کی ہوتی تو زندگی کے باقی ہر معاملے میں تو ہمارے نصیب ہی بچارے کے۔"

شکر میں نے بات بدلی "ملک صاحب" ارے آج کل اس نے تفصیلات کچھ ٹھیک نہیں۔ سوچتی دن پہلے تجھ سوئی کھلی ہوئی تھی دونوں ہیں۔ ارے ٹھیک ٹھاک پہ مرتی تھی مطلق کہ"

نیاز کچھ کھو کے بیٹھ میں بات نہیں رہی تھی۔ آخر گھبرا کے اس نے کہہ ہی ڈالا۔

"اماں!" "میں بیمار اس لڑکی کو تو اتو" "رستے الو کا گوشت کھلا رکھا تھا کچا ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ بات نکاح تک پہنچ گئی تھی سو پہلے ہی کہتے اچھی ہو گئی۔"

ملک کا فلک شگاف قہقہہ گونجا۔ دیر تک اس تھرے کے مزے لے لے کر ہنستے رہنے کے بعد وہ ایک دم کوئی خیال آیا تھا۔ پھر سنجیدہ ہوا۔

"بہت تو اچھی خبر نہیں۔ ارے اسے عقل کے تعلقات پہ ہی تو میرے سارے پلان کا دارومدار تھا۔ میں نے تو ہی اس پہ بار بار جیسے سب کو تو بے پہلی رکھیں لگائی تھیں۔ سب بار میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ بوں میں موقع پیار کے کو میرے سارے پلان کو فیل نہیں کر سکتا۔"

"وہ ایسا کر چکا ہے ملک صاحب۔ آپ نے بھی جانا نہیں کیسے اس پہ یقین کر لیا۔ میں تو پہلی بار اتنا وہ آپ کو نقصان پہنچائے گا۔"

"اوہ تو اس سے ڈر کر پہلے سے جانتا تھا۔" وہ سر ہلا کر اس کی نقل اتارنے لگا۔

"ایسا خالف پہ تو کچھ اور پہلے سے بتایا نہیں کہ ایسا در بدر ہو گیا کھاتا ہے ایسے مجھے لاکھوں کا چونا لگا کے عورتوں کی طرح منہ چھپا کے لمبے ہو جائے گا۔ میں تو اس کے حلق میں سے نکال لاؤں گا سب کچھ۔"

"اس کے حلق میں کچھ ہو گا تو نکال لیں گے نواری اور۔ غرالی بندے کے پاس رہتا کیا ہے۔"

"اماں میں کہہ رہا ہوں تو اپنی محنتوں تو اپنے سر کر۔ تفصیل کا بھی بتا دیں کہاں کر کے میرا دل اور خراب نہ کرے۔ جاؤ چونے کے پتہ کو کہ عمر ہو گئی ہے تو اب دفن۔ گھر میں دیکھا بیٹھا ہے کیسی اور جگہ؟"

"ایسے لوگ گھر کہاں رہتے ہیں۔"

"گھر نہیں ہے تو اسے زیادہ کسی بھی کونے میں سے نہیں دیتے ہوں گا۔ میں کسی پہ دھوکے کا کاروبار تین۔ وہ کیل میرے لئے کا چیز نہیں جو اس کی تفصیل بھر کے بتا دیتا ہوں۔ میرے پیسے کی اکثر میں دیکھی اور راستک پہن کے پھر رہا ہے۔ لگتا ہے کچھ کھایا ہوا لوٹ لیف کے کش لگا لیا ہے۔ اب تو کھانے میں کیسے دھوکا ہوں۔"

وہ طیش کے عالم میں کہہ رہا تھا اور اس کی آخری بات سن کر وہ حواس کے تعدد قصے کے نیاز کھو کر نقشہ ار کے بکھر گیا۔

"عقل کی عورت" ملک صاحب ایک اور گھوڑے کا سودا ہے سالے کی پکی صورت ہے۔ جاتک عمر جو رہت اور کہ اتنا کرنا بانا بھی نہیں۔ ہے۔ سالے ہے بیوقوف اس کے کاندھوں تک آتا ہے۔ تیسری شادی کو کوئی بندر سولہ سال تو ہو گئے ہوں گے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس کے گھر والی اس سے بھی تین چار سال بڑی ہے عمر میں۔ اب اس بات کو کیا بچائیں گے تب اور کیوں پہنچائیں گے؟"

"تیرے سر۔ مجھوں جیسے سمان کیا ہے۔ ایک سے ہو کے ایک کو اس خبر تک نہ جانا ہے۔ تو اب جا یار کے مرد دراس کا کالرے بچے کے میرے پاس تھمیت تک۔ اگر نہیں تو پہنچے ہو تو کالرے سے نہیں بلکہ گردن سے پکڑ کے لے آؤ۔"

"ہم حکم جناب ابھی گیا اور ابھی آیا۔"

نیاز کھو کو پہ مسور تیا مستعد ہو کے اٹھا۔ پاپ اپنی تار نکالنے کا سنہری موقع ہاتھ لگ رہا تھا۔

"ارے تیرے سے رہنے دے۔"

ملک نے نور "اسے پکار کر اپنا ارادہ تبدیل کیا تو وہ بدحواس ہو گیا۔

"یہ بیوقوفی ہے ملک صاحب" اسے تب ہزار معاملے کر رہے ہیں۔"

"معاف کے چکر میں کوئی اس کے بوتھے پہ ماتھے نہیں ہوں تو معاف کر دوں گا مجھے ارے کہ تیرے ہاتھ وہ استوار نہیں۔"

"ملک نور کو کل۔ ابھی نہیں تو تیرے گا۔ کو کمر کے ہاتھ سے بیچ کے کرا لیا جائے گا۔"

"ارے سرکار ساتھ کے بیٹے بڑا ڈال پہ تو اترا اور اس کی ڈھال پھیلوں پہ جا۔ ہر کام اکھاڑے میں ہاتھ کے تمہیں کیا پتا؟ وہ ایک کانیاں کھس ہے۔ اس کا ماتھ ایسی چک پھیریوں کھاتا ہے کہ سامنے والا بوکھلا کے رہ جائے۔ تیرے جیسا مولی عقل والا اس کی ایک چال کی مار نہیں۔ میں نے تیرے ہاتھ تو تا نہیں۔ اتنا تصاب ہو تو تجھ کو وہ تباہ ہو جائے گا اور پھر میرے ہاتھ بھی نہیں آنے والا۔ اس کا ملال میں خود کروں گا۔ مجھے تھوڑا اس کا پتا لگانا آج میں خود نکلتا ہوں۔"

"آپ تھے؟ آپ خود جائیں گے ملک صاحب؟"

"تو جانتا نہیں رہتا ہے تیرا آنکھ ٹک گلہاں کچا پکا ساتھ قوی پھوٹی سیڑھیاں۔"

"میں وہاں نہیں جا رہا۔ وہ جا رہے۔ تم میں ہی رہتا ہو۔ میں خود ہوں گا اور اسے کتے کی طرح کھینچ کر لاؤں گا۔ ملک جھول سے تیج کے دے جاتے گا کہاں اور کچھ نہیں تو جہاں اس پہ لگا ہے اس کے بدلے مقصد کے کام ہی تھوں گا وہ جا رہا۔"

اس نے ایک چرچ تیار کھو کر کھایا پھر جلدی جلدی اٹھا۔

☆ ☆ ☆

تو وہ رباش کی بدولت اسے جلدی جلدی کا تیدیس گھر کا فون نمبر اور سیل نمبر قیوس مل گئے تھے۔ اس نے عمیس کی مقصود معلومات سے پکارتے ہوئے چھیڑا بھی تھا۔

"یہ پھلوں کا کاروبار کب سے شروع کیا؟"

"کون سے پھلوں کا؟"

اس کا لہجہ بدستور بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس لہجے نور کا مخصوص ہی چیلا تی سمجھ نہیں سکا۔

"اسی پھلوں کا۔ جو تو ہر روز کسی کے خوب صورت چہروں پہ ہوا ہے۔ تھیٹر کے رسیے ہیں۔ ویسے اس قسم کے یونانی ستارہ تو کسی کی تب بھی نہیں رہے تھے جب تو ابھی کے مظاہرے کی عمر بھی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ اچھا پہ نہ تھا۔ تو اب ہے تیرے میں سرتی الوہی کا اور تصور جو ہی جاوداں کا تجربہ ہوا کر تھا۔ ہم دونوں بانی اپنی اپنی تدبیر و تیاریاں کی بنی تھیں دیکھتے کے ہوا ان کی صلاحیتوں پہ بڑھ چڑھ کے تبصرے اور تجزیے پیش کیا کرتے تھے اپنی چونی کا زور لگا کرتے تھے انہیں ایک سرے سے بے ترتیب کرنے کے لیے اور تم اس ساری بحث سے یوں الگ تھلگ ہوا کرتے تھے جیسے ان بیکار سرگرمیوں میں نہ تمہاری دلچسپی ہو نہ تمہارا تعلق۔ اب یہ تیاری کیا سوار ہوا ہے تمہارے سر پہ؟"

عمیس اس کے بے نیاز انداز کے جھٹکے پہ جھلا گیا تھا۔ واضح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اتنا بھی گھٹیا کا ستار نہیں ہے کہ کسی مقصود مند قیمتی کی طرح اس کا فون نمبر اور ایڈریس حاصل کرنے کے لیے مرا جا رہا ہے۔ تاکہ اس کی جھلک دیکھ کے۔ یا کوئی سن کر اپنی تسکین کر سکے۔ مگر وہ اسے بتا نہیں سکتا کیونکہ اس صورت میں تصویر رباش کے پاس اور سے کہو تے ہوئے سوال ہوتے۔

وہ نہ نفرت بن کر کاٹ نہ تزبیہ۔ بس مسکرا کے رہ گیا۔

شام کو ادارے میں جتنی رضا کے بارے میں حاصل کی گئی معلومات کی چربی جب میں اپنی کوٹھی گھر پہنچا تو جلدی اس بات کی لگن کہ جلد از جلد وہ اسے بتا حضور تک پہنچا دے ان کا تجسس اب اس کا بھی تجسس بن چکا تھا۔

"پتا چلے کہ مسٹری کیا ہے۔ ہم شکل افراد کے بارے میں کہانیاں اخلاق میں سنتے آئے تھے۔ چچا حضور نے تو بہت کی ہوگی تو میں اسے غلط بھی باسقالہ کر کر جھٹلا سکتا تھا مگر چچا حضور۔ نہیں ان کی نظر ہو گا نہیں کھا سکتی۔ اب تو یہ معمہ حل ہو تو چین آئے۔"

"اور میرے سلی کے چین

چین نے میرے سلی کو جا لیا۔"

چچا حضور بیٹھک میں تھے۔ تسبیح کے ساتھ حساب کتاب میں مصروف ایک دو دوست اور بھی تھے۔ ابھی وہ اس موضوع پہ ان سے بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے اندر نہ گیا۔ بیٹھک کے بند دروازے کو بے چینی سے دیکھتا۔ وہ برآمدے کے آخری سرے پہ موجود کرسی پہ بیٹھ کے انتظار کرنے لگا۔

"یہ موتیا کے کمرے کا روانی تھیں۔"

صحن سے آتی گل مہر نے اس کی جھنجلاہٹ سنی۔ اس کی بے تاب نظروں کا بیٹھک کے دروازے پہ طواف دیکھا اور بڑے اطمینان بھرے انداز میں گویا اسے اطلاع دی۔

عمیس اسے یوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔ پھر؟"

"ہم غلط جگہ پہ غلط صدا لگا رہے ہیں۔"

"یہ کام ہم نے ایک عرصے تک کیا ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے اس کی زبان پھسل پڑی۔

"کون سا کام؟"

اس کا بدلا ہوا طور بھی نظر نہ چھپتے ہوئے بھی گل کی بھنویں تن گئیں۔

"یہی۔ غلط جگہ پہ غلط صدا لگانے کا کام۔"

"خوش درجے کے وصیت انسان ہو تم۔"

وہ خود اپنے پہ ہنس دی۔

"چلو درجہ فعلی کا تسلیم تو کیا تم نے۔"

"ان عمیس کو بھی اسے بنانے کے مزا آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس مزاج کا شخص نہ تھا لیکن اب جو کچھ دنوں سے گل مہر کے انداز بدلے بدلے سے لگ رہے تھے۔ صاف محسوس ہو رہا تھا وہ اس کے ہونٹوں پہ کھلنے کے موقع تلاش کر رہی ہے اور موتیا کو اکثر اپنے کو خوامخواہ اپنی زبان تیز چلا کر لیا کرتی تھی۔ تو عمیس نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا سوچا۔

"ہمارے سر بیٹھک کا کیا کرو گے۔ جاؤ اس سے طلب کرو اپنے بارے میں سر بیٹھک سے ان دنوں الو بنا رہے ہو۔"

"دیکھو گل مہر کا طور تو یہ کہ نہ میں آپ دونوں کسی کو اتنا بتا رہا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ مجھے موتیا سے اپنے بارے میں کسی سر بیٹھک کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس کے سے ہوں۔ یہ اسے بتانے کی ہمیں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے۔"

"یہ تو ہے۔ وہی ہر ایک کا اپنی ہے۔ کچھ نیا نہیں ہے تمہارے پاس اتنی تھیں کے لیے مکالموں کا اسٹاک ذرا تیار کیجیے۔"

"موتیا سے میری محبت قدیم ہے گل۔ اتنی قدیم کہ تم دونوں خود نہیں جانتے۔"

"تو وہ سب کیا تھا؟"

غصے سے بل کھاتے ہوئے اس نے پوشیدہ الفاظ میں پوچھا۔

"صاف نہیں۔ بے ہودہ تو نہیں۔"

عمیس الجھن سے بولا۔ حالانکہ ابھی ہرگز نہیں تھا۔ وہ اب بھی بنی سے سامنے تھا کہ گل مہر کے بارے میں اس کے جذبات صدق کمرے سے تھے۔ وہ رائی اس کے عشق میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ اب موتیا کے ساتھ بوری دوستانہ اور نہ ہونے کے پہلو بھی وہ گل سے اپنی محبت کو دوستی پہ قربان نہیں دے سکتا تھا۔ اگرچہ کہ وہ اس محبت سے کب کا دست بردار ہو چکا تھا۔ اسے خیال ہے اس کے سارے رنگ و عود کا تھا۔

گل کے سامنے اپنی ہر خلوص محبت کو حماقت اور بے وقوفی کا نام اس نے محض اس کے دل کو کھٹک سے بچانے کے لیے دیا تھا۔

"بڑی جلدی تھی آئی۔ کاش موتیا کو بھی نہ بتاتے۔ وہ بھی سمجھ جاتے کہ جو شخص اتنی نمائشی سے اپنی پرانی باتوں کو حماقت قرار دے کر اس سے چھٹکارا پا سکتا ہے وہ کس کی سچائی کیا ہو سکتی ہے۔"

"میں نے کبھی سے دامن نہیں چھڑایا گل مہر اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم چاہتی کیا ہو؟"

"ہم چاہتی تم سے کیا چاہیں گے۔ تم جس میں مل کب ہو؟ اس کی زبان بھرے بن گئی۔

"تم یہاں کھڑا ہے اور میرا وقت کس لیے ضائع کر رہی ہو۔"

عمیس نے جانچ ہوئے۔

"میں اس قابل کہاں۔ خشم مجھے۔"

"اب سچ بولو نظر آ رہا ہے۔"

گل مہر کو اس نخوت سے جھٹکتی۔ ارنہ کہتی اپنی تیل کی تک تک پہ سوار وہاں سے ٹلی تو عمیس نے شکر کا سانس بھرا۔

"نفسیاتی کیس بنی جا رہی ہے۔ نہ خود خوش رہتی ہے نہ کسی کو خوش دیکھ سکتی ہے۔ خود محبت جھا سکی نہ کسی دوسرے کو جھانے دیکھ سکتی ہے۔ مسٹر شہزاد ملک یہ تمہارا کیس تھا۔ تمہاری ہینڈل کر سکتے تھے مگر تم۔"

شہزاد ملک کے ہم اسے پھر سے دعا کا قبول آگیا۔ بیٹھک سے ایک ٹیک کر کے مختلف افراد باہر نکلے۔ وہ جب ہنسا۔ اندر داخل ہوئے۔

☆ ☆ ☆

"یہ کس لڑکے نے بھیجا ہے۔"

ملک مقبول کو گاڑی بہت دور کھڑی کر کے پیدل ان تنگ اور گھنی گلیوں میں سے گزر رہا تھا اور اس وقت پہنچا تھا جب وہ گوجر الوالہ کا وہ سمندر تھا۔ بالکل بے فراموش کر بیٹھا تھا جہاں اس کے بھیس اور لابچی کے کئی سال پہلے کے اقدام اور حماقت میں گزرے تھے۔

"اوئے اوئے بلٹ مت۔"

قریب سے گزرنے والے بیٹھے ہوئے نوجوان کو روک کے اس نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

"یہ منشی مولیٰ کس خبیث ہے؟"

"یہاں سے کچھ (انیس) ہو جاؤ۔ وہاں سے بچے (دائیں) آگے مسجد ظفر آئے گی وہ کالم ہو رہا ہے۔ ادھر جماعت میں کھڑے ہو جانا۔"

"اوئے میں مسجد کا نہیں منشی مولیٰ کا پوچھ رہا ہوں۔ ملک تیجا ہوا۔

"اوئے اس (تیا) رہا ہوں۔ اب راستے میں مسجد آئے گی تو کیا جمعہ پڑھنے نہ رکو گے؟ مسلمان ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو خیر ہے۔ پھر سیدھے سیدھے آگے چلے جانا۔ جبکہ اتنی سے بچے ہو جاؤ۔ لمبی گلی آئے گی اچھر جو تمہارے

کا کھاڑ ہے اور ادھر تمہیں اسی تنگ گلی میں مرنا ہے۔"

"کیسے؟ ... میں مرنا ہوں یا کسی مشکل ہو گی کہ کیسے قتل کی جائے گی۔"

"جاؤ زرا دلاک ... اک تو تم کو نا کر کے رستہ تاڑ اور سے لگنے کی باتیں بھی سنو۔"

وہ اشتعال کھا کر اٹھا اور اسے کے آگے بڑھنے لگا۔

"اچھا بابو ... آگے ہم کھاڑ ہے کے سامنے والی تنگ گلی میں مرنا ہے سرکار؟"

"ادھر ہاں کھے تمہاری تنگی پڑی ہو گی۔ اس سے پوچھ لینا۔"

"یہی ہے پوچھیں ... ملک مقبول خراب ہے میرا۔"

"یہی کے اوپر لکھا تجربہ بھی تو ہو گا۔ جو بھی اس کی ہے ... ادھر ہمیں سارا حساب کتاب رکھتا ہے۔ کوئی کرائے دار اس کی نظر بچا کے یہاں سے نکل نہیں سکتا۔"

"اچھا اچھا۔"

وہ اپنے سفاری سوٹ سے معلوم کر رہا تھا آگے بڑھتے بڑھتے کلاؤز کے تے اس کی آستین کا کف پکڑ لیا۔

"کدھر جا رہا ہے کالو تو؟"

"وہ کس خوشی میں؟ ... اسے تو نے کارت نکسی کر کے کھا ہے تو نے؟"

"رسٹنا ہاتھ ... جواب کا کام ہے ... تو بیٹھ ... استفار اس کے بھیجے کول کا ہیں ... تو بیٹھ۔"

وہ کالوں کو ہاتھ لگا تا تو کر تا تھا۔

"تو آگے ہی تک ... ملک کھایا ہے ... اپنا کام تمام کرایا ہے اس کا ہر جانہ مالک رہا ہوں ... سو سو سو

"ہاں۔"

شہزادے کو واسطہ دیتے ہوئے کہا۔ ماں کا پاؤں پکڑ کر قتل ہونا اسے بات کرنا مشکل بنا رہا تھا۔

"خیر۔ رعب ڈالنا تھا تو غصہ اسے بتا چکا کہ کسی ایسے غیر سے کی لڑکی نہیں ملے جا رہا۔ رہا کچھ دے دلا کر رخصت کریں گے اب پوری شان کے ساتھ۔ ہے نا؟ کرے گی بھی یہی وصیت تھی۔ یاد ہے اس نے مرنے سے پہلے تیرا نام لگایا تھا کہ تو ہی اس گھر سے رخصت کرے گا۔"

"ابا نے صرف اسے رخصت کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی تھی بلکہ اس کا ہر چھوٹا بڑا رکھنے، ہر فیصلہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اور اب اور میں نے اسی اپنا یہی حق استعمال کیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"میں نے ابا سے روحی کا رشتہ ختم کر دیا ہے۔"

"ابا کے بتائے کیا کیا؟ رشتہ ختم کر دیا۔ اب کیا ہے گاؤں کا؟ یہ تو نے کیا غضب کیا۔ کون سا غصہ نکالا ہے اس بے چاری کی بے قصور ماں سے۔ تجھے چاہئے تھا ہی ہوتی۔"

"اماں! تم کسی طرح بھی روحی کے لائق نہیں تھا۔ میں نے سب سوچ سمجھ کے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اب میں روحی کی مستحق ہے۔"

"ہو بھی مستحق ہے۔" بارعب لہجے میں آگئی۔

"کسی طرح لائق نہیں ہے۔ وہ عمر میں زیادہ ہے اس لیے آیا کہ تاکہ تم سے اس لیے پاؤں پھیلے ہے زنانی اور بچے ہیں اس کے تمہیں لیے آخر ایک کسی اچھے خاندان کے کنوارے بھلی عمر کے اور کھاتے کماتے بندے کا رشتہ آخر ایک طبلہ بجانے والے کی اس لڑکی کے لیے کس آئے گا۔ ناچ محفلوں میں ایک پکڑ کے گانے گاتی ہے۔ اس پر شکر کر وہ عزت سے اپنے گھر کی ہو رہی ہے۔ ان حالات میں یہی بہت ہے کہ کوئی اسے بیاہنے آ رہا ہے۔ اچھے خراب دھاری دیکھے بھی ہو گئے؟ باہر سے کسی شہزادے نے آ کر اسے لے جانا ہے جب اس کے اپنے خاندان کے لڑکے کو اس میں سو عیب نظر آتے ہیں۔"

"بیٹھے رہنے کی صورت نہیں۔ اور روحی ایسے برے حالات بھی نہیں کہ اسے باہر بیٹھے بندے کے لیے بلایا جائے۔ وہ رشتے کے بار نہیں ہے۔ روحی کو گھر کی عزت بنانے نہیں بلکہ نمائی کا ذریعہ سمجھ کے بنایا تھا۔ مفت خواہ۔ عمر کا تقاضا اب گلے پڑ جاتا۔ ابھی تو صرف گانی ہے۔ کیا عجب کہ وہ بے غیرت شخص اسے نچانے پر بھی کمر کر دیتا۔"

"ابا نے سمجھ رہا۔" بابو نے دل کے ہیجے ہاتھ رکھ لیا۔

"کیا کہہ رہا؟ ایسا بدبخت تھا تو پھر تو اچھا کیا تو نے دور شتہ ختم کروا لا۔ روحی کیا نہیں ہوئی؟ اور وہ منڈا وہ بار آسانی سے مان گیا؟"

"جھوٹے بندے میں اتنا دم نہیں ہوتا کہ دماغ کے اور بنانے بھلا کیا کہنا تھا کہ کھلی بہت۔"

شہزادے کا چہرہ بوجھل ہو گیا۔

"یہ کیسی کیا لکھا ہے اس کے نصیبوں میں۔ کوئی خوشی راس نہیں آتی۔ اے کرے۔ تیرے سے کیا بعد بیسے نہ لیا کیں۔"

ماں آنکھیں بھرنے لگی۔

"ابا سے کیا بعد ہر حال میں پورا ہو گا۔ دعا کو اس کے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی اور وہ میں ملوں گا۔"

اس کا پر عزم لہجہ سن کر ماں کو امید ہوئی۔

"پھر ہے کوئی اور رشتہ نظر میں؟"

"ہاں۔"

"کون ہے؟ کوئی دست یار ہے تیرا۔ یا تیرے دفتر میں کام کرتا ہے؟ منڈا اسے ہونا چاہیے۔ بس سے مدد دلائی کے ساتھ ہے۔"

"تو پھر تو آپ کو پسند نہ آئے گا۔ ظاہر ہے ماں کی نظر میں اس کا بیٹا خوبصورت ہی ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے ابا سے شادی کر لی ہے۔ ہر بار اس کا دل توڑنے کا۔ سب میں نے تمہارا ہوں۔ حالانکہ کبھی بھی میں نے ایسا نہیں چاہا۔ ہر بار میں اس کی مستری ہی کے لیے۔ لیکن پھر بھی اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر بار میں اسے دلاسا دیتا ہوں جیسے اس بار۔ میں نے تو اسے عمر بھر کے دکھوں سے بچانے کے لیے اور ابا سے کئے وعدے کو نبھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ کلمہ میں جانا ہوں اسے کتنی ٹھیس پہنچی ہے اس بار میں اس کا ازالہ کروں گا۔"

"کیا۔۔۔؟ کیا واقعی تو نے۔۔۔ تو نے کر لیا اس سے شادی؟"

ہمارے خوشی کے بابو کے منہ سے لفظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

"ہاں ہوں کہ تو نے فطرتی کو جوڑنے کے لیے کبھی جو رہا ہی درج کی تسکین کے لیے بھی۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ دعا کا خیال رکھوں گا۔ اسے ہر غم، ہر پریشانی سے بچاؤں گا۔ ساری خوشیاں دوں گا۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر میں اسے عمر بھر کا ساتھ دوں۔ اسی طرح میں اس کی ڈھال بن سکتا ہوں۔ ہر غم کے آگے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"اعتراض۔۔۔؟ میرا کیا مغز پھر گیا ہے جو میں کوئی اعتراض کروں گی۔ اعتراض کرنے والے کو کسی کی آئی آئے۔" خوشی جذبات میں دیوانہ ہوتی جا رہی تھی۔

"میرن اور کرے کی تو پیشے سے خواہش تھی کہ روحی ہمارے گھر کی رونق بنے۔ اس لیے نہیں کہ وہ کرے کی مرضی ہوئی۔ من کی آخری نشانی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہی بنانے کو دل چاہتا ہے۔ ہر کسی نے اس میں۔ شکل و صورت دیکھو تو لاکھوں میں ایک۔ دل دیکھو تو ہر کسی سے محبت کرنے والی۔ جھوٹے بدن کی عزت اور لحاظ کرنا جانتی ہے۔ گھر سے باہر نکل کر مجبوری میں کام کر رہی ہے۔ ملتجی آنکھ میں شرم صاف نظر آتی ہے۔ بولی ہے تو اتنی میٹھی۔ کہ بس دل کا لگتا ہے وہ بولتی رہے اور بندہ سنتا رہے۔ ہاتھ میں اتنا سوار کہ بیٹھا رہے اور بندہ کھلا کھلا کے نہ تھکے۔"

اس نے دعا کے بارے میں پورا قصیدہ ہی سنا ڈالا۔ شہزادے ماں کی خوشی دیکھ کے مسکرا دیا۔

"یار ہے اک ذمہ داری پہلے کرنے کی جلدی میں ماں ہم بھول گئے تھے۔ دعا نے مجھ سے شادی کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسی سے اندازہ کر لے کہ یہ ہماری کتنی پرانی خواہش ہے۔ اس وقت بتا نہیں تیرے دماغ میں کیا نیا تھا۔ تو تو اس کا ہامنے پر راضی نہ تھا۔"

شہزادے کو بھی واقعہ یاد آ گیا۔ اور ساتھ ہی اپنا بدصورت رویہ بھی۔ اس نے صرف انکار نہیں کیا تھا بلکہ بہت سخت اور تلخ الفاظ استعمال کرتے ہوئے دعا کی بے عزتی کی تھی اور اپنے ماں باپ کو بھی نہ بخشا تھا۔ اس کی جرات کیسے ہوئی یہ خیال پیش کرنے کی۔

اس نے ایک نظر گھر کے بدلے ہوئے ماں کے خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھا مگر اس بار وہ طمانیت سے مسکرا نہ سکا۔ بلکہ افسردہ ہو گیا۔

"کاش یہ خوشی دینے کی سعادت میں تب حاصل کرتا۔ یا بھی آخری وقت میں مجھے خوش ہوتے۔"

اس خیال نے اس کے دل کو بوجھل کر دیا۔

"کیا ہوا شہزادے؟ اداس کیوں ہو گیا ہے؟" یاد نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کے لاڈ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ بس یونہی ابا کی یاد آ گئی تھی۔"

اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا اور آنکھوں میں نمی تھی۔

بلوغت شہزاد کا اپنے بیٹے کا یہ روپ زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ممتا کے مارے دل کو چھوٹے لگا کہ اس نے اس کی پیشانی پر پیار رکھ لیا۔

"ماں صدقے تیرے جیسا پوتا مجھ کو دے دے یا اللہ۔ سوچنے سے۔ کاش کہ دیکھ پاتا اس کا بیٹا۔ بس دیکھتا پیار کرتا۔ مگر جانتی ہوں گا اس کی روح بڑی خوش ہوتی ہوگی۔"

دل ہی دل میں وہ کوئی دعا مانگ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شہزاد شاید دعا سے محبت کرنے لگا ہے۔ اور اس محبت نے ہی اس تبدیلی کو جنم دیا ہے۔

"دعا تو تیرا بیٹا۔ سالی جیسے۔ تیرا سہاگ جیسے۔ تیری گود بھری رہے۔ تیری محبت کے صدقے مجھے بھی بیٹے کی محبت دیکھنے کا موقع ملے۔ تیری محبت نے میرے بیٹے کے دل کا زہر دھو دیا۔ اللہ تجھے ہر خوشی دے۔"

وہ بیٹے دل سے اسے دعائیں دے رہی تھی۔

اور سچے دل سے دی جانے والی دعائیں عرش تک اپنا راستہ خود بناتی ہیں۔

یہ دعائیں بھی دعا کے لیے سوغاتیں لانے والی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"اماں۔ ہمارا تین کیجیے ہم آپ کے۔"

"تو نے ہوش کر جانا۔"

باہر ہاہوں مخل نشے میں دھت اور اکثر سے باتیں کرنے میں مگن تھا۔ جب بابا پائلٹ نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کے جھنجھوڑ ڈالا۔

بابا پائلٹ باہر کے ایک قریبی دوست امجد کے اس ڈیرے کا کھرا لالہ جو کیداب بادشاہ تھا۔ سب کچھ تھا۔ اس ڈیرے پر ہفتوں کو بڑی خاص محفلیں سجائی جاتی تھیں۔ اسی ڈیرے کا رخ کرتے اور سب انتظام بہ مجمل سا نظر آتے والا نشہ یا پینے کے عمدہ طریقے سے کرتے۔ بالخصوص اسے مختلف قسم کی نشہ آور ادویات کے سگریٹ اور مشروبات تیار کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ اسی بنا پر اسے "پائلٹ" کا خطاب دے دیا گیا تھا کہ اس کے تیار کردہ "جہاز" گھنٹوں نہیں بلکہ دنوں بدہوشی کی فضاؤں میں اڑاتے پھرتے تھے۔

اس نے اپنے مالک کا جنگلی بوٹی جان کے باہر کو اس ڈیرے سے خوش کر دیا کہا تھا۔ کہ تمام تیار کیا تھا۔ مگر خواہش اس کا مطلوبہ نشہ بھی فراہم کیا تھا۔ مگر اب گزشتہ اور روز سے اس کے یہاں ان رات کے مستقل قیام سے وہ تذبذب کا شکار تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اسے لمبے قیام کا موقع دینا کہیں اس کی نوکری نہ ختم کرا دے۔

"مالک۔ ہوش کر تو تیرے سوال سے بن ہوا جاتا ہے۔ میں سمجھا شاید امجد صاحب بھی آنے والے ہوں گے۔ سارے یار دوست اکٹھے ہوتے ہوں گے۔ لیکن تسی تے آکھیے ہی آئے اور ابھی تک اکیلے ہی ہو۔ تساں کی کوئی گل بات ہوئی ہے امجد صاحب سے کہ کوئی بنا؟"

وہ اپنے سر کو جھٹکے دیتے میں کہتا اسے ہوش میں لانے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا اور باہر تھا کہ مسلسل دو روز سے ادویاتی دوا کی ڈوز کا نوال عشق کا نشہ اتارنے کی تگ و دو میں لگا تھا۔

اس کی مدہوشی اور خود فراموشی عروج پر تھی۔

کبھی وہ اپنے حسن کے قصیدے پڑھنے لگتا۔

کبھی اپنی محبت اور وفا کی قسمیں کھانے لگتا۔

کبھی اس بے اعتباری اور بے وفائی کے نوحے پڑھتا۔

کبھی جان زیادہ گوہر مقصود شہزاد کے حسن کے قصیدے گانے لگتا۔

نشے سے ڈرے ذہن کی تاریکیوں میں ان سب باتوں کے علاوہ کہیں ملک مقبول کا خوفناک سایہ بھی موجود تھا۔ جو نشہ کم ہونے پہ ابھر آتا اور اسے خوفزدہ کر جاتا۔ اسی عفریت کے ڈر سے وہ ایک بار پھر خود کو نشے کی سیاہی میں ڈبو دیتا۔

"اگلا کے امجد صاحب سے کل کی کوئی بات ہے کی۔"

اس کے منہ سے کوئی اعتماد کی بات نکلوانے میں ناکام ہونے کے بعد بابا پائلٹ نے باہر ڈیرے صاحب کو فون کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ یہ سوچ کر کہ کل سے بار بار آ رہی تھی۔ مگر وہ ہچکچا رہا تھا کہ ایک شخص ڈیرے صاحب سے بغیر اجازت کھرانے کی۔ کہیں بابا اپنے صاحب سے بھاری نہ پڑ جائے۔

ڈرتے ڈرتے اس نے امجد کا نمبر ملایا۔

"اکون وہ مغل؟ کب سے آیا ہے؟"

"وہی۔ اوہی ہو گے۔"

"اوہی۔۔۔؟ تم نے اسے اندر کیوں بھیجا۔ اب اسے نکالنا مشکل ہوگا۔ یہ تو ہے ہی مفت خور۔"

"ابھی میں نے سوچا کہ تساں دے یار دوست ہیں۔ آگے بھی آتے رہتے ہیں۔ کدی کدی رات رہی رک جاندے ہیں۔ میرا بھی اندازہ تھا کہ ان کے پیچھے پیچھے تساں دے دوست ہوئی گل دے لئے ہوں گے۔ کوئی پانی شانی ہوگی اس لیے تسی دے۔ تساں کے ڈر سے بن کی خدمت دوست کی۔ وہ نہ میرا مالک دا پتر تو نہیں ہے۔ بس کی دو بوتلوں سے سونے لگا گئے۔ چار بوتلیں چڑھا کے نہ ہوا پتا ہے۔ گند پھیلا رکھا ہے۔ بیٹھک میں ہوش میں آئے تو میں جائے کا آکھوں۔"

"اس بدذات کو تو کوڑے کی طرح اٹھوا کے باہر پھینک دینا چاہیے۔ مگر کبھی کبھی یہ کھوٹا سکہ بھی کارآمد ثابت ہوتا ہے اور جرگے میں۔ امجد یاروں کا یار ہے۔ اتنا لحاظ تو کیسے ہو سکتا۔ تم ایسا کرو بابا اس کا نشہ پورا ہونے دو۔ ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو کہنا امجد صاحب کے سسرال والے ادھر چکر لگا رہے ہیں۔ ڈیرے خوش کریں۔ کہنا اس کے ساتھ کوئی نہیں بھی ہیں۔ بس اتنا کافی ہوگا۔ خاندانی بندہ ہے۔ برداشت ہوگی۔ کہنا کے نشے کے۔"

"جو حکم سرکار۔ جو تساں دی مرضی۔"

وہ خود بھی اس بن ہوا کے سامان سے تنگ آ گیا تھا جس نے تالین کا تو ناس مار دیا تھا۔ پان کی پیک تھوکنے کھانا کھانا۔ ہر سب صاف کرنے میں اس کا پورا دن نکلتا۔

ابھی وہ جو کہا تھا بابا پائلٹ نے دہرا دیا کہ پہلے تو باہر کے ہوش و حواس میں اس کا مفہوم سمجھنے سے انکار کر دیا۔ سرخ سرخ آنکھیں نکالے اسے گھورتا رہا۔

"دھلی صاحب نکل سمجھ نہیں آئی تو دوبارہ بتاتا ہوں امجد صاحب میں بل تساں دے یار (دوست) کا نہ ہل گیا ڈیرے سے۔ اور بعد حوالہ ڈیرے ڈال کے بیٹھ گئے ہوں۔ وہ والے امجد صاحب۔"

وہ اپنی گردن میں کہہ رہا تھا۔ ساتھ اس کے نشے کی زیادتی سے اترتے ہوش کو مکمل جھنجھوڑنا بھی چاہتا تھا۔

"اماں نے آکھیا ہے کہ اماں کے سوہرے ادھر ہاں بچوں سمیت چھٹی گزارنے آ رہے ہیں۔ اماں نے ڈال تیاریاں بھی ہوں گی اور کوئی بندوبست دادا حرمل رہیں گے تساں بن ملی پاؤ۔ (چل بڑھ)"

بہت مشکل سے وہ باہر کے دماغ میں یہ بات ڈال پایا۔ صبح سے اس نے باہر کے یار طلب کرنے کے باوجود اسے نشہ آور سگریٹ دیا تھا نہ ہی شراب۔ مگر باہر کا نشہ بھی ٹوٹنے لگا تھا اس لیے وہ یہ بھانپ گیا کہ اب یہاں سے روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ امجد خود آ کر اسے ذلیل کر کے نکالے اور پھر اس ڈیرے کے دروازے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں اس سے بہتر ہے کہ وہ خود ہی عزت سے یہ جگہ چھوڑ دے۔

"بابا ایک ڈیڑھ گھنٹہ کی مہلت تو دے کہیں۔ پھر ہوش و حواس ٹھکانے آ جائیں۔"

وہ نشہ ہوئے اشارے اور لہجے سے بات کرنے کا عادی تھا۔ مگر آج اس کے لہجے سے کوئی فریاد تھا۔ اس

کی ہوا ہے ایک عجیب بے کسی اور بے بسی تھی۔ جس نے بابا کامل موم کر دیا۔ ورنہ اسجد نے پاس کوئی انور وہاں کرنے کا حکم دیا تھا۔

"میں نہیں جانتا میں کہ پولی ڈیا لیز کا راز ہوں۔ میں نے ڈاڑھی شاڑھی ہے۔ اگر تم ایک بلیڈ بھی رکھ دیتا ہوں۔ تو میں تمہارے آنکھوں پر جاتا ہوں کہ میں کچھ جانتا ہوں۔"

کرمانی نے تحمل کرنے کے بعد وہ اپنی خود کو مسخر محسوس کرنے لگا۔ اب اسے وہ روبیلیا نہیں پہنچتے ہوئے گھن آ رہی تھی۔ اپنی کھلاتی فطرت کے برعکس اس کا فاہر ست فاست بند تھا۔ وہ دن میں دو بار دھلا ہوا اور کلف لگا ہوا استری شدہ لباس پہننے کا عادی تھا مگر دھاگے کے گھر ہونے والے ملاوٹ نے اسے اتنا شدید جذباتی دھچکا پہنچایا کہ وہ اس وقت سے اپنے آپ سے غافل تھا پھر مسلسل نشہ کر کے اپنا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"اچھی نہیں شتاری کر لیں۔ ہن چلو۔" بابا نے مزید تعاون کرنے سے صاف کہہ دیا۔

باہر موٹر تو گھر کی طرف نکلا۔

"اس مدت سے اب ہم گھر جا رہے ہیں۔ کتنے دعوے کرنے نکلے تھے۔ سوچا تھا کمائی ہے تو گھر جائے گھر بستی۔ ہم نے کوٹھی، موٹر، بارہ بات کے بیان، بنگلہ، باغ بنے ہیں تو اولاد کو بھیج دیا کریں گے چند ہزار ہر مہینے بھیجے ہوئے ہوں گے ہم ایک ایک کر کے ان۔ ماں، ڈھکی اور حریف کرا دیں گے۔ چند سال بعد لڑکی کو رخصت کر دیں گے لیکن ہم ہی بیٹھ رہیں گے اور بھلا ایک باپ کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔ دس بیس سال بعد بھی مسئلہ تو نہیں پہلے اس کی پرواہ تھی تب اب میں بے پروا ہو گیا ہوں۔ اولاد جی سے اپنے تعلق کا اقرار بھی کیا اور تو اور اس سامنے شرمندگی سے رہ گیا تھا۔ اس کے آگے کھل بھی گئے۔

"سوچا تھا زیادہ کیا ہو گا۔ یہ بھلا ہو اگر ہمارے شہر کو سب تارے گلستان ہو جائے۔ ہم کون سا ان کا سامنا کرنے والے ہیں۔ مگر حرف ہماری اڑان نہ بھری جا سکی۔ اپنے پر کترے ہیں قسمت نے کہ اوندھے منہ جا گرے ہیں۔ طلی پر چوٹ لگی ہے سو الگ۔ ہم کھوسا وائلڈ ارسے سے خوفناک چیز ہے سب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے بھاگنا کس سے ہمارے دکھ مجرم ہمارا نصیب پھوٹ گئے۔ ان خرم صاحب کا نہیں کو سامنا کر جائے گی۔ کیوں ہماری کھلی بھاگ جائے اور سب سے بڑھ کے ملک مقبول کا۔ جی نہیں وہ ہمارا کیا شمار کرنے والا ہے۔ کس کس سے چھپیں گے ہم۔ ملک مقبول سے چھپنے کی خاطر گھر میں بند کر بیٹھ جاتے ہیں مگر گھر میں بیوی بچوں سے منہ کیسے چھپائیں۔ اب تو بھی ہے نا بھاگنا تو اسی جگہ ہے اسی گھر میں۔"

اس نے موٹر وہاں سے نکلتے ہوئے راستے میں پڑے ایک پتھر کو ٹھوکر سے دور تک لڑھکا دیا۔

اب اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں جہاں سے شہر کی طرف جانے والی بس کی آمد متوقع تھی۔ یہ ذرہ سفر نائی جلنے میں تھا۔

"اس گھر میں جانے چار ہی کوئی نہیں۔ مصیبت میں کام آنے والے دوست اب کہاں رہے ہیں۔ سب نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ جی کہا ہے کسی نے گھر جیسا بھی ہو اچھا ہوتا ہے۔ جب کہیں پناہ نہ ملے تو اپنے گھر میں تو مل ہی جاتی ہے۔"

☆ ☆ ☆

"یہ کام تو آپ نے بہت عمدہ کیا عصمت میاں!"

صاحبزادہ نصیر علی خان نے ستائش بھرے انداز میں کہنے کے بعد وہاں اس کاغذ کو انور دیا جس پر رضا کے گھر کے پتے کے علاوہ اس کے دونوں فون نمبر بھی درج تھے گھر کا بھی اور سیل فون کا بھی۔

"ہم تو یہ سوچتے ہی رہ گئے تھے کہ اب وہ اس بچی کو کبھی دیکھ بھی پائیں گے یا نہیں۔ اس سے رابطہ کیسے ممکن ہو گا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ سے بات کرنے کا ہمارا فیصلہ بالکل درست ثابت ہوا۔ صرف یہ کہ ہمارا دل ہلکا ہو گیا بلکہ آپ نے ہمارے مسئلے کا حل بھی چند گھنٹوں میں ہمارے سامنے لا کھڑا کیا۔"

وہ بولا۔ کلف اس کی تعریف کر رہے تھے۔ عصمت کے لیے یہ رویہ نیا تھا یا ان کا سراہنا اس لیے بجائے خوش ہونے کے وہ بے آرام ہو رہا تھا۔ کسی کا نام معلوم کرنا ایسا مشکل کام بھی نہیں رہا اور یہ تو خاص معمولی نوعیت کی ہستی تھی۔ ان سے کون واقف ہے۔ اس لیے میں نے کوئی ایسا معرکہ بھی انجام نہیں دیا۔ آپ مجھے شرمندہ مت کریں۔ دراصل میرے ایک دیرینہ دوست کی سہولت ہے نوشہر کا صحافی ہے۔ شہر پولیس سے ہدایت افراد کا پتا لگانا اس کے لیے آسان ترین کام تھا۔"

وہ انکساری سے کہہ رہا تھا مگر اس کے الفاظ بار بار تنگی میں نواب صاحب کو نہیں پہنچا رہے تھے۔ ان کا دل باقاعدہ کراہنے لگا۔

"عصمت میاں! ہماری بات مانیے۔ آپ ہمارے سامنے اس بات کا ذکر مت کیجیے کہ یہ ایسا کس پیشے سے منسلک ہیں۔ ہمیں اس ذکر سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ۔"

"جی حضور۔" وہ ان کے انداز پر دنگ رہ گیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ! آپ استاد اور گزارش جیسے الفاظ استعمال کر کے آپ اب مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔"

"آپ کو علم کیا کیجیے۔ میں حضرت خود لو ہوں کہ میں نے ان محترمہ سے آپ کی جذباتی وابستگی کا دھیان کیے بغیر بہت کچھ کہہ دیا۔"

"چلیے جانے دیجیے اس ذکر کو۔"

نواب صاحب نے موضوع بدلنا چاہا بلکہ ایک طرح سے عصمت کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھی کتاب دوبارہ کھول لی۔

وہ تذبذب کے عالم میں وہاں کھڑا رہا۔ کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کی کیفیت بھانپ کر صاحبزادہ نصیر علی خان نے کتاب سے نظریں اٹھا کے اس کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں صاحبزادے؟"

"جی جناب حضور! میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کے کہنے پر میں نے یہ معلومات آپ کی خدمت میں پیش تو کر دی ہیں مگر آپ ان کا کریں گے کیا؟"

نواب صاحب اس کے بے محل سوال پر مسکرائے۔

"ان معلومات کا مقصد یہ جاننا تھا کہ وہ کہاں رہتی ہیں، کون ہیں، ان سے رابطہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ ہم ان سے رابطہ کرنا چاہیں گے۔ مل کر ان سے کچھ دریافت کرنا چاہیں گے۔ آپ ہماری الجھنیں دور ہوں۔"

"جی دوست فرمایا مگر میری ناقص رائے یہ تھی کہ آپ براہ راست ان سے رابطہ یا ملاقات کر کے یہ سوال جواب کرنے کی بجائے مجھے ایک بار پھر خدمت کا موقع دیجیے۔ میں اپنے انداز میں پتا لگاتا ہوں۔"

اس نے ذرا بھی خدمت پیش کی۔

"آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

نواب صاحب نے اکتا کے اس سے سوال کر ڈالا۔

"دراصل یہ دراصل مجھے آپ کے شایان شان نہیں لگ رہا۔"

کچھ جھجکتے ہوئے اس نے اصل وجہ بیان کی۔

وہ بات کو سمجھتے ہوئے مسکرانے لگے۔

"ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں لیکن یہ کام ہمیں خود ہی کرنا ہو گا۔ اس سے ہماری تسلی و تشفی ہو جائے

گی ورنہ ایک خلش سے ایک ملال عمر بھر رہ جائے گا۔ آپ تکلیف کیجئے ہمیں بخوبی علم ہے کہ ہمیں یہ کام کیسے کرنا ہوگا۔"

ان کا لہجہ اتنا سختی تھا۔ حسن مزید کچھ نہ کہہ سکا اور شب بخیر کہتا کمرے سے نکل گیا۔

صاحبزادہ حسین علی خان نے کتاب اپنی میز پر رکھی اور پھر اٹھا کر دوبارہ سے پڑھنے لگے۔

"آپ جو بھی ہیں، ہماری الجھن کا جواب ہیں اور ہم یہ جواب جلد از جلد حاصل کرنا چاہیں گے۔ شاید کل صبح ہی۔"

☆ ☆ ☆

رعنا کے سیل فون پر بہت مدھم بزر بج رہی تھی۔ وہ بیڈ پر دوسری جانب کروٹ لیے لیٹی تھی۔ آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی مگر سیل فون اسٹینڈ کے پیچھے مائل نہ ہونے دیا تھا۔ وہ بے حسی کی چادر اوڑھے سامنے کی دیوار پر نظریں جمائے لیٹی رہی۔ یہاں تک کہ نمبر ملانے والا خود ہی تھک گیا اور بھرشاید مایوس ہو گیا۔

بہت دیر کے بعد اس نے کروٹ بدلی اور بیڈ پر ذرا سا صلہ پر اپنے سیل پر اس کی نظر پڑی تو بے ارادہ ہی اسے اٹھا لیا۔ ان کال میں بیسٹ کال کے حرف جگمگا رہے تھے۔ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوتے اس نے جاننا چاہا کہ کون تھا جو اتنی مستقل مزاجی سے اس سے رابطہ کرنے کی تگ و دو میں تھا۔

"چھوٹی!"

نام پڑھتے کے بعد وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں چھوٹی! جو چاہتے تھے وہ تو کر گزرے۔ اب اور کیا رہ گیا ہے۔"

وہ سیل فون کا بارہ ایک جانب پھینک کر بستر پر رو رہی تھی۔

"ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ بابر صاحب سے اپنی کسی بات اور ناکامی کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ہمارا جی کے یہ وعدے کی لاج رکھتے ہوئے واقعتاً "میرا بھلا کرنا چاہتے تھے۔ مجھ سے ہمدردی جتاتے ہوئے بے غداری کے جذبے کے تحت مجھے بابر جیسے شخص کے چنگل میں جانے سے بچانا چاہتے تھے یا پھر آپ کو اپنی نیک نامی عزیز تھی۔ میرا آپ سے رشتہ منگنی ہو چکا ہے ایسے میں میرے ساتھ پیش آنے والا کوئی بھی حادثہ آپ کے لیے انکیشنل بن سکتا ہے۔ خواہش مجھے ذات۔ اور آپ کا ایک اور احسان ہے۔ وجہ چاہے کوئی بھی رہی ہو لیکن آپ کا کام ختم ہوا پھر آپ وہاں سے رابطہ کیوں کر رہے ہیں۔ یہ بات میں سمجھ نہیں پا رہی۔ آپ کے حوالے سے خوش فہمی ہو تا اس دل نے کب کا چھوڑ دیا ہے ورنہ میں کوئی حوصلہ افزا جواب بھی دے سکتی تھی۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں چھوٹی!"

لہجہ کراس نے شرارت کا نہ ملایا تو سیل فون کے پہلے سے رابطہ منقطع کر دیا۔

"بخدا اب آپ کی باری میں میرے لیے کیا چاہیے۔ میرا دل اتنے جھٹکوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے وہ چار طعنے سنائے ہوں گے اپنے انداز کی دوستی کی داد و صول کی ہوگی۔ چھٹی شرمت لی ہوگی آپ میرے کو کیا مارا چھوٹی پھر بھی ان لیس تھے آپ لیکن اپنی انا اور جھوک کی طرح دوست پہ سوچا بھی اس نے فون آف کر کے پھینک دیا اور وہ رو جانے کے لیے بے سر کر لیا۔

باہر سے کمرے کے فون کی کرخت بیل کی آواز گونجی۔ رعنا کان بھی نہ کر سکتی ہوگی کہ یہاں سے مایوس ہونے کے بعد شہزاد کمرے کا رسیور اٹھا سکتا ہے اس لیے وہ یونہی بے حس و حرکت لیٹی رہی۔

چھوٹی بیل سے بے ادب اللہ وسائے کی بیزاری "ہیلو" سنائی دی۔

"ہاں بھرجائی! سنائیے حال ہے؟"

باپ کی آواز پہچان کر اور لہجے سے سر اٹھا کے کلیا ہو گئے

"اس کی سنائیے۔ رب کا شکر ہے۔" اللہ وسائے نے ایک تھکی ماندہ سی سانس بھری۔

"تسی سناؤ بھرجائی! پتے دا پتا اچھا چلا۔ افسوس کے لیے فون کیا ہوگا۔ شہزاد نے خبر پہنچائی ہوگی میری وجہ کی بیماری کی۔"

اس کے شوہر کے لیے لہجے وہ تلخی پیشانی ناگواری شکنیں نمودار ہوئیں۔ اسے اپنے لیے لفظ "بیماری" پسند نہیں آیا تھا۔

"نہیں بھرجائی! مرکھا کیا بولتا ہے میں نے۔ میرے تو سارے کس بل نکل گئے ساری آنتیں اکڑ توڑ کے رکھ دی ہے اسیے نے۔ اب چاہے کہ کوئی کچھ ہوا کیا ہوتا ہے۔ دعا کے اٹھتے مجھے اندر ہی اندر (اندر) کاٹ رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میری وجہ سے اس مصیبت میں پھنس گئی تھی۔"

اس کا دکھ سچا محسوس ہوا تھا۔ اس وقت وہ اکڑ اس پہ اداسی کا ذرا برابر گمان نہ تھا۔

"اپنی کہہ رہا ہوں بھرجائی! میں لالچ میں انا (اندھا) ہو گیا تھا۔ میری مت ماری گئی تھی۔ میں اسے نوٹ چھاپنے والی مشین بنانے پہ تلا ہوا تھا۔ شاید مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک چین سکون اور عزت والی زندگی کی چاہ میں دوبارہ کے جال میں پھنس گئی۔ ورنہ وہ تو بڑی سیانی تھی۔ میں ہی بھرجائی! میرے سے زیادہ دنیا جانتی تھی۔ گھر کے اندر رہنے کو بھی سارا اچھا برا پتا تھا اسے۔ میری وجہ سے وہ محل کے دروازے بند کر کے اس کے پیچھے چھپ بیٹھی۔ میں تو اس ان کے بارے میں سوچ سوچ کے کانپ جاتا ہوں۔ جب باہر کے ارادے کامیاب ہو جاتے۔ میں تو تمہاری نان (اندھا) کو ایسے چاکے سے دو کھانے کے جو کاٹ رہا۔ اللہ کا کرم ہے اس نے بچایا۔ مجھے گناہ گار ہونے سے بھی بچایا اور نہ شیطانی کی بربادی کا زہر مجھ پہ لگتا اور شہزادے پتر کا بھی احسان ہے کہ اس نے بڑے سوچ سمجھ کر وہ کی ادا تو تھی ہے بھرجائی کہ میں تیرے ساتھ اور کھلواڑ نہ ہوں۔ میں تو ساری عمر تیرے اور تیرے پتر کے آگے کرلاں نہیں اٹھا سکتا۔"

رعنا کو یہ بھی نہیں پتا کب اس کے چہرے پہ گرم گرم آنسو پھسلنے لگے اور کب اس کے گریبان میں جذب ہو گئے۔ اسے تک رہا تھا جیسے وہ "باپ" کے رشتے سے آج ہی متعارف ہوئی ہو اور یہ بھی تھا کہ اللہ وسائے کے اندر کا باپ بھی کچھ دیر قبل جاگا تھا۔ اس وقت جب بابر جاتے جاتے زہر اگل گیا تھا۔

"میں بھرجائی! بھلا ہو گیا ہوں۔ اپنی مانا جا رہا ہوں۔ تمہاری تو سن ہی نہیں رہا۔ ہاں بولو جی کس لیے فون کیا تھا؟"

"ہاں۔ اتنا کہنے میں پہنچنے والی کون سی بات ہے۔ تمہارا اپنا گھر ہے بھرجائی! جب چاہو آ جاؤ۔ خاص بات؟ کیسی خاص بات؟ کیسی بات کر رہے بھرجائی! پتر ہے نا۔ میرا دل بے حساب ہی زیادہ ہی ہو رہا ہے۔"

"وہ بھرجائی! ہم کچھ ہوتے تو کچھ نہیں رکھتا ہوں کہ تیری بات سے ہوگی۔ ہاں ہاں۔ آج ہی آؤ۔ نہیں نہیں ہم کہیں جانا ہوتا ہے۔ میرا دل ہی نہیں کرتا باہر نکلنے کو۔ اس دن سے اسی بات کو لے کے ہوئی ہے "چپ کی بکل مار کے بیٹھ رہو۔ بس آج تجھے کیا جان کے دل ہلکا کر رہا تھا اور رعنا بھی گھر پہ ہی ہے۔ میں نے خود ہی اس کی ریکارڈنگ کیسٹ کرائی ہے۔ ابھی اس کا کام ہی ہوا ہے۔ کیا کرے گی ہر کارڈ کو پیک جائے اور پھر ایک اور بات بھی ہے۔ مجھے ڈر ہے وہ کہیں پھر سے رعنا کو گھر تمہارے کے چکر چیزی نہ مارنے لگ جائے۔ اچھا ہے کہ وہ تین طلاق دے رہے اور کہتے آنے سے دیتے بھی اس کا مل گئے تھے۔ مجھے دیکھ کے اسے خوشی ہوگی اور لڑکا بھی ملے گا۔ میرا تو حصہ تمہارے آنے سے دیتے بھی اس کا مل گئے تھے۔ اب بھرجائی! تم ہی ذرا سمجھاؤ کہ دنیا اس دنیا سے ختم نہیں ہو گئی۔ اسے یہ بھی بتانا اب اپنے پیچھے بھروسہ رکھے۔ صرف اس کی خوشیوں کا رکھیں رکھے گا اور کیا بات کا نہیں۔"

اللہ وسائے اور بلیس اولیا فون پہ یہی بات کرنے کے عادی تھے اس لیے رعنا نے اکتا کر ہاتھ رکھا اس طرف سے ہٹا لیا۔ البتہ اس کے آنے کی خبر سن کر اس کے دل کو خوشی کا ہلکا سا احساس ضرور ہوا تھا۔

"لیکن پتا نہیں چھوٹی مجھے کیا کرنا چاہتے تھے اور وہ کون سی بات ہے جس کے لیے بھی جی نے خاص طور پہ فون

کر کے اپنے آنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ تو بے تکلفانہ آتی جاتی ہیں۔"

☆ ☆ ☆

"تو بے فکر رہو اس بندے کے ہاں وہ وقت دیکھو۔"

ملک عقیل نے زینے پر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہاتھ چڑھا کے کہا۔

"کوئی اتنی بے تحاشا نہ رہتا ہو۔ ویسے کنڈی کی پیداوار ہے بات ایسے کرتا ہے جیسے کمین کا شغل ہو۔ ہوتے فقیروں کا باپ۔"

وہ مسلسل بڑبڑاتا رہا۔

"صاحب! اگر تیسرا آدمی باہر کا ہے۔"

نور جہاں نشان دہی کر کے واپس لوٹ گیا تھا۔ ملک عقیل ادھر ادھر جھانکتا آگے بڑھا۔ کمرے سے عجیب سے بچے پیدا ہوتے تو نے پھوٹے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ کئی چارپائیاں بچھی تھیں جن پر ضعیف عورتیں بیٹھی مصروف مشغول تھیں مگن تھیں۔ کوئی حقہ گڑگڑا رہی تھی کوئی کسی بچی کو گھٹنوں میں بٹھا کے اس کا سر صاف کر رہی تھی کوئی ہری بھری سبزی کاٹ کر آگے لگائے بیٹھی تھی۔ بہت کم عمر بچیوں اور بہت بوڑھیوں کے علاوہ اور کسی عمر کا بندہ نظر نہیں آیا تھا کیونکہ اس طبقے کے مخنث کسی افراد میں بیٹھنے کا رواج نہ تھا۔ عورت ہو یا مرد لڑکا ہو یا لڑکی سب رزق کی تلاش میں گھر سے نکل چکے تھے۔

ملک عقیل نے اس لڑکی کے دروازے پر لگی لوہے کی زنجیر ہلائی۔

"کون ہے؟" بہت سی کھانسی کے ساتھ کسی عورت کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

"ملک عقیل! باہر ہماری منگل کا دوست۔"

اس نے جان بوجھ کے لفظ "دوست" استعمال کیا تاکہ اگر باہر سن رہا ہے تو خوش ہو کے دروازہ کھول دے۔

"بھیا! وہ تو صحت نہیں ہے۔" بڑی کمزور سی ہانپتی کانپتی آواز سنائی دی۔ اتنا بولنے کے بعد اسے دورہ پڑا۔ کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔ بہت دیر اس کھانسی کے رکنے کا انتظار کرنا پڑا۔ کھانسی بھرے لہجے میں وہ بامشکل بولی۔

"کب تک آئیں گے منگل صاحب؟" اس کے ہر لفظ سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"ہی نظم نہیں اور وہ دو گھنٹے تین روز سے گھر نہیں آئے۔"

یہ ایک اور آواز تھی۔ بے حد کم عمر۔ لرزتی اور پرکشش۔ شاید پہلے بولنے والی عورت کو کھانسی کا دورہ پڑنے کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔ اس کم عمر اور حسین آواز نے ملک عقیل کے اشتیاق کو بڑھا دیا۔

"اس کا مطلب ہے اس منگل نے کنڈی میں کھل سی چھپا رکھا ہے۔ کسی بہانے اس تک پہنچنا چاہیے۔"

اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

● ● ●

وہ واپس آ رہی تھی اور عمر تو ملک عقیل کے اشتیاق کو بھڑکا کر خاموش ہو چکی تھی۔ اب اندر سے اس منگل والی چار عورت کی مسلسل کھانسی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کھانسی پل پل رکتی تو دھونکنی کی طرح چلتی سانس کی گھڑ گھڑاہٹ دروازے کے اس پار کھڑے ملک عقیل تک بآسانی پہنچ جاتی۔

اس نے ان چار آوازوں پہ گفتگو محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر کنڈی کے کواڑ پہ دستک دی اور جواب کے انتظار کے بھروسے لگتا تھا۔ مراسی کی اس دوسری دستک کا کوئی ردعمل نہ ملا۔ البتہ اندر ہوتی گفتگو سے سوالیہ کی ڈوا نگری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ شاید اس عورت کی نازک حالت اندر بیٹھے نفوس کو اتنی مہلت نہیں دے رہی تھی کہ وہ دستک پہ توجہ دیتے۔

"بھئی حضور! ای حضور!"

کھانسی کی آواز رفتہ رفتہ معدوم ہوئی تو وہی مدھر مخملی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس بار اس آواز میں

مراسیتی تھی مگر بہت اور بے چینی تھی۔

یہی بے چینی ملک عقیل نے بھی محسوس کی مگر اس بے چینی کا پس منظر مراسیتی سرا تھا۔

وہ ایک بار پھر شدت سے بے تاب ہو گیا اس بے چار آواز والی کی صورت دیکھنے کے لیے۔

لکڑی کے کواڑ میں ان گنت چھوٹی بڑی درزیں تھیں۔ ان میں جھانکنے سے بھی نہ جھکا مگر اس کو شش کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔

"ای حضور۔ خدارا آنکھیں کھولیں۔"

دوسری بار اب آنسوؤں سے بھیگی یہ آواز اسے گویا تپتی ریت پہ ننگے پاؤں پکار رہی تھی۔

"روزانہ کھولو۔ میں ہوں ملک عقیل! باہر ہمیوں منگل کا قریبی دوست اس کا باپ۔" اس بار اس نے صرف دستک دینے پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک بار اور اپنا تعارف کرایا۔ پھر اضافے کے ساتھ۔

چند منٹ اسی طرح گزرے تو اس نے جھنجلا کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ بایاں ہاتھ کا مکا مارتے ہوئے یونہی ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ جھنجلاہٹ سی جھلکی۔ جیسے بے وزن سی عورت اس نے گھٹنوں میں ایک تین چار سالہ بچی کو دبوچ رکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بھرے بل نکلنے کی بجائے اب اپنی چندی آنکھیں کھولے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

بیڑیوں کے طول زمین پہ بیٹھے کے حق گزارتا اس انتہائی نحیف و ضعیف بابا بھی اسی کی طرف گھور رہا تھا۔ ذرا فاصلے "کنڈی کانا" کھیلتے تین سے چھ سال تک کی عمر کے پانچ بچے اپنا کھیل روک کے متجسس نظروں سے کبھی اسے کبھی دروازے کو گھور رہے تھے جیسے یہ انداز لگانا چاہ رہے ہوں کہ کبھی یہ دروازہ کھلے گا بھی یا نہیں یا پھر بازو کی جھلیوں سے کے دانتا پہ شکار ہے گا۔

ملک عقیل کو احساس ہوا کہ وہ پچھلے دس پندرہ منٹ سے یہاں بے وقت برباد کر رہا ہے۔ اسے ان ننگے بچوں کے سامنے ترشا ترشایا ہوئے سخت خفت محسوس ہوئی۔

"چھوڑو بابا۔ دیت غریبہ اس کے گھر والے کو کھڑکی کا دروازہ نہ ہوا تھا۔ قسمت کا دروازہ ہو گیا جو کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔"

وہ قریب سے گزرا تو کھلے دروازے اور اس کے پیچھے گہرا اس ان دیکھے حسین راز پہ لعنت بھیج کر پلٹ جانا کہ وہی آواز پھر سنائی دی۔ واضح لہجہ اب وہ اسی کو مخاطب کر رہی تھی۔

"بیماری ای حضور۔ بے ہوش ہو گئی ہیں۔" چند منٹ میں اسے یہ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ اندر ان کی بیٹی کا کوئی تیمار دار نہیں۔ اس لیے فوراً ہی سنبھلا گیا۔

"ہو سکے تو پیچھے اور تمہارے وقت اکیلی بھی ہو۔ یعنی یہ باہر تو بہت خیر خواہ دار نظر آتے ہیں اس حالت میں ان خاتون کو چھوڑ کر آؤ ہو۔"

اس نے جھرجھری جاتے جاتے اسے اکیلے پن اور بے ای کا اور بھی زیادہ احساس دلایا۔ یقیناً اس کی مراسیتی میں مزید اضافہ ہو گیا ہو گا۔ آواز سے تو پھیکی لگ رہا تھا کہ رو رہی ہے۔

"ویسے تم باہر کی کون ہو؟"

اندازہ تو وہ لگا ہی چکا تھا۔ اس کھانستی والی عورت کے بارے میں بھی اور رونے والی لڑکی کے بارے میں بھی مگر تصدیق کے لیے سوال کیا۔

"ای۔ ہم ان کی صاحبزادی ہیں۔"

بے حد مدھم آواز میں اس نے اپنا تعارف کرایا۔

یہ شاید لہجہ اس نے پہلی بار نہیں سنا تھا۔ یہ نوابی انداز اسے کسی کی یاد دلا رہے تھے۔

بابا ہمیوں منگل کی۔

مگر عجیب بات تھی کہ اس کی ہنسی ہمیں ہمارے ملک متقبل پر تمسخر اور مذاق کی جاتی تھی اس کے شاہانہ لہجے، انداز اور دبدبے کو انوائی میں محسوس کر کے ہمارا وجود اٹھا۔

"یاں بھی پہنچا ہے یہ انداز بھی کسی کی بری چیز ہے۔" اس نے اپنی تلوار مار کر مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے زیر لب مسکرا کر سوچا۔

اس وقت اس کے سیاہی میں ڈوبے مگر بھورے نقوش والے چہرے پہ شناخت کا تاثر عروج پہ تھا۔ اگر صاحبزادی دلکش اسے ایک نظر اس وقت دیکھ لیتی تو اپنی ناتجربہ کاری کے باوجود اس کے اندر کی ظلمت بھانپ لیتی مگر وہ صرف سن رہی تھی۔

اس کی اور دی کے تاثر میں لطیفی تھا۔

اور فی الحال تیمارداری کے دراس ایسے ہی ماں کی بے ہوشی سے مخلص ہوتے جا رہے تھے۔ سخت مجبوری کے عالم میں وہ کسی اجنبی شخص سے ہم کلام تھی ورنہ نہ تو اسے اس کی اجازت تھی نہ یہ اس کی ماں کی تربیت تھی نہ ہی اس کی اپنی فطرت۔

"تو وہ ہماری بیٹی ہو۔ بھی تو ہماری ہی ہو گئیں۔"

اس نے بڑے معنی خیز انداز میں یہ ادھورا فقرہ کہا۔ لفظ بیٹی حذف کر کے اس نے صرف ہماری کہا تھا مگر کچھ اس طنز کو دلکش کو اس کی ذات سے ڈھا رہی ہوئی۔ جوں بھی ایک تو وہ اس کے والد سے آشنائی بلکہ گہری دوستی کا دعویٰ کر رہا تھا اور وہ سرے آواز سے بھی کوئی ادھیڑ عمر شخص لگ رہا تھا اس کے والد سے بھی زیادہ عمر کا۔

"میرے پاس گاڑی ہے۔ میں تمہاری والدہ کو اسپتال لے جاتا ہوں اور فون کر کے ماں اپنے کسی ملازم کو۔ وہ باہر کوئی ہو بلا لے۔"

"فون کون ہے آپ کے پاس؟"

"ہاں بھئی کمرے والا نیا ماڈل ہے دبئی سے منگوایا ہے۔" اس پوزیشن میں بھی اپنا چھوٹا سا گھمانے سے باز نہ آیا۔

"کیا آپ ذرا سا ہمارے ماموں جان کو فون کر کے اطلاع دے سکتے ہیں؟"

اسے دبئی سے منگوائے گئے اور جدید ماڈل کے سیل فون اور اس میں لگے کیمرے سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی اس کے ذہن میں فوری طور پر عصمت کو فون کرنے کا خیال آیا تھا۔

"ہمارا ان کا نمبر ڈھونڈتے ہیں۔"

ملک متقبل تلملا کے رہ گیا۔

"کمال کرتی ہو۔ تمہاری والدہ بے ہوش ہیں اور تم ادھر ادھر فون اچھا بھی کر دیتے ہیں فون بھی۔ مگر نہیں اسپتال لے جانے میں دیر مت کرو۔ تمہارے ماموں بہت جلدی بھی آئے تو دس پندرہ منٹ تو نہیں لگیں گے۔ اتنی طویل بے ہوشی نقصان دہ ثابت ہو۔"

اگرچہ اس کے چہرے پہ ایک شاطرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور بھولی بھالی مکار آنکھوں میں ایک سازش پل رہی تھی مگر اس کی آواز میں غضب کی بارعب کارانہ صلاحیت تھی۔ وہ بڑی مہارت سے دلکش کی گھبراہٹ میں اضافے کو ہوا دے کر خود کو مثالی کر رہا تھا۔

اسی میں فون نمبر والی پرچی لیے وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"یہ صاحب درست کہہ رہے ہیں لیکن ماموں جان کو اطلاع دینا بھی ضروری ہے اور پھر وہ درست مشورہ بھی دیں گے کہ ہمیں ابا حضور کے لوگوں دوست کی مدد لینی چاہیے یا نہیں۔ اگر ہم نے اپنے علم پر ہی ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا تو کہیں بعد میں ابا حضور یا ماما حضور کی خفگی نہ دیکھنی پڑے۔"

اندر سے چیخ کراہنے کی آواز آئی۔

مگر اس وقت نگاہوں کے سامنے وہ منظر تھا جو تخیل تصور اور امکان کی حد سے بہت آگے کی چیز تھا۔ ہلکے مٹیالے بڑے سے دوپٹے میں لپٹا کم سن اچھوتا اور ملک متقبل کی تجربہ کار آنکھوں کا اب تک دیکھا سب سے حسین سراپا تھا۔

ایک ایسا چودہ پندرہ سولہ برس کی ایک لڑکی کا تھا کہ جو زنانوں کا حسن سمیٹے ہوا تھا۔

لڑکی آنکھیں جن میں حزن و ملال کو سحر انگیز تاثر بھی تھا اور مقابل کو جیت کر دینے والی معصومیت بھی۔ ایسے بھولے لفظ تھے جو دیکھنے والے کا دل موہ کر لے جائیں۔ ان دراز پلکوں کے سرے پہ سوتی ایسے آنسو ٹھہرے تھے جو ان آنکھوں کی نمائش کا ظہور رہے تھے۔

وہ کسی بھی معصومی رقت۔۔۔ تمر انکل اور سنگھار سے بے نیاز تھی۔۔۔ درحقیقت اسے ان میں سے کسی کی بھی حاجت نہ تھی۔

"جی یہ رہا نمبر۔" اس کے ہاتھ میں کاپی تھی جس کا ایک صفحہ پھاڑ کے اس نے آگے بڑھایا اور ملک متقبل جیسے کسی سحر کے عالم سے آزاد ہوا۔

اس جیسے لوگوں کے مارے نظیر انسان کی آنکھوں میں بھی اس وقت صرف اور صرف متانت تھی مرعوبیت تھی۔ ایک بے حد معمولی لباس والی لڑکی جس کی صورت اور آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے کئی گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا اور وہ ایک بھی ہوئی شدید حال کو فون کے باہر بیٹھے ہر کسی تھی وہ اس لڑکی سے مرعوب ہو رہا تھا۔

صاحبزادی دلکش کی توجہ کسی تب کاپی کے اس ورق پہ تھی جس پہ عصمت کا نمبر درج تھا وہ اس کی محبت نہ دیکھ پائی ورنہ باپ کی عمر سے بڑے شخص کی نظریں اسے ضرور چونکا دیتیں جسے اس کے والد سے دوستانے کا بھی دعویٰ تھا۔ اسے اپنے جاب متوجہ دیکھ کر ملک ذرا سنبھلا۔

وقت آگے بڑھا تو اس نے ورق تھما دیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ریلی کی کلیوں سے نازک انگلیاں چھو کر دیکھے مگر جلد کر گیا۔

"یہ نمبر غلط تو نہیں؟ کوئی اٹھا نہیں رہا۔"

پیشانی اس نے نمبر غلط ملایا تھا۔

"جی نہیں۔" جواب میں بات کرتے ہوئے نہ اس نظر آ رہی تھی۔ کسی اجنبی کے روبرو تنہا اس سے مخاطب ہونا اس کے لیے بھلا تجربہ تھا۔

"یہ ماموں جان کے اسپتال کا نمبر ہے ہو سکتا ہے وہاں تک اسپتال نہ پہنچے ہوں۔"

"پھر یہاں ٹھہرنے ہو کر وقت ضائع کرنا بے وقوفی ہے۔ میں راستے میں بار بار نمبر ملاتا رہوں گا۔ تم جلدی کرو ماں کو اسپتال لے جانے کی تیاری کرو۔"

اسے مشورہ دینے کے بعد اس نے اندر کی جانب جھانکا اور زہر مست قسم کی پریشانی چہرے پہ سجا کے بولا کر کہنے لگا۔

"لاؤ ہوئے ان کی حالت بڑی نازک ہے۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ بلاؤ کسی کو ان کو نیچے نیچے لے جانے میں مدد کریں۔"

اس کے انداز پہ تذبذب میں کھڑی دلکش نے فوری فیصلہ کر لیا اس کے ساتھ جانے کا اور ایک قدم آگے بڑھا کر ہلچل کی لڑکے سے صحن میں موجود بہت سی جان پہچان والی خواتین سے مدد طلب کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ اسی بے دلی کے عالم میں اب تک اپنے کمرے میں نیم تاریکی پہ اپنے چپ چاپ نیلی چھت کو تک رہی تھی۔

ماہی بلقیس کے آنے کی خبر نے بھی اس کے اندر کوئی تحریک پیدا نہیں کی تھی ورنہ دیوان کے ہاں سے آنے والے آدمی کی خبر کی تو بے چین سے ہی خوشی کے مارے بے چین ہو جایا کرتی تھی۔

باہر سے آتے باران کی آواز بھی اس میں کوئی حرکت نہ پیدا ہوئی۔ گیٹ کھلنے، پھر بند ہونے اور لان میں داخل ہوتے ہوئے ماہی کے بلند بانگ قہقہوں نے بھی اسے اٹھنے پر قدرے نہ کیا۔ بلکہ اسے ماہی کے ان قہقہوں سے بے زاری محسوس ہوئی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھے اور اسے بیحد سے پسند بھی تھے۔ حالانکہ اس طرح کھل کے ہنس نہ پاتی تھی۔ نہ ہنس سکتی تھی مگر ان کے ان قہقہوں کو اس بے ساختہ ہنسی کو رشک سے سنا ضرور کرتی تھی۔ آج اس کے دل پر وہ ہنسی چھائی تھی کہ اسی کا جنسا بھی اسے برا لگ رہا تھا۔

ذرا آہٹ کی بجائے وہ شہزاد کے اسرار آتی تھی۔ شہزاد کی آواز سے اس اندازے کی تصدیق کا ہونا بھی اسے پرجوش نہ کر سکا البتہ حیران ضرور کر گیا۔

"اب کون سا فرض نبھانا رہ گیا تھا بھائی جان آپ اپنا آخری فرض بھی ادا کر گئے تھے پھر اب آپ کیا کرنے آئے ہیں؟ کیا یہ دیکھنے کے لیے کہ دوسری بار عشق میں موت کھانے کے بعد میرا حال ہے؟ آپ کا خیال غلط ہے بھائی جان۔ عشق تو میں نے صرف اور صرف آپ سے کیا تھا۔ پہلا بھی۔ دوسرا بھی اور آخری بھی۔ پھر تو میری محبت تک نہ تھا۔ نہ ہی پسند نہ چاہت۔ ضرورت اور رشتہ ہی میری ضد تھا۔ کچھ کیا کوئی کا ضد سے کیا واسطہ؟ میری ضد انیس کی ہوتی ہے۔ اس ضد کے پورا ہونے کا امکان ہوتا تو میں آپ کی ضد نہ کرتی۔ پھر تو کچھ بھی نہیں تھا سوائے ایک کوشش کے۔ اپنا وجود منوانے کی ایک ناکام کوشش کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ یہ سب اور میری بہت سی دوسری کوششوں کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی ناکام ٹھہری۔ میری دوسری بہت سی کوششوں کی ناکامی کی وجہ بھی آپ تھے اور اس کوشش کی ناکامی کی وجہ بھی آپ ہیں۔ پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ آپ کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیسے واسطہ نہیں؟ واسطہ تو ہے بھائی جان! بہت گہرا واسطہ ہے۔ میں دنیا میں کوشش کرنے آئی اور دنیا کی بھی کوشش کی اور آپ میری ہر کوشش کو مسمار کرنے کے لیے میرا واسطہ ہو گئے۔"

"ذلتی کہ مدعا ہے؟ اگر صرف میری ذلالت ہی میری سزا ہو جاتی۔"

بالوں کی آواز بھی بے حد کے جذبات سے لبریز تھی۔ بھیجیں کے اس مخصوص بے ساختہ اور والہانہ اظہار نے دعا کے اندر ذرا سی گرمجوشی پیدا کی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے سوچ سے کمرے میں لیٹی ہوں۔ باہر نکلی ہوں نہ کچھ کھایا پیا ہے۔ میں اندر جا کے ساتھ تھوڑا سا کھا لوں گی۔ ابھی تھیلے واپس کر دیا۔ پتا نہیں کیا ہو گیا میری کڑی کو ہنسنا بھول گئی ہے۔ ہورے کسی کی نظر لگ گئی ہے۔" اللہ دسایا کی آواز میں فکرمندی گھلی تھی۔ اسے ان کا دل سامنے نگاہ کر کے اپنی بیٹھ سمیت میں اور بھی بے چین دکھا رہی ہے۔

"میں دوا کر لاتا ہوں دوائی کو۔"

"نہیں رہنے دو۔ عمر دسائے آرام کرنے دے۔" بالوں نے روک دیا۔

"تمہارے آنے کا سن کر کیسا آرام بھر بھائی۔ ابھی دوڑتی آئے گی۔ میں تو شکر کر رہا ہوں تمہارے آنے پہ۔ اب وہ کسی بہانے کمرے سے تو نکلے گی۔ کئی جان اس جاتی ہے۔ اس میں مجھے اور کرنے کو کچھ کسے۔ اور کیا تو اب دیا نہیں۔ سب تو تمہاری ہو اس کے لیے۔" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا گئی۔

"بھر بھائی انیس کا لفظ تھا۔ کتنا پرایا پن ہے اپنی کمزوری کے ساتھ۔ میں اس سے کوئی غلط کام نہیں کرانا چاہتا تھا۔ اب جب میں گاڑی لے کر جا رہا تھا تو کہہ رہا تھا۔ وہ ہمارا بھی بستی کا کام ہے۔ میں نے غصے سے بولا کہ میں نے بولی ہے یہ کام کرانا چاہا ہے انیس۔ وہ تو بھی نہیں تھی۔ وہ اس کام کے لیے بنی ہی نہیں تھی۔ اس نے غصہ کی بھی بولی تھی۔ جس کام سے میں وہی کام اس سے کروانے کی کوشش کرتا۔ کتنا سمجھایا مجھے کرنے کے لیے کتنا کا شہزاد نے میں اپنی کرنے رہا۔ میں فرق کر کے چھوڑا اپنی کو اک بار کا۔"

"ہا۔ خدا نے بھر دسائے کتنی بار کہا ہے کہ منہ اچھا نہیں تو کلا اچھی کر لے۔"

انیہ دسائے کے برعکس بالوں کے لہجے اور الفاظ میں کہیں بھی غم کی بھی کی تلخی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے برعکس ایک ضبط یا ناخوش اور سرشاری جو تھی وہ صاف ہو رہی تھی۔ غم کی الجھن ان دونوں باپ بیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"اللہ خیر کرے۔ بڑا غرق ہو دوائی کے دشمنوں کا میرے شہزاد کے حاسدوں کا۔ ان دنوں کے لیے تو رب سوہنا خیر ہی خیر لکھے۔ ان کے نصیب اچھے کرے۔ دلوں ہمارے کلیجوں میں آخر حیاتی تک ٹھنڈا رکھے۔"

"آمین۔" اللہ دسائے نے کچھ الجھ کر بالوں کو کہا۔

"تیری محبت سے بھر بھائی کرے کا تو خون کا رشتہ تھا۔ ویسی اس کی لاڈ بہن کی آخری نشانی تھی۔ پر تو نے بھی کم پڑ نہیں ایا میری بچی کو۔ میری ان ماں کی دعا کو ان بن کے رکھا۔ بھی اس میں اور شہزاد کے میں فرق نہیں رکھا۔"

"اور نہ رکھوں گی۔ جیسے شہزاد میرا بیٹا ہے اسی طرح اوئی میری دھی ہے اور میں اسے ہمیشہ ہمیشہ اپنی دھی ہی بنا کے رکھوں گی تو میں ہوں۔ بھی نہیں بھلا ہی۔"

اس کی بات پہ جہاں اللہ دسائے ہنس پڑا کہ وہ کیا دل اندر کھلی دعا جو کتنی دیر سے ماہی کی باتیں سنتی ہوئی اپنے سستی کو رخصتوں کے شکار ہم کو اٹھنے آباد کر دی ایک جھٹکے سے ساتھ اٹھ کے بیٹھ گئی۔

"ہے اپنے کانوں پہ یقین نہ آ رہا تھا۔ یہ کیسے الفاظ تھے اس لمحے۔ وہ شدت سے چاہنے لگی کہ ماہی اپنی بات دوہرائے تاکہ اس کے سننے میں جو غلطی ہوئی ہو وہ دور ہو جائے۔

شہزاد بھی گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"اتنی خوب صورت بات ہے اور اماں نے کسی گولی کی طرح اس کو ہے کتنا سمجھا کے لانے کا۔"

وہ شاکی نگاہوں سے ماں کو دیکھنے لگا جو اتنی بڑی بات اتنے اچانک اور نامناسب انداز میں کہنے کے بعد اب سامنے رکھی قیمت کی پاسکٹ میں سے کوئی تحفہ اسا سلتر منتخب کر رہی تھی۔

"کیا مطلب بھر بھائی؟"

"کچھ دیر تک اللہ دسائے انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ خود ہی اپنی بات کی وضاحت کرے مگر پھر اسے جرے شرق سے منگتے کو چھیلنے میں مگن دیکھ کر اس نے خود ہی وضاحت دن کر بات آگے بڑھائی۔

"مطلب کی ہوا ہے؟ ۔۔۔ تو بھی ماہ عمر دسائے ۔۔۔ سارے عمر بھلائی رہے گا۔"

بالوں نے منہ سے سچ تھوکتے ہوئے کہا۔

"جوان دھی کا پیو ہے اور اتنی بات نہیں سمجھتا ۔۔۔ بھی میں کہہ رہی تھی۔" اس نے ایک اور بھانک منہ میں رکھ کے ذرا توقف کیا جو سامنے صوفے پہ بیٹھے اللہ دسائے اور اندر بیڈ کے کونے پہ اٹھی بیٹھی دیا پہ بہت بھاری گزرا۔ شہزاد نے بھی دعا کو اور عمر بھر متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کلا نوں تنگ ہو باز سوا اور تو۔"

"ہاں۔" آپ اور عمر تک نگاہ کر منگتے کھانے نہیں کوئی اور بات کرنے آئی ہو۔" اس نے شہزاد تک کے سرگوشی کی۔ جس میں چھپی تنبیہہ جناب کے کی سیدھی ہوئی۔ ہاتھ میں رکھا آدھا منگتے واپس پلیٹ رکھا اور وہ پیچھے سے منہ پونچھنے لگی۔

"کھاؤ بھر بھائی۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔"

اللہ دسائے نے اندر امڈتے سوالوں کو دبا کر آداب میزبانی نبھانا چاہے مگر اب بانو شہزاد کا موڈ جناب پلٹ چکی تھی۔

"بھی سیدھی بات ہے۔ گھر بھی اپنا ہے تو بھی اپنا وجود ہے اور دوائی بھی اپنی۔ بھی کوئی تیسری والی بات نہیں جو میں گھر پھیر کے کہوں۔ صاف صاف کہہ رہی ہوں۔ مجھے دوائی اپنے شہزاد کے لیے پسند ہے۔ مجھے میرا شہزاد پسند ہے

تو یہاں کرے ابھی ہم پوری بھوتی سے ساتھ واپس ہو جاتے ہیں۔"

"پھر یہ لڑکی نہیں کہ پھر جائے۔"

تاکیدیں یہ حیرت کی زیادتی تھی یا خوشی ہی بھرپور تھی کہ اس کے منہ سے الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

دماغ ہی اچھل کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے قدم بے ساختہ بے ارادہ دروازے کی جانب بڑھے تھے مگر پھر وہیں رک گئے۔ کسی انجانے سے جذبے نے اسے باہر نکلنے سے روک دیا۔

"میری یاور کرے کی تو ہمیشہ سے خواہش تھی۔ اب یہ میرے شہزادے چڑی بھی خواہش ہے اس لیے میں نے ہی کہیں کی تو بھی سب چھتے میں دیر نہ کر۔ شہزادہ تیرے سامنے بلا بیٹھا ہے۔ اس کی اچھائیاں برائیاں سب تجھ سے آگے ہیں۔"

"مجھ بھروسا نہ کون شبہ! سوچنے میں دیر کر رہا ہے۔ میں تو اپنے آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ اللہ نے میرے پہ ایسا کرم کیا ہے۔ میرے پہ! میں نے تو ایسی کوئی نیکی بھی نہیں کی جس کے بدلے مجھے نسیں دیا میں نے ایسا کون سا اچھا کام کیا ہے جو اللہ کو پسند آ گیا ہو گا۔"

"تجھے چاہیے۔" ماں نے دوبارہ سمجھایا اور ڈھیا۔

"تو نے زندگی میں ایک ہی سوا کام کیا ہے۔ وہ بھی جیسی کر سوال والی ہی پیدا کی ہے۔"

☆ ☆ ☆

"ایسے کی ہو رہا ہے؟"

ماتھا گھر نے نقد گزارتے ہوئے سامنے کی جانب اشارہ کیا جہاں ایک جھنگا سی چارپائی پہ ایسمن کے نیم بے ہوش وجود کو ڈال کر میلے میلوں سے نیچے اتار دیا گیا تھا۔

دھوپ تیز ہو جانے کے بعد ماتھے گھر کا سنجا تھا کی سے کھڑی کے اندر جھانکنے سے اطلاعے میں برگد کے اس بوڑھے مقدور اور تک سایہ پھیلا کے درخت کے نیچے مشکل ہو جاتا تھا۔ یہاں سے وہ کھڑکی کے اندر یا باہر آنے جانے والے ہر بندے پہ نظر رکھتا ہوا سلام دعا میں بھی مصروف رہتا اور کرائے اور سودا کا تقاضا بھی کرتا رہتا۔ اسی کے لیے بھی یہ مشکل تھا کہ وہ کھڑکی کے بڑے سے لکڑی کے پھاٹک سے اندر داخل ہونے کے بعد اس کی نظروں سے بچ کر آگے جا سکے۔

نور جہاں چند لمحے کیفیت میں تجربے بھی تھا۔

"مشکل کی ہو رہا ہے۔ آگے ہو تا لے جا رہے ہیں۔" اس نے پھولے سانسوں کے ساتھ اطلاع دی۔

"تو خود سور لے جا رہا ہے؟" ماتھے گھر نے تیوری چڑھا کے ان دونوں بھرا ہوں کو دیکھا جو ابھی تک اپنے پاچھے یہ چارپائی تھسو تا ریک ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں سے اتارنے کے بعد ایک جانب رکھ کے اب تک متعین کامنہ تک رہے تھے۔

"میری گاڑی مگر میں چھوڑ کے کھڑی ہے وہاں تک لے جانا ہو گا۔"

اس نے نیا تھوڑا دوبارہ بار بار اپنے ستاری سوت سے ماتھا صاف کرتے ہوئے وہ مسلسل صاحبزادی دلکش کو دیکھنے بلکہ نظروں ہی نظروں میں ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو چوری طرح سے کی گئی کی پرانی سیاہ چادر میں لپٹا وجود لپیٹنے کے بعد بھی اس کی نظروں سے بچ نہیں پا رہی تھی۔ اس وقت اس کی ساری توجہ اپنی ماں کی جانب تھی اس لیے وہ نہ تو تک مقبول کی جھجکی یہ ایمانی نظریں محسوس کر سکی نہ ہی اکیلی اتنے لوگوں کے درمیان گھر سے باہر نکلتی ہونے پہ گھبرانے تک کی فرصت مل سکی۔ یا بھی یہ سے کی شدید ڈر سے نہ ہو آنا ہونے کے بعد اب تیم۔ یہ ہوشی کے عالم میں بار بار آنکھیں کھولتی غائب دماغی سے ہر جانب دیکھتی صورت جان کو جاننے کی کوشش کرتی اور گھبراتی ہوئے حواس ایک بار پھر ساتھ چھوڑ جاتے اور وہ خشی کی حالت میں چلی جاتی۔

ملک مقبول کو یہ بے ہوشی غنیمت لگ رہی تھی بلکہ وہ اندر ہی اندر اس بات سے خوفزدہ تھا کہ کہیں ہوش میں

آنے کے بعد وہ لڑکی کو صبح نہ کر سکے ساتھ جانے سے اور کیا عجب خود ہی اس کی مدد لینے سے انکار کر دے۔ وہ جلد از جلد اپنے اس شیطانی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا اس لیے بڑھ بڑھ کے اور بوکھلاہٹ کے عالم میں اسے گاڑی تک لے جانے کی فکر میں تھا۔

ماتھے گھر کی کھاگ نگاہوں سے اس کے یہ بوکھلائے ہوئے انداز چھپ نہ سکے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا شخص تھا وہ۔ اور خود کن سابر بار ساتھ ملک جیسے دندوں کی صورت بچھو کے اندر تک اتر سکتا تھا۔ اتنی نگاہ اس نے چار میں پہلی بھرائی گھبرائی سی اس لڑکی پہ ڈالی اور اسے ملک کی بے باک نظروں کی تو میں دیکھ کر تو ٹھٹک گیا۔

"یہ کڑی؟" اتنا ایک جانب کر نہ ہوئے اس نے نور جہاں سے استفسار کیا۔

"مقبول کی کڑی ہے۔ آپ نے پہلی بار دیکھا ہو گا تو ہے۔ مقبول کتنا لاڈلا بندہ ہے۔ وہ کہ ہر ہو اگا تا ہے اپنے گھر کی۔ تاتا نہیں لو۔"

"اگر کڑی حفاظت کے لیے لڑکا ہی کافی نہیں ہوتا۔ تاتا لڑکی بھی تو ہو سکتا ہے۔ بندے کو آپ بھی رکھ لیں کے تبدیل ہونا چاہیے۔"

وہ اپنی ملکے کے کلمہ والی سلیم شاہی چپل میں بھی پھنسا تا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنا ریشمی کرتا دامن سے پکڑ کر جھٹکا اور ڈھیلے سے چلتا یاں تک پہنچا۔

"کیا کر رہے؟" اس نے آواز میں وہ پیدا کر کے سوال کیا۔ اتنا دبدبہ دکھاتا اس کا حق بنتا تھا۔ آخر یہ کڑی اور اس کے اور کڑی کی تمام اس کی ملکیت تھی۔ سامنے کھڑے جیشر فراد اس کے مقروض تھے مگر یہ دبدبہ ملک مقبول کے چہرے کے رنگ بے رنگ کر گیا۔

"اپنا کام کر رہا ہوں۔" اس نے تلخ بھرے انداز میں ہاتھ جھٹک کے کہا تو تیز تو تب چڑھ گئی۔

"اپنا کام کر رہا ہوں۔" اس کے بلند آواز میں اس نے مقدور بھر تحمل سے کام لیا۔

"تیرا کام جنانا تو ہے۔ جا کر تو نے۔ تمہارا کام ہیڑوں سے کام کروانا ہے۔ جا کے کروا۔"

اپنی جانب سے اس نے فضلہ لگا کر اذیت کیا اور وہ جانتے والے انداز میں دو سروں کو دیکھا مگر ان میں سے کوئی اس کے مذاق پہ مسکرانے تک کی جرات نہ کر سکا۔ وہ سب سہمے ہوئے انداز میں ماتھے گھر کو دیکھنے لگے جس کے سینہ چکنے چہرے لالی پھیل کے اسے اور بھی ہیبت ناک بنانے لگی تھی۔

"نہاں سعادتی کے تو خیال۔ زیادہ اچھل اچھل کے بولنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ذہن بند ہو کر کھڑا ہے ماتھے گھر کی ہے۔ یہ بندے تو تیرے آگے والے (ورکر) کھڑے ہیں ماتھے گھر کے کہنے پہ ہیں۔ ادھر کیا ہو رہا ہے کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے اور کون کس کو لے کر جا رہا ہے۔ اس بات کا پتا رکھنا ماتھے گھر کا حق ہے۔ سمجھے؟ آیا دماغ میں یا کسی اور طریقے سے سمجھاؤں۔"

اس کے انداز اور لہجے میں چھپا دھمکی کی جانب کر ملک مقبول جیسے کلندی شیر کی ساری شیخی ہوا ہو گئی۔

"اچھا اچھا سمجھے کیا پتا کون کیا ہے۔ میں کون سا وہ ہر کار بندہ ہوں۔ چلو بھئی جلدی کرو بار بندہ سب ہے ادھر پڑا ہے۔ اللہ دات کرے سب زیادہ دیر نہیں ہے میری گاڑی۔"

"کون سے اسپتال لے جا رہے ہو؟" ماتھے نے اپنے چند خاص کو میں کر اشارہ کیا چارپائی اٹھانے کا اور ساتھ ہی سوال بھی کر دیا۔ ملک مقبول نے فوری طور پہ ذہن میں جو نام آیا وہ سر ڈالا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تو بھی گھر والے کو لے جا رہے ہے۔ اسے اپنے گھر لے جا رہا ہے۔ اور مقام تو بھی گھر والی کو کہ مقبول کی گھر والی کے ساتھ اسپتال جائے۔"

یہ پورا کرام من کر ملک جیز ہو کے رہ گیا۔ دلکش کے ساتھ نہ جانے اور ایک دوسری عورت کے ارادہ دینے کی صورت میں اس کا یہ منصوبہ جس جس ہو کر رہ سکتا تھا جو اس نے بار بار کے رد اتنے پہ دلکش کی ایک جھلک دیکھتے ہی کھڑے کھڑے بنا ڈالا تھا۔

"اسے واپس کیوں بھیج رہے ہو۔ اکیلی گھبرا جائے گی۔ ماں کے ساتھ رہے گی تو حواس بند بھی رہے گی۔"

"اکیلی نہیں ہے۔ ہمارے لوگ بھی ہیں اور اس کے بھائی بھی اسکول سے آنے والے ہوں گے۔ یہ اداسی بچی ہے۔ یہ کیا ماحول بن جائے گی کسی کی اتنا ہسپتال کے ماحول میں گھبرا جائے گی۔ اسے کیوں خوار کرتے ہو ساتھ رہنے دو۔ میں۔"

اس کے لیے میں اتنی قیمت تھی کہ ملک جواب دینے کا سوچنا ہی نہ گیا۔

اماں رحمتے نے ڈکشن کو شالوں سے تھام کر واپس لے جانا چاہا۔

"چل آ جا بھیجے نہ تیری ہو تا تھی ماں کو۔"

ساحتہ زادی نے اس نے ایک نظر بھی عبور کرتی اس چارپائی کو دیکھا جس پر اس کی ناکارہ ماں بے سدھ پڑی تھی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اس نے اضطراری کیفیت میں ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے تھام لیا۔ ہچکچا گیا۔

"ہم بھی حضور کے ساتھ جائیں گے ہم اسیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

اس کی بات پر گویا ملک حشمتل کے اندر ہی دیع چھو گئی۔

"کیوں راستہ روک کے کھڑے ہو۔ تمہارا کیا تعلق یا واسطہ اس بات سے۔ میں باہر کا مرد اور یہ دوست ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں اس کے خاندان کی بدحالی کی غیر موجودگی میں کروں اور میرا حق بنتا ہے کہ کسی ایسے غیر سے تھوڑے کو تعمیل بنانے لیے ان لوگوں کو جہاں مرضی لے جاؤں۔ باہر نکلنے کا اختیار دیا ہوا ہے۔"

"اچھا؟" اس کے لہجے میں استہزائیہ حیرت تھی۔

"یہ دیکھو کہ کدھر ہے تمہارا شعب؟"

"تمہارے لگتے ہو؟"

ملک بھی ہتھے سے اکھڑ گیا اور گھوریاں ڈال کے اپنے سے کہیں زیادہ قد آور اس گبھرو کو نگلنے لگا جس کی بے موقع جرأت اس کا قیمتی وقت ضائع کر رہی تھی۔

وقت جس نے ترجیحی بنیاد پر سفر کو موقع عطا کیا تھا ایک تیر سے دو شکار کرنے کا۔

ایک تو یہ بھیجے بدلے کو صلح کرنے کا۔

دوسرا ڈکشن جیسا کم عمر حسین تک ملنے کا۔ جس سے وہ سالوں منافع کما سکتا تھا۔

اور ایک یہ تھا خواہ مخواہ رخنہ ڈال رہا تھا۔ ملک کا بس نہ چل رہا تھا اس پہ پل پڑے۔ پڑا اور کچھ نہیں تو ڈکشن کا ہاتھ تھام کر اسے رکھنے کے ساتھ پرے ہٹاتے ہوئے چل پڑے۔ مگر ایسا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی ڈکشن اس کی دسترس سے باہر تھی اور مصلحت پسندی کا تقاضا تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے بنا ہوا کھیل بگڑ جائے۔

یہاں سے نکلنے کی بے چینی اور خود پہ کابو پانے کی مصیبت ایک گبھرو آنے والا غضب

اس سے قبل کہ اس وقت اس کی عجیب حالت کر رہی تھی اور یہ حالت ایک گبھرو کے خدشات کو یقین میں بدل رہی تھی۔

"ایسا کرو اس سے پوچھ لو یہ خود اپنے کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔" اب اس نے ڈکشن کی مرضی پہ چھوڑنا چاہا۔ کیونکہ ماں کے لیے اس کی بے تابی دیدنی تھی۔

"ویسے بھی تم کس طرح سے اسے روک رہے ہو؟ کیا لگتے ہو اس کے جو جانے سے منع کر رہے ہو۔ کیا یہ تمہارے داماد کا کوئی دوست یا عزیز ہے؟"

ایک سے سوال کرنے کے بعد اس نے اگلا فقرہ ڈکشن کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"جی نہیں ابا حضور کا قرآن سے اکثر جھگڑا رہا کرتا تھا۔" ڈری ڈری آواز میں اس نے بتایا تو ملک اور شیر ہو گیا۔

"پھر یہ کون ہوتا ہے مشورے دینے والا۔ باہر کے دشمن کی مدد کرنے میں تو شیں۔ کبھی بھی تمہیں یہاں اکیلا نہیں

چھوڑوں گا۔ تمہارے بھائیوں کے اسکول سے آنے میں ابھی وقت ہے۔ میں تمہارے محلوں سے فون پہ رابطہ کرنے کی ایک اور کوشش کرتا ہوں۔ وہ آ جائیں گے تو ان بچوں کے پاس ڈھاں سے کسی کو ہسپتال بھی بلوا لیں گے۔"

اس کے تسلی بھرے انداز پہ ساحتہ زادی و ڈکشن نے بلا تردد سر ہلا دیا۔

ساحتہ زادی تو جس طرح سے اسے ساتھ لیے چھاتی سے لگائے لگا کھڑا تھا سوچ آنکھوں کے ساتھ ماتھے پہ ان گنت بل لیے انہیں دیکھنا آنکھ کو کمرہ سکا۔ اتنے میں مختار اپنی بیوی کو لے کر بھاگتا آ گیا۔

"ماں بہن اس بوڑھے کے پیچھے جانا۔ اس کی گاڑی میں باہر محل کی گھر والی کو ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ تم ساتھ ساتھ رہنا۔ اس کی بچی کم عمر ہے اور بڑا مہربانی بھی نہیں۔"

اس نے مبہم الفاظ میں کہا مگر مختار کی بیوی بالو نے سارا معاملہ اچھی طرح سمجھ کے سر ہلایا۔

"میں تمہارے کہو ہو سائے کی طرح ساتھ لگی رہوں گی۔"

یہ رسمی کرنے کے بعد وہ اپنا بھاری بھرکم مگر حسینی مقدور بھر تیز قدم اٹھاتی باہر کو نکلی۔

مگر ابھی چند منٹ بعد ہی جب ایک گھر قدے کے انگریز سے بنا حشر کر کے واپس آ رہا تھا۔ اس نے بھاگ کے ان لوگوں کو اندر آتے دیکھا جو اپنی کمین کو چارپائی پہ ڈال کے ملک کی گاڑی تک لے کر گئے تھے۔ وہ ان سے سوال و جواب کرنے کے لیے ان کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اس سب سے پیچھے آتی ہوئی بالو کو واپس آتے دیکھ کر چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"تو واپس کیوں آ گئی ہے؟ میں نے کہا تھا نا کہ۔" وہ وہیں سے چلانے لگا۔

"میں بالکل یہاں آ گئی تھی کہ۔" وہ مردہ گاڑی میں بیٹھ کے اٹھ کے دروازہ بند کر کے دھان ابھی ہو گیا۔ میں نے تو آواز بھی دی تھی سوتے کے کان بند تھے۔"

اس کی آواز اب تک پھولی ہوئی تھی۔ جس سے اس کے بیان کی تصدیق ہوتی تھی کہ اس نے واقعی جلد از جلد پہنچنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"تھکے تھکے انداز میں دوبارہ سمجھایا۔ بیٹھ گیا۔"

"سرکار بندہ بھیجوں ہسپتال؟" احتیاط کرنے پہ پوچھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہسپتال نہیں لے کر گیا وہ گاڑی کے گھرنے بند ہو جانے میں بھی غلطی نہیں کی۔"

بیوہ کی طرح اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں جو فخر اور گزرتی تھی وہ اس بار مفقود تھی۔ وارفتگی اور طلب تو اس میں اپنے عزاء میں کو دیکھنے کی بجائے ساحتہ سے سرایت کر رہا تھا۔

"اس بار بابر کو تجھ تک کیا ہے۔" اس نے بدمزگی کی۔

"ہمارے زمانے کو چونکانے والے فراڈیے کو بھی آخر کوئی۔ ہے۔ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ یہ جو بھی تھا اس نے کام مہارت والا نہیں کیا۔ فلاں۔ جا جا کر بابر کا لوگ آ جا لے اور تھوڑے پہلوان کو سر اپنے بندے سارے ہسپتالوں میں بھیج کر بتا کر دے۔"

☆ ☆ ☆

کل میرے الماری میں سے اپنے سارے سامان کو نکال کر اپنے فرش پہ اور بیڈ پہ ڈھیر لگایا ہوا تھا۔

"یہ تم اتوار بازار کے کیوں لگی ہو۔ آج تو جمعہ ہے۔"

مونیا جان کا کام نہانے کے جیسے ہی کمرے میں آئی وہاں کی ابتر حالت دیکھ کے ایک منٹ کے لیے چکرا کے رہ گئی۔

"بہت سی بے کار چیزیں جمع ہو گئی تھیں۔ سوچا آج فرصت ہے نکال دی ہیں۔"

"آج؟" مونیا کو ہنسی آ گئی۔ جب سے اس نے آفس جانا چھوڑا تھا یوں سارا تھا جب اسے فرصت نہیں ہوتی تھی۔

"اسفند کان میں سے کوئی ایرنگ تمہارے نام کا ہے تو نکال کر الگ کر لیں پھر۔ نہ نہ ہمیں کہہ کر پوچھے بغیر پھینک

لیے ہیں۔"

"اُف! تمہارا دماغ خراب ہے گل۔۔۔ اتنے نئے اور ایک آدھ بار کے پہنے ہوئے تم پھینکتا چاہ رہی ہو۔"

موتیا الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ یہ سب لباس وہ تھے جو اس نے جاب پہ جانے کے لیے بنوائے تھے۔ سادہ سے مگر آرام دہ اور نفیس۔

"تو لے لو اگر کہہ رہے ہیں تم لوگ۔ ہمارا دل پھر گیا ہے۔"

اب وہ ایک دراز الٹ کر نیچے پڑے ڈھیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس میں سے کلف کی رنگز گرینٹ کارڈز، وزٹنگ کارڈز کی ایک چھوٹی بڑی تصاویر پھسل کر ادھر ادھر پھیل گئیں۔

"اس بار گل کو نیا دادی جلدی مل گئی ہے۔" اس نے دو تین اٹھتے ہوئے ایک طرف رکھ لیے۔ گل سر سے پیر تک نئے خوش لباس تھی۔ بعد میں جاب کرنے اور ہاتھ میں نیا دادیہ آجانے کی وجہ سے اس کا یہ شوق مفقود میں بدل گیا تھا۔

مگر چونکہ ہر نئے فیشن کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتی تھی۔ اس کا لباس سادہ اور باوقار ہوتا تھا مگر اس سادگی میں بھی اس کی خوش لباسی اپنی مثال آپ تھی۔ جاب کے دوران پچھلے تین چار ماہ میں اس نے دو تین کپڑے سلوائے تھے۔ سات آٹھ پچھلے دنوں نکال کر الگ کیے تھے۔ ان میں سے بھی تین موتیا نے اپنے ناپ کے مطابق ٹھیک کر لیے تھے۔ اس بار بھی کئی ایک ایسے تھے جو بالکل نئے تھے۔ موتیا نے گل کے ملی سے اترے لباس اور چیزیں استعمال کرنے میں کبھی جھجک سے کام نہیں لیا تھا۔ یہی بھی ان کا مسئلہ بنا تھا۔

"تم نے کہیں والا تو نہ لو گل۔۔۔ میرا خیال ہے یہ تم نے ایک بار پہنا تھا۔" اس کے کہنے پہ تصویریں الگ کرتی گل مسکرا دی۔ ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں اور اس سفید اور گلابی لباس کو دیکھتے ہی گم صم ہو گئی۔

بہت سی ان چاہی یادیں ان ہالی ویڈیز فلمز کے پردے پہ چلنے لگی تھیں۔

"صبح کو ہاتھ زہر لگتا ہے کیسے۔"

وہ سر جھٹک کے پھر سے صاف نظر آنے لگی مگر اب اس کے چہرے پہ جھنجلاہٹ اور ماتھے پہ ناگواری کی شکنیں تھیں۔

"ا۔۔۔ ایا ہوت کہو۔ اتنی محنت سے میں نے اس پہ کڑھائی کی تھی۔ تمنی راتیں جاگ کر۔"

وہ سفید لباس جو بکھرے ہوئے دھاگے کے کام کے پھولوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"ہاں ورنہ لو کہہ تو رہے ہیں ہم۔"

"وہ تو تم ہی تمہارے کے تیار بھی رکھ لوں گی۔ اپنی اتنی پیار سے کی گئی محنت کو پھینک تو نہیں سکتی۔ ویسے ہی مشورہ دے رہی تھی کہ یہ رنگ بھی تمہارا پسندیدہ ہے اور تم پہ جچتا بھی ہے۔"

"یہ رنگ ہمارے لیے خاصا منحوس ثابت ہوا ہے موتیا۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا تو موتیا نے کچھ اور کہے بغیر وہ لباس بھی الگ کر لیا۔

"بھئی حضور کے کمرے کی باقی تصویریں جس کو ملی چاہے دے دیں۔"

الماری کو بھی سے زیادہ خالی کرنے کے بعد اس نے ہاتھ جھاڑے۔

"اور یہ ردی کی کون صاف کرے گا؟" موتیا نے فرش پہ پھیلی بے کار چیزوں کو دیکھ کر ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

"ہم تو تھک گئے ہیں بھئی۔"

ایک دو روز اکتوائی نے کمر اسٹری جانب دیکھی۔

"دو دن میں تو جیسے جسم سے تمام فراری ہوں۔ مجھے یہ امید مت رکھنا میں تمہارے ہاں ہوں عملاً کا وقت ہو رہا ہے۔ تم بھی کم از کم جمعہ کے دن اللہ کا نام لے لیا کرو۔ امی حضور بھی اس بات پہ چونکی تھیں کہ صاحبزادی

گل مہری نمازیں آج کل بہت قضا ہونے لگی ہیں۔ اب میں انہیں کیا بتاتی کہ قضا نہیں ہونے نکلیں۔۔۔ آپ کی صاحبزادی نے سر سے اللہ کا پیار کا ہی بھوت اتار دیا ہے۔ تو تو شرم کر۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔"

"پہلے تو بہت کچھ ایسا نہیں تھا۔" وہ بڑبڑائی۔ پھر نیچے کرے کاغذات کے ڈھیر میں سے چند کارڈز نکال کر اس کی جانب بڑھائے۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ تیزی اٹھ کے نکل رہی تھی جب اس نے تھمیں خوب صورت کارڈز کا پلندہ سامنے کیا تو کر ٹھٹک کر رک گئی۔

"رکھ لو۔۔۔ یہ بھی اب ہمارے کام کے نہیں رہا۔ یہ تو کبھی بھی ہمارے کام کے نہیں رہے۔ شاید ان کپڑوں کی طرح یہ بھی تمہیں اپنے کام کے لگیں۔"

ماتھے پہ شکنیں سمیٹتے ہوئے موتیا نے وہ کارڈز ہاتھ میں لیے اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

وہ عمیص کی جانب سے گل کو ملنے والے مواقع پہ بھیجے گئے کارڈز تھے۔

کوئی نئے سال کے موقع پہ نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوا۔

کوئی جشنِ نہاں کے موقع پہ صحت و تبدیل سے دی گئی دعاؤں سے بھرا ہوا۔

اور کوئی خیر برات سب سے اہم۔۔۔ سب سے عزیز ہستی قرار دیتا ہوا۔

موتیا سر سے پیر تک سلگ کر رہ گئی۔ اس کے اندر رقابت کا جذبہ بہت کم تھا۔۔۔ اور حسد کا بدبو اس کے اندر جیسے تھا ہی نہیں۔ کہیں زیادہ شک تو وہ کئے دنوں میں عمیص کی گل سے وابستگی کو اس سے قبول کرنے کے بعد اپنی جیت آپ کہہ رہی تھی اور اب تو بات بھی وہ سمجھ گئی۔ اس نے عمیص کو ان سب برائی یادوں کے بغیر قبول کر لیا تھا۔ اس کا کسی گل سے کیا رشتہ رہا تھا یہ وہ بھلا چکی تھی۔ عمیص نے اپنے رویے سے اسے وہ سب یاد دلانے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش بھی کبھی نہیں کی تھی۔

مگر گل تھی جو وہ یاد دلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ کبھی کامیاب ہوتیں کبھی ناکام۔

اس کی تربیت کی کوشش کامیاب ٹھہری۔

عمیص کی بینڈ رانڈ شک میں بھیجے لیٹی تحریر میں وعدے اقرار اس کی جلتی آنکھوں پہ تیل چھڑکنے لگے۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" اس نے فوراً وہ کارڈ اس کی جانب پھینکتے جیسے وہ کوئی سانپ ہوں جو اسے ڈسنے والے ہوں۔

"کچھ تو کہو ہو۔" گل نے بے اعتنائی سے شانے اچکائے۔

"ہمیں نہ جب ہم انہیں کہ اس نہتے تھے تب تم اپنے عزیز دوست کی ظاہر ہم سے بھگا دیتی تھیں اور اب خود کارڈ اس کہہ رہی ہو۔۔۔ چہ چہ چہ چار۔ عمیص اس کی اتنی کسی کو بھی متاثر نہیں کر سکی۔۔۔ تمہیں بھی نہیں۔ تو سمجھ بیٹھو کہ تمہیں یہ کہنا کم از کم تمہیں تو بیٹھنے میں آنا ہی چاہیے تھا۔"

وہ افسوس سے سر ہلا رہی۔ موتیا کو زہر سے بھی زہریلی لگ رہی تھی۔

"اتنا افسوس ہو گا تمہارے جاتے کو جب اسے پتا چلے گا کہ اس کی اس بکواس کو صرف ہم نے ہی بکواس نہیں کہا بلکہ تمہیں بھی یہ سراسر بکواس ہی لگی ہے۔"

اس کے تیکھے سے سوال بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے مزا لے رہی تھی اور اس کے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ اس نے اس فقرے سے موتیا کا ضبط رخصت کر دیا۔

"شٹ اپ گل۔"

اور ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اپنے قدموں سے ہٹا کر آگے بڑھنے لگی۔

"ایٹی ہیو ور سلف موتیا۔"

وہ اونچا کھڑے گرنے لگی تو چلا اٹھی۔

"یہ تم مجھے کہہ رہی ہو؟" سوتیا نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"میں کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری ماں تو خواب ہوتے ہوتے اب گل سڑ چکی ہیں اور ان سے متعلق تم کی بدولت آنے والی بلی سے صاحبزادی گل مہر اس کا ہر وقت علاج کرو ورنہ وہاں نہیں جب تمہاری گلی سڑی بدبودار نصیحت سے خبردار کروں گی۔ تمہارے آنے پاس تک پھٹکنا چھوڑ دیں گے۔"

"تو اس میں کہہ دو سوتیا۔ ہم نے تمہیں کہا آیا ہے۔ صرف یہ کار فرمائی تو دیکھی گئے ہیں۔ اب یہ ہمارے کسی کام کے نہیں اس لیے سوچا پھینکنے سے پہلے تم سے پوچھ لیں شاید تم اپنی کسی بدبودار وجہ سے انہیں سینے سے لگا کر رکھنا چاہو۔ اس میں اتنا تن تن کرنے والی کون سی بات ہے۔ یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔ ہمارے ال سے آتی ہے۔ ہمارے لیے یہ کار ناکارہ ہو جانے والی چیزیں ہم بہت خوشی سے استعمال کرنے کی عادی ہو گئے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہو تم نے اسے ہر شکر کے ساتھ قبول کیا ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

سوتیا نے اس کے اشتعال انگیز بیان پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور چند قدم اٹھا کے اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہاری اس فضول بکواس پر آپ بکواس ہو کر یہ تو تم چاہتی ہو کہ اپنی زبان سے وہ سب چیزیں نکال کر تمہارے منہ پر ماروں کہ جو بھی تم سے کی تھیں۔ میں مگر تمہاری یہ غلط فہمی ضرور دور کرا چاہوں گی کہ مجھے تمہارا جھوٹا سہارا لینے کا شوق رہا ہے۔ یہ جو تم نے ڈھیر میرے سامنے رکھا تھا کپڑوں کا ان میں ایک سے ایک عمدہ ڈھاکہ تھا۔ مگر میں نے ایک نہیں لیے جو میرے لیے ضروری کپڑے تھے تمہاری محنت سے خریدے گئے کپڑوں میں نے نظر تک نہ ڈالی کا گوارا نہیں کیا اور ایسا آج نہیں ہوا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا تھا اپنی پسند سے خریدوں مگر تمہارے اپنی خواہش سے مگر میں نے ایسا بھی نہیں کیا۔ ایسا کرنے کے لیے تم نہیں۔ اسی حضور اور ابا حضور کو پریشان کرنے کا تمہارا تم نے لے رکھا تھا میں کیوں ان پریشانیوں میں اضافہ کرتی۔ یہ جو تم نے طعنہ دیا ہے ناں کہ تمہاری دی ہوئی ہر چیز کو میں نے شکر کے ساتھ قبول کیا ہے تو مجھے تمہاری پسند کی ہوئی یا تمہاری دی ہوئی چیزیں ہے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ میں صرف ان چیزوں کو ان کپڑوں ان جوتیوں ان کتابوں کاپیوں اور بندے چیزوں کو ضائع نہیں ہونے دیکھنا چاہتی تھی جو ابا حضور کی قلیل آمدنی میں سے اسی حضور ہمارے حق پورے کرنے کے لیے بنا کرتی تھیں۔ میں نے ایسا کر کے صرف نہیں انصافی کو بچانے سے بچانا چاہا۔ بچپن سے ایسا کرتی آ رہی ہوں۔ تمہارے ٹھیک کہا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جو تم تین بار استعمال کرنے کے بعد اپنی سمجھ چیزیں پھینک دیتی تھیں تو صرف اپنے والدین کے پیسے کو کوڑے میں جانا دیکھنے سے بچنے کے لیے میں انہیں شکر کے ساتھ اٹھا لیتی تھی اور یہ عصمت۔"

یہاں رک کے اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی نظریں گل مہر کے تلملاتے چہرے پہ گاڑ دیں۔

"عصمت کوئی چیز نہیں ہے گل مہر۔ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے اسے استعمال کے قابل نہیں سمجھا۔ تمہاری خوبصورتی اور غرور کے ہاتھوں ہی سہی اگر وہ ضائع ہونے سے بچ گیا۔ یہ کہہ کر وہ کہا کر تسلیم نہیں کر سکتی کہ میرا ہونے والا شوہر بھی تمہارا اسیر تھا۔ میں اس عصمت کو بھی اچھی طرح جانتی ہوں جو کبھی گل مہر کا دم بھرا کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ عصمت میرا سب سے قریبی دوست تھا۔ میں اس کے ہر جذبے کی گواہ رہی ہوں۔ اور اس بات کی شاہد بھی کہ اس نے کس وقار سے تم سے دست برداری کا اعلان کیا۔ خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے راہ نکالی۔ وہ نہ ہوتا تو ابا حضور تو زبردستی تمہارا اس سے نکاح پڑھا دیتے پر تم جیتے تھے یہ وہی تھا جس نے تمہاری خوشی کو مقدم رکھا اب آگے تمہاری قسمت۔"

اس بار انہوں نے سوتیا کی باری سوتیا کی تھی۔

"چھوڑیے بے قسمت ہی رہو کا رہے گی اور اس عصمت کو بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں کیونکہ یہ میرا منگیتر ہے۔ اس کے بارے میں میں جان لا چکی ہوں مجھے بھڑکانے کی کوشش مت کرنا۔"

پہلی بار وہ اتنا کچھ کہہ رہی تھی اور جواب میں کہنے کے لیے گل کے پاس ایک لفظ تک نہ تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ہوش آیا تب آیا جب ساتھ روم کا دروازہ ٹھک سے بند ہوا۔ اس کا سکتہ ٹوٹا۔ بوکھلا سا گیا کے وہ نیا۔ اس نے بے چارگی سے ارد گرد نظریں گھمائیں۔ اپنا تنکا ہوا تھا تو تنکا ترکا چلا۔

اسے لگا کمرے میں موجود ہر چیز اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔ نیلی پردے کے کارنر دیوار پہ لگا کیلنڈر بال کا گ اور بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ فریم میں لگی تصاویر۔ ڈریسنگ پہ رکھے پرفیومز اور لوشن سب بیڈ پہ تھا لگا کے رکھے اس کے کپڑے۔ اور آدھا تو روم کا بند دروازہ۔

دروازہ بھی اسے خود پہ قہقہے لگاتا محسوس ہو رہا تھا اور اس بات سے بے خبر تھی کہ اس دروازے کے اس پار کوئی ہے جو قہقہے نہیں لگا رہا بلکہ پال کے ساتھ ساتھ اپنے سارے آنسو بھی بہا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

"تیرے غضب میں کیونکر ایسا ہو کہ میرے تھے۔"

عصمت جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا۔ بنگلے میز ستون کے پیچھے سے رنگو نکل کر اس کے سامنے آیا اور اپنے بازو پھیلا کر بیان لگا۔

تیرے غضب میں کیونکر ایسا ہو کہ میرے تھے۔

جانے ہوئیاں کھلا دیا میں رنگی تیرے تھے۔

اب وہ کمر پکڑ کے بچوں کے بالکل ہنسنے لگا رہا تھا۔ اس کو عصمت اس کے دھان پان سے خود کی وجہ سے "ضخیم" کا نام دیتا تھا۔

"تم کیا میرے انتظار میں ہو تے ہو کہ جیسے ہی میں اندر گھسوں تم اپنے فن کا مظاہرہ پیش کرو۔"

"تم کیا ہی تو قدر دان ہے ہمارے فن کا۔"

وہ جھک کر کورنش بجا لایا۔

"بڑی خاموشی سے کمرے میں آ سب سو رہے ہیں کیا؟"

وہ سر دو ہلا کے بیچ کا وقت تھا۔ ویسے تو عصمت رات گئے اسٹور بند کرتا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر کے لیے گھر کھانا کھانے آیا تھا۔ زیادہ تر وہیں کا کھانا وہ گھر لوٹتے میں بھر کے اسٹور پہ لے جاتا تھا۔ مگر آج بقیہ کا دن تھا۔ وہ وارد بجے ہی اسٹور بند کر رہا۔ تھے کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر آ جاتا۔

"بیگم صاحبہ تو حسب معمول تلاوت کر رہی ہیں۔ چھوٹی بیگم کو ہم نے سلائی مشین پہ کچھ کرتے دیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے بڑی بی کا سراج گھر پہ ہے۔ کھانا کھانے تھی نہیں کمرے سے اور یہیں چھوٹی بی بی تو ہیں کو ہم ابھی ابھی پچھلے دالان میں بڑا افسوس سا بیٹھے دیکھ کر آئے ہیں۔"

اس نے فوراً فرما صاحب کی رپورٹ دی جبکہ نواب صاحب کے بارے میں عصمت پہلے سے جانتا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے بلانے پہ ان کے ہاں تشریف لے جا چکے ہیں۔ وہ ابھی گھر پہ ہی تھا جب ان کے دوست نے گاڑی بھیجوا رہا ہو بھیجی تھی۔ نواب صاحب خاصے تحریر ہو رہے تھے۔ ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا جانے کو۔

"تو زرا ارادہ تھا آج ہیں کہیں اور جانے کا اب حیات صاحب نے بلوا بھیجا ہے اور گاڑی بھی انکار کر رہی ہے۔"

انہیں متذبذب دیکھ کے عصمت نے پیشکش کی۔

"کوئی کام ہے تو ابا حضور تو مجھے بتائیے۔ میں آج تھوڑا "فارغ" ہوں۔ میں کر دیتا ہوں آپ بے فکر ہو کے حیات صاحب کی طرف چلے جائیں۔"

اس کا اندازہ تھا باغات سے متعلق کوئی مسئلہ ہوگا۔ مگر نواب صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

"نہیں عصمی میاں! یہ وہی کام ہے جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ ہم خود کریں گے۔"

"اوہ۔"

"چلئے! بہرحال اس اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے آج کا دن اس کام کے لیے موزوں نہ ہو۔"

وہ حسب عادت اس میں خدا کی مصلحت تلاشتے ہوئے جانے کے لیے تیار ہونے لگے تھے۔

عصمی وہاں سے سیدھا پچھلے دالان کی جانب آئی جہاں کیاریوں میں موتیا نے مختلف سبزیاں اگا رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی کے لڑکے اٹھانے میں مصروف ہوگی مگر وہ ہری مرچوں کے پودے کے پاس چپ چاپ بیٹھی انگلی سے گیلی مٹی کریدتی تھی۔

اس کے چہرے پر اتنی زیادہ اداسی اور دکھ رقم تھا کہ عصمی کو معاملہ بھانپنے میں چند سیکنڈ بھی نہ لگے۔

"انگلی سے بھلا ہوا ہے کیا؟"

اس کی آواز پر موتیا نے سر اٹھایا۔ اس مزاج آشنا کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اس نے الف سے یے تک سارا معاملہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ ویسے بھی اپنی طرف سے خاصا بول کر بھرا اس نکلی۔ بیٹے کے بدتمیزی سے اب تک بھری ہوئی تھی۔ اسے کسی ہمدرد کی ضرورت تھی جس کو بول پہ اکا دوا کھولنے کی بجائے دل کی باتوں سے نکالا تھا۔

ساری بات سن لینے کے بعد عصمی کے ماتھے پہ شکنوں کا جال پھیل گیا۔ وہ اب سختی سے بھینچ کر سامنے دیکھنے لگا۔

"تم تو جانتی ہو کہ میں کیسے کہہ دوں کہ اس کی عادت ہی ایسی ہے۔ جانے دو مگر جو باتیں ہو سکیں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہوں گی۔ کوئی ایسے جانے دو۔"

"نہیں موتیا میں ایسا نہیں کہوں گا۔ اب بات بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ میں جانتا ہوں بڑوں کے احساسات کی پرواہ نہ کرنا اور ہمیشہ اپنی ذات کو اپنی خوشی اور اپنے مفاد کو مقدم رکھنا کافی حد تک فطرت ہے۔ اور میں نے ہی نہیں اس گھر کے سب لوگوں نے اس کی ان عادات و فطرت سے سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن اب اس کی فطرت ڈسنے کا فن بھی سیکھ رہی تھی۔ اس کا مدارک نہ کیا گیا تو وہ خطرناک اور مہلک ہوتی چلی جائے گی۔ میں کالی دالوں سے اس میں آنے والی اس ناخوشگوار تبدیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ پہلے وہ صرف تب زہر اگلتی تھی جب اس کی کسی بات میں دخل دیا جائے یا اس کی کسی مرضی کو اہمیت نہ دی جائے لیکن اب وہ ان معاملات میں بھی رخنہ ڈالنے لگی ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اب تو اس نے حد کر دی ہے۔ اس نے تمہارے اور میرے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمہارے سامنے میں میرے لیے وسوسہ جگانا چاہا ہے۔"

"کوشش ہی تو کی ہے۔ کون سا کامیاب ہو گئی ہے اور اس کے چاہنے سے کیا ہو آ ہے مجھے تم پہ اعتماد ہے عصمی۔"

موتیا نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"اور مجھے اس امر پہ فخر ہے۔" وہ مسکرایا۔

"یہ فخر ہی تو میرا سرمایہ ہے موتیا میں جانتا ہوں تمہارے شفاف دل پہ وہ گرد نہیں ڈال سکتی۔ مگر وہ گرد اڑانے کی کوشش بھی کیوں کرے؟ ۔۔۔ میں اسے تمہاری آنکھوں میں آنسو لانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

☆ ☆ ☆

بالو کے بڑبڑانے پہ وہ باہر نکلی تھی۔ یہاں آتے ہوئے اس کے احساسات بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔ کبھی اپنا مقدر بھانپ کر اچانک دھیرے ساری حیرت اسے گھیر لیتی۔ کبھی خوشیوں اس کے گرد رقم لگھاتا کے رقص کرنے لگتیں۔

کبھی بے یقینی کی کیفیت اسے جکڑ لیتی اور وہ ایک بار پھر باہر سے آتی آواز پہ کان لگا دیتی۔

"کیا تم مجھے سننے میں غلطی تو نہیں ہو رہی؟"

وہ خود سے سنتے تھی مگر اس کا اندیشہ بے نام نکلا۔

وہاں واقعی اسے اور شہزاد کو ایک کرنے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

"چھرا اللہ وسایا میں جلدی سے منہ میٹھا کرا۔ نوج تو تو شریں صرف اور ہی نہیں چلیں ۔۔۔ اور میرا کیا اور اس کی بہن دونوں ہی جو بے خوش ہوں گے کرنے کی مرضی تو نہیں جانتی تھی۔ وہ بیٹھ سے دلی کو اپنے گھر لیجانا چاہتا تھا۔ کہا ۔۔۔ رب سے خدا سے اتنی جیالی نہ دی کہ وہ اپنا کہا (آنکھوں سے) پہ وفا رکھ پاتا اور دلی کی ماں تو خیر تھوا کے ہی جاہل لالی تھی۔ پر مجھے یقین ہے وہ دلی تو اس کی بھی مرضی کی ہوتی۔ جا شہزاد گندی سے مٹھائی کا ٹوکرا لے کر آ۔ منہ میٹھا کرنے میں دیر کیسی۔"

اب رضا کو پھر خطرہ محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے شہزاد اپنا نہیں کیسے ماں کی یہ باتیں برداشت کر رہا ہو گا اور اب مٹھائی لانے کے حکم پہ اچانک بھڑک جائے گا۔ ابھی اس کی آواز آئے گی۔

"کیسی مٹھائی ۔۔۔ کیسی خوشی۔ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔ میں کیا کچھ نہیں ہوا۔"

"میں لاتا ہوں۔" شہزاد کی مضمحل و مسرور آواز اسے بے ہوش کرنے لگی پھر اسی کی صدا اس کے ہوش میں آئی۔

"دلی کو بھی لا تو۔ سب سے پہلے میں اپنی کرسل والا بھی کا منہ میٹھا کراؤں گا۔ تو یہ مٹھائی اور بھی میٹھی ہو جائے گی۔" وہ کہنے لگا تھی۔ آج اس کے قہقہوں کا تسلسل معمول سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

اماں کی آنکھوں پہ اس نے ماہر آنے کی ہمت جمع کی۔ اپنے بکھرے بال سنوارے اور اچٹتی سی نظر آئینے پہ ڈالی۔ اس کا رس نما ملگجا اور سلوٹوں سے بھرا حلیہ اور چہرہ مشقتیں کب سے ماری اور شہزاد آئے ہوئے تھے مگر اس سے اتنا ہو آ کہ اپنا حلیہ ہی سنوار لیتی۔ اس حالت میں اس موقع پہ باہر نکلنا اسے عجیب محسوس ہو رہا تھا مگر نہیں تھا۔ بے دلی سے اچھی طرح پھیلاتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

بے پناہ خوشی ۔۔۔ بے حد شرم اور بہت سی جھجک کے ساتھ اس نے دوپٹہ سر پہ ڈالا تھا مگر سامنے نظر اٹھاتے ہی جیسے اسے شہزاد کا چہرہ نظر آیا۔ ساری خوشی ساری شرم اور ساری جھجک بھک سے اڑ گئی۔

اسے وہ سارے لمحے یاد آنے لگے جو بھی اس نے دلی کی اعتماد میں اٹھائے تھے۔

اسے وہ کالا یاد آیا جو اس نے عمر کے پندرہویں برس میں کھایا تھا۔

اسے اپنے ہونٹ سے نکلتے خون کے وہ قطرے نظر آئے جو ملی میں جذب ہو رہے تھے اس کے آنسوؤں کے ساتھ مل کر۔

اسے وہ کالیاں گوندھتی ہوئی سانولی برس جو شہزاد کی ذات سے اس کی ذات کو فنا تھیں۔

وہ ساری تلخیاں ساری نفرت وہ ساری دلشکستگی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس کے سامنے تن کھڑی ہوئی۔ کچھ اس طرح کہ اس کا راستہ روک کر۔ اب وہ آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ نہ ہی دیکھ سکتی تھی نہ شہزاد کا مسکراتا چہرہ۔ اپنے لبوں اور ماں کے خوشی سے دمکتے چہرے۔

"رک کیوں گئی ہے دھیے آگے آ دیکھ تجھی ماں کیا کہہ رہی ہے۔" اللہ وسایا خوشی سے کپکپاتے لہجے میں اسے بتانے لگا۔

"دلی! آج سے تو میری دھی ہے۔ میرے شہزادے کی دلہن ۔۔۔ صبح دم کے تجھے لے کر جاؤں گی۔"

"آ جا آگے منہ میٹھا کر لے اور یہ مٹھائی کی سندوری (ٹوکری) پکڑ لے۔" اس نے اسے چھوٹے چھوٹے قدم اپنی جانب بڑھاتے دیکھ کر سرخ مخملیں ڈبیا ہاتھ میں پکڑی جس کے اندر وہ انگوٹھی جگمگا رہی تھی جو کل شہزاد پورا شہر چھان کے خریدنے لایا تھا۔

"میں یہ انگوٹھی نہیں پہنوں گی اماں اور نہ منہ میٹھا کروں گی۔" اس نے بات لیتے ہیں کہا اور ایسا کہتے ہوئے دانت بھینچ لیے تھے۔ شاید وہ اپنے باپ کی ذلت، رکت اور اماں کی خوشی کو پامال ہوتے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ البتہ شہزادہ کو دیکھنے کی خواہش ضرور جاگی تھی جس میں کہ اس پر یہ انکار کیسا اثر کرتا ہے مگر وہ اس خواہش کو دبا گئی۔ کاش کہ وہ ایک بار نظریں اٹھا لیتی تو جان جاتی کہ اس کا رد عمل اللہ وسائے اور تھیں سے کہیں بڑھ کر تھا۔

"کیوں نہ کہوں۔ کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں اماں۔ آپ کا بیٹا بہت قابل، بہت کامیاب اور بہت عزت والا ہے۔ آپ کو ایک سے ایک اچھی لڑکی مل جائے گی۔ اچھے گھرانے کی، شریف اور عزت دار۔ آپ مجھے اپنے بیٹے کے سر چھوپ کر اس کی زندگی برباد مت کریں۔ مجھ سے ہمدردی کرتے ہوئے چھوٹی کے ساتھ ظلم تو مت کریں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹی؟" باتونے حیرت کے سمندر میں غوطہ لگایا۔

"ہمدردی نہیں ہے اماں۔ میں کسی بات کی کہہ رہی ہوں۔ میں تو بہت سمجھ اپنے شہزادے کی دوائی کے روپ میں دیکھتی آئی ہوں۔ اس کے ساتھ زبردستی کرنی ہوگی تو کل اپنی زندگی میں کر لینا۔ یہ تو شہزادے کی اپنی مرضی ہے۔"

"نہیں بیٹی! یہ اتنا ہی خوشی نہیں خدا ترسی ہے یا پھر اپنے مرحوم والد کو دیے عہد کا پاس۔ میں چھوٹی کے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں۔ بھائی! آپ سرخرو ہوئے تھے اپنے اس عہد کی پاسداری کے دوران۔ یہ اماں کی روح کو تسکین پہنچانے کے لیے کافی تھا۔ لیکن میں خود کو کسی احسان کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔"

"غلط سمجھ رہی ہو بیٹی اور غلط ہی کر رہی ہو۔" پہلی بار شہزادے نے اسے مخاطب کیا۔ وہی تھا جو اس انکار کی انتہا منتظر جانتا تھا۔ جیسا رویہ وہ ماں کے ساتھ ماضی میں برت چکا تھا اس کے بعد وہی تھا جو یہ باتیں سمجھ سکتا تھا اور کسی حد تک دعا سے حق بجانب بھی۔ مگر آزردگی تھی۔ اس کے دل میں دعا کی کھوئی ہوئی قدر رفتہ رفتہ بحال ہو رہی تھی۔ اس وقت یہ قدر و منزلت ایک سمت زیادہ ہو گئی تھی۔

"خودداری کا پہلا سبق تم نے ہی تو پڑھایا تھا چھوٹی۔" اس نے اپنے رخسار پر ہاتھ پھیر کے کچھ یاد دلایا۔ شہزادہ چلو بول کے دیوانہ اپنے رخسار پر ہاتھ کا وہ وار بھول آیا تھا جو اس نے ایک کافر کے کفر کی تنبیہ ایک لڑکی کی حرمت پر بغیر سوچے سمجھے کر ڈالا تھا۔ روایت پیار سے بھی سمجھا سکتا تھا۔ اس کی حرکت پہ شرمندہ کر سکتا تھا۔ یہ خیال بعد میں اسے کیا ضرور کر رہا چل رہی تھی۔ اس پر مرکا رہا۔ اب اسے کرنا تھا۔

"عزت نفس کے کہتے ہیں اماں کو ہر بندے کے رکھا جاتا ہے۔ اہل کی خوشی پہ بالغ کے فیصلے کو مقدم کیے رکھنا جانا ہے۔ میرے سارے سبق آپ ہی کے پڑھائے ہوئے ہیں۔ آپ کی اتنی محنت ضائع جانے دوں چھوٹی؟ کیسے میں اپنی بھی بالا تی نہ مار لیتی۔"

وہ انگوٹھی کھڑی ہوئی ادرمانی کے قریب جا کے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے معاف کر دینا اماں۔ کوبے اور ابا آپ بھی معاف کر کے آپ کو خوشی نہیں دے سکی۔ میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کو خوش ضرور رکھنا چاہتی۔ مگر اس طرح نہیں کر سکتی میں اور ابا بھی شاید آپ کو میرے انکار سے دکھ ہوا ہو مگر حد میں تب بھی کہیں گے کہ یہ ٹھیک تھا۔ اس لیے کہ میں جانتی ہوں آپ کہتی ہیں کہ آپ کی خوشی خوشی کے لیے میں ایک عزت بھری زندگی قبول کر لوں۔ جس شخص کے سامنے میں کبھی سر نہیں اٹھا کے کھڑی ہو سکتی اس کے ساتھ زندگی کیسے گزار دوں گی۔ اماں تنگی کا احساس مجھے مار ڈالے گا۔ میں۔ میں تو شاید باہر جیسے لوگوں کی تفریح طبع کے لیے ہی رہ جاؤں۔ چند روز کھلونا۔ مجھے گھر کی زینت مت بنائیے گا۔ آپ کا گھر پاک ہو جائے گا۔"

"بیٹی۔" باتو تڑپ کی۔ وہ بات بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے اس کے بیٹے کے لیے اور اس کے گھر کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ کتنی اہم اور ضروری ہے وہ مگر شہزادے نے اس کا ہاتھ دبا کے اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

اللہ وسایا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی سیاہی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ بھنویں میں یکایک اضافہ ہو گیا

تھا جیسے اپنی نظر اپنے کے الفاظ پہ ہو۔ وہ بے بل بھر میں دھاڑی تھی اور واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"نہیں بیٹی! کوئی بے وقوفی نہیں کرنے دوں گی۔"

باتو نے جوش سے اٹھ کے اس کے پیچھے جانے کی ٹھانی مگر شہزادے نے ہاتھ نہ چھوڑا۔ وہ پلٹ کے شاکی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اوئی سے بات نہیں کر رہا ہوں اور آپ کو ذرا اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ مٹھائی کھائیں آپ اور پھوپھا جی کو بھی کھلائیں۔ ہاں تکر پہ اور دل کی حصہ ضرور رکھنے کا ہم ابھی تکرار نہ کرتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں اتنا اعتماد تھا۔ مسکراہٹ میں اتنا نکھار تھا اور اس کے دعا کے کمرے کے جانب بڑھتے قدموں میں اتنی مضبوطی تھی کہ بالآخر ہر فکر کو فوراً جھٹک دیا اور مٹھائی کے ٹوکرے میں سے نکال نکال کر پلیٹ سجانے لگی۔

"بھائی آپ۔"

وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر آیا تو حیران ہو کے کھڑی ہو گئی۔ حیرت کے مارے وہ اپنے چہرے کو بھگوتے آنسو تک نہ صاف کر سکی۔

"بہن جو کرتی ہے اسے دیکھنا ہے وہ کرتی کیوں ہو۔"

اس کا شاہان آنسوؤں کی جانب تھا۔

"علامت ہے۔ پچھتاوے کی۔"

دعا نے منہ پھیر لیا۔ اس کی آواز بھیگ گئی۔

"اب جاتی ہیں بدلا ہوں کی دولی۔ جیسے میں نے بدلی ہے۔ میں تمہارے لیے بدل سکتا ہوں تو تم میرے لیے کیوں نہیں بدل سکتیں۔ میری زندگی بہت بے کشش بڑی روکھی سی ہے بہنا۔ ان آنسوؤں کو بھیگنے دو رنگ کے میری زندگی میں آنا۔ بہت سے رنگ لے کے۔ بہت سی مسکراہٹ لے کر۔"

"میرے پاس ایسا کچھ نہیں بھائی۔ کسی اور سے آس لگائیے میں تو دے سکتی ہوں جو مجھے آپ نے دیا۔"

"اور اب میں یہ دے رہا ہوں۔"

اس نے ڈبیا کھول کے آگے بڑھائی۔ انتہائی خوب صورت پلاٹینم کی انگوٹھی میں ہیرا جگمگا رہا تھا۔

"پلاٹینم تم بھی بدلے میں کسی سونا دے۔ میرا مطلب ہے انگوٹھی۔ رسم کی رسم ہو جائے گی اور تمہارا بدلہ بھی پورا ہو جائے گا۔"

"بھائی۔" وہ جھینپ گئی۔ شہزادہ کی یہ بے تکلفی پہ چھیڑ اس کے لیے اجنبی سی تھی۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ ایسا لگا جیسے وہ اس کو ذلیل کر رہا ہو۔

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ یقین کیجیے بارہ سے مجھے رتی برابر دلچسپی نہیں تھی۔ اس حادثے کے بعد بھی میرا دل زندہ سلامت ہے کوئی روگ نہیں لگا مجھے تو آپ سنبھالنے آ گئے ہیں۔ کوئی ایسی چوٹ نہیں کھائی میں نے جو آپ مرہم لگانے آئے ہیں۔"

"روگ تو تمہیں لگ گیا بہنا۔ تم نے بابا کا دیا چوٹ بھی کھائی۔ چاہے تم چھپانے کی کوشش کرو۔"

وہ جھٹلانا چاہتی تھی مگر شہزادے نے موقع نہ دیا۔

"اور یہ چوٹ شہزادی کی لگائی تھی۔ اس لیے مرہم لگانا میرا فرض ہے اور حق بھی۔ تم کیسے روکو گی؟"

"بڑی جلدی وار آ گیا آپ کو یہ فرض نبھانا۔ اب زخم پہ کھرنڈ آ چکا ہے بھائی۔ اب اسے مرہم کی حاجت نہیں۔"

"اماں مجھے دیر ہوئی مگر اس کی سزا مجھے یوں مت دو۔ چلو تم میرے ساتھ وہ کرو جو میں نے کہا۔ تو تمہیں ہار دو۔ شکر ہے دو بھائی ہے اور ہار اچھا کر لو۔ جتنا میں نے دلایا ہے۔ نہیں اتار دو تو مگر اپنے ساتھ ظلم مت کرو۔ میں

جانتا ہوں تمہاری خوشی صرف میرے ساتھ میں ہے۔ مجھے قبول نہیں کرتا۔ مگر اپنے آپ کو اس خوشی سے محروم مت کرو۔"

دھوپ کے آخری سرے پر کھڑی تھی۔ شہزاد اس کے نزدیک نیچے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"اور اگر میں سب کرنے کا حوصلہ نہیں تو پھر مجھے معاف ہی کر دو۔"

اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنا نظریں اٹھائیں۔

لہجے کی بے چارگی اور شکستگی کے برعکس شہزاد کی آنکھوں میں جو بات تھی وہ بے حد اہم سی شرارت تھی۔

"اس بھوت کو کیسے سمجھتے ہوں میں۔ زندگی میں پہلی بار ان چہرہ آنکھوں میں۔ مسکراہٹ دیکھی ہے۔ کیسے مرنے دوں اس مسکراہٹ کو۔ میں اتنی بے بھروسہ نہیں ہو سکتی۔"

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ فیصلہ خانے کی سمت کرنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں کیسے کہوں کہ چھاؤں کہ آپ ہو روی میں مجھے اپنا تو رہے ہیں بعد میں پچھتائیں گے نہیں۔"

"پہلے تم یہ یقین کرو کہ میں تم سے بے وفا نہیں ہوں گا۔ ہاں ٹھیک ہے میں کسی اچانک نمودار ہونے والے لافانی قسم کے عشق کا دعویٰ نہیں کروں گا کہ ایک ہزار راتوں رات میرا دل تمہارے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ میرے دل نے تمہارے سامنے میں فرمہ بنا تو عرصے سے شوق کر رہا تھا اور اب مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ تم سے انجانے میں کی زیادتیوں کی تلافی بھی کھل سکتی ہے۔ میں کل تک میں نے بے وفا رہنے کے ساتھ نہیں صرف اپنے ضمیر کی آواز پر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا تھا اور آج سے ہوئی۔ جب میں نے تمہارے لیے یہ انگوٹھی خریدی تب میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اسے میں خود اپنے ہاتھ سے تمہاری انگلی میں پہناؤں اور دیکھوں کہ تمہارے چہرے پر جو مسکراہٹ پھیلتی ہے وہ میرے اندر کہاں تک اترتی ہے یا نہیں۔ خواہش کیسی ہے یہ بھی عشق کی تمہید تو نہیں؟"

دھاسر جھکا کے مسکرا دی اور اپنا ہاتھ دھیرے سے آگے بڑھا دیا۔

• • •

چادر کی بکل مارے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے اپنا چہرہ دھانپنے کا بھی اہتمام کیے ہوئے تھی۔ گھر اس کے باوجود اس کی بیٹھنگی کا ایک حصہ اور دائیں آنکھ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ملک مقبول کا چہرہ بگاڑ کا ایک نظر آنے لگا تھا۔

یاسمین کو ہسپتال لائے ہوئے ایک گھنٹے سے اوپر ہو رہا تھا۔ وارڈ کی بجائے پرائیویٹ کمرہ حاصل کیا گیا تھا اور اب کافی دیر سے اس کے مختلف ٹیسٹ ہو رہے تھے۔

"تم کہیں ماموں جان ابھی تک اسفند کیوں نہیں آئے؟ اب ہم لوگ سے کہاں رابطہ کریں۔ اسفند کا فون نمبر ہی تو رابطے کا واحد ذریعہ ہے۔"

دو بے حد پریشانی کے عالم میں گھری بیٹھی سوچ رہی تھی۔ اس نے رخ بدلے بغیر اسی نظر گھما کے ملک مقبول کی جانب دیکھنا چاہا۔ وہ ذرا فاصلے پر بیٹھا سگریٹ کے جھونکے کے مزے لے رہا تھا۔

اس کا فون چلا تو ایک بار پھر اس نے نمبر ملانے کا کیے سگریٹ کے کش لیتے لیتے تھک گئی۔

پچھلے ایک گھنٹے میں وہ بالکل بے چین ہو رہی تھی۔ اس کے کہنے پر نمبر ملا چکا تھا اور ہر بار مایوسی سے سہلا رہا تھا۔

"آپ اور کتنی بار زحمت دیں گی۔ ایک تو وہ سارے کام دام چھوڑ کے ہماری ای حضور کی خاطر کب سے یہاں بیٹھے ہیں۔ ہمارا حضور کی کوئی خیر خبر ہے نہ ہی ماموں جان کا اتا پتا ہے۔ ایسے میں ہم بار بار انہیں تنگ کریں یہ مناسب نہیں لگتا۔ اگر وہ ذرا آرام سے چل دیتے تو۔" یہ خیال آتے ہی وہ چھوٹی سی بے چینی سے اپنی انگلیاں موڑتی ہوئی وہ نور دور سے پلکیں جھپکے کے اپنے آنسو پیچھے دھکیلنے لگی۔ اس کا یہ اضطراب ملک مقبول کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکا بلکہ وہ تو ویسے بھی اس پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔

"ای حضور ماموں کے آنے سے پہلے پہلے ان کا یہاں سے جانا ہمارے لیے ٹھیک نہیں۔ نجانے ای حضور کو کیا ہوا ہے؟ ڈاکٹرز مختلف ٹیسٹ کروا رہے ہیں۔ کبھی خون کا کبھی ایکسرے کا۔ یہی صاحب بڑے ٹرینڈ کر رہے ہیں۔ ہمیں کیا کہا چلے گا۔ اللہ میری لاڈلی ای حضور کو ٹھیک کر دیں۔ ہمارے ماموں جانی سے ہماری بات کروائیں۔ ہمارے ابو حضور کو کہیں سے واپس بھجوا دیں اور۔ اور اللہ تعالیٰ جی یہ صاحب نیہ جو ابو حضور کے دوست ہیں جن کو آپ نے ہماری مدد کے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے ان کے دل میں اسی طرح رحم ڈالے رکھیں۔ انہیں اتنی جلدی یہاں سے جانے نہ دیجیے۔"

بہت ساری دعائیں مانگتے ہوئے وہ یہ دعا بھی مانگ چکی تھی کہ کسی طرح ان کے حق میں اچھی نہیں تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اس دعا کے قبول ہونے پر اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے لیکن انجام تو وہ تھی بے خبر تو وہ تھی۔ اس لیے یہ دعا مانگ چکی تھی۔

جس سے وہ جانتی تھی وہ بے خبر نہیں تھا۔ وہ تو وہ ذات پاک ہے۔ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور لوح پہ تحریر تقدیر۔ تبھی کہہ اداسی کی رضا سے رحم والی ہے۔

وہ جانتا ہے کہ اس کے بندے کے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔

موبائل پر ٹیپوں کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آیا۔

"اب تک تو تمہارے ماموں کو آ جانا چاہیے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ تمہاری والدہ کی طبیعت بگڑتی ہی جا رہی ہے۔ میں اتنی بڑی ذمہ داری کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ مجبور ہو گا تمہارا کہ اپنا یہاں اس وقت ساتھ دے۔"

موبائل کانوں سے لگائے وہ بظاہر تشویش کا اظہار کرتا ہوا اس کی گھبراہٹ اور پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا درحقیقت یہی اس کا مقصد تھا۔ چنانچہ یہاں ہو رہی۔ اتنا ہی اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جائیں گی۔ پھر وہ اپنے حسب منشا نتیجہ حاصل کر سکتا تھا۔

دلکش آنکھوں میں امید لیے اس کا چہرہ تک رہی تھی کہ ابھی دوسری جانب سے یہ فون اٹھا کر بتلا دیا جائے گا۔ ابھی وہ اسے فون لگانے کا کہہ کر پورا سر اٹھا کر اسے ایک بے بس سی آس لیے دیکھتی وہ اس وقت اپنے سر سے سرک کر نیچے ہوتی چادر سے بھی بے نیاز تھی۔

"عجیب بات ہے۔" بالآخر ملک مقبول نے رابطہ منقطع کر دیا۔

درحقیقت وہ بار بار اپنے فون کا پر سیل نمبر ملا رہا تھا۔

"پہلے یہاں سے مجھے اس ٹیلیفونز کی توقع نہیں تھی کیا اس کا دیوبہ اپنے بڑی بچوں کے ساتھ ایسا ہی ہے۔"

اس نے ہمدردی جتاتے ہوئے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مقصد صرف اپنے اور اس کے درمیان بے تکلفی پیدا کرنا تھا۔ لیکن دلکش کا دل یہ سوال سن کر بھر آئی تھا سوائے سر جھکا کے آنسو پینے کے اور کچھ نہ کر سکی۔ یہ دلجوئی اور ہمدردی کا سبق صاحبزادی یاسمین نے اسے گھول کے پلا رکھا تھا۔

"تو کیا قابل ہو جائے اس سے خبر لیتا ہوں۔ یہ کوئی بات ہے بھلا۔ دنیا اتنے دن گھر سے غائب رہتا اور وہ بھی اس حال میں کہ نہ سہی بچوں کی کوئی خبر لے۔ اپنے کھانے کا بار رکھا ہے۔ اتنا ہی ہو گا کہ بھلا کتنی بار پیں۔ کم از کم اس حال میں تو تنگ جا کر بھی۔ تم فکر مت کریں۔ کھاؤں گا۔ میں صرف میرا دوست ہی نہیں ہے بہت سا تھ ہے میری بہت عزت کرتا ہے۔"

وہ ایک بار پھر اپنی اہمیت جھاڑ کے اظہار کے ساتھ ساتھ اعتبار بھی۔ اس کی بات سے دلکش کو سہارا محسوس ہوا۔

"مجھے تو تمہارے ماموں اور تاؤ جیسے بھی عجیب سے لوگ محسوس ہو رہے ہیں۔"

اپنی بیٹی کی بات کا رد عمل خاطر خواہ دیکھ کے وہ اور پھیلا اس بار اس نے دلکش کا اعتماد اس کے خیال والوں پہ بھی ڈگمگانا چاہا تاکہ وہ اس مشکل وقت میں صرف اور صرف اسے ہی اپنا خیر خواہ سمجھے لیکن اس بات پہ

دلکش کی موتی جیسی شفاف پیشانی پہ ایک ناگوار شکن نمودار ہوئی جیسے اسے اپنے ماما اور ماموں کے بارے میں یہ تبصرہ ناگوار گزرا ہو۔ ملک مقبول برقت سنبھل گیا۔

"میرا مطلب ہے ترنج کے دور میں گھر پہ فون جیسی سہولت کا نہ ہونا۔ یہ کتنی عجیب سی بات ہے۔" وہ بات بدل چکا تھا۔

پھر اس کی مسلسل خاموشی سے اکتا کے دلاور بے بہت کے کھڑا ہو گیا۔ اسے اپنی کھوئی جلد والی خوبی کو کھاتے ہوئے، گھٹیا پن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"اگر میں اس چھوکری کو کہوں کہ وہ کچھ دیر میرے گھر چل کے آرام کر لے یا۔۔۔ یا میرے ساتھ ہوئی جا کے کچھ کھا پی لے تو آیا مان جائے گی؟"

اپنے سوال کا جواب اس نے خود ہی نفی میں سر ہلا کر دے دیا۔

"ہمت بھی تو نہیں ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ چند روز کا سن ہے۔ بھولی بھالی لڑکی ہے سو کہوں کا مان جائے گی مگر ہاں بھئی پاکبازی اولاد ہے۔ ذلیل تو ہو گی۔ انیز جانے تو کھائے گی اونٹ یا۔۔۔ خیر ملک بھی اتنی تیز سی کرتا جاتا ہے۔"

اس کے شاطرانہ دماغ نے کھڑی بھر میں ایک اور سازش ترتیب دے ڈالی۔

☼ ☼ ☼

دلاور نیاز کھوکھر کا کھلا رہا تھا۔

دلاور نے ہاتھ کو آنکھوں کے سامنے پھیلائے ہوئے انگلی ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو نظروں میں اتارتی تھی۔ نگینہ میرنہ ہوئیں تو اس نے اپنے لباس پہ رکھ لیے۔ فلیٹ سارت ماں کے اندر اترنے لگا۔

"میں راجیے کی منگ ہوں۔"

"تو میں راجیے کی منگ۔"

انگوٹھی کو ہونٹوں سے لگائے دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھی۔ اپنی آواز آج سے پہلے کبھی بھی اسے اتنی اچھی نہ لگی تھی۔

"کیا یہ کسی عشق کی تمہید تو نہیں؟"

شعرا کی آواز اس کے کانوں کے آس پاس ابھری۔ اس کی گنگناہٹ ٹھٹھک کے ختم ہوئی۔

"ہاں بھائی۔۔۔ آپ نے ٹھیک پہچانا۔ یہ عشق ہی تو ہے اور جسے آپ تمہید یا آغاز سمجھ رہے ہیں، وہ اب کی جانب سے ہوگا۔ میں نے تو اس کی الیار قبیر رکھی تھی۔ جب میرے ہاتھوں میں اس کا مشک بیدار اٹھانے کی سعت تب نہ تھی۔ میں نے برسوں جتنی بھی صبح کر کے عشق کی یہ داری آپ کے لیے بچائی ہے۔ اس کا پہلا پیار میری روحانی جاگیر ہے۔ آپ نے تو آپ سلاد نہ موجود ہے چھانٹ آئیے "آجائیے اس کی بھائی دوڑی میں ہی ایک آپ ہی نا ہی تھی اور میں کب جانتی تھی کہ یہ کمی بھی اور بھی ہو گی۔"

یہ سرشاری سے مسکرایی۔

جیسے اپنے نیلے نیلے ہاتھ پہ پیار کرتے ہوئے اس نے طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔ اس کا انگوٹھی والا ہاتھ ایک بار پھر اس کے لبوں تک لہرایا۔

"میں راجیے کی منگ ہوں لوگو۔۔۔"

اس کا بس نہ چل رہا تھا نہ ابھی یہ اعلان نشر کرے۔

☼ ☼ ☼

"کہو کھوکھر۔۔۔ آج تیا خبر ہے؟"

دلاور نے اس کی آواز سن کر بظاہر کڑوا سا منہ بناتے ہوئے، مگر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سوال کیا۔ کالی دالوں نے اسے کوئی نیا رہ گرم نہیں بتایا تھا۔ نیاز کھوکھر کے لوں سے کچھ آس بندھی۔

"اور خدا ادا۔۔۔ ہے کوئی ایسی خبر سنانا۔ کوئی مت سنانا۔ یہی تمہاری عقل ہے۔"

"میں کوئی شام کا اخبار ہوں۔ بھئی بائی کچھ تو بیں سنا اس کا۔"

نگاہ کی آواز سنتے ہی اسے بل لگی سو کہی ورنہ ملک مقبول نے تو سخت ابر جنسی نافذ کرائی تھی۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر کام کرنے کا کہا تھا۔

"تم نے پھر مجھے بائی کہا؟ تمہاری زبان کی عادت بھوت نہیں نکلی کہو کھوکھر۔۔۔ یا ماں کی گود سے ہی یہ لفظ سن کے۔۔۔ اور بول بول کر اس پہ چڑھ گیا ہے۔"

نگاہ نے چاہا چاہا کہ اسے ذلیل کر ڈالے۔

ذلیل کو کوئی اور کیا ذلیل کرے گا اور کتنا کرے گا۔ وہ بھی یہ کڑوا طنز سن کے پی گیا۔

"میری تو چلو شکل ہی ہے وہ بھی بھلی تمہارے اس لہجے بات بھی ایسی کرتا ہوں مگر سوچو! آپ کی تو صورت بھی سبحان اللہ ہے پھر باتیں بھی سوچی سوچی کرو۔"

"جس طرح میری سوچی صورت بنتی ہے بس کھوکھر اس طرح سوچی سوچی باتیں بھی میں بدلہ سوچنے کے بعد کرتی ہوں۔ تم جیسے لفظوں کی کنکلوں کو میں ضائع کرتی ہوں۔ اس اتنی عزت افزائی سے بے پا اور حسرت بانٹ رہے۔ میرا خیال ہے چند دن تک تمہاری بے عزتی نہ ہو تو تمہیں کھجلی شروع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فون کیا ہو گا۔ کسی ہونگ اور تو نہیں ملتا تھی بول۔"

اس سے قبل کہ دلاور فی ریسیور رکھ دیتی نیاز کھوکھر لہرایا۔ آگیا اور سارا چوپال بن ایک طرف رکھتے ہوئے مطلب کی بات کرنے لگا۔

"ملک مقبول نے مجھے آرڈر دیا ہے، پندرہ منٹ کے اندر اندر تمہیں لے کر پہنچنے کا۔"

"ایسا کون سا اچانک پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ابھی کل تک تو کوئی تذکرہ نہیں کیا انہوں نے۔"

"ذاتی کام ہے۔"

"تف۔۔۔ بڑا بیوت محفل۔" نگاہ نے گہری سانس بھری۔

"یعنی کہ کسی سرمایہ دار کے ہاں رہنے والے اللہ کے فضل کی خوشی میں ناچتا ہے اچھا طریقہ ڈھونڈا ہے ان لوگوں نے شکرانہ ادا کرنے کا۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا کھوکھر۔۔۔ اور ساتھ میں تمہارے ملک صاحب کا بھی۔ تجربہ کرنے جاتا ہے کسی کی موت کا افسوس کرنے نہیں جاتا۔ ایسے کیسے چل پڑیں۔ تیاری میں خاصا وقت لگتا ہے اور مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ پھر جیسے بوجھ میں بھرے کرانے کا کیا رواج نکلا ہے؟"

"دماغ تمہارا خراب ہے نگاہ باقی۔۔۔ بھرے اور خالی ہاتھوں کے علاوہ تمہیں کچھ سوجھتا نہیں۔ اگر تو سوچا ہوتی تو کوئی ثواب اور آخرت وغیرہ کے بارے میں بھی سوچتے۔ ایک نیک کام ہے جس میں مدد کے لیے ملک صاحب نے تمہیں بلایا ہے۔"

"نیک۔۔۔ اور نیک کام؟"

"اس بس۔۔۔ اور وقت ضائع مت کرو۔ جیسی ہو بتاں ہو نکل پڑو بلکہ ہو سکے تو جو تم ذات ہو ور تو ایسا ہے یا ایک اب ٹھیک ہے کیا ہوا ہے اسے بھی تار آ گیا۔ یہی سمجھ لو کسی کے ہاں افسوس کرنے ہی جانا ہے۔"

"واہ۔۔۔ خواہ مخواہ سمجھ لوں۔ وقت نہیں ہے میرا جو ملک کے ایک اشارے پہ نکل پڑوں۔"

"کیا ہے مجھے تم تو بیں ڈالنے کے بھی پیسے لو گی۔ فکر مت کرو۔ کسی مجرے کے برابر تنی معاوضہ ملے گا۔"

"مرا کون ہے؟"

نگاہ کی اگلی دلچسپی مجھے سمجھ ہو گئی۔ مگر نیاز کھوکھر کے صبر کی انتہا تھی۔

"اگر دو منٹ بھی اور تو رے تو شاید میں ہی مارا جاؤں۔ پندرہ منٹ میں سے نو منٹ تم نے اپنی تفتیش میں ضائع کر دیے۔ خدا ایسا ہی نکلو کشادہ اور تھوڑی چوک تک پہنچو میں وہیں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے لائن کاٹ دی اور اگلا نمبر ملک متبول کا ملایا۔

"اوئے! اوئے بیٹے۔۔۔ تو ابھی تک وہیں ہے۔ میں تو سمجھا اس پہنچنے والا ہوگا اور تو فون پہ اپنی منحوس آواز سنا رہا ہے۔" ملک نے غرا کے پوچھا۔

"میرا کیا قصور ہے ملک صاحب۔۔۔ اس بیوقوف عورت نے آپ کو۔" وہ منشا کے صفائی پیش کرنے لگا۔

"تو اب کس عورت کے گوڈے سے لگ کے بیٹھا ہے۔ تیری گھر والی تو کب کی تجھ پہ لعنت بھیج کے فلم دیکھ چکی ہے اس مرد کے ساتھ۔"

"نہیں اپنی عورت کی نہیں۔ اس اڑیل عورت کی بات کر رہا تھا۔ اپنے ہی تو حکم دیا تھا کسی کو لے کر پہنچو۔ لگا۔ سے بات کی ہے میں نے ظاہر ہے ایک دم سے میرا تو رات کو کیسے نکل پاتی۔ میں کوئی اس کا خصم تو نہیں۔ سو سوال کیے میں نے تفصیل میں تم سے تبادلہ کیا۔"

"اوئے! لگا مت تھا ماری کرنے کے لیے کس نے کہا تھا۔ وہ بڑی قطرناک زنانی ہے۔ کہیں سارے کیے کرائے پہ پانی نہ پھیر دے۔ اگر یہاں آ کر اڑ گئی کہ جاؤں نہیں کرنی یہ اداکے بازی تو پھر تمہاری بات بنانی ہے اسے؟"

"نہیں بی گھر راستے میں بتا دیں گا۔"

"اوئے تا بتایا۔۔۔ ابھی راستہ بھی شروع نہیں ہوا تیرا اور وہ اس بڈھی کو ہوش آ گیا تو میرا تو ہو گیا نا خانہ خراب بڑی مشکل سے قابو کیا ہوا ہے حالات کو۔"

"ملک کہیں تو میں اسٹیشن سے ذرا ہی فاصلے پہ ہوں۔ لیکن بچانے کے لیے اس نگاہ کو اپنے خود نہیں کیا۔ وہ تین منٹ تک ادھر پہنچے گی۔ اس رکھنے میں اس کے ساتھ میں پانچ منٹ تک آپ کے پاس بات میں اس طرح سمجھاؤں گا کہ وہ نہیں کرتی نہیں سکتی۔ دراصل اس کا نام ق ہے۔ میں پہلے آیا اور پھر ملک صاحب کو ضرورت مند بھی ہے۔ ضرورت انسان سے سب کچھ کروا لیتی ہے۔ آپ بے فکر رہو گی کوئی زبردستی نہیں کرے گی۔"

اس کے کسی دانے پہ ملک نے مرچا کے موبائل کا تھا کیا جیب میں ڈالا ایک بار پھر سرد لہجے وقت رکھنے طرح دل میں سارے منافع لگا کر وہ ہر آنا بدلنے کی جانب چلا آیا۔

"مجھے ایک بے حد ضروری کام سے اپنے آفس جانا ہے۔ میرے سیکرٹری کا فون آیا ہے۔"

دلکش متوحش ہو کے اسے تکنے لگی۔

اگرچہ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر اس کی ملتجی نگاہیں ایک ہی تکرار کر رہی تھیں۔

"مت جائیے۔ ہمیں یہاں اکیلے چھوڑ کے مت جائیے۔"

"بلکہ فون تو مسلسل کوسے کھنکے کے آ رہے ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا جانے کو۔ آخر بار کے لیے میرے ذہن میں جو خدشات ہیں ان کے حوالے سے میرا فرض بنتا ہے کہ میں۔۔۔ بھی کیسے جا سکتا ہوں کہ اس حال میں چھوڑ کے۔ ڈاکٹر کو کوئی بھی چیز دوا یا انجیکشن کی صورت پہنچ سکتی ہے۔ دوسری طرف کام ایسا ہے کہ میرے نہ جانے سے لاکھوں کا نقصان ہو گا اس لیے آخر کار مجھے جانا پڑ رہا ہے۔"

دلکش نے بے بسی سے سر جھکا لیا اندر ہی اندر وہ گھٹ رہی تھی مگر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

"یہ بھلا کیسی بات ہے لیے لاکھوں کا نقصان کرائیں گے مگر اس رشتے سے کرا نہیں سکتے۔" یہ سوچ کر اس نے اپنی التجا آنکھوں تک ہی رہنے دی۔

"میں نے اپنے ایک بہت خاص آدمی کو یہاں بلا لیا ہے۔ اگرچہ وہ میری غیر موجودگی میں ایک ڈیڑھ گھنٹا یہاں رہے۔ ڈاکٹر کو بھیجنے بھی کسی دوا یا انجیکشن کی صورت ہو۔ فوری طور پہ لا سکے اور مجھے منٹ منٹ بعد بھائی کی حالت سے باخبر بھی کرتا رہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

وہ اس بار بھی خاموش رہی۔ ملک کو کچھ زہر اس نے بھی چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ پتا نہیں دل اتنا تاسیہ اور بجھ بجھا

سا کیوں تھا۔

ہر جانب ایک اندھیرا سا چھٹتا ہوا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے وہ قاصر تھی۔ ملک کی اس مہمانی پہ بھی وہ مطمئن نہ ہو سکی۔

دلکش ایک مسئلہ ہے۔ میں تمہیں کسی انجان قوی کے بھروسے پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بے شک وہ میرے بھروسے کا آدمی ہے مگر۔۔۔ اور تمہارے ماموں یا ابا کا پتہ نہیں چل رہا۔ اس لیے میں نے وہ کہا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آئے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گی تو تمہیں آسرا رہے گا۔ جنا بھلی عورت ہے۔ ہمیں قریب کہہ لے اس کا۔ میرا تو ارادہ ہے کہ تم کچھ دیر اس کے میرا تو اس کے گھر ہو آنا۔ کچھ آرام کر لینا بھائی ہوش میں آئیں گی تو تمہاری بھلی بھلی صورت دیکھ کر ریلیکس ہوں گی۔"

"نہیں پھر کیسی رہیں گے۔"

اسے واقعی کسی جان کے بہی آنے سے تسلی ہوئی تھی مگر وہ کہیں جانے کا سوچ کے ہی گھبرا گئی۔

"تمہاری مرضی نہیں رکھنے سے تمہارے ماموں کا میرا تاثر ہوں گا جیسا کہ ان کا پتہ نہیں بھی دے سکو۔ وہ سکتا ہے فون خراب ہو۔ میں کسی کو بھیج کر اطلاع کروا دیتا ہوں۔"

"یہ خیال ہمیں پہلے کیوں نہیں آیا۔" وہ جلدی جلدی اس کے دیے کارڈ کی پشت پہ پتا لکھنے لگی۔

"خیال آیا ہے تو ہوش کب ٹھکانے ہیں تمہارے۔ اسی لیے تو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی آپی کو فون کے ساتھ تھما کر ہو آرام کرنے چلی جاؤ۔ چلو آرام نہ سہی منہ ہاتھ دھو کر تو وہ تازہ ہو جاؤ۔ تو بھی بیمار لگ رہی ہو۔"

اگرچہ دلکش نا کوئی ارادہ تھا یہاں سے ہلنے کا پھر بھی اس نے سر ہلا دیا۔

اتنے میں اسے یاد کر کے ہر اسپیلا چادر میں لپٹی نظر آئی تھی۔

اگرچہ اس نے ایک عام عورت نظر آنے کی بھرپور کوشش کی تھی پھر بھی اس کا اندر چھلک چھلک جا رہا تھا۔ ملک نے کسی مردوں کو مزید کے اس کا جائزہ لیتے دیکھا۔

"سالی کا ہونی ہے کہ چادر میں سے بھی اشکارے مار رہا ہے اور پھر چال دیکھو ورنہ لڑکھڑا کے گھٹنے میں کتنی ہی خوب صورت عورتیں یہاں سے گزرتے رہ چکا ہوں۔ اس طرح کسی کے اوپر بھی لوگوں کی نظریں نہ ٹکتی ہیں دیکھیں۔۔۔ کی ہے بازاری عورت بازار سے لگی ہوئی ہے اس کا بیٹھ کے سب سے الگ ہے۔ مگر کیا کریں نس طرح دن میں تین وقت گھر کی پھیکی پھیکی اجڑی کھانے والوں کا دل بازار کے چٹ پٹے پکوان کھانے پہ مچل جاتا ہے اسی طرح مجھ جیسے ہر وقت باہر مارا مارا کرنے والے کا دل بھی کبھار گھر کی سادہ دال روٹی کھانے کو چاہتا ہے۔"

اس نے نگاہ سے نظریں ہٹا کے کن انکھیوں سے دلکش کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"اور باہر کی چیزیں دیکھنے میں جا ہے کتنی بھی سجائی ہو۔ مشتہرا انگیز خوشبو والی ہو۔ لیا نا کتنے دن کی باسی ہے۔ یہ تازہ تازگی کے سامنے ہر کی دیتے ہیں۔۔۔ گھر کی دال روٹی کم از کم تازہ تو ہوتی ہے۔"

"اسلام صاحب۔۔۔ میری گھر والی تجھ سے کہنے لے آیا ہوں۔"

گھر گھر کی آواز پہ وہ اپنے اندر خیالات کی دنیا سے نکلا۔

اگرچہ وہ راستے میں ضروری تفصیلات سے لگا کو آگاہ کر چکا تھا۔ یہاں ہونے والے ڈرامے کا سارا اسکرپٹ اسے سنا آیا تھا پھر بھی نگاہ اسے گھر والی کہنے گھورنے سے باز نہ آئی۔

"اوقات تو تمہاری یہی ہے کہ گھر تمہاری منگی گھر والی بھی ہوتی تو تم ملک کے ایک اشارے پہ اسے حاضر کر دیتے۔"

وہ منشا کی منہ پہ ہی پڑا ہی تھی۔

گھر گھر نے ٹھوکا دے کر اسے یاد دلایا کہ وہ یہاں کیا کرنے چلی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھی اور بابا کی تشویش اور

ہمدردی اپنے چہرے پہ سجا کے گلشن کے پاس آئی۔

"اللہ! آنٹی جی! یہ اور اتنا غصہ! کیا غصہ سے کوئی اپنا سگا رشتہ دار اس وقت پاس نہیں ہے۔"

اس ہمدردی پہ گلشن آنٹی جو پہلے ہی بھرا ہوا تھا اور بھی بھر گیا۔ یہی بات جذبات کے بھی اس کے آنسو بہہ نکلے۔

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ ملک صاحب کوئی غیر نہیں۔ آخر یہ باہر بھائی کا معاملہ ہے، جس کو ملک صاحب اپنا سب سے قریبی دوست اور بھائی مانتے ہیں۔" آنسو نے تقریر دیا۔

"ہائے یہ تو بہت بس میری ہی مت ہے اللہ کا شکر ہو کہ اس نے تمہیں صحیح وقت پہ صحیح بندے سے ملوا دیا۔" وہ گلشن کو اپنے ساتھ لپٹا کر تسلی دے رہی تھی۔

گلشن کا نیچا پیں آنسو ناک سے بہا رہا تھا اس کے ساتھ کیا کیا نکلا کے اندر جیسے سے احساسات نے جنم لیا تھا جن کو پہچاننے سے وہ بالکل قاصر تھی۔ ہاں اتنا ہوا کہ چند منٹ کے اندر رت لینے والے مکالمے اس کے ذہن سے فوراً ہی مٹ گئے۔ مزید کچھ کہنے کی بجائے اب وہ اپنے آنسوؤں میں سینے اس کی پشت سہلانے لگی۔

"لو بھئی! اب تمہارے حوالے ہے خیال رکھنا اس کا میں جلد واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں بلکہ ہو سکا تو باہر کو لے کر ہی آؤں گا۔ اچھا ہو گا اگر اس دوران اس کے ماموں اور تایا بھی آ جائیں۔ مجھ سے تو اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی اور کچھ کر نہیں سکتا کا رکھ لو جتنے پیسوں کی ضرورت پڑے اکاؤنٹ!"

گلشن کو زیر بار کرنے کے لیے اس نے مزید کہا اور ہاتھ آگے بڑھا کے کچھ کرنے کے ہاتھ تک جو چیز منتقل کی وہ درحقیقت کارڈ نہیں بلکہ اس کا اور اکاؤنٹ کا پاسکی معلومات تھا۔

باقی کام ہونے کے بعد۔ اس نے سرگوشی کی اور ایک گہری نظر گلشن پہ ڈالتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے گل مہر۔"

عصیں نے بے حد سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

وہ اچھے میں پڑ گئی۔

ایک لڑکی کو ہی بات اس کے کھل نام سے مخاطب کیا کرتا تھا۔ اسے گل کہنا ہی پسند تھا بیشتر۔

اور وہ سراپہ کہ اس کے لہجے میں سنجیدگی کے علاوہ بھی کوئی احساس تھا اتنی مت ہی سنگین احساس ہوا سے کسی چیز سے خبردار کرنے والا تھا۔

لا محالہ وہ گھبرا گئی۔ مگر اس گھبراہٹ کو اپنے اوپر حاوی کرنے کی بجائے اپنی نظریں اوجھل ہوئیں۔

"تم کیسے ضروری باتیں کرنے لگے خیریت آید درست تو ہم ضرور سنتے کہ تم ضروری باتیں کرتے ہوئے کیسے لگتے ہو مگر اس وقت ہم معذور ہیں۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی کہ عصیں لپک کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کے کمرے کے دروازے کے بیچ میں کھڑا ہو کے اس کا راستہ روک دیا۔ بری طرح جز بز ہوئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"یہ بدتمیزی تم جیسوں کے ساتھ رہتا جا سکتا ہے اب چاہے تم اسے بدتمیزی کہو یا ہے کچھ اور۔" عصیں نے دھیمے لہجے سے جواب دیا۔

"اس حرکت کا مقصد؟" اس نے اپنے مغرور ابرو اچکا کے پوچھا۔

"مقصد تمہیں بتا دیا کرتا ہے صاحبزادی گل مہر اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ تم۔ ورنہ مجبوراً مجھے کوئی اور لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔"

بلاشبہ زندگی میں پہلی بار وہ اتنے درشت لہجے اور سخت الفاظ کے ساتھ اس سے بات کر رہا تھا اس پہ مستزاد اس

کی سکڑ تو تھی غضب ناک نگاہیں جو گل مہر کے چہرے پہ ٹکی ہوئی تھیں۔

وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ اس نے غالباً کبھی اس صورت حال کا تصور بھی نہ کیا ہو گا کہ عصیں اور یہ تیوڑ ناری طرح اس سے کوئی جواب نہ دے پائے۔

"سوچا ہے اچھا میرے خلاف اس کے کھل بھر زہر بھرا اور ہمارے تعلق کو کمزور کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری ایسی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اس کے لیے ایڑی چوٹی کا زور بھی کیوں نہ لگا لو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اس کے باوجود میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ یہ ترکیب چھوڑ دو۔ اس کے نتیجے میں سوائے ذلت اور خواری کے تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ جو تمہاری مت عزت اور بھرپائی ہے اسے بھی گنوا بیٹھو گی۔ اپنے ہی گھر میں اپنے ہی لوگوں میں بے وقعت ہو کے رہو جاؤ گی۔"

گل مہر کا سانس تک رک گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی۔ بے یقینی سے جس کی کڑوی باتیں سنتی رہی۔ کتنی بار اس نے اس کرن میں پناہ لی چاہی کہ وہ اس سے کہیں کسی اور سے مخاطب ہے۔ مگر ہاں اس کے سوا اور سر کوئی نہیں تھا جس کی سماعتوں میں وہ یہ زہر انڈیل رہا تھا۔

"میرا خیال ہے میرا آنا کہنا کافی ہو گا۔ سمجھ دار ہو کی قوی امید کرتا ہوں۔"

اس کی خاموشی دیکھ کر عصیں نے اندازہ لگایا کہ اس کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے مطمئن ہو کر پیچھے ہٹا۔ اسے دائیں پلٹ کے گل مہر جیسے کسی شاک سے باہر آئی۔

"ارے۔۔۔ رہو۔"

عصیں نے پیشانی پہ بل ڈالے ناگواری شکن لے کر پیچھے مڑا۔ یہ انداز تخاطب بری طرح چبھا تھا۔

"کیا سمجھو گی تم ہمیں ہمارے بلکے کی باتیں سنا رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے ہم یہ بدتمیزی اور جسارت برداشت کر لیں گے؟ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

وہ پھنکارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیسے کیا واقعی؟" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"اچھا تو پھر بتاؤ ہمیں بھی دیکھوں تم کس کونے سے نکلتے ہیں تمہارے جان نثار سے ناکام محافظ اور کس زندان میں ڈالتے ہیں مجھے۔ سے شہزادی عالم گلزار کرا کے اپنی سلطنت اور شہنشاہی کا۔ بندہ ناچیز منتظر ہے۔"

وہ سراسر اذیت دے رہا تھا اور گل مہر کا جو دیکھ کے سارے بلکے بلکے جھٹکے کھانے لگا۔

"تو اس اتنا جان لو تمہیں بھر کے بھیجا ہے۔"

"اپنی بکواس بند کرو۔" وہ تو اس بات کے بلکے سا غوغائی تھی۔

"یہ غرائب شیرنیوں کو چھیڑ سے گل مہر نگار کو خیال ایسی نقلیں اتارتی اچھی نہیں لگتیں۔"

"تم نے ہم میں مکار لومڑی کہا۔ سنلے اس کی آواز بھٹ گئی۔

"جو تم کو علم نہیں کہ پھر والی ہو اس کے بعد تمہیں پکی ٹاٹل سمت کر تا ہے۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ مجھے چھوڑ لوگے تمہیں کہیں اور کن کن ناموں سے یاد کریں گے۔"

اس کے جانے کے بعد بھی کتنی دیر تک گل مہر اپنے کمرے کے دروازے پہ سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

ناک لب پھڑپھڑا رہے تھے اور چہرے کی گلابی رنگت اس وقت آتش ہو چلی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کیا تم نے؟" سونیا ساری تفصیل سے آگاہ ہوئی تو افسوس سے سر ہلا کے کہنے لگی۔

"کیوں؟"

"اب تو اور غضب ناک ہو جائے گی یہ سب اور کچھ نہیں اس کی جھلاہٹ کھسیاہٹ یا غصہ ہے بھی کہ

نہیں تھا۔ اسے پیار کے طریقے سے سمجھایا جاتا تو بات بن جاتی۔"

"ماشاء اللہ! آپ کی دوست تو بڑی آئی ہے۔ آپ کے خیالات و نظریات میں سمجھانا اللہ ... پیار کے طریقے سے۔" عصیں طنزیہ انداز میں مسکرا کر اسے داد دینے لگا۔

"پہلے جب اس کی چیخ و پکار سے دور رہے بے طور اور بند مخصوص معاملات کے لیے تھی تب تم اس کی معمولی سی بات پر بھی بے چین ہو جاتی تھیں اور پیار سے سمجھانے والا مشورہ بھی دے دیتا تو تمہارے مخصوص ہوتا تھا۔ اتنوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اب اس بھوت سے میں نمٹنا چاہتا ہوں تو تم مجھے لاتوں کی بجائے باتوں والا طریقہ علاج تجویز کر رہی ہو اور وہ بھی پیار بھری باتوں کا۔"

"پہلے کی بات اور تھی عصیں۔"

"کیا تمہیں معلوم کر رہی ہوں کہ پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے وہ صرف میری ذات پہ طنز کرتی تھی مگر کسی کی طاہر تھپکی کر رہا تھی لیکن اب بات بہت پہنچ چکی ہے۔ وہ ہماری زندگی میں زہر گھول رہی ہے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ تم کے معاملے میں کتنا بار اثر ثابت ہوئی تمہیں اس کا اندازہ ہے۔ میں نے تو کیا غلط کیا۔ پچھلے عرصہ پہلے تک تم بھی اس پہ ہنستی تھیں۔ اب میری بات کیوں بری لگ رہی ہے۔"

"تمہاری بات اور ہے میرا مطلب الگ۔ ہمارا رشتہ ہی بدلا ہوا ہے عصیں۔ ہم ازدواجی بندھن کے پورے ہو جاتے ہیں لیکن تمہارا اتنا تحت دیر برداشت نہیں کر پاتی ہوگی کہ تمہارے بیچ کیا گزر رہی ہوگی اس پہ۔"

صاحبزادی گل مہر نے کھڑکی سے انہیں دیکھا تھا اور یہ سوچ کر زہر خطرناک تیور لیے کمرے سے نکلی تھی کہ عصیں کے سامنے موتیا کو کھری کھری سنائے گی۔ قریب آنے پہ اس نے موتیا کی بات سنی تو سر سے پیر تک سلگ اٹھی۔

"کس قدر دوغلا پن ہے اس شخص میں۔ پہلے ہمارے بارے میں نجانے کیا کچھ کہہ کر اسے اکسایا اب ہماری طرفداری کر کے اس کی نظروں میں اچھی بن رہی ہے۔ کیسی مجنونی بے وفائی جتائی جا رہی ہے اور اس۔ بے وقوف اس شخص کے اندھے عصیں کو دیکھو۔ ہمیں مکار لومڑی کہہ رہا تھا۔ اس کی مکاریاں نہیں دیکھ رہا۔"

وہ دیوار کے ستون کی آڑ میں ان کی باتیں سننے لگی تھی مگر عین موقع پہ انہیں آمنے سامنے ہو کر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

"تمہیں اب بھی اس کی فکر ہے؟" عصیں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے حوصلے کی داد تو دیتی جو دو ٹکے کی لڑکی کو اس کو منہ پہ مکار لومڑی کہہ کر آیا ہوں۔ شاباشی دینے کی بجائے الٹا شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"بس کرو عصیں!" موتیا کو یہ سن کر ہنسی آنے کی بجائے تکلیف محسوس ہوئی۔ ناگوار سی تکلیف۔

"میں نے سوچا تھا تم اسے سمجھا کے احساس دلا کے کہ وہ خود کو اکیلا مت سمجھے آج گل مہر جس حالت سے گزر رہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اسے ہمدردی اور توجہ دی جائے نہ کہ مزید مشتعل کیا جائے۔ ٹھیک ہے کہ گل مہر بھی قصہ آیا تھا مگر مت غصہ آیا تھا مگر میں نے صرف اس سے چند حقائق بیان کیے تھے اس کی دلجوئی نہیں رکھا تھا۔ اپنی غصہ دبا کے میں وہاں سے چلی آئی تھی کہ کہیں کچھ الٹا سیدھا نہ کہہ دوں کچھ ایسا جس سے اس کے اندر کی تپش کو نئی ہوا مل جائے مگر تم سے جو بے وقتی تحت باتیں کیسے کہہ دیں۔"

"مجھ سے اس کی عزت برداشت نہیں ہوتی تھی واقعی مجھے بھی حیرت ہے۔ میں بھی شاید کچھ زیادہ ہی غیر جانبدار ہو گیا ہوں۔"

"ایک بات اپنی اندازی سے بتاؤ عصیں! کچھ عرصہ پہلے یعنی ہماری نسبت طے ہونے سے پہلے شہزاد ملک کے تمہارے اور گل کے درمیان آنے سے پہلے کیا اس وقت تم گل کو اس طرح پیش آنے کا سوچ سکتے تھے؟" اس نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا تھا۔

عصیں نے چند لمحے غور کیا جیسے سوچ رہا ہو اس سوال کا جواب دے یا ٹال جائے۔ ان کے پیچھے ابرا کا صاحب کھڑی تھی بھی ہمہ تن گوش تھی۔

"نہ کے۔" اس نے ایک طویل سانس بھر کے جواب دیتے رضامندی ظاہر کی۔

"اگر تم ہمیں ملنے کے پکے تھے کہ اب اس دوری کی کوئی بات زیر بحث نہیں آئے گی۔ پھر بھی تم بے چین ہو رہی ہو تو بتا دوں کہ شاید۔ نہیں یقیناً میں ایسا بھی نہیں کرتا۔"

"کیونکہ تب تم اس سے محبت کرتے تھے؟"

حد درجہ کی حد سے گزرتے ہوئے موتیا نے یہ اگلا سوال کیا تھا کہ عصیں کی جھنجھلاہٹ سکتی۔

"اس ذکر کو جانے دو موتیا۔" اس کے لہجے میں تھکن سی نکلا۔ "تو جواب سے تو تم اس سے محبت کرتے تھے اس لیے اس وقت تم نے۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ جو ہوا تھا تھی نہ کہ گزری اور اس کا تجربہ میرے سامنے ہے۔ آج تم اس کی بگڑی حالت کی وجہ سے یہ سوال مجھ سے کر رہی ہو اور ہماری دوستی اور محبت کو نشانہ کر رہی ہو۔" اس انداز کے لہجے میں کہا گیا تھا۔

"عصیں عصیں تمہیں برا لگا مگر میرا یہ مقصد قطعاً نہیں تھا۔" موتیا نے اس کا ہاتھ تھام کے اسے سنبھالنا چاہا۔ وہ تھا مگر تھا نہیں اور بیٹھ گیا۔

"میں نہیں جانتی گل نے وہ سب کیا سوچ کر کہا مگر میں اس کے کہنے میں آ کر اپنا اور تمہارے درمیان کوئی تلخی پیدا نہیں کرنا چاہوں گی صرف دو ستانہ فضا میں ایک حقیقت تم پہ واضح کرنا چاہ رہی ہوں۔ تم نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ میں اب بھی گل سے نرمی کیوں برتنا چاہ رہی ہوں۔ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتی تھی۔ تم چاہو کے بھی اس سے درشت لہجے میں نہیں بول سکتے تھے۔ اس کی ہر زیادتی پہ بھی صبر کے ساتھ پی جاتے تھے۔ وہ ہو تھا مگر گل نہیں کرتے تھے صرف اس لیے کہ تمہیں اس سے محبت تھی۔ اب نہیں رہی۔ یہ یوں ہو کہ تمہاری محبت نے رشتہ بدل کر اپنی اور سمت منتقل ہو گئی ہے اب تمہارے کی ہدایات پی جانے کے پابند نہیں۔ تمہیں کوئی مجبوری نہیں رہی اس کے ساتھ نرمی برتنے کی مگر عصیں میں اب بھی مجبور ہوں میں نے کہا ہے نا کہ تمہاری بات اور ہے۔ میرا معاملہ الگ ہے۔ میں یہی سمجھ اور اس کی میری محبت اپنا رشتہ نہیں بدل سکتی۔"

اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

اور ستون کی اوٹ میں کھڑی گل مہر کے رخسار۔

"میری اس کی محبت وقت کے ساتھ بدلنے والی نہیں ہے۔ مجھے اس پہ غصہ آتا ہے۔ ترس آتا ہے۔ مجھ سے اس کی حرکتیں پہ شک بھی آ جاتی اور اس مگر عصیں ان میں سے کوئی بھی رویہ یا جذبہ ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ میری اس سے محبت حاوی ہو سکے۔"

گل مہر بے اور دائیں پلٹ گئی۔

اس کے بڑھتے قدم کے ساتھ اس کا ایک آنسو گر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں موتیا کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"لا یہی سچ ہے۔ میری اور اس کی محبت اپنا رشتہ نہیں بدل سکتی۔ کوئی بھی چیز میری اس سے محبت پہ حاوی نہیں ہو سکتی۔"

"اور اگر میں نے۔ گل مہر نے اپنے کرب کی تمامی میں اگر خود سے سوال کیا۔

"اگر میں نے جیسے حاوی ہونے والا ایک کھٹیا سے جذبہ کو اس رشتے پہ۔ یہ جذبہ کہ ہر جذبے سے کم تر ہے اور جسے حسد کا جذبہ کہتے ہیں اسے اگر میں نے محبت جیسے اعلیٰ و ارفع جذبے پہ حاوی ہونے دیا۔ تب تو میں ہار جاؤں گی۔ اپنا تماشہ کر لی رہی۔

☆ ☆ ☆

جھورا پہلوان اندرونِ شہر لاہور کا ایک مخصوص روایتی کردار تھا جو اب خال خال ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ کہنے کو وہ بدمعاش تھا۔ اڈے والا۔ اگنیوں کی بدمعاشی کے طریقے بھی روایتی تھے اور اڈے کے اصول بھی۔ خاندانی حوالے والے۔ پہلوانی کرتا تھی تھا اور ملتھا بھی تھا۔ ٹھاٹھ کی سب باتیں، کتنا خود بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتا۔ دوسروں کو بھی اس پر بھروسہ تھا۔ کوئی شیر بھی حرکت کرتا نظر آتا اس کی گردن جھورے کی مٹھی میں ہوتی۔ بدمعاش طور پر نوٹوں لیا دیوں۔ اس کا ہمیشہ رعب تھا۔ ٹھاٹھ کے کسی بھی گھر کی چار دیواری کے اندر اس کی بدمعاشی نہیں چلتی تھی۔ نہ ہی اس نے کبھی چلانے کی کوشش کی۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اس علاقے میں دو مسلمان کا مسئلہ قائم رہنے کا بڑا سہرا اسی جھورا پہلوان کے سر جاتا تھا۔

پر نہیں لوگ اسے بدمعاش کیوں کہتے تھے۔ بدمعاشوں والا کون سا کام کرتا تھا وہ۔۔۔ بس یہی تھا کہ کسی کے کرائے والے مسئلوں کو کرایہ دار نہیں کرا پاتے تو مدد کے لیے جھورے کو بلا لیا جس کی ایک جھلک پہ کرائے دار رقم لیک مکان کے حوالے کر جاتا۔

کسی کی بیٹی کو سسرال والے ناجائز طور پہ تنگ کر رہے ہوں تو ثالث کے طور پہ پنچایت میں جھورے کو لے گئے جس کی دہشت سے لڑکی والوں کا پلہ بھاری ہو گیا۔

کسی کی بیوی بے کار کی لڑائی لگا کر میکے جا بیٹھے اور سالے سسکیں، سلوں کو نہ لیا کرے ہوں تو جھورے کے پاس آتا اور بھرے سارے سالوں کی لڑکی ایک منٹ میں اکیلی بیٹھ کر خود سسر کو اس کے گھر چھوڑنے آتے۔

کسی کی بیٹی کو پڑوسی کے لڑکے نے چھیڑا ہے تو پہنچتی پکانے کے لیے جھورا حاضر۔

سارے رواداری کے کام تھے۔ اچھے لفظوں میں اسے سوشل ورکر بھی کہا جا سکتا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے اس سوشل ورک کا معاوضہ وصول کیا کرتا تھا۔

ایک اور فرق اس میں اور شہر کے دوسرے بدمعاشوں میں یہی تھا کہ وہ معاوضہ لے کر کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے جبکہ جھورے کی کوئی کالیہ واحد ذریعہ ضرور تھا مگر اس نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی یا ناانصافی نہیں ہونے دی۔ یہ تھا اس فرق کا ساتھ دیا جو حق پہ ہو اور مظلوم ہو۔

مالکے تجربے نے کبھی ملک متعلق نہیں ہونے پر اسی کی قدر سے حاصل کیں۔

وہ بے جھجک سے اس کا منتظر تھا۔ نہ صرف اس کا بلکہ اپنے دوسرے بندے کا بھی۔ اسے اس نے باہر کا آنا پہ جھورے نے بیٹھا تھا۔ جب اس سے اطمینان کے اندر بھی جاتا پہ پہلو بدل بدل کر انتظار کرنا محال ہو گیا تو وہ اٹھ کے بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ چند منٹ بعد اس نے خود جھورے کے آنے جانے کا فیصلہ کیا۔

"بیٹھی بالکے!"

جھورا اپنے ایک پیچھے سے اپنی پر گوشت پنڈلیوں کو سرسوں کا تیل ملوا رہا تھا۔

"میرے کام کا کیا بنا؟"

"ٹانگے ہوں گے بندے چار جیسے ہیں شہر کے ہر کونے میں۔ ابھی سارے ہسپتالوں کی چھانی کر کے آتے ہوں گے اور ہاں فاطمہ آ گیا۔ تیا ہی چلا دل۔ بیٹا اور بہو بھی اکٹھا ہو آئیں۔ بہ اس کا مطلب ہے کہ بھی خبر لایا ہے۔"

"چاچل کیا استاد شکل کی گھر والی کا۔"

"اگر جھوٹ کہیں سے ہسپتال؟" مالکے نے بے تابی سے پوچھا۔ اس کے تصور میں بار بار چادر میں لپٹے چہرے کی ایک جھلک آ رہی تھی۔ وہ اس بیٹی کے لیے فکر مند تھا۔

"ہسپتال ہے جی بیمار ہوا۔ اس لیے جلدی پہنچ گیا۔ فوراً ہی ہم اور گامو تو ٹھیکے کھا رہے ہوں گے سرکاری ہسپتالوں میں رات تک جھل خوار ہوتے رہیں گے میں تو جی سیدھا دو دو ٹھیکے ہسپتالوں میں گیا۔ اور خوار نہیں ہوتی۔ نرسوں کے پاس جا کر تمیز سے بات کر۔ سارا کچھ بتا دیتی ہیں۔ کدھر سے مریضوں کا پتہ کرنا ہے۔ ہیں جی۔"

"او نہ مطلب دی گل کر۔" جھورے نے ٹوکا۔

"آہو جی۔۔۔" روداد کار کرانی سیوا کا خلاصہ تھا اس واقعہ کے بعد سنبھل کے تفصیل بتانے لگا۔

"او جو ہوا ہے آپ ہی جو سارے آنے جانے والوں کا حساب رکھتا ہے اس نے آگے منٹ میں مجھے بتا دیا کہ دو ٹھیکے ملے کوئی ٹک ٹام کا بندہ ڈاک بیمار زنانی کو داخل کرا کے گیا ہے۔ میں پہنچ کر کے اس طرف گیا میسا لا کے گھر نے بتایا تھا کہ جی لاہور میں آگ ہوئی ہے تو میری لڑکی بھی بیٹھی تھی ڈر ہوئی بند دھڑکتی سی نکل ہی لا۔"

"تو میرے ساتھ چل۔" مالکے نے اسے اشارہ کیا۔

"میری خدمت کی ضرورت؟" جھورے نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ بھی نہیں۔" مالکے نے کچھ سوچ کر تلی میں جواب دیا۔

"ابھی تو خاصی خفی شک ہے مجھے علیحدہ لے کے کیسے چلا جاؤں۔ جھورے وہ بچی بچی مشکل کا ہو اور ملاح سی کرا دیا اس کی صورت کا۔ ملاں مجھے جا کر اصل کھل جا جائے نہ ہے۔"

"اور اگر تیرا شک صحیح نکلا؟" جھورے نے اسے کشمکش میں ڈال دیا۔

"میری مان مجھے نہ سہی میرے پیچھے ساتھ لے جا۔ ہسپتال کے گیٹ کے باہر کھڑے رہیں گے۔ کوئی اور چیز ہوئی تو سنبھل لیں گے ورنہ رب کھل کرے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" مالکے مطمئن ہو گیا۔

"پہلے میں ذرے سے ہو آؤں۔ ستار کی گھر والی یا کسی اور زنانی کو ساتھ لے لیتے ہیں۔"

"ڈاکٹری پہلے تو کسی خراب کی خشکر تھی۔"

"باہر آ گیا۔"

ستار نے تھوڑی دیر میں اسے اطلاع دی۔

باہر کا نام کبھی بھی اس کے لیے اچھا جاں افزا نہیں رہا تھا۔ ہی اس کا آنا کوئی خوشگوار بات تھی۔ اس کے باوجود آج اس اطلاع پہ اٹھتے ہوئے اسے اپنے اندر سکون نا تر محسوس ہوا۔

"کون لایا؟"

"آپ کی آنا جانی میں نے روکنا چاہا مگر مرا ہوا بیٹا تھا۔ منہ دبا چاہے کر کے اوپر چڑھ گیا۔ میں پیچھے گیا تو کمرہ بند کر کے سو گئی کیونکہ تھا۔"

"مرا ہوا۔۔۔ مگر بغلا دیکھ کے بھی فکر مند نہیں ہوا۔ بڑے پتھر تو کے مجبوری کر کے آیا ہے جو سر پہ گرتے ہی ہو گیا۔ میں خود جا رہا ہوں اس کی خبر میں بھگانے۔" دوسرے بڑے تیر کے اوپر چڑھنے لگا۔

"دروازہ کھلوا دے۔۔۔"

مالکے نے باہر کھڑے ہو کر للکارا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے پاؤں سے زور دار ٹھوکر رسید کی۔ چٹخنی نہیں لگائی گئی تھی۔ خستہ قفل لکڑی کا دروازہ ایک کرب سے آواز کے ساتھ کھل گیا۔

سامنے بستر پہ ایک ہیولیٰ مثل اوندھا گرا ہوا تھا۔ اس کے پیروں میں جوتے موجود تھے اور وہ گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ اس کا لباس بھی خلاف معمول و خلاف عادت خاصا میلا کچیلا تھا۔

"ہیں!"

مالکے کو جو اس کی بے ہوش تھی پر ناز آیا جو دروازہ کھلنے کی آواز پہ بھی نہیں ٹوٹی تھی اس لیے اس نے اس کے سر پہ کھڑے ہو کے آواز دینا لگا کر۔

بڑبڑ کا سا کچھ مسلسل کہہ دینے کی کوشش کرنے میں اس کی بے کاری بھی نکل گئی۔ شاید نشہ نہ ٹھنے کی وجہ سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ مالکے نے آگے بڑھ کے اسے شانے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"اوئے جھیڑ تیرا۔۔۔؟" اس کی غنودگی سے بوجھل آواز ابھری۔

"ہوش کرو بنتِ انسان۔" اماں نے اسے کالر سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور سیدھا کر کے چھوڑ دیا۔ اب وہ بستر پر بیٹھی آنکھیں پھاڑے اسے تک رہا تھا۔ شاید ہوش و حواس کی بحالی میں اسے کوشش کرنا تھا۔

پھر اس نے ایک جھرجھری لی۔ شاید اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔

کنپٹیوں کے نس و اٹھنے لگے۔ چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ پھر کے کوفت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"نہ تم نہیں ہے قدر ہیں۔" لڑکھڑاتے ہوئے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل تھا کہ شاید اماں کا گھر اپنے کرائے کی رقم کی وصولی کے لیے تڑپ رہا ہو اس کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ اور کچھ کچھ حیران بھی تھا کیونکہ اس سے قبل اس نے اپنے کو تنہا کسی کے بھی گھر کے اندر گھس کے ایسا مطالبہ کرنے کی جرات نہیں کی تھی۔ شاید آج ایسا اس لیے کر گزرا ہو کہ گھر خالی تھا۔ یہ خالی پن اور پیاس کی تیز بھوک کی شدت میں پریشان ہوا تھا۔ اس نے فرض کر لیا کہ وہ اپنے سمجھے گئی ہوئی بے سبب بھی طبیعت کی گری گئی حالت بھی بے حد محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آتے ہی بستر پر گرتے ہی سو گیا تھا۔

"نہیں مارو بچو، کچھ بھی کر لو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس واقعی کچھ نہیں ہے۔"

"کچھ نہیں ہے تو تمہیں اس واقعی کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں تحکمانہ غیر معمولی بات تھی کہ بار بار چونکا نا پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس وقت تم سے زیادہ بدنصیب شخص اور کوئی نہیں، بدنصیبی تو سب پر لوٹتی ہیں مگر تو وہ بدنصیب بندہ ہے مثل اپنے اپنے گھر کے لٹنے کی خبر تک نہیں ہے اور تو ہی وہ اکیلا تو ہے ایک دفعہ بھی گھر آتے کے بعد یہ نہیں سوچا کہ یہ گھر اتنا خالی خالی کیوں ہے؟"

"تمہیں کیا؟ تمہیں اس گھر کے کرائے سے مطلب ہونا چاہیے۔ اس گھر کے افراد کے نہیں آنے جانے میں دلچسپی لینا تمہارا کام نہیں۔"

باپر نے تیوریاں چڑھا کے اپنی ناگواری جتائی۔ اس کے حواس جیسے واپس لوٹ رہے تھے۔ اس کی رعونت اور اکڑ بھی سر اٹھا رہی تھی۔

"اب گھر کے رکھے (رکھوالے) یہ کام کرا جھونپڑیں تو مجھ دار لوگوں کو خبر رکھنا پڑتی ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ تمہاری بیوی کہاں ہے اس وقت؟"

"تمہارے خیال میں تمہاری بیگم کا نام مت لینا۔ تمہاری بات کر کے ہمیں مشتعل کرنا چاہتے ہو۔ مت قریب آ کام کھو جانے سے تمہارے گھر والے آگ لگا دے گا۔ تمہیں اپنا بیگم پر مکمل اعتماد ہے تو پورے حل میں وسوسہ پیدا کر کے بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔"

"اور وہ تمہارا دوست جو اپنا ملک مغیل بتا رہا تھا اس پر کتنا اعتماد ہے؟"

اس نے بے سروپا الزام نظر انداز کرتے ہوئے اگلا سوال کیا جس سن کر باپر ایک لمحے کے لیے سن ہو گیا۔

"ملک مغیل؟" بہت دیر بعد اس کے لبوں سے یہ نام سرسراتا ہوا نکلا۔

"ہاں دوست ہے تمہارا؟"

"تم کیسے جانتے ہو اسے؟ اور۔۔۔ اور کیا وہ یہاں آیا تھا؟ تم اس کا نام ہماری بیگم کے ساتھ لینے کی جرات کر رہے ہو؟"

"باپر نے تمہارا سوال کر ڈالے۔

"آرام سے مغل۔۔۔ آرام سے۔ اتنا کچھ تعجب نہیں۔ اس نے دنیا میں کچھ نہیں ہماری اتنے سال بندے کی بھی پہچان ہے اور عورت ذات کی بھی۔ جس بندے پر ایک گہری نظر ڈالوں اس کا اگلا پچھلا جان لیتا ہوں اور جو عورت نظر نہ آئے اس کے بارے میں بھی جان لیتا ہوں کہ کتنی سچی، کتنی مخلص ہوگی۔ تو میرے

نظر میں کیا ہے، یہ جانتے دے مگر تیری گھر والی کی صرف میری نظر میں ہی نہیں اس پوری کالونی میں بڑی عزت ہے۔ میں اس محلے اور شریف عورت کا نام کسی کے ساتھ نہیں لے رہا صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ کیا ملک مغیل تمہارا قریبی دوست ہے۔ تمہارا اختیاری دوست؟"

"ہاں اور اختیاری دوست؟ ہونہہ۔۔۔ دوست کسی کا دوست ہو سکتا ہے۔ تم کیا کسی کو اختیار ہو سکتا ہے۔ تم کیا کیا چاہتے ہو؟"

"یہ دوست بنانا ہی بے اختیار ہے تو اسے اپنے گھر کا رستہ کیوں دکھایا کہ مطلب اور وہ بھی اس حال میں کہ گھر میں زر کھوانی کے لیے ہمارا بھی نہیں ہے۔"

اکبر نے تاسف سے سر ہلایا۔

باپر ہاں مغل کے ذہن میں اپنے سر سرانے لگے۔

"سیلاب مت دیکھو آ۔ صاف بات کرو ہم سے۔ ہم نے کبھی ملک کو گھر تک نہیں آنے دیا۔ اس سے ہمارا اور بھی تعلق ہے دوا ہر کی حد تک ہے۔"

"ہوا آئی تھا یہاں۔۔۔ اور تمہاری بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں لے کر چلا گیا۔"

"چلا گیا؟۔۔۔ لے کر چلا گیا؟ کیا؟ مطلب؟ اور بے ہوشی؟ کیا ہوا تھا انہیں؟" وہ چیخ اٹھا، ہکلا گیا تھا۔

"تمہیں؟ ہوا چاہیے۔ مجھے کیا خبر کیا ہوا تھا۔ اتنا پتا چلا کہ طبیعت خراب ہے۔ میں نے اور آس پاس کے چند لوگوں نے۔ رقم دینے کی کوشش کی مگر وہ تمہاری اور اپنی دوستی کی دھونس دے کر چلا گیا اور ساتھ میں تمہاری بیگم بھی تھی۔"

یہ سنتے ہی باپر کے ہوش تلے سے زمین کھسک گئی۔

○ ○ ○

نیاز کھر کے اشارہ کرنے پر وہ مایوس انداز میں دائیں کے پاس سے اٹھ گئی۔ ویسے بھی وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔

"ہاں کیا بات ہے بھونسہ۔۔۔"

"بڑی بدبو ستر قسم کی حالت جان پڑتی ہوئی ہے۔ ایمان سے لگ رہا ہے۔ تمہارا یہ روپ بھی بڑا قاتل ہے۔ تم تیر ہو انداز میں چھپتی ہو یہ ڈھلا ڈھلا سا ماہ سا جو ڈیلی سی ہو اور تھوڑی سی تھوڑی سی ہو اب زیور کے بغیر بالکل تالہ جلا دیا ہے جان جانب تیر لگ رہی ہو اور رسلی ہوا رہا ہو کہ نیاز کھر کا دل کسی تالہ، ہاں یا چابی بھول گئی جیسی چیز کو دیکھ کے بھی مچل رہا ہے۔"

"تم نے یہ کوس کرنے کے لیے مجھے بلوایا ہے۔ چند منٹ سے زیادہ بند کر کے رکھنا مشکل لگ رہا ہو گا۔"

نگاہ نواب نگاہ نے اسے دیکھا۔ وہ بڑی قباحت کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

"نہیں خیر یہاں تو کسی اور بات کے لیے ہے۔ تو تمہیں دیکھ کے ایک قبول آیا، موکھ والا۔ کتنے ہے کون سے ہیں کتنے ہیں۔"

"اور تمہیں ہر وہ کام کرنا ہے جس پر پیسہ ملتے ہوں۔"

وہ ایک اور نظر کر کے واپس مڑنے لگی۔

"ایک منٹ اگلو بی۔۔۔"

"تیرے پھر تمہیں بی کہا۔ ذرا پنکارتی۔"

"تیرے پھر منع کیا ہے کھمبیاں مت کہا کر۔ میں کوئے کی پیداوار نہیں سمجھے۔"

"چلو بیگم کہہ لیتا ہوں، زوجہ محترمہ۔ یا بھلے لوگ کہہ لیتا ہوں۔ اس وقت تو اس ذرا سے میں تمہارا ہی کرا،

ہے اور میں نے اصل میں یہی بات کرنی تھی تم سے ویسے تو تمہارے ساتھ اس قسم کی تکرار کا مزہ ہی اور ہے مگر پھر کبھی کسی نئی اٹھل کام کی بات اور وہ یہ ہے کہ تو دانے کا آگا اینکٹ شروع کرو تاکہ جلدی جلدی کلا نمکس ہو۔ اسے ساتھ لے لو تکلیف بھی اس کا کوئی کا آئیں تو نہ بایا مکمل خرچ ہو جائے گا۔"

"میاں نے کئی بار کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے کہ کھالی اور تیمور وغیرہ۔ مگر ان ای نہیں رہی۔ ڈاکٹر نے اپنے ساتھ لے جانے کی تکرار کی تو شک میں پڑ جاتی ہے۔ مگر ہے اور تجھ بھی تم کو بھی وار بہت ہے ای سیانی ماں کی اولاد ہے۔"

"اماں ہی سیانی ہو کی تاب تو۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں کیا تو تیمیں نرالا کہوں۔" یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

اگلا دن پیش آئی تو وہ کلثوم کو اپنی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے پایا۔ اس کی نگاہوں میں کوئی ایسا احساس تھا کہ وہ گڑبڑا گئی۔

"ہماری امی حضور کو کب ہوش آئے گا؟"

بالآخر اس نے خود سوال کیا۔

"ہمارے کا فکر مت کرو۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ اتنی جلدی ہوش میں آنا ان کے لیے اچھا نہیں۔ یہ بے ہوشی تمہیں ہے۔"

اس نے بات بنائی ورنہ یا سکتی یہ یہاں آنے کے کچھ دیر بعد ہی ہوش میں آ چکی تھی۔ اسے صرف دو کا ایک ہوا تھا اور آپریشن پورا شدید نوعیت کا تھا مگر بے ہوشی کمزوری اور بھوک کی وجہ سے تھی۔ چند انجکشن اور ڈرپ لگنے کے بعد اسے خاصا افاقہ ہو گیا تھا اور اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہ یہی جانتی تھی کہ بیمار کے کسی جانے والے نے اسے یہاں داخل کرایا ہے۔ اسے یہ خبر بالکل نہ تھی کہ امی ہسپتال میں اس سے زیادہ اور اس کی معصوم بچی بھی موجود ہے۔ وہ اپنے سوچ پر چپ چاپ پڑی اس انجان فرشتے کو دعائیں دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ دل ہی دل میں مگر مندمول بار بار اصغر کو اپنے پاس حضور میں سے کسی کی آمد کی منتظر بھی تھی۔ یہ انتظار جتنا طویل ہو جاتا وہ اتنا اس کی تشویش اتنی ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا مجھے خبر ہے سلیمہ ہوش میں آ گئی ہیں۔"

نیاز کمرہ کمرے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس آتے ہوئے خوشی سے بتایا۔

وکلثوم فوراً کھڑی ہو گئی۔ شدت جذبات سے اس کے آنسو سرخ لبوں اور نازک گلی سے گالوں پر بہنے لگے۔ شاید وہ خوشی کی زبان سے اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

"ہم۔۔۔ ہم ابھی ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"آپ ہمیں ان کے پاس لے چلیں۔" وہ نگاہ کا اتنا تمام کے انتظار کرنے لگی تو وہ اس الجھن سے اپنا ذہن بنا کر اس کا شانہ تھپکنے لگی۔

"ہمیں آنکھ تو آنی ہی چاہیں اور وہاں جانے کی کسی کو اجازت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک گھنٹے تک انہیں کمرے میں منتقل کر دیں گے اور کچھ ہلکی پھلکی غذا بھی کھانے کو دیں گے۔ تم ایسا کرو جلدی سے جا کر کوئی دلیہ انڈی اور چائے نیوٹ لے آؤ کوئی اپنا ہوا ہو تو اسے لے آنا یا ان کے اسپتال کے گھر سے تو اب تک کوئی آئی نہیں۔ میں ذرا بہو دھیں لے کر آتا ہوں۔ تم جلدی جاؤ اور جلدی واپس آؤ۔"

وہ بادلہ کی جانب نکل گیا۔

"اب کیا کریں۔" نگاہ نے فکرمندی بھرے سہمے کلثوم کو دیکھا۔

"ویسے تو میرا گھر ادھر سے نزدیک ہی ہے۔ دس منٹ پہ آنے جانے میں پندرہ منٹ لگیں گے کھانا دلیہ اور چائے بنانے میں بھی بھلا کتنا وقت لگتا ہے پھر بھی آدھے گھنٹے سے اوپر لگ جائے گا۔ تمہیں کیسے ادھر اکیلا چھوڑوں۔"

اس کے حسب توقع کلثوم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"تم ایسا کیوں نہیں کہتیں کہ میرے ساتھ ہی چلی چلو۔ میرے گھر میں ہم دونوں میاں بیوی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اکیلا وہ سست بس پہ چلے اور یہ واپس آئے۔"

"مگر ہم۔۔۔" وہ تذبذب تھی۔ اس نے اب تک اپنے گھر اور بابا کے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر میں جھانک کے بھی نہ دیکھا تھا۔

"تمہیں ہوں کچھ نہ ہو دوں۔ نیاز یعنی میرا بندہ ابھی بس پاور سٹیشن تک چھوڑنے کر جائے گا مگر تجھے بات ہے تمہیں آج کل کے زمانے کا اعتبار نہیں۔ اپنے خاوند کا بھی نہیں۔ طرح طرح کے منظر ادھر سے گزر رہے ہیں۔ مارے ہی تمہیں گھورتے ہوئے کسی دن سے تمہیں اکیلا چھوڑ کے جاؤں۔"

اس کے احساس دلانے پر وہ گھبرا کے ادھر ادھر جھیلنے لگی۔ اسے لگا جیسے وہ ساحل کی چادر پوری کے اندر نہیں کسی بے حیثیت ویران جنگل میں تنہا کھڑی ہے۔

آس پاس سے ہلکی ہلکی دوری میں بسوں اور ویگنوں اور سفید اور دل میں ڈاکٹر نہیں گزر رہے بلکہ کوئی خونخوار درندے ٹہل رہے ہیں۔

وہ سراسیمگی سے پہلے ہی اچھی طرح ڈوبی جا رہی اور ابھی کس کے لیے لیٹنے لگی۔

"تم بھولی بھی تو بہت ہو۔ دنیا کا کوئی بھی نہیں۔ ایسے جیسے پہلی بار آنکھ کھولی ہے۔"

یہ بات لگانے سمجھ کی تھی۔

"چلو تم میرے ساتھ۔ نہ باہر میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

اس دفعہ مشورہ نہیں کر رہی تھی۔ نہ پوچھ رہی تھی بلکہ اپنا فیصلہ سنا رہی تھی اور کلثوم نے اس فیصلے پہ چپ چاپ سر تسلیم خم کر دیا۔

وہ اسے کہتی سے تو تم کے اپنے ساتھ لے جانے لگی۔

ہسپتال کی وسیع عریض پارکنگ سے باہر نکلتے ہی اسے نیاز کھڑا کھڑا نظر آ گیا۔

"لو تمہارا آنا ہے۔ مٹیڈرس میں نے سمجھا دیا ہے۔ جلدی کرو۔" نگاہ نے ایک نظر اسے دیکھا ایک نظر کلثوم کو پھر کچھ سوچ کر کلثوم کا بازو چھوڑا۔

"ذرا ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ نیاز کو کھڑا کر کے ایک طرف کونے میں لے گئی۔

وکلثوم کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ اتنے ہجوم میں بالکل تنہا کھڑی تھی۔ سامنے سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ آس پاس بہت سے لوگ گاڑیاں پارک کر رہے تھے یا نکال کے لے جا رہے تھے۔ کچھ ہسپتال کے اندر کی جانب لپک رہے تھے آ کچھ باہر آ رہے تھے۔ کسی کی توجہ بھی اس چھوٹی سی لڑکی کی جانب نہیں تھی لیکن اسے لگ رہا تھا ہر کوئی اسے ہی گھور رہا ہے۔ اسے اپنے بدن پہ چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

یہ چار سال سے اپنے حویلی تھا بھلا کیسے بے باکی محسوس ہو رہی تھی۔

"اب کیا ہے نگاہ بیلی کل نہیں تک رہا میرے ساتھ تو کوشش میں کیے بغیر؟"

وہ مسکرا رہا تھا وہی خبیث ٹیکل اور عکسدی مسکراہٹ۔

"یہ تو بتاؤ اسے چھوڑنا کہاں ہے ملک مقبول کے ڈیرے تمہارے ڈیرے؟"

"جہاں میرے رکھنے والا نے جائے۔" اسے کلسانے کو پھر مسکرایا۔

"تو اکیلا؟" اس نے بھی بچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"وہ ہاں جنہیں لے جائے؟"

"بری بات اپنے گھر کو جہنم نہیں کہتے۔"

"ہاں بھئی ملک صاحب کے آدمی ہیں۔ گھبراؤ نہیں کوئی عمر بھر کا جو نہیں ہے۔ دھوکہ بھی کوئی دو تین دن کی بات ہے۔"

"اب کوئی ذکر نہ کرنا۔ میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتی۔ پکڑا جائے تو دس ہزار دس ہزار روپے کے لیے کوئی ایسا رسک نہیں لے سکتا۔"

"گھبرا رسک؟ ذرا سی چھوکری ہے۔ کوئی ہیروئن یا کوکین کی تھیلی نہیں جو اپنے مکان میں رکھنے سے گھبراؤ۔"

"ذرا سی چھوکری نہیں ہے۔ یہ کسی ہیروئن کی بیٹا سے کم نہیں۔ کھوکھر خانوادے کا معاملہ ہے۔ پورے بھی بالغ لڑکی کا پتا نہیں اس کے والی وارث کون ہیں۔ کہیں چھلاوہ بن جاؤں بڑی مشکل سے سر چھپایا ہے۔ بھئی ہوں۔ اس سال میں یہ آفتاب نکالنا ہے۔ اب اور خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میں نہیں رکھ سکتی اسے۔"

اس نے صاف انکار کر دیا۔

"ہمارا جو ہائی فائی فلیٹ میں رہو گی۔ بات صرف دس ہزار کی نہیں۔ یہ تو ایڈوانس ہے اور وہ بھی صرف اس ڈر سے کہ جو نہ ہو ابھی اس لڑکی کے سامنے کہا ہے۔ اسے اپنے گھر میں بند رکھنے کا معاوضہ الگ۔ اور گاہو رہ تمہاری امید سے زیادہ ہو گا۔ باقی چھاپہ بوجھو کی فکر نہ کرو۔ کوئی اتنے بھی تاکی والوں کی لڑکی نہیں ہے۔ پیار مغل کی لاڈلی ہے۔ ایسے ایسی خبر نہیں ہوتی۔ یہ کیا خبر لے گا۔"

"مغل صاحب کی؟" اس کی حیرت زدہ ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر مزے کے اس لڑکی کو دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ اب اسے بڑا نیا اس کا لب و لہجہ کس کی پیروی کا تھا۔

"مگر ملک نے مغل کی بیٹی میں دلچسپی کیا؟"

"وہی لیون بین کا معاملہ۔ کوئی اخوار خبر نہیں۔ یہ ہے۔ ابھی ہو تا تو ملک صاحب تمہارے پاس کیوں لکھوانے آتے۔ اب تک جو بھی بھگتا ہوتے۔ دراصل مغل نے بڑا زبردست فراڈ کیا ہے۔ ملک صاحب کی رقم شرافت سے واپس کر جاتے اس لیے ملک صاحب نے اسے تڑی لگانے کے لیے یہ کھیل کھیلا ہے۔ تمہارے پاس اس لیے بچی چھوڑ رہے ہیں تاکہ یہ محفوظ رہے۔"

"تمہاری اس بات پر تو میں یقین کر لوں مگر یہ یقین نہیں ہے کہ باپ اس دھمکی میں آئے گا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہ لے کر فرار ہو جائے۔ مسٹر سمجھے؟"

"تم نے کاہے نہیں۔ باپ ہے لڑکی کا۔"

"ایسے بڑے باپ دیکھے ہیں۔" وہ زہریلے انداز میں ہنس پڑی۔

اسے اپنا باپ یاد آ گیا تھا۔

بھورے پہلوان کے حسن آدمی نے ہسپتال کی خبر دی تھی۔ اسی کے ساتھ ماکھا گجر اور باہر والوں مغل رسان پہنچے۔

"جی ہاں۔ اس کام کی خاطر ان ہی ایڈمٹ ہوئی تھیں۔ روم نمبر ایک میں لیکن ابھی کچھ دیر قبل ان کا ڈسچارج آرڈر ہو گیا ہے اور جو صاحب انہیں ایڈمٹ کرا کے گئے تھے ان کا کال ہر سے رکھ چکا تھیں۔ نمبر انہوں نے لکھوایا تھا۔ اس پر بھی بریکٹ نہیں ہوا۔"

اگلا آدمی کلوز تر سے دو اطلاع ملی اس نمبر پر کے بارے میں تو اس بھی چھین لیے۔

اس کی کانپتی ہاتھوں نے اس کا چہرہ اٹھانے سے انکار کر دیا۔

● ● ●

"لے گیا۔ لے گیا۔"

باہر والوں کے کانپتے ہونٹوں سے سسکاری کی مانند یہ جملہ اٹھا۔ اسے گھیرنے اسے سہارا دینے کی کوشش کی مگر وہ کسی بے جان چیز کی طرح اکڑ کر پیچھے گر پڑا تھا۔

"ہوش کرو۔ ہوش سے چلو۔"

ماکھے نے نیچے کے فرش پر ٹانگیں پاؤں پھیلا کے سکنے کی حالت میں بیٹھے باہر کا سلسلہ نصیحت کے نسلی نیچے کی کوشش کی۔

"ذرا لے لیا ہماری صاحب زادی کو ملک صاحب نے۔ کیا ہم کیا ہمت پکڑیں اور کیا ہوش کریں۔ اب کیا ہوش کریں گے ہم۔"

"مسئلہ یہ ہے باہر والو۔ بھئی اس وقت اپنے حواس میں نہیں تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ کرنے اسے بری طرح جھنجھوڑا۔ "یہ وقت زنانخانے کی طرح نہیں ہے۔ بیٹھ کے سایہ ڈالنے کا نہیں ہے۔ اٹھو اور چل میرے ساتھ اپنے اس بے خبر باپ کے پاس۔ خوف و دہشت میری دھی ہمورے پیاروں کی دھی ہم سب کی دھی۔ تو بھی کی عزت ساتھ ہوتی ہے مغل۔ ہمیشہ کے ہم سب تیرے ساتھ ہیں۔"

باہر نے خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب تک اسود کی رمق نہ باقی تھی۔

"ایں تو دہلے بھائی کا کیا کرتے ہیں۔ دیکھو تو سہی ان کی حالت کیسی ہے اور انہیں اپنی بچی کے بارے میں کچھ خبر بھی نہیں۔" اس بات پر باہر نے اپنا رد عمل ظاہر کیا۔ وہ جھرجھری لے کر چونک گیا۔

"ہمیں ان تو مت بتاؤ کہ تم ہو جانے ہیں انہیں اس حیاست کی خبر نہیں ہو گی ورنہ کیسی بھی حالت ہو وہ اس وقت بستر پر اٹھ کر کھڑی ہو جاتیں۔ بے خبر ہیں۔ انہیں بے خبر رہنے دو۔ انہیں بے خبری رہنا چاہیے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ ایک نظر دیکھ تو آؤ حالت کیسی ہے اب؟"

"نہیں منہ سے جائیں۔ تم ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اگر انہوں نے بچوں کے بارے میں کچھ پوچھ لیا تو؟"

"ہم کیا۔ ہم بتا دیں گے کوئی جھوٹ بول دینا۔ کون سا تیرے ہے تمہارے لیے۔"

ماکھے کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی در آئی تھی۔ جھوٹ میں اسے احساس ہوا تو وہ دل ہی دل میں ذرا شرمندہ سا بھی ہوا کہ یہ نہ تو موقع تھا نہ ہی باہر کی حالت ایسی تھی کہ اسے طعنوں کی مار مارتا جاتا۔ وہ شخص جو ہر کسی کی اخلاقی مدد کا نمونہ رہا تھا اس وقت قابل رحم حالت میں لیٹا ہوا اس کے سامنے تھا۔

"یہ صورت نہیں بولا جائے گا ہم سے۔" باہر نے اس کا لہجہ خاموشی سے پی لیا تھا۔

"خیر میں سوچا کہ بیٹھنے سے کیا ہو گا۔ بھائی کا سامنا کرنے کی ہمت کر لو اور اپنا باپ بنی ہو کا مغل جب تو اپنی دھی کو صحیح سلامت واپس لے کر آئے گا۔ سوچ لیا رہا ہے۔ ہو سرت کر ہمورے کے پیچھے میرے ساتھ ہیں۔ سو دھنیا رہیں گے تیرے ملک کو محرام خود کام نکل جائے گا۔"

ماکھے کی اس بات پر باہر والوں مغل کے زور پر ہی تو ہاں پہ ایک مدہوش سی مسکراہٹ بھیل گئی۔

"تم ملک کو کیا سمجھ رہے ہو۔ کیا وہ تیرے جیسے گلی محلے کے معاش کے لوگ تھے کہ شاگردوں کے بیٹے چرا جانے کا واقعہ اتنی آسانی سے اس کے ساتھ اٹھا لیں گے۔ آدمی سے بلاوی کا رد کھڑے ہوتے ہیں اس مردود کے وقت کا ہر۔ اور اب تک تو وہ تو نہیں کہاں اپنی منحوس شکل لے کر روپوش ہو چکا ہو گا۔"

اس کے ساتھ ہی اس کا دل ایک بار پھر ڈوبنے لگا۔ اپنی معصوم بچی کی پاکیزہ صورت اس کے ذہن کے پردے پر لہرائی تھی۔

وہ اپنی بجھتی ہوئی آنکھیں مسل کر فیصلہ کن انداز میں باہر کی جانب پلٹا۔

"ہم جانتے ہیں وہ کہاں ہو گا۔"

"تم مغل تم اکیلے مت جاؤ۔ ہم چلتے ہیں تمہارے ساتھ۔" ماکھے نے اس کا ہاتھ تھام کے روکا۔

"تیرے بس کی بات نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں اور معاملے کا بڑا حق ہوتا ہے۔"

اس کے اس سادہ چہرے پر طنز سے بھری کڑوی مسکراہٹ کی جھلک خلوص ہی خلوص تھا۔ اس وقت ایک سو طور کی بجائے خلوص کا سچا جذبہ رواں دواں تھا۔ وہ نہ تو خالہ اس کی محبت سے متاثر ہو کر ساتھ لے جانے سے

نرمی کے ساتھ انکار کر دیا۔

"وعدہ کر جائے گا۔ ہم اس حرود کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ اسے اللہ کا ڈر نہیں، ہمارا کیا ہوگا۔ ہمیں پتا ہے وہ آسمانی سے یہ بانے کا ہی نہیں۔ ہم لوگ ساتھ ہو گے تو معاملہ الٹ بھی سکتا ہے۔ ہمیں اپنے طریقے سے بات کرنے دو۔"

"چاہے تمہارا طریقہ کوئی ہو۔ بازی کون کرے گا؟" مالکہ نے تیوری چڑھا کے پوچھا۔

"مجھے تو پہلے ہی شک ہے تمہاری کہ تمہاری کسی کرتوتوں کی بھینٹ چڑھی ہے۔ یا تو تم اس کا مال بجا کے بیٹھ گئے، یا کوئی فراڈ کیا ہے یا پھر کوئی بڑا کام کروانا چاہتا ہے تم سے اور اب تم بے غیرتوں کی طرح اس سے سودے بازی کرنے جاؤ گے۔ یہی نہ معاملے میں یوں اس من کر کے بات کرنے تمہیں حیا نہیں آئے گی۔ یہ بیت جیرے رکھو۔ کے کلاشنر گل اور جیرے کوئی سوہل والا کام ہے۔ یہ تیرے اندر مغلوں کا خون دوڑ رہا ہے۔"

مالکہ نے اس کے اندر غیرت و حمیت جگانے کی کوشش کی۔ وہ اب اس کے ساتھ ساتھ بیٹھا اسٹال سے باہر نکل رہا تھا۔

"خون۔" اس کے قدم ٹھٹکے پھر کچھ تھم سے گئے۔ اس نے اپنا ڈوبتا ہوا بھاری ہوتا سر تھاما۔ جو شدت سے اس وقت نشے کا طلب گار ہو رہا تھا۔ اس نازک وقت میں بھی۔

"خون نہیں ہماری رگوں میں تو شراب دوڑتی ہے۔" وہ جھنجلایا اور اپنے من من بھر کے قدم ایک بار پھر آگے بڑھا دیے۔ نزدیک سے گزرتے رکشے کو اس نے ہاتھ دکھا کے ایک بار اسے روکنا چاہا۔

"ضد نہ کر مثل ایسے بے بس کی بات نہیں۔"

"ضد تم کر رہے ہو اپنے ہم نہیں۔ ہمیں تمہارے خلوص پہ شبہ نہیں لیکن تم کتنے بھی بڑے سورما ہو۔ جب را تنہائی بلا بد معاش ہو تم لوگ ملک متوقل جیسے بے غیرت میں ہو اس لیے نہیں جانتے کہ کسی بے غیرت سے کیسے نبٹا ہے۔ ایک بے غیرت کو دوسرا بے غیرت ہی صحیح پہچان سکتا ہے۔ یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہمیں اپنا بے تصور بیچ کر اپنے گناہوں کی بھینٹ چڑھنے سے کیسے بچانا ہے۔"

وہ ایک کے رکشے میں سوار ہو گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پہ ایسے تاثرات تھے کہ مالکہ کچھ جواب دینے کے منع کرنے کے باوجود زبردستی اس کے ساتھ رکشے میں سوار ہونے کا ارادہ رکھتا تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"تو گھر لو نہیں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

نگاہ نے پکارتے ہوئے رکشش سے کہا جو اس کے تنگ و تاریک فلیٹ میں داخل ہوتے ہی جھجک کے رک گئی تھی۔ اب اس کا اگلا قدم اٹھنے سے انکاری تھا۔

اس کی جھجک کی وجہ اس فلیٹ کی بدہیئتی اور بے سروسامانی کی کیفیت نہیں تھی۔ وہ کون سا محلوں میں رہتے کی عادی تھی۔ اس کا ایک کمرے اور مختصر سے برآمدے والا گھر اس فلیٹ سے بھی تو ہے رتبے پہ تھا۔ ہاں مگر اتنا ضرور تھا اس کے ایک کمرے کے چپے چپے سے آبادی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جبکہ اس کو کوئی احساس اسے اس دو کا کمرے کے مکانوں میں اسلام زادہ جھوٹے سے کندے پہ بنے اور برآمدے والے فلیٹ سے نہیں ہو رہا تھا۔

وہ اندر داخل تو ہو گئی تھی مگر اسے دیکھ کر کمرے کی بھرائی نظروں سے اور کرکا جانے لے رہی تھی۔ یہ مستقبل نہ ہو کہ اس کے ایک کونے میں پڑی تھا جس میں ابھی ابھی نگاہ کسی تھی اور کھلونا پڑا کہیں نظر آ رہی تھی۔ سامنے دونوں کمروں کے دروازے کھلے تھے اور اپنی مکمل حالت کا نظارہ پیش کر رہے تھے۔

ایک کمرے میں زمین پہ بچھا قالین۔ پلاسٹک کی اپنی خستگی کا مکمل منظر اپنائے ہوئے تھی۔ ایک بھی نظر آ رہی تھی مگر خود رکشش کو خوش کر رہی تھی وہ اس کمرے کے دروازے کے بالکل سامنے لگی تھی۔ تھی سستی سی پینٹنگ۔

جس میں ایک نیم عریاں رقاصہ چند انسانی ہڈیوں پہ رقص کے سے انداز میں بیٹھی تھی اس کے عریاں شانے پہ ایک کھوپڑی بھی دھری تھی اور انہوں نے خون رس رہا تھا۔

ایک تو یہ وحشی انداز اس پہ یہ عریانی۔ نظر کی چراسنے پہ مجبور ہوئی۔

اور یہ چار نظریں دوسرے کمرے کی دیوار پہ بے ترتیب ٹنگی تھیں۔ شاید یہ بیڈ روم تھا۔ میلی کثیف سی چادر بیڈ سے جھول کر نیچے کو ہی تھی تکیے بے ترتیب تھے اور بستر پہ ایک زنانہ شب خوابی کا لباس بھی بکھرا نظر آ رہا تھا۔

زمین پہ بھی چند جوڑے کپڑے ہوتے دیوار پہ بے ترتیب بکھرے ہوئے تھے اور ابھی ایک پہ ایک تکیے پھر تکیے۔ کشکار سیریز۔ تمہارا کش حسن کی اشیا کا ایک دیوار کا تھا اور دیوار پہ لگی تصویر۔ یہ تصویر نگاہ کی سی تھی مگر وکشش کو ذرا غور سے دیکھنے پہ پتا چلا وہ اشتعال میں مرتی تھی۔

کمال یہ چادر کی بکل میں سادہ چہرے اور گھر پہ جلنے والی عامی عورت اور کہاں تصویر میں اشکارے مارتے حسن کی مالک۔ سیاہ حسن کے بال بل میں موتی پروئے ہوئے تھے اور جو کسی ماہر مشاطہ کے فن کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ حسن کے ہر دو کی جنبش تصویر میں بھی محسوس نظر آ رہی تھی۔

وکشش اس تصویر کے حسن سے مرعوب ہوئی۔ اس کے کم مرادر ناپختہ ذہن میں کہیں اس تضاد نے کوئی سوال نہ اٹھایا۔

"آپ تک کھڑی ہو جیسو۔" نگاہ بالآخر کچن سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی ٹرے تھی جس میں دو گلاس شربت سے بھرے تھے۔

"تو تم یہ پیو میں جلدی سے دیکھ تیار کرتی ہوں۔"

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ عدہ کرتے ہیں۔"

"تکلف کی کوئی بات ہے۔ موسم بھی تو کتنا گرم ہو رہا ہے اور تمہارا تکلف دیکھو اپنی بات بنا رہے ہیں۔ سب پی کر ذرا ہاتھ منہ دھو لیں تو میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

وکشش بس پیشکش پہ سلیقے سے انکار کرنا چاہتی تھی کہ نگاہ نے خود ہاتھوں سے گلاس تھام کے اس کے لب سے لگا دیا۔

"ابھی تو بہت تکلف کر رہی ہو۔" اس کے لبوں پہ جھلکتی انتہائی کھلا گریبان وکشش کو نظر چرانے پہ مجبور کر گیا۔ وہ چپ چاپ شربت پیتے لگی۔ نگاہ اندر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

چادر تو تھی ہی اتار کے ایک جانب پھینک چکی تھی جس نے اس کی مخصوص چال اور تنگ تنگ کا کافی حد تک پردہ رکھا ہوا تھا۔ اب وکشش کو اس کے تنگ تنگ والے لباس میں قید بدن کی بے باک حرکتیں اور ہر اٹھتے قدم کے ساتھ تھل تھل کھانے نادر اور حیرت میں ڈال رہے تھے۔ اسے بہت الگ سی لگ رہی تھی۔

اپنے گرد پیش کی ان تمام عورتوں سے الگ۔ جن کو وہ جانتی تھی بالکل اس گھر کی طرح جو اس چال کے سب گھروں سے بالکل مختلف لگ رہا تھا جو اس نے اپنی اب تک زندگی میں دیکھ رکھے تھے۔

"آپ کے بچے؟"

چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے مبہم سا سوال کیا۔ وہ برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھی تھی اور نگاہ کچن میں اس کی جانب پیٹھ موڑے پکا رہی تھی۔ مرد ہوں کا درمیانی وصلہ چند قدم سے زیادہ نہیں تھا اس لیے نہایت شدہ مدھم آواز میں کہے اس کے سوال پہ اسے نگاہ نے بیچ کیا۔

اور اس عام سے ادھورے ابھارے ہوئے ضرور سے سوال نے نجانے نگاہ پہ کیا اثر کیا کہ اس کے متحرک ہاتھ تھم گئے۔ اس نے ذرا کمر کی موڑ کے اس چھپی سی لڑکی کی جانب دیکھا جو اپنے پاکیزہ مقدس وجود کے ساتھ اس کے متعفن گھر میں بیٹھی بہت اجنبی سی لگ رہی تھی جیسے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق۔

"کیا کہا تم نے؟"

شاید دیکھ کر کسی نے اس سے یہ سوال کیا تھا اس لیے جواب دینا یا نہ دینا تو بعد کی بات تھی پہلے اس سوال کو آپ سوچ کر ہنسنے کی بجائے رونے لگی۔

تھے منے ہاتھ اسے اپنے وجود پر دستک دیتے محسوس ہوئے۔ ایسے تھے منے ہاتھ جو منی میں تھمرے تھے۔ قبر میں ملی تھیں۔

"تم نے آپ کے بچوں کے بارے میں پوچھا ہے؟"

دکشنا نے اس بار ذرا بلند آواز میں اپنا سوال دہرایا۔ اور سمجھی کہ شاید اس کی آواز اس تک نہیں پہنچی۔

"وہ نہیں گئے ہوئے ہیں؟"

بھوکا گلا زخم کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلانے پہ اکتفا کیا اور منہ پھیر لیا۔

"اندر چلی جاؤ ہاتھ روم کا دروازہ بائیں طرف ہے۔ اس کمرے کے اندر ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے مڑ کے دیکھا۔ گلاس خالی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور اسے ہاتھ روم جانے کی ہدایت کی۔

دکشنا خاموشی سے اٹھ کے اندر چلی گئی۔

اندر جاتے ہوئے اسے اپنے قدم معمول سے بھاری محسوس ہوئے۔ چند قدم کا فاصلہ اسے خاصا طویل لگا۔

"گناہ کا بوجھ ہی واقعی تھکن کا شکار ہے۔"

اس نے کمرے میں آ کر بلکہ ہاتھ روم کے دروازے کے وسط میں ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھٹک کے اس بھاری پن کو دور کرنے کی کوشش کی اور زور زور سے پلکیں جھپک کے کمرے کا جائزہ لینا چاہا۔

اس کمرے میں ایک لوہے کی رنگ اڑی ہوئی ٹرنک کی مانند خوردہ سنگل بیڈ اور ویسی ہی حالت کے ایک جنگلے کے آئینہ والے سنگھار میز کے علاوہ اگر کچھ تھا تو دیوار پہ لگی ہوئی تصویر تھی جس میں نگاہ اور اجاں اور اکا سارہ بیا پائے ہوئے تھی۔

چھت کا پنکھا بند تھا مگر وہ بھی دکشنا کو ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ ہاتھ روم آ کر اس نے صحن سے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے اس کے سر پہ ڈالے اس کے بہتے ہوئے بال رب تھے اور یقیناً "مدوم" بھی ہو رہے تھے کیونکہ اسے یک لخت بھیگنے میں بھی بوجھل پن کا احساس ہو رہا تھا۔ ہاتھ روم میں ایک عجیب سی بدبو تھی جس سے اس کا جی متلانے لگا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ تب تک منہ پر پانی کے چھپاکے مارتی رہے۔ تاکہ ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ بلکہ سر پہ بھی پانی ڈالے آ کہ طبیعت بشاش بشاش ہو جائے مگر اس بدبو نے اس کے تلوے جلنے لگے نہ رہا گیا تو وہ باہر نکل آئی۔

رنگ اڑے ہوئے قدم۔

نگاہ سامنے ہی کھڑی تھی اور متجسس نظروں سے اسے تک رہی تھی۔

"ہمارا سر چکرا"

بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کی زبان میں بھی لکنت آ گئی تھی اور الفاظ ادا کرنا خاصا مشکل لگ رہا تھا۔ زبان جیسے ربڑ کا کوئی موٹا ٹکڑا بن چکی تھی جو دانتوں کے درمیان بری طرح پھنسا ہوا تھا۔

اپنی اس حالت نے اسے سخت متوحش کر دیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

"میں نے کہا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ ایک ڈوز میں کچھ کھا لیا تمہیں۔ بہوری نہیں ہوئی اور اوپر سے پریشانی اور دل کی گھبراہٹ الگ کے علاوہ بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے اس لیے چکر آ رہے ہوں۔"

دکشنا کا رد تعریا "لاف" ہو رہا تھا۔ اس تک نگاہ کے تلفظ پہنچ رہے تھے مگر خاص اثر نہ کر رہے تھے۔ غالباً ہو تھکن کے ساتھ اس نے خود کو یقین دلا لیا تھا کہ ضرور اسی ہی کوئی بات ہو گی۔

"آؤ تم یہاں بیٹھ کر لیٹ جاؤ۔"

اس کے لڑکھڑاتے پیر بھی نے جلدی سے آگے بڑھ کے سہارا دیا اور اپنے بستر پہ لیٹنے میں مدد دینے لگی۔

"میں تمہارے لیے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"جی بھی حضور ہمیں۔"

آنکھیں کھولے کھولنا محال ہو رہا تھا اور زبان تھی کہ کچھ بیان کرنے سے قاصر تھی مگر اس کا دھیان اب تک ماں میں اٹکا تھا۔

"ماں ماں کس چلتے ہیں۔"

بکھرے اسے چھکارتے ہوئے "تمہاری اور پیر پکڑ کے اوپر کر دیے۔ تکیہ درست کر کے اس کے سر کے نیچے کیا۔

"تم بیٹھ رہیں منٹ تک نکلنے ہیں۔ تب تک تم آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ۔ بہتر محسوس کرو گی۔"

اس کے جواب دینے پر دکشنا نے چپکے ہی آنکھیں بند کیں۔ سب ہوتی اس پہ مکمل طور پہ غالب آ گئی۔

بکھرے سکون ہو کے اٹھی۔

اب دیوار کو کھولنے کا مرحلہ باقی تھی۔

"ماں اسلام ہے تمہاں کم از کم آٹھ دس گھنٹے تو سوئے گی ہی۔ اور سوائے اکیلا چھوڑ کے میں جا نہیں سکتی اور آج شام ہمارا ہزار روپے کا پورا کرام تھا۔ بھی یہ ہماری بالکل سے مٹی جاتی ہے۔"

فون بند کر کے اس نے ایک بار پھر اعتماد "دکشنا" کو دیکھنا چاہا۔ وہ گہری نیند میں کوئی چودہ پندرہ سال کے درمیان عمر میں ہو گی مگر سوتے ہوئے اس کے خوب صورت چہرے پہ پھیلی فرشتوں کی سی معصومیت اسے بالکل بچہ ثابت کر رہی تھی۔

نگاہ کا پل بے اختیار ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اس کے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی۔ اکیلے ہونے کے باوجود اس نے سر دوپٹہ نہ سر کتے رہا تھا اور اب ہوشی کے عالم میں اپنے آپ سے بھی بے خبر وہ ہاتھ پیر ڈالے ہوئے تھی اور دوپٹا بستر سے نیچے جھول رہا تھا۔ ریشمی سنہری بال آندھی سی دکھتی پیشانی پہ بکھرے تھے۔ نگاہ کا ہاتھ انہیں سمیٹنے لگا۔

"اللہ بھی کیسے کیسے بلاؤں کو کیا کیا ہمارے سوپ دیتا ہے۔ عقل کیا اس کے تو بل تھا تو خیر ہو تا رب ہی جانے۔" اس نے کہا تھی۔

☆ ☆ ☆

آج پہلی بار منگنی کے بعد وہ شہزاد ملک سے ملنے جا رہی تھی اور وہ بھی اس کے بلانے پہ۔

یعنی صرف منگنی کے بعد پہلی بار نہیں بلکہ زندگی میں پہلی بار وہ شہزاد کے بلانے پہ اس سے ملنے جا رہی تھی۔ اس لیے فطری طور پہ کچھ نروس بھی تھی اور بہت زیادہ ایکسائٹڈ بھی۔

"اف کیا پہنوں! آج کچھ ایسا ہو خوب صورت بھی ہو منفرد بھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا کہ جس میں میں دھاگل لاؤں۔"

اس نے ساری الماری درب چھان ماری مگر ایسا کوئی ڈریس نہ ملا گھر پہ لباس کا خاص اہتمام کرنے کی عادی نہ تھی۔ نہ شہر میں رہتی میں آنے سے پہلے اور نہ اب۔

پہلے تک وہ اسی کی اجازت نہ دیتی تھی اور اب گھر سے باہر اسٹوڈیوز میں یا اسٹیج پر گرانے پہ وہ نہ تھا صلے لہنے کی خاطر اسے بنا سنورنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات اپنے مزاج کے اور طبیعت کے بالکل برعکس پہنا پڑتا تھا۔ اس کا دل اس جنک وک اور بناؤ سنگھار سے اوب جاتا تھا اور اس کے رد عمل کے طور پہ گھر پہ جتنا وقت گزارتی اس بناوٹی آرائش سے کوسوں دور رہنے کی کوشش کرتی۔ پرانے مگر آرام دہ لباس پہنتی کبھی بنا کسی اور سوٹ کا۔ شلوار کسی اور رنگ کی اور قمیص کسی اور ڈیزائن کی۔ کہیں خاص آنا جانا ملنا ملانا بھی نہ تھا اس لیے صرف اتنی ہدایت سے الماری اٹی پڑی تھی جو تھے تو بے حد قیمتی اور خوب صورت مگر اوا کے لیے تھے دعا کے

لیے نہیں۔

"کیا صورت ہے؟" اس نے جنجھلا کے الماری کے پٹ زور سے بند کیے جہاں ابھی زیبہ اور حنین اداس لٹکے رہے تھے مگر آج کی شام کی مناسبت سے پہننے کے لیے ان میں سے ایک لباس بھی معقول نہ لگ رہا تھا۔ اچانک ایک خیال آتے ہی اپنے کپڑے اور از جلدی سے کھولا۔ خوب صورت ریشمی پیپر میں ایک دو لیں ان چھوا رکھا تھا۔ اس نے نکالا اور دیکھنے لگی۔

یہ وہی لباس تھا جو اس کی چھوٹی سالگرہ پہ ماہی نے اسے تحفے میں دیا تھا۔ اس نے کھول کے دیکھا تھا اور بجھ کے رہ گئی۔ اسکرٹ سفید رنگ کا ایک خوب صورت شلوار قمیص تھا۔ ماہی جانتی تھیں کہ اسے سفید رنگ کتنا پسند ہے اس لیے انہوں نے اسے تحفہ دیتے کے لیے اس رنگ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اسے سفید رنگ کسی خواب سے پسند تھا۔ یہ رنگ اسے اس دن کی یاد دلاتا تھا جب اس کی آنکھوں نے پہلی بار چھاجی کو دیکھ کے پلکیں جھپکنا بھولی تھیں۔ یہ دن تھا جب اس کے دل نے پہلی بار چھاجی کے لیے گداز محسوس کیا تھا اور یہ دن تھا جب پہلی بار اس نے چھاجی کے لیے ایک خواب بنا تھا۔

اور اس دن اس نے کسی سفید رنگ پہنا تھا اور اسی سفید رنگ میں اسے دیکھ کر چھاجی نے اس کی بے ساختہ تعریف بھی کی تھی۔ پہلی اور اب تک کی آخری تعریف۔

اس وقت اس لباس کو دیکھ کر وہ اس کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے پھر دل کے ساتھ اس تحفے کو ہی رکھ دیا تھا۔ دوبارہ سے گفٹ پیپر میں لپیٹ کے۔

آج ہی تحفہ ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔

آج بھی اس کے ہونٹوں پہ اسے دیکھ کے مسکراہٹ پھیلی تھی مگر اس مسکراہٹ میں طنز اور بے بسی کا شائبہ تک نہ تھا۔ آج یہ مسکراہٹ اظہار تشکر میں ڈھلی ہوئی تھی۔

"تھینک یو پاپا۔ آپ کی محبت اور شفقت زندگی کے ہر مشکل مرحلے میں میرے کام آتی ہے۔"

اس نے تھیں دھلوں کا یہ سفید لباس پہنا جس کے دوپٹے کے سرے اور قمیص کے دامن پہ ہلکے سنہرے اور ہلکے گلابی پھول یوں پرنٹ تھے جیسے کسی نے سفید جھولی میں ہلکے رنگوں کے کھلے تازہ پھول بکھیر دیے ہوں۔ اپنے لمبے دراز بال اس نے کھلے چھوڑ دیے اور کانوں میں ہلکے سے ٹاپس پہن کر ہاتھ کی تیسری انگلی میں وہی انگوٹھی سجائی جس نے اس کا سب کچھ بدل ڈالا تھا۔

اس کی تقدیر بھی۔

اس کے سوچنے کا ڈھنگ بھی۔

اور اس کے شب و روز کا قرینہ بھی۔

اس انگوٹھی کا اس کے ہاتھ کا حصہ بنے دن ہی کتنے ہوئے تھے شاید دو دن ہے۔ پھر زیادہ سے زیادہ تین یا چار دن۔ مگر تھوڑی کا سارا بوجھل پن، ناامیدی، خوف اور اذیت نکل کر اندر کی تھی۔

"میں راجے کی منگ ہوں لوگو۔ میں راجے کی منگ۔"

ہلکی سی گنگناہٹ کے ساتھ اس نے پرفیوم اسپرے کیا اور وہاں سے نکل آئی اتنے میں چھاجی کی کار کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔

"اچھا امی... میں جا رہی ہوں۔"

اسے کمرے میں جھانکے اللہ دتا سے اتنی سی بات کہتے ہوئے خاصا عجیب محسوس ہوا حالانکہ دل میں کتنی ہی بار گھر سے نکلتی تھی۔ کتنے ہی روپوں سرخی کی گولیاں لے لیتے آتی تھیں۔ مگر تو اس نے کبھی جھجک محسوس کی نہ اللہ دتا نے اس کے خوشی اور حیا سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اتنی سرشاری کبھی محسوس کی تھی۔

"خیر مال جاجز اور نیز بال آباد خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔"

ان بے ڈھنگی سے دعاؤں پہ کھلکھلا کے وہ ہنستی ہوئی کمرے سے نکلی۔

"سفید لباس میں تم بہت حسین لگ رہی ہو۔"

شہزاد نے بے ساختہ سراہا۔ وہ جواب میں ہنس دی۔

"تم میں سے تو اس رنگ کا لباس مجھ سے نہیں پہنا۔"

"میں تو پہلے ہی پہنا تھا۔"

اس کے جواب دیتے ہی وہ محجوب ہو کے خاموش ہو گئی۔

گاڑی پہلے ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں آ کے رکی تھی۔

اس کے ہمراہ قدم بہ قدم چلتے ہوئے جانتا تھا کہ آپ سے متعلق رفتہ رفتہ اس کا تاثر بدل ہو گیا۔ اس میں کچھ باقی شہزاد کی شعوری کاوش کا بھی تھا۔ اس نے دانستہ اپنی گفتگو کے دوران گزشتہ کسی چیز کا حوالہ نہ دیا۔ اور ہمراہ حیرانی کی پھلجھڑیاں میں دعائے سمت جلد اپنی گھبراہٹ۔ قابو پا لیا تھا۔

"میں نے بہت سے لڑکیوں کا ڈنر والس بلایا کر دیا ہے چھاجی مگر آج تک مجھے ایسی بھی ڈیٹ نہیں کی جس نے فرنٹ پر بیٹھ ہوں گلوری منٹ پہ مانگی ہو۔ کھل ایڈوانس لوٹا نے سے معاملہ رکیلیج نہیں ہو گا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں چھاجی؟"

"نہیں بہرحال کسی منٹ تو ہونی ہی ہے اور ویسے مجھے تو خیر تمہاری گلوکاری پہ بھی کوئی اعتراض نہیں۔ مگر تمہارے جاری کھانا ہو تو کہہ گئی ہو۔"

اس کے فرمانے پہ اجازت دیتے ہوئے دعا کو بھی حیرت ہوئی۔

"کیا؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں چھاجی؟"

"ہاں مگر تمہاری خوشی ہی ملے ہے۔"

وہ کھل کے خوشی نہیں مجھے دراصل حیرت ہوئی ہے آپ کی اس بات پہ۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ میں اس بدفیشن میں اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ شوق سے تھوں بجبور ہو کے نہیں آئی۔ مجھے تو یہ کی رقیبوں نے بھی بیٹھا مشتہر نہیں سیا۔ بالکل البتہ کھڑکیاں بیٹھنے کے دوران میرا اس فن میں مہارت ضرور لگ لیا تھا اور میں نے پوری لگن سے اسے سیکھا۔ لیکن تیز بیٹھنے کو بھی اسے ذریعہ معاش بنانے پہ میرا دل مطمئن ہوا نہ ہی ضمیر راضی ہوا۔"

"تم ملوں ذہن ہوں کے لیے پہ بیٹھ جاؤ تو مجھے واقعی کوئی اعتراض نہیں۔ تمہارا دم نکالنا ہو تو میں خود اس میں تمہاری مدد کروں گا۔ ان بیلت میں ہی سیٹ خوشیوں پہ اسپورٹ کلب تو میں تمہارا گھاٹا پسند نہیں کروں گا۔ اس کی اجازت نہیں ہے تمہیں۔"

"مجھے دم نکالنے یا بلیک کرنے کی اجازت کی بھی کوئی ضرورت نہیں چھاجی۔"

اس نے جھجکتے ہوئے شہزاد کی بات اسے لوٹائی۔

"شکر میری سیر فرار اور سیر کے لیے اپنے بیک ٹریک تو نہیں کیا ہوں گے۔ ان کنٹری بیشن تو تمہارا ہونا چاہیے اپنے شوہر کے ہاں نہ ہو۔"

لفظ شوہر پہ وہی ملح ہوا کے دوش۔ ہزار اس نے اس رویہ سے محفوظ ہوتے ہوئے سگریٹ سلگانے لگا۔

"اور ہاں آپ کو بھی اب سگریٹ پینے کی اجازت نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کے شہزاد کے لبوں میں دبا سگریٹ کھینچ لی اور پہلی پر بھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔

شہزاد بے اختیار ہنسی اس جسارت پہ۔ اور ایک کے دو کیا۔

"اتنی بدتمیزیاں بھی طرف ہیں اور اجازتیں بھی؟"

"بالکل۔"

"اور چاہتیں؟" اس کے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے شرمیں مسکراہٹ کے ساتھ دیا تھا۔

"تم تو واقعی اسی دنیا میں بالکل وہی ہے۔ میں اپنے آپ سے بھی چھپا کے اتنے برسوں سے جا رہا ہوں۔"
شہزادے نے دیا اور تم کے اس تحسین استعزاز کو نہ کر مسحور ہوتے ہوئے کہا۔
"مگر میں جانتا نہ تھا کہ وہ تم ہو۔ جس کا میرا دل تمنائی ہے۔ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی کی ہمت دیر کی۔ تمہارے احساس ہو رہا ہے کہ میں کتنا غلط تھا۔ تم وہی تو ہو بالکل وہی۔ جس کو میرے تصور نے دل میں بسایا تھا۔ وہی معصومیت پھولی پاکیزہ مطہر تقدس شرمیلی ذہین گھبرائی گھبرائی سی ہو تم۔"
وہ ایک سحر کے عالم میں کہہ رہا تھا اور تمہاری محبت دماغ کے اندر بہت دور تک اتر رہی تھی۔
اس کا وجود ایک ساحر کے نشانوں میں پرواز کرنے لگا۔
اس کا دل اسے لگا تھا جیسے اب زندگی میں مزید کوئی مسئلہ کوئی پریشانی کوئی امتحان اس کے سامنے نہیں آئے گا۔
مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ مگر وہ اس پہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے امتحان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ ☆ ☆

"نری صاحبزادی کہاں ہیں ملک سہیل؟"
بابر نے اس کے سامنے آتے ہی یہ سوال کیا۔ اپنی جانب سے تو اس نے ملک کو بلبلنے کا موقع تک نہ دیا تھا مگر پھر بھی ہر ممکنہ صورت حال کے لیے ذہنی طور پہ تیار تھا کہ ملک سب کچھ سوچ بیٹھا تھا۔
"بھاگ گئی تھے تیرے پاس؟"
اس نے بے ہودگی سے الٹا سوال کیا۔
"اپنی لغو گوئی بند کرو ملک۔ ہم اس کے تمہارے مزید کوئی لغو بکواس برداشت نہ کریں گے۔"
اس نے بسیار بھر جلال دکھانے کی کوشش کی تھی مگر ملک اس پہ قہقہہ لگانے لگا۔
"اچھا پھر کیا کرو گے؟ برداشت نہیں کرو گے تو اور کیا کرو گے؟ جھک کے نیچے کرو گے اور مر جاؤ گے۔ یا ہا ہا۔" وہ بے تکلف طور پہ ہنسنے لگا۔
"اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو جگر؟"
"ہم تمہیں قتل بھی کر سکتے ہیں۔" اس بار بابر کے لہجے کی سفاکی نے اسے پل بھر کو خاموش کر دیا مگر پھر کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر اس نے دائیں ہاتھ سے ہیپوٹ کو گھماتے ہوئے سوال کیا۔
"اس کے بعد؟"
"ہمیں تمہارے خوفزدہ کرنے کی صورت نہیں ملک۔ عزت کی خاطر ہم جان دے بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔"
وہ پچھلے ہوئے انداز میں آگے بڑھا اور اس کا گریبان تھام لیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کا گلا دبوچ لیتا کہ ملک نے ایک جھٹکے سے اپنا کالر اس کی گرفت سے چھڑایا اور اپنے بھاری ہاتھ سے اس کے شانے کو زور سے جھکا دے کر پیچھے کیا وہ لڑکھڑا کے میز پہ جا گرا۔
"اور اگر جان دینے یا لینے کے بعد بھی عزت نہ بچی تو پھر؟"
"کیا مطلب؟" وہ ہاتھ کو سہلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"اتنے بھولے مت بنو یار۔ جانتے ہو اچھی طرح کہ ہر طرح کی کالک کو صندوق کرنے کے بعد بھی ملک نے اپنے ہاتھ کتنے صاف رکھے ہیں۔ کوئی الزام کا لعل بھی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اگر الزام لگا بھی لے تو ثابت نہیں کر سکتا۔ میں نے کچھ کام کبھی نہیں کیے تم کے سب سے بڑے گواہ وہ ایسے ہی اتنا کیٹ میں میری ساتھ نہیں رہی ہیں۔ جب تک میں نہ چاہوں تم اپنے لوگوں کی گرد تک نہیں پا سکتے۔ تم نے میرا نقصان کیا ہے یا تو اس نقصان کو پورا کرو یا میں تمہاری بیٹی کے ذریعے پورا کر لیتا ہوں۔"

"رحم کرو ملک سہیل ہماری حالت پہ نہ سہی اس معصوم بے قصور بچی پہ ہی رحم کرو۔"
وہ گڑگڑایا تھا۔
بڑے طنطنے سے تیا تھا جیسے تمہیں شرمندہ ہی تو کر ڈالے گا ملک سہیل کی اس کال سلطنت کو تھرا دے جیسے ہونے کا احساس دے۔ غلطیوں کے بل جھک کر گڑگڑانے منت کرنے اور رحم کی بھیک مانگنے پہ مجبور کر دیا تھا۔
"نہیں یہاں رحم کی عدالت لگانے نہیں بیٹھا ہوں۔ تو کیا دن میں میرے دھندے کو بھی بھلا بیٹھا ہے اسی دھندے کا کیا تو خود ہی رہا ہے۔"
اس نے باہر کو مزید ہانے کے لیے جھڑکنے کے انداز میں کہا۔
"ہم تمہارے مجرم ہیں۔ جیسی سزا دے دو چاہے کھال میں بھس بھروا دو مگر ہماری صاحبزادی کو بخش دو۔ ان کا کیا قصور ہے یہ کیوں ہمارے گناہوں کی سزا بھگتیں۔"
"اوہ ان باپ کے جھگڑے کا تو ان بھرتی آئی ہے۔ اس میں نئی بات کون سی ہے۔ میں تو سمجھ رہا ہوں کہ ٹھیک ہے تم نقصان پورا کرو۔ میرا مگر تم ہو کہ کھال میں بھس بھروانے پہ تیار بیٹھے ہو۔"
ملک نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا۔
"تم زندہ کو کوئی نہیں پوچھتا کھال بھروانے کے بعد کیا سوال پوچھے گا کم ذات۔"
یہ جملہ چابک کی طرح بابر کو لگا۔ لفظ کم ذات۔ وہ بری طرح جلبلا اٹھا۔ اسے اپنا وہ سارا خود ساختہ خود بھرم ہی ہلتی میں رہا محسوس ہوا جو وہ ہمیشہ سے اپنے اعلا حسب نسب کے حوالے سے محسوس کرتا آیا تھا۔ ایسا اسے احساس ہوا کہ فی زمانہ جس کے پاس دولت ہو وہ طاقت ور ہی اختیار وہی سب سے بڑا کم ذات ہے۔ جیسے کہ وہ اس وقت تھا۔
"ہم کیسے نقصان بھر سکتے ہیں؟"
"جیسے کر سکتے ہو۔ تمہارے لڑکے پہ میں اوا کا لڑکا اس پکڑ بیٹھا ہوں عرب کے شیخوں سے خود تم کتنے پیسے لگا چکا ہوں۔ چلو دو لاکھ تو میں صدقہ خیرات سمجھ کے معاف کر دوں گا مگر اوا کے لیے دو ہزار ٹیاں پھنسائی تھیں ان کا نقصان کیسے بند کر دوں یا تو مجھے اوا لا کر دو یا پھر دو لاکھ روپیہ فوراً میں ایڈوانس لے کر لگا چکا ہوں۔"
"ان میں سے کچھ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اوا کی ہمارا نام سننے کی روادار نہیں اور لاکھوں روپیہ ہم تو پیسے پیسے کے محتاج ہیں۔ اتنا بندوبست کیسے کریں۔"
"تو ٹھیک ہے ان باتوں کی بکواس بند کرو اسے کے لیے میں تمہاری لڑکی وہاں بھیج دیتا ہوں۔"
"نہیں۔" وہ تڑپ اٹھا اس نے بدن پہ جیسے ہزاروں بچھو چل گئے تھے۔
اب وہ ملک سہیل کے پیروں پہ سر رکھ کے سسک رہا تھا۔
"خدارا ایسا مت کریں۔ وہ بہت معصوم ہیں بہت پاک۔ کسی ایسے ویسے خاندان کی نہیں ہے ان کے لاکھ ذہنی روح ہے جیسی ہو جائے گی۔ ان کی والدہ جیتے جی مر جائیں گی۔ ہم تباہ ہو جائیں گے۔"
"تو کیا اس بند کر لو کھوٹے دے پتر۔"
ملک نے اپنے اکھڑ اور ابلہ انداز میں کہتے ہوئے حقارت سے پاؤں کی ٹھوکر مار کے اسے پرے کیا۔
"اس کے ذائے ہوئے کی دوا ہے مجھے کیا کہ کیا میرے ماتھے چاہے تلتے ہیں۔ رہی اس کی ماں تو وہ زندہ کب ہے؟ جیتے جی تو تب کا تو اسے خود مار چکا ہے اور آپس کی بات ہے مجھے کیا ہی کسی ہوئی ہے کی ماں بھی کسی ہوئی عورت کا تو نے کر دیا ہی کیا ہے۔ مر جائے ساتھی کیسے اور رہا جوانیاں بھی تیرا دھیان کرنا پڑے گا۔ تو قسم ہو یا تو میرے بدلوں میں سے ایک بہتر یہ دلال کی کمی ہو جائے گی۔ مگر جاتے جاتے بھی بڑا اچھا ملک میرے ہاتھ دے کر جا رہا ہے تو۔"
بابر کا سر ذلیل ہوا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

نظریہ بھی یہی تھا کہ اللہ کو اس کی ذات پر رحم آیا اور قدرت اس کا پردہ رکھنے کے لیے زمین کا شگاف کھول بھی دیتی تو وہ اس میں سمانے سے انکار کر دیتا اپنی بیٹی کو ملک کے چنگل سے نکالے بغیر تو وہ یہاں سے نہ جاتا۔

"رحم! رحم کرو ملک! میاں کو ہمارے ساتھ۔"

ملک نے اسے ٹھوکر مار کے وہاں گرا دیا تھا وہیں اوندھا گرا اب تک سسک رہا تھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے شل بھیگا ہوا تھا۔

"چلا جا اسے دیتے ہیں تجھے رعایت۔ آج کی رات اور کل کا سارا دن یہ بات تمہیں رہتا ہوں۔ دیتے وقت تک تمہاری نگرانی میرے بیٹے ملاقات کے طور۔ محفوظ رہے گی اس کے بعد کی میں ضمانت نہیں دے سکتا یا تو میرا نقصان پورا کر کے نوٹی چھوڑا کر لے ورنہ پانچ لاکھ۔ پانچ لاکھ نقصان میں اپنے اندازے پورا کر لوں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔"

امید کی ایک کرن نظر آئی پھر وہ سیدھا ہو گیا۔

"مگر تمہیں کیا کیا ہے؟ میرے نقصان پورا کریں گے ہم؟" اس کے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر مایوسی کی دلدل میں دھنس گیا۔

"ایک دن اور ایک رات کے وقت نہیں ہوتا مقتل کل رات تک مجھے ادا ادھر چاہیے اور وہ بھی تمہارے اور اس کے نکاح نامے کے ساتھ کیونکہ پاسپورٹ میں نے اسی نام سے بنوایا ہے۔ یہاں بھی تمہارے ساتھ بند رہے گی تو تم بھی آدھی ہی رہو گے اور وہ بھی رہی نہیں جو اپنے ایک ہفتے کے اندر اندر تمہیں اسے لے کر دبئی پہنچنا ہو گا اور مجھے میرا مال سود سمیت لوٹانا ہو گا۔ چار کے آٹھ بنا کر دینے ہوں گے۔ ورنہ ورنہ تمہاری بیٹی اتنی کہ مراد تمہیں ہوتے کہ آٹھ کے کیا کیا کر سکتے۔"

"تمہاری بیٹی کا نام پارسا رکھ لینا۔" اور کراہا تھا۔ اس کی غیرت دوسرا آنے سے قبل نکار رہی تھی۔ اب زندگی بچی آہیں بھر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے نہیں لیتا تم مجھے ادا کرو۔ اسی کے نام کی بالا جسے نوں کا ٹھیک ہے شہزادے۔ اب خوش؟"

یار جانتا تھا وہ کام کبھی نہیں کر سکے گا۔ ادا کا مانا تو بہت دور کی بات تھی اور اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پائے گا۔ شیدائی بیٹی کے لیے اتنا کر بھی لے۔ مگر ادا نہیں ہو گی خاطر کچھ کر سکے گی؟ کاش اس کی کیا کیا ہے؟ کیا اچھا ہوتی تھی اس نے ادا کے ساتھ خود اس کی مدد کرے گی۔

اب اب ہاتھ ان کے مرتے تھا اس سلسلے اور امید نہ ہو۔ کالا یہ اتنی سی بات کو بھی نصیحت جانا اور رضامندی سے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پہنچ کرتے ہیں مگر ہماری صاحبزادی۔"

"وہ کیا ہے صاحبزادی۔ صاحبزادی بنا کر رکھنا۔" اگر نہیں تھی تمہاری؟ سیدھی طرح بول یہاں ہاں کچھ نہیں ہو گا اسے اور بات ہے۔ یہ رات اور کل کا دن ہو گا کر نا کام کرنا ادا کو لانا۔ نکلنے کی کوشش کرنا چاہے یا رسے جانے۔ ادھر کا کے مگر پورا اس سلسلے کو اپنی بیٹی کو دھوکے کی نام کو کوشش کر کے ضائع نہ کرنا۔ تمہارے مرنے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے۔"

☆ ☆ ☆

"آج کی شام مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔" شہزادے گھر کے آگے کار روکتے ہوئے کہا۔

"اب اور مجھے بھی۔" ہمارے ہنسی۔

"میری زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت شام کبھی نہیں آئی اور لگتا ہے دوبارہ نہیں آئے گی۔"

"ایسی بات مت کرو۔" شہزادے نے فوراً ٹوکا۔

"میں ایسی بات ہی شامیں دیکھنا ہیں۔ روز کھلے دیکھنا ہیں۔"

"ہونہہ! ہونہہ!" اس نے صدق دل سے کہا۔

"اب اندر نہیں آئیں گے چائے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"نہیں ہوتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ جب کوئی وجہ نہیں ہے تو کچھ دیر کے لیے اندر آ جائیے نا۔" اس نے مزید اصرار کیا۔

"یہی تو بات ہے دوبارہ۔ پھر دیر ہو گئی۔ یہیں میں اندر آ گیا تو جلدی اٹھ نہ پاؤں گا ہو سکتا ہے واپس جا ہی نہ سکوں۔"

"ہوں یہ تو خاص خطرناک بات ہے۔" وہ بولے سے ہنسی۔

"تو پھر یہ بہتر ہے کہ آپ کو یہیں سے خدا حافظ کہہ دیا جائے۔ امی جی گھر میں اکیلی بیٹھی آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔"

"اور تو تمہاری راہ بھی دیکھ رہی ہیں نجانے کتنے سالوں سے پھر کیا ارادہ ہے؟ تمہیں بھی ساتھ شامل کر لے باؤں؟"

شہزادے کی شرارت سے آلودہ ہوا۔

"اب تو کہہ رہے ہیں۔ اندر آ کر واپس نہ جایا جائے گا لیکن مجھے تک ہوا ہے کہ باہر بھی آپ کے بلنے کے بارے کسی نہ کسی بات سے بات نکالے جا رہے ہیں جیسے وہاں بھی بات کرنے کا موقع ملنے والا ہو۔"

"یہ تم کہہ کر کسی کی تھوڑی باتیں منہ سے نکلی رہی ہو۔ خیر ان دونوں بھی ایسا کہا۔"

شہزادے پیار بھرے لہجے سے بولے۔

"اوکے سر۔ کھلی ہوئی سوری اب آپ اچھے بچوں کی طرح گھر جائیے بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں مزاک پہ کھڑے ہو کر تھیسس لگاتے۔"

اس کے احساس دلانے پر بالآخر شہزادے گاڑی اسٹارٹ کی۔ کلی کا موڑ مڑنے کے بعد دھانے اپنی مسکراتی نظریں پیار سے ہٹائیں اور قدم گھر کے اندر کی جانب بڑھائے۔

"صبح ہیں نہیں ہوتا تھا۔ کھلے سارا رکے نکالیں کتاب آنجہانی گا۔"

دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے اندر سے ماں کی غصے ناک آواز سنی۔

"ہاں جی کہیے کے ساتھ اتنی دیر تک سے بول رہے ہیں؟ کون آیا ہے مگر؟"

"جس ہوتی۔"

محمود کو دیکھ کے بعد پہلی نظر سات پڑتے ہی اس کا یہ سارا تجسس حیرت میں تبدیل ہو گیا۔

وہ باہر تھا۔ باہر رہیں مقتل۔

وہی باہر جس کی خوش اطواری خوش گفتاری اور خوش ذوقی نے دماغ کو ہوا دیا تھا اور جو اس کی پچھلی دار باتوں میں آ کے اسے آپ تھیں طرح شریف زادہ کہہ بیٹھی تھی۔

وہی باہر جو ایک اعلیٰ خاندان کا پروردہ تھا مگر جس نے کر وقت نیچ ذات والوں کو مات کرتے تھے اور جس کا کردار اس کے طبقہ اور باپ کی نمازگی کو ادا چاہے بھی کیا گزرا تھا اور اس باہر نے اسے استعمال کر کے راتوں رات امیر ہونا چاہا تھا۔

وہی باہر اس وقت برے حالوں میں اس کے سامنے تھا۔ میلا کچیلا اسلوبی اور گرد غبار بھرے ہوئے ترتیب لباس بکھرے ہوئے خاک بال۔ مقتوم سرخ نمناک آنکھیں۔ اپنا پاتے خشک ہونٹ بند مٹھی اور جھکا ہوا سر اور چہرے سے پریشانی بیچارگی مظلومیت اور دکھ کے سائے۔

"کیا یہ اس کا کوئی نیا سوپ ہے؟" وہ سوچنے لگی۔

وہ اسے دیکھ کے جیسے بھڑک سی اٹھا تھا۔ فوراً اس کی جانب لپکا۔ وہ خیرانی طور پہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ لیٹے رہیے ہیں آپ یہاں؟"

اس کے لہجے میں مرکھلی اور اہمیت تھی۔

"کل تو میں اس سے پوچھ رہا ہوں۔ وہ بھینس بڑی منہ سے کچھ پھوٹے ہی نہیں رہا۔ لیکن کہیں کا گھنٹا ہو گیا ہے اسے لیس ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ سب ہو گیا ہے نہ بات بتاتا ہے۔"

"اس سے کہہ دیجیے گا کہ اب میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں انہیں جانتی تک نہیں ہوں۔ یہ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔"

وہ اتنا کہتی اس کے قریب سے گزر کر اندر جانے لگی کہ باہر نے اس کا راستہ روک لیا۔

"اوہ جی! یہ ظلم مت کیجیے۔ اندر ہماری بات سن لیجیے۔"

"ظلم؟ میں ظلم کر رہی ہوں؟" وہ حیرت سے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اور وہ کیا تھا جب میرے ساتھ کرنے جا رہے تھے؟ کیا سمجھ رہا آپ نے میرے اعتبار کہ میں آپ کو ایک بوجھ سمجھ بیٹھی تھی۔ سوچا تھا آپ مجھے اس مصنوعی روشنیوں کی دنیا سے دور لے جائیں گے جہاں بھی عزت دار زندگی گزارنے کا خواب جو دیکھا کرتا ہوں گی لیکن آپ کیا کرنے والے تھے؟ مجھے غیر عورت کے لیے بیچ دیں وہ سنا چاہتے تھے۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ جس کے پاس خود عزت نہ ہو وہ کسی دوسرے کو کیا دے گا۔ اب میں آپ کا اصل روپ دیکھ چکی ہوں۔ لب لو تھے۔ آپ کی ان جیسے دار خوب صورت باتوں کا اثر نہیں ہو گا باہر صاحب برائے کرم آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مجھے مجبور مت سمجھیے۔"

"چلے جائیں گے ہم۔ چلے جائیں گے مگر آپ ہمارے بات تو سن لیں۔ سنا کہ ہم عزت کے قابل نہیں مگر ہم اگر ایک آپ کو اتنی ہیں تو ہماری عزت بچا سکتی ہیں۔ سچ کہا ہے آپ نے کہ جس کے پاس جو ہو گا وہ وہی دے سکتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ آپ جیسے نازک اور خوب صورت دل کی مالک ہیں۔ آپ ہماری درخواست رد کر ہی نہیں سکتیں۔ آپ ہماری مدد ضرور کریں گی۔ ہم امید لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

وہ ہاتھ باندھے ملتجیانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ دعا نے اس سے پہلے اس کا یہ روپ نہ دیکھا تھا اس لیے کچھ بھیج گئی البتہ اندر سلگا جا رہا تھا۔

"محترمہ ذرا سے کہہ رہا ہے۔ یہ تو ہم میزبانوں سے چار ہاتھ آگے ہے۔ سوائے بھرنے میں" اچانک باہر سے جھک کر دعا کے بیچ بھرتے چلے جا رہے تھے۔ وہ رک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"ہم آپ کی منت کر رہے ہیں۔ آپ کو خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے رہے ہیں۔ آپ کے پیروں کو ہاتھ لگا کر آپ سے بھیک مانگ رہے ہیں۔ ہمیں ناامید مت لوٹائیے۔ خدا کی قسم ہم عمر بھر آپ کے غلام رہیں گے یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

وہ اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے گڑگڑا رہا تھا۔ پھر وہ اپنی کسی سوچ کے آستین سے اپنے بہتے آنسو صاف کرنے لگا۔ دعا نے ایک گہری سانس لی۔

وہ سمجھ گئی کہ شاید شہزاد نے اس پہ حلقہ تنگ کیا ہو گا جو کر رہی کا کوئی مقصد وغیرہ کر دیا ہو گا اور اب وہ اس کے ذریعے معافی چاہ رہا ہے۔ اس نے ایک نظر اپنے قدموں میں گرے اس نواب کو دیکھا جس کا طنطنہ اور غرور اپنی مثال تھا۔ اسے اس کی حالت پہ ترس آنے لگا۔ اس نے سوچا کہ وہ شہزاد سے بات کر کے اس کی خلاصی کروا دے گی۔ وہ اس کا برا چاہتا ضرور تھا مگر برا ہوتا نہیں۔

"پلیز آپ ایسے ایسا مت کریں۔"

"نہیں جب تک ہمیں یقین نہیں ہو جاتا کہ ہماری درخواست قبول کر لی گئی ہم آپ کے قدموں میں پڑے

رہیں گے۔ چاہے ہمیں ہماری جان نکل جائے۔ ویسے بھی اگر آپ نے ہماری حالت پہ رحم نہ کیا تو ہم جی کے کریں گے کیا؟"

"اوہ خدایا۔" وہ بے حال ہوا تھی۔

"یہ بندہ نہیں "اوہ" ڈھا رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ ڈھائی چول چرما کے ادھر خوشی کرنے آ گھسا ہے۔ قائد چل اس سے میں نجٹ لوں۔"

اللہ دتا نے کف انٹ کر آگے آتے ہوئے کہا۔

"چاچا چلیے جی کہ مسئلہ کیا ہے۔" دعا نے روک دیا اور پھر باہر کو مخاطب کیا۔

"دیکھیے میں تھکی ہوئی ہوں۔ زیادہ وقت بھی نہیں ہے میرے پاس آپ کو جو کہنا ہے جلدی کہیں اور پلیز۔ ماں سے جائیں۔ میرے منگیتر کو آپ کی وجہ سے دوبارہ کوئی تکلیف ہو تو ہم ذمہ دار ہوں گے۔"

اس نے دفعتہً شہزاد کا نام لے کر اس کا رعب قائم کرنے کی کوشش کی۔ گرچہ اس کی حالت میں کوئی تغیر نہ آیا۔ ہوا وہ اب بھی اپنی ہی الجھن میں گرفتار ہونٹ کاٹ رہا تھا البتہ دعا کے بار بار کہنے پہ وہ اس کے قدموں سے اٹھ گیا تھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں کہیے کیا کر سکتی ہوں میں آپ کے لیے؟"

"آپ ہماری زندگی ہماری آبرو ہمارے خاندان کے ناموس کو بچا سکتی ہیں۔"

"بات کو گھما پھرا کے مت کہیں۔ صاف بتائیں کیا چاہتے ہیں آپ؟"

اس بار وہ کھانسی سے پوچھتی ہوئی رسد دانی پہ نظر دوڑا رہی تھی۔

"ہم آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کے منہ سے آواز نہیں نکلنے کے ساتھ سر اٹھا کے دیکھا۔ وہاں مذاق والی کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

"ہاں ہم شادی کرنا چاہتے ہیں آپ سے اور وہ بھی چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر۔"

☆ ☆ ☆

اس نے اپنے سوئے سوئے دماغ کو آنکھیں کھولنے پہ مشکل آمادہ کیا۔ وہ ابھی کچھ ہی دیر تھی کہ وہ گہری نیند میں ہے۔ ایسی گہری نیند میں کہ اس کا دماغ نیند پوری کر کے بھی کچھ جاگ رہا ہے مگر آنکھیں ہوتے اس قدر بھاری ہو گئے تھے اور پلکیں جو کھلا ایک دوسرے سے چپک کے لگی تھیں۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ اس کا ذہن پہلے بھی اس طرح غنودگی سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا مگر نکلا کبھی بے ہوشی کی لو اس قدر پر اثر اور طاقت ور تھی کہ آنکھیں کھول کر ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آنے سے قبل ہی اس کا ذہن دوبارہ تاریکی میں کھو جاتا۔

"جانے یہ کون سا پہر ہے؟ صبح ہونے والی ہے یا شام؟" کبھی بھی وہ دیر کو بھی قیلولہ کر لیا کرتی تھی۔ اس لیے کچھ نہیں پتا تھا کہ وہ اس وقت رات کی نیند لے رہی ہے یا دن کی۔

"امی حضور کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہمیں اب اٹھنا چاہیے۔"

اس کے ذہن نے ایک اور بات یاد کرائی۔

بہت وقت کے ساتھ اس نے پلکیں کھول کے سامنے دیکھا۔

ایک خیرانوس سا منظر۔ ہرا وسیع و عریض سا لوز ڈالا ہوا نظر آیا۔ اس پر کیف نیند سے نکلنے کو اس کا دل نہ چاہا اور اس نے دوبارہ دونی پلکوں کو پھر سے بند ہونے کی اجازت دے دی۔

"کیا ہو گیا ہمیں؟ ..... اور کتنا سوئیں گے؟" اس نے بھرجھری لے کر اس نشے سے نکلنا چاہا اور اب کی بار

آنکھیں ایک جھٹکے سے کھول دیں۔

اب بھی سب کچھ دھندلا دھندلا اور گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا پھر بھی اس نے پلکیں جھپک جھپک کے اطراف میں نظر دوڑائی چاہی۔ منظر ابھی تھا ہی نہیں آتشیا تھی اس مکمل اذیت کے احساس نے اسے ہراساں کر دیا۔ وہ بے کلا کے اٹھنے لگی تو درست چلنے ایک بار پھر لڑکھڑا کر جانے پہ مجبور کر دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے رہ گئی جو شدید درد ہو رہا تھا۔

"یہ کیا ہوا ہے مجھے؟ ایسی شدید عجیب حالت؟ اور یہ جگہ؟ کہاں ہیں ہم؟"

رفتہ رفتہ پیدا ہونے والے سوال ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ہوش میں آ رہی ہے۔ اس نے ایک بار پھر خود کو سنبھالنا چاہا۔ اس بار تھوڑی بہت آتی آہٹیں۔ ہیں۔ خاص طور پہ دیوار پہ آویزاں وہ تصویر۔ اس تصویر کو دیکھنے کی کشش کو سب پھر یاد آنے لگا۔

یا سمین کی اچانک بگڑتی حالت۔

باہر کے دوست کا اشارہ "کمرہ آ جا اور دروازہ کر لا۔

ہسپتال کے کوریڈور میں انتظار اور بے چینی سے گزارے روز و شب گھنٹے۔

ملک کا اس کی مدد کے لیے اپنی دوست کو بعد میں کے بلانا۔

دور کھڑا کالی عورت کے ساتھ اس کا رک تک نا۔

اسی دن ہی بند روشنی ملنے کے مجھے سب کام خانے میں۔ تب تک تم آرام کرو۔" اسے اس مہربان عورت کا مشورہ یاد آیا۔

"تو کیا میں بے ہوش ہو گئی تھی اور وہ بھی اتنی گہری نیند۔" وہ بھی بھر کے حیران ہوئی کہ کوئی غیر معمولی واقعہ تو کبھی بھی نہ ہوا تھا کہ ہسپتال میں پڑی ہو اور وہ بے فکری کی نیند سوتی رہ جائے۔ وہ بھی کسی غیر کے انجان گھر میں۔

سراسیمگی سے نہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو آپ نے بھیں۔" اچانک ہی نگاہ اس کی جانب پشت کیے کھڑی تھی۔ کشش نے اسے چونکا دیا کہ مخرشہ کو دور کے اثرات کی وجہ سے اب تک وہ بات مکمل کرنے کے قابل نہ ہوئی تھی۔ اس لیے الگ کر خاموش ہو گئی۔ منہ کا ذائقہ الگ کسیلا سا ہو رہا تھا۔

"ہوش؟" نگاہ ملی اور اسے حواس باختہ انداز میں الجھتا دیکھ کے مسکرائی۔ "بی بی! ال میں اس نے دوسکانے بھی ترتیب دے رکھے تھے جو اسے دشمن کی متوقع اقدام تراشیوں کے مواجہ میں سانس لینے کے لیے۔ "دور کر دو مجھے اب بھنتو ہو عمیر اور تم ہی ہی ہے چار دیسوں کے لیے کچھ بھی کر لوں گی۔ تم ہی عقل سے کام کر لیتی ہو اب سونا چھوڑو۔ اس آسودگی کا لمحہ۔ کوئی اثر نہیں ہونے والا کہ میں تمہاری بددعاؤں اور کوسنوں سے ڈر کے تم پر ترس کھا لیتی ہوں۔ خیریت چاہتی ہو تو آرام سے چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

کمرہ ان سب کی خوشبو سے اٹا تھا۔

دلکش اب تک یہ نہ جان سکی تھی کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ رونما ہو چکا ہے۔

"؟" "آپ نے انہیں بلایا کیوں تھیں؟" ہمت کر کے اس نے بے فکر بار کی تو زبان کی گرہیں کھلنے محسوس ہوئیں۔ ذہن پہ چھایا گرد و غبار بھی چھٹنے لگا۔ یقیناً "اس بدہوش اور نشے کی کیفیت میں سے وہ اسی طرح باہر نکل سکتی تھی کہ خود کو کوشش کرتی۔

"تیری دیر ہو گئی ہے۔ پتا نہیں اس حضور کی طبیعت اب کیسی ہو ہم چلیں؟"

نگاہ بھی نہ سمجھتے ہوئے پہلے تو اسے گھور رہی تھی پھر اس کے سوال سے تاثرات سے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ بھی جانتے میں غلطی پا رہی ہے تو تھوڑا سا نرم لہجے کر سرہانے سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔

"تھوڑی تھکی ہوئی تھا اور نہ ختم کر کے پھر دوبارہ ایکٹنگ کرنی پڑے گی۔ تو بے تجھے نہیں ہو تکلیف سب۔"

"ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ پتا نہیں ہم اتنے غافل کیسے رہے۔ کتنا سوئے ہیں ہم؟"

"ساڑھے سات گھنٹے۔" نگاہ نے اطمینان سے جواب دیا اور اپنا چائے کا کپ لے کر چلی۔

"تمہارے لیے بنا دوں چائے؟ شاید ہوش آ گئے آ جائیں؟"

نگاہ نے شاید نگاہ کا سوال سنا نہیں۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"سات گھنٹے۔ اور ابھی تک ہم؟ آپ نے انہیں بلایا کیوں نہیں؟"

یہ سوال وہ ایک اوسان کے ساتھ کر رہی تھی۔ آخر نگاہ کو اسے جواب بتانا پڑا۔

"بڑی بگاڑ کی مشکل سے تو سلایا تھا۔"

"لیکن اب ہماری امی حضور۔" اس کا نگاہ رہ گیا۔ سوئی سوئی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ نگاہ کو اس وقت میلے میں کھلی کوئی ایسے دسال کی بچی لگی جسے سوائے لفظ "ماں" کے اور کچھ بولنا نہ آتا ہو۔

"یہاں جانا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسی ہیں؟"

"مر گئیں۔" نگاہ نے ہی نگاہ کے منہ سے نکلا۔ بس یک بیک سے تلخ آنچلی تھی۔

"کیا؟" اس کے منہ سے نکلی تھی۔ تو نگاہ کو اپنی زبان کی سفاکی کا احساس ہوا اس سے پہلے کہ وہ وضاحت کرتی وہ گلٹن بھری ہوئی آنکھوں اور نڈھال ہوتے وجود کے ساتھ فرش پر گرتے نیچے آ رہی۔

"چلو! یہ بھی بتانا تھا۔"

نگاہ نے سکون کا سانس لیا۔ اب اس کے سوالوں کا جواب دینے کی وقت سے آزاد ہوئی۔

"چلو بھی عقل کی پتلیوں کی بے حیائی کے مزے لوٹ۔" اس نے دلکش کے فلک چھلکے نازک سے وجود کو سوٹ کے ساتھ اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور کمرے کے اندر لے جانے لگی۔ اس کے بازوؤں میں کٹی وہ اور بھی نظر آ رہی تھی۔

اسے بستر پہ لٹاتے ہوئے نگاہ کا دل ایک بار اس کے کومل سے نرم گرم لمس سے موم ہونے لگا۔

پھر بھی اس کے سرہانے بیٹھ کے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

"اللہ بیٹیاں کیا بیدا کرتا ہے؟ اگر کم عقل جیسے لوگوں کو تو بیٹی دیتا یا میرے باپ جیسے گدھ کو۔"

☆ ☆ ☆

"ہمیں تم سے کچھ بات کرنی ہے موتیا۔"

کل بہت اضطراب سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں موڑتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"کہو۔" موتیا نے نرمی سے کہا۔

"وہ دراصل بات نہیں کرنی ہمیں تم سے موتیا بتانا ہے۔" بہت مشکل کے ساتھ یہ لفظ کل عمر کے لبوں سے ادا ہوئے۔ خود موتیا بھی شش و پنج میں کل اور معافی مانگ رہی تھی اس سے۔

"ہاں! کیا تم نے اتنا اور وہ بتا نہیں سمجھتے میں غلطی تو نہیں ہوئی۔"

اس نے موتیا دھاگا ایک جانب رکھا اور پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہوئی جو تیج بہت اندر تک سی لگ رہی تھی۔

بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ۔

بدلا ہوا لہجہ۔

نہ مزاج میں تنظیم تھا نہ نگاہوں میں طلب کے لیے۔

"معافی مانگنے کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی آپ کو عزت مآب ساجد صاحب کل عمر خانم"

نہ جانتے ہوئے بھی اس کا سوال کیلا اور زہریلا سا ہو گیا۔

"ہمیں اپنے رویے پہ شرمساری ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"بتاؤ کیا کیا؟ یہ نہیں کہنا چاہیے تھا؟" موتیا نے تفصیل جاننا چاہی۔ وہ اب تک گل کے اس رویے کو سمجھنے سے قاصر تھی اس لیے بات بڑھا رہی تھی کہ پتا چلے کیا بات ناراضی کی ہے۔

"تم سے خطرہ نہیں ہونا چاہیے تھا اور کوشش نہیں عصمت سے خطرہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ تین کو عصمت کے لیے ہمارے دل میں کچھ نہیں۔ پہلے خطرہ اب ہے۔ خدا کی قسم ہم کو سے صبر نہیں کرتے اور یہ اس بات کا ملال ہے کہ عصمت کی شادی تم سے کیوں ہو رہی ہے۔ بس حالات نے کچھ اتنی گئی ابھری مزاج میں کسے۔"

وہ اب بے دردی سے کچل رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ ندامت کے رنگ اتنے گہرے اور واضح تھے کہ موتیا کو یقین کرنے میں دیر نہ لگی۔

"چلو چھوڑو جانے دو اس بات کو۔" اس نے معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لہجہ نرم کر لیا۔

"نہیں ایسے نہیں پہلے تم صاف لفظوں میں کہو کہ تم نے ہمیں معاف کر دیا۔" وہ مصر تھی اور اس کا یہ اصرار موتیا کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ معافی مانگنے والی چوہدرانی بڑی تجربہ کار تھی۔

"کہا نا جانے دو اب بڑی بہن سے معافی منگوانے کیا میں اچھی لگوں گی۔"

"آج ہمارے بڑی بہن ہونے کا مسئلہ لحاظ آ رہا ہے؟" انگلی کے کنڈے پہ موتیا نے چونکنے کے دوبارہ مشین سے سر اٹھایا۔ وہ سنجیدہ لگ رہی تھی اور اسی سنجیدگی کے ساتھ کہا تھا۔

"تم ہو چھوٹی بہن ہو۔ یہ آج تمہارا دیا ہوا کیا ہے کیا ہمیشہ تو ہم سے تو نے ہماری ہر بات میں نقص نکالنے اور ہماری غلطیاں ڈھونڈنے پہ تیار رہتی ہو۔"

موتیا کی ہنسی پھوٹی تو اسی ہی چلی گئی۔

"کیا ہم نے کوئی لطیفہ سنایا ہے؟"

"لطیفہ ہی تو ہے ایک تو معافی مانگ رہی ہو اور سراسر جرائم کی فہرست گنوا رہی ہو۔" ہنس ہنس کے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ گل کے ہونٹوں پہ بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے اپنے الفاظ پہ غور کیا اور شدت سے سر جھٹک کے رہ گئی۔

"یقین تمہارا کہنا ہے ہم خطرہ ہو تا ہے؟" گل کی تیوری چڑھ گئی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟" وہ صاف مکر گئی۔

"مطلب تو یہی نکلتا ہے۔ غلطی کہنا چاہتی ہو تم کہ ہم ابھی بھی برے بلا ہو تم سے بھڑنا ہماری عادت ہے ہر جھگڑے میں پہل بھی ہم کرتے ہیں اور غلطی بھی ساری ہماری ہوتی ہے۔"

"ہمیں نے ان میں سے ایک الزام بھی لگایا ہو تو میری زبان کٹ جائے۔" موتیا نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"سب تمہاری اپنی خیالی آرائیاں ہیں اور وہ بھی ایک ہی شخص صاحب ہیں ان سب باتوں کے لیے معذرت خواہ ہوں خواہ کچھ ہمیں نے زبان سے ادا نہیں کیں نہ میرے دل سے ان کا گزر ہوا۔ دماغ میں کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اب تو ہم کے کانوں تک ان کی بھنک نہ جائے گی۔ معاف کر دو یار۔"

"مگر مگر معافی مانگنے تو ہم آئے ہیں۔" اس نے پورے استحقاق سے تدریے کہا۔

"ہم بڑے ہیں اصولاً" پہلا حق ہمارا ہے اس لیے پہلے تم ہمیں معاف کرو پھر تمہاری معافی پہ غور کیا جائے گا۔"

اتنا کہہ کر بھی اتنا ہی بے اختیار ہنسنے لگی جتنا کچھ دیر پہلے موتیا ہنس رہی تھی۔

موتیا نے بھی معافی مانگنے کو پورے سر کا بوجھ اس کے شانے سے ٹیک کر کھلکھلا کر اس کی ہنسی کا ساتھ دینے لگی۔

● ● ●

پہلے تو رخ اتنا تھا "یہ سمجھو" کی کہ اس نے کیا ہے۔ پھر دل ہی دل میں اس کے کہے الفاظ دہرانے خود کو یقین

دلانا چاہا کہ کیا واقعی یار نے یہی کچھ کہا ہے جو اس کے کانوں نے ابھی ابھی سنا ہے۔

یہی حال اللہ رسائے کا تھا اور جب بات وہ کی سمجھ میں آئی تو اس کا دماغ ہی الٹ گیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ کیا واقعی جانی کہہ رہے ہو؟"

"پاگل پھر میں ساری صورت تمیز کا ذرا بھی لحاظ۔ سب کچھ بھول بھال گئی۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں درست کرتا ہوں۔" اللہ رسائیا اس پہ پل پڑا۔ اس کا پہلے سے کالا گریبان ایک جھٹکے سے چاک کر دیا۔ "بہو تو پانچ چھ ملا نے کس کے اس کے منہ پہ مارے۔"

"کچھ تو خیال کرو اگر نگاؤں اور چھینتی؟"

مگر وہ اتنی تدبیر کے بعد بھی نہیں پہ نظریں گاڑے کھڑا رہا۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے یہاں تک کہ وہ سفید پڑنے لگے۔ خفاہت کے مارے چہرے۔ اللہ رسائے کے بھاری ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے سرخ سرخ نشانات واضح ہو رہے تھے۔ ان چھینٹوں کی زد میں آ کر اس کے قدم اکھڑے ضرور تھے۔ وہ لڑکھڑایا بھی خانہ خراب پھر اللہ رسائے کے سامنے یوں ستون کی طرح جما کھڑا تھا جیسے جواب لے کر ہی ٹلے گا۔

"چل او بے نکل۔ سیدھی طرح شکل گم کر لے ورنہ پلس پولیس بلا لوں۔"

"ہم اپنے سوال کا جواب لیے بغیر نہیں جائیں گے۔"

"یہ کیا ڈھٹائی بلکہ یہ غیرتی ہے۔" دعا کو بھی غصہ آنے لگا۔ جتنا غصہ اسے اس وقت پہ آ رہا تھا ہم کو تب بھی نہ آیا تھا جب اس کی حقیقت کھلی تھی۔

"اسے ہی ایمان میں اپنے سوال کا جواب جاننے کے تو سو نہیں ہزار بار نہیں کروڑ بار نہیں ہم اپنی بات کے پکے ہیں۔ سمجھے اب جاؤ یہاں سے۔"

"اگر جانی کا جواب ہے تو ٹھیک ہے ہم سوال نہیں کرتے آپ سے ہم بھیک مانگتے ہیں اور بھیک نکال ہی جاتی ہے آخر ہی۔"

وہ بھیک پر پھر ہتھیلیوں کے بل بیٹھ گیا اور ہاتھ جاری ہے اس کے سامنے پھیلا دیے۔

"ہم آپ سے بھیک مانگ رہے ہیں۔ چند ہی ہفتوں کے اندر اندر ہمارے نکاح ہونے والے ہیں ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے۔ ایک معصوم کی زندگی ویران ہو جائے گی۔ خدا کے واسطے ہم پر رحم کھائیں۔ ہمیں اپنا آپ بھیک میں نکال دیجیے۔"

"ایسی بھیک نہ بھی ملے تو سہی۔ اب تو ہم غصہ آنے کی بجائے ترس آ رہا ہے بیچارہ ہوں گل۔"

"ہم پر رحم۔ یہ سمجھتی اس کے قابل نہیں۔ مجھے لگتا ہے یا تو اس کا مغز پھر گیا ہے یا پھر حق یہ سب سے مستی والا بڑھا کے آیا ہے۔ میں اسے اٹھا کے گلی میں پھینکتا ہوں۔ دیا وہ بک بک کی تو چک سے سلطنتی بادشاہ کو بلا لوں گی اس کی چھترول سے نشہ اترے گا اس فراڈیے کا۔"

"ترکی ساری رات اور کل کا دن بس یہ تمہاری مہلت۔"

ملک مقبول کے سفاک الفاظ اسے یاد آئے۔ اس نے تڑپ کے دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھا۔ رات کا ایک پہر بیت چکا تھا۔ اسی کے شدید ترین احساس نے اسے چلا کے بے مجبور کر دیا۔

"اس لوگ ہماری بات مان کیوں نہیں لیتے کیوں نہیں مان لیتے۔" وہ سسک اٹھا۔

"ہم آپ کو یقین دلانے کے لیے کیا کیا کریں۔ کس طرح یقین دلائیں کہ یہ شادی کتنی ضروری ہے۔ کسی معصوم روح کی زندگی داؤ پہ لگ رہی ہے اس سے یہ ہمارا عشق نہیں ہے جو ہمیں آپ کے آگے گڑگڑانے پہ مجبور کر رہا ہے یہ ہمارا لالچ بھی نہیں جو ہمیں خوار کروا رہا ہے ہماری سب سے بڑی مجبوری ہے ہمارے سیاہ اعمال کا نتیجہ ہے جو ہمارے بجائے کسی اور کے بالوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ ہم ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں مگر ہمارے گناہوں کی سزا اس معصوم بے قصور کو ملے نہیں ہرگز نہیں۔"

وہ چالیس چالیس سالہ صوفیوں کے لیے گڑگڑا رہا تھا۔ دماغ سارے اس کی یہ حالت دیکھ رہی تھی۔ اللہ رسائے

بھی سارا اطمینان، غضب وقلق طور پہ جھلا بیٹھا تھا۔

"صرف آپ اسے بچا سکتی ہیں اماں جی..... صرف آپ۔"

"کون ہے یہ؟" دعا کے لبوں سے سرسراتا ہوا سوال نکلا۔

"تمہاری ساجزادی، ہماری بیٹی، ہماری چند روزہ سال کی بچی۔ معصوم اور پاکیزہ بچی اس وقت ملک سہیل کے پاس بطور یرغمال ہے اور" وہ دیکھی اسے آپ کے بدلے سوچے گا۔"

"مطلب؟" کچھ کچھ سمجھتی دعا اب ایک منٹ میں سب کچھ سمجھنا چاہتی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپ کو شادی کرکے رہائی دے دی جانے کی صورت میں ہم نے اس کے منصوبوں پہ جو خاک ڈالی ہے اور اس کے فضائے کاروبار کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے بدلے وہ تمہاری بچی سے اپنا خسارہ پورا کرنا چاہتا ہے اور اور اماں اس وقت آپ ہی ہمارا سے بچا سکتی ہیں۔"

"میں اسے بچا سکتی ہوں؟" دعا نے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ غلط کہہ رہے ہو کہ میں ہی اسے بچا سکتی ہوں مگر سوال یہ ہے بابر! میں مغل کہ میں اسے کیوں بچاؤں گی؟"

وہ بیٹھے ہوئوں اور ہاتھ باندھے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے یہ سوال کر رہی تھی۔

● ● ●

بابر اماں مغل کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

"وہ اس سے بھی پوچھ کیوں نہیں لیتی۔"

اس نے بہت بہت کرکے اٹکا اٹکا کر کہنے کی کوشش کی۔

"اور بابر اماں مغل۔ میں کیوں کروں گی تمہاری مدد؟ کس لیے بچاؤں گی تمہاری بیٹی کو؟ کیا سوچ کر تم نے یہ اتنی بڑی قربانی طلب کرنے چلے آئے۔ میں تمہاری کتنی ہی لیا ہوں؟ جس نے آخر ایسا کون سا احسان کیا ہے مجھ پہ جس کا بدلہ چکانے کے لیے میں اپنا آپ بھینٹ چڑھا دوں۔ ہوں؟ جواب دو؟"

دعا کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے سوال کرتی تھی اور وہ زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

"بابر! ہم واقعی اس قابل نہیں کہ ہماری مدد کی جائے یا ہم پہ ترس ہی کھا لیا جائے۔ ہم آپ پہ کیا احسان جتائیں گے اماں! ہم تو آپ کے گناہ گار ہیں آپ کو حق ہے ہمارے ساتھ ہر برا سلوک کرنے کا۔ ہم ہمدردی اور ترس کے قابل ہی نہیں۔ لیکن ہماری بیٹی اماں جی۔"

اس کی سسکیوں پہ بابر ساری رو پڑیں۔ ہندسے ہاتھوں پہ آنسو بھرے گرنے لگے۔

"ہماری بیٹی بے قصور ہے اسے کس جرم کی سزا ملے؟"

"ہوگی۔ ضرور بے قصور ہوگی۔ واقعی اسے یہ سزا نہیں ملنی چاہیے لیکن اسے اس سزا سے بچانا تمہارا فرض ہے۔ میری کچھ نہیں لگتی۔ پھر میں اس کی خاطر اپنا آپ کیسے داؤ پہ لگا سکتی ہوں۔"

"ہم کسی سوچ کے یہاں آئے تھے کہ بے شک وہ آپ کی کچھ نہیں لگتی لیکن آپ ایک اور دعا کی پال ہونے سے ضرور بچا سکتی ہیں۔ ایک اور دعا کو اغوا ہونے سے ضرور روکا جا سکتا ہے۔"

دعا کے اندر کچھ چھنکا۔ کانچ چیخ کر گرنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ بکھر بکھر ہوتے ٹکڑے جاتی۔ اس نے اپنے چھاتی کا تصور سر دلوں کی اوٹ سے کیا اور اور پہلی کڑا کر کے چلا دی۔

"میں ہی کیوں؟ آخر میں ہی کیوں؟ میں ہی کیوں کروں گی اپنا؟ میری بار کون آئے گا بچانے؟ کس نے روکا تھا مجھے رہائے لوٹنے میں۔ کسی نے بھی نہیں۔ میرے باپ نے بھی نہیں۔ چھاتی نے بھی نہیں۔ بلکہ سب نے بھر چڑھ کے مجھے اس تباہی تک پہنچانے میں مدد کی تھی۔"

"تو اندر جا چکے ہیں آپ نہیں ہوں اس گدھے سے۔"

اٹھ وہ بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا اور باہر کی جانب جارحانہ انداز میں بڑھا جیسے اس پہ پل ہی توڑ دے گا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ پہ کے گریبان تک پہنچتے وہ اس کے پیروں میں گر گیا۔

"میں ایک بیٹی کے باپ ہو ہماری مجبوری سمجھو۔ خدا کا واسطہ ہے ہماری بات مان لو۔"

دعا اللہ وسایا کے پیروں پہ اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ ٹکائے ہوا تھا۔ اس کے آنسو اللہ وسایا کے سیاہ ہوتی انگلیوں، خشک اور کٹی ہوئی ایڑیوں والے پیروں کو بھی گیلے کر رہے تھے۔ یہ اللہ وسایا کے لیے ایک عجیب غریب احساس تھا۔

نیا احساس جو اس سے پہلے کبھی زندگی میں نہ ہوا تھا۔

وہ کھڑے سے بیٹھ گئے۔ ہتھیلیوں سے دو کیا۔

پہلی بار کوئی اس کے پیروں پہ سر رکھ کے گڑگڑا رہا تھا۔

ہمیشہ دوسروں کی خوشیاں سیدھی کرکے کام نکلوانے والے اللہ وسایا کو آج کسی کی عاجزانہ التجا نے کھول رہی تھی۔

دعا بھی تو تھا۔

تقدیر کی اس نرالی سوچ پہ حیران پریشان تھا۔ ایک جو جب بھی خوشی میں اوقات سے باہر ہوتے ہوئے یہ چاہ رہا تھا کہ قسمت سے پہلی بار آئے اس بھکاری کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے۔ وہ بے ہاتھ پھیلا کر لینے والے کو تو دینے کا سوچ رہا تھا۔ تو کسی جانے کیا پاکیزہ دن دوبارہ زندگی میں آ گئے یا نہ آ گئے۔

لیکن جب یاد آتا کہ پیروں میں گرا یہ شخص ایک حقیر نیزا ہے۔ آخر کس چیز کا طلب گار ہے تو وہ خود دل میں امتدادی سخاوت کا مظاہرہ کرنے کی اس خواہش کو کتنی حقارت سے دھتکارتا۔

"میں نے کہا نا سر پہ تو اللہ وسایا۔"

اپنے خلل کی بدلتی حالت سے وہ خوفزدہ ہوا اور زیادہ شدت سے دعا کو منظر سے غائب ہونے پہ اصرار کرنے لگا۔ اسے ڈر سا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس کا دل بابر کی منت سماجت سے موم ہو سکتا ہے تو ہو سکتا ہے اس کے آنسوؤں سے پگھل بھی سکتا ہے۔ جانے کیا تھا کہ اس کی بیٹی تھی دعا اور نرم دلی کی مالک ہے۔

"نہیں اماں نہیں۔" بابر نے تڑپ کے سر اٹھایا اور اسی طرح رنگ کے دعا کے پیروں تک کو چھوا۔ اب وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ٹھنڈے لرزیدہ ہاتھوں سے تھامے اللہ وسایا کے اسطے دے رہا تھا۔

"یہ بہت بھولی ہے۔ بہت معصوم ہے۔ وہ بہت ڈرتی ہے۔ ہماری بیٹی اماں جی۔ اسے یاد نہیں کہ ہم نے کبھی اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا ہو۔ اسے یاد نہیں کہ ہم نے اس کی پرورش پیشانی پہ کبھی بوسہ دیا ہو۔ اسے وہ پیار تو نہ مل سکا کہ ایک باپ سے ملنا چاہیے تھا۔ اب کم از کم ہم اسے اس عذاب سے بچانا چاہتے ہیں جو ایک نادار باپ کی وجہ سے اس پہ ڈال دیا گیا ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟ میں آپ کی اپنی لڑکی کی عزت تک کا سودا کرنے پہ تیار نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بھی مجھے ایک عورت کے پیروں پہ گرنا پڑا ہے۔ جانے خود کی بنا دوست۔ کہ کچھ دور سے میری بیٹی کا کیا ہوا۔ میں کا اللہ اسے بنا کا بچا سکتے ہیں کا عزت کیا ہو رہا ہے۔ مکاری کرنا کیا ہے کی کوشش کی۔"

"کیونکہ تو نے کہا ہے اماں آپ ساری مجبوری بیان کر چکے ہیں۔"

وہ بھی شاید بک بک کرو سلسلے دعا نے اب تک آپا اتنا بیان ہو گیا تھا اس لیے چھپنے چلانے پہ اتر آیا۔ یہ الگ بات کہ اس کی اس چیخ و پکار سے بھی اس کی بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیوں نہیں یقین کرتا آپ لوگوں کو۔ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے ہم دو کر سکتے تھے ہم نے کیا۔ ملک سہیل کو اللہ اور رسول کے واسطے دیے۔ سنت کی دھمکیاں بھی۔ آپ دونوں کے پیروں پہ باری باری سر بھی رکھ دیا۔ اور کیا کریں اماں! ہماری بیٹی کی قسمت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"توبہ اللہ! میں خود ایک حقیر بے مایہ انسان۔ میری اپنی تقدیر مجھے قدم قدم پہ حیران کر جاتی ہے۔ میں کیا کسی کی

قسمت سنوار دی گی۔"

"ہمارے لیے تو آپ ہی اس وقت سب کچھ ہیں۔"

شیلا اس کے حواس کالا میں مبتلا تھی پاس کی دائی کیفیت درست نہ تھی جو وہ لڑکھڑا گیا۔

"اگر آپ نے ہماری بھلائی کی تو ہم اپنی جانوں سے کھیل گئے۔"

"اوئے پیر جھکیاں جائے اپنے بے بے کو دے۔ تیرے مرنے کی تکلیف اسے ہوگی۔ ہمیں نہیں۔ اور مرنا ہے تو جا۔ جائے مرید لیکن یاد رہے۔ ہمارے کھلے سے بھی دور نکل۔ گے۔"

اللہ دسیا اور دعا کے چہرے کیسے لٹے تاثرات بھی بھانپ رہا تھا اور اس کے لہجے میں اترتی نرمی بھی محسوس کر رہا تھا جس نے جلد از جلد بار کو سلا سے چلتا کرنے کی فکر میں تھا۔

"ہم جانتے ہیں ہمارے مرنے سے آپ کا کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری بیٹی تک کو نہیں۔ ہماری زندگی اسے کیا دے رہی ہے جو موت کوئی نقصان دے رہی ہے۔ اگر ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو ہمیں مرجانا چاہیے اور اس موت کا ذمہ دار کوئی نہ ہوگا۔ ہم آپ کو الزام نہیں دیں گے اپنی موت کا۔ لیکن ذکر ہمارے مرنے کے بعد ہماری بیٹی جیتے جی مر گئی تو اس کی ذمہ دار آپ ضرور ہوں گی۔ آپ کو۔ اچھی جانیے اس کی زندگی بچانے کا ثواب آپ ہی کو ملے گا۔ ہم نہیں کر رہے۔ جیسے تو کو معاف کر دیا ہے کی آپ اس گناہ سے۔"

وہ درد بھرے لہجے میں کہتا۔ اپنی آستین کے میلے اور گلے کفن سے آنسو صاف کرتا ہوا۔ شکستہ قدموں سے چلنے لگا۔

"ٹھہرو۔"

دعا کی مضبوط آواز پر جہاں اس کے کھڑے سے وجود کی ساری رگیں ایک بار تنے تھیں وہیں اللہ دسیا کی آنکھیں نے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس کے قدم بے جان ہوئے اور وہ دیوار کا سہارا لے کر قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں تم سے نکاح کرنے پر تیار ہوں۔"

وہیں بیٹھا بات سن کر اللہ دسیا کو اپنی بیٹی زندگی کی تاریکیوں میں اترتی نظر آئی۔

اس نے قریب کے کمرے کی آواز سے اس لفظ فیصلے پر بولنا چاہا تھا۔ اس حماقت اور غیر ضروری جذباتیت سے باز رکھنے کی کوشش کرنا چاہا تھا مگر دعا کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس کی ہر تمام کوششیں بلا ثمر بے سود ٹھہریں گی۔

○ ○ ○

"وسنا وارا جسے میرے بابل دا پیارا۔"

بلقیس اپنی پیاری آواز میں غالباً کوئی پرتی بجاتی ہوئی گا رہی تھی۔

شہزاد نے جھنجھلا کر ہاتھ میں موجود کے پنسل پر ہاتھ رکھا اسے اس کی آواز سنائی دی۔

"شہزاد میرا کھوڑی جھیلا کھوڑی چھیلا۔"

اس نے پہلے تو مسکراتے ہوئے کہا تھا پھر جب کچھ اور کھل گئے اور اس کی گلوکاری کے ایسے مظاہرے پر اس کا یہ رد عمل پہلی بار ہی ظاہر ہوا تھا ورنہ جب بھی وہ گلے کے زنگ اتارنے یا پھر ریاض یا ریاض کرنے کے لیے گنگنا جاتی اصل کوئی تان بلند کرتی شہزاد کی بھنویں تن جاتی تھیں پیشانی سلوٹوں سے اٹ جاتی تھی۔ کبھی تو وہ خاموش احتجاج کر کے گھر سے نکل جاتا تو کبھی جذبات توڑتے ہوئے اس کے منہ کھانے کو ہنستا آج۔

وہ بے آواز قدموں سے چلتا اندر داخل ہوا۔

وہ سامنے قالین پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس کی پنسل میں پنسل کی تھام کر کبھی کبھی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ ہوئی ہمارت کے ساتھ وہ اسے بجا رہی تھی۔ اس کی سول سوئی انگلیوں میں پھنسی سونے کی

انگوٹھیاں اس وقت کو ایک نئی تاب بھی دے رہی تھیں۔ ساتھ بیٹھی دونوں ملازمائیں خوابی ماکن کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے تالیاں بجا رہی تھیں۔ اب ساکت بیٹھی تھیں۔ جن کی نظروں میں شہزاد کا وجود آپ کا تھا۔ جب کہ باہر کی پشت اس جانب تھی اس لیے وہ ابھی تک بڑے مگن انداز میں گیت گا رہی تھی۔ اچانک اسے اپنی ملازماؤں کے سہمے ہوئے انداز پہ نقطہ کھٹکا۔

"کی ہوا کڑیو؟ سانپ سونگھ گیا ہے؟ کھانی اور لہوں دتا ہوا۔ اور ملی جانے موت پڑتی ہے۔ سویاں میرے شہزادے کا شگن ہے اور یہ اتنی جلدی ٹھک گئی ہیں۔"

دائیں گھرتے تھی۔

"وسے بلی نی۔ وسنا تی۔"

آخر اپنے ہونٹ کر کے ہتھیلی پہ لگاتے ہوئے بالوں کی پشت کی جانب اشارہ کر کے اسے شہزاد کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ جانتا ہے دراصل شہزاد کی مسلسل مسکراہٹ نے بھی جھلکی تھی۔ اس کا ہو صفدر بندھا تھا کہ کم از کم ان بیل پہ جسارت مالک کو ناگوار نہیں گزری۔

"کھنڈی ماں بیدی ہے۔ تجھے منڈے ہی ہاں۔"

وہ گھٹنوں پہ دونوں ہاتھوں کا بیاز ڈالتی اٹھی اور اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ ٹھمکنے لگی۔ ملازمائیں ہنسی چھپانے کے لیے دوپٹا منہ میں ٹھونسنے پہ مجبور ہو گئیں۔

"ڈیر ہو گیا نال۔"

بازو اٹھاتے گاتے جب شہزاد کا ہاتھ تھام کر اسے بھی دو چار بل دینے کی کوشش کی تو وہ ذرا خفیف سا ہو گیا۔ آخر وہ اس وقت وہ مست سرشار سا گونج رہا تھا۔ اس نے بھی اس کی خوشی پر ہماری تھی مگر اس کا شرمیلا پن اسے خوشی کے اس بے ساختہ اظہار سے جھجکنے اور جھینپنے پہ مجبور کرتا تھا۔

"جلی ہو گئی ہوں۔ شیدا اس ہو گئی ہوں۔ مجھے پتر دی جنج نکلنے لگی ہے۔ ڈھولے پھل بانٹے ونڈو (بانٹو) یا جے جہاز سہرے لاؤ۔ میں لمبڑیں والتی جھنگڑے والتی جنج لے کر جاؤں گی۔ تمہیں پہلے دھولک رکھوں گی۔ کل سے روز رات ہماری بارہ دی اور ہمارا ملکا اکٹھا ہو کے شگنوں کے گانے گائے گا اور رات کی رول میں خود ساروں کے لیے پکاؤں گی۔ تو کل ہی ساراگھر اور ساری سڑک تیلوں سے سجا دے۔"

اس نے بیٹے کو تاکید کی اور اس کے دھوکے سے ایک بار پھر اس نے نوکرانیوں کو تالیاں بجانے کا اشارہ کیا اور اپنے ہاتھوں میں شہزاد کے ہاتھ پکڑے اوپر اٹھائے اور پھر سے گانے لگی۔

○ ○ ○

"آپ کی طبیعت ناساز ہے ایسی حالت میں اور اپنی پناہ گزین گری میں آپ کہاں جانے کا قصد فرما رہے ہیں؟"

صاحبزادی حرمت النساء نے صاحبزادہ نصیر علی خان کو خاکستری رنگ کی ہلکی ہلکی شیروانی سب تن کرنے کے بعد عطر لگاتے دیکھا تو خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائیں۔

"یہ ایک سخت ضروری کام جو بھاگنے کسی مصلحت کے تحت ملتا جا رہا ہے۔ لیکن اب ہم اسے مزید ٹالنا نہیں چاہتے۔ ممکن کوئی وجہ آنے والی ہو تو کبھی کوئی ہیر ہلال یہ حکم خداوندی بھی ہو سکتا ہے۔ جب تک ہمیں کی ذات اقدس نہ چاہے بندہ حقیر اپنے کسی ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ ہم نے سوچا ہے آج اللہ کا نام لے کر نکلا جائے۔ اگر قسمت میں ہوا اللہ نے چاہا تو یہ کبھی بھی سلجھا لیں گے۔"

لفظ "کبھی" صاحبزادی حرمت النساء کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس معاملے کو سلجھانے کے لیے گھر سے نکل رہے ہیں وہ خود شدت سے یہ معاملہ حل کرنا چاہتی تھیں لیکن یہ نہیں یاد رہ گئی تھی کہ آج انہیں اس مقصد کے تحت باہر نکلنا ہے کیونکہ انہیں ایک اضطراب نے آن گھیرا۔

وہ شدت سے چاہتے تھیں کہ انہیں کسی نہ کسی بہانے روک لیں۔

"اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مصلحت خداوندی یا مشیت الٰہی کے تحت یہ کام مستقل التوا کا شکار ہو رہا ہے تو میری التجا ہے کہ آپ اس کام کو رہنے دیجئے۔"

"میں باتیں کر رہی ہوں۔ آپ ہم حرمت القساء جب تک واضح حکم نہ ہو انسان کو کوشش کرتے رہنا چاہیے اور ہم خدانخواستہ کوئی ایسا کام تو نہیں کرنے جا رہے جس سے خلق خدا میں سے کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

انہوں نے گفتگو کرنے کے بعد نرمی سے سر ہلایا اور اپنی عصا پہ ہاتھ رکھا۔

ان کی تسلی کرانے کے لیے چند صابر جزری حرمت القساء کے آئین پیش کر رہے تھے۔ وہ اپنے دل کی آہٹ کو کوئی واضح نام دینے سے قاصر تھیں مگر یہ بات ضرور محسوس کر رہی تھیں کہ یہ خبر اچانک کسی آنے والی بڑی پریشانی کا پیش خیمہ ہے۔

"آج موسم بے حد گرم ہے۔ باہر تپش برس رہی ہے۔"

"جانے ذاتی گرمی میں آپ کو تپش کہیں کب تک ملے۔ کم از کم عصر میں یہاں کے آنے کا انتظار کر لیجئے۔ آپ کو لے جائیں گے تب تک موسم بھی تو مل چکی ہوگی۔"

"ہم انہیں پہلے ہی منع کر چکے ہیں۔"

"آپ کی طبیعت محترمہ ہیں خدانخواستہ بگڑ گئی تو کسی نہ کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

"بات کیا ہے بیگم صاحبہ!"

اس بار ان کی رخشندہ آرائی پہ انہوں نے بات کاٹ کر سوال کیا ورنہ مقابل کی بات کا تناؤ عدد جب تک تنہا ہی خیال کرتے تھے۔

"بس ایسی کچھ نہیں ہم اداس ہوئیں۔"

وہ کڑ بڑا گئیں۔

"صرف اتنا چاہ رہے تھے کہ بات آپ اپنا آج جانا موخر کر دیجئے یا پھر عصر میں یہاں کو امراء کے جائیے۔"

کچھ توقف کے بعد انہوں نے ہمت کر کے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

"افسوس ہم فی الوقت آپ کی کسی بھی ہدایت پہ عمل نہیں کر سکتے۔"

بے لچک انداز میں کہتے ہوئے وہ منتظر سے باہر نکل گئے۔

"نواب صاحب! ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ اس سے پہلے آپ ہماری کوئی بھی ہدایت پہ عمل کرتے رہے ہیں۔"

وہ کڑھنے لگیں۔

"یا اللہ! ہمارے تمام وسوسوں کو دور فرما۔ نواب صاحب کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔ انہیں ان کے مقصد میں کامیاب فرما اور ان کے ساتھ ساتھ انہیں کسی بڑے ذاتی و جذباتی اشتعال سے محفوظ رکھنا ان کی صحت اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔"

وہ دعا میں مشغول ہونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"ہوئی ہے میری گل سن۔"

"جی ابا۔"

اللہ دسائے کی آواز سے جھنجلاہٹ کے تیور ہویدا تھے۔

"اس فیصلے میں تیری خوشی بھی شامل تھی۔ سب تیری رضامندی سے ہوا تھا اور اب تو خود مکر رہی ہے۔ بڑوں کا

فیصلہ تو اُن کے اپنا فیصلہ آپ کر رہی ہے اور وہ بھی اتنا کم عقلی کا فیصلہ۔"

"ہاں اس فیصلے میں میری خوشی اور مرضی شامل تھی۔ مگر یہ فیصلہ تقدیر بھی کرتی ہے اور انسان کو اپنے بڑے میں چاہے اس میں اس کی خوشی شامل ہو یا نہ ہو۔ اور پھر ابا جی! وہ فیصلہ صرف میری ذات سے نہ تو تھا ہی ساتھ اس فیصلے کو توڑنے سے نقصان بھی صرف میری ذات کو پہنچے گا لیکن اگر میں یہ دوسرا فیصلہ کرتی تو کسی اور کی زندگی برباد ہو سکتی تھی۔"

"یہ تو کہیے کہ سکتی ہے کہ اس فیصلے سے صرف تجھے خوشی ملی تھی اور تجھے نقصان ہونا تھا کیونکہ تم سب تیرے کچھ نہیں لگتے ابا جی ہم خوش نہیں تھے۔ اور اس وقت وہ حالات میری ہے کیا یہ ساری بات جان کر تیری ماں اور شہزاد کو بھی بتانا ہی پڑے گا۔ بول بتا تو اب وہ بے پیری بات کیا؟ کیا اور کسی کا نقصان نہیں ہوگا؟ ہے تیرے میں اتنا حوصلہ کہ تو اپنے منہ سے اپنی ماں کو بتا سکے کہ وہ تجھے نوں بڑھنے کا خوب چھوڑ دے کیونکہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔"

اللہ دسائے نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا اور وہ واقعی ہو بھی گئی۔ آنے والا وقت اسے ہولانے لگا کہ کس شرح سامنے کرے گی وہ ماں کا۔ خصوصاً بھائی کیا تو یہ پیش کرے گی وہ اپنے اس نئے اہم کی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔

"بے وقوف! ساری عمر کتنی ہی سکون اور عزت والی زندگی کے لیے اب اللہ ہونے نے گلے لگائے ہیں تو آپ ناشکری کر رہی ہے۔ یہ جو تو کرنے جا رہی ہے نری خودکشی ہے اور خودکشی حرام ہے۔ جس زندگی سے تو نفرت کرتی ہے وہ زندگی جان بوجھ کے جینا خودکشی ہی ہے۔ میں تجھ سے بلیک میلر کر کا کہنا تھا تو مرنے کتنی تھی اب کیسے تو ٹھک کے اشارا رہی ہے۔"

اچانک گل بیل کی تیز آواز اسے اپنا لیکچر موقوف کرنا پڑا۔

"یہ تیری سیریز کے ون ہے۔"

وہ اٹھ کے دروازہ کھولنے گیا اور جاتے جاتے اس نے اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر جھانکا جہاں باہر ہوا میں سنگل اس کے بستر پہ جوتوں سمیت بے پروا لیٹا رات دھاگی ہوئی شاید وہ سب نہیں پایا اور گھر سے نکلنے نکلنے کرائے بھیں کر گیا۔ اللہ دسائے نے اس کے بے ہوش وجود کو بمشکل اٹھا کے اندر ڈالا تھا۔

"منحوس! خبیث! انسان آپ بے ہوش پڑا ہے۔ ادھر تمہر تھلی بجا کے رکھ دی ہے۔ آخر اس رات سے شور ہوا ہوں اسے سمجھانے کب سورج سر پہ آن کھڑا ہے۔ اور یہ کیا جادو آتا ہے جس کیل بندے کو دوسری سے مار کے رکھ دیتی ہے۔"

بے سدھ پڑے باپ کو کیونکہ تو ہر قلیوں سے ٹھوکرنے کے بعد وہ مسلسل بڑبڑاتا اسے گالیاں دیتا آگے بڑھ رہا تھا مگر گیٹ کھولتے ہی اس کی دو ٹکا کی کو بریک لگ گئی۔

سامنے تکلیف سے بلا تو ہی تھی۔

اللہ دسائے نے بے ساختہ پلٹ کے پیچھے دیکھا جیسے کسی منتر کے زور سے اپنے گھر سے باہر کے بے ہوش وجود کو غائب کرنا چاہتا ہو۔

"بلا سائے بھرا اللہ دسائے تو ایسے پیر جنوں کی طرح کھڑا ہے جیسے میں تیرے دروازے پہ نہیں تو میرے گھر آیا ہے۔"

فیجہ سے وہ پیر ڈرائیور کے تھپڑ مارکے وہ اب پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

"چنگا بھلا صبح نکلتے ہوئے شہزاد نے میرے سے پوچھا تھا کہ کہیں جانا تو نہیں گاڑی ڈرائیور کو چھوڑوں پر اک تو تب میرا ارادہ نہیں تھا اور یہ جو میں نیند میں تھی۔ شہزاد آج نکلا بھی تو ازانوں ویلے تھا۔ کہنے لگا تھا

شوٹنگ واسطے نکلنا تھا۔ اور میں دھیان آیا۔ کہ بابا سے میں نے تو روٹی کا ٹاپ لینے جانا تھا۔ کپڑوں کا بنوانی کا پوری کا۔"

وہ خود ہی اپنے کہے کو قصہ در قصہ بنا کر بولنے لگی وہ اسے روک بھی نہ سکا۔

"اچھا؟"

"اور اب۔ بدلی نہیں ہوئی میں نے اپنے چہرے کی۔ دیکھنا ہے بھرا سارا شہر تک تک کے سڑے گا۔ میں اپنی شاندار بڑی بڑی آنکھوں کی سوہنڑے سارے جھلمل جھلمل ہمت لڑا ہوا۔ گلوبند پونڈر والا بار سورج مکھی بار چھینٹے سارے والے گیرے کا جوڑ گزرے ہوئی (آہ ہنا) ہونٹ تکلا ہوا نہیں یار چوڑیاں سرے پر تک سونے سے بھریوں کی انتہا اللہ قوتی اپنی دھی رانی کو۔"

اللہ وسائے کا دل ایسا ہوں تھرتھر ہوں کے جو تھیلے لمبے کو سن سن کر رکت رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ قریب پہنچتی جا رہی تھی اس کی بلند آواز بھی اندر تبھی دھانک تک پہنچنے لگی۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ وہ وقت تھا جو آسیب زدہ وقت جس کا تذکرہ اس کے سامنے کیا تھا اس کے خوفیہ کر رہا تھا۔

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ وقت بگڑ بگڑا کر اتنی جلدی حق پہنچے گا۔ ابھی تو اس نے فوراً کوئی تدبیر تیار بھی نہیں کی تھا۔

"لے تو بھی اپنے بندی کی طرح ہو ہو (فکر فکر) پیرا منہ تک سڑی ہے۔ لوں تجھے کیا بات حیرت ہے۔ میرے اچانک پہنچ جانے کی گاڑی کی بجائے تیسری پر آنے کی؟ یا پھر۔" وہ شرارت سے دھانے کے سر پر چپت لگانے لگی۔

"یا پھر شہزادے کے ساتھ آنے کی بجائے اکیلے آنے پر؟ کیوں بات ہو گئی ہے نا۔"

وہ چھیڑ رہی تھی اور وہ خاصی دل جلی سی شرما کر رہی تھی کہ اسی اثنا میں

"بھئی کیا بات ہے تجھ سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ مولا سلامت رکھے گڈیوں والے چڑی ماں ہوں۔ اللہ اسے دوگی ہوائے چار چار گڈیاں موٹریں دیں۔ ہوائی جہاز دے۔ لیکن آج میرا اتنا جی کر رہا تھا آنے کو کہ تجھے بھوڑ بھیجے کھوٹا رہ بھی چھی آواز آ رہا تھا۔"

غصہ اگاتے کرتے ہوئے اس نے اللہ وسائے کے کمرے کے سامنے رکھے موٹے پیندے والے بھی تک اسے ان دونوں میں سے کسی نے بھی پیچھے کو نہیں کہا تھا۔ غصہ اور ان کی حیرت سمجھ رہی تھی۔

"چلو اچھا بھی ہوا اب آ گئی ہو کیا حیرت؟ میں کوئی مرے کو دیا زندہ ہونے کے بعد تو نہیں تھی؟"

اس کے قہقہے نہیں تھم رہے تھے اور دونوں نانیاں اوپر کی کر کے موٹے رکھتے ہوئے جب اس کی نظر دیوار کی اوٹ کھڑے دروازے سے اندر بڑی اوٹ خود اور بات سے بات دھیرے دھیرے ساتھ لیتے ہوئے تھم گئے۔

اس نے کرن ذرا آگے کر کے آنکھیں سکوڑ کے دیکھا دھاگی سانس جیسے تھم گئی تھی اور اندر حاکر رہا تھا۔ اس کے لیے وہ جان بچانی کے اندر کون ہے۔

"یہ کون آئے بھرا؟ چڑے تا یا کوئی بندہ؟" چونکہ اللہ وسایا اس کے سسرال سے تھا برادری ایک تھی اس لیے اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہیں نہیں کوئی نہیں۔ ایویں کوئی جاننے والا ہے۔" وہ دیکھا کے دروازہ بند کرنے آگے بڑھا۔

"ضرور کوئی جاننے والا جوان بھی ہوگا کہ تو ایویں کی جان پہچان والے کو اندر سلا رہا ہے۔"

اب اللہ وسائے کی پیر بات مشکوک سی لگی اور اس کے حیران پریشان رویے سے مربوط بھی اس لیے وہ صرف بیٹھتی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اگرچہ اس وقت تک وہ دروازہ بند کر چکا تھا۔

"لے تکہ ذرا کیسے شرما رہی ہے۔ مواروں کی طرح سوا رہا ہے۔ ہوتی تک نہیں آتا ہی ہے کون شہزادہ۔"

اس نے دروازہ کھول کے ذرا قریب سے جھانکا اور یہ جھوکر نے کے بعد پلٹ کے سوال کیا۔

اللہ وسائے کے چہرے پر عجیب سی تاثرات تھے جیسے وہ ہوا تو اس کے بھاگنے کے چکر میں ہو یا تو دور نو چکر ہونا چاہتا ہو۔ اور رہا اس کا نور تک بھی ہو گیا تھا۔ اب بالکل ہی اس کا رویہ غیر معمولی لگنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ حیرت دراصل اس کے بغیر اطلاع کے اچانک آنے کی نہیں تھی۔ یہ حیرت شدید قسم کی گھبراہٹ میں چھپی ہوئی تھی۔

"ایسا کیا ہو سکتا ہے جو یہ دونوں مجھ سے چھپا رہا ہو رہے ہیں۔" اس نے اچھنبے سے سوچا۔

"پھر یہ کیا۔ خطرہ ہو گا کہ شہزادہ وسائے نے اسے بار کی جانب رہتا کہ کے روکنا چاہا۔ حیرت بنی کھڑی رہا کو جھٹکا۔

"آوارہ ہے۔" مگر وہ اس سے مس نہ ہوئی جو ہونے جا رہا تھا اس کے بعد وہ اس کی نظر میں بے حد ہلکی ہو چکی تھی لیکن اس کے بارے میں بند تو اس ہونے کو رکنے کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہونے سے روکنے پہ قادر۔ اس کا دل چاہ رہا تھا جو ہوتا ہے وہ ہو جائے گا۔ ایک ہی بار ہو جائے بھلائی سے ہو جائے۔

"تو بے۔ تو شرما رہی ہے۔" اس کے قریب پہنچنے پر وہ کے جھکنے انجمنے محسوس ہوئے تو وہ نے اک بے وقار رکھا کھڑکر وسائے کے قصے سے دیکھنے لگی۔

"کیسے بے وقوف انسان ہے تو بھرا۔ اپنے نفسی آوارہ یاروں کو کمی گھر میں گھسا رہا ہے اور وہ بھی رات رات بھر کے لیے جوان دھی کا بھی ہے مگر عقل مند ہزار بھی نہیں ہے۔ اب دیکھ اگر شہزادے کو خبر ہوئی تو کیا برا لگے گا اسے۔ اب یہ صرف خبر اچھا نہیں ہے۔ ہونے والا ہوا ہی ہے۔ ہوائی چیز سے بڑھ کے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ آوارگا کا کوئی عقل والی بات نہیں ہے۔"

وہ حسب عادت اپنی بلند آواز میں گزرتی تھی۔ کہ پھر اپنے سر کے عین اوپر ہونے والی اس بیداری سے ہوش کی دنیا میں آ گیا۔

اور کھڑا ہو کر اٹھتے ہوئے وہ دستر سے اتر کر کھڑا ہوا تھا اور رہا اور رہا وسایا پاؤں کے عقب سے نمودار ہوتے اس کے سامنے کھڑا ہو۔ جو اس کو دیکھ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والی قیامت کا تصور کر رہے تھے۔

"اوہ۔ ہم ہم اب تک یہیں ہیں۔"

وہ ہوش میں ضرور آ چکا تھا مگر ذہن پوری طرح بیدار نہیں تھا اس لیے صورتحال کی سنگینی کو سمجھ نہیں سکا۔ دھماکے چہرے پر پھیلی سراسیمگی نوٹ کر سکا صرف اسے اتنا ہی اندازہ ہو پایا کہ اب تک وہ ان کے گھر میں ہے حالانکہ وہ تو رات کو ہی چل نکلا تھا۔ اس کے ساتھی اسے یاد آیا کہ نکلتے ہوئے اسے فاصلہ زیادہ پکڑ آیا تھا۔

"تو یہاں ہم رات بھر یہیں تھے؟"

اس کی آواز پہ وسایا اپنے کے پلٹ تو چکی تھی اب اس کے لیے غور کر کے اور اس کے چہرے کو کھوج کر جان چکی تھی کہ سامنے کھڑا شخص کون ہے۔ اس کے بھی جواب سے یقین نہ ہوا۔ اس نے تصدیق طلب نگاہوں سے دھماکو دیکھا۔ اس نے بخوبی اعتراف کے ساتھ گردن جھکائی۔

یہ بات کے ان حوالوں کا اب تھا اس سے ابھی کچھ بھی نہیں تھے۔

"ارے۔"

صدمے اور سراسیمگی سے اس کی آواز گھٹ گئی۔

"یہ کیا ہے؟ کیوں پڑا ہے یہ اس گھر میں؟"

بہت جلدی اس کا یہ صدمہ غصے میں بدل گیا اور وہ حلق پھاڑ کے چلانے لگی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ یہاں موجود سب کے پرخچے اڑا کے رکھ دے۔

اس غصے نے باہر کی بھی۔

اس ابلیل لالچی اللہ وسائے کے۔
اور اس سیفدہ اردو کے بازاری دعائے بھی۔
یہ سب اسے اپنے لالے اکلوتے بیٹے شہزاد کی خوشیوں کے قاتل لگ رہے تھے۔ سب نے مل کے اس کی بہت دراصل تھوڑا بولا تھا۔

"دیکھئے محترمہ! ہم آپ کو بتاتے ہیں۔"

ان دونوں کو کسی قسم کا جواب دینے کی صلاحیت سے عاری دیکھ کر باپ نے بات پکڑی اور وضاحت کرنے لگا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ۔"

"دے یہاں مرتو۔"

باپو نے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دے کر پیچھے کیا۔

"فرزانہ! سارے ہیں اور تسلی تو ملی مجھے شرم نہیں آتی تمہارے شہزادے کی منگ ہو کر اس کے مرضی کے خلاف چاری ہے۔ مجھے پتا نہیں کہ وہ اس بندے سے کتنی خار کھاتا ہے اور تو اپنے بیٹے کو منع تک نہیں کیا کہ وہ اسے گھر میں نہ آنے دے۔ مجھے تو شہزادے خاموشی سے لگ رہا ہے کہ یہ بوڑھے طوطیوں کی طرح بولتا نہیں ہو کے پڑ رہے تھے کی وجہ سے ہی دبا ہے۔"

دعا نے اس الزام کی تردید نہیں کی بلکہ بولنے شاید وقتی اشتعال کے تحت لگایا تھا ورنہ اس کا دل ابھی تک یہ نہیں مان پا رہا تھا کہ وہ اس کے یا شہزاد کے اغوا کو نہیں پہنچا سکتی ہے لیکن دعا کی خاموشی اس کے شک کو تقویت پہنچا رہی تھی۔ دوا بھی بھر گئی۔

"یہ جو باپ فیصل آباد میں اکلوتی تھی میرے شہزادے کی منگیتر ہوئی ہے اور گھر میں یہ خرابی تو سراسر کھسیانا ہوا ہے۔"

جواباً دعا نے اپنا آخری شہزاد کی پہنائی انگوٹھی اتاری اور سرے سے قدم اٹھائے باپو کے سامنے رکھ دی۔ اس کا مطلب ایک سیکنڈ کی تاخیر کے بغیر آگئے بڑھا اس کی ہتھیلی پہ وہ انگوٹھی رکھ دی تھی۔

مگر باپو اس انگوٹھی کو اٹھانے کی بجائے صدمے اور بے یقینی سے بیٹھتی رہی۔

"دیکھ لیا۔ تو نے انگوٹھی اتار دی ایک بار بھی نہیں سوچا کہ شہزادے نے کتنے ارمانوں سے خریدی تھی کیا ہو گیا ہے تو کی تجھے؟ مجھے تو کیا کوئی تجھے مجبور کر رہا ہے اللہ وسائے کا دھمکا رہا ہے؟ بتا مجھے چند دن دینے۔"

دعا میں اتنا کہہ کر پل میں باپو کی تعمیری اب دیوار سے مجھے سمجھے میں اسے چکرا دی تھی۔

اس نے الزام۔ اللہ وسائے نے بھید اگر کیا تھا تو باپو کو اس کا علم تھا۔

"مجھے پتا ہے تو کوئی نہیں ہے۔ تو تو میری ہوتی ہوئی بھی کی۔ ضرور تجھے کسی نے دغا دیا ہے۔ صبح کو تو ساروں کو کیا دیکھے تھی سے دبنے کی چلی تو میرے ساتھ میرے گھر چل۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

باپو کو دوبارہ کی ہوئی۔ اسے بولتی پڑا اور شادی کی تیاریاں اسے کمزور کرنے لگی تھیں۔

"تب اکلوتی واپس لے لے تجھے ابھی تو۔"

اتنے واضح بیان کے بعد بھی باپو کا ہاتھ اسے لینے کے لیے نہ بڑھا تو دعا نے خود انگوٹھی اس کے ہاتھ میں رکھ کے مٹھی بند کر دی۔

"بھائی سے میری جانب سے معافی مانگ لینے گا مگر میں ان سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"تیری کوئی چیز کوئی بار دھمکی ہوئی ہے؟ کچھ کہا ہے شہزادے نے؟ مجھے بتا میں اس کی خبر لیتی ہوں۔ کان پکڑ کر آگے کا سب بات کرتے ہوئے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ انہیں منع کر دیجئے یہاں مت آئیں رشتے بھی کل کے بعد شاید میں یہاں نظر نہ آؤں۔ باہر صاحب سے شادی کے بعد میں فوراً ہی ملک چھوڑ رہی ہوں۔"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے بدلتے تو اس سے شادی کرے گی تجھے لگتا ہے اس نے تجھ پہ کالے جادو کا پڑا ابھی وار کیا ہے کچھ ہوش کر لو۔"

باپو اسے سمجھانے لگی۔

دعا کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ وہ اب ماں کے کسی بھی مزید سوال کا جواب دینے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی۔

"چھوڑیے مجھے آپ کو کچھ نہیں آپا میں کیا کہہ رہی ہوں۔ نہیں کرنی مجھے آپ کے بیٹے سے شادی کوئی زبردستی ہے کیا؟"

وہ تیزی سے اپنا آپ چھڑاتی وہاں سے نکلی۔

"ارے بیٹھ۔ اللہ وسائے آس کے پیچھے لپکا۔

"مجھے جانے دیں پاپا جی۔ بھروسہ تک تجاوز کی۔ تب تک آپ ماں کو سمجھا بجھا کے رکھیں پلیز۔"

وہ تیزی سے کھلی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ فرزانہ سے مزید نہ کوئی نظر آ رہا تھا۔

وہ مجھے ارسے قدموں سے بعد اور اوٹا پاؤں خشمگیں نگاہوں سے باہر کو تک رہی تھی جو سر کے سرے پہ تھا اور اندر میں سر سہلوائے بیٹھا تھا۔

"ہم جانی آپ گھر جا معاف کرے ہم دونوں کو۔"

اس نے عاجزانہ انداز میں اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑے۔

"معاف؟ معاف تو تجھے میں مرکے بھی نہ کروں گی۔ تو نے ہو رے کتنی کی دشمنی نکالی ہے۔ میں نے بیچ نہیں کیا پھر چلی۔ رب کی سوہ میں نے بڑا سمجھایا ملنی کو مگر یہ جو فیشن (منحوس) انسان ہے نا۔ اس کی کوئی کوشش سوچتے کیسے جو گانی نہیں چھوڑا۔"

وہ تھا نہیں اور کتنی دیر تک اپنی صفائیاں پیش کرتا رہا مگر کال بیل کی آواز پہ اسے گھر سے نکلنا پڑا۔

"ہلی آئی۔"

باپو ایک بار پھر خوش امید ہوئی۔

"اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو گا۔ بھلا ابھی آ کر کے کی ماں میں نے تو تحمل کیا تھا۔"

"دو گھڑی پہ ہی ہے بھر بالی نا جو کسے کی آواز آئی۔"

اللہ وسائے نے نکلتے نکلتے اس کی اس آخری خوش فہمی کا گلا گھونٹنا ضروری جانا۔

"ہاں جی! کس سے ملنا ہے آپ جناب ہو رہے؟"

اگرچہ اس کا مزاج اس وقت انتہائی برا ہو رہا تھا مگر دراز قد، گہری شخصیت اتنی بارعب محترم اور بزرگ تھی کہ وہ خود اس کا لہجہ سنبھل گیا۔

"ہم صاحبزادہ نہیں علی خان ہیں اور ہمیں محترمہ دعا صاحبہ سے ملنا ہے۔"

اتنا شائستہ اب نہیں ایسا قابل عزت انداز دعا کے نام کے ساتھ محترمہ اور صاحبہ۔

اللہ وسائے اندر سے پورے کو بھول بھال ایک دم ریشہ خشمگیں ہو گیا۔

"محترمہ! کیا آپ ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے ہیں؟"

اس طرز تخاطب پہ دادا دونوں میں الرٹ ہو گئے۔

"وقت کیسے نہیں ہے اس وقت۔"

"آپ کی تعریف۔ اسم گرامی؟"

اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا کہ گھما پھرا کے تعارف مانگا جا رہا ہے اس لیے فوراً اپنا نام بتایا اور تعریف دعا سے اپنا رشتہ بھی۔

"سمجھ رہا ہوں جی اس کا۔"

"تو پھر ہم جس مقصد کے تحت آئے ہیں وہ آپ سے گفتگو کر کے بھی پورا ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو کیا ہم آپ کا کچھ وقت لے سکتے ہیں۔"

"وقت۔ دعائے پروگرام لینا تو عورتوں کے لیے بہتر رہتا ہے۔"

ان سے یہ جواب اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اپنے تئیں بڑی شائستگی سے دیا تھا تو نواب صاحب کو سخت گراں گزرا۔

"لاحول ولا۔ برادرم ہم یہاں ایک بے مدد زاتی مسئلے کو لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

"آج ہمارے مسئلے ہمارے گھر ہی اٹھتے ہوتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا پھر کچھ قبول آنے پر باسمہ بیٹھنے کے لیے ذرا سا پیچھے ہٹا۔

"اچھا جی آؤ تمہیں ہی۔"

اس کو خیال تھا شاید کسی مہمان کی آمد کی وجہ سے یا وہاں انہوں نے ٹھہرنے کا پروگرام موقوف کر کے گھر سیدھا رہنے کی قسم کی مخالفی دینے کی زحمت سے بچ جائے۔

"تشریف لائیے جناب۔ آپ کا مسئلہ بھی سن لیتے ہیں۔" اور یوں اور ان کے احسان جتانا تھا جیسے کسی سے کچھ باقاعدہ ثابت لگا کر لوگوں کے مسائل حل کرتا ہو۔

صاحبزادہ نفیس علی خان دھیرے دھیرے کے ساتھ صحن کے قدم اٹھاتے اس کے پیچھے اندر داخل ہونے لگے۔

☼ ☼ ☼

نعمانوں سے بیدھی نگاہ کے نکلیت جا پہنچی۔

"ارے تم تو تھی صبح سویرے؟"

طنز کے کیوں پیچھے والے تھے مگر اس کے لیے یہ صبح سویرے کا وقت ہی تھا۔ اس کی آنکھوں کی کالی بیل پہ کھل تھی۔ آنکھیں جیسے شرارتیں لیتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے دعا تھی۔

"تم سے ایک بہت ضروری کام تھا۔"

اس نے تجسس دانداز میں اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

"تو اتنا ضروری صبح تک کا انتظار نہیں اور رہا تھا۔ دن چڑھ لینے دیتیں اور یہ جو صبح نکل آئی؟"

اس سے بات کرتے کرتے اس نے ترنگ کے بہرے لیتے ہوئے قرار سے آتی چلی آتی صبح اور تیز دھوپ سے اندازہ ہوا کہ کیا وقت ہو چلا۔

"کمال ہے پتا ہی نہیں چلا۔ آؤ بیٹھو تب جاتے تو ہو گی ناشتا سنگوا دیں تمہارے لیے۔"

وہ تو اب مہمان نوازی پہ اتر آئی تھی۔

"یہ سب رہنے دو میری بات سنو پہلے۔"

مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر نیچے والی کیاریوں کے پھولوں کو آوازیں دینے لگی۔

"ارے بیٹھو۔ کچھ لاؤ اور تم ہم سے ٹیک لگاؤ تب ٹھہرا لا ہو اور ایک پلیٹ چنے۔ ذرا جلدی بھیجنا۔"

"اگر میں باتیں کروں گی۔"

اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتے ہوئے بات کہی۔

"ہاں بابا بتاؤ۔ تمہیں باتوں میں کھاتے پیتے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دو بندوں کا ناشتا اس لیے منگوایا ہے کیونکہ گھر میں ایک مہمان موجود ہے جب سب لوگ تمہاری طرح چائے پہ گزارا کرنے والے تو نہیں ہوتے۔ شاید ابھی چائے کا ذائقہ بدلنا چاہتے ہوں۔ پھر کرتے ہیں غور تمہاری ضروری بات پہ۔"

مگر وہ کا ذہن ذائقہ "مہمان" پہ ہی اٹک گیا تھا۔ اس نے چائے بنانے کے لیے اٹھتی نگاہ کا تعاقب کیا تو خام ترا سے دوبارہ تھما دیا۔

"کون مہمان؟"

"یہ کوئی۔ مہمان بھی کیا بلائے جان سمجھ لو آفت کا تقاضا۔" اس نے منہ بنایا پھر خود ہی ہنس پڑی۔

"تیرہ مفت کا نہیں ہے یوں سمجھ لو پہ ایک کیسٹ ہے۔"

"پھر مشکل ہو جائے گی۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیوں اہمیت؟"

"دراصل مجھے تمہاری مدد کی ضرورت تھی تمہاری بھی اور تمہارے گھر کی بھی لیکن یہاں تو تمہارے مہمان موجود ہیں۔ شاید میرا کام نہ ہو سکے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تمہیں میری مدد کی یا میرے گھر کی ضرورت ہو تو کس کی بھول ہے جو بیچ میں تنکے اس لات مارے کہ اپنے ہی نکالے۔ پہلوں کی ضرورت سنی بات کہ اس کی نوبت ہی نہیں آنے والی ہے تم پہ کوئی آنچ آئی ہے اور تمہارے تمہارا گھر بات ہے آیا کیا ہے؟"

"اگر بات یہ ہے کہ مجھے نکاح کرنا ہے اور وہ میں اپنے گھر یا کسی بھی اور جگہ کرنے کی بجائے یہاں تمہارے قلیتہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟" بھلا اچھل ہی تو پڑی۔

"تم تو بتا رہی تھیں کہ تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔ اگلے ہوں ستائیس۔ پھر اچانک نکاح کا فیصلہ اور وہ بھی اتنا خفیہ اور بنا کسی ہے۔ کیا ماجرا کیا جا رہا ہے؟ مجھے بتاؤ کسی رقیب روسیاہ کا چکر تو نہیں۔ میں ہاتھ لگانے سے مزاج تھکا تنگا دل کی اس رحمت چھوڑ کے۔"

وہ میر سنجیدہ تھی اور دعا کو اس کی جن ترانی ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی۔

"ایسی ویسی بات نہیں۔ تم تو ہم سے میری بات سنو۔"

"اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ گھر والے ہی سمجھوں کے نئی رضامند تھے بلکہ جان تک مجھے پار چڑھا ہے تم نے بتایا تھا کہ تمہاری بابا مختار صاحب سے بڑھ کے آزاد ہو رہی ہیں تمہیں اپنے گھر لے جانے کے لیے۔"

وہ اندازے قائم کرنے کے سوا میں تھی۔ دعا نے زچ ہو کر مقام لیا۔

"نہیں۔ ان آپ کل کی سامنے کا کوئی تصور نہیں۔ ہو گا کوئی مسئلہ ٹال دیا ہو گا ذرا کی چھوڑو اور اب تم دونوں اس تنہیہ اور ایمرجنسی نکاح کے زریعے اگلے ہونے والی بڑی شادی کو کھوٹا کرا رہے ہو۔" "تم نے بیٹھ کر مستقبل تھا۔ مجھے یہ پتا چل گیا ہے کہ تمہیں مختار صاحب تو بلند کی ہی انداز سے خطرہ ہے۔"

"خطرہ ان کی دادا سے نہیں خود مختار صاحب کی چاہت سے ہے۔ میں ان کی کسی بھی قسم کی بے تعلق انداز کی تو رسے ہی نکاح اپنے گھر کی بجائے تمہارے گھر کر رہی ہوں۔"

"وہ ایسا کیوں کریں گے۔ اور ان سے چھپ کر یہاں سے ہی نکاح؟ یہ بات سمجھ نہیں ہو رہی تم کیا انہیں تو ذکر کے لاؤ گی آنکھوں پہ پٹی باندھ کے قبول ہو۔"

اس کا خیال تھا وہ قابل اتفاق کر رہی ہے اس لیے وہ بھی اس بات کو تسلی کی طرح جی لے رہی تھی۔

"بکو مت بند کرو لگا میں شرارت سے نہیں کہی کہ ابھی تم نے والی ہوں۔ اب تم آپ سوال بھی مزید مت کرنا ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔"

وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔ ایسا نہیں صد ... دعا کی رسمی سے آزمی تھی بلکہ واقعی اس کے پس پوچھنے کو کچھ نہ رہا تھا۔

دعا کی بلند تو تیز اور سرور لگتی کی خباثت بھری تھوڑی میں بھی ظل پڑا۔ کل سے وہ کتنی ہی بار ہوش میں آچکی تھی اور بیدار بھی ہو رہی تھی۔ کبھی خباثت سے تو کبھی نگاہ کی صفائی سے دیا ہے ہوش کی آغوش میں چلی جاتی تھی۔ وہ اکثر کمزور تھی تو مہمان کے ساتھ اتنی دیر کمرے کے دروازے میں باہر کھڑی ہو گئی۔

چوتھی تھنوں کے اندر اندر صدیوں کی تھکن اس کے چہرے پر رقم ہو چکی تھی۔ اب تک وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ وہ کس سانحے سے گزر چکی ہے مگر اس کا معصوم اور ناتجربہ کار ذہن یہ قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ ایسا تو اس نے کبھی سنا ہی نہ تھا۔ ایک سیدھی سادی سیاٹ اور محدود زندگی گزاری آئی تھی وہ۔ اور اب الٹھے اتی اتی اقدار میں اس پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ گھر سے دربدری محسوس ہونے کا خوف پیاری ماں سے لاعلمی بھائیوں اور باپ سے دوری اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس کے ساتھ آگے کیا ہونے والا ہے اور جب اس کا پاؤں بے یقین ہونے لگتا تھا تو تھک کے اسے دیار غلامت کی نیند سلا رہی تھی۔

ہوش اسے دوبارہ ہی کیا تھا آئیو۔

ہوا اس وقت اس کی ویران آنکھوں میں بھرے تھے اور جن کو دیکھ کر اپنا بات کرتے کرتے بھول گئی تھی۔

"یہ بچی کون ہے؟"

"یہ بچی امانت ہے پوری۔" نگار نے گھبرا کر کہا اور بڑبڑا کے کہا۔

"ہماری امانت میرے پاس تھے کتنی ہی کوئی تیرے جیسی دن بالی اور کوئی اس جیسی مول خریدی ہوئی۔"

"مول خریدی ہوئی؟"

"ہاں بچی یہ سمان ہے جس کی بات کر رہی ہوں میں ملک سقبلی نے دوسرے کے لیے اسے ٹھہرایا ہے میری طرف اور تم جانو میرا یہ کام نہیں۔ ایسی معصوم سن موہنی صورت تھی تے کام لیا نہیں جاتا میرے سے اور ہماری زبان پر وعیدیں تھی۔ بس ایک خوب ہے میرے پاس۔ اس کو اپنی معصومیت تو اس کے ساتھ کچھ برا کرنے نہیں دیتی۔ صورت دیکھتے ہی دل موم ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں اس کے باپ کی شکل تصور میں لاتی ہوں۔ پھر مجھے لگ جاتی ہے اسے۔ پھر تو میں اس کے ساتھ وہی کر لیتی ہوں کہ۔"

"یہ کون ہے۔ کس کا تصور ہے جس اس قدر بھڑکاتا ہے؟ کوئی دانی دشمنی؟"

دھانسی اپنا مسئلہ بھول بھال کشش کے بارے میں دلچسپی لے رہی تھی اس کا وجود خالی توجہ کے قابل۔

"میری تیاری ہوئی ہے۔ وہ ہے ایک زمانے کھڑ کشش اور پھر جو میری دوست کے ساتھ دشمنی کرے گا وہ میرا بھی تو دشمن ہی ہوا نا۔ یہ باہر ہمایوں محل کی لونڈیا ہے اس باہر کی جو تجھے بیچنے لگا تھا آج اس کی اپنی لڑکی کے بھاؤ لگ رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں مکافات عمل۔"

"باہر کی بیٹی ہے؟"

یہ انکشاف دعا کے لیے ایک نیز موقع محل تھا۔ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہے تم بھیجے ہو نگاہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

"تم کیا کرو گی جو کرنا ہے ملک کرے گا۔ تمہیں بھی بیچے ہی بھند ڈالنا ہوگی۔ اس پہ دیکھ کر فائل لیا کہ جیسے تمہارے رام کرے کر رہا تھا محل کا بچہ ویسے اس کی بیٹی کو لے کے والی ہے اور قدرت انتقام لے رہی ہوتا اپنے ہاتھ لگ رہے ہیں کر۔"

"بھی کے دعا میں جیلوں محل کی کی گئی نیاز تیوں کا بدلہ لینے کی خاطر کشش کو ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ دوسری طرف کشش یہ سب سمجھوں کر کیا پاری تھی اپنے باپ کے بارے میں نت نئے انکشافات اس پہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس کے ساتھ جو ہوا ہے اور جو کچھ ہونے جا رہا ہے اس سب کا ذمہ دار وہی ہے۔ وہ کانپتی کرتی ہاتھوں کے ساتھ دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

"چیخ سے بچا ہی تو ہے۔"

نگار نے ایک ناسف بھری نظر اس پہ ڈالی۔ اس کی کل سے عجیب متضاد حالت تھی۔ کبھی کشش پہ رحم آتا۔ کبھی بار بار کبھی جا ایک دم مشتعل ہو جاتی۔

"اس کی شکل دیکھو تو خود بخود موم ہونے لگتا ہے۔ اگر باہر کی لڑکی نہ ہوتی تو میں اسے اب تک بھگا چکی

ہوتی۔ سچ کہہ رہی ہوں شاہد میں تیرے پیسے کی پیداوار کی اور بچو نہیں تو کم از کم جاہر بیٹے کے لالچ میں اس کنواری دھندے دار نہ بنتی۔ لیکن میں کتنی ہوں اس باہر کے ساتھ جو بھی ہو وہ کم ہے۔"

"یہ کتنی ہو باہر کے ساتھ جو ہو وہ کم ہے مگر صرف باہر کے ساتھ کیونکہ وہ اسی قابل ہے۔"

"تو ہمارے ساتھ کیوں لے جانا چاہتی ہو۔"

"کیونکہ میں آج شام تیرے گھر میں اپنی کے باپ کے ساتھ نکاح کرنے والی ہوں۔"

اس نے نگاہ کے سر پہ دھماکا لگا تھا مگر تیوار اگر میں پر کشش آگری تھی۔

☆ ☆ ☆

آج گرمی معمول سے زیادہ تھی۔ گرمیوں کی طویل تپتی دوپہروں میں اکثر عصمت مشورہ چند گھنٹوں کے لیے بند کر کے گھر آجایا کرتا تھا مگر آج اسے نہانے کے بعد ہوا تھا کہ ظہر سے کافی پہلے ہی آگیا۔

"خیریت آج تم اتنی جلدی آگئے۔ بھوک لگی ہوگی۔ صبح ناشتا بھی تو نہیں کیا۔ صرف لسی پی کر گئے تھے۔"

مہتاب نے اسے دیکھ کر جو بے ساختہ اپنی پھر خوشی کا اظہار کیا۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر ایئر کولر کے اگلی سائنے پیچھے تخت پر بند حال سے اندر میں ڈھیر ہو گیا جہاں صاحبزادی حرمت النساء اچار کے لیے مسالا تیار کر رہی تھیں۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے عصمت میاں بہت تھکے تھکے محسوس ہو رہے ہیں۔"

انہوں نے سب سامان سمیٹ کر ایک طرف کیا اور اپنے ہاتھ پونچھتے ہوئے شوہر سے پوچھا۔

"بس چچی حضور عجیب سی تھکن ذہن اور عجیب سی بے چینی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا۔"

وہ بولوں کی مٹھیوں میں بھینچ کر بلکے بلکے جھٹکے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آج جو بھی تو سمت کر رہے ہے۔ میں فالیے کا شربت لائی ہوں تمہارے لیے۔"

مہتاب کی جانب سے عصمت مزید پریشان ہو گئے۔ مرجھکے کے ناس لیا۔

"یہ مہتاب بھی ناچی حضور۔ اس کے نزدیک ہر مسئلے کا حل کوئی نہ کوئی شربت اور ہر چیز کی دوا کوئی نہ کوئی جلو ہوتا ہے۔ ہمارے لیے کیا چی حضور۔"

وہ ذرا سا سرک کے ان کے دالو تک آیا اور اپنا سر ان کے دامن میں ڈال دیا۔

"بے بی تو جو ہے وہ ایک بے کلی بھی ہے جس کی وجہ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"عجیب بات ہے اسی بے کلی نے تو ہمارا بھی احاطہ کیا ہوا ہے آج سویرے سے بھی ہے کہ کوا پیچھے لگے ہوں جیسے ہزار دسوت آئے۔ انہی نے ٹھہرا کے تو ام نے لپ کے چچا حضور کو روانہ جا تھا کہ آج دوکھ کر سے تھیں مگر اب جانتے ہیں کہ انہوں نے بیٹے اپنی سرمائی کی ہے۔ ہماری بات کو خاطر میں کب لاتے ہیں۔"

"یہ آپ کہہ رہی ہیں چچی حضور۔ حیرت ہے۔ کوئی اور کچھ کہتا تو آپ نے اپنے بازی خدائی کی کوشش کرنے میں گفتگو لگا رہے تھے آج مجھے سیکی بنا کے حل بتا رہا ہے کوئی تو خاص بات ہے۔ بیٹی دوا کے لیے چچا حضور آج کے کہاں ہیں؟"

"وہیں ہے جو ہونا سر میں ملا ہے۔ ہم تو بات کرنے پہنچا گئے۔ بتایا کہ وہ صورت دیکھ کر جھٹکے دی میں بھی کھلیدہ ہو گئی تھی مگر تو حضور نے سمجھایا تھا کہ سر پہ سے رازوں کو راز در رہنے دینا چاہیے۔ اب تو ہمارا دل بھی نہیں مان رہا کہ نواب صاحب اس قصے کو چھیڑتے۔ واقعی شکل و صورت کی مشابہت تو ایک عام سی بات ہے۔ کیوں عصمت میاں؟"

مگر وہ اس سوال کا جواب دینے کی بجائے یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کی بے نام سی گھبراہٹ بھی اسی وجہ سے تو نہیں کہ تکیہ چچا حضور کے جانے کا من کرا سے یکدم ایک وحشت نے تن گھیر لیا تھا۔ یہ گھبراہٹ کے اٹھ بیٹھا۔

اسے جھٹکے سے اٹھایا۔ اور محبت میں ہوتے ہوئے سناٹا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"میں ابھی آتا ہوں چچی حضور۔"

"کیا آپ اپنے چچا حضور کے پاس۔"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں اکیلے نہیں لگانا چاہیے تھا گھر سے اور زیادہ ناراض ہوں گے"

"انہیں کے ناراض ہوں گے تو انہیں تکلیف ان کے پیچھے ضرور جاؤں گا۔"

وہ تیزی طرح نکلا اور صاحبزادی حرمت النساء اس کی پشت پر دعائیں پڑھ کے پھونکتی رہیں۔

"باہر گیا۔ یہ عجیب سی کیا کہا؟"

موتا شرمندہ کے لوٹی ہوئی سے سنا نہیں۔

"بس چلے گئے" انہوں نے بھی تفصیل سے بتانا ضروری نہیں سمجھا۔

صاحبزادہ نجیب علی خان خود بھی جانتے تھے کہ وہ جہاں جا رہے ہیں وہاں سے انہیں اپنے کون کن سوالوں کا کیا کیا جواب ملنے والا ہے مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ بلا قدم اندر رکھتے ہی ان کے سوالوں میں ایک کا اضافہ اور ہونے والا ہے۔

راحیلہ بہو نے سے ہی ان کی بڑی بھابی بارہ بجے مشل سے ہو گئی ہیں۔ ان کے اکلوتے داماد سے جو پچھلے ہفتے تک ملی خان کی ضلعہ نظامت کے عہدے پر فائز تھے اور اب اپنے سسر کو سامنے دیکھ کے نہ چاہتے ہوئے بھی سلام کیا تھا۔ نہ پہلے بڑھ سکا تھا۔ خود نواب صاحب بھی ہم خود تھے۔

"میاں کب؟ ۔۔۔ نہیں اور سال؟"

باری کی کرن سنبھلے جا رہی۔

بابو نے بھی نواب صاحب کو فوراً پہچان لیا۔ اس کے بیٹے میں پہلے ہی آگ بھری تھی۔ اس کا اس نکالنے کا ایک بہانہ مل گیا۔

"یہ کیسی نہیں ہو گا کیا تمہاری لونڈے چھپا دیوں والی حویلی میں ہو گا۔ بڑے میاں۔ دن لد گئے تمہاری اللہ دتی کے اب یہ نئی نئی بیلیوں کے چاہیں ہے اور تم بھی تیری میری بے عزتی کرنے نئی بجائے اپنی لڑکی کے گھر نہ جو۔ اپنی لونڈیوں کے کرتوت سنو اور۔۔۔ میرا میاں تمہیں کیا کہا تمہاری لاڈلی بہن کے دارنے سے سکا اور اونچا چلا گیا غیرت کا اٹھا۔۔۔ لیکن کر نہیں غیرت نے تو بیٹا تم کی چلو بھر پانی میں ڈوب مرو"

"بھر جائی۔ بھر جائی کیا کہہ رہی ہے نہ۔ ہوش کر۔ گھر پر رہنا تمہارا ہے کچھ تو عقل کر۔"

اللہ دتا سنانے روکنا چاہا۔

خود نواب صاحب کا حال تھا کہ اس عورت کی زہر افشانی کے بعد ایک پل یہاں رکنے کے روادار نہیں تھے مگر باری کی یہاں موجودگی انہیں اب تک روکے ہوئے تھی۔

"کیا ہم پوچھ سکتے ہیں بڑے میاں کہ آپ یہاں اس گھر میں کیا کر رہے ہیں؟"

پہلی بار انہوں نے اپنے داماد سے اتنی بلند آواز میں بات کی تھی اور اگرچہ وہ بابو کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھے اسے بھی اور اس کی مشتعل گفتگو کو بھی مگر جواب سے بے خبر نہ رہ سکے۔

"یہ کیا بتانے کا موقعہ ہے داماد۔ میں بتاتی ہوں۔ یہ اپنی شادی کی اطلاع دینے آئے ہیں ادھر۔ جا کر تو۔۔۔ اور جا کر پوچھا ہے سر اپنا جیسے کہ کیسے بھی تمہاری وجہ سے میرے پوتی کی زندگی بنتے بنتے خراب ہو گئی تھی کاٹ لوٹا اور اب آ کر دوبارہ وقت کر کے کچھ بتانا چاہو یا خانوادہ تم نے اپنے جوائی کو بھیجا کاٹ دیا۔ شاباش ہے بھئی تم عزت داماد ہے۔ اپنی دشمنی نکالنے کے لیے بیٹی تک کی پروا نہیں کی۔ اس کا گھر خراب کر کے جوائی کو دوسری شادی کروا رہے ہو کہ میرے پوتے کی دشمنی پوری کر سکو۔"

"خاتون آپ کیا کہہ رہی ہیں ہم کچھ نہیں یار بے وفا را آپ خاموش ہو جائیے۔"

وہ عاجزی سے کہنے مجبور ہو گئے

"پوچھا تو تمہی یار کے سسر صاحب ہو اور اسی لیے نہ تو ہو گے ہمارے گھر۔ میری بیٹی کو الزام ہے"

اب کے اللہ دتا سنانے زبان کھولی۔

"مگر میں صاف بتا دیتا ہوں جناب۔ میری بچی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ نہ کبھی کسی کا گھر خراب نہیں کر رہی۔ اچھا بھلا اس کا والد اس کے لائے کے پتر سے ہونے والا تھا۔ خوش تھی۔ راضی تھی۔ سیدھا شیش یار آ گیا اور ایسا مسئلہ لے کر کہا کہ سارا کچھ خراب ہو گیا"

"خدا کا واسطہ ہے آپ خاموش رہیں"

بابو نے اسے خاموش کرانا چاہا۔

"ہوتے چپ کر بیٹا ہے تیری لڑکی کا۔ اس سے چھپا کر کیا کرنا ہے۔ اسے بھی بتانا چاہیے کہ اس کی والد نے اس کی زندگی خراب کر رہی ہے۔"

وہ سب بتانے نہ آئے تھا اور بابو جیسے بھری مٹی کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔

صاحبزادہ نجیب علی خان نے بابو سے ملاقات پوچھنا چاہا۔

"ہماری نواسی سے ہماری صاحبزادی کی ملاقات ہوئی کہا تو انہیں کہاں ہیں بیٹا؟"

"بیٹی بتانا نہیں ہے۔ تمہارے جوائی کے کرتوتوں کی وجہ سے اس کی لڑکی کو بدمعاش اٹھا کے لے گئے اور وہ نے ہمارے"

مگر پوری بات سنے بغیر ہی صاحبزادہ نجیب علی خان اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

● ● ●

"چچا حضور"

بابو نے بھی انہیں جھنجھوڑ کر پکارا۔

وہ جانتا تھا کہ صاحبزادہ نجیب علی خان کے سینے میں جتنا بھی لیکن وہ فطرتاً ایسی وجہ سے دل کی بیماری کا مظاہرہ ان سے نہیں چھپایا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد نازل ہونے والے ان کے غضب سے طرح طرح تھا۔ جانتا تھا کہ وہ بابو سے اپنے رشتے کے بارے میں کتنے بھی روایت پسند کیوں نہ ہوں مگر اپنی خوان نواسی کو اس کی پوچھ سے چاہتے ہیں کہ سب کچھ فراموش کر دیں گے۔ اسی لیے اس نے اللہ دتا سے کہہ دینے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر وہ کے بتا دیا۔

اس کے ساتھ جو ہوا تھا وہ اور بھی بات تھی۔ فی الحال ان سے اپنا آپ سنبھالنا مشکل تھا۔

"صاحبزادی دلفشاں ہماری بیٹی ہماری بیٹی" وہ سفید پڑتے ہوئے ہونٹوں کو دانتوں سے چل چکر کر ہلکے میں اٹھتے ظالم درد کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے اور انہوں کو کر کی بجائے ان کے نہ سے بے دم ہو رہا تھا بار بار اور ہو رہے تھے۔

"چچا حضور آپ چند دن فکر نہ کیجیے ہم کچھ نہیں کچھ نہیں ہو لیں گے۔ ہم انہیں لینے ہی جا رہے ہیں۔"

بابو نے ان کا سہارا دیتے ہوئے تسلی دینا چاہی۔ دلفشاں سے اللہ دتا نے طرح کھولا تھا۔

"ہوتے بے غیرت اگر تو بچانے کا۔ غیرت میں انہی جان دوں تو تو میری بھی کی مدد مانگتے تا۔ ارے تیری تو دال روٹی چلانے والی بھی زنانیاں۔ تیرے میری دال کھوا کر کھوا کی۔ تو اللہ والی بھی زنانیاں۔ تو اصل بتا پھر کیا ہے۔"

اس کے بعد اس نے نواب صاحب کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

"بس بس چھوڑ بند کر تجھے پتا ہے کہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اب تک میری بیٹی نہیں آ جاتی۔ ہمارے زخمے ادھر کے ہوئے ہو تو تجھے مارنے کی بجائے اپنے سر پر کو اٹھانے کے نہ سے پہ لانے میں میری مدد کر۔ بھئی بڑھا رہا ہے بھول۔"

"بابو نے اللہ دتا سے کہا۔ سر پر سیدھا کیا۔"

اللہ دتا نے کہنے پہ بالوں نے نیک زہر میں ڈوبی ہوئی نہ کی طرح منہ پھیر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کی نم آنکھوں میں

جب سے اس سامنے گھوم گیا جب اسی کو خواب کی دلچسپ دیکھ کر پیار و مددگار پڑے اپنے کمرے کو تھسیٹ کر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھی۔ لیکن مضبوط گھر بند دیواروں کے پیچھے ایسے ہی بھاری والے تولوں سے دوگنی قوتوں کو کر رہی تھی جیسے ڈال رہی تھی مگر کوئی اثر آگے نہ بڑھا تھا۔

اتنے میں باورچی خانے میں دبے بیگ میں رکھا وہ سوا کی فون بجا تھا جو شہزاد نے سفر سے لے کر دیا تھا اور تھی سے آئی تھی کہ گھر سے باہر جاتے ہوئے دے دیا تھا۔ "ساتھ رکھا کرو۔ ناگہ ہر وقت رابطہ ممکن ہو سکے۔" اس نے سنے تو اسی تھی۔ اب کہیں جا کر سنج اٹھنے والی تیز رنگ ٹون۔ وہ خوشی بدک اٹھی۔

"ہائے ہائے بیٹا!" اس نے جھپٹ کے بڑے ادب سے کھول کر اور ساتھ رکھا شروع کیا۔ "بڑی بات ہے میں وہ کبھی بڑی والی ہو باہر نکل لیتی۔ کبھی اپنی دعاؤں کی شیشی تو کبھی کتابیں۔ اتنے میں وہ کسی مشہور بخاری کیت والی رنگ ٹون کمرے کے سکوت کو مضطرب کرتی رہی۔

صاحبزادہ نصیر علی خان کے دور سے بڑھتے ہوئے میم خواہ ذہن کو اس تیز آواز نے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ آنکھیں بمشکل کھول کر خود کو ہوش میں رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ ویسے بھی وہ سخت مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اب [illegible] کی تکلیف کو بھلا نہ پائے تھے۔

"ہاں [illegible] کہ کون سا ہوں بتایا جائے۔ دو تین جگہ ہاتھ مارکے اس نے بولا۔"

"ہاں شہزادے! میں پریشان تھی۔" ایک سرد آہ بھر کے اس نے جواب دیا تھا۔ روحی کے جملے ایک بار پھر سماعتوں میں گونجے تھے۔ دوسری جانب شہزادہ خوشدلی سے کہہ رہا تھا۔

"موبائل کیسل ہو گئی اس اہم شوٹنگ کی وجہ سے میں نے آج کوئی میسنگ نہیں دیکھی تھی۔ تھوڑا فارغ ہوا تھا تو اس لیے سوچا آپ کو شاپنگ پہ لے جاؤں۔ آپ بہت دنوں سے کہہ رہی تھیں۔ گھر آیا تو آپ غائب۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ وہ ہو نہیں ہوں گی۔"

اس نے سرشاری میں ڈوبا قہقہہ لگایا تھا۔ نہ جانے کتنی قربانیوں کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ عرصے بعد اس نے بیٹے کی ہنسی سننا شروع کی تھی۔ اب اپنی ہنسی پر مسکرا ایک بار پھر اس سے چھین جانے والی تھی۔

"ہاں بیٹا! میں آئی تو بڑی بے تابی سے تھی۔ اس نے سرد آہ بھری۔"

"تو اور کیا خوشی ہوتی۔ میں بہوں سے لے لیتا ہوں آپ کو بلک میں راستے میں ہی ہوں۔ بس یہ آخری مرد کا کھانے والا ہوں۔ روحی کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔ وہ اپنی پسند سے اپنی شاپنگ کر لے گی۔"

"ارے بیٹے تو تو کل کی طبیعت ٹھیک نہیں اس رہنے دے۔ آجاتی ہوں۔"

اس نے آنسو پیتے ہوئے آنسو سے روکنا چاہا تو صرف اللہ رسان سے بولے ہوئے زور کے آگر اندر نواز میں کہا۔

"میں شہزادے چھوڑ کے اور اپنے ساتھ دے ڈاکٹر دوا ان کی کوئی بھی آپ بڑی سخت ضرورت ہے۔"

"ہوتا تھا۔ [illegible] ہو رہی ہے۔ پھر آپ ہی آپ ہیکیے چاہتے۔"

"صحیح تھیں۔ [illegible] ہوئے بلانا چاہا کہ فون بند کر دیا تھا اور اب گاڑی موڑ کر کلینک کا رخ کر چکا تھا۔

"نہیں [illegible] جواب دے کا۔" بلاوے چیک کے کہا۔

"تمہاری بات [illegible] جا رہی ہے۔ بہت گھر کے اندر بے کاٹ نہ مراتوں میں غریب۔ تمہارا جاؤں گا تھوڑے کچھ دیر بھی اس عمر سے۔"

"مگر ابا جان! اس کا تو ابھی [illegible] کہ ہوتا اپنے بڑھے کو اور چلتا ہے یہاں سے نکلو ہمیں کے کالے تو یہ تیرا بھی جوانی بیٹے والے اللہ کی شان محلوں سے تھسیٹ کر اپنی بیٹی کو دوزخ پہ ڈال رہا ہے۔ واسطے۔"

وہ چھوڑ کے گئے اور بلک بلک کے رونے لگی۔

نواب صاحب کو اس کی کچھ باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔ کچھ نہیں مگر کشش والی بات بری طرح دل و دماغ میں چبھ رہی تھی۔

"یہ محترمہ درست فرما رہی ہیں۔" باہر نے بھی زبان کھولی تو خاصے دو ملایا نواب صاحب کو پانی پلانے کی کوشش کر رہا تھا اس کو کوئی جواب دینے والے کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

"آپ کیوں فرما رہی ہیں۔" اس نے خفت تیز ہو کر کے اس کی نقل اتاری۔

"تم مجھے کی کوشش کریں۔ شہزادہ صاحب کا یہاں تمہارے سب کے لیے راحت ہو سکتا ہے۔ تم ہی ہو ہمارے لیے ایک شریف رشتہ میں آ گئے۔"

"تیری چھٹی لگائے گا اور کیا؟ اچھی بات ہے۔ تجھے پیار ہونے لگی جا رہی ہیں۔"

اس نے بابر کی تشویش کی پروا نہیں کی۔ اتنے میں شہزادہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ باہر کی جانب لپکا۔ اپنے پیچھے اس نے باتوں کی آواز سنی۔

"یہ تو نے اچھا نہیں کیا بوسائے۔ ایک تو میرے پتری زندگی لگا دی۔ اس کی سنگ کا ہاتھ اس مسلنے کے ہاتھ میں دے دیا اور اب اسی کو اپنے باپ کے قاتل کی جان بچانے کے لیے ڈاکٹر لانے کا کہہ دیا۔ اب اگر وہ تیرا سر کھول دے تو کچھ نہ رونے دینا۔"

اگلے ہی لمحے اندر سے ڈاکٹر کو لے اندر داخل ہوا۔ اس سے دو قدم پیچھے پیچھے شہزادہ ملک تھا مگر اس کے قدم دراز تھے۔ تھے اور حیرت زدہ نگاہیں۔ سہمے پڑے نواب صاحب اور ان کے سہارے کھڑے ہاتھ میں کمرے میں داخل ہوئیں۔ شکل پر ہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"مجھے لے جانے دو نا۔"

"نہیں ابا میں ایسا نہیں کر سکتی۔ ملک مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اگر تمہارے بس میں ہو تو اس بچی کی مدد ضرور کرتیں۔ اپنوں کی پرواہ کیے بغیر اسے بچا لیتیں۔"

"ابھی بھی یہ میری بیٹی ہے۔ جو میں اس کی خاطر ملک سے بچا لوں۔"

"نہیں تو میں تو تمہاری کچھ لگتی ہوں۔ کیا تم میری خاطر بھی یہ نہیں کر سکتیں۔" دادا نے اس کے ہاتھ تھام کے التجا کی۔ اس وقت اس کی نگاہ کے سیر بھی پانی تھا ہوئے لاکر گر گئی۔

"تمہاری خاطر۔" وہ متذبذب ہوئی۔

"ارے میری جان! تو تمہارے دادا نے تجھ کو ہی جان لگے نے تمہارے۔"

"ہوتے تو اتنا لاکھ مت تمہارا لگا۔" دادا نے سر ہلا کا۔

"ابھی تم کہہ رہی تھیں میں کسی کی خاطر اپنی جان دا۔ نہیں کی تھی۔ ابھی تم جان دارنے کی کوشش کر رہی ہو مجھے تمہاری جان کو کوئی لالچ نہیں مجھے یہ کوئی دے سکتا ہے۔"

"تم سمجھتی کیوں نہیں۔ یہ ہی تو اتنی انمول چیز ہے اور اگر اس کے سامنے جان جیسی چیز کیا معنی رکھتی ہے اور وہ ابھی میری جان کو کسی کے کام نہ آ سکی اب تک۔ میں اپنی خوشی سے جان تمہاری خاطر لٹا سکتی ہوں۔ یہ جھوٹا واقعہ نہیں ہے میری بیٹی کیلئے میں اسی ملک کی ہر چیز لٹا دوں۔ اس میں نیکی کے کرنا بھی کیا ہے۔ ان بیٹوں کے بیچ میرا حصہ۔ لیکن تم تمہارے سامنے ساری زندگی پڑی ہے۔ ابھی تو تمہارا سب سے اچھا اور شروع ہونے والا ہے۔ بہت سی خوشیاں دیکھنی ہیں تمہیں۔ کیوں اپنی زندگی تباہ کرتی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے ملک بس میری موت کا منتظر ہو جائے گا۔ پیچھا لگانے کی کوشش نہیں کرے گا کہ آخر میں نے اس لڑکی کو کہاں غائب کیا۔ پھر وہ حشر ہوا شاید تمہارا اس سے بھی زیادہ برا ہو۔"

"اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تب بھی میری جان جانی تھی۔ جس خوشیوں کی تم بات کر رہی ہو وہ دینے بھی میرے

ساتھ چھوڑنے والی ہیں۔ جب تک یہ لڑکی ملک کے قبضے میں ہے، وہ باہر کو مجبور کرتا رہے گا اور باہر مجھے۔ اسے چھڑانے کے لیے مجھے باہر سے نکال کر کیا پڑے گا کیا یہ تمہیں منظور ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمیں مرجانا کام بھی نہ لینا میرے سامنے۔"

"پھر اسے لے جانے دو۔ کیا سب سے سستا حل ہے۔ اسے لے جانے کے اس کے باپ کے ہاتھ میں تھما کر کہوں گی کہ اب میرا پیچھا چھوڑ دے۔"

"وہ پیچھا چھوڑے گا اور ملک پکڑنے گا۔ ایسا پکڑے گا کہ تو ساری عمر چھڑا نہ پائے گی۔ کہیں سے نکل کر کھلی میں آ رہے گی۔ خدشہ کر لیں کہ اب اصل حل یہ ہے کہ اپنے گھر جا اپنی شادی کی تیاریاں کر اپنی اور شہزاد ملک کی۔ مت سوچو کسی کے متعلق کچھ نہیں ماں کو سوال کے لیے اپنی زندگی وار کے تمہیں دیکھو تمہیں نے کیا نہیں کیا اپنے عزیزوں کے لیے اپنے دل پہ کے لیے جس نے تمہیں چودہ سال کی عمر میں اپنا نائٹ پورا کرنے کے لیے بیچا۔ اس کے آخری دن تک اسے اپنے سے اپنے سینے میں رکھا۔ اسی کندی کمائی سے بچائیں کو سنبھال کر اپنا کاروبار جمائے۔ ان کے اجنبیوں کے سامنے تمہیں نہیں کہتے شرماتے ہیں۔ سب کو یہ بتا رکھا ہے کہ تو ایک بچپن میں ہی بیچ دیے گئی ہے۔ میرے نہیں بتا چکے والی عورت کو جن بتاتے ہوئے بڑی غیرت آتی ہے۔ جن خاندانوں کو اپنی جس کی حرام کی کمائی سے اپنی زندگیاں سنوارتے ہوئے غیرت نہیں آتی۔ انہوں کی شادیوں اپنا تب بیچ کر اپنے گھر انوں میں نئی کھولی کے جیزوں انکو تمہیں شادی میں بلاؤ کھولی رابطہ رکھا۔ میں مر جاؤں گی اور اب بھی کوئی میرے جنازے میں بھی نہیں آئے گا۔ ہمارا ان شریف لوگوں کا ایک بازاری عورت سے کیا ناتا کیا مرے اپنے تھے مرے تھے۔ اس سے نے میرا کیا کرایا فراموش کر دا تو تو تمہیں کے لیے اتنی بڑی قربانی کر کے دے رہی ہے تو ہوش کر دو۔ صرف اپنے لیے سوچو اپنی زندگی کی اپنی خوشی کے بارے میں فیصلہ کرو اس باہر کو اور اس کی بیٹی کو۔ تمہاری بیٹی سے جو مر رہی ہو تا رہے اس کے ساتھ۔ لیے دے آئے تو صاف جواب دے دینا۔ کوئی زبردستی ہے جو وہ تم سے دے دے کر ہی رہے گا۔"

انگلے نے بہت اچھا خاصا الیکٹریکل انکرسب سے کار گیا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ جو کچھ تم کہہ رہی ہو۔ اس کے بارے میں میں نے بھی سوچا چاہا تھا۔ اسی خود غرضی اور سفاکی سے سوچنا چاہا تھا مگر میں اپنی سوچ پہ عمل نہیں کر سکتی تھی۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر بات صرف باہر کی ہوتی تو میں جو بے آرام سے ناممکن ہو سکتی تھی لیکن اس لڑکی کے معاملے میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں اس درد سے گزر چکی ہوں۔ یہ تو میرے مقابلے میں بہت ہی کم عمر ہے۔ پتا نہیں کیا کم عمر ہے کہ اس درد کو سہار بھی پا رہی ہے یا نہیں۔ اگر میں اس کے کام آ سکتی ہوں تو کوں گی۔"

"میں دوست ہوں تمہاری۔ تمہیں سمجھانا میرا فرض تھا۔ میں نے سمجھا دیا۔ تم نہیں مانیں تو تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑنے کی بجائے اب میں زبردستی استعمال کروں گی۔ تمہیں زبردستی اس حماقت کو کرنے سے روکوں گی۔ تم اس لڑکی کو میرے سامنے لے آؤ۔ ہاتھ تو لگا کے۔"

انگلے کے انداز میں فیصلہ تھا۔ رعنا ایک طویل سانس بھر کے رہ گئی۔

"ضد مت کرو۔" اس کی آواز مدھم اور تھکی ہوئی تھی۔

"ضد تم کر رہی ہو۔"

"یہ بات کھلنے ہو جائے گی تو تمہارا کیا جاتا ہے انگلے۔"

"میری دوست برباد ہو جائے گی اور غیر محفوظ ہو جائے گی یہ جاتا ہے میرا۔"

"زبردستی کیا صرف تم کر سکتی ہو۔" اسے غصہ سا آیا۔

"تو تمہارا بھی کوئی؟" انگلے جن کے اس کے مقابل آئی۔

"مجھے تنگ مت کرو انگلے۔ تمہیں میری دوستی کی قسم ہے۔"

"بہت بہت بہت تو مشکل سب بیٹا دیکھ کر اس نے قسم کا واسطہ دینا چاہا۔"

انگلے جھنجلا گئی۔

"تم تم نہیں سمجھ رہی؟ اپنی کر کے رہو گی؟" اس بار اس کے انداز پہ ملی کے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ لے جانا اسے مگر ابھی نہیں۔"

"کیوں؟ ابھی کیوں نہیں۔" وہ اس کمرے کی جانب تیزی کی طرح لپکی جہاں دلکش چھپی بیٹھی تھی لیکن اس کے بیٹے کا انکار سن کر رک گئی۔

"ابھی اسے لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو سب دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ یہ لڑکی بچ سکے گی نہ تم اور نہ ہی میں۔"

"کیوں؟"

"اگر مجھے اعتبار ہے تو ابھی اس وقت چپ چاپ واپس چلی جاؤ۔ میں رات کو اسے لے کر چپ چھپا کے نکلوں گی اور تم سے فون پہ رابطہ کروں گی جب ملے گی کہ اسے باہر کے سپرد کہاں کیا جائے۔ یہ کام تمہارے گھر پہ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کسی بھی طرح تمہارا نام اس سارے قصے میں نہ آئے۔ میں خود جیسے بنتے جاتے تو بنے۔ کسی نہ کسی طرح کسی شاید اللہ کو پسند آ جائے۔"

رعنا نے اس کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔

"انگلے تم اللہ کی جانب سے مجھے عطا ہوئی چند نعمتوں میں سے ایک ہو۔"

"یہ بہت بڑی بات کہہ دی تم نے۔" انگلے نے اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کے اپنے آنسو رخساروں پہ بہہ رہے تھے۔

"جاؤ تم اللہ اور مجھ پہ اپنا اعتبار قائم رکھنا۔ کسی دیر سویر کی صورت میں دل میں وسوسہ مت آنے دینا۔ انگلے تمہیں بے عزت ہونے نہیں دے گی۔"

"میں جانتی ہوں۔" انگلے نے اس کے حدت آمیز ماتھے پہ ایک محبت بھرا بوسہ دیا۔

"تم خیال رکھنا۔ تم میری خاطر خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو۔"

"تم نے ہی سکھایا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تم ایک بالکل انجان اور پرائی لڑکی کے لیے خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو۔ میں تو دعاؤں کی اپنی سہیلی کے لیے کروں گی۔"

اس کے تذکرہ کرتے رعنا کو اندر بیٹھی باہر کی بیٹی کا خیال آیا۔

"میں اس سے مل لوں؟"

"ہاں مگر جلدی کرو۔"

رعنا روانہ کھول کے اندر داخل ہوئی جہاں زمین پہ گھٹنوں میں سر دیے دلکش سسکیاں لے رہی تھی اس کا نازک مجسمہ ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"تم نے ساری باتیں سن تو لی ہوں گی جب میں یہاں کھڑی تمہاری سسکیاں سن سکتی ہوں تو تم نے بھی ہم دونوں کی گفتگو سن لی ہو گی۔ اب رونا بند کرو اور یہ دعا کرو کہ ہم نے درست فیصلہ کیا ہو۔ اللہ تمہیں اس میں کامیاب کرے اور تم خیریت کے ساتھ اپنے گھر پہنچو۔"

دلکش نے اپنا سر اٹھا کے اس کی جانب دیکھا۔ سامنے کھڑی لڑکی جو بے حد حسین تھی "نرم ملائم لہجے اور محترم آواز کی مالک تھی اور جو عمر میں اس سے تقریباً" آٹھ دس سال بڑی تھی لیکن جس کے چہرے پہ تو عمر کی معصومیت اب تک برقرار تھی۔ اور وہ خواب کی کچھ نہیں لگتی تھی اس وقت اس کے لیے سب سے زیادہ قابل احترام نظر آ رہی تھی۔ اسے اس مشکل سے نکالنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی تھی جبکہ وہ سب خواب کے کچھ نہ لگتے

تھے اس کے سارے اپنے، وہ جانے کہاں تھے۔ بجائے وہ اس سارے معاملے سے پوری طرح واقف تھے بھی یا نہیں، یا کہیں اسے کہاں کیا دھوکا دے رہے ہوں گے۔

"آپ کون ہیں؟" اس کی آنسوؤں سے بھیگی آواز نے رہنما منظر ادا کی۔

"ارشد"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آئی اور گھٹنے زمین پر ٹیک کے اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس کے نکھرے بال آنسوؤں کی وجہ سے رخساروں سے چپک رہے تھے۔ آنکھیں پیار سے سمیٹ کر پوچھنے لگا۔

"میں آج شام تک تمہیں یہاں رہنا ہے۔ اچھی اور بیمار پڑی پہن کے رہنا ہے۔ پھر جو آئی ہے ناں، وہ باہر کھڑی ہیں بہت اچھی ہیں۔ لو بھئی لوگ ہیں، تمہیں بہت اچھی لگیں گی ان کی ساری باتیں مانتا کھانا آرام سے کھانا اور یہ تمہیں جلدی سے گھر جانا چاہیں، چپ چاپ چلی جانا۔ ٹھیک۔"

وہ بے اختیار سے اسے تھپتھپا کر رہ گئی جیسے اس کی بڑی بہن ہو۔

اور ایسا کرتے ہوئے نقش کو بالکل موتیا جیسی لگی۔

"آپ لوگ ہماری قدر حضور تھیں ہیں۔"

وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔

اس نے آگے بڑھ کے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"اللہ تمہاری معصومیت ہمیشہ برقرار رکھے۔"

دیوار پہ جوئیں تھل کی بیٹی تھی جس سے ان کا دم دم نفرت کرتا تھا پھر بھی نہیں کیں اس کا دل اس بندر سا لڑکی کی جانب کھنچا جا رہا تھا۔ جب وہ اس کی خاطر اتنا باقدم اٹھانے چل تھی تھی اس قابل نفرت شخص سے نکاح کرنے تب اس کے دل میں اس نادان لڑکی کے لیے صرف ہمدردی تھی۔ وہ اس پہ ترس کھا رہی تھی بنی کے ارادے سے تو بالکل ہی جا رہی تھی لیکن جب اسے دیکھنے کے بعد وہ واپس پلٹی میں ہمدردی اور ترس کی جگہ صرف محبت محسوس کر رہی تھی۔

"نہ بالکل پریشان مت ہونا۔ میں تمہاری خاطر کچھ بھی کر گزروں گی۔"

اسے بیٹے سے بھینچتے ہوئے اس نے مرکوشی کی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

محترمہ شہزادی نقش خانم اس تھل کے سہارے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس کے دل کو یک بیک بے پناہ تقویت کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ بھی تھی اس کی ذات پہ نقش کو بہت اعتماد تھا۔ اتنا اعتماد تھا شاید وہ اپنی جاں پہ کرتی۔

☼ ☼ ☼

صاحبزادہ یاسین کی بیٹا ہی محبت اب سنبھل چکی تھی اس لیے انہیں پریشانی نہ تھی۔ بلکہ خوشی تھی کہ وہ انتقام ان کے دل کی دنیا تھل بھی تھی اور اس کا کوئی علاج کسی بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں تھا۔ وہ دو کے نقش کا بیٹی ان کی روح کو چھنی جاتا تھا ان کے آنسو تک سوکھ چکے تھے۔ کسی کا بھی چہرہ دیکھتے ہی فوراً دل تک آ جاتی۔

"خدا رانی صاحبزادی نقش کے سارے پاس لے آئیے۔"

اور سامنے والا نظر ہی آ جائے۔ بجھ دو جاتا۔

ان کے دور کر لوگ بھی کون تھے۔

ماکھا گھر سے باہر دل کی کوٹھے سامنے دلی شاہوں اور دست سے دوسرے لوگ۔ جن سے خون کا نہیں صرف خلوص کا رشتہ تھا جن سے خون کا رشتہ تھا وہ تو بے خبر بیٹھے تھے۔

"یا کیا ہوں ہمیں اپنے بیٹوں کا کوئی نمبر دو ہمیں کسی کو بھیج کر خون ہی کروا دوں۔ ان کو بھی بتا چلے اور کیا محبت پڑتی ہے۔"

کسی نے کہا تو وہ کچھ ہوش میں آئیں۔ ادھر ادھر دیکھا۔ تایا ابا سمجھدار تھا تو "ایک چیت پہ غیر لوگ ہیں۔"

"یہ مت بتائیے گا کہ۔ "بات کرتے کرتے رہنما کھو رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں، ظلمت کرو۔ طریقے سے بات کریں۔ کہیں ہوتا کسی کو تو کیسے رات تک پاس ہونا چاہیے۔ تمہارا دن اور ساری رات ہسپتال بھی گزار آئیں گی نہ آیا۔ آتا بھی کیسے سب کسی کو اطلاع نہ ہو سکی۔ موت تمہارا کل سے تب سے۔ بہت دور خبر رہا ہو گا۔ بدنصیب اپنی بیٹی کی تلاش میں۔ تمہارے بھائی دھوکہ بھی آ جائیں تو شاید وہ جلدی مل جائے۔ تمہیں بھی سہارا ہو گا۔"

کوثر نے تسلی دی۔

یہاں زیادہ تو نقش کی بہن میں صاحبزادی یاسمین بھی شامل تھیں۔ یہی جانتے تھے کہ بہت زیادہ میں نقش اکیلی تھی اس لیے شاید راستہ بھٹک کے کہیں چلی گئی یا کوئی دھوکے سے لے گیا۔ اصل تھے سے لاکھ بھرے "مفتخر" سب کو اطلاع رکھا تھا کہ بارہ سے دشمنی میں ملک منقول کے کارندے اسے اٹھا لے گئے ہیں۔ یہ بات جاننے کے بعد نہ صرف یاسمین، کوکب بیزار ہو جاتا بلکہ وہ اپنے شوہر سے دور متنفر ہو جاتیں۔ یہ وقت اس قسم کے جھگڑوں کو ہوا دینے کا نہیں تھا اس لیے لاکھ جبر بلاوی وعدہ بھی یہ بات چھپا گیا۔

☼ ☼ ☼

"انسو بابرت ایک تھا۔ ہیں یار۔" بھیس "خلوا آتے آتے نکل گیا ہے۔ پھر بھی آپ کو انہیں ہاسپٹل لے جا کر پورا چیک اپ اور ٹیسٹ سٹ کروا لینا چاہیے۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے۔ ابھی انہیں یہ دوائیں مشلوا کر دے دیں۔"

ڈاکٹر میکا کی انداز میں بتا رہا تھا اور ظلمت تیز تیز کچھ تھیسٹ رہا تھا۔

ساجزادہ تنویر علی خان کی خالی خالی نظریں چھت پہ گڑی تھیں اور ان کو معلوم انجھنوں میں پھنسا ہوا تھا۔

بار بار یوں تھل مانوس ہوتے دماغ کے ساتھ کچھ ایسی تشکیل میں کھو گئی تھا کہ چاہتے ہوئے بھی وہ یہاں سے غائب نہیں ہو سکتا تھا۔ بار بار وہ شہزادی کی چیختی نظریں خود محسوس کر رہا اور اس کا سر کچھ اور نیچے جھک جاتا وہ کچھ اور بھی زیادہ ارے ساتھ تک کے کھڑا ہو جاتا۔ بظاہر شہزادہ بھی تھا اس سارے تماشے سے انجان تھا۔

شہزادہ نواب صاحب کی یہاں موجودگی اور ان کی حالت زار دیکھ سے واقف تھا۔ وہ بار بار یہاں نظر آتا سے سمجھ آ رہا تھا۔ اپنی ماں کا مسلسل آنسو بہاتا اور زیر لب بڑبڑاتا بھی اسے الجھا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ کمال ضبط پر اشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی بیٹھی سے اس کے سگے تھے کے دار اقتدار رہتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر اندر موجود باپ اور نواب صاحب کو دیکھ کے اسے جو اچانک ذہنی جھٹکا لگا تھا اس کے بعد اسے ہاں کا ایک لفظ بولنے نہ پڑا تھا اور پھر کہنے بھی اسے فوراً خاموش کرا دیا تھا۔

"بیٹے خاموش رہیے۔ ابھی بعض کے پاس اتنا حجم اور شور ٹھیک نہیں ہے۔"

باپ نواب صاحب تو کھوئے کھوئے سے بیٹھے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کا خصوصاً تنویر تھا۔ شہزادی کی سمجھ میں آ رہا تھا بلکہ اب تو اس کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد اس نے اپنے کچھ کہتی الاکھا تا دل رکھتے ہوئے پوچھا تھا اس کے باوجود باری کی دیا کی پہنچی تک میں شاخ جا چل گئی۔ شہزادہ ملک سے بے حد خوفزدہ تھا۔

انکار تو وہ تو اب بھی نہیں تھا جب اس نے پہلی بار وہ اپنا پاس کی اصلیت کھولی تھی۔

آج اس کے خوف کی وجہ تو شہزادی کا ملک نہ تھا بلکہ وہ خوفزدہ تھا کہ کہیں اس کی وجہ سے وہ اپنے وعدے سے پھر جائے۔

صبح وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے اتنا کمزور پڑ گیا تھا کہ ایک کونے سے لگا تھر تھر کانپتا ہوا دل ہی دل میں یہ دعا کر رہا تھا کہ شہزادہ کشمری نہ آئے۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا شہزادے تھرہ روئی کیا کرتے آئے تھے۔" اللہ وسایا نے جواب دیا۔

"بیٹی کا نکاح ان کو اس سے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو پیر جانے ہوں گے یا بیٹی ہی بتا سکے گی۔"

اللہ وسایا خشک سوالیہ نظروں سے نواب صاحب کو تکنے لگا۔ وہ اس کا دینا جواب کر تکیے سے سر اٹھانے لگے۔ پھر نے بڑھ کر ان کو تکیہ لگانے میں مدد دینا چاہی مگر انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں بتاتی ہوں، یہ اٹھلا کیا بتائے گا اور کب بتائے گا؟" بانو نے انہیں آہستہ آہستہ اٹھتے دیکھ کر ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"باہو کا پتہ، دائی کے پیچھے۔۔۔ روئی کا لاہور (ملتان) رہائے کو پہنچا۔ اصل بات تو تو نے پوچھی ہی نہیں پہلے یہ تو پوچھ کہ یہ نقشی بنا دام کیا کر رہا ہے۔ کل رات سے لاوحد ہے۔"

"کل رات سے؟" باہو کی صورت کی اسے بے چین تو کر رہی تھی۔ لیکن اس کا ساری رات یہاں گزار دینا اسے اچھل جانے پر مجبور کر گیا۔

"پوچھیے ہم تب ہی کو سب کچھ بتا دیں گے لیکن۔"

بابر نے نواب صاحب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ماتحی انداز میں کہا۔

"آپ کی باہر چل مشکلات کرتے ہیں۔ اب بیمار بندے کے سرہانے کیا کھپ ڈالنی؟"

اللہ وسایا نے بھی باہر جانے کی صلاح دی جو باہو کو خیش دلا گئی۔

"بیمار ہیں تو اپنی ذاتی کوٹھی حویلی میں جا کے بیٹھیں۔ کوئی اور رانی کو نواب زادی اس سے خدمتیں کرائے ادھر یہاں محل کے مہمان ہے۔ ہمارا راہ نہ ماتھے کوئی؟ ہم تو گل بات ہو گئی ہو ادھر ہی ہو گی۔"

وہ لڑکی اور تائید طلب انداز میں بیٹے کو تکنے لگی لیکن رونی میں سر جھکا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے تمہارا پرچل کے بیٹھتے ہیں۔ لیکن مجھے ساری بات صاف۔۔۔ [illegible] طور پہ تم۔"

اس نے باہر کی جانب اشارہ کیا۔

"تم مجھے کوئی جواب دینے کی کوشش مت کرنا۔"

"اس نے خود کو تھاما کر کہا۔" بانو نے لقمہ دیا۔

"جلیلی انہیں آرام کرنے دیں۔" شہزادے نواب صاحب کو کچھ کہہ کر کمرا اور پلٹ کر باہر نکلنے لگا۔

"آرام۔۔۔ یہ" بابر نے جز بز ہو کے کچھ کہنا چاہا لیکن شہزادے نے روک دیا۔

"مجھے پتا ہے۔۔۔ سب کچھ پتا ہے۔ بھولا نہیں ہوں میں لیکن اس وقت کیسی گفتگو نا مناسب ہو کر کے ہم یہ ثابت کیوں کریں کہ ہم کمزور ہیں۔"

اس کی اس بات نے نواب صاحب کو مہمت کچھ یاد دلا دیا۔ وہ ہمت کر کے اٹھ تو بیٹھے تھے آپ بول بھی اٹھے۔

"ہمیں الکل ٹھیک ہیں۔"

اس وقت بھی نقاہت سے بوجھل ان کی آواز میں رعب کا وہی عالم تھا لیکن وہ گھن گرج اور کروفر باقی نہ تھا۔

"ہم بھی معذرت کی بیٹھ کے پیچھے کے لیے اٹھنے ہی بیٹھے ہیں۔"

انہوں نے شہزادے کو مخاطب کیا۔

"آپ ہمیں کسی اور تھی کو سلجھانے آئے تھے لیکن یہ معمہ بھی حل طلب ہے۔ آپ ہماری صحت کی فکر سے بیٹھنے کا صرف یہ بتائیے کہ آپ کچھ دیر قبل ہماری نواسی کے بارے میں کیا بتا رہے تھے اور ہمارے داماد کی۔"

"ابھی یہ بھی تو سلسلہ کی جڑ ہے۔" اللہ وسایا ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے بول اٹھا۔

"کرامت اس کے اپنے ایسے ہیں کہ جو چوک۔۔۔ وہی بندے اکٹھے ہو کے اس کو کٹ لگا کیں تب بھی۔۔۔ ہے لیکن بھلا کتنا پڑ رہا ہے میری بھاری بچی کو اور اس کی اپنی رضا ہی کو۔ چلو وہاں پیر کے کرتوتوں کی سزا اور بھگتنی تھی ہے لیکن میری بیٹی کا کیا قصور ہے کہ یہاں اس کی خاطر اور اس کی اولاد کی خاطر اپنا آپ وار رہی ہے۔"

"آپ اصل بات بتائیے کیوں نہیں؟"

اب اس کی طویل تمہید شہزادے کی برداشت سے باہر ہو گئی۔

"اس نے ہمارے کسی کے ساتھ فراڈ کیا ہے یا اس کا بیٹہ دبا کیا ہے۔ اللہ جانے بدلے میں وہ اس کی لڑکی اٹھا کے لے گئے ہیں۔ شہزادے تو تو بتا تا ہو کا۔ وہی ملک تھیں۔۔۔ اس کا کام ہے۔ اب اس نے لڑکی چھوڑنے کی شرط رکھی ہے کہ روئی سے شادی کر کے دنیا سے بیٹی کے چلنے الا تھا ہمیں سے شوگر اگے اور جرائم کام کر رہے ملک کا کاروبار چلانے والا تھا اب بیٹا وہی ہو کر اپنا بیٹا قوس کی لڑکی چھوٹ سکتی ہے۔ اب یہ جانے اور اس کا کام۔ ہمارا کیا لینا دینا۔ اللہ کا کرم ہوا جو روئی اس کے جانے میں آنے سے بچ گئی۔ اب خیر سے تمہارے ساتھ اس کا نکاح لینے جا رہا تھا۔ نہیں یہ کہاں سے بیچ میں آ گیا ہے۔ اور ملائے اور روئی بھی اس بد عورت لینے بے وقوف۔ اگلی اس کی باتوں میں۔"

"کیا مطلب؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"یہ انگوٹھی واپس کر گئی ہے۔ دو انگوٹھی دی تھیں۔" بانو نے انگوٹھی اس کے دکھائی۔

"کل کا دن چڑھنے سے پہلے اس سے بیاہ کرنے والی ہے۔ صاف جواب دے گئی ہے مجھے بائے بن دیکھے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ میری روئی کو ایسا کرنے نہیں دوں گا۔" شہزادہ ایک عزم کے ساتھ اٹھا۔

"خدارا! ایسا مت کیجیے گا۔ ہماری معصوم بچی کا سوال ہے۔" ہارنے گزگڑا کر اس کی منت کی۔

"رک جائیے بابر! صاحبزادہ کیس علی خان کی آواز گونجی۔

"انہیں مت روکیے۔ جانے دیجیے۔ اس بچی کا فیصلہ ہمارے کانوں نے کر دیا آپ ایسے محفل کے لیے یہ کرنے پر تیار ہو گئیں۔ ہمارا ضمیر یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ ہم اپنے مفاد کے لیے کسی اور بے قصور کو بھینٹ چڑھا دیں۔ صاحبزادی کی کشش خانم ہمارا خون ہیں اور آپ کی ذمہ داری ہیں۔ ان کو بچانا ہمارا فرض ہے اور اس فرض کے لیے ہم کچھ بھی کر گزریں گے مگر کسی دوسری بیٹی کو قربان نہیں ہونے دیں گے۔"

"ملک مقبول مت میز جھا کوئی ہے نواب صاحب۔ آپ صرف قانون کی مدد سے اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ پہنچ بھی گئے تو اپنا قرائن حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ بیٹی اس کے پاس ہے۔"

شہزادے انہیں آگاہ کرنا چاہا۔

"میں دعا کرتے ضرور جا رہا ہوں۔ مگر آپ کی مدد کرنے سے روکنے کے لیے نہیں۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مدد کا جو راستہ اس نے نکالا ہے وہ واحد حل نہیں ہے اور بھی کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے جس سے ہم بابر کی بیٹی کو بھی ملک کے ہاتھوں سے بچا لیں گے اور دعا کو تاکید بھی قربانی بھی نہیں دینی پڑے گی۔"

"اوقت مت کریں۔" بابر نے نہایت کمزور آواز میں احسان رکھنا چاہا

"پہلے مجھے یہ دکھائیے کہ وہ کاغذ کیا ہے۔"

"ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ہمیں ان محترمہ سے ملنے کا اشتیاق پہلے سے تھا۔ جواب مزید بڑھ چکا ہے۔ ہم قریب سے جو ٹھا چاہیں گے اس قدر نہیں شیخ والی بچی کو ہمیں کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے کہ انہوں نے ایک غیر کے لیے اس حد تک جا کر سوچا۔"

"کیا جانا چاہتے ہو؟" بانو نے نواب صاحب کی بات کے جواب میں تنکے کر کہا۔

"اس وسایا کی بیٹی ہے وہ۔۔۔ اس بیراندی میں طبلہ بجانے والے میراثی کی بیٹی۔ خود وہ محفلوں میں گانے

ہونے کا کام کرتی ہے اور میں اس کی ماں ہے۔ ابھی بڑوی والی میراثن اس کا ماں دل بھانڈ نت توتے، اٹکے دے کر ذلیل کرتے نکلا تھا۔ میں خون پی کے اس کو کیسا اس کی ماں۔"

زندگی میں پہلی بار نواب صاحب کو اپنے ہی کیے الفاظ میں کاسر چکانے پر مجبور کر گئے۔

وہ تھے غلا جہت ہوتے تھے ان کے تکبرات، گمان کو پرکھنے کی ان کی کسوٹی کتنی پوری تھی یہ احساس آج ہو رہا تھا۔

"کیسی بہت بھونس ماں کہ اس کی تربیت کرنے والے ہاتھ اس قابل سے نہیں تھے اور دوں کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ، کسی غیر کے لیے اپنی خوشیاں قربان کر دینے کا حوصلہ احسان کر کے بھی نہ جتانے کا ظرف نہ سیکھ سکانے والی، جتنی نہ ہو خاندان سے تھی نہ اس قابل ہے۔"

شہزاد کے رشتے سے کیے یہ الفاظ نواب صاحب کو چوٹ گئے۔ انہیں یاد آ گیا کہ وہ یہاں اصل میں کس مقصد سے آئے تھے۔

"آپ نے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں؟"

شہزاد کی خاموشی پہ انہوں نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔

کیا کیا نہ بنایا تھا انہوں نے اس شخص کو۔

کیا سوچ کر کیا تھا اس کے باپ کے ساتھ کہ اس کی جان ہی چلی گئی۔

کس بری طرح بکھرا تھا اسے۔

ذرا آج وہ سامنے کھڑا ہے تنگ بہت اعلا ظرف لگ رہا تھا اس کی آنکھوں میں سرد مہری ضرور تھی مگر وہ اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تو ایک ماں کی طرح ممتا کی کے بدلے بھی لے سکتا تھا۔

شہزاد دعا کے لیے اس قدر ظرف مند تھا کہ اس نے اس بات پہ ذرا غور فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"ٹھیک ہے لیکن آپ اپنے گھر کا نمبر دیجیے تاکہ میں وہاں اطلاع دے دوں۔ وہ تب کا اچھا کیا کام ہے اس کا وہ آپ کو آ کے لے جائے گا۔"

بارہا میں نے عمیص نے اسفور کا نمبر بتایا۔

☆ ☆ ☆

عمیص چچی حضور سے بات کرنے کے بعد سخت بے چینی کے عالم میں گھر سے نکلا تھا۔ بے تنگ دعا کا ایڈریس اور فون نمبر وہی اپنے دوست سے لایا تھا مگر اس نے انہیں ایک بار سرسری سا دیکھنے کے بعد نواب صاحب کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اب اسے صحیح طور سے یاد نہیں آ رہا تھا کہ سرسری جانب چچا حضور کی طبیعت کی خرابی کے پیش نظر ان کی تشویش بھی سما گئی۔ اس سے نہ نمبر رکا یاد نہ ان دکان پہ ٹھہرا جا سکا تھا۔ وہ ایک دوست کو وہاں بھاگے آیا تھا جس نے خاص کے آتے ہی ایک بات بتائی۔

"اس نمبر سے تمہارے لیے فون آیا تھا کہ تمہارے چچا حضور سال موجود ہیں۔ انہیں آ کر لے جاؤ۔"

"لے جاؤ؟ کیا مطلب ہے کہ خود گئے تھے؟ تو اب ان کی طبیعت خراب ہے؟"

اسے ہزار طرح کے گلے لگے۔ وہ جان گیا کہ کون سی چیز تھی جو وہ اسفور تک واپس بھیجنے والی تھی۔ شاید اس پیغام تک پہنچنے کی جلدی تھی اسے۔

"تم انہیں اطلاع دے دو۔ ابھی کلینک میں لگ رہا تھا۔ بس نمبر زور دیا تھا لیا اور فون رکھ دیا۔"

وہ چاہیں کہ حضرت اٹھ کر بھاگا۔ فون کی بیل نے اسے رک جانے پہ مجبور کر دیا۔

"ہمیں اسی نمبر سے دوبارہ فون آیا ہے۔" وہ تصدیق کرنے کو مگر سی ایل آئی اسکرین پہ چمکتا وہ نمبر کوئی اور تھا وہ دوبارہ مڑ نے لا تھا کہ کسی خیال کے تحت ٹھہر گیا۔

یہ نمبر اجنبی تھا مگر اس کے شروع کے چند ہندسے بہت جانے پہچانے تھے۔ یہ اس علاقے کا نمبر تھا جہاں

ساتھ زادی پا سکتی رہتی تھیں۔ اگرچہ انہیں عمیص کو فون کرنے کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی مگر کبھی کبھار وہ یا پھر اتفاق سے کسی بی بی سی اسے فون کرا کے کوئی پیغام دیتیں تو ایسا ہی کوئی نمبر ہوتا۔

"ہیلو۔" اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھا کے کہا تو دوسری جانب سے آنے والی آواز قطعی نہ اجنبی تھی۔

"جی عمیص ہی بول رہا ہوں۔" اس نے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے فون کرنے والی خاتون کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"میں کوثر شہ یا کیسن ہوں کی گواہ ہوں۔ (سانس)۔"

"جی فرمیے۔" اس کی آواز میں اب تک الجھن مترشح تھی۔

"یا کیسن ہوں کی طبیعت بڑی خراب ہے جی اسپتال سے لے کر آئے ہیں اسے۔"

"اسپتال؟ کیا؟ کیوں؟"

"بیمار ہی جی اب پہلے سے بہتر ہے لیکن میں نے سوچا اس کے پہلے تو خبر کر دوں۔"

"بڑی مہربانی آپ کی۔" وہ بیوقوف تھا۔ اس کی آپا اسپتال گئی رہ گئیں اور باہر نے خبر تک نہ ضروری نہیں سمجھا۔

"چچا حضور کو لے۔"

"ابھی چچا حضور کو لیے۔"

"ہری بیماری کے تحت اس نے ہاتھ میں پکڑی چٹ پہ لکھا نمبر ملایا۔

"میں عمیص بات کر رہا ہوں۔ کیا میرے چچا حضور صاحبزادہ عمیص علی خان یہیں موجود ہیں؟"

اس نے تصدیق طلب کی۔

"جواب ہوا ہاں ذرا آ ہو گئے ہیں۔ حری پیچھے ہیں۔" لفظ دعا نے فون ریسیو کیا تھا۔ شہزاد لگ بھی بھی دعا کی تلاش میں نکلا تھا۔

"بڑے صاحب میری ان سے بات کرا دیجیے۔"

"مسیال والی کون سی بی بی اے جی اکتے سارے نمبر کو لوگ انظار لے کا چاہ ہے۔"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور نواب صاحب کو تھما دیا۔

"ہم یہاں تبدیلی ہیں اور انشاء اللہ کچھ دیر میں خود ہی واپس آ جائیں گے۔ آپ زحمت نہ کیجیے۔"

عمیص نے صاحبزادی یا کسی کے بارے میں بتایا اور اسے نواب صاحب کے رد عمل پہ حیرت ہوئی۔ میں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلے سے ان بارے میں جانتے ہوں۔

"آپ ہی چلے جائیں۔ اس وقت تم کی وہاں زیادہ ضرورت ہے۔"

وہ ان کی ہدایت پہ وہاں کے لیے روانہ ہو گیا

"کیا یہ حضور پہلے سے یا کسی کی طبیعت کی خرابی کے متعلق جانتے تھے؟"

انہوں نے سر دے کر یہ کیوں کہا کہ وہاں۔ میری ضرورت ہے؟ ان کے لیے میں وہ خیر معمولی بن کس لیے تھا اور اور وہ کون لوگ ہیں؟ کس کا گھر ہے؟ بدوں چچا حضور اس حالت میں بھی آتی یہ بات نہیں سمجھ میں اور مجھے آنے سے روک رہے ہیں۔"

ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کا نہ اس کے پاس وقت تھا اور نہ ہی فرصت۔ وہ جلد از جلد یا کسی کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

● ● ●

نگار نے بمشکل دلکش کا ہاتھ منہ دھوئے۔ رضا مند کیا تھا۔ اب وہ اس کے لیے باہر میں سنتھ کرتے ہوئے چھپا کرنے والی تھی کہ کالی تیل کی آواز اسے ہاتھ میں رکھا تھا ایک طرف رکھنا پڑا۔

اس نے ایک نظر دروازے کو دیکھا اور دوسری نظر دلکش کے چہرے پہ ڈالی۔

دھلے دھلے چہرے پہ خوف و ہراس کی پرچھائیاں پھیل رہی تھیں۔
نگاہ نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو وہ ڈال کے سہمی سی چونکی۔
"کوئی بات نہیں، گھبرائیں نہ۔"
"میں نے کہا نا، گھر نہیں ہوں۔" کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ ٹھیک طرح سے بند کر لینا اور جب تک میں کہوں مت کھولنا اور دیکھو اندر سے کسی قسم کی کوئی آواز باہر نہ آنے پائے۔"
وہ آواز ہلکے سے ہدایت دے رہی تھی اور اس کی آنکھ کی گولائی کو اور بھی متوحش کر رہا تھا۔ وہ گاتے تذبذب کے ساتھ اس کی ہدایت کے عین مطابق کمرے میں چلی گئی۔ لکڑی کے دروازے کی چٹخنی لگائے جانے کی آواز آنے کے بعد ہی نگاہ کا رویہ کھولنے لگی تھی۔ تب تک وہ تھوڑے سے تیز بار بیٹھ جانی چاہتی تھی۔
دروازے کے قریب رک کر نگاہ نے ایک بار پھر اندازہ کرنا چاہا کہ آنے والا کون ہو سکتا ہے۔ وہم سارے کسی بھی قسم کی آواز کی منتظر تھی، چاہے موہوم بوٹوں کی چرچراہٹ اور ناہموار سانس ہی۔ وہ وہ بھی تھا بے چینی سے مل رہا تھا۔ یوں تو نگاہ خاص بے خوف اور نڈر قسم کی تھی مگر اس وقت سوال صرف اس کی ذات کا نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ملک کے کسی بندے نے نگاہ کو اس کے گھر آتے یا جاتے نہ دیکھ لیا ہو۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اس نے کسی نہ کسی کو اس پہ نظر رکھنے کا کہہ رکھا ہو۔ اس لیے ہی تو اس نے رعنا کے ساتھ دلکش کو نہیں جانے دیا تھا۔
"کون؟" اپنے اندر کے خوف اور وہم کو دباتے ہوئے اس نے آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔
"شہزاد ہوں۔"
یہ تو اس کے دیوانی طرح چونک گئی۔ غیر ارادی "وہ" دل دھڑک دھڑک گئی۔
"آپ سے سوال؟"
"کیا دعا پاس ہے؟"
شہزاد نے بغیر کسی تمہید کے سوال داغا۔
"نہیں۔"
"کیا دعا یاد ہے؟"
اس بار وہ فوری طور پہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ وہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی کہ شہزاد کو اس کے بیان آنے کے متعلق بتائے یا چھپائے۔
اس کے اس تذبذب کو دیکھ کر شہزاد نے خود ہی کئی رائے قائم کر لی۔
"مجھے اس سے ملنا ہے۔"
اس کے جواب میں بھی وہ خاموش کھڑی لب کاٹتی رہی تو اسے خود قدم بڑھا کے اندر داخل ہونا پڑا۔
"وہ یہاں نہیں ہے۔ میں نے بتایا تو ہے۔" نگاہ بوکھلائی۔
"وہ کہاں ہو سکتی ہے؟"
شہزاد نے چلتے کراس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔
"تم اس کی واحد دوست ہو اگر وہ اپنے گھر نہیں ہے تو کام کے سلسلے میں کہیں نہیں گئی۔ میرے گھر میں نہیں ہے، میرے ساتھ نہیں ہے۔ تو پھر سوائے تمہارے اور کس کے پاس ہو سکتی ہے۔"
"مگر میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ یہاں نہیں ہے۔"
"میں تمہاری بات مان لوں گا اگر یہ ثابت ہو گیا تو اور اس کے لیے مجھے تمہارے گھر کی تلاشی لینا ہو گی۔"
"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"
وہ بری طرح گھبرائی۔
"جب میں کہہ رہی ہوں کہ وہ یہاں نہیں ہے تو آپ کو اتنا ہو گا۔ مجھے کسی بات کو ثابت کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔ ذرا سی آپ کوئی پولیس والے ہیں جو بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوتے ہوئے گھس جائیں گے اور تلاشی کے نام پہ میری پرائیویسی میں دخل دیں گے۔"
"سوری۔ مجھے ایسا کرنا ہو گا۔ تم دعا کی دوست ہو اس لحاظ سے مجھے تمہارے ساتھ بھی بے مروتی برتنی نہیں چاہیے اور ہی زیادہ تمہی کے کام لینا چاہیے مگر مجبوری ہے۔"
اس نے شانے اچکائے اور دائیں بائیں نظریں گھماتے ہوئے جائزہ لینے لگا۔
"مجبوری سے کہ مجھے اپنا کردار بہت اور وہ بھی صرف دعا کے لیے امید ہے تمہارا برا نہیں مانو گی۔"
بات کرتے کرتے اس نے ایک کمرے کے دروازے کو پاؤں کی ٹھوکر سے کھول دیا۔ پرانی لکڑی کے کواڑ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ مختصر سا کمرہ اپنے خالی پن کے ساتھ سامنے تھا۔ وہ ہو تھا شاید نگاہ ڈرائنگ روم یا بیٹھک کے طور پہ استعمال کرتی تھی اس لیے اس میں سامان بے حد کم تھا۔ شہزاد نے ایک سرسری نظر ڈال کے اس اندازہ لگایا کہ یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔
"جس بوگی کی تسلی تھی تو یقین آیا کہ یہاں نہیں ہے۔ اب پلیز آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔"
نگاہ اس کے دوسرے دروازے تک جانے سے پہلے خود ہی طرح لپک کے اس کے سامنے آئی اور ہاتھ جوڑتے ہوئے خشک آواز میں کہا۔
"ابھی کہاں؟ ایک کمرہ تو ہے۔ لگا لیا ہے۔ اس کے بعد تسلی ہو گی اور تسلی ہو گی تو چلا بھی جاؤں گا۔"
اس نے شہزاد کا راستہ روک لیا۔
اب شہزاد کے اندازوں کی تصدیق ہو رہی تھی۔ یہ خیال اس کے دل کو تقویت پہنچانے لگا کہ چند قدم کے فاصلے پہ موجود دروازے کے پیچھے دعا ہی ہے۔
"سالی آدھے گھر والی ہوتی ہے۔ میں تو یہ مانتا ہوں تم بھی سالی ہو۔ دعا اپنے ہونے والے سوتی کو اپنے گھر سے کھڑے کھڑے نکال رہی ہو۔"
اس کی مسکراہٹ نے نگاہ کو زچ کر ڈالا۔
کوئی بہانہ کام نہ آتے دیکھ کر وہ بالکل ہی دوٹی اور اس کے آگے کیا تھا جو شہزاد نے۔
"آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ میں وہ آئی تھی میرے پاس۔ کچھ دیر بیٹھی تھی مگر چلی گئی۔ اب اس بات کو کئی گھنٹے گزر گئے ہیں۔ میں نہیں جانتی وہ اس وقت کہاں ہو گی۔"
شہزاد نے ایک لمحہ رک کے اس کی بات سنی اور پھر سر جھٹکتے ہوئے پہلے دروازے کی طرح اس پہ بھی پاؤں کی ٹھوکر رسید کی۔ گھر اندر سے بند دروازہ صرف ہل کے رہ گیا۔ اس نے سخت خیز قدموں سے بھونچال کے بھرائے چہرے کی جانب بڑھا اور ہاتھ کو دوسرے دروازے پہ ڈالا۔
"وہ اندر نہیں ہے۔"
یکایک وہ چلا اٹھی۔
"میں قسم کھانے کو تیار ہوں وہ اندر نہیں ہے۔ وہ میرے گھر میں نہیں ہے اور میں واقعی نہیں جانتی وہ کہاں ہے۔ میں دعا کی قسم کھا کے کہتی ہوں اور اور میں اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز کی قسم کھا کے کہتی ہوں۔"
شہزاد کے ہاتھ ایک بار پھر رک گئے۔
اس نے غور سے نگاہ کے چہرے پہ کچھ تلاشنا چاہا۔
وہ اتنی بڑی قسم یونہی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس چہرے پہ جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا لیکن ان آنکھوں میں جو خوف تھا وہ خوف بھی بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا۔
اس خوف کی وجہ جاننے کے لیے اس نے دروازے کو دو تین ٹھوکریں رسید کیں۔
زنگ آلود سٹور کی چٹخنی ٹوٹ کر دور جا گری۔

"وہ اندر نہیں ہے۔"

نگاہ کا اچانک اندر خود کو حکم سرکشی میں مشغول کیا اور دیوار سے ہوئے اندر نہیں دیوار سے ٹکا گئی۔

"رضا!"

خنزیر نے اندر داخل ہو کر تیزی سے پکارا۔

"تو کیا کہیں تو بھی ہو تم؟"

اس نے پورے کی اوٹ میں اسے پھینکتے ہوئے کہا تھا اور اب آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا پیار سے کہہ رہا تھا۔

"ہمارا تو یہ قرار کا کون سا طریقہ ہے دوبی نکلنے سے اب تک خود کو اکیلا سمجھتی ہو۔ خود ہی اتنے بڑے فیصلے کرنے لگیں اور وہ بھی سخت احمقانہ اور جذباتی۔ ہم مل کے کوئی حل نکال سکتے ہیں۔ میں تمہاری خاطر اس بار بھی۔"

کہتے کہتے اچانک اس نے پرویز کے کھینچ کر اس کی زبان تھم گئی۔

وہ واقعی اپنا آپ کھو گئی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی کھڑی تھی۔

"آپ نہیں سمجھتے ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ کی زوجہ۔"

"اس وقت تو آپ ذکیا بیگم بادشاہ ہو تو ہماری بیٹے مرضیہ کی۔"

اللہ دتا نے نواب صاحب کی پوری بات سنے بغیر بیزاری سے کہا۔

عمیص کا خون تو نے کے بعد باز جاتیوں مغل کو احساس ہوا کہ تلخی کی پریشانی میں وہ صاحبزادی یاسمین کو بھول ہی گیا تھا۔ وہ اس وقت بیلی کی آشنا دی سے کتنی بے حال ہو گی اس کا تصور ہی اسے عجلت میں مبتلا کر گیا۔ اب تلخ سوالوں کی طرح منہ چھپا چکا تھا لیکن اب اس نے یاسمین کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ویسے بھی یاسمین سے خوفزدہ نہیں تھا۔ صرف نادم تھا اگر سار تھا۔

خوفزدہ تو وہ اپنے سسر صاحبزادہ فیض علی خان سے تھا جو عادت زیادہ خوفزدہ کل سے لے کر اب تک سے خیال سب بھی اسے آتا کہ یہ ساری بات ان کے علم میں آنے کے بعد کیا ہو گا اتنی ہی بار وہ خوف سے کراہ اٹھا تھا لیکن جب ان کا سامنا بھی کر لیا۔ اس طوفان کا کھلا بھی ہی نہیں سے نکل آیا تو وہ قدرے غرار ہو گیا۔

"سب کیا فرار ہمارا ہے تو ہمیں سب کی لعن طعن کے لیے تیار بھی ہونا چاہیے کم از کم اتنی بڑی غلطی کر کے بعد تو سمجھنا چاہیے ساری عمر فرنگیوں سے منہ موڑے گزر گئی مگر اب اور نہیں۔ اب ہمیں ایسا نہیں کرنا۔ اس وقت یاسمین بیگم کو ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں یوں فرار حاصل کرنے کی بجائے ان کے پاس ہونا چاہیے۔ ان کی دلجوئی کی خاطر ان کو یقین دلانے کے لیے کہ جو کچھ ہوا وہ ساری عمر تو کیسی وہ اداری بیٹی کی بیٹھ تھی کی بجائے ہی کر دیا۔"

وہ اسی دشت ملامت سے نکل گیا تھا۔

اور نواب صاحب نے چونکتے ہوئے اللہ دتا سے رہائی ان کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"ہاں ان سے پوچھو سنانے کے لیے بتا خاندانی بتا پھر تا ہے اسے اتنی تیز طبیعت کہ کسی کے گھر کی عورتوں کے بارے میں زبان (تفتیش) نہیں کرتے۔"

باوجود کے ملنے پر نواب صاحب کا تاثر ڈگمگا گیا۔ وہ جب سے یہاں آئے تھے اس خاتون کی کڑوی کسیلی باتیں بڑے حوصلے سے برداشت کر رہے تھے صرف اور صرف اپنے اس ایک سوال کا جواب جاننے کی خاطر۔

ورنہ ایک دنیا بات کم ہوا تھا کہ کسی غیر کے گھر جائیں اور غیر بھی وہ جو ان کے برابر کا ہو تو ذرا کی بات ایسے خاندان و حیثیت کا تھا جسے اپنی حویلی کے آس پاس بھی پھٹکنے نہ دیں۔ دوسری خلاف معمول بات یہ تھی کہ وہ مسلسل ضبط سے کام لے رہے تھے۔ اپنی خودداری اور غیرت کو اپنی پشت ڈالتے ہوئے زندگی میں پہلی بار وضعداری سے کام لے رہے تھے۔ شہزاد کے کہنے پر بھی وہ اس کے ساتھ نہ گئے تھے اور عمیص کو بھی آنے سے منع کر دیا

تھا۔ وہ اپنے سوال کا جواب لیے بغیر یہاں سے ٹلنا نہیں چاہتے تھے۔

"ہم جانتے ہیں ہمارا سوال آپ کو کچھ عجیب لگا ہو گا بہت معذرت لیکن موجودہ کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کرتے۔ فقط اتنا فرما دیجئے کہ آپ کی بیٹی کی شکل و صورت ہمارا مطلب ہے اور کس سے مشابہ ہیں؟"

انہوں نے بلو کو سراسر نظر انداز کرتے ہوئے اللہ دتا سے ہی اگلا سوال کیا۔

"اپنی ماں سے اور کس سے۔"

اس بار بھی شنتا ہوا جواب بلو کی جانب سے آیا۔

"ہم خوب کرامات لوگوں کے بچے تو اپنی ماں ہی سے ہی کسی پہ جاتے ہیں' آپ اور نیچے لوگوں کا پتا نہیں' شاید بلو بہت سے شہزادے شہزادیوں پہ جاتے ہوں۔"

"مگر آپ برا نہیں لو گے! ہمیں ان کی والدہ موجودہ کا نام جان سکتے ہیں؟"

نواب صاحب بلو کی استقبال کو شیر ہو کر مکمل نظر انداز کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہہ رہے تھے۔

"خیر ابھی کہہ دو تھا اس کے بارے میں نہیں پوچھوں گا اب پھر گھما پھرا کے اسی طرف۔"

"تو چپ کر کر جاتی۔ تیری زبان بولنے سے نہیں رکتی۔ پردہ ہٹا ہے وہ دار اقسمت سے تو ایسے لوگ ہم جیسوں کے گھر آتے ہیں۔"

وہ نواب صاحب کی پرتاثر اور رعب شخصیت سے خاصا مرعوب تھا۔

"نواب صاحب اگر تمہیں برا نہ مانو تو میں آپ سے پوچھوں کہ آپ یہ کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

اس نے بن کا سوال ٹھہرا کے ان کی جانب لوٹا دیا۔

"دراصل ان کی صورت ہماری ایک عزیزہ سے ملتی ہے۔"

"تو وہ کہ عزیزہ تھی؟"

"ہے۔ تو تھی۔"

"فوت ہو گئیں؟"

"ہاں۔ شاید۔"

"شاید؟ یہ کیا بات ہوئی؟ یا کوئی زندہ ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے شاید تو نہیں ہوتا۔"

اللہ دتا نے اعتراض کیا۔ انہیں سے بھی ایک طنزیہ پکار ابھرا تھا۔

"ایک عرصہ گزرا ہم نے بھی اس پر فرض کر لیا تھا کہ وہ فوت ہو چکی ہیں لیکن آپ کی صاحبزادی کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے ان کی عزیزہ ہم ہو کے سامنے آ گئی ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے نواب صاحب۔ دو لوگوں کی شکل اتنی نہیں مل سکتی اور وہ بھی بالکل غیر لوگوں کی۔ ایسا تو جڑواں بہن بھائیوں میں ہوتا ہے اور مجھے جتنی طرح پتا ہے کہ میری دادی کی کوئی جڑواں بہن نہیں۔ یہ تو آپ بڑی منتوں مرادوں کے بعد شادی کے کئی سالوں بعد پیدا ہوئی تھی۔"

"ہم جانتے ہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

نواب صاحب بہم سا مسکرائے۔

"وہ آپ کی بیٹی ہی ہمیں دکھائی بھی نہیں سکتیں۔ آج سے پینتیس سال پہلے جب ان کی ایک حادثے میں وفات ہوئی تو وہ اٹھارہ برس سال کی تھیں۔"

"پینتیس سال پہلے؟" اس نے دہرایا۔

"اور آپ ابھی تک انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہو؟"

"نہیں ہم جانتے ہیں وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دیر کی طرح لوگوں نے ان کو ہم سے اور زندگی سے بہت دور کر دیا تھا۔ ہم صبر کر چکے تھے مگر تیرہ عرصے کے بعد اسی شکل و صورت کو دیکھ کر ہمیں الجھن میں مبتلا کر دیا

ہے نہ صرف ہمیں بلکہ ہماری قیم کو بھی۔ جوان مرحومہ کی سگی بھتیجی ہیں۔ ہم سب یہ چاہتے تھے کہ اس سے اور جو مرحومہ کی وجہ کیا ہے' حلانکہ ۔۔۔ حالانکہ ڈاکٹر خود کہتا ہے یہ مکمل اتفاق ہے' موقعہ کی اتفاق' بہت پچیس سال جوانی بات ہے تب آپ کی پیدائش نہیں ہوئی تھی۔ حلانکہ ان کا ہماری عزیزہ سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے جوان کی پیدائش سے کئی سال پہلے آنے والے سیلاب میں ۔۔۔"

"ایک منٹ۔" بابو نے گفتگو میں دخل دیا۔

"کون سا سیلاب' آپ جو راوی میں آیا تھا؟"

"جو پیڈ بھر پانی راوی میں کون سا سیلاب آتا ہے' اب تو ادھر چلو بھر پانی نہیں ہوتا۔ صبح خدا نے جو گاپانی نہیں تو پوری رات تالی دینے کی بات کر لی ہے۔"

اللہ دتا نے اپنی عادت کے مطابق بات پر پرچی کاٹی۔

"وہ آج کے راوی کی نہیں' پینتیس سال پہلاں کے راوی کی بات کر رہا ہے جو اس وقت اتنا بڑھا بھی نہیں تھا۔ جب جال میں آتا تھا تو پنڈ کے پنڈ ہی عزرا (بہا) کر لے جاتا تھا' ادھر شاہورے کے پاس کے کتنے پنڈ اجاڑے تھے اس نے۔ تو تو ساری عمر لاہور رہا۔ اپنے پنڈ کی خبر نہیں لی' مجھے کرے ہے جی دھندہ بنایا تھا اس کا پنڈ بھی ادھر شاہورے کے پاس ہی تھا' وہی دولان کا تھا۔"

اس نے نواب صاحب کی جانب اشارہ کیا' وہ گم صم بیٹھے یہ سب سن رہے تھے۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ کرنے سے ملاقات میں کیا قدر مشترک تو اسے پہچاننے کا جب ہی تھی۔

"ہاں ہم اسی سیلاب کی بات کر رہے ہیں۔"

"وہ سیلاب جس میں تو رے ڈاکو اس کے بیلی اور کی پولیس (پولیس) والے بھی ڈوب گئے تھے؟"

"ہاں ۔۔۔ وہی۔"

انہوں نے سر جھکا لیا۔ تو رے ڈاکو کا نام انہیں بری طرح پسپا کر رہا تھا۔

کمرے میں کئی منٹ تک سکوت چھایا رہا۔

اس معنی خیز خاموشی سے گھبرا کے نواب صاحب نے سر اٹھا کے دیکھا تو باقی کمرے سے غائب تھی۔ پھر انہوں نے اسے اندر آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔

"یہ تصویر ہے۔"

وہ ایک پرانی اڑتی ہوئی گروپ فوٹو تھی۔ جس میں دو درجن مرد اور عورت کے ساتھ دو جوان مرد اور دو جوان عورتیں کھڑی تھیں۔

نواب صاحب کی نظریں باری باری ایک ایک چہرے پر پھسلنے لگیں۔

وہ بوڑھے چہرے اجنبی تھے۔ مگر دو جوان مرد مرحوم کرم الٰہی اور اللہ دتا تھے۔ زرق برق لباس اور زیورات میں ملبوس دو جوان عورتیں وہ آنکھیں سکوڑ کر دیکھنے لگے۔ دو سانولی سی کمسن عورت یقیناً بانو تھی۔ دوسری جوانی کے دنوں میں۔ اور یہ دوسری ان کی نظروں کے تو کے یکدم اندھیرا چھا گیا۔

"یہ تو فلم؟" انہوں نے تصویر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر نقد سر تسلیم ہلا گیا۔

"یہ فلم سری نگر میں تھی' ڈل جھیل (سری نگر) دریا کے دو بیچ کنٹے (کنارے) آگئی تھی۔ اسے میرے سوہرے نے تیسری بیٹھک کرنے کے لیا ہی اندر تھیلے سے نکالا تھا۔"

● ● ●

"مجھے ابھی کل یاد ہے۔ میں چاچے کے پاس ملنے گیا ہوا تھا۔ چلا جاتا تھا اکثر ہی مہینے دو مہینے بعد دو دن ہی اک تو دن کے لیے۔ کرنے میرا بالی (اسم عمر) تھا اور بیلی بھی۔ بڑا یار انہ تھا ہمارے بیچ جوانی کے دنوں میں۔ سیلاب

نے بڑے کچے مکان ڈھا دیے تھے۔ ازار در اتر اتر چڑھ کے دوسرے جوانوں کے ساتھ ساتھ ہم بھی کنڈا ڈالنے (بند باندھنے) لگتے تاکہ اک کو بند ہو جائے تو سارے کا سارا پانی ہی نہ بہہ جائے۔ ادھر بیلے کے پاس وقت ڈالنے کا سارے والا پانی میں ہم تینوں نے اس کو بے ہوش پڑے دیکھا تھا۔"

اللہ دتا نے مزید بتایا۔

نواب صاحب سانس روکے یہ سب سن رہے تھے۔

جس کی بلقیس کی محبوبہ کا بھی وہی عالم تھا' حالانکہ وہ شادی کے بعد یہ قصہ کئی بار اپنی ساس سسر اور شوہر سے سن چکی تھی۔

"بیلاں تو ہم یہی سمجھے کہ لاش ہو گئی کہی کی۔ سویرے سے کئی لوگوں کی لاشیں پنڈ والوں نے نکالی تھیں۔ کوئی اپنے ہی گراں میں تھے تو کوئی آنے والے کے بندوں والے۔ وہ زندہ تھی۔ اس کا بیٹ بھی ذرا پھولا ہوا تھا' یعنی تو یا دو پانی میں نہیں رہی تھی۔ ڈوبنے کے فوراً بعد کوئی اوپر چھل (درخت) کا اور ادھر جلا (کچھ) میں پھنک گئی اور ادھر اس کے کانوں (بانس) میں پھنس گئی۔ وہ سارے پنڈ کی تھی تھی۔ بلکہ شہر سے ہی آگئے تھے اس کو اپنے گھر کی ہے۔ اپنے بھی اور شریف گھر کی بھی۔ اس حالت میں بھی اس کی چھد چنگی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ جا چاہا اسے چک کے نے کھر کے لیے۔ چنگی کو کھلی تو نے بڑے آتے تھے۔ منٹ میں اسے ہوش میں لے آئی۔ وہ تو بالکل گم صم ہو گئی۔ نہ چاہے کہیں آ جا کرتے جاتے تھے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ چاہو فوراً آ جاتے جاتا تھا اس کے رشتے داروں کو۔ جا کے خبر دینے والا تھا کہ اس کڑی نے رونے لیا۔ کہنے لگی میں سیلاب کی وجہ سے نہیں بچی ہے۔ نواز اکو بچ کے لیے جا رہا تھا۔"

یہاں تک پہنچتے پہنچتے کرکا اور نواب صاحب کا چہرہ کھلا جو سرخ پڑ رہا تھا اور گردن تنے سے نکلی جا رہی تھی۔ ہونٹ کے کناروں پر کئی بن بنی رگیں اب مرکز تھیں۔

"روتے تھی کہ چاچا نہیں اب میرے گھر والوں کا کیا حال ہو گا۔ وہ مجھے تو لیں گے بھی نہیں۔ کہیں ساروں نے شرم کے مارے خود کشی نہ کر لی ہو۔ چاہے نے اسے جب کرانے کے لیے کہہ رکا کہ چھوڑ نہیں جاتا بعد میں وہ نہیں گے پہنچے نے مجھے اور کرے کو بھیج دیا۔ ادھر ہی ادھر جب تو پتا چلا تو رے سنے بڑی "ات" مچائی ہے۔ چودھری کے گھر گئی اور وہ نے دارے کیل سے دوائی اٹھائی تو اک مارا اور پوتوں سے بھی اک لڑکی نے کیل اس لڑکی کی مار سے جاری غم سے دیسے تھی مر گئی۔ یہ خبر مشہور ہو گیا کہ سیلاب میں ڈوب کے مر گئے۔ وہ دونوں لڑکیاں۔

کتنا نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو دونوں لڑکیوں کی نماز جنازہ غائبانہ بھی پڑھائی جانے والی ہے۔ وہ نماز اور تدفین کی عزت بڑی نازک سمجھی جاتی تھی۔ خاص طور پر جہاں میں قیمت ہی مرنے مارنے والی بات تھی۔ یہ کم غریب کی ہی عزت ہے عزیز پہ مر جاتے تھے تو یہ تو حویلی والوں کی بات تھی۔ کرکے نے کہا۔

اب لڑکی کے بارے میں بتانے کا فائدہ نہیں۔ یہ تو اسے دو ہی چلے ہیں' فاتحہ بھی پڑھ چکے ہیں' ہم نے لاکے زندہ سامنے کر دی تو کیس اپنی عزت رکھنے کے لیے کچھ بھی ہو جائے۔ مارا کرکا ہمارے سر ہو گا۔ اس لیے کرکے کے کہنے پر اس لڑکی کے رشتے داروں سے ملنے نہ والیں آ گئے۔ ساری بات اسے بتائی اور پوچھا۔ اب تو یا کتی ہے' بتاتا ہے اپنے سکول کی تو تے ہی جاتے ہیں' مگر وہ خود انکار کر گئی۔

اس کا دوا کیس دیکھا جاتا تھا۔ بیماری کے مرنے پہ لوگوں کو بھاری دیکھا ہے۔ لیکن دوا کیل تھی خود اپنے مرنے پہ مارا تھی۔ میرے چاچے چاچی کا دل پھٹ گیا انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ مگر ان کو اندر کوئی اپنی نہیں تھی۔ اس اپنی کو اپنی دھی بنا لیا تھا۔ کرنے نے بھی سر پہ ہاتھ رکھ کر ساری عمر بھائی کا فرض بھانے کی قسم کھائی۔ پھر انہوں نے بند والوں کے سوال جواب سے بچنے کے لیے جلدی سے پنڈ چھوڑ دیا اور ملتان سائیڈ پہ آ کے رہنے لگے۔"

وہ ساری بات بتا کے نواب صاحب کو۔ تکنے لگا۔ جن کی عجیب کیفیت تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے ان

کا سر انہیں نیچا ڈبا ہوا تھا۔ انہیں یہ تک احساس نہ ہوا کہ فلندر سائیں کب کا خاموش ہو چکا ہے۔ اب تک اس کی آواز سن رہے تھے۔ لفظ لفظ کہ اب الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے۔

ان کا ذہن ایک چھتارے میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔

"صاحبزادی فرحت النساء زندہ تھیں۔ اللہ نے ہم پر اتنا کرم کیا اور ہم انجان رہے۔ وہ حیات تھیں مگر روپوش رہیں کیونکہ کیونکہ ہم نے اپنا بھرم قائم کر کے رکھنے کے لیے ان کا سوگ منانے میں کچھ زیادہ ہی جلدی کر دی۔ اسی میں ہم سب کو اپنے خاندان کی عافیت نظر آنے لگی تھی۔"

انہیں یاد آنے لگا۔ کم سن چار برس، ایوبی اور دکھ کے شدید عالم میں جب انہیں خبر ملی کہ نورے ڈاکو کا پورا گروہ بدامان سرحد اور مغربی کے دیار ہو چکا ہے تو ایک خاک اور خون خرابی ساکنوں ان کے اندر اتر گیا تھا۔ کسی حد تک ملکا جیا ہو کے انہوں نے آخری رسومات کی تیاری شروع کر دی تھی۔ مگر ثمر و صوفیہ کی بھی بس واپسی ہی کو کوشش کی گئی۔

"اتنا عرصہ زندہ رہیں مگر ہم سب سے انہوں نے ہم سب سے دور اپنے سارے رشتوں سے محروم رہ کے۔"

"صاحبزادی پڑھا رکھ تھا اپنی بہن سے۔"

باوی کی آواز پر وہ اپنے خیالوں سے نکلے۔

اشاری کے شروع شروع کے دنوں میں تو مجھے یہ ہی نہ چل سکا کہ وہ اس کی سگی بہن نہیں ہے۔ ہر جمعہ اسے آنے کرا۔ پھوپی بہن دلاتا یا رہتی دنیا اور کسی بڑے کی طرح عزت کی۔ بڑی مانتا تھا اس کی۔ کہتا تھا میری بہن میرے لیے برکت والی ہے۔ اس کی وجہ سے میرا رزق بڑھا ہے۔ کوئی اور شادی ہوتی تو پھٹ پڑتی آنا نہ دیتے، لیکن وہ کمال دانی بڑی بھلی تھی۔ اسی لیے تو مجھے بھی اس سے محبوں والا پیار ہو گیا۔ ورنہ عورت کی فطرت ہے، ساس نند سونے کی بھی ہو تو نظر نہیں پڑتی خاص طور پہ کسی کا بندہ اپنی بہن کا آنچل اوڑھ تو زہر لگتی ہے آپ تند سے حسد کرنے لگ جاتی ہے بری کو اور کوئی حسد کرنے والی چیز تھی؟ اللہ کی نیک بندی تھی صلہ رحمی کے لیے اللہ کرتی آنے والے کے بچوں کو سہارے پڑھائی گھر کے کام کرتی اور میرے ساس سسر کی خدمت کرتے کرتے ان کی دعائیں لیتی۔ بڑی سوہنی بھی تھی۔ لیکن شادی نہیں ہوئی تھی تب تک اس کی۔ حالانکہ عمر میرے جتنی تھی۔ میں اکثر کہتے سے جو یہ تھی پڑ جاتا۔

میں اور کرا اپنے کام کی دہشت میں رہتے تھے اپنے دو بیٹے اور ملنے آتے تھے۔ پھر جب خوب سے اللہ نے شمرہ میری جھولی میں ڈالا تو اسے کاکے سے اتنا پیار کرتے دیکھ کے مجھے بڑا محسوس ہوتا۔ میں نے سوچا میں نے کہیں خود کو بڑا بچہ سمجھنے لگی ہوں۔ کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہو گا ایک جیتے جیتے گھر کو بال بچوں کو۔ میں نے کرتے سے کہیں خفیہ خانہ لڑائی کی کہ وہ اپنی بہن کی شادی کیوں نہیں کرتا اس کی عمر گزر رہی ہے۔ اپنے ساس سسر سے بھی بات کی۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ان کی اپنی بھی نہیں ہے۔ ساری بات بتا کے کرنے پوچھا تھا اس نیک بیل کو کیا کہ ہم کوں ہمارے گھر تو ہمارے جیسوں کے گھر شتی ہی آتے ہیں۔ اس کے قابل نہیں تھے۔ تب میں نے چپکے بلایا۔ کہا کہ کھل کے بولتے سنا۔ دل سے نکلی اور میرے سسر کے سامنے بھی سر جھکا کے رونے لگا۔ کتنی منتیں کرے بھرائے یہ کیوں کمال دیا ان جیسے لوگ میرے مقابلے کے نہیں۔ آپ لوگوں نے میری بڑی مدد کی ہے بھائی۔ مجھے پیار اور عزت بھی دیا۔ مجھے آپ سارے سے اچھا آپ سارے سے عزت دار کوئی اور نہیں ہوتا مجھے اپنا آپ آپ کے سامنے بڑا چھوٹا لگتا ہے کوئی بے دیا ایسی بات نہ کرنا۔"

اتنا کہہ کے اس نے نواب صاحب کی جانب خالی ہوتی نظروں سے دیکھا۔

"یقین نہیں آتا۔ اتنے اچھے خیالوں والی، اتنے نرم دل والی اور اتنی محبت دینے والی وہ عورت آپ کی رشتے دار تھی۔ خیر ہی ہے وقت میں نے اس اللہ والے سے اس کی شادی کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ مجھ سے بڑی سیدھی وقف صرف کرنے اور اس کے بیوی کو خوش اور راضی کرنے کے لیے قربان کی۔ کاش وہی بات ہی۔ میرے دماغ

میں ہی ایسا اچھا خیال نہ آتا۔ یہ شادی نہ ہوتی تو شاید وہ کچھ سال ہو جاتی۔"

ابھی نے اللہ والے کے سامنے ان اپنی بڑائے کا بڑا بڑا دعوہ ناک اظہار کیا۔ آج اللہ والے کو اس کی بات بری نہ لگی بلکہ وہ اداسی سے سر جھکا کے کہنے لگا۔

"اتنی سچی بات بھی بھولی اس کے قابل نہ تھا۔ میں نے اس کی قدر کی۔ ہمارا کوئی بھی نہیں تھا۔"

صاحبزادہ فیض علی خان بھی اس کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔ وہ سمجھتے رہے اس کہانی کے بے حیثیت شخص کو۔ جو حیثیت کسی بھی طرح صاحبزادی فرحت النساء کے قابل نہ تھا۔ ان کا نام سفر نامہ رہا۔ جانے ہم سفلی بلند کر کے ملنے کے نہ ہوں تک ہی محدود تھی۔ وہ صاحبزادی فرحت النساء کے طالب گار تھے۔ جن کی بدولت کے اہم سے اتنا ہی بعد اپنی خود کو نہال نہ سکے تھے۔ جوانی مست گئی مگر وہ حق عمر کے اثرات بھی دل سے انہیں عمر کی چاہت کی ایک کو مٹا نہ سکے۔

"بعد میں کبھی بہت پچھتایا۔ پیار تو وہ پہلے ہی اپنی بہن سے پیار کرتا تھا پیار اس کے بعد اور بھی خیال رکھنے لگا۔ وہ کہتا تھا میں نے اس کی شادی کر کے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا اور وہ بھی وہ سارے طبقے پیچھے والے کے ساتھ۔ یہ واداری روح تھی۔ ایسے کہہ میں نہ وہ شادی نہیں تھی۔ اور وہ اچانک اور جلدی مر گئی۔ وہ بھی دوائی آنے تو سالی کی تھی جب وہ بہت۔ بہت اکثر میں کہتے کوئی کسی دیتی رہی کہ ہم نے نہ کیا اس کے ساتھ بھلا کرنے کی نیت سے کیا۔ اگر اس کی شادی شاہوں میں یا کسی مولوی سے تو نہیں کر سکتے تھے۔ دراصل میں ہو گئی تھی دنیا کے ساتھ تو رشتہ شمارت کی بیٹی اور کرے کی بہن تھی۔ وہ رشتہ آنا ہارت جیسے بھاند میں ہی کاٹی آتا۔ مگر کسی خود کو معاف نہیں کر سکا اور بھی تھی آدھی کے لیے فکر مند رہتے لگا۔ آخری وقت میں بھی اس کی فکر تھی کہ اسے کو۔"

باوی نے بیٹے کے لیے اپنے آنسو خشک کرنے لگی۔

صاحبزادہ فیض علی خان کی نظروں کے سامنے اس شخص کا نقشہ پھر گیا جو ان کی نفرت و تضحیک کا نشانہ بنا تھا حقیقت میں وہ اس ساری عزت اور شان کا اہل تھا جو ایک محسن کو ملنی چاہیے تھی۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کا سارا خاندان اس شخص کا قصور مند تھا۔ اس نے ان کی عزت کو اپنی عزت سمجھا تھا۔ اسے بیٹا دے بیٹے کی محبت دی تھی۔ نہ صرف اسے بلکہ اس کے جانے کے بعد اس کی اولاد کو جو حقیقت میں ان کا ہی خون بہا تھا۔ بھی عزت جانا اور وہ بجائے اس کے احسان کو مانتے اس کے آگے سر جھکانے کے اسے برا بھلا کہتے تھے۔

اب شرمندگی کا احساس بڑھ رہا تھا۔ اس لیے وہ خاموش رہے۔ لیکن ان کا دم رد پکار کے یہ اعلان کر رہا تھا کہ وہ اس وقت خود کو اس شخص کے مقابلے میں کتنا حقیر محسوس کر رہے ہیں۔

جس کا احسان انہیں کو بھی ہو گیا تھا۔ اسے اپنے اندر ایک سکون سا آتا محسوس ہوا۔ کرم الٰہی وفات کے بعد اس سے دائمی جدائی کا صدمہ تو ہو گیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کی عزت سے وابستہ ذلت کا احساس تھا وہ اسے چھٹی ہو گئی تھا لیکن آج کل ایسی کر خود ہو سکے اور نواب صاحب کی نظروں میں اس کے لیے عقیدت و احترام کے سارے رکھ کے وہ احساس زائل ہو رہا تھا۔ اب اس کے اندر نواب صاحب کے لیے موجود نفرت کی آگ نے اپنے بھی تھم دیے تھے۔ اسی لیے جب وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھے۔

"اس حالت میں اکیلے کدھر جا رہے ہو؟ آؤ لیٹو اپنے بیٹے کو پھر میرے شہزادے کو آپ کو چھوڑ آئے گا۔"

"انہیں بہت بہت شکریہ۔ اتنا تک بہت سے احسان کیا ہے جن کا مگر تک ادا کرنے کے قابل نہیں رہے ہم پھر بھی اس ایک اور عنایت کا شکر۔ ذرا تنی دیر تک اتارے وہ کو شدہ پیشانی سے بھیل کر آپ کے لیے بہت دیر ہو گئی ہے۔" انہوں نے اپنے عصا پر ہاتھ جما لیا اور قدم بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

شہزادے بہت سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔ پچھلی سیٹوں پہ چادر میں اتنی طرح لپٹی ہوئی نگاہ اور نہیں تھیں۔ لبوں کے چہرے پہ ہراس تھا۔

"شہزاد صاحب! آپ ایک بار اور سوچ لیں۔"

نگار نے ڈرتے ڈرتے بے حد مدھم آواز میں کہا اور اگر شہزاد کی تمام تر حسیات اپنے پیچھے بیٹھی ان دونوں کی جانب متوجہ نہ ہوتیں تو شاید وہ اس کی آواز سن ہی نہ پاتا۔

"کیا اب بھی مزید کچھ سوچنے کی ضرورت ہے؟" اس نے نگار سے الٹا سوال کیا۔

"وہ نہ گھر کو چھوڑ ہوئی لیکن پھر اسے دعا کی بارش اتنی کہ احساس دلانا چاہا۔

"اگر معاملہ میرا مطلب ہے اس نے مجھے نصیحت کی ہے۔ آپ نے میری دوستی کے قسم بھی تو وہ اول سے وہ سخت غصے میں آجائے گی۔ اس نے مجھے منع کیا تھا کہ۔"

"میں اس کے غصے کی پروا نہیں کرتا۔"

"نہیں! مجھے شک تو نہیں ہوا تم سے بات کرتے ہوئے۔"

"مجھے کیا پتا۔" وہ بیزار سے بولی۔

"وہ آ تو جائے گی؟"

"مجھے نہیں پتا۔" نگار اپنی خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔ مجھے وہ ناظر میں نہ لایا۔

"خیر۔ آئے گی تو ضرور۔ جس کی خاطر وہ اپنے آپ کو آگ میں جھونکنے لگی تھی۔ ایک عمر والی خواہش سے دست بردار ہو گئی تھی اس کے لیے آئے گی تو ضرور۔"

شہزاد نے نگار سے سب پتا اگلوا لینے کے بعد اسے مجبور کیا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہی دعا کو فون کرے اور اس کی آمد کے حوالے کرنے کے لیے کسی جگہ پر بلا لے۔ نگار نے اسے ایک معصوم اور مشہور شاپنگ مال کی پارکنگ میں بلایا تھا۔

"اتنے مجہوم والی جگہ؟" اس نے حیرت سے وہی سوال کیا جو نگار نے شہزاد سے کیا تھا جب اس نے یہ مقام تجویز کیا تھا۔

"ہاں! میرا خیال ہے پر مجہوم مقام پہ پکڑا نہ جانے یا نظر میں آنے کا خطرہ ویران اور سنسان جگہ سے کم ہوتا ہے۔" اس نے ڈوب بھی وہی بات دہرائی جو شہزاد نے سنا تھا۔

شہزاد نے سنا۔ "ایک کونے میں ایک بڑی بوتل کے پیچھے اپنی گاڑی پارک کی اور نگار کو اشارہ کیا۔

"صورت خیال سے زیادہ اچھی نہیں آئی۔ تم نکل کر اس طرف کھڑی ہو جاؤ۔"

"وہ کیا؟ وہ ہم سے پہلے آ چکی ہو اور اب آپ کی گاڑی دیکھ کر سب کچھ بھانپ لینے کے بعد چلی گئی ہو۔"

"نہیں۔" شہزاد نے پورے وثوق کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"یاد نہیں! تم نے اسے دوسرے گیٹ سے داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہیں کھڑی ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔۔۔ یا کرنے والی ہوگی۔ تم وہیں چلو اور جیسے ہی وہ آ جائے اسے لے کر یہاں آ پہنچو۔"

اس نے انگشت شہادت کھڑی کر کے وارن کیا۔

"میں یہ کچھ کہہ نہیں سکتی۔ یہاں تک تو لا سکتی ہوں مگر۔۔۔ آپ کی گاڑی دیکھنے کے بعد وہ مزید بے وقوف نہیں بن سکے گی۔"

"اس سے آگے میں سنبھال لوں گا۔" شہزاد کو خود پر پورا بھروسا تھا۔

نگار بے بسی سے ہتھیلی پیچھے ہٹنے لگی تو گھبرائی ہوئی آواز کشش نے اس کی چادر کا کونا تھام لیا۔

اس کی آنسو بھری آنکھوں میں بند جانے کی التجا تھی۔ نگار کو ایک اور خوف تر شاتر شاٹ مل گیا۔

"بیٹا گھبراؤ مت۔" شہزاد نے پلٹ کر نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ اس بچی کے گھبرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس میں خود بخود نرمی پیدا ہو جاتی تھی۔

"گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ اب کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ انشاء اللہ! میں خیریت سے تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔ بس تھوڑا سا انتظار اور تھوڑی سی ہمت۔۔۔ شاباش۔"

اس نے کشش کو کسی بچے کی طرح پچکارتے ہوئے تسلی دی اور ساتھ ہی نگار کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

☆ ☆ ☆

عصمت تو ابھی اپنی آپا حضور کی حالت دیکھنے کے بعد ہی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھائی کو دیکھتے ہی ہوش کھو دیا اور اس کے سینے سے لگ کر بلکتے ہوئے دلکش کی پراسرار گمشدگی کے بارے میں بتایا تو پھر اس کے پیروں تلے سے زمین ہی کھسک گئی۔

تنی ہی دیر تک وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہا تھا کہ سوچنے کے بھی نہیں۔

وہ اتنے ہوش میں بھی نہیں تھا کہ کب، کیوں اور کہاں جیسے سوال اٹھا پاتا۔ انہیں تسلی دلاسا دینا تو بہت دور کی بات تھی۔

بڑی بے تکلفی کی کیفیت میں اس نے صاحبزادی یاسمین کا چہرہ بغور دیکھا کہ شاید کسی مذاق کی رمق نظر آ جائے حالانکہ وہ ان کے مزاج سے واقف تھا مگر کسی ایسے بے ہودہ مذاق کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باوجود وہ شدت سے منتظر تھا کہ وہ کہہ اٹھیں "یہ سب مذاق تھا عصمت۔"

"ابا حضور آ گئے۔"

نایاب نے بیاہ سا تعویذ کیا۔

عصمت نے ناسمجھ کھڑے ہوئے اندازِ سر پیچھے کی جانب گھمایا۔ صاحبزادی یاسمین تو بیماری کی نقاہت اور بھر اس پر گہری صدمے کے باعث نڈھال کی تھیں کہ ایک ایک جوش سے دکھیں۔ ان کا اندازہ تھا کہ ابھی وہ باہر ہوں گے۔ چھپ چھپ پڑیں گے۔ لیکن اٹھنے ہی نے عصمت نے انہیں سست انداز میں دوبارہ بیٹھتے دیکھا۔ اس نے ایک نظر اندر داخل ہوتے باہر ڈھل اور ساری بات جان گیا۔

اس کے لاجواب ٹھیرے دار بدن، حسین اور ذہین خدوخال ہوتی کے اترے ہوئے چہرے پہ کیسے تاثرات تھے جو اس کی آپ حضور کا سارا نقشہ بنا کے لے گئے۔ عصمت کو زندگی میں پہلی بار اپنا چھوٹا سا باپ کم ہو چکا۔

ہل کے نکلنے والے قدم مسرح مغموم آنکھیں، مضطرب پریشان دل اور کپکپاتے ہونٹ اس کا سارا تفکر تو واضح کر رہے تھے۔

وہ آتے ہی بستر تک تھیں اٹھا کے بیٹھی یاسمین کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا اور ان کے پیروں پہ ہاتھ رکھ دیے۔

صاحبزادی یاسمین جو بے بسی منہ میں دبائے سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھیں اچانک کرنٹ لگا کے بری طرح چیخ اٹھیں۔ انہوں نے اپنے پیر سمیٹ کے اونچے کر لیے۔

"یہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"مجھے معاف کر دیجیے گا خدا کے لیے۔ ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہم ہم اپنی ذمہ داری نہ نبھا سکے۔ ہماری وجہ سے ہماری صاحبزادی ہماری بیٹی۔"

وہ سسک سسک کے یوں رویا کہ یاسمین کو اپنا درد بھول گیا۔ وہ حیرت سے اس پتھر کو موم ہوتا اور پھر اس موم کو قطرہ قطرہ پگھلتا دیکھ رہی تھیں۔

"اس میں آپ کا کیا قصور۔" کچھ دیر بعد وہ نحیف سی آواز میں بولیں تو باہر سر اٹھا کے انہیں دیکھنے لگا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ اس کی بیٹی تمام مخالفتوں سے بالتر نہیں ہے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے اچھی طرح عہدہ برآ نہ ہو پائے۔ آپ نے گھر تو جوڑ دیا ہوتی اس کو تحفظ اور وقت دیا ہوتا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔ ہمیں اداروں کی طرح بیٹیوں کا سہارا لے کر چلنا ہمیں نہ جانا پڑتا۔ ہماری معصوم بچی انسانوں کے جنگل میں نجانے کہاں کھو گئی۔ وہ تو کبھی گھر سے باہر اکیلی نہیں نکلی

تھی۔ تم نے ہماری والدہ کی اور راستہ بھول گئی یا کوئی دھوکا کیا....."

وہ ایک بار پھر رونے لگیں اور بار بار کچھ کہتے ہوئے اور کچھ نہ کہتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آسمان کی جانب نظر اٹھائی۔ زندگی میں شاید پہلی بار اس کی نظریں اللہ سے رابطہ کرنے کی تمنا لئے تھیں۔ وہ خاموشی کی زبان میں اپنے رب سے مخاطب تھا۔

"یا اللہ! ہم تو تیرے نہایت گناہ گار بندے ہیں۔ پھر بھی ہمارے ساتھ یہ کرم کیوں؟ ہمارا پردہ کیوں رکھا گیا؟ ہمارا بھرم قائم کیوں رہنے دیا؟ ہمیں ہمارے بچوں کے سامنے ذلت سے دوچار ہونے سے کیوں بچا لیا؟"

اللہ کی جانب سے اس عنایت کے طفیل اس کی ہمت بڑھی۔ اب اسے امید بندھ چلی تھی کہ اس کی بیٹی کو کچھ نہیں ہوگا۔

"جب ہمارے جیسے گناہ گار کو اللہ کریم بے عزت ہونے سے بچا سکتا ہے تو ہماری صاحبزادی دلکش کو تو ایک معصوم روح ہے۔ ان کی حفاظت بھی اللہ کی پاک ذات کرے گی۔"

اب صاحبزادی یاسمین سے مخاطب تھا۔ اس کی آواز میں شکستگی اور شرمساری کی بجائے آس اور امید تھی۔

"آپ فکر نہ کیجیے! ہماری بیٹی کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ صحیح سلامت واپس آجائیں گی انشاء اللہ!"

"کیسے واپس آجائے گی؟" آپ تک خاموش گم صم بیٹھا عصمت پر پھٹ پڑا۔

"خود بخود کیسے واپس آجائے گی؟ آپ اور میں یہاں ہاتھ باندھے دھرے بیٹھے رہیں گے اور وہ خود واپس آجائے گی۔ آپ اب بھی نہیں سنبھل رہے۔ باہر بھائی صاحب کم از کم اب تو اپنے فرائض پہچانیے۔ کچھ تو احساس کیجیے۔"

اس کے تیز لہجے اور بلند آواز پر بھی وہ طیش میں نہ آیا بلکہ عجز و اعتراف کے ساتھ سر جھکا لیا۔

صاحبزادی یاسمین سے اپنے بے حد کم فرمانے کے شوہر کے یہ نکات ضرور ناگوار سے نہیں لگے۔ انہوں نے بھائی کا پلہ بھاری کرتے مزید کچھ نہ کہنے، بیمار بنے رہنے کی کوشش کی۔ وہ خود بھی چپ کر گئی تھیں اپنے حوصلے کی خاموشی محسوس کر کے۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا آپ حضور! اگر بھائی صاحب حسب عادت گھر سے باہر کی رنگینیوں میں گم نہ ہوتے تو آج یہاں یہ نوبت نہ آتی۔"

اٹھتے اٹھتے بھی وہ دبے لہجے میں یہ الزام دینے سے باز نہ آیا۔ بار بار اس بار بھی وضاحت یا صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں عصمت میاں؟"

"دلکش کو تلاش کرنے۔"

"آپ اس وقت گھر جائیے۔ چچا حضور کی طبیعت ناساز ہے۔ ابھی آپ کی ضرورت انہیں زیادہ ہے۔ دلکش کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں۔ آپ فکر نہ ..... ہم گھر رک کر بیٹھنے کے لیے نہیں آئے۔ صرف پیغام کو تسلی دینے آئے تھے۔"

"آپ کو چچا حضور کی طبیعت کے بارے میں کیسے علم ہوا؟" وہ چونک گیا۔

"یہ سوال غیر ضروری ہے۔ آپ فی الحال جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔"

عصمت کے سوال پر اس نے نظریں چرا کے ٹالنے والا جواب دیا۔

☆ ☆ ☆

ساحبزادی خلعت النساء اور صاحبزادی حرمت النساء دونوں کے لیے یہ انکشاف حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ تکلیف دہ بھی تھا۔ ساری بات تفصیل سے انہیں بتانے کے بعد نواب صاحب خاموش سر نیہوڑائے بیٹھے تھے۔

"اور وہ بچی۔ جن کی ایک ہی جھلک دیکھنے کے بعد آپ چونک گئی تھیں اور آپ کو لگا تھا جیسے آپ کی گمشدہ جسم ہو کے سامنے آگئی ہیں اور جن سے سامنا ہونے کے بعد ہمیں بھی اس نحوست کا سبب جاننے کی اشد ضرورت ہے۔ کوئی خبر نہیں ہماری بیٹی کی۔ آپ دونوں کی لاڈلی بھانجی۔"

"ہم نے آپ حضور کا سوال پر حال پہلے کر چکے۔"

ایک طویل سرد آہ بھرنے کے بعد بالآخر صاحبزادی خلعت النساء نے کہا۔

"اس کے بارے اور ان کے بارے میں ہمیں ہمارے بھائی نے خبر بھیجنے کے بعد ہی نئے سرے سے سوچنا ہے۔"

"شاید اس لیے آپ حضور کہ یہ خود صرف اپنی اولاد کی تباہی پر نظر اس زندگی کا ہے جو انہوں نے گناہ میں گزری ہیں اور اپنے سب رشتوں سے کٹ کے گزاری۔ وہ تو وہ تھیں گزر رہیں اور ہم ان سے بے خبر اپنی اپنی زندگیوں میں مگن چل رہے۔"

"بہت کیا اس کو بھلا دینے کے علاوہ ہم کچھ نہیں کر سکتے بیگم صاحب۔"

نواب صاحب نے آنسو صاف کیے۔ صاحبزادی حرمت النساء کو دیکھ کے کہا۔

"اپنی لاعلمی کا ازالہ ہم خاص طور پر کر سکتے ہیں کہ اب ان کی صاحبزادی کو وہ ساری شفقت اور محبتیں ان کی بدولت ہاتھ آئیں گی جو اب تک محروم رہی ہیں۔"

"بے شک بے شک۔" صاحبزادی خلعت النساء نے شدت سے تائید کی۔

"اب ہم ان کے بارے میں جانیے ذرا انہیں دیکھنے کو بے تاب ہیں۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ہو بہو اپنی والدہ کی تصویر ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان آنکھوں کو کس قدر تسکین ہوگی وہ چہرہ دیکھ کے۔ ہمارے لیے وہ صاحبزادی محض صاحبزادی الہاس خانوں اور صاحبزادی یاسمین خانم سے کم نہیں۔"

ان کے یاسمین کا نام لینے پہ نواب صاحب ذرا جیسے کسی نے تھپڑ میں جھرجھرا۔ وہ دلکش کی گمشدگی والا معاملہ اب تک ان کے سامنے نہیں لائے تھے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا بھی نہیں تھا جسے وہ بھول نے قابل نظر انداز کر سکتے۔ ان کا دھیان تو وہ ہو بہو ان کی لگا تھا۔

وہ پانچ منٹ قبل کے ایک بار پھر جھانکے ہوئے

"اب آپ کہاں چل رہے؟"

ان کا ارادہ جانب کے ساحبزادی حرمت النساء نے سوال کیا۔ وہ سوال کو نظر انداز کر کے اٹھنا چاہتے تھے۔

"ہم پھر آ بیٹھے۔ آپ کی طبیعت ہرگز ایسی نہیں لگ رہی کہ آخر تک ہمیں اس کا قصد ہے۔"

"صاحبزادی یاسمین کے ہاں نے عرصہ ہوا۔ کیا کہتی ہوں کہ وہ بھی کہ ہمیں کے کوئی خبر مت ارسال کرنے تک نہیں آپ دل کر رہا ہے کہ ان سے مل لیا جائے۔"

ہمت اور کوشش کے بعد وہ اپنے لہجے اور انداز کو کنٹرول رکھ پائے تھے۔

"لیکن یوں اچانک اور بھی اس حالت میں جب کہ..." انہوں نے ایک اور کوشش کی روکنے کی۔

"کیا ہوا ہے ہماری حالت کو؟" اس بار وہ قدرے بلند اور تلخ لہجے میں بولے۔

"وہ ہماری بیٹیاں ہیں ہماری کی بیٹیاں۔ لیکن اب بھی ہماری ذمہ داری ہیں۔ ان کے حالات سے باخبر رہنا اور ان کی خبر گیری کرنے رہنا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض سے ہم کم ہوشی کی بھی حالت میں نہیں کر سکتے۔"

☆ ☆ ☆

شہزادے بیک وہ مرے بنا کوٹھی کی سیڑھیاں میں آتے دیکھا۔ بار بار گنگ میں اس ذلیل اور اس کلرکی اتنی گاڑیاں موجود تھیں کہ وہ اکار حیران اس جانب نہیں گیا۔

جب وہ تلاشی نظروں سے چاروں جانب دیکھتی اور قریب آتی تو وہ رانا کھول کے ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔

دعا بری طرح شفاف کے رک گئی۔

وہ اس طرح سامنے راستہ روکے کھڑا تھا کہ وہ آگے نہیں جا سکتی تھی جب کہ پیچھے نکلا تھی۔

دعا نے لیٹ کے شکایت کرتی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بے پروائی کے انداز میں سر جھکا کے رو رہی تھی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی نگلت۔ تم نے دادی کے نام پر دھوکا دیا ہے۔ بس یہ کہرانی رو رہی تھی۔"

"نہیں اوا! مجھے غلط نہ سمجھیں میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اشفر صاحب کو نہیں بلایا۔ یہ خود ہی ..."

"بس ..." اشفر نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"وضاحت کی نہ ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے جتنے منتیاں دینے میں ضائع کیا جائے۔ چلو دعا جلدی کرو ڈھونڈو انہیں۔ باقی سوال جواب راستے میں ہو سکتے ہیں۔"

اس نے حکمیہ انداز میں آمادہ دار بھی سنا تھیں ہوئی۔ اس کا لہجہ اتنا کھردرا کھردرا تھا۔

"میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

اس سے پہلے کہ دولت جاتی اشفر نے اس کا بازو کسی کے نزدیک مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"تم کسی کے نہیں میرے ساتھ جاؤ گی۔ اپنے شیکیٹر کے ساتھ۔ شیکیٹر ہونے والا شوہر۔"

اسے کھینچ کے اپنے قریب کرنے کے بعد وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔

"ہونہہ ... شیکیٹر۔" اس نے اپنے آپ کو چھڑوانے کی کوشش کی۔

"شادی ہاں ہے اب نکلو دعا تو تھی آپ کو واپس نہیں کی جس نے انہیں لوٹائی تھی۔"

"دیکھ رہی تھی۔" اشفر مزے لیتا ہوا مسکرایا۔ دعا کا یہ روپ نیا تھا اس کے لیے اور ساری بات جانتے کے بعد اسے یہ تیور دکھانے غصہ نہیں بیار آ رہا تھا۔

"اور میں نے کہا نہ سنبھل لی ہے۔" اس نے اپنی جیب سے چابی نکالی۔

"ذرا فرصت ملے تو بتاتا ہوں ... بہت تنگ ہے نہیں ہمارا تھا کہ تمہیں میرے ہاتھ سے انگوٹھی پہننے کا تاثر ہے۔ چلو شاباش جھوٹ مت کرو۔" اس نے بازو جھوٹ کے اسے کھڑے تھا اور زبردستی دعا کا ہاتھ کھول کے اندر تھا دیا۔

پھر سے گاڑی میں بیٹھ کر اشفر کو دیکھ کے اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

"آپ ... آپ ..." جھنجلا کے وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔

"ہاں تم سے تو زیادہ نا ہوا۔" اب اس نے لگاتار کو اس کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ یہ بے کسی سے شانے ہلا کے کہنے لگی۔

"آپ یہ تو سوچتے کہ اسے کوئی دیکھ لیتا تو ... کیسی بلا ہے آپ اسے اپنے ساتھ ..."

"میں کوئی سامنے جا دیکھ کر باشبہ بازار میں ہو کوئی منظر پھونک دیتے ہے ... کوئی کے فائیٹ سے اس کے گھر نہ پہنچا دیتے۔"

"میں کے گھر؟"

"ہاں۔" آپ دیکھیے لگ رہا تھا۔

"میں یہ بات محفوظ نہیں ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ ایک معصوم کی زندگی داؤ پر لگ سکتی ہے آپ کی ضد کی وجہ سے۔ میں جس مقصد کے لیے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کر چکی ہوں آپ اس کے راستے کی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ آپ کے اس اقدام سے ..."

"شٹ اپ دعا! اینڈ ناؤ کیپ دا کائنڈ!"

اشفر نے بریک لگا دی اور پلٹ کے اسے گھورا۔

"مجھے ذرا سے تک ... دو دن بھی پسند نہیں۔ میں کیا جانتا ہوں کیا نہیں گیا اچھا غلط ہوں اور کیا برا ... بس یہ

اپنے ابا کو تجربے اور تمہارے بعد میں پیش کرتی رہنا اور بے فکر رہو تمہارا یہ ہونا شاید ہے ہمارا شمل رک کے! اس کی تمہیں کے مواقع بھی میں واقعی موقع اشفر اہم کر تا رہوں گا تمہیں اور یہ بھی کا ٹیڈ کرتا رہوں گا کہ اپنے آپ کو تکلیف پہنچائے بغیر بھی کسی کی مدد کی جا سکتی ہے۔ خود کو کھانے میں رکھے بغیر بھی دوسرے کو ملیغ پہنچایا جا سکتا ہے۔

"اب اچھی طرح سمجھ لو کے رکھ دینے کے بعد اس نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کی۔

"آپ مجھے سکون سے ذرا غور کرنے دو۔ ہم اسے اس کے گھر نہیں اس کے ماما کے گھر چھوڑنے جا رہے ہیں۔ وہاں یہ محفوظ رہے گی۔"

☆ ☆ ☆

باہر ہوا میں مغل ایک ایسی ہی اپنی کھڑا بار بار کا تہیہ لا رہا تھا۔ مسلسل بندل دل تھے جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اور خلاص کی بے چینی میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی انگلیاں نمبر ملانے تھک چکی تھیں لیکن ہدایت نہیں بار رہا تھا۔

آخر کچھ سوچ کے اس نے دعا کی جائے اشفر ملک کا نمبر ملایا۔

"ہیلو! ... سر کی بیٹی ہیں۔ میں اس کی کال ریسیو کر رہی تھی۔"

"ہیلو! ... ہاں ہاں ... مل عرض کر رہے ہیں۔"

وقت اور دعا نے خود کو اس کے لہجے کی رعونت اور غرور چھین کر لیا ہے اور عاجزی بھری تھی۔

"جی ... تو کہیے عرض۔"

"ہم دعا صاحب کے بارے میں دریافت کرنا چاہ رہے تھے۔"

اشفر کے طور خراب ... بھی وہ اصیت بتا پوچھ رہا تھا۔

"ان حالات میں بھی آپ دعا صاحب کے بارے میں دریافت کرنا چاہ رہے ہیں ... جب کہ آپ کو اپنی بیٹی کی فکر ہونی چاہیے۔" اشفر نے کھلے پن سے کہا۔

"ہم ان سے اپنی صاحبزادی کے بارے میں ہی پوچھنا چاہتے ہیں۔ اشفر صاحب۔" اس نے تحمل کا مظاہرہ کیا کہ اس کے سوا اور کچھ اس کے بس میں بھی نہ تھا۔

"تمہاری بیٹی خیریت سے ہے یار۔" بلا تردد اس کی حالت پر ترس کھا لیا۔

"اور آپ لوگوں کے پاس ہے ہمارے ساتھ اور میں اب اگلے کچھ منٹوں میں اس کے ماما جان کے سپرد کرنے والا ہوں۔ یہ مالک مقبول ... تمہارے ... ہے۔ اگر میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہوتا تو میں پہلے ہی قانونی کارروائی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا لیکن ... فی الحال میں دعا کو بھول جانے اور تمہیں اور تمہاری بیٹی کو اس سارے جھمیلے سے الگ رکھنے کے سلسلے میں اس پر دباؤ ضرور ڈال سکتا ہوں۔"

باہر کے پہلے سے منوں بوجھ سرک گیا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں ... بلی چاہیں سڑک پہ خالق حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے جس نے اس جیسے گناہ گار شخص کو اس تو نے دوان بڑی آزمائش سے بچایا۔

وہ دو حرفوں سے ٹھیلا تھا اس کی عزت رسوا ہونے سے بچ گئی۔

باہر دالان مغل یہ خوش خبری بتا کے سکون کو ختم نے پہلے اور اشفر کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے قدم سیدھے مسجد کی جانب ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو! دیکھو تو کون آیا ہے۔"

مسلسل بیقت باہر کے بعد وہ بار کی بیل بھی بجائی تھی تو سوچا نے دیکھو کو بھیجو۔

"چچا حضور کا کوئی ملنے والا اس وقت آتا نہیں ہے۔ پھر یہ کون ہے جو اتنے بے صبرے پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔"

وہ چلتے کے کچن کی کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کرنے لگی جہاں سے سامنے والا ان سے صحن اینٹوں کی روش اور اس کے بعد باس کی گھنی باڑھ اور لکڑی کے گیٹ کے پار سے صرف اس گاڑی کی ہلکی سی جھلک نظر آ رہی تھی۔

اس نے ڈرائیور کو گیٹ تک جاتے، کچھ بات کرتے اور پھر مراسیر سے اندر آتے ہوئے قدموں اندر بھاگتے دیکھا۔ وہ دوڑتی ہوئی جو ملاقاتی کچن سے نکل آئی۔

"کون ہے کہ صاحبزادی؟ ماں خاتون؟"

"صاحبزادی حرمت انساء آئی ہوئی ہے نکلیں۔"

"چچا حضور ہی حضور انکل کو بتا دیجئے۔ لیجیے وہ آ گیا۔"

"تیری بیٹی بڑی بے صبر ہو گیا۔ کمال ہو گیا۔"

"یہ اتنا فاصلہ تھا پری۔" انہوں نے دلگرفتی سے اسے گھورا۔

"وہ صاحب آئے ہیں۔"

"صاف صاف بتاؤ کون آیا ہے اور اسے کس سے ملنا ہے۔"

"جی وہ نواب صاحب سے ملنے کا کہہ رہے ہیں۔ لیکن نواب صاحب بھلا ان سے کہاں ملنا پسند کریں گے۔ انہوں نے تو پہلے بھی ان کو گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا تھا۔ حیرت ہے یہ پھر آ گئے اور صرف آئے بلکہ بھلا بلی ان کے سامنے ہے۔"

"اوہو! انکل ہم پوچھ کے آؤں گا بلکہ سنو کوئی ضرورت نہیں۔ کہہ دو نواب صاحب گھر پر نہیں ہیں۔"

موتیا نے بات ختم کی۔

"چچا نہیں کون ہے بتیے! حضور نے پہلے بھی گھر سے نکل جانے کا کہا تھا۔ کہیں وہ مارپیٹ ہی نہ ہو جائے۔ جلدی جلدی چلتا کر حضرت کو۔"

"یہ وہی حضرت ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کا پیام لے کر آئے تھے۔" انکل نے انکشاف کیا۔

"کیا! ۔۔۔ وہی گلی سڑی ماں؟" موتیا واپس جاتے جاتے ایک جھٹکے سے مڑی۔

صاحبزادی حرمت انساء بھی حوالہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"وہاب ہاں کیا لینے آئے ہیں؟"

گل سر جھکائے کب سے یہ باتیں سن رہی تھی اچانک سامنے آ کے تیز لہجے میں بولی۔

"بولو! ان سے واپس بھیجو اور کہہ دو کہ یہاں کوئی بھی ایسا نہیں جو ان سے ملنا یا ان کی صورت بھی دیکھنا چاہتا ہو۔"

"تم کو کہہ دیں گے بڑی بی! لیکن یہ تو وہ انکل کے بولا۔"

"لیکن واپس جانے کا صرف ان کو بولیں یا ان کے ساتھ تلی دلکش میاں کو بھی!"

"کیا کہا دلکش ۔۔۔ اور وہ بھی شہزادہ فرک کے ساتھ؟" انکل بھڑکا مانچھ تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے انکل یا پھر نظر؟" موتیا بھی ڈپٹنے لگی تو اس نے منہ بسورا اور مسندی سے رچا پھیر دیئے پوچھا۔

"وہ کہہ کوئی ہماری بات پہ یقین ہی نہیں کرتا۔ ہوتے ہمارے عصمت میاں گھر پر تو بتاتے۔ بس ایک وہی ہیں جو ہماری بات سنتے بھی ہیں اور اس پہ یقین بھی کرتے ہیں اور اپنی کشن قربان ۔۔۔ انشاء اللہ ہزار برس کی عمر پہ نام لیا اور ساتھ۔"

عصمت کے موٹر سائیکل کی آواز دور سے سن لیا کہ تھا اب بھی سن کر باہر بھاگا اور موتیا گل مہر اور ان کی ای

حضور انہیں بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کا منہ تک کے رہ گئے۔

"دلکش اور ۔۔۔ نہیں نہیں انکل کو ضرور کوئی مغالطہ ہوا ہو گا۔" موتیا نے اپنا خیال خوابی سر جھٹکا کے دور کیا۔

"چچی حضور۔ موتیا دیکھو دیکھو یہ کون آیا ہے۔" کچھ دیر کے بعد عصمت کی خوشی سے مغلوب اور جوش سے لرزتی آواز سنائی دی۔

وہ دلکش کا ہاتھ تھامے اندر آیا تھا اور اس کا چہرہ اسی اچانک مل جانے والی خوشی کے احساس سے چمک رہا تھا۔

"ارے یہ تو ۔۔۔ یہ تو واقعی دلکش ہے۔"

موتیا تجربے سے کھڑی بڑی۔

عصمت کی خوشی پہ غور کرنے کا فی الحال وقت نہیں تھا۔ ابھی غور طلب مسئلہ تھا دلکش کی یہاں عجیب و غریب حالات میں آمد اور سب سے بڑھ کے اس کی حالت جو عجیب و گوں ہو رہی تھی۔

وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ۔۔۔ اس کی صورت سے ہی پتا چل رہا تھا کہ وہ تین دن سے نہ ٹھیک طرح سے سویا ہے نہ کچھ ڈھنگ سے کھایا پیا ہے اور رو رو کے سوجی آنکھیں بھی کسی غیر معمولی پن کا اشارہ دے رہی تھیں۔

"خالہ حضور۔" وہ موتیا کے سینے سے لگ کے پھپک کے رو دی۔ صاحبزادی حرمت انساء کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

"خیر تو ہے سب خیریت تو ہے؟"

"اٹھ نے کرم کیا ہے چچی حضور۔" عصمت انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دینے لگا۔

"اب سب خیریت ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب سب خیریت ہے۔"

"مگر یہ تو صاحبزادی دلکش کی حالت ۔۔۔ یہ ان کا زار زار رونا۔ یہ ایک انجان غیر شخص کے ہمراہ یہاں آنا۔ یہ ہم سمجھ نہیں پا رہے کیا معاملہ ہے؟"

"دلکش جان چپ ہو جاؤ کیوں رو رہے ہو بلکان رو رہی ہو۔ آخر کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے۔ تم اکیلی یہاں تک کیسے آئیں؟ کیا حضور کہاں ہیں؟"

صاحبزادی حرمت انساء عصمت سے سوال کر رہی تھیں تو موتیا اپنے ساتھ لگی بچیوں کے ساتھ روتی ہوئی دلکش سے استفسار کر رہی تھی۔ گل مہر جلدی سے پانی کا گلاس لے کر آئی اور اس کے لبوں سے لگانے لگی۔

"اس سے کوئی سوال مت کریں۔ یہ پہلے ہی بہت سہمی ہوئی ہے۔ اپنی مرمر تجربے سے کہیں زیادہ اذیت جھیل کے آئی ہے۔ آپ اور چل کے بیٹھیے ہیں۔ میں ساری بات تفصیل سے بتاتا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"چچا حضور ہماری دلکش کو لے آئے ہیں۔ ہمیں سے ہماری بیٹا کو لے آئے ہیں۔ ورنہ ہمارا دل پھٹ جاتا۔ ہمارے معصوم بچی کن حالات میں ہوں گی کیسے لوگوں میں ہوں گی۔ کیا گزر رہی ہو گی ان پہ۔ آپ کے اور والدین سے دور رہ کے جو بھی گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکلا یا ہمیں ان کے بغیر اور جواب تک ہماری انگلی پکڑ کے چلتی تھیں۔ چچا حضور دنیا کی بھیڑ میں جانے کیسے ہماری انگلی ہمیں ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ہمارے بچی کو ایک پل کے لیے بھی چین نہیں ملا۔ دل دھڑکا رہا کچھ لیجیے۔ ہماری بیٹا کو واپس لا دیجیے۔ ورنہ ہم مر جائیں گے۔"

صاحبزادہ عصمت علی خان سے باتیں کر کے کھانا کھا رہا تھا۔ ان کا چہرہ سادہ دیکھ کر بھر بھرا آ رہا تھا۔ وہ انگلیوں سے اپنی آنکھوں میں نمی کو صاف کرنے لگے۔

"ہمت اور حوصلے سے کام لیجیے صاحبزادی! انشاء اللہ تعالیٰ ہماری دلکش بیٹا جہاں بھی ہوں گی خیریت سے ہوں گی۔"

"ایسا نہیں ہے صاحبزادی یاسمین خانم۔ یہ دنیا اتنی بری نہیں جتنا ہم فرض کر بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا اگر اتنی ہی بری ہوتی اور اس کے تمام ہی باشندے بن جاتے ہوتے تو خالق حقیقی قیامت لانے میں اتنی دیر نہ کرتا۔ یہ دنیا پاک کیا گئی ہوتی ہوتی۔ لیکن ابھی بھی بہت سے اچھے لوگوں کی کمی نہیں۔ کیا آپ اپنی مرحومہ خالہ محترمہ کو بھول گئیں۔ یہ لیا دلکش کی مشکلات نے آپ کو اپنے خاندان کے اس اپنے کی یاد کیوں دلائی؟ ہم پہلے بھی اس سانحے سے گزر چکے ہیں اس وقت ہم بھی مایوس اور دل گرفتہ تھے آج اتنے نہیں اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ کہ اللہ اور خاندان ہمیں صاحبزادی دلکش کے لیے بھی محسوس ہو رہا ہے جبکہ اس سے کہیں بڑھ کے کیونکہ۔ ہمارے ساتھ ہمیں بیٹی کو بڑی ہوئی ہیں۔ لیکن ہم خاندانی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ ہمارے اللہ نے ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں رہنے دیا تھا اور ہمارے خاندان کی عزت کو بچا لیا تھا۔

"لیکن چچا حضور۔" صاحبزادی یاسمین اپنی والدہ کی زبانی اس سارے قصے سے واقف تھیں اس لیے نواب صاحب کے قصے پر اور بھی متوجہ ہو گئیں۔

"ہمیں ان کا اللہ خالق نے بہت دکھ دیا تھا اور بہت سی لوں نے انہیں شیطانیت سے بچانے کے لیے پناہ دے دی تھی تو یہ کون سا خاندان کی بیٹی دلکش ہے بھی؟"

وہ بھوت بھوت کے رو دیں۔

"ہمیں خدا خوف۔" نواب صاحب جلدی سے کہہ اٹھے۔

"اللہ انہیں سلامت رکھے اور تم اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنی رہیں۔ آپ کی خالہ محترمہ سوچا بھی نہیں ہوتی تھیں۔ خدا کے کرم سے ایک نیک فطرت شخص ہی بیٹے ہمارا درد نہ بنی تھیں۔"

"لیکن ہم تو بچپن سے یہی سنتے آئے تھے۔" ان کا دھیان عملی طور پر رونے دھونے سے ہٹانے میں نواب صاحب کامیاب رہے تھے۔

"ہم بھی اسی گمان میں تھے۔" انہوں نے اداس سے سر جھکا لیا۔

"لیکن اللہ نے ان کی زندگی لکھی تھی۔ وہ کئی سال جیتی رہیں اللہ کی مہربانی اور رحمت کے طفیل اور کچھ بھلے لوگوں کی بدولت ایک گھرانہ تھا جس نے ہمارے خاندان کی آبرو کو عزت دی اور انہیں بیٹی بنا کے عزت رکھا ہمیں والا مان دیا اور آج ان کی وفات کو برسوں گزر جانے کے بعد بھی انہیں محبت سے یاد کرتے ہیں۔ ہماری دلکش کے لیے بھی اللہ خالق نے کوئی نہ کوئی بہتر فرشتہ مقرر کر رکھا ہوگا۔"

"انشاء کرے ایسا ہی ہو۔"

"انشاء اللہ تعالیٰ اور جانتی ہیں صاحبزادی یاسمین کہ وہ لوگ جن کے ہم احسان مند ہیں وہ کون ہیں؟"

صاحبزادی یاسمین سراپا سوال بن گئیں۔

"یہ وہی خاندان ہے جس کے سربراہ کی عادل تجاری ہم نے کی۔ ان کی اس حد تک تسلی کی کہ وہ اس نے اور بے عزتی کو دل پہ لے گئے۔ ان کا دل یہ غم سہار نہ سکا اور وہ سب کے احسان فراموش ٹھہرے ہم کو زندگی بچانے والے کو بدلے میں موت دے دی۔"

"یہ کچھ سمجھ نہیں آیا چچا حضور۔"

"اوہ خدا خوب جوانی فرزند کے لیے صاحبزادی گل سرخ خانم کا پیام لائے تھے اور ہمارے محسن تھے جن کو ہماری کوتاہ نظری پہچان نہ سکی۔ ہم خدا کو تو صرف ان کا خاندان مانا تو صرف ان کا نام جانا تو صرف ان کا مقام۔ ان کا اندر نہ جانا سکے۔ ہم نے ہمیشہ انسان کی پرکھ اس کے حسب نسب سے کی جبکہ اس کے خاندان سے پہچانا۔ عمر کے اس حصے میں آ کے احساس ہوا ہے ہماری کتنی تنگ نظری کھل گئی تھی۔ وہ لوگ جن کا کوئی حسب نسب نہیں تھا ذاتی معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا انسانیت کے کتنے بلند درجے پہ فائز ہیں۔ انہوں نے ایک انجان اور غیر لڑکی کو اپنی بہو بنانے کا احسان کیا تھا۔"

"صرف یہی نہیں چچا حضور۔" باہر کچھ دیر قبل ہی آیا تھا اور انہیں بات کرتا دیکھ کے دروازے میں ہی رک گیا۔

"ان کا بیٹا اور احسان کر کے ہم سے کچھ اور بھی آگے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ شہزاد ملک نے ہماری دلکش کو اپنا لیا ہے اور وہ ملک منزل جیسے مکروہ شخص کے پاس نہیں بلکہ ایک مہربان صفت خاتون کے پاس بڑی طرح محفوظ ہیں۔ اور خاتون نے تو دعا صاحب کی تربیتی دوست ہیں ہماری بیٹا کو اپنا اور بنا لیا اور شہزاد ملک انہیں پوری حفاظت کے ساتھ آپ کے گھر چھوڑ آئے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

یہ خوشخبری ملنے کے بعد نواب صاحب وہاں رکے نہیں صاحبزادی یاسمین سے سارے رشتے واللہ کے حضور شکر کا کلمہ پڑھتے وہاں سے چلے۔

تیسری گیٹ تک آ گئے تو شہزاد ملک گاڑی ریورس کر کے موڑ رہا تھا۔ نواب صاحب کے اشارے پہ باہر نکلا۔ سے نکلا اور رک گیا۔

"آپ چلیے سے کہاں چلے ہیں۔ تو دار۔"

اسے پیش و پیش کر تا دیکھ کے گرہ تو وہی تیسری سے اتر کے سامنے آئے۔ پھیلی نشست پہ نظر ڈالی تو دعا کو رکھے رکھے انداز میں خاموش بیٹھا پایا۔

"آپ گھر آ کے اپنے چاچا سے رازت سے نہیں لوٹا کرتے بیٹا۔"

اس بار انہوں نے ٹوکا تھا۔

وہ چونک کے ان کے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"اپنے گھر؟"

وہ چونک کے سمجھنے کے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔ انہیں جو جانے پہچانے ضرور لگ رہے تھے مگر تھے تو اس کے لیے اجنبی ہی۔ سمجھ کر کہ وہ اس کے لیے اجنبی ہیں۔ اس کی نرمی کی ڈور کی تھی کہ اس نے احسان مندی سے مغلوب ہوتے بالیاں ہی ہوتے ہوئے دوسرے دیا کر رہے ہوں۔ اس نے شائستگی سے معذرت کر لی۔

"بہت بہت شکریہ۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ آئندہ کبھی ضرور انشاء اللہ۔"

اس کی بات کے جواب میں نواب صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے شاید مزید اصرار کرنا چاہتے ہوں مگر ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی شہزاد کہہ اٹھا۔

"آئندہ بھی شاید تم یہاں نہ آ سکو گی۔"

اس کے لہجے میں چھپا ہوا طنز تھا۔

"ہاں بھی چاہو تو شاید تمہیں کوئی نہ ملے گا۔ عنقریب تم سر شہزاد بننے والی ہو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں یہاں؟"

نواب صاحب شرمندہ ہوتے شاید اس کا طنز بھانپ گئے تھے۔

"میں ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں محترم۔ شاید آپ بھول گئے ہیں کہ میں وہی شہزاد ملک ہوں جو ایک بار اس دلبیرت رہ چکا ہے۔ اس کو سراہی ذہیرا ہوں جس نے بے گھری کے عالم میں آپ کے دروازے پہ چلی کا عذاب سہتے ہوئے اپنی اور تنہا تھیں اور پہ۔ حالے۔ یہ صرف اپنی خاندان کی ایک فرد ہے جبکہ میری ہونے والی ہوتی بھی ہے اس لیے آپ کی دعوت کا شکریہ لیکن ہم اندر آنے کو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہتے۔ یہ ہو کہ اچانک آپ کی دعا اللہ دعائے کا اثر میں کرم الٰہی کا نزول ہوں اور آپ اپنی اطلاعات خوبی سے ہمیں دیکھنے بار کے۔"

"اس لیجیے بیاں مسند"

نواب صاحب نے کراہ کے درخواست کی۔ نجانے انہیں کون سا درد اٹھا تھا کہ ان کا چہرہ پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ تکلیف کی شدت بتانے کے لیے وہ اپنے لب کچل رہے تھے۔

چند قدم پیچھے کھڑے عمیص نے بڑے کے انہیں سہارا دیا اور شاکی نظروں سے شہزاد کو دیکھا۔

"معاف کیجیے گا میں شاید کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گیا۔ مجھے آپ جیسے محترم بزرگ سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ امید ہے آپ۔"

اس سے زیادہ کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ گاڑی آگے بڑھانے لگا۔

نواب صاحب اپنا بیدستہ سنبھالتے ہوئے بے بسی نظروں سے دھواں کو گزرتا دیکھتے رہے۔ گاڑی آگے بڑھ چکی تھی۔ دور تک اسے دیکھتے رہے۔ دور دھواں تصور میں اسے اس پر نجانے کون کون سی دعائیں پڑھ کے پھونکتے رہے۔

"چچا حضور۔" عمیص نے ان کے بلتے لب اور دور تک گھورتی نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے چچا حضور۔ آیئے اندر تشریف لے چلیے۔"

"ہماری طبیعت ٹھیک ہے عمیص میاں۔ اس ہمارے نصیب خراب ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں چچا حضور!"

وہ انہیں سہارا دے کر اندر لے جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"اللہ کے کرم سے اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ دولت بھی بخیریت سے لوٹ آئی ہے۔ نور حضور کی طبیعت بھی اب سنبھل جائے گی اور باباجی صاحب مجھے لگتا ہے وہ بھی بدل گئے ہیں۔ اس بار وہ نے ان کے اندر خاصی مثبت تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ شکر ہے اللہ کا۔ ہمیں بھی ان میں بہتری کے آثار نظر آ رہے ہیں مگر صاحبزادہ عمیص علی خان ابھی بہت کچھ سمجھنا باقی ہے۔ بہت سے معاملات ہیں جن کو سلجھانا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں چچا حضور!"

وہ دونوں اندر آ بیٹھے۔ تخت پر دلکش اپنی غالی نصفہ کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ یقیناً "وہ اب تک اس صدمے سے سنبھل نہیں سکی تھی۔ خوف و ہراس اب بھی اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ سوتیا اس کے بال سہلا رہی تھی اور صاحبزادی یاسمین اس کے ہاتھ چوم رہی تھیں۔

نواب صاحب نے اپنے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔ دلکش ایک کے اشارے تھامتے آیا اور ان کے کمرے کی جانب لے جانے لگا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ عمیص کو کھا اور کہنے لگے۔

"پہلی رات سے کچھ لیجیے گا اور اس کے بعد ہو سکتا ہے ہمیں یہ ضرور بتایئے گا۔ ہم یہ حالات سمجھنا کیوں چاہیے؟"

☆ ☆ ☆

"خود سے تو یہ لوگ تھے اور کیا کر تھا۔"

اس چوڑی گلی سے نکلتے ہی جیسے ہی گاڑی نے زمان لیا ویسے ہی گاڑی کے اس پرانی تکرار شکوہ لال نظروں والا حویلی کو دیکھا جس کی پیلی دیوار سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔

"اور اسی کو یہیں رہنا ہے اب۔"

اس کے لبوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کی۔ شہر کے اس پر سکون گوشے سے نکل کر اس دوڑتی ہوئی ٹریفک میں داخل ہوتے ہوئے شہزاد نے ایک نظر اس پر ڈالی اور سہما سا مسکرا دیا۔

یوں تو اس حویلی مثل کی اصلیت جس دن وہ پہلی بار ظاہر ہوئی تھی اسی دن واضح ہو گئی تھی کہ دونوں میں سے شہزاد کے لیے بھی کسی کرامات تھا اور اس حد تک نہیں تھا کہ اسے اپنے ہاں باپ کو وہاں رکھنے کے لیے بھیج دیتا۔ چکا تھا وہ لڑکی در حقیقت بابا کی عزیزہ ہے۔ لیکن اس کا دھیان اس جانب گیا ہی نہیں تھا اور اب نواب صاحب اور

شہزاد کے مابین ہونے والی گفتگو نے اسے احساس دلایا۔

وہ پہلی بار اس ان دیکھی لڑکی کے بارے میں اپنے دل میں ایک رقیبانہ سی کسک محسوس کر رہی تھی۔ اس حویلی کو دیکھ کے۔۔۔ نواب صاحب کی عجیب پر جلال اور پر شفقت شخصیت کو دیکھ کر اور دلکش کا بیا پر نور چہرہ دیکھ کے۔

"کبھی ایسی ہو گی بسد دلکش بھی معصوم پیاری سی سوت کو دیکھ دلفا حسن رکھنے والی۔"

وہ اپنی تخیلیوں کو سلجھتے ہوئے سوچتی جا رہی تھی۔

شہزاد ٹریفک کے دوران گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے گاڑی ایک کولڈ اسپاٹ کے نزدیک روک کے گاڑی روکنے سے لے کر اس کے آرام دینے تک وہ بدستور اپنے خیالوں میں گم تھی۔

"کیا خاصہ گزر رہا ہے آج۔"

شہزاد نے کولڈ ڈرنک اس کی جانب بڑھائی جو کی اور پھر خاموشی سے تمام چھوٹے سپ لینے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو دوبارہ؟"

شہزاد نے اسے کریدنا چاہا۔ حالانکہ وہ اس کی سوچ سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کا چہرہ ایسا آئینہ تھا جو سب کچھ ظاہر کر دیتا تھا پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ وہ خود بولے اور کچھ اس کے دل میں ہے سب کہہ ڈالے تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

"کچھ خاص نہیں۔" اس نے گہری سانس لی اور اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"جب سے آئی ہوں پھاپھی۔ اگر نواب صاحب انکار کرتے تو آج صورتحال کتنی مختلف ہوتی۔"

"مگر وہ انکار کیوں نہ کرتے؟ بھئی وہ تو انہیں کر رہا تھا۔"

اس نے ہلکے پھلکے انداز میں شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اب وہ کیسی ہے پھاپھی؟"

"کون؟"

اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں پھاپھی میں کس کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"اچھا جانتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔ دلکش بھی ہے۔ ہائے کتنی معصوم اتنی سی حسین۔۔۔"

اس کے لہجے میں رشک و حسد احساس کمتری سب کچھ تھا۔ شہزاد نے اس کی بات کاٹی اور کہا۔

"حسین۔ حسین تو وہ ہے بالکل۔ دلکش سے بھی زیادہ۔"

اس نے فوراً ہی اسے اختلاف کیا۔

"دلکش تو ایک پیاری سی معصوم بچی ہے اور صاحبزادیوں کی سراپا کیا سال کی حسین دوشیزہ لڑکی جو حسن کے تمام پیمانوں اور معیار پر پورا اترتی ہے لیکن وہ بھی صرف حسن ہی سب کچھ نہیں وہ تو سادگی معصوم آنکھوں کی ادائیں پر نور نہیں ہے جتنا تمہیں گمان ہے۔"

"آپ مجھے بہلانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ ماننے سے انکاری ہو گئی۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں جانتی ہوں آپ اس کے حسن سے تو ہرگز متاثر نہیں ہوئے ہوں گے۔ وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوتی تو آپ اس کی خاطر داری کے قصے کیوں کہتے ہوتے اور پھر سایہ کہ وہ ان نواب صاحب کی بیٹی ہے جس حویلی میں رہ کر پلی بڑھی ہو۔ کیا اس نے اگر اس چار دیواری میں رہنے کے بعد بھی وہ پاکیزہ نہ تھی تو کیوں مشہور کر رکھا ہے وہاں نے چار دیواری کے تقدس کو؟"

"میں اس کے کردار یا متعلقہ اس کی پاکیزگی پر شبہ ظاہر نہیں کر رہا۔ اس کے کردار میں کوئی کمی نہیں تھی۔ بحیثیت ایک عورت وہ ایک مضبوط کردار کی مالک تھی۔ بابا جی بھی مرتے بحیثیت ایک انسان کے

اس کے علاوہ کرارا کی بات کر رہا ہوں ہوئی وہ ایک سخی فطرت والی لڑکی تھی۔ اس کے بندے جو کیا میں اسے تسلیم کر سکتا ہوں۔ اس شخص نے ایک غرض کے تحت اصولوں کو بیچنے سے انکار کر رکھا ہو کوئی باہر سے آ کے انہیں غصہ پہنچانے کی کوشش کرے تو شاید اس کا انجام وہ نہ ہو جو کل میرے کیا۔ وہ غصہ میں بدلا نہیں کر سکتا۔ اسے محبت اور دوستی کا دعوا تھا مگر میں نواب صاحب کے لیے غیر تھا میرے ذہنی ان کے لیے دشمن تھے مگر کل میرا کلمہ نے ایک رشتہ دیا تھا اس رشتے کا دیرا پہلا نہ کرتے ہوئے اس نے مجھ سے الفاظ کے بدلے آن تک پاس ہیں۔ وہ بے شک اپنے والد کی مرضی کا احترام کرتی ہے کیا انکار کر دیتی میرے ساتھ شادی کرنے سے مگر میں ذرا سی کوئی چیز ہے دل، کھلا سی آپ حضرت اس کو اور مجھے الگ ہو جاتی تو ذہنی آم ایک رات کے مسافر نہیں تھے۔ یہ کام تقدیر نے کر دیا تھا ہم سے اپنا تجربہ کرنے کی یہ صورت تھی۔ اس نے یہ کام بڑی سخت دلی اور سفاکی سے کیا ہے۔ میں حیران ہوں کوئی عورت اس حد تک بے رحم بھی ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جیسے مرضی ہو چھاتی ہے۔ وہ آپ کی اپنی محبت تھی۔"

"ارے نہیں بھئی۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"اور میں۔"

"تم۔" اس نے ایک آہ سرد سانس بھرتے ہوئے سیدھے کی پشت سے سر ٹیک لیا اور آنکھیں موند لیں اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو دعا کو اس کے سارے سوالوں کے جواب مکمل کر رہے جامع اور بڑے تفصیلی جواب دے رہی تھی۔ اس نے دعا کا ہاتھ تھاما اور اپنی بند آنکھوں سے لگا لیا جیسے دعا نے جھک کے اپنا ہاتھ چھین لیا۔

شہزاد نے آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ اس کی چند منٹ قبل والی کیفیت ادا ہو چکی تھی اب وہ تندرست مطمئن انداز میں اپنے قبل فون پر کوئی ضروری بات کر رہا تھا۔

"یہ کس مستقل کی یاد کہیں اس وقت سنا رہی ہے؟"

"لگا کیا کہ اتنا۔" وہ مسکرا کے چپ ہو گیا۔

"اس کی خاصہ پہ اسے اس کے گھر ڈراپ کر دیا تھا مگر لگ رہا ہے نیاز تو کھڑا مستقل اس پہ نظر رکھے ہوئے ہے اور خفا ہے۔"

شاید وہ سرد جناب کال ریسیو کرتی تھی اسی لیے نواب شہزاد سے بات ادھوری چھوڑنے لگا۔ یہ غیرت درد فت کر رہی تھی۔ شہزاد نے کوئی بات کی اور نواب نے اسے لڑکے کو بھیجنے کا اور گاڑی ارسال کرنے کا۔

"مگر میں یہ کہوں۔ بات ہی نظر ہوئی ہے۔ سنا میں کون سے خوانے ہو بیٹھے تمہارے لیے ہیں۔ جانے کی جلدی تھی صورت میں تمہیں ہر گز یہاں اپنے چھوڑنے پہ راضی نہیں تھی۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ اس صورت میں تمہیں بری بری سوجھ رہی ہے۔"

بیا تمہیں نکاح کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔ وہ سوچ ہوتے ہوئے سر جھٹکنے لگی۔

"میں تو چاہتی تھی کہ تم دو چار دن تک میرے ساتھ میرے گھر رہو۔ بھائی کا کچھ بھی کہنا تھا۔ تمہارا اتنے دن غیبت رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ نیاز کو کہو کہ کسی بھی وقت دھوکہ کھا سکتا ہے۔ نہ دیا کے وہ آ کر سکتا ہے اس کا اندازہ ہے کہیں؟"

"اچھا اچھا زیادہ بھولی بھالی بننے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں تمہیں لینے آ رہے ہیں۔"

شاید نگاہوں نے پھر چونکا تھا جو وہ شرمیلی ... مسکراہٹ کے ساتھ جو نظروں سے برابر بیٹھے شہزاد کو دیکھ کے وہ گئی تھی۔

"مجھے کیا ہدایت ہے میں کرام کروں؟"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ پھر میں بھائی کو بھیج رہی ہوں۔ وہ تمہیں گھر اتارنے تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ تم دو تین دن

تک میرے ساتھ رہو گی۔"

"میں نہیں چھوڑ سکوں گی تمہارا جانا۔"

"ہماری عمر کوں ہا جانی ملک تبدیل کے قانون اسٹیٹ لینے والے ہیں۔ صرف ٹکٹر کو بیلا اس کے گو تبدیلیت سے بچانا ضروری تھا تاکہ ہماری پولیس کارروائی میں اس بے چاری کا نام نہ آ سکے۔ کمشنر صاحب بھائی نے جانے والے ہیں ان سے بات ہو چکی ہے۔ اگلے دو تین دن میں یہاں پہنچ جانے والی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ سنو تم بہت دوست خوبیاں ہیں۔ بلکہ باہر سے لا لگا ہے۔ یہی تاثر دو کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ بھائی بھی آئیں منت کے۔ پہنچے ہیں۔ وہ تمہارے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تمہیں فون کریں گے تب باہر نکلنا تمہیں۔"

اس نے فون بند کیا اور شہزاد کو مخاطب کیا۔

"بے حد ضروری ہے۔"

"چلو لگ کشمکشی ہوتے ہیں۔" شہزاد نے تھوکا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے بیگم صاحب؟"

"ابھی میں آپ کی بیگم صاحب نہیں ہوں۔"

"تمہیں معلوم ہے کام رہا اشارا ہی ہے ہوتی۔ تم شاید اللہ سے محبت کے معاملے میں بہت خوش نصیب ہو۔ میرے ابا اور تو تھے ہی ہمارے بھائیوں سے ہم ایسا ملے دکھاتے جو تمہارے ہر عمل کا نام پہلے سے اور دوست سے دوست بھی ہو۔ تمہارے لیے جان تک نثار کرنے پر تیار ہے۔"

"معلوم بھی ہوں گی ہوں گی پہلے مطمئن نہ ہو جاؤں۔ اور اطمینان تمہیں تب ہو گا جب ملک مقبول اپنے انجام تک پہنچے گا ایک برے انجام تک۔"

"ہاں انشاء اللہ اور کل رات تک ایسا ہو جائے گا۔ میں کمشنر صاحب سے بات کرتا ہوں انہوں نے کیا ہدایت دی ہیں اپنے ماتحتوں کو جانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

وہ جیب سے سیل فون نکال کر نمبر ملانے لگا۔

☆ ☆ ☆

اسے گھر آنے کی جلدی تھی۔ کل دیکھ بند تھا اور اسے آج ہی اپنے باپ کو جیسے بھرانے تھے۔ ملک باپ کو تسلی اسے تو وہ ایک بیٹی ہی تھی کی اب وہ اور نہیں رہی تھی۔ گھر جو اور اتنا تھیں بیاری تھیں زندگیوں کو تھوڑا بہت پڑھا لکھا کے سی بنا کر کچھ بنا دیا تھا اب وہ اماں تک خود لاوارث کی طرح تھا جن کو تقاض

دعا کی بات نہ مانتے ہوئے اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ اصل بات اسے اس لیے نہ بتائی کہ پھر وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کرنے لگتی۔

منہ ہاتھ دھو کر تیار ہونے کے بعد وہ باہر نکلنے کے لیے تیار ہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی۔

"دعا نے اسے بتایا نہیں۔"

اسکرین پر دعا کا نام دیکھ کے وہ بڑبڑائی اور فون کان سے لگایا۔

"مجھے اچھی طرح پتا ہے تم نے فون کیوں کیا ہے! ارے یار! اگر مت کرو میں گھر ہوں اور بحفاظت بخیریت ہوں۔"

اس کے کچھ بھی کہنے سے قبل نگاہ نے جلدی سے اسے تسلی دینا چاہی۔

"ظفر لینے نہ گیوں؟ پتا نہیں کون سے خرافات بے تھے تمہارے فلیٹ پہ جو جانے کی جلدی تھی ورنہ میں تمہیں ہرگز وہاں اکیلے چھوڑنے پر راضی نہیں تھی۔"

دعا کی آواز سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ کتنے غصے میں ہے۔ اس غصے کی وجہ نگاہ کے لیے نامعلوم ہی تھی یہ احساس ہوتے ہی اسے دعا کے غصے پہ پیار سا آنے لگا۔

"اور میں کباب میں ہڈی بننے کے لیے راضی نہیں تھی۔ ہمیں دعا کیا کہتے ہیں بڑا مزہ اس ملن میں ہے جو شاید لڑائی کے بعد ہوتا ہے پھر ایسا ہی شعر ہوتا ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ اس موسم تھال میں بھی تمہیں ہنسی ہنسی سوجھ رہی ہے۔"

وہ یقیناً شرم سے سرخ ہو گئی ہوگی۔ نگاہ نے تصور میں اسے دیکھتے ہوئے مزہ لیا اور ہنس پڑی۔

"میں تو چاہتی تھی کہ تم چار روز تک میرے گھر پر رہو۔ تمہارا اس فلیٹ پہ رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ نیاز کو تو کسی بھی وقت پتا چل سکتا ہے اور وہ کتنا کمینہ ہے یہ تو تم جانتی ہو۔ تمہیں اس کا اندازہ ہے تمہیں؟"

بات تو درست ہی تھی۔ نگاہ کو بھی اچانک خطرے کا احساس ہوا مگر اس کا اظہار کر کے دعا کی تشویش کو اور بڑھانا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے قصداً غرور کے کہنے لگی۔

"ارے نیاز کو تو میں ایک چٹکی مار کا نہیں ہے۔ ایسے دس کو کھوں اور بیدہ ملکوں پہ میں اکیلی بھاری ہوں۔"

"اچھا! اچھا باجی پھولن دیوی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں تمہیں لینے آ رہے ہیں۔"

نگاہ نے گھڑی کی جانب نظر ڈالی۔ دعا کے آنے کا سن کر اسے سکون آ گیا تھا۔ وہ اسے غم میں نہیں لانا چاہتی تھی کہ وہ بھائی کا کیا رویہ اپنے ہمدرد کی مدد کے لیے بھیج رہی ہے کیونکہ دعا کو اتنی خبر نہ تھی اس کے پاس اتنی رقم نہیں۔ اس حوالے سے ضرورت پیسے کے بارے میں بھی بتانا پڑتا اور پھر پیسے کے طور پر اس کی نفسیات۔

"یار تم کہاں سڑک پہ خوار ہوتی پھر رہی ہو۔ ایک کو پہنچوا دیا اس کے ٹھکانے پہ۔ اب میری فکر ہو تو اور اپنے گھر جانے کا کرم کرو۔ ویسے بھی تم ہماری امی صاحبہ کی اس کو بھی نمٹانا ہوگا۔ یہ کام زیادہ اہم ہے میری جان۔"

"اچھا! پھر میں چھوڑتی ہوں۔ رکھے کو پھوڑ کے تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ تم دو تین دن تک میرے ساتھ رہو گی۔"

نگاہ نے ایک بار پھر وقت دیکھا۔ یعنی اس کے پاس کم از کم آدھا گھنٹہ تھا۔ وہ آسانی سے اپنا کام نمٹا سکتی تھی۔

"اتنی میں کب تک ان لوگوں سے چھپتی رہوں گی! ساری عمر تو یوں بارڈر کے نہیں گزاری جا سکتی۔"

"ساری عمر کیوں! اچھا تم ملک تکمیل کے خلاف اسٹینڈ لینے والے ہیں۔ صرف دکھش کو پہلے اس کے گھر تھوڑے سے پہنچانا ضروری تھا تاکہ وہ بیس کا ورنہ اس کا ذکر نہ آ گئے۔ کشمر صاحب چھاتی نے جانے والے ہیں بس ان سے بات ہو چکی ہے اگلے چند گھنٹوں میں وہاں روانہ ہونے والا ہے۔"

"واقعی! یہ تو بڑی زبردست خبر ہے۔ بہت بڑا کام ختم ہو جانے کا معاشرے سے ناگزیر شخص بیل کی سلاخوں کے پیچھے چلا جائے۔"

"سنو! تم دروازہ باہر سے کھولنا۔ ٹھیک باہر سے لاک لگا دو۔ یہی تاثر دو کہ تم گھر پہ نہیں ہو۔ چھاتی تمہارے گھر کے باہر کھڑے ہو کے تمہیں فون کریں گے تب باہر نکلنا سمجھیں۔"

وہ محبت سے مسکرائی۔

"اتنی سے بیوقوف سمجھ رکھا ہے۔"

"اچھی اتنی ہی سوچتے ہوئے اس نے چٹکی کرائی۔ دروازے کا پٹ کھولتے ہی اس کو نیاز کھڑا دیکھ کر نظر آیا۔ خطرے کا اس نے فوراً دروازہ بند کرنا چاہا مگر وہ اپنا پاؤں آگے کر کے اس کی یہ کوشش ناکام بنا چکا تھا۔

"بیٹھ جو جو تدبیریں ہیں کر لو۔ دروازہ بند کر لو۔ چلے جاؤ۔" وہ پورا زور لگا کے دروازہ بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر نیاز کے طاقتور ہاتھ کے دھکے سے دروازہ وہ کھول چکا۔

دہشت جانے کیوں اس کی کھوپڑی زمین سے لگ کر بری طرح تڑخی ہوئی تھی اور ٹانگ کے نیچے کر رہا تھا۔ درد کی شدت سے بے نیاز ہو کر اس کی گردن دبوچ کے دروازے میں سے باہر نکلنا چاہا مگر نیاز نے آگے بڑھ کے اسے بازو سے گرفت میں لے لیا۔ پلٹ کر وہاں کی سمت سے دروازہ بند کیا اور چٹخنی لگا دی۔

"کہاں بھاگ رہی ہو لڑکی؟" وہ غرایا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ بدمعاش کی۔"

اس نے تھوڑا سا سنبھلتے ہوئے خوف سے اسے پکارا اور سسکی بھرتے کہا۔

"تو کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔"

نیاز غرایا۔ اس کے ہاتھ زور کا تھپڑ مارا۔

"کتنے عرصے سے اس کا ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا۔"

وہ تھپڑ کھا کے تڑپی۔ شدید تکلیف کی طرح اس کا پہلا خیال۔ اس کا منہ نوچنے لگی۔ نیاز پہلے تو دہشت کی تھپڑ ہونے سے ہل گیا تھا۔ نگاہ کی مزاحمت نے اسے اور مشتعل کر دیا۔ وہ بھی بے دردی سے اس کے نازک وجود کو جھٹکنے لگا۔ اس کے دوپٹے سے دوپٹہ ہوتی ہوئی بھی بار بار اس کی ایک بار پھر بھاگنے کی اس نے نیاز کے پہلو سے کھسک کے دروازے کی جانب نکلنا چاہا۔ نیاز نے ایک ہاتھ سے اس کا بازو کھینچ کے پیچھے کی جانب دھکا دیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب میں سے لمبا سا چاقو نکالا۔

☆ ☆ ☆

"اس سے کیسے ہو سکتا ہے؟"

گھر پہنچتے ہی بیٹھیں اور اللہ وسائی کی زبانی ساری حقیقت جاننے کے بعد وہ بے یقینی سے کہنے لگی۔ شہزاد کے لیے بھی یہ ساری صورت حال غیر یقینی تھی۔ وہ تو دعا کو گھر کے باہر ہی اتار کے اب نگاہ کی طرف نکلنے والا تھا مگر بلیس کے بلانے پہ بیٹھ مصلحت کے لیے اندر آ گیا۔ یہ جاننے کے لیے کہ آخر وہ کون سی خاص اور ضروری بات کرنا چاہتی ہے اور اب یہ بات منظر تھا۔ وہ سب سمیٹ چکے تھے۔

"دیکھ بیٹھیں ابھی ابھی ایک بات پتا چلی ہے اور میرا اور تمہارے ابا کا خیال ہے کہ تمہیں زیادہ دیر تک یہ بات چھپائے رکھنا صحیح نہیں ہے کہ تمہارے اس سے پہلے کہ وہ لوگ خود آ کے تمہیں بتائیں ہم خود ساری سچائی تمہیں بتانا چاہتے ہیں۔ ویسے بھی یہ کوئی چھپنے والی بات ہے نہیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔"

دعا نے ہی بات سن کر گھبرائی تھی۔ اس کی تشویش کو کم کرنے کے لیے بولنے ساتھ ہی تسلی بھی دی۔

شہزاد کا تجسس بھی عروج پہ پہنچ گیا۔

"یہ جو ذکر ہے [illegible] کے ساتھ [illegible] کے [illegible] نے [illegible] کا [illegible] ہے۔"

اور ساری بات تفصیل سے جان لینے کے بعد بھی وہ بے یقین تھی۔

"کیا بچی ہے بہت۔" اللہ وسائے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مگر ابا! آپ وہیں ہاں کے تھے ہیں تو آپ کو ہم سے نہ ہو رہا تعلق کیوں ہو رہا ہے؟"

اس کی نگاہیں اپنی زبان کے آخری لفظ تک ان کے چہرے پر جمی رہیں۔ خاصی لاچاری اور کسمپرسی نظر آ رہی تھی۔

"پتر! بات یہ ہے کہ میں مجبور تھی۔ وہ جان کے بے خبر نہیں ہے بس اتنا ہے میں اپنا لکھا تو اب تو بھی قسمت کے لکھے کو تسلیم کر لے۔ وہ تجھے رشتے دار ہیں۔ تیرے ماں کے بچے تو خوش ہو جا جیسے کہ تیرے رشتے دار ایسے عزت دار اور اونچے خاندان میں آن جان والے۔"

اللہ وسائے کی بات پر شہزاد نے چونک کر سر اٹھایا۔

ابھی تک وہ انکشاف پر صرف حیران ہی ہوا تھا۔ اس کی گہرائی میں نہ اترا تھا لیکن اب اس کی بات اس سارے معاملے کو ایک الگ ہی رخ سے دکھا رہی تھی۔

وہ غزال انداز میں بیٹھ گیا۔

رعنا اب تک آنسو جاری تھی۔ باوجود اسے چپ کراتے ہوئے سلانا چاہا۔

"کرنے کا مان رکھنے کو ہی اس سچائی کو ان جادو کی ۔۔۔ اسے بتانی چاہی تھی کہ اس کی بہن اپنے اصل کو لوٹ جانے والی ہے اسے اپنی بہن مانتا تھا۔ بڑا چاہتا تھا اسے۔ لیکن یہ بھی کہتا تھا کہ بھلے تو کے اس سے اتنی بھی عزت اور محبت دے لوں جو عزت اسے اپنے اصل سے مل سکتی ہے وہ نہیں دے سکتا۔ اس کا ارادہ یہ ہے۔ اللہ کرے کوئی مجھے بھول جائے اور اس کے اپنے اپنے ساتھ لے جائیں۔"

کرم الٰہی کو بابا کرکے اس کی خواہش پوری ہو گئی اور اس کے آنسو دوپٹے سے صاف کرنے لگی۔

"اس کی یہ چاہت اس کی تنہائی میں پوری ہو سکتی تھی اس کی زندگی میں مگر تجھے تنہا نہیں موقع رہا ہے۔ کیا اپنے سے ہی روح تو سکون پہنچانے کے لیے کبھی تو اپنے دل کو راضی نہیں کر سکتی۔"

"ہاں ۔۔۔ جو نیک بیٹی زندگی کو صرف اپنے خاندان کی عزت بچانے رکھنے کے لیے وہ اپنے سامنے ان کو اپنے ہونے کو دل تو نہیں کرتا لیکن ملامتی کے لیے صرف ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اور اپنا ہی ساتھ کے لیے کیا تھا جو ہی ہے ان کے دل سے ان کے بچوں کی محبت کبھی ختم نہیں ہو سکتی ہوگی۔ ان دونوں کی خاطر میں اس چاہتی ہوں تم کو کبھی نہ بولوں۔"

"پتر تو ہمارے لوگ ہیں۔ اپنا دل صاف رکھ کے ان سے غنا۔ بہت بھلے ہیں جیسے لوگ ہیں بس غلط نصیب بھر سے کیا کیا نہیں کر دالیں۔ اگر انہیں اپنی بہن سے محبت نہ ہوتی تو تجھے دیکھ کے اس کی یاد کیوں آتی۔ تجھ میں ہی کھلتا تیری طرف کیوں تیرے پیچھے پیچھے وہ جھک گئے۔"

اللہ وسائے نے ان کی جانب سے صفائی پیش کی۔

"ہاں وہی اپنی ذمہ تجھے تیرے پیو کی بات سچ لگ رہی ہے۔ اس تیرا ماما سے پیدا ہوا کیا تو؟"

باوجود سخت بری۔ شہزاد بے یقین ہو کے انہوں کھڑا ہوا۔ دعائے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ شدت ذہن تھکے ہوئے سر کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔

رعنا نے اپنے چچا کی بے اعتبار بابا ایسی بات کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے دھلی اس کی شفاف آنکھوں میں ایک تیز ہمراہ سوال ابھرا جو خود ہی معدوم ہو گیا۔ شاید اسے جواب بھی مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عرصہ دراز کے بعد آج سارا گھر اکٹھا ہو کے کہیں جانے کے لیے نکل رہا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی تیاری کر کے جانے لگے۔ نواب صاحب نے عصمت کو کہہ کر ہاں فون کر دیا تھا اور اپنے آنے کی اطلاع بھجوا دی تھی۔

"صاحبزادی کل سے آپ تیار نہیں ہیں؟" "نہیں ابو حضور ہم نہیں جا سکیں گے۔"

رعنا نے اور سر جھکا کے آہستہ سے جواب دیا۔

"مگر آپ کے بنا حضور کی خواہش ہے کہ رعنا بانو کا ہونے کے لیے ہم سب کو جانا چاہیے۔"

"آپ ہماری مجبوری اور تکلیف کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ابو ہاں ہوں گے۔"

صاحبزادی حرمت انساء جواب تھا کہ ۔۔۔ شہزاد ملک کا سامنا کرنے سے خائف ہو رہی ہے۔

"ہم سمجھ رہے ہیں کہ آپ کے بنا حضور وہ بات شاید ہی محسوس کر پائیں۔ اور ویسے بھی صاحبزادی کل موقع غالم نہ ہوتی کیا ہوتا اب رشتوں اور تعلق کی نوعیت یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔ آپ کی بہن ہیں۔ ایک عرصے تک ایک عرشکے ان محبتوں سے محروم رہی ہیں جو ان کا حق تھا۔ ہمیں وہ سب سود سمیت انہیں لوٹانا ہے۔ آپ کو کبھی سب بھلا کے اس نے رشتے کو قبول کرنا ہوگا۔"

"ہم سمجھتے ہیں۔ تسلیم کرتے ہیں اس رشتے کو۔"

کل عرصہ ساں کے ہاتھ پکڑ کے انہیں تسلی دیا جاتا۔

"صرف اس وقت آپ کیوں وہاں جائے۔ ذرا سوچیے ۔ ہمیں بھی رعنا کا انتظار ہے۔ ہمیں بھی ان کے یہاں آنے کی اتنی ہی مسرت ہو گی جتنی آپ سب کو ہے۔ آپ ابا حضور سے کہہ دیجیے گا۔ ہم گھر پر ان کے استقبال کی تیاری کریں گے۔ آخر ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے بھی کسی کا یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔"

☆ ☆ ☆

"شہزاد! ابھی تیری ہو گیا ہے؟"

باوجود شہزاد کو سمجھ رہے ہوئے بہلانے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں ماں۔" تھک کے دور بیٹھ گئی۔

"تو کل رات تک باہر پھرتا رہا باقی آدھی رات شہرت پھوٹک کے بند کرتے گزاری سورے بیٹھے سو گیا۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ سورے سے تیرے فون آ آ کر میرے کان پک گئے ہیں۔ کبھی کسی صدیقی کا سورے کا شہزاد شہزاد ہوتا تھا خود کبھی تیرے دفتر سے فون کبھی بدی کے فون الٹے خود ہی جواب دے رہی ہو اب۔"

باقی خود وہ مشکل سے ہی سہی اجازت لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ہاں سے فون کالز کی تفصیل تو سن چکا تھا اب اس نے پہلے فون پر بھی مسلسل کالز سن لیں۔ کسی کی رنگ ہوتے ہوئے پہلے Mute کر کے تھا۔ تیسرا نام تھا جو گھر کے فون پر اس کے بلیے پہلے فون پر نہ آتی کرتے رہے تھے۔ بھائی کا سب سے زیادہ تھیں۔

"عمر بھائی کا ۔۔۔ تھا۔ بھائی کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہو گی۔ کل بھی اسے لینے جانا تھا۔"

وہ بے خیالی میں ہاتھ پھیر کر جواب دیا تھا۔

"میں چلا جاؤں گا۔ تو کل تیرے لیے تیرے کوئی ہوش حواس نہ لگا سکیں۔"

باوجود ہوگا کے مطمئن ہو کے کمرے سے چلی گئی۔

"شہزاد! جاؤ نا نا۔" باوجود اسے اشارہ کچھ کر آوازیں دیں۔ مگر وہ چند سیکنڈ میں گاڑی نکال کر دور ہو چکا تھا۔

کل ملنے والی خبر نے اسے ایسا ذہنی دھچکا دیا تھا کہ وہ گھر پر اصل بات نہ کہہ سکا۔ اسے بالکل دھیان نہ رہا۔ دعائے اسے بے حفاظت یہاں لانے کی تھی تو اسے کیا کی تھی۔ اس نے رعنا کا MMS بھی بھیجا تھا جس میں اس نے بتایا تھا کہ ہاں اس کا فون ریسیو نہیں کر رہی۔ تب وہ بھی اس کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اس کے گھر تک پہنچا تھا۔ تیز ہیں پھاٹک کے اس کے فلیٹ کے دروازے تک پہنچا۔ کال بیل بجائی زور زور سے دستک دی۔ کال فون سے بار بار اس کے گھر کے نمبر زور سے ملائی نمبر رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ بیل کی آواز گھر کے باہر تک آ رہی تھی۔

"کیل فون اندر بج رہا ہے تو کال اٹھا کیوں نہیں رہی ہے۔" اس نے اور شدت سے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

شروع کر دیا۔ اس بار اس کے دروازے کھلنے لگے۔ پیڑھیاں اترتے چڑھتے لوگ رک کر سنجیدہ ہونے لگے۔ اس نے نزدیک کھڑے تماشائی تھیٹر والوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا اور دروازہ توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ تین چار دھکوں کے بعد دروازہ اکھڑ گیا۔ لڑکیاں نے اسے ہٹا کے ایک جانب پھینکا اور ساتھ کے کمرے کے اس جمع میں موجود عورتوں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔

دروازے کے باہر سامنے مختصر سے رقبے میں دو لاشیں گری ہوئی تھیں۔ ایک عورت کی اور ایک مرد کی۔ عورت کے پیٹ میں کئی انچ گہرا چاقو پیوست تھا اور وہ بیت لیٹی تھی اس کے ہاتھ میں پستول کا لائسنس تھا جبکہ مرد اوندھا گرا ہوا تھا اور اس کا سر کمرے کے پیچھے باہر نکلا ہوا تھا۔ شاید اس پستول کے گلدان سے اسے یہ ضربیں لگائی گئی تھیں۔ دونوں کا خون بہہ کر جم چکا تھا۔ لاشیں اکڑ چکی تھیں۔ شاید کل کسی پہر یہ حادثہ ہوا تھا۔

دروازے کے باہر ہجوم بڑھتا گیا اور مختلف قوانین کا شور بھی ہوا۔ ہوا کے ساتھ پولیس اسٹیشن خبر کر کے اطلاع دینے کے بعد آگے بڑھ جانے والی تھیں پوری کھلی ہوئی تھیں۔ شاید وہ کسی کی منتظر تھی جو نہ آئے تھی کی شاید کسی اپنے کی۔

٭ ٭ ٭

کل مہران وقت کمرہ بانکل اکیلی تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ اگرچہ نواب صاحب جاتے ہوئے بلکیو کو اس کے پاس چھوڑ گئے تھے لیکن اس نے بکھر دیا پہلے بلکیو کو مارکیٹ روانہ کیا تھا ایک خوب صورت سلیپر کے لانے کے لیے۔

"نہ چھوٹی بی! ہم نہیں جانے والے نواب صاحب ہماری چھوڑ دیجیے ہمیں اگر انہیں پتا چلا کہ ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کے نہیں جا رہے تھے۔" اس نے صرف انکار کر دیا۔

"انہیں پتا چلے گا جب ہم بتائیں گے کسی نہیں۔"

"ابا! آپ تمہیں جانتی کی تو ایسا ہو۔" آپ کا رو گفتہ سے اپنا نقصان خود کر رہے کو تھا جب ہی پھول گھر پہنچ گئے تھے تو پھر اور رہے۔ ابا! وہ ابا! چھوٹی بی! آپ سمان بی بی کا استقبال بھلا نہیں ہے کہ کیا چاہتی ہیں تو ہمارے آنا ہیں کیا کم پھول ہیں گلاب موتیا سورج مکھی گیندا ہو چھوٹی بی کل راوی قسم قسم کے گل تھے ہیں۔"

"بیچیے ایک بلکیو ہی کام کا ہے اس گھر میں لائیے بیچیے روپے اچھی بات ہے آپ کے بولے۔"

"بولے کیسے بیوقوف ہو گئے۔"

مارنے تو خوب ہی تھی لیکن بھلا یہ وہ کیا نخریلی کرتا ہوا آیا تھا کہ ہمیں سنبھلے تھے واپس نہیں کیا تھا۔ گل مہر کو اتنے بڑے بڑے خالی کمروں سے خوف آنے لگا۔ ایک مانوس سناٹا ہر جانب چھایا تھا جس کی وجہ سے اسے ہول اٹھنے لگے۔ وہ گھبرا کے دالان میں نکل گئی اور سب سے نچلی سیڑھی پر بیٹھ کے باہر تکتے ہوئے بلکیو کا انتظار کرنے لگی۔ باہر کے اس طرف گلی میں خاصی چہل پہل تھی مختلف آوازیں سنتے ہوئے اس کا دھیان بٹنے لگا۔ جھانک نکل پہل کی آواز پر اس نے چونک کے گیٹ کی جانب دیکھا۔ بلکیو بھی نکل نہیں پا رہا تھا۔ ایک کے گیٹ کے اوپر اٹھا کے ہٹا دیا تھا اور اندر آ جاتا تھا۔ وہیں بھی گیٹ کے نیچے سے نظر آنے والے پاؤں بھی اس کے نہیں ہو سکتے تھے اور گیٹ کے دوسری جانب نظر آتی گاڑی بھی اس کی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" وہ گیٹ تک آ گئی گھبراتے ہوئے جھانکا۔ اس کی نظر کہیں آنے والا اس کے حضور کا کہلی جانے والا نہ ہو۔ نواب صاحب کھری خواتین کا گیٹ پر آ کر پوچھ کر کیا معیوب جانتے تھے اور ان میں سے کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا تھا مگر اب صورت حال کچھ اور تھی۔ گھر میں سوائے اس کے اس وقت کوئی اور نہ تھا۔ "آپ کو کس سے ملنا ہے؟" "جی مجھے چھوٹی بی جان سے ملنا ہے۔ بیچیے سردار علی چنگاری آئے ہیں۔"

"چھوٹی بی جان؟ ۔۔۔ سردار علی چنگاری؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے میں گاڑی کا ہارن بجا۔ گل مہر نے دیکھا کہ اس

سے بتانا تھا۔ سردار علی چنگاری ہلکے پھلکے کرتا اور بلند آواز میں گاڑی میں موجود کسی فرد سے کہہ رہا تھا۔

"جی والدہ کوئی خاص بات ہے۔"

کسی خاتون کی آواز سے بدلی ہوئی آواز سنائی دی۔ باہر کو کشش کے وہ الفاظ نہ تھے بلکہ اس شخص کے ساتھ اس کی والدہ کی موجودگی نے اس کا خوف ضرور کم کیا۔

"جی بہتر۔" کہہ کر وہ گیٹ کی طرف مڑا اور بولکل کے کی بول سے پیچھے ہٹ گئی۔

"اور بیٹا جان سے کہیے کہ سردار چنگاری کی والدہ نیم نصیبہ چنگاری بھی تشریف لائی ہیں۔"

"لیکن آپ کی چھوٹی جان ہیں کون؟"

"تم کیا؟ آپ کی والدہ۔ ارے والدہ آپ کیسی باہر آ گئیں؟" اب شاید وہ اپنی والدہ سے مخاطب تھا۔

"جیسا کرتے ہیں زیبا خاتون کی فکر ہوں کہ ہمیں مخل پہچانی ہیں۔"

ایک خاتون کی نحیف بزرگ مگر رعب اور شائستہ سی آواز سنائی دی۔

"مگر آپ کی طبیعت۔" وہ تشویش سے کہہ رہا تھا۔ اب گل مہر کو زیادہ دیر تک بند گیٹ کے پیچھے سے جھانکنا بداخلاقی محسوس ہوا اس نے جھجکتے ہوئے گیٹ کھولا۔ وہ اندر آ گئی۔

بادامی رنگ کی سادگی نفاست سے باندھے اپنے سوتیوں کی لڑی گلے میں ڈالے ایک سوبن اور دلکش خوش ادا عمر رسیدہ خاتون اس کو بیٹھ کے شفقت سے منگا فرما رہی تھیں۔ اس نحیف و کمزور خاتون کے ساتھ کھڑا وہ دراز قامت شخص بھی کم خوش رو نہیں تھا۔

"آداب۔" اس نے تعظیم بجا لائی۔ جواباً وہ مسکرا کے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"جیتی رہو۔ آپ زیبا خاتون کی صاحبزادی ہو نہیں لگتیں۔" ساتھ ہی شبہ ظاہر کر دیا۔

"جی ہمارا ابھی کی نیال ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ شاید یہ آپ کا مطلوبہ گھر نہیں ہے۔"

"کیا جناب شہرت چنگاری یہاں نہیں رہتے؟"

"جی نہیں یہ صاحبزادہ نصیر ملک خان کی رہائش گاہ ہے۔"

"مگر آپ یقیناً ان کی صاحبزادی۔" خاتون کا لہجہ کچھ دور ہو جانے کے بعد بھی اسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ سردار علی چنگاری نے بے کوئی قدم نکال کے پاس رہا تھا۔

"اور۔۔۔ والدہ کیسا اسٹیٹ نمبر بیس درج ہے۔ ہم ہمراہ ہے اس گھر میں کھڑے ہیں۔ محترمہ ہم معذرت خواہ ہیں آپ کو بلا وجہ زحمت دی۔"

"کوئی بات نہیں آپ آئی ہیں تو اسے بھی اپنی عزیزہ کا گھر جانیے اندر تشریف لائیے خاصی گرمی ہے تم ازکم کوئی مشروب ہی لے لیجیے۔"

اس نے آداب سمان نوازی بھانپ جانب۔ یہ خاتون اسے بلا وجہ ہی متاثر کر رہی تھیں شاید اپنے جانیں اور جانے پہچانے اطوار کی وجہ سے دوسری جانب بھی ان کا یہی احساسات تھے۔ ان کی نگاہوں میں بھی پسندیدگی تھی۔

"اب مدد شکریہ بیٹی۔ آپ کی محبت کے جواب میں انکار کرنا چاہیں لگے۔ رہا۔ مگر ہمراہ ہیں کسی کی عیادت کے لیے آئے ہیں۔ بیٹھ یہ وعدہ ہے کہ جلدی ہی زیادہ آئیں گے بطور خاص آپ سے صرف اور صرف آپ سے ملنے کے لیے۔"

سردار نے چونک کے اپنی بہن اور کھا جیسے ان کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو اور اس کے بعد فیاں گھر سیدھے سے سر جانب کے نظریں جھکائے تھی اس دلچسپی بالی۔ سادگی میں بھی جس کا پر تکلفات حسن رقص رہا تھا۔

وہ چار لیپٹے مردم آنکھوں کے ساتھ قریب پاک کی تلاوت کر رہی تھی۔ اس کی آواز پہ کبھی کبھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔

"کوئی چیز؟"

اللہ وسایا کچھ دیر اس کے نزدیک خاموشی سے کھڑا اس کا سوگوار تحریر تقدس چہرہ دیکھتا رہا۔ اور جب اس نے قرآن پاک کو چومتے ہوئے بند کیا تو آواز دی۔

"مجھ سے ایک بات کہنی ہے پتر۔"

"جی ابا جی!"

اس نے مقدس کتاب کو غلاف میں لپیٹا ایک بار پھر عقیدت سے اسے ابا اور اپنی آنکھوں سے چھوا۔ اور اٹھ کر الماری میں رکھنے لگی۔

"بچوں کی خوشی کی وجہ سے تیرے دل پہ پڑا اثر خاطر کا اس لیے ہم میں سے کسی نے تجھے نہیں چھیڑا۔ اور تو اور تیری ماں اور وہ تیرا ماما نواب صاحب بھی آئے تو تجھے لینے تھے لیکن تیری سہیلی کی خوشی کا سن کے اور تیری حالت دیکھ کے بنا چاب واپس چلے گئے۔ کہہ گئے تھے ابھی اسے لے جانا اس کے لیے آپھاند ہوگا۔ کھل جائے گی تو پھر لینے آنا۔ اس سے تیری ماں بے حال ہے۔ وہ بھی انتظار میں ہے کہ کب ابا کی تان ٹوٹے آئے۔"

اس نے حیرت سے اس کی شفاف پیشانی پہ ناگوار شکن نمودار ہوتے دیکھی تو فوراً وضاحت کرنے لگا۔

"تیری موت ہو سوتو صاحبہ ہے پتر لگا کہ کاوکو سادوں کو ہی ہے۔ مجھے بھی پتہ کے اور باوجود بھرپائی کو بھی کہ تیری منگی ہوئی تھی۔ سہیلی تھی۔ ظاہری بات ہے تجھے اس موقع پہ ایسی باتیں اچھی نہیں لگ رہی ہوں گی۔ منگنی شادی بیاہ کی لیکن یہ باتیں دستور ہے۔ بیٹی کو خوشی پر نچھاور کر سکتی ہوں تو کچھ کی قدر اور دھوم دھڑکے سے نہیں کر پاتیں۔ تو جا اور شہزادے کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔"

یک بیک یہ خبر جیسے اس کے ہونٹوں پہ بے جان انداز میں پھسلی۔

"کیا مطلب؟ ابا جی!"

"کچھ نہیں۔" اس نے سر جھٹک کے خواہ مخواہ سوچیں دور کرنا شروع کر دیں۔

"کچھ اب کیا کہوں! تیری ماں کو!" وہ جواب کا منتظر تھا۔

"نواب صاحب سے میرا مطلب ہے اماں جان کو بتا دیجیے۔ میں تیاری کر رکھتی ہوں وہ آ کے لے جائیں۔"

"تیرے تیور۔" وہ کچھ الجھا الجھا سا نظر آیا۔

"کچھ کہیں سے ہیں بتا دی۔ میں کچھ دن یہاں رہنے کی خواہش مند ہوں صرف ان کی خوشی کے لیے۔ اور وہ بھی آپ کے بھروسے پہ۔ ورنہ اسی روز واپسی تھی۔ آپ نے ہی کہا تھا کہ ان کا بھی پتہ ہے پھر آپ جان بوجھ کر پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔ سوچو مت۔ بے فکری رکھو جاؤ۔"

اللہ وسایا نے فوراً اپنی بے چینی پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

"وہ میں تو۔ دراصل میں نے تجھ سے یہ اور پوچھا تھا تیری ماں کو کیا جواب دوں؟"

"جواب۔"

وہ ایک مستقل حیرت چہرے پہ سجا کر باپ کو دیکھنے لگی۔

"کچھ بھی! انہیں واپس نہیں کہا ہی میں نے؟"

اللہ وسایا کرسی کھا کے اچھلا۔

"ہوش میں رہو لی۔ بات کب کی ختم ہو چکی۔ وہ تو تو نے اس بار کی۔ خیر مٹی پاؤ۔ اب سب صحیح ہو گیا تھا۔ شہزادہ تجھے اکھٹی دوبارہ پہنچا گیا تھا نا۔"

"اچھا۔ شاید تجھے یاد نہیں رکھی ہوگی۔"

وہ اپنے ہاتھ الٹ پلٹ کے دیکھنے لگی پھر سائیڈ ٹیبل کا دراز کھول کے چیک کرنے لگی۔

اس دوران اللہ وسایا مندر کھولے یہ سب دیکھتا رہا۔

"تیرے لیے دنیا جہان کی چیزیں لائے تھے۔"

اس نے دراز میں سے انگوٹھی نکال کے آگے بڑھائی۔

وہ ابا جی پیچھے ہٹا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ خود کو قابو کر رہی تھی۔ بے ہوش سے بیگانہ لگ رہی تھی۔

"ایسے کیسے۔ یہ مانع خواب ہو گیا ہے۔ رکھ دو ایس اسے تمہیں انگلی میں ڈال لیں گا۔"

"یہ دیکھیں اور دوبارہ کہہ کے آئیں۔"

بے یقینی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے نارمل انداز میں کہتی انگوٹھی اس کی ہتھیلی پہ رکھ چکی تھی۔

وہ بھی انگوٹھی کو ابھی بھی کھلے منہ کو دیکھنے لگا۔

"کیا کر رہی ہے تو۔ بیل مسد کو اپنے قماشوں سے دل میں گھر پہ جاتی ہے۔ ذکر شہزادے سے کوئی گری سوری اونچ نیچ ہو گئی ہے تو مل کے بات چیت کر کے صلح کر لے اپنے سے رقوفیاں نہ کر۔"

"رشتہ ٹوٹ سارا رشتہ ابا جی! سوسائٹی ہم میں کوئی رشتہ نہیں۔"

"اور میں کیا جواب دوں گا دنیا کو پھر جاتی کہ شہزادے کو۔"

اس کا درد بھرک کے چلایا تھا۔

"کسی کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں سارے منگی کے بارے میں بات چیت کر کے انگوٹھی واپس رکھ کے میرے بیٹھ جائیں گے۔ شہزادہ اس کی وجہ نہیں پوچھے گا؟"

"ضرور پوچھیں گے بھائی۔ اور انہیں پوچھنا بھی چاہیے۔"

اس کے اطمینان بھرے لہجے نے اللہ وسایا کو اور بھڑکا دیا۔

"اور جواب دینے کے لیے رہ جائے میری بیٹی جان سے نا۔"

"تمہیں اب کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی کے ہر سوال کا جواب میں دوں گی۔"

"تو یہ انگوٹھی بھی آپ واپس کر۔ میں کیوں بیٹے سر کے ساتھ اپنی بے عزتی کرا لوں۔ وہ تو پہلے ہی سمجھتا ہے کہ میں جواب نہیں کرانا چاہتا۔"

"وہ بھی پوچھیں گے آپ کو۔ ان کو فون کر کے بات کر لیں۔"

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی تو کیا کر رہی ہے۔"

وہ بے چارگی سے کہنے لگا۔

"آ جائے گی سمجھ۔"

اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔

"بچی کی موت نے مت مار کے رکھ دی ہے۔ ستیاناس کر رہی ہے اپنی زندگی کا۔ ایسے بری حس والی بنتی ہے۔ ذرا مروت۔ کہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

وہ کمرے سے نکلتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا چیز ہے پھر بھائی؟"

وہ مراسم یا شدہ سلام دعا کے بعد پوچھ رہا تھا۔

اللہ وسایا جو جان بوجھ کے انگوٹھی واپس کرنے اس وقت گیا تھا جب شہزادہ گھر میں نہیں ہوتا۔ اس کی کانٹا۔ آمد پہ ہڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگرچہ بانو نے بھی کم جانا نہیں جانا تھا اس کا۔ مگر شہزادے کے کسی بھی سوال کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔

"کس نے بتایا کہ کسے انگوٹھی۔"

"ہاں وہ بھی سنو! بس انگوٹھی بھجوادی تھی۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا جیسے بچی کی اس حماقت کا ذمہ دار وہی ہو۔

"مگر کیوں؟" وہ اچنبھا جتا چلایا۔

"اسی سے پوچھو۔"

اس نے بھی بلا کر جواب دیا۔ وہ اب چڑ رہا تھا، وضاحتیں پیش کرتے کرتے ویسے بھی جس عمل کے پس پردہ عوامل سے وہ خود واقف تھا اسے کیا واضح کرتا۔

"کہاں ہے وہ لڑکی۔" وہ اس کے کمرے کی جانب بڑھنے لگا مگر اللہ دتا نے روک دیا۔

"وہ اندر نہیں ہے۔ ابھی گھر پر نہیں ہے۔"

"کب تک آئے گی؟"

وہ صوفے پر بیٹھ گیا جیسے اس کا انتظار کرنے کا ارادہ ہو۔ اس کے ہر عمل اور حرکات و سکنات سے اتنی بے چینی چھلک رہی تھی کہ اللہ دتا سائے کی طرح بے اختیار ترس اور ہمدردی غصہ آنے لگا۔

"وہ تو ابھی کچھ دن وہیں رہے گی وہاں۔" وہ جانتا نہیں کیوں بتاتے ہوئے اٹک رہا تھا۔

"کہاں ہے؟"

"نواب ہوراں کی حویلی۔۔۔ رہنے گئے تھے وہ رہنے گئی ہے۔"

"اوہ۔۔۔!"

شہزاد نے ایک طویل سانس بھری۔ وہ ایک ہارے گیا۔

پھر اس نے اپنے مضمحل وجود کو صوفے سے اٹھایا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیا۔

"شہزاد! پیزا ایک منٹ۔"

اللہ دتا نے تڑپ کے اس کو روکا۔

"تو وہ لڑکی فون کرنے آئی تھی کہ انگوٹھی واپس کرنے کی وجہ وہ آپ تجھے بتائے گی۔"

شہزاد نے ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر کوئی بات کیے بغیر دہلیز پار کر لی۔

اللہ دتا نے اسے روکنے کی ایک اور کوشش کی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس گھر سے شہزاد واپس نہیں جا رہا اس کی بیٹی کا مقدر روٹھ رہا ہے۔

"تو اور حوری بی بی کے فون کرنے پر پوچھ لے اس سے وجہ۔"

"جو بات میں جان گیا ہوں وہ اب کیا پوچھوں۔"

"جان گیا ہے۔ کیا؟"

"یہی اس رشتے کو ختم کرنے کی وجہ میں جان گیا ہوں کہ اس گھر سے اسے بیاہ کے میں اپنے گھر لے جا سکتا تھا لیکن اب جس گھر میں وہ رہ رہی ہے وہاں سے میرے گھر تک کا سفر اسے پستی کی جانب سفر کرتا رہا ہوگا۔"

اللہ دتا کے وہ الفاظ دماغ کے روکنے کے باوجود رکا۔

"یہ تو نے ٹھیک نہیں کیا بیٹی۔"

وہ بڑبڑایا اور اسی وقت فون پر رنگ کا سیل تھرتھرانے لگا۔

"اوئے خانشہزاد۔۔۔ اور نوش ہو جا۔ ٹوٹل لے کر واپس گیا ہے۔"

اس کے "ہیلو" کے جواب میں وہ چہکا۔

"لیکن بابا جی میں نے کہا تھا آپ وہ فون کر لیں۔ میں سب۔۔۔"

"کیوں فون کرے وہ لڑکی کمزور لگی ہے باقی؟ تو نے تیر ثابت کر دیا ہے وہی کہ تو بھی بزدلی کی کمین میراثی اللہ

دتا کا بیٹا ہے۔"

"بابا جی!"

"غلط نہیں کہہ رہا میں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تو اتنی ذلیل اور احسان فراموش نکلے گی۔ حالانکہ خون تو تو میری ہی ہے۔ اور میں خود زمانے بھر کا ذلیل، کمینہ اور احسان فراموش ہوں لیکن۔۔۔ لیکن میرا ایمان تھا کہ تجھی بہشتن ماں کا بھروسا اچھا خون میرے بدن کی تاثیر ختم کر دے گا۔ تو نے تو اپنی ماں کی شان بھی نہ رکھی۔"

"میں نے تو صرف۔۔۔"

اس نے صفائی پیش کرنا چاہی۔ لیکن اللہ دتا بابا نے اس کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا۔

وہ غائب دماغی کی کیفیت میں فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔ پھر سمت کرتے اس نے شہزاد کا نمبر ملایا۔

"آپ کو میرا پیغام نہیں ملا تھا چاچی؟"

اس کی آواز سن کے دماغ بولے۔ نرم لہجے میں پوچھا مگر دوسری جانب سے اتنی ہی خشک اور اجنبی انداز میں جواب ملا۔

"ہاں میرے سامنے آیا ہے تیرا پیغام۔ تمہارا بھیجا ہوا تمہارا جواب۔"

"میں اس کی بات نہیں کر رہی۔ میں نے آپ کو کہا تھا کہ مجھے فون کر لیں۔"

وہ بھر بھی نرمی سے بات کرنی چاہی۔ باقی تھی اچانک ہی اس کا لہجہ کاٹا تھی۔

"کس لیے؟ اب ہمارے درمیان کوئی رشتہ ہی نہ رہا تو پیغام رابطے کس لیے؟"

"میں نے کوئی رشتہ ختم نہیں کیا۔"

"تو نے بھیجی تھی انگوٹھی۔"

"انگوٹھی واپس بھجوائی تھی کس کا مطلب یہ تو نہیں کہ۔۔۔"

"یہ مطلب ہے پھر اس بات کا کیا کرنا ہے کہ تو نے اس انگوٹھی کو کیسی واپس بھجوائی ہوں۔ اب بھی تو کہتی ہو کہ کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوا۔ پھر کیا کر رہا ہے کہ تمہارا کوئی ناجائز مقصد نہیں تھا۔ آخر چاہتی کیا ہو؟"

"میں عزت پانا چاہتی ہوں چاچی۔"

"اور اور شاید رتاب میرے لیے ناممکن ہو گا کم از کم تمہاری نظروں میں۔"

اس نے نوٹ کیے میں کیا تو وہ کا لہجہ تڑپ گیا۔

"میں عزت پانا چاہتی ہوں۔ آپ کے حوالے سے چاچی۔"

"میں تمہاری باتیں سمجھ نہیں پا رہا کوئی آخر تم۔"

وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔ اب وہ اسے اشتعال دلانے کا فیصلہ کیا۔

"آپ کی عزت میں ہی میری عزت پوشیدہ ہے۔ آپ کا سر اونچا ہو گا تو میں بھی شان سے سر اٹھا سکوں گی۔ ہماری شادی طے ہے کہ اسے طے کرنے والے میرے ابا جی اور امی جی تھے۔ اب میری زندگی میں چاچا وارث شامل رہنے میں میں نہیں تھی۔ بہت اور اذیت کا عذاب ہے۔ میں دعا بھی آنا چاہتی ہوں اور اپنے اور کہہ کے رشتے کو ان سے ہاتھوں استوار ہونا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں کہہ۔"

"نہیں چاچی۔ یہ انگوٹھی میں نے اس لیے بھجوائی ہے کہ آپ امی جی کے ساتھ آئے مجھے سنانے دوبارہ آئیں۔ تمہارے ان ہوئی ہیں۔ آپ وہاں آئے ان سے میرا ہاتھ طلب کریں۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔"

کسی نہیں نے اسے خود ہی کہا یا اور وہ فوراً سمجھ اٹھا۔

"آپ کو ایسا کرنا ہی چاہیے۔ میری خاطر۔"

☆ ☆ ☆

یہ دورہ ہوا اس کے لیے قطعی اجنبی تھے۔

وہاں کے لوگ یہاں کا ماحول اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ مگر اب قدم [illegible] یہاں آ رہا تھا۔

خود وہ جو یہاں آنے سے پہلے — خود وہ بھی [illegible] کے لیے آتے ہی مطمئن ہو گئی تھی۔

کچھ یہ بھی خوشی کہ آتے ہی اسے چوہدری سے بات کرنے کا موقع مل گیا [illegible] قدم [illegible] کی اس کے بعد صورت یہ بھل ہی تھی۔ یہ ایسا [illegible] خوش تھی۔

یہاں ہر وقت اسے اپنی ماں کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

حالانکہ صاحبزادی فرحت اللہ نے بہت کم وقت اس حویلی میں [illegible] اس حویلی سے جدا ہوئے [illegible] صاحبزادی فرحت اللہ اور صاحبزادی عظمت النساء کو دیکھ کر [illegible] محسوس ہوتی تھی جو اس کی ماں کی [illegible] جا چکیں۔ [illegible] صحت آغوش میں اسے وہی قربت ملتی جو [illegible] کی ماں کی تھی۔

اور صاحبزادہ [illegible] علی خان جو اس کے بزرگ تھے۔ قابل احترام [illegible] بھی عقیدت سے بھری [illegible] تھے جن میں ایک باپ کی شفقت [illegible] محبت [illegible] ایک عقیدت و احترام کا [illegible] تھا۔ وہ انجمن [illegible] اور [illegible] اپنے سر کی سائبان کی طرح محسوس کرتے۔ انہیں خود [illegible] ہوتے [illegible] بھی وہ جانتی تھی۔

اور صاحبزادہ عبدالحق خان جن کے روپ میں اس نے پہلی بار جانا کہ بھائی کیسے ہوتے ہیں۔ [illegible] عظمت کرنے والا احساس [illegible] بھائی اسے دلوں میں عزت [illegible] کے حوالے سے موتیا بھی اور اس کے اندر سے اس اہمیت بھری جھلک کو ختم کرنے میں پہلا قدم اٹھایا تھا۔ موتیا خواص بھت کے نیچے اس کی پہلی دوست اور مسائل۔

صاحبزادی یا کسی خاص خاص کا سامنا کرنے میں اسے دقت ہوتی تھی۔ باہر جانے میں محل سے شادی کرنے کا فیصلہ اس نے چاہے جیسے ہی حالات میں کیا ہو مگر یہ فیصلہ اسے ان کے سامنے نظریں نہیں اٹھانے دے رہا تھا۔ اگر زندگی میں کبھی بھی اس کا سامنا ان سے ہوتا تو چاہے دلوں کے درمیان یہ رشتہ بھی محل کی واضح ہو جاتا۔ تب بھی وہ ان کے سامنے شرمندگی نظر آتی۔ اور ایک ایسی عورت تھی جس کا شوہر ہر اس کا دیوانہ ہو گیا ہے لیکن صاحبزادی یا کسی نے ایک بار بھی اسے اس کا ذمہ دار نہ ہونے دیا۔ وہ سب جانتی تھیں مگر انجان بنی رہیں۔ بھولے سے بھی ہار کا ذکر ان کے درمیان نہیں آیا۔ وہ لفظ کسے کے دل سے جاتی تھیں اور احسان مند تھیں ان کی [illegible] کا بدلہ یکا یہ اسے [illegible] تک [illegible] کہ کہیں بات نکلتے نکلتے وہاں تک نہ پہنچ۔

اور صاحبزادی محل صرف جس سے وہ سب سے زیادہ خائف تھی۔ جس کے بارے میں شرارتی سے بھی باتوں کی خوشبو اس نے پہلی بار تو کم پائی تھا کہ وہ ایک بے حد مغرور بے حس اور خود پسند لڑکی ہے اور یہ دیکھ کے اسے حیرت ہوئی کہ وہ سارے خرابے سے الگ ضرور ہے۔ باشعور اتنی ثبوت کرنے والی نہیں جیسے کہ باقی سب ہیں مگر اس کا رویہ اتنا خراب بھی نہیں تھا جتنا وہ توقع کر رہی تھی۔ وہ الگ تھلگ رہنے کی عادی تھی۔ اپنے جذبات کے اظہار میں بے حد کنجوس اور [illegible]۔

"تو کیا چھوٹی خالہ کہہ رہے تھے۔" وہ سوچنے لگی۔

موتیا سے اس کی بے تکلفی بڑھ گئی تو اس نے پوچھ لیا۔

"تمہیں خالہ معلومات نہیں پہنچاتی کیں۔ محل کیسی ہی تھی۔"

"کیسے نے جاتی ہے بتایا۔"

"کیسی؟" "اس کے بہت حد تک بدل گئی ہے۔"

"کیا واقعی انسان بدل جاتے ہیں؟"

"پتلی کو اور خاص طور پر اب بھائی صاحب کو دیکھ کے تو یہی لگتا ہے کہ واقعی انسان بدل بھی جایا کرتے ہیں۔"

"ایک مکمل تبدیلی [illegible] بھی بدل سکتا ہے؟"

"میں انسان کی بات کر رہی ہوں۔ تم جیسوں کا ذکر نہ کرنے بیٹھیں۔"

موتیا نے اسے [illegible] کا کہا تو اس کی ہنسی نکل گئی۔

"ہنسو اور خراب کرو اپنا [illegible] کر چھیڑ کے [illegible] اب میرے سوا میں رنگ بھرو۔"

"عمیمہ بھائی کا ذکر تھا نہ کہ؟"

اور وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

اس کی ہنسی ہنسی اور [illegible] کے درمیان اس کے دل [illegible] رہے تھے اس کے بعد دل کو ایک بے چینی سی لاحق تھی۔ [illegible] ہنسنے [illegible] مگر چھوٹی کی جانب سے خاموشی تھی۔ اس نے انہیں اپنا موقف سمجھایا [illegible] دل میں بیٹھ کر [illegible] کرنے کی سعی کی تھی اور وہ [illegible] حد تک قائل ہو بھی گئے تھے مگر ان کا ماں نہیں جا رہا تھا۔ وہ اپنے دل سے سب کچھ ایک بار پھر طے ہونے کے خوف کا کم نہیں کر پا رہے تھے۔

"اور اگر چھوٹی بھی اس خوف سے باہر نہ نکلے تو؟"

اس کے آگے اس کی سوچ کے دروازے بند ہو جاتے۔

بات خراب کا کئی روز کا اعتماد رنگ لایا۔

چھوٹی کا فون بھی آیا۔

"دولت میں نے تمہاری بات مانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پہلے میں اسے تمہاری بے کاری سمجھ کے ٹال رہا تھا لیکن پھر میں نے بہت سوچا اور مجھے احساس ہوا تمہارا فیصلہ بالکل درست ہے۔ اب بھی میں ہو یقیناً تو اب صاحب تمہارے ابا کے لیے گئے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے یا تمہاری خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے یا پھر اپنی خوشی کے لیے میرے آسان مدد ہوتے ہوئے اس پہلے سے طے شدہ رشتے کو ختم کرنے کی بات بھی نہ کریں گے لیکن ہو جائے اس رشتے کے بعد کے لیے ہو جائے تو میں چاہتا ہوں تمہارے ساتھ ہوں۔ نہ شاید اسے کچھ [illegible] تسلیم کر لینے میں [illegible]۔

میں تمہارا [illegible] ہوں [illegible] چاہتا ہوں تمہارے ساتھ ہوں۔ نہ ہوں۔"

"تو میں تمہارے ساتھ ہی ہوں گی چھوٹی۔ انشاء اللہ۔"

اس نے [illegible] اور طمانیت سے مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔

"میں نے تمہارا [illegible] آپ کا سر اونچا ہو گا اور میری خوشی [illegible] میں ہے۔"

"اب کچھ کتنا بدل گیا ہے موتیا۔"

"ہاں اس کو تمہیں [illegible]۔"

عمیمہ کی [illegible] کی بات پر موتیا نے [illegible] ادا کی اور کہتے ہوئے کہا۔

"[illegible] خوشی [illegible] بھول گئی [illegible]۔"

"[illegible] بنے کی ضرورت [illegible]۔"

اس کے [illegible] موتیا نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"[illegible] ہماری نماز بھی بری لگنے لگی۔ [illegible] ہو گئی ہو [illegible]؟ [illegible]۔"

"[illegible] زیادہ ہونے کی ضرورت [illegible]۔"

ایک [illegible] نے موتیا کی ساری شوخی ہوا کر دی اور وہ بل میں [illegible] ہو گئی۔

عمیص پہنچیں۔ اس کا ایک رم جھم تاثر پہ پکھلنے لگا۔ موتیا نے اس روپ میں سب سے زیادہ اچھی لگتی تھی۔

"کیوں شریف بنا ہے پہلوان باندھی ہو گئے دل پہ ہاتھ رکھ کے بتاؤ کبھی لہو تو نہیں ہوا؟"

"اچھی خیر اندیش میں پہنچنے لگا۔

موتیا بلا وجہ ہی چیاں ہنس پڑی تھی۔

"کیا چاند سی اور دمکے کو تو سمجھ لیا ہوں کو اور تم نے کھرب کھرب کے ہیرے الزام عائد کر دیا۔ پہ جیسے شرافت نافو کوئی لڑائی نہیں ہے۔ اس سے اچھا تھا میں اور ہی ہو جاتا۔"

"اب تم جیسے لڑکے پائیں کوئی اور طریقہ آتا ہوا؟"

"تجھے جیسے لڑانے کے کون کون سے طریقے ہیں تمہارے پاس آنسو ہو جا صاحب؟"

"ایک تو یہ ہے۔" اس نے اپنے لیے لیے نوکیلے ناخن دکھائے۔

"دوسرا یہ۔" اس نے تیز تیز رکھا ہوا ہاتھ اٹھا کے لہرایا۔

"اور تیسرا یہ! حضور!"

"ہاں میرے تیسرا ہتھیار زیادہ مہلک اور جان لیوا ہے۔"

وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"حد ادب۔" موتیا نے ٹوکا۔

"ایسے ہی ہے قطع نظر کمرے کے ماحول میں واقعی بہت تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اور خوشگوار تبدیلیاں۔" اس حضور اب کتنی خوش رہنے لگی ہیں۔ انہیں دیکھ کے احساس ہوتا ہے کہ دل کی خوشی بھی تمہیں کی محتاج نہیں ہے۔ ہار جاتی صاحب کے برداشت۔ آنسو کے ہوا انہیں وہ جہاں کے خزانے مل گئے ہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہو وہ جانے آنسو سے بھی بہت فرق پڑا ہے بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں نے پیشہ ایا حضور کو جس دل گرفتگی کے احساس تلے دبا پایا تھا اب وہ اس سے آزاد نظر آتے ہیں۔ شاید وہ اندر سے مطمئن نہیں تھے۔ خالہ حضور کا بھرم سمجھتے تھے خود کو ذلیل اب وہ اس کو اس کمرے میں لا کے اپنے ہر کوں اور خالہ حضور کی روحوں کے سامنے خود کو سرخرو سمجھتے ہیں۔"

"حیرت تو مجھے بھی یہ ہے کہ وہ بدل گئی ہے؟"

اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"ارے حیرت کیسے بدل گئی بھائی مرضی سے تم کبھی راضی ہی نہیں ہوتی تھی۔"

"تمہیں اس کے بدلنے پہ اعتراض ہے یا حیرت؟"

موتیا نے ٹوکا۔

"حضور کی۔"

اس نے تھا کسی نامل کے صاف گوئی سے بتایا۔

"اس کا بدلنا اس گھر کے لیے بلکہ ہم سب کے لیے تو اچھا ہے ہی موتیا مگر خود اس کے لیے بھی بہت اچھا ہے گا۔ تم جانتا ہے اس کی زندگی میں صرف اچھا ہی اچھا ہو گا۔"

"ہاں شاید اللہ اکبر حضور نے بچے دل سے کہا پھر خوش ہو کے کہنے لگی۔

"ہاں اب تمہیں سے ایک اچھا سا رشتہ بتایا ہے جو کل سر کے لائق ہو اور اس کے ساتھ بیٹھے۔"

"ابا آ تمہارا انتظار کر رہے ہیں جلدی آئے تمہاری۔"

"ٹھیک ہے کوئی جلدی نہیں آہستہ آہستہ کہہ دینا میں ساری تم تمہارے ساتھ دماغ کھپانا تھا۔" وہ ہنسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے کوئی چارہ تو نہیں لیکن ایسی بے قراری بھی نہیں ہے کہ ایسے سوچوں اتنا اس گھر

میں تین تین شادیاں اکٹھی ہوں تو کیا لگے گا! مرحبے سے یہاں ڈھولک کی تھاپ نہیں پڑی۔ اب تو آپا حضور کی شادی بھی ذہن سے بھولنے لگی ہے۔"

"ہوں۔" مگر کا ناغہ اس عمر میں یہ واحد بیٹی ساتھ چھوڑ جایا کرتی ہے۔"

"فضول باتیں مت چھوڑو۔ سر جو کیا لگے گا؟ کتنی رونق رونق کی اس حویلی میں۔"

"ہاں رونق سے تمہاری بھی نہیں رونق کے بارے میں کیسی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟" اس کی آنکھیں پہ ہو گئی۔

"اور وہ کیا جو تمہارے اور میرے بچے کھیل اور ماں کے بچوں کے ساتھ کھیل کے لگا میں گے۔"

"ایک نمبر کے لفنگے ہو تم۔"

وہ ناراض ہو کے اٹھ گئی۔

"اسی حضور کو بتا چلا کہ دل کی ہونے والی سوا اس قدر دیوانہ ہے اور اپنے ہونے والے مجازی خدا کے سامنے اتنی خفا تھی اور بے اپنی کا ظاہرہ کر لیا ہے تو تنقید مسرور ہو گا اتنا ہے۔"

وہ بات روکنے کے لیے اور بھی انسانا رہا مگر اس بار اس نے کسی قسم کی شرارت کی پہ کان نہ دھرا اور سیدھی اپنے کمرے میں آ کے رکی۔

❀ ❀ ❀

"اتفاقی حادثے کی آڑ میں انسانی اسمگلنگ اور انسانی فروشی کا مذموم کاروبار کرنے والا ملک مقبول رات گئے انٹرنیشنل ٹرک نوری کے آپریشن میں گرفتار۔"

وہ اخبار اٹھاتے ہی اس سرخی پہ اٹک گئی تھی۔

اس کی نظریں بے قراری سے تفصیل پہ چلنے لگیں۔

"ملک مقبول جو ایک مشہور نمبر ساز ٹریکٹر آرگنائزر اور پروموٹر ہے درحقیقت ان سب کی آڑ میں ایک عرصے سے وہ غیر قانونی مگر سرعوں میں ملوث تھا۔ کمشنر پولیس کی خاص ہدایت پہ رات دو بجے ایک خاص مخبر یقین کے نتیجے میں نہ صرف اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا بلکہ بہت سی مطلوبہ خواتین کو بازیاب بھی کرا لیا گیا۔ ملک مقبول کے ہاں خفیہ ٹھکانے سے بھاری مقدار میں منشیات اور اسلحہ بھی برآمد ہوا ہے اور اس کے خلاف جعلی کرنسی اور جعلی پاسپورٹ کی ایک بڑی جعلسازی بھی۔ اس خفیہ اڈے کی نشاندہی کرنے والے شخص نے پولیس سے اپنا نام صیغہ راز میں رکھنے کی درخواست کی تھی لیکن پولیس اور عوام اس کے اس نقطہ نظر پہ دل سے ممنون ہیں۔"

"کون ہو سکتا ہے؟"

وہ اخبار ایک طرف رکھ کے سوچنے لگی۔

اتنے میں صاحبزادی یاسمین تلاوت کرنے کے بعد قرآن پاک اٹھائے اس طرف آ گئیں۔

قرآن پاک جزدان میں رکھنے کے بعد وہ ماں کے پاس بیٹھیں۔ اور اخبار اٹھا کے پڑھنے لگیں۔ وہ اخبار نظر اٹھا کے ان کی دلچسپی بھی اسی خبر میں تھی۔

صاحبزادی یاسمین اخبار پڑھتے پڑھتے ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھیں اور ماں کا چہرہ جس پہ لمحہ بہ لمحہ فخر و اطمینان کے رنگ اتر رہے تھے ایک طمانیت بھرا احساس ہر نقش پہ پھیلا جا رہا تھا۔

وہ اگلے تو بل سمجھ گئی کہ پولیس کے ساتھ یہ تعاون کرنے والا شخص کون تھا۔

یہ یقیناً ابا جان مقبول تھے جس نے اپنے گناہوں کی تلافی خاص عقیدت کر دی تھی۔ وہ توبہ کی راہ پہ اپنا قدم اٹھا کے توبہ کرنے والا تھا۔

کسی خبر سے کب اللہ کے ہدایت دے۔ اس پہ اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

☼ ☼ ☼

عمیص الجھن میں تھا کہ نواب صاحب تک بلقیس بیگم کا پیغام کیسے پہنچائے۔ پہلے تو وہ خود ہی اس عجیب و غریب پیغام پر دنگ رہ گیا۔

"میں بالکل ہی رہی ہوں۔ بلقیس بیگم شہزاد ملکہ کی ماں جنہوں نے اپنی کوشش سے دونوں کو میں اپنے بیٹے کا رشتہ ان کی بھانجی دعا کے لیے لے کر آئی ہوں۔"

وہ حیران اس بات پر تھا کہ شہزاد اور دعا کی شادی تو تقریباً طے تھی پھر نئے سرے سے یہ رشتہ مانگنے کا سلسلہ شروع کرنا اور وہ بھی بنا حضور سے۔ انہوں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا یہ سب جانتے تھے مگر اس دل سے اس کا اظہار نہ کسی کو نہ تھا۔ کیونکہ انہوں نے اب تک یہ اپنا رد عمل ظاہر نہ کیا تھا نہ ناگواری نہ خوشی گو اس تکلیف شہزاد ملک و ایک بار پھر اپنی پوزیشن پر سوال کرتے ہوئے بنا یقین ان کے لیے خوشگوار نہیں ہو گا۔

بنا دی۔ اس نے اپنی الجھن رفع کرنے کے لیے دعا سے رابطہ کیا جس نے اسے اعتماد میں لیتے ہوئے ساری بات

"میں بھائی کا فیصلہ نہیں بدلنا چاہتی ہوں عمیص بھائی! اور اس کا ہی ایک راستہ ہے۔"

"مگر کیا حضور۔ تمہیں ان کے بارے میں ابھی سوچنا چاہیے تھا۔ شہزاد کے لیے تمہاری محبت کی میں قدر کرتا ہوں لیکن کوئی بھی بہت اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی کہ۔"

"محبت خود غرض ہو ہی نہیں سکتی عمیص بھائی!"

دعا نے فوراً بات کاٹ کر اپنے عمل کی مزید وضاحت پیش کی۔

"میں نے ہر طرف سے سوچ کر ہی یہ قدم اٹھایا تھا۔ اگر مجھے ذرا سا بھی اندیشہ ہوتا کہ ماسیل جان کو اس سے رنج پہنچ سکتا ہے یا ان کے دل کو ٹھیس لگ سکتی ہے تو میں کبھی ایسا نہ کرتی۔ لیکن بہت ایسا کرنے سے صرف بھائی کا دکھ دور ہو جاتا اور وہ مطمئن نہیں ہو گا بلکہ ناہید کی وفات کے بعد ماسیل جان کو جو پشیمانی ہے اس کا خاتمہ بھی ہو گا۔ اگر انہیں اب بھی بھائی سے کوئی پرخاش ہوتی یا میرے ان کے رشتے پر اعتراض ہوتا تو یہ اعتراض اب تک ظاہر کر چکے ہوتے مگر ایسا نہیں ہے۔ یعنی اب ان کا نظریہ ان کی سوچ سب بدل چکے ہیں۔ صرف اس تبدیلی کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں موقع چاہیے اور یہ موقع انہیں اس طرح مل سکتا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"مگر بھابی۔ ان کے لیے یہ بہت ضروری ہے اور میں بھی ان کے اور آپ لوگوں کے درمیان رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ سے شادی کر لینے کے بعد بھی اس خاندان سے ناتا جڑ جانے کے بعد بھی وہ خود کو الگ تھلگ ہی سمجھتے لیکن اگر یہ رشتہ ماسیل جان کے ہاتھوں استوار ہو گا تو شاید۔"

عمیص پسندیدہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس میں اسے بڑی حد تک موتیا کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ وہی سادہ سی خوبی نوٹ کرنے والی۔ ویسی ہی خلوص اور بے غرضی۔ ہاں موتیا میں دعا کی طرح فوراً فیصلہ کر لینے اور پھر اس پر ڈٹ جانے والی صلاحیت نہیں تھی۔

"پیارا لگ رہے ہیں عمیص بھائی!"

"تو یہ بتاؤ کہ تم سب سے اتنی چھوٹی ہونے کے باوجود کتنی سمجھ دار اور معاملہ فہم ہو۔"

"میں میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ مکمل اس دنیا کا ہے جس نے معصوم اور سیدھی سادی دعا کو اڑا دینے کے لیے ثبات کے سارے دروازے کھلوا دیے اور مجھے تو اس کی تربیت بھی ڈھنگ سے میسر نہ آ سکی تو مجھے کوئی اونچ نیچ سمجھانی دینا بہت کا سلیقہ

بتلاتی۔ ابھی کڑیوں سے کھیلنے کی عمر تھی کہ امی سے ساری دنیا سے کٹ کر ٹیک دو کمروں کے گھونسلے سے کوارٹر میں پلنے بڑھنے والی اکلوتی سال دعا کی بہن تھی جو آج آپ کے سامنے ہے۔ اس دعا کو تو کسی کے عام سے سوال تک کا جواب درست نہ آتا تھا۔ یہ دو سال میں دو سالوں نے درست کر دکھایا ہے مجھے۔"

"ان دو سالوں کو محض جاؤ دیتی ہے اگر یاد رکھنا ہے تو ان دو سالوں کے حوالے سے صرف کچھ اچھی باتیں یاد رکھیں۔ کہ ان دو سالوں نے تمہیں وہ دیا ہے جو ساری دنیا سے کٹ کر دو کمروں کے کوارٹر میں رہتے ہوئے تمہیں کبھی نہیں مل سکتا۔ یہ عقل و شعور یہ زمانہ شناسی ہے۔"

"اور چھوٹی بھابی۔ نگلے اور آپ سب۔"

وہ کھل کے مسکرائی۔

"یہ ہوئی نا بات۔ اب لگ رہی ہو تم صاحبزادہ عمیص علی خان کی ہمشیرہ۔ بالکل اسی کی طرح ہر چیز کا روشن اور مثبت پہلو دیکھنے والی۔"

وہ اس کا سر تھپک کر پوچھنے لگا۔

"نواب ابا حضور کو یہ اطلاع۔ کیا یہ مرحلہ بھی مجھے ہی سر کرنا ہو گا۔"

"کرنا تو ہو گا۔"

اس نے شانے اچکائے۔

"کیا یہ تم سب کی سب بہنیں ہر مشکل اور کڑے مرحلے میں مجھ بے چارے کو کیوں آگے کر دیتی ہو۔ کیا تم کو سوچنا اور کرنا نہیں۔" وہ بے چاری سے کان کھجانے لگا۔

"بھائی ہو تم کس لیے ہیں۔" اس کی مسکراہٹ میں جان تھا۔

"قربانی کا بکرا بنانے کے لیے۔"

عمیص نے عمل کے لیے کچھ خیال آتے ہی چونک گیا۔

"ارے لڑکی۔ یہ کیا۔" خوشی سے موتیا کو بھی میری بہنوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ میں بلاوجہ ہی تمہاری کچھ داری کے لیے کوشاں تھا۔ تم تو ایک دم کوری ہو۔ فقط۔"

وہ ہنسنے لگی۔

عمیص نے کاٹ کھاتے ہوئے لہجے کو کڑا بنایا۔

"چل چل عمیص رہنے دے اچھی۔"

اس شام صاحبزادہ عمیص علی خان گھر لوٹے تو دو بعد خاصے خوشگوار موڈ میں تھے بلکہ بہت پرجوش بھی لگ رہے تھے جیسے کوئی خاص خبر سنانے کے بے چین ہوں۔ ان کی اس کیفیت کو صاحبزادی حرمت النساء نے بھی محسوس کیا۔ آخر اتنے برسوں کے ساتھ نے مزاج آشنا تو بنا ہی دیا تھا۔ ان کی وہ بھی جانتی تھیں کہ بات جتنی بھی اہم کیوں نہ ہو۔ وہ بے تابی کا مظاہرہ کبھی نہیں کرتے۔ گھر آتے ہی بیٹی کو کوئی خبر فوراً سنا دیں ان کی عادت نہیں۔ یقیناً وہ اپنے تازہ معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ہی تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

وہ کچن میں جا کے سوتیا کو ہدایات دینے لگیں۔

"چائے کا پہلی چڑھا دیجیے۔ آپ کے ابا حضور تشریف لے آئے ہیں۔ غسل سے فارغ ہو کے دیوان خانے میں گئے مگر ابا کا انداز ہے کہ آج وہ کھانا بھی معمول سے ذرا جلدی ہی نکال کرنا چاہیں گے۔"

"جی امی حضور دال کی گھوٹا لگا رہی ہوں۔ چاول دم پر ہیں اور کباب آج ماسی نے بنائے ہیں۔ بس سلاد وغیرہ رہ گیا ہے وہ میں پلیٹ کا تیار کرتی ہوں۔"

"ایک کپ چائے میرے لیے بھی بنا دینا۔"

عمیص نے اندر جھانک کے کہا۔

"ہوں چچا حضور کی چائے کے ساتھ تکلف میں ہی بھول گیا۔"

"کیسی لگی۔ مجھے ہوتے آتے ہیں یا حضور آپ تم جا کے ہاتھ چاہو گے۔"

وہ اس کے اس اہتمام سے ان کے ساتھ چائے پینے کا سن کر ہی ٹھٹک گئی تھی مگر صاحبزادی مرمت اعلیٰ نے کھور کے دیکھا۔

"اوں ہوں۔"

دونوں کے رشتے کی نوعیت بدل جانے کے بعد ہوتا کا اس طرح عصیں سے بدو تو تکرار کا پتہ نہیں لگتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

چائے لے کر وہ عصیں اندر گیا۔

"ہمارا نواب صاحب اسے دیکھ کر ہوں گے اور برا سا منہ بنائے ہوئے۔"

"ہوتے آئے عصیں میاں اب تو آپ اپنی چچی حضور کی طرح ہمارے دل کی بات بھانپنے لگے ہیں۔"

ان کے خوش ہونے سے کہتے۔ وہ جھینپ سا گیا۔

"ارے چائے۔ یہ تو دراصل چچی حضور نے ہی بھولی ہے۔"

"ہم چائے کی نہیں آپ کی دل کی بات کر رہے ہیں۔ دراصل ہم ایک اہم بات کرنے کے لیے آپ کو بلانے والے تھے۔"

عصیں نے فوراً ہی ان کا چہرہ دیکھا۔ فکر پریشانی یا تشویش والی کوئی علامت نظر نہ آئی تو مطمئن ہو گیا۔

"کوئی بات کرنے کا اس سے مناسب موقع کوئی اور نہیں۔ آج تو چچا حضور کا موڈ بھی اچھا ہے۔"

اس نے دل میں سوچا اور گلا کھنکھار کر تمہید باندھی۔

"حضور پہلے بھی ہم نے کئی بار۔ بلکہ بات کیا صرف ایک بات۔ بلکہ صرف ایک بات کیا چاچی حضور کہ اس اتوار کو آپ کی نیا مصروفیات ہیں؟"

"اس اتوار کو تو سب اہم مصروفیت ہے۔ نہ صرف ہم بلکہ آپ بھی خاص۔"

"قطعی کا ایک مدت چچا حضور کہ اس اتوار کو آپ کا تھوڑا سا وقت چاہتا ہوں۔"

"اتوار تو ہمیں میاں۔ اتوار کو تو ہمیں آپ کا وقت درکار ہے۔ کچھ خاص لوگ ہمارے یہاں تشریف لا رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ان کا استقبال اور خاطر داری ان کے شایان شان اور ہماری روایات کے مطابق ہو۔"

عصیں کا دل بجھ گیا۔ ظاہر ہے اگر وہ اپنے دوستوں کو اس اہم دعوت دے بیٹھے ہیں تو شہزادہ نقی ان کی اکلوتی سے ملاقات نہیں کریں گے۔ اسی بے دلی کے ساتھ اس نے پوچھا۔

"کیسے مہمان چچا حضور؟"

"شاہزادی گل عرعانہ کا پیام لے کر آ رہے ہیں۔"

"گل کے لیے؟"

اس کی ساری سطح ناری ہو گئی۔

"کون لوگ ہیں؟ کیسے جانتے ہیں گل کو؟"

"نواب حشمت بخاری۔ عرعانہ سے ہماری ملاقاتیں رہتے ہیں۔ ان کے۔۔۔"

"مگر ان کے سب بیٹے تو شادی شدہ ہیں چچا حضور۔ ہاں اچھی طرح واقف ہوں ان سے۔"

اس کے بات کاٹنے پر نواب صاحب نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بھئی ہمارے اپنے صاحبزادے نہیں مگر ان کے بھائی کے اکلوتے اور ہونہار پیام آیا ہے۔"

"راشی۔۔۔ گل۔"

"نواب۔ ہمارے گل بخاری نام سے ہی دل کو بھا رہے ہیں۔ ان کے والد حیات نہیں ہیں۔ والدہ حسین بخاری

نے بڑی محنت تربیت کی ہے اور اعلیٰ تعلیم دلائی ہے۔ نواب صاحب بتا رہے تھے کہ ان کی یہ بھانجی خود بھی اپنے والد کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑے اخلاق کی جانتی ہیں۔ آپ گھر کے باقی لوگوں کو بھی اطلاع کر دیجیے اور اپنی چچی حضور کو ہمارے پاس بھیج دیجیے ہم ان سے تفصیلی بات کرتے ہیں اور اتوار کے لیے مناسب انتظامات کراتے ہیں۔"

چائے کا آپ خالی کر کے رکھنے کے بعد پھر سے لیٹنے کی تیاری کرنے لگے تو عصیں کو جیسے ہوش آیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"چچا حضور میری بات ادھوری رہ گئی۔"

"فرمائیے۔"

"اتوار کو آپ اور لوگ بھی ہمارے ہاں آ جا رہے ہیں تو ہم اور ان سلسلے میں آنا چاہ رہے تھے۔"

"اسی سلسلے میں؟"

ان کے ماتھے پر سوچ کی شکنیں نمودار ہوئی پھر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"مہمانوں کو آنے سے روکنا شرافت کے اصول میں شامل نہیں لیکن وہ کہا ہے کہ ہمارا دل گوارا نہیں دے رہا ہے کہ صاحبزادی گل کے لیے اس سے معزز شخص کو بلا اور نہیں ہو گا۔ ہم کسی دوسرے رشتے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے تو ملنے کا ارادہ ہی نہیں۔ اور بھی ہی مناسب لوگ آ رہے ہیں عصیں میاں! آپ مناسب لحاظ کریں۔ معذرت کر لیجیے۔"

وہ خود ہی اندازہ لگا کر کہ اتنی لمبی بات کر گئے اور عصیں کھڑا ہو رہا ہو۔

"چچا حضور اور شتے کے سلسلے میں ضرور آ رہے ہیں مگر گل کے لیے نہیں۔ وہ۔۔۔"

"تو کیا۔۔۔؟" وہ حیران تھے اس کی دانست میں تو سوتا اور جاگتا وہ گل تھے۔

"دعا کے لیے۔"

"دعا۔ شہزادی دعا۔"

وہ اچھے سے دہرا کے رہ گئے۔

"تو تب انہیں بتا دیجیے کہ ان کی نسبت۔۔۔"

وہ بات مکمل نہ کر سکے اور سر تھامے کمرے میں چلے گئے۔

اشتراک کی بالادستی میں زندہ کا ہاتھ تھامے تھپ کے پاس تھا چاہ رہی ہیں۔"

بالآخر اس نے کہہ ہی دیا اور خواہش کے باوجود نواب صاحب کا رد عمل دیکھنے کے لیے رک نہ سکا۔ آخری لفظ ادا کرنے کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر تھا۔

☆ ☆ ☆

"آج" وہ کل میں زندہ تھا
وہ "کل" آج میں زندہ ہے
وہ "کل" ہو "آج" کے ساتھ گیا
وہ "کل" جو ابھی آنکھوں سے
گزرے تھے اور آنے والے تھے "کل" نہیں ہوتے "کل" تھے!
ان کا کوئی وجود نہ ہوتا
ہم اور تم بے امان رہتے
"آج" اگر موجود نہ ہوتا
ممکن ہے "آئندہ" صرف اک خواب ہو نہیں کی
"خیالوں" میں چھپتے دل ہماری آنکھیں ڈوب جاتی ہیں!
ہو سکتا ہے

"لمحہ" کو دیکھ لیجیے
بھید بھری اس آنکھ کے اندر
چھپا ہوا آئینہ ہوا
"آئینہ" کے سینے پہ پڑی ہے غیب کی چادر جس کے ڈال، ماند و اجنبیت، بچپن کی کہانیاں، حیران سیرتے
اٹھ جائے تو ہو سکتا ہے
ہم میں، تم میں اور تمہارا
اک اک لمحہ زندہ ہو
(روشن اور تابندہ ہو)
لیکن یہ بھی دھیان میں رکھنا
ہو سکتا ہے آنے والے کل میں ہمارا "آج" نہ ہو
اور اس کی جگہ
ایک ایسے وقت کا سایہ سارا قصہ ہو جو
ماضی، حال اور مستقبل کے
تین کناروں والے اس دریا سے یکسوں باہر ہو
ماضی، حال اور مستقبل
تین کناروں والے اس دریا کے اندر
اپنا اپنا موجیں مارتے چلتے ہیں
پھر اس لہروں میں ملتے ہیں
"آج" کے پل پہ رک کر آگے پیچھے دیکھ
روشنی اور تاریکی شاید
ایک ہی ڈال کے تتے ہیں
لمحوں کا یہ فرق نظر کا دھوکا ہے
وقت کی اس "تار آج" کے سیاب میں شاید
"آج" ہی واحد لمحہ ہے!!!
عمر رواں کی دشت میں کھو جانے والی آنکھ ٹھہرا
"آج"
اس شہر میں اترنے والی صبح کی صبح کتنی منفرد کتنی سہانی ہے۔ سب دھندلے آئینے جگمگا رہے ہیں اور ہر جگمگاتے آئینے میں ایک انوکھا منظر نظر آ رہا ہے۔

یہ منظر ہے اندرون شہر کے اس پرانے قدیم محلے کا جس کی تنگ و طویل سی گلی کے آخری سرے پر ہی بس کنٹرول کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا یہ منظر کالنہ نواب ہے۔

وہی مختصر کمرہ ہے۔ وہی کتنی کا سامان ہے۔ وہی سفید پوشی مگر آج اس آئینے میں نظر آنے والے سارے چہرے دمک رہے ہیں۔

نواب صاحب اور شمشیر ایک جانب بیٹھے اپنا ہوم ورک کر رہے ہیں۔ سیاب کی موجودگی نے ان کے چہروں پہ خوف و ہراس نہیں پیدا کیا تھا بلکہ ان کے چہروں پہ پھیلی مسکراہٹ سیاب کے اندر تک طمانیت اتار رہی تھی۔

صاحبزادی یاسمین کتنی کے پاس بیٹھی اسے کتابوں کا سوال پوچھ کر سنا رہی تھیں۔

"جس طرح ہوتے کے بعد بکواس بریاں والے اور دیوار رکھنے۔ اس کے بعد ایک ڈیڑھ چالیس ڈال کر

درمیانی آرٹیکل میں رکھ دیجیے اور جاکے اپنے اور بھائیوں کا اسکول کا نیا فارم جمع کر لیجیے۔"

"لو بھئی تم نے یہ سرکوسی کیا تھا۔"

بیٹی نے اس جواب پہ وہ مطمئن ہو کے دھیا کرنے لگیں۔ دلکش کا آنکھوں جماعت کا تیجہ خاصا اچھا رہا تھا۔ امتحانات اس نے اپنے نانا جان کے گھر قیام کے دوران دیے تھے۔ اپنے باپ سے چھپ کر۔ اور اس کی کامیابی کے نتیجے کے بعد باہر خود جا کے علاقے کے کرکر کالی اسکول میں نویں جماعت میں اس کا داخلہ کرا کے آیا تھا۔

صاحبزادی یاسمین نے دھیا اس کے ٹکٹ رکھا اور خود باہر تک آئیں جو سیتر بنم راز خاموشی سے سب کی مگر یہاں دیکھ رہا تھا۔

"آئیے ہم آپ کی باتیں دیکھیں۔"

باہر کے نزدیک بیٹھ کے اصول نے اس کے پیر پلی کو میں دبانے کی غرض سے رکھے چاہے مگر اس نے فوراً سمیٹ لیے۔

"کچھ نہیں ہوا میری باتوں کو۔ تم لمحہ آرام کرو۔ کمر اکڑ گئی ہو گی۔"

"ہماری کمر کو کیا ہوا ہے۔"

"ہمارا دن سخت بیٹھی سلائی کرتی ہو۔ اب فرصت ملی ہے تو میری باتیں دبانے لگی ہو۔"

"آپ بھی تو سارا سارا دن کھیل جاتے ہیں۔"

"ہمیں پڑھنا ہوں نہ سائیکل نہیں۔ دکھوں کو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ مزے سے پڑی رہتی ہیں۔"

"ہم بھی سلائی ہاتھ سے کرتے ہیں اکر سے نہیں۔"

"ہوئے دیا یاسمین بیگم! تمہیں تو جواب دینا بھی آ گئے اور وہ بھی کرارے۔ چلیے تیار ہو جائیے ہمیں اپنے سسرال حاضری لگوانا ہے۔"

وہ خوش دلی سے ہنسا۔ اس کی ہنسی کا ساتھ دینے کے لیے صاحبزادی یاسمین دوپٹے کا کونا دانتوں تلے دبائے مسکرائیں۔

● ● ●

اور یہ منظر ہے صاحبزادہ تفیس علی خان کی حویلی کا جس کی رونق اور چہل پہل کا آج دوگنا رنگ ہے اور ہے۔

الکلو سی نوجوان کے کاچاسے دھاری دار جامہ وار کے سرخ نور دار اور مبز کرتے میں پتہ ہوا دیا لیے سندی سے ہاتھ پیر اور نوری سے لب و رخسار کے ساتھ ہی پھر رہا ہے۔ صاحبزادی بلقاعت نسا سفید رنگ غرارہ پہنے سب سہیلیوں کے درمیان بیٹھی ہیں۔ سفید پہنے دوپٹے کی گل ہی موتیا نے سفید ٹانک کے دی تھی۔

"صاحبزادی یاسمین آپ تک نہیں آئیں؟"

"جائیں گی انہوں نے بڑا اتفاق کر سے سرکو لکھیں گی۔"

"مہمان آ چکے ہیں۔"

نواب حشمت پٹھانی اپنی بیگم اور بھائی تفصیل یقظانی کے ہمراہ بیٹھے خوش گپیاں لگا رہے ہیں۔ کل مہر کو نیلی نظر میں بیٹھنے کے بعد کی باتوں نے اپنا اعتبار دے دیا ہے۔

اللہ دعائے اور شہزادملک کے درمیان بیٹھی تفیس بیگم کو جب تیسری بار اللہ دعائے نے ضوا کہا تو کہنے لگی۔

"بھائی صاحب! بچوں کا نہ اور بیٹا بات ہے مگر آپ کی محبت اور عزت افزائی کے کام صلہ لازمی ہے اور وہ کہ میں اپنے بیٹے شہزادملک کے لیے آپ کی دعا۔ میرا مطلب ہے ہاتھ مانگنا چاہتی ہوں۔"

نواب صاحب کو "آپ کی دعا" کہتے ہوئے اس کا دل بری طرح ڈوب گیا تھا جسے کلیجے سے لگائے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ وہ آج پرائی ہو گئی تھی۔ دوسرے کی کسی اور سے کا نام پہ تھا۔

نواب صاحب نے مسکراتے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی۔ وہ سر ہلاتے کچھ سوچنے لگے۔

شہزادملک کے چہرے پہ سفیدی اترتے ہوئے سب کو نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپانے

کے لیے چیز۔ اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر لی۔

"ممن صاحب، صاحبزادی رضا آپ کی امانت ہیں۔ جب آپ کا دل چاہے لے جائیے۔ ہمیں خوشی ہے آپ جیسے شفیق خاندان کو سونپتے ہوئے اور شہزادیاں جیسے بلند اقبال اور اعلیٰ کردار نوجوان سے ان کا رشتہ استوار کرتے ہوئے دوہری خوشی ہوگی۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے جواب دیا تو محفل میں جیسے نئے سرے سے جان پڑ گئی۔ شہزادہ کے چہرے پر بے حد آسودہ مسکراہٹ تھی۔ ہر کسی کی نگاہیں دعا کو تلاش کر رہی تھیں۔

مبارک سلامت کا شور کہ نے میں پوری تھی دعا اور گل نگہ بھی جا چکے تھے اور پوان خاص کے بعد ہی اندر لوٹی سوچ نے زنجیروں کے ٹکڑے ہیں اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"اوہو! چھپ کے جائیں سنی ہماری ہیں۔"

عصمت بجانے کس وقت اندر سے نکلا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"شش۔" سوچ نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس بار عصمت بھی اس رخصت میں اس کے ساتھ شامل تھا۔

"ہمارا خیال ہے عید کے اگلے ہفتے شادی کی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔ بجائے سنتی وغیرہ کا سلسلہ شروع کرنے کے۔ جب ہم نے آپ کی امانت آپ کو سونپ دی تو پھر اپنی رائے کیا پیش کریں۔ آپ کی بیٹی ہیں جب جی چاہے لے جائیے۔"

"بھائی صاحب، دونوں فرض ایک ساتھ ادا کر دیں۔" چلتے چلتے بھی چل کے کہا۔

"اگر بھائی اللہ وسائے کو کوئی اعتراض نہیں تو ہم راضی ہیں۔"

"ہمیں بھی کون سا اعتراض کرنے والا۔"

دوبارہ کے بوکھلا کے رہ گیا۔

"آپ بالکل ہیں رہا جائیے۔ آپ کا حق سب سے پہلا ہے۔" نواب صاحب نے اس کی طرف سے ہی ادائیگی کر دی۔

"یہ کیا۔۔۔ بڑی کی بھی کر دی۔۔۔ چھوٹی بھی بیاہنی ہے۔ اجملی کا کسی کو دھیان ہی نہیں۔"

عصمت نے احتجاج" نواز دیا کی۔

"شش۔۔۔ چپ۔"

"چپ رہنے کو نہیں جانے دو مجھے" وہ چیخنے لگا۔

"پاگل مت بنو" وہ نواز دیا کے چپ رہی تھی۔

"ہم نے اپنی صاحبزادی الیاس خان کا عقد اپنے بھتیجے صاحبزادہ عصمت علی خان سے کرنے کا ارادہ بھی انہی دنوں میں کیا تھا۔ جلی عید کے فوراً بعد۔۔۔ سوچ رہے ہیں اب ایک نہیں تین تین فرائض سے سبکدوش ہونے کا موقع پورا کر لے دیا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں ہم۔"

نواب صاحب کی آواز اس کے پیچھے دم توڑ گئی۔ سوچ کو سانس لیتے ہوئے سوچا تو دیکھے گا۔

"شکر ہے بزرگوں کو وقت خیال آگیا ورنہ ہمیں تو بغاوت کا موج رہا تھا کہ ہم نے خیال آگیا۔"

"ہمشیرہ کیسی؟"

دلوں کی بدخوشی چھپائے چھپ رہی تھی کہ رہی تھی۔

آن لائن لائبریری

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

مگر نواب صاحب کو شکستہ قدموں کے ساتھ پلٹتا دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ان کے انداز میں بار تھی رکھ تھا اور شاید شرمندگی بھی۔

ان کچھ کہہ چکنے کے جواب عمیص کو احساس ہوا کہ اس کے اقدام اس کے چچا حضور پر کہیں بے رحم انداز میں اثر انداز ہوئے ہوں گے۔ وہ سر کرا کے بیٹھ گیا۔ فضا میں بس صاحبزادی یاسمین کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"یار! یہ یونیک نہ رہ سکے ہے ایک تو عام پہننے والے اور میانے درجے کے سوٹ کی قیمت ساڑھے چھ سو تک ہے جو میرے خیال میں مناسب ترین ہے دوسرا سوٹ خریدنے۔ تیسرا فری ملے گا۔" ناشتے سارا چائے پینے کے بعد بالا خر ایک یونیک کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور دعا تو پیسے تھی ہی کے مشورے سے شاپنگ کرنے آئی تھی۔ اس نے کاٹن کے دو سوٹ منتخب کیے ایک بنگالی کاٹن جس پہ نیلا کمرے رنگ کے دھاگے کا ہلکا سا کام دامن اور آستینوں پہ تھا ٹائی اینڈ ڈائی ہونے کے ساتھ دوسرا سیون کلر کا شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر والا سوٹ جس پہ بلیک تیل ورک تھا۔ تیسرا سوٹ خوبی ملا ویسٹ لان کا کرتا شلوار تھا جس کی کلیوں اور گلے پہ سفید ہی دھاگے اور سلور تلے کا شیشی کام تھا۔ سستے میں اچھی شاپنگ ہو جانے پہ مسرور ہوئی۔

"بھابھی! کام کیا میں نے نہ تمہارے ساتھ چلی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ اچھے ریڈی میڈ سوٹ سینگے پڑتے ہوں گے لیکن اس کی بجائے میں ان سوٹوں کو ترجیحی کر رہا ہوں کہ پیکنگ کے دوپٹے لیتی بھرپور رنگ کے جیسے دلی نشانہ ساڑھے چھ سو سے اوپر ہی ملتے ایک دو ڈیزائن۔"

"اور اب تو ہر سوٹ چار ساڑھے چار سو روپے میں پڑا ہے۔ یار لنکشن کی حد تک تو ٹھیک ہے پیسے کمانے کے لیے پیسے لگانے بھی پڑتے ہیں لیکن عام پہننے کے لیے یہی ٹھیک ہیں۔ البتہ چھیل اور ریڈی میڈ میں یہاں مہنگی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں آگر تم تھکی نہیں ہو تو یہاں سے ہوٹل چلتے ہیں۔ آج افطار ہے وہاں سے کنگلے شرابوں پیسے تو بند ہوتے ہیں مگر تیل لگا کر دو اضافی سوالی خاصی معیاری چیزیں باہر اسٹال لگا کر بیچتے ہوتے ہیں۔ کچھ آئی ٹیل جیولری بھی بیچ کر لیں گے۔ اور ہاں کیل کے تو ضروری کھانے ہیں۔"

"ایک منٹ ذرا۔ بس کچھ دیر کے لیے ٹیکسی کی تلاش میں شاپنگ بیگز اٹھائے چلتی رہا اچانک ہمت پوری ہو گئی سامنے رک گئی اور تاکہ سے جھک گئے ہوئے اندر جانے کا کہا۔

"ارے یار یہاں جانے کیا کرو گی؟ آزادہ تو صرف استعمال کی چیزیں ہوتی ہیں کپڑے ہوتے جلتے نہیں۔ ہاں لیمز کے لیے امپورٹڈ شرٹ اور کاسمیٹکس کی خاصی ورائٹی ہے لیکن اپنی پہنچ سے باہر ہے بھئی۔ ساری بجٹ پوری ہو جائے گی اگر تو نے یہاں سے ایک معمولی سا لپ بھی خریدا تو۔"

"تم تو بس یونہی ڈرتی ہو۔" وہ اندر گئی۔

نگاہ یونہی وقت گزاری کو پرفیوم سیلیکٹ کرنے لگی جنہیں خریدنے کا اس کا قطعی کوئی ارادہ نہ تھا اور وہ ایک جنٹلمین والے پورشن میں چلی گئی۔ جب وہ بے منٹ گزر رہی تھی تو نگاہ جنٹلمین کے سارے کاؤنٹر پہ آئی۔ ایک بڑی سی تھیں اور چھوٹا سی قیمت ٹائی "جنٹلمین اور ٹائی پن کے ہمراہ خوب صورت پیکنگ میں تھی۔ وہ حیران رہ گئی اور دعا کو اس کے لیے ساڑھے تین ہزار کی ادائیگی کرتے دیکھا تو نہ رہ سکی۔

"یہ بھیا؟ تم اپنے بھائی کے لیے تو نہیں لی ہو گی۔"

"ظاہر ہے۔" وہ مسکرائی۔

"یعنی کہ یہ تحفہ ان دوسرے صاحب کے لیے ہے جنہیں تم اسے پوشیدہ رکھنا چاہ رہی ہو۔"

"ہاں۔" مختصراً کہہ کر اس نے ٹیکسی کو ہاتھ دیا۔

"لگتا ہے کوئی مالدار آسامی ہے۔ بھئی جتنے تین چار ہزار کا تحفہ محبوبہ کی جانب سے گفٹ ملے ایک ایسی محبوبہ کی جانب سے جس کی اپنی ملی حرکت خلوص ہو اور وہ سستی سے سستی شاپنگ کرنے کی کوشش میں ماری ماری

پھر رہی ہو اور تو خود اس محبوبہ کے کہنے چالیس پچاس ہزار اڑا رہا ہو گا۔"

"ہاں چالیس پچاس ہزار تجھیاں۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

☆ ☆ ☆

"ہمیں اپنی شکست کے آثار واضح نظر آ رہے ہیں بیگم حرمت النساء۔" نواب صاحب نے بہت دیر بعد کہ نہ لفظ ادا کیا۔ صاحبزادی حرمت النساء کافی دیر سے ان کی بولی کی منصوف تھیں۔ وہ عمیص سے اس کے شکستہ کے بعد سے اپنے کمرے میں بند تھے اور کسی کی ہمت نہ ہوئی اندر جانے کی۔ سب خود کو سنبھالنے کی کوشش میں تھے۔ یاسمین خوش خوش بچوں کو لے کر میکے میں چند دن فراغت اور سکون کے گزارنے آئی تھی اس بلی اور بدنگی کو سہتے ہوئے بچوں کو لے کر سرشام ہی کمرے میں سلانے چلی گئی۔ دیگر نے بچوں کے لیے چلنے کی بنی بھی اور شامی کباب بنا رہے تھے اور دو عمرے کے دھرے رہ گئے۔ دیگر بھی ایک دنے میں سر سہلا رہے تھے آج اس کی گنجائش نہیں بھی تھی۔ صاحبزادی خلعت افطار نے بھی کھانا نہ رکھا اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے بستر پہ چلی گئیں۔ یہ الگ بات کہ سب جانتے تھے آج ان کی آنکھوں میں نیند کہاں۔

عمیص تو اس کے خود ابھی تک عمرے سے نکل گیا تھا کہ مزید کسی سوال جواب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آج رات حویلی کے در و دیوار بھیشہ سے زیادہ سنسان اور اداس لگ رہے تھے۔ یہی ہولناک اداسی نواب صاحب کے لہجے میں بھی در آئی تھی جب انہوں نے اپنی شکست کا اعلان کیا۔

"حیات کہیں نواب صاحب۔" بیگم حرمت النساء بول اٹھیں۔

"نصیب شاید شکست کیسی۔ بیٹے کو ہم اتنی اونچی جگہ پہ بیٹھا کر گئی ہے نواب صاحب اور پھر بھی عمر کے بچے بزرگوں کے ساتھ ایسے اختلافات ان کی اور ہماری عمر کا تقاضا ہیں اور یہ تو وقت کی مجبوری بھی ہے اسے یوں ہی مت سمجھیے۔"

"اختلافات؟ آپ اسے اختلافات کا نام دے کر اس حادثے کی سنگینی کم کرنا چاہ رہی ہیں جو ابھی ابھی ہو گزرا ہے لیکن بیگم صاحب! حادثوں کا ازالہ یوں پل بھر میں نہیں ہو جایا کرتا۔ جن حادثوں میں ایسے عظیم نقصانات ہوں ان کا خراج بھی عظیم ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ آج ہمیں احساس دلایا گیا ہے کہ ہم ایک ناکام انسان ہیں، ہر معاملے میں ناکام۔ اپنے بچوں کی تربیت کرنے میں۔ انہیں بہتر زندگی دینے میں۔ ان کے مستقبل کے بارے میں درست فیصلہ کرنے میں ناکام رہنے کے ساتھ ساتھ ہم اپنے بزرگوں کی میراث کو سنبھالنے اور ان سے کیے گئے عہد نبھانے میں بھی سراسر ناکام رہے ہیں۔"

"یہ غلط ہے نواب صاحب! ناکام کو ہے کیسے نا سلجھے حالات میں آپ نے بیٹے بھائی بہن کے سارے کنبے کو صرف سنبھالا بلکہ بڑی آن بان اور شان کے ساتھ ہمارا خاندانی تشخص برقرار رکھتے ہوئے۔"

"یہی الزام ہے ہم پہ۔" وہ کراہا تھے۔

"اسی خاندانی تشخص کی حفاظت کرنے کی پاداش میں ہی تو ہمیں ناکام انسان ٹھہرایا جا رہا ہے۔ آپ نے سنا نہیں عمیص میاں کیسے کیسے انکشافات کر گئے۔ کیا تو اس بات کا ہے کہ ہم ان الزامات کو غلط قرار دیتے ہوئے بھی غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ کیسے ہم انہیں اپنی نیک نیتی کا یقین دلائیں کہ ہم نے تو تشخص صاحبزادی یاسمین کی بھلائی چاہی تھی۔ جس طرح محفل میں بات کا پیوند نہیں لگتا اسی طرح شرفا کی نجیب النطرتی میں برائی صاحبزادیاں بھی اور نئے لڑکوں کو سوچ رہا شرمندگی بات ہے۔ اب ہم کیا جانتے تھے کہ محفل کے لہجے میں پہچانا ہم میاں کا وجود اس قدر گہرا ہو گا۔ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں مگر تو اس کا ازالہ کرنے کا وقت گزر گیا۔ آج زندگی میں دوسری بار ہم خود کو مجرم محسوس کر رہے ہیں۔"

"دوسری بار؟"